وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

عُمدة البیان فی تفسیر القرآن

المعروف

تفسیر المدنی (الکبیر)

جلد دوم

(از قلم حقیقت رقم)

شیخ التفسیر حضرت مولانا ابو طاہر محمد اسحاق خان صاحب المدنی

(حفظه الله ورعاه وتقبل مساعيه وجعل أخراه خيرا من أولاه)

دار العلوم الاسلامیہ کشمیر الحرۃ

پلندری، ضلع سدھنوتی

آزاد کشمیر پاکستان

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اور بلاشبہ ہم نے آسان کر دیا ہے اس قرآن کو نصیحت کیلئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟

عمدة البيان في تفسير القرآن

المعروف **تفسیر المدنی** (الکبیر) جلد دوم

(از قلم حقیقت رقم)

شیخ التفسیر حضرت مولانا **ابو طاہر محمد اسحاق خان** صاحب المدنی

(حفظہ اللہ ورعاہ وتقبل مساعیہ وجعل أخراہ خیراً من أولاہ)

ناشر **دار العلوم الاسلامیہ بکشمیر الحرۃ** پلندری، ضلع سدھنوتی آزاد کشمیر، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ

اور بلاشبہ ہم نے آسان کر دیا ہے اس قرآن کو نصیحت کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟

"عُمدة البيان في تفسير القرآن"

المعروف

تفسیر المدنی (الکبیر)

ترجمہ و تفسیر

از قلم حقیقت رقم

شیخ التفسیر حضرت مولانا ابو طاہر محمد اسحاق خان صاحب المدنی

(حفظہ اللہ ورعاہ وتقبل مساعیہ وجعل أخراہ خیرا من أولاہ)

ناشر

دار العلوم الاسلامیہ بکشمیر الحرة

پلندری، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان

(Palandri Dist Sudhnoty (A.J.K) Pakistan.)

المعروف تفسیر المدنی الکبیر

DATA ENTERED

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں!

نام کتاب	:	عمدۃ البیان فی تفسیر القرآن (جلد دوم)
از قلم حقیقت رقم ترجمہ و تفسیر	:	شیخ التفسیر ابو طاہر مولانا محمد اسحاق خان صاحب المدنی دامت برکاتہم العالیہ
باہتمام	:	پروفیسر صاحبزادہ مولانا محمد طاہر خان صاحب آل مدنی حفظہم اللہ
تصحیح و تصویب:	:	مولانا ابو اسامہ حکیم ضیاء الرحمٰن ناصر سردار پوری
صفحات:	:	752
تعداد اشاعت	:	گیارہ سو (۱۱۰۰)
سن اشاعت	:	محرم الحرام ۱۴۳۲ھ بمطابق دسمبر ۲۰۱۰ء
ناشر:	:	المدنی پبلی کیشنز اسلام آباد
سٹاکس:	:	بخاری اکیڈمی فیصل آباد 0301-0313-0336-0322-8651560

297.16
156
141582
جلد ۲

براہ راست صاحب تفسیر سے رابطہ کیلئے
مدنی منزل معمورہ ءالمدنی (گہل) منگ، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر
مدنی منزل اسلام آباد، پاکستان ۰۳۳۳_۵۲۵۶۷۳۴_۰۳۳۳_۵۵۱۲۲۵۰
مدنی منزل سطوہ دبی متحدہ عرب امارات ۰۰۹۷۱_۵۰۴۵۸۲۳۲_۰۹۷۱۴_۳۴۹۰۵۸۸۲

استدعاء

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، تصحیح طباعت اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرمادیں۔ اِن شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لیے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ، وَ عَلٰى مَا يُحِبُّ وَ يُرِيْدُ، (ادارہ)

اہداء و انتساب

اُس وحدہٗ لاشریک سبحانہ وتعالیٰ کے حضور اور اُسی کے نام

۞ — جس کا میں بندہ ہوں اور جس کے فضل و کرم اور رحمت و عنایت میں میرے جسم و جاں کا رواں رواں ڈوبا ہوا ہے اور جس کا شکر ادا کرنا میرے بس میں نہیں۔ اور جس سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق و عنایت سے اس کی کتابِ حکیم کے ترجمہ و تفسیر کی یہ خدمت، اور عظیم الشان سعادت نصیب ہوئی ہے۔ فَالْحَمْدُ لَہٗ قَبْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَّ بَعْدَ کُلِّ شَیْءٍ ورنہ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم سحر یہ تیری مہربانی ہے

۞ — پس اسی کے حضور دست بدعا اور سراپا عرض و التجا ہوں کہ وہ محض اپنی شانِ کریمی سے اس بندۂ ناچیز کی اس طالب علمانہ کوشش کو شرفِ قبولیت سے نواز کر اسے نفعِ عام اور راقم آثم کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ بنا دے۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَیْہِ بِعَزِیْزٍ، وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، وَّلَا حَدَّ لِجُوْدِہٖ وَکَرَمِہٖ وَھُوَ بِالْاِحْسَانِ جَدِیْرٌ۔
نیز یہ کہ اس کارِ عظیم کے دوران جو بھی کوئی تقصیر و کوتاہی راقم آثم سے سرزد ہوئی ہو۔ خواہ اس کا تعلق نیت و ارادہ سے ہو، یا عمل و اداء سے، اس کو اپنی رحمت و عنایت سے معاف فرما دے کہ وہ غفور بھی ہے، اور رحیم بھی، تَبَارَکَ وَتَعَالٰی

۞ — اور اس کو اپنی بارگاہِ اقدس و اعلیٰ میں قبول فرما کر اسے راقم اثم کیلئے، راقم کے والدین مرحومین، اور دوسرے اعزہ و اقارب کے لئے، راقم کی بیوی اور بچوں کے لئے، بہنوں اور بھائیوں اور دوسرے تمام رشتہ داروں کیلئے خیر و برکت اور دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ اور ابدالآباد تک باقی رہنے والا صدقۂ جاریہ بنا دے، آمین ثم آمین۔

۞ — نیز اس کو راقم کے اساتذہ و مشائخ، اہلِ مسلک اور جملہ اہلِ حق، اور اہلِ ایمان کیلئے رحمتوں برکتوں اور دارین کی فوز و فلاح اور سعادت و کامرانی کا ذریعہ بنائے اور اس سے حق اور اہلِ حق کا بول بالا ہو۔ اور ان کے مقابلے میں اہلِ کفر و باطل میں سے جن کے نصیب میں ہدایت ہو ان کو ہدایت و رحمت کے نور سے نوازنے کا ذریعہ بنا دے، اور جن کے نصیب میں یہ نور ملنا مقدر نہ ہو، ان کو خائب و خاسر، اور ناکام و نامراد کر دے۔ امین ثم امین یا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ، وَاِنَّہٗ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ، وَبِالْاِجَابَۃِ جَدِیْرٌ، وَعَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَھُوَ عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِہٖ بِہٖ جَلَّ وَعَلَا، وَھُوَ اَرْحَمُ بِعِبَادِہٖ مِنْھُمْ لِاَنْفُسِھِمْ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَّھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔

وانا عبده العاصی ولرحمته الراجی محمد اسحاق خان (عفا الله عنه وعافاه و جعل عقباه خیرا من اولیه) أحدُ طلبة العلم. المقیم بدبی (السطوة) الامارات العربیة المتحدة ۱۲ صفر ۱۴۱۷ھ الموافق ۲۷ یونیو ۱۹۹۶ء یوم الخمیس۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

والصلوٰة والسلام علی اشرف الانبیاء وسید المرسلین ، نبینا محمد وعلیٰ اٰله وصحبه اجمعین ، ومن اھتدی بھدیه، ودعا بدعوته الی یوم الدین. وبعد

۞ یہ بندۂ ناچیز محمد اسحاق خان، ولد سردار خانولی خان، ولد سردار نواب خاں، علیہم شآبیب الرحمۃ والغفران ۔ جوکہ آزاد کشمیر، پاکستان، کے ایک پسماندہ اور دورافتادہ مگر مردم خیزی میں امتیازی مقام اور خاص شہرت رکھنے والے خطہ "منگ" کا رہنے والا ہے۔ برادرانِ اسلام کی خدمت میں عرض پرداز ہے، کہ قرآن حکیم کے ترجمہ وتفسیر کے جس عظیم الشان اور جلیل القدر کام کا آغاز ایک عرصہ قبل کیا تھا وہ ربع صدی سے بھی زیادہ عرصے کی طویل محنت اور جہدِ مسلسل کے بعد اب جا کر پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے والحمدللہ رب العالمین ۔ اَلَّذِیْ لَاتَتِمُّ الصَّالِحَاتُ اِلَّا بِتَوْفِیْقٍ مِنْهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی

۞ اس عظیم الشان اور جلیل القدر کام کے سلسلہ میں جن امور کا التزام کیا گیا۔ اور جن خطوط پر اس سلسلہ میں محنت کی گئی، ان سب کا ذکر تفصیل کے ساتھ مقدمۂ تفسیر میں کر دیا گیا، جو کہ الگ ایک مستقل کتاب کی شکل میں عرصہ قبل چھپ چکا ہے۔ والحمدللہ، اس لئے اس کے اعادہ وتکرار کی نہ ضرورت ہے، اور نہ گنجائش، اس وقت تو صرف اس عملِ جلیل کی قبولیت عنداللہ کی دعا کی اپیل و درخواست ہے اور بس، اس دوران جو بھی کوئی کوتاہی راقم اثم سے سرزد ہوگئی ہو۔ خواہ اس کا تعلق ارادہ ونیت سے ہو۔ یا عمل واداء سے اللہ تعالیٰ اس سب کی بخشش فرما کر اس قرآنی خدمت کو اپنی بارگاہِ اقدس میں قبول فرمالے۔ اور اس کو پوری دنیا میں نورِ حق وہدایت کی اشاعت کا ذریعہ بنادے، اٰمین ثم اٰمین، یاربَّ العالمین، ویاارحم الراحمین، واکرم الاکرمین۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے قبول فرما کر اس کو راقم اثم اور راقم کے جملہ متعلقین کے لئے ہمیشہ ہمیش کیلئے باقی رہنے والا ایسا صدقۂ جاریہ بنادے۔ جس سے دنیا ساری میں نورِ توحید کا اجالا ہو جائے، اور شرک وبدعت کے اندھیرے چھٹ جائیں۔ اور حق اور اہلِ حق کا بول بالا ہو، اٰمین ثم اٰمین یاربَّ العالمین وانه سبحانه وتعالٰی ولی ذالک والقادر علیه جل وعلا شانه

وانا عبده الضعیفُ المفتقر الی رحمته جلّ وعلا فی کلّ حین واٰن، وبکل حالٍ من الاحوال، مُحَمَّد اسحاق خان (عفا اللّٰه عنه وعافاه)

یکے از خُدّامِ علم واھلِ علم، مقیم دبی ۱۱ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ ۶ نومبر ۲۰۰۳ء

بروز جمعرات سات بجے شام سطوہ دبی (قُبَیلَ اذان العشاء) والحمدُ لِلّٰهِ جلّ وعلا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

"عمدة في البيان والتفسير"

من كلمات فضيلة الشيخ محمد عبد الله احمد ناصر الموزعي من اليمن

اشرق النُّور في دروب المسير *** فتجلى للباحث المستنير
و تحلي اليراع فيه سرورا *** بالمعاني و أجمل التصوير
و عقود الجمان في الدهر أضحت *** تتسامي بدقة التعبير
إن هذا التفسير عذب جميل *** طيب النشر في رياض السطور
تتغذى منه العُقول بديعًا *** بالتسالي وروعة التحرير
للكتاب العزيز خير بيان *** لَيس فيه شوائب من قصور
أوضح الحكم في الوقائع فقها *** بينًا بالدليل و المأثور
وروى سيرة الأوائل فيه *** قصصًا بالصحيح و المشهور
ونعيم الجنان فيه حديث *** ذو شجون يزهو بريا العبير
والوعيد الشديد للنّاس إن هم *** خالفوا منهج العلي القدير
والصّفات الحسان لله والأسماء *** سُبحانه عديم النظير
وحديث الإيمان بالله نُور *** في الحشايا يُوحي بشرح الصُّدور
في مجال الإرشاد قد صاغ درا *** يتلألأ بالنصح و التذكير
سُرّيا دهرُ في الوُجود بهاء *** أبديًا بعالم نحرير
سهرت عينه الليالي فنالت *** كُل فضل بجهده المشكور
فبدى للأنام فيه كتاب *** قد توشي باحرف من نور
حقه أن يقال فيه لعمري *** "عُمدة في البيان والتفسير"

ذاك الحديث العزب الرقراق *** والعلم والايمان والأخلاق
يتناثر الإيمان من أوصافه *** و الحب و الأنوار و الإشراق
لا تعجبوا من حسن منطقه فذا *** أُنس المجالس شيخنا إسحاق

دار العلوم الاسلامیۃ بکشمیر الحرۃ
پلندری، ضلع سدھنوتی،
آزاد کشمیر، پاکستان

اپنی اس تفسیر سے متعلق برادرانِ اسلام کی خدمت میں

تین اہم گزارشیں

ا اس بندۂ ناچیز نے اپنی اس تفسیر کی تحریر وتسوید کے دوران ہر مرحلے پر یہ دعاء بھی کی اور کوشش بھی کہ یہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضاء کیلئے ہو، اور اس میں ریاء وسمعہ کا کوئی شائبہ نہ پایا جائے۔ لیکن نفس وشیطان کے شر سے بچنا بہت مشکل ہے۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّیْ۔ اس لئے برادرانِ اسلام سے اس بارہ اس مخلصانہ دعاء کی اپیل و درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کو خالص اپنی رضا کیلئے قبول فرمالے۔ اور اس ضمن میں جو بھی تقصیر وکوتاہی اس بندۂ ناچیز سے سرزد ہوئی ہو اس کو معاف فرمادے، خواہ اس کا تعلق نیت وارادہ سے ہو، یا عمل واداء سے۔ فَاِلَیْهِ نَتَضَرَّعُ اَنْ یَّجْعَلَهٗ خَالِصًا لِوجهه الكريم. وَاَن یَّجْعَلَهٗ اَخْلَصَ مَایکونُ، وَاَحَبَّ مَایَکُوْنُ، وَاَنْفَعَ مَایکون. وَاَوْسَعَ مَایَکُوْنَ، وَاَبْقٰی مَایَکُوْنَ، اِنَّهٗ سُبْحَانَهٗ وتعالٰی سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ مُجِیْبٌ، وَعَلٰی مَایَشَاءُ قدیر،

ب جبکہ دوسری گزارش اس بارہ میں حضرات اہل علم سے یہ ہے کہ اس عظیم الشان اور جلیل القدر کام سے متعلق جو بھی کوئی تقصیر و کوتاہی ان کی نظر سے گزرے، یا اسکی اصلاح اور بہتری سے متعلق جو کوئی بھی رائے اور تجویز ان کے سامنے آئے، اس سے آگہی بخشیں تاکہ اس سے استفادہ کیا جاسکے۔ اور آئندہ ایڈیشن میں اسکی روشنی میں اصلاح کی جاسکے۔ کیونکہ بندہ بہرحال بندہ اور محتاج دعاء واصلاح ہے، وَالْکَمَالُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ لاشریک لَهٗ۔ وَهُوَ وَلِیُّ التَّوْفِیْق، لِمَایُحِبُّ ویرید، وعلی مایُحِبُّ ویرید، سبحانه و تعالٰی، وَجَلَّ وَ عَلَا،

ج اور تیسری گزارش اس ضمن میں ہر اس شخص سے جو کہ دل دردمند رکھتا ہو، یہ ہے کہ وہ اسکی کوشش کرے۔ اور اس کوشش میں حتی المقدور حصہ لے، کہ یہ تفسیر ہر شخص کے پاس اور ہر ہر گھر میں پہنچے، تاکہ قرآن وسنت کا نورِ مبین ہر ہر گھر میں پھیلے۔ اور ہر ہر گھر اور ہر ہر دل نورِ قرآن وسنت سے منور ومعمور ہو۔ کہ یہ دین حق کا ہم پر حق بھی ہے۔ اور امتِ مسلمہ اسکی سب سے زیادہ محتاج بھی ہے۔ اللہ توفیق بخشے، امین ثم امین

وبالله التوفيق لمايحب ويريد، وعلى مايحب ويريد، بِكُلِّ حالٍ من الاحوال، وفى كل موطنٍ من المواطن فى الحياة، وهو الهادى الى سواء الصراط ١٠ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ ۲۲ مئی ۲۰۰۵ء

وانا عبدهٗ العاصی ولرحمتہ الراجی محمد اسحق خان (عفا اللہ عنہ دعافاہ)
مدنی منزل معمورۃ المدنی (گہل) منگ، ضلع سدہنوتی، آزاد کشمیر۔ پاکستان
والحمد للہ رب العالمین قبل کل شئی وبعد کل شئی

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — دوم

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
اللہ بری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا	۳۷	یہود کی قساوتِ قلبی کا ایک اور نمونہ و مظہر	۴۶
مظلوم کو اظہارِ مظلومیت کی اجازت	۳۷	یہود بے بہبود کو شبہے میں ڈالنے کا بیان	۴۶
اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے،	۳۸	رفع عیسیٰ علیہ السلام کا بیان	۴۷
بھلائی انسان کے اپنے ہی لئے	۳۸	اللہ تعالیٰ کی صفت عزت و حکمت کا حوالہ و ذکر	۴۷
رسول کا انکار اللہ کے ساتھ کفر ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۳۸	اہلِ کتاب کے ہر شخص کے حضرتِ عیسیٰ پر ایمان لانے کا ذکر و بیان	۴۷
کفر و اسلام کے بیچ کا راستہ بھی کفر ہی کا راستہ ہے وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۳۹	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گواہی قیامت کے روز	۴۸
کسی بھی رسول کا انکار کفر ہے،	۳۸	یہودیوں کے ظلم عظیم کا بیان	۴۹
کافروں کے لئے رسوا کن عذاب	۳۸	تحریم طیبات، یہود کیلئے ایک نقد سزا	۴۹
سچے ایمانداروں کی نشاندہی	۴۱	حق سے روکنا ایک اور یہودی خصلت	۴۹
سچے ایماندار کیلئے اُن کے اجر کا وعدہ	۴۱	یہود کی سود خوری کا بیان	۵۰
اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت کا حوالہ و ذکر	۴۱	یہود کی رشوت ستانی اور حرام خوری کا بیان	۵۰
اہلِ کتاب کا ایک بیہودہ مطالبہ	۴۲	کافروں کے لئے بڑا ہی دردناک عذاب ہے	۵۰
یہود کی اُن کے بیہودہ مطالبہ پر سزا	۴۲	نورِ علم کی عظمتِ شان	۵۰
بنی اسرائیل کے گوسالہ پرستی کے جرم کا ذکر	۴۲	سچا اور پکا ایمان ہی باعثِ نجات ہے	۵۱
بنی اسرائیل کے اس جرم سنگین کا ایک اور پہلو	۴۲	آسمانی کتابیں سب کی سب ایک ہی مصدر فیض سے	۵۱
موسیٰ علیہ السلام کو کھلے غلبہ سے نوازنے کا ذکر	۴۳	نماز کی خصوصی اہمیت کا ذکر	۵۱
بنی اسرائیل پر رفع طور کا ذکر	۴۳	زکوٰۃ مالی عبادات میں سب سے اہم عبادت	۵۲
بنی اسرائیل سے عہد اور اس کی نوعیت؟	۴۳	اللہ اور قیامت پر ایمان کی عظمت و اہمیت	۵۳
سُجَّدًا سے مقصود مراد؟	۴۳	مومنین صادقین کیلئے اجرِ عظیم کی بشارت	۵۳
بنی اسرائیل سے قانون سبت کے عہد کی پابندی کا ذکر و بیان	۴۵	وحی محمدی کوئی انوکھی چیز نہیں	۵۳
قتلِ انبیاء سراسر ظلم اور ناحق فعل، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۴۵	زبور کا معنی و مطلب اور اس سے مراد؟	۵۳
غُلف کا معنی و مطلب؟	۴۵	جلیل القدر حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر	۵۴
ایمانِ قلیل سے مقصود و مراد	۴۶	سب رسولوں کا ذکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں فرمایا گیا	۵۴
حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان بازی کے جرم عظیم کا ذکر	۴۶	پیغمبروں کا کام انذار و تبشیر اور بس	۵۵

جلد دوم — تفصیلی فہرست عنوانات

عنوانات	صفحہ
رسولوں کی بعثت قطع حجت کے لئے	۵۵
اللہ کی گواہی وحی کی حقانیت وصداقت پر	۵۶
وحی خداوندی کا نزول علم خداوندی کے ساتھ	۵۶
اللہ کی گواہی کافی	۵۷
ہٹ دھرمی باعث ہلاکت ومحرومی،	۵۷
کفر وباطل پر اڑنا محرومیوں کی محرومی	۵۷
کفار ومنکرین کیلئے ہمیشہ کا عذاب دوزخ، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۵۸
ایمان لانے میں خود ایمان والوں کا بھلا	۵۸
کائنات پوری اللہ ہی کی ہے،	۵۸
دین میں غلو سے ممانعت	۵۹
اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہنے کی ہدایت	۶۰
حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام حضرتِ مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں	۶۰
عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں اور بس	۶۱
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہنے کی وجہ	۶۱
عیسیٰ علیہ السلام کے روح اللہ ہونے کا مطلب؟	۶۱
مت کہو کہ خدا تین ہیں	۶۳
کفر وباطل سے باز آنے میں بندے کا خود اپنا ہی بھلا	۶۳
معبودِ برحق اللہ ہی ہے	۶۳
اللہ کی کوئی اولاد نہیں	۶۳
سب کچھ اللہ ہی کا ہے	۶۴
حضرتِ مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بندہ ہونے سے عار نہیں تھی	۶۴
حق سے محروم لوگوں کیلئے نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار	۶۵
بُرہانِ رب سے مقصود ومراد؟	۶۵
کھول کر بیان کرنے والی روشنی کا ذکر وبیان	۶۶
نورِ مبین سے مراد قرآنِ حکیم	۶۶

عنوانات	صفحہ
سیدھی راہ سے سرفرازی کا نتیجہ وثمرہ	۶۷
کلالہ کی میراث کے بارے میں سوال اور اس کا جواب	۶۷
بہن سے یہاں پر مراد	۶۸
کلالہ عورت کی میراث کا حکم	۶۸
بیانِ احکام کی غرض وغایت	۶۹
اللہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے	۶۹
(۵) سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ (۱۱۲)	۷۱
عہود ومواثیق کی پابندی کا حکم وارشاد	۷۱
چوپایہ جانوروں کی حلت کا بیان	۷۱
حرام جانوروں کا اِستثناء	۷۲
اللہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے	۷۲
شعائر اللہ سے مراد؟ اور اہلِ بدعت کی ایک تحریف کا جواب	۷۳
اِشہر حُرم کی بے حرمتی کی ممانعت	۷۴
احرام سے فراغت کے بعد شکار کی اجازت واباحت کا بیان	۷۵
زیادتی کے جواب میں زیادتی نہ کرنے کی ہدایت	۷۵
باہمی تعاون کے بارے میں ایک عظیم الشان اُصول وضابطہ کی	۷۶
نذر ونیاز کے بارے میں اہم اور بنیادی تعلیم	۷۷
غیر اللہ کے نام کی نامزدگی کی حرمت کا بیان اور اہلِ بدعت کے مغالطے کی تردید	۷۷
تذکیہ شرعی کے ذریعے حلت کا استثناء	۷۸
غیر اللہ کے تقرب کیلئے ذبح کی جانے والی چیز حرام	۷۸

جلد تفصیلی فہرست عنوانات دوم

عنوانات	صفحہ
"اِحداث فِی الدِّین" کی ممانعت اور اہلِ بدعت کے ایک مغالطے کا جواب	۷۹
تکمیلِ دین کا مژدۂ بے مثال وجانفزا	۸۰
اتمامِ نعمت کا مژدہ جانفزا	۸۱
خداوندِ قدوس کا پسندیدہ دین صرف اسلام	۸۲
حلت شکار کے بارے میں سوال کا جواب	۸۲
شکاری جانور اور اُن کا شکار	۸۳
شکاری جانوروں کے شکار کی حلت کا بیان	۸۴
شکاری جانوروں کے شکار کی حلت کیلئے ایک شرط کا بیان	۸۴
اہلِ ایمان کیلئے پاکیزہ چیزوں کی حلت کا اعلان	۸۴
اہلِ کتاب کے طعام کی حلت کا بیان	۸۵
پاک دامن عورتوں سے نکاح کیلئے ایک بنیادی شرط	۸۶
کفر بالایمان کا مطلب اور اس کی خطورت؟	۸۷
وضو میں "غَسلِ رِجلَین" کا حکم وارشاد	۸۷
ملامست سے مراد؟	۸۹
احکام خداوندی کی تعمیل طہارت وپاکیزگی کا ذریعہ	۸۹
اتمامِ نعمت کی عنایت کا ذکر وبیان	۸۹
شکرِ نعمت ایک اہم نعمت	۸۹
تذکیرِ نعمت برائے شکرِ نعمت	۹۰
یثاقِ خداوندی کی تذکیر ویاد دہانی	۹۰
اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ وذکر	۹۰
عدل وانصاف کی اہمیت اور اس کی تاکید وتلقین	۹۱
ایمان والوں کیلئے بہت بڑے اجر کا وعدہ	۹۲
ایمان وسیلۂ امن وامان	۹۲
اللہ پر بھروسہ ایمان کا تقاضا	۹۳

عنوانات	صفحہ
اللہ تعالیٰ کی معیت کی تذکیر ویاد دہانی	۹۴
اللہ کو قرض دینے کا معنی ومطلب؟	۹۴
کفر وانکار باعثِ محرومی وہلاکت	۹۴
قسوتِ قلب محرومیوں کی محرومی	۹۵
تحریف کی تین صورتیں	۹۵
ذکر ونصیحت خداوندی کو بھلا دینا محرومیوں کی محرومی	۹۶
خیانت وبددیانتی یہود کی موروثی خصلت اور ان کی طبیعت ثانیہ	۹۶
نصاریٰ کے عہد کا ذکر	۹۸
دینِ حق سے انحراف واعراض کا نتیجہ تشتت وانتشار	۹۸
اہلِ کتاب کے جرم کتمان کی پردہ داری کا ذکر وبیان	۹۹
دینِ حنیف کی سماحت کا ایک نمونہ ومثال	۹۹
نور سے مراد کتاب مبین	۹۹
صدقِ نیت کی عظمتِ شان	۱۰۰
حلولِ مسیح کا عقیدہ قطعی اور کھلا کفر ہے	۱۰۱
اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی کسی کے کچھ کام نہیں آسکتا	۱۰۲
پوری کائنات میں بادشاہی اللہ وحدہ لاشریک ہی کی ہے	۱۰۲
"صاحبزادگی" کا مرض اور اس کے شاخسانے؟	۱۰۳
اللہ تعالیٰ کا ہر حکم مبنی برحق اور حکمت ہوتا ہے	۱۰۳
سب کا رجوع اللہ تعالیٰ ہی کی طرف	۱۰۴
بعثت پیغمبر کے احسانِ عظیم کی تذکیر ویاد دہانی	۱۰۴
نبوت کی نعمت قدرت کی سب سے بڑی نعمت	۱۰۵
حکومت وبادشاہی دنیاوی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت	۱۰۶
تذکیرِ نعم برائے شکرِ نعم	۱۰۶
ارضِ مقدس اور اسکی بعض عظیم الشان نعمتوں کا ذکر	۱۰۶

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — دوم

عنوانات	صفحہ
اطاعت خدااور رسول سے رُوگردانی	
باعثِ ہلاکت وتباہی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۱۰۷
قوتِ ایمانی سے محرومی ہر خیر سے محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۱۰۷
اطاعتِ خدااور رسول ذریعہ فوز وفلاح	۱۰۸
اللہ کی مدد کی توقع رکھنا باعثِ سرفرازی	۱۰۸
ایمان کا تقاضا کہ بھروسہ صرف اللہ پر	۱۰۹
وفااور بے وفائی کے دو متضاد اور عبرت انگیز نمونے	۱۱۰
اللہ کے سوا کوئی بھی مختارِ کل نہیں، سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی	۱۱۰
ایمان ویقین ذریعۂ سکون وقرار	۱۱۱
بدکاروں کے انجام بد پر افسوس نہ کرنے ہدایت	۱۱۱
آدم کے دو بیٹوں کی قربانیوں کا ذکر	۱۱۳
حسد سب سے پہلا اور بڑا ہولناک جرم وگناہ	۱۱۳
تقویٰ اصلاح وقبولیت کی اولین اساس	۱۱۳
اقدام قتل سے بچنے کی تعلیم وتلقین	۱۱۴
قاتل کیلئے دوہری سزا، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۱۱۴
ظالم کا بدلہ دوزخ، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۱۱۴
تمرد وسرکشی کا نتیجہ ہلاکت وتباہی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۱۱۵
قابیل کا انتہائی ہولناک خسارے میں پڑنا	۱۱۵
ندامت مطلوب ومعتبر کی نشاندہی	۱۱۶
قتل کے بدلے قتل کی اجازت	۱۱۶
فسادفی الارض کی سزا قتل،	۱۱۷
حرمت نفس کی عظمتِ شان کا ذکر وبیان	۱۱۷
ایک جان کو بچانا سب لوگوں کی جان بخشی کے برابر	۱۱۷
عوام الناس کی اکثریت حجت نہیں	۱۱۹
فسادفی الارض اللہ اور اس کے رسول کے	
خلاف جنگ کے برابر	۱۱۹
باغیوں اور رہزنوں کے قتل کا حکم	۱۲۰
محاربہ کی دوسری سزا سولی	۱۲۰
مخالف سمتوں سے ہاتھ اور پاؤں کاٹنے کی سزا	۱۲۰
چار جرائم پر چار سزاؤں کا ذکر وبیان	۱۲۰
تقویٰ وپرہیزگاری کی عظمتِ شان	۱۲۱
وسیلہ کا مفہوم اور اس سے مراد؟	۱۲۱
جہاد فی سبیل اللہ ذریعۂ فوز وفلاح	۱۲۲
حیاتِ دنیا کی نعمت اور اس کی عظمتِ شان	۱۲۲
کافر کیلئے دوزخ کا دائمی عذاب	۱۲۴
چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا کا بیان	۱۲۴
آخرت میں معافی کیلئے سچی توبہ ضروری ہے	۱۲۴
اللہ کی بعض اہم صفات کا حوالہ وذکر	۱۲۵
ادب رسالت سے متعلق ایک اہم ادب کی تعلیم وتلقین	۱۲۵
کافروں کے کفر پر غم اور افسوس نہ کرنے کی ہدایت	۱۲۶
منکرین کے اصل روگ کی نشاندہی	۱۲۶
مخبری اور جاسوسی یہود اور منافقین کی قدیم خصلت	۱۲۶
تحریف کلام یہود کی ایک اور بُری خصلت	۱۲۷
اتباع ہویٰ دین کے نام سے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۱۲۷
ہدایت پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہوتی	۱۲۸
بدنیتی باعثِ محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۱۲۸
یہود کی ضرب المثل حرام خوری کا ذکر وبیان	۱۲۹
پیغمبر کیلئے ایک اختیار کا ذکر وبیان	۱۲۹
عدل وانصاف کی پابندی کا حکم وارشاد	۱۳۰
ہردعوے کیلئے عملی ثبوت کی ضرورت	۱۳۰

جلد دوم — تفصیلی فہرست عنوانات

عنوانات	صفحہ
یہود کا تورات پر بھی ایمان نہیں	۱۳۱
تورات کے ہدایت اور نور ہونے کا مطلب؟	۱۳۱
اہلِ کتاب کے سامنے ان کے اسلاف کا نمونۂ عمل	۱۳۲
کتاب الٰہی کی اصل حیثیت اس کے مرجع حکم وارشاد ہونے کی ہے	۱۳۲
قرآنِ حکیم کی ایک امتیازی شان کا ذکر وبیان	۱۳۳
اہلِ کتاب کے علماء اپنی کتاب کے شاہد	۱۳۳
شہادت حق کا تقاضا کہ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرا جائے	۱۳۴
حق فروشی سے تحذیر وممانعت	۱۳۴
اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنا کفر ہے،	۱۳۴
حق قصاص کو معاف کرنے کی ترغیب	۱۳۶
حق قصاص کا معاف کرنا موجب کفارۂ ذنوب	۱۳۶
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق تورات کیلئے	۱۳۶
اللہ کی شریعت پر عمل نہ کرنے والے فاسق	۱۳۷
قرآنِ حکیم کا نزول حق کے ساتھ	۱۳۷
قرآن حکیم کی تصدیق سابقہ آسمانی کتابوں کیلئے	۱۳۸
قرآنِ حکیم کے مہیمن ہونے کا مطلب	۱۳۸
اتباع ہویٰ باعثِ ہلاکت وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۱۳۹
ہر امت کیلئے ایک شریعت اور واضح راستہ	۱۳۹
نیکیوں میں سبقت لے جانے کی تعلیم وتلقین	۱۴۰
اختلافات کا آخری فیصلہ قیامت کے روز	۱۴۰
اعمال کا پورا بدلہ صرف آخرت میں	۱۴۲
عوام کی اکثریت کی رائے معیارِ حق نہیں ہو سکتی	۱۴۲
سب سے اچھا حکم وفیصلہ اللہ ہی کا ہے	۱۴۲
یہود ونصاریٰ کو دوست بنانے کی ممانعت	۱۴۳
اہلِ کفر آپس میں ایک ہیں	۱۴۳
اہلِ کفر وباطل سے دوستی کا انجام بڑا ہولناک ہے	۱۴۳
اللہ ظالموں کو ہدایت سے نہیں نوازتا	۱۴۴
منافقین کے منافقانہ رویے کا ذکر وبیان	۱۴۵
منافقت خود اپنے آپ سے دھوکہ، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۱۴۵
صدق واخلاص کامیابی کی اصل واساس	۱۴۵
منافقت کا نتیجہ وانجام رسوائی وپریشانی	۱۴۶
ایمان ویقین سے محرومی ہر خیر سے محرومی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۱۴۶
جہاد فی سبیل اللہ اہلِ ایمان کی ایک اہم اور امتیازی صفت	۱۴۷
اہلِ ایمان کی للّٰہیت اور اُس کا صلہ وثمرہ	۱۴۸
اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اسی کی مشیت ومرضی پر سُبْحَانَهٗ وَتَعَالیٰ	۱۴۸
ایمان والوں کا بھروسہ اللہ ہی پر	۱۴۸
اہلِ ایمان کی بعض خاص صفات کا ذکر وبیان	۱۵۰
خوف وخشیتِ خداوندی تقاضائے ایمان ویقین وباللہ التوفیق	۱۵۰
دین کے احکام کا مذاق اُڑانا عقل وخرد کی دشمنی	۱۵۰
اہلِ کتاب کے دلوں پر ایک دستک	۱۵۱
جرم بے گناہی کی سزا، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۱۵۱
مسلمانوں کا ایمان سب آسمانی کتابوں پر	۱۵۲
یہود کے بندر اور خنزیر بننے کا مطلب؟	۱۵۳
طاغوت سے مقصود ومراد؟	۱۵۳
اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ وذکر	۱۵۵
گناہوں سے روکنا علماء ومشائخ کی اہم ذمہ داری	۱۵۵
فریضۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے تخصیص وتحریک	۱۵۶
یہود کی یاوہ گوئی کا ایک نمونہ ومظہر	۱۵۷
یہود بے بہبود ہر خیر سے محروم، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۱۵۷

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — دوم

عنوانات	صفحہ
یہود پر پھٹکار اُن کی اپنی بیہودہ گوئی کی بناء پر	۱۵۷
اللہ تعالیٰ کی عطاؤ بخشش مسلسل اور لامحدود	۱۵۸
خُبثِ باطن محرومی کی جڑ بنیاد، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۱۵۸
یہود ونصاریٰ کے باہمی بغض وبیر کا ذکر وبیان	۱۵۸
ان کے آتشِ جنگ بھڑکانے کا ذکر	۱۵۹
فساد فی الارض اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک مبغوض عمل	۱۵۹
اقامتِ دین سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ	۱۶۰
ایمان وتقویٰ باعثِ سعادت دارین	۱۶۰
عوام کی اکثریت ہمیشہ غلط کاروں ہی کی رہی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۱۶۱
پیغمبر کو پورے دین کی تبلیغ کا حکم وارشاد	۱۶۲
کفر پر اڑنے والوں کو ہدایت نہیں مل سکتی	۱۶۳
حق وہدایت کو اپنائے بغیر انسان کی کوئی قدر وقیمت نہیں	۱۶۳
خُبثِ باطن اور بدنیتی محرومی وفساد کی جڑ بنیاد، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۱۶۴
پیغمبر کی ذمہ داری تبلیغ حق ہے اور بس	۱۶۴
ہدایت سے سرفرازی کیلئے قانونِ عام کا ذکر وبیان	۱۶۵
صابئین سے کون مراد ہیں؟	۱۶۵
مدارِ نجات ایمان وعمل اور بس	۱۶۵
اتباع حق ہی ذریعہ نجات وسرفرازی	۱۶۶
ایمان وسیلۂ امن وامان	۱۶۷
بنی اسرائیل کے عہد کا ذکر وبیان	۱۶۷
اتباع ہویٰ کے ہولناک انجام کا ایک نمونہ	۱۶۷
''صاحبزادگی'' کا مرض اور اس کے شاخسانے	۱۶۸
استکبار ایک ہولناک مرض، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۱۶۸
اللہ تعالیٰ کے علم وآگہی کا حوالہ وذکر	۱۶۹
حلول مسیح کا عقیدہ قطعی طور پر کفر ہے	۱۶۹

عنوانات	صفحہ
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اظہار واعلان عبدیت وبندگی	
مشرک کیلئے جنت حرام اور دوزخ واجب	۱۷۰
تثلیث کے قائل پکے کافر ہیں	۱۷۱
معبودِ برحق صرف اللہ وحدہ لاشریک	۱۷۱
کافروں کیلئے بڑا ہی دردناک عذاب ہے	۱۷۱
اللہ تعالیٰ کی بخشش ورحمت کا حوالہ وذکر	۱۷۲
حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف اللہ کے رسول تھے اور بس	۱۷۲
الوہیتِ عیسیٰ علیہ السلام کی تردید انبیاء سابقین کے حوالے سے	۱۷۳
حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق تمام مزاعمِ باطلہ کی تردید صرف دولفظوں سے	۱۷۳
الوہیتِ مسیح کی تردید کیلئے ایک سادہ وموثر اور وقیع دلیل کا ذکر وبیان	۱۷۴
مت ماری کی سزا ایک ہولناک سزا، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۱۷۴
غیر اللہ کی پوجا سراسر حماقت، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۱۷۵
دین میں غلو اور حد سے بڑھنے کی ممانعت	۱۷۶
اتباع ہویٰ کا نتیجہ ہولناک محرومی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۱۷۷
بنی اسرائیل کے منکروں پر لعنت کا ذکر	۱۷۷
بنی اسرائیل کے اس ہولناک انجام کے سبب و وجوہ کا ذکر وبیان	۱۷۸
دعویٰ ایمان کا اور کام کفر کا، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۱۷۸
یہود کا اپنے پیغمبر پر بھی ایمان نہیں	۱۷۹
یہود کا اپنی کتاب پر بھی ایمان نہیں	۱۸۰
ایمان کا تقاضا کہ دوستی صرف ایمان والوں سے	۱۸۰
اکثریت فاسقوں اور بدکاروں کی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۱۸۰
مسلمانوں کے سب سے بڑے اور سخت دشمنوں	۱۸۱

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — دوم

عنوانات	صفحہ
کی تشخیص ونشاندہی	
اہلِ ایمان سے نسبتاً زیادہ قرب رکھنے والے لوگ؟	۱۸۱
نصاریٰ کے نسبتاً زیادہ قریب ہونے کی وجہ	۱۸۲
معرفت حق کا نتیجہ واثر خوف وخشیت خداوندی	۱۸۲
حق پرست نصاریٰ کی مخلصانہ دعاء کا ذکر	۱۸۴
صدق واخلاص کا نتیجہ رجوع الی الحق	۱۸۵
جنت کی نعمتوں کی عظمتِ شان	۱۸۵
منکروں کا انجام دوزخ، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه جَلَّ وَعَلَا	۱۸۵
تحریم طیبات کی ممانعت	۱۸۶
حدود سے تجاوز کرنے کی ممانعت	۱۸۷
نعمتوں سے سرفرازی کا تقاضا شکر وسپاس خداوندی	۱۸۷
اکل طیبات کیلئے دو شرطوں کا ذکر وبیان	۱۸۸
تقویٰ وپرہیزگاری ایمان کا تقاضا	۱۸۸
یمین لغو پر کوئی مؤاخذہ نہیں	۱۸۸
مؤاخذہ یمین منعقدہ پر ہوتا ہے	۱۸۹
یمین منعقدہ کو توڑنے پر کفارہ	۱۸۹
کفارۂ یمین کی تین صورتوں کا ذکر وبیان	۱۹۰
قسموں کی حفاظت کی تلقین وتعلیم	۱۹۰
تبیین آیات ایک عظیم الشان نعمتِ خداوندی	۱۹۱
شکر نعمت ایک مطلب جلیل	۱۹۱
"نُصُب" کا معنیٰ ومفہوم؟	۱۹۲
"اَزْلَام" سے مقصود ومراد؟	۱۹۲
شراب اور جوا وغیرہ سب شیطانی کام	۱۹۳
شراب اور جوا بغض وعداوت کا باعث، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۱۹۳
شراب اور جوا وغیرہ یاد خداوندی سے	
محرومی کا باعث، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۱۹۳
شراب اور جوا نماز سے محرومی کا باعث، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۱۹۴
محرمات سے بچنے کی پرزور ترغیب وتحریض	۱۹۴
اِطاعت خدا اور رسول کا حکم وارشاد	۱۹۵
حذر واحتیاط کی تعلیم وتلقین	۱۹۵
رسول کی ذمہ داری تبلیغ حق ہے، اور بس	۱۹۵
ایمان اور عمل صالح ذریعۂ نجات	۱۹۶
تقویٰ تقاضائے ایمان ویقین	۱۹۶
تقویٰ کی عظمت واہمیت کا ذکر وبیان	۱۹۷
صفت احسان کی عظمت واہمیت کا ذکر وبیان	۱۹۷
اہلِ ایمان کیلئے ایک آزمائش کا اعلان	۱۹۸
ابتلاء وآزمائش کیلئے قدرت کی طرف سے خاص ماحول	۱۹۹
علم بمعنی اظہار وتمیز	۱۹۹
بن دیکھے خدا سے ڈرنا ہی صلاح وفلاح کی اصل بنیاد ہے	۲۰۰
حدود اللہ سے تجاوز باعثِ عذاب، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۲۰۰
حالت احرام میں شکار کی ممانعت	۲۰۰
حَکَم مسلمان ہی ہوں	۲۰۱
ھدیٰ کے جانور کو حرم ہی میں ذبح کرنا ضروری ہے	۲۰۱
ھدیٰ کی بجائے مسکینوں کو کھانا کھلانا	۲۰۱
کھانا نہ کھلا سکے تو روزے رکھے	۲۰۲
اسلامی سزاؤں کا اصل مقصد تطہیر وتذکیر	۲۰۲
نزول حکم کے پہلے کے عمل پر کوئی مؤاخذہ نہیں	۲۰۲
تکرار معصیت پر پکڑ کی وعید	۲۰۲
اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کریمہ کا حوالہ وذکر	۲۰۳
بحری شکار کی حلت کا ذکر وبیان	۲۰۳

جلد تفصیلی فہرست عنوانات دوم

عنوانات	صفحہ
حالت احرام میں خشکی کے شکار کی حرمت کا بیان	۲۰۳
یوم جزاء کی یاد دہانی سے نصیحت	۲۰۴
کعبۂ مشرفہ کا وجود لوگوں کے قیام کا ذریعہ	۲۰۴
حرمت والے مہینے بھی امن وامان کا ذریعہ	۲۰۴
قربانی کے جانوروں کی عظمتِ شان کا ذکر و بیان	۲۰۵
اللہ تعالیٰ کا ہر حکم وارشاد عدیم النظیر و بے مثال	۲۰۵
اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ وذکر	۲۰۶
اللہ تعالیٰ کی شان عدل کے دو پہلوؤں کی تذکیر و یاد دہانی	۲۰۶
رسول کی ذمہ داری کلمۂ حق پہنچا دینا اور بس	۲۰۶
اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ وذکر	۲۰۷
پاک اور ناپاک آپس میں کبھی برابر نہیں ہو سکتے	۲۰۷
تقویٰ و پرہیزگاری وسیلۂ فوز وفلاح	۲۰۸
غیر ضروری اور نامناسب سوالات سے ممانعت	۲۰۸
نزول وحی کا زمانہ باران رحمت کا زمانہ ہوتا ہے	۲۰۸
غیر ضروری سوالات باعث ہلاکت، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۲۰۹
پیغمبر کا کام از خود حکم دینا نہیں اتباع کرنا ہوتا ہے	۲۰۹
''بَحِیْرَہ'' اور اس کا مفہوم؟	۲۱۱
''سَائِبَۃ'' اور اس کا مفہوم؟	۲۱۲
''وَصِیْلَہ'' اور اس کا مفہوم؟	۲۱۲
''حام'' اور اس کا مفہوم؟	۲۱۲
کسی حلال کو از خود حرام ٹھہرانا اللہ پر بہتان باندھنا ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۲۱۳
کفر وشرک مت ماری کا باعث، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۲۱۴
باپ دادا کی ممنوع ومحذور پیروی؟	۲۱۴
باپ دادا کی محمود ومطلوب پیروی؟	۲۱۴

عنوانات	صفحہ
اپنی فکر کرنے کی ہدایت وتلقین	۲۱۵
یوم حساب کی تذکیر و یاد دہانی	۲۱۶
گواہی کا نصاب دو معتبر مسلمان	۲۱۶
نماز عصر کے بعد کے وقت کی خاص اہمیت	۲۱۷
سچی گواہی کی تعلیم وتلقین	۲۱۸
گواہوں کی جگہ دوسرے دو گواہ کھڑے کرنے کی ہدایت	۲۱۸
گواہی کو صحیح طریقہ سے ادا کرنے کی ہدایت	۲۱۸
فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں مل سکتی	۲۱۹
قیامت کے روز حضرات انبیائے کرام سے سوال	۲۱۹
علم غیب کلی اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے، سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی	۲۲۰
علم غیب کلی خاصۂ خداوندی ہے	۲۲۱
ذکر عیسیٰ اور عظیم الشان درسہائے عبرت وبصیرت	۲۲۱
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انعامات خداوندی کی تذکیر و یاد دہانی	۲۲۲
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے تائید غیبی کا ذکر و بیان	۲۲۳
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مہد اور کہل کا کلام ایک برابر	۲۲۳
حضرات انبیائے کرام کی تعلیم براہ راست اللہ کی طرف سے	۲۲۴
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض خاص معجزات کا ذکر و بیان	۲۲۴
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت بنی اسرائیل سے	۲۲۵
ہٹ دھرمی باعث محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۲۲۵
لفظ وحی اپنے لغوی معنی میں	۲۲۶
حواریوں کے اعلان ایمان کا ذکر و بیان	۲۲۶
''ھَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّکَ'' کا معنی؟	۲۲۷
تقویٰ و پرہیزگاری تقاضائے ایمان	۲۲۷
خوان سماوی کی طلب کی وجوہ کا ذکر و بیان	۲۲۸
حق کے گواہ بننے کی خواہش وچاہت کا ذکر و بیان	۲۲۸

جلد تفصیلی فہرست عنوانات دوم

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
پیغمبر کا کام اللہ کے حضور دعاء کرنا	۲۲۸	انسان کا خود اپنا وجود دلائل توحید کا ایک عظیم الشان مجموعہ	۲۴۱
عید کا مفہوم اور اہل بدعت کے ایک مغالطے کا جواب	۲۲۹	دو عظیم الشان اور طے شدہ مدتوں کا ذکر و بیان	۲۴۱
روزی رساں سب کا اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے	۲۳۰	دلائل کا تقاضا صدقِ ایمان	۲۴۲
بنی اسرائیل پر خوانِ نعمت اُترا کہ نہیں؟	۲۳۱	معبود برحق بہرحال ایک، اور صرف ایک ہے	۲۴۲
بلاغت کلام کا ایک خاص اسلوب	۲۳۱	اللہ تمہارے ہر کام کو جانتا ہے	۲۴۳
قیامت کے روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کا ذکر و بیان	۲۳۲	اعراض و روگردانی باعث ہلاکت وتباہی	۲۴۳
محبت میں غلو کا نتیجہ وانجام بُرا، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۲۳۲	نورِ حق سے محرومی سب سے بڑی محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم	۲۴۴
حضرت حق جل مجدہ کی تنزیہ وتقدیس	۲۳۲	محض مادی ترقی لوگوں کو مہالک سے نہیں بچا سکتی	۲۴۴
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اعتراف واقرار عبدیت	۲۳۳	تاریخ سے درس عبرت لینے کی ہدایت	۲۴۵
عالم غیب صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے	۲۳۳	عناد وہٹ دھرمی کا نتیجہ ہلاکت ومحرومی	۲۴۶
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اعلان عبدیت وبندگی کا ذکر و بیان	۲۳۴	فرمائشی معجزوں کے بارے میں قانون ودستور خداوندی	۲۴۶
مختار کل اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے	۲۳۴	فرمائشوں پر فرشتوں کو اتارنے کا فائدہ نہیں	۲۴۶
دنیا سے اٹھنے کے بعد پھر کوئی کچھ نہیں کر سکتا	۲۳۵	فرشتے کو اتارنے کا مطالبہ ایک نامعقول مطالبہ	۲۴۷
مردوں کو دنیا کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہوتا	۲۳۵	تکذیب حق کا آخری نتیجہ ہولناک تباہی	۲۴۷
اللہ مختار کل ہے جو چاہے کرے	۲۳۶	آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے	۲۴۸
اللہ تعالیٰ کی صفات عزت وحکمت کا حوالہ وذکر	۲۳۶	اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب کیلئے رحمت ہی رحمت ہے	۲۴۸
سچائی کے نفع دینے کا دن	۲۳۶	نورِ حق سے محرومی سب سے بڑا خسارہ	۲۴۹
اصل اور حقیقی کامیابی کی ونشاندہی	۲۳۷	کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے	۲۴۹
کائنات پوری میں بادشاہی اللہ ہی کی ہے	۲۳۷	کارساز کارفرما سب کا اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے	۲۵۰
اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت کا حوالہ وذکر	۲۳۷	روزی رساں اور حاجت روا سب کا اللہ تعالیٰ ہی ہے	۲۵۱
(۶) سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ مَکِّیَّۃٌ (۵۵)		پیغمبر تسلیم ورضا کے اعلیٰ نمونے ہوتے ہیں	۲۵۱
		شرک کی سنگینی کا ایک مظہر	۲۵۲
آسمان وزمین کی تخلیق توحید خداوندی کی زبردست دلیل	۲۳۹	اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت کا حوالہ وذکر	۲۵۲
شرک عقل ونقل دونوں کے خلاف ہے	۲۳۹	"اَلْقَاهِرُ" سے مقصود ومراد؟	۲۵۳
"یَعْدِلُوْنَ" کا مادۂ اشتقاق اور اسکے دو معانی	۲۴۰	اللہ کی گواہی پیغمبر کی حقانیت کیلئے	۲۵۳

جلد تفصیلی فہرست عنوانات دوم

عنوانات	صفحہ
باطل اور اہلِ باطل سے اظہارِ بیزاری کی تعلیم و تلقین	۲۵۴
عناد وہٹ دھرمی باعث ہلاکت ومحرومی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۲۵۴
اتباع ھویٰ تمام شر وفساد کی جڑ بنیاد، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۲۵۵
اللہ پر افتراء باندھنا سب سے بڑا ظلم، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۲۵۵
''آیات اللہ'' کا عموم اور اُن کا مفہوم؟	۲۵٦
میدان حشر میں مشرکین سے سوال ان کی تذلیل وتحقیر کیلئے	۲۵٦
میدان حشر میں مشرکین کی خود اپنی تکذیب	۲۵۷
بدنیتی کا سننا مفید نہیں	۲۵۷
بدنیت انسان قانون فطرت کی زد میں	۲۵۸
کفار ومشرکین کی مت ماری کا ایک نمونہ ومظہر	۲۵۸
اہل دوزخ کی ایک حسرت بھری پکار کا ذکر وبیان	۲۵۹
منکرین ومشرکین پرلے درجے کے جھوٹے، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۲٦۰
منکرین آخرت کیلئے یہ دنیا ہی سب کچھ ہے	۲٦۰
کفار ومشرکین کی تحقیر وتذلیل کا ایک اور منظر	۲٦۱
اہل باطل کا قیامت کے روز اظہار حسرت	۲٦۱
گناہوں کا بوجھ گنہگاروں کی پیٹھوں پر، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۲٦۲
دنیا کی زندگی محض ایک کھیل اور تماشا	۲٦۲
عقل سے کام لینے کی دعوت	۲٦۳
پیغمبر کیلئے تسکین وتسلی کا سامان	۲٦۳
ظالموں کی اصل دشمنی حق کے ساتھ ہے	۲٦۴
حضرات انبیاء ورسل کی تکذیب اہل کفر وباطل کا قدیم وطیرہ	۲٦۴
صبر واستقامت ذریعۂ نصرت وامدادِ خداوندی	۲٦۵
اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ قطعی اور اٹل ہے، سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی	۲٦۵
حضرات انبیائے کرام کے کچھ حالات کا ذکر وبیان	۲٦٦
پیغمبر کی رحمت وشفقت کا ایک نمونہ ومظہر	۲٦٦
جبری ایمان مطلوب نہیں	۲٦۷
ہٹ دھرموں کے پیچھے پڑنا جہالت ونادانی	۲٦۷
صدق واخلاص باعث وسرفرازی	۲٦۷
نورِ حق وہدایت سے محروم لوگ حقیقت میں مردہ ہیں	۲٦۸
اکثر لوگ نور علم سے محروم ہیں، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۲٦۸
پرندوں اور چرندوں کی مختلف انواع بھی انسانوں ہی کی طرح ہیں	۲٦۹
''الکتاب'' سے مراد؟ اور ایک مغالطے کا جواب	۲۷۰
سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف	۲۷۱
اللہ کی آیتوں کی تکذیب کا انجام بڑا ہی ہولناک ہے، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۲۷۱
اللہ کے گمراہ کردینے کا مطلب؟	۲۷۲
صراط مستقیم سے سرفرازی اور اس کے نتائج وثمرات	۲۷۲
مشرکوں سے ایک فیصلہ کن سوال	۲۷۳
حاجت روا ومشکل کشا سب کا ایک ہی ہے یعنی اللہ وحدہ لاشریک	۲۷۴
ابتلاء ومصائب سے ایک اہم مقصود کا ذکر وبیان	۲۷۴
قسوتِ قلب بیماریوں کی بیماری، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۲۷۵
تمرد وسرکشی کا نتیجہ وانجام ہولناک تباہی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۲۷۵
ظالموں کی ہلاکت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب	۲۷٦
اللہ کی سلب کردہ کسی نعمت کو کوئی واپس نہیں دلاسکتا	۲۷۷
ظلم کا انجام ہلاکت وتباہی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۲۷۷
پیغمبروں کا کام انذار وتبشیر اور بس،	۲۷۸
ایمان والوں کیلئے ایک عظیم الشان انعام کی خوشخبری	۲۷۸
مکذبین کیلئے ہولناک عذاب، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۲۷۹

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — دوم

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
پیغمبر کا اعلان کہ میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں	۲۷۹	تمام خزانے اور ان کی کنجیاں اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں	۲۹۳
پیغمبر عالم غیب نہیں ہوتے،	۲۸۰	اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کا ایک خاص مظہر	۲۹۵
پیغمبر کوئی فرشتہ یا نوری مخلوق نہیں ہوتا،	۲۸۱	کتاب مبین سے مقصود و مراد؟	۲۹۵
پیغمبر کا اصل کام وحی خداوندی کی اتباع ہوتا ہے	۲۸۲	نیند انسان کیلئے ایک عظیم الشان ریہرسل	۲۹۶
نور حق و ہدایت سے محروم انسان اندھا ہوتا ہے	۲۸۲	سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف	۲۹۷
منکرین کے قلب وضمیر پر ایک دستک	۲۸۳	یوم حساب کی پیشی کی تذکیر و یاددہانی	۲۹۷
منکرین کیلئے قیامت کے روز نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ سفارشی	۲۸۳	اللہ اپنے بندوں پر قاہر و غالب ہے	۲۹۸
تقویٰ و پرہیزگاری ذریعۂ فوز و فلاح	۲۸۴	نگران فرشتوں کی تذکیر و یاددہانی	۲۹۸
اصل چیز ایمان و اخلاص ہے	۲۸۴	فرشتوں کی دیانتداری اور فرض شناسی کا ذکر و بیان	۲۹۸
اہل کفر و باطل کی تحقیر و تذلیل کا ایک خاص اُسلوب	۲۸۵	حساب خداوندی کی تذکیر و یاددہانی،	۲۹۹
ہر ایک دوسرے کیلئے ذریعۂ ابتلاء و آزمائش	۲۸۵	توحید خداوندی کی ایک فطری دلیل کی نشاندہی	۲۹۹
دنیاوی مال و دولت کا ایک بڑا خطرناک پہلو	۲۸۶	حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ ہی ہے	۳۰۰
دولت ایمان و یقین کی عظمت شان کا ایک خاص نمونہ و مظہر	۲۸۷	اللہ کے سوا کسی کو حاجت روا و مشکل کشا ماننا عقل و نقل	
ایمان و یقین کے بعد ہر حالت خیر ہی خیر بن جاتی ہے	۲۸۷	دونوں کے خلاف	۳۰۰
توبہ و استغفار کا دروازہ ایک عظیم الشان دروازہ ہے	۲۸۸	اللہ کا عذاب اوپر سے بھی آسکتا ہے	۳۰۱
اللہ تعالیٰ کی صفت بخشش و رحمت کا حوالہ و ذکر	۲۸۸	اللہ کا عذاب تمہارے پاؤں کے نیچے سے بھی آسکتا ہے	۳۰۲
مجرموں کے راستے کی وضاحت کی ضرورت	۲۸۸	اللہ کا عذاب آپس کے ٹکراؤ کی شکل میں	۳۰۲
''غیر اللہ'' کی پوجا کی ممانعت کا حکم و ارشاد	۲۸۹	فہم حق اصل اور اہم مطلب	۳۰۲
دین کے نام سے خواہشات نفس کی پیروی کا سامان	۲۹۰	پیغمبر مختار کل نہیں ہوتے	۳۰۳
اتباع و ہویٰ کا نتیجہ محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۲۹۰	ہر چیز کا بہر حال ایک وقت مقرر ہے	۳۰۳
دین حق کا ہر حکم روشن دلیل پر قائم ہے	۲۹۱	منکرین و غافلین کو تنبیہ و تذکیر	۳۰۳
پیغمبر مختار کل نہیں ہوتے،	۲۹۱	ظالموں کی ہم نشینی سے ممانعت	۳۰۴
حکم تو بہر حال اللہ ہی کا ہے	۲۹۲	نصیحت و خیر خواہی بہر حال مطلوب ہے	۳۰۴
سب سے اچھا فیصلہ اللہ ہی کا ہے	۲۹۲	دنیاوی زندگی کے دھوکے سے بچنے کی ضرورت	۳۰۵
آخری فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے	۲۹۳	تذکیر بالقرآن کا حکم و ارشاد	۳۰۶

تفصیلی فہرست عنوانات

جلد دوم

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — دوم

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
ظالموں کی حالت ان کی جان کنی کے وقت	۳۳۲	اللہ کی پہچان اسکی صفات کے ذریعے	۳۴۴
ظالموں پر عذاب وقت نزاع ہی سے	۳۳۲	اللہ ہر چیز پر نگہبان اور کارساز ہے	۳۴۴
استکبار محرومی کی جڑ بنیاد، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۳۳۳	اللہ تعالیٰ نگاہوں کے احاطہ وادراک سے اعلیٰ وبالا سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی	۳۴۵
اللہ کی بارگاہ میں تنہا حاضری کی تذکیر ویاددہانی	۳۳۳	آنکھیں کھولنے والی نشانیوں کا ذکر وبیان	۳۴۵
مال ودولت سب کچھ یہیں رہ جائے گا	۳۳۳	پیغمبر مختار کل نہیں ہوتے	۳۴۶
مشرکوں کے خود ساختہ شرکاء بھی غائب	۳۳۴	اہل کتاب کا ایک بیہودہ الزام واعتراض	۳۴۶
قیامت کے روز سب رشتے ناطے کٹ جائیں گے	۳۳۴	پیغمبر کو وحی خداوندی کی پیروی کا حکم وارشاد	۳۴۷
ایک ایک دانہ توحید خداوندی کا گواہ ہے	۳۳۵	جبری ایمان نہ مطلوب ہے نہ معتبر	۳۴۸
اسی کی شان ہے زندہ کو نکالنا مردہ سے	۳۳۵	پیغمبر کا کام تبلیغ حق اور انذار وتبشیر، اور بس	۳۴۸
اور اسی کا کام ہے مردہ کو نکالنا زندہ سے، سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی	۳۳۶	مشرکین کے معبودوں کو برا بھلا کہنے کی ممانعت	۳۴۸
کفر وشرک سے انسان کی مت ماردی جاتی ہے	۳۳۶	ہر گروہ کیلئے اس کے عمل کو خوشنما بنادیا گیا	۳۴۹
دلائل سماوی میں غور وفکر کی دعوت	۳۳۷	رب تعالیٰ کے یہاں جواب دہی کی تذکیر ویاددہانی	۳۴۹
کائنات کی کھلی کتاب میں عظیم الشان		معجزہ پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہوتا	۳۵۰
درس ہائے عبرت وبصیرت	۳۳۷	عناد اور ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۳۵۰
علم سے مراد؟ اور اس کی عظمتِ شان	۳۳۸	خبث باطن کا نتیجہ محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۳۵۱
ہر ایک کیلئے ایک جائے قرار ہے	۳۳۹	کفر وانکار کی ایک نقد سزا کا ذکر وبیان	۳۵۱
"مُسْتَوْدَعٌ" کا مفہوم اور اس سے مراد؟	۳۳۹	جبری ایمان نہ مفید ہے نہ مطلوب	۳۵۲
قدرت کے بعض اہم دلائل کا ذکر وبیان	۳۴۰	داعئ حق کیلئے تسکین وتسلی کا سامان	۳۵۳
پھلوں کی ایک قسم باہم ملتے جلتے	۳۴۰	شیطانوں کی ملمع سازیوں سے تحذیر وآگہی	۳۵۳
پھلوں کی دوسری قسم باہم مختلف	۳۴۱	مشیت خداوندی سب پر حاوی ہے، سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی	۳۵۳
اللہ کی نعمتوں میں غور وفکر کی دعوت	۳۴۱	افتراء پردازوں کی فکر نہ کرنے کی ہدایت	۳۵۴
ایمان ہر خیر اور خوبی کی اصل اور بنیاد	۳۴۲	ایمان ویقین کی قوت امن وسلامتی کی ضامن وکفیل	۳۵۴
خالق سب کا اللہ تعالیٰ ہی ہے	۳۴۲	سنت امہال کا ذکر وبیان	۳۵۵
ظالموں نے اللہ کیلئے اولاد گھڑ لی	۳۴۲	اللہ کے سوا اور کسی کو اپنا حَکَم اور	
اللہ تعالیٰ کی شان تنزیہ وتقدیس کا ذکر وبیان	۳۴۳	منصف بنانا ظلم ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۳۵۵

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — دوم

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
پس تم کبھی شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا	۳۵۶	نبوت ورسالت کا شرف کسبی نہیں وہبی ہوتا ہے	۳۶۶
قرآنِ حکیم کی ہر بات حق اور صدق	۳۵۷	کبر وغرور کا نتیجہ ذلت ورسوائی کا عذاب، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۳۶۷
قرآنِ حکیم کے جملہ احکام عدل وانصاف پرمبنی	۳۵۷	ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت کے اختیار میں	۳۶۷
محض عوام کی اکثریت کی بات		شرح صدر کی دولت اور اسکے آثار وثمرات	۳۶۷
ماننا باعث گمراہی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۳۵۸	اللہ تعالیٰ کے کسی کو گمراہ کردینے کا معنی ومطلب؟	۳۶۸
عوام کی اکثریت محض ظن وگمان کی پیروکار، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۳۵۸	نورِ حق سے محرومی کا نتیجہ ضیقِ صدر (سینے کی گھٹن)	۳۶۸
اللہ کے علم وآگہی کا حوالہ وذکر	۳۵۸	بے ایمانی جڑ بنیاد ہے تمام شر وفساد کی	۳۶۹
مشرکین کی تحریمات کو تسلیم کرنا ایمان		دینِ حق ہی رب تک پہنچنے کا سیدھا اور صحیح راستہ ہے	۳۶۹
کے منافی ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۳۵۹	ایمان والوں کیلئے دار السلام سے سرفرازی کی خوشخبری	۳۷۰
محرمات الٰہیہ کی تفصیل کردینے کا ذکر وبیان	۳۵۹	جنوں اور انسانوں کے اقرار واعتراف جرم کا ذکر وبیان	۳۷۱
مجبور ولاچار کیلئے رعایت کا ذکر وبیان	۳۶۰	منکروں کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۳۷۲
اتباع ہوئ فتنہ وفساد کی جڑ بنیاد	۳۶۰	دفع ظلم کیلئے قانون ودستورِ خداوندی کا ذکر وبیان	۳۷۳
ہر قسم کے گناہ کو چھوڑنے کی تعلیم وتلقین	۳۶۱	قیامت کے روز حضرات انبیاء ورسل کے بارے میں سوال	۳۷۵
گناہ بہرحال بری چیز ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۳۶۱	گروہ جن وانس کا اقرار واعتراف جرم وقصور	۳۷۵
گناہ کمانے والوں کو اپنے کئے کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا	۳۶۲	حضرات انبیاء ورسل کی بعثت عدل	
شیطان اور اس کے چیلوں کی وسوسہ اندازیوں سے آگاہی	۳۶۲	وانصاف خداوندی کا تقاضا	۳۷۶
مشرکوں کی اطاعت وفرمانبرداری		درجات ومراتب کا انحصار انسان کے اپنے عمل وکردار پر	۳۷۶
شرک ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ العظیم	۳۶۳	رب کی بے نیازی اور اس کی رحمت کا حوالہ وذکر	۳۷۷
کفر وشرک موت ہے اور کافر ومشرک مردہ،	۳۶۳	اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی شان بے نیازی کے	
ایمان ویقین زندگی ہے اور مؤمن زندہ	۳۶۳	ایک مظہر کا ذکرو	۳۷۷
کفر وباطل اندھیرا ہی اندھیرا ہے	۳۶۴	اللہ کا وعدہ بہرحال پورا ہوکر رہے گا	۳۷۸
برے اعمال کی تزیین ایک نقد سزا	۳۶۴	ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کیلئے آخری جواب	۳۷۸
ایک اور سنت کونیہ اور دستورِ خداوندی کا ذکر وبیان	۳۶۵	مشرکوں کی مت ماری کے ایک نمونہ ومظہر کا ذکر وبیان	۳۷۹
مجرموں کا مکر وفریب خود انہی کے خلاف	۳۶۶	مشرکوں کی مت ماری کا ایک اور نمونہ اور مظہر	۳۷۹
منکرین کا ایک بیہودہ مطالبہ	۳۶۶	مشرکین کا اپنی اولاد کو قتل کرنے کی حماقت کا ارتکاب	۳۸۰

جلد دوم

تفصیلی فہرست عنوانات

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
آزادی ءِ ارادہ واختیار ذریعۂ امتحان واختیار	۳۸۱	ظلم باعثِ محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۳۹۲
ہٹ دھرم بدبختوں کی فکر و پرواہ نہ کرنے کی ہدایت	۳۸۱	محرمات الٰہیہ کا ذکر و بیان	۳۹۲
منکرین و مفترین کو ان کے ہولناک انجام کی تذکیر و یاددہانی	۳۸۲	مردار کی حرمت کا ذکر و بیان	۳۹۳
مشرکین مکہ کی ایک اور خود ساختہ تحریم کا ذکر و بیان	۳۸۳	''دمِ مسفوح'' کی حرمت کا ذکر و بیان	۳۹۳
مشرکوں کو بدلہ وجزا کی تذکیر و یاددہانی	۳۸۳	غیر اللہ کیلئے نامزد کردہ چیزوں کی حرمت کا بیان	۳۹۳
اللہ تعالیٰ کی صفات وحکمت وعلم کا حوالہ وذکر	۳۸۳	اللہ تعالیٰ کی مغفرت ورحمت کا حوالہ وذکر	۳۹۴
اپنی اولاد کو خود قتل کرنا انتہائی ہولناک خسارہ	۳۸۴	یہودی بن جانے والوں کیلئے مزید تنگی	۳۹۵
افتراء علی اللہ خرابیوں کی خرابی اور محرومیوں کی جڑ کی بنیاد	۳۸۴	یہودیوں کی سرکشی کی بناء پر ان پر بعض چیزوں کی تحریم	۳۹۵
''مَعْرُوْشٰتٍ'' سے مقصود مراد؟	۳۸۵	اعمال کا کسی قدر بدلہ اسی دنیا میں بھی ملتا ہے	۳۹۶
''غَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ'' سے مقصود ومراد؟	۳۸۵	حق تعالیٰ کی وسعت رحمت کا حوالہ وذکر	۳۹۶
''مُتَشَابِهًا'' سے مقصود ومراد؟	۳۸۶	اہلِ باطل کا تقدیر و مشیت خداوندی سے بہانہ ڈھونڈنا	۳۹۷
''غَیْرَ مُتَشَابِهٍ'' سے مقصود ومراد؟	۳۸۶	داعی حق کیلئے تسلی کا سامان	۳۹۷
تقاضائے نعمت کا ذکر و بیان	۳۸۷	اہلِ باطل کو درسِ عبرت لینے کی ترغیب	۳۹۷
حق نعمت ادا کرنے کی تعلیم وتلقین	۳۸۷	اہلِ باطل کا سہارا ظن وتخمین	۳۹۸
اسراف کی ممانعت	۳۸۷	اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے کاملِ حجت	۳۹۸
''حَمُوْلَةً'' سے مقصود ومراد؟	۳۸۸	دلیلِ نقلی کا مطالبہ	۳۹۸
''فَرْشًا'' سے مقصود ومراد؟	۳۸۸	دوسروں کو رب کے برابر ٹھہرانے کا مطلب؟	۳۹۹
شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی کی ممانعت	۳۸۹	اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کا بیان	۳۹۹
تخلیق وانشاء اللہ پاک ہی کی شان ہے	۳۸۹	والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی اہمیت	۴۰۰
''زوج'' سے مقصود ومراد؟	۳۸۹	روزی رساں سب کا اللہ ہی ہے	۴۰۰
تحلیل وتحریم اللہ ہی کا حق اور اسی کا اختیار ہے	۳۹۰	قتلِ ناحق کی حرمت کا ذکر و بیان	۴۰۱
دعویٰ پر دلیل پیش کرنے کا مطالبہ	۳۹۰	عقل وفکر سے کام لینے کی دعوت	۴۰۱
پالتو جانوروں کی قسمیں	۳۹۱	حقِ یتیم کی پاسداری کا حکم وارشاد	۴۰۲
مشرکوں سے ایک چبھتا ہوا سوال	۳۹۱	''اَشُدَّہٗ'' کا معنی اور اس سے مراد؟	۴۰۲
اللہ پر جھوٹ باندھنا سب سے بڑا ظلم، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۳۹۲	اللہ کسی کو بھی اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف	

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — دوم

عنوانات	صفحہ
نہیں دیتا	۴۰۲
بات میں انصاف کو اپنانے کی ہدایت	۴۰۳
اللہ کے عہد کو پورا کرنے کا حکم وارشاد	۴۰۳
صراط رسول سے مراد اور اسکے تقاضے؟	۴۰۴
صراط مستقیم سے سرفرازی دارین کی سعادت وسرخروئی	
سے سرفرازی	۴۰۵
تقوٰی وپرہیزگاری ذریعۂ نجات وسرفرازی	۴۰۵
نعمتوں کی اصل تکمیل کتاب ہدایت ہی سے ہوتی ہے	۴۰۵
''تَفْصِیلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ'' کا معنی ومطلب،	۴۰۶
کتاب الٰہی سراسر ہدایت اور عین رحمت	۴۰۶
فکر آخرت فلاح ونجات کی اصل اور اساس ہے	۴۰۶
قرآنِ حکیم ایک عظیم الشان کتاب	۴۰۷
قرآنِ حکیم منزل من اللہ اور ایک عظیم الشان اور	
بے مثل کتاب	۴۰۷
قرآنِ حکیم کے اتارے جانے کا اصل	
مقصد اس کی اتباع وپیروی	۴۰۷
نزولِ قرآن کا ایک بڑا مقصد، اتمام	
حجت اور قطعِ عذر ومعذرت	۴۰۸
بہانے بازوں کے ایک دعوے کی تردید وتغلیط	۴۰۸
قرآنِ حکیم ''بَیِّنَۃ'' یعنی ایک عظیم الشان روشن دلیل	۴۰۹
اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا سب سے بڑا ظلم	۴
اللہ کی آیتوں سے روکنے والوں کیلئے بڑا برا عذاب	۴۱۰
فرشتوں کے آنے سے مقصود ومراد؟	۴۱۰
آپ کے رب کے آنے کا مطلب؟	۴۱۱
رب کی بعض نشانیوں سے مراد؟	۴۱۱

عنوانات	صفحہ
ان خاص نشانیوں کے بعد ایمان معتبر نہیں ہوگا	۴۱۱
منکرین اور معاندین کیلئے آخری جواب	۴۱۲
آپس میں مختلف گروہ بننے سے مراد؟	۴۱۲
نبوت ورسالت کا شرف سب سے بڑا شرف	۴۱۲
پیغمبر کا اصل کام تبلیغ حق	۴۱۳
یوم حساب کی تذکیر و یاد دہانی،	۴۱۴
نیکی کا بدلہ کم سے کم دس گنا	۴۱۴
برائی کا بدلہ اسی کے برابر	۴۱۵
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشرکوں سے کوئی لگاؤ نہیں تھا	۴۱۵
ہر قسم کی عبادت اللہ ہی کا حق ہے	۴۱۶
پیغمبر سب سے پہلا فرمانبردار ہوتا ہے	۴۱۶
معبودِ برحق اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے	۴۱۷
انجام کی تذکیر و یاد دہانی	۴۱۷
''خَلَائِفَ الْاَرْضِ'' کا معنی ومفہوم	
اور اس کی عظمتِ شان	۴۱۸
فرق مراتب ذریعۂ ابتلاء وآزمائش	۴۱۸
عقاب خداوندی کی تذکیر و یاد دہانی	۴۱۹
اللہ تعالیٰ کی بخشش اور مہربانی کی تذکیر و یاد دہانی	۴۱۹
سورۃ الاعراف (۷)	۴۲۱
قرآنِ حکیم ایک نہایت ہی عظیم الشان کتاب	۴۲۱
قرآنِ حکیم پوری ایک منزل من اللہ کتاب	۴۲۱
نبوت رسالت کا شرف سب سے بڑا شرف	۴۲۱
پیغمبر کیلئے تسکین وتسلی کی تعلیم وتلقین	۴۲۲
انزال کتاب کا اصل مقصود انذار وتذکیر	۴۲۲

141582

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — دوم

عنوانات	صفحہ
نزولِ کتاب کا اصل تقاضا اتباع و پیروی	۴۲۳
اللہ کے سوا اوروں کی پیروی نہیں کرنا	۴۲۳
تاریخ سے درسِ عبرت لینے کی تعلیم و تلقین	۴۲۳
اللہ کا عذاب کبھی بھی اور کسی بھی شکل میں آسکتا ہے	۴۲۴
روز قیامت کی باز پرس کی تذکیر و یاددہانی	۴۲۴
قیامت کے روز رسولوں سے پرسش کا مطلب؟	۴۲۵
وزن کے حق ہونے کا مطلب؟	۴۲۵
دولتِ ایمان سے محرومی سب سے بڑی محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۴۲۵
سامانہائے زیست ذریعۂ تذکیر و شکر خداوندی	۴۲۶
آدم کیلئے سجدہ کا ذکر و بیان	۴۲۶
شیطان کا حکم الٰہی کے مقابلے میں ابلیسی منطق	۴۲۷
اللہ کے حکم سے سرتابی باعثِ ذلت وخواری، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۴۲۸
شیطان کی مہلت کا ذکر و بیان	۴۲۸
شیطان کے چیلنج کا ذکر و بیان	۴۲۹
شیطان کا اکثریت کو گمراہ کرنے کا دعویٰ و چیلنج	۴۲۹
اللہ تعالیٰ کے حکم وارشاد سے سرتابی ظلم ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۴۳۰
ننگا کرنا شیطان کا قدیم ہتھکنڈا، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۴۳۱
شیطان کا آدم اور حوا کو دھوکہ دینا	۴۳۱
ابلیس کا قسمیں کھا کھا کر آدم کو دھوکہ دینا	۴۳۱
اللہ کے حکم سے سرتابی باعث محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۴۳۲
شرم وحیا ایک عظیم الشان انسانی جوہر	۴۳۲
شیطان انسان کا کھلم کھلا دشمن	۴۳۳
اللہ تعالیٰ کے احکام سے سرتابی سراسر خسارہ	۴۳۳

عنوانات	صفحہ
بعث بعد الموت کی تذکیر و یاددہانی	۴۳۴
لباس ذریعۂ زینت وعزت	۴۳۴
لباس تقویٰ کی عظمتِ شان کا ذکر و بیان	۴۳۵
لباس تقویٰ من جملہ آیات الٰہیہ کے	۴۳۵
شیطان تمہارا جدی پشتی دشمن	۴۳۶
شیطان کی دشمنی کا ایک خاص خطرناک پہلو	۴۳۶
شیطان کی دوستی بے ایمانوں کے ساتھ	۴۳۷
عبادت کے وقت اپنا رُخ سیدھا رکھنے کی ہدایت	۴۳۸
یوم حساب کی تذکیر و یاددہانی	۴۳۸
لباس پہننے کی ہدایت و تلقین	۴۳۹
تحلیل و تحریم اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے	۴۴۰
پاکیزہ چیزیں دراصل اہلِ ایمان کا ہی حق ہیں	۴۴۰
اخروی نعمتیں خالصتاً اہلِ ایمان کیلئے ہوں گی	۴۴۱
شرک کیلئے کوئی سند ہو ہی نہیں سکتی	۴۴۱
ہر امت کیلئے بہرحال مدت مقرر ہے	۴۴۲
اللہ کے رسولوں کے بعثت جنسِ بشر ہی سے	۴۴۲
تقویٰ و اصلاح وسیلۂ فوز و فلاح	۴۴۳
دنیا میں اہل باطل کو بھی ان کا حصہ ملتا رہے گا	۴۴۴
کفار و مشرکین کا وقت نزع کا حال	۴۴۴
مشرکوں کی موت کے وقت کا عجز اور اقرار کفر	۴۴۴
منکروں کا اپنے کفر کا اقرار و اعتراف	۴۴۵
دوزخیوں کی آپس میں لعنت بازی کا ایک منظر	۴۴۶
دوزخیوں کا اپنے بڑوں اور گروؤں کیلئے دوہرے عذاب کا مطالبہ	۴۴۶
دونوں گروہوں کیلئے دوہرا عذاب	۴۴۷

جلد دوم — تفصیلی فہرست عنوانات

عنوانات	صفحہ
گروؤں کا اپنے چیلوں کو جواب	۴۴۷
منکروں کیلئے دائمی محرومی کا ذکر و بیان	۴۴۸
منکروں کا جنت میں داخل ہونا ممکن نہیں	۴۴۸
ظالموں کیلئے جہنم کا بچھونا اور اسی کا اوڑھنا، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۴۴۹
اللہ کسی پر بھی اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا	۴۴۹
اہلِ جنت کے دلوں کی صفائی کے اہتمام کا ذکر و بیان	۴۵۰
اہلِ جنت کی شان حمد و شکر کا ذکر و بیان	۴۵۱
اہلِ جنت کیلئے وارث بنا دیئے جانے کا مژدہ جانفزا	۴۵۱
انسان کا عمل جنت کیلئے محض ذریعہ و سبب	۴۵۲
دینِ حق سے روکنا ظلم اور ایک سنگین جرم ہے	۴۵۳
راہِ حق میں کجی تلاش کرنا اہلِ زیغ وضلال کا قدیم ہتھکنڈا	۴۵۳
جنت اور دوزخ کے درمیان ایک عظیم الشان آڑ	۴۵۴
"اَصْحَابِ اَعْرَاف" سے مراد؟	۴۵۴
متکبروں کے کبر وغرور پر اصحاب اعراف کی طرف سے ایک چوٹ	۴۵۵
مال و دولت اور جاہ و منصب وغیرہ کے گھمنڈ پر ضرب	۴۵۶
اہلِ دوزخ کی ایک اور تذلیل کا ذکر و بیان	۴۵۶
دنیاوی زندگی اور اس کا دھوکہ	۴۵۷
قرآنِ حکیم کا ہر حکم و ارشاد علم و حکمت پر مبنی ہے	۴۵۸
حق کی توضیح و تشریح میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی	۴۵۸
قیامت کے روز منکرین کا حسرت بھرا اعتراف و اقرار	۴۵۹
دنیاوی زندگی لاحاصل تمنا کا ذکر و بیان	۴۶۰
دینِ حق سے محرومی سب سے بڑا خسارہ، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۴۶۰
تخلیق کائنات کے چھ دنوں سے مقصود و مراد؟	۴۶۰
کائنات پر حاکم و متصرف بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے	۴۶۱
رات اور دن قدرت کے دو عظیم الشان نشان	۴۶۲
دعا کے دو اہم آداب کی تعلیم و تلقین یعنی تضرع اور اخفاء	۴۶۳
زمین میں فساد مت پھیلاؤ	۴۶۴
اللہ ہی زمین سے طرح طرح کی پیداواریں نکالتا ہے	۴۶۵
حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت و رسالت کا ذکر	۴۶۶
پیغمبرانہ دعوت کا ایک نمونہ و مظہر	۴۶۷
قومِ نوح کا حضرت نوح علیہ السلام کو گستاخانہ اور کافرانہ جواب	۴۶۷
پیغمبر کی وسعت قلبی اور تحمل مزاجی کا ایک نمونہ و مظہر	۴۶۸
پیغمبر کا ہر حکم و ارشاد علم پر ہی مبنی ہوتا ہے	۴۶۸
پیغمبر کا بشر اور جنسِ بشر سے ہونا قدرت کا ایک مستقل انعام و احسان ہے	۴۶۹
حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے	۴۷۰
تکذیبِ حق کا نتیجہ و انجام دائمی تباہی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۴۷۰
پیغمبر کے اپنی قوم کے بھائی ہونے کی تصریح	۴۷۱
معبود برحق اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے	۴۷۲
پیغمبر کی دعوت خالص خیر خواہی پر مبنی ہوتی ہے	۴۷۲
تذکیر نعمت برائے شکر نعمت	۴۷۳
قوم ہود کی ہٹ دھرمی کا نمونہ	۴۷۴
انکار و تکذیب حق کا نتیجہ و انجام، ہلاکت و تباہی	۴۷۴
معبودانِ باطلہ محض من گھڑت نام ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں	۴۷۵
حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے	۴۷۵
حق کی تکذیب و انکار کا نتیجہ و انجام ہلاکت و تباہی	۴۷۶

جلد دوم — تفصیلی فہرست عنوانات

عنوانات	صفحہ
پیغمبر اپنی قوم کا بھائی ہوتا ہے	۴۷۷
''نَاقَةُ اللّٰهِ'' کی اضافت سے مقصود ومراد؟	۴۷۷
اللہ کی مقرر فرمودہ نشانی کی توہین باعثِ عذاب، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۴۷۷
اللہ کی نعمتوں کی تذکیر و یاد دہانی	۴۷۸
زمین میں فساد مت مچاتے پھرو	۴۷۸
منکرین کا اہلِ حق سے تمسخر و استہزاء	۴۷۹
فراستِ ایمانی قدرت کا ایک عظیم الشان اور بے مثل عطیہ و احسان	۴۸۰
عناد اور ہٹ دھرمی محرومی کی جڑ بنیاد، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۴۸۰
قوم صالح کے منکروں کی طرف سے عذاب کا مطالبہ	۴۸۱
قوم صالح کے عذاب کی حقیقت اور نوعیت	۴۸۱
تکذیب و انکارِ حق کا نتیجہ دائمی ہلاکت و تباہی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۴۸۲
پیغمبر کی زندگی میں اصل چیز ان کی دعوت ہی ہوتی ہے	۴۸۲
قوم لوط خلافِ وضعِ فطری فعل کی موجد	۴۸۲
قومی اور اجتماعی بگاڑ کا مظہر	۴۸۳
''اسراف'' یعنی حد سے بڑھنا خرابی اور فساد کی جڑ بنیاد	۴۸۳
اعراض و استکبار باعثِ ہلاکت و تباہی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۴۸۳
مکافاتِ عمل قدرت کا ایک اٹل قانون و دستور	۴۸۴
پیغمبر کی زندگی کا اصل مرحلہ دعوت و تبلیغ حق	۴۸۴
پیغمبر کا وجود ایک دلیلِ روشن	۴۸۵
اللہ کی زمین میں فساد مت پھیلاؤ	۴۸۵
زمین کی صلاح سے مراد؟	۴۸۶
ایمان و یقین کا تقاضا پیغمبر کی پیروی و اتباع	۴۸۶

عنوانات	صفحہ
راہ حق سے روکنا اہل باطل کا پرانا طریقہ و وطیرہ	۴۸۷
راہ حق میں کجی تلاش کرنا اہلِ باطل کا ایک اور قدیم حربہ، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۴۸۷
شکرِ نعمت کی تعلیم و تلقین	۴۸۷
صبر و ثبات کی تعلیم و تلقین	۴۸۸
اللہ ہی سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے	۴۸۸
قوم شعیب کے سرداروں کے تکبر کا ایک نمونہ	۴۸۹
حضرت شعیب علیہ السلام کے ملت کفار میں واپس آنے کا مطلب؟	۴۹۰
ملت کفر سے نجات ایک عظیم الشان انعام، احسان خداوندی	۴۹۰
مشیت الٰہی ہر چیز پر غالب اور فائق ہے	۴۹۱
سب سے اچھا اور صحیح فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کا ہو سکتا ہے	۴۹۲
تکذیب انبیاء و رسل کا انجام نہایت بُرا، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۴۹۲
تکذیب و انکار حق کا نتیجہ ہولناک تباہی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۴۹۳
مصائب ذریعۂ ابتلاء و آزمائش	۴۹۴
تنبیہاتِ الٰہیہ سے غفلت و لاپرواہی باعثِ ہلاکت و تباہی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۴۹۵
متاع ایمان و تقویٰ سعادت دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ	۴۹۵
اعمال کا بدلہ آخرت سے پہلے اس دنیا میں	۴۹۶
اللہ کے عذاب سے کبھی نڈر اور بے خوف نہیں ہونا چاہیے، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۴۹۶
اللہ کی گرفت و پکڑ سے غفلت و لاپرواہی خساروں کا خسارہ، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۴۹۸

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — دوم

عنوانات	صفحہ
تمرّد وسرکشی باعث خسران ومحرومی	۴۹۸
قبولِ حق سے محرومی ایک ہولناک خسارہ	۴۹۸
لوگوں کی اکثریت ہمیشہ بدکاروں ہی کی رہی	۴۹۹
اللہ کی نشانیوں سے منہ موڑنا ظلم ہے	۵۰۰
رسالت وپیغمبری کا شرف واعزاز سب سے بڑا شرف واعزاز	۵۰۰
معجزہ رسول کی صداقت کا ثبوت	۵۰۱
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ	۵۰۱
عصائے موسیٰ علیہ السلام کا سچ مچ کا ایک اژدھا بن جانا	۵۰۲
فرعون کی بوکھلاہٹ کا ایک نمونہ ومظہر	۵۰۲
ابنائے دنیا کے نزدیک دنیا کا متاع فانی ہی سب کچھ	۵۰۳
جادوگری فریب نظر کا سامان	۵۰۴
جادوگری کا بڑا خوفناک مظاہرہ	۵۰۴
غلبہ حق اور شکست باطل کا ظہور	۵۰۴
معجزۂ موسوی کی اثر آفرینی کا ایک نمونہ ومظہر	۵۰۵
معبود برحق اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے	۵۰۵
فرعون کی سٹنٹ بازی کا ایک نمونہ ومظہر	۵۰۶
فرعون کی طرف سے سخت دھمکی کا ذکر وبیان	۵۰۷
قوت ایمان ویقین ایک بے مثال قوت	۵۰۷
جرم ایمان پر ہر سزا قبول ومنظور	۵۰۸
وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ کا معنی ومطلب؟	۵۰۸
حاجت روا ومشکل کشا سب کا اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے	۵۰۹
اللہ جس کو چاہے زمین کا وارث بنادے	۵۰۹

عنوانات	صفحہ
انجام کار کامیابی پرہیزگاروں ہی کیلئے ہے	۵۱۰
دنیاوی مال جاہ ذریعۂ ابتلاء وآزمائش وابتلاء	۵۱۰
مصائب وآلام ذریعۂ تنبیہ وتذکیر	۵۱۱
اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بارے میں اہلِ باطل کا غلط نظریہ	۵۱۱
اہلِ باطل کا مصیبتوں کے بارے میں بھی غلط انداز	۵۱۱
سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے	۵۱۳
عناد وہٹ دھرمی باعث ہلاکت ومحرومی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۵۱۳
اعراض واستکبار محرومیوں کی محرومی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۵۱۳
پیغمبر مختار کل نہیں ہوتے	۵۱۴
غفلت ولاپرواہی کا نتیجہ وانجام بہت برا، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۵۱۵
اللہ کی آیتوں کی تکذیب کا نتیجہ دائمی ہلاکت، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۵۱۵
مظلوموں کی مدد اللہ ہی کرتا ہے	۵۱۵
ارض مبارکہ سے مقصود ومراد؟	۵۱۶
صبر واستقامت ذریعۂ ظفر	۵۱۶
مادی ترقی ہی کو اصل چیز سمجھ لینا تباہی کی راہ ہے، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۵۱۷
غلام قوم کے مشرکانہ مزاج کا ایک مظہر نمونہ	۵۱۸
کفر وشرک کا انجام ہلاکت وبربادی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه	۵۱۸
معبودِ برحق اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی نہیں	۵۱۹
نجات دہندہ اور مشکل کشا سب کا اللہ ہی ہے	۵۱۹
بنی اسرائیل کیلئے دستور حیات کا انتظام	۵۲۰
حضرت ہارون علیہ السلام کی خلافت کا ذکر	۵۲۰
قوم کی اصلاح اور خیر خواہی کی سب سے اہم ذمہ داری کی تفویض	۵۲۱
مفسدوں کی پیروی سے ممانعت	۵۲۱

جلد تفصیلی فہرست عنوانات دوم

عنوانات	صفحہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنے رب سے دیدار کی درخواست	۵۲۲
لذت دید سے سرفرازی کی عرض والتجا	۵۲۲
مخلوق کا اس دنیا میں رویت باری سے عجز	۵۲۲
تجلی ربانی کی عظمتِ شان کا ذکر وبیان	۵۲۳
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توبہ اور تنزیہہ ربانی کا اعلان	۵۲۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے تسلی وتسکین کا سامان	۵۲۴
الواح تورات کے تفصیلا لکل شیء ہونے کا مطلب؟	۵۲۴
بِاَحْسَنِهَا کا معنی ومطلب؟ اور ایک	
ضابطے کی تعلیم وتلقین	۵۲۵
''دار لفاسقین'' سے مراد؟ اور اس سے	
عبرت پکڑنے کی ضرورت	۵۲۶
کبر وغرور باعث خسران ومحرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۵۲۶
ہٹ دھرمی موجب حزن وحرمان، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۵۲۶
غفلت ولا پرواہی خرابیوں کی خرابی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۵۲۷
منکروں کے سب عمل حبط واکارت	۵۲۷
انسان کو اپنے کیے ہی کا بدلہ ملے گا	۵۲۸
کفر وشرک سے انسان کی مت	
ماری جاتی ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۵۲۹
مشرکوں کی مت ماری کا ایک نمونہ ومظہر	۵۲۹
شرک اور بت پرستی ایک ظلمِ عظیم، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۵۲۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدمے کی شدت کا بیان	۵۳۰
حضرات انبیائے کرام کی شانِ عبدیت ورجوع الی اللہ	۵۳۱
رحمتِ خداوندی میں داخلے کی دعاء	۵۳۱
مشرکوں کیلئے ہولناک عذاب اور ذلت وخواری	
کا اعلان وبیان	۵۳۱
توبہ کرنے والوں کیلئے معافی کا مژدہ جانفزا	۵۳۲
اللہ تعالیٰ کی صفت مغفرت ورحمت کا حوالہ وذکر	۵۳۲
تقویٰ وپرہیزگاری ذریعۂ نجات وسرفرازی	۵۳۳
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کے ستر آدمیوں کا انتخاب	۵۳۳
اصحاب موسیٰ علیہ السلام کی ہلاکت اور	
آنجناب کی پریشانی کا ذکر	۵۳۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا والتجاء کا ذکر وبیان	۵۳۴
آزمائش اور اس کا مقتضیٰ	۵۳۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعائے مغفرت ورحمت	۵۳۵
رحمتِ خداوندی کی شانِ عمومیت	۵۳۵
امت محمدیہ کی بعض خاص صفات کا ذکر	۵۳۶
صفت اُمیت اور اسکی عظمتِ شان	۵۳۶
پاک چیزوں کی حلت اور ناپاک	
چیزوں کی حرمت کا بیان	۵۳۷
''اِصْرَ'' اور ''اَغْلَالَ'' سے مقصود ومراد؟	۵۳۸
قرآنِ حکیم ایک عظیم الشان نور	۵۳۹
زندگی وموت اللہ ہی کے اختیار میں ہے	۵۳۹
اصل مقصود اتباع وپیروی ہے	۵۳۹
بنی اسرائیل کی بارہ مختلف گروہوں میں تقسیم	۵۴۰
بنی اسرائیل کیلئے سائے کا	
عظیم الشان اہتمام وانتظام	۵۴۱
اطاعت واحسان ذریعۂ وسرفرازی	۵۴۲
احکام الٰہی سے استہزاء باعث ہلاکت وتباہی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۵۴۲
بنی اسرائیل پر ہولناک عذاب	۵۴۲
احکام الٰہی کی خلاف ورزی ظلم ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۵۴۳

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — دوم

عنوانات	صفحہ
"اَلْقَرْیَة" سے مقصود ومراد؟	
اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑنا اور پھلانگنا باعثِ ہلاکت وتباہی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۵۴۳
فسق وفجور باعث تنگی اور موجب ہلاکت وتباہی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۵۴۴
وعظ ونصیحت برائے ازالہ عذر وقطع حجت	۵۴۴
فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ادائیگی ذریعۂ نجات وسرفرازی	۵۴۴
"عذاب بئیس" سے مقصود ومراد؟	۵۴۵
ان ظالموں کے ذلیل بندر بن جانے کا حکم	۵۴۶
یہود بے بہود پر قیامت تک عذاب مسلط رکھنے کی پیشگوئی	۵۴۶
"صاحبزادگی" کا مرض اور اس کا ہولناک نتیجہ وانجام	۵۴۷
بنی اسرائیل کو ان کے عہد کی تذکیر ویاددہانی	۵۴۸
عقل وفکر سے کام لینے کیلئے تحریک وتحریض	۵۴۸
کتاب الٰہی کو مضبوطی سے تھامنا ذریعۂ فوز وفلاح	۵۴۹
اصلاح احوال کی اہمیت وضرورت	۵۴۹
کتاب الٰہی کو مضبوطی سے تھامنے کا مطلب؟	۵۵۰
عہد الست کی تذکیر ویاددہانی	۵۵۰
اتمام حجت کا کامل سامان	۵۵۱
قطع حجت کیلئے بھرپور انتظام کا ذکر وبیان	۵۵۲
تفصیل آیات کا مقصد رجوع الی اللہ	۵۵۲
اللہ کی آیتوں سے اعراض وروگردانی اور اس کا نتیجہ وانجام	۵۵۲
ایک بگڑے ہوئے شخص کے قصے کا ذکر	۵۵۳
عبرت پذیری کیلئے	۵۵۳
نورِ حق وہدایت سے محرومی کا ہولناک انجام، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۵۵۴
قرآنی قصوں سے مقصود عبرت پذیری	۵۵۴
اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا خود اپنی جانوں پر ظلم کرنا ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۵۵۵
ہدایت سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۵۵۵
سوءِ اختیار کا نتیجہ وانجام نارِ جہنم، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۵۵۶
غافلوں کے دل ماؤف وبیکار	۵۵۶
غافلوں کی آنکھیں بند اور بیکار	۵۵۶
غافلوں کے کان بند اور بیکار	۵۵۷
جانوروں سے بھی بڑھ کر گمراہ	۵۵۷
اللہ ہی کیلئے ہیں سب سے اچھے نام	۵۵۸
اسماء حسنیٰ میں کجی سے کام لینے کی مختلف صورتیں، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۵۵۸
اہل کفر وباطل شکنجۂ استدراج میں، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۵۵۹
اللہ کی تدبیر بڑی سخت ہوتی ہے	۵۵۹
پیغمبر کا کام صرف انذار ہے، اور بس	۵۵۹
کائنات کی کھلی کتاب میں غور وفکر کی دعوت	۵۶۰
اپنے مآل کیلئے تیاری وفکر کی ضرورت	۵۶۰
اللہ کے کسی کو گمراہ کرنے کا معنیٰ ومطلب؟	۵۶۱
قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے	۵۶۱
منکرین کا قیامت کے بارے میں سوال اور اسکا جواب	۲۶۲
پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتے	۵۶۳
مشیت سب اللہ تعالیٰ ہی کی ہے	۵۶۳
پیغمبر عالم غیب نہیں ہوتے	۵۶۳
اولادِ آدم میں شرک کا ارتکاب	۵۶۴

جلد دوم — تفصیلی فہرست عنوانات

عنوانات	صفحہ
جو خود محتاج ہیں وہ دوسروں کی مدد کیا کریں گے؟	۵۶۵
حاجت روا ومشکل کشا سب کا اللہ ہی ہے	۵۶۶
جن کو تم لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تم ہی جیسے بندے ہیں	۵۶۶
اللہ کے سوا حاجت روا اور مشکل کشا کوئی بھی نہیں ہو سکتا	۵۶۷
کارساز وکارفرما سب کا اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے، سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی	۵۶۸
یہ کتاب ہدایت، مصدر ومنبع فیض	۵۶۸
اللہ ہی کارسازی فرماتا ہے نیکوں کی	۵۶۸
اللہ کے سوا جن کو بھی پوجا وپکارا جاتا ہے وہ کوئی مدد نہیں کرسکتے	۵۶۹
اللہ کے سوا جن کو بھی پوجا پکارا جاتا ہے وہ سب بے حقیقت ہیں	۵۶۹
مکارم اخلاق کی عمدہ تعلیم کا ایک نہایت جامع نمونہ	۵۷۰
شیطان کی اکساہٹ سے حفاظت کا طریقہ	۵۷۱
تقویٰ حفاظت وبچاؤ کا ذریعہ	۵۷۲
شیطان سے دوستی باعث ہلاکت وتباہی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۵۷۲
اتباع باعث نجات اور ابتداع موجب فساد وبگاڑ، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۵۷۲
ذکر ودعا کے بعض اہم آداب کا بیان	۵۷۳
(۸) سُوْرَۃُ الْاَنْفَالِ مَدَنِیَّۃٌ (۸۸)	۵۷۵
نفل کا معنی ومفہوم اور اس کا حکم؟	۵۷۵
غنیمتیں اصل میں اللہ ہی کا حق ہے	۵۷۶

عنوانات	صفحہ
تقویٰ اصل واساس ہے صلاح واصلاح کی	۵۷۶
آپس کے تعلقات کو صحیح رکھنے کی ہدایت	۵۷۷
تقویٰ وپرہیزگاری تقاضائے ایمان	۵۷۷
ذکر اللہ کی عظمت شان کا بیان	۵۷۸
ایمان کا تقاضا کہ بھروسہ اللہ ہی پر ہو	۵۷۸
سچے ایمان والوں کیلئے عظیم الشان انعامات	۵۷۹
اطاعت خدا اور رسول ہی ذریعۂ فوز وفلاح	۵۷۹
جہاد فی سبیل اللہ کے ایک اہم مقصد کا ذکر وبیان	۵۸۰
حاجت روا وفریادرس سب کا اللہ تعالیٰ ہی ہے	۵۸۱
مدد سب اللہ ہی کی طرف سے ہے	۵۸۲
دوران جنگ امن وسکون کی ایک خاص عنایت	۵۸۲
مومن کیلئے پانی کا اصل مقصد تطہیر	۵۸۳
باران رحمت سے ثابت قدمی کا انتظام	۵۸۳
معیت رب کی خوشخبری سے سرفرازی	۵۸۴
ایمان والوں کیلئے قدرت کی طرف سے ثابت قدمی کا انتظام	۵۸۵
رعب خداوندی اہل ایمان کیلئے ایک غیبی امداد	۵۸۵
معرکۂ بدر میں دشمنوں کی بے بسی کی تصویر	۵۸۵
کافروں کیلئے اصل عذاب دوزخ کا عذاب ہے	۵۸۶
معرکہ میں پیٹھ دکھانا جرم عظیم ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ العظیم	۵۸۶
میدان کارزار سے پیٹھ دینے کی دو جائز صورتوں کا ذکر	۵۸۷
عنایت خداوندی کے ایک نتیجے کا ذکر وبیان	۵۸۷

جلد تفصیلی فہرست عنوانات دوم

عنوانات	صفحہ
معرکۂ بدر میں ایک مشت خاک کی تاثیر کا ذکر وبیان	۵۸۷
ایمان والوں کیلئے بڑا ہی عمدہ اجر وثواب	۵۸۹
حق و باطل کا درمیان فیصلے کے ظہور	۵۸۹
حق کو اپنانے میں خود اپنانے والے کا بھلا	۵۸۹
جیسا کرنا ویسا بھرنا، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ جَلَّ وَعَلاَ	۵۹۰
اللہ کے مقابلے میں کوئی کسی کے کچھ کام نہیں آسکتا، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۵۹۰
اللہ ساتھ ہے ایمان والوں کے	۵۹۰
اطاعت خدا رسول کا حکم وارشاد	۵۹۱
اطاعت خدا رسول سے روگردانی کی ممانعت	۵۹۱
اہل ایمان کو ایک خاص اور اہم تنبیہ	۵۹۲
منکرین حق بدترین جانور، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۵۹۲
طلب صادق ذریعۂ سرفرازی	۵۹۳
طلب صادق سے محرومی ہر خیر سے محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم	۵۹۳
''مَا یُحْیِیْکُمْ'' (حیات آفریں چیز) سے مقصود ومراد؟	۵۹۴
اللہ تعالیٰ کے ایک قانونِ قدرت کا ذکر وبیان	۵۹۴
حشر کی تذکیر و یاددہانی	۵۹۴
اللہ کے عذاب کی تذکیر و یاددہانی	۵۹۵
اللہ کے انعام کی تذکیر و یاددہانی	۵۹۶
اپنے دوضعیفی کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کی ہدایت	۵۹۶
حالت خوف کی تذکیر و یاددہانی اور اس کا تقاضا	۵۹۷
عطائے نعمت کا تقاضا شکر نعمت	۵۹۷
اللہ اور اس کے رسول کی خیانت سے ممانعت	۵۹۸
آپس کی امانتوں میں خیانت سے ممانعت	۵۹۸

عنوانات	صفحہ
اموال واولاد باعث فتنہ وآزمائش	۵۹۹
اللہ تعالیٰ کے یہاں کے اجر عظیم کی تذکیر و یاددہانی	۶۰۰
اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم کی تذکیر و یاددہانی	۶۰۰
کافروں کی سازش حضرت امام الانبیاء کے خلاف	۶۰۰
اہلِ کفر وباطل کی چالیں حق کیخلاف، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۶۰۱
دشمنوں کی چالوں کے مقابلے میں اللہ کی چال کا ذکر	۶۰۱
کفار کے عناد اور ان کی ہٹ دھرمی کا ایک نمونہ ومظہر	۶۰۲
منکرین کی ہٹ دھرمی کا ایک اور مظہر ونمونہ	۶۰۳
پیغمبر کا وجود باعثِ رحمت اور ذریعۂ امن وامان	۶۰۳
عذاب سے بچنے کا دوسرا بڑا ذریعہ استغفار	۶۰۴
مسجد حرام سے روکنا باعثِ عذاب، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۶۰۴
مسجد کے متولی صرف متقی اور پرہیزگار لوگ ہی ہوسکتے ہیں	۶۰۴
مشرکین مکہ کی نماز، خرافات کا پلندہ، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۶۰۵
کفر وشرک کا نتیجہ، ہولناک عذاب، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۶۰۵
کافروں کا انفاق، اللہ کی راہ سے روکنے کیلئے	۶۰۶
کافروں کا انفاق ان کیلئے سراسر حسرت کا باعث	۶۰۶
کافروں کا ٹھکانہ جہنم، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۶۰۷
ناپاک کو پاک سے الگ کرنے کے مقصد کا ذکر	۶۰۷
اہل باطل ایک دوسرے کے عذاب میں اضافے کا باعث، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۶۰۸
منکرین کیلئے عذاب سے رہائی کی صورت	۶۰۸
اللہ کا قانون بے لاگ اور سب کیلئے یکساں	۶۰۹
اسلامی جہاد کا اصل مقصد اعلاءِ کلمۃ اللہ	۶۰۹

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — دوم

عنوانات	صفحہ
اللہ تعالیٰ کے علم وآ گہی کی تذکیر ویاددہانی	٦١٠
راہِ حق وصواب سے انحراف باعث	
ہلاکت وتباہی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰہ	٦١٠
اللہ ہی کارساز ہے سب کا	٦١٠
اور کیا ہی خوب مددگار ہے وہ	٦١٠
مالِ غنیمت میں اللہ کا حصہ اور اس کا مصرف؟	٦١٢
غنیمت میں اللہ کے رسول کا حصہ	٦١٢
پیغمبر کی شانِ عبدیت وبشریت کی عظمت کا ذکر وبیان	٦١٣
معرکۂ بدر کا دن یوم فرقان	٦١٣
معرکۂ بدر کے دن دوگروہوں کی مڈبھیڑ کا ذکر	٦١٣
اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت کا حوالہ وذکر	٦١٤
قدرت کی تدبیر وکارسازی کا ایک نمونہ ومظہر	٦١٤
غزوۂ بدر سے متعلق ایک خاص عنایت کا ذکر وبیان	٦١٥
قدرت کی کارسازی کا ایک اور مظہر ونمونہ	٦١٥
یوم فرقان کے بعض اہم مصالح کا ذکر	٦١٦
معرکۂ بدر سے متعلق ایک خاص خواب کا ذکر	٦١٦
بدر میں قدرت کی ایک اور عنایت کا ذکر	٦١٧
اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی وعنایت کا ذکر وبیان	٦١٧
اللہ تعالیٰ کے علم وآ گہی کا حوالہ وذکر	٦١٧
بدر میں قدرت کی تدبیر وکارستانی کا	
ایک اور مظہر	٦١٨
اور تم کو کم کرکے دکھایا اُن کی نگاہوں میں	٦١٨
سب کاموں کا رجوع اللہ ہی کی طرف	٦١٩
اہلِ ایمان کو ثبات اور استقامت کا حکم وارشاد	٦٢٠
اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے کا حکم وارشاد	٦٢٠

عنوانات	صفحہ
ذکرِ خداوندی اور یادِ الٰہی باعث سرفرازی	٦٢٠
اطاعت خدا اور رسول کا حکم وارشاد	٦٢١
باہمی نزاع وجدال کی ممانعت	٦٢١
صبر وضبط سے کام لینے کی تعلیم وتلقین	٦٢٢
اللہ تعالیٰ کی معیت کا مژدہ جانفزا	٦٢٢
کفار کی روش سے بچنے کیلئے تنبیہ وتذکیر	٦٢٣
کفار کے دوہرے جرم کے ارتکاب کا ذکر وبیان	٦٢٣
اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم وقدرت کا ذکر وبیان	٦٢٤
اہلِ کفر کیلئے ابلیس لعین کی تزیین کا ذکر وبیان	٦٢٤
تسویل وتزیین شیطان کے ایک	
نمونے اور مظہر کا ذکر وبیان	٦٢٤
نزولِ ملائکہ اور شیطان کا خوف	٦٢٦
ابلیس کی دروغ گوئی اور دھوکہ دہی کا ایک مظہر ونمونہ	٦٢٦
اہل کفر وباطل کے اہلِ ایمان پر طنز وتشنیع	٦٢٧
اللہ پر بھروسہ کامیابی کی شاہ کلید، وَبِاللّٰہِ التَّوْفِيْق	٦٢٧
اللہ تعالیٰ کی صفت عزت وحکمت کا حوالہ وذکر	٦٢٨
کافروں کے منہ اور ان کے دبر ایک برابر	٦٢٨
کافروں کیلئے آخرت میں عذاب	
پر عذاب، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰہ	٦٢٩
دوزخ انسان کے عمل وکردار کا طبعی نتیجہ، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰہ	٦٢٩
اللہ کبھی ظلم نہیں کرتا اپنے بندوں پر	٦٣٠
کفر کا نتیجہ بہر حال بہت بُرا ہے	٦٣٠
اللہ تعالیٰ کی قوت وگرفت کی تذکیر ویاددہانی	٦٣١
قوموں کی ترقی اور اُن کے عروج کی بنیاد	
اخلاق وکردار	٦٣١

جلد تفصیلی فہرست عنوانات دوم

عنوانات	صفحہ
کفر وانکار کا آخری انجام بہر حال ہلاکت وتباہی ہے	۶۳۲
آلِ فرعون کی ہلاکت وغرقابی کا ذکر وبیان	۶۳۲
ظلم کا نتیجہ وانجام ہلاکت وتباہی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۶۳۳
اہلِ کفر وباطل اللہ کی بدترین مخلوق، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۶۳۳
خاص گروہ جو ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اپنے عہد کو	۶۳۴
عہد شکنوں کی سرکوبی کا حکم	۶۳۵
معاہدے کی پابندی کا احترام طرفین سے مطلوب ہوتا ہے	۶۳۶
خیانت وغدر سے احتراز واجتناب کی تعلیم وتلقین	۶۳۶
کافر لوگ اللہ تعالیٰ کی گرفت وپکڑ سے باہر نہیں ہو سکتے	۶۳۶
کافر کبھی اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے	۶۳۷
دشمنانِ حق کے مقابلے کیلئے ہر ممکن قوت تیار کرنے کا حکم وارشاد	۶۳۷
سامانِ جہاد کی تیاری کا ایک اہم مقصد، دشمنانِ حق پر دھاک بٹھانا	۶۳۸
حق اور اہلِ حق کے چھپے دشمنوں کی طرف اشارہ	۶۳۸
انفاق فی سبیل اللہ کی تعلیم وترغیب	۶۳۹
اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی کی کوئی حق تلفی نہیں ہوگی	۶۳۹
صلح کے جواب میں صلح کا پیغام	۶۴۰
اللہ ہی پر بھروسہ رکھنے کی تعلیم وتلقین	۶۴۰
اللہ ہر کسی کی سنتا، سب کچھ جانتا ہے، سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی	۶۴۰
بھروسہ اللہ پر رکھیں اور دشمن کی پرواہ نہ کریں	۶۴۱
کافی ہے اللہ آپ کو (اے پیغمبر!)	۶۴۱
پیغمبر کی تائید وتقویت اہلِ ایمان کے ذریعے	۶۴۲
تالیفِ قلوب کی عنایت کا ذکر وبیان	۶۴۲

عنوانات	صفحہ
اللہ ہی نے جوڑ دیا باہم پھٹے ہوئے دلوں کو	۶۴۳
اور کافی ہے اللہ آپ کو اور جملہ اہلِ ایمان کو	۶۴۳
جہاد فی سبیل اللہ کیلئے تحریض وترغیب کا حکم وارشاد	۶۴۴
ایک سو مومن ایک ہزار کافروں پر بھاری	۶۴۵
کافر لوگ سمجھتے نہیں حق اور حقیقت کو	۶۴۵
ایک سو اہلِ ایمان کا غلبہ دو سو اہلِ کفر وباطل پر	۶۴۶
اللہ تعالیٰ کی معیت کا مژدۂ جانفزا	۶۴۶
جہادِ اسلامی کا اصل مقصد کفر کا زور توڑنا	۶۴۷
نوشتۂ خداوندی سے مراد؟	۶۴۸
زرِ فدیہ کو کھانے اور استعمال کرنے کی اجازت واباحت	۶۴۸
اُساریٰ بدر سے خیر کا وعدہ	۶۴۹
اُساریٰ بدر کیلئے مغفرت وبخشش کا وعدہ	۶۵۰
فضائل ومراتب مہاجرین وانصار کا ذکر وبیان	۶۵۰
انصار ومہاجرین کی باہمی دوستی ومیراث کا بیان	۶۵۱
وفائے عہد کی اہمیت کا ایک نمونہ ومظہر	۶۵۲
اللہ کے حکموں کی پابندی کی تاکید	۶۵۲
مہاجرین وانصار سب کے سب پکے سچے مؤمن	۶۵۳
انصار ومہاجرین کے لیے مغفرت وبخشش کا وعدہ ربانی	۶۵۳
انصار ومہاجرین کیلئے رزقِ کریم کا وعدہ	۶۵۴
بعد میں ایمان لانے والوں کیلئے بھی خوشخبری	۶۵۴
سو ایسے لوگ تم ہی میں سے ہیں	۶۵۴
رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں	۶۵۵
اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ وذکر	۶۵۵

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — دوم

(۹) سُورَۃُ التَّوبَۃِ مَدَنِیَّۃٌ (۱۱۳) ۶۵۷

عنوانات	صفحہ
سورہ توبہ کی وجہ تسمیہ اور اسکی عظمتِ شان	۶۵۷
اعلانِ براءت کی نسبت رسول کی طرف باعتبار تبلیغ کے	۶۵۸
چار ماہ کی مہلت سے مقصود و مراد؟	۶۵۸
اللہ کو کوئی عاجز نہیں کرسکتا	۶۵۸
کفر و انکار موجب ذلت و رسوائی	۶۵۹
ہر حج حجِ اکبر ہوتا ہے	۶۵۹
توبہ قدرت کی ایک عظیم الشان عنایت	۶۶۰
توبہ سے خود توبہ کرنے والے کا بھلا	۶۶۰
کافروں کیلئے دردناک عذاب کی خوشخبری	۶۶۰
تقویٰ و پرہیزگاری باعثِ سعادت و ذریعۂ سرفرازی	۶۶۱
"اَشہرِ حرم" سے مقصود و مراد؟	۶۶۲
مدت مہلت ختم ہونے کے بعد مشرکوں کو قتل کرنیکا حکم	۶۶۲
اللہ تعالیٰ کی بخشش و رحمت کا حوالہ و ذکر	۶۶۲
مشرکوں کیلئے ایک رعایت کا ذکر	۶۶۳
مشرکوں کیلئے کوئی عہد و پیمان کس طرح؟	۶۶۳
مشرکوں کے عام حکم سے استثنا	۶۶۴
سیدھوں کے ساتھ سیدھے رہنے کی تعلیم و تلقین	۶۶۴
پرہیزگاروں کیلئے معیت خداوندی کا مژدہ جانفزا	۶۶۵
معاشرتی استحکام کی دو اہم بنیادوں کا ذکر و بیان	۶۶۵
منکرین و معاندین کی منافقانہ پالیسی کا ذکر و بیان	۶۶۶
حق فروشی کے عوض دنیا ساری کی دولت بھی ہیچ ہے	۶۶۶
برے کاموں کے نتیجے برے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۶۶۷
نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ایمان کا نشان و ثبوت	۶۶۷
علم صحیح کی عظمت و اہمیت کا ذکر و بیان	۶۶۸
کفر کے پیشواؤں کیخلاف جنگ کرنیکا حکم وارشاد	۶۶۸
غداروں کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں	۶۶۹
اسلامی جہاد و قتال رحمتِ خداوندی کا ایک مظہر	۶۶۹
جہاد فی سبیل اللہ کیلئے ترغیب و تحریض	۶۶۹
معاندین و منکرین کی بدبختی اور ہٹ دھرمی کے ایک اور نمونے کا ذکر و بیان	۶۷۰
جہاد و قتال کے ایک اہم باعث کا ذکر و بیان	۶۷۰
ڈرنا ہمیشہ اللہ ہی سے چاہیئے	۶۷۱
ایمانداری کا تقاضا کہ انسان ہمیشہ اللہ ہی سے ڈرے	۶۷۱
اہل کفر و باطل کی سزا اہلِ ایمان کے ہاتھوں	۶۷۲
اہلِ ایمان کیلئے نصرت خداوندی اور شفاء بخشی کا وعدہ	۶۷۲
اللہ تعالیٰ کی صفت علم و حکمت کا حوالہ و ذکر	۶۷۳
ابتلاء و آزمائش تقاضائے عدل و حکمت	۶۷۴
علم سے مراد "رؤیت" یعنی دیکھنا	۶۷۴
"ولیجۃ" کا معنیٰ و مفہوم؟	۶۷۴
اللہ تعالیٰ کے علم و آگہی کی تذکیر و یاددہانی	۶۷۴
مشرک کا کام نہیں کہ وہ مسجد کو آباد کرے	۶۷۵
کفر و شرک کا انجام خلود فی النار، والعیاذ باللہ	۶۷۵
مساجد کی تولیت کے حقداروں کی صفات کا ذکر و بیان	۶۷۶
ہدایت یافتہ لوگوں کی نشاندہی	۶۷۶
اعمال ایمان کا بدل نہیں ہوسکتے	۶۷۷
ظالموں کو ہدایت نہیں مل سکتی	۶۷۷
اہلِ ایمان کیلئے سب سے بڑے درجے کی خوشخبری	۶۷۸
کامیاب لوگوں کی نشاندہی	۶۷۸
اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بڑا اجر ہے	۶۷۹

جلد تفصیلی فہرست عنوانات دوم

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
ایمان کا رشتہ سب رشتوں پر مقدم	۶۷۹	عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ماننا	۶۹۰
رشتۂ ایمانی پر دوسرے کسی بھی رشتہ کو مقدم رکھنا ظلم ہے	۶۸۰	اللہ تعالیٰ ہر شائبہ شرک سے پاک ہے	۶۹۱
اللہ اور اس کے رسول کی محبت سب سے مقدم اور		دینِ حق ایک عظیم الشان اور بے مثال نور ہے	۶۹۱
سب پر فائق	۶۸۱	دشمنانِ حق کی حماقت کا ایک مظہر و نمونہ	۶۹۲
فاسقوں کو ہدایت نہیں مل سکتی	۶۸۱	دینِ حق سب دینوں پر غالب ہونے کیلئے آیا ہے	۶۹۲
معرکۂ حنین میں اللہ کی مدد کی تذکیر و یاد دہانی	۶۸۲	لفظ (باطل) کا عموم و شمول اور اسکی مختلف شکلیں	۶۹۳
مؤمن کا اصل سرمایہ نصرت و امدادِ خداوندی	۶۸۲	اہلِ کفر و باطل کا راہِ حق سے روکنے کا جرم	۶۹۴
حنین میں شکست کے بعد مسلمانوں کی فتح	۶۸۳	راہِ حق میں خرچ نہ کرنے والوں کیلئے دردناک عذاب	۶۹۵
فرشتوں کی غیبی مدد کی عنایت کا ذکر	۶۸۴	اہلِ دوزخ سے تحقیر و تذلیل کا خطاب	۶۹۶
کافروں کے کفر کی کچھ سزا دنیا میں	۶۸۴	حرمت والے مہینے چار ہیں	۶۹۶
عنایاتِ خداوندی کا دار و مدار انسان کے باطن پر	۶۸۵	پرہیزگاروں کیلئے معیت خداوندی کا مژدۂ جانفزا	۶۹۷
مشرک نرے نجس اور پلید ہیں	۶۸۵	نسی کفر میں زیادتی اور اضافہ ہے	۶۹۸
مشرکوں کو بیت اللہ کے قریب پھٹکنے کی بھی اجازت نہیں	۶۸۶	خواہشاتِ نفس کی پیروی ہلاکت ہے	۶۹۸
ایمان والوں کو رزق روزی کی تنگی کا اندیشہ		برے اعمال کو اچھا کر کے دکھانا برے لوگوں	
نہ کرنے کی ہدایت	۶۸۶	کیلئے ایک نقد سزا، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۶۹۹
اہلِ ایمان کیلئے رزق و روزی کے بیگماں انتظامات	۶۸۷	غزوۂ تبوک کا ذکر اور جہاد کی ترغیب	۶۹۹
مشرکین کے بعد اہلِ کتاب سے جہاد و قتال کا حکم	۶۸۷	دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لینا خساروں کا خسارہ، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۷۰۰
تحلیل و تحریم اللہ ہی کی صفت ہے	۶۸۸	دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلے میں	
دینِ حق صرف اسلام ہے	۶۸۸	نہ ہونے کے برابر ہے	۷۰۰
''عَنْ یَّدٍ'' کا معنی و مطلب؟	۶۸۹	اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لاسکتا ہے	۷۰۱
یہود کے ایک شرک کا بیان	۶۸۹	اللہ کا رسول تمہاری مدد کا محتاج نہیں	۷۰۱
اہلِ کتاب کے بے بنیاد اور بے حقیقت دعوے	۶۸۹	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی	
موجودہ کافر پہلے کافروں کی نقل کرتے ہیں	۶۹۰	صحابیت کا ثبوت نصِ قرآن سے	۷۰۲
اہلِ کتاب کے اپنے پیروں اور مولویوں کو رب		حاجت روا اور مشکل کشا سب کا اللہ وحدہ لاشریک	
بنانے کا مطلب؟	۶۹۰	ہی ہے	۷۰۲

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — دوم

عنوانات	صفحہ
غیر مرئی لشکروں کی مدد سے سرفرازی	۷۰۲
قدرت نے کافروں کا بول نیچا کر دیا	۷۰۳
اللہ کا بول ہی ہے سب سے اعلیٰ وبالا	۷۰۳
اللہ کی راہ میں ہر حال میں نکلنے کا حکم وارشاد	۷۰۴
اصل قوت ایمان ہی کی قوت ہے	۷۰۴
جھوٹی قسمیں ہلاکت وتباہی کا باعث، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۷۰۵
پیغمبر نہ عالم غیب ہوتے ہیں نہ مختار کل	۷۰۵
قوتِ ایمان سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ	۷۰۶
اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ وذکر	۷۰۶
ایمان ویقین سے محرومی ہر خیر سے محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۷۰۷
فسادِ نیت محرومی کی جڑ بنیاد، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۷۰۸
بدنیتی کی ایک نقد سزا محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۷۰۸
ایمانِ صادق حفاظت وپناہ کا ذریعہ ووسیلہ	۷۰۸
(وَفِیْکُمْ سَمّٰعُوْنَ لَھُمْ) کا مطلب؟	۷۰۹
منافقوں کے منافقانہ عذر کا ایک نمونہ	۷۱۰
کفر ونفاق مت ماری کا باعث، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۷۱۰
کافر ومنکر جہنم کے پھیر میں، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۷۱۰
تقدیر کے لکھے نے بہر حال ہو کر رہنا ہے	۷۱۱
ایمان کا تقاضا کہ بھروسہ اللہ ہی پر ہو،	۷۱۱
مومن کی ہر حالت خیر ہی خیر ہے	۷۱۲
اللہ کا عذاب کبھی براہِ راست اللہ کی طرف سے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۷۱۲
کفار کو عذاب اہلِ ایمان کے ہاتھوں	۷۱۳
منافق کا انفاق کبھی قبول نہیں ہوگا	۷۱۳

عنوانات	صفحہ
منافقوں کی دو خاص علامتوں کا ذکر	۷۱۴
منافقانہ ایمان کا اثر ونتیجہ	۷۱۴
اہل کفر وباطل کا مال ودولت ان کیلئے باعثِ عذاب ووبال	۷۱۵
زیادہ قسمیں کھانا منافقوں کی نشانی ہے	۷۱۵
منافقوں کی گھٹن اور انکے باطن کی کیفیت کا ذکر	۷۱۶
منافقوں کے نفاق کا ایک مظہر اللہ کے رسول پر اعتراض کرنا	۷۱۶
ابنائے دنیا کا مطمحِ نظر دنیا کا متاعِ فانی اور حطام وزائل، اور بس	۷۱۷
دینے بخشنے والا سب کو اللہ تعالیٰ ہی ہے	۷۱۷
کفایت سب کیلئے اللہ ہی کی کفایت ہے	۷۱۸
عطاء وبخشش اللہ ہی کا کام اور اُسی کی شان ہے	۷۱۸
زکوٰۃ اللہ کا مقرر فرمودہ فریضہ ہے	۷۱۹
''ھُوَ اُذُنٌ'' کا مطلب؟	۷۱۹
پیغمبر کا وجود سراسر رحمت	۷۲۰
پیغمبر کا اصل اعتماد اہلِ ایمان پر	۷۲۰
ایمان سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ	۷۲۱
اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کا نتیجہ دوزخ کی دائمی آگ، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۷۲۲
اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں کیلئے بڑی سخت رُسوائی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۷۲۲
منافقوں کو ان کے نفاق کی ایک نقد سزا	۷۲۳
منافقوں کے نفاق کا ایک اور مظہر	۷۲۴
اللہ اور اسکے رسول سے استہزاء، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۷۲۴

جلد تفصیلی فہرست عنوانات دوم

عنوانات	صفحہ
ارتکاب کفر کا جرم سب سے سنگین اور ہولناک جرم	۷۲۴
ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کیلئے کوئی معافی نہیں	۷۲۵
منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں ایک ہیں	۷۲۵
منافق ہر خیر سے محروم، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۷۲۶
خدا فراموشی کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت سے محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۷۲۷
یاد الٰہی سے محرومی سب سے بڑی محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۷۲۷
کفار و منکرین کیلئے جہنم کا دائمی عذاب اور ہمیشہ کی لعنت و پھٹکار	۷۲۷
ایمان کے بغیر دنیاوی مال و متاع کی کوئی حیثیت نہیں	۷۲۸
دین وایمان سے محرومی کا نتیجہ غفلت و لاپرواہی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۷۲۸
ایمان ویقین سے محرومی باعث ہلاکت وتباہی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۷۲۹
پیغام حق وہدایت سے اعراض ورُوگردانی کا نتیجہ وانجام ہلاکت وتباہی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۷۳۰
مومن آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں	۷۳۰
اہلِ ایمان کی خاص صفات اور انکے انعام کا ذکر و بیان	۷۳۱
اہلِ ایمان کیلئے عظیم الشان جنتوں کا وعدہ	۷۳۲
جنت سے سرفرازی سب سے بڑی کامیابی	۷۳۲
کفار اور منافقین دونوں سے جہاد کا حکم وارشاد	۷۳۳
جھوٹی قسمیں کھانا منافقوں کا وطیرہ	۷۳۳
منافقوں کی منافقت کے ایک نمونے کا ذکر و بیان	۷۳۴
منافقوں کی بے انصافی اور نمک حرامی کا ذکر	۷۳۴
توبہ کا فائدہ خود بندے کو	۷۳۵
ایک سبق آموز اور عبرتناک قصے کا ذکر و بیان	۷۳۶
برا عمل برے انجام کا باعث، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۷۳۷
کذب بیانی کے ہولناک انجام کا ایک نمونہ	۷۳۷
علم غیب خاصہ خداوندی ہے	۷۳۸
منافقوں کیلئے بڑا ہولناک عذاب	۷۳۸
پیغمبر مختار کل نہیں ہوتے	۷۳۹
اختیار کلی وغیرہ کے بدعی عقائد کی تردید وتغلیط	۷۴۰
فاسقوں کو ہدایت کی دولت نہیں مل سکتی	۷۴۰
بدنیتی اور سوءِ اختیار کا نتیجہ محرومی	۷۴۱
خبث باطن کا نتیجہ خسارے پر خسارہ، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۷۴۱
دوزخ کی آگ بڑی ہی سخت آگ ہے	۷۴۲
تھوڑا ہنس لو، تمہارا انجام بہرحال بہت برا ہے	۷۴۳
چند روزہ ہنسی پھر ہمیشہ کا رونا، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ	۷۴۳
بدنیتی اور دُوں ہمتی کے باعث محرومی کا ٹھپہ	۷۴۳
پیغمبر نہ عالم غیب ہوتے ہیں نہ مختار کل	۷۴۴
کافروں اور منکروں کا مال ومتاع ان کیلئے باعث عذاب ووبال	۷۴۵
فضیلت پر فضیلت سے سرفرازی کی دعوت	۷۴۵
فلاح پانے والے خوش نصیبوں کی نشان دہی	۷۴۶
حقیقی اور سب سے بڑی کامیابی جنت سے سرفرازی	۷۴۷
دیہاتی منافقوں اور ان کے کردار وانجام کا ذکر	۷۴۸
صدق نیت کی عظمتِ شان کے ایک مظہر ونمونہ	۷۴۸
صدق ایمان کی ایک نشانی نیکی سے محرومی پر رو پڑنا	۷۴۹
منافقوں کے دلوں پر مہر	۷۴۹

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ

اللہ پسند نہیں کرتا بری بات کو ظاہر کرنا، مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو (کہ اس کا معاملہ اس سے ۳۸۴

ظُلِمَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا

مستثنیٰ ہے) ۳۸۵ اور اللہ (ہر کسی کی) سنتا سب کچھ جانتا ہے، ۳۸۶ اگر تم لوگ ظاہر کر کے کرو کوئی نیکی،

اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا

یا چھپاؤ تم اس کو، یا درگزر سے کام لو تم کسی برائی سے، تو (یہ سب درست اور قابلِ قدر ہے کہ ۳۸۷) بیشک اللہ بڑا ہی درگزر کرنے والا

قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ

پوری قدرت والا ہے، بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ، اور اس کے رسولوں کے ساتھ، اور

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ

وہ چاہتے ہیں کہ (ایمان کے بارے میں) تفریق کریں، اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان ۳۸۸ اور وہ کہتے ہیں

۳۸۴ **اللہ بُری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا:-** کہ اس سے کئی طرح کے مفاسد جنم لیتے ہیں، بغض و عناد اور حسد و کینہ کے جذبات ابھرتے ہیں۔ برائی کے چرچے سے اس کی نشر و اشاعت ہوتی ہے اور اس کا استخفاف ظہور میں آتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ واضح رہے کہ یہاں جہر سے مراد اعلان نہیں بلکہ مطلق اِظہار و بیان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ برائی کے اظہار و بیان کو پسند نہیں فرماتا اور یہاں پر برائی کے اظہار و بیان کا ذکر اس لیے فرمایا گیا کہ یہاں کفار و منافقین کے مفاسد کا ذکر چل رہا ہے۔ اس لیے اس سیاق و سباق کی مناسبت سے برائی کے اظہار کو بطورِ خاص ذکر فرمایا گیا ہے ورنہ اللہ پاک برائی کے اظہار کی طرح اسکے اِخفاء و اِسرار کو بھی پسند نہیں فرماتا۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اس نے گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی سے صاف اور صریح طور پر منع فرمایا ہے۔ (تفسیر المراغی)۔ سو وہ برائی کے نہ اظہار کو پسند فرماتا ہے نہ اسکے اِخفاء و اِسرار کو۔ سبحانہٗ تعالیٰ۔ سوائے اس کے کہ مظلوم انسان اپنے ظلم کے خلاف آواز اٹھائے۔

۳۸۵ **مظلوم کو اظہارِ مظلومیت کی اجازت:-** کہ اس کو ظلم کا اظہار کرنے کی اور اس کے خلاف آواز اٹھانے کی اجازت ہے کہ اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ مگر اس کے لئے بھی صرف اجازت ہے نہ کہ لزوم۔ پس اگر وہ صبر و برداشت سے کام لے سکے تو اس کے لئے بھی بہتر یہی ہے کہ وہ برائی کا خواہ مخواہ اظہار نہ کرے۔ اور یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذَالِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ (الشوریٰ: ۴۳)۔ نیز اس کیلئے یہ اجازت اسی صورت میں ہے کہ جبکہ اس کا اظہار وہ کسی ایسے شخص کے سامنے کرے جو اس سے اسکے ظلم کو رفع

کر سکتا ہو یا اسکی کوئی نصرت و امداد کر سکتا ہو، ورنہ نہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر یہ عبث کام ہوگا- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم -

۳۸۶ اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے:- پس وہ جانتا ہے کہ کس نے کتنی زیادتی کی اور اس کے خلاف مظلوم نے کتنی اور کس طرح آواز اٹھائی وغیرہ وغیرہ۔ پس اس سے اہلِ بدعت کے اس خود ساختہ اور من گھڑت فلسفے کی جڑ کٹ جاتی ہے جو وہ اللہ پاک کو مخلوق پر قیاس کرتے ہوئے اس طرح بگھارتے رہتے ہیں، کہ دیکھو ناں جی، جو ہم کسی ڈی سی، ایس پی وغیرہ کے پاس بھی براہِ راست خود نہیں جا سکتے، اور اگر چلے بھی جائیں تو ہماری وہاں کوئی شنوائی نہیں ہوتی، جب تک کہ کسی کو وسیلہ نہ پکڑیں، اور وہ جا کر ہماری عرضی پیش نہ کرے، تو پھر ہم اللہ تعالیٰ کے یہاں براہِ راست خود کیسے پہنچ سکتے ہیں؟ -وَتَعَالٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا -تم اس اللہ کو جو کہ سمیع و بصیر اور علیم و خبیر ہے اور جو بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہے، اسکو تم لوگ ڈی سی، ایس پی یا اس طرح کی کسی اور عاجز و درماندہ مخلوق پر قیاس کرتے ہو۔ اور جس پیغمبر نے اللہ کی طرف سے ہمیں یہ دینِ حق لا کر دیا، اس پر ایمان اور اس کے اپنے پیچھے چھوڑی ہوئی کتاب وسنت کی مقدس تعلیمات پر عمل کا یہ عظیم الشان واسطہ و وسیلہ کیا کافی نہیں؟ کہ ہم از خود اوروں کے واسطے اور وسیلے ڈھونڈیں؟ سو اللہ پاک کو مخلوق پر قیاس کر کے اس کیلئے خود ساختہ واسطے اور وسیلے ڈھونڈنا گمراہیوں کی گمراہی ہے کہ اس سے آگے شرک کے دروازے کھلتے ہیں۔ اسی لیے قرآنِ حکیم میں صاف اور صریح طور پر اللہ تعالیٰ کیلئے از خود مثالیں بیان کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔، ارشاد ہوتا ہے- ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰہِ الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾- (النحل:۷۴)۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔ سبحانہٗ تعالیٰ

۳۸۷ بھلائی انسان کے اپنے ہی لیے:-سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''جو بھی اچھائی تم کرو گے وہ خود تمہارے لیے ہی بہتر ہوگی'' کہ اس کا فائدہ خود تم ہی لوگوں کو پہنچے گا اور یہ سب کچھ خود تمہارے ہی حق میں بہتر ہوگا۔ دنیا میں بھی، اور آخرت میں بھی۔ اور اس ضمن میں تمہیں اپنے رب مہربان کی صفات عفو و کرم کو اپنے سامنے رکھنا چاہیئے کہ جب وہ پوری قدرت رکھنے کے باوجود عفو و درگزر سے کام لیتا ہے تو تمہیں تو بطریق اولیٰ اس خُلقِ کریم کو اپنانا چاہیئے اور اس طرح جو بھی کچھ تم کرو گے اس کا صلہ اور بدلہ پاؤ گے۔ پس جو بھی کوئی نیکی تم لوگ کرو گے خواہ اس کو ظاہر کر کے کرو یا چھپا کر وہ ضائع نہیں جائے گی اور اس کا صلہ و ثمرہ تم لوگوں کو بہرحال ملے گا کہ وہ ربِ غفور و رحیم بڑا ہی قدر دان اور شکور و کریم ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۳۸۸ رسول کا انکار اللہ کے ساتھ کفر ہے- والعیاذُ باللہ:-سو جو لوگ چاہتے ہیں کہ وہ تفریق کریں اللہ اور اسکے رسولوں کے درمیان اور اس طرح وہ اس کے رسولوں پر ایمان نہیں لاتے، خواہ سب پر، خواہ بعض پر۔ تو وہ یقیناً کفر پر ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ رسول کا انکار اور اس کے ساتھ کفر خدا کے ساتھ کفر ہے- والعیاذُ باللہ- پس اللہ تعالیٰ پر ایمان کا دعویٰ جب ہی صحیح اور معتبر ہوسکتا ہے جبکہ اسکے سب رسولوں پر ایمان لایا جائے۔ پس جو لوگ اللہ کے رسولوں پر ایمان نہیں رکھتے انکے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں خواہ سب پر ایمان نہ لائیں، جیسا کہ دورِ حاضر کے بہت سے ملحدین کا کہنا اور ماننا ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک رسول جو کچھ کہتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے نہیں بلکہ انکی طرف سے ہوتا ہے- والعیاذ باللہ- یا رسولوں میں سے بعض کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا جیسا کہ یہود حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کو نہیں مانتے اور نصاریٰ حضرت محمد ﷺ کو نہیں مانتے۔ سو ایسوں کا ایمان باللہ بھی معتبر اور قابلِ قبول نہیں۔ (المراغی وغیرہ)۔ ایمان باللہ وہی معتبر ہے جو اللہ کے سب رسولوں پر ایمان کے ساتھ ہو۔

نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ

ہم کسی کو مانیں گے، اور کسی کو نہیں مانیں گے، اور (اس طرح) وہ چاہتے ہیں کہ

يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝١٥٠ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ

(کفر و اسلام کے) بیچ ایک راستہ اپنالیں، ۳۸۹ ایسے لوگ (اپنے ایمان کے سب دعووں کے باوجود) پکے

حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝١٥١ وَالَّذِيْنَ

کافر ہیں ۳۹۰ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ایسے کافروں کے لئے ایک بڑا ہی رسوا کن عذاب ۳۹۱ اور (اس کے برعکس) جو لوگ

۳۸۹ کفر و اسلام کے بیچ کا راستہ بھی کفر ہی کا راستہ ہے- والعیاذُ باللہ:- سو ایسے لوگ چاہتے ہیں کہ اپنی مرضی کے مطابق جس کو چاہا مان لیا اور جس کو چاہا نہ مانا، تو بات حق کی نہ ہوئی بلکہ ان کی اپنی مرضی اور خواہش کی ہوئی، اور یہ اتباع ھُدٰی نہیں اتباع ھوٰی ہے، جو حضرت حق جل مجدہٗ کے یہاں قابل قبول نہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو رسولوں میں سے کسی کو ماننا اور کسی کو نہ ماننا کفر ہے کہ پیغمبر سب ہی اللہ کے فرستادہ ہوتے ہیں، اور ان سب ہی پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے اور ان میں سے کسی ایک کا انکار سب کا انکار اور یہ اللہ کا بھی انکار ہے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو جو لوگ رسول کا انکار کرنے کے باوجود اللہ پر ایمان کا دعوٰی کرتے ہیں وہ سراسر دھوکے میں ہیں۔ پس کفر و اسلام کے بیچ کی راہ اپنانے والے بھی کفر پر ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- سب رسولوں پر بلاتفریق ایمان لانا ضروری ہے۔

۳۹۰ کسی بھی رسول کا اِنکار کفر ہے:- سو سب رسولوں یا ان میں سے کسی ایک رسول کا انکار کرنے والے ایسے لوگ پکے کافر ہیں۔ اور جس ایمان کے یہ دعویدار ہیں وہ معتبر نہیں۔ کیونکہ وہ شرعی ایمان نہیں کہ شرعی ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے سب ہی رسولوں پر سچا پکا ایمان لایا جائے۔ سو کسی بھی رسول کا انکار کفر ہے۔ اور ایسے لوگ جو اپنے زعم اور گھمنڈ کے مطابق بعض رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو جو چاہیں سمجھیں مگر وہ پکے کافر ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- سو اس سے اہلِ کتاب کے اس زعمِ باطل اور گمانِ فاسد کی بیخ کنی فرما دی گئی کہ چونکہ ہم لوگ بھی اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کو مانتے ہیں اس لیے ہم بھی مومن ہیں اور ان کے اس دھوکے کا شکار کئی سادہ لوح اور دین سے ناواقف مسلمان بھی ہو جاتے ہیں۔ اس لیے واضح فرما دیا گیا کہ یہ لوگ چونکہ بہت سے رسولوں کے منکر ہیں اس لیے یہ پکے کافر ہیں- والعیاذ باللہ جَلَّ وعلا بِکُلِّ حالٍ من الاحوال،

۳۹۱ کافروں کیلئے رسوا کن عذاب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے کافروں کے لیے ہم نے بڑا ہی رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے تاکہ پیغمبروں کے ساتھ کفر کر کے انہوں نے توہینِ حق کے جس سنگین جرم کا ارتکاب کیا تھا اس کا ان کو پورا بدلہ مل سکے- فَاِنَّ الْجَزَآءَ مِنْ جِنْسِ الْعَمَلِ - کافروں کیلئے عذابِ مہین کی اس تصریح سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ایسا عذاب صرف کافروں کیلئے ہے، جبکہ مومنوں کو ملنے والے اس عذاب کی نوعیت اہانت و تذلیل کی نہیں بلکہ تزکیہ و تطہیر کی ہوگی- والعیاذ باللہ جل وعلا- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی پناہ میں رکھے- آمین۔

اٰمنوا باللہ ورسلہ ولم یفرقوا بین احد منھم

ایمان لائے اللہ پر، اور اس کے سب رسولوں پر ف۳۹۲ اور انہوں نے (ایمان کے سلسلہ میں) ان میں سے کسی کی بھی کوئی تفریق نہیں کی

اولٰٓئک سوف یؤتیھم اجورھم ط وکان اللہ

تو ایسوں کو عنقریب ہی اللہ عطا فرمائے گا ان کے اجر، ف۳۹۳ اور اللہ

غفورا رحیما ﴿۱۵۲﴾ یسـٔلک اھل الکتٰب ان تنزل ع ۲۱/۱۱

بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے ف۳۹۴ مطالبہ کرتے ہیں آپ سے اہلِ کتاب (اے پیغمبر!) کہ آپ اتار دیں

علیھم کتٰبا من السمآء فقد سالوا موسٰٓی اکبر

ان پر ایک کتاب آسمان سے (ان کے سامنے) ف۳۹۵ سو (یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں کہ) یہ لوگ تو اس سے پہلے موسیٰ سے اس سے بھی

من ذٰلک فقالوٓا ارنا اللہ جھرۃ فاخذتھم

بڑا مطالبہ کر چکے ہیں، کہ انہوں نے ان سے کہا کہ ہمیں خود اللہ کو دکھلا دو کھلم کھلا، تو اس پر آ پکڑا ان کو

الصٰعقۃ بظلمھم ج ثم اتخذوا العجل من بعد

بجلی کے کڑکے نے، ان کے ظلم (اور اس بے جابات) کی بناء پر ف۳۹۶ پھر (اس سے بڑھ کر یہ کہ) ف۳۹۷ انہوں نے اس (مصنوعی)

ما جآءتھم البینٰت فعفونا عن ذٰلک ج واٰتینا

بچھڑے کو بھی اپنا معبود بنا لیا اس کے بعد کہ آ چکی تھیں ان کے پاس کھلی (اور روشن) نشانیاں ف۳۹۸ پھر اس پر بھی ہم نے ان

موسٰی سلطٰنا مبینا ﴿۱۵۳﴾ ورفعنا فوقھم الطور

سے درگزر ہی کیا، اور ہم نے عطا کیا موسیٰ کو (باطل کے مقابلے میں) کھلا غلبہ ف۳۹۹ اور ہم نے اٹھایا ان لوگوں پر کوہِ طور کو ف۴۰۰ ان

بمیثاقھم وقلنا لھم ادخلوا الباب سجدا وقلنا

کے پختہ عہد کی بناء پر ف۴۰۱ (احکام تورات پر عمل کرنے کے لیے) اور ہم نے ان سے کہا کہ تم داخل ہونا (شہر پناہ کے)

لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا

دروازے میں (عاجزانہ اور) سر جھکائے ہوئے ۴۰۲ اور ہم نے ان سے یہ بھی کہا کہ تم لوگ زیادتی نہ کرنا ہفتے کے (احکام

۳۹۲ سچے ایمانداروں کی نشاندہی:- سو اس ارشاد سے سچے ایمانداروں کی نشاندہی فرما دی گئی۔ پس جن لوگوں نے سب رسولوں پر ایمان لایا اور انہوں نے ایسا نہیں کیا کہ کسی رسول پر ایمان لایا اور کسی پر نہ لایا ہو، بلکہ انہوں نے بلا تفریق واستثناء سب کو مانا اور وہ ان سب پر ایمان لائے، اور یہی شان ہے امتِ محمدیہ کے ایمانداروں کی، کہ وہ سب ہی انبیائے کرام پر ایمان رکھتے ہیں۔ سو یہی خوش نصیب اصل مصداق ہیں اس آیتِ کریمہ کے۔ اور یہی مستحق ہیں اس آیتِ کریمہ میں وارد اس بشارتِ عظیمہ کے۔ اور یہی ہیں سچے پکے ایماندار اور مخلص مومن جنہوں نے اتباع ھوٰی کی بجائے اتباع ھدٰی کی راہ کو اپنایا جو کہ عقل ونقل اور فطرتِ سلیمہ کے تقاضوں کے عین مطابق دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز کرنے والی حق و ہدایت کی واحد راہ ہے۔ انہی خوش نصیبوں کو اللہ تعالیٰ ان کے ان عظیم الشان اجر وثواب سے نوازے گا جس کے یہ اپنے ایمان ویقین اور صدق واخلاص کی بنا پر مستحق ہونگے - والحمد للہ رب العالمین۔

۳۹۳ سچے ایمانداروں کیلئے ان کے اجر کا وعدہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسوں کو اللہ عنقریب ہی ان کے اجر عطا فرمائے گا۔ سو ایسوں کو اللہ تعالیٰ ان کے ان اجور سے نوازے گا جن کے وہ اللہ پاک کے فضل وکرم سے، اپنے سچے عقیدہ وایمان اور عمل وکردار کی بناء پر اہل اور مستحق ہوں گے اور جن کے درجات ومراتب کو اللہ ہی جانتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- سو اسی کے مطابق وہ انکو نوازے گا ان کے صدق واخلاص کی بناء پر۔ یہاں پر ارشاد ربانی کا یہ فرق بھی ملاحظہ ہو کہ ان کافروں کے بارے میں فرمایا گیا، ایسے لوگ پکے کافر ہیں لیکن ان مومنوں کے بارے میں ایسا ارشاد نہیں فرمایا گیا تاکہ کوئی اس دھوکے میں نہ پڑجائے کہ صرف ماننا ہی کافی ہے اور اس طرح عمل سے عاری ہو کر وہ کہیں خسارے میں نہ پڑجائے۔ سو کمالِ ایمان جب ہی معتبر ہوسکتا ہے جبکہ ایمان کے ساتھ عملِ صالح بھی پایا جائے۔ جیسا کہ سورۃ انفال کے شروع میں آیت نمبر ۴ میں ''انما'' کے کلمۂ حصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ وہاں ایمان کے بعد اعمالِ صالحہ کا ذکر فرمایا گیا ہے اور اسکے ساتھ ارشاد فرمایا گیا۔ (المراغی) کہ ایسے ہی لوگ ہیں پکے اور سچے مومن۔

۳۹۴ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت کا حوالہ وذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بڑا ہی بخشنہار انتہائی مہربان ہے۔ پس بشری تقاضوں کے سبب سرزد ہونے والی ان کی چھوٹی موٹی خطاؤں اور تقصیرات کو وہ اپنی رحمت وعنایت سے معاف فرمادے گا، کہ اسکی بخشش اور مہربانی کی وسعتیں ناپیدا کنار ہیں- تبارک وتعالیٰ - پس جن کا ایمان سچا ہو اور وہ اپنے عمل وکردار میں مخلص ہوں اور انہوں نے اپنے ایمان ویقین کو شرک اور شر کے شوائب سے محفوظ رکھا ہو ان کے چھوٹے موٹے گناہوں کو وہ اپنی رحمت وعنایت سے معاف فرمادے گا کہ وہ بڑا ہی بخشنہار اور انتہائی مہربان ہے۔ اور ایسا غفور ومہربان کہ اس کی مغفرت ورحمت کا کوئی کنارہ نہیں اور ایسے لوگوں کا رویہ باغیانہ اور سرکشانہ نہیں۔ اس لیے وہ ایسوں کو اپنی مغفرت اور رحمت سے نوازے گا -سبحانہٗ وتعالیٰ فاغفرلی وارحمنی یاربی فانک انت الغفور الرحیم۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- مگر بنی اسرائیل نے اس کے باوجود شرک کے اس سنگین اور ہولناک جرم کا ارتکاب کیا جس سے انکے اس جرم کی سنگینی اور بھی کہیں زیادہ ہوجاتی ہے کیونکہ اس کے بعد اس جرم کا ارتکاب ایسے ہو جاتا ہے جیسے کوئی آنکھیں رکھنے کے باوجود اندھا بن جائے اور روزِ روشن کی کھلی روشنی میں گہرے کھڈ میں جا گرے کہ ایسے شخص کے لیے کسی عذر کی کوئی گنجائش نہیں ہوسکتی - والعیاذ باللہ جَلَّ وَعَلَا بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال-

۳۹۹ موسیٰ کو کھلے غلبہ سے نوازنے کا ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے موسیٰ کو کھلا غلبہ عطا کیا۔ ان دلائلِ قاہرہ سے نواز کر جن کے سامنے فرعون بھی عاجز آ گیا، اس میں آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- کی مدد ونصرت کی طرف بھی اشارہ ہے، کہ جس طرح ہم نے موسیٰ کو اپنی مدد سے نوازا، اسی طرح آپ کو بھی نوازیں گے۔ پس آپ اپنی قوم کے سرکشوں کی اس سرکشی سے دل برداشتہ نہ ہوں، جس سے آج آپ کو سابقہ پیش آ رہا ہے کہ غلبہ آپ ہی کو ملے گا کہ راہِ حق پر بہرحال آپ ہی ہیں اور غلبہ بہرحال حق ہی کا ہوتا ہے کہ حق کی شان یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی عَلَیْہِ کی شان ہے۔

۴۰۰ بنی اسرائیل پر رفعِ طور کا ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے اٹھایا ان لوگوں پر طور کو ان کے عہد کی بناء پر۔ یعنی ہم نے ان سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ تورات کے احکام پر عمل کریں گے لیکن جب انہوں نے احکامِ تورات پر عمل کرنے سے انکار کردیا، تو کوہِ طور کو ان کے سروں پر اٹھا کر ان سے اس طرح عہد لیا گیا (المراغی اور المعارف وغیرہ)۔ سو یہ دین میں داخل ہونے کیلئے جبر نہیں تھا بلکہ یہ دین کے احکام پر عمل پیرا ہونے کیلئے تھا۔ اور آپ کے ساتھ آپکے رب کی رحمت وعنایت اور تائید وتقویت شامل حال ہے۔ اور دین کے احکام پر عمل کرانے کے لیے جبر اور سختی سے کام لینا ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے جو عقل ونقل، عرف وفطرت سب کے تقاضوں کے عین مطابق ہے اور دنیاوی حکومتوں وغیرہ سب کے یہاں یہ ایک امر مسلّم ومطبوع ہے۔

۴۰۱ بنی اسرائیل سے عہد اور اسکی نوعیت:- یعنی یہ عہد لینے کیلئے کہ تم نے جو تورات پر اپنے ارادہ واختیار سے ایمان لایا تھا، اس کے مطابق اس کے احکام پر عمل کرو جو کہ تمہارے دین کا تقاضا ہے۔ پس کوہِ طور کا ان پر اٹھایا جانا دین میں داخل کرنے کے لئے جبر نہ تھا کہ ﴿لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ﴾ "دین میں کوئی جبر نہیں" بلکہ یہ اپنی رضاء ورغبت سے قبول کردہ دین کے احکام پر عمل درآمد کا معاملہ تھا اور اسکے لئے اجبار واکراہ نہ صرف جائز بلکہ عقل ونقل کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ سو دینِ حق میں داخل ہونے کیلئے تو یقیناً کسی پر کوئی جبر واکراہ نہیں، لیکن اپنے ارادہ واختیار سے دین میں داخل ہونے کے بعد اس پر عمل کرنا ایک طبعی اور فطری تقاضا ہے، جسکے لئے جبر واکراہ بہرحال درست ہے۔

۴۰۲ سُجَّدًا سے مقصود ومراد؟:- یعنی سجداً کا لفظ یہاں پر اپنے مشہور ومعروف معنیٰ میں نہیں، کہ اس حال میں تو دروازے میں داخلہ متحقق ہونا ہی متعذر ہے، بلکہ اس سے مراد عاجزی وتواضع کے ساتھ داخل ہونا ہے جو کہ تقاضا ہے شانِ عبدیت اور اظہارِ تشکر کا (المراغی، المحاسن، الصفوۃ، وغیرہ)۔ البتہ دوسرا احتمال اس میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حال مقدرہ ہو یعنی تمہارے لیے یہ مقدر کردیا گیا کہ تم اس شہر میں داخل ہونے کے بعد اپنے خالق ومالک کے حضور سجدہ ریز ہوجاؤ۔ مقصود بہرحال اظہارِ تشکر اور امتنان ہے، اس خالق ومالک کیلئے جس نے ان نعمتوں سے نوازا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

غَلِيظًا ﴿١٥٤﴾ فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِم بِآيَاتِ

کے) بارے میں ۴۰۳ اور ہم نے ان سے بڑا مضبوط (اور پختہ) عہد لیا پھر بوجہ توڑ دینے کے ان لوگوں کے اپنے اس

اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا

پختہ عہد کو، اور بوجہ کفر کرنے کے ان کے اللہ کی آیتوں کے ساتھ، اور بوجہ قتل کرنے کے ان کے اپنے نبیوں کو بغیر کسی حق

غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ

کے ۴۰۴ اور بوجہ ان کی اس (بے ہودہ) بات کے، کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں ۴۰۵ (نہیں یہ بات نہیں) بلکہ ان پر پھٹکار کر

إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥٥﴾ وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ

دی اللہ نے ان کے کفر کے باعث، پس یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے مگر بہت تھوڑا ۴۰۶ نیز (ان پر یہ سزائے لعنت اور

بُهْتَانًا عَظِيمًا ﴿١٥٦﴾ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ

عذاب مسلط ہوا) بوجہ ان کے کفر کے، اور بوجہ اس کے کہ انہوں نے مریم (صدیقہ) پر بہت بڑا بہتان باندھا ۴۰۷ اور بوجہ

عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا

ان کے اس کہنے کے کہ ہم نے قتل کیا مسیح کو یعنی عیسیٰ بیٹے مریم کو، جو کہ اللہ کا رسول ہے ۴۰۸ حالانکہ حقیقت میں یہ نہ تو اسے

صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا

قتل کر سکے، اور نہ ہی سولی دے سکے، بلکہ خود ان کو اشتباہ میں ڈال دیا گیا ۴۰۹ اور بلاشبہ جن لوگوں نے انکے بارے میں

فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا

اختلاف کیا وہ قطعی طور پر شک میں ہیں، ان کے پاس اس سے متعلق کوئی علم نہیں، سوائے

اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿١٥٧﴾ بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ

ظن (وگمان) کی پیروی کے، اور انہوں نے یقیناً قتل نہیں کیا ان کو، بلکہ ان کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف (زندہ و

اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ

سلامت) ف۴۱۰ اور اللہ بڑا ہی زبردست، نہایت ہی حکمت والا ہے، ف۴۱۱ اور اہلِ کتاب میں سے

الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو ایمان نہ لائے اس پر اس کی موت سے پہلے، ف۴۱۲ اور قیامت کے دن

۲۰۳ بنی اسرائیل سے قانون سبت کے عہد کی پابندی کا ذکر و بیان: - سو اس سے بنی اسرائیل سے قانون سبت کی پابندی کے بارے میں عہد کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ تم لوگ ہفتے کے بارے میں حد سے تجاوز نہیں کرنا۔ یعنی ہفتے کے دن مچھلیوں کا شکار کرنے کے بارے میں کہ اس دن کو تم لوگوں نے خود اپنے ارادہ و اختیار سے عبادت کیلئے مقرر کیا۔ اس لیے اس کے تقدس کی خلاف ورزی کا ارتکاب نہیں کرنا۔ اور اسکے تقدس کا لحاظ کرنا اور حدود کی پامالی سے بچنا خود تمہارے دین و ایمان عہد و پیمان اور قول و قرار کا تقاضا ہے۔ مگر اس کے باوجود ان لوگوں نے عہد شکنی کی اور طرح طرح کے حیلوں حوالوں سے قانونِ سبت سے متعلق تقاضوں کو پامال کیا جس کا ان کو بڑا ہولناک انجام بھگتنا پڑا۔ جیسا کہ آگے سورۂ اعراف میں آ رہا ہے۔ والعیاذ باللہ جَلَّ وَعَلَا بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال۔

۲۰۴ قتلِ انبیاء سراسر ظلم اور ناحق فعل: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ بوجہ ان کے نبیوں کو قتل کرنے کے بغیر کسی حق کے۔ یعنی سراسر ظلم کے ساتھ، اور ناحق طور پر۔ عام طور پر مترجمین حضرات یہاں ترجمہ "ناحق" یا اسی قبیل کے دوسرے الفاظ سے کرتے ہیں۔ حالانکہ "ناحق" ترجمہ ہے "بِغَيْرِ الْحَقِّ" کا نہ کہ "بِغَيْرِ حَقٍّ" کا۔ اور عربیت کا ذوق رکھنے والے جانتے ہیں کہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اور جو زور "بِغَيْرِ حَقٍّ" میں ہے وہ "بِغَيْرِ الْحَقِّ" میں نہیں ہے۔ ہم نے اپنے ترجمہ میں اسی زور کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ - بہر کیف حضراتِ انبیائے کرام کو قتل کرنا سراسر ظلم اور بڑا ہی ناروا و ناحق فعل ہے۔ اس لیے کہ یہ پاکیزہ ہستیاں اللہ تعالیٰ کی نمائندہ اور ہدایت و نور کے مینار کی حیثیت رکھنے والی بڑی ہی مبارک ہستیاں ہوتی ہیں۔ اور ان کے وجود با جود سے خلقِ خدا کو حق و ہدایت کی وہ روشنی ملتی ہے جس سے دارین کی سعادت و سرخروئی کی راہیں روشن ہوتی ہیں۔ علیہم افضل الصلوات واتم التسلیمات۔

۲۰۵ "غُلْف" کا معنی و مطلب؟: - سو ان لوگوں کا کہنا ہے ہمارے دل پردے میں ہیں لہٰذا آپ کی بات (اے محمد!) ان میں اثر نہیں کر سکتی، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ﴾ الآیۃ (حم السجدۃ-۵) یہ مطلب اس وقت ہوگا جبکہ "غلف" کو اغلف کی جمع مانا جائے، جیسے "حمر" جمع ہے احمر کی وغیرہ۔ اور اگر اسے غلاف کی جمع قرار دیا جائے جیسے کتاب کی جمع کتب ہے، تو اس وقت معنیٰ ہوں گے کہ ہمارے دل علم و حکمت سے لبریز اور اس کے برتن و خزانہ ہیں۔ اس لئے ہمیں آپ کی بات کی کوئی ضرورت نہیں، جو علامت ہے ان کے عجب و استکبار کی۔ اور جن لوگوں کے دماغوں میں عجب اور استکبار کی ہوا اس قدر بھری ہو، ان سے قبولِ حق و ہدایت کی

کوئی امید کس طرح کی جا سکتی ہے؟ سو کبر و غرور محرومی کا ایک بڑا اور بنیادی سبب ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۱۶۶ ایمانِ قلیل سے مقصود و مراد؟: سو ارشاد فرمایا گیا پس یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے مگر بہت تھوڑا جو کہ معتبر اور قابلِ قبول نہیں کہ ایمان تجزیہ و تقسیم کے لائق نہیں کہ کچھ امور کو مانا اور تسلیم کیا جائے اور کچھ کا انکار کیا جائے۔ والعیاذ باللہ۔ اور دوسرا مطلب اس کا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان میں سے تھوڑے سے لوگ ایمان لائیں گے اکثریت اس سے محروم ہی رہے گی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو یہاں سے بھی اسی حقیقت کی تائید ہو رہی ہے جو مختلف مقامات پر ذکر و بیان ہو چکی ہے کہ اکثریت ہمیشہ بے ایمانوں اور غلط کاروں ہی کی رہی ہے۔ لہٰذا عوام کی اکثریت کی تائید کو حق کی علامت و نشانی نہیں قرار دیا جا سکتا۔ جیسا کہ مغربی جمہوریت کے پرستاروں کا کہنا اور ماننا ہے اور جیسا کہ ہمارے ہاں کے اہلِ بدعت عوام کالانعام کی اکثریت کو حجت اور سند قرار دیتے ہیں۔ والعیاذ باللہ جلّ وعلا بکلّ حال۔

۱۶۷ حضرتِ مریم پر بہتان بازی کے جرمِ عظیم کا ذکر: کہ ان بدبختوں نے ان پر بدکاری کا الزام لگایا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اور ظاہر ہے کہ حضرتِ مریم صدیقہ پر تہمت لگانے سے بڑھ کر جرمِ عظیم اور کیا ہوسکتا ہے؟ اسی لیے یہاں پر یہودِ بے بہبود کے اس جرم کو علیحدہ کر کے مستقل جرم کے طور پر ذکر فرمایا گیا ہے، حالانکہ کفر کے ضمن میں اس کا بیان بھی ضمنی طور پر ہو گیا تھا۔ سو اس سے اس جرمِ عظیم کی شدت اور زیادہ ہو جاتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پاکدامن ایماندار خواتین کو بدکاری کی تہمت ''سبع موبقات'' میں سے قرار دیا۔ یعنی ان سات بڑے گناہوں میں سے جو ہلاکت اور تباہی میں ڈالنے والے ہیں اور جب عام مومن عورت پر تہمت اتنا بڑا جرم ہے تو پھر حضرتِ مریم جیسی عظیم المرتبہ اور بے مثال عفت مآب و پاکدامن خاتون پر تہمت کس قدر بڑا جرم ہوگا؟

۱۶۸ یہود کی قساوتِ قلبی کا ایک اور نمونہ و مظہر: یعنی ان کا یہ کہنا کہ ہم نے مسیح کو قتل کر دیا یعنی مریم کے بیٹے عیسیٰ کو جو کہ اللہ کا رسول ہے۔ سو یہ بات ان لوگوں کی غایت درجہ قساوتِ قلب اور ڈھٹائی پر دلالت کرتی ہے کہ حضرتِ عیسیٰ کو اللہ کا رسول بھی کہتے ہیں اور انکے قتل کا اقرار و اعلان کر کے اس پر فخر بھی جتلاتے ہیں۔ اور یہی حال ہوتا ہے ان لوگوں کا جن کی مت ان کی حق اور اہلِ حق سے عداوت کے سبب ماردی جاتی ہے، جیسا کہ ہمیشہ رہا اور آج ہمارے اس دور کے باطل پرست اور اہلِ زیغ و ضلال فرقوں میں بھی جگہ جگہ اور طرح طرح سے مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ کہ ایسے لوگ اہلِ حق کی ایذاء رسانی پر اظہارِ افسوس اور ندامت و شرمندگی کی بجائے الٹا اس پر فخر جتلاتے ہیں۔ سو یہ انکی قساوتِ قلبی اور محرومی و بدبختی کا ایک ثبوت و مظہر ہوتا ہے۔ والعیاذُ باللہ العظیم۔

۱۶۹ یہودِ بے بہبود کو شبہے میں ڈالنے کا بیان: سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ نہ ان کو قتل کر سکے اور نہ ہی ان کو سولی دے سکے بلکہ خود ان بدبختوں کو شبہے میں ڈال دیا گیا کہ جس منافق نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں مخبری کی تھی، اسی پر قدرت کی طرف سے عیسیٰ کی شباہت ڈال دی گئی، اور اس کو آپؑ کا ہم شکل بنا دیا گیا۔ جس کو انہوں نے عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا مگر بعد میں اسکی وجہ سے یہ لوگ خود اس اختلاف اور چکر میں پڑ گئے کہ اگر مقتول عیسیٰ تھا تو ہمارا ساتھی کہاں گیا؟ اور اگر مقتول ہمارا ساتھی تھا تو عیسیٰ کہاں گئے؟ (ابنِ کثیر، صفوۃ التفاسیر، محاسن التاویل، معارف القرآن وغیرہ)۔ سو اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ بندوں سے عداوت اور اس سے دشمنی کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی مت ماردی جاتی ہے اور وہ

اندھے ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح ان کو اپنے کیے کی ایک نقد سزا یونہی مل جاتی ہے اور ملتی رہے گی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۱۰ رفعِ عیسیٰ کا بیان: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو اللہ نے اپنی طرف اٹھا لیا یعنی روح اور جسم دونوں کیساتھ، نہ کہ صرف روحانی طور پر، جس طرح کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے۔ کیونکہ ﴿ رفعہ ﴾ کی ضمیر منصوب کا مرجع حضرتِ عیسیٰ کی ذاتِ اقدس ہے جو کہ نام ہے روح اور جسم دونوں کے مجموعے کا۔ نہ کہ صرف روح کا۔ سو آنجناب کا رفع صرف روحانی نہیں تھا بلکہ روح اور جسم دونوں کے ساتھ تھا۔ یعنی آپ کو زندہ سلامت جسمانی طور پر اوپر اٹھا لیا گیا جہاں آپ اب تک زندہ سلامت موجود ہیں اور قیامت سے پہلے جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا آپ دوبارہ دنیا میں نزولِ اجلال فرمائیں گے اور شریعتِ محمدیہ کے مطابق نظام چلائیں گے اور دنیا سے کفر و شرک کے اندھیروں کو مٹا کر زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔

۲۱۱ اللہ تعالیٰ کے صفتِ عزت و حکمت کا حوالہ و ذکر: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ اور اللہ بڑا ہی زبردست نہایت ہی حکمت والا ہے۔ پس وہ جو چاہے کرے۔ نہ اس کو کوئی مشکل پیش آسکتی ہے اور نہ ہی کوئی اس کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے کہ وہ عزیز اور نہایت ہی زبردست ہے، مگر وہ جو کرتا ہے نہایت حکمت سے کرتا ہے، کہ وہ عزیز اور نہایت زبردست ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی حکمتوں والا اور حکیم بھی ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اِس لیے اس کا کوئی بھی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوسکتا۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ خواہ اس کی وہ حکمت کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے اور بندے کی محدود و مختصر کھوپڑی کی جان ہی کیا ہے کہ وہ اس حکیم مطلق کی حکمتوں کا احاطہ کر سکے۔ اس کی شان ایسی تمام حدود و قیود سے اعلیٰ و بالا ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔

۲۱۲ اہلِ کتاب کے ہر شخص کے حضرتِ عیسیٰ پر ایمان لانے کا ذکر و بیان: ۔سو ارشاد فرمایا گیا اور ادواتِ حصر و قصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ اہلِ کتاب میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جو اس پر ایمان نہ لائے اس کی موت سے پہلے۔ یعنی حضرتِ عیسیٰ کی موت سے پہلے، جب کہ وہ قربِ قیامت کے موقع پر دوبارہ تشریف لائیں گے اور سب دینوں کو ختم کر کے ایک ہی دین یعنی اسلام پر دنیا کو جمع کر دیں گے۔ صلیب کو توڑ ڈالیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے وغیرہ۔ جیسا کہ روایات میں مفصلاً مذکور ہے۔ اور خود قرآنِ پاک میں دوسری جگہ فرمایا گیا ﴿ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا ﴾ الآیۃ (الزخرف: ۶۱) سو اس صورت میں اہلِ کتاب سے مراد وہ اہلِ کتاب ہوں گے جو اس وقت موجود ہوں گے۔ امام ابن جریر طبریؒ جیسے محققین نے اسی احتمال کو اختیار کیا ہے اور دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ موتہ کی ضمیر مجرور کا مرجع خود وہ کتابی ہو، جس کے ایمان کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ ہر کتابی مرنے سے پہلے اپنی موت کے وقت حضرتِ عیسیٰ پر سچا ایمان لے آئے گا جب کہ اصل حقیقت اسکے سامنے منکشف ہو جائے گی۔ مگر اس وقت کا وہ ایمان معتبر نہیں ہوگا کہ وہ ایمان ایمانِ یاس اور ایمان بالمشاہدہ ہوگا، نہ کہ ایمان بالغیب، جو کہ اصل مطلوب ہے۔ (معارف للکاندھلویؒ، صفوۃ البیانؒ صفوۃ التفاسیر للصابونی، محاسن التاویل للقاسمیؒ جامع البیان وغیرہ)۔ اس کے علاوہ اس میں اور بھی احتمال ہیں جو کہ ہم اپنی مفصل تفسیر میں ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز وباللہ التوفیق۔ یہاں اسی پر اکتفا کرتے ہیں، اختصار کے تقاضے کی بناء پر۔ بہرکیف اس سے اس حقیقت کو آشکارا فرما دیا گیا کہ اہلِ کتاب میں سے ہر شخص اپنی موت سے قبل حضرتِ عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا۔

يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴿١٥٩﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا

وہ (حضرت عیسٰی) ان لوگوں کے خلاف گواہ ہوں گے (ان کی کفریات پر) ف۴۱۳ پس بوجہ ان لوگوں کے ف۴۱۴ سنگین ظلم کے جو یہودی بن گئے

حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن

حرام کر دیں ہم نے ان پر (بہت سی) وہ پاکیزہ چیزیں جو (اس سے قبل) ان کیلئے حلال تھیں ف۴۱۵ اور بوجہ ان کے

سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ﴿١٦٠﴾ وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا

بہت روکنے کے اللہ کی راہ سے، ف۴۱۶ اور بوجہ ان کے سود لینے کے، حالانکہ ان کو سختی کے ساتھ اس سے منع کیا

عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَأَعْتَدْنَا

گیا تھا ف۴۱۷ اور بوجہ ان کے لوگوں کے مال ہڑپ کرنے کے باطل (اور ناجائز طریقوں) سے ف۴۱۸ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے

لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦١﴾ لَّٰكِنِ الرَّاسِخُونَ

ان میں سے کافروں کے لئے ایک بڑا ہی دردناک عذاب، ف۴۱۹ مگر ان میں کے جو لوگ پختہ ہیں

فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ

اپنے علم میں ف۴۲۰ اور جو ایمان والے ہیں، وہ (صدق دل سے) ایمان رکھتے ہیں ف۴۲۱ اس وحی پر جو اتاری گئی

إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ ۚ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ

آپ کی طرف (اے پیغمبر!) اور اس پر بھی جو کہ اتاری گئی آپ سے پہلے ف۴۲۲ اور خاص کر ف۴۲۳ جو پابندی کرنے والے ہیں نماز کی

ف۴۱۳ **حضرت عیسٰی کی گواہی قیامت کے روز:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ قیامت کے روز حضرت عیسٰی ان سب لوگوں کے خلاف گواہ ہونگے ۔ سو اس روز آپ ان سب پر گواہی دیں گے کہ میں نے تو ان کو پیغامِ حق بلا کم و کاست پہنچا دیا تھا مگر انہوں نے نہ مانا ۔ یہود نے تو اس کی تکذیب کر دی، اور نصاریٰ نے میری تعلیمات کے خلاف بعد میں مجھے ہی خدا اور خدا کا بیٹا قرار دے دیا، اور توحید کے اس عقیدۂ صافیہ کے خلاف شرک کو اپنایا، جس کی تعلیم و تلقین میں ان کو زندگی بھر کرتا رہا ۔ سو اس طرح نصاریٰ کی اپنے پیغمبر سے غلط محبت ان کو لے ڈوبی، اور لے ڈوبے گی ۔ یعنی ان کی یہ تباہی اور ہلاکت اس وقت پوری طرح عیاں ہو جائے گی جبکہ ان کے اپنے پیغمبر ان کیخلاف اس طرح صاف و صریح طور پر گواہی

دیں گے۔ اسی لئے امتِ محمدیہ کو اس طرح کے غلو سے طرح طرح سے روکا اور خبردار کیا گیا ہے، کہ کہیں تم لوگ اپنے پیغمبر کے بارے میں اس طرح کے غلو اور افراط میں مبتلا نہیں ہو جانا جس طرح کہ اہلِ کتاب نے اپنے پیغمبروں کے بارے میں کیا۔ جیسا کہ اس بارے کسی نے کہا اور خوب کہا "لَسْنَا بِمُحِبِّيْنَ غُلُوًّا كَنَصَارٰى". ملتِ وسطٰی ہیں ہم۔ یہ مذہب ہے ہمارا۔ سو راہِ حق وصواب توسط واعتدال کی وہی راہ ہے جس پر امتِ محمدیہ قائم ہے اور جو حضرتِ حق جَلّ مجدہٗ کی متعین فرمودہ، واحد راہ ہے اسکے سوا ہر راستہ زیغ وضلال میں مبتلا کرنیوالا اور ہلاکت وتباہی کا راستہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۱۴ یہودیوں کے ظلمِ عظیم کا بیان:- یعنی ظلم کی تنوین تعظیم وتفخیم کے لئے ہے (محاسن التاویل، وغیرہ)۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ پاک کے دین سے خود محروم ہونے، دوسروں کو بھی محروم کرنے، اللہ کے حکموں کو توڑنے، اور ان میں تحریف وتبدیل کرنے، اور اس کے دینِ حق کے حاملین کی توہین وتحقیر کا ارتکاب کرنے، اور حق اور اہلِ حق سے عداوت ودشمنی رکھنے، اور نورِ حق وہدایت سے خود محروم ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اس سے محروم کرنے کے لئے طرح طرح کے حیلوں حوالوں، اور منصوبوں سے کام لینے، جیسے امور سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہو سکتا ہے؟ -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سو یہودیوں کے ایسے مظالم کی اس تذکیر ویاد دہانی سے جہاں ایک طرف یہود کیلئے یہ دعوتِ فکر اور تنبیہ وتذکیر ہے کہ وہ اپنی اصلاح کر لیں اور ایسی ہلاکت خیزیوں سے باز آجائیں، قبل اس سے کہ حیاتِ دنیا کی یہ فرصتِ محدود ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور ان کو ہمیشہ کیلئے پچھتانا پڑے- والعیاذ باللہ العظیم- وہیں دوسری طرف اسمیں اہلِ ایمان کیلئے یہ درسِ عبرت ہے کہ وہ اس طرح کی ہلاکت خیزیوں سے ہمیشہ بچ کر رہیں جن میں یہود مبتلاء ہو کر لعنت کے مورد ومستحق بنے- والعیاذ باللہ العظیم-

۲۱۵ تحریم طیبات، یہود کیلئے ایک نقد سزا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بوجہ یہودیوں کے ظلم کے ہم نے ان پر حرام کر دیں بہت سی وہ پاکیزہ چیزیں جو اس سے پہلے ان کے لیے حلال تھیں۔ تاکہ اس طرح ان کا دائرۂ رزق تنگ ہو، اور ان کے دماغ سیدھے ہوں، اور یہ اپنی باغیانہ روش سے باز آئیں جیسا کہ دوسری جگہ اس بارے ارشاد فرمایا گیا ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ﴾ الآیۃ (الانعام: ۱۴۶) بہرکیف یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ظلم کا ارتکاب، اور حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کے احکام وفرامین کی خلاف ورزی، اور ان سے سرکشی وبغاوت کی سزا اس دنیا میں بھی ملتی ہے، جب کہ اس کی اصل اور پوری سزا آخرت میں ہی ملے گی جو کہ دار الجزاء ہے-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم -

۲۱۶ حق سے روکنا ایک اور یہودی خصلت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بوجہ ان کے بہت روکنے کے اللہ کے راستے سے کہ یہ لوگ حق سے خود بھی رکتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں، اور قول وفعل سے جو بھی طریقہ ہو سکے اس کے ذریعے یہ حق سے روکتے ہیں۔ اور اس طرح یہ لوگ حق سے محروم ہونے اور محروم کرنے کے دوہرے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں، اور نہیں سمجھتے کہ اس سے یہ سراسر اپنا ہی نقصان کرتے ہیں، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ (الانعام: ۲۶) سو دینِ حق سے دوری ومحرومی اور اس سے دوسروں کو روکنے اور محروم کرنے کا جرم دوہرا اور ڈبل جرم ہے اور یہ ایسا ہولناک جرم ہے کہ آگے اسکی کوکھ سے طرح طرح کے کئی دوسرے ہولناک اور تباہ کن جرائم جنم لیتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم-

۲۱۷ **یہود کی سود خوری کا بیان:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ بوجہ ان کے سود لینے کے حالانکہ ان کو سختی کے ساتھ اس سے منع کیا گیا تھا۔ سو یہ لوگ سود کھاتے ہیں حالانکہ اس سے ان کو منع کیا گیا تھا ان کے انبیاء کے ذریعے۔ اور ان کی تورات میں، جسے اب انہوں نے اپنی خواہشات کے مطابق بدل کر کچھ کا کچھ کر دیا۔ اور یہ لوگ نورِ حق و صداقت سے محروم ہو کر ہویٰ و ہوس کے بندے بن کر رہ گئے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی کتاب کی تحریف کر کے اس میں یہ تک درج کر دیا کہ یہودی کیلئے غیر یہودی سے سود لینا کوئی جرم ہی نہیں۔ ہاں اگر کوئی یہودی دوسرے یہودی سے سود لے گا تو یہ جرم ہوگا جیسا کہ کتبِ تفسیر میں اسکی تفصیلات موجود و مذکور ہیں۔ (المراغی، المحاسن وغیرہ)۔ کیونکہ ان کے نزدیک امیوں یعنی غیر اہلِ کتاب کا مال مار کھانے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ قرآنِ حکیم میں اسکی تصریح فرمائی گئی ہے لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ الأیہ یعنی امیوں کا مال کھانے میں ہم پر کوئی الزام نہیں۔ سو حرام خوری اور دوسروں کے مال ہڑپ کرنا یہودیوں کی موروثی عادت ہے جو آج تک ان کے اندر جاری و ساری ہے جسکے مظاہر آج بھی دنیا بھر میں جگہ جگہ دیکھنے میں آتے ہیں، خاص کر فلسطینیوں کے حقوق کے غصب اور ان پر مظالم ڈھانے کے سلسلہ میں ان کا رویہ آج بھر میں عیاں و آشکارا ہے خَذَلَهُمُ اللّٰهُ وَقَاتَلَهُمُ اللّٰهُ وَجَعَلَ كَيْدَهُمْ فِيْ نُحُوْرِهِمْ

۲۱۸ **یہود کی رشوت ستانی اور حرام خوری کا بیان:-** سو ارشاد فرمایا گیا اور بوجہ ان کے دوسروں کے مال ہڑپ کرنے کے باطل اور ناجائز طریقوں سے۔ یعنی یہ لوگ دوسروں کا مال مار کھاتے ہیں رشوت وغیرہ مختلف باطل اور ناجائز طریقوں سے، کہ الباطل کا عموم ان سب ہی صورتوں کو عام اور شامل ہے۔ افسوس کہ یہی حال آج امتِ مسلمہ کے ایک بڑے حصے کا ہے، جو ان صریح اور کھلے حرام طریقوں کے علاوہ، گیارہویں، بارہویں، اور سوغاتوں، ڈالیوں وغیرہ کے نت نئے ناموں اور مختلف طریقوں سے سادہ لوح لوگوں کو اینٹھتے اور ان کے مال بٹورتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو ناجائز طریقوں سے دوسروں کے مالوں کو سمیٹنا یہودِ بے بہبود کا طریقہ اور انکی جبلت و عادت ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر انکی اس صفت و خصلت کو ﴿اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ﴾ کے صیغہ مبالغہ کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۱۹ **کافروں کیلئے بڑا ہی دردناک عذاب ہے:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان میں سے کافروں کے لیے تیار کر رکھا ہے ایک بڑا ہی دردناک عذاب۔ سو ایسے لوگ اپنے طور پر بے شک بڑے اور پاکباز بنتے رہیں اور اپنی "صاحبزادگی" کا دم بھرتے رہیں، اور اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتے اور کہتے رہیں، لیکن نورِ حق و ہدایت سے محرومی، اور حاملین حق و ہدایت، سے عداوت و دشمنی کے سبب ان کے لئے ایسا ہولناک اور دردناک عذاب بہرحال تیار ہے، جو انہوں نے اپنے وقت پر بہرحال بھگتنا ہے کہ وہ طبعی اثر اور لازمی نتیجہ ہوگا ان کے اس کفر و انکار کا جس کو انہوں نے زندگی بھر اپنائے رکھا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو علم والوں کا استثناء کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ مگر ان میں سے جو لوگ پختہ ہیں اپنے علم میں کہ ان کا معاملہ الگ ہے۔

۲۲۰ **نورِ علم کی عظمتِ شان:-** سو نورِ علم دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کیلئے شہ کلید ہے اور نورِ علم سے ان کے سینے معمور و منور ہیں۔ پس نہ تو وہ ظن و تخمین کے پیچھے چلتے ہیں، اور نہ حق کے مقابلے میں مال و منال اور دنیاوی

مناصب و جاہ کا کوئی ثمن قلیل (گھٹیا مول) قبول کرتے ہیں، بلکہ وہ نور علم و عرفان کی روشنی میں راہ حق وصواب پر مستقیم و جادہ پیما رہتے ہیں۔ سو ایسے خوش نصیب لوگ اس طرح کے ہولناک انجام سے محفوظ اور رب تعالیٰ کی نعمتوں اور عنایتوں سے سرفراز اور مالا مال ہونگے۔ سو حق اور حقیقت کے علم سے سرفرازی و بہرہ مندی اور اس میں پختگی دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کیلئے شہ کلید ہے۔ پس جو لوگ اس نور سے محروم ہیں وہ سراسر اندھیروں میں ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۴۲۱ سچا اور پکا ایمان ہی باعثِ نجات ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا اور جو ایمان والے ہیں وہ صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں اس وحی اور کتاب پر جو اتاری گئی آپ کی طرف [اے پیغمبر] یعنی جو محض رسمی اور رواجی نہیں، بلکہ سچا پکا ایمان رکھتے ہیں (المراغی)۔ اور جس سے ایک طرف تو وہ ایمان و یقین کی اس حلاوت سے سرشار و شادکام ہوتے ہیں، جس کے بعد زندگی کی تلخیاں بھی تلخیاں نہیں رہتیں، اور دوسری طرف وہ حق و صداقت کی اس شاہراہ پر گامزن ہو جاتے ہیں، جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی اور فوز و فلاح سے ہم کنار و سرفراز کرتی ہے۔ اور تیسری طرف اس سے ان کا باطن ایسا منور اور اس قدر روشن ہو جاتا ہے کہ ان کو ہر موقع پر صحیح قدم اٹھانے اور صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ امین ثم امین یارب العالمین

۴۲۲ آسمانی کتابیں سب کی سب ایک ہی مصدرِ فیض سے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ ایمان رکھتے ہیں ان آسمانی کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری گئی ہیں کہ یہ سب ایک ہی مصدرِ فیض سے صادر ہیں، اور ان سب کی بنیادی تعلیمات ایک ہی ہیں، اور وہ پہلی کتابیں بھی اپنے اپنے دور میں ہدایت و نور کا منبع و سرچشمہ تھیں، مگر ان کے ماننے والوں کی ان میں تحریفات کے علاوہ چونکہ وہ کتابیں ابدی اور دائمی تھیں ہی نہیں، بلکہ خاص خاص ادوار و اقوام کے لئے تھیں، اس لئے قرآنِ حکیم کی کتاب کامل کے نزول کے بعد وہ سب منسوخ ہو گئیں۔ اب صرف قرآنِ حکیم ہی قیامت تک کے لئے مصدر نور و ہدایت کے طور پر باقی رہے گا، کیونکہ یہی وہ کتابِ کامل ہے جو کہ سابقہ تمام آسمانی کتابوں کی اصولی تعلیمات کی جامع اور ان کی محافظ و نگہبان ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری حضرت حق - جل جلالہ - نے خود اپنے ذمے لی ہے، ارشاد ہوتا ہے ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ (الحجر: ۹)۔ سو اب راہِ نجات اسی کتابِ حکیم قرآنِ مجید سے وابستگی میں اور اسی کی تعلیماتِ مقدسہ کی اتباع و پیروی میں منحصر ہے۔ جو لوگ اس کی روشنی سے محروم ہیں وہ سراسر اندھیروں میں اور خوفناک ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۴۲۳ نماز کی خصوصی اہمیت کا ذکر:- یعنی المقیمین کی نصبی حالت مخصوص بالمدح کے قبیل سے ہے (صفوۃ، جامع، ابن کثیر، وغیرہ) سو نماز ایک ایسی عظیم الشان اور جامع عبادت ہے جو تمام عبادات میں ایک منفرد اور مرکزی مقام رکھتی ہے، اور انقلاب آفریں تاثیر کی حامل ہے۔ اس لئے اس کا ذکر یہاں پر بطورِ خاص فرمایا گیا ہے۔ اور یہ وہ عبادتِ مقدسہ ہے جس میں انسان اپنے ظاہر و باطن، قلب و قالب اور اعضاء و جوارح سمیت ہر اعتبار سے مصروف عبادت ہوتا ہے۔ اور یہی وہ عبادتِ مقدسہ ہے جس کو ایمان و کفر کے درمیان فارق قرار دیا گیا ہے اسی لیے یہاں پر اس کا ذکر خصوصی طور پر فرمایا گیا ہے۔ سو نماز کی پابندی انسان کو طرح طرح کی خیرات و برکات سے نوازتی ہے۔ و باللہ التوفیق۔

وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

اور جو زکوٰۃ دینے والے ہیں، ۴۲۴ اور جو (سچا) ایمان رکھتے ہیں اللہ پر، اور قیامت کے

الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ع ﴿۱۶۲﴾ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ ع ۲۲/۱۰

دن پر ۴۲۵ تو ایسے لوگوں کو ہم عنقریب ہی نوازیں گے ایک بہت بڑے اجر سے ۴۲۶ بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف

اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ج

(اے پیغمبر!) جس طرح کہ ہم (اس سے پہلے) وحی بھیج چکے ہیں نوح، اور ان کے بعد (آنے والے دوسرے) نبیوں کی طرف ۴۲۷

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

اور (اسی طرح) ہم نے وحی بھیجی ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب

وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ

اور ان کی اولاد (کے نبیوں) کی طرف، اور عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون،

وَسُلَيْمٰنَ ج وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ج ﴿۱۶۳﴾ وَرُسُلًا قَدْ

اور سلیمان کی طرف بھی (ہم نے وحی بھیجی) اور ہم ہی نے داؤد کو زبور عطا کی ۴۲۸ اور ان رسولوں کو بھی (ہم نے وحی سے نوازا)

۴۲۴ زکوٰۃ مالی عبادات میں سب سے اہم عبادت:- سو زکوٰۃ مالی عبادات میں سب سے اہم اور افضل عبادت ہے کہ یہ وہ عبادتِ مقدسہ ہے جس سے ایک طرف تو مال میں بڑھوتری نصیب ہوتی ہے اور اس سے مصائب ٹلتے اور ان سے حفاظت نصیب ہوتی ہے اور دوسری طرف مومن کا دل اور اس کا باطن حبِ دنیا اور اس سے متعلقہ رذائل سے پاک وصاف ہوتا ہے۔ اور اس طرح اس کا مال و دولت اس کیلئے رضائے خداوندی سے مشرف ہونے کا ذریعہ وسیلہ بنتا ہے۔ اور تیسری طرف اس سے معاشرے کی حاجتوں کی تکمیل اور اسکی اصلاح ہوتی ہے۔ اور اس طرح یہ مال صاحبِ مال کیلئے غریبوں محتاجوں کی دعاؤں کا ذریعہ اور اسکے لیے سچی عزت کا وسیلہ بنتا ہے، جیسا کہ بدنی عبادات میں نماز سب سے اہم اور افضل ہے۔ حضرت ابنِ عباس سے مروی ہے کہ یہ آیتِ کریمہ حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں اسید بن سعید اور ثعلبہ بن سعید کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ وہ یہودیت کو ترک کر کے اسلام میں داخل ہوئے (تفسیر المراغی، ابنِ کثیر وغیرہ)۔ سو اس کا اولین مصداق اگرچہ یہ حضرات ہوں لیکن یہ ایسے ہر شخص کو عام اور شامل ہے جس کے اندر یہ صفات موجود ہوں۔ وباللہ التوفیق سبحانہ، تعالیٰ۔

۲۲۵ **اللہ اور قیامت پر ایمان کی خاص عظمت واہمیت:-** یہاں پر اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان کو دوبارہ اور الگ کر کے ذکر فرمانا ان کی عظمت واہمیت پر دلالت کرتا ہے، کہ عقائد وایمانیات میں اسی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، اور حقیقتِ امر بھی یہی ہے کہ جب ان دونوں پر پکا اور پختہ ایمان نصیب ہو جائے تو انسان کی زندگی میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے اور وہ کچھ کا کچھ بن جاتا ہے اور کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے اور اسکی زندگی نہایت پاکیزہ اور نمونے کی بن جاتی ہے یہانتک کہ اس کا وجود سراسر خیر وبرکت بن جاتا ہے اور حاملینِ عرش فرشتے بھی اس کے لئے دعائیں کرنے میں لگ جاتے ہیں جیسا کہ سورۂ مومن کی شروع کی آیاتِ کریمات میں اسکی تصریح فرمائی گئی ہے۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایمان ویقین کی دولت کتنی بڑی اور کس قدر عظیم الشان دولت اور اس سے سرفرازی کے بعد انسان کا درجہ ومرتبہ کتنا بلند اور کس قدر عظیم الشان ہو جاتا ہے۔ فالحمد للہ جل وعلا - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وہو الہادی الی سواء السبیل۔

۲۲۶ **مومنینِ صادقین کیلئے اجرِ عظیم کی بشارت:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسوں کو ہم عنقریب ہی نوازیں گے ایک بہت بڑے اجر سے۔ جو اتنا بڑا ہوگا کہ اس کی عظمت اور کنہہ کا ادراک بھی حضرتِ علام الغیوب کے سوا اور کسی کے لئے ممکن ہی نہیں، اور یہ انہی لوگوں کو نصیب ہوگا جو اپنے ایمان ویقین میں پکے اور سچے ہونگے اور جنہوں نے اپنے اندر ان صفات وخصال کو پیدا کیا ہوگا اور اپنے آپ کو ان سے مزین کیا ہوگا اور ان کا ظاہر وباطن نورِ ایمان ویقین سے منور ہو جائے گا۔ سو ایمان ویقین کی دولت اس قدر عظیم الشان دولت ہے کہ اس سے انسان دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز ہو جاتا ہے جبکہ اس سے محرومی - والعیاذ باللہ - دنیا وآخرت کی فوز وفلاح اور ہر خیر سے محرومی ہے - والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۲۷ **وحیِ محمدی کوئی انوکھی چیز نہیں:-** سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ وحی کا یہ سلسلہ کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں، تو پھر آپ پر ان اصحابِ زیغ وضلال کا اعتراض کیوں؟ آپ کوئی نئے اور انوکھے نبی تھوڑے ہی ہیں؟ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ الآیۃ (الاحقاف: ۹) ''ان سے کہو کہ میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں'' نیز جب ان حضراتِ انبیائے کرام کی طرف آنے والی وحی بھی بتدریج ہی آئی، اور ان میں سے کسی کو بھی کامل کتاب یکبارگی نہیں دی گئی، تو پھر آپ ہی سے یہ مطالبہ کیوں کہ آسمان سے ہم پر پوری کتاب اتار دو تو تب مانیں گے (تفسیر المراغی، وغیرہ)۔ یہاں پر یہ امر بھی واضح رہنا چاہیئے کہ حضرتِ موسیٰ کے بارے میں اگرچہ عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ ان پر تورات یکبارگی کامل شکل میں نازل ہوئی لیکن اس کا کوئی قطعی وجود وثبوت کہیں نہیں۔ اس لئے محققین نے اس عمومی روایت اور تاثر کا انکار کیا ہے - والتفصیل فی المطولات لا یسعہ ھٰذا المقام۔

۲۲۸ **زبور کا معنیٰ ومطلب اور اس سے مراد؟:-** ''زبور''، ''زبر'' سے مشتق وماخوذ ہے جسکے معنی کتابت کے ہیں اور زبور بمعنی مفعول یعنی مکتوب کے ہے۔ اور اس طرح یہ لفظ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے ہر کتاب کو شامل ہے لیکن یہاں پر اس سے مراد وہ کتاب ہے جو حضرتِ داؤد پر اتاری گئی۔ (قرطبی، مراغی، فتح القدیر اور صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ سو اسکو بھی اسی طرح تدریج کے ساتھ ہی اتارا گیا نہ کہ کامل طور پر یکبارگی۔ (معارف للکاندھلوی)۔ اور زبور کا علیحدہ ذکر اسکی اس خصوصی شان کی بناء پر کیا گیا جو کہ اہلِ کتاب کے یہاں اس کے لئے پائی جاتی تھی (المراغی وغیرہ)

قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ

جن کا ذکر ہم آپ سے اس سے پہلے کر چکے ہیں، ف۴۲۹ اور ان رسولوں کو بھی جن کا ذکر ہم نے آپ سے

عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا

نہیں کیا، ف۴۳۰ اور موسیٰ کو نوازا اللہ نے اپنے بلاواسطہ کلام سے، ان سب رسولوں کو

مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ

خوشخبری دینے والے اور ڈرسنانے والے ف۴۳۱ بنا کر بھیجا، تاکہ نہ رہے لوگوں کے لئے کوئی (عذر و) حجت اللہ کے

حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾

حضور ف۴۳۲ ان رسولوں کے (آنے کے) بعد، اور اللہ بڑا ہی زبردست، نہایت ہی حکمت والا ہے،

ف۴۲۹ جلیل القدر حضراتِ انبیاء کا ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان رسولوں کو بھی ہم نے وحی سے نوازا جن کا ذکر ہم آپ سے اس سے پہلے کر چکے ہیں۔ یعنی مکی سورتوں میں (جامع، محاسن، وغیرہ) جیسا کہ سورہ الانعام کی آیت نمبر ۸۵ تا ۸۷ میں کئی جلیل القدر حضرات انبیائے کرام کا ذکر فرمایا گیا ہے، جہاں ان حضرات کے اسماء گرامی کا ذکر فرمایا گیا ہے اور سورۂ ھود اور شعراء وغیرہ میں ان کے تفصیلی ناموں کو ذکر اور بیان فرمایا گیا ہے۔ اور ان سب حضرات کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا گیا کہ عبرت و تذکیر وغیرہ کے جن اہم مقاصد کیلئے ان قصوں کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ انہی حضرات کے ذکر سے پورے ہو جاتے ہیں۔ (المراغی وغیرہ)۔ اس لیے سب انبیاء و رسل کے تذکرے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ مقصود محض قصہ گوئی یا تاریخ کا بیان کرنا نہیں بلکہ درس عبرت و بصیرت دینا تھا جسکے لیے مذکورہ حضرات کا ذکر ہی کافی تھا۔

ف۴۳۰ سب رسولوں کا ذکر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں فرمایا گیا:- سو ارشاد فرمایا گیا اور ان رسولوں کو بھی جن کا ذکر ہم نے آپ سے نہیں کیا کہ سب کی تفصیل بیان کرنا اور ان کے حالات و تاریخ کا ذکر کرنا ضروری ہی نہیں تھا، کیونکہ ان قصوں کے ذکر کرنے سے اصل مقصود ہے راہِ حق و ہدایت کو واضح کرنا۔ اس ضمن میں ان کے قصوں سے موادِ عبرت و بصیرت مہیا کرنا، پیغمبر کے لئے اور آپ کے توسط سے قیامت تک آنے والے سب اہلِ حق کے لئے تثبیتِ قلب اور ثابت قدمی کے لئے سامان کرنا تھا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ﴾ الآیۃ (ھود: ۱۲۰) "اور ان پیغمبروں کے احوال میں سے جو بھی کچھ ہم آپ کو سناتے ہیں (اے پیغمبر!) اس سے آپ کے دل کو مضبوط کرتے ہیں" اور یہ سب کچھ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کے ان قصوں میں بدرجۂ کمال و تمام موجود ہے، جو قرآنِ پاک میں ذکر فرما دیئے گئے ہیں۔ اور اس حد تک کہ اس میں مزید کسی اضافہ کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش۔ ورنہ یوں تو ہر امت و جماعت کو کسی نہ کسی پیغمبر کی تعلیمات سے نوازا گیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾ (فاطر: ۲۴) "ہر امت میں کوئی نہ کوئی نذیر ہو گزرا ہے" اور ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول ضرور آیا ہے ارشادِ ربانی ہے ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا

فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ الآیۃ (النحل:۳۶) ''اور بلاشبہ ہم نے ہر امت میں ایک نہ ایک رسول یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ (لوگو!) بندگی اللہ ہی کی کرو، اور شیطان (اور اس کی ذریت) سے بچ کر رہنا'' کم وبیش سوالاکھ انبیائے کرام کی اس عظیم الشان تعداد کے حالات تو درکنار، ان میں سے اکثریت کے بارے میں یہ بھی پتہ نہیں کہ ان کے نام کیا تھے، اور ان کی بعثت کب، کہاں اور کن کن امتوں کی طرف ہوئی تھی، اور ان کی امتوں نے ان سے کیا سلوک کیا، انکی موت کب، کہاں، اور کس حال میں ہوئی، انکی تجہیز وتکفین کہاں اور کس طرح ہوئی وغیرہ وغیرہ۔ پس اس آیت کریمہ سے اہلِ بدعت کے علمِ غیب کلی وغیرہ کے خودساختہ عقیدوں کی جڑ نکل جاتی ہے کہ اس آیتِ کریمہ کی تصریح اور واقعاتی شہادت کے مطابق ان تمام حضرات انبیائے کرام -علیہم الصلوٰۃ والسلام- میں سے اکثر کے حالاتِ زندگی کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔ یہاں تک کہ ان کی قبروں کے نشان بھی کہیں موجود نہیں ہیں، اور جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا ہے کہ ان سب حضرات سے متعلق یہ سب کچھ کو بیان کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہ تھی۔ اہلِ بدعت کے بعض بڑے تحریف پسندوں نے اپنے شرکیہ عقیدے کو حق وصواب کی اس ضرب کاری سے بچانے کے لئے اپنی عادت مالوفہ کے مطابق اس موقع پر جن رکیک تاویلات سے کام لیا ہے، وہ سب واہی اور ان کے عجز ودرماندگی کا منہ بولتا ثبوت ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- بہرکیف اس ارشادِ ربانی سے اہلِ بدعت کے علمِ غیب کے شرکیہ عقیدے کی جڑ نکل جاتی ہے- فالحمدللہ- پس علمِ غیبِ کلی اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص اور اسی کی صفت وشان ہے۔ اس میں کوئی بھی اس کا شریک وسہیم نہیں ہوسکتا۔

۴۳۱ پیغمبروں کا کام اِنذار وتبشیر اور بس:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سب ہی رسولوں کو خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا گیا۔ یعنی ان کا کام اور منصب ماننے والوں کے لئے دارین کی سعادت وسرخروئی اور جنت کی سدا بہار نعمتوں کی خوشخبری سنانا اور نہ ماننے والوں کو ان کے برے انجام سے خبردار کرنا تھا اور بس۔ اس سے بڑھ کر پیغامِ حق کو منوالینا نہ تو ان حضرات کے بس میں تھا اور نہ ہی نہ ماننے والوں کو سزا دینا ان کے اختیار میں تھا اور نہ ہی اس ضمن میں ان لوگوں کے فرمائشی معجزوں کو پورا کرنا ان کے ذمے تھا۔ سو جن خوش نصیبوں نے پیغمبروں کے اس انذار وتبشیر پر کان دھرے اور ان کی دعوت کو قبول کیا وہ راہِ حق وصواب سے سرفراز ہوکر دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوگئے اور جن بدبختوں نے اس سے اِعراض وانکار کیا وہ محروم رہ گئے- والعیاذ باللہ- سو اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتے جس طرح اہلِ بدعت کا کہنا اور ماننا ہے، بلکہ اختیارِ کلی بھی اللہ تعالیٰ ہی کی صفت اور اسی کی شان ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۴۳۲ رسولوں کی بعثت قطعِ حجت کیلئے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ اللہ پر لوگوں کیلئے کوئی حجت نہ رہے۔ یعنی اس عذر کو قطع کرنے کیلیے کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا تھا، ورنہ اگر ہمارے پاس کوئی رسول آجاتا تو ہم ضرور اسے مان کر راہِ حق وہدایت پر آجاتے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَلَوْ اَنَّآ اَھْلَکْنٰاھُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِہٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیَاتِکَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰی﴾ (طٰہٰ: آیت نمبر:۱۳۴) اور حجت تو اللہ پاک پر اس کے بندوں کی طرف سے کوئی ہو ہی نہیں سکتی کہ وہ خالق اور مالک ومختار ہے۔ جو چاہے کرے۔ مگر یہ اس کا انتہائی کرم واحسان ہے کہ اس نے بندوں کے اس عذر کو بھی حجت سے تعبیر فرمایا کہ اپنے بندوں پر اس کی جو رحمت اور عنایت ہے اس کی بناء پر ان کا یہ عذر بھی بمنزلہ حجت کے ہے- سبحانہ وتعالیٰ- سو رسولوں کی بعثت کے بعد لوگوں کیلیے ایسا کوئی عذر بھی باقی نہیں رہے گا کہ اب انکے پاس اللہ کا رسول آگیا اور کھلے اور روشن دلائل کے ساتھ آگیا۔ اور یہی قرآن ان کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ج

لیکن (اگر یہ لوگ پھر بھی نہیں مانتے تو نہ مانیں) اللہ بہرحال گواہی دیتا ہے ۴۳۳ اس کے ذریعے کہ اس نے جو کچھ اتارا آپ کی

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾

طرف اس کو اتارا ہے اپنے علم کے ساتھ ۴۳۴ اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں، اور کافی ہے اللہ گواہی دینے کو ۴۳۵

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، اور (مزید یہ کہ) انہوں نے روکا اللہ کی راہ سے، وہ یقیناً

ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا

(راہِ حق وصواب سے) بھٹک کر جا پڑے دور کی گمراہی میں ۴۳۶ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، اور انہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا

لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ لا

اللہ نہ ان کی بخشش فرمائے گا، اور نہ ہی ان کو نوازے گا (حق وہدایت کی) سیدھی راہ سے ۴۳۷

اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط وَكَانَ

بجز اس دوزخ کی راہ کے جس میں ان کو رہنا ہوگا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے، اور یہ

۴۳۳ اللہ کی گواہی وحی کی حقانیت وصداقت پر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے جو کچھ اتارا ہے آپ کی طرف [اے پیغمبر] اس کو اتارا ہے اپنے علم کے ساتھ۔ سو اللہ اپنی وحی اور اپنے رسولوں کی صداقت وحقانیت کی گواہی دیتا ہے، اپنے قول وکلام سے کہ وہ اس میں جگہ جگہ اور طرح طرح سے اس حقیقت کو واضح اور آشکار کرتا ہے کہ یہ کلام کلامِ الٰہی ہے۔ اس میں نہ کسی وسوسۂ انسانی کا کوئی عمل دخل ہوسکتا ہے، نہ کسی دغدغۂ شیطانی کا۔ بلکہ یہ خالص تنزیل ربانی اور کلامِ خداوی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس طرح یہ قرآن خود شاہد بھی قرار پاتا ہے اور مشہود علیہ بھی (الجواھر، وغیرہ)۔ سو اس کو پیش کرنے والے رسول بہرحال سچے ہیں۔

۴۳۴ وحیِ خداوندی کا نزول علمِ خداوندی کے ساتھ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے اس کو اتارا ہے اپنے علم کے ساتھ۔ اور جب اس وحدہٗ لاشریک کا علم کامل وشامل، اور محیط وبے مثال ہے تو اس کا یہ کلامِ معجز نظام بھی اسی عظمت وشان کا حامل وعلمبردار ہے۔ اس کے علوم ومعارف، اور معانی ومطالب بے مثال ولاجواب، اور اس کا اسلوبِ بیان ایسا بلیغ ومعجز کہ اس کے مقابلے سے دنیا ساری عاجز ہے۔ اور ایسے علوم ومعارف کے ساتھ اس کو

اتارا گیا ہے جن کا نہ کوئی کنارہ ہے اور نہ کوئی بدل کہ اس کی شان ہے '' لَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ '' اور ایسے فیض ہدایت ومعرفت کے ساتھ کہ جس کی نہ کوئی نظیر ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے، کہ ہدایت تو بس اسی کی ہدایت ہے۔ نیز اپنے اس علم کے ساتھ کہ اس قرآن کے حامل آپ کے رسول ہی ہو سکتے ہیں اور آپ ہی کا سینہ ہے جو اس کے علوم ومعارف کو سنبھال سکے ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ یعنی وہ وحدہٗ لاشریک جانتا اور پوری طرح جانتا ہے اور وہی جان سکتا ہے کہ رسالت وپیغمبری کے شرف سے کس کو مشرف فرمایا جائے۔

۲۳۵ اللہ کی گواہی کافی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ گواہی دینے کیلئے کافی ہے۔ اور اتنا کافی کہ اس وحدہ لاشریک کی گواہی کے بعد کسی اور گواہی کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ سبحانہٗ تعالیٰ۔ سو اللہ تعالیٰ نے جب آپ کی صداقت وحقانیت کی گواہی دے دی تو پھر کوئی اگر نہ مانے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے سوائے اس کے کہ انکار کرنے والا خود محروم ہو کر شقاوت اور ہلاکت کے ہولناک گڑھے میں جا گرے۔ والعیاذ باللہ۔ سو اللہ تعالیٰ کی شہادت سب سے بڑی شہادت ہے۔ اتنی بڑی کہ اس سے بڑی کوئی شہادت ممکن ہی نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا اور تاکیدی اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ۚ قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾۔ (الانعام:۱۹) یعنی '' کہو اے پیغمبر کہ کس کی گواہی سب سے بڑی ہو سکتی ہے۔ کہو کہ وہ اللہ ہی ہے جو گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان اور اسی نے میری طرف اس قرآن کو بذریعہ وحی بھیجا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے خبردار کر سکوں تم کو بھی اور ان سب کو بھی جن تک یہ پہنچ سکے ''۔

۲۳۶ ہٹ دھرمی باعثِ ہلاکت ومحرومی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے کفر کیا اور انہوں نے اللہ کی راہ سے روکا وہ ضلال واضلال کے مرتکب ہو کر دور کی گمراہی میں پڑے ہیں کہ انہوں نے ضلال اور اضلال یعنی گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کے ڈبل جرم کا ارتکاب کیا ہے اور وہ نورِ حق وہدایت سے خود بھی محروم ہوئے اور دوسروں کو بھی محروم کیا۔ اور پھر اپنے کئے پر نہ وہ نادم ہوئے اور نہ انکو توبہ اور رجوع الی الحق کی توفیق وسعادت نصیب ہوئی۔ سو ایسے لوگ شیطان کی راہ پر چل کر ایسے سیاہ باطن اور راہِ حق وہدایت سے اتنے دور ہو گئے کہ راہِ حق کی طرف رجوع کی توفیق ہی ان سے سلب ہو گئی اور قدرت کا دستور اور قانون یہی ہے کہ جو گمراہ اپنے آپ کو گمراہ سمجھنے کی بجائے حق پر سمجھے وہ گمراہی کی دلدل سے کبھی نہیں نکل سکتا۔ (المراغی وغیرہ) سو ہٹ دھرمی باعثِ ہلاکت ومحرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

۲۳۷ کفر وباطل پر اڑنا محرومیوں کی محرومی:- کیونکہ کفر وظلم پر اڑنے والوں کے لیے ہدایت ومغفرت ممکن نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور دستور کے خلاف ہے۔ اس لیے باطل پر اڑنے والوں کیلئے محرومی ہی محرومی ہے۔ یعنی جب کہ وہ اپنے کفر پر اڑے رہے اور توبہ اور رجوع الی اللہ کی سعادت سے محروم رہے تو پھر ان کو حق وہدایت کی دولت ملے تو کیسے ملے؟ کہ اس کے لئے تو اولین شرط طلبِ صادق ہے۔ اور یہ ایسے بدنصیب ہیں کہ ادھر منہ ہی نہیں کرتے تو پھر ایسوں کو دولتِ ہدایت سے سرفرازی آخر کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟ ﴿اَنُلْزِمُکُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا کٰرِهُوْنَ؟﴾ سو طلبِ صادق سے محرومی اور راہِ حق وہدایت سے اعراض وروگردانی بیماریوں کی بیماری اور محرومیوں کی محرومی ہے۔ پس کفر وظلم پر اڑنے والوں کے لیے نہ بخشش ہو سکتی ہے اور نہ ان کو حق وہدایت کی راہ نصیب ہو سکتی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ

اللہ کے لئے کوئی مشکل نہیں، ف۴۳۸ اے لوگو! بے شک

جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا

تشریف لا چکے تمہارے پاس ہمارے (عظیم الشان) رسول (دین) حق کے ساتھ، تمہارے رب کی جانب سے، پس تم لوگ

لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ

ایمان لے آؤ خود اپنے بھلے (اور بہتری) کیلئے ف۴۳۹ اور اگر تم اڑے ہی رہے اپنے کفر (باطل) پر، تو بلاشبہ (اس میں اللہ کا کوئی

الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾ يٰۤاَهْلَ

نقصان نہیں کہ) اللہ ہی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہے ف۴۴۰ اور اللہ بڑا ہی علم والا، نہایت ہی حکمت والا ہے

الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ

اے کتاب والو، تم غلومت کرو اپنے دین میں، ف۴۴۱ اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا

۴۳۸ کفار و منکرین کے لیے ہمیشہ کا عذاب دوزخ - والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے ہٹ دھرم منکروں کو اللہ کی طرف سے کوئی راہ نہیں ملے گی بجز اس دوزخ کی راہ کے جس میں ایسے بدبختوں کو ہمیشہ ہمیش کے لیے رہنا ہو گا جو کہ طبعی نتیجہ ہو گا ان کے کفر و عناد کا کہ باغیوں اور سرکشوں کو سزا دینا اس کے عدل و انصاف کا تقاضا ہے اور اس کے لئے اس نے اپنی مخلوق کو پوری طرح خبردار بھی کر دیا، تاکہ کل کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے پتہ نہیں تھا۔ سو انذار و تبلیغ حق سے اِعراض و اِنکار کرنے والوں کو دوزخ میں ڈالنا بھی حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کے عدل و انصاف کا تقاضا اور لازمی تقاضا ہے تاکہ اس طرح ہر کسی کو اپنے کیے کرائے کا پورا صلہ اور بدلہ ملے۔

۴۳۹ ایمان لانے میں خود ایمان والوں کا بھلا:- سو ارشاد فرمایا گیا اور سب لوگوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ ایمان لے آؤ خود اپنے ہی بھلے کے لیے کہ اس سے تمہیں ظاہر و باطن کی طہارت و پاکیزگی نصیب ہو گی، اور دنیا میں تم حیاتِ طیبہ سے ہم کنار و بہرہ ور ہوؤ گے، اور آخرت میں اس سے تمہیں جنت کی عظیم و سدا بہار نعمتوں سے سرفرازی نصیب ہو گی۔ سو ایمان لانے میں خود ایمان لانے والوں کا اپنا ہی بھلا اور فائدہ ہے۔ دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

۴۴۰ کائنات پوری اللہ ہی کی ہے:- سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے۔ کہ اس سب کا خالق بھی وہی ہے، مالک بھی وہی۔ اور اس پر حکم و تصرف بھی اسی وحدہٗ لاشریک کا

چلتا ہے۔ تو پھر تمہارے کسی عمل سے اس کے کسی نفع ونقصان کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے؟ وہ تو تمہیں ایمان کی یہ دعوت محض اپنی رحمت کی بناء پر، خود تمہارے ہی بھلے اور فائدے کے لئے دے رہا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- کہ وہ رحمان و رحیم بھی ہے اور ستار و کریم بھی- جل وعلا شانہٗ- سو یہاں سے ایک مرتبہ پھر یہ حقیقت آشکارا وعیاں ہوجاتی ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی اس مخلوق اور اسکی اس کائنات کے از خود اور اپنے طور پر حصے بخرے کر کے ان کو مختلف فرضی اور خودساختہ ہستیوں اور سرکاروں کے ناموں پر تقسیم کر رکھا ہے کہ یہ فلاں کی نگری اور یہ فلاں کی نگری اور یہ فلاں کا ایریا ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو وہ سب جھوٹ وفریب اور غلط اور بے بنیاد ہے اور اس سے آگے طرح طرح کی شرکیات کے راستے اور دروازے کھلتے ہیں- والعیاذ باللہ- نیز اس ارشادِ ربانی سے یہ حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ جب اس ساری کائنات کا خالق و مالک وہی وحدہٗ لاشریک ہے تو ہر طرح کی عبادت و بندگی بھی اسی کا حق ہے۔ اسکے سوا اور کسی کیلئے عبادت و بندگی کی کوئی بھی قسم کسی بھی شکل میں بجا لانا ظلمِ عظیم ہے۔ نیز اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوجاتی ہے کہ جب اس ساری کائنات کا خالق و مالک وہی وحدہٗ لاشریک ہے تو اس پر حکم وقانون بھی اسی کا چلے گا- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۴۲۱ دین میں غلو سے ممانعت:- سو اہلِ کتاب کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اپنے دین کے بارے میں غلو مت کرو کہ خدا کے بندوں کو خدا بنا بیٹھو، جیسا کہ تم نے عزیر اور عیسیٰ کے بارے میں کیا اور کہا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ غلو یعنی حد سے بڑھنا تمام فساد کی جڑ اور خرابی کی اصل بنیاد ہے کہ اس کے باعث انسان گمراہی میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے قرآنِ حکیم نے اس پر کاری ضرب لگائی ہے، لیکن افسوس کہ اس کے باوجود امتِ مسلمہ کا ایک بڑا طبقہ آج اسی مرض میں مبتلا ہے، اور بری طرح مبتلا ہے، اس نے خدا کے بندوں میں سے کتنوں ہی کو حاجت روا اور مشکل کشا بنا رکھا ہے، اور محراب ومنبر سے قرآن وحدیث کا نام لے کر اسطرح کے غلو کو حق بجانب ثابت کرنے کی علانیہ کوشش کی جارہی ہے، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ہمارے ملک کا ایک مشہور بدعتی ملاں جو ابھی چند ہی سال قبل فوت ہوگیا ہے عام جلسوں میں کہتا تھا کہ او وہابیا، تیری گولی قبض کشا ہے تو علی مشکل کشا کیوں نہیں، مگر سننے والوں میں کوئی نہیں ہوتا تھا جو اس یاوہ گوئی پر اس کا منہ بند کرتا، اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ تعزیئے کے گھوڑے کو جو کہ تانگہ کھینچنے والا ایک جانور ہے، اسکو بھی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے منصب پر بٹھا دیا گیا اور عورتوں کو بچے دلوانے اور دوسری حاجتیں پوری کروانے کے لئے اس کے نیچے سے گزارا جاتا ہے۔ غلو اور گمراہی کی ان حدوں کو تو اہلِ کتاب کے غلو پسندوں نے بھی کبھی نہیں چھوا ہوگا۔ یہاں تک کہ بعض غالیوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ- وہی جو مستوئ عرش تھا خدا ہو کر- اتر پڑا وہ مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- حالانکہ آنحضرت ﷺ- خود اپنی امت کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خبردار میرے بارے میں تم اس طرح غلو پسندی اور مبالغہ آمیزی سے کام نہ لینا جس طرح کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بیٹے مریم کے بارے میں کیا۔ سوائے اسکے نہیں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ پس مجھے تم لوگ اس کا بندہ اور رسول ہی کہو (بخاری: کتاب الانبیاء) اب دیکھئے کہاں کتاب وسنت کی یہ واضح تعلیمات اور کہاں مسلمان کہلانے والے ان جہلاء کی یہ شرکیات؟ سو اس ارشاد سے دین میں غلو پسندی سے منع فرما دیا گیا کہ اسی سے آگے فتنہ وفساد کے طرح طرح کے دروازے کھلتے ہیں اور طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کیا جاتا ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم-

اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

کچھ مت کہو، ٤٤٢ سوائے اس کے نہیں کہ مسیح عیسیٰ بیٹے مریم ٤٤٣ اللہ کے رسول ٤٤٤

وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ز فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ

اور اس کا ایک فرمان ہیں ٤٤٥ جسے پہنچایا اس نے مریم تک، اور اس کی طرف سے (آنے والی) ایک روح ٤٤٦ پس تم لوگ (سچے دل سے)

٤٤٢ اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہنے کی ہدایت: - سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو اور اس کے بارے میں حق یہی ہے کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ اسکی کوئی اولاد ہے۔ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر و شریک ہے۔ وہی حاجت روا و مشکل کشا ہے۔ سب اس کے محتاج اور وہ سب سے غنی و بے نیاز۔ ہر طرح کی عبادت اسی کا حق ہے۔ جو کچھ مانگنا ہو اسی سے مانگو۔ ولنعم ما قیل۔ جو خود محتاج ہو دوسروں کا اس سے مدد کا مانگنا کیا؟ بس اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہی کہو اور ویسا ہی عقیدہ رکھو جیسا کہ نقلِ صحیح، دلیلِ صریح اور برہانِ قاطع سے ثابت ہو اور ان حدود کے اندر ہو جو کہ اس خالق و مالک نے مقرر فرمائی ہیں۔ ان سے باہر نہ نکلو۔ یہی ہے سلامتی کی راہ۔ سو اس ارشاد سے غلو پسندی کا دروازہ بند فرما دیا گیا کیونکہ غلو در حقیقت جنم ہی اس بات سے لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات کو منسوب کیا جائے جو اس نے فرمائی نہ ہو۔ سو اگر اس کی طرف وہی بات منسوب کی جائے جو اس نے فرمائی ہو تو اس سے کسی فتنے یا غلو کے پیدا ہونے اور جنم لینے کا کوئی سوال نہیں۔ فتنے کا دروازہ اسی وقت کھلتا ہے جب کہ اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کی جائے۔ جو اس نے فرمائی نہ ہو۔ یہی چیز بدعت ہے اور اسی سے شیطان کو دین میں گھسنے اور اس میں فساد برپا کرنے کا راستہ ملتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ زیغ و ضلال کی ہر شکل سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔

٤٤٣ عیسیٰ مریم کے بیٹے ہیں: - سو حضرتِ عیسیٰ کی اصل حقیقت یہی ہے کہ وہ حضرت مریم قدیسہ کے بیٹے ہیں اور بس۔ پس وہ اللہ کے بیٹے نہیں مریم کے بیٹے ہیں۔ نیز وہ بغیر باپ کے محض اللہ پاک کی قدرت سے پیدا ہوئے۔ اس لئے ان کی نسبت باپ کی بجائے انکی والدہ ماجدہ کی طرف کی جاتی ہے جب کہ عام آدمی کی نسبت اسکے باپ کی طرف ہوتی ہے نہ کہ ماں کی طرف۔ کیونکہ وہ باپ کے معروف و مشہور اور ظاہری سبب کے بغیر اور عام معمول کے خلاف محض اللہ تعالیٰ کے حکم و فرمان اور کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے تھے۔ عَلٰى نَبِيِّنَا وَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام۔ اور یہی ہے حضرتِ عیسیٰ کی اصل حقیقت۔ اسکے خلاف ان کے بارے میں جو بھی کچھ کہا گیا یا مانا گیا وہ سب بے حقیقت اور اِفراط و تفریط پر مبنی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو اس سے حضرتِ عیسیٰ کے بارے میں وہ صحیح بات بتلا دی گئی جو اللہ تعالیٰ نے حضرتِ عیسیٰ کے بارے میں فرمائی کہ وہ مخلوق، اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ ان کی پیدائش توالد و تناسل کے عام اور معروف طریقے کے برعکس اللہ تعالیٰ کے کلمہ "کن" سے ہوئی جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرتِ مریم کی طرف القاء فرمایا تھا۔ اور ان کو روح بھی خدا ہی کی طرف سے عطاء ہوئی تھی۔ سو ان کی خارقِ عادت ولادت کوئی ایسی چیز نہیں

جس کی بناء پر ان کو خدا مانا جائے اور خداوند قدوس کی خدائی میں شریک جانا جائے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ -

۲۲۴ عیسیٰ اللہ کے رسول ہیں: - سبحان اللہ! قرآنِ پاک کا اعجاز ملاحظہ ہو کہ اس ایک ہی لفظ ''رَسُوْلُ اللّٰہِ'' سے یہود کی بھی تردید ہو گئی جو کہ حضرت عیسیٰ کے نسب شریف میں طعن کرتے تھے کہ معاذ اللہ اگر عیسیٰ ایسے ہوتے جیسا کہ تم لوگ کہتے ہو اے یہودِ بے بہبود، تو ان کو کبھی منصبِ رسالت سے سرفراز نہ فرمایا جاتا، کہ ایسا شخص کبھی اللہ کا رسول نہیں ہو سکتا۔ اور اسی لفظ سے نصاریٰ کی بھی تردید ہو گئی کہ آنجنابؑ نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ اس کے رسول اور پیغمبر تھے اور بس - علیہ الصلوٰۃ والسلام - لہٰذا ان کو خدا یا خدا کا بیٹا ماننا بھی غلط اور کفر ہے کہ آپ خدا یا خدا کے بیٹے نہیں تھے بلکہ اسکے پاکیزہ بندے اور رسول تھے۔ سو رسول اللہ کے ایک ہی لفظ سے یہود اور نصاریٰ دونوں کے کفر و شرک کی جڑ کٹ گئی - والحمد للہ - سو حضرتِ عیسیٰ کی ولادت خرقِ عادت کے طور پر اسی طرح خداوند قدوس کے کلمہ کن سے ہوئی جس طرح کہ حضرت آدم کی پیدائش اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن سے ہوئی تھی۔ سو اگر خرقِ عادت ولادت کی بناء پر حضرتِ آدم خدا نہیں بن سکے تو پھر حضرت عیسیٰ کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ حضرتِ آدم کا معاملہ اس سلسلے میں حضرت عیسیٰ سے بھی کہیں بڑھ کر ہے کہ وہ ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تھے۔ جبکہ حضرتِ عیسیٰ کی ولادت باپ کے بغیر صرف ماں سے ہوئی تھی۔

۲۲۵ عیسیٰ کو ''کلمۃ اللہ'' کہنے کی وجہ؟: - سو حضرتِ عیسیٰ کو کلمۃ اللہ - یعنی اللہ کا فرمان - اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپؑ عام طریقے کے خلاف بغیر باپ کے محض اپنی والدہ ماجدہ سے براہِ راست اللہ پاک کے حکم اور کلمہ کن سے پیدا ہوئے تھے۔ اسی لئے آپ ''کلمۃ اللہ''، یعنی ''فرمانِ الٰہی'' کہلاتے ہیں۔ پس یہودِ بے بہبود کا آپ کے نسب طاہر میں طعن کرنا، اور آپ کو ولدالزنا قرار دینا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - کفر اور ظلم ہے۔ اور نصاریٰ کا آپ کو آپ کی اس معجزانہ ولادت کی بناء پر خدا اور خدا کا بیٹا قرار دینا بھی کفر و شرک اور صریح ظلم ہے کہ ماں کے پیٹ سے جنم لینے والا نہ خدا ہو سکتا ہے نہ خدائی میں شریک۔ پس اصل حقیقت حضرتِ عیسیٰ کی یہی تھی کہ آپ اللہ کے برگزیدہ بندے اور سچے رسول اور فرمانِ خداوندی کا نتیجہ تھے اور بس۔ اسکے سوا حضرت عیسیٰ کے بارے میں اِفراط و تفریط پر مبنی ہر قول باطل و مردود اور غلط ہے - والعیاذ باللہ جل وعلا -

۲۲۶ عیسیٰ کے ''روح اللہ'' ہونے کا مطلب؟: - سو حضرت عیسیٰ اللہ کی روح تھے جو باپ کے توسط کے بغیر محض جبریل امین کے نفخۂ روحانیہ کے اثر سے مریم صدیقہ کے بطن طاہر میں منتقل ہوئی۔ سو آپ اپنی اس معجزانہ ولادت کی بناء پر اللہ پاک - سبحانہٗ و تعالیٰ - کی قدرت اور اسکی وحدانیت کا ایک منفرد اور یکتا نمونہ ہیں۔ اسی لئے آپؑ کی اس معجزانہ ولادت کا ذکر قرآنِ حکیم میں فرمایا گیا ہے۔ ورنہ عام معمول کے مطابق ہونے والی کسی بھی ولادت کا اس میں کہیں بھی اس طرح ذکر نہیں فرمایا گیا۔ سو حضرتِ عیسیٰ اللہ تعالیٰ کی وہ پاکیزہ روح تھے جو والد کے توسط کے بغیر محض قدرتِ خداوندی سے معجزانہ طور پر دنیا میں آئی تھی۔ نیز حضرتِ عیسیٰ کی تائید روح القدس کے ذریعے فرمائی گئی تھی۔ جیسا کہ دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿وَاَیَّدْنَاہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ - (البقرۃ: ۲۵۳)

وَرُسُلِهٖ ۣ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا

ایمان لے آؤ اللہ پر، اور اس کے سب رسولوں پر، اور مت کہو کہ (خدا) تین ہیں ف۴۴۷ باز آجاؤ تم لوگ (اس قولِ باطل سے)

اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا وقف لازم

خود اپنے ہی بھلے کے لیے ف۴۴۸ سوائے اس کے نہیں کہ اللہ ہی معبود ہے ایک ہی معبود ف۴۴۹ وہ پاک ہے اس سے کہ اس کی کوئی اولاد ہو ف۴۵۰

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾ ع ۲۳ ۳

اسی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں میں ہے، اور وہ سب کچھ بھی جو کہ زمین میں ہے، اور کافی ہے اللہ کارسازی کرنے کو ف۴۵۱

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا

ہرگز عار نہیں ہو سکتی مسیح کو اس بات سے کہ وہ اللہ کا بندہ ہو، ف۴۵۲ اور نہ ہی

الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ

مقرب فرشتوں کو، اور (ایسا ان سے کس طرح ممکن ہو سکتا ہے جب کہ قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ) جس نے بھی عار کی اللہ کی

عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾

عبادت (و بندگی) سے، اور وہ مبتلا ہوا اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں، تو اللہ ضرور ان سب کو اپنے پاس لائے گا اکٹھا کر کے،

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ

پھر جنہوں نے (صدقِ دل سے) ایمان لایا ہوگا، اور انہوں نے کام بھی نیک کیے ہوں گے، تو وہ ان کو نوازے گا

اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا

ان کے بھرپور اُجور سے، اور ان کو اور بھی دے گا اپنے فضل (و مہربانی) سے ف۴۵۳ اور جنہوں نے عار کی ہوگی (اس کی عبادت و بندگی

وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ۬ وَّلَا يَجِدُوْنَ

سے) اور وہ مبتلا رہے ہوں گے اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں، تو انکو وہ مبتلاء کرے گا ایک بڑے ہی (ہولناک اور) دردناک

لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾ يٰٓاَيُّهَا

عذاب میں، اور وہ نہیں پا سکیں گے اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی یار اور نہ کوئی مددگار، ۴۵۴ اے

النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ

لوگو، بے شک پہنچ چکی تمہارے پاس ایک عظیم الشان حجت ۴۵۵ تمہارے رب کی جانب سے اور اتار دی ہم نے

۴۴۷ مت کہو کہ خدا تین ہیں: - اللہ، مریم، اور عیسیٰ یا باپ، بیٹا اور روح القدس۔ جیسا کہ تم کہتے ہو اے نصاریٰ۔ اور ان کو اقانیم ثلثہ قرار دیتے ہو اور پھر "تین ایک میں" اور "ایک تین میں" کا وہ نامعقول اور ناقابلِ فہم فلسفہ بگھارتے ہو جو نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔ بھلا جھوٹ کے پاؤں تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ سو تثلیث فی التوحید، اور توحید فی التثلیث کے اس مشرکانہ اور کافرانہ گورکھ دھندے سے نکل کر تم لوگ توحید کے عقیدۂ صافیہ کو اپنا لو تاکہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے ہم کنار کرنے والی شاہراہ پر آ سکو، قبل اس سے کہ عمرِ رواں کی فرصتِ محدود تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور تم ہلاکت و تباہی کے دائمی گڑھے میں گر جاؤ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - کہ شرک کا جرم و گناہ سب سے بڑا جرم اور ناقابلِ معافی گناہ ہے کہ یہ ظلم اور بغاوت کا گناہ ہے جو اس وقت تک معاف نہیں ہو سکتا جب تک انسان سچے دل سے توبہ کر کے اس سے باز نہ آ جائے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۴۴۸ کفر و باطل سے باز آنے میں بندے کا خود اپنا ہی بھلا: - سو حکم و ارشاد فرمایا گیا کہ باز آ جاؤ تم لوگ خود اپنے ہی بھلے کے لیے کہ کفر و باطل سے باز آنے میں خود تمہارا اپنا ہی بھلا ہے کہ اس سے تم شرک کے وبال و انجام سے بچ جاؤ گے، اور توحید کے عقیدۂ صدق و صفا کو اپنانے سے تمہیں دارین کی سعادت و سرخروئی اور فوز و فلاح سے سرفرازی نصیب ہو سکے گی۔ پس تم لوگ کفر و شرک کی ان باتوں سے باز آ کر حق و ہدایت اور توحید و اخلاص کی وہی بات کہو جو سب انبیاء و رسل نے کہی کہ معبودِ برحق صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ اس کا کوئی بھی شریک نہیں۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ پس تم لوگ "تین ایک میں اور ایک تین میں" کے اس نامعقول چکر اور خلافِ عقل و نقل گورکھ دھندے سے باہر نکلو، اور حق و ہدایت کی شاہراہ کو اپناؤ ورنہ تمہاری شامت آ جائیگی۔ اللہ ہی الٰہ اور معبودِ برحق ہے۔ اس کی الوہیت میں کوئی بھی اس کا شریک و سہیم نہیں۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔

۴۴۹ معبودِ برحق اللہ ہی ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا اور ادوات حصر و قصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی معبود ہے ایک ہی معبود۔ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے نہ کسی کو عبادت کا کوئی حق پہنچ سکتا ہے۔ پس سجدہ، رکوع، قیام کرنا، طواف کرنا، اور پھیرے لگانا، نذریں ماننا، نیازیں دینا، حاجت روائی و مشکل کشائی کے لئے مافوق الاسباب طریقے سے غائبانہ پکارنا وغیرہ امور میں سے کوئی بھی بات اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کے لئے جائز نہیں، کہ یہ سب ہی مختلف شکلیں ہیں عبادت و بندگی کی، اور عبادت و بندگی کی ہر قسم اور شکل اسی وحدہٗ لاشریک کا حق اور اسی کے لئے مخصوص و مختص ہے، سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اسکے سوا کسی اور کیلئے اسکو بجالانا شرک ہوگا، والعیاذ باللہ

۴۵۰ اللہ کی کوئی اولاد نہیں: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ پاک ہے اس سے کہ اس کی کوئی اولاد ہو کہ اولاد کا ہونا مستلزم

ہے حدوث و تجزی وغیرہ نقائص و حوائج کو، اور وہ ایسے تمام تصورات و علائق سے پاک ہے، سبحانہٗ و تعالیٰ، سب اسکے محتاج اور وہ سب سے اور ہر طرح اور ہر اعتبار سے غنی و بے نیاز ہے، نہ اسکی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی کی اولاد، اور اس کی صفت و شان ہے ﴿ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾ نیز اولاد کیلئے بیوی کا ہونا ضروری ہے اور اس وحدہٗ لاشریک کی نہ کوئی بیوی ہے نہ ہوسکتی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ﴾ الآیۃ کہ "اس کے لئے کوئی اولاد کس طرح ممکن ہوسکتی ہے جب کہ اس کے لئے کوئی بیوی ہی نہیں؟" سو یہ بات اس کی صفاتِ الوہیت کے منافی ہے کہ اس کی کوئی اولاد مانی جائے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔

٢٥١ <u>سب کچھ اللہ ہی کا ہے</u> :- سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر و قصر کے انداز و اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ اسی وحدہٗ لا شریک کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں میں ہے اور وہ سب کچھ بھی جو کہ زمین میں ہے اور وہ زمین و آسمان میں جو بھی کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے اور وہی کارساز ہے سب کا۔ اور جس کی یہ شان ہے کہ وہ تنہا سب کی کارسازی فرماتا ہے، اس کو کسی اولاد وغیرہ کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے؟ پس اس کی معرفت کا ایک اور صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اس کو اسی طرح مانا جائے جیسا کہ اس نے اپنی کتابِ حکیم میں خود بتایا ہے، اور جس طرح کہ اس کے رسولِ اکرم ۔ ﷺ ۔ نے سکھایا بتلایا ہے۔ اسکے بغیر اسکی معرفت سے سرفرازی کا کوئی اور طریقہ ممکن نہیں اور دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ اور ہدایاتِ عالیہ کے مطابق یہ پوری کائنات اور اسکی ہر چیز اس خالق و مالکِ مطلق کی مخلوق اور اسکی مملوک ہے اور اس پوری کائنات میں کوئی بھی چیز یا ہستی ایسی نہیں جو اسکی خدائی میں کسی بھی طرح اور کسی بھی درجے میں شریک و سہیم ہوسکے۔ وہ ایسے تمام شوائب اور اس طرح کے جملہ تصورات سے پاک اور اعلیٰ و بالا ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔

٢٥٢ <u>حضرتِ مسیح کو اللہ کا بندہ ہونے سے عار نہیں تھی</u> :- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ ہرگز عار نہ تھی عیسیٰ کو اس بات سے کہ وہ اللہ کے بندے ہوں۔ اور جب وہ تھے ہی اللہ کے بندے اور اسکے رسول تو پھر ان کو اس سے کوئی عار کس طرح ہوسکتی تھی؟ روایات کے مطابق نصاریٰ کے ایک وفد نے آنحضرت ۔ ﷺ ۔ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا کہ آپ ہمارے ساتھی یعنی حضرتِ عیسیٰ کو عیب کیوں لگاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ کیسے؟ کہا کہ آپ ان کو "عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ"، "اللہ کا بندہ اور اس کا رسول" کہتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ نہ تو کوئی عیب ہے، اور نہ حضرتِ عیسیٰ کو اس سے کوئی عار ہوسکتی ہے، تو اس پر یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں (اسباب النزول للواحدی وغیرہ) سو یہ وہی بیماری ہے جس میں آج ہمارے بہت سے اہلِ بدعت وغیرہ مبتلا ہیں کہ یہ بھی اللہ کے رسول کو بندہ اور بشر کہنا آپ کی توہین سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے پنجاب وغیرہ کے بعض علاقوں میں ﴿ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ جیسی آیاتِ کریمہ کی تلاوت اور نماز میں ان کو پڑھنا بھی توہین سمجھا جاتا ہے، اور اس پر قتل و خونریزی تک کی نوبت بھی آئی ہے۔ تو دیکھا آپ نے کہ ایسے لوگ کس طرح ﴿ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ﴾ کا مصداق بن رہے ہیں؟ ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه ۔ حالانکہ اسلام کی مقدس تعلیمات کے مطابق کلمۂ شہادت میں "عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُه" کے اقرار کو ایمان کے ثبوت و وجود میں اساسی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

٢٥٣ <u>اہلِ ایمان کیلئے بھرپور اجر کا وعدہ و خوشخبری</u> :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے صدق دل سے ایمان

لایا ہوگا اور انہوں نے اس کے مطابق نیک عمل بھی کیے ہونگے ان کو اللہ ان کے بھرپور اُجور سے نوازے گا اور ان کو اپنے فضل سے اور بھی دے گا۔ سو وہ ان کو عدل سے بڑھ کر اپنے فضل سے نوازے گا اور یہ اس کی خاص عنایت ہوگی۔ جس سے وہ ان کو اپنے کرم سے نوازے گا کہ نوازنا اس کا کام اور کرم فرمانا اس کی شان ہے ۔جَلّ جَلَالُہٗ وَعَمّ نَوَالُہ۔ سو وہ اپنے ایمان و یقین کی پختگی اور اعمالِ صالحہ کی پونجی کی بناء پر جس قدر اجر و ثواب کے مستحق ہونگے وہ ان کو ان کے ان اجور سے بغیر کسی کمی کے نوازے گا، اور کمی کی بجائے وہ انکو اپنے فضل و کرم سے مزید اجر و ثواب سے نوازے گا۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو ایمان و یقین اور عملِ صالح کی راہ ہی نجات اور سلامتی کی راہ ہے۔ جن لوگوں نے اس راہ کو اپنایا ہوگا ان کو اللہ تعالیٰ ان کے اس اجر و ثواب سے نوازیگا جس کے وہ مستحق ہوں گے اور ان کو وہ مزید فضل بھی عطا فرمائیگا۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی عبادت و بندگی کو عار سمجھا اور اپنے غرور و استکبار کی بناء پر اس سے منہ موڑا ہوگا ان کو وہ دردناک عذاب دے گا جس کے وہ اپنے کفر و انکار کی بناء پر مستحق ہونگے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۲۵۴ **حق سے محروم لوگوں کیلئے نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگ اللہ کے سوا اپنے لیے نہ کوئی یار پاسکیں گے اور نہ کوئی مددگار جو ان کو اس کے عذاب سے چھڑا سکے، یا کم از کم زبانی کلامی ہی ان کے لئے کسی طرح کی ہمدردی کا اظہار کر سکے۔ سو اپنی بڑائی کے گھمنڈ کی بناء پر حق سے محروم ہونے والے بڑے خسارے میں ہونگے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اور جن دیویوں دیوتاؤں کی حاجت روائی و مشکل کشائی پر انہوں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور جن مختلف خود ساختہ اور من گھڑت سہاروں اور آسروں پر انہوں نے تکیہ اور آسرا کر رکھا ہے ان میں سے کوئی بھی چیز ان کے کام نہ آسکے گی۔ اور ان میں سے کسی میں ایسا کوئی بل بوتا نہیں ہوگا کہ جو ان کے کچھ کام آسکے اور ان کو حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کی گرفت و پکڑ سے چھڑا سکے اور کسی بھی درجے میں ان کی کوئی حاجت روائی اور مشکل کشائی کر سکے۔

۲۵۵ **برھانِ رب سے مقصود و مراد؟:-** یعنی تنوین تعظیم کی ہے اور مراد اس برہان سے آنحضرت۔ ﷺ۔ کی ذات گرامی ہے، جن کو اللہ پاک نے ایسی خصوصیات سے نوازا ہے، اور ایسے عظیم الشان معجزات سے آپ کی تائید و تصدیق فرمائی ہے، کہ جن کے باعث آپؐ کا وجود باجود خود ہی اپنی اور اس دین کی حقانیت کی دلیل ہے، جس کو لے کر آپ تشریف لائے ہیں۔ یہ حضراتِ مفسرینِ کرام کا ایک قول ہے، جس کو بڑے ثقہ اہلِ علم نے ذکر و بیان فرمایا ہے جبکہ دوسرا قول و احتمال اس بارے میں یہ ہے کہ اس برھان اور عظیم الشان حجت سے مراد قرآنِ حکیم ہے اسکو بھی بہت سے ثقہ اور جلیل القدر مفسرینِ کرام نے ذکر فرمایا ہے۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، جامع البیان، صفوۃ البیان، صفوۃ التفاسیر، اور معارف القرآن، وغیرہ)۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں ہی قول و احتمال صحیح اور درست ہیں۔ اور ان میں کوئی تضاد اور منافات نہیں کہ قرآنِ حکیم اور اسکے حامل محمد رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں سے ہر ایک برھانِ عظیم اور واضح حجت و دلیل ہے۔ اور یہ دونوں ہی آپس میں لازم و ملزوم ہیں کہ ان میں سے ایک کا ماننا دوسرے کے ماننے کو مستلزم ہے۔ اور ایک کا انکار دوسرے کے انکار کو۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو حضرت محمد کا وجودِ باجود ایک عظیم الشان حجت ہے۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا تَلُوْحُ ہٰذِہِ الْاَسْطُرُ وَالْکَلِمَاتُ وَمَا تَبْقٰی ہٰذِہِ الْاَوْرَاقُ وَالصَّفْحَات ۔ اور قرآنِ حکیم بھی ایک عظیم الشان حجت اور برہان ہے۔ اس دینِ حق کی صداقت و حقانیت کی۔ اور یہ ایسا معجزہ کبریٰ ہے جو قیامت تک اسی آب و تاب کے ساتھ باقی رہے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا

تمہاری طرف کھول کر بیان کر دینے والی ۴۵۶ ایک عظیم الشان روشنی ۴۵۷ پس (اس کے بعد) جو لوگ ایمان لے آئے اللہ پر، اور

بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ

انہوں نے مضبوط پکڑ لیا اس (کی رسی) کو، تو وہ عنقریب ہی انہیں داخل فرمائے گا اپنی عظیم الشان رحمت، اور فضل میں، اور وہ

۴۵۶ کھول کر بیان کرنے والی روشنی کا ذکر و بیان: سو یہ ایسی عظیم الشان روشنی ہے جو کھول کر بیان کرتی ہے حق و باطل کو، اور صحیح و غلط کو اور جائز و ناجائز کو، اور اس طرح کہ کوئی خفا و اشتباہ باقی نہ رہے۔ اور اس طرح کہ اس کی دوسری کوئی نظیر نہ ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔ فالحمد للہ رب العلمین۔ سو قرآنِ حکیم کی تبیین و تعلیم سے حق و باطل کے درمیان فرق و تمیز کو پوری طرح واضح فرما دیا گیا اور ایسا اور اس طور پر کہ کسی کیلئے کسی عذر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اور ایسا اور اس درجے میں کہ قرآنِ حکیم کے سوا اور کسی طرح ایسا ممکن ہی نہیں۔ سو آج دینِ حق کی جو عظیم الشان روشنی مسلمانوں کے پاس ہے وہ پوری دنیا میں دوسری کسی بھی قوم کے پاس نہ ہے نہ ہو سکتی ہے اور دینِ حنیف نے انسانی زندگی سے متعلق اس کی پیدائش سے بلکہ اس سے بھی پہلے سے لے کر اس کی وفات اور خاتمے بلکہ اس سے بھی بعد تک کے لئے جن تفصیلی ہدایت سے نوازا ہے اور جس کامل نظامِ زندگی اور ضابطۂ حیات سے پوری نوعِ انسانی کو سرفراز و بہرہ ور فرمایا ہے۔ اس کی کوئی نظیر و مثال تو کیا، اس کا عُشرِ عشیر بھی کسی قوم و ملت کے پاس نہیں مل سکے گا۔ اور حق اور حقیقت یہی ہے کہ جو لوگ اسلام کی تعلیماتِ مقدسہ کی اس بے مثال روشنی سے محروم ہیں وہ سراسر اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اگرچہ وہ چاند تک پہنچتے اور مریخ پر ہی کمندیں کیوں نہ ڈالتے ہوں۔

۴۵۷ نورِ مبین سے مراد قرآنِ حکیم: سو ﴿ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴾ کے کلماتِ کریمہ سے اس امر کی تصریح فرما دی گئی کہ نور سے یہاں پر مراد قرآنِ حکیم ہے۔ سو یہ ایسا نور اور ایسی عظیم الشان و بے مثل روشنی ہے کہ اسکی چمک دمک، اور حق نمائی و حقیقت کشائی، کے سامنے سورج و چاند، اور ستاروں و کہکشاؤں وغیرہ کی دوسری تمام ظاہری روشنیاں بھی ہیچ اور کالعدم ہیں، کہ حق اور ہدایت کی روشنی کا دوسرا نہ کوئی مثیل ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی بدیل۔ اور مراد اس نور سے یہاں پر قرآنِ حکیم ہے، جو کہ نورِ حق کا سب سے بڑا منبع اور سرچشمہ ہے۔ لہٰذا قرآنِ پاک کی دیگر آیات میں جو نور کا ذکر آیا ہے اس سے مراد بھی یہی کتابِ حکیم ہے۔ کیونکہ قرآن اپنی تفسیر خود کرتا ہے "اَلْقُرْاٰنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا"۔ مگر اہلِ بدعت جن کو یہاں "نور" سے قرآن مجید مراد لینے کے سوا چارہ نہیں دوسری جگہ جیسا کہ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۱۵ میں ہے اس سے یہ لوگ قرآن پاک مراد لینے کو تیار نہیں ہوتے حالانکہ وہاں پر اسکے لئے صریح اور کھلا قرینہ بھی موجود ہے جس کی وضاحت ہم اپنی مفصل تفسیر میں کریں گے۔ ان شاء اللہ العزیز۔

إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿۱۷۵﴾ يَسْتَفْتُونَكَ ط قُلِ اللَّهُ

انہیں ڈال دے گا اپنے تک پہنچنے والی سیدھی راہ پر ۴۵۸ فتوی پوچھتے ہیں یہ لوگ آپ سے (اے پیغمبر!) کلالہ کے بارے میں، تو

يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ط إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ

آپ (انہیں) بتادیں کہ کلالہ کے بارے میں ۴۵۹ اللہ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص مرجائے جس کی کوئی

۴۵۸ سیدھی راہ سے سرفرازی کا نتیجہ وثمرہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ پس جو لوگ ایمان لے آئے اللہ پر اور انہوں نے مضبوط پکڑ لیا اس کی رسی کو تو وہ عنقریب ہی ان کو داخل فرمائے گا اپنی عظیم الشان رحمت اور فضل میں اور ان کو وہ ڈال دے گا اپنے تک پہنچنے والی راہ پر۔ سو ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ڈال دیگا سیدھی راہ پر جو کہ عبارت ہے اسلام سے جو کہ دنیا میں بھی ہر موقع پر سیدھی راہ کی نشاندہی کرتا ہے اور آخرت میں بھی جنت کی سدا بہار نعمتوں اور رضائے خداوندی کی سب سے بڑی دولت سے سرفرازی کا ذریعہ بنے گا - اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ اَهْلِهَا بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ - سو اس دینِ حنیف سے سرفرازی دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی ہے۔ اور اس سے محرومی دارین کی سعادت وسرخروئی سے محرومی ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو صدقِ دل سے ایمان لانے والوں کو اللہ تعالیٰ حق وہدایت کی اس راہِ راست سے سرفراز فرمائیگا جو ایسے خوش نصیبوں کو دنیا میں بھی سعادت وسرخروئی اور حیاتِ طیبہ (پاکیزہ زندگی) کی نعمت سے بہرہ مند کریگی اور آخرت میں ان کو نعمتوں بھری جنتوں سے سرفراز کریگی جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴾ (یونس: ۹) - اللہ نصیب فرمائے - امین ثم آمین یارب العالمین۔

۴۵۹ ''کلالہ'' کی میراث کے بارے میں سوال اور اس کا جواب: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ پوچھتے ہیں یہ لوگ آپ سے کلالہ کے بارے میں کہ اس کی میراث کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ ''کلالہ'' وہ شخص ہوتا ہے جس کی نہ کوئی اولاد ہو، اور نہ ہی اس کے ماں باپ میں سے کوئی موجود ہو۔ یعنی اس کے اصول وفروع میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔ اور اس کا اطلاق وارث اور مُورث دونوں پر ہوتا ہے۔ اس کی میراث سے متعلق کچھ احکام کا ذکر اس سورۂ کریمہ کے شروع میں بھی کیا گیا ہے اور کچھ کا ذکر اب یہاں فرمایا جا رہا ہے جو کہ بعض صحابۂ کرام - عَلَيْهِمُ الرَّحْمَةُ وَالرِّضْوَان - کے پوچھنے پر ذکر و بیان فرمائے گئے۔ شروع والی آیتِ کریمہ چونکہ جاڑوں کے دنوں میں نازل ہوئی تھی اس لئے اس کو آیت الشتاء کہا جاتا ہے۔ اور یہ آیتِ کریمہ اس کے بعد چونکہ گرمیوں کے دنوں میں نازل ہوئی اس لئے اس کو اٰيَةُ الصَّيف کہا جاتا ہے (معارف القران للکاندھلویؒ وغیرہ)۔ بہرکیف کلالہ کی میراث سے متعلق سوال پر یہ ہدایت فرمائی گئی جیسا کہ حضرتِ جابرؓ کی میراث سے متعلق پیدا ہوا تھا کہ ان کی بھی کوئی اولاد نہیں تھی اور والدین سے بھی کوئی موجود نہیں تھا۔ البتہ ان کی بہنیں موجود تھیں۔ (المراغی وغیرہ)

وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ

اولاد نہ ہو، اور اس کی کوئی بہن ہو ۴٦٠ تو اسے کل ترکے کا آدھا ملے گا اور وہ بھائی اپنی

اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا

اس بہن کے کل ترکے کا وارث ہوگا، اگر اس بہن کی کوئی اولاد نہ ہو ۴٦١ پھر اگر وہ بہنیں دو ہوں (یا اس سے زیادہ) تو وہ اس کے ترکے

الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً

میں سے دو تہائی کی حق دار ہوں گی، اور اگر وہ (وارث) کئی بہن بھائی ہوں، مرد بھی اور عورتیں بھی،

فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ

تو پھر مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا، اللہ کھول کر بیان فرماتا ہے تمہارے لئے (اپنے احکام،

اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ ع ۲۴ ۵

تاکہ) کہیں تم لوگ بھٹک نہ جاؤ، ۴٦٢ اور اللہ کو ہر چیز کا پورا پورا علم ہے، ۴٦٣

۴٦٠ بہن سے یہاں پر مراد؟: سو بہن سے یہاں پر مراد حقیقی یا علّاتی (باپ شریک) بہن ہے کیونکہ اخیافی (ماں شریک) بہن کا حکم اس سورۂ کریمہ کے شروع میں بیان فرما دیا گیا۔ اس پر جمہور مفسرینِ کرام کا اتفاق ہے (روح، صفوہ، معارف، ابنِ کثیر، وغیرہ) بہرکیف اس میں اس کی میراث سے متعلق چار صورتوں کو ذکر فرمایا گیا ہے، کہ اگر وہ بہن ایک ہوگی تو اسکو مرنے والے کی میراث کا آدھا حصہ ملے گا اور اگر وہ دو یا اس سے زیادہ ہونگی تو ان کو دو ثلث ملیں گے۔ اور اگر وہ مرد اور عورت دونوں ہونگے تو مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا اور چوتھی صورت یہ کہ مرنے والی اگر عورت ہو اور اس کا بھائی موجود ہو تو اسکے سب ترکے کا مالک ہوجائے گا جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ (معارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔

۴٦١ کلالہ عورت کی میراث کا حکم: سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ بھائی اپنی اس بہن کے کل ترکے کا وارث ہوگا اگر اس بہن کی کوئی اولاد نہ ہو۔ یعنی اگر وہ مرنے والا (کلالہ) مرد نہ ہو بلکہ کوئی عورت ہو تو اس وقت اس کا حکم یہ ہوگا۔ روایات میں ہے کہ حضرتِ ابوبکر صدیقؓ نے اپنے خطبے میں ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے سورۂ نساء کے شروع میں میراث سے متعلق جو آیات نازل فرمائیں، ان میں سے پہلی آیت اولاد اور والدین کی میراث کے بارے میں ہے، اور دوسری آیت بیوی خاوند اور اخیافی بہن بھائیوں کی میراث کے بارے میں ہے۔ اور جس آیتِ کریمہ پر سورہ نساء کو ختم فرمایا گیا ہے وہ حقیقی اور علّاتی بہن بھائیوں کی میراث کے بارے میں ہے اور سورۂ انفال کی آیت ذوی

الارحام کے بارے میں ہے۔ (تفسیر کبیر ابنِ کثیر اور معارف وغیرہ)۔ سبحان اللہ کیسا عظیم الشان خلاصہ ہے اور کیسی عظیم الشان تعلیم ہے اس کتاب حکیم کی کہ میراث کے اتنے بڑے اہم علم اور اس کے ادق اور متنوع مسائل کو اس طرح ان چند آیات کریمات میں سمیٹ دیا ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

۲۸۲ بیانِ اَحکام کی غرض وغایت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ اسی طرح کھول کر بیان فرماتا ہے تمہارے لیے اپنے احکام تاکہ تم لوگ کہیں بھٹک نہ جاؤ۔ یعنی یہاں پر مفعول لہ محذوف ہے۔ اصل میں ہے "کَرَاھَۃَ اَنْ تَضِلُّوْا" یا "خَشْیَۃَ اَنْ تَضِلُّوْا" وغیرہ۔ اور عربی اصولِ بلاغت کی بناء پر ایسے مواقع پر اسے حذف کر دیا جاتا ہے۔ بہرکیف احکامِ خداوندی کے بیان سے مقصود اور انکی غرض وغایت ہے کہ لوگ راہِ حق وہدایت پر رہیں تاکہ اس سے وہ دارین کی سعادت وسرخروئی سے بہرہ ور وسرفراز ہوسکیں اور کسی کی حق تلفی نہ ہونے پائے۔ ہر کسی کے حقوق واضح ہوں اور ان کو صحیح طور پر اور پوری طرح ادا کیا جائے کہ دینِ حق کی تعلیماتِ مقدسہ کا حاصل وخلاصہ اور ان کا مقصود حقوق کی معرفت اور ان کی ادائیگی ہی ہے اور انسان کے ذمے جو حقوق واجب ہوتے اور جو فرائض عائد ہوتے ہیں ان میں سے سب سے پہلا سب سے بڑا سب سے مقدم اور سب سے اہم حق اور فرض وہ ہے جو اس کے ذمے اس کے خالق و مالک کے لئے واجب اور عائد ہوتا ہے اور اس کے بعد مخلوق کے مختلف حقوق ہیں جو درجہ بدرجہ حسبِ مراتب اس پر عائد ہوتے اور ان سب کا علم اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے ارشاد کے بغیر ممکن نہیں اور وحیِ خداوندی کا آخری کام اور ابدی شکل وصورت اب قرآنِ حکیم کی صورت ہی میں موجود ومحفوظ ہے۔ اس کے بغیر وحیِ خداوندی کی روشنی اور کہیں سے نہ ممکن ہے نہ ممکن ہوسکتی ہے۔ پس جو لوگ قرآنِ حکیم کے نورِ مبین کی ہدایت اور اس کے فیض سے محروم ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ وہ سراسر اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ خواہ وہ اپنے آپ کو کتنا ہی روشن خیال اور ترقی یافتہ کیوں نہ سمجھتے ہوں۔

۲۸۳ اللہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے:۔ اس کے ظاہر کے اعتبار سے بھی اور باطن کے اعتبار سے بھی۔ حال کے لحاظ سے بھی اور مآل کے لحاظ سے بھی۔ اور یہ شان جب اس وحدہ لاشریک کے سوا اور کسی کی بھی نہیں ہوسکتی، تو پھر اس کے احکام وارشادات کا کوئی بدل آخر کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟ پس اسی کے احکام وفرامین کی اطاعت وفرمانبرداری میں دارین کی سعادت وسرخروئی اور فوز وفلاح مضمر ومنحصر ہے۔ لہٰذا مومنِ صادق کا کام یہ ہے کہ وہ دل وجان سے اس کے ان احکام کو اپنا لے اور سفرِ زندگی انہی کی ہدایت وروشنی میں طے کرے۔ وباللہ التوفیق لِمَایُحِبُّ وَ یُرِیْدُ وَعَلٰی مَایُحِبُّ وَ یُرِیْدُ۔ سو اس ارشادِ ربانی میں ایک طرف تو اہلِ ایمان کیلیے تسکین وتسلیہ کا سامان ہے کہ وہ اللہ کی رضا کیلیے جو کرتے ہیں اللہ اس سب کو پوری طرح جانتا ہے۔ اسکے اجر وثواب سے ان کو بہرحال نوازا جائے گا۔ وہ کبھی رائیگاں نہیں جائے گا کہ اللہ پاک عظیم وخبیر ہونے کے ساتھ ساتھ غفور وشکور اور انتہائی قدردان بھی ہے۔ اور دوسری طرف اس رشادِ عالی میں اہلِ کفر وباطل کیلیے تنبیہ وتذکیر بھی ہے کہ وہ کفر وباطل کی جس راہ پر چل رہے ہیں اور جو کچھ بغاوت وسرکشی کر رہے ہیں وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ کوئی بھی چیز اس سے مخفی نہیں ان کو اس سب کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا۔ جو ڈھیل ان لوگوں کو اس سلسلے میں ملی ہوئی ہے اس سے یہ دھوکے میں نہ پڑیں کہ وہ

بہرحال ایک ڈھیل ہے جس نے اپنے وقت پر ختم ہو جانا ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

☆--- قد تمت الحواشی التفسيرية لسورة النساء فی الساعة السادسة والثلث مساء من يوم الخميس فی ١٦/١/١٤١٠ هجرية الموافق ١٦/٨/١٩٨٩ م بمنزلی الكائن فی منطقة ام هرير بدبی ، الامارات العربية المتحدة – والحمد لله رب العالمين۔

☆--- نظرِ ثانی بتاریخ ٣ جمادی الثانیۃ ١٤١٧ ہجری مطابق ١٢ - اکتوبر ١٩٩٦ء بروز اتوار بوقت گیارہ بجے شب بمکان خود واقع سطوہ، دبی متحدہ عرب امارات - والحمد للہ رب العالمین - الذی لا خیر الا بتوفیق منہ جل وعلا۔

☆--- تکمیل پروف ریڈنگ ١٢ ذوالحجہ ١٤١٩ ہجری مطابق ٣١ مارچ ١٩٩٩ء نزیل ڈنہ، سدھنوتی، آزاد کشمیر دوران اجازت وسفر - والحمد للہ جل وعلا۔

☆--- تکمیل سیکنڈ پروف ریڈنگ ٣ ذوالقعدۃ ١٤٢٠ ہجری مطابق ٨ فروری ٢٠٠٠ء بروز منگل بوقت ساڑھے پانچ بجے صبح (اذان فجر سے کچھ ہی دیر قبل)، سطوۃ، دبی - والحمد للہ رب العالمین۔

☆--- تکمیل تیسری پروف ریڈنگ ٢٧ شوال ١٤٢١ ہجری مطابق ٢٢ جنوری ٢٠٠١ء بروز پیر بوقت چھ بجے صبح (نماز فجر سے قبل) سطوۃ، دبی - والحمد للہ رب العالمین۔

☆--- تکمیل چوتھی پروف ریڈنگ یکم ربیع الثانی ١٤٢٣ ہجری مطابق ١٢ جون ٢٠٠٢ء بروز بدھ پونے سات بجے صبح (درسِ حدیث کے بعد) سطوۃ، دبی - والحمد للہ رب العالمین۔

☆--- تکمیل پانچویں ریڈنگ ١٤ رمضان المبارک ١٤٢٣ ہجری مطابق ١٩ نومبر ٢٠٠٢ء بروز منگل، بوقت اڑھائی بجے شام، سطوۃ، دبی - والحمد للہ رب العالمین۔

☆--- اللمسات الاخیرۃ (Final touches) آٹھ رمضان المبارک ١٤٢٤ ہجری مطابق ٢ نومبر ٢٠٠٣ء بروز پیر بوقت پونے ایک بجے دن مدنی منزل، معمورۃ المدنی (گہل) منگ ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان - والحمد للہ رب العالمین۔

آیَاتُھَا — ۱۲۰ ۵ سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۱۲ رُکُوْعَاتُھَا — ۱۶

سورۂ مائدہ مدنی ہے اور اس کی ایک سو بیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے،

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۵ؕ اُحِلَّتْ لَکُمْ

اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو، پورا کرو تم اپنے عہدوں کو، ۱ حلال کر دیئے گئے تمہارے لئے

بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ غَیْرَ مُحِلِّی

چوپائے قسم کے سب جانور ۲ بجز ان کے جو تمہیں (آگے) سنائے جائیں گے، ۳ مگر شکار کو حلال

الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ ①

نہ سمجھنا احرام کی حالت میں، بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے، ۴

۱ **عہود و مواثیق کی پابندی کا حکم:** - سو اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ پورا کرو اپنے عہدوں کو۔ "عقود" دراصل جمع ہے "عقد" کی۔ جس کے معنٰی آتے ہیں گانٹھنے، باندھنے اور گرہ لگانے کے۔ اور عہد و پیان بھی چونکہ درحقیقت بندھن ہی ہوتے ہیں اس لئے یہاں ان کو "عقود" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ سو "عقود" سے مراد ہیں جملہ عہود۔ خواہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان ہوں یا تمہارے آپس میں ایک دوسرے کے درمیان۔ کہ لفظ کا عموم و اطلاق سب کو شامل ہے۔ بہرکیف ان سب کو پورا کرنا تم پر تمہارے ایمان و عقیدے کی بنا پر لازم و ضروری ہے۔ اس لئے ان کے پورا کرنے کا حکم و ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ تمام اَحکام اور تکالیفِ شرعیہ کو شامل ہے۔ (معارف، صفوہ، ابنِ کثیر، محاسن التاویل، روح وغیرہ)۔ عہود و مواثیق کی پابندی اور ان کے التزام کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ یہاں اس سورۂ کریمہ کا آغاز ہی اسی حکم و ارشاد سے فرمایا گیا ہے۔ اس لئے عہد شکنی اور غدر و بے وفائی کو منافق کی نشانی قرار دیا گیا۔ چنانچہ صحیح حدیث میں منافق کی جو تین نشانیاں بیان فرمائی گئی ہیں ان میں سے ایک ہے۔ "اِذَا عَاھَدَ غَدَرَ" - کہ "جب وہ کوئی عہد و پیمان کرتا ہے تو اس کو توڑتا اور عہد شکنی و غداری کا ارتکاب کرتا ہے" - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۲ **چوپایہ جانوروں کی حِلّت کا بیان:** - یعنی یہ اضافت بیانیہ ہے جو کہ اصل میں "مِنْ" کے معنٰی میں ہوتی ہے۔ جیسے "ثَوْبُ خَزٍ" اور "خَاتَمُ فِضَّۃٍ" وغیرہ میں ہے۔ (المحاسن، الروح وغیرہ)۔ اور مراد اس سے وہ گھریلو پالتو جانور ہیں جن کو

عام طور پر گھریلو ضرورتوں کے لئے پالا جاتا ہے۔ جیسے اونٹ، گائے، بیل اور بھیڑ، بکری۔ اور یہ کل آٹھ قسمیں ہوگئیں۔ اور انہی کے حکم میں ہیں وہ سب جنگلی جانور بھی جو انہی کے مانند ہیں۔ جیسے ہرن اور نیل گائے وغیرہ۔ (معارف، المراغی، الصفوۃ وغیرہ)۔ بہرکیف " انعام "کا اطلاق خاص گھریلو پالتو جانوروں پر ہوتا ہے۔ یعنی بھیڑ بکری اونٹ اور گائے بیل۔ جیسا کہ آگے سورۂ انعام کی آیت نمبر ۱۴۳ اور نمبر ۱۴۴ میں اس کی تصریح فرمادی گئی ہے اور اس کی طرف " بَھِیْمَۃ " کی اضافت سے واضح فرمادیا گیا کہ اس قبیل کے سارے چوپائے تمہارے لئے حلال کردیے گئے خواہ وہ گھریلو ہوں یا وحشی اور جنگلی۔ اور حلال کردیے گئے کا مطلب یہ ہے کہ ان سب پابندیوں کو ختم کردیا گیا جو تم لوگوں نے ازخود اپنے اوپر اپنے اوہام اور خرافات کی بنا پر لگا رکھی تھیں یا گزشتہ صحیفوں کی روایات کے باعث اپنے اوپر عائد کر رکھی تھیں۔ سو اب ان سب کو تم سے اٹھا لیا گیا۔ اور ایسے تمام جانوروں کو تمہارے لئے حلال کردیا گیا۔ سو ان کو کھاؤ برتو اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ وباللہ التوفیق۔

۳ حرام جانوروں کا استثناء:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ چوپایہ قسم کے سب جانوروں کو تمہارے لئے حلال قرار دیا گیا سوائے اُن کے جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔ یعنی مُردار اور دمِ مسفوح وغیرہ۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ (ابنِ کثیر، معارف اور محاسن وغیرہ)۔ سو ایسے تمام جانور حرام ہیں اس خباثت کی بناء پر جو کہ ان کے اندر پائی جاتی ہے خواہ وہ انکی فطرت اور طبیعت میں پائی جاتی ہو یا انسان کے کسی عمل وغیرہ کی وجہ سے ان میں سرایت کرگئی ہو۔ سو ایسے جانوروں کو چھوڑ کر باقی سب تمہارے لیے حلال اور مباح ہیں کہ یہ سب پاکیزہ اور اُن طیبات میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرمِ بے پایاں اور رحمتِ بے نہایت سے اپنے بندوں کی بہتری اور بھلائی اور ان کی خدمت و ضرورت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اللہ تعالیٰ کی مقرر فرمودہ حدود و قیود کے اندر رہ کر تم لوگ اس کی پیدا کردہ اور عطا فرمودہ اِن نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر اُس واہبِ مطلق ۔جَلَّ جَلَالُہٗ ۔ کا شکر ادا کرو جس نے تم کو ان سے نوازا ہے تاکہ اس طرح یہ نعمتیں تمہارے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ بن جائیں۔ وباللہ التوفیق۔

۴ اللہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے:- کہ حاکمِ حقیقی اور مالکِ مطلق وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور اَحکامِ خداوندی کے امتثال اور انکی پابندی ہی میں اس کے بندوں کے لئے دارین کی فوز و فلاح کا راز مضمر ہے۔ کیونکہ وہ حاکم بھی ہے اور حکیم بھی۔ حاکم ہونے کے اعتبار سے وہ جو چاہے حکم فرمائے اس کو اسکا پورا حق بھی ہے اور اختیار بھی۔ اور حکیم ہونے کے اعتبار سے اس کا ہر حکم کمالِ علم وحکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ پس کامیابی اور فوز و فلاح سب کی سب اسی کے اَحکام ماننے اور انکو اپنانے میں مضمر ہے کہ اس کا ہر حکم و اِرشاد کمالِ علم وحکمت اور رحمت وعنایت پر مبنی ہے۔ کیونکہ وہ حاکم وحکیم ہونے کے ساتھ ساتھ رحمٰن و رحیم اور علیم وخبیر بھی ہے۔ اور یہ عظمتِ شان اس وحدہٗ لاشریک کے حکم و اِرشاد کے سوا اور کسی بھی حکم و اِرشاد میں ممکن ہی نہیں ہوسکتی۔ پس صحت و سلامتی اور صلاح و فلاح اسی کے اوامر و اِرشادات سے وابستہ اور انہی پر مبنی وموقوف ہے۔ جو لوگ اس سے محروم و منحرف ہیں وہ سراسر اندھیروں میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے محروم ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف اس حکیمِ مطلق اور رحیمِ مطلق کے اوامر و اِرشادات میں سراسر اس کے بندوں ہی کا بھلا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اس لئے بندوں کا کام ہے کہ وہ صدقِ دل سے اس کی فرمانبرداری کریں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلٰی ما یحب ویرید۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ لَا

اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو، تم حلال نہ سمجھ لینا اللہ کی نشانیوں ۵ (کی بے حرمتی) کو، اور نہ ہی

الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ

حرمت والے مہینے کو ۶ اور نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانور کو، اور نہ ان جانوروں کو جن کے گلے میں (قربانی کی نشانی کے طور

۵ ''شعائر اللہ'' سے مراد؟ اور اہلِ بدعت کی ایک تحریف کا جواب:- ''شعائر اللہ'' سے مراد وہ خاص چیزیں ہیں جو اسلام کی خاص نشانیاں اور اسکی علامتیں قرار پاتی ہوں۔ اور ان سے اسلام کی عظمت و خصوصیت اور اسکی شان و شوکت ظاہر ہوتی ہو۔ جیسے اذان، نماز، حج، عمرہ اور قربانی وغیرہ۔ (معارف از کاندھلویؒ، محاسن التاویل للدمشقیؒ، جامع البیان للحسینیؒ وغیرہ)۔ اسی لئے حضرتِ حسن بصریؒ نے اسلام کے جملہ احکام و شرائع کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ نیز فرمایا گیا۔ ''شعائر اللّٰہ مَحَارِمُہٗ''۔ (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ یعنی ''شعائر اللہ'' سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جن کو اللہ پاک نے حرام فرمایا ہے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں میں سے کسی کو بھی حلال نہ سمجھنا۔ (ابنِ کثیر، جامع البیان وغیرہ)۔ اور ابنِ جریر طبریؒ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ (صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ پس اہلِ بدعت کے بعض بڑے تحریف پسندوں کا بزرگوں کے مزارات کو بھی اس میں شامل کرنا دینِ حق کی تعلیماتِ مقدسہ کے خلاف محض ان کی اپنی ایک خانہ ساز منطق اور سخن طرازی ہے جو کہ دین کی تحریف کے زمرے میں آتی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ کیونکہ مزارات اور پختہ قبریں تو بنانا ہی سرے سے ممنوع اور اسلام کی سچی تعلیمات کے خلاف ہے۔ تو پھر ان کے شعائرِ دین میں سے ہونے کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے صاف و صریح طور پر اس سے منع فرمایا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے۔ ''نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ اَنْ یُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ یُّبْنٰی عَلَیْہِ وَاَنْ یُّقْعَدَ عَلَیْہِ''۔ کہ ''آنحضرت۔ علیہ السلام۔ نے قبر کو پختہ کرنے، اس پر عمارت بنانے اور اس پر بیٹھنے اور میلہ لگانے سے منع فرمایا ہے''۔ (صحیح مسلم: ج ۱ ص ۲۶۲، مشکوٰۃ: ج ۱ ص ۱۴۸ عن جابر رضی اللہ عنہ)۔ امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ''قبر پر بنائی جانے والی عمارت اگر بانی کی اپنی ملکیت میں ہو تو مکروہ ہے۔ اور اگر عام قبرستان میں ہو تو حرام ہے۔ امام شافعیؒ اور دوسرے حضرات نے اس کی تصریح کی ہے اور امام شافعیؒ ''کتاب الام'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''میں نے خود مکہ مکرمہ میں اماموں کو قبر پر بنی عمارت کو ڈھا دینے کا حکم دیتے ہوئے سنا ہے۔ اور ''وَلَا قَبْرًا مُّشْرِفًا'' والی حدیث اس کی تائید کرتی ہے'' (شرح امام نوویؒ حدیث مذکورہ بالا)۔ اس میں ''وَلَا قَبْرًا مُّشْرِفًا'' سے اشارہ اس واقعے کی طرف ہے کہ آنحضرت۔ علیہ السلام۔ نے حضرتِ علی۔ رضی اللہ عنہ۔ کو اس کام پر مامور فرمایا تھا کہ ''جاؤ اور جو قبہ دیکھو اسے گرا دو۔ اور جو اونچی قبر نظر آئے اسے برابر کر دو''۔ (مسلم: ج ۱ ص ۳۱۳، مشکوٰۃ: ج ۱ ص ۱۴۸ وغیرہ)۔ اسی لئے ثقہ حضراتِ اہلِ علم، فقہاء و محدثین اور کبار علماء و مفسرین نے قبروں پر عمارتیں اور جبے قبے بنانے کو ممنوع اور حرام لکھا ہے۔ اور ان کے ہدم یعنی گرا دینے کا حکم و فتوٰی دیا ہے کہ یہ صاف و صریح نصوص کی خلاف ورزی اور ان کا معارضہ ہے۔ اور یہ شرک کا بڑا ذریعہ اور دروازہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ چنانچہ حضرتِ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ''ہم قبروں کو پختہ بنانے اور ان کی لپائی کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں'' کیونکہ آنحضرت۔ علیہ السلام۔ نے قبر کو پختہ کرنے اور اس کو مربع شکل بنانے سے منع فرمایا ہے۔ یہی ہمارا مذہب ہے اور یہی

حضرت امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ (کتاب الآثار امام محمد ص ۹۶-۹۷)۔ علامہ حلبی الحنفی لکھتے ہیں کہ قبر کو پختہ بنانا اور اس کی لپائی کرنا مکروہ ہے۔ اور یہی قول ہے تینوں ائمہ کا۔ پھر آگے فرماتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ "قبر پر مکان یا قبہ یا اس کی مانند کوئی اور عمارت بنانا مکروہ ہے۔ اور حدیثِ مذکور اس کی دلیل ہے۔ (الکبیری: ص ۵۹۹)۔ امام سراج الدین اودی الحنفی (المتوفی فی حدود سنہ ۷۰۰ ھ) لکھتے ہیں "وَیُکْرَهُ الْبِنَاءُ عَلَى الْقُبُوْر" - "قبروں پر عمارت بنانا مکروہ ہے"۔ (فتاویٰ سراجیہ: ص ۲۴)۔ اسی طرح کی تصریحات امام قاضی خان الحنفی - المتوفی سنہ ۹۳ - نے اپنے فتاویٰ ج ۱ ص ۹۳ میں، علامہ ابن الہمام الحنفی - المتوفی سنہ ۸۶۱ ھ - نے فتح القدیر ج ۴ ص ۴۷۲ میں، علامہ ابن عابدین الحنفی نے فتاویٰ شامیہ ج ۱ ص ۱۰۱ میں، فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۷۶ میں، ملا علی قاری الحنفی نے مرقات ج ۱ ص ۲۴۶ میں اور علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی الحنفی - المتوفی سنۃ ۱۲۲۵ ھ - نے اپنی مشہور فارسی کتاب "مالا بدمنہ" ص ۹۵ میں اور علامہ محمود آلوسی الحنفی نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر روح المعانی ج ۵ ھ ص ۲۱۹ میں فرمائی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ ایسے مواقع پر مکروہ سے مراد حرام ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو ابوالمکارم ج ۳ ص ۱۵۹، دلیل الطالب ص ۵۰۲ وغیرہ۔ سو ان صاف وصریح نصوص اور ثقہ علماء وفقہاءِ کرام کی تصریحات کے مطابق تو قبر پر کوئی عمارت بنانا ہی سرے سے منع اور حرام ہے، چہ جائے کہ پختہ قبروں اور ان غیر مشروع مزاروں کو شعائر اللہ میں شمار کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سوا لاکھ انبیائے کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - اور اتنے ہی بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ صحابۂ کرام - علیہم الرحمۃ والرضوان - میں سے چند ایک ہستیوں کے سوا اوروں کی قبروں کا کوئی نام و نشان بھی کہیں نہیں ملتا۔ اور یہ تک پتہ نہیں کہ وہ کہاں فوت ہوئے تھے اور انہیں کہاں دفن کیا گیا تھا۔ اب آپ دیکھئے کہ اسلام کا مزاج کیا ہے اور اس کی تعلیمات کیا کہتی ہیں اور اہلِ بدعت کے ایسے مفتی صاحبان کیا فتوے جڑتے اور کیا درس دیتے ہیں!!۔ اور وہ بھی قرآنِ حکیم کے حواشی میں اور تفسیر قرآن کے نام سے۔ سو یہ اللہ پر جرأت اور جسارت کی کس قدر شرمناک اور کتنی ہولناک مثال ہے۔ اور اس سے بڑھ کر تحریف اور کیا ہوسکتی ہے؟ کیا ان لوگوں کے دل خوفِ خدا سے اس حد تک عاری ہوگئے ہیں؟ - فالی اللّٰه المشتکی وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ فِيْ كُلِّ حِيْنٍ وَّ اٰن - بہرکیف شعائر اللہ کے ادب و احترام کا لحاظ و پاس ضروری ہے کہ یہ دین حق کی تعظیم وتکریم کا مقتضیٰ ہے - وباللہ التوفیق -

۱۷ **اشہرِ حرم کی بے حرمتی کی ممانعت:** - سو ارشاد فرمایا گیا اور نہ ہی تم بے حرمتی کرنا حرمت والے مہینوں کی۔ یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب کی، کہ ان میں زمانہ جاہلیت میں لڑائی کرنا ممنوع تھا۔ اب اگرچہ جمہور کے نزدیک یہ حرمت ختم اور منسوخ ہوچکی ہے، جیسا کہ اس کا ذکر و بیان آگے سورۂ توبہ میں آئے گا، لیکن اولیٰ اور بہتر اب بھی یہی ہے کہ ان میں جنگ وقتال کا آغاز نہ کیا جائے۔ (ابن کثیر، معارف، محاسن وغیرہ)۔ جبکہ اہلِ علم کے ایک گروہ کا کہنا یہ ہے کہ اشہرِ حرم کی یہ حرمت اب بھی باقی ہے اور اسلام نے اسکو منسوخ نہیں کیا بلکہ اسکو اور پکا کیا ہے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ مگر جمہور کے نزدیک انکی حرمت ختم ہوچکی ہے۔ البتہ ان میں جنگ کی پہل کرنا اب بھی درست نہیں۔ بہرکیف شروع میں اور ملتِ ابراہیمی میں ان مہینوں کا ایک خاص احترام تھا۔ اور ان میں جنگ وجدال اور لڑائی بھڑائی بہرحال ممنوع ومحظور تھی۔ اور اسطرح ان کے اندر لوگوں کو امن وامان کی فضا نصیب ہوتی تھی۔ اور ان مہینوں کی یہ حرمت دراصل حج اور عمرہ ہی کے احرام کی بناء پر تھی تاکہ اس طرح لوگ ان مہینوں کے اندر حج اور عمرہ کی یہ مقدس عبادتیں امن وسکون کے ساتھ ادا کرسکیں۔

آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ

پر) پٹے ڈالے ہوں، اور نہ ان لوگوں کو (چھیڑنا) جو اپنے رب کے فضل اور اس کی رضامندی کی تلاش میں اس حرمت

وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ

والے گھر (بیت اللہ) کی طرف جا رہے ہوں، اور جب تم احرام سے نکل جاؤ تو تم شکار کر سکتے ہو اور دیکھو کسی قوم کی

شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ

دشمنی کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا تم کو اس بات پر ابھارنے نہ پائے کہ

تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا

تم زیادتی کرنے لگو۸ اور آپس میں نیکی اور پرہیزگاری (کی بنیاد) پر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ

وقف لازم

۷ احرام سے فراغت کے بعد شکار کی اجازت و اباحت کا بیان: - یعنی ﴿فَاصْطَادُوْا﴾ کا یہ امر اباحت کے لئے ہے نہ کہ لزوم و وجوب کے لئے۔ یعنی احرام سے فارغ ہونے کے بعد شکار نہ کرنے کی پابندی تم سے اٹھا لی گئی۔ اب اگر تم چاہو تو شکار کر سکتے ہو۔ یہ نہیں کہ شکار کرنا ضروری اور مامور بہ ہے۔ کیونکہ شکار کی حرمت تو صرف ارضِ حرم میں اور حالتِ احرام میں تھی۔ اور جب تم لوگ مناسک پورے کر کے احرام سے فارغ ہو چکے ہو تو اب تمہارے لیے شکار کی حرمت بھی ختم ہو گئی۔ کیونکہ شکار کی ممانعت اور یہ پابندی عارضی اور وقتی تھی جو کہ احرام کے باعث تھی۔ اور جب وہ باعث ختم ہو گیا تو اب شکار کی ممانعت بھی ختم ہو گئی۔ اور شکار کی اجازت بحال ہو گئی۔ سو شکار کی حرمت حرم میں اور حالتِ احرام میں تھی اور بس۔ لہٰذا اس کے بعد اگر تم لوگ شکار کرنا چاہو تو کر سکتے ہو (المراغی، الصفوۃ وغیرہ)۔

۸ زیادتی کے جواب میں زیادتی نہ کرنے کی ہدایت: - سبحان اللہ! - کیسی عمدہ اور پاکیزہ تعلیم ہے کہ دوسروں کی زیادتی کے جواب میں تم زیادتی پر نہ اتر آنا بلکہ ہمیشہ ضبط و تحمل اور عدل و انصاف ہی سے کام لینا کہ تمہارا دین بدلہ و انتقام کا نہیں حق و انصاف کا دین ہے۔ جس میں عفو و درگزر اہم مکارم میں سے ہے۔ مشرکینِ مکہ نے آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو عمرہ ادا کرنے سے روک دیا تھا اور آپ سب کو حدیبیہ کے مقام سے ہی واپس ہونا پڑا تھا۔ تو اس بنا پر اہلِ ایمان کو یہ تنبیہ فرمائی جا رہی ہے کہ کہیں اسکے بدلہ و انتقام میں تم لوگ ان پر زیادتی نہیں کرنا کہ زیادتی بہر حال بری اور ممنوع ہے۔ سبحان اللہ! - کیسی عدل و انصاف پر مبنی پاکیزہ تعلیمات ہیں اس دینِ حنیف کی جن میں انتقام اور جذباتیت کا کوئی شائبہ تک نہیں۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اسلام عفو و درگزر کی تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا اور صاف و صریح طور پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا - ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ - (الشوریٰ: ۴۳) یعنی ”جس نے صبر و برداشت اور عفو و درگزر سے کام لیا تو یقیناً یہ بڑے عزم و ہمت کے کاموں میں سے ہے“ - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وَعَلٰی مَا یُرِیْدُ وَهُوَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ - سبحانہ وتعالیٰ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق پر مستقیم و ثابت قدم رکھے - آمین۔

عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ

اور زیادتی (کی بنیاد) پر ایک دوسرے کی مذمت کرنا ۹ اور اللہ سے ڈرتے رہنا کہ بے شک اللہ کا عذاب

الْعِقَابِ ﴿٢﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ

بڑا ہی سخت ہے، حرام کردیا گیا تم پر مردار، خون، سور کا

الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ

گوشت، اور ہر اس چیز کو ف۱۰ جس کو غیر اللہ (کی تعظیم وخوشنودی) کے لئے نامزد کردیا گیا ہو ف۱۱ اور جو جانور مرجائے گلا گھٹنے سے

وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ

یا چوٹ لگنے سے، یا مرجائے گر پڑنے سے، یا سینگ لگنے سے، اور جس کو پھاڑ ڈالے

السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ قف وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ

کوئی درندہ، مگر (ان میں سے) جس کو تم ذبح کرلو، ف۱۲ نیز جسے ذبح کیا گیا ہو آستانوں پر، ف۱۳ اور

أَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۚ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ الْيَوْمَ يَئِسَ

یہ کہ تم باہم حصے معلوم کرو جوئے کے تیروں سے، کہ یہ سب گناہ ہیں، آج کے دن مایوس ہوگئے کافر

الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۚ

لوگ تمہارے دین (کے مٹنے اور مغلوب ہونے) سے ف۱۴ پس تم لوگ ان سے نہیں ڈرنا بلکہ خاص مجھ ہی سے ڈرتے رہنا،

۹ باہمی تعاون کے بارے میں ایک عظیم الشان اُصول وضابطہ:- کہ "ایک دوسرے کا تعاون، نیکی اور تقوٰی کی بنیاد پر کرو نہ کہ گناہ اور زیادتی کی بنیاد پر"- سبحان اللہ!- کتنا عمدہ اور جامع اصول ہے کہ نیکی اور تقوٰی کی بنیاد پر ایک دوسرے کا تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کی بنیاد پر نہیں۔ اگر اسی ایک اِرشادِ ربانی کو آج کے مسلمان پورے طور پر اپنا دستور اور نصب العین بنالیں تو معاشرے کی بگڑی کس قدر بن سکتی ہے۔ مگر واضح رہے کہ یہ باہمی تعاون اور مدد اسباب کے درجے میں ہے کہ یہ دنیا ہے ہی دار الاسباب۔ لہٰذا اس سے اس خلافِ اسباب اور خرقِ عادت مدد وامداد کے جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا جو کہ مشرک لوگ کرتے ہیں۔ بس اس موقع پر اہلِ بدعت کے بعض تحریف پسندوں کا یہ کہنا بالکل ایک لغو اور بے تکی بات ہے "کہ اس سے معلوم ہوا کہ غیرِ خدا سے مدد لینا جائز ہے۔"

کیونکہ یہاں مُردوں سے یا خلافِ اسباب مانگنے کی تعلیم نہیں دی جا رہی۔ بلکہ دنیاوی اَسباب و وسائل کے درجے میں باہمی تعاون و امداد کے لئے فرمایا جا رہا ہے۔ جس میں کسی کا بھی کوئی اختلاف نہیں۔ پس استمداد و استعانت کی جو قسم ممنوع و محظور ہے اس کے ثبوت و وجود کا یہاں کوئی سوال ہی نہیں۔ اور جس کا ذکر و ثبوت یہاں پر موجود ہے اس کا نہ کسی کو انکار ہوسکتا ہے اور نہ اس میں کوئی اختلاف ہے۔ سو اہلِ بدعت کی مت ماری گئی جو اس طرح کی نصوصِ کریمہ سے اپنے شرکیہ عقائد اور مافوق الاسباب استمداد و استعانت کے جواز کیلئے دلیل کشید کرنے کی سعیِ مذموم کرتے ہیں۔ کیونکہ ان دونوں صورتوں کے درمیان بونِ بعید ہے۔ اللہ تعالیٰ فکر و نظر کی کجی سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔

۱۰ نذر و نیاز کے بارے میں اہم اور بنیادی تعلیم: - یعنی غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز کی حرمت اور کلمۂ "مَا" کے عموم و شمول کا بیان۔ یعنی "مَا" کا کلمہ عام ہے جو کہ غیر اللہ کی نذر و نیاز کی ہر شکل کو شامل ہے۔ خواہ وہ کوئی جانور ہو یا کوئی غلہ اور شیرینی اور مٹھائی وغیرہ۔ کیونکہ کلمہ "مَا" کا عموم ان سب کو شامل ہے۔ اور اصل یہی ہے کہ لفظ کو اپنے ظاہر اور عموم پر رکھا جائے۔ الا یہ کہ ایسا کرنا متعذر ہو یا کوئی قرینۂ صارفہ ایسا پایا جاتا ہو جس کی بنا پر ظاہر اور متبادر معنٰی مراد نہ لیا جا سکتا ہو۔ اور یہاں ایسی کوئی بھی بات موجود نہیں۔ اور دوسرے اس لئے کہ غیر اللہ کے نام کے ذبیحے کا ذکر اس کے کچھ ہی بعد اسی آیتِ کریمہ میں اس صراحت سے موجود و مذکور ہے۔ ﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ - اب اگر ﴿مَا اُهِلَّ﴾ میں بھی یہی مراد لیا جائے تو پھر ﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ کا کوئی فائدہ نہیں رہ جاتا۔ اسی لئے حضرتِ شاہ عبدالعزیزؒ وغیرہ جیسے ثقہ حضراتِ اہلِ علم نے بھی "مَا" کو اپنے ظاہر اور عموم ہی پر رکھا ہے۔ سو جو بھی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی خوشنودی کیلئے نامزد کی جائے گی وہ حرام ہوگی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه - اور غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز کی اس حرمت کی وجہ یہ ہے کہ یہ غیر اللہ کی عبادت و بندگی ہے جو کہ شرک اور حرام ہے۔ اور اس سے کھانا ان کے اس شرک میں حصہ دار بننا ہے۔ اور اس سے راضی ہونا ہے جو کہ ممنوع و حرام ہے۔ (المراغی وغیرہ) - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف نذر و نیاز چونکہ عبادت ہی کا حصہ اور اسی کی ایک شکل ہے، لہٰذا یہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کا حق ہے۔ اس کے سوا کسی اور کے لئے ایسا کرنا شرک ہوگا جو کہ ممنوع اور حرام ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه جَلَّ وَعَلَا - کیونکہ عبادت کی ہر قسم اور اس کی ہر شکل اسی وحدہٗ لاشریک کا حق اور اسی کا اختصاص ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۱۱ غیر اللہ کے نام کی نامزدگی کی حرمت کا بیان اور اہلِ بدعت کے مغالطے کی تردید: - یعنی اس کے تقرب کے لئے۔ جیسا کہ مشرکینِ عرب اپنے بتوں کے نام پر سانڈ چھوڑ دیتے تھے اور ہندوستان میں ہندو اپنے دیوتاؤں کے نام چھوڑتے ہیں۔ اور جاہل مسلمان اپنے بزرگوں کے نام پر۔ جیسے "شیخ سدو کا بکرا"، "سید احمد کبیر کے نام کی گائے" وغیرہ وغیرہ۔ پس غیر اللہ کے نام سے نامزدگی اور اس شرک کی بناء پر وہ جانور ایسا ناپاک ہو جاتا ہے جیسا کہ خنزیر۔ اسی لئے یہاں اس کا ذکر ﴿لحم الخنزير﴾ یعنی "خنزیر کے گوشت" کے ساتھ ملا کر فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا جس طرح خنزیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے سے پاک نہیں ہوسکتا، اسی طرح ایسا جانور بھی ذبح کرنے سے پاک نہیں ہوسکتا جو غیر اللہ کے نام پر چھوڑا گیا ہو اور اس کیلئے نامزد کیا گیا ہو۔ اور غیر اللہ کے نام پر اور اس کے تقرب کے لئے ایسا کرنے والا مرتد اور اس کا ذبح حرام ہو گا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اکلیل ج ۱ ص ۸۱ للعلامہ شیخ زادہؒ، الدرالمختار ص ۳۹۹، البحرالرائق ج ۲ ص ۲۹۸، الشامی ج ۳ ص ۱۷۵، فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۲۹، شرح النوویؒ صحیح مسلمؒ ج ۲ ص ۱۶۱، البحر المحیط ج ص ۴۸۹ تفسیر

خنزیر کی حرمت (بقرہ ۱۷۳، انعام ۱۴۵ وغیرہ وغیرہ)۔ اور "اِہلال" کا لفظ دراصل "ہلال" سے مشتق ہے۔ "ہلال" ہے۔ اور "ہلال" شروع میں طلوع ہونے والے نئے چاند کو کہا جاتا ہے۔ کیونکہ عربوں کا طریقہ تھا کہ وہ نئے چاند کو دیکھ کر خوشی و مسرت سے بلند آواز میں کہا کرتے تھے "الْہِلَالُ الْہِلَالُ وَاللّٰہِ" "چاند چاند ہے، چاند اللہ کی قسم!"۔ سو گویا یہ لفظ یعنی "اِہلال" مطلق رفع صوت یعنی آواز اٹھانے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ سو ﴿وَمَا اُہِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ﴾ کے معنی ہوئے "وہ چیز جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے"۔ اور اس سے مقصود اس کی تعظیم ہو۔ کیونکہ یہ سب چیزیں جب تعظیم کے طور پر کی جائیں تو پھر ان پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں شریک کیا جاتا ہے۔ اور اس سے تقرب اور خوشنودی بھی اسی کی مقصود ہوتی ہے۔ ورنہ یہ ذبیحہ خنزیر کی طرح حرام ہو جائے گا۔ لہٰذا اس بدعت کا اپنی مطلب براری کے لیے اس کو "عبد شدی والے"، "عقیقے کا بکرا" اور "ولیمہ کے جانور" جیسی نسبتوں پر قیاس کرنا بھی سراسر مردود اور قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ ان میں سے کسی بھی نسبت میں غیر اللہ کے لیے تقرب کا کوئی سوال نہیں۔ بلکہ ایسی تمام مثالوں میں نسبت ذبح کے کسی خاص حکم کی تکمیل یا شخص کے اعتبار سے ہے کہ "عبد شدی کا" میں نسبت میت کے اعتبار سے ہے۔ اور باقی دونوں مثالوں میں عقیقہ اور ولیمہ کے دو مسنون حکموں کے اعتبار سے ہے۔ جبکہ اس میں عبد شدی کے تقرب کا کوئی سوال ہے، ورنہ عقیقے والے مولود اور ولیمہ والے زوجین یا ان میں سے کسی ایک کے تقرب کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ جبکہ اس بدعت کا یہ قیاس، قیاس مع الفارق ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کی یہ بات بھی سراسر باطل و مردود ہے کہ ﴿اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ﴾ کا استثناء ﴿وَمَا اُہِلَّ بِہٖ﴾ کو شامل ہوگا۔ کیونکہ جمہور مفسرین کرام کا اجماع و اتفاق ہے کہ یہ استثناء شروع کی چار چیزوں کو چھوڑ کر اس کے بعد والی اشیاء یعنی "مُنْخَنِقَۃُ"، "مَوْقُوْذَۃُ" وغیرہ کے ساتھ ہے نہ کہ اس سے پہلے ذکر کردہ اشیاء کے ساتھ۔ ورنہ ان لوگوں کی یہ بات مطلق اگر تسلیم کر لی جائے تو پھر "مَیْتَۃُ"، "دَمُ" اور "لَحْمُ الْخِنْزِیْرِ" کے بارے میں بھی وہی کچھ ماننا پڑے گا جو وہ ﴿مَا اُہِلَّ بِہٖ﴾ کے بارے میں مانتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تو یہ بھی نہیں مانتے۔ وَمَزِیْدُ التَّفْصِیْلِ فِی الْمُفَصَّلِ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ الْعَزِیْزُ وَبِیَدِہٖ اَزِمَّۃُ التَّوْفِیْقِ۔

[۱۲] تذکیہ شرعی کے ذریعے حلت کا استثناء: سو ارشاد فرمایا گیا "مگر جس کو تم ذبح کر لو" یعنی اس کے مرنے سے پہلے شرعی طریقے سے ذبح کر لو تو وہ حلال ہو جاتا ہے۔ یعنی "مُنْخَنِقَۃُ"، "مَوْقُوْذَۃُ"، "مُتَرَدِّیَۃُ" اور "نَطِیْحَۃُ" میں سے جس کو بھی تم زندہ پالو اور اس میں زندگی کی رمق باقی ہو مثلاً ذبح سے پہلے اس میں کوئی ایسی حرکت پائی جائے جس سے اس کے زندہ ہونے کا ثبوت مل سکے۔ جیسا کہ مختلف آثار و روایات میں اسی طرح کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ مثلاً حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ "مُنْخَنِقَۃُ"، "مَوْقُوْذَۃُ"، "مُتَرَدِّیَۃُ" اور "نَطِیْحَۃُ" میں سے جس کو بھی ذبح کرنے کا موقع تم کو مل سکے درآں حالیکہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں کو حرکت دیتا ہو تو تم اس کو ذبح کر کے کھا لو (جامع البیان، المراغی اور ابن کثیر وغیرہ)۔ سو ایسا جانور حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے کیونکہ اس کو مرنے سے پہلے شرعی طریقے سے ذبح کر دیا گیا اور اس سے دم مسفوح نکل گیا اور باعث حرمت کا ازالہ ہو گیا۔ والحمد للہ جل وعلا۔

[۱۳] غیر اللہ کے تقرب کے لیے ذبح کی جانے والی چیز حرام ہے: سو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وہ چیز جس کو ذبح کیا گیا ہو آستانوں پر غیر اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے کہ یہ بھی حرام ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ﴿وَمَا اُہِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ﴾ میں ذبح کی قید لگانا صحیح نہیں۔ ورنہ پھر ﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ﴾ کے ذکر کا کوئی خاص فائدہ باقی

نہیں رہ جاتا۔ " نُصُب" کا لفظ یا تو مفرد ہے اور جمع اس کی "اَنْصَاب" ہے۔ جیسے "عنق" کی جمع "اَعناق" اور "قفل" کی جمع "اَقفال" اور یا یہ لفظ جمع ہے۔ مفرد اس کا "نِصَاب" ہے۔ جیسے "کُتُب" جمع ہے "کتاب" کی۔ بہرکیف "نصب" ہر ایسے پتھر وغیرہ کو کہا جاتا ہے جس کو بطورِ نشانی کسی جگہ گاڑ دیا جائے اور اسکی پوجا اور تقرب کے لیے لوگ اس کے پاس آئیں اور وہاں قربانیاں کریں اور بھینٹ چڑھائیں۔ جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے۔ اور اسی بناء پر ان لوگوں نے بیت اللہ کے پاس تین سو ساٹھ بت گاڑ رکھے تھے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ اور مشرکینِ مکہ اپنے ان خود ساختہ معبودوں اور من گھڑت بتوں کے لئے طرح طرح کی قربانیاں دیتے اور بھینٹ چڑھایا کرتے تھے۔ اور ایسی قربانیاں اور بھینٹیں چونکہ غیر اللہ کے تقرب کے لئے ہوتی ہیں اس لئے ایسا کرنا شرک ہے۔ اور اس طرح کی نذر و نیاز سے کھانا حرام ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم مِنْ اَنْوَاعِ الشِّرْكِ وَشَوَآئِبِه۔

۱۶ **"اِحْدَاث فِي الدِّين" کی ممانعت اور اہلِ بدعت کے ایک مغالطے کا جواب:**۔ صحیح روایات میں وارد ہے کہ اس آیتِ شریفہ کے بارے میں جب یہود کے ایک گروہ نے حضرتِ عمر۔ رضی اللہ عنہ۔ وغیرہ بعض صحابۂ کرام سے عرض کیا کہ اگر یہ آیت ہمارے دین میں نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن کو عید اور جشن کے طور پر مناتے۔ تو حضرتِ عمر۔ رضی اللہ عنہ۔ نے فرمایا کہ مجھے وہ دن بھی خوب معلوم ہے جس دن یہ آیت اتری۔ اور وہ وقت بھی کہ جس میں یہ نازل ہوئی۔ وہ دن جمعہ کا تھا اور وقت عرفہ کی شام کا۔ مطلب یہ کہ ہمیں ازخود کسی جشن اور عید کی بدعت نکالنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہمارے لئے ہمارے دین نے پہلے سے ہی عرفہ اور جمعہ کی جن دو عیدوں کو جمع فرما دیا ہے وہ ہمارے لئے کافی ہے۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل وغیرہ)۔ یعنی چونکہ ہم اِتباع کرنے والی امت ہیں اِبتداع۔ بدعتیں نکالنے۔ والی نہیں، اس لئے ہم ایسے کسی جشن کی بدعت کے قائل اور روادار نہیں۔ سو کتنا سیدھا صاف اور واضح مطلب ہے حضرتِ عمر۔ رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا۔ لیکن اہلِ بدعت کے بعض رؤساء و زعماء نے حسبِ عادت مالوفہ اس سے عیدِ میلاد کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ ان لوگوں کو یہاں پر لفظِ عید نظر آ گیا۔ حالانکہ یہ اِرشاد ان کی بدعت پرستی کی بیخ کنی کرتا ہے۔ مگر وہ ہیں کہ اس سے اس کے جواز کا استدلال کرتے ہیں کہ ساون کے اندھے کو ہمیشہ اور ہر جگہ ہریالی ہی نظر آتی ہے۔ جب کھوپڑی الٹی ہوجائے اور مت ماری جائے تو یہی حال ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ پھر ان سے کوئی پوچھے کہ یہ استدلال حضرتِ عمر فاروق۔ رضی اللہ عنہ۔ اور دوسرے صحابۂ کرام کو آخر کیوں نہ سوجھا؟ اور ان حضرات میں سے کسی نے بھی عیدِ میلاد منانے کا فتویٰ آخر کیوں نہ دیا؟ اور خیر القرون کے اس زمانۂ خیر و برکت میں کبھی بھی عیدِ میلاد آخر کیوں نہ منائی گئی۔ اور اگر یہ دین کا ایسا ہی کوئی حکم اور تقاضا تھا تو اس سے وہ سب حضرات آخر اس طرح غافل کیوں رہے؟ اور ہمیشہ دو ہی عیدوں یعنی "عید الفطر" اور "عید الاضحیٰ" پر اکتفا کیوں کرتے رہے؟ اور حدیث و فقہ کی تمام کتابوں میں "کتاب العیدین" ۔ دو عیدوں۔ ہی کا عنوان آج تک کیوں قائم ہے؟ کسی تیسری عید کا کوئی ذکر و بیان ان میں آخر کیوں نہیں ملتا؟ سو ان تمام واضح دلائل اور جلی حقائق سے یہ امر پوری طرح واضح ہو کر سامنے آ جاتا ہے کہ اسلام میں صرف دو ہی عیدیں ہیں۔ اس کے سوا کسی اور عید کو دین میں شامل کرنا "اِحْدَاث فِي الدِّيْن" ہوگا جو کہ بڑا سنگین جرم اور گناہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّ ضَلَالٍ۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق پر ثابت و مستقیم رکھے۔ آمین۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ

آج میں نے مکمل کر دیا تمہارے لئے تمہارے دین کو۱۵ اور پورا کر دیا تم پر اپنے انعام کو۱۶ اور پسند کر لیا تمہارے لئے اسلام کو

نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ

(ہمیشہ کے) دین کے طور پر۱۷ پھر جو کوئی مجبور ہو گیا (اور اس نے ان ممنوعہ چیزوں میں سے کچھ کھا لیا) بشرطیکہ اس کا کسی

فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

گناہ کی طرف میلان نہ ہو، تو (اس پر کوئی گناہ نہیں، کہ) بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے، پوچھتے

رَّحِيْمٌ ۝۳ يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ

ہیں یہ لوگ آپ سے (اے پیغمبر!) کہ کیا حلال ہے ان کے لئے؟۱۸ تو آپ (انہیں) بتا دیں کہ حلال کر دی گئیں تمہارے

۱۵ تکمیلِ دین کا مژدۂ بے مثال و جانفزا:- سو تکمیلِ دین کی بشارت ایک عظیم الشان اور بے مثال بشارت ہے۔ اور اس جیسی دوسری کوئی بشارت ممکن ہی نہیں- فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَلَهُ الشُّكْرُ- بہرکیف اس اِرشادِ ربانی سے واضح فرما دیا گیا کہ اس دین کی تکمیل کر دی گئی۔ اَحکام و مسائل، اُصول وکلیات، بنیادی قواعد وضوابط اور فرائض و واجبات کے اعتبار سے۔ اور اس درجہ مکمل کہ اب قیامت تک نہ تمہیں کسی اور وحی و کتاب کی کوئی ضرورت ہوگی نہ کسی نبی اور شریعت کی۔ دین وہدایت سے متعلق تمہیں جو بھی ضرورت پیش آئے گی اس کا حل اور جواب و علاج تم اس کتاب مین موجود پاؤ گے- سبحان اللہ!- کیسی عظیم اور کتنی بڑی اعجازی شان ہے اس دینِ حنیف کی جس سے قدرت کی طرف سے ہمیں نوازا گیا ہے- فالحمد للہ رب العالمین- سو اس دینِ حق اسلام کو اسکے اُصول وکلیات کے اعتبار سے ایسا اور اس حد تک مکمل کر دیا گیا کہ لاکھوں کروڑوں، بلکہ اربوں کھربوں انسانوں سے تعلق رکھنے والے لاتعداد و بے شمار اور بے حد وحساب مسائل اور قیامت تک پھیلے جملہ زمانوں اور تمام اَدوار کے تقاضوں کا کافی وشافی حل اور واضح جواب اس میں موجود ہے۔ اور عقائد وعبادات، مسائل ومعاملات، امن وجنگ، حرب وضرب، سیاست وسماج، اَخلاق و عادات، اِجتماع و اِنفراد، تمدن و معاشرت، مصالحت ومسالمت، معیشت واقتصاد، نکاح وطلاق، تطہیر وتزکیہ، حلال وحرام، عدل وانصاف، صحت وفساد، غرضیکہ دن ورات، ماہ وسال اور دنیا و آخرت سے متعلق ہر گوشے کے بارے میں اس دینِ متین میں ایسی صاف وصریح اور واضح وجلی اور اعلیٰ وارفع اور مُجلّٰی ومنقّٰی تعلیماتِ مقدسہ اور علم وحکمت پر مبنی اِرشاداتِ عالیہ موجود ہیں جن کی کوئی نظیر ومثال تو کیا اس کا عشرِ عشیر بھی کسی دوسرے دین ومذہب میں نہیں پایا جا سکتا۔ روئے زمین پر پائے جانے والے مختلف مذاہب واَدیان کی اکثریت تو انسانی فکر وکاوش اور خیالات وتصورات اور دوسرے مختلف عوامل اور اَحوال وظروف

کا ثمرہ ونتیجہ ہے سوائے یہودیت ونصرانیت کے۔ جو کہ بنیادی طور پر اور اپنی اصل کے اعتبار سے آسمانی دین ہیں۔ ان کے بارے میں بھی ان کے حاملین اور پیروکاروں کا کہنا ہے کہ مذہب انسان کا پرائیویٹ معاملہ ہے اور بس۔ پس ان کے یہاں دین ومذہب کے نام سے کچھ رسم ورواج اور تقالید وعادات ہیں جن کو ان لوگوں کے یہاں لگے بندھے طریقوں سے اپنے گھروں یا گرجاؤں میں بجالایا جاتا ہے اور بس۔ باقی سیاست وسماج، معیشت ومعاشرت اور نظامِ حکومت وغیرہ وغیرہ سب اس سے آزاد اور اس کی گرفت وکنٹرول سے خارج اور باہر ہیں۔ اور یہ ان لوگوں کے یہاں گویا حکومت وعوام دونوں کے درمیان ایک طے شدہ پالیسی ہے۔ اور جب ان آسمانی دینوں کا یہ حال ہے تو پھر باقیوں کا کہنا ہی کیا۔ ان کا معاملہ تو سرے سے ہی خارج از بحث ہے۔ سو اس پسِ منظر میں دیکھنے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ دینِ حق اسلام کس قدر عظیم، کتنا جامع اور قدرت کا کتنا بڑا عدیم النظیر اور بے مثال عطیہ واحسان ہے۔ اسی لئے ایک انگریز جب اسلام میں داخل ہوا تو اس سے پوچھا گیا کہ تم کیوں مسلمان ہوئے ہو؟ تم نے اسلام میں ایسا کیا دیکھا جس نے تمہارے دامنِ دل کو اپنی طرف کھینچا؟ تو اس نے جواب میں اسی حقیقتِ عظمیٰ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ''اس لئے کہ اسلام میں ہر سوال کا جواب موجود ہے'' - فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِهٰذَا الدِّیْنِ الْعَظِیْمِ الْمُبَارِکِ، بِمَحْضِ مَنِّهٖ وَکَرَمِهٖ جَلَّ وَعَلَا - فَاِیَّاهُ نَسْاَلُ الثَّبَاتَ عَلَیْهِ وَ الْاِسْتِقَامَةَ - نیز اس موقع پر ذرا اس جانب بھی ایک نظر ڈال لیجئے اور ایک لمحے کے لئے سوچئے اور غور کیجئے کہ نبیٔ اکرم - ﷺ - اپنی حیاتِ نبوت کے صرف تئیس -۲۳- سالوں کے مختصر ومحدود عرصے میں اپنی امت کو کیا کچھ دے گئے اور پوری نوعِ انسانیت کے لئے کتنے عظیم الشان اور مقدس وبے مثل خزانے چھوڑ گئے جو قیامت تک دنیا جہاں کو فیضیاب کرتے رہیں گے - صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَمَنِ اهْتَدٰی بِهَدْیِهٖ وَدَعَا بِدَعْوَتِهٖ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ وَجَزَاهُ عَنَّا وَعَنْ سَآئِرِ الْمُسْلِمِیْنَ خَیْرَ مَا جُوْزِیَ بِهٖ نَبِیٌّ عَنْ اُمَّتِهٖ وَاَنْزَلَهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ - آمین ثم آمین۔ بہرکیف دینِ حنیف ایک ایسا کامل اور مکمل دین ہے جو ہر انسان کی تمام ضروریات کی تکمیل کا کفیل وضامن ہے کہ یہ دین دینِ فطرت ہے جو فطرت کے تمام تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے - فالحمد لِلّٰهِ ربّ العالمین -

۱۸ اِتمامِ نعمت کا مژدۂ جانفزا: - سو ارشاد فرمایا گیا اور میں نے پورا کردیا تم لوگوں پر اپنی نعمت کو یعنی تم پر اپنے اس دین کو مکمل کردیا جو کہ حضرت آدم سے شروع ہوا تھا اور تمہاری اس شریعت کی تکمیل کرکے جس کا آغاز غارِ حراء میں اترنے والی پہلی وحی سے ہوا تھا۔ نیز تم کو سیاسی غلبہ سے نوازا کہ مکہ مکرمہ فتح ہوگیا اور اس سے بتوں کی نجاست کا ازالہ کردیا گیا۔ (معارف، محاسن، تدبر وغیرہ)۔ اور تکمیلِ دین کی یہ نعمت سب سے بڑی نعمت ہے کہ دینِ حق کی نعمت سے بڑھ کر کوئی نعمت ممکن ہی نہیں کہ نورِ حق وہدایت کی یہ نعمت ہی وہ نعمت ہے جو انسان کیلئے دارین کی سعادت وسرخروئی کی راہیں منور اور روشن کرتی ہے - فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ - سو دینِ حنیف جس کا آغاز ابوالبشر حضرتِ آدم پر وحی سے ہوا تھا جو ہر زمانے کی ضرورتوں اور مشیتِ الٰہی کے تقاضوں کے مطابق نازل ہوتا رہا یہاں تک کہ حضرتِ خاتم الانبیاء - ﷺ - پر اس کی تکمیل اور خاتمہ ہوگیا۔ اور قیامت تک کی دنیا کو دینِ کامل نصیب ہوگیا۔ جبکہ

اس سے پہلے آنے والے تمام دینوں کی حیثیت اسی دینِ کامل کے مختلف اَجزا کی سی ہے۔ اور اِتمام نعمت سے مراد اس وحی کی تکمیل ہے جس کا آغاز تیئس برس قبل غارِ حرا میں ہوا تھا۔ سو اس موقع پر اس کی بھی تکمیل ہو گئی۔ اس طرح اس روز اہلِ ایمان کو دو انعام یکجا مل گئے کہ حضرتِ آدم سے شروع ہونے والا سلسلۂ وحی بھی مکمل ہو گیا اور اس سلسلۂ وحی کی بھی تکمیل ہو گئی جس کا آغاز اس سے تیئس سال قبل حضرت امام الانبیاء - صلی اللہ علیہ وسلم - پر غار حرا میں ہوا تھا۔

۱۷ خداوندِ قدوس کا پسندیدہ دین، اسلام: - سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ میں نے پسند کر لیا تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر۔ پس اسلام کے سوا اور کوئی بھی دین اسکے یہاں قابلِ قبول نہیں۔ لہٰذا جس نے اسلام کے سوا کسی بھی دوسرے دین کو اپنایا وہ اس سے قبول نہیں ہوگا۔ اور ایسا شخص سراسر خسارے میں ہو گا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اسکی تصریح فرمائی گئی - ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ - (آلِ عمران: ۸۵)۔ اور دینِ حنیف اسلام ہی وہ دین ہے جو عقل وفطرت کے تقاضوں کے عین مطابق اور انسان کو حقیقی کامیابی اور ابدی سعادتوں سے بہرہ مند و سرفراز کرنے والا دین ہے۔ اور اسلام کا حاصل اور اس کا خلاصہ ہے اپنے آپ کو اپنے خالق و مالک اللہ وحدہٗ لاشریک کے حوالے کر دینا جیسا کہ حضرتِ ابراہیم نے کہا تھا - ﴿ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ - (البقرۃ: ۱۳۱) یعنی ''میں نے اپنے آپ کو حوالے کر دیا پروردگار عالم کے''۔ اور یہی دین ہے اس پوری کائنات کا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴾ - (آلِ عمران: ۸۳) یعنی ''اسی کے آگے سرنگوں ہیں وہ سب جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی سے یا مجبوری سے۔ اور سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''۔

۱۸ حِلّتِ شکار کے بارے میں سوال کا جواب: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''پوچھتے ہیں یہ لوگ آپ سے کہ کیا حلال ہے ان کے لیے''۔ یعنی کتے اور باز وغیرہ کے ذریعے کئے گئے شکار میں سے کیا حلال ہے؟ - جیسا کہ روایات میں وارد ہے کہ حضرتِ عدی بن حاتم اور زید بن مہلہل وغیرہ بعض حضرات نے آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - سے پوچھا کہ ہم شکار کرنے والے لوگ ہیں۔ کتوں اور باز وغیرہ کے ذریعے شکار کرتے ہیں تو ان میں سے کس جانور کا شکار ہمارے لئے حلال ہے؟ تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ (ابنِ کثیر، ابنِ جریر، محاسن التاویل، خازن، معارف وغیرہ)۔ سو یہ سوال اگرچہ اپنے اَلفاظ اور قرآنِ حکیم کے اپنے معروف اسلوب کے مطابق عام ہے لیکن اس بارے واردشدہ روایات اور اسی سوال کے جواب سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ سوال خاص طور پر شکار کے بارے میں ہے کہ اگر شکاری جانور کا شکار ذبح سے پہلے ہی ہلاک ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بہر کیف شکار چونکہ انسان کی ایک اہم ضرورت ہے اور ایسی اہم کہ بعض لوگوں کا گزارہ ہی شکار پر ہوتا تھا اور ہوتا ہے۔ اس لئے سُدھائے اور سِکھائے ہوئے جانور کے شکار کے بارے میں یہ سوال پیدا ہوا کہ یہ حلال ہے کہ نہیں۔ تو اس کے جواب میں اس بارے یہ ہدایات اور تعلیمات اِرشاد فرمائی گئیں جن میں اس بارے بھرپور ہدایت و راہنمائی ہے۔ اور واضح فرما دیا گیا کہ سکھائے ہوئے شکاری جانوروں کا کیا ہوا شکار کھانا جائز ہے - والحمد للہ -

الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ

لئے سب پاکیزہ چیزیں، اور ان شکاری جانوروں کے شکار بھی ۱۹ جن کو تم نے سکھایا (سُدھایا) ہو، ان طریقوں سے جو تم کو

مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا

سکھائے ہیں اللہ نے ۲۰ بشرطیکہ ان کو تم نے خود چھوڑا ہو ۲۱ پس کھاؤ تم اس (شکار) میں سے، جو انہوں نے پکڑا ہو تمہارے

اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④

لئے، اور اس پر نام لیا کرو اللہ کا، اور (ہر حال میں) ڈرتے رہا کرو تم لوگ اللہ سے، بے شک اللہ بڑا ہی جلد حساب لینے والا ہے،

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اب حلال کر دی گئیں تمہارے لئے سب پاکیزہ چیزیں، ۲۲ اور کھانا ان لوگوں کا جن کو

۱۹ شکاری جانور اور ان کے شکار:- یعنی یہاں پر مضاف محذوف ہے۔ اصل میں ہے "وَصَيْدَ مَا عَلَّمْتُمُوْهُ"۔ (صفوۃ، محاسن، جواہر وغیرہ)۔ "جوارح" جمع ہے "جارحة" کی۔ جو کہ مشتق و ماخوذ ہے "جرح" سے۔ جسکے اصل معنٰی زخمی کرنے کمانے اور بنانے کے آتے ہیں۔ اسی لیے اعضاء کو "جوارح" کہا جاتا ہے۔ اور ہتھیاروں کو بھی اسی لیے "جوارح" کہا جاتا ہے۔ اور اسی بناء پر شکاری جانوروں کو بھی "جوارح" کہا جاتا ہے خواہ وہ درندوں میں سے ہوں جیسے کتے، شیر، چیتے وغیرہ۔ یا پرندوں میں سے ہوں جیسے باز اور شکرے وغیرہ۔ کیونکہ یہ سب چیزیں کمائی کا ذریعہ ہیں۔ سو ایسے سکھائے سُدھائے ہوئے جانوروں میں سے جس کو اپنے ارادہ و اختیار سے اور اللہ کا نام لے کر شکار کے لئے چھوڑا جائے اور وہ شکار کر کے لائے اور وہ ذبح کرنے سے پہلے مر جائے تو اس کا کھانا جائز ہے کہ ایسے میں وہ سکھایا سُدھایا ہوا جانور چھری چاقو کی طرح کا ایک آلہ ذبح ہو جائیگا۔ اس لیے اس کے ذریعے کیا گیا شکار حلال اور جائز ہے۔

۲۰ شکاری جانوروں کے شکار کی حِلّت کا بیان:- یعنی تم لوگوں نے ان کو سکھایا ہو ان طریقوں کے مطابق جو اللہ نے تم لوگوں کو سکھلائے اپنے فضل و کرم اور لطف و عنایت سے۔ خواہ یہ سکھلانا اِلقاء و اِلہام کے ذریعے ہو یا عقل و فکر کے واسطے سے۔ جس کی دولت سے اُس واہبِ مطلق نے تم لوگوں کو از خود نوازا ہے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ یہ شرط بہر حال ملحوظ رہے کہ اسکو سکھایا پڑھایا تم لوگوں نے ہو۔ جیسا کہ -﴿تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ﴾- سے واضح ہوتا ہے۔ اور یہ اس لیے کہ ہر تربیت میں اس کے مربی کی طبیعت، اسکے ذوق اور اسکے مقصدِ تربیت کا اثر پایا جاتا ہے۔ اور یہ تربیت کا ایک طبعی تقاضا ہے۔ اس بناء پر ایک مسلمان کی تربیت و ٹریننگ یافتہ کتے کی حیثیت ایک غیر مسلم

کے سکھائے ہوئے کتے سے الگ ہوگی۔ اور شکاری جانور چونکہ اپنے مُربّی اور مالک کے آلہ اور جارحہ کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے مسلمان کے سُدھائے اور سکھائے ہوئے جانور کا شکار ایسے ہی ہو جائیگا جیسا کہ اس نے اپنے قصد و ارادے سے اپنی کسی چھری یا چاقو سے اس کو خود ذبح کیا ہو۔ سو اس سے دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کی لطافتوں اور نزاکتوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ کہ مسلمان کس قدر پاکیزہ انسان ہوتا ہے۔ اور ربّ ذوالجلال اس کو کس درجہ پاکیزہ انسان دیکھنا چاہتا ہے۔ اور ایسے ہی پاکیزہ لوگ اس دنیا میں حیاتِ طیبہ کی نعمت سے سرفراز ہوں گے اور آخرت میں جنت کی سدا بہار نعمتوں سے مالا مال ہوں گے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

۲۱ شکاری جانور کے شکار کی حِلّت کیلئے ایک شرط کا بیان:۔ ﴿مُكَلِّبِينَ﴾ بنا ہے "تَكْلِيب" سے۔ جو کہ اصل میں ماخوذ ہے "کلب" سے۔ جس کے معنیٰ کتے کے بھی آتے ہیں اور مطلق درندے کے بھی۔ اور "تَكْلِيب" کے معنیٰ ہوں گے کتے وغیرہ شکاری جانوروں کو سکھانا سدھانا۔ یا تو تغلیب کی بنا پر یا "كَلْب" کو مطلق درندے کے معنیٰ میں لینے کی اساس پر۔ جس کے اصل اور لغوی معنیٰ چیرنے پھاڑنے کے آتے ہیں۔ (صفوۃ البیان وغیرہ)۔ پھر "تَكْلِيب" کے لفظ کو توسع کے طور پر اِرسال یعنی چھوڑنے اور بھیجنے کے معنیٰ میں استعمال کیا جانے لگا۔ جیسا کہ جلالین وغیرہ میں موجود ہے۔ اور قرطبی سے بھی منقول ہے۔ اسی بناء پر شکاری جانور کے مارے ہوئے شکار کی حلت کی شروط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کو اس کا مالک اپنے ارادہ و اختیار سے شکار کرنے کے لئے چھوڑے۔ (معارف القرآن للدیوبندیؒ وللکاندھلویؒ، محاسن التاویل للقاسمیؒ وغیرہ)۔ کیونکہ اس صورت میں اس کتے وغیرہ شکاری جانور کی حیثیت اس آلے کی سی ہو جائے گی جسکے ذریعے کسی جانور کو ذبح کیا جاتا ہے۔ جیسے چھری چاقو وغیرہ۔ بہرکیف اس ارشاد سے شکاری جانور کے شکار کی حلت کے لئے ایک اہم شرط کو بیان فرما دیا گیا ہے کہ شکاری جانور کا مالک اس کو خود شکار کے لیے چھوڑے ورنہ حلال نہیں ہوگا۔

۲۲ اہلِ ایمان کیلئے پاکیزہ چیزوں کی حِلّت کا اِعلان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حلال کر دی گئیں تم لوگوں کے لیے سب پاکیزہ چیزیں۔ یعنی وہ چیزیں جو کہ یہود وغیرہ کے لئے حرام تھیں۔ سو اب وہ تمہارے لئے ہمیشہ کے لئے حلال کر دی گئیں کہ تم کھاؤ پیؤ ان حلال اور پاکیزہ چیزوں میں سے۔ اے پاکیزہ دین کی پاکیزہ تعلیمات کو ماننے والو۔ تاکہ تمہیں دنیا میں اس سے پاکیزہ زندگی۔ حیاتِ طیبہ۔ نصیب ہو سکے اور آخرت میں تمہیں جنت کی سدا بہار نعمتوں کے اس پاکیزہ جہاں میں رہنا نصیب ہو سکے جہاں سے تمہیں کبھی نکالا نہیں جائے گا۔ اور اس طرح تم حقیقی معنوں میں دارین کی سعادت و سرخروئی اور فوز و فلاح سے بہرہ ور ہو سکو۔ سبحان اللہ!۔ کیا عظمتِ شان ہے مومنِ صادق کی کہ اس کا ظاہر پاک، اس کا باطن پاک، اس کا کھانا پاک، اس کا پینا پاک، اس کا دل و دماغ پاک، اس کا رہن سہن اور بود و باش سب کچھ پاک۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو کیسی دولت ہے یہ ایمان و یقین کی دولت جو انسان کو ایک پاکیزہ انسان بنا کر کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ فَزِدْنَا مِنْهُ وَ ثَبِّتْنَا عَلَيْهِ۔

الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ

کتاب دی گئی تم سے پہلے حلال ہے ۲۳ تمہارے لئے، اور تمہارا کھانا حلال ہے ان کے لئے، اور پاک دامن

مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

مسلمان عورتیں بھی، اور پاک دامن عورتیں ان لوگوں میں سے بھی جن کو دی گئی

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ

کتاب تم سے پہلے، جب کہ تم ادا کر دو ان کو ان کے مہر، اس حال میں کہ انکو نکاح میں

غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ

لانا (اور بیوی بنا کر رکھنا) مقصود ہو، نہ کہ محض مستی نکالنا ۲۴ اور خفیہ آشنائیاں کرنا، اور جس نے کفر کیا

بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ

ایمان (لانے کی چیزوں کے) ساتھ، تو اکارت چلے گئے اس کے سب عمل، اور وہ آخرت میں سخت

الْخٰسِرِيْنَ ۝ۧ ۵ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى ع ۵

خسارے والوں میں سے ہو گیا، ۲۵ اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو، جب تم اٹھو

الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ

نماز کیلئے تو دھو لیا کرو اپنے چہروں کو، اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک،

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ

اور مسح کر لیا کرو تم، اپنے سروں کا، اور (دھو لیا کرو تم) اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک، ۲۶ اور اگر

۲۳ **اہلِ کتاب کے طعام کی حِلّت کا بیان:** سو ارشاد فرمایا گیا اور کھانا ان لوگوں کا جن کو کتاب دی گئی تم لوگوں سے پہلے حلال ہے تمہارے لیے اور تمہارا کھانا حلال ہے ان کے لیے۔ یہاں پر طعام - کھانا - سے مراد اہلِ کتاب - یہود و نصاریٰ - کا ذبیحہ ہے۔ ورنہ ان کی اس تخصیص اور ذکر کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ کیونکہ مطلق اور خشک کھانا پینا تو دوسروں کا بھی جائز ہے۔ اس لئے حضرتِ ابنِ عباسؓ، سعید بن جبیرؒ اور حضرت مجاہدؒ جیسے اکابر کا اس سے متعلق کہنا ہے کہ اس سے مراد اہلِ

کتاب کا ذبیحہ ہے۔ یعنی "ذَبَائِحُھُمْ" اور ابنِ کثیر کہتے ہیں کہ علماء کا اس پر اِجماع ہے کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ حلال ہے۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر، جامع البیان، خازن وغیرہ)۔لیکن اہلِ کتاب کے ذبیحہ کی اس حلت کے لئے ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ اہلِ کتاب واقعی اہلِ کتاب ہوں۔ وہ اپنے دین پر واقعی ایمان و یقین رکھتے ہوں۔ اور دوسری یہ کہ وہ جانور بھی فی نفسہٖ حلال ہو۔خنزیر وغیرہ جیسا کوئی حرام جانور نہ ہو۔اور تیسری شرط یہ ہے کہ ذبح بھی صحیح طریقے سے اور اللہ کے نام پر کیا ہو کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جانے والا جانور ﴿مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ میں داخل ہوگا اور وہ حرام ہے۔ پس ذبح کرنے والا کتابی ہو۔ کوئی کمیونسٹ یا دہریہ قسم کا لا دین نہ ہو۔ نیز یہ کہ ذبح بھی معروف طریقے سے ہو جھٹکا وغیرہ کی کوئی صورت نہ ہو۔ (صفوۃ البیان، معاف از کاندھلویؒ وغیرہ)۔ بہرکیف اس سے اہلِ کتاب کے ذبیحہ کی اہل ایمان کے لیے حلت بیان فرمادی گئی کہ ان لوگوں کی حیثیت دوسرے کھلے مشرکوں سے مختلف ہے۔

۲۷ پاک دامن عورتوں سے نکاح کیلئے ایک بنیادی شرط:- کہ نکاح سے محض مستی نکالنا مقصود نہ ہو، جیسا کہ متعہ میں ہوتا ہے، کہ اس میں نہ تو قیدِ نکاح میں لانا اور بیوی بنا کر رکھنا مقصود ہوتا ہے اور نہ نکاح و طلاق کے دوسرے احکام جاری کرنا۔ بلکہ محض مستی نکالنا اور حیوانی اور نفسانی تقاضے پورا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ پس اس میں اور دوسرے کھلے زنا میں کوئی فرق نہیں-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- مگر اس کے باوجود شیعوں کے مذہب میں متعہ کے نام سے کیا جانے والا یہ زنا نہ صرف یہ کہ جائز و مباح ہے بلکہ ان لوگوں کے یہاں یہ ایک بڑا کارِ ثواب ہے۔ اور اس کے لئے انہوں نے بڑے بڑے ثواب گھڑ رکھے ہیں۔ اور ایران میں آج کل "صیغہ" کے نام سے زنا و بدکاری کا یہ کاروبار عام ہے-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- بہرکیف ایسی پاکدامن عورتوں سے نکاح کی حِلّت اور اسکے جواز کیلئے یہ ایک بنیادی شرط ہے کہ مقصود اس نکاح سے عفت و پاکدامنی کا حصول ہو نہ کہ محض شہوت رانی اور مستی نکالنا۔ "اَخدان"، جمع ہے "خِدن" کی اور اس کا اِطلاق مرد اور عورت دونوں پر ہوتا ہے۔ سو نہ مرد ایسا ہو جو خفیہ طور پر عورتوں سے دوستی لگانے والا اور مستی نکالنے والا ہو اور نہ عورت ایسی ہو جو اس طرح کی کسی خفیہ یاری دوستی کا ارتکاب کرنے والی ہو۔ بلکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کا مقصد پاکدامنی کا حصول اور ایک دوسرے کیلئے عفت و پاکدامنی کا ذریعہ بنا ہو۔ اور "اِحصَان"، "حِصْن" سے ماخوذ ہے جس کا معنٰی قلعہ ہوتا ہے۔ سو ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کیلئے ایسا قلعہ بن جائے جو اسکی متاعِ عفت و پاکدامنی کو پوری طرح محفوظ کر دے۔ اور ایسا کہ اسکے بعد نہ وہ مرد کسی طرح کی بدکاری کا ارتکاب کرے نہ عورت۔ نہ اعلانیہ اور ظاہری طور پر اور نہ مخفی اور پوشیدہ طور پر۔ زمانۂ جاہلیت میں اِعلانیہ زنا کو تو برا سمجھا جاتا تھا لیکن چوری چھپے کیے جانے والے زنا کو برا نہیں سمجھا جاتا تھا، جیسا کہ آج کل یورپ و امریکہ کی مادہ پرست دنیا اور مادر پدر آزاد معاشروں میں زنا اگر بالجبر یعنی زور زبردستی سے ہو تو وہ جرم اور قابلِ دست درازی پولیس ہے۔ لیکن اگر باہمی رضامندی سے ہو تو اس میں کوئی جرم اور مضائقہ نہیں۔ سو ان لوگوں کے یہاں اصل جرم زنا نہیں جبر و اِکراہ ہے۔ جبکہ دینِ حنیف نے جرم کو بہرحال ایک سنگین جرم اور ہولناک گناہ قرار دیا۔ خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو۔ پس "سفاح" کی اِس قید و ممانعت سے ہر قسم کے زنا کو ممنوع و محذور قرار دے دیا گیا کہ "سفاح"، "نکاح" کی ضد ہے۔ پس اس سے متعہ وغیرہ ہر قسم کے وقتی نکاح کی حرمت

واضح ہوجاتی ہے۔ لیکن افسوس کہ اس کے باوجود یہ حرام کام اسلام کا نام لینے والے اور ایمان کا دعوٰی کرنے اور دم بھرنے والے ایک فرقے کے یہاں آج بھی موجود ہے اور صرف یہی نہیں کہ ان کے یہاں یہ چیز موجود ہے بلکہ ان کے نزدیک یہ کارِثواب ہے اور اسکے فضائل کے لئے انہوں نے طرح طرح کی روایات گھڑ رکھی ہیں، جنکی آڑ میں وہ زنا کے اس کاروبار کو رواج دے رہے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ زیغ و ضلال کی ہر شکل اور نفس و شیطان کے ہر دھوکے سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے- آمین ثم آمین یارب العالمین-

۲۵ کفر بالایمان کا مطلب اور اسکی خطورت؟: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس نے کفر کیا ایمان کے ساتھ تو اکارت چلے گئے اس کے سب عمل اور وہ آخرت میں سخت خسارے والوں میں سے ہوگیا۔ سو کفر بالایمان کا مطلب اُن اَحکام اور اَوامر و اِرشادات کا انکار کرنا ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - جو حضرتِ حق -جل مجدہٗ- نے حلال و حرام سے متعلق اِرشاد فرمائے ہیں۔ جن میں سے وہ اَحکام بھی ہیں جن کا ذکر یہاں فرمایا گیا ہے۔ سو جس کسی نے بھی اس کا ارتکاب کیا وہ بڑا ہی محروم اور بدنصیب انسان ہے کہ اس سے وہ دنیا میں ایمان جیسی دولت ونعمت سے محروم ہوگیا اور اسکے تمام عمل اکارت چلے گئے۔ جبکہ اصل خسارہ آخرت کا خسارہ ہے کہ وہاں کے اس خسارہ ونقصان کی تلافی اور اس کے تدارک کی کوئی صوت ممکن نہ ہوگی۔ سو وہ سب سے بڑا اور ہولناک خسارہ ہے-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- سو ایمان یہاں پر مومن بہ کے معنٰی میں ہے۔ اور اس سے مراد ہیں اسلام کے شرائع و اَحکام۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ اور ان کے ساتھ کفر کا مطلب ہے ان کا انکار کرنا اور ان سے اِعراض و روگردانی برتنا-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - اور اس موقع پر اس کے ذکر سے اسلام کے احکامِ حلال وحرام کی عظمتِ شان اور اُن کی اہمیت وعظمت کو اجاگر فرمادیا گیا ہے۔ (محاسن وغیرہ)- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے ارشاد فرمودہ احکام کی تعمیل اور پابندی کی توفیق بخشے اور نفس وشیطان کی ہر شرارت وشرانگیزی سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین ثم آمین۔

۲۶ وضو میں غَسْلِ رِجْلَیْن کا حکم: -سو ارشاد فرمایا گیا اور دھویا کرو تم لوگ اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک۔ یعنی ﴿اَرْجُلَکُم﴾ کا عطف مغسول ﴿وُجُوْھَکُمْ﴾ پر ہے نہ کہ مجرور ﴿بِرُءُوْسِکُم﴾ پر۔ جیسا کہ شیعہ امامیہ کا کہنا ہے۔ اور اس کی بڑی دلیل سنتِ مطہرہ اور سلفِ صالحین کا قولی اور عملی اجماع وتواتر ہے۔ یعنی صحابہ کرام اور ان کے بعد تابعین وغیرہ سب کا-عَلَیْھِمُ الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَان- چنانچہ محقق ابنِ امیر الحاج لکھتے ہیں کہ تیس سے زیادہ صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کے وضو کو روایت کیا ہے۔ اور یہ سب اس پر متفق ہیں کہ آپؐ نے ہمیشہ پاؤں کو دھویا ہے مسح کا ذکر کسی ایک روایت میں بھی نہیں آیا۔ (تحریر الاصول بحوالہ معارف القرآن)۔ نیز یہاں پر ﴿اِلَی الْکَعْبَیْنِ﴾ کی تحدید وتقیید بھی اسی کا قرینہ ہے۔ کیونکہ یہ تقیید وضو ہی میں ہوسکتی ہے نہ کہ مسح میں۔ اور صحیح بخاری و مسلمؒ وغیرہ میں حضرتِ عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ ایک سفر میں جلدی کی وجہ سے ہم نے پاؤں کو دھونے کی بجائے ان پر مسح کرلیا تو اس پر آنحضرت -ﷺ- نے دو یا تین مرتبہ اِرشاد فرمایا- ''وَیْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّار''- (بخاری: کتاب الوضوء باب غسل الرجلین، ولایمسح علی القدمین، ومسلم کتاب الطہارۃ)۔ اور اس میں اور بھی صاف وصریح احادیث موجود ہیں۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، المراغی اور المعارف وغیرہ)

كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى

تم جنبی ہوا کرو تو اچھی طرح پاک ہو لیا کرو (غسل کر کے) اور اگر تم بیمار ہوؤ، یا کسی

سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ

سفر پر ہوا کرو، یا تم میں سے کوئی (فارغ ہو کر) آیا ہو جائے ضرورت سے، یا تم نے صحبت کی ہو ف۲۷

النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا

اپنی عورتوں سے، پھر تمہیں پانی نہ مل سکے، تو (ان تمام صورتوں میں) تم تیمم کر لیا کرو پاک مٹی سے،

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ

سو تم اس (پر ہاتھ مار کر اس) سے مسح کر لیا کرو اپنے چہروں، اور اپنے ہاتھوں کا، اللہ نہیں چاہتا

لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ

کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے، لیکن وہ یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کر دے ف۲۸ (ہر ناپاکی سے،)

وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاذْكُرُوْا

اور تم پر پورا کر دے اپنی نعمت کو، ف۲۹ تا کہ تم لوگ شکر ادا کرو، ف۳۰ اور یاد کرو تم

نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ

اللہ کے اس احسان کو جو اس نے فرمایا تم لوگوں پر ف۳۱ اور اس کے اس پختہ عہد (و پیمان) کو جو اس نے تم سے لیا ف۳۲

اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

جب کہ تم نے (اس کو قبول کرتے ہوئے) کہا تھا کہ ہم نے سنا، اور مانا، اور ہمیشہ ڈرتے رہا کرو تم لوگ اللہ سے، بے شک

عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اللہ خوب جانتا ہے سینوں میں چھپے بھیدوں کو ف۳۳ اے ایمان والو،

۲۷ ملامست سے مراد؟: --سو ارشاد فرمایا گیا یا تم لوگوں نے صحبت کی ہو اپنی عورتوں سے۔ یعنی "ملامست" سے یہاں پر مراد "مباشرت" ہے نہ کہ محض ہاتھ سے چھو لینا اور بس۔ یعنی اگر تم میں سے کسی نے عورت سے صحبت کی ہو جس سے اس کو غسل کی ضرورت پڑ گئی ہو اور پھر تم کو ضرورتِ غسل کو پورا کرنے کیلئے پانی میسر نہ آئے تو تم تیمم کر لو۔ بہر کیف یہاں پر ملامست سے مراد مباشرت اور جماع ہے۔ جیسا کہ حضرتِ عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔ اس لیے حضرات اہلِ علم اس کا مطلب عموماً اس طرح کے الفاظ سے بیان کرتے ہیں " ای جامعتموھن " (الصفوۃ، المدارک وغیرہ)

۲۸ احکامِ خداوندی کی تعمیل طہارت و پاکیزگی کا ذریعہ: --سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں کو پاک کر دے اپنے پاکیزہ احکام کے ذریعے، ظاہری میل کچیل سے بھی اور گناہوں کی باطنی اور معنوی میل سے بھی۔ جو کہ ظاہری اور حسی میل کچیل سے کہیں بڑھ کر مہلک اور خطرناک ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ -- سو اس کے اَوامر و اِرشادات کو اپنانے اور دل و جان سے اپنانے اور ان کو حرزِ جان بنانے میں خود تمہارا اپنا بھلا اور فائدہ ہے۔ دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی میں بھی اور آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی میں بھی۔ سو جو لوگ اس دینِ حنیف اور اس کی تعلیماتِ مقدسہ سے محروم ہیں وہ نورِ حق و ہدایت اور طہارت و پاکیزگی کی نعمتوں سے محروم اور طرح طرح کی انجاس و اقذار میں ملوث و مبتلا اور مہیب اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -- سو احکامِ خداوندی کی تعمیل انسان کے لیے طہارت و پاکیزگی۔ سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اور اس کے نتیجے میں مومنِ صادق ایک پاکیزہ انسان بن جاتا ہے۔ اور اس طرح وہ ایک پاکیزہ اور مبارک و مسعود وجود بن جاتا ہے۔ اور یہ شان احکامِ خداوندی کے سوا اور کسی کی نہ ہے نہ ہو سکتی ہے۔ -- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید وھو الہادی الیٰ سواء السبیل۔

۲۹ اِتمامِ نعمت کی عنایت کا ذکر و بیان: --سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں کو پاک کر دے اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دے۔ سو وہ تم لوگوں پر اپنی نعمت کا اِتمام اور اُس کی تکمیل کرنا چاہتا ہے۔ اپنے اَحکام و شرائع کے بیان سے۔ تاکہ تم جسمانی اور روحانی دونوں طہارتوں اور پاکیزگیوں سے بہرہ ور ہو سکو کہ انسان روح اور جسم دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ نماز سے روح اور باطن کی پاکیزگی کا سامان ہوتا ہے کہ یہ وہ عظیم الشان عبادت ہے جو انسان کو بے حیائی اور برائی سے روکتی اور محفوظ رکھتی ہے۔ اور نمازی کو یہ انقلاب آفریں درس دیتی ہے کہ وہ ہر وقت اللہ پاک کی نگرانی میں اور اسکے سامنے ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اور اس عظیم الشان عبادت کے ذریعے اس کے قلب و باطن کی تقویت کا سامان ہوتا رہتا ہے۔ بہر کیف نعمتوں سے یہاں پر مراد نعمتِ اسلام ہے۔ (روح، ابو السعود وغیرہ)۔ سو دینِ حنیف کے اَحکام و اِرشادات تمہارے ہی بھلے کے لیے ہیں کہ ان کی تعمیل اور پابندی میں تمہارے لیے دارَین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا سامان ہے۔ -- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید۔

۳۰ شکرِ نعمت ایک اہم نعمت: --سو ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ تم لوگ شکر ادا کرو اس وہابِ مطلق، خداوندِ قدوس وحدہٗ لاشریک کا جس نے تم کو ایسی ایسی عظیم الشان نعمتوں سے نوازا ہے۔ اور اس طرح اس کا شکر ادا کر کے تم لوگ خود اپنے لئے دارَین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کر سکو کہ شکرِ نعمت دوامِ نعمت اور اس میں خیر و برکت کا ذریعہ بنتا ہے۔ سو شکرِ نعمت ایک عظیم الشان نعمت ہے جس سے انسان آگے طرح طرح کی نعمتوں سے سرفراز ہوتا ہے۔ شکرِ نعمت سے نعمت خیر بن جاتی

ہے۔ جبکہ ناشکری سے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - نعمت وبال اور عذاب جان بن جاتی ہے۔ اور اللہ پاک کی بے حد وحساب نعمتوں میں سب سے بڑی اور سب سے اہم نعمت دین و ایمان کی نعمت ہی ہے جس سے انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی نصیب ہوتی ہے۔ پس تم لوگ دل و جان سے اس کی قدر کرو اور اس کی تعلیمات و ہدایات کو اپناؤ تاکہ خود تمہارا بھلا ہو۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وعلٰی ما یحب ویرید وھو الھادی الٰی سواء السبیل - سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالٰی -

۱۶۱ تذکیرِ نعمت برائے شکرِ نعمت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یاد کرو تم لوگ اللہ کے اس احسان کو جو اس نے تم پر فرمایا کہ اس نے تمہیں جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام کی عظیم الشان روشنی سے بہرہ ور فرمایا اور توحید کے کلمۂ حق پر جمع کر کے تم سب کو ایک جسم و جاں بنا دیا۔ سو اس عظیم الشان نعمت کا تقاضا ہے کہ تم لوگ دل و جان سے اپنے خالق و مالک کا شکر ادا کرو اور اسکی تعلیمات کو دل و جان سے اپنا کر اپنے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کرو۔ وباللہ التوفیق۔ لیکن شکر گزاری کی توفیق کم ہی لوگوں کو ملتی ہے۔ جیسا کہ سورۂ سبا میں ارشاد فرمایا گیا ﴿وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ﴾ (سبا: ۱۳) - جَعَلَنَا اللّٰہُ مِنْ ھٰٓؤُلَآءِ الْقَلِیْلَ - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ یاد کرو تم لوگ اللہ تعالیٰ کے اس انعام واحسان کو جو اس نے تم پر فرمایا کہ تم لوگوں کو دین و ایمان کی اس عظیم الشان نعمت سے نوازا۔ اور تم کو راہِ حق و ہدایت پر ڈال کر سچی اور حقیقی عزت و عظمت سے سرفراز فرمایا۔ سو تم لوگ اللہ تعالیٰ کے اس عظیم الشان احسان کو یاد کرو تاکہ اس کا شکر ادا کر سکو۔ سو اس میں تذکیرِ نعمت برائے شکرِ نعمت کا درس ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلٰی ما یحب و یرید۔

۱۶۲ میثاق خداوندی کی تذکیر و یاد دہانی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ یاد کرو اللہ تعالیٰ کے اس پختہ عہد و میثاق کو جو اس نے تم لوگوں سے لیا۔ یعنی وہ عہد جو کہ تم نے اس کے رسول کے ہاتھ پر عُسر و یسر کی ہر حالت میں سمع و طاعت کی بیعت کے ذریعے کیا تھا بیعتِ عقبہ کے موقع پر۔ یا بیعتِ رضوان کے موقع پر۔ اور بعض نے اس سے عہد الست کا میثاق مراد لیا ہے۔ (محاسن التاویل، مدارک التنزیل اور جامع البیان وغیرہ)۔ سو میثاق کے لفظ کا عموم ان سب ہی عہود و مواثیق کو شامل ہے لیکن ظاہر اور متبادر اس کا پہلا مفہوم و مصداق ہی ہے۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ۔ سو اللہ سے کیے ہوئے اپنے اس پختہ عہد کو یاد کرو اور اس کے تقاضے پورے کرو کہ یہ اس کے حقِ بندگی کا بھی تقاضا ہے اور عقل و نقل کا بھی۔ اور اللہ سے ڈرو اور اس کی معصیت و نافرمانی سے بچو کہ یہ اس کا تم لوگوں پر حق بھی ہے اور اس میں خود تمہارا اپنا بھلا بھی ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ -

۱۶۳ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ و ذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ خوب جانتا ہے سینوں کے اندر کے بھیدوں کو۔ پس اس سے تمہاری کوئی بھی حالت مخفی و مستور نہیں رہ سکتی۔ اس لئے اس کے ساتھ اپنے دلوں اور اپنی نیتوں کا معاملہ ہمیشہ صحیح رکھو۔ وباللہ التوفیق۔ سو اس سے اہلِ بدعت کے اس مشرکانہ مغالطے اور شرکیہ قیاس آرائی کی جڑ نکل جاتی ہے جو وہ لوگ اس طرح بگھارتے ہیں کہ جب تم کسی دنیاوی بادشاہ سے از خود نہیں مل سکتے، اور اگر وہاں پہنچ بھی جاؤ تو تمہاری کوئی شنوائی نہیں ہو سکتی، جب تک کہ تم کوئی واسطہ اور وسیلہ نہ پکڑو۔ ایسے ہی تم اللہ تک بلاواسطہ نہیں پہنچ سکتے۔ سو ایسے لوگوں کا یہ قیاس باطل اور سراسر بے بنیاد ہے۔ بھلا جو اللہ دلوں کے بھیدوں کو بھی جانتا اور پوری طرح جانتا ہے تو اسکو دنیاوی بادشاہوں اور حکمرانوں پر قیاس کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟۔ سو اپنی نیتوں، ارادوں اور دلوں کے معاملے کو بھی اس کے ساتھ درست رکھو۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلٰی ما یحب و یرید۔

كُونُوا قَوّٰمِينَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

ہو جاؤ تم قائم کرنے والے انصاف کو، اللہ (کی رضا) کے لئے گواہ بن کر (حق و انصاف کے،) اور (خبر دار ابھارنے اور اکسانے)

شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ

نہ پائے تم لوگوں کو کسی قوم کی دشمنی اس بات پر کہ تم لوگ انصاف چھوڑ دو ف۳۴ تم انصاف کرتے رہو کہ وہ بہرحال زیادہ قریب

لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾

ہے تقوٰی (و پرہیزگاری) کے، اور ہمیشہ ڈرتے رہا کرو تم لوگ اللہ سے، بے شک اللہ پوری طرح باخبر ہے ان تمام کاموں

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ

سے جو تم لوگ کرتے ہو، وعدہ فرما دیا اللہ نے ان لوگوں سے جو (صدق دل سے) ایمان لائے، اور انہوں نے کام بھی نیک کئے،

مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٩﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا

کہ ان کے لئے عظیم الشان بخشش بھی ہے، اور بہت بڑا اجر بھی ف۳۵ اور (اس کے برعکس) جن لوگوں نے کفر کیا اور انہوں

بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو، وہ ساتھی ہیں دوزخ کے، اے وہ لوگو،

اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ

جو ایمان لائے ہو، یاد کرو تم اللہ کے اس احسان کو جو اس نے تم پر فرمایا، جب کہ پکا ارادہ کر لیا تھا، ایک قوم نے

اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ

تم پر دست درازی کا، تو اس نے روک دیا ان کے ہاتھوں کو تم لوگوں سے (اپنی حکمت وعنایت سے،) ف۳۶

۳۴ عدل و انصاف کی اہمیت اور اسکی تاکید و تلقین: — سو اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ خبردار تم لوگوں کو ابھارنے اکسانے نہ پائے کسی قوم کی دشمنی اس بات پر کہ تم انصاف چھوڑ دو کہ تمہارا کام اور تمہاری شان تو بہرحال انصاف کرنا ہی ہے — سبحان اللہ! — کیسا عظیم ہے یہ دین اور کیسی عمدہ اور پاکیزہ ہیں اس کی یہ تعلیمات کہ دشمن، اور وہ بھی وہ دشمن جس نے تم سے زیادتی اور بے انصافی بھی کی ہو اس سے بھی بے انصافی کرنا تمہارے لئے روا

نہیں۔ اور جو دین، دشمنوں کے ساتھ بھی بے انصافی روا نہ رکھتا ہو بلکہ وہاں بھی عدل و انصاف ہی کی تعلیم دیتا ہو اس کے نزدیک اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ عدل وانصاف کے برتاؤ کی تاکید کس قدر ہوگی اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔ مگر افسوس کہ آج مسلمان اپنے دین کی ان عظیم اور مقدس تعلیمات سے غافل، ظلم و بربریت کی طرح طرح کی ہولناک وادیوں میں بھٹکتا پھر رہا ہے۔ وَالعِیاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بہرکیف اس سے خبردار فرمایا گیا کہ کسی قوم کی دشمنی تم لوگوں کو بے انصافی پر اکسانے نہ پائے۔ بلکہ تم لوگ ہمیشہ حق کے گواہ اور عدل وانصاف کے علمبردار و پاسدار بن کر رہو۔ یہی تمہارے ایمان ویقین کا تقاضا ہے اور اسی میں تمہارے لیے خیر اور بھلائی ہے دنیا وآخرت میں۔ وباللہ التوفیق۔

۲۵ ایمان والوں کیلئے بہت بڑے اجر کا وعدہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرما رکھا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی نیک کیے کہ ان کے لیے عظیم الشان بخشش بھی ہے اور بہت بڑا اجر بھی اور وہ اجر اتنا بڑا اور اس قدر عظیم الشان ہوگا کہ اس کی عظمتوں کا تصور کرنا بھی کسی کے بس میں نہیں۔ جعلنا اللہ من اہلہ بمحض منہ وکرمہ وہو ارحم الراحمین سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو ایمانِ صادق اور عملِ صالح کی برکت سے ان کے گناہوں کی بخشش بھی فرما دی جائے گی اور ان کو اجرِ عظیم سے بھی نوازا جائے گا جو جنت کی بے مثال اور سدا بہار نعمتوں کی شکل میں ان کو نصیب ہوگا۔ اَللّٰھُمَّ شَرِّفْنَا بِھَا بِمَحْضِ مَنِّکَ وَکَرَمِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۔ سو ایمان ویقین کی دولت اور عملِ صالح کا سرمایہ دارَین کی سعادت وسرخروئی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ صدقِ دل سے ایمان لائیں گے اور اس کے مطابق وہ نیک عمل بھی کریں گے ان کے لئے بڑی بخشش کا بھی وعدہ ہے اور عظیم الشان اَجر و ثواب کا بھی۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وَعَلٰی مَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ۔

۲۶ ایمان وسیلۂ اَمن و اَمان: ۔ سو ایمان والوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ یاد کرو اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو جو اس نے اس وقت تم لوگوں پر فرمایا جبکہ ایک قوم نے تم پر دست درازی کی ٹھان لی تھی۔ تو اس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک لیا تھا۔ اور اس نے اپنے کرم سے تم کو ان لوگوں کے شر سے بچا لیا۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ ایمان والوں کو ان کے صدقِ ایمان کی برکت سے اللہ پاک اس دنیا میں بھی شرور وفتن سے بچاتا اور ان کی حفاظت فرماتا ہے ۔سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی ۔فَلَہُ الْحَمْدُ وَلَہُ الشُّکْرُ۔ سو ایمان وسیلۂ امن وامان ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت کے اُس اَبدی جہان میں بھی۔ اور اس سے محرومی۔ والعیاذ باللہ۔ دارَین کی محرومی ہے۔ روایات کے مطابق آنحضرت ۔ ﷺ ۔ اور حضراتِ صحابہ کرام کی ایک جماعت ایک موقع پر میدانِ جنگ میں موجود تھے۔ تو سب نے نماز میدانِ جنگ ہی میں ادا کی۔ اس پر کفار کو بعد میں بڑا افسوس ہوا کہ ہم نے بڑی غلطی کی جو مسلمانوں پر بحالتِ نماز میں حملہ نہیں کیا۔ ورنہ یکبارگی حملہ کر کے ہم ان کا صفایا کر دیتے۔ پھر کہا کہ اچھا کوئی بات نہیں کہ ابھی ان پر عصر کی نماز کا وقت آنے والا ہے جو ان کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ پیاری ہے۔ تو اس وقت ایسا کریں گے۔ تو اس سے پہلے نمازِ خوف کا حکم نازل ہو گیا جس سے دشمنوں کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ تو اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ میرے اس احسان کو یاد کرو کہ جب ایک قوم نے تم کو نیست ونابود کر دینے کا ارادہ کیا تو اللہ نے تم کو ان سے بچا لیا۔ سو بچانے والا سب کو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس کی امان اور حفاظت سے سرفرازی کا ذریعہ ایمان ہے۔ سو ایمان وسیلۂ امن وامان ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١١﴾ ع

اور تم ہمیشہ ڈرتے رہا کرو اللہ سے، اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے ایمان والوں کو ف۳۷

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا

اور بلاشبہ اللہ نے پختہ عہد لیا بنی اسرائیل سے، (جس کا ذکر آگے آرہا ہے) اور ہم نے مقرر کیے (ان کی نگرانی و دیکھ بھال

مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ

کے لئے) انہی میں سے بارہ سردار، اور (مزید یہ کہ) اللہ نے فرمایا کہ یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں ف۳۸

لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ

(اور اس عہد کا خلاصہ یہ تھا کہ) اگر تم نے قائم رکھا نماز کو، اور تم ادا کرتے رہے زکوٰۃ، اور تم (صدقِ دل سے)

بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

ایمان لائے میرے رسولوں پر، اور تم نے مدد کی ان کی (راہِ حق میں) اور تم نے قرض دیا اللہ کو ف۳۹

لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ

تو میں ضرور مٹادوں گا تم سے تمہاری برائیاں، اور تمہیں داخل کردوں گا ایسی عظیم الشان جنتوں میں،

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ

جن کے نیچے سے بہہ رہی ہوں گی طرح طرح کی (عظیم الشان) نہریں، پھر جس نے کفر کیا اس کے بعد

مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ﴿١٢﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ

تو یقیناً وہ بھٹک گیا سیدھی راہ سے، ف۴۰ پس بوجہ توڑ دینے کے ان لوگوں کے

۳۷ اللہ پر بھروسہ ایمان کا تقاضا: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا اور حصر و تاکید کے اسلوب میں واضح فرما دیا گیا کہ ایمان والوں کا بھروسہ ہمیشہ اللہ پاک ہی پر ہونا چاہیئے کہ ان کے ایمان و یقین کا تقاضا یہی ہے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں بھروسہ اسی وحدہٗ لاشریک پر رکھیں کہ اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور سب کا حاجت روا و مشکل کشا اور مدد کرنے والا وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور اس کی مدد کے ساتھ اور کسی کی مدد کی ضرورت ہی نہیں۔ اسی لیے

یہاں پر حصر کے ساتھ فرمایا جا رہا ہے کہ ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ مگر افسوس کہ آج کے مسلمان کا حال اس کے برعکس یہ ہے کہ وہ درختوں، پتھروں، دھاگوں اور ان ملنگوں وغیرہ پر بھروسہ رکھتا ہے جنکی نہ کوئی حقیقت ہے نہ حیثیت اور نہ کوئی اصل نہ بنیاد۔ محض اوہام پرستی کی بناء پر وہ ان پر تکیہ کیے ہوئے ہے اور اُس خالق و مالک سے منہ موڑے ہوئے ہے جو کہ مالکِ مطلق اور مختارِ کل ہے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ جو کوئی حق وحقیقت کی دعوت دے اور اِن کو اَوہام وخرافات سے نکال کر راہِ حق و ہدایت کی طرف لانا چاہے یہ اسکی بات ماننے کی بجائے الٹا اسکے درپے آزار ہو جاتا ہے۔ والعیاذُ باللہ والَی اللہِ المُشتکٰی جلَّ وَعَلا۔ بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ بھروسہ ہمیشہ اللہ ہی پر کیا جائے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۷۸ اللہ تعالیٰ کی معیت کی تذکیر و یاددہانی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے ان سے فرمایا کہ یقیناً میں تم لوگوں کے ساتھ ہوں اپنے علم وقدرت اور اپنی مدد ونصرت کے اعتبار سے۔ سو اپنے علم وقدرت کے اعتبار سے تو اللہ سب کے ساتھ ہے پس اس کے باوجود اس سے منہ موڑنا اور اسکے سوا اوروں کی طرف جھکنا اور جھانکنا کس قدر ظلم اور بے انصافی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ یہ تو اس کی معیتِ عامہ ہے جو سب کے لئے عام ہے۔ جبکہ اس کی دوسری معیت معیتِ خاصہ ہے۔ جو اس کے خاص بندوں کے لئے ہے۔ اور جو عبارت ہے اُس کی نصرت و امداد سے۔ سو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ اور اُن کے اندر بارہ نقیب مقرر فرمائے اور اُن سے اِرشاد فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نے میرے عہد کی پابندی کی۔ کہ میری مہربانی اور شفقت تمہارے شاملِ حال رہیگی اور میری عنایت تمہیں حاصل رہے گی۔

۱۷۹ اللہ کو قرض دینے کا مطلب؟:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگوں نے اللہ کو قرض دیا اچھا قرض یعنی یہ کہ تم لوگ نیکی کی راہوں میں اس کی رضا کے لئے اِخلاص اور نیک نیتی سے خرچ کرتے رہے۔ سو اللہ پاک کی رضا و خوشنودی کیلئے مال خرچ کرنا اسکو قرض دینا ہے۔ یعنی جس طرح کہ انسان کو اپنا دیا ہوا قرض ضرور واپس ملتا ہے اسی طرح اللہ پاک کے نام پر اور اسکی رضا کیلئے دیا ہوا انسان کو ضرور واپس ملے گا۔ اور ایسا کہ اصل سے کئی گنا زیادہ اور بڑھا کر ملے گا۔ کہ یہ بدلہ اُس ذاتِ اکرم واعلیٰ کی طرف سے ملے گا جس کے کرم اور اسکی عنایت کی کوئی حد و انتہاء نہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو قرضِ حسن سے مراد وہ نفلی صدقہ وخیرات اور اِنفاق فی سبیل اللہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضاء وخوشنودی کے لئے کیا جائے۔ وباللہِ التَّوفیق لما یُحِبُّ وَ یُرِیْدُ۔

۱۸۰ کفر واِنکار باعثِ محرومی و ہلاکت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس نے کفر کیا اس کے بعد تو وہ یقیناً بھٹک گیا سیدھی راہ سے۔ اور سیدھی راہ سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور یہی چیز موجب اور باعث ہے سب خرابیوں اور ہلاکتوں کی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو سیدھی راہ سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے کہ سیدھی راہ سے بہرہ مندی و سرفرازی پر دنیا و آخرت کی سعادت و سرخروئی موقوف ہے۔ اور اس سے محرومی کے بعد انسان حیوانِ لایعقل بلکہ "شَرُّ الْبَرِیَّہ" بن جاتا ہے اور وہ اِنسانی شرف اور اعلیٰ اقدار سے محروم ہو کر ہلاکت وتباہی کے نہایت ہولناک گڑھے میں جا گرتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو کفر وانکار باعثِ محرومی و ہلاکت ہے۔ والعیاذ باللہ۔

مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ

اپنے عہد (و پیمان) کو، ہم نے لعنت کردی ان پر، اور سخت کر دیا ان کے دلوں کو، ۴۱

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا

(اب ان کا حال یہ ہے کہ) وہ بدل دیتے ہیں کلام الٰہی کو اس کے اصل مواقع سے ۴۲ اور انہوں نے بھلا دیا ایک بڑا حصہ اس نصیحت کا

۴۱ قسوتِ قلب محرومیوں کی محرومی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ بوجہ ان لوگوں کے توڑ دینے کے اپنے عہد و پیمان کو ہم نے ان پر لعنت کر دی اور سخت کر دیا ان کے دلوں کو، جس کے باعث حق و صداقت کی کوئی بات ان میں اثر نہیں کرتی۔ اور یہی حال آج کے نام نہاد اسلامی فرقوں کا ہے۔ خواہ وہ غالی شیعہ ہوں یا قادیانی۔ بوہری ہوں یا آغا خانی۔ پرویزی ہوں یا قبر پرست وغیرہ وغیرہ۔ کہ ان کو بھی حق و ہدایت کی صاف اور سیدھی بات نہ سمجھ آتی ہے نہ ان کے دلوں میں اترتی ہے۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہ۔ سو یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قساوتِ قلب۔ دلوں کی سختی۔ اللہ پاک کی طرف سے بہت بڑی پھٹکار، ایک نقد سزا اور سخت مار ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ جس سے انسان اندھا اور اوندھا بن کر رہ جاتا ہے۔ اور اسکی مت ایسی ماردی جاتی ہے کہ اسکو نہ حق و حقیقت کی بات سمجھ آتی ہے اور نہ حق کی طرف رجوع کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ سو قسوتِ قلوب محرومیوں کی محرومی ہے۔ اور اس کی بناء پر انسان دولتِ حق وہدایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔

۴۲ تحریف کی تین صورتیں: سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ اللہ کے کلام کو بدل دیتے ہیں اس کے اصل مواقع سے۔ کبھی لفظ بدل کر، کبھی معنیٰ بدل کر اور کبھی مراد بدل کر۔ افسوس کہ اس یہودی بیماری کے جراثیم آج اس امت میں بھی موجود ہیں جن کے اثرات جگہ جگہ اور طرح طرح سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ آخر جو لوگ۔ ﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾۔ میں ﴿اِنَّمَا﴾ کے کلمہ ''مَا'' کو نافیہ قرار دیکر اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ بے شک میں تم جیسا بشر نہیں ہوں تو ان کی اور اس یہودی تحریف میں کیا فرق رہ جاتا ہے جو وہ لوگ اللہ کی کتاب میں کرتے ہیں؟۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو تحریف کی یہ تین صورتیں ہیں۔ اور یہ تینوں ہی ممنوع و محظور ہیں۔ یعنی تحریفِ لفظی، معنوی اور مرادی کہ اس میں سے ہر قسم ایک سنگین جرم ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اور راہِ حق و صواب یہی ہے کہ خداوندِ قدوس کے کلام پاک کے الفاظ وکلمات کی بھی پوری حفاظت کی جائے اور ان کے معانی و مطالب کی بھی۔ اور اُن کے معانی و مطالب کی تعیین کے سلسلے میں بھی اسی راہ کو اپنایا جائے جو اللہ کے رسول سے ثابت ہو اور جو سلف کی تعلیمات و تشریحات کے مطابق نقلِ صحیح کے ساتھ خلف تک پہنچے۔ وَبِاللّٰہِ التوفیق لما یُحِبُّ ویُرِیْدُ وھو الھادی اِلٰی سواء السَّبِیْل۔ بہرکیف یہودِ بے بہبود کے بارے میں فرمایا گیا کہ یہ لوگ کلامِ الٰہی بدل دیتے ہیں ان کے اصل مواقع سے۔

ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ

جو ان کو کی گئی تھی ۴۳، اور تم ہمیشہ مطلع ہوتے رہو گے ان کی کسی نہ کسی خیانت (و بددیانتی) پر، ۴۴

اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

بجز ان میں کے معدودے چند لوگوں کے، پس معاف کر دو تم ان کو اور درگزر ہی سے کام لو ان کے بارہ میں، بے شک اللہ محبت رکھتا

۴۳ ذکر و نصیحت خداوندی کو بھلا دینا محرومیوں کی محرومی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے بھلا دیا ایک بڑا حصہ اس نصیحت کا جو ان کو کی گئی تھی۔ یہاں تک کہ جب بخت نصر نے حملہ کر کے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تو اُن کی اصل کتاب ہی ناپید ہو گئی۔ اور اس کے ایک زمانہ بعد انہوں نے اپنی زبانی کلامی یادداشتوں اور سنی سنائی روایتوں کی بنیاد پر اپنی الہامی اور آسمانی کتاب کی جگہ موجودہ بائبل کو از خود مرتب کیا۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ اور پھر اس میں بھی اپنی خواہش و مرضی کے مطابق جو چاہا ادل بدل اور ہیر پھیر کر دیا۔ تو پھر ہدایت اور نصیحتِ خداوندی کی دولت ان کو میسر آئے تو کہاں سے اور کیسے؟- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- اور اس طرح یہ لوگ وحیِ خداوندی کے نور سے محروم ہو کر اندھیروں میں ڈوب گئے۔ سو ذکر و نصیحت کو بھلا دینا محرومیوں کی محرومی ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- بہرکیف اِس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ یہود کو ان کی بہتری اور بھلائی کے لئے جو نصیحتیں کی گئی تھیں اپنی نفسانی اَغراض اور ذاتی خواہشات وغیرہ کی بناء پر ان نصیحتوں کے ایک بڑے حصے کو انہوں نے بھلا دیا۔ اور اس طرح انہوں نے اپنے آپ کو راہِ حق و صواب سے محروم کر کے ہلاکت اور خسارے کی راہ پر ڈال دیا۔ سو اس طرح امتِ مسلمہ کو خبردار فرما دیا گیا کہ کہیں تم اس روش کو اپنا کر اپنے لئے محرومی کا سامان نہ کر لینا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- بلکہ ذکر و نصیحتِ خداوندی کو ہمیشہ اپنی نگاہوں کے سامنے رکھنا- وباللہ التوفیق-

۴۴ خیانت و بددیانتی یہود کی موروثی خصلت اور انکی طبیعتِ ثانیہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم ہمیشہ مطلع ہوتے رہو گے ان کی کسی نہ کسی خیانت اور بددیانتی پر، کہ ان کا کام ہی خیانت اور بددیانتی ہے۔ ﴿خَائِنَة﴾ "خیانت" کے معنٰی میں ہے۔ جیسا کہ "خَاطِئَة"، "خَطِيْئَة" کے معنٰی میں۔ تو جوں جوں یہ لوگ خیانت اور بددیانتی کرتے جائیں گے آپ کو- اے پیغمبر!- اس کی اطلاع ہوتی رہے گی کہ خیانت ان کی گویا گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ اور یہ ان کی موروثی خصلت ہے جو کہ ان کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی ہے۔ پس نہ تو ان پر کُلی طور پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کی نیش زن اور خیانت پسند طبیعت سے غفلت اور بے احتیاطی برتنا درست ہو سکتا ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- سو اس بدعہد قوم کی خیانت اور بددیانتی کی یہ خوخصلت اور عادت ہمیشہ رہی اور اسکے مظاہر تاریخ کے ہر دور میں مختلف صورتوں میں برابر سامنے آتے رہے۔ اور آج بھی فلسطین کی ارضِ مغصوبہ میں انکی اس عہد شکنی اور دھوکہ دہی کے مناظر دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے۔ اور دن رات لگاتار اور برابر دیکھ رہی ہے۔ تو پھر ایسوں کے کسی عہد و پیمان پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣﴾ وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى

ہے احسان کرنے والوں سے، اور ہم نے ان لوگوں سے بھی عہد لیا ۴۵ جو (کہ نصرت دین کے دعوے سے) کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں

أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۖ فَأَغْرَيْنَا

مگر انہوں نے بھی بھلا دیا ایک بڑا حصہ اس نصیحت کا جو ان کو کی گئی تھی، پھر ڈال دی ہم نے

بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ وَسَوْفَ

ان کے درمیان دشمنی (کی آگ،) اور بیر (کی نحوست،) قیامت کے دن تک، ۴۶ اور آخر کار

يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿١٤﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ

اللہ ان کو بتا دے گا وہ سب کچھ جو یہ لوگ کرتے رہے تھے۔ اے کتاب والو!

قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ

بے شک تشریف لا چکے تمہارے پاس ہمارے (یہ آخری) رسول، جو کھول کر بیان کرتے ہیں (خود تمہاری) کتاب کی

تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَاءَكُم

بہت سی ان باتوں کو جن کو کہ تم لوگ چھپاتے تھے ۴۷ اور وہ درگزر سے کام لیتے ہیں بہت سی باتوں کے بارہ میں ۴۸ بے شک

مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ

آ گئی تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک عظیم الشان روشنی ۴۹ یعنی کھول کر بیان کرنے والی ایک عظیم الشان کتاب، جس کے

مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم

ذریعے اللہ سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے ہر اس شخص کو جو پیروی کرتا ہو، اس کی رضا (وخوشنودی کی باتوں) کی، اور ایسوں کو

مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ

وہ نکال باہر لاتا ہے، اندھیروں سے روشنی کی طرف، اپنے اذن (وحکم) سے، اور وہ ان کی راہنمائی فرماتا ہے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ

سیدھی راہ کی طرف، ف ۵۰ یقیناً کافر ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ

۴۵ نصاریٰ کے عہد کا ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان لوگوں سے بھی عہد لیا جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ سو ان سے اس بات کا عہد لیا گیا کہ تم نے عبادت و بندگی صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی کرنی ہے۔ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں ٹھہرانا کہ اس کا کوئی شریک وسہیم ہے ہی نہیں- سبحانہٗ وتعالیٰ- اور یہ کہ جو دین و شریعت حضرت محمد ﷺ- لے کر آئے ہیں اس کی حفاظت و پابندی کرنا تم پر لازم ہے۔ (محاسن التادیل للعلامۃ الشامی القاسمیؒ)۔ اور یہی تقاضا ہے عقل ونقل اور فطرتِ سلیمہ کا کہ حضرتِ خاتم الانبیاء علیہ السلام کی بعثت وتشریف آوری کے بعد تمام سابقہ ادیان منسوخ ہو گئے۔ اور اب نجات کی راہ صرف دینِ حق اسلام سے وابستگی ہی میں منحصر ہے۔ لہٰذا اب اس دینِ حق کو صدقِ دل سے قبول کرنا اور اس کی تعلیماتِ مقدسہ کو حرزِ جان بنانا ہی عقل ونقل کا تقاضا اور سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ ہم نے نصاریٰ سے بھی عہد لیا کہ وہ حق اور اہلِ حق کی نصرت و اِمداد کریں مگر انہوں نے اپنی بدبختی اور فسادِ نیت کی بناء پر اس نصیحت کے ایک بڑے حصے کو فراموش کر دیا جس کی تلقین وتاکید ان کو کی گئی تھی۔ اور اس طرح انہوں نے سعادت وسرخروئی کی راہ کو چھوڑ کر ہلاکت وبدبختی کی راہ کو اپنایا جو کہ خساروں کا خسارہ ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ-

۴۶ دینِ حق سے اِنحراف و اِعراض کا نتیجہ تشتّت و انتشار:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ دینِ حق سے اعراض و انحراف کا نتیجہ و انجام تشتت و انتشار ہے کہ ملت کی شیرازہ بندی کا ذریعہ اللہ کی کتاب اور اس کا دینِ حق ہی تھا۔ اور اس کو انہوں نے ضائع کر دیا۔ اب ان کے لئے صحت وسلامتی کا واحد راستہ یہ تھا کہ وہ اپنی کتاب کی پیشینگوئیوں کے مطابق نبی آخرالزمان پر ایمان لاتے اور ان کے لائے ہوئے دینِ حق کو دل و جان سے قبول کر لیتے۔ مگر انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔ جس کے نتیجے میں یہ لوگ حق و ہدایت کی روشنی سے محروم ہو کر طرح طرح کی گمراہیوں کے اندھیروں میں ڈوب گئے۔ اور یہ ہوٰی وہوس اور خواہشاتِ نفس کے پیچھے لگ گئے۔ اور ان ہی کے بندے اور غلام بن کر رہ گئے۔ پھر اَہواء و اَغراض اور مصالح و آراء کے تصادم اور ٹکراؤ سے یہ لوگ آپس میں باہم دست و گریبان ہو گئے۔ اور یہ اسی میں پڑے رہیں گے- والعیاذ باللہ- افسوس کہ آج کچھ یہی حال امتِ مسلمہ کا بھی ہو گیا ہے۔ یہ بھی آپس میں باہمی لڑائیوں، جھگڑوں، فتنہ وفساد اور جنگ و جدال میں مصروف ہے۔ ملک ملک آپس میں لڑ رہے ہیں۔ جماعتیں اور گروہ آپس میں برسرِ پیکار ہیں۔ قومیں اور قبیلے ایک دوسرے کی دشمنی اور بیخ کنی کے درپے ہیں۔ قتل وقتال کے بازار گرم ہیں۔ خونریزیاں ہو رہی ہیں۔ جگہ جگہ اور طرح طرح سے تصادم اور سر پھٹول کا دور دورہ ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- البتہ یہ فرق بہرحال موجود ہے کہ اہلِ کتاب نے تو اپنے دین کی سچی اور حقیقی تعلیمات ہی کو ضائع اور گم کر دیا مگر امتِ مسلمہ کے پاس اس کا دین کتاب وسنت کی مقدس اور پاکیزہ تعلیمات کی صورت میں- الحمد للہ- آج بھی جوں کا توں اور بغیر کسی کمی بیشی کے پورے کا پورا موجود ہے۔ اور بالکل ویسے ہی جیسا کہ حضرتِ حق- جل مجدہٗ- کی طرف سے آیا تھا۔ سو ایسی صورت میں ضرورت

صرف اس امر کی ہے کہ صدقِ دل سے اس کی طرف رجوع کیا جائے - اللہ توفیق بخشے اور تشتت و انتشار سے اس امت کو ہمیشہ کیلئے محفوظ رکھے - آمین ثم آمین یا رب العالمین - فَلا حَوْلَ وَلا قُوَّةَ اِلَّا بِه - سبحانہٗ وتعالیٰ -

۴۷ اہلِ کتاب کے جرم کتمان کی پردہ دری کا ذکر و بیان: - سو اہلِ کتاب کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ یقیناً آچکے ہیں تمہارے پاس ہمارے رسول جو کھول کر بیان کرتے ہیں خود تمہاری کتاب کی بہت سی ان باتوں کو جو تم لوگ چھپاتے تھے - سو اہلِ کتاب کے اخفا کردہ حقائق کو بیان کرنا نبی اکرم - صلی اللہ علیہ وسلم - کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے - مثلاً رجم کا حکم، عیسیٰ - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کی حضرت نبی آخر الزمان ﷺ سے متعلق بشارت اور دوسری پیشگوئیاں - (صفوۃ، محاسن، مراغی اور ابن کثیر وغیرہ) - سو یہ آنحضرت - ﷺ - کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے کہ آپؐ نے باوجود اس کے نہ کبھی تورات و انجیل کو کسی سے سیکھا پڑھا، ان کے ان مخفی گوشوں کو اس طرح بے نقاب کیا، جس کا ذریعہ وحی خداوندی کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا - سو آپؐ یقیناً اور قطعی طور پر نبی برحق ہیں - صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم - پس جو لوگ آپؐ پر اور آپ کے پیش کردہ دینِ حق پر ایمان لانے کے شرف سے محروم ہیں وہ نورِ حق و ہدایت سے قطعی طور پر محروم ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اہلِ کتاب اسی کتاب کی جن باتوں کو چھپاتے تھے حضرتِ خاتم الانبیاء - ﷺ - نے اپنی تشریف آوری کے بعد ان کو اجاگر کر کے حق کو پوری طرح واضح فرما دیا اور کھرا کھوٹا سب الگ کر دیا - جیسا کہ زنا کی سزا کے بارے میں آنحضرت - ﷺ - نے اصل حقیقت کو ان کے سامنے واضح فرما دیا - اور حضرتِ عبداللہ بن سلام نے جو کہ اہلِ کتاب کے بڑے عالم تھے اس کی تائید و تصدیق فرما دی وغیرہ وغیرہ - سو یہ آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کی صداقت وحقانیت کا ایک کھلا ثبوت ہے -

۴۸ دینِ حنیف کی سماحت کا ایک نمونہ و مثال: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ رسول عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں تمہاری بہت سی باتوں کے بارے میں - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ پیغمبران کے اخفا کردہ بہت سے حقائق کے بارے میں چشم پوشی اور درگزر سے کام لیتا ہے - جن کے ظاہر کرنے سے کوئی دینی غرض وابستہ نہیں کہ اصل مقصود تو بیانِ حق ہے نہ کہ محض تمہاری فضیحت و رسوائی - ورنہ تمہارے سب کرتوت اگر پورے کے پورے ظاہر کر دیئے جاتے تو تم لوگ منہ دکھانے کے نہ رہتے - سو یہ اس دینِ حنیف کا تم لوگوں پر کرم بالائے کرم ہے جس کی قدر کرنا اور نورِ حق و ہدایت کی طرف رجوع کرنا اور اس کو اپنانا عقل و فطرت کا تقاضا ہے - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ دین کی جن اہم باتوں کو تم لوگ چھپاتے اور مخفی رکھتے تھے دینِ حنیف نے ان کو ظاہر اور واضح فرما دیا - تاکہ دین کی جس روشنی سے دنیا محروم ہو گئی تھی وہ ان کو پھر نصیب ہو سکے - اور جن باتوں کے اظہار و اعلان کی ضرورت نہیں تھی، ان کے بارے میں اغماض اور چشم پوشی اختیار فرمائی - اور اس طرح اس دینِ حق نے تم پر اے اہلِ کتاب کرم بالائے کرم کا معاملہ فرمایا - فالحمد للہ جل وعلا -

۴۹ نور سے مراد کتابِ مبین: - یعنی قرآنِ حکیم، جس سے کفر و شرک، الحاد و بے دینی اور شکوک و شبہات کی تاریکیاں چھٹتی ہیں - سو آیت کریمہ میں وارد لفظِ نور سے مراد قرآنِ حکیم ہے - اور تنوین تعظیم کی ہے - یعنی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم الشان اور بے مثال روشنی آچکی ہے کہ یہ وہ عظیم الشان روشنی ہے جس کے سامنے چاند سورج تک کی دوسری تمام حسی اور ظاہری روشنیاں ہیچ ہیں - اور "کتابِ مبین" اسی کا بیان اور اسکی تشریح ہے - یعنی یہ

عطف عطفِ تفسیری ہے۔ اور نور سے مراد آنحضرت - علیہ السلام - کی ذاتِ اقدس بھی لی جا سکتی ہے کہ آج دنیا جہاں میں رُشد و ہدایت اور ایمان و یقین کی معنوی روشنی جہاں کہیں بھی موجود ہے وہ دراصل آپؐ ہی کے باعث ہے۔صلی اللہ علیہ وسلم - مگر سیاق و سباق کے اعتبار سے اور راجح قول و احتمال کے مطابق یہاں پر نور سے قرآنِ حکیم ہی مراد ہے۔ ایک تو اس لئے کہ بعض دوسری آیات میں بھی نور سے مراد قطعی طور پر قرآنِ حکیم ہی ہے۔ وہاں کوئی دوسرا احتمال ہو ہی نہیں سکتا مثلاً - ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا﴾ - (النساء: ۱۷۴) - ﴿وَاتَّبَعُوْا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَه﴾ - (الاعراف: ۱۵۷) - ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا﴾ - (التغابن: ۸) وغیرہ۔ سو ان آیاتِ کریمہ میں جب قطعی طور پر نور سے مراد قرآنِ مجید ہی ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ آیتِ زیرِ بحث میں بھی نور سے مراد قرآنِ پاک ہی ہوگا - فَاِنَّ الْقُرْآنَ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا - یعنی قرآن اپنی تفسیر خود کرتا ہے۔ دوسرا قرینہ اس بات کا کہ سورۂ مائدہ کی اس آیتِ کریمہ میں واردلفظِ نور سے مراد قرآنِ کریم ہی ہے یہ ہے کہ رسول کا ذکر تو اسی آیتِ کریمہ کے شروع میں صراحت کے ساتھ آ چکا ہے۔ اس لئے یہاں نور سے مراد پیغمبر کی بجائے قرآن ہی لینا درست اور بہتر ہے۔ تاکہ تکرار نہ ہو۔ اور تیسرا قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد ﴿يهدى به﴾ میں ضمیرِ مجرورِ متصل مفرد کی لائی گئی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ نور اور کتابِ مبین کا مصداق ایک ہی ہے۔ یعنی قرآنِ حکیم۔ اور یہ عطف عطفِ تفسیری ہے۔ ورنہ اگر اس کے دو الگ الگ مصداق ہوتے تو ضمیر مفرد کی بجائے تثنیہ کی ہوتی یعنی "يَهْدِىْ بِهِمَا" نہ کہ "بِهٖ" مفرد کی۔ سو ان تینوں قرینوں سے یہ بات صاف اور واضح ہو جاتی ہے کہ سورۂ مائدہ کی اس آیتِ کریمہ میں وارد لفظِ نور سے مراد قرآنِ حکیم ہی ہے۔ یہی حق وصدق ہے اور یہی تقاضا ہے دوسری مختلف نصوص کریمہ کا - والحمدُ للّٰه الذی بیده ازمة التوفیق والعنایة -

۵۰ صدقِ نیت کی عظمتِ شان: - سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ پاک اس کتابِ حکیم کے ذریعے ہدایت و راہنمائی فرماتا ہے اس سیدھی راہ کی جس پر چل کر انسان دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ سو صدقِ نیت اور طلبِ صادق انسان کو نورِ حق و ہدایت اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور کرنے والی خصلت ہے۔ اور اس سے محرومی دارین کی سعادت و سرخروئی سے محرومی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف راہِ ہدایت سے سرفرازی چونکہ انسان کی فوز و فلاح کے لئے سب سے بڑی اور سب سے اہم ضرورت ہے۔ اور یہ ضرورت چونکہ کھانے پینے وغیرہ کی دوسری تمام ضرورتوں سے بھی کہیں بڑھ کر اور بنیادی ضرورت ہے، اس لئے خدائے رحمان و رحیم نے اپنی رحمتِ بے نہایت اور عنایتِ بے غایت سے اس روحانی اور باطنی ضرورت کی تکمیل کے لئے بھی کامل، بے مثال اور حکمتوں بھرا انتظام فرمایا۔ اور اسی سلسلے کی آخری کڑی قرآنِ حکیم کی یہ بے مثال نعمت ہے جو سراسر ہدایت اور نورِ مبین بن کر تمام دنیا کی ہدایت و راہنمائی کے لئے نازل ہوئی ہے - فالحمد للہ جل وعلا - سو یہاں سے ایک مرتبہ پھر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کی صلاح وفساد اور صحت و بگاڑ کا اصل اور بنیادی تعلق اس کے اپنے قلب و باطن سے ہے۔ اگر وہ صدقِ دل سے اپنی اصلاح کا طالب ہوگا تو اللہ پاک اس کو ضرور اس سے سرفراز فرمائے گا کہ اس کی شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے۔ اور مسلسل و لگاتار کرم فرمانا لیکن جو ادھر توجہ ہی نہ کرے اور وہ اعراض و روگردانی ہی سے کام لے - والعیاذ باللہ - تو اس کی بگڑی آخر کیسی اور کیونکر بن سکتی ہے؟ - والعیاذ باللہ العظیم -

اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ

حقیقت میں اللہ ہی مسیح ہے بیٹا مریم کا ۵۱ (ذرا ان سے یہ تو) پوچھو کہ اچھا اگر ایسا ہے تو پھر کون ہے جس کا

مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ

اللہ کے آگے کچھ بھی بس چل سکے، اگر اللہ ہلاک کرنا چاہے مسیح بیٹے مریم کو

مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ

بھی، اور اس کی ماں کو بھی، اور ان سب کو جو روئے زمین پر موجود ہیں، ۵۲ اور اللہ ہی کی

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ

فرمانروائی ہے آسمانوں اور زمین میں بھی، اور اس ساری کائنات پر بھی، جو کہ آسمان وزمین کے درمیان میں ہے ۵۳ وہ پیدا فرماتا ہے

مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَقَالَتِ

جو چاہتا ہے، اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے، اور

الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ

یہود ونصاریٰ نے کہا کہ ہم تو اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں، ۵۴ کہو

فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ

کہ پھر وہ تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے تمہارے گناہوں پر؟ (سو نہیں ایسا نہیں) بلکہ تم بھی عام انسان ہو اس کی

خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ

مخلوق میں سے وہ بخشش فرماتا ہے جس کی چاہتا ہے، ۵۵ اور عذاب دیتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور

۵۱ حلولِ مسیح کا عقیدہ قطعی اور کھلا کفر ہے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ یقیناً کافر ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح بن مریم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرتِ مسیح میں حلول فرمالیا۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ حضرتِ مسیح کی شکل میں خود جلوہ افروز ہوگیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه۔ نیز یہ کہ عیسیٰ خدائی صفات واختیارات کا حامل ومظہر ہے کہ وہ حاجت روا، مشکل کشا اور غیب داں ہے وغیرہ وغیرہ۔ سو یہ سب کفر ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه۔ افسوس کہ اس طرح کی شرکیات میں آج اُمتِ

مسلمہ کے بھی بہت سے کلمہ گو مبتلا و گرفتار ہیں۔ اور وہ دوسرے سادہ لوح مسلمانوں کو بھی انہی باتوں کی تعلیم و تلقین کرتے ہیں۔ پیغمبر کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھ کر "یا رسول اللہ" پکارتے، ان کو "عالم الغیب"، "نورٌ مِّنْ نُورِ اللّٰہ"، "مختارِ کل" اور ہر جگہ "حاضر و ناظر" مانتے ہیں۔ اور یہاں تک کہ ان کا کہنا ہے کہ اَحَد اور اَحْمد میں تو فقط میم کی مروڑی کا فرق ہے اور بس۔ اور ان کا کہنا ہے کہ۔ وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہو کر۔ اتر پڑا وہ مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ۔ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ ۔ سو حلولِ مسیح کا عقیدہ قطعی طور پر کفر اور کھلا کفر ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ بہرکیف اس ارشاد سے عیسائیوں کے حلول اور عینیت کے عقیدۂ کفر کی تردید فرمائی گئی ہے۔ اور صاف ارشاد فرمایا گیا کہ یہ عقیدہ رکھنے والے لوگ پکے کافر ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ سو اللہ تعالیٰ اس طرح کے تمام تصورات اور ایسے جملہ شوائب سے پاک اور اس سے کہیں بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔

۵۲ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی کسی کے کچھ کام نہیں آ سکتا: ۔ استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی ایسا کوئی بھی نہیں جسکا اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ایسا کوئی زور چل سکے یا وہ اس بارے کچھ بھی اختیار رکھتا ہو۔ تو پھر تم لوگ حضرتِ عیسیٰ کے بارے میں جو کہ محض اللہ کے ایک بندے اور اسکے رسول تھے ایسے شرکیہ عقائد آخر کیوں اور کیسے رکھتے ہو؟ پس اللہ کی مخلوق میں سے کسی کے بارے میں بھی اس طرح کے خود ساختہ عقیدے رکھنا شرک ہے کہ اختیارِ کلی اسی وحدہٗ لاشریک کا خاصہ ہے جو آسمان و زمین کی اس ساری کائنات کا بلاشرکتِ غیرے تنہا خالق و مالک ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ وہی ہر کسی کی حاجت روائی کرتا اور مشکل کشائی فرماتا ہے۔ اور اس قدر اور اس حد تک کہ اس کا اِحاطہ و اِدراک اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی کیلئے ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سو خداوندِ قدوس کی طاقت و قدرت لامحدود اور بے نہایت ہے۔ ازل سے لے کر ابد تک کی ساری مخلوق اگر مل کر بھی اس کے کسی حکم کو بدلنا یا اُس کی راہ میں حارج اور رکاوٹ بننا چاہے تو یہ اس کے بس اور اس کی قدرت سے خارج ہے۔ تو پھر اُس ذاتِ اقدس و اعلیٰ میں حضرتِ عیسیٰ یا کسی بھی اور مخلوق کے شریک یا شامل ہونے کا سوال ہی کیا پیدا ہو سکتا ہے؟ وہ سب سے اعلیٰ و بالا اور یکتا و بے مثال ہے۔ اور ہر قسم کے شریک اور ہر شائبہ شرک سے پاک ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔

۵۳ پوری کائنات میں بادشاہی اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی ہے: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا اور اندازِ حصر و قصر میں بیان فرمایا گیا کہ اس کائنات میں بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ پس وہ اگر اسباب کے درجے میں اس دنیا میں کسی کو کسی ملک یا خطے کی کوئی حکومت یا بادشاہی دے دے تو یہ اُس کی عنایت اور مرضی کہ اس کی شان ہے۔ ﴿تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ﴾۔ (آل عمران:۲۶)۔ لیکن اسباب کے خلاف کسی زندہ یا مردہ انسان کو کسی ملک یا علاقے کا مالک یا حاکم ماننا شرک ہوگا۔ پس "داتا کی نگری"، "خواجہ اجمیری کی نگری"، "پیر بابا کا علاقہ" وغیرہ جیسی اصطلاحات اہلِ بدعت کے اپنے شرکیہ ذہنوں کی پیداوار ہے ورنہ دینِ حق کی سچی تعلیمات میں ان کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس طرح کی کسی بات کیلئے نہ کوئی سند ہے نہ دلیل۔ نہ نقلِ صحیح سے نہ عقلِ سلیم سے۔ ﴿مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ﴾۔ آسمان و زمین اور اسکے درمیان کی تمام کائنات کا خالق بھی تنہا وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور مالک و متصرف بھی وہی۔ اور اس پر حکومت و فرماں روائی بھی اسی کی ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ نیز اسی ارشادِ ربانی سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ

جب اس ساری کائنات کا خالق و مالک بھی وہی وحدہ لاشریک ہے اور اس میں حاکم و متصرف بھی وہی ہے تو اس میں حکم و قانون بھی اسی کا چلے گا۔ نیز ایسے خالق و مالک اور قادرِ مطلق کیلئے کسی کو بغیر باپ کے یا ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا کر دینا آخر کیوں اور کیا مشکل ہوسکتا ہے؟ وہ جو چاہے اور جیسے چاہے کرے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ لہٰذا جن لوگوں نے محض اس وجہ سے حضرتِ عیسیٰؑ کو خدائی کے منصب پر بٹھا دیا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تو انہوں نے نہ حضرتِ حق ۔جل مجدہٗ۔ کی قدرتِ مطلقہ کو پہچانا اور نہ اسکی حکمتِ بالغہ کی قدر کی۔ اور اس طرح وہ راہِ حق و ہدایت سے بھٹک کر ظلماتِ کفر و شرک اور دور کی گمراہی میں جا پڑے۔ اور اس کے نتیجے میں وہ طرح طرح کے اندھیروں میں غلطاں و پیچاں ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ۔

۵۴ "صاحبزادگی" کا مرض اور اسکے شاخسانے:۔ سو یہود و نصاریٰ نے اپنی صاحبزادگی کے اظہار و بیان کے طور پر کہا کہ "ہم اللہ کے بیٹے اور اُس کے پیارے ہیں"۔ اس لئے ہمارے لئے وہ خاص حقوق ہیں جو اور کسی کو نہیں مل سکتے۔ یہاں تک کہ جنت میں بھی ہمارے سوا اور کوئی نہیں جاسکے گا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ان کے اس زعم اور گھمنڈ کو اس طرح صریح لفظوں میں بیان فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى﴾۔ (البقرۃ:۱۱۱) سو یہ ہے "صاحبزادگی" اور اپنی بڑائی اور بزرگی کے دعویٰ و گھمنڈ کا وہ مرض جو قوموں کو بھی لاحق ہوا اور اشخاص و افراد کو بھی۔ اور اس خود ساختہ زعم اور گھمنڈ نے آگے طرح طرح کی خرابیوں کو جنم دیا یہاں تک کہ ایسے لوگ نورِ حق و ہدایت ہی سے محروم ہوگئے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ ۔ افسوس کہ امتِ مسلمہ میں پائے جانے والے بہت سے لوگ بھی آج اسی مرض میں مبتلا ہو کر طرح طرح کی خرابیوں اور مصیبتوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ۔ کہ وہ نوری اور قدسی وغیرہ بنتے۔ سید اور آلِ رسول ہونے کے دعوے کر کے اپنے لئے خاص حقوق و مراعات کا اِدعا کرتے اور اپنے آپ کو صاحبزادہ اور پیرزادہ سمجھتے، کہتے، کہلواتے اور لکھتے لکھواتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور اپنی اسی ذہنیت کی بناء پر وہ اپنے لئے خاص حقوق اور اَحکام کا دعویٰ و گھمنڈ رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں کتنے ہی ایسے ہیں جو اس طرح کے زعم اور گھمنڈ میں نہ نماز پڑھتے ہیں نہ دوسرے کھلے اَحکامِ دین تک کی پروا کرتے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان میں کتنے ہی ایسے ہوتے ہیں جو اپنے قول و فعل سے اَحکامِ دین و شریعت کا مذاق اڑاتے ہیں جو کہ کفر ہے۔ اور وہ خود اور ان کے خاص چیلے چانٹے لوگوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ یہ معرفت کی باتیں ہیں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے وغیرہ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

۵۵ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم مبنی برحق اور حکمت ہوتا ہے:۔ کہ وہ حاکم و حکیم بھی ہے اور ﴿عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اور ﴿عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بھی۔ اس لئے وہ جو سزا چاہے اور جس کے لئے چاہے دے سکتا ہے۔ اور اس کی سزا و جزا سراسر علم و حکمت پر مبنی اور عینِ عدل و انصاف کا تقاضا ہوتی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ کہ وہی جانتا ہے کہ کس کے باطن کی کیفیت کیا ہے اور کس کا جرم کس نوعیت کا ہے اور کس درجے کا ہے۔ اور وہ کس سلوک و صلہ کا مستحق ہے۔ جَلَّ وَ عَلَا شَانُهٗ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی۔ بہرکیف اس اِرشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اس کی مشیت سب پر حاوی ہے۔ وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے۔ کوئی اس کی مشیت و مرضی میں حائل اور رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ مگر وہ چونکہ علیم و خبیر اور حکیم و رحیم بھی ہے اس لئے اُس کا ہر حکم علم اور حکمت ہی پر مبنی ہوتا ہے۔ اور اس میں اُس کے بندوں ہی کا بھلا ہوتا ہے۔ اور یہ شان اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کی نہیں ہوسکتی۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس لیے اس کے ہر حکم و ارشاد کو دل و جان سے اپنانا چاہیے۔ وباللہ التوفیق۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ وَاِلَيْهِ

اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس ساری کائنات کی جو کہ ان دونوں کے درمیان میں ہے، اور اسی کی طرف

الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا

لوٹ کر جانا ہے، (سب کو) ۵۶ اے کتاب والو، بلاشبہ تشریف لا چکے ہیں تمہارے پاس ہمارے (یہ آخری) رسول،

يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا

جو کھول کر بیان کرتے ہیں تمہارے لئے (احکام شریعت کو) ایسے وقت میں جب کہ بند تھا رسولوں کا آنا ۵۷ تاکہ تم لوگ یہ نہ کہہ سکو کہ

۵۶ سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ سب کو لوٹ کر اللہ پاک ہی کے پاس جانا ہے۔ سو تم لوگ چاہو یا نہ چاہو۔ جانا بہرکیف تم سب کو اسی کی طرف ہے۔ اور وہاں اپنے کئے کرائے کا پورا صلہ و بدلہ پانا ہے۔ اب ہر کوئی اپنے بارے میں خود دیکھ اور سوچ لے کہ وہ عمل و کردار کی کیا پونجی لیکر اسکے حضور حاضر ہو رہا ہے اور اسکے یہاں وہ کس طرح کے صلے اور بدلے کا مستحق ہو سکتا ہے - اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ وَفِيْ كُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ فِي الْحَيَاةِ- بہرکیف ہر کسی نے اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا پورا صلہ و بدلہ آخرت کے اُس حقیقی اور ابدی جہاں میں ہی پانا ہے جو کہ دار الجزاء ہے۔ جبکہ یہ دنیا عمل کی کمائی کی جگہ اور دار العمل ہے۔ اس لئے عقل و نقل کا تقاضا یہی ہے کہ بندہ ہمیشہ اپنی آخرت کو اپنے پیشِ نظر رکھے - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وَهُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سَوَاءِ السَّبِيْلِ-

۵۷ بعثتِ پیغمبر کے احسانِ عظیم کی تذکیر و یاددہانی: - سو اہلِ کتاب کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ آ گئے تمہارے پاس ہمارے رسول جو کھول کر بیان کرتے ہیں تمہارے لیے ہمارے احکام ایسے وقت میں جبکہ رسولوں کا آنا بند تھا نبی آخر الزمان کی بعثت و تشریف آوری اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم الشان اور بے مثال احسان ہے۔ اور خاص کر ایسے میں جبکہ تم لوگ نورِ ہدایت کے خاص طور پر زیادہ محتاج تھے۔ پس ہمارے اس احسان کی قدر کرو اور اس کو اللہ پاک کی ایک عظیم نعمت سمجھ کر اپناؤ کہ یہ حقِ نعمت تم پر واجب ہے۔ اور اس سے منہ موڑنا کفرانِ نعمت ہے جس کا انجام بہت برا اور بڑا بھیانک ہے کہ شکرِ نعمت، نعمت میں اضافے، بڑھوتری اور خیر و برکت کا ذریعہ ہے۔ جبکہ کفرانِ نعمت محرومی کا باعث اور عذابِ شدید کا موجب ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ - (ابراہیم: ۷) اور اگر تم نے ناشکری اور ناقدری کی تو یاد رکھنا کہ اللہ کوئی کمزور اور عاجز ہستی نہیں۔ وہ بڑی ہی قدرت والا ہے۔ تم لوگوں کو اس کے یہاں سے اپنی کیے کرائے کا بھگتان بہر حال بھگتنا ہوگا اور اس صورت میں تم یہ بھی نہیں کہہ سکو گے کہ تمہارے پاس کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا تھا کہ تمہارے پاس ایک عظیم الشان نذیر و بشیر آ چکا ہے جس نے حق اور حقیقت کو تمہارے سامنے پوری طرح واضح کر دیا۔

جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ

ہمارے پاس نہیں آیا کوئی خوشخبری سنانے والا، اور خبردار کرنے والا، سو آچکا تمہارے پاس ایک خوش خبری سنانے والا

وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾ ع وَاِذْ قَالَ ع ۸/۳

اور خبردار کرنے والا اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، اور (وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب

مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

موسیٰ نے کہا اپنی قوم سے، کہ اے میری قوم، یاد کرو تم لوگ اللہ کے اس انعام (واحسان) کو جو اس نے تم پر فرمایا،

اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ

جب کہ اس نے پیدا فرمائے تمہارے اندر نبی، ۵۸ اور بادشاہ بنایا تم لوگوں کو، ۵۹ اور تمہیں وہ کچھ عنایت فرمایا

مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا

جو اس نے دنیا جہاں میں کسی کو نہیں دیا، ۶۰ اے میری قوم، داخل ہو جاؤ

الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا

تم (شام و فلسطین کی) اس مقدس سرزمین میں، ۶۱ جس کو اللہ نے لکھ رکھا ہے تمہارے لئے، اور مت

۵۸ نبوت کی نعمت قدرت کی سب سے بڑی نعمت:- سو حضرتِ موسیٰ نے اپنی قوم کے سامنے اس نعمت عظمیٰ کی تذکیر و یاد دہانی کے طور پر ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم یاد کرو تم لوگ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو کہ اس نے تمہارے اندر انبیاء مبعوث فرمائے جن کے ذریعے اس نے تم لوگوں کو نورِ نبوت سے سرفراز فرمایا جو کہ اللہ پاک کی سب سے بڑی نعمت ہے جس سے وہ اپنے بندوں کو نوازتا ہے۔ کیونکہ نبوت و رسالت کی نعمت ہی وہ نعمت ہے جو انسان کو اسکے مقصدِ حیات سے آگہی بخشتی اور اسکو دارین کی سعادت و سرخروئی کی راہ پر ڈالتی ہے۔ اور اسکے بغیر انسان سراسر اندھیروں میں ہے- والعیاذ باللہ- نہ اس کو اپنے مقصدِ وجود و تخلیق کا کوئی اتہ پتہ نہ اپنی منزلِ مراد کے بارے میں کوئی علم و آگہی اور نہ راہِ حق و ہدایت سے متعلق کوئی علم و خبر۔ جس کے نتیجے میں وہ انسانیت کے منصبِ شرف سے محروم ہو کر حیوانیتِ محضہ کے قعرِ مذلت میں جا گرتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی کہیں نیچے گر کر اسفل السافلین اور ''شر البریۃ'' - ''بدترین مخلوق'' - بن کر رہ جاتا ہے۔ اور اس طرح وہ اس ہولناک خسارے میں مبتلا ہو جاتا ہے جس جیسا دوسرا کوئی خسارہ ہو ہی نہیں سکتا- والعیاذ باللہ العظیم- سو اسی نے اپنی قوم سے مزید فرمایا کہ اس نے تم لوگوں کو بادشاہ بنایا۔

۵۹ حکومت و بادشاہی دنیاوی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے مزید فرمایا کہ اس نے تم لوگوں کو بادشاہ بنایا۔ جو کہ دنیاوی اعتبار سے سب سے بڑی عزت ہے۔تو اس طرح اُس واہبِ مطلق نے تم لوگوں کو دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے سب سے بڑی نعمتوں سے نوازا اور سرفراز فرمایا۔تو عقل ونقل اور دین وفطرت سب کا تقاضا یہ تھا اور یہ ہے کہ تم لوگ اپنے خالق و مالک کیلئے سراپا سپاس بن جاؤ۔اور اس شکر و سپاس گزاری کا مقتضیٰ یہ تھا اور یہ ہے کہ تم اس دینِ حق کو دل و جان سے اپنالو جو اب تمہارے خالق و مالک نے حضرتِ خاتم الانبیاء کے ذریعے تمہارے لیے بھیجا ہے۔ اور جو خاتم الادیان کے طور پر قیامت تک کی ساری دنیا کی ہدایت و راہنمائی کیلئے بھیجا ہے کہ اب راہِ حق و ہدایت اسی سے وابستہ ہے۔ سو بنی اسرائیل کو اللہ پاک نے دینی و دنیاوی دونوں اعتبار سے سب سے بڑی اور عظیم الشان نعمتوں سے نوازا تھا۔جس کا تقاضا یہ تھا کہ یہ لوگ اس کی شکر گزاری میں دل و جان سے اس کے حضور جھک جاتے۔مگر انہوں نے کفرانِ نعمت اور ناشکری سے کام لیا۔جس کے نتیجے میں یہ خدا کے غضب کے مستحق ہوگئے سو کفرانِ نعمت محرومیوں کی محرومی ہے۔وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔

۶۰ تذکیر نعم برائے شکرِ نعم: ۔سو حضرت موسیٰ نے ان سے مزید فرمایا کہ اس نے تم لوگوں کو وہ کچھ دیا جو اس نے دنیا جہاں میں کسی کو نہیں دیا۔سو اس نے تم کو فرعون جیسے ظالم کے پنجۂ ظلم وستم سے نجات و آزادی عطا فرمائی۔اور اس کو مع اس کے لشکر کے تمہارے سامنے غرقِ دریا کیا۔دریا کی طوفانی موجوں کو روک کر تمہارے لئے خشک راستے بنادیے۔پھر انہی لہروں کو چلتا کر کے خدائی کا دعوٰی کرنے والے اپنے وقت کے سب سے بڑے کافر اور تمہارے اس دشمن کو غرقاب کر کے ہمیشہ کیلئے فی النار والسقر کر دیا۔منّ وسلوٰی جیسی نعمتوں سے تمہیں سرفراز فرمایا۔بادلوں کے ذریعے تمہارے لئے سائے کا انتظام فرمایا اور پتھر سے تمہارے سامنے تمہارے لئے بارہ چشمے جاری کر دیئے۔سو ان طرح طرح کے اور عظیم الشان انعامات کو یاد کر کے تم اسکے حضور دل و جان سے جھک جاؤ تا کہ اس طرح تم لوگ شکرِ نعمت کی سعادت سے سرفراز ہو کر دارین کی فوز وفلاح اور سرخروئی سے مشرف وسرفراز ہوسکو۔سو اس طرح ان لوگوں کو ان مختلف اور عظیم الشان نعمتوں کی یاددہانی سے ان کے شکر کی دعوت دی گئی ہے۔مگر انہوں نے اس کی بجائے کفرانِ نعمت کو اپنا کر ہلاکت وتباہی کی راہ کو اختیار کیا۔والعیاذ باللہ۔

۶۱ ارضِ مقدس اور اسکی بعض عظیم الشان نعمتوں کا ذکر: ۔سو حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم داخل ہو جاؤ تم لوگ اس مقدس سرزمین میں۔یعنی سرزمینِ شام وفلسطین میں جس کو اللہ نے تم لوگوں کے لیے لکھ رکھا ہے۔سو ارضِ فلسطین بڑی مقدس اور مبارک سرزمین ہے۔جس میں اللہ پاک کے کتنے ہی پیغمبر تشریف لائے اور انہوں نے دنیا کو نورِ وحی و رسالت سے منور و روشناس فرمایا۔اور ان معنوی اور روحانی نعمتوں کے علاوہ اس سرزمین کو بے شمار ظاہری اور حسی نعمتوں سے بھی نوازا گیا۔یہاں تک کہ اسکو شہد اور دودھ کی سرزمین۔''ارض العسل و الحلیب''۔کہا جانے لگا۔سو حضرتِ موسیٰ نے اپنی قوم کو اسی مقدس سرزمین میں داخل ہونے کا حکم و ارشاد فرمایا تا کہ تم لوگ اپنی اس غصب شدہ زمین کو دوبارہ حاصل کر کے اسکی ان نعمتوں اور برکتوں سے سرفراز و مالا مال ہوسکو۔اور اس سے مراد شام وفلسطین کی وہ سرزمین ہے جس کو وحیِ خداوندی میں جگہ جگہ ارضِ مقدس اور مبارک فرمایا گیا۔

تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا

لوٹو تم الٹے پاؤں، کہ اسکے نتیجے میں تم ہو جاؤ خسارے والے، ۶۲ انہوں نے جواب دیا

يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا

کہ اے موسیٰ وہاں تو بڑے سخت (اور زبردست قسم کے) لوگ رہتے ہیں، اور ہم ہرگز وہاں قدم نہیں رکھیں گے،

حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا

جب تک کہ وہ وہاں سے نکل نہ جائیں، ہاں اگر وہ نکل جائیں تو پھر ہم

دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ

داخل ہونے کو تیار ہیں، ۶۳ اس پر کہا دو شخصوں نے ان لوگوں میں سے جو ڈرتے تھے، جن پر

۶۲ اِطاعتِ خدا اور رسول سے روگردانی باعثِ ہلاکت وتباہی - والعیاذُ باللہ:- چنانچہ حضرتِ موسیٰ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ الٹے پاؤں مت لوٹو کہ اس کے نتیجے میں تم خسارے والے ہو جاؤ گے۔ سو اللہ اور اسکے رسول کے حکم وارشاد اور انکی اطاعت سے سرتابی وروگردانی میں اپنا ہی خسارہ ہے- والعیاذ باللہ- پس اللہ اور اُس کے رسول کے حکم سے سرتابی دراصل اپنے ہی خسران ونقصان کا باعث ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- اور اسکے برعکس ان کے حکم و اِرشاد کو دل وجان سے اپنانے میں انسان کا اپنا ہی بھلا ہے۔ دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی- وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق- اسلئے حضرتِ موسیٰ نے اپنی قوم کو اس حقیقت سے آگہی بخشتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ تم لوگ اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جس کو اللہ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے۔ اور اس کے حکم سے منہ موڑ کر تم الٹے پاؤں مت پھرو۔ ورنہ تم سخت خسارے میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ مگر اس سب کے باوجود اس بدبخت قوم نے حضرتِ موسیٰ کی آواز پر کان نہیں دھرا۔ اور آخرِ کار وہ ہولناک خسارے میں مبتلا ہو کر رہی- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم-

۶۳ قوتِ ایمانی سے محرومی ہر خیر سے محرومی - والعیاذُ باللہ:- سو ان لوگوں نے حضرتِ موسیٰ کی اس دردمندانہ اپیل کے جواب میں کہا کہ اے موسیٰ اس سرزمین میں بڑے سخت لوگ رہتے ہیں۔ اس لئے ہم وہاں ہرگز قدم نہیں رکھیں گے۔ جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں۔ ہاں اگر وہ نکل جائیں تو اس صورت میں ہم وہاں داخل ہونے کے لیے تیار ہیں۔ سو یہ نمونہ ہے غلامی کی پسی ہوئی اور ایمان کی کمزور قوم کی پست ہمتی اور کور ذوقی کا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- سو قوتِ ایمانی سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے- والعیاذ باللہ- جبکہ ایمان ویقین کی قوت اور اسکی پختگی ومضبوطی دارین کی سعادت وسرخروئی کا ذریعہ ہے کہ اسی قوتِ ایمانی کی بناء پر انسان سبقت الی الخیرات کرتا اور اپنے لئے دارین کی سعادت وسرخروئی کا سامان کرتا ہے۔ اور بہتر سے بہتر کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے اور سکون واطمینان کی دولت سے سرفراز وبہرہ ور ہوتا ہے۔ جبکہ اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے- والعیاذ باللہ العظیم-

اللّٰہُ عَلَیۡہِمَا ادۡخُلُوۡا عَلَیۡہِمُ الۡبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلۡتُمُوۡہُ

اللہ نے خاص فضل وکرم فرمایا تھا ۶۴ انہوں نے ان سے کہا کہ تم لوگ ان پر چڑھائی کر کے ان کے دروازے تک تو پہنچو، پس

فَاِنَّکُمۡ غٰلِبُوۡنَ ۬ۚ وَ عَلَی اللّٰہِ فَتَوَکَّلُوۡۤا اِنۡ کُنۡتُمۡ

جونہی تم اس طرح ان کے دروازے پر پہنچو گے، تو یقیناً غلبہ تمہارا ہی ہوگا، ۶۵ اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم واقعی

۶۴ اِطاعتِ خدا و رسول ذریعۂ فوز و فلاح :- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری وسیلۂ فوز و فلاح اور کامیابی و سرفرازی ہے۔ سو جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کی ہدایت کے مطابق وہاں سے واپسی پر عمالقہ کے زور و قوت کا اظہار اپنی قوم سے نہیں کیا تھا اسکے نتیجہ میں وہ اپنی جماعت کے ان دوسرے لوگوں کی طرح کم ہمتی کا شکار بھی نہیں ہوئے۔ اور اس امتحان میں کامیاب بھی رہے۔ پس معلوم ہوا کہ مومن کی کامیابی دراصل خداوند تعالیٰ اور اس کے رسول کے اَحکام کو دل و جان سے ماننے اور اپنانے میں ہے اور بس۔ حیاتِ دنیا کی اس عارضی فرصت میں بھی اور آخرت کے اس ابدی جہاں میں بھی جہاں کی زندگی حقیقی بھی ہے اور ابدی بھی۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم علم و حکمت اور غایت درجہ رحمت و عنایت پر مبنی و مشتمل ہوتا ہے۔ اور اس میں سراسر اس کے بندوں کی ہی مصلحت اور بہتری اصل مقصود ہوتی ہے۔ اور یہ شان اس وحدہٗ لاشریک کے حکم و اِرشاد کے سوا اور کسی کی ہو ہی نہیں سکتی۔ اور اللہ کا رسول اللہ کا حکم و اِرشاد ہی پہنچاتا ہے۔ وہ اپنی ذاتی غرض اور نفسانی خواہش سے کچھ کہتا ہے اور نہ کچھ کرتا ہے۔ پس بندوں کی بہتری اور بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم و اِرشاد کی بے چوں و چرا اور پورے شوق و ذوق سے اطاعت کریں۔ یہی ان کی شانِ عبدیت و بندگی کا تقاضا ہے اور اسی میں ان کا بھلا ہے دنیاوی زندگی کی اِس عارضی اور محدود فرصت میں بھی اور آخرت کے اس ابدی جہاں میں بھی۔ وَبِاللّٰہِ التَّوۡفِیۡقُ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیۡدُ وعلی ما یحب و یرید۔

۶۵ اللہ کی مدد کی توقع رکھنا باعثِ سرفرازی :- سو اس سے معلوم ہوا کہ اپنے بس کی حد تک سچی نیت اور توکل علی اللہ کے ساتھ کام کرنے سے آگے راستے کھلتے جاتے ہیں۔ اس کا یقین ہونا چاہیئے۔ اور یہی مومن کی شان ہے۔ پس اس سے اہلِ بدعت کے بعض تحریف پسندوں کا بزرگوں کے لئے علمِ غیب ثابت کرنا باطل و مردود ہے کہ یہاں بات علمِ غیب کی نہیں بلکہ اللہ پاک سے اس کی مدد کی امید و یقین کی ہے جس کی مومنِ صادق اپنے رب سے توقع رکھتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں دعاء کرتے وقت دعاء کی قبولیت کا یقین رکھنے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے۔ "اُدۡعُوا اللّٰہَ وَاَنۡتُمۡ مُوۡقِنُوۡنَ بِالۡاِجَابَۃِ"۔ بہرکیف صدقِ نیت اور توکل علی اللہ مومن کی قوت کے دو عظیم الشان ماخذ ہیں۔ جتنی اور جس قدر یہ دونوں چیزیں اسکے اندر پکی اور پختہ ہونگی اسی قدر اس کو اپنے خالق و مالک کی طرف سے نصرت و امداد سے نوازا جائے گا۔ وَبِاللّٰہِ التَّوۡفِیۡقُ۔ بہرکیف ان دو آدمیوں نے اپنی ایمانی قوت اور اللہ پر توکل اور بھروسے کے اعتماد پر ان لوگوں سے کہا کہ تم لوگ اللہ کے رسول کے حکم کے مطابق اس سرزمین میں داخل ہو جاؤ۔ جب تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت سے تم کو لڑائی بھڑائی کے بغیر ہی کامیابی نصیب ہو جائیگی کہ اس سرزمین کو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔ اس لئے وہ بہرحال تم کو ملے گی۔ سو اللہ کی مدد کی ہمیشہ توقع رکھنی چاہیے۔

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا

ایماندار ہو، ۶۶ مگر انہوں نے پھر بھی یہی کہا کہ اے موسیٰ ہم تو کسی قیمت پر بھی وہاں داخل نہیں ہوں گے،

مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا

جب تک کہ وہ وہاں موجود ہیں، پس جاؤ تم اور تمہارا رب، اور تم دونوں جا کر (ان سے) لڑو، ہم تو

هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا

بہرحال یہیں بیٹھے ہیں ۶۷ اس پر موسیٰ نے (اپنے رب کے حضور) عرض کیا کہ اے میرے رب میں کوئی اختیار نہیں رکھتا ۶۸ مگر اپنی

نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾

جان کا اور اپنے بھائی کا، پس تو جدائی ڈال دے ہمارے اور ان بدکار لوگوں کے درمیان، ۶۹

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ

ارشاد ہوا کہ اچھا تو پھر قطعی طور پر حرام کر دی گئی ان پر وہ سرزمین چالیس سال تک کے لئے،

يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ

وقف لازم

بھٹکتے رہیں گے یہ (اس دوران) اسی علاقے میں، پس آپ کوئی غم (اور افسوس) نہیں کرنا

الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ ع وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَىْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ

ان نافرمان لوگوں پر، ۷۰ اور پڑھ سناؤ ان کو قصہ آدم کے دو بیٹوں کا حق کے ساتھ،

۶۶ ایمان کا تقاضا کہ بھروسہ صرف اللہ پر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر واقعی تم ایماندار ہو۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ لیکن افسوس کہ آج کے کلمہ گو مشرک کا بھروسہ کسی زندہ مردہ انسان، کسی کالی نیلی جھنڈی، کسی ایری غیری سرکار یا کسی امام ضامن جیسی مخترعات پر تو ہوگا مگر اللہ وحدہٗ لاشریک پر نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ اور پھر دعویٰ ہے کہ۔ ہم چو ما دیگرے نیست۔ فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى۔ بہرکیف یہاں پر حصر و قصر کے ساتھ فرمایا گیا اور شرط و قید کے ساتھ بتایا کہ تم اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو۔ اور یہی تقاضا ہے عقل و نقل کا کہ اس ساری کائنات کا خالق و مالک بھی اللہ تعالیٰ ہے اور اس میں حکم و تصرف بھی اسی وحدہٗ لاشریک کا چلتا ہے۔ اور ہوتا وہی ہے جو اس وحدہٗ لاشریک کو منظور ہوتا ہے کہ اس کی

حکومت اور بادشاہی میں مشیت و مرضی بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی کارفرما ہے۔ پس عقلِ سلیم اور نقلِ صحیح سب کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا کے اس دارالاسباب میں اسباب و وسائل تو بیشک پوری طرح اپنائے اور اختیار کئے جائیں لیکن دل کا بھروسہ اور اعتماد ہمیشہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی پر رکھا جائے۔

۶۷ وفا اور بے وفائی کے دو متضاد اور عبرت انگیز نمونے: -سو یہاں پر اَصحابِ موسیٰ کی بے وفائی اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی جاں نثاری کا ایک نمونہ بھی ملاحظہ ہو۔ سو یہ تھا حال اس ناہنجار قوم کا۔ ان لوگوں نے حضرتِ موسیٰ - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کے اتنے معجزات دیکھے اور ان کے توسط سے وہ اللہ پاک کی گوناگوں نعمتوں سے سرفراز ہوئے۔ مگر اس سب کے باوجود ان لوگوں نے آنجناب کے حکم و ارشاد کے جواب میں ایسی گستاخانہ بات کہتے ہوئے بھی کوئی شرم محسوس نہ کی۔ اس کے مقابلے میں ہمارے آقا - صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ - کے جان نثار صحابہ کرام کی شان یہ تھی کہ غزوۂ بدر کے مشورے کے موقع پر انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول، ہم آپ پر ایمان لائے ہیں۔ آپ ہمیں جو حکم دیں گے ہم اس کے لئے سرِ تسلیم خم ہیں۔ اگر آپ ہمیں سمندر میں کود پڑنے کا فرمائیں گے تو ہم فوراً کود پڑیں گے۔ (مسلم، کتاب الجہاد، عن انسؓ) اور حضرتِ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے مطابق صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ ہم ایسے نہیں ہیں کہ آپ کو وہ جواب دیں جو حضرتِ موسیٰ کے ساتھیوں نے ان کو دیا تھا۔ بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے ہر طرف سے لڑیں گے۔ (مسندِ احمد و بخاری کتاب المغازی وغیرہ)۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کتنے بے ہودہ، بےشرم، بے انصاف اور ظالم ہیں وہ لوگ جو ان قدسی صفت حضراتِ صحابہ کرام پر زبانِ طعن دراز کرتے اور ان کے ایمان تک میں کیڑے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان میں سے سوائے چند کے باقی سب ایمان سے ہی پھر گئے تھے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - خَذَلَهُمُ اللّٰهُ وَقَاتَلَهُمْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ - بہرکیف اَصحابِ موسیٰ کی اس بیوفائی اور حضرتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی وفاداری و جاں نثاری کے یہ دونوں مظہر عبرت انگیز اور بصیرت افروز ہیں - وَبِاللّٰهِ التوفيق لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وَهُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سواء السَّبِيْلَ - اللہ ہمیشہ وفا شعاری اور محاسنِ اَخلاق سے نوازے اور بے وفائی سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین۔

۶۸ اللہ کے سوا کوئی بھی مختارِ کل نہیں: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس پر حضرت موسیٰ نے اپنے رب کے حضور عرض کیا کہ اے میرے رب میں کوئی اختیار نہیں رکھتا سوائے اپنی ذات کے اور اپنے بھائی کے بارے میں۔ اور جب حضرتِ موسیٰؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی کوئی اختیار نہیں رکھتے تو پھر اور کون ہوسکتا ہے جو اس شان کا مالک ہو اور اسکو مختارِ کل مانا جائے؟۔ سو مختارِ کل اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ پس اس سے اہلِ بدعت کے مختارِ کل کے خود ساختہ شرکیہ عقیدے کی جڑ کٹ جاتی ہے - خدا کرے ایسی باتیں ان کے لئے سرمۂ بصیرت ثابت ہوں۔ ان کو ہدایت مل جائے اور وہ ان شرکیات سے باز آجائیں - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ - بہرکیف قوم کے اس حوصلہ شکن جواب پر حضرتِ موسیٰ نے اپنے رب کے حضور اپنے عجز و انکسار اور اپنی بےبسی کا اس طرح اظہار فرمایا۔ اور اپنے رب کے حضور عجز و اِنکسار سے عرض کیا کہ میرے پروردگار! میں اپنی جان اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر کوئی زور اور اختیار نہیں رکھتا۔ پس تو اے ہمارے مالک! ہمارے اور ہماری اس بد اَطوار اور ناہنجار قوم کے درمیان تفریق فرما دے۔ یعنی

اب ہمیں ان کی قیادت و اصلاح کی ذمہ داری سے سبکدوش فرما دے۔ کہ جب اتنی طویل جدوجہد اور اس قدر معجزات اور خوارق دکھانے کے باوجود ان لوگوں کا یہ حال ہے اور یہ میری اتنی بات بھی ماننے کو تیار نہیں ہوتے اور میری ہدایت کے جواب میں اس قدر کفریہ باتیں کرتے ہیں تو پھر ایسے پتھروں پر جونک لگانے کا آخر کیا فائدہ؟ پس تو اے ہمارے مالک ہمارے اور ان کے درمیان تفریق اور جدائی فرما دے۔

۶۹ **ایمان ویقین ذریعہءِ سکون وقرار:**- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت موسیٰ نے اپنے رب کے حضور عرض کیا کہ تو جدائی ڈال دے ہمارے اور ان بدکار لوگوں کے درمیان، یعنی حقیقت اور انجام کے اعتبار سے۔ سو حضرتِ موسیٰ و ہارون۔علیہما الصلوٰۃ والسلام۔ تو اپنی پیغمبرانہ شان اور سکون واطمینان کے ساتھ رہتے تھے مگر یہ لوگ حیران وسرگرداں مارے مارے پھر رہے تھے۔ بلکہ ان دونوں حضرات کے لئے کہ وہ وادی نعمائے الٰہیہ کا مظہر بن گئی تھی۔ (معارف از دیوبندیؒ)۔ سو ایک ہی وادی میں ہونے کے باوجود قومِ موسیٰ تو اپنی بدبختی کے باعث دھکے کھا رہی تھی اور حضرتِ موسیٰ و ہارون اپنے ایمان ویقین کی قوت اور اپنے تعلق مع اللہ کی بناء پر اسی وادی میں سکون و اطمینان اور دوسری طرح طرح کی نعمائے الٰہیہ سے سرفراز ہو رہے تھے۔ سو ایمان ویقین اور تعلق مع اللہ کی دولت سکون وقرار کا ذریعہ اور دارین کی سعادت وسرخروئی کا وسیلہ ہے۔ بہرکیف حضرتِ موسیٰ نے جب اپنی قوم سے شکستہ دل اور مایوس ہو کر اپنے رب کے حضور عرض کیا کہ اب چونکہ ان لوگوں کے ساتھ میرا نباہ نہیں ہوسکتا اور یہ لوگ ہماری بات سننے ماننے کو تیار نہیں اس لئے ہمارے اور ان کے درمیان جدائی ڈال دے۔ تو ویسے ہی ہوا اور اس کے نتیجے میں ان کو دنیاوی سزا بھی ملی کہ ارضِ مقدس میں داخلے کے فوری انعام سے محروم ہو گئے۔ اور اُخروی سزا الگ رہی۔ اس کے تین سال بعد حضرتِ ہارون کا انتقال ہو گیا اور اس کے ایک سال بعد حضرتِ موسیٰ بھی چل بسے۔ اور اس طرح ان کے درمیان اور ان کی قوم کے درمیان ہمیشہ کی جدائی ہو گئی۔

۷۰ **بدکاروں کے انجامِ بد پر افسوس نہ کرنے کی ہدایت:**- سو حضرتِ موسیٰ کو ہدایت فرمائی گئی کہ آپ افسوس نہیں کرنا ان بدکار لوگوں کے انجام پر کہ یہ اسی انجام کے لائق تھے۔ اور یہ ان کے اپنے ہی عمل و کردار کا نتیجہ تھا۔ یہاں سے اس شفقت اور ہمدردی کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے جو حضراتِ انبیائے کرام۔علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کو اپنی امتوں سے ہوتی ہے کہ اللہ پاک ان کو اس طرح غم اور افسوس نہ کرنے کی تلقین و ہدایت فرماتا ہے۔ تاکہ امت کی بے راہ روی پر ان کو فرطِ شفقت کی وجہ سے خواہ مخواہ غم اور تکلیف نہ اٹھانا پڑے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔ اور دوسری طرف اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ فسق و فجور کا انجام بہرحال برا اور ہلاکت و تباہی ہے۔ فاسق اور فاجر لوگوں کو جتنی بھی مہلت ملے ان کا انجام بہرحال بہت بھیانک ہونا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ بہرکیف حضرتِ موسیٰ سے فرمایا گیا کہ یہ لوگ چونکہ اپنے خود اختیار کردہ فسق اور معصیت و نافرمانی کی بناء پر اللہ کے اِنعام سے محروم ہو گئے ہیں۔ اس لئے ان کی اس محرومی پر کسی افسوس کی ضرورت نہیں کہ اس کے ذمہ دار یہ خود ہیں اپنی نافرمانی اور سرتابی کی بناء پر۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ

جب کہ ان دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی و۱ے تو ان میں سے ایک کی قربانی تو قبول کر لی گئی، مگر دوسرے کی

مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ

قبول نہ کی گئی اس پر اس نے (جل کر پہلے سے) کہا کہ میں تجھے قتل کر ڈالوں گا و۲ے تو اس نے جواب دیا کہ (اس میں کسی کا کیا

اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ

قصور؟) اللہ تو پرہیزگاروں ہی سے قبول فرماتا ہے، و۳ے اگر تو نے مجھے قتل کرنے کو

لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ

ہاتھ اٹھایا تو بھی میں تجھے قتل کرنے کو ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا، و۴ے

اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ

کہ بے شک میں ڈرتا ہوں اللہ رب العالمین سے، میں چاہتا ہوں

اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ

کہ تو (اپنی بداطواری کی وجہ سے) سمیٹ لے میرے گناہ کو بھی، اور اپنے گناہ کو بھی و۵ے پھر تو (اپنے کئے کے نتیجے میں)

النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ۚ فَطَوَّعَتْ لَهٗ

ہو جائے دوزخیوں میں سے، اور یہی ہے بدلہ ظالموں کا، و۶ے پھر بھی آمادہ کر لیا اس کو

نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر و۷ے سو اس نے اسکو قتل کر ڈالا جس کے نتیجے میں وہ ہو گیا خسارہ اٹھانے والوں میں سے و۸ے

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ

پھر بھیجا اللہ نے ایک کوے کو جو زمین کریدنے لگا، تاکہ وہ اس کو دکھلائے (سکھلائے)

كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ

کہ وہ کس طرح ٹھکانے لگائے اپنے بھائی کی لاش کو، اس پر اس نے کہا، ہائے افسوس کہ میں تو اس

اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ

کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو خود

۷۱ **آدم کے دو بیٹوں کی قربانیوں کا ذکر:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ ٹھیک ٹھیک سنا دو جبکہ ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک قربانی پیش کی۔ یہ قربانیاں ان دونوں نے کس بناء پر پیش کی تھیں اس کا ذکر کسی آیتِ کریمہ یا صحیح حدیث میں نہیں ملتا۔ البتہ بعض آثار اور تفسیری روایات میں اس کا یہ قصہ مذکور ہے کہ اس کی ضرورت ان کے رشتے کے سلسلے میں باہمی تنازع کی بناء پر پیش آئی تھی۔ (قرطبی، ابنِ جریر، ابنِ کثیر وغیرہ)۔ کچھ بھی ہو بہرکیف ان دونوں میں سے ہر ایک نے الگ الگ قربانی پیش کی تھی جن میں سے ایک کی قربانی اسکے صدق و اخلاص کی بناء پر قبول فرمائی گئی اور دوسرے کی شرفِ قبولیت سے بازیاب نہ ہو سکی۔ اور اس طرح ان دونوں کی آزمائش کا نتیجہ ان کے سامنے آ گیا۔ اور واضح ہو گیا کہ ان میں سچا اور مخلص کون ہے اور غلط کار و بدنیت کون۔ اور یہ کردار و مدار سب کا سب صدق و اخلاص پر ہے۔ سو صدق و اخلاص کی دولت عظیم الشان دولت ہے۔ وَ بِاللّٰہِ التوفیق لِما یُحِبُّ وَیُرِیْد۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۷۲ **حسد سب سے پہلا اور بڑا ہولناک جرم و گناہ:-** سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حسد وہ پہلا جرم و گناہ ہے جس کا اولادِ آدم میں ارتکاب کیا گیا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس شخص نے اپنے بھائی سے کہا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا، یعنی محض حسد کی بناء پر۔ اور یہی حال انسان کا آج بھی ہے کہ وہ اپنی کمزوری کو دیکھنے کی بجائے دوسرے پر تنقید کرتا اور اس پر جلتا اور حسد کرتا ہے۔ اور اس کے درپے آزار ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح وہ دوسروں کی تکلیف وایذاء رسانی سے پہلے خود حسد کی آگ میں جلتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ "اَلْحَسُوْدُ لَا یَسُوْدُ"۔ سو حسد وہ پہلا گناہ اور بڑا سنگین جرم ہے جس کا ارتکاب اولادِ آدم میں کیا گیا اور جس نے آدم کے ایک بیٹے سے قتل اور وہ بھی اپنے بھائی کے قتل جیسے سنگین اور ہولناک جرم کا ارتکاب کرا دیا۔ وَالعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ حسد اور اس کے عواقب ونتائج سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

۷۳ **تقویٰ اصلاح و قبولیت کی اولین اساس:-** سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ اس بھائی نے اپنے بھائی کی اس ہولناک دھمکی کے جواب میں اس سے کہا کہ سوائے اس کے نہیں کہ اللہ پرہیزگار لوگوں ہی سے قبول فرماتا ہے۔ پس تیری قربانی اگر قبول نہیں ہوئی تو یقیناً تیرے اپنے تقوے اور پرہیزگاری میں کوئی فرق ہوگا۔ تو تجھے اس کی فکر اور اصلاح کرنی چاہیئے۔ نہ کہ تو الٹا بلاوجہ میرے قتل کے درپے ہو جائے۔ سو اس سے یہ امر واضح ہو جاتا

ہے کہ تقویٰ و پرہیزگاری اور خوف و مشیتِ خداوندی اِصلاحِ اَحوال اور قبولیت عنداللہ کیلئے اولین اساس اور اہم بنیاد ہے۔ وباللہ التوفیق۔ سوتقویٰ و پرہیزگاری کے اس گوہرِ گرانبہا ہی کو اپنانے اور ہمیشہ پیشِ نظر رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں یہی مطلوب و مقصود ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے صاف اور صریح طور پر اِرشاد فرمایا گیا۔ ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾۔ اللہ نصیب فرمائے اور صدقِ نیت اور اِصلاحِ قلب و باطن کی دولت سے ہمیشہ سرفراز و سرشار رکھے۔ کہ یہی ہے اصل اور حقیقی دولت جو انسان کو دارین میں کام آنے والی دولت ہے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

۷۴ اِقدامِ قتل سے بچنے کی تلقین: ۔ سو اس نیک بخت بھائی نے اپنے اس بداطوار بھائی کی اس دھمکی کے جواب میں اس سے کہا کہ اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔ یعنی تیرے قتل کا اِقدام نہیں کروں گا۔ نہ یہ کہ اپنا دفاع بھی نہیں کروں گا۔ کہ اپنی جان اور اپنے مال کی حفاظت میں لڑنا نہ صرف یہ کہ جائز اور مسموح ہے بلکہ اس راہ میں مارا جانا بھی شہادت کا درجہ رکھتا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ یعنی میں ایسا نہیں ہوں کہ برائی کے بدلے میں برائی کا ارتکاب کروں کہ ایسا کرنا تقویٰ و پرہیزگاری کی اس روش کیخلاف ہے جو میرے خالق و مالک کو پسند ہے اور جس پر میں کاربند ہوں۔ (المراغی وغیرہ)۔ بہرکیف ہابیل نے قابیل کو سمجھایا کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ میں اپنے رب کی طرف بارِ گناہ اٹھا کر لوٹوں۔ اس لئے میں تو تمہارے قتل کا اِقدام بہرحال نہیں کروں گا۔ اب تم اگر ایسے کرو گے تو اپنے گناہ کے ساتھ ساتھ میرے گناہ بھی اپنے سر لو گے۔ سو تم اپنے بارے میں خود سوچ اور دیکھ لو۔ سو اس میں اس شخص کے قلب و ضمیر پر ایک دستک تھی۔

۷۵ قاتل کیلئے دوہری سزا ۔ والعیاذ باللہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس شخص نے اپنے بھائی سے کہا کہ تو سمیٹ لے میرے گناہ کو بھی اور اپنے گناہ کو بھی۔ یعنی میرے قتل کے گناہ کو یا میرے دوسرے تمام گناہوں کو۔ دونوں قول مروی ہیں۔ یعنی تو اپنے دوسرے گناہوں کے ساتھ میرے قتلِ ناحق کے اس گناہ کو بھی سمیٹ لے۔ یہ قول ابنِ عباسؓ اور ابنِ مسعودؓ وغیرہ کا ہے۔ امام جریر اور حافظ ابنِ کثیر نے اسی کو ترجیح دی۔ جبکہ دوسرا احتمال اس میں یہ ہے کہ تیری گردن پر تیرے گناہ کا بوجھ بھی ہو اور میرے گناہوں کا بوجھ بھی تجھ پر ڈالا جائے کہ قیامت کے روز مقتول مظلوم کی برائیاں قاتل پر ڈالی جائینگی۔ اس لیے تجھے اس روز یہ دونوں بوجھ اٹھانے ہونگے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قاتل کیلئے یہ سزا مقرر ہے کہ اس پر مقتول کے گناہوں کا بوجھ ڈال کر اسکو دوہری سزا دی جائے۔ (المعارف، المراغی، ابنِ کثیر اور قرطبی وغیرہ)۔ اور حدیث میں فرمایا گیا۔ "اَلسَّيْفُ مَحَّآءٌ لِلذُّنُوْبِ"۔ یعنی "تلوار گناہوں کو مٹا دیتی ہے"۔ اسی لئے شہید کے سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ سوائے قرض کے۔ سو اس اِعتبار سے ہابیل کے اس قول کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میرے قتل سے تو میرے گناہوں کی معافی کا بھی سبب ہوگا۔ سو اس طرح تو میرے گناہوں کی صفائی کا ذریعہ اور سبب بنے گا اور تیرے اپنے گناہ تو تیرے ذمے ہوں گے ہی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۷۶ ظالم کا بدلہ دوزخ ۔ والعیاذ باللہ: ۔ سو اس شخص نے اپنے بھائی کے قلب و ضمیر پر دستک کے طور پر اس

سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو سمیٹ لے میرے گناہ کو بھی اور اپنے گناہ کو بھی۔ پھر اس کے نتیجے میں تو دوزخیوں میں سے ہو جائے کہ یہی بدلہ ہے ظالموں کا جس کا ارتکاب تو میرے قتل سے کرے گا۔ یا وہ جس کے باعث تیری قربانی قبول نہیں ہو سکی۔ (جامع البیان وغیرہ)۔ یعنی میرے قتل کے ارتکاب سے تو ظلم بالائے ظلم کا مرتکب ہوگا۔ اور اسکے نتیجے میں تو اہلِ دوزخ میں سے ہو جائے گا کہ ظالم کا ٹھکانا اور اس کا بدلہ دوزخ ہے۔ سو میں تیرے قتل کیلئے ہاتھ نہیں بڑھاؤنگا اور تیرے قتل کیلئے پہل نہیں کروں گا بلکہ اسکی بجائے مجھے مظلوم رہنا پسند ہے تاکہ میرا بدلہ اللہ لے۔ (البحر، الصفوۃ وغیرہ)۔ بہرکیف قتلِ ناحق کے سبب تو دوزخیوں میں سے ہو جائے گا۔ کیونکہ قتلِ ناحق ان بڑے کبیرہ گناہوں - اَکْبَرُ الْکَبَائِر - میں سے ہے جن کی سزا جہنم کا دائمی عذاب ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - جیسا کہ دوسرے مقام پر اس کی اس طرح تصریح فرمائی گئی ہے - ﴿وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خَالِدًا فِیْھَا﴾ الایۃ (النساء: ۹۳) - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ -

۷۷ تمرّد وسرکشی کا نتیجہ ہلاکت وتباہی - والعیاذ باللہ:- سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ نفس وشیطان کی طغیانی پند ونصیحت کا اثر قبول کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے - والعیاذ باللہ - سو اس موقع پر ہابیل نے قابیل کو ایسا وقیع اور مؤثر وعظ کیا تاکہ وہ قتل کے اس انتہائی سنگین جرم کے ارتکاب سے باز رہے۔ مگر اس کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ کیونکہ نفس وشیطان کی طغیانی جب انسان پر مسلط ہو جائے تو کوئی کلمۂ وعظ ونصیحت اس پر اثر نہیں کرتا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - سو نفس وشیطان کی طغیانی انسان کو مہالک میں ڈالنے والی چیز ہے - اللہ اپنی پناہ میں رکھے اور ہمیشہ صراطِ مستقیم پر قائم رکھے - آمین - ﴿فَطَوَّعَتْ لَہٗ نَفْسُہٗ﴾ - کے اِس اُسلوبِ بیان سے اس کشمکش کا اِظہار ہوتا ہے جو اول اول اس کے دل میں جرمِ قتل کے خلاف پیدا ہوئی۔ کیونکہ قدرت نے انسان کے اندر ایک نفسِ لوّامہ بھی ودیعت فرما رکھا ہے جو اس کو برائی سے روکتا اور اس کے خلاف برابر احتجاج کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان مختلف حیلوں حوالوں سے اس کی زبان بند نہ کر دے۔ اسی کو لسانِ نبوت نے اللہ کے واعظ سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا گیا - ''وَاعِظُ اللّٰہِ فِیْ قَلْبِ کُلِّ مُؤْمِنٍ'' -

۷۸ قابیل کا انتہائی ہولناک خسارے میں پڑنا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخرکار اس شخص نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا جس سے وہ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گیا دنیاوی اِعتبار سے بھی کہ سب کی لعنت ملامت اور بدنامی ورسوائی کے علاوہ بھائی جیسے دست وبازو سے محروم ہو گیا۔ اور اُخروی اعتبار سے بھی کہ دوزخ کے عذاب کا مستحق بنا۔ اور روئے زمین پر پہلا قتل کر کے آئندہ ہونے والے ہر قتل کے گناہ کا حصہ دار بنا۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں اس کی تصریح وارد ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرتِ عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ ''جو بھی کوئی ظلم کے ساتھ قتل ہوگا اس گناہ کا ایک حصہ آدم کے پہلے بیٹے پر ہوگا'' کہ اُسی نے سب سے پہلے قتل کی بنیاد ڈالی۔ (بخاری: کتاب الانبیاء، باب خلق آدم وذرّیتہٖ) - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - سو اس طرح جب انسان کا نفس اس پر غالب آ جاتا ہے اور جذبہ مغلوب ہو جاتا ہے تو انسان خسارے میں مبتلا ہو جاتا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہر شر وفتنہ سے محفوظ رکھے - آمین۔

اَخِیْ ج فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ ج لا مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ج

چھپالیتا، پس وہ ہوگیا ندامت اٹھانے والوں میں سے، ۷۹ اسی وجہ سے

كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ

ہم نے لکھ دیا بنی اسرائیل پر (اپنا یہ حکم وفرمان) کہ جس نے قتل کیا کسی انسان کو

بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ

بغیر کسی انسان کے بدلے کے ۸۰ یا بغیر کسی فساد پھیلانے کے زمین میں، ۸۱ تو اس نے گویا قتل کردیا

النَّاسَ جَمِیْعًا ط وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْیَا

سب لوگوں کو ۸۲ اور (اس کے بالمقابل) جس نے جان بچائی کسی ایک انسان کی ۸۳ تو اس نے گویا زندگی بخش دی

۷۹ ندامت مطلوب ومعتبر کی نشاندہی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ ندامت اٹھانے والوں میں سے ہوگیا لیکن یہ ندامت اس کو کچھ کام آنے والی نہ تھی۔ کیونکہ ندامت وہی معتبر اور مفید ہوتی ہے جو خوفِ خداوندی کی بناء پر ہو۔ مگر اس کی یہ ندامت خوفِ خدا کی وجہ سے نہ تھی۔ تاکہ توبہ قرار پاتی اور گناہ کی معافی کا ذریعہ بنتی۔ بلکہ یہ ندامت محض دنیاوی رسوائی کی بناء پر تھی۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "الندم توبة" کا ارشاد امتِ مسلمہ کی خصوصیت ہو۔ (قرطبی وغیرہ)۔ بہرکیف قابیل کی یہ ندامت اس بناء پر نہیں تھی کہ میں نے ایسے گناہ اور جرمِ عظیم کا ارتکاب کیوں کیا۔ اور یہ کہ مجھے اس سے توبہ کرنی چاہیے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مقصد ہے "الندم التوبة"۔ (رواہ احمد والبخاری)۔ بلکہ اسکی یہ ندامت عام رسوائی کے ڈر سے تھی۔ جیسا کہ عام لوگوں کو پیش آتا ہے۔ (المراغی وغیرہ) بہرکیف اپنے بھائی کے قتل کا ارتکاب کرنے کے بعد جب قابیل کو اس کی لاش کو ٹھکانے لگانے کی تدبیر نہیں سوجھ رہی تھی تو اس نے کوے کو زمین کرید کر دفن کرتے دیکھا تو اپنا سر پیٹ کر رہ گیا کہ "میں اس کوے کے برابر بھی نہ ہوسکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپالیتا"۔ تو اس سے وہ سخت ندامت میں مبتلا ہوگیا۔ مگر بے وقت اور بے کار کی اس ندامت وشرمندگی کا اس کو کوئی فائدہ نہ ہوا نہ ہوسکتا تھا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ۔ اور وہ ہمیشہ ہمیش کے اور سب سے بڑے خسارے میں مبتلا ہوکر رہا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف اس سے ندامتِ مطلوب ومعتبر کی نشاندہی فرمادی گئی کہ جو خوف خداوند قدوس کی بناء پر ہو نہ کہ محض دنیاوی افسوس کی صورت میں اور بس۔

۸۰ قتل کے بدلے قتل کی اجازت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس نے کسی کو قتل کیا بغیر کسی جان کے کہ اس نے کسی کو ناحق قتل کیا ہو تو اس کے بدلے میں اس کو قتل کیا جائے کہ یہ صحیح ہے۔ اور اسے قتل کی اجازت ہے کہ دوسرے کو قتل کر دینے کے بدلے میں قاتل کو اس کے قصاص میں قتل کرنا جائز ہے۔ کہ ﴿اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ﴾ کے ضابطۂ عام کا تقاضا یہی ہے کہ جان کے بدلے میں جان لی جائے۔ کیونکہ قتل کے بعد قاتل کو قتل کرنا ایک امرِ مطلوب ومحمود ہے کہ اس میں سب کی جانوں کی حفاظت ہے۔ ورنہ کسی کی بھی جان محفوظ نہیں رہے گی۔ اسی لیے سورۂ بقرۃ میں "اولوا

الالباب''، یعنی عقلِ خالص رکھنے والوں کو خطاب کر کے اور ان کے قلوب وضمائر کو جھنجھوڑتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقلِ خالص رکھنے والو۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾۔ (البقرۃ: ۱۷۹)۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۸۱ فسادفی الارض کی سزا قتل: ۔ سوارشاد فرمایا گیا کہ یا کسی نے کسی کو قتل کیا ہو بغیر کسی طرح کے فساد پھیلانے کے زمین میں۔ رہزنی کر کے یا احصان کے بعد زنا کا ارتکاب کر کے۔ یا حرث ونسل کو تباہ کر کے۔ یا نظامِ امن کو خراب کر کے۔ یا مال و دولت کے لوٹنے سے وغیرہ۔ (المراغی، معارف وغیرہ)۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سوفساد فی الارض کی سزا قتل ہے۔ اسی بناء پر کفار کے خلاف جہاد وقتال نہ صرف جائز ومشروع بلکہ مامور بہ ہے۔ اور حالات کے تقاضوں کے مطابق فرض ولازم ہے۔ اسی طرح قوانین واحکامِ خداوندی کی خلاف ورزی اور ان میں بگاڑ پیدا کرنے کی سزا قتل ہے۔ اسی طرح اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شرانگیزی فتنہ پروری اور چوری ڈکیتی وغیرہ سب اسی فساد فی الارض میں داخل ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سوایسے مجرموں کو حکومت اسلامی قوانین کے مطابق قتل کر سکتی ہے۔

۸۲ حرمتِ نفس کی عظمتِ شان کا ذکر وبیان: ۔ سواس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کی نظر میں حرمتِ نفس کی عظمت واہمیت کس قدر ہے کہ ارشاد فرمایا گیا کہ ایک جان کا قتل کرنے کا جرم سب لوگوں کے قتل کرنے کے برابر کا جرم ہے۔ کہ اس نے حرمتِ نفس کا ازالہ کیا اور قتلِ نفس کا راستہ نکالا۔ (روح، بیضاوی وغیرہ)۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سواس طرح ایک جان کو قتل کرنا سب لوگوں کو قتل کرنا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سوایک جان کا اتلاف پوری نسلِ انسانی کے اتلاف کے برابر ہے۔ سواس سے حرمتِ انسانی کی عظمتِ شان اور قتلِ نفس کی سنگینی کو واضح فرما دیا گیا۔ حقوقِ انسانی کے علمبرداروں اور دعویداروں نے صدیوں بعد اب کہیں جا کر انسانی جان کی حرمت وحفاظت کا اعلان واظہار کیا ہے مگر دینِ حنیف نے پندرہ سو برس قبل انسانی جان کی حفاظت کا درس دیا جبکہ دنیا ساری سوئی ہوئی تھی۔ اور اس قدر بلیغ اسلوب اور مؤثر انداز میں درس دیا کہ اس کی کوئی نظیر ومثال دنیا نہ آج تک پیش کر سکی نہ قیامت تک پیش کر سکے گی۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ بہرکیف اس سے انسانی جان کے قتل کی سنگینی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۸۳ ایک جان کو بچانا سب لوگوں کی جان بخشی کے برابر: ۔ سواس میں تصریح فرمائی گئی ہے کہ ایک انسان کی جان بچانا گویا سب لوگوں کی جان بچانا ہے۔ کسی ظالم کے پنجہ سے چھڑا کر یا ہلاکت کے راستے سے بچا کر وغیرہ۔ (معارف، ابنِ کثیر وغیرہ)۔ سواس طرح کسی انسان کو موت کے پنجے سے چھڑانا اسکو زندگی بخشنے کے مترادف ہے۔ اور جس نے کسی ایک شخص کے ساتھ ایسا کیا اس نے گویا تمام انسانوں کی جان بخشی کا سامان کیا۔ کیونکہ اس کا باعث رحمت وشفقت اور احترامِ انسانیت کا وہ جذبہ ہے جو ایسے انسان کے باطن میں مخفی ومستور ہے۔ اور یہ وہ اہم اساس وبنیاد ہے جو تمام بنی نوعِ انسان کی حمایت وحفاظت کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس لئے اس کی حفاظت بھی سب کی ذمہ داری ہے۔ ابومسلم اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں کہتے ہیں کہ جس نے کسی ایک جان کو قتل کیا سب مسلمانوں کے ذمے لازم ہے کہ وہ اس سے دشمنی رکھیں کہ وہ درحقیقت ان سب کا قاتل ہے۔ اور اس کے برعکس جس نے ایک شخص کی زندگی بچائی سب مسلمانوں پر اس کی محبت لازم ہے کہ اس نے ان سب کی زندگی بچائی۔ (محاسن التاویل للقاسمی)

النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ

سب انسانوں کو، اور بلاشبہ آئے ان کے پاس ہمارے رسول کھلی نشانیاں لے کر،

ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ

مگر پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ حد سے بڑھنے والے

لَمُسْرِفُوْنَ ۝۳۲ اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ

ہی رہے، ۸۴ سوائے اس کے نہیں کہ سزا ان لوگوں کی جو جنگ کرتے ہیں اللہ

وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا

اور اس کے رسول سے ۸۵ اور وہ فساد مچاتے پھرتے ہیں (اللہ کی) اس زمین میں، یہی ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے چن چن کر ۸۶

اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ

یا ان کو لٹکا دیا جائے پھانسی پر، ۸۷ یا کاٹ ڈالے جائیں ان کے ہاتھ اور پاؤں

خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ

مخالف جانب سے ۸۸ یا جلاوطن کر دیا جائے ان کو، ۸۹ یہ تو ان کی

خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

رسوائی ہے دنیا میں، اور ان کے لئے آخرت میں بہت بڑا

عَظِيْمٌ ۝۳۳ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا

عذاب ہے، بجز ان کے جو (سچے دل سے) توبہ کر لیں قبل اس سے کہ تم ان پر قابو

عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۴ ۧ يٰٓاَيُّهَا ع ۵ ۸ ۹

پالو، تو (ان سے حد ساقط ہوگئی۔ سو) تم یقین جان لو کہ بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے، اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، تم ہمیشہ ڈرتے رہا کرو اللہ سے ف۹۰ اور قرب ڈھونڈتے رہا کرو اس کے حضور رسائی کے لئے ف۹۱

وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ

اور جہاد کرو تم لوگ اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاسکو ف۹۲ بے شک

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

جو لوگ اَڑے رہے اپنے کفر (و باطل) پر، (یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں مر گئے،) تو ان کے پاس اگر (بالفرض) دنیا

وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

بھر کی سب دولت بھی موجود ہو، اور اتنی ہی اس کے ساتھ اور بھی، تاکہ وہ اس کو اپنے بدلے میں دے سکیں قیامت کے دن

مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيْدُوْنَ

کے عذاب سے بچنے کے لئے، تو وہ بھی ان سے (کسی قیمت پر) قبول نہیں کی جائے گی ف۹۳ اور ان کے لئے ایک بڑا ہی

۸۴ عوام الناس کی اکثریت حجت نہیں:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر بھی بہت سے لوگ حد سے بڑھنے والے ہی رہے سو اس سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ عام لوگوں کی تائید یا تردید کسی معاملے میں حق یا ناحق ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اکثر لوگ ناحق طور پر قتل و خونریزی کا ارتکاب کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان بدبختوں نے اللہ پاک کے نبیوں کو بھی قتل کیا۔ اور یہاں تک کہ ایسے بدبخت اور سیاہ باطن حضرتِ امام الانبیاء۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور آپؐ کے قدسی صفت صحابہ کرام کے قتل کے درپے ہو گئے۔ (کبیر، ابنِ کثیر، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ سو لوگوں کی اکثریت ظلم و زیادتی کا ارتکاب کرنے والوں ہی کی رہی۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ پس عوام الناس کی اکثریت کی تائید یا تردید کسی معاملے میں حق یا ناحق ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ جس طرح کہ مغربی جمہوریت کے پرستاروں کا کہنا اور ماننا ہے۔ اور جس طرح کہ اہلِ بدعت کا کہنا ہے۔ حق بہر حال وہ اور صرف وہی ہے جو دینِ حق کی تعلیماتِ مقدسہ کی رو سے حق قرار پائے قطع نظر اس سے کہ اس کے ماننے والے کتنے ہیں۔ کم یا زیادہ۔ عوام کی قلت یا کثرت کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

۸۵ فساد فی الارض اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کے برابر:- سو اس سے فساد فی الارض کے جرم کی سنگینی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ دراصل اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کا جرم ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو امن و امان کو تباہ کرنا اللہ اور اسکے رسول سے جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ والعیاذ باللہ۔ رہزنی و ڈکیتی کا ارتکاب کر کے۔ اور اس کو خدا و رسول سے جنگ قرار دیا گیا کہ عدل و انصاف اور امن و امان قائم کرنا دینِ حق کا ایک بنیادی مقصد اور اہم تقاضا ہے۔ یہاں تک کہ

دینِ حق کے نازل کرنے اور انبیائے کرام کے مبعوث فرمانے کا انتظام بھی بنیادی طور پر اسی لئے فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۂ حدید کی آیت نمبر ۲۵ میں اس کی تصریح فرما دی گئی ہے۔ بہر کیف اس طرح کے عدوان کو اللہ اور اسکے رسول سے جنگ قرار دیا گیا۔ کیونکہ ایسا کرنا اس حق اور عدل پر اعتداء اور زیادتی ہے جسکو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا ہے۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو اس سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ امن وامان کو قائم کرنا اور اس کو قائم رکھنا سب کی اہم اور اجتماعی ذمہ داری ہے۔

۸۶ باغیوں اور رہزنوں کے قتل کا حکم: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسوں کی سزا یہ ہے کہ ان کو چن چن کر قتل کیا جائے اگر انہوں نے قتل وخونریزی کا ارتکاب کیا ہو۔ ان کے اس امرِ قبیح اور جرمِ شنیع کے نتیجے میں ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ آیتِ کریمہ قطعِ طریق یعنی راہزنی کے بارے میں ہے۔ اور اس میں بیان فرمودہ سزائیں مختلف جرائم پر مرتب فرمائی گئی ہیں۔ (المعارف، المراغی وغیرہ)۔ قتل کے سلسلے میں یہاں پر ''یُقَتَّلُوْا'' کی بجائے ''یُقَتَّلُوْا'' فرمایا گیا ہے جو کہ تقتیل سے ماخوذ ہے جو بابِ تفعیل سے ہے۔ اور بابِ تفعیل معنٰی کی شدت اور کثرت پر دلیل ہوتا ہے۔ اسی لئے حضراتِ اہلِ علم اس کو شرطِ تقتیل کے معنٰی میں لیتے ہیں۔ اسی کے ایک پہلو کو ظاہر کرنے کے لئے ہم نے اس کا ترجمہ ان لفظوں سے کیا ہے۔ سو ایسے لوگوں کو ایسے شر انگیز اور سبق آموز طریقوں سے قتل کیا جائے کہ یہ دوسروں کے لئے درسِ عبرت بن جائیں۔ اور یہی اصل اور بڑا مقصد ہوتا ہے ایسی سزاؤں کا کہ دنیا عبرت پکڑے۔

۸۷ محاربہ کی دوسری سزا سولی: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یا ان کو سولی پر لٹکا دیا جائے اگر انہوں نے قتل وخونریزی کے ساتھ ساتھ مال بھی لوٹا ہو۔ سو ان کو چن چن کر قتل کیا جائے گا اور دوسروں کی زجر وتوبیخ اور عبرت پذیری کے لئے ان کو سولی پر بھی لٹکایا جائے گا۔ سو یہ اُن کی سزا کی دوسری صورت ہے کہ جب انہوں نے قتل اور سلب ونہب کے ان دونوں جرائم کا ارتکاب کیا تو ان کو قتل اور سولی کی دونوں سزائیں دی جائیں گی۔ (معارف وغیرہ)۔ یہاں پر یہ امر بھی واضح رہے کہ یہاں پر سولی کے لیے صلیب کی بجائے تصلیب کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے جس میں شدت اور سختی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ سو اس میں سولی کے وہ سب طریقے داخل اور مطلوب ہیں جو شدت اور دردناکی کے اعتبار سے زیادہ مؤثر اور کارگر ہوں۔ بہر کیف اس سے محاربہ اور راہزنی کی دوسری صورت اور اس کی سزا کا ذکر وبیان فرمایا گیا ہے۔

۸۸ مخالف سمتوں سے ہاتھ اور پاؤں کاٹنے کی سزا: ۔ یعنی ہر ایک کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا اگر انہوں نے صرف مال لوٹا ہو۔ جمہور کے نزدیک جیسا کہ اوپر بھی گزرا اس آیتِ کریمہ میں محاربہ سے مراد رہزنی اور ڈکیتی ہے۔ اور اس میں اسی سے متعلق یہ اَحکام بیان فرمائے گئے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک یہاں پر محاربہ سے مراد ارتداد ہے ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ (معارف للکاندھلویؒ)۔ بہر کیف اس بارے ہدایت فرمائی گئی کہ ان کے ہاتھوں اور پاؤں کو مخالف سمتوں سے کاٹا جائے کہ عبرت پذیری اور درد انگیزی کے لئے یہ طریقہ زیادہ مؤثر اور کارآمد ہے۔ اور یہ حکم اس صورت سے متعلق ہے کہ ڈاکہ زنی میں صرف مال لوٹا گیا ہو۔ کسی جان کا ضیاع نہ ہوا ہو۔ سو ایسی صورت میں ان کے ہاتھ پاؤں کو مخالف سمتوں سے کاٹا جائے گا تاکہ وہ دوسروں کے لئے نمونۂ عبرت بن جائیں ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔

۸۹ چار جرائم پر چار سزاؤں کا ذکر وبیان: ۔ سو اس سے چار سنگین جرائم پر چار سنگین سزاؤں کا ترتب فرمایا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ اگر انہوں نے صرف خوف وہراس پھیلایا ہو تو اس صورت میں ان کو جلا وطن کیا جائے گا۔ اور یہ قول

جمہور کا ہے کہ ان کو جلاوطن کر دیا جائے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نفی- جلاوطنی- سے مراد حبس وقید ہے۔ کیونکہ یوں ملک بدر کر دینے سے وہ دوسری جگہ جا کر یا دوسروں سے مل کر اور زیادہ فتنہ وفساد پھیلائیں گے۔ بہرکیف یہ چاروں سزائیں ان کے چاروں جرائم پر مرتب اور تقسیم ہیں۔ یہ قول جمہور کا ہے جبکہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ ان میں سے جو سزا چاہے ان پر جاری کرے۔ سو ان حضرات کے نزدیک یہ حرفِ "اَوْ" جو یہاں واقع ہے تخییر کے لئے ہے۔ مگر جمہور کے نزدیک یہ تنویع وتوزیع کے لئے ہے۔ (معارف، صفوۃ وغیرہ)۔ اور دونوں صورتوں کا فرق واضح ہے۔ بہرکیف اِصلاحِ اَحوال اور قانون ونظام کی بالادستی کے لئے حکومت وقت ان چاروں صورتوں میں سے جو بھی صورت زیادہ مؤثر ومفید اور کارگر سمجھے اس کو اختیار کرے۔

۹۰ تقوٰی و پرہیزگاری کی عظمتِ شان:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ تقوٰی و پرہیزگاری دارین کی سعادت وسرخروئی اور فوز وفلاح کی اصل اور اساس ہے۔ پس تم لوگ بچتے رہا کرو اپنے اُس خالق و مالک کی ہر نافرمانی سے کہ اتقاء کا اصل معنٰی بچنا ہی ہے۔ اور اس کی نافرمانی وناراضگی سے بچ گئے تو ہر ظلم وفساد سے بچ گئے۔ اور اسکے نتیجے میں تم لوگ اپنے رب کی گرفت وپکڑ اور اسکے عذاب سے بچ گئے۔ سو تقوٰی اصل واساس ہے ہر خیر اور حقیقی فوز وفلاح کی- فَوَفِّقْنَا اللّٰھُمَّ تَقْوَاکَ وَخُذْ بِنَوَاصِیْنَآ اِلٰی مَا فِیْهِ حُبُّکَ وَرِضَاکَ- بہرکیف تقوٰی و پرہیزگاری ایک اہم مقصد اور دارین کی سعادت وسرخروئی کی اصل واساس ہے اور تقوٰی کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر واحکام کو صدق واخلاص سے اپنایا جائے اور اس وحدہٗ لاشریک کی ناراضگی سے بچنے کی حتی المقدور کوشش کی جائے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلٰی ما یحب ویرید وھو الہادی الٰی سواء السبیل- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۹۱ وسیلہ کا مفہوم اور اس سے مراد؟:- سو ارشاد فرمایا گیا۔ اور اپنے اس خالق ومالک کا قرب ڈھونڈتے رہو۔ یعنی نیک اعمال کے ذریعے کہ جتنے تم نیکیوں اور اسکی اطاعت وفرمانبرداری میں آگے بڑھتے جاؤ گے اتنے ہی اس کے قرب اور رضائے خداوندی کے شرف سے مشرف وسرفراز ہوتے جاؤ گے۔ سو نماز وروزہ، حج وزکوٰۃ، صدقہ وخیرات، جہاد وقتال اور اِقامتِ حدود وغیرہ جملہ عبادات وطاعات اور اَفعال وصفاتِ خیر اس میں داخل ہیں کہ ان سب کے ذریعے انسان اس وحدہٗ لاشریک کی رضاء وخوشنودی اور اُسکے قرب ونزدیکی کے شرف سے مشرف ہوتا اور اس راہ میں آگے بڑھتا اور ترقی کرتا جاتا ہے۔ حضرتِ ابنِ عباس، مجاہد، قتادہؒ، حسنؒ، زیدؒ، عطاءؒ، ثوریؒ اور سدیؒ، ابو وائلؒ وغیرہ جیسے اکابر مفسرینِ کرام اور ثقہ اہلِ علم اور اصحابِ فضل سے یہاں پر وسیلہ کے یہی معنٰی مروی ومنقول ہیں۔ اس لئے یہ حضرات وسیلہ کا مفہوم عام طور پر اسی طرح کے الفاظ سے بیان کرتے -"ای اطلبوا ما یقربکم الیه من طاعته و عبادته "-(روح، قرطبی، مدارک، جامع البیان، محاسن التاویل اور ابنِ کثیر وغیرہ)۔ پس اہلِ بدعت کا اس کلمہ کو اپنے من پسند معانی پہنانا اور اس پر آگے طرح طرح کے قیاسات کی عمارات استوار کرنا سب کچھ بے اصل اور ان لوگوں کی اپنی اختراعات کے ذیل میں آتا ہے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- کیونکہ وسیلہ کے معنٰی ہیں اللہ تعالیٰ کی اِطاعت وفرمانبرداری کے ذریعے اس کا قرب ڈھونڈنا۔ نہ کہ کسی شخصیت کا وسیلہ پکڑنا۔ جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ قتادہ اس کا معنٰی اس طرح بیان کرتے -"ای تقربوا الیه بطاعته والعمل بما یُرْضِیْهِ "-(صفوۃ التفاسیر، محاسن التاویل، مدارک التنزیل اور ابنِ کثیر وغیرہ)-وبِاللّٰہِ التوفیق لما یُحِبُّ وَیُرِیْدُ-

۹۲ جہاد فی سبیل اللہ ذریعہء فوز و فلاح: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پا سکو اور اسکے ذریعے تم ان قوتوں کو زیر کر سکو جو حصولِ قرب و رضائے خداوندی کی اس راہ میں تمہارے لئے رکاوٹ اور سدِ راہ بنتی ہوں، خواہ وہ نفس و شیطان کی پوشیدہ قوتیں ہوں یا دوسرے دشمنوں کی کھلی اور ظاہری قوتیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- سو جہاد سے اصل مقصود دفعِ شر و فساد، إعلاءِ کلمۃ اللہ اور رضائے خداوندی کیلئے کوشش اور محنت کرنا ہے۔ تاکہ باطل قوتیں دب جائیں اور وہ راہِ حق میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔ سو جہاد میں ہر وہ محنت و کوشش داخل و شامل ہے جو احکامِ خداوندی کی تعمیل و پابندی اور دینِ حق کی إقامت و سربلندی کے لئے کی جائے۔ خواہ اس کا تعلق جان و مال سے ہو یا تیغ و سنان اور زبان و بیان سے۔ چنانچہ سننِ ابوداوٗد میں حضرتِ امام الانبیاء -علیہ السلام- سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرو اپنے مالوں اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ساتھ- " جَاهِدُوا الْكُفَّارَ وَالْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَ اَلْسِنَتِكُمْ "- بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ اپنے مالوں اور زبانوں سے جہاد کی اہمیت جہاد بالنفس سے بھی اس لحاظ سے بڑھ کر ہے کہ جہاد بالنفس کا موقع کبھی کبھی آتا ہے اور وہ بھی ان لوگوں کے لئے جو جسمانی طور پر اس کے اہل ہوں۔ جبکہ مال اور زبان سے جہاد کا موقع ہمیشہ اور ہر حال میں رہتا ہے- وباللّٰہِ التوفیق لما یُحبُّ وَیُرِیدُ وعلٰی ما یحب ویرید-

۹۳ حیاتِ دنیا کی نعمت اور اسکی عظمتِ شان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر آخرت میں کافروں کے پاس دنیا بھر کی دولت بھی ہو اور اسی کے برابر اور بھی تاکہ وہ اس کو اپنے بدلے میں دے سکیں قیامت کے عذاب سے بچنے کے لیے تو وہ بھی اس دن ان سے نہیں قبول کی جائے گی کہ وہ وقت اور وہ جہاں عمل اور قبولیت کا نہیں۔ فیصلے اور بدلے کا وقت اور جہاں ہوگا۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دنیا کی یہ زندگی جو آج ہمیں یہاں میسر ہے حق تعالیٰ کی بخشی ہوئی کتنی عظیم الشان نعمت ہے کہ وہاں تو اتنی ناقابلِ تصور دولت بھی قبول نہیں کی جائے گی، جبکہ آج یہاں اس دنیا میں جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ اگر کوئی اپنے حلال مال میں سے کھجور کے ایک کے دانے کے برابر بھی صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو بھی اپنے داہنے ہاتھ سے قبول فرماتا ہے۔ اور پھر اسے اپنے طور پر بڑھاتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اُحد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے- فَيَا سُبْحَانَ اللّٰهِ مَآ اَكْرَمَكَ وَمَآ اَعْظَمَ شَاْنَكَ - فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ حَتّٰى تَرْضٰى- اور صحیحین وغیرہ میں حضرتِ انس -رضی اللہ عنہ- سے مروی ہے کہ آنحضرت -علیہ السلام- نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ایک ایسے دوزخی سے جس کو سب سے کم درجے کا عذاب ہوگا پوچھے گا کہ اگر تجھے روئے زمین کی سب دولت مل جائے تو کیا تو اس کو اپنے عذاب کے بدلے میں دینے کو تیار ہوگا؟ تو وہ کہے گا ہاں ضرور اے میرے مالک! تب اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ میں نے تو تجھ سے دنیا میں ایک بڑی آسان اور معمولی سی چیز کا مطالبہ کیا تھا کہ- ﴿اَلَّا تُشْرِكَ بِیْ شَیْئًا﴾- کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ مگر تو نے اس کو بھی پورا نہ کیا۔ (بخاری: کتاب الرقاق و مسلم واحمد وغیرہ)۔ پھر اس شخص کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم فرما دیا جائے گا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ -فَخُذْنَا اللّٰهُمَّ بِنَوَاصِيْنَآ اِلٰى مَا فِيْهِ حُبُّكَ و رِضَاكَ بكل حالٍ من الاحوال، وفی کل موطنٍ من المواطن فی الحیاۃ - یا ذا الجلال والاکرام، ویا من بیدہ ملکوت کل شیء.

اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمۡ بِخٰرِجِیۡنَ مِنۡهَا ۫

دردناک عذاب ہے۔ وہ چاہیں گے کہ (کسی طرح) نکل بھاگیں (دوزخ کی) اس آگ سے، مگر وہ کبھی بھی اس

وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِیۡمٌ ﴿۳۷﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ

سے نکلنے نہیں پائیں گے، اور ان کے لئے دائمی عذاب ہوگا، ۹۴ اور چور خواہ مرد ہو یا عورت،

فَاقۡطَعُوۡۤا اَیۡدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ

کاٹ دو ان دونوں کے ہاتھ (ان کی کہنیوں سے،) ان کے اپنے کئے کے بدلے میں، عبرتناک سزا کے طور پر،

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیۡزٌ حَكِیۡمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنۡ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِ

اللہ کی طرف سے ۹۵ اور اللہ بڑا ہی زبردست نہایت ہی حکمت والا ہے، پھر جس نے توبہ کر لی اپنے

ظُلۡمِهٖ وَاَصۡلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوۡبُ عَلَیۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

ظلم کے بعد، اور اس نے اصلاح کر لی (اپنے بگاڑ کی) تو بے شک اللہ توجہ فرمائے گا اس پر (اپنی نظر رحمت و عنایت سے کہ ۹۶) بے شک

غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ

اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَغۡفِرُ

آسمانوں اور زمین کی (اس ساری کائنات کی،) وہ عذاب دے جس کو چاہے، اور معاف فرمائے

لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۴۰﴾ یٰۤاَیُّهَا

جس کو چاہے، (کہ وہ مختار کل اور حاکم مطلق ہے،) اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے، ۹۷ اے

الرَّسُوۡلُ لَا یَحۡزُنۡكَ الَّذِیۡنَ یُسَارِعُوۡنَ فِی الۡكُفۡرِ

رسول ۹۸ آپ کو غم میں نہ ڈالنے پائیں وہ لوگ، جو دوڑ دوڑ کر گرتے ہیں کفر (کی دلدل) میں، ۹۹

مِنَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَلَمۡ تُؤۡمِنۡ

خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے مونہوں سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، مگر ان کے دلوں میں

قُلُوۡبُهُمۡ ۛۚ وَمِنَ الَّذِیۡنَ هَادُوۡا ۛۚ سَمّٰعُوۡنَ

ایمان نہیں، یا وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو یہودی بن گئے، (ان کا حال یہ ہے) یہ لوگ

مع — الوقف علی الاول اجوز ۱۲

لِلۡكَذِبِ سَمّٰعُوۡنَ لِقَوۡمٍ اٰخَرِیۡنَ ۙ لَمۡ یَاۡتُوۡكَ ؕ

جھوٹ کے پکے رسیا، ۱۰۰ ٹوہ لگا لگا کر سننے والے ہیں، ان دوسروں کے لئے جو آپ کے پاس نہیں آئے ۱۰۱

۹۴ کافر کیلئے دوزخ کا دائمی عذاب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے لیے دائمی عذاب ہوگا کہ نہ وہ عذاب کبھی ختم ہوگا اور نہ ایسے کافروں کے لئے اس سے نکلنے کی کوئی صورت ممکن ہوگی -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ - بلکہ ان کو ہمیشہ اسی میں پڑے جلنا ہوگا۔ سو کافر کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دوزخ کا عذاب ہے۔ اور وہ بڑا ہی بدبخت اور برا انسان ہے-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ - جیسا کہ قرآنِ حکیم میں جابجا اور طرح طرح سے اسکی تصریح فرمائی گئی ہے۔ مثلاً سورۃ البینۃ میں ارشاد فرمایا گیا-﴿اُولٰٓئِكَ هُمۡ شَرُّ الۡبَرِیَّةِ﴾-(البینۃ:۶) یعنی کفار خواہ اہلِ کتاب میں سے ہوں یا دوسرے کھلے مشرکوں میں سے ان سب کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے۔ جس میں ان کو ہمیشہ کیلئے رہنا ہوگا۔ اور یہی لوگ ہیں جو سب سے بری مخلوق ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ - سو جن لوگوں نے ایمان ویقین کی دولت سے محروم رہ کر کفر و باطل ہی کی راہ کو اپنائے رکھا اور متاعِ عمر کو اسی میں گنوا دیا وہ بڑے ہی محروم اور سیاہ بخت لوگ ہیں۔ خواہ دنیاوی اعتبار سے وہ کتنے ہی بڑے عیش وعشرت میں کیوں نہ رہے ہوں۔ پس اصل دولت ایمان ویقین کی دولت ہے-اَللّٰهُمَّ فَزِدۡنَا مِنۡهُ وَثَبِّتۡنَا عَلَیۡهِ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الۡاَحۡوَالِ یَا ذَا الۡجَلَالِ وَالۡاِكۡرَامِ-

۹۵ چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا کا بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ چوری کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو عبرتناک سزا کے طور پر اللہ کی طرف سے۔ یعنی تا کہ وہ عبرت بن کر دوسروں کو اس جرم سے باز رکھنے کا ذریعہ بن جائے اور معاشرہ ایسے گھناؤنے جرائم سے پاک وصاف ہوجائے۔ اور چور کی یہ سزا اسکے فعلِ سرقہ پر ہے نہ کہ مالِ سرقہ کے بدلے میں۔ اسی لیے یہ سزا مالکِ مال کے معاف کر دینے سے بھی معاف نہیں ہوگی۔ (محاسن وغیرہ)۔ یہاں پر﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ﴾ کا عطف محاربین پر ہے جن کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ بیچ کی دو آیتیں بطورِ تنبیہ وتذکیر آ گئی تھیں۔ ان کے بعد اب پھر تعزیرات اور حدود کا ذکر شروع فرما دیا گیا۔ بالفاظِ دیگر بیچ میں امورِ مصلحہ کا ذکر آ گیا تھا۔ اب اس کے بعد اصل موضوع کو دوبارہ ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ اور اس میں حدِّ سرقہ کو بیان فرمایا گیا ہے۔

۹۶ آخرت میں معافی کیلئے سچی توبہ ضروری ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر جس نے توبہ کر لی اپنے ظلم کے بعد اور اس نے اصلاح کر لی اپنے بگاڑ کی تو بے شک اللہ اس پر توجہ فرمائے گا اپنی رحمت وعنایت سے۔ یعنی آخرت کے بارے میں کہ وہاں اس کو سزا نہیں دے گا۔ رہ گئی قطعِ ید کی دنیاوی سزا تو وہ اس توبہ سے ساقط نہیں ہوگی۔ (جامع البیان وغیرہ)۔ پس معلوم ہوا

کہ بغیر توبہ کے آخرت کی سزا معاف نہیں ہوتی۔ روایات میں ہے کہ ایک ملحد بے دین شخص نے قطعِ ید کی اس اسلامی سزا پر اعتراض کیا کہ اسلام نے جب ہاتھ کی دیت پانچ سو دینار رکھی تو پھر اسے پانچ درہم کی چوری میں کاٹ دینا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ تو اس وقت کے اہلِ حق میں سے ایک عالمِ دین نے اس کا جواب یہ دیا کہ جب یہ ہاتھ امانت دار تھا تو اس کی قدر و قیمت اتنی زیادہ تھی۔ اور جب یہ خیانت کا مرتکب ہوا تو اس قدر ذلیل و خوار ہو گیا کہ اتنی چوری پر اسکے کاٹنے کا حکم دے دیا گیا۔ (اِنَّھَا لَمَّا کَانَتْ اَمِیْنَۃً کَانَتْ ثَمِیْنَۃً وَلَمَّا خَانَتْ ھَانَتْ) (معارف وغیرہ)۔ سو اصل قدر و قیمت دین و ایمان سے ہے کہ اسی سے انسان دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ مند اور سرفراز ہوتا ہے۔ ورنہ ایمان وعقیدہ اور دولتِ یقین سے محروم انسان گمراہ ہے۔ بلکہ اس سے بھی برا اور "شر البریہ" - بدترین مخلوق - ہے۔ جس نے دوزخ کا ایندھن بننا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۹۷ اللہ کی بعض اہم صفات کا حوالہ و ذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ یعنی اس ساری کائنات کی۔ وہ عذاب دے جس کو چاہے اور معاف فرمائے جس کو چاہے کہ وہ مختار کل اور حاکم مطلق ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ پس وہ جو چاہے کرے۔ کسی میں یارا نہیں کہ وہ اس کو اپنے ارادہ و فیصلہ کی تنفیذ سے روک سکے۔ مگر وہ چونکہ قادرِ مطلق ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم مطلق بھی ہے، اس لیے اس کا جو بھی کام ہوتا ہے وہ حکمت اور اسکے تقاضوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔ پس انسان کیلئے سلامتی کی راہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اسکی رضاء وخوشنودی کی فکر و کوشش میں لگا رہے اور اسکی ناراضگی اور اسکی گرفت و پکڑ سے بچنے کی کوشش کرتا رہے - وباللہ التوفیق - اور اس کے ہر حکم و ارشاد کو دل و جان سے اپنائے کہ اس میں خود اسی کا بھلا ہے۔ دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی میں بھی اور آخرت کے اُس ابدی جہاں میں بھی - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید۔

۹۸ ادبِ رسالت سے متعلق ایک اہم ادب کی تعلیم و تلقین: - سو اس ارشادِ ربانی میں ادبِ رسالت سے متعلق ایک اہم ادب کی تعلیم دی گئی ہے کہ حضرتِ رسالتماب - ﷺ - کو نام لے کر پکارنے کی بجائے انکو کسی خاص وصف ہی سے پکارا جائے۔ اسی لئے پورے قرآنِ مجید میں کسی ایک مقام پر بھی پیغمبر کو نام کے ساتھ، یعنی "یا محمد" کہہ کر نہیں پکارا گیا کہ نام لے کر پکارنا تقاضائے ادب کے خلاف ہے۔ مگر اس کے باوجود ہمارے پنجاب کا بدعتی دھڑلے سے کہتا اور نظم بنا کر کہتا ہے کہ - اسیں یا محمد کہندے رہنا اے - انہاں نجدیاں جلدے رہنا اے - اور پھر بھی دعویٰ ہے عشقِ رسول کا - شرم تم کو مگر نہیں آتی - نیز اس ارشادِ ربانی میں نئی تہذیب کے پروردہ ان لوگوں کے لئے بھی ایک درسِ عظیم ہے جو اپنے بڑوں اور علماء تک کو بھی نام لے کر پکارتے اور مخاطب کرتے ہیں۔ سو یہ طریقہ بے ادبی اور بدتمیزی کے زمرے میں آتا ہے۔ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ دوسرے کو اس کے خاص وصف یا کنیت سے پکارا جائے۔ اور عربوں کے یہاں آج تک یہی طریقہ و دستور ہے کہ وہ دوسرے کو اس کے کسی خاص وصف یا کنیت ہی سے مخاطب کرتے اور پکارتے ہیں۔ اس بارے مزید یہ امر بھی واضح رہے کہ بڑا اپنے چھوٹے کو نام لے کر پکار سکتا ہے۔ مثلاً باپ اپنے بیٹے کو، استاذ اپنے شاگرد کو اور شیخ اپنے مرید کو وغیرہ۔ اور اللہ پاک تو خالق ہیں اور باقی سب اس کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں۔ اس لیے وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہیں نام لے کر پکار سکتے ہیں اور دوسرے مختلف انبیائے کرام کو اس نے ان کے صریح ناموں سے پکارا بھی ہے۔ مثلاً "یا آدم"، "یا نوح"، "یا ابراہیم"، "یا موسیٰ" اور "یا عیسیٰ" وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس سب کے باوجود ہمارے نبی کو اس نے اپنی پوری کتابِ حکیم میں کسی ایک جگہ بھی

صریح نام سے نہیں پکارا۔ یعنی ''یا محمد'' نہیں فرمایا۔ سو یہ آنحضرت۔صلی اللہ علیہ وسلم۔کی ایک امتیازی شان ہے۔ مگر اس کے باوجود ہمارے ملک کا بدعتی ملاں دھڑلے سے کہتا ہے کہ ''اسیں یا محمد کہندے رہنا اے'' ۔والعیاذ باللہ العظیم۔

۹۹ **کافروں کے کفر پر غم اور افسوس نہ کرنے کی ہدایت:** ۔سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ آپ کو غم میں نہ ڈالنے پائیں وہ لوگ جو دوڑ دوڑ کر گرتے ہیں کفر میں کہ آپؐ کے ذمے صرف پہنچا دینا ہے پیغامِ حق کا اور بس۔ اور وہ آپ نے پورا کر دیا اور بطریقِ احسن پورا کر دیا۔ اس سے آگے لوگوں کو انکے کفر سے روکنا اور راہِ حق پر ڈال دینا نہ تو آپ کے اختیار میں ہے اور نہ ہی یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ اور کفر میں دوڑ دوڑ کر جا گرنے سے یہ لوگ اپنا ہی نقصان کریں گے، آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑیں گے۔ تو پھر ان پر اس قدر غم و افسوس کیوں۔ کہ نہ دعوتِ حق کا کوئی قصور ہے اور نہ آپ کے اِنداز و تبلیغ میں کوئی کوتاہی ہے۔ بلکہ یہ سب قصور ان لوگوں کا اپنا ہے۔ اور یہ ان کے اپنے عناد اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا آپ ان پر نہ کوئی غم کریں نہ افسوس۔ بلکہ ان کا معاملہ ہمارے حوالے کر دیں۔ ہم ان سے خود نمٹ لیں گے۔ آپ کا کام تو صرف تبلیغ ہے اور وہ آپ کر چکے۔ آگے حساب لینا اور ان سے نمٹنا ہمارا کام ہے۔ **ان علیک الا البلاغ وعلینا الحساب۔**

۱۰۰ **منکرین کے اصل روگ کی نشاندہی:** ۔سو منکرین کے اصل روگ کی نشاندہی کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ جھوٹ کے رسیا ہیں۔ جب جھوٹ کے ان رسیاؤں کا کام ہی جھوٹ سننا اور سنانا ہے تو پھر آپ کا کلام حق وصدق ترجمان سنانا ان کو راس ہی کب آ سکتا ہے۔ اور یہ اس کے سننے اور قبول کرنے کے لئے تیار ہی کیسے ہو سکتے ہیں؟ ۔اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۔یعنی یہ نہیں کہ ان لوگوں کو اس کلام کے معنٰی معلوم نہیں ہوتے یا ان کے معنٰی متعین اور واضح نہیں ہوتے، بلکہ اس کے واضح ہونے کے باوجود یہ لوگ ان کے معنٰی بدل دیتے ہیں اور کچھ کا کچھ کر دیتے ہیں کہ ایسے لوگوں کا کام ہی اسی جھوٹ کو سننا اور ماننا ہے جو ان کے اَحبار و رہبان گھڑ گھڑ کر ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ (محاسن التاویل اور مراغی وغیرہ)۔ تو پھر ایسوں سے حق کو سننے اور ماننے کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ سو جھوٹ ہلاکت کی راہ پر ڈالتا اور بالآخر دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتا ہے۔ جو کہ ہلاکتوں کی ہلاکت ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ العظیم۔ بہرکیف اس سے منکرین کے اس اصل روگ کی نشاندہی فرما دی گئی جو ان کے سبق الی الکفر کا اصل باعث ہے اور جس کی بنا پر یہ لوگ دوڑ دوڑ کر کفر میں گرتے ہیں۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ لوگ جھوٹ کے رسیا اور اس کے عادی ہیں۔ یہ جھوٹی گواہی، جھوٹی عدالت اور جھوٹا فیصلہ چاہتے ہیں۔ اس لیے یہ پیغمبر کی عدالت سے گھبراتے اور کنی کتراتے ہیں اور اپنے ہم جنسوں کی تلاش میں یہود سے جا ملتے اور کفر میں جا گرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۰۱ **مخبری اور جاسوسی یہود اور منافقین کی قدیم خصلت:** ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ ٹوہ لگا کر سنتے ہیں ان دوسروں کے لیے جو آپ کے پاس نہیں آئے۔ تاکہ ان تک پہنچا کر یہ لوگ ان کے لئے مخبری کر سکیں۔ نیز یہ کہ آپؐ کی مجلس میں یہ لوگ سننے ماننے کے لئے سرے سے آتے ہی نہیں۔ یہ دراصل سنتے اور مانتے اپنے انہی سرداروں کی ہیں جو پیچھے بیٹھے ہوتے ہیں۔ اور ان کی نکیل انہی کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ وہ ان کو جو کہیں گے یہ وہی مانیں گے۔ اور وہ جدھر انکو چلائیں گے یہ ادھر ہی چلیں گے۔ تو ایسوں کے دلوں میں حق کی بات اتر ہی کیسے سکتی ہے؟۔ (جامع، محاسن وغیرہ)۔ کیونکہ نورِ حق و ہدایت سے سرفرازی کیلئے صدق و اخلاص اور طلبِ صادق کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور اس سے یہ محروم ہیں۔ سو جاسوسی، بدگوئی اور بدخوئی یہودِ بے بہبود کی ایک جبلی عادت اور قدیم خصلت ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ ایسے اشرار کے شرور و فتن سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ

یہ بدل دیتے ہیں (اللہ کے) کلام کو اس کے ٹھکانا پکڑنے کے بعد، ف۱۰۲ (اور یہ دوسروں سے) کہتے ہیں

اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ

کہ اگر تمہیں یہ حکم ملے تو مان لینا اور اگر یہ حکم نہ ملے

فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ

تو اس سے بچ کر رہنا ف۱۰۳ اور (حقیقت یہ ہے کہ) جس کو اللہ گمراہ کرنا چاہے (اس کی بدنیتی اور سوءِ اختیار کی بناء پر،) تو آپ

لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ

اس کی ہدایت کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے، ف۱۰۴ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو

اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚۖ

پاک کرنا اللہ کو منظور ہی نہیں، ف۱۰۵ ان کے لئے بڑی رسوائی ہے (اس) دنیا میں بھی،

ف۱۰۲ تحریفِ کلام یہود کی ایک اور بُری خصلت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ اللہ کے کلام کو بدل دیتے ہیں اس کے ٹھکانا پکڑنے کے بعد۔ سو یہ لوگ جان بوجھ کر اور دیدہ دانستہ کلامِ الٰہی میں تحریف کا ارتکاب کرتے ہیں۔ کبھی تحریفِ لفظی کہ ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے بدل دیا۔ اور کبھی تحریفِ معنوی کہ لفظ کو تو برقرار رکھا مگر اس کا معنٰی بدل دیا۔ اور کبھی تحریفِ مرادی کہ لفظ کا معنٰی بھی باقی رکھا لیکن اسکی مراد بدل دی۔ سو یہود کے یہاں یہ تینوں ہی قسم کی تحریفات پائی جاتی تھیں۔ (المراغی، المعارف وغیرہ)- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- سو یہودِ بے بہبود نے تحریف کے اپنے اس قومی جرم کی بنا پر اپنی کتاب کو بدل کر کچھ کا کچھ کر دیا۔ سو کسی حکم وارشاد کا موقع ومحل متعین نہ ہونے کی صورت میں اس ضمن میں غلطی کر جانا پھر بھی کسی درجے میں عذر اور معذرت کے لائق ہو سکتا ہے لیکن موقع ومحل اور اس کے مفہوم ومصداق کے متعین ہو جانے کے بعد کلام کو اس سے پھیرنا صریح طور پر تحریف دین ہے۔ سو اس طرح یہ لوگ لفظی معنوی اور مرادی وتطبیقی ہر قسم کی تحریف کے مرتکب ہوئے- والعیاذ باللہ العظیم-

ف۱۰۳ اتباعِ ہوٰی دین کے نام سے- والعیاذ باللہ:- سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ یہ لوگ خواہشاتِ نفس کی پیروی دین کے لبادے میں کرتے ہیں- والعیاذ باللہ- سو ان کا مقصد دراصل حق سننا اور ماننا سرے سے ہے ہی نہیں۔ بلکہ ان کا اصل مدعا اپنی خواہشات کی تکمیل و پیروی ہے۔ وہ جس طرح بھی ہو سکے۔ البتہ اس پر لیبل یہ لوگ دین کا لگا دینا چاہتے ہیں تاکہ اس کے پردے میں اپنی خواہشات کی تکمیل کا سامان کر سکیں۔ صحیحین وغیرہ میں مروی ہے کہ یہود میں سے ایک مرد اور عورت نے جب آپس میں زنا کا ارتکاب کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ ان کو سزا کیا دی جائے۔ کیونکہ تورات میں مذکور رجم کی سزا کو انہوں نے بدل کر

اپنے طور پر کچھ اور ہلکی سزائیں تجویز کر رکھی تھیں۔ تو اس موقع پر انہوں نے آنحضرت۔ علیہ السلام۔ سے فیصلہ کروانا چاہا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر انہوں نے رجم کے علاوہ کوئی اور سزا دے دی تو ہماری تصدیق ہو جائے گی اور ہمیں ایک سند مل جائے گی۔ اور اگر انہوں نے رجم ہی کی سزا دی تو پھر اس کو ہم نے ماننا نہیں بلکہ اپنی خود ساختہ سزا ہی جاری کریں گے جو کہ امیروں کے لئے الگ تھی اور غریبوں کے لئے الگ۔ اسی لئے انہوں نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ اگر یہ سزا ملے تو تم مان لینا نہیں تو نہیں ماننا۔ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ﴾۔ اس پر آنحضرت۔ علیہ السلام۔ نے انہی کے ایک عالم کو بلا کر اس کو قسم دے کر پوچھا کہ جو تورات حضرتِ موسیٰ پر اتری تھی اس میں زنا کی کیا سزا تھی؟ تو اس نے کہا رجم۔ تو آپؐ نے یہی سزا ان پر جاری فرما دی۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ کتاب الحدود)۔ سو دین کے نام پر خواہشاتِ نفس کی تکمیل کی کوشش کرنا بھی ایک قدیم یہودی خصلت ہے۔ افسوس کہ یہ بیماری آج مسلمانوں کے اندر بھی موجود ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

۱۰۴ ہدایت پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہوتی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ جس کو اللہ گمراہ کرنا چاہے یعنی اس کی اپنی بدنیتی اور سوءِ اختیار کی بناء پر تو آپ اس کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔ یعنی آپؐ اس کا کوئی اختیار نہیں رکھتے کہ اس کو گمراہی سے بچا سکیں کہ مختارِ کل تو بہرحال اللہ پاک کی ذات ہی ہے اور بس۔ ہدایت دینا یا گمراہی سے ہمکنار کرنا اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ اور اس کے یہاں ہدایت وغوایت کے فیصلے انسان کے اپنے ارادۂ واختیار اور حسنِ نیت اور خبثِ نیت کی بنیاد پر مبنی ہوتے ہیں۔ جس کی جیسی نیت ہوگی وہ ویسا ہی پھل پائے گا۔ سو ﴿فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا﴾۔ "آپ اسکی ہدایت کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے" کے اِرشادِ ربانی سے اہلِ بدعت کے مختارِ کل کے شرکیہ عقیدے کی جڑ نکل جاتی ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔ اور "شیئًا" نکرہ تحت النفی کے طور پر واقع ہے۔ جو کہ عموم وشمول کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی جس کو اللہ گمراہ کرنا چاہے آپ کو اس کے لئے کچھ بھی اختیار نہیں کہ اختیار سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ جن کے دلوں کو پاک کرنا اللہ کو منظور ہی نہیں۔

۱۰۵ بدنیتی باعثِ محرومی۔ والعیاذُ باللہ:۔ کیونکہ دلوں کی تطہیر اور ایمان کی روشنی کا معاملہ اصل میں موقوف ہے دل کی چاہت اور سچی طلب پر۔ اور اس سے یہ لوگ محروم ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ تو پھر ان کے دلوں کی تطہیر اور پاکی کا سامان ہو تو کس طرح؟ اور ایسے لوگ رحمت وعنایتِ خداوندی سے سرفراز ہوں تو کیونکر؟۔ سو جس طرح حسنِ نیت واختیار باعثِ سرفرازی ہے اسی طرح خبثِ باطن اور سوءِ اختیار باعثِ محرومی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ پس انسان کی صلاح وفلاح اور بناؤ وبگاڑ کا مدار وانحصار اسکے اپنے باطن اور دل کی کیفیت پر ہے۔ سو بدنیتی محرومی کا باعث بلکہ محرومیوں کی محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ بہرکیف اس اِرشاد سے دلوں کی تطہیر اور اُن کے تزکیہ کے لئے کارفرما خاص ضابطے کو واضح فرما دیا گیا ہے کہ جو لوگ راہِ راست چاہتے ہوں گے اور توبہ واستغفار کے ذریعے اپنے بگاڑ کی اصلاح کریں گے ان کو راہِ حق وہدایت نصیب ہو جائے گی۔ اور توبہ واصلاح اُن کے لئے کفارۂ سیئات بن جائیگی۔ لیکن جو لوگ گناہوں کی دلدل ہی میں لت پت رہیں گے ان پر ان کی سیاہی اتنی جم جائیگی کہ اس کے اترنے کے لئے صورت باقی نہیں رہیگی۔ اور ایسے لوگ دوزخ کی راہ پر ہی چلتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ وہ اسی میں جا گریں گے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو انسان کے صلاح وفساد اور صحت و بگاڑ کا اصل تعلق اس کے اپنے قلب وباطن سے ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٤١﴾ سَمَّاعُونَ

اور آخرت میں تو ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے، (یہ) جھوٹ کے

لِلْكَذِبِ أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ ۚ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ

رسیا، پکے حرام خور ہیں ۱۰۶ پھر بھی اگر یہ لوگ (اپنے مقدمات کا فیصلہ کرانے) آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو

بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ

اختیار ہے کہ اگر آپ چاہیں) تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیں، یا ان سے منہ پھیر لیں ۱۰۷ اور اگر آپ ان سے منہ پھیر لیں

فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ

تو یہ آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے، اور اگر آپ فیصلہ کریں، تو ان کے درمیان عدل (وانصاف) ہی کے ساتھ

بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٤٢﴾ وَكَيْفَ

فیصلہ کریں، ۱۰۸ بیشک اللہ پسند فرماتا ہے انصاف کرنے والوں کو، اور یہ آپ کو کیسے

يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ

اپنا (منصف اور) حَکم مان سکتے ہیں، جب کہ ان کے پاس تورات موجود ہے ۱۰۹ جس میں اللہ کا حکم (موجود و مسطور) ہے

۱۰۶ یہود کی ضرب المثل حرام خوری کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ پکے حرام خور ہیں کہ یہ لوگ رشوت خوری، چور بازاری، سود خوری اور فتویٰ فروشی وغیرہ کے عادی ہیں۔ اور آج تک دنیا بھر میں ان کے اطوار یہی ہیں۔ یہ سود خور، جوا باز اور چکر باز ہیں۔ شاید اسی لئے یہاں پر "آکلون" نہیں "اَکَّالُون" فرمایا گیا ہے۔ جو کہ مبالغے کا صیغہ ہے کہ یہ لوگ بڑے ہی حرام خور لوگ ہیں۔ سو ہم نے اپنے ترجمے کے اندر اسی فرق اور زورِ بیان کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ وَباللہ التوفیق ولہ الحمد والشکر قبل کل شَیْءٍ وَ بَعْدَ کُلِّ شَیْءٍ۔ اللہ تعالیٰ تمام یہودیانہ خصلتوں سے اُمتِ مسلمہ کو محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔ بہر کیف سماعِ حرام اور اکلِ حرام یہودِ بے بہبود اور ان کے ہم مشربوں کی دو بڑی بیماریاں تھیں جو ان پر بری طرح مسلط تھیں۔ اور اسی بناء پر یہ لوگ خیر کے بہت سے اسباب سے محروم ہو گئے تھے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۰۷ پیغمبر کیلئے ایک اختیار کا ذکر و بیان: - سو اس سے پیغمبر کیلئے اہلِ باطل کے درمیان فیصلے کرنے یا نہ کرنے کے اختیار کا ذکر فرمایا گیا ہے سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ پھر بھی اگر یہ لوگ آپ کے پاس اپنے

مقدمات کا فیصلہ کرانے کے لیے آئیں تو آپ کو اختیار ہے کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں یا ان سے منہ پھیر لیں۔ کیونکہ ان کا مقصد حق کو اپنانا، قبول کرنا اور اسکی پیروی کرنا سرے سے ہے ہی نہیں۔ پھر ان کو منہ لگانے کا فائدہ کیا؟۔ لہٰذا معاملہ آپ کی مرضی اور اختیار پر ہے۔اس لئے آپ چاہیں اور ان کے درمیان فیصلے میں کوئی بہتری اور فائدہ دیکھیں تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیں۔نہیں تو ان سے اِعراض کرلیں۔آپؐ کو دونوں باتوں کا اختیار ہے۔ لیکن واضح رہے کہ یہ مرضی اور اختیار اہلِ ذمہ کے بارے میں نہیں بلکہ ان کے درمیان فیصلہ کرنا ضروری ہے۔کیونکہ ایسے لوگ اپنے عقدِ ذمہ کی بناء پر اسلامی حکم اور فیصلے کے بہرحال پابند ہیں۔(المراغی وغیرہ)۔اور جو لوگ عقدِ ذمہ کے پابند نہ ہوں اور حق قبول کرنا بھی نہ چاہتے ہوں ان کے فیصلے کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔اس لئے ایسوں کا معاملہ آپ کی صوابدید پر ہے۔چاہیں تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیں یا ان سے روگردانی کریں۔

۱۰۸ عدل وانصاف کی پابندی کا حکم وارشاد: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو عدل وانصاف ہی کے ساتھ کریں۔ کہ کوئی فریق خواہ کتنا ہی شریر کیوں نہ ہو آپؐ کا کام تو بہرکیف انصاف ہی کرنا ہے۔اسی کلمہ "او" کی بنا پر بعض اہلِ علم کا کہنا ہے کہ امام اور قاضی کو اہلِ ذمہ کے درمیان فیصلہ کرنے یا اِعراض برتنے کا اختیار حاصل ہے۔اور بعض نے یہ کہا کہ یہ تخییر-﴿ وَاَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ ﴾-کے حکم وارشاد سے منسوخ ہوگئی لیکن حق اور صواب یہ ہے کہ یہ آیتِ کریمہ منسوخ نہیں محکم ہے۔اور یہ تخییر اب بھی باقی ہے۔یہی روایت ہے حسنؒ، شعبیؒ، نخعیؒ اور زہریؒ سے۔اور یہی قول ہے حضرتِ امام احمدؒ کا۔یعنی امام کو اختیار ہے کہ ان کے درمیان فیصلہ کرے یا نہ کرے اور ان سے اِعراض کر دے۔لیکن جب فیصلہ کرے تو عدل وانصاف ہی سے کرے۔(محاسن التاویل للقاسمیؒ) کہ عدل وانصاف بہرحال مطلوب ہے۔سو اس سے عدل وانصاف کی عظمت واہمیت واضح ہوجاتی ہے کہ اس کو ہر حال میں ملحوظ رکھنا ہے کہ عدل وانصاف کے قیام اور اسکی بقا پر سارے نظام کا دارومدار ہے۔اور عدل وانصاف کا حامل اور علمبردار یہی دینِ حق ہے جو ساری دنیا کیلئے حق و ہدایت، عدل وانصاف اور خیر و برکت کا پیغام بن کر آیا ہے۔اسی لئے یہاں پر یہ ہدایت فرمائی گئی کہ آپ کو ان کے بارے میں فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔لیکن جب آپ فیصلہ کریں تو عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق ہی کریں-وَبِاللّٰهِ التوفیق-

۱۰۹ ہر دعوے کیلئے عملی ثبوت کی ضرورت: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ آپ کو اپنا حَکَم اور منصف کس طرح بنائیں گے جبکہ ان کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ومسطور ہے۔جو ان کی اپنی کتاب ہے۔ اور اس پر یہ لوگ ایمان ویقین کا دعوٰی بھی کرتے ہیں۔اور اس میں اس مسئلے کا حل اور حکم بھی موجود ہے جس کے بارے میں فیصلہ کرانے کیلئے یہ لوگ آپ کے پاس آئے ہیں۔سو اگر یہ لوگ اپنے دعوائے ایمانی میں سچے ہوتے تو اپنی کتاب پر ضرور عمل کرتے کہ ہر دعوے کی صداقت کیلئے عملی ثبوت ضروری ہوتا ہے۔بہرکیف یہود کو جب اس بات کا علم تھا آنحضرت-صلی اللہ علیہ وسلم-کا فیصلہ تورات کے حکم کے مطابق ہی تھا تو پھر یہ لوگ آپؐ کے حکم وارشاد سے جانتے بوجھتے سرتابی وروگردانی کس طرح کرتے ہیں۔اور اس کے لئے ان کے پاس آخر کیا وجہِ جواز باقی رہ سکتی ہے؟۔سو اس سے معلوم ہوگیا کہ انکا اپنی کتاب پر بھی ایمان نہیں۔

ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ ع ۹ ۱۰

پھر یہ اس کے بعد بھی پھر جاتے ہیں، اور (حقیقت یہ ہے کہ) یہ لوگ ایماندار ہیں ہی نہیں، ف۱۱۰

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ

بے شک ہم ہی نے اتارا تورات کو، جس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی، ف۱۱۱ اسی کے مطابق

بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا

فیصلہ کرتے تھے (اللہ کے) وہ پیغمبر ف۱۱۲ جو (اپنے رب کے حضور) گردن جھکائے ہوئے تھے، ان یہود کے لئے،

وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ

اور (اسی کے مطابق فیصلہ کرتے تھے) ان کے درویش اور علماء بھی ف۱۱۳ کیونکہ ان کو محافظ (ونگہبان) ٹھہرایا گیا تھا اللہ کی

۱۱۰ یہود کا تورات پر بھی ایمان نہیں: سو ارشاد فرمایا گیا کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ایماندار ہیں ہی نہیں۔ یعنی ان کا اپنی کتاب پر بھی ایمان نہیں ورنہ یہ اس طرح اُس کے اَحکام سے سرتابی کیوں کرتے۔ معلوم ہوا کہ ایمان سے محرومی دراصل جڑ ہے تمام خرابیوں کی۔ سو زبانی طور پر دعوٰی کرنا اور عملی طور پر اپنے دعوے کیخلاف کرنا ایسے دعویداروں کے جھوٹے ہونے کا ثبوت ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ پس اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا کسی بھی چیز پر ایمان نہیں۔ قرآن پر تو ان کا ایمان ہے ہی نہیں خود تورات پر بھی ان کا ایمان نہیں جس پر ایمان کا یہ لوگ دعوٰی کرتے اور دم بھرتے ہیں۔ ورنہ یہ اس طرح اس سے اِعراض اور روگردانی و سرتابی نہ کرتے۔ اور اس طرح یہ لوگ اپنے عمل و کردار سے اپنے دعوے کی تردید خود کرتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۱۱ تورات کے ہدایت اور نور ہونے کا مطلب: سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ ہم ہی نے اتارا تورات کو جس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی۔ یعنی اپنے دور میں مسافرانِ راہِ حق کے لئے۔ پس اس سے منہ موڑ کر ان لوگوں کا آپ کے پاس اپنا کیس لانا اور اس پر ایمان کا دعوٰی بھی رکھنا دراصل ان کی شرارت اور بدنیتی کی بناء پر ہے نہ کہ طلب و تلاشِ حق کے لئے۔ سو وہ تورات جو اپنے دور میں مسافرانِ راہِ حق کیلئے ہدایت و نور کا سرچشمہ تھی اس کو اس کے اِن حاملین نے اپنی اَہواء و اَغراض کے مطابق بدل کر کچھ کا کچھ بنا دیا۔ یہاں تک کہ اس اصل تورات کا انہوں نے وجود ہی ختم کر دیا جو حضرت موسیٰ پر اُتری تھی۔ اور اب جو کچھ ان لوگوں کے پاس تورات کے نام سے موجود ہے وہ دراصل ان کی اپنی اَہواء و اَغراض اور خواہشات کی تکمیل کا سامان ہے جس سے یہ لوگ خود بھی دھوکہ کھا رہے ہیں اور دنیا کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور اس طرح یہ جرم بالائے جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ

بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- سواس اِرشاد سے تورات کی قدر و قیمت اور اس کی عظمت شان کو واضح فرمایا گیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو اس دور کے لئے ہدایت اور روشنی کا منبع اور سرچشمہ بنا کر اتارا تھا۔ تاکہ لوگ اس سے راہِ حق و ہدایت پا سکیں اور اس سے مستفید و فیضیاب ہو کر اپنے لئے دارَین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کر سکیں۔ مگر ان لوگوں نے اس کو اپنی اَہواء و اَغراض کے سامان کا ذریعہ بنانے کے لئے بازیچۂ اطفال بنا دیا اور اس کو بگاڑ کر کچھ کا کچھ کر دیا۔ یہاں تک کہ اب اصل تورات کا ملنا ہی عنقا ہو گیا، اور اسکو ان لوگوں نے مسخ کر دیا۔

۱۱۲ اہلِ کتاب کے سامنے ان کے اسلاف کا نمونۂ عمل:- سواس سے واضح فرما دیا گیا کہ اہلِ کتاب کے پیغمبروں کے فیصلے تورات کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی یعنی تورات کے مطابق ہی فیصلہ کیا کرتے تھے ان کے وہ پیغمبر جو اپنے رب کے حضور گردن جھکائے ہوئے تھے ان یہودیوں کے لیے۔ سو وہ اسی کے مطابق اس دور میں لوگوں کی راہنمائی کرتے تھے۔ چنانچہ حضرتِ موسیٰ اور آپؑ کے بعد حضرتِ عیسیٰ تک تشریف لانے والے تمام انبیائے کرام اسی کے مطابق فیصلہ کرتے رہے۔ کیونکہ اس دور میں حق و ہدایت کا منبع و مصدر تورات ہی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم و اِرشاد کے مطابق فیصلہ کرنے کی یہی صورت تھی کہ تورات کی تعلیمات کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ کیونکہ تورات میں ہر عمدہ نصیحت بھی موجود تھی اور ضرورت کے ہر حکم کی تفصیل بھی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا- ﴿وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾- (الاعراف:۱۴۵)۔ بہرکیف اس ارشاد سے اہلِ کتاب کے مخلص حاملین کی روش کو بیان فرمایا گیا کہ وہ اسی کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے اور یہی حق ہوتا ہے کتابِ الٰہی کا کہ اس کو زندگی کے مسائل کے لئے حَکَم بنایا جائے۔ اور اسی کی طرف رجوع کیا جائے۔ نہ کہ اس کو محض تبرک کی چیز اور چومنے چاٹنے کا سامان بنا دیا جائے۔ سواس سے دورِ حاضر کے یہود کے سامنے ان کے بڑوں کا آئینہ رکھ دیا گیا کہ دیکھو کہ وہ کیا اور کیسے لوگ تھے اور تم کیا اور کیسے ہو۔ اور تم لوگ کہاں کھڑے ہو؟

۱۱۳ کتابِ الٰہی کی اصل حیثیت اس کے مرجعِ حکم و ارشاد ہونے کی ہے:- سواس سے واضح فرما دیا گیا اہلِ کتاب کے اَحبار و رُہبان کے فیصلے بھی تورات کے مطابق ہوتے تھے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے ان کے درویش اور علماء بھی۔ سو جس طرح ان کے انبیائے کرام کے فیصلے تورات کے مطابق ہوا کرتے تھے اسی طرح ان کے احبار و رہبان کے فیصلے بھی تورات ہی کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ سو کتابِ الٰہی کی اصل حیثیت یہ ہے کہ اس کو معاملات زندگی میں حَکَم اور منصف بنایا جائے اور اس کے حکم و ارشاد کے آگے سرِ تسلیم خم کیا جائے۔ ان انبیائے کرام کے بعد یا ان کے زمانے ہی میں ان کے اذن سے تورات کے مطابق ہی فیصلہ کرتے تھے کہ اپنے دور میں وحیِ خداوندی کی امین و پاسدار اور رشد و ہدایت کا منبع و مصدر تورات ہی تھی۔ لیکن بعد میں ان لوگوں نے اس کو اپنی طرح طرح کی تحریفات کا نشانہ بنا دیا اور ہر دور میں اس کی تحریف کا ارتکاب کیا گیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس کو کچھ کا کچھ بنا دیا اور اس نشانِ ہدایت ہی کو گم کر دیا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو کتابِ الٰہی کی اصل حیثیت یہی ہے کہ اس کو مرجعِ حکم و ارشاد بنایا جائے۔

اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ

کتاب کا، ف۱۱۴ اور وہ اس پر گواہ تھے، ف۱۱۵ پس تم مت ڈرو لوگوں سے ف۱۱۶ (اے گروہ یہود!)

وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ

بلکہ خاص مجھ ہی سے ڈرو، اور مت لو تم میری آیتوں کے بدلے میں (دنیاءِ دُوں کا یہ) گھٹیا مول، ف۱۱۷

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

اور جو لوگ فیصلہ نہیں کرتے اس (حکم و قانون) کے مطابق جس کو اللہ نے اتارا ہے، وہ کافر

الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ

ہیں، ف۱۱۸ اور ہم نے ان پر اس (تورات) میں بھی یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان (لی جائے)

۱۱۴ قرآنِ حکیم کی ایک امتیازی شان کا ذکر و بیان :- سو اس سے سابقہ آسمانی کتابوں اور قرآنِ حکیم کی حفاظت کے معاملے میں بنیادی فرق بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ان کتابوں کا محافظ انکے احبار و رہبان کو بنایا گیا تھا کہ وہ اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہونے دیں۔ لیکن انسان چونکہ کمزور اور خواہشات کا غلام ہے۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ۔ اس لئے یہ لوگ اللہ کی اس کتاب کو تحریف سے نہ بچا سکے۔ اور چونکہ وہ کتابیں ہمیشہ کے لئے تھیں ہی نہیں بلکہ ایک خاص زمانے اور مخصوص مدت کے لئے تھیں اس لئے اللہ پاک نے ان کی حفاظت اپنے ذمے لینے کی بجائے انہی پر چھوڑ دی۔ بخلاف قرآنِ حکیم کے کہ یہ اللہ پاک کی آخری کتاب تھی جس کو قیامت تک باقی رہنا تھا۔ اس لئے اس کی حفاظت کی ذمہ داری کو اللہ پاک نے خود اپنے ذمے لینے کا وعدہ فرمایا جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے۔ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾۔ (الحجر:۹) کہ "اس ذکر کو نازل بھی ہم ہی نے کیا ہے اور اس کے محافظ بھی ہم ہی ہیں" جس کا نتیجہ و ثمرہ یہ ہے کہ قرآنِ پاک آج تک جوں کا توں محفوظ ہے۔ اور ان شاء اللہ العزیز قیامت تک یونہی محفوظ و محصون رہے گا۔ اس میں کسی طرح کا کوئی تغیر ہوا نہ تبدل۔ نہ آج تک ہوا نہ قیامت تک ہوگا انشاء اللہ۔ اور یہ شان اس کتابِ عزیز یعنی قرآنِ حکیم کے سوا اور کسی بھی کتاب کی نہ کبھی ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔ فللّٰہِ الحمد رب العٰلمین۔

۱۱۵ اہلِ کتاب کے علماء اپنی کتاب کے شاہد :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ لوگ اس پر گواہ بھی تھے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اور اس میں کوئی تغیر و تبدل روا نہیں۔ اور یہ کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ نیز "شھداء" کے معنی نگران و محافظ کے بھی ہیں۔ یعنی یہ لوگ اسکے محافظ و نگہبان تھے کہ اس میں کسی بھی طرف سے کوئی مداخلت نہ ہو سکے اور تحریف و تبدیل کسی بھی طرف سے اسکی طرف راہ نہ پا سکے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو اس ارشاد میں اہلِ کتاب کی غلط روش پر طنز و تعریض ہے کہ ان کے بڑوں کا تعلق تورات کے ساتھ کیا اور کیسا تھا اور ان کا کیا ہے۔ انہوں نے اول تو اپنی

کتاب کو عمل اور حکم کے دائرے ہی سے الگ کر دیا اور اگر کچھ تعلق رکھا بھی تو وہ اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے۔ اور اس طرح یہ لوگ نورِ حق و ہدایت سے محروم اور دور سے دور تر ہوتے چلے گئے۔ سو اِتباعِ ہویٰ کی راہ محرومی اور ہلاکت کی راہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو اہلِ کتاب کو یاددہانی کرائی گئی کہ تم لوگوں کو اللہ کی کتاب کا محافظ اور پاسبان بنایا گیا تھا مگر تم اس کے راہزن بن گئے۔ تم کو اس کتاب کا گواہ اور اس کے علوم و معارف کا امین و شاہد بنایا گیا تھا مگر تم نے کتمانِ حق اور تحریفِ کتاب کے جرم کا ارتکاب کیا۔ سو تم لوگ سوچو اور اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کہ تم کہاں تھے اور کہاں پہنچ گئے ہو؟ تم کو کیسا اور کیا ہونا چاہیے تھا مگر تم کیا بن گئے ہو۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۱۶ شہادتِ حق کا تقاضا کہ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرا جائے:۔ اس لیے ان لوگوں کو اللہ کے سوا کسی سے بھی نہ ڈرنے کی ہدایت فرمائی گئی۔ سو ارشاد فرمایا گیا پس تم لوگ لوگوں سے مت ڈرو اور خاص مجھ ہی سے ڈرو۔ پس تم لوگوں سے مت ڈرو اس حق کے اِظہار و بیان کے سلسلے میں جو کہ تمہارے پاس موجود ہے۔ بلکہ اس کو جوں کا توں ٹھیک ٹھاک بیان کرو کہ اسی میں تمہارا اور دوسروں کا بھلا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کہ نورِ حق و ہدایت سے محرومی دارین کی سعادت و سرخروئی سے محرومی ہے۔ اور اس نور سے محرومی کے بعد اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ اور اس نورِ حق و ہدایت سے سرفرازی دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ پس تم لوگ اس سے نہ ڈرو کہ لوگ کیا کہیں گے بلکہ ہمیشہ اُس سے ڈرو اور اُسی کا خیال رکھو کہ ہمارے خالق و مالک سے ہمارا معاملہ کیا اور کس طرح کا ہے۔ کہ اس کی رضاء ہی اصل مقصود ہے۔ وَبِاللّٰہِ التوفیق۔ سو اس سے اس اہم اور بنیادی حقیقت کو ظاہر اور واضح فرما دیا گیا کہ جس گروہ کو کتاب الٰہی کا گواہ بنایا جائے اس پر واجب اور لازم ہے کہ وہ بیانِ حق کے سلسلے میں اللہ ہی سے ڈرے۔ دوسروں کا خوف اور رعب اپنے سینوں سے نکال دے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۱۷ حق فروشی سے تحذیر و ممانعت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ مت اپناؤ میری آیتوں کے بدلے دنیائے دوں کے ثمن قلیل کو کہ حق فروشی کے مقابلے میں یہ دنیا ساری بھی ہیچ ہے کہ نورِ حق و ہدایت سے محرومی دارین کی سعادت و سرخروئی سے محرومی ہے۔ اور اس نور سے محرومی کے بعد اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اور جب حق فروشی کے مقابلے میں دنیا ساری بھی ہیچ ہے تو پھر اس کے کچھ ٹکوں کی حقیقت اور حیثیت ہی کیا ہوسکتی ہے۔ سو حق کی عظمتِ شان دنیا جہاں سے بڑھ کر ہے۔

۱۱۸ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنا کفر ہے:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ فیصلہ نہیں کرتے اس حکم و قانون کے مطابق جس کو اللہ نے اتارا ہے وہ کافر ہیں۔ اگر وہ اَحکامِ خداوندی کی توہین کے ارادے سے اور دوسرے احکام کو ان سے بہتر سمجھ کر ایسا کریں تو۔ کیونکہ یہ بلاشبہ کفر ہے۔ اور اس میں چونکہ حق تلفی اور ظلم و ناانصافی بھی ہے اس لئے یہ لوگ ظالم بھی ہیں۔ نیز اس میں چونکہ اَحکامِ الٰہی سے خروج اور انکی نافرمانی بھی ہے اس لئے ایسے لوگ فاسق اور بدکار بھی ہیں۔ نیز یہ ارشادِ ربانی اگرچہ بنیادی طور پر یہود کے بارے میں ہے لیکن الفاظ کے عموم کے اعتبار سے یہ یہود اور غیر یہود سب کو عام اور شامل ہے۔ (روح، کشاف، صفوۃ اور محاسن وغیرہ) کہ اعتبار عمومِ لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوصِ مورد کا۔ حضرتِ عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ جس نے خدا کے نازل کردہ اَحکام پر یقین نہ کیا وہ صریح کافر ہے۔ اور جس کا اعتقاد تو ہے لیکن ان پر عمل نہیں وہ ظالم اور فاسق ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ

بدلے میں جان کے، آنکھ بدلے آنکھ کے ناک بدلے ناک کے،

وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ

کان بدلے کان کے، دانت بدلے دانت کے، اور زخموں میں بھی

قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ

قصاص ہے، پھر جو کوئی صدقہ کردے اس (حق قصاص) کا ۱۱۹ تو وہ کفارہ ہوجائے گا اس کے لئے ۱۲۰

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

اور جو لوگ فیصلہ نہیں کرتے اس (حکم وقانون) کے مطابق، جس کو اللہ نے اتارا ہے وہ

الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۵ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ

ظالم ہیں، اور ان کے (ایک زمانہ) بعد ہم نے ان ہی کے نقش قدم پر بھیجا عیسیٰ بیٹے

مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۖ

مریم کو، تصدیق کرنے والا بنا کر، اس تورات کے لئے جو ان سے پہلے آچکی تھی، ۱۲۱

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا

اور ہم نے اسے انجیل عطا کی جس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی، اور (اس کو بھی) تصدیق کرنے والی بنا کر بھیجا،

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً

اس تورات کے لئے جو اس سے پہلے آچکی تھی، اور سراسر ہدایت اور عظیم الشان نصیحت کے طور پر،

لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۴۶ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ

پرہیزگاروں کے لئے، اور چاہیئے کہ فیصلہ کریں انجیل والے اس کے مطابق جو کہ اللہ نے اتارا ہے

۱۱۹ حقِّ قصاص کو معاف کرنے کی ترغیب: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو کوئی صدقہ کر دے اس [حق قصاص] کا تو وہ اس کے لیے کفارہ ہو جائے گا یعنی وہ صدقہ کر دے اپنے اس حق کا جو کہ قصاص کے سلسلے میں اس کو حاصل ہے۔ اور معاف کرنے کے اس عمل کو صدقہ کے لفظ سے تعبیر فرمانا اس کے لئے ترغیب و تحریض کے لئے ہے۔ (محاسن و معارف وغیرہ)۔ سو حقِّ قصاص کو معاف کرنا معاف کرنے والے کے گناہوں کیلئے کفارہ ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرتِ عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی کے جسم میں کوئی زخم آیا اور اس نے اس کا صدقہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے لیے اسی کے برابر گناہوں کا کفارہ بنا دے گا۔ سو اس میں عفو و درگزر کی ترغیب و تحریض ہے۔ وباللّٰہِ التوفیق لِمَا یُحِبُّ ویرید۔ بہرکیف اپنے حق سے تنازل اور عفو و درگزر بڑے مکارمِ اَخلاق میں سے ہے۔ اور دوسرا قول و احتمال اس میں یہ بھی ہے کہ لَهٗ کی اس ضمیر کا مرجع مجروح نہیں جارح ہے۔ یعنی اگر مجروح اپنے حق قصاص کو معاف کر دے تو یہ جارح کے گناہ کے لیے کفارہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد حکومت اس پر کوئی گرفت نہیں کر سکے گی۔ اور اگر مجرم توبہ کرلے گا تو یہ معافی اس کے لیے عند اللہ بھی کفارہ بن جائے گی اور یہ قول ابن عباس، مجاہد اور شعبی وغیرہ سے منقول ہے۔ اور بعض اہلِ علم نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ والعلم عند اللہ۔

۱۲۰ حقِّ قصاص کا معاف کرنا موجبِ کفارۂ ذنوب: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو کوئی صدقہ کر دے گا اپنے اس حق قصاص کا تو یہ کفارہ ہو جائے گا اس کے لیے۔ یعنی اس معاف کر دینے والے صاحبِ حق کے لئے کہ اس سے اس کے گناہ معاف ہوں گے۔ نیز یہ کفارہ ہوگا جنایت کے مرتکب۔ جانی۔ کے حق میں کہ اس سے اس کے ذمے سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔ (صفوۃ، جامع البیان، ابنِ کثیر، محاسن التاویل وغیرہ)۔ لفظ اگرچہ ان دونوں معنوں کا احتمال رکھتا ہے لیکن عفو و درگزر کی فضیلت بیان کرنے والی روایات و آثار سے پہلے احتمال کی تقویت و تائید پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر کے حاشیے میں بھی گزرا۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ وَبِاللّٰہِ التوفیق لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْد۔ سو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے معاف کر دینا بڑے اونچے محامدِ اَخلاق میں سے ہے۔

۱۲۱ حضرتِ عیسیٰ کی تصدیق تورات کیلئے: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے بعد ہم نے انہی کے نقشِ قدم پر عیسیٰ بیٹے مریم کو بھیجا تصدیق کرنے والا بنا کر اس تورات کے لیے جو ان سے پہلے آ چکی تھی کہ اصول کے اعتبار سے سب آسمانی کتابیں ایک ہی طرح کی ہوتی ہیں اور ان کی دعوت اور ان کا پیغام بھی مشترک اور اپنی اصل وضع کے اعتبار سے ایک ہی ہوتا ہے۔ اصولی طور پر سب ہی توحیدِ خداوندی کی دعوت دیتی ہیں اور انسانوں کو اپنے خالق و مالکِ حقیقی کی طرف رجوع کرنے اور اسی کے آگے جھکنے کا درس دیتی ہیں۔ بہرکیف حضرتِ عیسیٰ بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں۔ آپؑ کے بعد تقریباً چھ سو سال تک کوئی نبی نہیں آیا۔ یہاں تک کہ سلسلۂ نبوت کی تکمیل پر خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تشریف لائے۔ اسی لئے آپ کا ارشاد ہے۔ ''اَنَا اَوْلٰی بِعِیْسَی ابنِ مریم ''۔ یعنی '' میں عیسیٰ بن مریم کے سب سے زیادہ قریب ہوں'' اور حضرتِ عیسیٰ حضرت خاتم الانبیاء کی بعثت و تشریف آوری کی خوشخبری دینے کے لئے آئے تھے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ﴾ ۔ بہرکیف حضرتِ عیسیٰ کو تورات کی تصدیق کرنے والا بنا کر بھیجا گیا تھا کہ آسمانی کتابیں سب کی سب ایک ہی منبعِ فیض سے آئی تھیں۔

اللّٰہُ فِیۡہِ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ

اس میں، اور جو لوگ فیصلہ نہیں کرتے اس (حکم و قانون) کے مطابق جو اللہ نے اتارا ہے وہ

ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ

فاسق ہیں ۱۲۲ اور اب ہم نے اتارا آپ کی طرف (اے پیغمبر!) اس کتاب (عظیم) کو حق کے ساتھ، ۱۲۳

۱۲۲ اللہ کی شریعت پر عمل نہ کرنے والے فاسق:- سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ جو لوگ اللہ کی نازل کردہ شریعت پر عمل نہیں کرتے وہ فاسق ہیں۔ کہ وہ ناسخ کے آجانے کے بعد منسوخ پر عمل کرتے ہیں اور نبی آخر الزمان اور اُن کی شریعتِ مطہرہ پر ایمان نہیں لاتے۔ حالانکہ ناسخ کے آجانے کے بعد منسوخ پر عمل کرنا کہ ناسخ کے آجانے کے بعد منسوخ کی قانونی حیثیت باقی رہتی ہی نہیں اور اس پر عمل کرنے کا کوئی معنیٰ ہی باقی نہیں رہ جاتا۔ بہر کیف اس اِرشاد سے ایک طرف تو یہ واضح فرما دیا گیا کہ انجیل والوں کو چاہئے کہ وہ انجیل کے مطابق فیصلہ کریں۔ اور انجیل کے مطابق فیصلہ کرنے کا لازمی نتیجہ اور تقاضا یہی تھا اور یہی ہے کہ وہ نبی آخر الزمان پر ایمان لائیں کہ انجیل میں اس کی صاف اور صریح تعلیم دی گئی تھی۔ اور دوسری طرف اس سے یہ امر بھی واضح فرما دیا گیا کہ جو لوگ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ فاسق اور بدکار ہیں۔ اور فسق کا لفظ یہاں پر محدود فقہی معنیٰ و مفہوم میں نہیں بلکہ اس لفظ کی اصل ہے خروج عن الطاعۃ یعنی اطاعت سے نکل جانا۔ سو اس اعتبار سے یہ لفظ کفر و شرک وغیرہ تک سب ہی مفاہیم کو عام اور شامل ہے اور خداوند قدوس سے غداری، عہد شکنی اور سرکشی سب ہی اس میں شامل ہیں۔ پس جو لوگ جانتے بوجھتے اور آزادی و اختیار رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام و قوانین کے خلاف فیصلے کرتے اور کراتے ہیں وہ کافر، ظالم اور فاسق ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم --

۱۲۳ قرآنِ حکیم کا نزول حق کے ساتھ:- سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ قرآن حکیم کو حق کے ساتھ اتارا گیا ہے کہ اس میں جو کچھ فرمایا گیا وہ بھی برحق ہے۔ جس مقصد کے لئے یہ کتابِ عظیم اتاری گئی وہ بھی برحق ہے۔ اور جس طرح سے اتاری گئی وہ بھی حق و صواب ہے۔ اور اب حق و صواب اسی میں محدود و منحصر ہے۔ جو لوگ اس کتابِ حق پر ایمان و یقین کی دولت سے محروم ہیں وہ قطعی طور پر راہِ حق و ہدایت سے محروم اور خسارے میں ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- بہر کیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ پہلے تورات اور انجیل کو اتارا گیا تھا کہ لوگ ان کے مطابق اپنے معاملات کے فیصلے کریں۔ مگر ان لوگوں نے ایسے نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے کتابِ الٰہی کی بجائے اپنی اپنی خواہشات کے مطابق فیصلے کرنا شروع کر دیئے۔ اور یہاں تک کہ انہوں نے اپنی خواہشات کے مطابق اپنی کتابوں میں تحریف کا ارتکاب کر کے ان کو کچھ کا کچھ بنا دیا۔ سو اب سب سے آخر میں قرآنِ پاک کو اتارا گیا جو کہ نورِ حق کا واحد امین و پاسدار ہے۔ سو اب اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے کہ اس کے سوا اِتباعِ حق کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ

تصدیق کرنے والی بنا کر، ۱۲۴ ان تمام کتابوں کے لئے جو کہ اس سے پہلے آچکی ہیں، اور

مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

محافظ (ونگہبان) بنا کر ان پر، ۱۲۵ پس آپ فیصلہ کریں ان کے درمیان اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا ہے،

۱۲۴ قرآنِ حکیم کی تصدیق سابقہ آسمانی کتابوں کے لیے : ۔سو اس سے قرآنِ حکیم کے بارے میں تصریح فرما دی گئی کہ یہ سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق ہے اور اسکے ذریعے سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کی تین صورتیں ہیں۔ چنانچہ اس کتاب حکیم کی یہ تصدیق ایک تو اس طرح ہے کہ یہ کتابِ حکیم ان پہلی کتابوں کی پیشینگوئیوں کا مصداق ہے کہ اس سے پہلی کتابوں میں اس کی آمد سے متعلق پیشینگوئیاں فرمائی گئی تھیں۔ تو اس نے آکر ان پیشینگوئیوں کو سچا ثابت کر دیا۔ اور اس طرح محض اس کتاب کا آجانا ہی ان سابقہ کتابوں کی تصدیق ہے۔ کیونکہ اگر بالفرض یہ کتاب نہ آتی تو وہ گزشتہ کتابیں اس سے متعلق اپنی پیشینگوئیوں میں جھوٹی قرار پاتیں۔ اور دوسرے اس طرح کہ اس کتابِ حکیم نے اس امر کی تصریح فرما دی کہ وہ سابقہ کتابیں بھی آسمانی کتابیں تھیں اور ان میں بھی ہدایت و نور کی دولت موجود تھی کہ یہ سب کتابیں ایک ہی مصدرِ فیض سے تھیں۔ اور تیسرے اس طرح کہ اس کتابِ حکیم میں بھی وہی اہم بنیادی تعلیمات اِرشاد فرمائی گئی ہیں جو ان سابقہ کتابوں میں موجود تھیں۔ اس فرق کے ساتھ کہ ان سابقہ کتابوں میں یہ تعلیمات ابتدائی نوعیت کی اور اس وقت کی ضروریات کے مطابق تھیں جبکہ قرآنِ حکیم میں یہ تعلیماتِ مقدسہ اپنی آخری اور کامل شکل میں اور قیامت تک آنے والے تمام فرمانوں اور جملہ انسانوں کیلئے ہیں۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

۱۲۵ قرآنِ حکیم کے مہیمن ہونے کا مطلب ؟ : ۔سو قرآنِ حکیم کے سابقہ کتابوں کیلئے مہیمن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان سابقہ کتابوں کے صحیح مضامین کی عکاس و آئینہ دار اب یہی کتابِ مبین ہے۔ اور اس نے ان کے محرف اور غیر محرف مضامین کو الگ اور ممتاز کر دیا۔ اب سابقہ آسمانی کتابوں کی اصولی اور بنیادی تعلیمات کا پتہ اس کتابِ حکیم کے سوا اور کہیں سے نہیں چل سکتا۔ سو یہ اس کتاب حکیم کا ایک اور بڑا احسان ہے تمام سابقہ کتابوں اور اہلِ ایمان پر۔ " مُهَيْمِنٌ " دراصل ماخوذ ہے " هَيْمَنَ الطَّآئِرُ عَلٰى فِرَاخِهٖ " سے۔ یعنی " پرندے نے اپنے بچوں کو اپنے پروں کے اندر لے لیا ہے "۔ اس میں حفاظت، عنایت اور رحمت و شفقت کا خاص پہلو پایا جاتا ہے۔ سو اسی طرح قرآنِ حکیم نے اپنی خاص عنایت و رحمت سے سابقہ تمام آسمانی کتابوں کے اصولی معانی و مطالب اور انکی بنیادی تعلیمات کو اپنی حفاظت میں لیکر ہمیشہ کیلئے محفوظ کر دیا ہے۔ اور ان کو ابدی اور دائمی بنا دیا ہے۔ سو آسمانی وحی کا نور اب قیامت تک اس مصدرِ فیض کے سوا اور کہیں سے ملنا ممکن ہی نہیں۔ اور اب ہدایت و نجات اسی سے وابستہ ہے۔

وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الۡحَقِّ ؕ لِكُلٍّ

اوران کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا ۱۲۶ اس حق سے (ہٹ کر) جو کہ آ چکا آپ کے پاس، ہم نے تم میں سے

جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ

ہر ایک (امت) کے لئے مقرر کی ایک شریعت اور راہِ عمل، ۱۲۷ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب

لَجَعَلَكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنۡ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِىۡ مَآ

کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن (اس نے ایسے نہیں کیا) تا کہ وہ تمہاری آزمائش کرے ان احکام میں جو اس نے تم کو دے ہیں،

اٰتٰٮكُمۡ فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا

پس تم لوگ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو نیکیوں میں ۱۲۸ اور تم سب کو بہرحال لوٹ کر جانا ہے اللہ کی طرف، پھر وہ

فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ۙ‏ ﴿۴۸﴾ وَاَنِ احۡكُمۡ

خبر کر دے گا تم کو ان سب کاموں کی جن میں تم لوگ اختلاف کرتے رہے تھے (اپنی فرصت حیات میں) ۱۲۹ اور (مکرر حکم ہے کہ) فیصلہ کرو

۱۲۶ اتباعِ ہوٰی باعثِ ہلاکت - والعیاذ باللہ: -سو اس سے اتباعِ ہوٰی کی ممانعت فرما دی گئی کہ خواہشات کی پیروی ہلاکتوں کی ہلاکت ہے -والعیاذ باللہ- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ آپ نے اُن لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہیں کرنا۔ جیسا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں کی کہ آپ پیروی کرتے ہیں حق اور ہدایت کی۔ جبکہ ان لوگوں کے پاس اَہواء و خواہشات کے سوا کچھ بھی نہیں۔ پس ان کی پیروی کبھی نہ کرنا۔ (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ سو خواہشات کی پیروی ہلاکتوں کی ہلاکت اور باعثِ تباہی ہے۔ اور نجات کی راہ ایک اور صرف ایک ہے۔ یعنی صرف حق و ہدایت کی اِتباع و پیروی۔ سو اس اِرشادِ ربانی میں پیغمبر کو خطاب کر کے آپ کی امت کو یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ تم لوگ کہیں اس روش کو نہیں اپنا لینا جو تم سے پہلے یہود و نصاریٰ نے اختیار کی۔ جس سے وہ لوگ نورِ حق و ہدایت سے محروم ہو کر کفر و باطل کے سیاہ اندھیروں میں ڈوب گئے۔ بلکہ تم لوگ زندگی کے تمام دوائر میں قرآنِ حکیم کو اپنا حَکَم اور پیشوا بنا کر اسی کی تعلیماتِ مقدسہ کے مطابق فیصلے کرنا۔ یہ اس کتابِ مبین کا تم پر حق ہے اور اسی میں تمہارا بھلا ہے- دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس ابدی جہاد میں بھی۔

۱۲۷ ہر امت کے لیے ایک شریعت اور واضح راستہ: -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ہم نے ہر امت کے لئے ایک شریعت اور واضح راستے کا تعین و تقرر کر دیا۔ پس فوز و فلاح کی راہ اب صرف ایک ہے۔ یعنی قرآنی تعلیمات

کی اطاعت و اتباع جس پر چل کر وہ اپنے خالق و مالک تک رسائی حاصل کر سکیں۔ اسی طرح تمہارے لئے۔اے موجودہ دور کے انسانو!۔ یہ آخری دستور اور کامل شریعت اتاردی ہے۔پس اب تمہاری فوز وفلاح صرف اسی میں ہے کہ تم ہر طرح کے تعصب اور عناد سے بالاتر ہو کر دل و جان سے اس پیغامِ خداوندی کو اپنالو۔ ورنہ دارین کا خسارہ و نقصان ہے۔وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ بنیادی دین تو تمام انبیاء ورسل اور سب امتوں کے لئے ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔اس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں۔جیسا کہ سورۂ شوریٰ میں ارشاد فرمایا گیا۔ شَرَعَ لَکُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖ ﴾ ۔(شوریٰ:۱۳) لیکن شرائع اور طُرق ہر زمانے کے مطابق بدلتے رہے۔

۱۲۸ نیکیوں میں سبقت لے جانے کی تعلیم وتلقین:۔ سوارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ پس تم لوگ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو نیکیوں میں تاکہ تمہارا بھلا ہو کہ اصل کرنے کا کام یہی ہے۔پس تم لوگ غیر ضروری امور میں الجھ کر اپنی متاعِ وقت کو ضائع مت کرو بلکہ ہر وقت اور ہر حال میں تم اسی مقصد اور نصب العین کو پیشِ نظر رکھو۔ اور نیکیوں کا سرمایہ زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی کوشش کرو کہ یہی چیز کام آنے والی ہے۔آخرت کے لئے کمائی کا موقع اور اس کی فرصت یہی دنیاوی زندگی اور اُس کی فرصتِ محدود ہے اور بس۔ سو منافست اور مقابلہ کا میدان یہ ہے۔﴿ وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴾۔سو مقابلہ اور منافسہ کا اصل میدان یہ ہے کہ نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کی جائے نہ کہ دنیا کے متاعِ فانی اور حطامِ زائل کے جوڑنے اور جمع کرنے میں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔

۱۲۹ اختلافات کا آخری فیصلہ قیامت کی روز:۔ سواس سے واضح فرمادیا گیا کہ اختلافات کا اصل اور آخری فیصلہ آخرت کے یوم الفصل ہی میں ہو سکے گا۔ تب وہاں حقیقتِ حال پوری طرح کھل کر تمہارے سامنے آجائے گی۔اور اُس وقت تمہیں بہت پچھتانا پڑے گا اپنے کئے کرائے پر اگر تم نے دینِ حق کی تعلیمات کے مطابق وہاں کیلئے کمائی نہ کی۔مگر اس وقت پچھتانے سے تمہیں کچھ ہاتھ نہ آئے گا کہ اس کا وقت بہر حال بیت چکا ہوگا۔ پس عمرِ رواں کی اس فرصتِ محدود کو غنیمت جان کر تم لوگ اپنا معاملہ درست کر لو قبل اس سے کہ یہ تمہارے ہاتھ سے نکل جائے ۔وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں جہاں تم سب نے بہرحال لوٹ کر جانا ہے تمہارے سب اختلافات کا وہاں پر آخری اور قطعی فیصلہ ہوجائے گا۔اور ہر کسی کو وہاں پر اپنی زندگی بھر کے کیے کرائے کا پورا پورا صلہ و بدلہ ملے گا۔ سو اختلافات کا فیصلہ اُس یوم الفصل ہی میں ہوگا۔دنیا میں نہ یہ ہوسکتا ہے نہ ہی دنیا اس کا موقع ومقام ہے۔ایک تو اس لیے کہ دنیا دارالجزاء نہیں دارالعمل ہے۔اور دوسرے اس لیے کہ دنیا میں اسکی سرے سے گنجائش ہی نہیں کہ کسی کو اسکے کسی بھی عمل کا پورا بدلہ مل سکے۔پس اصل آخرت ہی ہے۔ اسی کی کامیابی اور ناکامی اپنا مطمح نظر بنانا چاہیئے۔وَبِاللّٰہِ التوفیق لما یُحِبُّ وَیُرِید وھُوَ الْھَادِیْ اِلٰی سواءِ السَّبِیْلِ۔اللہ تعالیٰ ہمیشہ صراطِ مستقیم پر قائم وگامزن رکھے اور اپنی رضا سے سرفراز فرمائے۔آمین۔

بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ

تم ان کے درمیان اس (حکم وقانون) کے مطابق جسے اتارا ہے اللہ نے، اور پیروی نہیں کرنا ان کی خواہشات کی،

وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور ہوشیار رہنا ان سے کہ یہ کہیں پھسلا نہ دیں آپ کو اس (حق وہدایت) کی کسی بات سے جس کو اللہ نے اتارا ہے

اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ

آپ کی طرف، پھر اگر یہ پھرے ہی رہیں (حق وہدایت سے) تو یقین جان لو کہ اللہ ان کو مبتلائے

اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ

مصیبت کرنا چاہتا ہے ان کے بعض گناہوں کی پاداش میں، ف۱۳۰ بے شک لوگوں کی

النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ

اکثریت پکی بدکار ہے، ف۱۳۱ تو کیا یہ لوگ جاہلیت کا حکم (اور فیصلہ) چاہتے ہیں؟

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

اور اللہ سے بڑھ کر اچھا حکم (اور فیصلہ) اور کس کا ہو سکتا ہے؟ ف۱۳۲ ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں؟

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، تم یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست نہ

اَوْلِيَآءَ ؔۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ

بنانا، ف۱۳۳ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، ف۱۳۴ اور جس نے دوست بنایا ان کو

مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ

تم میں سے، تو وہ یقیناً ان ہی میں سے ہو گیا، ف۱۳۵ بے شک اللہ ہدایت سے نہیں نوازتا ایسے

ع ۷/۱۱

وقف منزل / وقف غفران / وقف النبی

۱۳۰ اعمال کا پورا بدلہ صرف آخرت میں: -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ کچھ بدلہ اگرچہ اس دنیا میں بھی ملتا ہے لیکن ان کا اصل اور پورا بدلہ آخرت ہی میں مل سکے گا کہ سب اعمال کی جزا و سزا تو دنیا میں ملنا ممکن ہی نہیں۔ اس کی یہاں گنجائش ہی نہیں۔ نیز دنیا "دار الجزاء" نہیں "دار العمل" ہے۔ یعنی یہ دنیا عمل کی جگہ ہے۔ اور جزا و سزا کا مقام دارِ آخرت ہے۔ اور وہیں پر انسان کو اس کے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا صلہ و بدلہ مل سکے گا۔ لیکن اس کے اچھے برے اعمال کا کچھ نہ کچھ بدلہ اس کو اس دنیا میں بھی ملتا ہے۔ جیسا کہ یہاں پر ﴿ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ﴾ - کی اس تصریح سے واضح ہوا ہے۔ سو معاصی و ذنوب بہر حال انسان کیلئے ہلاکت و تباہی کا باعث ہیں۔ دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی جبکہ ان کا اصل بھگتان آخرت کے اس ابدی جہان ہی میں بھگتنا ہوگا جو کہ "دار الجزاء" ہے۔ اور جس میں انسان کو اپنے اعمال کا پورا بدلہ ملے گا۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جو لوگ حق واضح ہو جانے کے باوجود اس کی پیروی نہ کریں اور اس کے بعد بھی وہ اپنے اعراض و انکار اور روگردانی و سرتابی پر اڑے رہیں وہ اس قابل نہیں کہ ان پر رحم کیا جائے۔ بلکہ وہ اس لائق ہیں کہ ان کو ان کے کئے کرائے کی سزا ملے۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سزا ہے کہ انسان راہِ حق و ہدایت سے منحرف و محروم رہے مگر ان کے اعمال کا پورا بدلہ ان کو آخرت ہی میں ملے گا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۱۳۱ عوام کی اکثریت کی رائے معیارِ حق نہیں ہوسکتی: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ اکثر لوگ پکے بدکار ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ عوام کالانعام کی اکثریت کا کسی کے ساتھ یا اس کی حمایت میں ہو جانا اس کی حقانیت کی دلیل نہیں بن سکتا۔ جیسا کہ آج کے اس نام نہاد جمہوری دور میں عام طور پر کہا اور سمجھا جاتا ہے۔ اور جیسا کہ اہلِ بدعت عوام کالانعام کی جہالت اور بدعت نوازی کو اپنی حقانیت کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ عوام کی اکثریت ہمیشہ فاسقوں اور بدکاروں کی ہی رہی ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے- الا ماشاء اللہ- چنانچہ خود آنحضرت -ﷺ- کی حیاتِ طیبہ اور آپ کے زمانہ مبارک میں بھی عام لوگوں کا حال یہی تھا۔ اور اس کے بعد کے ہر دور میں بھی یہی رہا کہ اکثریت کافر اور منکر لوگوں ہی کی رہی۔ اور آج بھی جبکہ دنیا کی کل آبادی پانچ ارب ہے۔ ان میں سے چار ارب کھلے کفر و باطل پر ہیں اور پانچواں ارب جو دین و ایمان کا دعویدار ہے اس میں سے بھی صحیح ایمان و عقیدے کے لوگوں کی تعداد محدود و معدود ہے۔ پس عوام الناس کی اکثریت کی تائید و حمایت کو حق کی دلیل قرار دینا پرلے درجے کی حماقت ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ-

۱۳۲ سب سے اچھا حکم و فیصلہ اللہ ہی کا ہے: -سو اس استفہام انکاری سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کے حکم سے بڑھ کر اچھا حکم و فیصلہ اور کسی کا بھی نہیں ہوسکتا۔ سو استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی کہ اللہ کے حکم و فیصلہ سے بڑھ کر اچھا حکم و فیصلہ اور کسی کا بھی نہیں ہوسکتا کہ اس وحدہٗ لاشریک کا حکم ہر لحاظ سے احسن و افضل اور اعلیٰ و بالا ہوتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- کہ اُس کا علم بھی کامل و شامل اور اسکی حکمت بھی کامل ولایزال- اور اسکی رحمت بھی کامل و لامحدود- اس لیے اسکے ارشاد فرمودہ حکم و قانون کی کوئی نظیر و مثال ممکن ہی نہیں ہوسکتی۔ تو پھر اسکے حکم و قانون سے بڑھ کر کسی کے حکم و قانون کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے؟- پس انسان کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی اور فوز و فلاح اسی امر سے وابستہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کے اَوامر و اِرشادات کو دل و جان سے قبول کرے اور صدقِ دل سے ان پر عمل پیرا ہو- وَبِاللّٰه التوفيق -سو بڑے ہی محروم اور بدبخت ہیں وہ لوگ جو اس وحدہٗ لاشریک کے حکم و اِرشاد کا انکار کرتے اور اُس سے اِعراض و روگردانی برتتے ہیں۔ اور اس طرح وہ

اپنے لیے دائمی ہلاکت اور انتہائی ہولناک خسارے کا سامان کرتے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ-

۱۳۳ **یہود و نصاریٰ کو دوست بنانے کی ممانعت:-** سو اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا۔ اور صاف و صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست نہیں بنانا کہ تمہارے ایمان اور تمہاری دینی غیرت کا مقتضا یہی ہے کہ تم ایسے کسی بھی شخص کو اپنا دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کا دشمن ہو۔ کیونکہ ایسے کسی شخص یا گروہ کو دوست بنانے کا مطلب اسکی دین دشمنی سے راضی ہونا ہے جو کہ ایک مومنِ صادق سے متصور نہیں ہوسکتا۔ سو دنیاوی زندگی میں ظاہری میل ملاپ، رواداری اور حسنِ معاملگی تو الگ چیز ہے اس کی ممانعت نہیں، لیکن دل کی دوستی ایسوں سے جائز نہیں ہوسکتی۔ اس کا تعلق صرف سچے مسلمانوں سے ہی ہوسکتا ہے۔ یہاں پر یہ امر بھی واضح رہے کہ دوسرے مقام پر یہ ممانعت من دون المومنین کی قید کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ سو اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان لوگوں کو اسلام اور مسلمانوں کے مقابلے میں دوست بنانا منع ہے۔ پس اگر ان سے یہ دوستی اور موالات اسلام اور مسلمانون کے مفاد کے لیے ہو یا کم ازکم یہ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے خلاف نہ ہو تو پھر یہ ممنوع نہیں۔

۱۳۴ **اہلِ کفر آپس میں ایک ہیں:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ ان کا آپس میں اگرچہ بغض و بیر ہے لیکن تمہاری دشمنی میں وہ سب ایک ہیں کہ کفر و نفاق اور حق سے دوری و بیزاری میں وہ سب باہم شریک ہیں- وَالْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ- تو ایسے میں وہ تمہارے دوست اور خیر خواہ کسی بھی طرح نہیں ہو سکتے۔ سو ایسے میں تمہارے لیے یہ کیسے روا ہوسکتا ہے کہ تم حق پر ہوتے اور نورِ ایمان سے سرفراز ہونے کے باوجود ان سے دوستی رکھو۔ (معارف، محاسن وغیرہ) - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- سو مومنِ صادق کی دلی دوستی اور محبت اہلِ کفر سے کبھی نہیں ہوسکتی - والعیاذ باللہ العظیم- بہرکیف اس ارشاد سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں باہم ایک ہیں۔ یہ اسلام اور مسلمانوں کو اپنے لیے مشترک خطرہ سمجھتے ہیں اور اس مشترک خطرے سے نمٹنے کے لیے یہ باہم ایک دوسرے کے معاون اور مددگار بنے ہوئے ہیں جس کا ایک زندہ مظہر آج ہم اپنی آنکھوں کے سامنے موجود دیکھتے ہیں کہ پوری دنیا کے یہود و نصاریٰ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یکجا ہو کر مصروفِ عمل ہیں- والعیاذ باللہ العظیم-

۱۳۵ **اہلِ کفر و باطل سے دوستی کا انجام بڑا ہولناک ہے:-** سو کوئی شخص یا گروہ ان لوگوں سے اگر دل سے دوستی اور محبت رکھتا ہے تو پھر تو وہ پکا انہی میں سے ہوگا اگرچہ وہ اپنے زبانی کلامی دعووں میں ان کی مخالفت کا دم بھرتا اور اعلان کرتا ہو۔ (محاسن التاویل للامام القاسمیؒ)۔ نیز ان سے دوستی اور تعلق کی بناء پر ان کے کفر کی میل ان کے باطن پر چڑھتی اور پھیلتی جائیگی اور صحبتِ ہم جنس کی بناء پر یہ بھی شدہ شدہ انہی کی طرح ہو جائے گی۔ سو اہلِ کفر و باطل سے تعلق اور دوستی کا انجام و نتیجہ بڑا برا اور ہولناک ہے- والعیاذ باللہ- (معارف وغیرہ) اور ایسے لوگوں کا دعوائے دین و ایمان بے حقیقت ہوگا جس کا نہ کوئی اثر ہوسکتا ہے نہ فائدہ۔ بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ جو کوئی اَغیار سے دوستی کرے گا وہ انہی میں سے ہو جائیگا۔ پس جو کوئی جس قوم کا فلسفہ اختیار کریگا۔ ان کے نظریات کو اپنائیگا وہ انہی کے سانچے میں ڈھل جائے گا اور انہی کا رنگ ان پر چڑھ جائے گا۔ پس اغیار سے ظاہری میل ملاپ تو ہوسکتا ہے مگر ان سے دل کی دوستی نہ کسی مسلمان کے لئے روا ہوسکتی ہے اور نہ ہی یہ بات کسی مسلمان کی قومی اور دینی غیرت کے لئے قابلِ برداشت ہوسکتی ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ-

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

ظالم لوگوں کو، ف۱۳۶ پس تم دیکھو گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے، ف۱۳۷

یُّسَارِعُوْنَ فِیْهِمْ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِیْبَنَا

وہ دوڑ دوڑ کر جا گھستے ہیں انہی (کافروں) میں، کہتے ہیں کہ ہمیں ڈر لگتا ہے کہ کہیں ہم پر چکر نہ پڑ جائے کسی (حادثہ و

دَآىِٕرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ

مصیبت کا، ف۱۳۸ سو بعید نہیں کہ اللہ لے آئے فتح (وکامرانی مسلمانوں کے لئے،) یا ظاہر فرمادے کوئی اور بات اپنے یہاں

مِّنْ عِنْدِهٖ فَیُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ

(پردۂ غیب) سے ف۱۳۹ جس کے نتیجے میں ان کو ندامت (وشرمندگی) اٹھانا پڑے ان باتوں پر، جو انہوں نے چھپا رکھی ہیں

نٰدِمِیْنَ ﴿۵۲﴾ؕ وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ

اپنے دلوں میں، ف۱۴۰ اور (اس وقت) اہلِ ایمان کہیں گے کہ کیا یہ

الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ

وہی لوگ ہیں جو اللہ کے نام کی کڑی قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ یہ

لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۵۳﴾

تمہارے ساتھ ہیں، اکارت چلے گئے ان کے سب عمل، جس سے یہ ہو گئے سراسر خسارہ اٹھانے والے، ف۱۴۱

۱۳۶ **اللہ ظالموں کو ہدایت سے نہیں نوازتا:** سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت سے نہیں نوازتا کہ ایسے لوگ تو دل سے ہدایت چاہتے ہی نہیں۔ بلکہ وہ تو ظلم ہی پر کمربستہ ہیں۔ اور اللہ پاک ایسا نہیں کہ دل کی چاہت اور خواہش کے بغیر ہدایت جیسی انمول دولت سے کسی کو یوں ہی نواز دے کہ ہدایت کی دولت جو سب سے بڑی دولت اور نعمت ہے ملتی تو وہ بے شک اس وحدہٗ لاشریک، واہبِ مطلق کی طرف سے مفت ہی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ مگر اس کیلئے بنیادی شرط اور اولین واساسی تقاضا طلبِ صادق ہے۔ جس سے ایسے ظالم لوگ محروم ہیں۔ اس لیے ایسے لوگ نورِ حق و ہدایت سے سرفراز نہیں ہو سکتے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ سو انسان کے بناؤ بگاڑ کا اصل تعلق اس کے قلب و باطن سے ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔

۱۳۷ منافقین کے منافقانہ رویّے کا ذکر و بیان :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں کے دل میں بیماری ہے تم ان کو دیکھو گے کہ وہ دوڑ دوڑ کر اور جا کر انہی [کافر] لوگوں میں گرتے اور گھستے ہیں، اور بیماری سے یہاں پر مراد ہے شک وریب اور نفاق کی بیماری۔ (محاسن التاویل) اور باطن کی یہ بیماری ظاہری اور جسمانی اَمراض سے بھی کہیں بڑھ کر مضر اور خطرناک ہے۔ سو اس مرض کے مریض اور اس خوفناک روگ کے روگی یہود جو دشمنانِ اسلام سے دوستی رکھتے ہیں اور ان کو اس ضمن میں جب بھی کوئی موقع ملتا ہے یہ ادھر دوڑ پڑتے ہیں۔ جیسے عبداللہ بن ابی وغیرہ منافقین کا طریقہ و وطیرہ تھا۔ (المراغی وغیرہ) - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - سو جب ایسے لوگوں کے دل لذتِ ایمان سے عاری و محروم ہیں تو ان کے سامنے دنیاوی مفادات اور مادی فوائد ہی سب کچھ ہے۔ اس لئے ایسے لوگ دوڑ دوڑ کر کفار سے جا ملتے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ زَیْغٍ وَّ ضَلَالٍ وَّ سُوْءٍ وَّانْحِرَاف-

۱۳۸ منافقت خود اپنے آپ سے دھوکہ - والعیاذ باللہ :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ کہیں ہم پر چکر نہ پڑ جائے کسی حادثہ اور مصیبت کا۔ سو منافقوں کا نفاق اور اُن کا اپنی چالاکی کا گھمنڈ خود انکی محرومی کا باعث ہے- والعیاذ باللہ- سو منافق لوگ کھلے کافروں سے دوستی رکھتے ہیں کہ براوقت پڑنے پر یہ لوگ ہمیں کام دیں گے۔ اس لئے ہم ان سے بگاڑتے نہیں۔ بلکہ بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ اس طرح یہ منافق لوگ اپنے آپ کو بڑا چالاک اور ہوشیار سمجھتے ہیں۔ مگر درحقیقت اسی سے ان کی یہ اصلیت آشکارا ہو جاتی ہے کہ یہ ابن الوقت، موقع پرست اور ناقابلِ اعتبار لوگ ہیں۔ اور یہی حال ہے کمزور ایمان والے نام نہاد مسلمانوں کا آج بھی کہ وہ اپنے دنیاوی مفادات کے تحفظ کے لئے اپنے دین وایمان کی قیمت پر دوسروں سے دوستی کی پینگیں بڑھاتے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- سو منافق لوگوں کی منافقت انکی ہلاکت کا باعث ہے۔ اور جس کو یہ لوگ اپنی ہوشیاری اور چالاکی سمجھتے ہیں وہی انکی محرومی کا باعث ہے جسکے نتیجے میں یہ لوگ نہ ادھر کے رہتے ہیں نہ ادھر کے۔ بلکہ دونوں طرفوں کا اعتبار کھو کر ان کے درمیان لٹکے رہتے ہیں۔ مگر ان کی مت ماری کا عالم ہے کہ ان کو اپنی اس محرومی کا احساس وشعور نہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- حالانکہ ایسے لوگ تذبذب کا شکار، لذتِ ایمان ویقین سے محروم، اطمینانِ قلب سے عاری۔ اور لَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ کا مصداق ہوتے ہیں۔ سو یہ ایک نقد سزا ہے نفاق کی جو ایسے بدبخت لوگوں کو یہیں ملتی رہتی ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم-

۱۳۹ صدق واخلاص کامیابی کی اصل واساس :- سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ صدقِ ایمان ویقین کامیابی کا ذریعہ اور کفر ونفاق ہلاکت وتباہی کا باعث ہے- والعیاذ باللہ- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ لے آئے فتح یا ظاہر فرما دے اور کوئی امر اپنے یہاں سے۔ جیسے اِن کفار ومشرکین اور منافقوں کو جلاوطن کر دیا جائے۔ یا ان کے دلوں میں وہ ایسا رعب ڈال دے کہ یہ اہلِ حق کے مقابلے میں ہاتھ اٹھانے کے قابل ہی نہ رہیں اور جزیہ دینے کی پیشکش کر دیں۔ یا کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ منافقوں کے دلوں کے یہ پوشیدہ راز آشکارا ہو جائیں اور ان کو مزید ذلت اور رسوائی سے دوچار ہونا پڑے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - پس صدقِ ایمان ویقین کامیابی اور فائز المرامی کا ذریعہ ووسیلہ اور کفر ونفاق ہلاکت وتباہی کا باعث ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح وکامرانی سے ہمکنار کر دے جس سے کفار ومشرکین اور یہودِ بے بہبود اور ان کے اَعوان وانصار ذلیل وخوار ہو کر رہ

جائیں۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ مکہ کے کفار ومشرکین مغلوب ہو گئے اور مدینے کے یہودی ذلیل وخوار ہوئے اوران کے لئے کوئی جائے پناہ باقی نہ رہی۔ سو اِرشادفرمایا گیا کہ یہ لوگ خواہ مخواہ خوف میں مبتلا ہیں اور دوڑ دوڑ کر ان کفار میں جا گرتے ہیں۔ حالانکہ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو عنقریب ہی فتح وکامرانی کی خوشخبری نصیب ہو جائے۔ یا اللہ تعالیٰ اپنے یہاں سے اور کوئی ایسا امر ظاہر فرما دے جس سے انکی عزت وعظمت اور شان وشوکت میں اضافہ ہو اور ان کو غلبہ نصیب ہو۔ سو کامیابی صدق واخلاص اور ایمان ویقین کی راہ میں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۴۰ منافقت کا نتیجہ وانجام رسوائی و پریشانی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہوسکتا ہے کہ ایسے لوگوں کو ندامت اور شرمندگی اٹھانا پڑے ان باتوں پر جو ان لوگوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھی ہیں۔ کہ جن کا سہارا ہم نے ڈھونڈا تھا ان کا خود اپنا انجام یہ ہو گیا۔ اور جن سچے اہلِ ایمان کو ہم کمزور و ناتواں اور نادان سمجھتے تھے وہ اس طرح غالب آگئے۔ اور اس وقت ان منافقوں کو سخت ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ سو منافقت کا نتیجہ وانجام بہر حال رسوائی اور ندامت و پریشانی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے کوئی اور معاملہ ظاہر فرما دیں جس سے ان لوگوں کا بھانڈا عین چوراہے میں پھوٹ جائے اور ان کو اپنے دلوں میں پوشیدہ باتوں پر نادم ہونا پڑے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد اسلام کی پے در پے کامیابیوں کے سامنے ان کے سب منصوبے ناکام ہو گئے اور ان کو پریشانی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور پھر فتحِ مکہ کے بعد ان کی رہی سہی امیدیں بھی ختم ہو گئیں۔ ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں اور ان کے حوصلے جواب دے گئے۔ مدینے کے یہود مغلوب ہو گئے اور ان میں سے کچھ کو جلا وطن کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ حضرتِ عمر کے دور میں پورا جزیرۂ عرب یہودِ بے بہود کے وجود سے پاک ہو گیا۔ سو اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

۱۴۱ ایمان ویقین سے محرومی ہر خیر سے محرومی ۔ والعیاذ باللہ: - چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ اکارت چلے گئے ان لوگوں کے سب عمل جس سے یہ ہو گئے سراسر خسارہ اٹھانے والوں میں سے۔ سو ایمان ویقین سے محرومی دارین کی سعادت وسرخروئی اور ہر خیر سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ دنیا بھی گئی اور آخرت بھی۔ کفار کے موہوم دنیاوی غلبے کے خیال سے انہوں نے ایمان ویقین کی دولت کے مقابلے میں کفر ونفاق کو ترجیح دی۔ اور وہ موہوم غلبہ بھی نصیب نہ ہوا کہ فتح وظفر کا شرف مسلمانوں کو ملا۔ اور ظاہری دعوائے ایمان کے جس پردے میں انہوں نے اپنے دلوں کا یہ کفر ونفاق اب تک چھپا رکھا تھا وہ بھی چاک اور آشکارا ہو گیا۔ تو اب یہ بدبخت نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے اور ﴿خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ﴾ کے مصداق بن گئے جو کہ کھلا اور سب سے بڑا خسارہ اور نقصان ہے۔ ﴿ذٰلِکَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ﴾ اور پھر خداوندِ قدوس کی بے پایاں رحمت وعنایت کا ایک مظہر یہاں پر یہ بھی ملاحظہ ہو کہ ان لوگوں کو اس نے پیشگی بتلا دیا کہ اگر یہ ایسے ہی رہے تو ان کا انجام یہ ہوگا تاکہ اس کے پیشِ نظر یہ لوگ اپنی اِصلاح کر لیں اور صدق واخلاص کی دولت کو اپنا کر اس ہولناک انجام سے محفوظ رہیں۔ فَسُبْحَانَ اللّٰہِ مَآ اَعْظَمَ شَانُهٗ وَمَآ اَجَلَّ رَحْمَتُهٗ بِعِبَادِہٖ۔ سو ایمانِ صادق اور یقینِ کامل دارین کی سعادت وسرخروئی کا ذریعہ ووسیلہ ہے۔ اور اس سے محرومی دارین کی سعادت وسرخروئی سے محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ

اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو، (یاد رکھو کہ) تم میں سے جو کوئی پھر گیا اپنے دین سے

فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ

تو (اس سے اسلام کا کوئی نقصان نہیں ہوگا کہ) اللہ (ان کی جگہ) لے آئیگا ایسے لوگوں کو جن سے اللہ محبت فرماتا ہوگا، اور وہ

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ز

اللہ سے محبت کرتے ہوں گے، جو ایمان والوں پر بڑے نرم (اور مہربان) ہوں گے، اور کافروں پر بڑے سخت،

يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ

جو جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں، ف۱۴۲ اور وہ (راہ حق میں) نہیں ڈریں گے

لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ

کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ف۱۴۳ یہ اللہ کا فضل (اور اس کی مہربانی) ہے، وہ عطا فرماتا ہے جسے

يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ

چاہتا ہے ف۱۴۴ اور اللہ بڑا ہی کشائش والا، سب کچھ جانتا ہے، سوائے اس کے نہیں کہ تمہارا دوست (اے ایمان والو!) اللہ

وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

ہے ف۱۴۵ اور اس کا رسول، اور وہ ایماندار لوگ، جو قائم کرتے ہیں نماز کو،

۱۴۲ جہاد فی سبیل اللہ اہلِ ایمان کی ایک اہم اور امتیازی صفت :- چنانچہ اہلِ ایمان کی خاص اور امتیازی صفات کے ذکر و بیان کے ضمن میں ارشاد فرمایا گیا کہ جو جہاد کرتے ہونگے اللہ کی راہ میں۔ سو جہاد فی سبیل اللہ مومنینِ صادقین اور اللہ کے محبوب بندوں کی ایک اہم اور خاص صفت ہے۔ سو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے تا کہ اس طرح وہ حق کے مقابلہ میں سرکشی کرنے والوں کا غرور خاک میں ملا کر رکھ دیں اور دین کا بول بالا ہو۔ اور وہ حق اور اہلِ حق کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکیں اور دین سب کا سب اللہ ہی کیلئے ہو۔ اور اس جہاد سے ان کا مقصد محض رضائے خداوندی کا حصول اور دینِ حق کی سربلندی ہوتا ہے۔ سو محبوبانِ خدا راہِ خداوندی میں اپنے جان و مال کی قربانی کے لئے ہر وقت مستعد اور تیار رہتے ہیں۔ اور ان کی ایسی ہر قربانی صرف رضائے الٰہی کے حصول اور خداوندِ

قدوس کی خوشنودی کے لئے ہوتی ہے۔ قومیت، وطنیت اور لسانیت وغیرہ دوسری کسی بھی غرض کے لئے نہیں ہوتی۔ اور اسی بناء پر وہ ہمیشہ فائز المرام رہتے ہیں۔ اور وہ ناکامی میں بھی کامیاب ہی ہوتے ہیں۔ اور یہ شان مومنِ صادق کے سوا اور کسی کی نہیں ہوسکتی۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

۱۴۳ اہلِ ایمان کی للّٰہیت اور اُس کا صلہ وثمرہ :- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ سو اللہ والوں کی ایک اور خاص صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ اور یہ ان کے اِخلاص اور للّٰہیت کا طبعی نتیجہ اور اس کا صلہ وثمرہ ہوتا ہے۔ اور اس طرح وہ خدائے پاک کے باغیوں اور مرتدوں کی سرکوبی میں کوئی کوتاہی کریں۔ نہیں بلکہ وہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا کیے بغیر حق کی بات برملا طور پر اور ڈنکے کی چوٹ کریں گے۔ اور وہ ابنائے کفر و باطل کے طعن و تشنیع کی پروا کئے بغیر جادۂ حق پر ثابت قدم اور مستقیم رہتے ہیں۔ اَعداء و اَغیار کے طعن و تشنیع سے ان کے قدم کبھی ڈگمگاتے نہیں۔ اور یہ صدقِ ایمان اور اخلاصِ نیت کا طبعی ثمرہ ونتیجہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۱۴۴ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اسی کی مشیّت ومرضی پر۔ سبحانہٗ وتعالیٰ :- سو اس بارے تصریح فرمادی گئی کہ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ کیونکہ اسے پوری طرح معلوم ہے کہ کس کا باطن کیسا ہے اور کون کس کے لائق ہے۔ سو اسی کے مطابق وہ نوازتا اور سرفراز فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جتنا اور جیسا چاہتا ہے۔ سو اس واہبِ مطلق کی یہ نوازش و عنایت اسکی حکمتِ مطلقہ کے تابع ہے کہ وہ حاکم ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم بھی ہے۔ اس لیے اس کا کوئی بھی امر حکمت سے خالی نہیں ہوسکتا۔ سو عقیدے کی پختگی، اللہ تعالیٰ سے سچی محبت، ایمان والوں کے ساتھ نرمی اور اہلِ کفر و باطل کے ساتھ سختی اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا کے لئے جہاد اور ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پروا نہ کرنا وغیرہ سب کچھ اسی فضلِ خداوندی میں داخل ہے جس سے وہ اپنے بندوں کو نوازتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ وَبِاللّٰہِ التوفیق لما یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وھو الھادی الی سواء السبیل۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ صدق واخلاص کی دولت سے سرشار و مالامال رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۴۵ ایمان والوں کا بھروسہ اللہ ہی پر :- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ایمان والوں کا بھروسہ و اعتماد اللہ ہی پر ہونا چاہیئے کہ یہی ان کے ایمان ویقین کا تقاضا ہے۔ اور یہی حق اور حقیقت ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور کلمۂ حصر کے ساتھ فرمایا گیا کہ سوائے اس کے نہیں کہ اللہ ہی تمہارا دوست اور کارساز ہے۔ پس اللہ ہی تمہارا دوست اور ولی و کارساز ہے نہ کہ یہود و نصاریٰ وغیرہ دوسرے کفار ومشرکین۔ پس تم دل کا اعتماد و بھروسہ ہمیشہ اسی وحدہٗ لاشریک پر رکھو اور اپنا معاملہ اس کے ساتھ درست رکھو۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا التَّوْفِیْقَ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی وَکَما تُحِبُّ وترضٰی۔ بہرکیف اس اِرشادِ ربانی سے اس بنیادی حقیقت کو آشکار فرما دیا گیا کہ ایمان والوں کا دوست اور کارساز و کارفرما اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس لیے ایمان والوں کا بھروسہ اور تکیہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہیئے جو کہ اس ساری کائنات کا خالق و مالک بھی ہے اور ہر طرح کا نفع ونقصان اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس مؤمنِ صادق کی دوستی اور اس کا دلی تعلق ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ ہونا چاہیئے کہ اس کے بعد اَغیار و اَعداء اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ وَبِاللّٰہِ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ

اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ کو، اور وہ (دل و جان سے) جھکے رہتے ہیں (اپنے رب کے حضور) ١٤٦ اور جو کوئی دوستی رکھے گا

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ

اللہ سے، اور اس کے رسول سے، اور ان لوگوں سے جو ایمان (کی دولت) رکھتے ہیں تو (یقیناً وہ کامیاب ہو گیا

اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ع ٨ ١٢

کہ وہ اللہ کی جماعت میں سے ہے اور) بے شک اللہ کی جماعت ہی سدا غالب رہنے والی ہے، اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو،

لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ

تم مت ٹھہراؤ اپنا دوست ان لوگوں کو جنہوں نے ہنسی اور کھیل ٹھہرا رکھا ہے تمہارے

لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ

دین کو، ان لوگوں میں سے جن کو دی گئی (آسمانی) کتاب تم سے پہلے،

وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ

اور (دوسرے کھلے) کفار کو، اور (ہمیشہ) ڈرتے رہا کرو تم لوگ اللہ سے، اگر واقعی تم

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا

ایماندار ہو ١٤٧ اور (ان کی حماقت اور دین دشمنی کا عالم یہ ہے کہ) جب تم (بلاتے) پکارتے ہو نماز (جیسی عظیم الشان

هُزُوًا وَّلَعِبًا ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿٥٨﴾

عبادت) کی طرف، تو یہ لوگ اس کو بھی ہنسی اور کھیل بناتے ہیں، یہ اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو کام نہیں لیتے اپنی

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ

عقلوں سے ١٤٨ کہو کہ، اے کتاب والو، کیا تم لوگ ہم سے اسی بات کا انتقام (اور بدلہ) لیتے ہو کہ ہم

اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ

(صدقِ دل سے) ایمان لائے اللہ پر؟ ۱۴۹ اور اس (کتاب) پر، جو اتاری گئی ہماری طرف ۱۵۰ اور ان سب کتابوں پر

۱۴۶ اہلِ ایمان کی بعض خاص صفات کا ذکر و بیان: -سو اہلِ ایمان کی بعض خاص صفات کے ذکر و بیان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ وہ نماز قائم کرتے، زکوٰۃ دیتے اور اللہ کے حضور جھکے رہتے ہیں۔ سو مومن کی شان کہ ہمیشہ اپنے رب کے حضور جھکا رہے۔ یعنی رکوع سے یہاں مراد نماز کا رکوع نہیں بلکہ یہاں پر اس سے اس کا لغوی معنیٰ مراد ہے۔ یعنی عاجزی اور تواضع۔ (المراغی، المحاسن، المعارف، الجامع وغیرہ)۔ یہاں پر اس کے شانِ نزول کے ذیل میں حضرتِ علی- رضی اللہ عنہ- کی حالتِ رکوع میں ایک سائل کو اپنی انگشتری دے دینے کی جو روایت نقل کی جاتی ہے وہ سراسر بے بنیاد اور جھوٹ ہے جو شیعوں نے اپنی مذموم مقصد برآری کے لئے گھڑی ہے۔ والتفصیل فی المطولات۔ مثل قرطبی، ابنِ کثیر، المعارف للشیخ الکاندھلویؒ وغیرہ ذالک۔ بہر کیف اس سے یہ امر واضح فرما دیا گیا کہ مومن کی شان اور اسکی امتیازی صفت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے رب کے حضور دل و جان سے جھکا رہے کہ یہ اسکے خالق و مالک کا اس پر حق بھی ہے اور اس کی شانِ عبدیت و عبودیت کا تقاضا بھی۔ نماز والا رکوع بھی چونکہ عجز و انکسار کا ایک خاص مظہر ہے اس لئے وہ بھی خداوندِ قدوس کی عبادت و بندگی کا ایک اہم حصہ ہے۔ لیکن یہاں پر اس رکوع سے مراد صرف نماز والا رکوع نہیں۔ جیسا کہ علامہ آلوسی اور بیضاویؒ وغیرہ مفسرینِ کرام نے فرمایا ہے۔ جیسا کہ ابھی اوپر بھی گزرا ہے۔ بلکہ اس سے مراد وہ عجز و انکسار ہے جس کی بناء پر بندۂ مومن ہر وقت اور ہر حال میں اپنے خالق و مالک کے حضور سرافگندہ رہتا ہے۔ اور وہ ہر وقت اور ہر حال میں اس کی عبادت و بندگی اور اس کی یادِ دلشاد اور اپنی عبدیت و بندگی کے احساس و شعور سے سرفراز و سرشار رہتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید۔

۱۴۷ خوف و خشیتِ خداوندی تقاضائے ایمان و یقین۔ وباللہ التوفیق: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ ہمیشہ ڈرتے رہا کرو اللہ سے اگر تم واقعی ایماندار ہو۔ سو ایمان و یقین کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتا رہے۔ پس تم لوگ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہی جھکے رہو اے ایمان والو۔ کہ تمہارے ایمان و عقیدے کا مقتضیٰ یہی ہے کہ تمہارے دلوں میں ہمیشہ اللہ کا خوف و ڈر موجود ہو۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ دین اور دین کے کسی حکم سے مذاق کرنا کفار کا طریقہ ہے۔ افسوس کہ آج نام نہاد مسلمانوں میں بھی کئی ایسے لوگ ملتے ہیں جو ڈاڑھی وغیرہ اسلام کے کئی احکام کا مذاق اڑاتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ بہر کیف اس ارشاد سے یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین کے ساتھ دوستی سے منع فرما دیا گیا۔ اور اس کی وجہ بھی بیان فرمائی گئی کہ جب یہ لوگ تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں تو ایسوں کے ساتھ تمہاری دوستی کس طرح روا ہو سکتی ہے؟۔ پس تم لوگ ہمیشہ اللہ ہی سے ڈرا کرو اگر تم واقعی ایماندار ہو۔

۱۴۸ دین کے اَحکام کا مذاق اُڑانا عقل و خرد کی دشمنی: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ دین اور اس کے احکام کا مذاق اڑانے والے یہ لوگ اپنی عقلوں سے کام نہیں لیتے۔ ورنہ یہ لوگ دین کے اَحکام سے مذاق و استہزاء کیونکر کرتے۔ جو کہ انسان کیلئے دنیا و آخرت کی سعادت و کامرانی اور فوز و فلاح کا ذریعہ ہیں۔ سو دینِ حق کے اَحکام کا مذاق اُڑانا عقل و خرد کی دشمنی کے مترادف ہے کہ عقل سے کام لینے والا کوئی شخص اس طرح کی کسی حرکت کا ارتکاب نہیں کرسکتا کہ دینی اَحکام اور شعائر تو اللہ

تعالیٰ کی رحمت کے حصول کا ذریعہ و وسیلہ ہیں اور شعائر اللہ کی تعظیم و تکریم حصولِ تقوٰی کا ذریعہ اور وجودِ تقوٰی کی علامت و نشانی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس کی تصریح فرمائی گئی۔ ﴿وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ﴾۔ (الحج: ۳۲) سو ایسے میں دینِ حنیف کے احکام و شرائع کا مذاق اڑانا حماقت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتا اور اسکی معصیت سے بچتا رہے۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف خداوندِ قدوس کی معرفت سب سے پہلا اور سب سے اہم فریضہ ہے جو انسان پر عائد ہوتا ہے۔ اور یہی وہ سب سے بڑا شرف و اعزاز ہے جس سے انسان مشرف ہوتا ہے۔ تو پھر دین متین کے احکام کا مذاق اڑانے کی آخر کیا تک ہو سکتی ہے۔ اور اس ارتکاب کا کوئی بدبخت اور عقل سلیم اور فطرتِ مستقیم سے عاری اور محروم انسان ہی کر سکتا ہے۔ سو ایسے میں دینِ حنیف کے اَحکام و شرائع کا مذاق اڑانا حماقت و بدبختی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ زَیْغٍ وَّ ضَلَالٍ۔

۱۴۹ اہلِ کتاب کے دلوں پر ایک دستک: ۔ سو اہل کتاب کو خطاب کر کے اور ان کے دلوں پر دستک کی طور پر فرمایا گیا کہ کیا تم لوگ ہم سے اسی بات کا انتقام لیتے ہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس کی اتاری ہوئی کتابوں پر؟ یعنی کیا تم لوگ اہلِ کتاب ہونے کے باوجود ہم پر اس لیے ناراض ہو رہے ہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر جو کہ خالق و مالک ہے ہم تم سب کا؟۔ اور جس پر ایمان لانا تقاضا ہے عقل و نقل اور فطرتِ سلیمہ کا؟۔ استفہام انکار اور تقبیح و توبیخ کیلئے ہے۔ یعنی کیا یہ بھی کوئی انتقام اور غصے کی چیز ہے کہ ہم اپنے خالق و مالک پر ایمان لے آئے۔ یہ تو سب سے بڑا شرف اور اولین فرض ہے جو انسان پر عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک پر ایمان لائے۔ اس کو پہچانے۔ اور اسکے حقوق کو پہچانے جس میں سب سے پہلا اور بڑا حق یہ ہے کہ وہ صدقِ دل سے اس پر ایمان لائے اور دل و جان سے اسکے آگے جھک جائے۔ اور یہی ایمان کا تقاضا ہے کہ انسان ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتا اور اسکی معصیت سے بچتا رہے۔ وباللّٰهِ التَّوْفِیْقِ۔ بہرکیف خداوندِ قدوس کی معرفت سب سے پہلا اور سب سے اہم فریضہ ہے جو انسان پر عائد ہوتا ہے۔ اور یہی وہ سب سے بڑا شرف و اعزاز ہے جس سے انسان مشرف ہوتا ہے۔ تو پھر اس مذاق اڑانے کی اور اس بناء پر ہم سے دشمنی رکھنے کی آخر کیا تک ہو سکتی ہے؟۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

۱۵۰ جرمِ بے گناہی کی سزا۔ والعیاذ باللہ: ۔ یعنی کیا تم لوگ اے اہلِ کتاب ہم سے اس لیے ناراض ہو رہے ہو کہ ہم اس کتابِ عظیم پر ایمان لائے جو ہم پر اتاری گئی ہے۔ یعنی قرآنِ حکیم پر۔ جو کہ گزشتہ تمام کتابوں کا ناسخ اور خلاصہ و نچوڑ ہے سب شریعتوں کا۔ اور تصدیق کرنے والا ہے اپنے سے پہلے نازل ہونے والی جملہ آسمانی کتابوں کا۔ اور ان کے مضامین کا مہیمن اور محافظ و نگہبان ہے۔ اور جس پر ایمان لانا دارین کی سعادت و سرخروئی کا کفیل و ضامن ہے۔ تو کیا تم لوگ ہمیں اسی جرم کی سزا دیتے ہو؟ اور کیا یہ بھی کوئی جرم ہے جسکی اس طرح سزا دی جائے؟ لیکن ظالم لوگوں کا طریقہ و وطیرہ ہمیشہ یہی رہا ہے کہ وہ اہلِ ایمان کے ساتھ عداوت اور دشمنی رکھتے ہیں۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ اور اسی بناء پر آج مسلمان مظلوم اور ہر جگہ تختۂ مشق بنا ہوا ہے۔ نت نئے مظالم اس پر روا رکھے جا رہے ہیں اور ظلم و ستم کے پہاڑ اس پر توڑے جا رہے ہیں۔ اور اس کا قصور اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اپنے خالق و مالک پر اور اس کی اتاری ہوئی اس کتابِ حکیم پر ایمان رکھتے ہیں جو کہ سب کتابوں کی جامع اور ان کی ناسخ ہے۔ سو یہ جرمِ بے گناہی کی سزا کا ایک واضح نمونہ ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ

بھی جو اتاری گئیں اس سے پہلے ۱۵۱ اور اس بناء پر کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں، (ان سے) کہو کہ کیا

اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ

میں تمہیں ان لوگوں کی خبر نہ دوں جن کا انجام اللہ کے یہاں اس سے کہیں زیادہ برا ہے؟

مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ

وہ جن پر اللہ کی لعنت (اور پھٹکار) ہوئی، اور ان پر غضب ٹوٹا اس کا، اور ان میں سے کچھ کو

الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ

اس نے بندر بنا دیا اور کچھ کو خنزیر، ۱۵۲ اور جنہوں نے پوجا کی شیطان کی، ۱۵۳ یہ ہیں

شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾ وَ

وہ لوگ جن کا ٹھکانا بھی سب سے برا ہے، اور جو راہِ راست سے بھی سب سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں، اور

اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ

جب یہ (منافق) لوگ تمہارے پاس آتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، حالانکہ وہ داخل ہوئے تو بھی کفر کے ساتھ،

وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا

اور نکلے تو بھی کفر کے ساتھ، اور اللہ کو خوب معلوم ہے وہ سب کچھ جو کہ یہ لوگ

۱۵۱ **مسلمان کا ایمان سب آسمانی کتابوں پر**:۔ سو ایسے میں اہلِ ایمان سے دشمنی رکھنا عدل و انصاف کا خون ہے۔ والعیاذ باللہ۔ کہ مسلمان تمام رسولوں اور سب آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم ان سب کتابوں پر بھی ایمان لائے ہیں جو اس سے پہلے اتاری گئی ہیں۔ کہ وہ سب کتابیں آسمانی اور الہامی کتابیں تھیں۔ اور اپنے اپنے دور میں وہ ہدایت کا ماخذ اور نور کا مینارہ تھیں۔ یعنی ان میں سے آخر کون سی چیز ایسی ہے جو غلط ہو؟ تو پھر تمہیں ہم سے ضد اور دشمنی آخر کیوں ہے؟ اور یہ عداوت و بَیر آخر کس بات سے اور کس بناء پر ہے؟ ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بھی بات ایسی نہیں ہے جو کہ باعثِ عداوت ہو۔ یعنی انتقام اور بدلے کے لائق ہم نہیں جو کہ صدقِ دل سے ایمان رکھتے ہیں اللہ پر۔ اور اس کے بھیجے ہوئے سب رسولوں اور اس کی اتاری ہوئی تمام کتابوں

پر۔ سو یہ چیز دشمنی اور انتقام کا باعث نہیں عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔ تو ایسے میں اور اس بناء پر ہم سے عداوت و دشمنی رکھنا عدل و انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے۔ پس عداوت و دشمنی کے لائق ہم نہیں بلکہ انتقام و بدلہ اور دشمنی و ناراضگی کے لائق تو وہ لوگ ہیں جن کی یہ اور یہ بری خصلتیں ہیں جن کا ذکر آگے فرمایا جا رہا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو کسی سے عداوت و دشمنی اس کی ذات اور شخصیت کی بناء پر نہیں بلکہ اس کی خصالِ بد کی بناء پر کی جاتی ہے اور کی جانی چاہئے۔ اور یہی تقاضا ہے عدل و انصاف کا۔ مگر اہلِ ایمان نے آخر ایسی کون سی بات کی؟

۱۵۲ یہود کے بندر اور خنزیر بننے کا مطلب؟:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان پر اللہ کا غضب ٹوٹا اور ان میں سے کچھ کو اس نے بندر بنا دیا اور کچھ کو خنزیر۔ یعنی حقیقت و واقعہ کے اعتبار سے کہ حقیقت میں ان بدبخت لوگوں کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا تھا۔ جیسا کہ جمہور اہلِ علم کا کہنا ہے۔ اور پھر ان کی نسل آگے ہمیشہ کے لئے ختم کر دی گئی تھی کیونکہ ممسوخ قوم کی نسل نہیں چلتی۔ اور بعض کے نزدیک یہ مسخ صوری نہیں معنوی تھا۔ (تفسیر العلامہ المراغی)۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ یہی لوگ ہیں جو سب سے برے اور بدبخت لوگ ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر و بغاوت اور اُن کے معاصی و ذنوب میں انہماک کی بناء پر اپنی رحمت سے دور اور طوقِ لعنت میں گرفتار کر دیا۔ اور مراد ان لوگوں سے وہ یہود ہیں جنہوں نے قانونِ سبت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم و اِرشاد کی نافرمانی کی تھی اور حدود سے تجاوز کیا تھا۔ اور جو اَصحابِ سبت کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔ اور جن کا قصہ اس سے پہلے سورۂ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے اور آگے سورۂ اعراف میں بھی آ رہا ہے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو یہ ان لوگوں کے انکارِ حق اور عداوتِ حق کے جرم کی ایک نقد سزا تھی جو ان کو ملی۔

۱۵۳ طاغوت سے مراد؟:- طاغوت کے معنٰی میں حضراتِ اہلِ علم کے مختلف اقوال ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس سے مراد عجل - بچھڑا - ہے یا اس سے مراد کاہن ہیں۔ یا ان کے اَحبار و رُھبان۔ یا اس سے مراد شیطان ہے۔ (جامع البیان، روح، خازن، محاسن، وغیرہ)۔ مگر ہم نے اس قول کو ہی اختیار کیا کہ اس سے مراد شیطٰن ہے۔ ایک تو اس لئے کہ عجل اور اَوثان وغیرہ کی جو پوجا کی گئی یا کی جاتی ہے وہ بھی درحقیقت شیاطین ہی کے اِغوا و اِضلال سے کی گئی اور کی جاتی ہے۔ اور دوسرے اس لئے کہ طاغوت کے معنٰی میں عموماً کہا جاتا ہے "كُلُّ مَا عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" یعنی اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی اللہ کے سوا پوجا کی گئی ہو۔ لیکن عقل و نقل کے تقاضوں کے مطابق اس تعریف میں اتنا مزید اضافہ کرنے کی ضرورت ہے کہ اس پوجا میں پوجی جانے والی شے کی مرضی بھی شامل ہوئی ہو۔ ورنہ "مَا عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کے عموم میں تو اللہ کے وہ نیک اور پیارے بندے بھی آ جاتے ہیں جن کی پوجا کی گئی اور کی جا رہی ہے۔ مگر اس میں ان کا کوئی قصور نہیں کہ یہ سب کچھ نہ صرف یہ کہ ان کی مرضی سے نہیں ہوا بلکہ ان کی مرضی اور ان کی صاف و صریح تعلیمات کے خلاف کیا گیا ہے بخلاف شیطٰن کے۔ کہ وہ دنیا کو حضرتِ معبودِ برحق کی عبادت و بندگی سے موڑ کر دوسروں کی اور خود اپنی پوجا کرانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے طاغوت کا اصل مصداق وہی ہے کہ وہی ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی سے موڑ کر دوسروں کی پوجا میں لگاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّضَلَالٍ۔

يَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ

چھپاتے ہیں (اپنے دلوں میں) ف١٥٤ اور تم ان میں سے بہت سوں کو دیکھو گے کہ وہ دوڑ دوڑ کر جا گرتے ہیں، گناہ،

وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا

زیادتی، اور حرام خوری (کے کاموں) میں، یقیناً بڑے ہی برے ہیں وہ کام،

يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ

جو یہ لوگ کرتے ہیں، کیوں نہیں روکتے ان کو ان کے مشائخ اور ان کے علماء

عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا

گناہ کی بات کہنے سے ف١٥٥ اور ان کے حرام کھانے سے (طرح طرح کے ہتھکنڈوں کے ذریعے) یقیناً بڑے ہی

كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ

برے ہیں ان کے وہ کرتوت جو یہ لوگ کر رہے ہیں، ف١٥٦ اور یہود (بے بہود) نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا ف١٥٧

غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ وقف لازم

(حالانکہ) بند تو دراصل ان کے اپنے ہاتھ ہو گئے ف١٥٨ اور ان پر پھٹکار پڑ گئی ان کی اپنی بیہودہ گوئی کی بناء پر ف١٥٩ (سو ایسا نہیں) بلکہ

يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ

اس (واہب مطلق) کے دونوں ہاتھ (ہر وقت) کھلے ہیں ف١٦٠ وہ خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے، اور ضرور بالضرور ان میں سے

اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا

بہتوں کی سرکشی اور کفر (و انکار) ہی میں اضافہ کا باعث بنے گا ف١٦١ وہ (کلام حق ترجمان) جو کہ اتارا گیا آپ کی طرف

بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ

(اے پیغمبر!) آپ کے رب کی جانب سے، اور ہم نے ڈال دی ان کے درمیان دشمنی اور بغض (وعداوت کی میل) قیامت

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ

کے دن تک ۱۶۲ جب بھی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں (پیغمبر حق کے خلاف) ۱۶۳ تو اللہ اس کو بجھا دیتا ہے اور یہ فساد مچاتے

فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾

ہیں (اللہ کی) اس زمین میں اور اللہ پسند نہیں فرماتا فساد مچانے والوں کو، ۱۶۴ اور اگر اہلِ کتاب

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ

(سرکشی اور شر انگیزی کی بجائے) ایمان لے آتے (سچے دل سے،) اور تقویٰ اختیار کرتے، تو ہم ضرور مٹا دیتے ان سے ان کی

سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ

(گزشتہ) برائیاں، اور ضرور داخل کر دیتے ان کو نعمتوں بھری جنتوں میں، اور اگر یہ

۱۵۴ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ وذکر: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ سے کسی کے ظاہر و باطن کی کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ خوب جانتا ہے وہ سب کچھ جو یہ لوگ چھپاتے ہیں۔ یعنی ان کے کفر و نفاق اور اہلِ حق سے بغض وعناد جس کی سزا اس کے یہاں سے ان کو اپنے وقت پر بہرحال ملے گی اور پوری اور بھرپور طریقے سے ملے گی۔ اس لئے معاملہ اس وحدہٗ لاشریک سے درست رکھنے کا ہے جس سے ان کے ظاہر و باطن کی کوئی حرکت وکیفیت بھی چھپ نہیں سکتی۔ سو لوگوں سے تو یہ اپنے باطن کو چھپا سکتے ہیں مگر اُس علیم وخبیر خداوند قدوس سے کیونکر چھپا سکتے ہیں جو کہ ظاہر و باطن کو ایک برابر جانتا ہے۔ سو اس سے کسی کے ظاہر و باطن کی کوئی بھی کیفیت مخفی نہیں رہ سکتی۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ بہرکیف اس سے واضح فرمایا گیا کہ یہود اور منافقین جب مسلمانوں کے پاس آتے اور ان سے ملتے تو کہتے کہ ہم ایمان لائے ہیں۔ حالانکہ وہ جب آئے تھے تو بھی کفر کے ساتھ آئے تھے اور جب نکلے تو بھی کفر کے ساتھ نکلے۔ ایمان ان کے پاس نہ داخل ہوتے وقت تھا اور نہ نکلتے وقت۔ سو لوگوں سے تو یہ اگرچہ اپنے باطن کی اس کیفیت کو چھپاتے ہیں اور چھپا سکتے ہیں لیکن اللہ سے کس طرح چھپا سکتے ہیں جو کہ ظاہر اور باطن کو ایک برابر جاننے والا ہے؟۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ یہاں سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ بدنیتوں کے لیے محرومی ہی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۵۵ گناہوں سے روکنا علماء ومشائخ کی اہم ذمہ داری: سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیوں نہیں روکتے ان کو ان کے علماء اور ان کے مشائخ گناہ کی بات کہنے سے۔ یعنی ان کو ان برائیوں سے روکنا چاہیئے کہ یہ ان کی ذمہ داری ہے۔ ورنہ فساد بڑھتا اور پھیلتا جائے گا۔ مگر افسوس کہ یہ تغافل اور یہ مرض آج امتِ مسلمہ کے اندر بھی موجود ہے۔ آج اس امت میں بھی ایک بڑے طبقے کی اکثریت ایسی ہے جو علماء اور مشائخ کہلانے کے باوجود نہ صرف یہ کہ تبلیغ حق کے اس فریضہ سے غافل ہے بلکہ وہ الٹا عوام میں پائی جانے والی شرکیات و بدعات اور دوسری طرح

طرح کی منکرات کی پشت پناہی کرتے اور ان کے لئے شرعی جواز کے حیلے ڈھونڈتے ہیں۔ اور اس کے لئے کتاب وسنت کی صاف وصریح اور واضح وجلی نصوص تک کو تاویل وتحریف کے خراد پر چڑھانے سے بھی گریز نہیں کرتے جس کے مظاہر اور نمونے اہلِ ہوٰی کی تقریروں اور تحریروں میں یہاں اور وہاں جگہ جگہ اور طرح طرح سے ملتے ہیں۔ اور ایسی شد ومد سے ملتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ تو ایسے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تقاضے پورے ہوں تو کس طرح؟ اور جب کوتوال الٹا چور کا حامی بن جائے تو پھر چوروں، ڈاکوؤں اور جیب کتروں سے حفاظت ہو تو کیونکر ہو؟ -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- ابو حیانؒ کہتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ میں ان علماء اور روساء پر سخت زجر و توبیخ ہے جو لوگوں کو گناہوں سے روکنے کی اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتے۔ اور عبد اللہ بن مبارک نے اس بارے بادشاہوں اور علمائے سوء اور پیرانِ سوء کو دین کی تباہی کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے کہا- هَلْ اَفْسَدَ الدِّیْنَ اِلَّا الْمُلُوْکُ- وَاَحْبَارُ سُوْٓءٍ وَّرُهْبَانُهَا -یعنی'' دین کو تو بگاڑا ہے بادشاہوں نے اور علماء سوء اور امت کے راہبوں اور پیروں نے''۔ اور حضرتِ ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآنِ پاک میں اس سے بڑھ کر علماء وزہاد کیلئے سخت تنبیہ اور توبیخ کسی اور آیت میں نہیں ہے۔ اس طرح کی آیاتِ کریمہ کے بارے میں اہلِ بدعت کے بعض مولوی صاحبان وغیرہ کا کہنا ہے کہ ان کا تعلق صرف اہلِ کتاب کے پادریوں سے ہے اور بس۔ سو ان لوگوں کا یہ کہنا مردود اور اپنی ذمہ داریوں سے گریز وفرار کی کوشش کے مترادف ہے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- یہ لوگ ایسا کہتے وقت یہ نہیں سوچتے کہ اگر ان آیاتِ کریمہ کا تعلق صرف اہلِ کتاب کے مولویوں، پیروں اور انکے پادریوں پروہتوں ہی سے ہوتا تو پھر انکے قرآنِ حکیم کی اس کتابِ ہدایت وارشاد میں ذکر وبیان کا فائدہ ہی کیا؟ کہ یہ کوئی قصوں کہانیوں یا تاریخ وجغرافیہ کی کتاب تھوڑی ہی ہے کہ محض کہانی اور قصہ گوئی کے طور پر گزشتہ اَقوام واُمم سے متعلق یہ سب کچھ یونہی بے مقصد بیان کر دے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ پس اس کتابِ ہدایت میں اہلِ کتاب اور اُن کے اَحبار ورُہبان اور مولویوں وپیروں کے یہ اَحوال بیان کر کے دراصل اُمتِ مسلمہ کو خبردار کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کی ان اور ان کوتاہیوں کی بناء پر جب ان کو یہ اور یہ بھگتان بھگتنے پڑے تو تم لوگ اس سے بچ کر رہنا۔ تاکہ تم اس برے انجام سے محفوظ رہ سکو جو کہ ان لوگوں کو بھگتنا پڑا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون بے لاگ اور سب کیلئے یکساں ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ- یہاں سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ بدنیتوں کے لیے محرومی ہی محرومی ہے- والعیاذ باللہ-

۱۵۶ فریضۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے تحضیض وتحریک:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیوں نہیں روکتے ان کو ان کے علماء ومشائخ ان کے حرام کھانے سے۔ یقیناً بڑے ہی برے ہیں ان لوگوں کے وہ کرتوت جو یہ کر رہے ہیں۔ کہ یہ لوگ برائی پر خاموش بیٹھے رہتے ہیں اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہیں کرتے۔ جس سے معاشرے میں شر پھیلتا ہے اور اسکے نتیجے میں ایسا معاشرہ ہلاکت اور تباہی کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور بالآخر وہ اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہتا ہے۔ سو اس ارشادِ ربانی میں ان لوگوں کیلئے بڑی تحریک وتحضیض ہے کہ ان کو نہی عن المنکر کا یہ عظیم الشان فریضہ ادا کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہونا چاہیئے تاکہ معاشرے سے شر مٹے اور خیر کا دور دورہ ہو۔ اور برائیوں کی بجائے اچھائیاں فروغ پاسکیں اگرچہ اس خطاب کا اولین تعلق اہلِ کتاب سے ہے جن کے اندر یہ فساد وبگاڑ انتہا کو

پہنچ گیا تھا۔ لیکن اس میں بالواسطہ طور پر اُمتِ مسلمہ کے لئے بھی یہ درسِ عظیم ہے کہ یہ لوگ بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اس اہمیت اور ضرورت کو سمجھیں اور اس عظیم الشان فریضہ کی ادائیگی کے لئے اپنی ذمہ داری کو کما حقہٗ نبھائیں۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وَھُوَ الْھَادِیْٓ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ۔

۱۵۷ یہود کی یاوہ گوئی کا ایک نمونہ و مظہر:۔ سو ان لوگوں کی بدبختی ان پر اتنی غالب آگئی کہ انہوں نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ بند ہوگئے ہیں کہ ہمارے رزق میں کمی ہوگئی اور ہم قحط سے دوچار ہوگئے وغیرہ۔ ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ان بدبختوں کی یہ تھی کہ وہ بخیل ہوگیا ہے اور بخل کی بناء پر اس نے ہم سے اپنا فضل روک لیا ہے۔ (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ سو یہ یہودِ بے بہبود کی بے ہودگی اور یاوہ گوئی کا ایک نمونہ و مظہر ہے کہ یہ لوگ اہلِ کتاب ہونے کے باوجود حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کے بارے میں ایسی بیہودہ بات کہتے ہیں۔ حالانکہ اس وحدہٗ لاشریک کے ایک ایک لمحے کے اندر جس قدر خزانے تقسیم ہوتے ہیں اس کا حساب لگانا اور اندازہ کرنا بھی کسی کے بس میں نہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ مگر اس کے باوجود ان بدبختوں نے اُس وہابِ مطلق۔ جل جلالہ۔ کے بارے میں ایسی یاوہ گوئی سے کام لیا۔ سو جب لوگوں نے اُس ذاتِ اقدس واعلیٰ کو بھی نہیں بخشا جس کی رحمتوں اور عنایتوں میں انسان کا رواں رواں ڈوبا ہوا ہے تو پھر اور کون ہوسکتا ہے جو اعداء کے طعن و تشنیع سے بچ سکے؟۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف اس سے یہودِ بے بہبود کی بدبختی کا ایک نمونہ سامنے آتا ہے۔

۱۵۸ یہودِ بے بہبود ہر خیر سے محروم۔ والعیاذُ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ بند تو دراصل ان کے اپنے ہاتھ ہو گئے اور یہ لوگ اپنے خبثِ باطن کی بناء پر انتہائی کمینگی میں مبتلا اور ہر خیر سے محروم ہیں۔ اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ یہ لوگ ہر خیر سے محروم ہیں۔ چنانچہ آج تک یہودِ بے بہبود کی یہ منحوس قوم اَبْخَلُ الْاَقْوام یعنی سب سے بڑی بخیل اور کنجوس قوم کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اور آج تک اس قوم کا وطیرہ یہی ہے کہ یہ ٹکا برابر کوئی خرچ اس وقت تک کرنے کو تیار نہیں ہوگی جب تک کہ ان کو اس سے اپنا کوئی دنیاوی مفاد اور مادی فائدہ نہ ملے اور ان کو اپنی کوئی غرض پوری ہوتی نظر نہ آتی ہو۔ خواہ ان کی وہ غرض کسی بھی طرح پوری ہو اور ان کو وہ فائدہ کسی بھی شکل میں ملے۔ اور حرص و طمع میں یہود و ہنود ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پس اپنی کمینگی اور خبثِ باطن کی بناء پر یہ لوگ خدا تعالیٰ کی رحمت سے محرومی اور اس کی لعنت و پھٹکار کے مورد و مستحق ہوگئے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۵۹ یہود پر پھٹکار اُن کی اپنی بیہودہ گوئی کی بناء پر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان پر پھٹکار پڑ گئی ان کی اپنی بیہودہ گوئی کی بناء پر۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ بے ہودہ گوئی اور وہ بھی حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کی جنابِ اقدس واعلیٰ میں۔ بے ہودہ گوئی ایسا بے ہودہ فعل اور سنگین جرم ہے کہ اس کی کچھ سزا بطورِ نقد انسان کو اس دنیا میں ہی ملتی ہے۔ ایسے لوگ لعنت اور پھٹکار کے مورد بن جاتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت سے محروم ہو کر طرح طرح کے مہالک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ چنانچہ تجربہ شاہد ہے کہ جو نام نہاد مسلمان اس کے مرتکب ہوتے ہیں وہ بھی بالعموم خیر سے محروم اور تنگ گزران سے دوچار ہوتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ بہرکیف یہاں پر یہودِ بے بہبود کی اس یاوہ گوئی کے ذکر و بیان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف حسد اور جلن میں اس قدر اندھے اور اتنے اوندھے ہو گئے ہیں کہ اہلِ کتاب ہونے کے باوجود حضرتِ حق۔ جَلَّ مَجْدُہٗ۔ کی ذاتِ اقدس واعلیٰ کے بارے میں بھی اتنی بڑی

گستاخی اور اتنے بڑے کفر اور بکواس پر اتر آئے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ زَیْغٍ وَّضَلَالٍ وَّسُوْءٍ وَّانْحِرَافٍ۔

۱۶۵ اللہ تعالیٰ کی عطا و بخشش مسلسل اور لامحدود: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حضرت حق ۔ جَلَّ مَجْدُہٗ ۔ کی بخشش وعطاء مسلسل ولگا تار اور لامحدود ہے۔ ''بسطِ یدین'' یعنی دونوں ہاتھوں کے کھلے ہونے کا یہ استعارہ دراصل کنایہ ہے اُس واہبِ مطلق ۔ جل وعلا ۔ کے جود وسخا اور کرم وعطاء سے۔ جیسا کہ محاورے میں بولا جاتا ہے۔ ورنہ وہ وحدہٗ لاشریک اس طرح کے ہاتھوں سے پاک ہے جن سے ہم متعارف ہیں۔ کیونکہ یہ ہاتھ مخلوق کے ہیں۔ جبکہ وہ خالق ہے اور مخلوق کے ہر شائبہ سے پاک اور بالا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس اس کے یہاں سے رزق کی تضییق و بندش اس وجہ سے نہیں ہوتی کہ اس کے فیضِ لامتناہی میں کوئی کمی آ گئی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ بلکہ اس کا تعلق اس کی مشیتِ مطلقہ اور دوسری مختلف حِکَم ومصالح کی بناء پر ہوتا ہے۔ ورنہ اس کی عطاء وبخشش تو مسلسل اور لگاتار جاری ہے اور اس قدر کہ حدِ شمار واحصاء سے بھی باہر ہے۔ اور اتنی کہ ایک ایک لمحے میں وہ اپنی گوناگوں مخلوق کو جس قدر نوازتا اور عطاء فرماتا ہے اور جس قدر اسکے خزانے تقسیم ہوتے ہیں اس کا تصور وادراک بھی کسی کے بس میں نہیں کہ اسکی عطا لامحدود اور اُسکی بخشش غیر محدود ولامتناہی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ ۔ سو جو اُس واہبِ مطلق کے بارے میں ایسی بے ہودہ بات کہے اس سے بڑھ کر ظالم اور بدبخت اور کون ہوسکتا ہے؟ ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۶۶ خبثِ باطن محرومی کی جڑ بنیاد ہے ۔ والعیاذُ باللہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ضرور بالضرور ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور ان کے کفر وانکار میں اضافے ہی کا باعث بنے گا وہ کلامِ حق ترجمان جو آپ کی طرف اتارا گیا ہے اے پیغمبر آپ کے رب کی طرف سے۔ سو کلامِ حق وہدایت ان لوگوں کیلئے رحمت کی بجائے الٹا ان کے کفر وسرکشی میں اضافے کا باعث بن جاتا ہے ان لوگوں کے اپنے خبثِ باطن کی بناء پر۔ اور اس طرح یہ لوگ وحیِ خداوندی کی رحمتوں اور برکتوں سے فیض یاب و مالا مال ہونے کی بجائے الٹا خسارے میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ بارانِ رحمت کے ذریعے عمدہ اور زرخیز زمین میں تو بہترین اور طرح طرح کی نفع بخش چیزیں اگتی اور پیدا ہوتی ہیں اور گندی و خراب زمین میں بیکار بلکہ مضر ونقصان دہ اور بدبودار جھاڑیاں سر نکالتی ہیں۔ سو یہ فرق وقصور بارش کی وجہ سے نہیں بلکہ زمین کی اپنی حقیقت کے اعتبار سے ہے۔ اسی طرح قرآنِ حکیم کی معنوی اور روحانی بارش سے نیک بخت اور سعادت مند روحیں مستفید وفیضیاب ہوکر دارین کی سعادت وسرخروئی سے فیضیاب اور بہرہ مند ہوتی ہیں اور ایسے لوگ اس کتابِ حکیم کی مقدس تعلیمات سے فیضیاب ہوکر رشکِ ملائکہ بن جاتے ہیں۔ اور کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں جبکہ اس کے برعکس خبثِ باطن کے مارے اپنے اعراض وانکار کی بناء پر اسفل السافلین میں جا پہنچتے ہیں۔ سو انسان کے بناؤ بگاڑ کا اصل تعلق اس کے اپنے قلب وباطن سے ہے ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۶۷ یہود ونصاریٰ کے باہمی بغض وبیر کا ذکر وبیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان کی درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا قیامت کے دن تک۔ سو یہود ونصاریٰ کے درمیان باہمی بغض وعداوت کی یہ سزا ایک نقد سزا ہے جو ان لوگوں کو مل کر رہی۔ سو اسلام اور مسلم دشمنی میں اگرچہ یہ لوگ آپس میں ایک ہیں کہ '' اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ '' لیکن آپس میں یہ ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ یہود ونصاریٰ باہم دیگر دشمن ہیں۔ اور پھر ان میں سے ہر ایک کے اندر کے مختلف

فرقے آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ اور یہ ایک طبعی امر اور منطقی نتیجہ ہے ہدایت سے منہ موڑ کر خواہشات کے پیچھے چلنے کا کہ خواہشات کے ٹکراؤ اور مفادات کی جنگ کے نتیجے میں ایسا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ چنانچہ یہود اور نصاریٰ کے درمیان یہ عداوت اور دشمنی ہمیشہ سے رہی ہے اور آج تک موجود ہے۔ اور اسی دشمنی نے انیسویں صدی عیسوی میں روس، جرمن اور دوسرے یورپی ممالک خاص کر جرمن، انگلینڈ اور فرانس وغیرہ کے اندر طرح طرح کے گل کھلائے۔ اور یہودی اس وقت عالمی اقتصاد پر مسلط ہونے کے باوجود نصاریٰ کے یہاں سخت مبغوض ہیں۔ اور فرانس وغیرہ یورپی ملکوں میں عوام کو یہودیوں کیخلاف ابھارنے اور بھڑکانے کیلئے نصاریٰ کی طرف سے کتنی ہی زہر آلود اور اشتعال انگیز کتابیں لکھی گئیں۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ اور اسی نفرت کی بناء پر جرمنی کے ہٹلر نے ساٹھ لاکھ یہودیوں کو تہ تیغ کیا وغیرہ وغیرہ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ جَلَّ وَعَلَا – البتہ حق اور اہلِ حق کے خلاف دشمنی وعداوت میں یہ دونوں ایک ہیں۔

۱۲۳ ان کے آتشِ جنگ بھڑکانے کا ذکر: – سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ اہلِ حق کیخلاف جنگ کی آگ بھڑکانا دشمنانِ حق کا پرانا طریقہ ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو یہ لوگ اللہ کے آخری رسول کے مقابلے میں جو کہ حق و ہدایت کے نمائندہ و نشان اور انبیاء ورسل کے پیشوا و امام ہیں۔ نیز ان کے سچے پیروکاروں کے مقابلے میں آتشِ جنگ بھڑکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ (معارف و بیان وغیرہ)۔ مگر اللہ اور اسکے رسول کیخلاف جو بھی یہ لوگ اس طرح کی حرکت کرتے ہیں اللہ ان کی آگ کو بجھا دیتا ہے یا ان کو ایسا کرنے کی ہمت ہی نہیں رہتی۔ اور یا وہ ان کے مقابلے میں اپنے رسول کی ایسی مدد فرماتا ہے کہ یہ ناکام و نامراد ہو کر لوٹتے ہیں۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو اہلِ حق کیخلاف عداوت و دشمنی کی آگ بھڑکانا دشمنانِ حق کا پرانا طریقہ و وطیرہ ہے۔ اور ان کی ان چالوں کے مقابلے کیلئے ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ اہلِ ایمان کا تعلق اور ان کا معاملہ اپنے خالق و مالک کے ساتھ صحیح اور مضبوط ہو۔ تاکہ اسکی نصرت و امداد انکو حاصل رہے۔ اور جب اُس قادرِ مطلق کی نصرت و امداد ان کو حاصل ہو تو پھر کوئی بھی انکا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۱۲۴ فساد فی الارض اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک مبغوض عمل: – سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ فساد فی الارض اللہ تعالیٰ کے یہاں مبغوض ہونے کا بڑا سبب ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا بلکہ ایسے لوگ اس کے یہاں ممقوت و مبغوض ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی مخلوق کی اِصلاح اور آبادی چاہتا ہے نہ کہ فساد اور خرابی۔ اسی لیے اس نے اپنے عباد و بلاد کی اِصلاح کیلئے دینِ حق کو نازل فرمایا اور حق اور اہلِ حق کیخلاف بھڑکائی جانے والی دشمنوں کی ہر آگ کو بجھایا۔ اور اہلِ حق کی اہلِ باطل کے مقابلے میں مدد فرمائی۔ اور اسلام کے نورِ مبین کے ذریعے عباد و بلاد کی اِصلاح کا سامان فرمایا۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوب بننے کا ذریعہ و وسیلہ یہ ہے کہ فساد و بگاڑ سے بچ کر اِصلاح کی کوشش کی جائے۔ اور فساد فی الارض کی سب سے بڑی صورت دینِ حق سے کفر و انکار ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو کفر و شرک اور اِلحاد و بے دینی باعثِ ہلاکت و تباہی اور موجبِ فساد و خرابی ہے جبکہ توحیدِ خداوندی اور دینِ حق سے سرفرازی موجبِ اِصلاح اور ذریعۂ فوز و فلاح ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ و علی ما یحب ویرید۔

اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ

قائم رکھتے تورات اور انجیل کو، ۱۶۵ اور اس کتاب کو جو اتاری گئی ہے ان کی طرف

مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ

ان کے رب کی جانب سے، (یعنی قرآن حکیم کو) تو یہ ضرور کھاتے اپنے اوپر سے (برسنے والی برکات میں سے،)

مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا

اور اپنے پاؤں کے نیچے (سے ابلنے والے رزق میں) سے ۱۶۶ ان میں سے کچھ لوگ تو سیدھی راہ پر ہیں، لیکن ان میں سے

۱۶۵ **اقامتِ دین سعادت دارین سے سرفرازی کا ذریعہ**:- سو اس ارشاد سے واضح ہو جاتا ہے کہ اقامتِ حق اور دینِ متین کی تعلیماتِ مقدسہ پر عمل پیرا ہونا باعثِ سرفرازی اور ذریعہ فوز و فلاح ہے۔ سو اگر تحریف و تبدیل کے بجائے یہ لوگ اس توحید کو اپناتے جس کی تعلیم ان دونوں کتابوں میں دی گئی تھی۔ اور ان بشارتوں کو بصدقِ دل سے قبول کرتے جو نبیٔ آخر الزمان کے بارے میں ان میں پائی جاتی تھیں تو اسکے فوائد و ثمرات سے یہ لوگ طرح طرح سے مستفید ہوتے کہ اپنے دور میں حق و ہدایت کا مصدر و ماخذ یہی دونوں کتابیں تھیں۔ اور ان میں نبیٔ آخر الزماں کی بعثت و تشریف آوری کی پیشینگوئی تھی۔ اس طرح تورات اور انجیل کو قائم کرنے کا لازمی تقاضا قرآنِ حکیم پر ایمان لانا اور اسکی تعلیماتِ مقدسہ کو اپنانا اور حرزِ جان بنانا ہے۔ مگر ان لوگوں نے اپنی شومیٔ قسمت اور خبثِ باطنی کی بناء پر اس کے برعکس کفر و انکار کی راہ کو اپنایا جس سے یہ لوگ نورِ حق و ہدایت سے محروم ہو کر کفر و باطل کے اندھیروں میں ڈوب گئے اور سعادتِ دارین کی عظمتوں سے سرفراز و ہمکنار ہونے کے بجائے ابدی ہلاکت و تباہی کے ہولناک گڑھوں میں جا گرے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۶۶ **ایمان و تقویٰ باعثِ سعادتِ دارین**:- سو ایمان اور تقویٰ کی برکات آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی نصیب ہوتی ہیں۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور عملِ صالح کی برکات سے آدمی آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی فیضیاب و سرفراز ہوتا ہے کہ اسکے نتیجے میں انسان پر آسمان سے طرح طرح کی برکات نازل ہوتی ہیں اور زمین ان پر قسما قسم کے خزانے اگلتی ہے۔ اور انسانی معاشرہ ایمان و یقین کی قوت اور عمل و کردار کی دولت سے جس قدر زیادہ سرفراز ہوگا اسی قدر زیادہ آسمان و زمین کی ان عظیم الشان خیرات و برکات سے مستفید و فیضیاب ہوگا۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق۔ سیاق و سباق سے واضح ہے کہ یہاں پر ایمان سے مراد آنحضرت ﷺ پر ایمان ہے۔ سو اگر یہ لوگ آنحضرت ﷺ پر اور آپ کے لائے ہوئے قرآنِ پاک پر ایمان لے آتے تو یہ دنیا و آخرت کی سعادتوں اور خیرات و برکات سے فیضیاب و مالا مال ہوتے۔ ان کے گزشتہ گناہوں اور خطاؤں کو معاف کر دیا جاتا ہے اور اُس کے نتیجے میں ان کو جنت میں داخلہ نصیب ہوتا اور وہاں کی ابدی اور حقیقی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے۔ اور اس سے پہلے اس دنیا میں بھی ان کو آسمان و زمین کی خیرات و برکات سے فیضیابی اور بہرہ مندی نصیب ہوتی۔ مگر ان لوگوں نے اس کی بجائے کفر و انکار کو اختیار کر کے ابدی ہلاکت و تباہی اور محرومی کی راہ کو اپنایا۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے عناد و ہٹ دھرمی اور اتباعِ ہویٰ کا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۹ ع ۱۴

يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

اکثر بہت برے کام کرتے ہیں، ۱۶۷ اے پیغمبر! (پورے کا پورا) پہنچا دو اس پیغام کو جو کہ اتارا گیا آپ کی طرف

مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ

آپ کے رب کی جانب سے، اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کی رسالت (و پیغمبری) کا حق ادا نہیں کیا، ۱۶۸

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

اور (لوگوں سے نہ ڈرنا کہ) کہ اللہ آپ کی حفاظت فرمائے گا لوگوں (کے شر) سے، بے شک اللہ ہدایت (کی دولت) سے

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى

سرفراز نہیں فرماتا کافر لوگوں کو، ۱۶۹ (ان سے صاف) کہہ دو کہ اے کتاب والو، تم کسی بھی چیز پر نہیں

شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ

ہو، جب تک کہ تم پابندی نہ کرو تورات، انجیل، اور اس کتاب کی، جو اب تمہاری طرف نازل کی گئی ہے

اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ

تمہارے رب کی طرف سے، (یعنی قرآن حکیم) ۱۷۰ اور ضرور بالضرور ان میں سے بہت سے لوگوں کی سرکشی اور کفر (و انکار)

اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ

ہی میں زیادتی (اور اضافے) کا باعث بنے گا، وہ کلام (حق ترجمان) جو کہ اتارا گیا آپ کی طرف (اے پیغمبر!) آپ

۱۶۶ عوام کی اکثریت ہمیشہ غلط کاروں ہی کی رہی - والعیاذ باللہ:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ عوام کی اکثریت برے اور غلط کار لوگوں ہی کی رہی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان میں سے اکثر بہت برے کام کرتے ہیں۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ عوام کی اکثریت کے کسی طرف ہو جانے سے وہ بات حق و صواب قرار نہیں پا سکتی کہ عوام کی اکثریت ہمیشہ فاسقوں، فاجروں اور بدکاروں ہی کی رہی۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ پس کسی امر کا حق ہونا عوام کی اکثریت کے تابع نہیں۔ جس طرح کہ مغربی جمہوریت کے علمبرداروں کا کہنا اور ماننا ہے اور جس طرح کہ ہمارے اہل بدعت کا کہنا ہے۔ سو حق و باطل کی معرفت و تمیز عوام کی اکثریت کی تائید و تردید پر موقوف نہیں بلکہ حق وہ ہے جو دین حق کی تعلیمات حقہ کی رو سے حق ہو خواہ اس کے ماننے والے کتنے ہی تھوڑے کیوں نہ ہوں۔ اور باطل وہ

سے جو دین حق کی تعلیمات مقدسہ کی دعوت پیش کرتا ہے [illegible] اپنے خود ساختہ [illegible] کو [illegible]
حق [illegible] اسی صورت میں [illegible] ارشاد ہوا ہے [illegible] کی آیت [illegible]
[illegible] میں [illegible] تھے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

١٢٨ پیغمبر پر جو نازل ہوا اس کی تبلیغ کا حکم ارشاد ہوا ہے۔ یعنی پیغمبر کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا کہ جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اس کو پہنچا دو، کیونکہ یہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس کی رسالت (پیغمبری) کا حق ادا نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ پیغمبر نے تمام باتیں پہنچا دیں اور اس میں سے کچھ بھی چھپایا نہیں۔ کیونکہ آپ کا منصب رسالت کا تقاضا ہی یہ تھا کہ خدا کی طرف سے جو ہدایت نازل ہو اسے پورا کا پورا پہنچا دیا جائے اور کسی مصلحت سے [illegible] اس بات میں سے کچھ نہ چھپایا جائے [illegible] حضرات [illegible] کہتے تھے کہ [illegible] اسی دور [illegible] یہ [illegible] اور [illegible] کے لئے ہوتا ہے۔ اس کی تخصیص کا جو دعویٰ [illegible] [illegible] کی [illegible] نبی ﷺ کی [illegible] حضرت علیؓ [illegible] کی طرف سے [illegible] [illegible] آپ ﷺ نے [illegible] کے پورے [illegible] پہنچا دئے۔ اس طرح پر آپ نے [illegible] کی تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے [illegible] حضرت [illegible] [illegible] نبی ﷺ نے [illegible] میں سے کچھ چھپا لیا [illegible] آپ کی طرف [illegible] اس نے [illegible] جھوٹ بولا۔ پھر آپ نے اس کی تائید میں یہی آیت پڑھی [illegible] (بخاری کتاب التفسیر، مسلم کتاب الایمان) [illegible] آپ کی [illegible] کی روایت صحیحین [illegible] [illegible] تفسیر کی [illegible] حضرت [illegible] ارشاد ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ [illegible] کی ہدایت کے پہنچانے [illegible] آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کی گئی ہے۔ اور اگر آپ نے اس میں سے کچھ بھی چھپایا تو آپ نے اس کی رسالت کا پیغام [illegible] (بخاری [illegible] مسلم [illegible]) [illegible] نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے [illegible] موقع پر [illegible] تبلیغ حق [illegible] [illegible] مسلم [illegible] حدیث کی [illegible] میں [illegible] منقول ہے کہ آپ نے اس موقع پر [illegible] لوگوں سے [illegible] [illegible] میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟ تو ان سب نے کہا ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے تبلیغ حق کا فریضہ پورا کر دیا۔ [illegible] آپ نے [illegible] آسمان کی طرف [illegible] انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "اللّٰھم ھل بلغت" (مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی ﷺ، مسند احمد [illegible] حدیث [illegible]، بخاری کتاب [illegible] باب الخطبۃ [illegible]) [illegible] نبی ﷺ نے ﴿بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ﴾ کے ارشاد کے مطابق [illegible] کی ہدایت [illegible] پہنچا دی۔ اور اس میں سے کچھ بھی نہیں چھپایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ [illegible] کہ نبی ﷺ نے قرآن میں سے کچھ چھپایا تھا [illegible] کہ تبلیغ نہیں [illegible] بات جھوٹ اور ایک قسم کا [illegible] ہے۔ جیسا کہ ان [illegible]

اہلِ رفض وتشیع وغیرہ کے کچھ فرق وطوائف کا کہنا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ بہرکیف اِس اِرشادِ ربانی میں پیغمبر کو صاف اور صریح طور پر حکم و اِرشاد فرمایا گیا ہے کہ آپ اس وحی کو تمام کی تمام اور پوری کی پوری آگے پہنچا دیں کہ آپ کا اصل منصب اور ذمہ داری ہی تبلیغِ حق ہے کہ آپ رسول ہیں۔ اوراگر آپ نے ایسے نہ کیا تو آپ نے اس کی رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔ سو آپ نے پیغامِ حق پورے کا پورا اور بلا کم وکاست آگے پہنچا دیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۶۹ کفر پر اڑنے والوں کو ہدایت نہیں مل سکتی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ ہدایت نہیں دیتا کافر لوگوں کو۔ سو کافروں کو ہدایت کی دولت سے سرفرازی نصیب نہیں ہوتی کہ وہ ہدایت چاہتے ہی نہیں۔ اور ہدایت کی دولتِ کبریٰ اور نعمتِ عظمٰی اُس واہبِ مطلق۔ جل وعلا۔ کے یہاں سے ملتی تو اگرچہ بالکل مفت ہے مگر اس کے لئے اولین شرط طلبِ صادق ہے اور اس سے یہ لوگ محروم ہیں کہ یہ اپنے کفر و باطل پر اڑے ہوئے ہیں۔ تو پھر ان کو ہدایت ملے تو کیسے اور کیونکر؟ اور اس نعمتِ کبریٰ سے ان کو سرفرازی نصیب ہو تو کس طرح اور کیسے؟ سو ایسے لوگ اپنی اس محرومی کے خود ذمہ دار ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس کی تصریح فرمائی گئی کہ ان لوگوں کے دلوں پر ان کے کفر کی بنا پر مہر لگا دی گئی۔ ﴿بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ نیز دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا۔ ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾۔ سو کافروں کے اس عناد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اپنی ہدایت کے دروازے بند کر دیئے اور اس کے نتیجے میں ایسے محروم القسمت لوگ حق وہدایت کے نور سے محروم ہوگئے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۷۰ حق وہدایت کو اپنائے بغیر انسان کی کوئی قدر و قیمت نہیں:۔ سو حکم وارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ اے کتاب والو تم لوگ کسی چیز پر نہیں ہو جب تک کہ تم پابندی نہ کرو تورات وانجیل اور اس کتاب کی جو تم لوگوں کی طرف اب نازل کی گئی ہے تمہارے رب کی طرف سے۔ یعنی قرآن مجید کہ مدار بہرکیف حق کو ماننے اور اس کے مطابق عمل کرنے پر ہے نہ کہ محض خاندانی شرافت و وجاہت پر۔ جس کا غرور تم لوگوں کو ہے کہ ہم نبیوں کی اولاد اور صاحبزادے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا ہم جو چاہیں کریں ہم پر نہ کوئی اِلزام ہے نہ پابندی۔ سو تمہارا یہ کہنا ماننا سب بے بنیاد اور بے حقیقت ہے۔ اور تمہاری کوئی قدر و قیمت اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ تم لوگ صدقِ دل سے تمام آسمانی کتابوں اور خاص کر آخری کتاب قرآنِ حکیم کو صدقِ دل سے مان کر اس کی تعلیمات و ہدایات پر عمل نہ کرو۔ کیونکہ اب حق و ہدایت کی دولت اسی قرآنِ حکیم میں منحصر ہے جس کو قیامت تک کے سب زمانوں اور جملہ انسانوں کیلئے کامل ہدایت نامے کے طور پر اتارا گیا ہے۔ اسکو ماننے اور اپنائے بغیر نورِ حق و ہدایت سے سرفرازی ممکن ہی نہیں۔ پس تم لوگ اے اہلِ کتاب اپنے آپ کو خواہ کچھ بھی سمجھو اور کیسے ہی بڑے دعوے کیوں نہ کرو، تم کچھ بھی نہیں ہو اور کسی بھی چیز پر نہیں ہو جب تک کہ تم دینِ حق کو نہ اپناؤ۔ سو اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ حق اور ہدایت کو اپنائے بغیر انسان کی کوئی بھی قدر و قیمت نہیں خواہ وہ کیسے بڑے خاندان اور اونچی نسبت والا کیوں نہ ہو۔ اگرچہ وہ نبیوں کی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔ سو یہ لوگ اس کلامِ حق سے فیضیاب ہونے کی بجائے الٹا محروم ہو گئے اور۔ ﴿وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾۔ کے مصداق بن گئے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

کے رب کی جانب سے ۱۷۱ پس آپ کوئی غم (اور افسوس) نہ کریں، ایسے کافر لوگوں (کی محرومی) پر ۱۷۲ بے شک (عام قانون و

الَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ

ضابطہ یہی ہے کہ) مسلمانوں ۱۷۳ یہودیوں، مشرکوں ۱۷۴ اور نصرانیوں، میں سے جو بھی کوئی ایمان لائے گا

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ

(سچے دل سے)، اللہ پر، اور قیامت کے دن پر، اور (اس کے مطابق) وہ کام بھی نیک کرے گا ۱۷۵ تو ایسوں پر نہ کوئی خوف

۱۷۱ خبثِ باطن اور بدنیتی محرومی وفساد کی جڑ بنیاد - والعیاذ باللہ: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ کلامِ حق ان کے کفر اور سرکشی ہی میں اضافے کا باعث بنے گا - اُن کے اپنے خبثِ باطن اور سوءِ اختیار کی بناء پر - اور اس طرح یہ لوگ ہدایتِ قرآنی کی دولت سے فیض یاب ہو کر دارین کی سعادت و سرخروئی سے ہمکنار ہونے کی بجائے دارین کے خسارہ و نقصان میں پڑ جائیں گے - جیسا کہ ابھی اوپر حاشیہ نمبر ۱۶۱ میں بھی گزرا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - کہ نورِ حق و ہدایت سے سرفرازی و بہرہ مندی کیلئے صدقِ نیت حسنِ اختیار اور طلبِ صادق اولین شرط ہے - وَبِاللّٰهِ التوفیق - بہر کیف اس ارشاد سے اہلِ کتاب کی اکثریت کا حال واضح فرمایا گیا کہ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ قرآنِ حکیم سے مستفید و فیضیاب ہونے کی بجائے الٹا اس سے ان کے کفر و انکار اور ان کی بغاوت و سرکشی ہی میں اضافہ ہوتا ہے - اور یہ ان کی شقاوت و بدبختی کی علامت ہے - ورنہ صاحبِ صلاحیت اور سعادتمند انسان کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ کلامِ نصیحت کو گوشِ ہوش سے سنتا اور اس پر عمل پیرا ہو کر اپنے لئے سعادت و سرخروئی کا سامان کرتا ہے - مگر یہ لوگ ہیں کہ کلامِ الٰہی کو سننے اور اس سے مستفید ہونے کی بجائے الٹا اپنی بغاوت و سرکشی میں اضافے کا سامان کرتے ہیں - سو خبثِ نیت، فسادِ باطن اور عناد و ہٹ دھرمی باعثِ ہلاکت و محرومی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۱۷۲ پیغمبر کی ذمہ داری تبلیغِ حق ہے اور بس: - سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا پس آپ ایسے لوگوں کی محرومی پر کوئی غم نہ کریں کہ اس میں قصور آپؐ کا نہیں بلکہ خود ان ہی لوگوں کا اپنا ہے - اور اس کا وبال بھی خود انہی پر پڑے گا - ورنہ آپؐ نے تو حقِ تبلیغ ادا فرما دیا - اور یہی آپؐ کی اصل ذمہ داری ہے - اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ - سو پیغمبر کی اصل ذمہ داری حق کی تبلیغ اور اسکو بلا کم و کاست پہنچا دینا ہے اور بس - آگے منوا لینا نہ اُن کے بس میں ہے نہ ان کی ذمہ داری - سو اس خطاب کے اصل مخاطب اگرچہ پیغمبر ہی ہیں کہ وحی کے اصل اور اولین مخاطب تو بہر حال آپؐ ہی ہیں مگر آپؐ کے توسط سے عام مبلغینِ اسلام کے لئے بھی اس میں یہ درسِ عظیم اور سامانِ تسلیہ و تسکین ہے کہ آپ لوگوں کی اصل ذمہ داری تبلیغِ حق ہے اور بس - آگے کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں - وہ ہر کسی سے اپنے علم و حکمت کے مطابق وہی معاملہ فرمائیگا جس کا وہ اہل اور مستحق ہوگا -

۱۴۳ ہدایت سے سرفرازی کے لیے قانونِ عام کا ذکر و بیان: -سو اس ارشاد سے نورِ حق و ہدایت سے سرفرازی کیلئے قانونِ عام کا ذکر و بیان فرما دیا گیا۔یعنی مسلمان اور غیر مسلمان سب کیلئے قانون و قاعدہ اور دستور و ضابطہ ایک ہی ہے کہ جو بھی کوئی اِخلاصِ نیت اور صدقِ دل سے ایمان لائے گا اور اس کے تقاضے پورے کرے گا اسی کے لئے ہے دارَین کی سعادت و کامرانی۔خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو۔اور یہی تقاضا ہے عدل و انصاف اور عقل و فطرت کا۔اس میں کسی خاندانی امتیاز یا شکل و صورت یا قوم قبیلہ یا رنگ و نسل وغیرہ کے کسی فرق و تمیز کا کوئی دخل نہیں کہ ان میں سے کوئی بھی چیز انسان کے اپنے بس میں نہیں۔اور جو چیز کسی کے بس اور اختیار میں نہ ہو اس کا کسی کو مکلف نہیں بنایا جا سکتا۔سو اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی کو محض اس کی کسی قبیلائی یا خاندانی نسبت وغیرہ کی بناء پر کوئی درجہ اور مرتبہ و مقام نہیں مل سکتا جیسا کہ یہود و نصاریٰ کے بعض گروہوں کا کہنا اور ماننا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔

۱۴۴ صابئین سے کون مراد ہیں؟: -''صابئین'' کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ نصاریٰ ہی کا ایک گروہ تھا جو کہ ستاروں کی پوجا کرتا تھا۔اور بعض نے کہا کہ یہ فرشتوں کی پوجا کرنے والا ایک گروہ تھا۔اور بعض نے ان کے بارے میں بعض دوسرے اقوال ذکر کئے ہیں۔(جامع البیان وغیرہ)۔جو بھی ہو بہرکیف یہ مشرکوں ہی کا ایک گروہ تھا۔اس لئے ہم نے اس لفظ کا ترجمہ مشرکوں سے کیا ہے کہ یہ لوگ عام مشرکوں میں سے کوئی خاص گروہ تھا۔بہرکیف ان تمام گروہوں میں سے جو بھی کوئی صدقِ دل سے ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا وہ مراد کو پا جائے گا۔اور اگر ایمان و عملِ صالح کی یہ دولت حاصل نہ ہو تو اس کی خداوندِ قدوس کے یہاں کوئی بھی حقیقت اور حیثیت نہیں اگرچہ وہ مسلمانوں کے گروہ ہی سے وابستہ اور ان سے تعلق رکھتا ہو۔اور اگر ایمان اور عملِ صالح کی دولت کسی کو حاصل ہو تو وہ فائز المرام ہے اگرچہ اس کا تعلق صابئین کے غیر معروف مشرک گروہ ہی سے کیوں نہ ہو۔سو اصل چیز ایمان و یقین اور اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ وَبِاللّٰہِ التوفیق لِمَا یُحِبُّ وَ یُرِیْدُ۔

۱۴۵ مدارِ نجات ایمان و عمل اور بس: -سو اس سے اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ نجات اور فوز و فلاح کا مدار شریعتِ محمدیہ کے اِتباع پر ہے اور بس۔اور ایمانِ صادق اور عملِ صالح کی یہ دولت تب ہی مل سکے گی اور اسکے نتائج و ثمرات سے متعلق یہ سب کچھ تب ہی متحقق ہو سکے گا جبکہ شریعتِ محمدیہ کو دل و جان سے اپنا لے۔اس کے مطابق اس کا ایمان و عقیدہ بھی سچا ہو اور عمل و کردار بھی صحیح اور درست ہو۔کیونکہ اس کامل اور ابدی صداقت کے ظہور کے بعد اس کے سوا فلاح و نجات کا اور کوئی طریقہ نہیں۔اور قرآن و سنت کی نصوصِ کریمہ میں اس حقیقت کو طرح طرح سے اجاگر و آشکار فرمایا گیا ہے۔مثلاً نبی کریم ﷺ نے مشہور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ آج اگر موسیٰ بذاتِ خود زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری پیروی و اِتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔اسی طرح آپؐ نے اپنی امت کو یہ اصولی، جامع اور اہم تعلیم دی کہ تم لوگ اِتباع کرو اور دینِ متین میں نئی بات نکالنے سے بچو۔سو مدارِ نجات اور ذریعۂ فوز و فلاح شریعتِ محمدیہ کی اِتباع پر ہے۔اور حق و ہدایت کی نعمت و دولت اس کے سوا اور کہیں سے نہیں مل سکتی۔پس جو لوگ اس شریعتِ مقدسہ پر ایمان و یقین اور اسکی اِتباع و پیروی سے محروم ہیں وہ نورِ حق و یقین اور دولتِ حق و ہدایت سے قطعی طور پر محروم ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔خواہ ایسے لوگ کتنے ہی بلند بانگ دعوے کیوں نہ کرتے ہوں کہ مدار و انحصار محض زبانی کلامی دعووں پر نہیں ایمان و عمل پر ہے۔ وباللہ التوفیق۔

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا

ہوگا، ۱۷۶ اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے، ۱۷۷ بیشک ہم نے بنی اسرائیل سے

مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ

پختہ عہد لیا ۱۷۸ اور (اس کی یاددہانی کے لئے) ان کی طرف بہت سے رسول بھی بھیجے،

كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ

مگر جب بھی کبھی ان کے پاس کوئی رسول آیا وہ کچھ لے کر جو نہیں بھایا ان کے نفسوں کو،

فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا

تو انہوں نے کچھ کو جھٹلایا اور کچھ کو قتل کر ڈالا، ۱۷۹ اور انہوں نے یہ گمان کرلیا کہ

تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ

کوئی سزا نہ ہوگی، ۱۸۰ پس (اس سے) وہ اندھے اور بہرے بن گئے ۱۸۱ پھر اللہ نے معاف فرمادیا ان

عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ

کو (اپنی رحمت وعنایت سے،) مگر پھر بھی ان میں سے بہت سے اندھے اور بہرے ہی رہے، اور اللہ

۱۷۶ اتباعِ حق ہی ذریعۂ نجات وسرفرازی: ۔سو دین کے سچے پیروکاروں کیلئے قیامت کے روز کوئی فکر نہ ہوگا۔ وہاں کے اہوال ومخاوف سے اور آئندہ کے بارے میں کہ سچے ایمان کی دولت ان کو وہاں حقیقی اور دائمی امن و امان سے سرفراز کردے گی۔ اور۔﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ﴾ ۔کا مژدۂ جانفزا ان کو وہاں سنایا جاچکا ہوگا۔ اور اللہ کے نوری فرشتے بڑھ بڑھ کر ان کا وہاں استقبال کر رہے ہوں گے۔﴿وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ ۔اور ان کو عظیم الشان بشارتوں سے نواز رہے ہونگے۔﴿هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ ۔ اللہ ہمیں انہی کے زمرے میں محشور فرمائے۔ آمین۔ سو دینِ حنیف کی سچی پیروی انسان کو دارین کے مخاوف ومہالک سے بچانے والی اور دارین کی سعادت وسرخروئی سے ہمکنار وسرفراز کرنے والی ہے۔ وَبِاللّٰهِ التوفيق۔ سو جن لوگوں کی فکر پاک وصاف ہوگی اور وہ ایمان ویقین اور عملِ صالح کی پونجی سے سرفراز ہوں گے وہ اپنے خالق ومالک کے فضل وکرم اور اس کی توفیق وعنایت کی بناء پر سکون واطمینانِ قلب کی ایسی دولت سے مالامال ہوں گے کہ وہ آئندہ کے حوادث واَہوال کے غم سے آزاد اور

مطمئن ہوں گے۔ اور اس دنیا میں بھی ان کو یہ سعادت نصیب ہو گی لیکن اس کا آخری اور کامل ظہور آخرت میں ہو گا۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وَھُوَ الْھَادِیْ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ۔

۱۷۷ ایمان وسیلۂ امن وامان: سو اہلِ ایمان پر وہاں کوئی غم نہیں ہوگا۔ یعنی دنیا اور اس کی زندگی پر کہ دنیا میں انہوں نے اپنی زندگی صحیح راہ پر صرف کی ہوگی جس کا ثمرہ انہیں وہاں نصیب ہوگا۔ اور دنیاوی مال و دولت کی آخرت کی ان نعمتوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں ہوگی۔ تو پھر دنیا پر افسوس کا ہے کا؟۔ سو یہ پھل ہے سچے ایمان وعقیدہ کا کہ یہ انسان کو حقیقی امن واطمینان کی اس عظیم الشان دولت سے نوازتا ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت کے اس ابدی جہاں میں بھی جہاں کی کامیابی حقیقی کامیابی ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِنِعْمَۃِ الْاِیْمَانِ بِمَحْضِ مَنِّہٖ وَکَرَمِہٖ جَلَّ وَعَلَا۔ سو اس سے ایمان ویقین کی دولتِ بے مثال کی عظمتِ شان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہی وہ دولت ہے جو انسان کو ماضی کے غم واندوہ اور مستقبل کے خوف و اندیشہ سے محفوظ رکھتی ہے۔ جس سے بندۂ مؤمن سکون واطمینان کی ایسی بے مثال دولتِ نادیدہ سے سرشار ہوتا ہے جس کو سمجھنے سے دنیا عاجز وقاصر ہے۔ سو صدقِ ایمان سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے اَللّٰھُمَّ زِدْنَا مِنْہُ وَثَبِّتْنَا عَلَیْہِ یَا مَنْ لَّا حَدَّ لِجُوْدِہٖ وَ اِحْسَانِہٖ۔

۱۷۸ بنی اسرائیل کے عہد کا ذکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا۔ یعنی ان سے اس بات کا پختہ عہد و پیمان لیا کہ تم ایمان لانا اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور زندگی انہی کے اوامر و ارشادات کے مطابق گزارنا۔ اور اگر تم نبیٔ آخر الزمان کا زمانہ پاؤ تو ان کا ساتھ دینا اور انکی نصرت وامداد کرنا۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل اور مدارک التنزیل، معارف القرآن وغیرہ)۔ مگر انہوں نے اپنے اس عہد کو پورا نہ کیا اور اپنے دین کے اوامر کی پیروی کرنے کی بجائے انہوں نے خواہشاتِ نفس کی پیروی کی۔ اور نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لانے کی بجائے ان کی نبوت ورسالت کا انکار کیا اور ان کی دشمنی پر اتر آئے۔ جسکے نتیجے میں ان کو نورِ حق وہدایت سے محرومی اور ذلت وخواری سے ہمکنار ہونا پڑا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو اُصولِ نجات کو یہاں فرمانے کے بعد اب یہاں سے بنی اسرائیل کا حال بطورِ مثال بیان فرمایا گیا ہے کہ ان سے عہد لیا گیا تو انہوں نے عہد شکنی کی۔ جس سے وہ اپنے انجامِ بد کو پہنچ کر رہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ پس تم لوگ اے مسلمانو! اس روش سے بچ کر رہنا۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

۱۷۹ اتباعِ ہوٰی کے ہولناک انجام کا ایک نمونہ: سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ خواہشاتِ نفس کی پیروی کا انجام بڑا ہولناک ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو یہ ہوتا ہے انجام اور نتیجہ خواہشاتِ نفس کی پیروی کا کہ اس کی بناء پر انسان حق کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ وہ دولتِ حق سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ اسکے بعد وہ حق کے علمبرداروں کا دشمن بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی تکذیب اور اس سے بھی آگے بڑھ کر ان کے قتل کے جرم تک کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ اور یہاں تک کہ وہ حضراتِ انبیائے کرام۔ علیھم الصلوٰۃ والسلام۔ کی قدسی صفات ہستیوں کے قتل سے بھی نہیں چوکتا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو جب اِتباعِ ہوٰی کے شاخسانے ایسے اور اس حد تک

مہلک اور خطرناک ہوتے ہیں تو پھر کیا بنے گا اس معاشرے و ماحول اور اس دور کا جس میں ہر طرف اتباعِ ہویٰ وہوس اور خواہشاتِ نفس کی پیروی ہی کا دور دورہ ہو۔ جیسا کہ ہمارے آج کے اس مادہ پرستانہ دور میں ہو رہا ہے کہ ان کی زندگی کا محور ہی خواہشاتِ نفس کی تعمیل و تکمیل ہے اور ان کا مشن و مقصد اور نصب العین ہی بطن و فرج کی خواہشات کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے اور بس۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۸۰ ''صاحبزادگی'' کا مرض اور اسکے شاخسانے: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے یہ گمان قائم کر لیا کہ ان کو کوئی سزا نہیں ہوگی اس فساد اور نقضِ عہد کی پاداش میں جس کا ارتکاب انہوں نے کیا تھا کہ ان کا خیال تھا کہ ہم ''صاحبزادے'' اور بڑے بزرگوں کی اولاد ہیں۔ ہمارے بڑے بزرگ ہمیں بچا لیں گے کہ وہ ہمارے حاجت روا اور مشکل کشا ہیں وغیرہ۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ ہم جو چاہیں کریں ہماری پوچھ نہیں ہوگی۔ سو یہ ''صاحبزادگی'' کا وہ مرض ہے جو قوموں کے اندر بھی رہا اور افراد کے اندر بھی۔ اور پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے۔ اور اسکے مظاہر و مفاسد یہاں اور وہاں جگہ جگہ اور طرح طرح سے پائے جاتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور اس مرض کے مریض اور اس روگ کے روگی اپنے لئے خاص حقوق کا زعم و گھمنڈ رکھتے اور دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اسی بناء پر وہ اپنے آپ کو دوسروں سے الگ اور ایک فائق مخلوق سمجھتے ہیں جس سے آگے طرح طرح کے فساد پھیلتے اور مفاسد جنم لیتے ہیں اور طرح طرح کی زیادتیاں اور حق تلفیاں ہوتی ہیں جس کے نمونے جگہ جگہ ملتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۸۱ اِستکبار ایک ہولناک مرض۔ والعیاذ باللہ: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ استکبار یعنی اپنی بڑائی اور ''صاحبزادگی'' کا گھمنڈ اندھا اور بہرہ کر دینے والا ایک ہولناک مرض ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس وجہ سے وہ لوگ اندھے اور بہرے بن گئے۔ ان آیتوں کے سننے سے جو اللہ پاک نے ان کی ہدایت و ارشاد کے لئے نازل فرمائی تھیں اور ان سنتوں سے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کائنات میں جگہ جگہ اور طرح طرح سے پھیلا رکھی ہیں۔ اور وہ بہرے بن گئے کلمۂ حق کے سننے سے اور اندھے ہوگئے جگہ جگہ پھیلے بکھرے نشانہائے قدرت کو دیکھنے سے۔ سو یہی نتیجہ اور انجام ہوتا ہے اپنی بڑائی اور بزرگی کے بیجا گھمنڈ اور خود ساختہ مشیخت اور ''صاحبزادگی'' کے زعمِ فاسد اور گمانِ کاسد کا۔ اور اس طرح ایسے لوگ ایسے اندھے بہرے بن جاتے ہیں کہ حق و ہدایت کی کوئی بات ان میں اثر نہیں کر سکتی۔ اور اس طرح ایسے لوگ اس ہولناک خسارے میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو کہ خساروں کا خسارہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف بنی اسرائیل کی جب ایسے ایسے سنگین اور اسقدر ہولناک جرائم پر بھی کوئی گرفت نہ ہوئی تو وہ اور مست ہو گئے اور انہوں نے قدرت کی طرف سے ملنے والی اس چھوٹ کو اپنے لئے برائی کا لائسنس سمجھ لیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور اور قانون ہے ہی نہیں کہ وہ کسی کو اس کے جرم و قصور پر لازماً فوری ہی پکڑے بلکہ وہ ڈھیل اور چھوٹ ہی دیتا جاتا ہے تاکہ جس نے باز آنا ہو وہ باز آ جائے ورنہ اپنا پیمانہ لبریز کر لے۔ سو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اس ڈھیل اور چھوٹ کی بناء پر اندھے بہرے بن کر رہ گئے۔ یہاں تک کہ اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ اور ایسے اور اس طور پر کہ اس کے بعد ان کے لیے تلافی و تدارک کی کوئی صورت ممکن نہ رہی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝٧١ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا

پوری طرح دیکھتا (جانتا) ہے ان سب کاموں کو جو یہ لوگ کر رہے ہیں، ۱۸۲ بلاشبہ کافر ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے کہا

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ

کہ اللہ ہی مسیح بن مریم ہے، ۱۸۳ حالانکہ خود مسیح نے یہ کہا تھا

۱۸۲ اللہ تعالیٰ کے علم و آگہی کا حوالہ و ذکر: -سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ اللہ اپنے بندوں کے سب کاموں کو پوری طرح دیکھ رہا ہے۔ پس ان لوگوں کے لئے اس کی گرفت و پکڑ سے بچ نکلنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی کہ وہ اپنے بندوں کے سب کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔ وہ ان پر پوری طرح نگاہ رکھے ہوئے ہے اور ان کے ظاہری عمل ہی نہیں بلکہ ان کی مخفی اور پوشیدہ نیتوں اور ان کے باطنی محرکات سے بھی پوری طرح واقف و آگاہ ہے-سبحانہ و تعالیٰ-اس لیے ایسے لوگ اسکی گرفت اور پکڑ سے کسی طرح بچ نہیں سکیں گے۔ سو وہ ہر شخص اور پارٹی و گروہ سے باز پرس کریگا اور ان میں سے ہر کسی کو اپنے کیئے کرائے کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا۔ اور پوری طرح بھگتنا ہوگا تاکہ اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے اپنی کامل اور آخری شکل میں پورے ہوسکیں۔ پس ہر کوئی اپنے بارے میں خود دیکھ لے۔ اور یہی تقاضا ہے- ''حَاسِبُوْٓا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُ عَلَيْكُمْ ، وَزِنُوْٓا اَعْمَالَكُمْ قَبْلَ اَنْ يُوْزَنَ عَلَيْكُمْ ''-کے قولِ پر حکمت کا-وَبِاللّٰهِ التوفيق لما يُحِبُّ وَيُرِيْدُ-اللہ نفس و شیطان کے ہر شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے-آمین۔

۱۸۳ حلولِ مسیح کا عقیدہ قطعی طور پر کفر ہے: -سو ارشاد فرمایا گیا اور ادواتِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ کافر ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی عیسیٰ بن مریم ہے۔ یعنی یہ کہنا اور ماننا کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح بنِ مریم میں حلول کر لیا کھلا اور قطعی کفر ہے-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ-سو یہود کی قباحتوں کے ذکر کے بعد اب یہاں سے نصاریٰ کی قباحتوں کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔ اور حضرتِ مسیح کے بارے میں حلول و اتحاد کا یہ عقیدہ نصاریٰ کے فرقہ یعقوبیہ کا تھا۔ (محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر، معارف القرآن وغیرہ)۔ افسوس کہ آج کے اہلِ بدعت میں سے بھی بہت سے لوگ شعوری یا لاشعوری طور پر اسی طرح کی شرکیات میں مبتلا ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض کا کہنا ہے کہ احد اور احمد میں صرف میم کی مروڑی کا فرق ہے اور بس۔ نیز ان کا کہنا ہے کہ-وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہوکر- اتر پڑا وہ مدینے میں مصطفیٰ ہوکر- نیز ان کا کہنا ہے کہ قادر اور عبدالقادر میں کوئی فرق نہیں، دونوں ایک ہی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بہرکیف اس آیتِ کریمہ میں لامِ تاکید اور قَدْ تاکید یہ دونوں کے ساتھ تاکیدی طور پر بیان فرما دیا گیا کہ حلولِ مسیح کا یہ عقیدہ قطعی طور پر کفر ہے-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ-اور ایسے لوگ قطعی طور پر کافر اور مستحقِ نار ہیں-اللہ تعالیٰ حلول و اتحاد کے تمام شوائب سے پاک اور اعلیٰ و بالا ہے-سبحانہ و تعالیٰ-یہاں سے ان لوگوں کی غلط فہمی کا بھی ازالہ ہو گیا جو کہتے ہیں کہ اہلِ کتاب بھی ایمان والے ہیں۔ کیونکہ ان آیاتِ کریمات میں اس بات کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ کہ یہ لوگ قطعی طور کافر ہیں۔ ان کے اپنی کتابوں پر ایمان کا کوئی اعتبار نہیں۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ؕ

کہ اے بنی اسرائیل، تم اللہ ہی کی بندگی کرو جو کہ رب ہے میرا بھی اور تمہارا بھی، ۱۸۴

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

(اور تم شرک نہ کرو کہ) بلاشبہ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو یقیناً اللہ نے حرام فرما دیا اس پر

الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾

جنت کو، اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا ۱۸۵

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ

بلاشبہ پکے کافر ہیں وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا

ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَ اِنْ

وقف لازم

ایک ہے، ۱۸۶ حالانکہ کوئی بھی معبود نہیں، سوائے ایک معبود (برحق) کے، ۱۸۷ اور اگر

لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

یہ لوگ باز نہ آئے اپنی ان باتوں سے جو یہ کہتے (بناتے) ہیں تو ضرور بالضرور پہنچ کر رہے گا ان میں سے

۱۸۴ حضرتِ عیسیٰ کا اظہار و اعلانِ عبدیت و بندگی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ عیسیٰ نے ان لوگوں سے صاف اور صریح طور پر کہا تھا کہ تم لوگ اللہ ہی کی بندگی کرو جو کہ رب ہے میرا بھی اور تمہارا بھی۔ یعنی میں بھی تمہاری ہی طرح ایک بندۂ و بشر اور اسی وحدہٗ لاشریک کی عبادت و بندگی کا پابند ہوں۔ بلکہ حضرتِ عیسیٰ نے تو ماں کی گود میں ہی اپنی عبدیت و بندگی کا صاف و صریح لفظوں میں اعلان فرما دیا تھا اور صاف و صریح طور پر اعلان فرما دیا تھا ﴿اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ - کہ "میں اللہ کا بندہ ہوں"۔ مگر اس سب کے باوجود ان ظالموں نے ان کو خدا اور تین خداؤں میں سے ایک قرار دیکر اس ہولناک شرک کا ارتکاب کیا۔ اور دینِ سماوی کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو حضرتِ عیسیٰ اور اس طرح کی دوسری مختلف پاکیزہ ہستیوں کے نام پر جس شرک کا ارتکاب کیا گیا اس سے ایسے حضرات قطعی طور پر بری اور بے قصور ہیں کہ ان کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔ انہوں نے تو ہمیشہ اپنی عبدیت و بندگی اور اللہ تعالیٰ کی توحید ہی کا درس دیا۔ اور حلول وغیرہ کے عقیدوں کا یہ سب جرم و قصور بعد کے ان لوگوں کا ہے جنہوں نے حضرتِ عیسیٰ جیسی پاکیزہ ہستی کے بعد ان کے نام پر کفر و شرک کا کاروبار چلایا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۱۸۵ **مشرک کے لیے جنت حرام اور دوزخ واجب - والعیاذ باللہ:** - سو ارشاد فرمایا گیا اور اَدواتِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو یقیناً اللہ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک ٹھہرانا جائز نہیں۔ خواہ وہ کسی لکڑی پتھر یا دھات وغیرہ کا بنا ہوا کوئی بت ہو یا کوئی انسان وفرشتہ وغیرہ۔ (المراغی) کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہر قسم کے شرک اور اسکے ہر شائبہ سے پاک ہے۔ پس اسکے ساتھ کسی بھی چیز کو کسی بھی درجے میں اور کسی بھی طور پر شریک ٹھہرانا شرک ہے جو کہ ایک نہایت ہی ہولناک جرم اور ظلمِ عظیم ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف حضرتِ عیسیٰ نے ایجابی اور سلبی دونوں پہلوؤں سے عقیدۂ توحید کو بالکل نکھار کر واضح فرما دیا اور بنی اسرائیل کو صاف اور صریح طور پر شرک سے منع فرما دیا۔ سو ایجابی طور پر اور مثبت پہلو کے اعتبار سے آپ نے ان سے کہا کہ اللہ ہی رب ہے میرا بھی اور تمہارا بھی۔ ہر قسم کی عبادت و بندگی اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ اس کے سوا اور کسی کے لئے بھی عبادت و بندگی کی کوئی بھی قسم کسی بھی شکل میں بجا لانا جائز نہیں۔ اور سلبی اور منفی پہلو سے آپؑ نے ان سے فرمایا جس نے بھی شرک کیا اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا۔ اس کا دائمی ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور ایسوں کے لئے کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا مگر اس سب کے باوجود بنی اسرائیل نے شرک کا ارتکاب کیا۔ اور ایسا اور اس حد تک کیا کہ عقیدۂ توحید بگاڑ کر شرک کا ملغوبہ بنا دیا اور اپنے اس کھلے شرک پر یہ لوگ اب تک قائم ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۸۶ **تثلیث کے قائل پکے کافر ہیں:** - سو ارشاد فرمایا گیا اور ادواتِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ پکے کافر ہیں وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے۔ سو جنہوں نے ایک کی بجائے تین خدا مانے اور کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے۔ یعنی باپ، بیٹا، روح القدس - اقانیم ثلٰثہ - یا بعض کے نزدیک "باپ، بیٹا اور مریم قدیسہ" اور تثلیث کا یہ عقیدہ ان کے فرقہ ملکانیہ اور نسطوریہ کا تھا۔ (بیان و معارف وغیرہ)۔ اور تثلیث کا یہ شرکیہ اور خودساختہ عقیدہ جو کہ عقل و نقل اور فطرتِ سلیمہ کیخلاف ہے ایسا گورکھ دھندا ہے جو سمجھنے کا نہ سمجھانے کا - بھلا توحید اور تثلیث دونوں کا آپس میں کوئی توافق آخر کس طرح ممکن ہوسکتا ہے؟ مگر ان ظالموں نے اس نامعقول اور خلافِ فطرت عقیدے کو اپنایا اور اس کو صحیح اور درست ثابت کرنے کے لئے انہوں نے طرح طرح کے پاپڑ بیلے اور اب تک بیل رہے ہیں۔ مگر لاحاصل و بے سود۔ بھلا جمع بین النقیضین کو حق بجانب کس طرح ثابت کرنا ممکن ہوسکتا ہے؟ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۸۷ **معبودِ برحق صرف اللہ وحدہٗ لاشریک:** - سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ معبودِ برحق صرف ایک ہی ہے - جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَزَّ بُرْھَانُہٗ - یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک جس کی نہ ذات میں کوئی شریک ہے نہ اسکی صفات میں اور نہ اسکے حقوق واختیارات میں۔ وہ ہر لحاظ سے وحدہٗ لاشریک ہے۔ ہر قسم کی عبادت اور اسکی ہر شکل وقسم اسی کا اور صرف اسی وحدہٗ لاشریک کا حق اور اسی کا اختصاص ہے۔ اسکے سوا کسی کیلئے بھی عبادت کی کوئی بھی قسم کسی بھی شکل میں بجا لانا جائز نہیں ہوگا۔ سو اللہ وحدہٗ لاشریک ہی معبودِ برحق ہے۔ وہی ہر قسم کی عبادت و بندگی کا حقدار اپنی اس پوری کائنات میں حاکم ومتصرف اور سب کا حاجت روا ومشکل کشا ہے۔ جو ہمہ دان اور ہمہ بین، خالقِ کل اور مالکِ مطلق ہے - جَلَّ وَعَلَا شَانُہٗ - اور اسی ایمان و یقین کا اعلان و اِقرار ہر بندۂ مومن اپنی ہر نماز اور ہر نماز کی ہر رکعت میں - ﴿ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ﴾ - کے الفاظ سے کرتا ہے۔ وہی ہر قسم کے نفع ونقصان کا مالک اور معبودِ برحق ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ -

مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى

کافروں کو ایک بڑا ہی دردناک عذاب، ف۱۸۸ تو کیا (توحیدِ الٰہی اور وعیدِ خداوندی کے یہ مضامین سن کر بھی)

اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾

یہ لوگ توبہ نہیں کرتے اللہ کے حضور، اور معافی نہیں مانگتے اس سے (اپنے گناہوں کی؟) اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ

مہربان ہے، ف۱۸۹ مسیح بن مریم تو صرف ایک رسول تھے اور بس، ف۱۹۰ ان سے پہلے اور بھی

مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا

بہت سے رسول گزر چکے ہیں، ف۱۹۱ اور ان کی ماں ایک بڑی ہی (پاکیزہ اور) راستباز خاتون تھیں ف۱۹۲ وہ دونوں

يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ

کھانا کھایا کرتے تھے، ف۱۹۳ دیکھو ہم کس طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ان کے لئے اپنی آیتیں،

۱۸۸ کافروں کیلئے بڑا ہی دردناک عذاب ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان میں کے کافروں کے لیے بڑا ہی دردناک عذاب ہے انکے اپنے اس کفر و شرک کی بناء پر جس کا ارتکاب انہوں نے طرح طرح سے کیا تھا۔ اور اللہ کے پاکیزہ بندے حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا قرار دیا تھا۔ سو یہ ہوتا ہے غلط محبت کا نتیجہ وانجام کہ اس سے انسان شرک کے اس ہولناک ہاویے میں جا گرتا ہے جس کا انجام ایسا ہولناک اور اس قدر بھیانک ہوتا ہے اور جن بدنصیبوں کا خاتمہ ہی کفر و شرک پر ہو۔ والعیاذ باللہ۔ سو ان کیلئے اس ہولناک انجام اور دردناک عذاب سے نکلنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔ اور یہی ہے خساروں کا خسارہ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ پس اس اِرشادِ ربانی میں ایسے ظالموں کے لئے تحضیض و ترغیب اور تحریک ہے کہ یہ اپنے اس کفر و شرک سے باز آ جائیں اور توبہ و استغفار سے اپنی اِصلاح کر لیں قبل اس سے کہ عمرِ رواں کی یہ فرصتِ محدود ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور ان کو ہمیشہ کے لئے پچھتانا پڑے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۸۹ اللہ تعالیٰ کی بخشش و رحمت کا حوالہ و ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے۔ سو اس میں سرکشوں اور نافرمانوں کیلئے بخشش و مہربانی کا مژدۂ جانفزا ہے کہ وہ بڑا ہی بخشنے والا اور انتہائی مہربان ہے۔ اور اتنا بڑا مہربان اور اس قدر بخشنہار کہ نہ اس کی مغفرت وبخشش کا کوئی کنارہ ہے اور نہ اسکی رحمت وعنایت کی کوئی حد و انتہا۔ سچی توبہ پر وہ زندگی بھر کی تمام خطاؤں کو یکسر معاف فرما دیتا ہے۔ سبحانہ و

تعالیٰ- پس باغی و سرکش اور اس کے نافرمان بندوں کے لئے موقع ہے کہ وہ اس کے حضور رجوع ہو کر اور سچے دل سے توبہ و استغفار کر کے اپنے گناہوں کو معاف کرا لیں۔ قبل اس سے کہ فرصتِ عمران کے ہاتھ سے نکل جائے اور پھر ان کو ہمیشہ کے خسارہ میں مبتلا ہونا پڑے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- اور سچی توبہ پر نہ صرف یہ کہ انسان کے تمام گناہوں کی بخشش اور صفائی ہو جاتی ہے بلکہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کا پیارا اور اس کا محبوب بن جاتا ہے۔ تو پھر ایسے خدائے مہربان سے منہ موڑنا اور اعراض و لاپرواہی برتنا کتنے بڑے خسارے کا باعث ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ جَلَّ وَعَلَا- اسی لئے اس بارے اس طرح ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ توبہ و استغفار کیوں نہیں کرتے اور اس کی طرف رجوع کیوں نہیں ہوتے -فَاغْفِرْلِی وَارْحَمْنِی یا رَبِّیْ فَاِنِّیْ اَتُوْبُ اِلَیْکَ- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی طرف رجوع رہنے کی توفیق وعنایت سے نوازے- آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

۱۹۰ حضرتِ عیسیٰ صرف اللہ کے رسول تھے اور بس:- سو ارشاد فرمایا گیا اور ادوات حصر وقصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ عیسیٰ نہیں تھے مگر ایک رسول۔ یعنی خدائی کی ان میں نہ کوئی صفت تھی نہ شائبہ۔ یعنی یہ حصر اضافی ہے۔ اس لئے اس سے آنجناب کی باقی صفات کی نفی لازم نہیں آتی۔ سو قرآنِ حکیم کے اسی ایک مختصر سے ارشاد سے کہ مسیح بن مریم صرف ایک رسول تھے آنجناب کے بارے میں یہود و نصاریٰ کے دونوں گروہوں کے ان تمام کفریہ عقائد ونظریات کی جڑ نکل جاتی ہے جو ان لوگوں نے ازخود گھڑ رکھے تھے۔ اور جو اِفراط وتفریط کی انتہاؤں پر مبنی تھے۔ کیونکہ اس اِرشادِ عالی سے یہ امر واضح ہوگیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تو آپ کے بارے میں یہودِ بے بہبود کی ان تمام بیہودہ گوئیوں کی جڑ کٹ جاتی ہے جو آپ کے نسب شریف کے بارے میں وہ لوگ کرتے تھے۔ دوسری طرف جب اس اِرشادِ عالی سے یہ واضح ہوگیا کہ آپ صرف اللہ کے رسول ہیں اور بس تو عیسائیوں کے ان تمام شرکیہ عقیدوں کی جڑ کٹ گئی جو انہوں نے آنجناب کے بارے میں گھڑ رکھے ہیں کہ آپ اللہ کے بیٹے اور تین خداؤں میں سے ایک ہیں وغیرہ کہ اس اِرشاد سے واضح ہوگیا کہ آپ نہ خدا اور نہ خدا کے بیٹے ہیں بلکہ اللہ کے بندے اور رسول تھے بس۔ اور جن لوگوں نے آنجناب کے بارے میں اس طرح کی باتیں کیں انہوں نے بڑے ظلم کا ارتکاب کیا- کہ یہ کھلا ہوا شرک ہے جو کہ ظلم عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک کے ہر شائبہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے، آمین ثم آمین-

۱۹۱ الوہیت عیسیٰ کی تردید انبیاء سابقین کے حوالے سے:- سو الوہیت عیسیٰ کی تردید کے ضمن میں واضح فرما دیا گیا کہ حضرتِ عیسیٰ سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں:- ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے خصوصی معجزات اور عنایات سے نوازا تھا۔ اور ان میں سے کسی کی بھی خدائی کے قائل خود نصاریٰ بھی نہیں ہیں۔ تو پھر حضرتِ عیسیٰ کے بارے میں خدائی کا دعویٰ کیونکر درست قرار دیا جا سکتا ہے؟۔ سو حضرتِ عیسیٰ خدا یا خدائی میں شریک نہیں تھے بلکہ وہ خداوندِ قدوس کے برگزیدہ انسان اور چنے ہوئے بندے تھے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے خاص انعامات سے نوازا تھا۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا -﴿ اِنْ ھُوَ اِلا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْہِ وَجَعَلْنٰہُ مثلاً لِّبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ ﴾- الآیۃ (الزخرف: ۵۹)۔ سو محض معجزات کی بنا پر حضرتِ عیسیٰ کی الوہیت کا دعویٰ کرنا عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل

کے بھی۔ (محاسن التاویل اور مراغی وغیرہ)۔ بہرکیف اس اِرشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ حضرتِ عیسٰی صرف اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے۔ جن سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے۔ اور وہ سب ہی مرد اور انسان تھے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا - ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی﴾ - (یوسف: ۱۰۹)۔ سو جب ان میں سے کسی میں بھی کسی خدائی صفت کا کوئی شائبہ نہیں تھا تو پھر حضرتِ عیسٰی میں ایسی کوئی بات آخر کس طرح اور کیونکر ہو سکتی ہے؟۔ پس نصارٰی کا ایسا کہنا اور ماننا عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ اور اس طرح ان لوگوں نے بڑے ظلم اور افترا کا ارتکاب کیا - والعیاذ باللہ -

۱۹۶ **حضرتِ عیسٰی سے متعلق تمام مزاعمِ باطلہ کی تردید صرف دو لفظوں سے:** - سو یہاں پر اعجاز و ایجاز کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو کہ صرف دو لفظوں سے اہلِ کتاب کے تمام مزاعمِ باطلہ کی تردید و بیخ کنی فرما دی گئی۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ عیسٰی کی والدہ ایک راستباز خاتون تھیں۔ سو یہاں پر صرف دو لفظوں سے یہود و نصارٰی کے تمام مزاعمِ باطلہ اور ان کی جملہ شرکیات و کفریات کی تردید کر دی گئی۔ پس نہ تو حضرتِ مریم بدکار تھیں، جیسا کہ یہودِ بے بہبود نے ان پر بہتان طرازی کی تھی۔ اور نہ ہی وہ خدا تھیں، جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں - سبحان اللہ! - کیسی سچی اور حق و صداقت اور عدل و انصاف پر مبنی ہیں قرآنِ حکیم کی یہ مقدس تعلیمات جو کہ اِفراط و تفریط کے ہر شائبہ سے پاک اور بری ہیں۔ اور کیسی اِعجاز بیانی ہے اس فرقانِ حمید کی کہ صرف مبتداء و خبر سے بننے والے اس چھوٹے سے جملے - ﴿وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ﴾ نے یہود و نصارٰی دونوں کے تمام مزعوماتِ باطلہ اور انکی جملہ شرکیات و کفریات اور گمراہیوں کی جڑ نکال دی۔ اور اصل حقیقت کو نکھار کر ایسا واضح فرما دیا گیا کہ کوئی خفا و غموض باقی نہیں رہ جاتا - فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ -

۱۹۷ **الوہیتِ مسیح کی تردید کے لیے ایک سادہ اور مؤثر و وقیع دلیل کا ذکر:** - سو الوہیتِ مسیح کی تردید کے لیے ایک سادہ مگر مؤثر اور وقیع دلیل کے طور پر اِرشاد فرمایا گیا کہ وہ دونوں یعنی حضرت عیسٰی اور مریم کھانا کھایا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ جو کھانا کھائے وہ کبھی خدا نہیں بن سکتا۔ کیونکہ کھانا کھانے والا اس کائنات کی کتنی ہی چیزوں کا محتاج ہوتا ہے۔ اور جو محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ پس حضرتِ عیسٰی اور ان کی والدۂ ماجدہ کی خدائی کا دعوٰی بدیہی طور پر باطل ہے۔ سو یہ جملہ بھی اپنے سابقہ جملے کی طرح اِعجاز بیانی کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ اور ایسا کہ ایک عامی اسکے سرسری مفہوم و مضمون سے مطمئن ہو جائے اور ایک عالم کو اس میں معانی و مطالب کی ایک دنیا مل جائے - فللّٰه الحمدُ ربّ العالمین - بہرکیف اس اِرشادِ عالی مقام سے یہ امر واضح فرما دیا گیا کہ حضرتِ عیسٰی اور مریم دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور جو کھانا کھاتا ہو وہ کبھی خدا نہیں ہو سکتا کہ وہ خود سراپا محتاج ہے۔ اور جو محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اور خداوند قدوس جو کہ معبودِ برحق ہے اس کی صفت و شان - ﴿هُوَ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ﴾ الاٰیۃ (الانعام: ۱۴۰) کی ہے۔ یعنی "جو سب کو کھلاتا ہے خود کھاتا نہیں"۔ اور یہ شان جب اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کی نہ ہے نہ ہو سکتی ہے تو معبودِ برحق بھی اس کے سوا نہ کوئی ہے نہ ہو سکتا ہے۔ ہر قسم کی عبادت و بندگی صرف اسی کا حق ہے - سبحانہٗ و تعالٰی -

ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ

پھر دیکھو یہ لوگ کدھر الٹے پھیرے جاتے ہیں، ۱۹۴ (ان سے) کہو کہ کیا تم لوگ

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ

اللہ کو چھوڑ کر اس کی بندگی کرتے ہو جو تمہارے لئے نہ کسی نقصان کا مالک ہے نہ نفع کا، ۱۹۵

وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ

اور اللہ ہی ہے ہر کسی کی سنتا، سب کچھ جانتا، (ان سے) کہو کہ اے

الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا

کتاب والو، تم لوگ غلو (اور حد سے تجاوز) مت کرو، اپنے دین کے بارہ میں، ۱۹۶ اور مت

تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ

پیروی کرو تم ان لوگوں کی خواہشات کی، جو بھٹک گئے اس سے پہلے اور

۱۴ ع ۱۱ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ ع

انہوں نے گمراہ کر دیا بہتوں کو (راہِ حق و صواب سے،) اور وہ بھٹک گئے سیدھی راہ سے، ۱۹۷

۱۹۴ مت ماری کی سزا ایک ہولناک سزا - والعیاذ باللہ: - سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ مت ماری کی سزا ایک ہولناک سزا ہے جس سے ایسے لوگ اندھے اور اوندھے ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائی ایسے کھلے روشن اور واضح دلائل کے باوجود حضرتِ عیسٰی کی الوہیت جیسے شرکیہ عقائد رکھتے ہیں- والعیاذ باللہ- سو جن لوگوں کی مت ان کے کفر و شرک کی بناء پر ماردی جاتی ہے ان کا حال ایسا ہی ہو جاتا ہے۔ اور وہ ایسے اندھے اور اوندھے ہو جاتے ہیں کہ ان کو نہ سیدھی راہ دکھتی ہے اور نہ حق بات سمجھ آتی ہے۔ اور ﴿ يُؤْفَكُوْنَ ﴾ "اِفک" سے ماخوذ ہے۔ جسکے معنیٰ الٹا اور اوندھا کر دینے کے آتے ہیں۔ سو اس لفظ سے یہی مضمون مفہوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی مت ماردی جاتی ہے اور یہ اوندھے اور اندھے ہو جاتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- بہر کیف اِرشاد فرمایا گیا کہ دیکھ لو ہم کس طرح کھلے اور صاف دلائل کو بیان کرتے ہیں جس سے حق پوری طرح واضح ہو جاتا ہے مگر ان لوگوں کی مت ایسی ماردی گئی کہ اس کے باوجود ان کو حق بات سمجھنے کی توفیق نہیں ملتی۔ اور یہ لوگ اس سب کے باوجود حلول اور اتحاد جیسے کفریہ اور شرکیہ عقائد میں مبتلا ہیں اور طرح طرح کے اندھیروں میں ڈبکیاں کھا رہے

ہیں۔ سو مت ماری کی سزا ایک بڑی ہولناک سزا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۹۵ غیر اللہ کی پوجا سراسر حماقت۔ والعیاذ باللہ:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ جو نفع و نقصان کا مالک نہ ہو اسکی عبادت کرنا حماقت ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور مشرکینِ نصاریٰ کے ضمیروں کو جھنجوڑتے ہوئے اور ان کے دل و دماغ پر دستک دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر اس کی بندگی کرتے ہو جو تمہارے لیے نہ کسی نفع کا مالک ہے نہ نقصان کا؟ یعنی حضرتِ عیسیٰ کہ انہوں نے بقول تمہارے اے نصاریٰ چیخ چیخ کر یہودیوں کے ہاتھوں سولی پر جان دے دی۔ تو جو بقول تمہارے اپنے دشمنوں سے خود اپنے آپ کو بھی نہیں بچا سکے وہ تمہارے نفع و نقصان پر آخر کس طرح قادر ہو سکتے ہیں؟۔ اور جب اللہ پاک کا اتنا اولوا العزم پیغمبر اور عظیم الشان رسول بھی حاجت روا و مشکل کشا نہیں ہو سکتا تو پھر اور کون ایسا ہو سکتا ہے جو حاجت روائی اور مشکل کشائی کی قدرت رکھ سکے؟۔ لیکن جب کفر و شرک کے باعث انسان کی مت ماردی جاتی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ تو اس کو اس قدر جلی اور کھلے و واضح حقائق بھی سمجھ نہیں آسکتے۔ اور وہ توحید کی شاہراہ سے ہٹ کر طرح طرح کی شرکیات میں جا گرتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ افسوس کہ امتِ مسلمہ میں بھی آج بہت سے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو اپنے دین کی واضح تعلیمات کے برعکس اسی طرح کی شرکیات میں مبتلا ہیں۔ وہ حضرتِ علی، حضرتِ حسین۔ رضی اللہ عنہما۔ اور حضرتِ شیخ عبد القادر جیلانی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ جیسی مختلف ہستیوں کو حاجت روا و مشکل کشا سمجھ کر پکارتے ہیں۔ "یا علی مدد" اور "یا حسین" کہتے اور "حیدری" اور "غوثیہ" وغیرہ ناموں سے شرکیہ نعرے لگاتے ہیں۔ ان کے نام کے وظیفے جپتے اور انہی پر اعتماد کرتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اور ان لوگوں کی کھوپڑی میں یہ بات نہیں آتی کہ یہ حضرات اگر حاجت روائی و مشکل کشائی کے منصب پر فائز ہوتے اور دوسروں کی مشکلات دور کرنے پر قادر ہوتے تو یہ حضرات خود دوسروں کی ایذاؤں کا شکار کیوں ہوتے؟ اور بالآخر موت کے ہاتھوں زندگی کی بازی ہار کر زیر زمین کیوں چلے جاتے؟۔ حضرتِ علی۔ رضی اللہ عنہ۔ تو خود کوفہ میں شہید ہوئے۔ ان کے بڑے بیٹے حضرتِ حسنؓ زہر خورانی کی وجہ سے مدینہ منورہ میں شہید ہوئے اور چھوٹے بیٹے حضرتِ حسینؓ کو انکے پورے خاندان سمیت معرکہ کربلا میں شہید کیا گیا۔ تو اگر یہ حضرات حاجت روا و مشکل کشا ہوتے تو ان کے ساتھ ایسے کیوں ہوتا؟ اور یہ حضرات ہمیشہ اپنی نمازوں میں دست بستہ کھڑے ہو کر۔ ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾۔ کے الفاظ سے اللہ پاک سے مدد و اعانت کی عرض و اپیل کیوں کرتے؟۔ اور آخر کار خود موت کے ہاتھوں جان کی بازی ہار کر دنیا سے رخصت کیوں ہو جاتے۔ پنجابی زبان کے ایک قدیم شاعر نے اس بارے کیا خوب کہا۔ دادو دنیا باؤلی مڑھیاں پوجن اوت۔ "وہ موت کے مارے مرگئے یہ ان سے مانگیں پوت" مگر جب کسی کی مت ماری جاتی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ تو اس کو ایسے کھلے حقائق بھی سمجھ نہیں آتے۔ سو قرآنِ حکیم کے یہ کلماتِ کریمہ کس قدر جامع اور کتنے حقیقت رسا ہیں۔ ﴿فَاَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ﴾۔ "کہ ان کی مت کہاں ماری جاتی ہے"۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہر کیف جو اپنے نفع و نقصان کا مالک بھی نہ ہو اس کی پوجا کرنا پرلے درجے کی حماقت ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ جبکہ اللہ تعالیٰ جو کہ خالق و مالکِ حقیقی اور معبودِ برحق ہے وہ ہر کسی کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ اسی

لئے آیتِ کریمہ کا خاتمہ اس کی سمع و بصر کی دوصفتوں پر فرمایا گیا۔ چنانچہ اِرشاد فرمایا گیا اور کلماتِ حصر کے ساتھ فرمایا گیا۔ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۔ یعنی ''اللہ ہی ہے جو ہر کسی کی سنتا سب کچھ جانتا ہے''یعنی وہ ہر کسی کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اسکے در سے منہ موڑ کر اوروں کے آگے جھکنا سراسر محرومی ہے والعیاذ باللہ العظیم

۱۹۶ دین میں غلو اور حد سے بڑھنے کی ممانعت: ۔ سو اہلِ کتاب سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اپنے دین کے بارے میں غلومت کرو کہ یہ جڑ ہے فساد و انحراف کی۔ اور اسی کی بناء پر تم لوگوں نے حضرتِ عیسیٰ اور ان کی والدہ ماجدہ کو خدائی منصب پر بٹھا دیا۔ اور اس شرک کو تم نے اپنے دین میں داخل کر دیا جس کو مٹانے ہی کے لئے یہ دین آیا تھا۔ اور جس فریضہ کی ادائیگی کیلئے حضرتِ عیسیٰ تشریف لائے تھے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ ۔ افسوس کہ غلو اور اِفراط کا یہ مرض آج مسلمانوں کے اندر بھی موجود ہے۔ اور اس سے جنم لینے والے فساد کے نت نئے مظاہر جگہ جگہ اور طرح طرح سے سامنے آتے رہتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ ۔ اور حضراتِ اہلِ علم فرماتے ہیں کہ غلو اِفراط و تفریط دونوں طریقوں سے ہوتا ہے۔ تفریط یہ کہ کسی کو اس کے اصل مرتبہ و مقام سے گرا دیا جائے۔ یہود نے زیادہ تر اسی غلو کا ارتکاب کیا۔ اور اس بناء پر انہوں نے اللہ کے نبیوں کی توہین کا ارتکاب کیا۔ اور یہاں تک کہ انہوں نے حضراتِ انبیائے کرام کے قتل تک کا ارتکاب کیا۔ اور حضرتِ موسیٰ کی طرح طرح توہین اور ایذا رسانی کا ارتکاب کیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ جبکہ نصاریٰ نے اس کے برعکس اِفراط کے غلو سے کام لیا اور حضرتِ عیسیٰ اور ان کی والدہ ماجدہ کو خداوندِ قدوس کی خدائی میں شریک کر ڈالا۔ اور ایک کی بجائے تین خداؤں کا وہ گورکھ دھندا گھڑ لیا جو۔ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔ افسوس کہ غلو فی الدین کا یہ جرم آج امتِ مسلمہ کے اندر بھی موجود ہے۔ اور طرح طرح سے اس کا ارتکاب کیا جا رہا ہے جس کے طرح طرح کے مظاہر اور نمونے جگہ جگہ پائے جاتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ ۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۹۷ اتباعِ ہوٰی کا نتیجہ ہولناک محرومی ۔ والعیاذ باللہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم ان لوگوں کی پیروی مت کرو جو خواہشات کے پیچھے لگ گئے جس کے نتیجے میں انہوں نے گمراہ کر دیا بہت لوگوں کو اور وہ بھٹک گئے سیدھی راہ سے۔ اور سیدھی راہ سے محرومی دارین کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو ایسے لوگ بھٹک گئے اِفراط و تفریط سے پاک حق و صداقت کی اس شاہراہِ عظیم سے جو کہ انسان کو دارین کی سعادت اور فوز و فلاح سے ہم کنار کرنے والی راہ ہے۔ اور اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ سو اس راہِ حق و ہدایت سے محروم ہو کر یہ بدنصیب دارین کے خسارے میں مبتلا ہو گئے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ ۔ اور راہِ حق سے بھٹکنے کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب اِتباعِ ہوٰی ہے کہ اس کی بنا پر انسان ھُدٰی کی بجائے ہوٰی کی راہ پر چل پڑتا ہے جس سے اس کی مت ماری جاتی ہے اور اس کی کھوپڑی اوندھی، عقل اندھی ہو جاتی ہے۔ اور غلو فی الدین کا روگ اس کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔ اسی لئے حضرتِ امام الانبیاء نے اپنی امت کو خبردار کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ ''تم لوگ میری اس طرح کی مبالغہ آمیز تعریف نہ کرنا جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بیٹے مریم کے بارے میں کی''۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ

لعنت کردی گئی بنی اسرائیل کے کافروں پر داؤد،

دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا

اور عیسیٰ بن مریم، کی زبان سے، ۱۹۸ (اور) یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی، اور یہ لوگ

يَعْتَدُوْنَ ۝۷۸ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ

تجاوز کرتے تھے (اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں سے،) یہ آپس میں ایک دوسرے کو روکتے (اور خود رکتے) نہیں تھے، اس برائی سے

فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۹ تَرٰي كَثِيْرًا

جس کا ارتکاب یہ لوگ کرتے تھے، بڑے ہی برے تھے وہ کام جو یہ لوگ کر رہے تھے، ۱۹۹ (آج بھی) تم ان میں سے

مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ

بہتوں کو دیکھو گے کہ وہ (اہل ایمان کے مقابلہ میں) ان لوگوں سے دوستی کا دم بھرتے ہیں، جو اڑے ہوئے ہیں اپنے کفر (و باطل)

لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ

پر، ۲۰۰ بڑا ہی برا ہے وہ سامان جو ان کے لئے آگے بھیجا ہے ان کے نفسوں نے، کہ اللہ ناراض ہوا ان پر، اور (اس کے

۱۹۸ **بنی اسرائیل کے منکروں پر لعنت کا ذکر:-** سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ بنی اسرائیل میں کے منکروں پر چاروں آسمانی کتابوں میں لعنت کی گئی۔ سو ان پر زبور میں بھی لعنت کی گئی ہے اور انجیل میں بھی۔ اَصحاب السبت پر لعنت ہوئی تو وہ مسخ ہو کر بندر اور خنزیر بنا دیے گئے۔ اور اسی طرح اصحاب مائدہ پر بھی لعنت ہوئی تو وہ بھی اپنے اس برے انجام سے دوچار ہوئے جو ان کے لائق تھا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - (صفوۃ التفاسیر، تفسیر القاسمی وغیرہ)۔ سو بنی اسرائیل کے کافروں پر لعنت قدیم ہے۔ زبور، انجیل، تورات اور قرآنِ حکیم سب ہی میں ان پر لعنت وارد ہوئی ہے۔ (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ حضرات اہلِ علم سے مروی ہے کہ یہود نے فخر جتلاتے ہوئے کہا کہ ہم لوگ نبیوں کی اولاد ہیں۔ تو اس پر اس اِرشادِ ربانی کے ذریعے بتلایا گیا کہ یہ لوگ فخر کے لائق نہیں بلکہ ملعون لوگ ہیں۔ (خازن، جامع البیان وغیرہ)۔ اور ان پر یہ لعنت ان کے اپنے اختیار کردہ کفر و انحراف کی بناء پر ہوئی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ -

۱۹۹ **بنی اسرائیل کے اس ہولناک انجام کے اسباب و وجوہ کا ذکر و بیان:-** سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ ان بدبختوں کا یہ ہولناک انجام اس لیے ہوا کہ یہ لوگ معصیت اور نافرمانی ہی کرتے جا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتے تھے۔ اور یہ لوگ روکتے اور رکتے نہیں تھے ان برائیوں سے جن کا ارتکاب یہ کر رہے تھے۔

اور بڑے ہی برے کام تھے وہ جو یہ لوگ کرتے رہے تھے۔ سواس سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی عظمت و اہمیت واضح ہو جاتی ہے اور اس سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن افسوس کہ مسلمان آج اس اہم فریضے سے غافل ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ حالانکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تمہیں نیکی کی تعلیم بہر حال دینا ہوگی اور برائی سے روکنا ہوگا ورنہ وہ وقت دور نہیں کہ اللہ تم پر ایسا عذاب مسلط کر دے کہ اس کے بعد تم اس کو پکارو بھی تو تمہاری شنوائی نہ ہو"۔ (ترمذی: کتاب الفتن، مسند امام احمد) - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - یہاں پر اس آیتِ کریمہ میں جو لفظ ﴿يَتَنَاهَوْنَ﴾ ارشاد ہوا ہے اس کے دو معنیٰ ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کو طرفین سے متعلق قرار دیا جائے۔ یعنی وہ ایک دوسرے کو برائی سے روکتے نہیں تھے۔ اور دوسرے یہ کہ اس کو "تناھی" بمعنیٰ لازم سے مانا جائے۔ یعنی یہ کہ وہ برائی سے خود رکتے نہیں تھے۔ حضراتِ اہلِ علم نے ان دونوں احتمالوں کی تصریح کی ہے۔ (جامع البیان، مدارک التنزیل وغیرہ)۔ اپنے ترجمہ میں ہم نے ان دونوں کو ذکر کر دیا ہے۔ والحمد للہ۔ سو مومن کی شان یہ ہے کہ وہ برائی سے خود بھی رکے اور دوسروں کو بھی روکے کہ اس سے صلاح بھی مطلوب ہے اور اصلاح بھی۔ اور انہی کے پاس اس وقت صلاح و اصلاح کرنے والا وحیِ خداوندی کا وہ نورِ مبین موجود ہے جو حضرتِ حق کی طرف سے اتارا گیا ہے جبکہ باقی تمام دنیا اندھیروں میں پڑی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۰۰ دعوائے ایمان کا اور کام کفر کا - والعیاذُ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ آج بھی تم ان میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھو گے کہ یہ ایمان والوں کے مقابلے میں ان لوگوں سے دوستی کا دم بھرتے ہیں جو اڑے ہوئے ہیں اپنے کفر و باطل پر۔ اور ایسا یہ لوگ دراصل حسد اور اتباعِ ہویٰ کی بناء پر کرتے ہیں۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حسد اور اتباعِ ہویٰ باعثِ ہلاکت و تباہی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو حسد و ہوائے نفس انسان کو ہلاکت کے گہرے کھڈے میں جا گراتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم آج بھی ان اہلِ کتاب میں سے بہت سے ایسوں کو دیکھو گے جو ایمان والوں کے مقابلے میں کھلے کافروں سے دوستی رکھتے ہیں۔ یعنی مشرکین مکہ سے محض اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی دشمنی کی وجہ سے۔ ورنہ یہ لوگ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ مکہ کے یہ لوگ پکے مشرک اور بت پرست ہیں۔ کسی آسمانی دین اور کتاب کے قائل نہیں۔ جبکہ یہ لوگ خود آسمانی دین اور کتاب کے قائل ہیں۔ اور اس بناء پر یہ لوگ اس بات کو بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ حق وہی ہے جس کو محمد نے پیش کیا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مگر اسکے باوجود اہلِ کتاب ہونے کے دعویدار یہ لوگ مشرکینِ مکہ سے دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ حسد و ہٹ دھرمی اور اتباعِ ہویٰ اور ضد اور بغض و عناد نے ان کو اس حد تک ہاویے میں گرا دیا تھا۔ سو حسد اور ہوائے نفس کی پیروی ایسی بری خصلتیں ہیں جو انسان کو ہلاکت و تباہی کے ایسے گہرے کھڈے میں جا گراتی ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اور اسی حسد اور بغض و عناد کی وجہ سے ان لوگوں نے اہلِ کتاب ہونے کے باوجود اہلِ ایمان کے مقابلے میں کفار و مشرکین سے دوستی کی پینگیں بڑھائیں۔ اور کل کی طرح آج بھی یہ لوگ مسلمانوں کے مقابلے میں کفار و مشرکین کا ساتھ دیتے اور ان کی دوستی کا دم بھرتے ہیں اور ایمان کا دعویٰ کرنے اور اس کا زعم اور گھمنڈ رکھنے کے باوجود یہ لوگ کھلے کفر و شرک کا ساتھ دیتے ہیں۔ سو بڑا ہی برا ہے وہ سامان جو ان لوگوں کے لیے آگے بھیجا ان کے نفسوں نے۔ جس کی وجہ سے اللہ ان پر ناراض ہوا۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ اور اس کے نتیجے میں ان کو ہمیشہ عذاب میں رہنا ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ

(نتیجے میں) ان کو ہمیشہ رہنا ہوگا عذاب میں، اور اگر یہ لوگ ایمان رکھتے ہوتے اللہ پر، اس کے پیغمبر پر، ۲۰۱

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ

اور اس کتاب پر جو کہ اتاری گئی ۲۰۲ ان کی طرف، تو یہ کبھی ان (کفار) کو اپنا دوست نہ ٹھہراتے، ۲۰۳ مگر

۲۰۱ یہود کا اپنے پیغمبر پر بھی ایمان نہیں: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ ایمان رکھتے ہوتے اللہ پر اور اس کے پیغمبر پر یعنی اپنے پیغمبر حضرتِ موسٰی - علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام - پر۔ (محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر وغیرہ) تو ان کا یہ حال کبھی نہ ہوتا۔ سو ان لوگوں کا ایمانداری کے دعووں کے باوجود اپنے پیغمبر پر ایمان نہیں ہے۔ ورنہ ان کا حال کبھی یہ نہ ہوتا۔ سو ان کا عمل و کردار ان کے دعوائے ایمان کی نفی کرتا ہے۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو یہ لوگ اللہ پر اور اپنے پیغمبر حضرتِ موسٰی پر ایمان کے دعوے تو بہت کرتے ہیں لیکن یہ ایماندار ہیں نہیں۔ ورنہ یہ اہلِ ایمان کے مقابلے میں کفار و مشرکین کے ساتھ دوستی کا دم نہ بھرتے۔ بھلا اللہ اور اُس کے رسول کے دشمنوں کے ساتھ ایمان والوں کی دوستی آخر کس طرح ممکن ہوسکتی ہے؟ سو ایسے لوگ اپنے ایمان و یقین کے دعوے بے شک کریں لیکن یہ ایماندار ہیں نہیں - والعیاذ باللہ -

۲۰۲ یہود کا اپنی کتاب پر بھی ایمان نہیں: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ ایمان رکھتے ہوتے اس کتاب پر جو ان لوگوں کی طرف اتاری گئی۔ یعنی تورات پر جو کہ ان کے اپنے پیغمبر حضرتِ موسٰی پر اتاری گئی تھی۔ (محاسن التاویل وغیرہ) تو یہ لوگ ایسا کبھی نہ کرتے۔ پس معلوم ہوا کہ ان کا دراصل اپنے دین اور اپنی کتاب اور اپنے پیغمبر پر بھی ایمان نہیں ہے۔ ورنہ یہ ایسے کافر لوگوں کو اپنا دوست کبھی نہ بناتے۔ سو اہلِ ایمان کے مقابلے میں اہلِ کفر و باطل اور شرک و مشرکین سے محبت و دوستی رکھنے کا ان لوگوں کا یہ طرزِ عمل اس بات کا ایک کھلا اور واضح ثبوت ہے کہ ان لوگوں کا خود اپنے پیغمبر اور اپنی کتاب پر بھی ایمان نہیں۔ (المراغی، المحاسن، المدارک، الصفوۃ اور الفتح وغیرہ) - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۲۰۳ ایمان کا تقاضا کہ دوستی صرف ایمان والوں سے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ ایمان رکھتے ہوتے اللہ پر، اس کے پیغمبر پر اور اس کتاب پر جس کو اتارا گیا ان کی طرف تو یہ لوگ کبھی ان کفار و مشرکین کو اپنا دوست نہ بناتے۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ سچے ایمان والے کفر والوں سے کبھی دوستی نہیں رکھ سکتے۔ کیونکہ مؤمنِ صادق اور سچا خدا پرست انسان اہلِ ایمان کے مقابلے میں کسی کافر و مشرک کو کبھی اپنا دوست نہیں بنا سکتا۔ اور انہوں نے جب ایسے لوگوں کو اپنا دوست بنا لیا تو اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ یہ لوگ اپنے ایمان کے دعوے میں سچے نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر یہ لوگ اپنے ان دعووں میں سچے ہوتے تو اس طرح کبھی نہ کرتے کہ ایمان والوں کے مقابلے میں کفر و شرک والوں سے دوستی رکھتے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو دنیاوی لحاظ سے اہلِ کفر و باطل کے ساتھ ظاہری میل ملاپ رکھنا اور خاطر مدارات کرنا الگ چیز ہے لیکن ان سے دلی تعلق اور دوستی رکھنا کسی مؤمنِ صادق کے لئے ممکن نہیں - والعیاذ باللہ العظیم -

كَثِيرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ

ان میں سے بیشتر لوگ فاسق (اور بدکار) ہیں، ۲۰۴ تم مسلمانوں کی دشمنی میں سب سے

عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ

زیادہ سخت یہود، اور ان لوگوں کو پاؤ گے جو مشرک ہیں، ۲۰۵

۲۰۴ اکثریت فاسقوں اور بدکاروں کی - والعیاذ باللہ :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان میں سے اکثر لوگ فاسق اور بدکار ہیں - والعیاذ باللہ - جو اللہ کے حکم سے سرتابی کرنے والے ہیں - اور اسی لئے یہ لوگ کفار و مشرکین سے دوستی رکھتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو یہاں سے ایک مرتبہ پھر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ عوام کی اکثریت کی تائید و تردید کسی امر کے حق یا باطل ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی کہ عوام کی اکثریت فاسقوں اور بدکاروں ہی کی ہوتی ہے - کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے - الا ماشاء اللہ - بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ ان میں سے اکثر فاسق و بدکار ہیں اور کفار و مشرکین کے ساتھ ان کی دوستی اس بات کا کھلا ثبوت اور اس کی واضح علامت ہے کہ یہ لوگ اپنے ایمان و یقین کے دعووں میں جھوٹے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۲۰۵ مسلمانوں کے سب سے بڑے اور سخت دشمنوں کی نشاندہی :- سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ مسلمانوں کے سب سے بڑے اور سخت دشمن یہود اور مشرکین ہیں کہ مسلمانوں کے خلاف بغض و عناد میں یہ دونوں گروہ باہم متفق ہیں - نیز یہ دونوں گروہ تکبر، ہٹ دھرمی، ظلم و زیادتی، ایذا رسانی، مادہ پرستی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے جیسے خصالِ بد میں باہم شریک اور ایک ہی جیسے ہیں - اسی لیے انہوں نے اللہ کے رسول اور ان کے ساتھیوں کو دکھ دینے، انکو تکلیف پہنچانے اور انکی ایذاء رسانی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی - یہاں تک کہ انہوں نے آپؐ کو اپنے گھر سے بے گھر کر دیا - ہجرت پر مجبور کیا - اور آپؐ کے قتل تک کے منصوبے ان لوگوں نے بنائے وغیرہ - (المراغی، المحاسن وغیرہ) - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اس آیتِ کریمہ میں یہود کو اہلِ کتاب اور ایمان کے دعویدار ہونے کے باوجود مشرکین کے برابر اور ان کے ہم پلہ قرار دیا گیا ہے - اور قرآنِ حکیم میں اس کے علاوہ بھی دوسرے مختلف مقامات پر اسلام دشمنی کے سلسلے میں ان دونوں گروہوں کے ہم مشرب اور ہم آہنگ ہونے کو واضح فرمایا گیا ہے - اور یہاں پر اس حقیقت کے اِعلان و اظہار سے مقصود یہود کے دعوائے تقدس و برتری کی تردید کرنا ہے کہ یہ لوگ دعوٰی تو اپنی برتری کا کرتے ہیں لیکن اسلام دشمنی میں یہ ہلاکت و تباہی کے ایسے ہولناک گڑھے میں جا گرتے ہیں اور دوستی و یارانہ یہ لوگ کھلے مشرکوں سے رکھتے ہیں - اور حاملِ کتاب ہونے کے باوجود یہ لوگ بت پرستوں سے دوستی رکھتے ہیں - وہ بھی اسلام دشمنی میں اور مسلمانوں کے خلاف - سو یہ دینی و ایمانی انحطاط اور اَخلاقی بگاڑ کی انتہاء ہے جس میں یہ لوگ مبتلاء ہیں - اور اس بری طرح سے مبتلاء ہیں کہ ان کو اس کا شعور و احساس ہی نہیں کہ اپنی اس روش سے ہم لوگ اپنا کس قدر نقصان کرتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ تعالیٰ اشرار کے ہر قسم کے شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین ثم آمین -

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا

اور (اس کے برعکس) تم ان سے محبت میں سب سے زیادہ نزدیک ان لوگوں کو پاؤ گے

الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ

جو کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں، ۲۰۶ یہ اس لئے کہ ان میں بہت سے

قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

عبادت گزار، اور تارک الدنیا درویش، پائے جاتے ہیں، نیز اس لئے کہ وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہوتے ۲۰۷

۲۰۶ اہلِ ایمان سے نسبتاً زیادہ قرب رکھنے والے لوگ؟: سو اس ارشاد سے نصاریٰ کی اہلِ ایمان سے نسبتاً زیادہ قربت کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی یہود اور مشرکین کے مقابلے میں نصاریٰ مسلمانوں کے زیادہ قریب اور ان سے دوستی رکھنے والے ہیں۔ اور یہود اور مشرکین کے مقابلے میں یہ لوگ مسلمانوں کے زیادہ قریب ہیں۔ ورنہ مسلمانوں کے سچے دوست اور خیر خواہ یہ بھی نہیں ہیں۔ لیکن اُن کے مقابلے میں یہ لوگ پھر بھی غنیمت ہیں اور نسبتاً یہ لوگ مسلمانوں کے زیادہ قریب ہیں۔ اور ان میں سے بھی وہ لوگ جو اس اِرشادِ ربانی کے اصل مخاطب اور اولین مصداق ہیں۔ یعنی حبشہ کے وہ نصاریٰ جنہوں نے نزولِ قرآن اور ابتدائے امر کے اس مشکل دور میں مسلمانوں کا ساتھ دیا جبکہ مسلمان ہجرت کر کے وہاں پہنچے تھے۔ اور انہی کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ (معارف، محاسن اور المراغی وغیرہ)۔ سو اس آیتِ کریمہ میں یہود کے مقابلہ میں نصاریٰ کی تعریف فرمائی گئی ہے کہ وہ یہود کی نسبت مسلمانوں کے زیادہ قریب ہیں اور ان سے دوستی رکھنے والے ہیں۔ اور قرائن دلیل ہیں کہ اس سے مراد وہ عام مسیحی نہیں ہیں جو پال کی ایجاد کردہ مسیحیت کے پیرو اور تثلیث و کفارہ جیسے شرکیہ عقائد کے قائل اور اسلام دشمنی میں اَعدائے اسلام کے سرخیل ہیں۔ بلکہ اس سے مراد سیدنا مسیحؑ کے خلیفۂ راشد شمعون صفا کے پیرو اور حقیقی عیسائیت کے علمبردار ہیں۔ جو توحید اور دینِ حق کے بنیادی اصولوں پر قائم تھی۔

۲۰۷ نصاریٰ کے نسبتاً زیادہ قریب ہونے کی وجہ: سو اس ارشاد سے نصاریٰ کے مسلمانوں سے نسبتاً زیادہ قریب ہونے کی وجہ بھی بیان فرما دی گئی کہ ان کے اندر یہ خاص صفات پائی جاتی تھیں۔ تو اس علم، درویشی اور تواضع کی بناء پر مسلمانوں سے ان کی دشمنی نسبتاً کم ہے۔ اور یہود و مشرکین کے مقابلے میں یہ لوگ فی الجملہ غنیمت ہیں۔ سو نورِ علم اور تواضع و انکساری ان خصالِ خیر میں سے ہیں جو کافر کے اندر بھی محمود ہیں۔ اور وہ اسکے لیے بھی خیر اور اِصلاح اور بہتری کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اور انسان کی اصل خوبی اسکے عمل و کردار ہی سے ہے۔ جتنا اس کا ایمان و یقین سچا اور عمل و کردار اونچا ہو گا اتنا ہی اس کا مرتبہ و مقام بلند ہو گا۔ محض زبانی کلامی دعووں اور بڑوں کے ساتھ انتساب کے زعم و گھمنڈ سے کچھ نہیں بنے گا۔ اللہ تعالیٰ حق و ہدایت کی سمجھ اور راہِ حق

وہدایت پر استقامت نصیب فرمائے - آمین ثم آمین یا رب العالمین - بہرکیف اس ارشاد سے نصاریٰ کے اس قرب کی وجہ کے بیان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ چونکہ ان لوگوں کے اندر علماء و زہاد اور ایسے تارک الدنیا لوگ موجود ہیں جو اپنی بڑائی کا گھمنڈ نہیں رکھتے۔ اس لیے یہ لوگ یہود کے کبر و غرور اور ان کی اکڑ سے محفوظ ہیں۔ سو اس بناء پر یہ لوگ یہود کی نسبت اہل ایمان کے زیادہ قریب ہیں۔ اور یہ چیز چونکہ دورِ حاضر کے عیسائیوں کے اندر نہیں پائی جاتی۔ اس لیے یہ لوگ اس ارشاد کا اصل مصداق نہیں بن سکتے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ

اور (اسی بناء پر ان کا حال یہ ہے کہ) جب وہ سنتے ہیں اس کلام (حق ترجمان) کو، جو کہ اتارا گیا اس رسول (برحق) کی

تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ

طرف، تو تم دیکھو گے کہ ابل پڑتی ہیں ان کی آنکھیں آنسوؤں سے، اس حق کی بناء پر جس کو انہوں نے پہچان لیا، ۲۰۸ (اور یہ

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا

عاجزانہ) عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم (صدقِ دل سے) ایمان لے آئے، پس تو ہمیں لکھ دے (حق کی)

لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ

گواہی دینے والوں کے ساتھ، ۲۰۹ اور ہمارے لئے کیا عذر ہو سکتا ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر، اور اس حق پر، جو کہ پہنچ چکا

يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ

ہمارے پاس، جب کہ ہم اس کی بھی طمع رکھتے ہیں کہ داخل فرما دے ہمیں ہمارا رب نیک بخت لوگوں کے ساتھ (اپنی

اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

رحمت میں) ۲۱۰ سو اللہ نے نواز دیا ان لوگوں کو ان کے اس (مخلصانہ) قول (و قرار) کے بدلے میں، ایسی عظیم الشان

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ

جنتوں سے جن کے نیچے سے بہہ رہی ہوں گی طرح طرح کی (عظیم الشان) نہریں، ۲۱۱ جن میں ان کو ہمیشہ رہنا نصیب

۲۰۸ معرفت حق کا نتیجہ خوف وخشیتِ خداوندی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب یہ لوگ اس کلامِ حق ترجمان کو سنتے ہیں جو کہ رسول کی طرف اتارا گیا ہے تو تم دیکھو کہ ان کی آنکھیں ابل پڑتی ہیں آنسوؤں سے، اس حق کی بناء پر جس کو انہوں نے پہچان لیا۔ سو یہ لوگ اس علم ومعرفت سے سرفراز وسرشار ہو جاتے ہیں کہ یہ وہی کلامِ الٰہی ہے جس کے نازل کرنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء کے ذریعے فرمایا تھا۔ سو اس معرفتِ حق اور ادراکِ حقیقت کے نتیجے میں ان پر خوف وخشیتِ خداوندی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں جس سے ان پر گریہ طاری ہو جاتا ہے اور خوفِ خداوندی سے ان کی آنکھیں ابل پڑتی ہیں۔ اور یہی نتیجہ اور لازمی اثر ہوتا ہے معرفتِ حق اور ادراکِ حقیقت کا کہ اس سے انسان پر خوف وخشیتِ خداوندی کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں اور وہ صدقِ دل سے اپنے خالق و مالک کی طرف رجوع ہو جاتا ہے اور حق کو اپنا کر دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اور اس کا باطن

نورِ ایمان اور دولتِ یقین سے ایسا معمور و منور ہو جاتا ہے کہ وہ کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق لِمَا یُحِبّ ویرید۔

۲۰۹ حق پرست نصاریٰ کی مخلصانہ دعاء کا ذکر:۔ سو اس سے حق پرست نصاریٰ کی امتِ محمدیہ کے زمرے میں شامل ہونے کی دعا والتجا کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو ایسے لوگ اپنے رب کے حضور عرض کرتے ہیں کہ مالک تو ہمیں حق کی گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ دے۔ یعنی امتِ محمدیہ کے زمرے میں شامل فرما دے جو اس دنیا میں حق کی شہادت دیتے ہیں اور آخرت میں وہ دوسری تمام امتوں پر گواہ ہوں گے۔ مفسرینِ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ چاروں آیتیں شاہِ حبشہ نجاشی اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ جبکہ ان کی فرمائش پر حضرتِ جعفرؓ نے ان کے دربار میں سورۂ مریم ان کو پڑھ کر سنائی۔ جس پر وہ خود بھی برابر روتے رہے اور ان کے ساتھ ان کے وہ علماء اور زہاد بھی جو اس مجلس میں وہاں پر حاضر و موجود تھے۔ اور سورۂ مریم کی اس تلاوت سے فراغت کے بعد نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر اپنے درباریوں سے کہا کہ بخدا تمہارے صاحب۔ یعنی حضرتِ عیسیٰ۔ اس مضمون سے جو ان سے متعلق قرآنِ حکیم میں بیان ہوا ہے، اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں تھے۔ پس انہوں نے حق کو پہچان لیا اور جان گئے کہ یہی وہ پیغمبر ہیں جن کی تشریف آوری کے بارے میں پیشینگوئیاں ان کی کتابوں میں فرمائی گئی تھیں۔ اس لئے وہ صدقِ دل سے اس پر ایمان لانے کے شرف سے مشرف ہو گئے۔ (محاسن التاویل للقاسمیؒ، معارف للکاندھلویؒ، روح، قرطبی، ابنِ کثیر اور مدارک وغیرہ)۔ اور اس طرح وہ دینِ حق کو اپنا کر سعادتِ دارین سے بہرہ ور ہو گئے۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے صدقِ نیت کا۔

۲۱۰ صدق واخلاص کا نتیجہ رجوع الی الحق:۔ سو اس سے صحتِ باطن اور صدقِ دل کے آثار و ثمرات کا ایک عمدہ نمونہ پیش فرمایا گیا ہے۔ سو ایسے لوگ اپنے باطن کے صدق و صفا کی بناء پر کہتے ہیں کہ ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک بخت لوگوں کے ساتھ اپنی رحمت میں داخل فرما دے۔ یعنی انبیاء و مومنین کے ساتھ جنت میں۔ (محاسن التاویل)۔ یعنی ایسے میں جبکہ ہم یہ طمع بھی رکھتے ہیں اور حق بھی ہمارے پاس پہنچ گیا ہے ہمیں ضرور اس دینِ حق پر ایمان لے آنا چاہیئے کہ اس کے بعد اس ضمن میں ہمارے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہ جاتا۔ پس جب انسان کی فطرت صحیح ہو تو وہ ندائے حق کے جواب میں ایسے ہی دل و جان سے لبیک کہتا ہے۔ اور حق کی اس دعوت وپکار کو وہ اپنے ضمیر و وجدان کی آواز پکار سمجھتا ہے۔ روایات میں وارد ہے کہ یہ بات ان حضرات نے ان یہود وغیرہ اعدائے اسلام کے جواب میں کہی جنہوں نے ان کو عار دلائی اور طعنہ دیا تھا کہ تم کیسے ناداں اور بیوقوف لوگ ہو کہ فوراً اس دین پر ایمان لے آئے ہو۔ حالانکہ تم نے اس نئے پیغمبر کو دیکھا بھی نہیں وغیرہ وغیرہ۔

۲۱۱ جنت کی نعمتوں کی عظمتِ شان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے نیچے سے بہہ رہی ہونگی طرح طرح کی عظیم الشان نہریں ایسے صاف ستھرے اور کیف آور پانی کی نہریں جس میں نہ کبھی کوئی سڑاند پیدا ہو اور نہ کسی طرح کی کوئی بدمزگی آئے۔ اور ایسے عمدہ اور مزیدار دودھ کی نہریں جو نہ کبھی بدلے نہ پھٹے۔ اور ایسی عمدہ و بے مثل شراب کی نہریں جو سراسر لذت ہونگی پینے والوں کے لئے۔ اور ایسے صاف وشفاف شہد کی جس میں کسی طرح کی کوئی آمیزش نہ ہو۔ جیسا کہ سورۂ محمد کی آیت نمبر ۱۵ میں اس بارے میں وضاحت سے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ اَھْلِھَا بِمَحْضِ مَنِّکَ وَکَرَمِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ سو عقل ونقل دونوں کا تقاضا ہے کہ انسان جنت کی ان عظیم الشان نعمتوں کے حصول اور ان سے سرفرازی ہی کو اپنی زندگی کا نصب العین اور اصل مقصود بنائے۔ یہ مقصد اگر حاصل ہو گیا اور اس سے سرفرازی نصیب ہو گئی تو سب کچھ مل گیا۔ نہیں تو کچھ بھی ملا نہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ جَلَّ وَعَلَا، فایاہ نسال سبحانہ وتعالیٰ التوفیق لما یُحِبُّ وَیَرْضٰی وعلی ما یُحِبُّ وَیَرْضٰی۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق پر استقامت بخشے۔ آمین۔

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ ع ۱۱/۹

ہوگا، اور یہی ہے بدلہ نیکوکاروں کا، اور (اس کے برعکس) جو لوگ اڑے رہے اپنے کفر (و باطل) پر، اور انہوں نے جھٹلایا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ

ہماری آیتوں کو، تو وہ یار ہوں گے دوزخ کی اس دہکتی بھڑکتی آگ کے، ۲۱۲ اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو کہیں تم (نصاریٰ کی

اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

رہبانیت وغیرہ سے متاثر ہو کر) حرام نہ کر دینا ان پاکیزہ چیزوں کو جو حلال فرمائی ہیں اللہ نے تمہارے لئے ۲۱۳ اور حدوں

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ ص

سے نہیں بڑھنا، بیشک اللہ پسند نہیں کرتا حدوں سے بڑھنے والوں کو، ۲۱۴ اور کھاؤ (پیو) تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو عطا فرمائی ہیں

۲۱۲ منکروں کا انجام دوزخ - والعیاذ باللہ جل وعلا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ اڑے رہے ہونگے اپنے کفر و باطل پر - والعیاذ باللہ - تو وہ یار ہونگے دوزخ کی دہکتی بھڑکتی آگ کے۔ "جَحِیْم" دراصل اس آگ کو کہا جاتا ہے جس کو کسی گہرے گڑھے میں جلایا جائے تاکہ اس کی لہیب یعنی شعلہ زنی اور دہک میں کمی نہ آنے پائے۔ (تفسیر التحریر والتنویر للعلامۃ ابن عاشورؒ)۔ پھر دوزخ کی وہ آگ ایسی سخت اور اس قدر ہولناک ہوگی کہ ان کو چھوڑے گی بھی نہیں کہ وہ اس سے کوئی راحت و سکون پا سکیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - بلکہ وہ ان کے ساتھ اس طرح چمٹی اور لپٹی رہے گی جس طرح کہ ایک دوست دوسرے دوست سے اور ایک ساتھی دوسرے ساتھی کے ساتھ چمٹا رہتا ہے۔ اسی لئے یہاں پر ﴿ اَصْحَابُ الْجَحِیْمِ ﴾ فرمایا گیا ہے جو کہ جمع ہے "صاحب" کی۔ جسکے معنیٰ ساتھی اور دوست کے آتے ہیں۔ یعنی ایسے لوگ دوزخ کی اس دہکتی بھڑکتی آگ کے ساتھی اور اسکے یار ہونگے۔ نہ وہ آگ ان کو چھوڑے گی اور نہ یہ کبھی اس سے الگ ہو سکیں گے - والعیاذ باللہ العظیم - عام طور پر اس کا ترجمہ "جہنمی" یا "دوزخی" وغیرہ جیسے الفاظ سے کیا جاتا ہے۔ لیکن اس سے وہ پورا مفہوم ادا نہیں ہوتا جو کہ ﴿ اَصْحَابُ الْجَحِیْمِ ﴾ کے الفاظ کے اندر پایا جاتا ہے۔ سو ہم نے اپنے ترجمے میں اسی کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے - والحمد للہ - اور دوزخ کی وہ آگ چونکہ دنیاوی آگ کی طرح اندھی بہری آگ نہیں ہوگی کہ سب کے ساتھ ایک ہی طرح کا معاملہ کرے، بلکہ وہ ایسی آگ ہوگی جو مجرم کو اور اس کے جرم کو پہچانتی ہوگی۔ اس لئے وہ ہر ایک کے ساتھ وہی معاملہ کرے گی جس کا وہ اپنے کفر و باطل اور اپنے جرم و قصور کی بناء پر اہل اور مستحق ہوگا۔ کہ وہ دلوں تک جھانکنے والی آگ ہوگی۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں دوسرے مقامات پر اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ مثلاً فرمایا گیا - ﴿ اَلَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَۃِ ﴾ - (الھمزۃ: ۷)۔ نیز فرمایا گیا کہ - ﴿ تَدْعُوْا

مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰی ﴾- (المعارج: ۱۷) یعنی وہ آگ بلاتی پکارتی ہوگی ان لوگوں کو جن کے دنیا میں یہ اور یہ کرتوت رہے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ سو جن لوگوں نے زندگی بھر اپنے کفر و باطل اور حق دشمنی کو سینے سے لگائے رکھا ہوگا وہ اسی لائق ہوں گے کہ وہ ایسی دہکتی بھڑکتی آگ کے ساتھی اور یار قرار پائیں جس سے وہ کبھی چھٹکارا نہ پا سکیں۔ اپنے خود کردہ جرمِ عظیم اور گناہِ سنگین کے نتیجے میں تاکہ ان کو بھرپور بدلہ- جزاء وفاق- مل سکے اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم- اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے- آمین ثم آمین۔

۲۱۳ تحریم طیبات کی ممانعت:- سو اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ کہیں ان پاکیزہ چیزوں کو حرام نہیں ٹھہرا دینا جو اللہ نے تمہارے لیے حلال فرمائی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ پاکیزہ چیزوں کو حرام کرنا تقویٰ کا تقاضا نہیں بلکہ کفرانِ نعمت اور ناشکری کے زمرے میں آتا ہے- والعیاذ باللہ العظیم- صحیحین- صحیح بخاری و مسلم- وغیرہ میں حضرتِ ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام میں سے بعض حضرات نے غلبۂ شہوت سے بچنے کے لئے کہا کہ ہم گوشت نہیں کھائیں گے اور قطعِ شہوت کے لئے دوسرے فلاں فلاں کام کریں گے۔ تو اس بارے یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ (بخاری: کتاب النکاح، مسلم: کتاب النکاح، ترمذیؒ: کتاب التفسیر) جس کے ذریعے سے تحریم طیبات سے منع فرما دیا گیا۔ جس سے یہ عظیم الشان درس دیا گیا کہ تقویٰ و پرہیزگاری کا مطلب اور تقاضا یہ نہیں کہ حضرتِ حق- جل مجدہٗ- کی پیدا کردہ اور مرحمت فرمودہ پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار دیا جائے بلکہ اُس واہبِ مطلق- جل جلالہٗ- کے اس کرم و احسان کا تقاضا یہ ہے کہ اُسکی بخشی ہوئی ان پاکیزہ چیزوں کو اسی کی تعلیمات کے مطابق اور اُسکی مقرر فرمودہ حدود کے اندر رہتے ہوئے صحیح طور پر استعمال میں لایا جائے اور ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اور اس کرم و احسان پر اس وحدہٗ لاشریک کا شکر بجا لایا جائے تاکہ اس طرح اسکی عطا فرمودہ یہ نعمتیں دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ بن جائیں۔ جیسا کہ اِرشادِ نبوی میں فرمایا گیا کہ ''کھا کر شکر ادا کرنے والا ایسا ہے جیسے کہ روزہ رکھ کر صبر کرنے والا''- ''اَلطَّاعِمُ الشَّاکِرُ کَالصَّائِمِ الصَّابِرِ''- وَ بِاللّٰهِ التَّوْفِیْقِ-

۲۱۴ حدود سے تجاوز کرنے کی ممانعت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم حدوں سے نہیں بڑھنا کہ بے شک اللہ تعالیٰ حدوں سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ یعنی ان حدود سے جو کہ شریعتِ مقدسہ نے تمہارے لئے مقرر فرمائی ہیں کہ ان میں خود تمہارا ہی بھلا ہے دنیا کی اِس عارضی اور فانی زندگی میں بھی اور اسکے بعد آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہان میں بھی۔ اللہ پاک- سبحانہٗ وتعالیٰ- نے جن چیزوں کو حرام فرمایا ہے وہ گنتی کی اور چند ایک ہیں۔ اور ان کی حیثیت اللہ تعالیٰ کی حدود کی ہے۔ ان کو پھلانگنا اور تجاوز کرنا ممنوع و محظور ہے۔ اور جو کوئی اپنی حماقت اور سرکشی کی بناء پر ان کو پھلانگے گا- والعیاذ باللہ- تو وہ معتدی اور ظالم ہوگا۔ جس کو اپنے کیے کرائے کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا۔ اور یہ ایک قطعی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ حدود سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا- سبحانہٗ وتعالیٰ- اور اگر غور کیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ دین و دنیا کے ہر معاملے میں اصل چیز حدود کی پابندی ہی ہے۔ اور حدود سے تجاوز میں خرابی و فساد۔ اس لیے قرآنِ حکیم میں جگہ جگہ حدود کی پابندی اور ان کے التزام کا درس دیا گیا ہے- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید-

وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡۤ اَنۡتُمۡ بِهٖ مُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۸۸﴾ لَا یُؤَاخِذُکُمُ

تم کو اللہ نے (اپنے فضل و کرم سے)، ۲۱۵ حلال اور پاکیزہ، ۲۱۶ اور ہمیشہ ڈرتے (اور بچتے) رہا کرو تم لوگ اس اللہ (کی نافرمانی) سے،

اللّٰهُ بِاللَّغۡوِ فِیۡۤ اَیۡمَانِکُمۡ وَ لٰکِنۡ یُّؤَاخِذُکُمۡ بِمَا

جس پر تم ایمان رکھتے ہو، ۲۱۷ اللہ تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا تمہاری لغو (اور بے مقصد) قسموں پر مگر وہ تمہاری ان قسموں پر ۲۱۸ تمہاری

عَقَّدۡتُّمُ الۡاَیۡمَانَ ۚ فَکَفَّارَتُهٗۤ اِطۡعَامُ عَشَرَةِ

گرفت ضرور فرمائے گا جو تم نے اپنے قصد (و ارادہ) سے کھائی ہوں، ۲۱۹ پس ایسی قسم (کے توڑنے) ۲۲۰ کا کفارہ یہ ہے کہ دس

۲۱۵ نعمتوں سے سرفرازی کا تقاضا شکر و سپاسِ خداوندی: — سو ارشاد فرمایا گیا اور کھاؤ [پیو] تم لوگ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو تم کو اللہ نے عطا فرمائی ہیں۔ اور اس نے تم کو وہ محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائیں ورنہ تمہارا نہ کوئی حق تھا نہ اِستحقاق۔ اور نہ ہی کوئی سوال و درخواست۔ سو کتنا کرم اور کس قدر فضل و احسان ہے اس وحدہٗ لاشریک کا تم پر۔ پس اس کے بدلے میں تم لوگ سراپا شکر و سپاس بن جاؤ اُس واہبِ مطلق کیلئے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ کہ نعمتوں سے سرفرازی کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اُس واہبِ مطلق کیلئے سراسر شکر و سپاس بن جائے تاکہ اس طرح اس کا حقِ شکر بھی ادا ہو اور تاکہ اس طرح یہ نعمتیں تمہارے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ بھی بن سکیں۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا التَّوْفِیْقَ لِذَالِکَ۔ سو اس ارشادِ ربانی سے دو بڑے عظیم الشان درس دیئے گئے۔ ایک یہ کہ انسان کو جو بھی کوئی نعمت ملتی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔ ﴿وَمَا بِکُمۡ مِّنۡ نِّعۡمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فَاِلَیۡهِ تَجۡـَٔرُوۡنَ﴾ ۔ (النحل: ۵۳) اور دوسرا اہم درس اس ارشاد سے یہ دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی ان نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس کی بخشی ہوئی ان گوناگوں نعمتوں سے فائدہ اٹھائے اور ان پر دل و جان سے اُس واہبِ مطلق کا شکر ادا کرے۔ وباللّٰہ التوفیق لما یُحبُّ وَیُرِیدُ وعلٰی ما یحب ویرید۔

۲۱۶ اکلِ طیبات کیلئے دو شرطیں: — سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ کھاؤ پیو پاکیزہ چیزوں میں سے حلال اور پاکیزہ۔ سو اکلِ طیبات کیلئے تو دو شرطیں ہوگئیں۔ ایک یہ کہ وہ چیز حلال ہو حرام نہ ہو۔ اور دوسری یہ کہ حلال ہونے کے ساتھ ساتھ وہ پاکیزہ بھی ہو۔ اسمیں کوئی ناپاک چیز شامل نہ ہو۔ تو جب حلال و پاکیزہ چیزیں بیشمار ہیں اور ان کو کھانے اور استعمال کرنے کی تمہیں اجازت بھی ہے۔ اور حرام چیزیں اس کے مقابلے میں بہت تھوڑی اور گنی چنی تو پھر تم لوگوں کو ان حلال اور پاکیزہ چیزوں کو چھوڑ کر ناپاک اور ممنوع و محذور چیزوں کی طرف لپکنے اور ہاتھ بڑھانے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے؟۔ پس تم لوگوں کیلئے صحت و سلامتی کی راہ یہی ہے کہ تم اپنے خالق و مالک کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر حلال اور پاکیزہ چیزوں سے استفادہ کرو۔ اور اس پر اُس واہبِ مطلق کا شکر ادا کرو کہ یہ اس کا تم پر حق ہے اور اسی میں تمہارا بھلا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۲۱۷ تقویٰ و پرہیزگاری ایمان کا تقاضا: — سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ ہمیشہ ڈرتے رہا کرو اس اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو کہ تمہارے ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ تم ہمیشہ اور ہر حال میں اُس وحدہٗ لاشریک سے ڈرتے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہو۔ ورنہ ایمان کا دعویٰ محض زبانی جمع خرچ ہوگا جس سے اصل مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو تقویٰ و

پرہیزگاری ایمان کا لازمی تقاضا اور ثبوت ہے۔ اسی لیے یہاں پر اسکو ایمان کیلئے شرط قرار دیا گیا۔ وباللہ التوفیق۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہا کرو اگر تم لوگ واقعی ایماندار ہو۔ وباللہِ التوفیق۔ سو تقویٰ و پرہیزگاری سے محرومی کی صورت میں۔ والعیاذ باللہ۔ ایمان ویقین کا دعویٰ محض زبانی جمع خرچ بن کر رہ جائے گا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۱۸ یمینِ لغو پر کوئی مؤاخذہ نہیں: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تمہاری لغو (اور بے مقصد) قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا۔ "یمینِ لغو" یہ کہ یونہی قسم کھالی جائے۔ جیسے عرب لوگ بلا قصد وارادہ "لا وَاللّٰہِ" اور "بَلٰی وَاللّٰہِ" کے الفاظ سے قسمیں کھالیا کرتے تھے اور آج بھی کھاتے ہیں۔ اسی طرح جو قسم بھولے سے کھائی جائے یا ظنِ غالب کی بناء پر کھالی جائے وغیرہ۔ (ابن کثیر، محاسن التاویل، صفوۃ البیان، جامع البیان اور صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ کیونکہ ان میں سے کسی بھی قسم میں حالف کی طرف سے قسم کا قصد وارادہ نہیں پایا جاتا۔ اور مؤاخذہ وعدم مؤاخذہ کا مدار وانحصار اسی پر ہوتا ہے۔ اور "یمینِ غموس" "جو گزشتہ کسی کام کے بارے میں جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھالی جائے۔ اس پر دنیاوی مؤاخذہ یعنی کفارہ اگرچہ نہیں ہوتا لیکن اُخروی مؤاخذہ یعنی گناہ اور اس کا وبال تو بہر حال ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ کبیرہ گناہ ہے۔ اسی لئے اس کو غموس کہتے ہیں جس کے معنی غوطہ لگانے کے آتے ہیں۔ کیونکہ ایسے شخص نے گویا گناہ کے اندر غوطہ لگالیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو ایسے میں لغو کا ترجمہ "بیہودہ قسموں" سے کرنا صحیح نہیں لگتا، جیسا کہ اردو تراجم میں عام طور پر پایا جاتا ہے۔ کیونکہ بیہودہ کا لفظ اور معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور یہاں پر مقصد اور ہے۔ والعلمُ عند اللہ تعالیٰ۔ اللہ ہمیشہ حق سمجھنے اور کہنے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔

۲۱۹ مؤاخذہ یمینِ منعقدہ پر ہوتا ہے: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ تمہاری ان قسموں پر تمہاری گرفت ضرور فرمائے گا جو تم لوگوں نے اپنے قصد (وارادہ) سے کھائی ہوں۔ یعنی ایسی قسم پر جو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کیلئے کھائی گئی ہو۔ ایسی قسم کو یمینِ منعقدہ کہا جاتا ہے۔ اور اس کو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ اسکے توڑنے پر کفارہ لازم آتا ہے جو کہ آگے بیان فرمایا جارہا ہے۔ سو مؤاخذہ اور کفارہ ایسی ہی قسم پر ہوتا ہے جو کہ یمینِ منعقدہ کہلاتی ہے جس کو یہاں پر "عقد" کے لفظ سے بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی وہ قسمیں جو تم نے دل کے پختہ قصد وارادے سے کھائی ہوں۔ اور ایسی ہی قسموں کے بارے میں سورۂ بقرہ میں اِرشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَلٰکِنۡ یُّؤَاخِذُکُمۡ بِمَا کَسَبَتۡ قُلُوۡبُکُمۡ﴾۔ یعنی "وہ اُن قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا جو تم نے اپنے دل کے ارادے سے کھائی ہوں"۔ اور پھر ان کو توڑ دیا ہو۔ والعیاذ باللہ۔

۲۲۰ یمینِ منعقدہ کے توڑنے پر کفارہ: ۔ یعنی یہاں پر عبارت میں حذف ہے۔ (جامع البیان، ابن کثیر، صفوۃ التفاسیر اور محاسن التاویل وغیرہ)۔ اور یہ ایک ظاہر وباہر امر ہے۔ کیونکہ کفارہ محض قسم پر نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے توڑنے پر ہی ہوسکتا ہے یعنی "حِنث" پر۔ اسی کی طرف ہم نے اپنے ترجمے میں اشارہ کیا ہے۔ یعنی بین القوسین کی عبارت بڑھا کر۔ والحمد للہ جل وعلا۔ بہر کیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ بندوں کی غیر اختیاری قسموں پر تو کوئی گرفت ومؤاخذہ نہیں لیکن جو قسمیں دل کے کسب وارادے سے کھائی گئی ہوں، جن کے ذریعے کوئی عہد وپیمان بندھتا ہو، جن سے حقوق وفرائض کے سلسلے میں کوئی اثر مرتب ہوتا ہو یا جو شریعت کی تحلیل وتحریم میں خلل انداز ہوں، ان پر اللہ تعالیٰ گرفت ومواخذہ فرمائیگا۔ اللہ تعالیٰ کے نام پاک کو جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے، خلاف شرع یا جھوٹی قسموں کا ہدف بنانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ پس اس طرح کی قسم کھانے کے بعد جب کوئی اس کے "حِنث" یعنی توڑنے کا مرتکب ہوگا اس کو کفارہ دینا پڑیگا۔ جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ

مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے، وہ درمیانہ درجے کا کھانا جو تم لوگ خود اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا انہیں کپڑے پہنا دو،

اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ

یا ایک گردن (غلام یا لونڈی) آزاد کردو، ۲۲۱ اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے،

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا

یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا، جب کہ تم قسم کھا (کر اسے توڑ) لو، اور حفاظت کیا کرو تم لوگ

اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ

اپنی قسموں کی، ۲۲۲ اسی طرح اللہ کھول کر بیان فرماتا ہے، ۲۲۳ تمہارے لئے اپنی آیتیں (اور احکام) تا کہ تم لوگ

تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ

شکر ادا کرو، ۲۲۴ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، سوائے اس کے نہیں کہ شراب،

۲۲۱ **کفارۂ یمین کی تین صورتوں کا ذکر و بیان:** ۔ سو یمینِ منعقدہ کے کفارے میں حانث کو تین باتوں میں سے کسی ایک کا اختیار ہے۔ پس حانث کو ان تینوں باتوں میں اختیار ہے چاہے تو وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ان کو کپڑا پہنائے یا کوئی گردن آزاد کرے۔ کہ حرفِ "اَوْ" یہاں پر تخییر کے لئے ہے۔ جمہور کا یہی کہنا ہے۔ (جامع، محاسن، صفوۃ وغیرہ)۔ اور اگر ان تینوں میں سے کوئی بھی نہ کر سکے تو پھر وہ تین دن کے روزے رکھے پے در پے۔ چنانچہ حضرتِ ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ جب کفارۂ یمین کے بارے میں یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو حضرتِ حذیفہؓ نے اللہ کے رسول کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا ہمیں اس بارے اختیار دیا گیا ہے؟ تو آپؐ نے اسکے جواب میں اِرشاد فرمایا کہ ہاں تمہیں اس بارے اختیار ہے۔ اگر تم چاہو تو ایک غلام آزاد کرلو اور چاہو کپڑے پہنا دو اور چاہو تو کھانا کھلا دو۔ اور جو کوئی ایسا نہ کر سکے وہ لگاتار تین دن روزے رکھے۔ (المراغی، المحاسن اور ابنِ کثیر وغیرہ)۔ بہرکیف یمینِ منعقدہ میں "حِنث" کی صورت میں مذکورہ بالا تفصیل کے ساتھ کفارہ دینا ہوگا۔

۲۲۲ **قسموں کی حفاظت کی تلقین و تعلیم:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ حفاظت کیا کرو اپنی قسموں کی کہ اول تو قسم بلاوجہ اور فوری طور پر کھائی ہی نہ جائے۔ اسی لئے زیادہ قسمیں کھانا منافق کی خصلت بتائی گئی

ہے۔ اور اگر کبھی قسم کھانا پڑ جائے تو اسے توڑا نہ کرو۔ اور اگر کبھی توڑنا پڑ جائے تو اس کا کفارہ ضرور ادا کیا کرو تا کہ اللہ تعالیٰ کے نامِ پاک کی تعظیم کے تقاضے پورے ہوسکیں اور دلوں میں اسکی عظمتِ شان اور جلالتِ قدر باقی رہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ نیز اس میں یہ بھی داخل ہے کہ قسم صرف اللہ پاک کے نام ہی کی کھائی جائے کہ وہی ذاتِ اقدس واعلیٰ اس لائق ہے کہ اس کے نام پاک کی قسم کھائی جائے۔ اس کے سوا کسی اور کی نہ ایسی کوئی اہلیت اور صلاحیت ہوسکتی ہے اور نہ ہی اس کے لئے کسی قسم کا کوئی جواز۔ اس لئے اس کے سوا کسی اور کے نام کی قسم کھانے کو کفر اور شرک قرار دیا گیا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو یہ سب ہی صورتیں قسم کی حفاظت میں داخل ہیں۔ وَبِاللّٰہِ التَّوفیق لما یُحِبُّ ویرِیْد وَعَلٰی ما یُحِبُّ ویرید سبحانہ و تعالی۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ''حفاظت کیا کرو تم لوگ اپنی قسموں کی''۔

۲۲۳ تبیینِ آیات ایک عظیم الشان نعمتِ خداوندی: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے تم لوگوں کے لیے اپنی آیتیں اور احکام۔ سو اللہ اسی طرح اپنے اَحکام بیان فرماتا ہے جس طرح یہاں پر قسم سے متعلق بیان فرمائے ہیں تاکہ تم لوگ ان کے مطابق عمل کر سکو۔ اور اس طرح دارَین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ ور ہوسکو۔ اور اللہ تعالیٰ کے اَحکام کی روشنی میں اپنے مالوں اور اپنی زبانوں اور دوسرے اعضاء و جوارح کو صحیح طور پر استعمال کر کے اپنے خالق و مالک کی رضاء و خوشنودی کی نعمت سے سرفراز ہوسکو ورنہ تم اندھیروں میں غلطاں و پیچاں رہتے۔ سو تبیینِ آیات ایک عظیم الشان نعمتِ خداوندی ہے جس سے اس نے اپنے بندوں کو محض اپنے فضل و کرم سے نوازا ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ تاکہ ان کے ساتھ راہِ حق اور اس کے تمام تقاضے پوری طرح واضح ہو جائیں۔

۲۲۴ شکرِ نعمت ایک مطلب جلیل: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے تم لوگوں کے لیے اپنی آیات اور احکام تاکہ تم لوگ شکر ادا کرو کہ شکرِ نعمت دارَین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرنے والی نعمت ہے۔ یعنی تاکہ تم لوگ شکر ادا کرو اپنے اس ربِّ کریم کا جس نے تمہیں اپنی ان نعمتوں سے نوازا اور سرفراز فرمایا ہے۔ اور اس کی نعمتوں کو بے جا صرف و استعمال نہ کرو جن میں سے ایک عظیم الشان نعمت زبان بھی ہے جو کہ دراصل اللہ پاک کے ذکر اور اس کی تقدیس و تعظیم ہی کے لئے پیدا فرمائی گئی ہے۔ پس اُس واہبِ مطلق کا اسکی عطاء فرمودہ نعمتوں پر شکر ادا کر کے تم لوگ اسکی رضاء و خوشنودی سے سرفراز ہوسکو۔ اور اس طرح یہ نعمتیں تمہارے لیے دارَین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ بن جائیں۔ شکرِ نعمت دارَین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرنے والی نعمت ہے۔ سو اس سب کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اور دل و جان سے اپنے خالق و مالک کے لئے سراپا شکر و سپاس بن جائے۔ وَبِاللّٰہِ التوفیق لما یُحِبُّ ویُرِیْدُ وَعَلٰی ما یُحِبُّ و یرید۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔

وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ

جوا اور آستانے، ۲۲۵ اور پانسے، ۲۲۶ پلید، (اور) شیطانی

الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ

کام ہیں، ۲۲۷ پس تم لوگ ہمیشہ ان سے (دور ونفور اور) بچ کر رہا کرو، تاکہ تم فلاح پاسکو، شیطان تو

الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي

یہی چاہتا ہے کہ وہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض

الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ

شراب (خانہ خراب) اور جوئے کے ذریعے ۲۲۸ اور وہ تمہیں روک دے اللہ کے ذکر (اور اس کی یاد دلشاد) ۲۲۹ اور نماز

۲۲۵ "نُصُب" کا معنیٰ ومفہوم:- "نصب"، "نصاب" کی جمع ہے جیسے "کتب"، "کتاب" کی جمع ہے۔ اور "نصب" ان آستانوں اور خاص مقرر کردہ چیزوں کا نام ہے جن کو مقرر اور نصب کر کے مشرکین ان کے پاس نیازیں دیتے، چڑھاوے چڑھاتے اور نذرانے پیش کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ آج بھی برصغیر کے مختلف ملکوں اور علاقوں میں کھلے مشرکوں کے علاوہ بہت سے جاہل مسلمانوں نے بھی ایسے مختلف پتھر یا درخت وغیرہ مقرر کر رکھے ہیں جہاں ایسے جاہل لوگ جا کر جھنڈیاں باندھتے، نذر و نیاز پیش کرتے اور میلے ٹھیلے لگاتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ پھر "اَنصاب" اور "اَصنام" میں فرق یہ ہے کہ پھر اگر صورت والا ہو تو وہ "صنم" ہوگا اور اگر اَن گھڑ ہو تو وہ "انصاب" ہے۔ (روح، بحر اور معارف وغیرہ)۔ بہرکیف جس کسی چیز کو بت وغیرہ کسی بھی شکل میں نذر و نیاز کے پیش کرنے کے لئے مقرر کیا جائے وہ "نصب" کہلائیگی۔ اور اس کے پاس پیش کی جانے والی نذر و نیاز حرام ہے کہ اس سے غیر اللہ کا تقرب مقصود ہوتا ہے جو کہ حرام ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۲۲۶ "اَزْلَام" سے مقصود و مراد؟:- "اَزْلَام" سے مراد جوئے کے وہ تیر ہیں جو ان لوگوں نے بیت اللہ کے مجاور کے پاس رکھے ہوتے تھے۔ اور پانسے کے یہ تیر دو قسم کے ہوتے تھے۔ ایک سے وہ لوگ جوا کھیلتے تھے اور ایک سے فال نکالتے تھے۔ (معارف از کاندھلویؒ، المراغی اور صفوۃ وغیرہ)۔ اور یہ تمام امور چونکہ توہمات پر مبنی اور میسرۃ و قمار کے ذرائع میں سے تھے اس لیے اسلام نے ان کو حرام قرار دیا۔ اور جوئے کے ان تیروں سے وہ لوگ قسمت کا حال بھی معلوم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ کوئی غرض مند اپنے سفرِ تجارت یا شادی وغیرہ کسی چیز کے بارے میں حال معلوم کرنا چاہتا تو کسی کاہن کے پاس چلا جاتا جو تیر نکالتا۔ اور اس کے پاس تین قسم کے تیر ہوتے تھے۔ ایک پر لکھا ہوتا "نَعَم" یعنی "ہاں"۔ اور دوسرے پر "لا" یعنی "نہیں"۔ اور تیسرے پر کچھ بھی نہیں لکھا ہوتا تھا۔ پس اگر "نعم" یعنی "ہاں" والا تیر نکل آتا تو کاہن ان سے کہتا ہاں تم یہ کام کرلو۔ اور "لا" یعنی "نہیں" والا تیر نکلتا تو وہ ان سے کہتا نہیں تم

یہ کام مت کرو۔ اور اگر کچھ بھی نہ لکھا ہوتا تو وہ ان سے کہتا کہ تم ابھی انتظار کرو۔ فی الحال کچھ بھی نہ کرو۔ پھر اس کے لئے آئندہ پھر اسی طرح سے فال گیری کی جاتی۔ اور وہ لوگ عوام الناس کو الو بناتے اور اپنا الو سیدھا کرتے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو دینِ حنیف نے ایسی تمام خرافات کو ممنوع قرار دیا۔ والحمد للہ جل وعلا

۲۲۷ شراب اور جوا وغیرہ سب شیطانی کام:۔ سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ خمر وغیرہ سب شیطانی کام اور انسان کی ہلاکت اور تباہی کا باعث ہیں۔ پس تم لوگ اس سے بچو اے ایمان والو کہ یہ تمہاری تذلیل و تباہی کا باعث ہیں کہ خمر۔ شراب۔ سے عقل کا وہ جوہر زائل ہو جاتا ہے جو کہ قدرت کا ایک بے مثال اور عظیم الشان عطیہ ہے۔ اور جس کے بغیر بھلے برے کے درمیان کوئی تمیز نہیں کی جاسکتی۔ اور جوا مال کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ یہاں تک کہ کبھی انسان اسکی بناء پر اپنی بیوی بچوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ نیز اس کے باعث انسان کمانے اور محنت کر کے روزی حاصل کرنے کے شرف واعزاز سے محروم ہو جاتا ہے اور اسکے نتیجے میں وہ ایک عضوِ معطل اور بیکار انسان بن کر رہ جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور بت پرستی اور آستانہ پرستی انسان کی انتہائی تذلیل ہے کہ وہ انسان جیسی اشرف المخلوقات ہو کر جمادِ لَا یَعْقِلُ کے آگے جھکتا ہے اور خود ساختہ اور من گھڑت چیزوں کو اپنا معبود بناتا ہے۔ اور اس طرح وہ اپنی تذلیل و تحقیر اور ہلاکت و تباہی کا سامان خود کرتا ہے اور ہلاکت و تباہی کے گڑھے میں گرتا جاتا ہے۔ مگر اس کو اس کا احساس بھی نہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۲۲۸ شراب اور جوا بغض و عداوت کا ذریعہ۔ والعیاذُ باللہ:۔ کہ شراب سے جب آدمی کی عقل زائل ہو جاتی ہے تو وہ بے ہودہ گوئی کرتا ہے جس سے بات مار پیٹ اور قتل و قتال تک جا پہنچتی ہے۔ اور جوئے میں بازی ہارنے والا شخص جب اپنا مال اپنے حریف کے پاس دیکھتا ہے تو خواہ مخواہ اس کے دل میں حسد، بغض اور جلن کے احساسات جنم لیتے ہیں جس سے پھر آگے طرح طرح کے فتنے اور فساد ابھرتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اور بُغض و عداوت اور نفرت و بغاوت کے جذبات بھڑکتے ہیں۔ اور ہر ایک اس کی کوشش کرتا ہے کہ وہ کسی طرح انتقام لے اور اپنے جوشِ عداوت کو ٹھنڈا کرے۔ اور اس سے دنگا و فساد، بے عزتی و خرابی اور لڑائی جھگڑے کی طرح طرح کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اور اَفراد و اَشخاص کی یہ لڑائی اور نفرت بعض اوقات قوموں اور قبیلوں کے درمیان جنگ بن جاتی ہے اور انتقام در انتقام کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور اسکی ہلاکت خیزیوں اور تباہ کاریوں کا ایک تباہ کن سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۲۲۹ شراب اور جوا وغیرہ یادِ خداوندی سے محرومی کا باعث۔ والعیاذُ باللہ:۔ جو کہ ایک بڑا ہی ہولناک خسارہ اور نقصان ہے کہ اللہ کا ذکر اور اسکی یادِ دلشاد تو دلوں کی زندگی اور ان کی تقویت و تازگی کا ذریعہ ہے۔ تو اس سے محرومی تو گویا اپنی زندگی ہی سے محرومی ہے جو کہ خساروں کا خسارہ اور ہلاکتوں کی ہلاکت ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کی رو سے انسان کی زندگی اور اُس کی عزت و عظمت اور رفعت و سربلندی ذکرِ الٰہی اور یادِ خداوندی ہی کے ساتھ وابستہ ہے۔ سو یادِ الٰہی سے غفلت و محرومی اپنے مقصدِ حیات سے غفلت اور اپنی قدر و قیمت سے محرومی ہے۔ اور خدا فراموشی درحقیقت خود فراموشی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ﴿نَسُوا اللّٰہَ فَانْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾۔

الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ

سے، ۲۳۰ سو (اب بتلاؤ کہ یہ سب کچھ سننے کے بعد) کیا تم باز آتے ہو (کہ نہیں؟) ۲۳۱ اور (دل کی خوشی سے) حکم مانو تم لوگ اللہ کا،

وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ

اور اس کے رسول کا، ۲۳۲ اور تم بچتے رہو، ۲۳۳ پھر اگر تم لوگ پھر گئے

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ

تو یقین جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمے تو صرف پہنچا دینا ہے کھول کر، ۲۳۴ کوئی گناہ

۲۳۰ شراب اور جوا نماز سے محرومی کا باعث - والعیاذُ باللہ: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ شیطان چاہتا ہے کہ تم لوگوں کو ان چیزوں کے ذریعے نماز سے روک دے جو کہ تمہارے دین کا بنیادی ستون ہے اور اس کو ضائع کرنا پورے دین کو ضائع کرنا ہے۔ اور دین کا ضیاع دراصل دنیا و آخرت دونوں کا ضیاع ہے۔ تو پھر اس سے بڑھ کر نقصان اور ضیاع اور کیا ہوسکتا ہے؟ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو ذکر اللہ کے بعد صلوٰۃ یعنی نماز کا ذکر تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے ہے۔ کیونکہ نماز ذکر اور یادِ خداوندی کا سب سے بڑا مظہر اور اہم ذریعہ وثبوت ہے کہ اس کے ذریعے انسان اپنے ظاہر و باطن ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی میں مشغول ہوتا ہے۔ اور اللہ پاک کی یادِ دلشاد ایسی عظیم الشان نعمت ہے جو انسان کو اصل حقائق سے غافل نہیں ہونے دیتی۔ جس کا نتیجہ اور فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کبھی گمراہ نہیں ہوتا۔ جب کبھی اس سے کوئی لغزش ہو جاتی ہے تو اللہ پاک کی یاد اس کو سنبھال لیتی ہے اور پھر سیدھی راہ پر ڈال دیتی ہے۔ اس لئے شیطان اس کو اس دولت سے محروم کرنا چاہتا ہے کہ اس سے محرومی کے بعد وہ ہلاکت و تباہی کے دائمی کھڈے میں جا گرتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۲۳۱ محرمات سے بچنے کی پر زور ترغیب و تحریض: - سو تخصیص و ترغیب کے طور پر استفہامیہ انداز و اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم لوگ باز آتے ہو؟ یعنی تم کو باز آنا چاہیے۔ سو اس ارشاد سے شرابِ خانہ خراب جیسی محرمات سے بچنے کی پر زور ترغیب و تحریض فرمائی گئی ہے کہ آیت کے آخر میں استفہام کے طور پر فرمایا گیا "تو کیا تم لوگ باز آتے ہو؟"۔ یعنی یہ سب کچھ سننے اور جاننے کے بعد تم لوگوں کو ضرور باز آنا چاہیئے اور ان محرمات سے پوری طرح رک جانا چاہیئے۔ حضراتِ اہلِ علم کا کہنا ہے کہ اس طرح استفہام والا یہ اُسلوب صریح نہی سے کہیں بڑھ کر مؤثر اور بلیغ ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت عمر - رضی اللہ عنہ - نے اس پر فرمایا تھا - "اِنْتَهَيْنَا رَبَّنَآ اِنْتَهَيْنَا" - "ہم باز آگئے اے ہمارے رب ہم باز آگئے"۔ یعنی یہ اُسلوبِ بیان انتہائی بلیغ اور نہایت مؤثر اسلوب و اندازِ بیان ہے۔ سو اس اُسلوبِ بیان میں امر کے ساتھ زجر و تنبیہ، موعظت و تاکید اور اِتمامِ حجت کا معنیٰ و مفہوم بھی پایا جاتا ہے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید -

۲۳۲ اِطاعتِ خدا و رسول کا حکم و ارشاد :- سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور یہ اس لیے کہ اطاعتِ خدا و رسول ذریعۂ نجات وفلاح ہے۔ اسی لیے اللہ اور اُسکے رسول کی اِطاعت وفرمانبرداری کا حکم وارشاد فرمایا گیا کہ سعادتِ دارَین سے سرفرازی کا واحد ذریعہ یہی ہے اور اسی سے فلاح ونجات کی دولت نصیب ہو سکتی ہے۔ پس تم اطاعت کرو اللہ اور اسکے رسول کی اور ان کا حکم مانو ہر معاملے میں۔ اور بلاچوں و چرا مانو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اِطاعت وفرمانبرداری مطلق ہے۔ اس لئے کہ اس میں کسی خطا ونسیان کا کوئی خطرہ و خدشہ نہیں ہوسکتا۔ اور اس میں انسان کا بھلا ہی بھلا ہے۔ پس اللہ اور اسکے رسول نے جس چیز سے تمہیں روکا ہو اس سے رک جاؤ اور جس کو کرنے کا حکم و اِرشاد فرمایا ہو اسکو برضاء ورغبت بجالاؤ کہ تمہارے ایمان وعقیدہ کا تقاضا یہی ہے۔ اور تمہارے لئے دارَین کی سعادت و سرخروئی بھی اسی میں ہے۔ جبکہ اس سے انحراف اور روگردانی میں خود تمہارا ہی خسارہ اور نقصان ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ سو اس سے اوپر والی تنبیہ کی مزید تاکید فرما دی گئی۔ اور یہ ہدایت فرما دی گئی کہ تم لوگ شیطان کے بچھائے ہوئے جال سے نکل کر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپناؤ کہ اسی میں تمہارا بھلا ہے۔ دنیا کی اِس عارضی اور فانی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی۔ وباللّٰہ التوفیق لمایحب ویرید۔

۲۳۳ حذر و احتیاط کی تعلیم و تلقین :- سو ارشاد فرمایا گیا اور بچتے رہو تم لوگ اے مسلمانو اللہ اور اس کے رسول کی معصیت و نافرمانی سے کہ اسی میں تمہارے لئے بہتری اور بھلائی ہے دنیا و آخرت کی۔ اور اسی میں تمہارے لئے دارَین کی سعادت و سرخروئی کا سامان ہے۔ جبکہ معصیت و نافرمانی میں خود تمہارا ہی خسارہ ونقصان ہے دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی۔ وباللہ التوفیق۔ سو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری بندوں پر فرض ہے۔ اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری مطلق اور بغیر کسی شرط و قید کے ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اِطاعت وفرمانبرداری غیر مشروط۔ اور صدق واخلاص والی اطاعت وفرمانبرداری ہی میں لوگوں کا بھلا اور فائدہ ہے دنیا و آخرت دونوں میں۔ وباللہ التوفیق۔ سو اس ارشاد سے مومن کے دائرۂ کار کو پوری طرح واضح فرما دیا گیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی صدقِ دل سے اطاعت وفرمانبرداری کرے کہ یہ ان کا اس پر حق ہے اور اسی میں اس کا بھلا ہے۔ اور یہ کہ اس کی معصیت و نافرمانی سے ہمیشہ بچتا رہے اور بچے رہنے کی فکر و کوشش میں رہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید وہو الہادی الی سواء السبیل۔

۲۳۴ رسول کی ذمہ داری تبلیغ حق ہے اور بس :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگ پھر گئے تو یقین جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمے پہنچا دینا ہے کھول کر۔ یعنی ان کے ذمے پہنچا دینا ہے حق اور حقیقت کو۔ اور وہ انہوں نے کر دیا۔ اس لئے اب ان پر نہ کوئی اِلزام ہے نہ ذمہ داری کہ ان کا کام تو صرف پہنچا دینا ہے پیغامِ حق کو۔ آگے منوا لینا نہ ان کے بس میں ہے اور نہ ہی یہ ان کی ذمہ داری ہے۔ تبلیغِ حق کی اس ذمہ داری کی تکمیل کے بعد جو مانیں گے وہ اپنا ہی بھلا کریں گے اور جو اِعراض و روگردانی سے کام لیں گے وہ خود اپنا ہی نقصان کریں گے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ سو پیغمبر کی تبلیغ کے بعد اِتمامِ حجت ہو گیا۔ اور نہ ماننے والوں کے لئے کوئی حیل و حجت اور عذر و بہانہ باقی نہیں رہ گیا۔ اب جو نہیں مانیں گے ان کو اپنا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔

عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا

(اور پکڑ) نہیں ان لوگوں پر جو (صدق دل سے) ایمان لائے، اور انہوں نے (اس کے مطابق) کام بھی نیک کیے، اس

طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

میں جو کہ انہوں نے کھا (پی) لیا ۲۳۵ (حکم حرمت سے پہلے) جب کہ وہ بچتے رہے (اس وقت کی محرمات سے،) ۲۳۶ اور وہ ثابت

۲۳۵ ایمان اور عملِ صالح ذریعۂ نجات: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی نیک کیے ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو کہ انہوں نے کھا پی لیا ان حرام چیزوں میں سے جن کی حرمت کا حکم بعد میں نازل ہوا کہ وہ اس کے مکلف اور پابند تھے ہی نہیں۔ اس لئے نہی کا حکم نازل ہونے سے پہلے جو کچھ ہو گیا اس سے متعلق ان پر کوئی گناہ نہیں۔ سو ایمانِ صادق ایک عظیم الشان اور انقلاب آفریں دولت ہے جسکے بعد ہر حالت خیر ہی خیر ہے۔ اور جس کے بعد کسی بھی صورت میں ناکامی اور خسارے کا کوئی سوال نہیں بشرطیکہ ایمان سچا ایمان ہو اور بندۂ مومن اپنے ایمان کے مقتضیٰ پر صدقِ دل سے عمل کرتا ہو- وَبِاللّٰہِ التوفیق، لما یُحبُّ ویرید وعلی ما یُحِبُ ویُرِید- اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ بہرکیف ایمان کی برکت سے پچھلے تمام گناہوں کی میل ڈھل جاتی ہے۔ سو ایمان اور عملِ صالح ذریعۂ نجات اور وسیلۂ فوز وفلاح ہیں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

۲۳۶ تقوٰی تقاضائے ایمان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایمان والوں پر کوئی مؤاخذہ اور گرفت نہیں جبکہ وہ بچتے رہیں ان چیزوں سے جن کی حرمت کا حکم نازل ہو چکا تھا کہ مومن کی شان ہی ''اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا'' کی شان ہوتی ہے کہ جو حکم و اِرشاد بھی اس کو اپنے خالق و مالک کی طرف سے ملے اس کو وہ بلا کسی پس وبیش اور چون وچرا کے بجائے لائے کہ اسکے ایمان و یقین کا تقاضا یہی ہے۔ اور اسی میں اسکی بہتری اور بھلائی ہے۔ بہرکیف اس اِرشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی ایسی چیز پر کوئی گرفت و پکڑ نہیں ہو گی جس کے بارے میں کسی صریح ممانعت کی خلاف ورزی کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو۔ شریعتِ الٰہی کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ جس چیز کے بارے میں جو حد متعین کر دی گئی ہو اس کی پابندی اور اس کا احترام کیا جائے۔ پھر شریعت ہی کی طرف سے اگر اس میں کچھ اضافہ کیا جائے تو اس کو پورے صدق و اخلاص سے نبھایا جائے- وباللہ التوفیق لما یحبُّ وَیُرِیْد- سو تقوٰی ایمان کا اہم اور بنیادی تقاضا ہے۔ اور اسی پر اصل مدار و انحصار ہے۔

ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ

قدم رہے اپنے ایمان پر، اور کام بھی نیک کرتے رہے، پھر وہ بچتے رہے (نئی حرام کردہ چیزوں سے،) ۲۳۷ اور وہ نیکوکار رہے،

يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ع ٩٣ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ ع ۱۲ ۷ ۲

اور اللہ محبت فرماتا ہے نیکوکاروں سے، ۲۳۸ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ ضرور تمہاری آزمائش کرے گا ۲۳۹

۲۳۷ تقویٰ کی عظمت و اہمیت: - سو یہاں پر اس آیت کریمہ میں تقویٰ کا ذکر تین بار فرمایا گیا ہے جس سے تقویٰ کی عظمت و اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ بعض حضرات اہل علم نے کہا ہے کہ یہاں پر پہلے تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ وہ شرک سے بچ کر ایمان لائے ہوں۔ اور دوسرے موقع پر تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ اس پر انہوں نے مداومت و ہمیشگی کی ہو اور وہ اس پر ثابت قدم رہے ہوں۔ جبکہ تیسرے موقع پر تقویٰ سے مراد ہے کہ وہ گناہوں سے بچ کر رہے ہوں اور انہوں نے نیک کام بھی کیے ہوں۔ سو اس اعادہ و تکرار سے تقویٰ کی عظمت و اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ (التسہیل لعلوم التنزیل، محاسن التاویل وغیرہ) کہ تقویٰ ہی حقیقت میں دارین کی سعادت و سرخروئی کا ضامن و کفیل ہے۔ اور اسی سے انسان طرح طرح کی عنایات خداوندی سے سرفراز ہوتا ہے۔ بہر کیف اس آیت کریمہ سے ایک طرف یہ واضح ہو جاتا ہے کہ شریعت اسلامی میں احکام کا نزول بتدریج ہوا ہے اور تدریج کے اس طریقہ کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی سہولت اور ان کی بہتری کے لئے اختیار فرمایا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر گرفت و پکڑ اور مؤاخذہ نہیں فرمائیگا جنہوں نے اس کی بخشی ہوئی اس رخصت سے فائدہ اٹھایا۔ اور یہ تدریج عموماً تین مدارج پر رہی۔ پھر اس آیت کریمہ میں تقویٰ کا ذکر تین بار ہوا ہے۔ پہلی بار تقویٰ کے ساتھ ایمان اور عمل صالح کا ذکر فرمایا گیا۔ دوسری مرتبہ ایمان کا ذکر فرمایا گیا۔ اور تیسری مرتبہ احسان کا۔ سو یہاں پر تقویٰ کے تین بار ذکر کرنے سے اس کے انہی تدریجی مراتب کی طرف اشارہ فرما دیا گیا۔

۲۳۸ صفت احسان کی عظمت و اہمیت کا ذکر و بیان - سو اس سے احسان اور محسنین یعنی نیکوکاروں کی عظمت و اہمیت واضح ہو جاتی ہے اور محسن وہ لوگ ہیں جن کی نیتیں اور ارادے بھی نیک ہوں اور عمل و کردار بھی درست۔ پس ان کو وہ ان کے اس اجر و ثواب سے نوازے گا جس کے وہ اپنے مرتبہ و شان کے مطابق یہ لوگ مستحق ہوں گے کہ وہ بڑا ہی قدر دان ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ اس آیت کریمہ کی شان نزول سے متعلق حضرت انس۔ رضی اللہ عنہ۔ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوطلحہؓ کے گھر میں لوگوں کو شراب پلا رہا تھا کہ اتنے میں شراب کی حرمت کا حکم نازل ہو گیا۔ تو آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے منادی کو حکم دیا کہ جا کر اس کی حرمت کا اعلان کر دے۔ ہمیں جب منادی کی آواز سنائی دی تو ابوطلحہؓ نے مجھے فرمایا کہ باہر جا کر دیکھو کہ یہ کیسی اور کیا آواز ہے۔ تو میں نے جا کر دیکھا اور واپس آ کر بتایا کہ اس طرح منادی شراب کی حرمت کا اعلان کر رہا ہے تو آپؓ نے فرمایا کہ اٹھو اور اس شراب کو فوراً گرا دو۔ چنانچہ میں نے ایسے ہی کیا اور پھر مدینے کی گلیوں میں شراب جگہ جگہ بہہ رہی تھی۔ تو اس پر بعض حضرات نے کہا کہ ہم میں سے کچھ لوگ تو اس حالت میں قتل ہو گئے کہ ان کے پیٹوں میں شراب تھی تو ان کا کیا بنے گا؟ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی یعنی ﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ - اور اس میں بتا دیا گیا کہ ایسے لوگوں پر کوئی گناہ

نہیں۔ (بخاری کتاب المظالم والغصب وکتاب التفسیر، ترمذی کتاب التفسیر وغیرہ)۔ یہاں پر ایک لمحہ کے لئے رکیے اور سوچیے اور ان حضراتِ صحابۂ کرام -علیہم الرحمۃ والرضوان- کی شانِ اطاعت و بندگی اور جذبۂ تسلیم ورضا کو دیکھئے اور اس سے اندازہ کیجئے کہ کیسی انقلاب آفریں ہے ایمان ویقین کی یہ متاعِ بے مثال جو انسان کو کیا سے کیا بنا دیتی ہے اور اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔ وہ لوگ جو شرابِ خانہ خراب کے ایسے رسیا اور جدی پشتی عادی تھے کہ شراب گویا انکی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، جب وہ نبی اُمی -فداہ نفسی وروحی- پر ایمان لائے، ان کی دعوت پر لبیک کہا، ایمان ویقین کی دولت سے سرشار ہوگئے، تو بے مثال استاذ کی بے مثال شاگردی میں یہ لوگ ایسے مثالی بلکہ بے مثال نمونے بن گئے کہ ڈھونڈے سے بھی کہیں ان کی کوئی مثال نہیں مل سکے گی۔ حرمتِ شراب کی ندا جونہی سنی اور تحریمِ خمر کا پیغام جونہی انکو ملا اور یہ آواز جونہی ان کے کان میں پڑی کہ شراب کو حرام کردیا گیا تو وہ فوراً اور بلا کسی توقف وانتظار اور بغیر کسی تسویف وتاویل کے سرِ تسلیم خم ہوگئے۔ شراب کے مٹکے ٹوٹنے لگے اور شرابِ خانہ خراب مدینے کی گلیوں اور نالیوں میں جابجا بہنا شروع ہوگئی۔ اور اس کو ایسا ترک کیا کہ جو لوگ حکمِ تحریم کے نزول سے پہلے فوت ہوگئے تھے ان کے بارے میں بھی ان کو فکر دامنگیر ہوگئی کہ ان کا کیا بنے گا؟ تو کیا کوئی مثال مل سکتی ہے ایسے امتثالِ بے مثال کی؟ اور اس قدر اِطاعت وفرمانبرداری کی؟ -رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین- سو کتنے ظالم اور کس قدر منحوس اور بدبخت ہیں وہ لوگ جو ان قدسی صفت حضراتِ صحابۂ کرامؓ پر بھی زبانِ طعن دراز کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ان کے ایمان ویقین میں بھی کیڑے نکالنے کی سعیٔ مذموم کرتے ہیں اور اس بارے تشکیک پیدا کرنے کیلئے وہ طرح طرح کے پاپڑ بیلتے اور جھوٹ کے پلندے گھڑتے اور گھڑا کرتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ-

۲۶۹ اہلِ ایمان کے لئے ایک آزمائش کا اعلان: -سو اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور تمہاری آزمائش کرے گا کچھ خاص شکلوں کے ذریعے۔ یعنی تم لوگوں کی آزمائش ضرور کریگا تاکہ کھرے کھوٹے میں فرق وتمیز ہوسکے۔ سو یہ بھی اُس ارحم الراحمین کی رحمتِ بیکراں کا ایک مظہرِ عظیم ہے کہ اس نے اس امتحان کے بارے میں پیشگی ہی بتا دیا تاکہ اہلِ ایمان اس کے لئے پہلے سے ہی تیار ہوجائیں۔ اور وہ اس امتحان میں کامیابی سے ہمکنار وسرفراز ہوں کہ آزمائش بہرحال آزمائش ہوتی ہے۔ اور شکار سے ممانعت کی یہ آزمائش بعض اعتبارات سے بڑی سخت بھی تھی۔ ایک تو اس لیے کہ شکار بالعموم انسان کو اور خاص طور پر عربوں کو بہت مرغوب تھا۔ اور خاص کر سفر کے دوران میں جبکہ انسان کو خاص طور پر زیادہ ضرورت بھی ہوتی ہے۔ تو ایسے میں اگر شکار اس کثرت اور اتنی سہولت اور اس قدر آسانی سے مل جائے تو اس سے بچنا اور آزمائش میں پورا اترنا کوئی آسان بات نہیں۔ سو ایسی آزمائش میں پورا وہی اتر سکتے ہیں جو ایمان ویقین کی قوت میں ایک خاص امتیازی شان رکھتے ہوں۔ اور جو حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کی طرف سے خاص عنایت سے سرشار ہوں۔ اور یہ ممانعت چونکہ اصل میں کی ہی اسی لیے گئی تھی کہ لوگوں کے ایمان اور تقویٰ کو جانچا اور پرکھا جائے۔ اس لیے اس سے متعلق پیشگی اس طرح خبردار کیا گیا کہ آگے تم لوگوں کو ایسے مواقع پیش آئیں گے کہ تم لوگ احرام باندھے ہوئے ہوگے اور مختلف قسم کے شکار تمہارے ارد گرد اور تمہاری پہنچ اور دسترس میں ہونگے مگر تم نے ان کا شکار نہیں کرنا۔ پس تم لوگ محتاط رہنا اور ایسا نہ ہو کہ تم لوگ اس طرح پھسل جاؤ جس طرح یہود پھسل گئے تھے۔

اللّٰهُ بِشَیۡءٍ مِّنَ الصَّیۡدِ تَنَالُهٗۤ اَیۡدِیۡكُمۡ وَرِمَاحُكُمۡ

کچھ ایسے شکاروں کے ذریعے، جو تمہارے ہاتھوں کی پہنچ، اور تمہارے نیزوں کی زد میں ہوں گے، ۲۴۰

لِیَعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ یَّخَافُهٗ بِالۡغَیۡبِ ۚ فَمَنِ اعۡتَدٰی بَعۡدَ

تا کہ اللہ یہ دیکھے کہ ۲۴۱ کون ڈرتا ہے اس سے بن دیکھے، ۲۴۲ پس جس نے اس (تنبیہ) کے بعد بھی

ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۹۴﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡتُلُوا

حد سے تجاوز کیا، تو اس کے لئے ایک بڑا دردناک عذاب ہے، ۲۴۳ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، تم شکار مت کرو

الصَّیۡدَ وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ وَمَنۡ قَتَلَهٗ مِنۡكُمۡ مُّتَعَمِّدًا

ایسی حالت میں کہ تم احرام میں ہوا کرو ۲۴۴ اور جس نے تم میں سے جان بوجھ کر ایسے کر لیا

۲۴۰ ابتلاء و آزمائش کیلئے قدرت کی طرف سے خاص ماحول: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ مختلف قسم کے شکار اس طرح تمہاری دسترس میں ہوں گے مگر تمہیں اِحرام کی وجہ سے ان کا شکار کرنا جائز نہ ہوگا۔ علامہ ابنِ کثیرؒ اور قاضی بیضاویؒ وغیرہ مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ ایسا عمرہ حدیبیہ کے موقع پر ہوا تھا جبکہ چرند و پرند وغیرہ مختلف شکار حضرات صحابہ کرامؓ کے پاس خود جمع ہو جاتے۔ اور ان کے خیموں کے اندر داخل ہو جاتے۔ اور اس قدر کثرت سے کہ اس کی اس سے پہلے کوئی نظیر و مثال نہیں مل سکتی۔ وہ اگر چاہتے تو ان کو تیروں اور نیزوں سے شکار کر لیتے۔ بلکہ انکو ہاتھوں سے یونہی پکڑ لیتے۔ مگر انہوں نے اسکے باوجود ایسے نہیں کیا اور آزمائش کے دور میں کوئی شکار نہیں کیا۔ حالانکہ اس دوران نیل گائے اور دوسرے جنگلی جانوروں کے ریوڑوں کے ریوڑ اور پرند چرند ان کے خیموں کے اندر خود بڑی کثرت کے ساتھ پہنچ رہے تھے۔ سو شکار کی ممانعت کا یہ واقعہ جو حضراتِ صحابہ کرامؓ کی آزمائش کیلئے پیش آیا تھا بنی اسرائیل کے اصحابِ سبت یعنی ہفتے کے دن والے لوگوں کے قصے سے بالکل مشابہ ہے۔ ان دونوں میں ابتلاء و آزمائش کے دو نمونے پیش آئے اور دونوں کے نتائج دو مختلف صورتوں میں سامنے آئے۔ اَصحابِ سبت والوں کو مچھلی کے شکار سے منع کیا گیا تھا مگر وہ صبر نہ کر سکے اور انہوں نے طرح طرح کے حیلے بہانوں سے کام لینا شروع کیا اور آزمائش میں ناکام رہے۔ جبکہ حضرات صحابہ کرامؓ اس آزمائش میں پورے اترے حالانکہ شکار ان کی اس قدر پہنچ میں تھے کہ وہ اگر چاہتے تو ان کو نیزوں بھالوں کے علاوہ خود اپنے ہاتھوں سے یونہی پکڑ لیتے۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے کوئی شکار نہیں کیا۔ (صفوۃ، محاسن، اور بیضاوی وغیرہ)۔ سو اس طرح وہ حضرات اس آزمائش میں پورے اترے جو ان کے صدق و اخلاص اور قوت ایمان و یقین کا ایک واضح مظہر اور کھلا ثبوت ہے۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَعَنَّا مَعَهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ۔

۲۴۱ علم بمعنی اِظہار و تمییز: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تا کہ اللہ دیکھے اور اس طرح کہ کھرا کھوٹا خود نکھر کر اور کھل کر سامنے آ جائے۔ پس ﴿لِیَعۡلَمَ﴾ کا کلمہ یہاں پر اپنے معروف معنیٰ میں نہیں کہ "اللہ جانے"۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو سب کچھ پہلے سے ہی جانتا ہے، اور

پوری طرح جانتا ہے۔ اس کا علم کسی امتحان اور آزمائش پر موقوف نہیں۔ بلکہ اس لفظ کا معنٰی یہاں پر دیکھنا اور واضح کرنا ہے۔ یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ اس ابتلاء و آزمائش کے ذریعے یہ امر ظاہر اور واضح کر دے کہ کون بن دیکھے اللہ سے ڈرتا اور اسکے حکم و ارشاد کی خلاف ورزی سے بچتا ہے اور کون اَصحابِ سبت کی طرح حیلوں بہانوں سے کام لیکر خلاف ورزی کا ارتکاب کرتا ہے۔ (معارف وغیرہ) - والعیاذ باللہ جَلَّ وَعَلَا - سو اس آیتِ کریمہ میں قرآنِ حکیم کے دوسرے مختلف مواقع کی طرح علم بمعنٰی اظہار اور تمیز کے ہے کہ اللہ پاک کا طریقہ یہی ہے کہ وہ کھرے کھوٹے کو سب کے سامنے کھول دیتا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - کہ کون اس کے حکم کی پابندی کرتا ہے اور کون اصحاب السبت کی طرح بہانہ بازی اور حیلہ سازی سے کام لیتا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ -

۲۶۲ بن دیکھے خدا سے ڈرنا ہی صلاح و فلاح کی اصل بنیاد ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تا کہ اللہ دیکھے کہ کون اللہ سے ڈرتا ہے بن دیکھے۔ سو بن دیکھے خدا سے ڈرنا اور اسکی معصیت و نافرمانی سے بچنا ہی اساس و بنیاد ہے صلاح و فلاح کی اور اسی پر مدار و انحصار ہے سارے معاملے کا - وباللہ التوفیق - سو اللہ پاک - سبحانہٗ وتعالیٰ - جو اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف ہے وہ ان ظاہری اور ناسوتی آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا کیونکہ یہ آنکھیں محدود و مخلوق اور عاجز و قاصر ہیں۔ اس کو صرف دل کی آنکھوں ہی سے دیکھا جا سکتا ہے اور اس کو ماننے کے لئے دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کے مطابق اس کو بالغیب یعنی بن دیکھے ہی مانا جائے۔

۲۶۳ حدود اللہ سے تجاوز باعثِ عذاب - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس نے اس کے بعد بھی حد سے تجاوز کیا تو اس کے لیے ایک بڑا ہی دردناک عذاب ہے۔ پس حدود اللہ سے تجاوز سے ہمیشہ بچنے اور محفوظ رہنے کی فکر کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز کرنے والوں کیلئے بڑا ہی دردناک عذاب ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - آخرت میں ایسا شخص امتحان میں ناکام ہو گیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے ارشادات کی پیروی نہیں کی۔ اور اس کے عمل سے ثابت ہو گیا کہ وہ بن دیکھے خدا سے نہیں ڈرتا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - سو اللہ تعالیٰ کی مقرر فرمودہ حدوں کی پابندی اور پاسداری ہی پر سارے معاملے کا دار و مدار ہے۔ اور اسکی حدود کا التزام اور انکی پابندی ہی وہ امر ہے جس میں انسان کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا مدار و انحصار ہے کہ اسی خالق و مالک کو اس کا حق ہے کہ وہ اپنے بندوں کیلئے حدیں مقرر فرمائے۔ اور اس کی مقرر فرمودہ حدود ہی انسان کیلئے حقیقی فوز و فلاح کی ضامن و کفیل ہیں اور ہو سکتی ہیں کہ وہی وحدہٗ لاشریک ہے جو خالق و مالک ہونے کے ساتھ ساتھ حاکم و حکیم اور رحمٰن و رحیم بھی ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ -

۲۶۴ حالتِ اِحرام میں شکار کی ممانعت: - سو اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ ایسی حالت میں شکار مت کیا کرو جبکہ تم حالتِ احرام میں ہوا کرو۔ خواہ وہ اِحرام حج کا ہو یا عمرے کا۔ کیونکہ اِحرام انتہائی تذلّل اور عاجزی کا مظہر ہے۔ پس ایسی حالت میں شکار کرنا مومن کو زیب نہیں دیتا۔ اور مراد اس شکار سے خشکی کا شکار ہے نہ کہ پانی کا شکار کہ اسکی اجازت ہے جیسا کہ آگے ارشاد ہوتا ہے۔ بہر کیف ﴿وَاَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ کی اس شرط و قید سے واضح فرما دیا گیا کہ جب تک تم اِحرام کی حالت میں ہوا کرو شکار مت کیا کرو کہ ایسی صورت میں شکار کرنا ممنوع و محظور ہے۔ اور یہ بات اِحرام کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ البتہ جب اِحرام کی پابندیوں سے آزاد اور فارغ ہو جاؤ تو اس کے بعد تم شکار کر سکتے ہو کہ اس کے شکار کی اجازت ہے۔ لیکن جب تک اِحرام کی پابندیوں میں ہوا کرو تو اس سے بچ کر رہا کرو۔

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ

تو اس کے ذمے بدلہ ہے مارے ہوئے جانور کے برابر (وہم پلہ) مویشیوں میں سے، جس کا فیصلہ تم میں سے ۲۴۵ دو معتبر آدمی

مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ

کریں، کعبہ تک پہنچنے والی قربانی کے طور پر، ۲۴۶ یا (پھر اس کی قیمت کے برابر) کفارہ میں کھانا کھلانا ہوگا کچھ

اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا

مسکینوں کو ۲۴۷، یا اس کے برابر روزے رکھنے ہوں گے، ۲۴۸ تاکہ وہ چکھے مزہ اپنے کیے کا، ۲۴۹ اللہ نے

اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَ

معاف فرما دیا اس کو جو کہ اس سے پہلے ہو چکا، ۲۵۰ اور جس نے پھر یہ حرکت کی تو اللہ اس سے بدلہ لے گا، ۲۵۱ اور

۲۴۵ حکَم مسلمان ہی ہوں:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ دونوں منصف اور حکَم مسلمان ہوں۔ اور ان کی رائے پر اعتبار کیا جاتا ہو۔ غیر مسلم کی گواہی اس ضمن میں معتبر نہیں ہوگی۔ ﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾۔ (النساء: ۱۴۱) کہ "اللہ تعالیٰ نے کافروں کیلئے اہلِ ایمان کے مقابلے میں کوئی زور اور غلبہ نہیں رکھا"۔ لہٰذا اہلِ کفر کو اہلِ حق پر حکَم اور منصف بننے کا کوئی حق نہیں۔ اس لئے ایسے معاملے میں حکَم بننے اور فیصلہ کرنے والے دونوں منصفوں کا تعلق اہلِ ایمان سے ہو۔ ﴿مِنْكُمْ﴾ کلمۂ فصل سے اس کی تصریح فرما دی گئی کہ ان دونوں منصفوں کا تعلق اہلِ ایمان ہی سے ہو۔ پس غیر مسلم منصفوں کا فیصلہ اس بارہ معتبر و مقبول نہیں ہو سکتا۔

۲۴۶ ھدی کے جانور کو حرم ہی میں ذبح کرنا ضروری ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کعبہ تک پہنچنے والی قربانی کے طور پر۔ یعنی وہ قربانی لے جا کر حرم میں نحر یا ذبح کی جائے اور اس کا گوشت حرم کے فقراء و مساکین میں تقسیم کیا جائے۔ اور اس سے وہ شخص خود نہیں کھا سکتا۔ پس اس قربانی کو اسی مقام پر جہاں وہ شخص خود موجود ہو یا حرم کے سوا کسی اور جگہ پر ذبح کرنا جائز نہیں۔ بلکہ اس کو حدودِ حرم ہی میں ذبح کرنا اور وہاں کے فقراء و مساکین پر تقسیم کرنا ضروری ہے۔ بہر کیف۔ ﴿هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ﴾۔ کے اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ وہ دونوں حکَم اور منصف جس جانور کا بھی فیصلہ کریں اُس کا حدودِ حرم میں پہنچنا اور وہاں ذبح کیا جانا ضروری ہے۔ کہ اس کے ذبح اور قربانی کی جگہ وہی ہے جس کی پابندی ضروری ہے۔ اور یہی تقاضا ہے دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کا جو کہ دینِ فطرت ہے والحمد للہ جل وعلا

۲۴۷ ھدی کی بجائے مسکینوں کو کھانا کھلانا:- سو ارشاد فرمایا گیا یا کفارہ میں کھانا کھلانا ہوگا کچھ مسکینوں کو۔ یعنی

اگر شکار کا مثل نہ مل سکے یا مثل کو حدودِ حرم میں لے جا کر ذبح کرنا ممکن نہ ہو تو اس مقتول شکار کی قیمت لگا کر اس کا غلہ مسکینوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔ یا ان کو کھانا کھلا دیا جائے۔ جیسا کہ صدقۂ فطر وغیرہ میں کیا جاتا ہے۔ (معارف از کاندھلویؒ وغیرہ)۔ اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ ہر شخص کو دو سیر گندم دے دی جائے۔ سو تاوان کی رقم سے جتنی بھی گندم بنے اس کو اسی حساب سے ان کے درمیان تقسیم کیا جائے۔ سو اس حکم وارشاد میں بندوں کے لیے سہولت اور آسانی ہے۔

۲۴۸ کھانا نہ کھلا سکے تو روزے رکھے: -سو ارشاد فرمایا گیا یا اس کے برابر روزے رکھنے ہونگے۔ یعنی ہر مسکین کے حصے کے برابر ایک روزہ کے حساب سے۔ (صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ یعنی اگر کھانا نہ کھلا سکے تو جس قدر مسکینوں کو اس جزاءِ صید غلہ پہنچنا ہو اسی کے حساب سے روزے رکھے۔ حرفِ "اَوْ" یہاں پر بعض حضرات کے نزدیک تخییر کیلئے ہے۔ یعنی ان تینوں میں سے جو صورت چاہے اختیار کرے۔ جبکہ بعض حضرات کے نزدیک یہ تخییر کیلئے نہیں بلکہ ترتیب کیلئے ہے۔ یعنی اول اس پر ھَدْی واجب ہے۔ یہ اگر نہ ہوسکے تو پھر کھانا کھلانا ہے۔ اور یہ بھی اگر نہ ہوسکے تو پھر روزے رکھنے ہیں۔ (معارف وغیرہ)۔

۲۴۹ اسلامی سزاؤں کا اصل مقصد تطہیر و تذکیر: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ تا کہ اس طرح وہ مزہ چکھے اپنے اس کیے کرائے کا جس کا ارتکاب اس نے حرمتِ اِحرام کی خلاف ورزی سے کیا۔ تا کہ وہ آئندہ باز رہے اور ایسی حرکت کا ارتکاب دوبارہ نہ کرے۔ تا کہ اس طرح تطہیر بھی ہو جائے اور دوسرے کیلئے تذکیر بھی۔ سو اسلامی سزاؤں کا اصل مقصد تطہیر و تذکیر ہے تا کہ اس طرح اس کو معلوم ہو جائے کہ حضرتِ حق -جل مجدہ- کی مقرر فرمودہ حدود کی خلاف ورزی کے ارتکاب کا نتیجہ وانجام کیا ہوتا ہے۔ تا کہ اس طرح وہ اس سے آئندہ کے لئے محتاط رہے اور دوسروں کے لئے نمونہ عبرت بنے۔ اور اس طرح وہ اس سے محتاط رہیں۔ اور اس کے نتیجے میں معاشرہ جرائم سے پاک صاف ہو سکے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید-

۲۵۰ نزولِ حکم کے پہلے کے عمل پر کوئی مؤاخذہ نہیں: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے معاف فرما دیا اس کو جو اس سے پہلے ہو چکا۔ یعنی اس حکم کے نازل ہونے سے پہلے یا اس شخص کے اسلام لانے سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں۔ (معارف القرآن از کاندھلویؒ) کہ اس وقت وہ حکم کا مکلف ہی نہیں تھا۔ سو نزولِ حکم سے پہلے کے عمل کی بناء پر کسی سے کوئی مؤاخذہ نہیں۔ پس اگر کسی نے یہ اَحکام نازل ہونے سے پہلے اِحرام کی حالت میں شکار کیا تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے۔ اس پر کوئی گرفت و پکڑ نہیں ہوگی۔ لیکن آئندہ اس پر پکڑ بہر حال ہوگی۔ لہٰذا اس سے محتاط رہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید-

۲۵۱ تکرارِ معصیت پر پکڑ کی وعید: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس نے پھر یہ حرکت کی تو اللہ اس سے انتقام لے گا کہ ایسے شخص کو دنیا میں اس کا بدلہ دینا ہوگا اور آخرت میں اس کی سزا بھگتنا ہوگی۔ اگر سچی توبہ نہ کی تو۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ دنیوی سزا سے اُخروی عذاب اسی صورت میں رفع ہوسکتا ہے جبکہ جرم و قصور کا اعادہ و تکرار نہ ہو۔ (المراغی وغیرہ)۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جو کوئی اپنے جرم و قصور کے سلسلے میں اِعادہ و تکرار سے کام لے گا اور پھر وہی کچھ کرے گا جو اس نے پہلے کیا تھا تو وہ اس کی گرفت و پکڑ سے بچ نہیں سکے گا -سبحانہ و تعالیٰ- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے- آمین ثم آمین۔

اللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ

اللہ بڑا ہی زبردست (اور ٹھیک ٹھیک) بدلہ لینے والا ہے، ۲۵۲ حلال کر دیا گیا تمہارے لئے سمندر کا شکار پکڑنا،

وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ

اور اس کا کھانا، فائدہ پہنچانے کے لئے تمہیں، اور دوسرے مسافروں کو، ۲۵۳ اور حرام کر دیا گیا تم پر

صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ

خشکی کا شکار، جب تک کہ تم احرام کی حالت میں ہو، ۲۵۴ اور ڈرتے رہا کرو تم لوگ اس اللہ سے

اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ

جس کے حضور تم سب کو اکٹھا کر کے پیش کیا جائے گا، ۲۵۵ اللہ نے عزت والے گھر کعبہ کو،

الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ

لوگوں (کی اجتماعی زندگی) کے لئے قیام کا ذریعہ بنا دیا، ۲۵۶ اور (اسی طرح) عزت والے مہینے، ۲۵۷ حرم میں قربانی ہونے والے

۲۵۲ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کریمہ کا حوالہ و ذکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بڑا ہی زبردست اور انتقام لینے والا ہے۔ پس نہ کوئی اس کی گرفت سے بچ سکے گا اور نہ ہی کوئی لاگ لپٹ اس کے یہاں کام آ سکے گی کہ وہ انتقام لینے والا ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ پس فکر و کوشش ہمیشہ اسی کی ہونی چاہیئے کہ اس خالق و مالک سے معاملہ صحیح رہے اور وہ ناراض نہ ہو جائے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وَهُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین۔ بہرکیف اس سے اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کریمہ کا حوالہ دے کر ایسے لوگوں کو تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ اس کی گرفت و پکڑ سے بے فکر اور لاپروا نہ ہو جائیں۔ والعیاذ باللہ۔

۲۵۳ بحری شکار کی حِلّت کا بیان: سو ارشاد فرمایا گیا کہ بحری شکار تمہارے لئے حلال کر دیا گیا تاکہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اپنے رب کا شکر ادا کرو۔ ورنہ اگر تمہیں یہ اجازت نہ ملتی تو تمہیں بڑی مشکل پیش آتی۔ سو اپنے خالق و مالک کی اس عنایت سے فائدہ اٹھاؤ اور دل و جان سے اس کا شکر بجاؤ لاؤ۔ بہرکیف حالتِ احرام میں خشکی کا شکار تو حرام کر دیا گیا لیکن بحری شکار حلال ہے۔ اس کا اگر کوئی موقع ملے تو اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو اس کی ممانعت نہیں۔

۲۵۴ حالتِ احرام میں خشکی کے شکار کی حرمت کا بیان: سو ارشاد فرمایا گیا کہ حرام کر دیا تم لوگوں پر خشکی کا شکار جب تک تم حالتِ احرام میں ہو۔ اس سورۂ کریمہ میں یہ تیسری مرتبہ خشکی کے شکار کی حرمت کا ذکر آ رہا ہے۔ اس سے اس امر کی تاکید اور اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خشکی کے شکار کی حرمت حرم میں اور احرام کی حالت میں کس قدر زیادہ ہے۔ بہرکیف یہ ایک وقتی حرمت تھی جو حالتِ احرام تک محدود تھی کہ جب تک تم لوگ احرام کی حالت میں

ہوؤ گے تمہیں شکار کرنے کی اجازت نہیں۔ اور یہ ممانعت تمہارے لئے ایک آزمائش ہے۔ اس لئے تم نے اس کا بطورِ خاص خیال رکھنا ہے اور اس کی خلاف ورزی نہیں کرنی۔ تاکہ تم کامیاب ہو سکو۔ وباللہ التوفیق۔

۲۵۵ یومِ جزاء کی یاد دہانی سے نصیحت: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ڈرتے رہا کرو تم لوگ اس اللہ سے جس کے حضور تم سب کو اکٹھا کر کے پیش کیا جائے گا۔ یعنی یومِ حشر میں۔ سو تم چاہو یا نہ چاہو، جانا بہرحال تمہیں سب کو اسی کے حضور ہے۔ اور وہاں ہر کسی نے اپنے کئے کرائے کا بدلہ بہرحال پانا ہے۔ اس لئے ہمیشہ اور سب سے پہلے یہ بات پیشِ نظر رکھو کہ اس وحدہٗ لاشریک کے یہاں کیا جواب دیں گے؟ اور وہاں معاملہ کیسا رہے گا؟ اصل فیصلہ تو بہرحال وہیں کا ہے۔ سو روزِ جزاء کی حاضری اور وہاں کی جوابدہی کا احساس ہی انسان کو سیدھا اور اسکے رویے کو درست رکھنے والی چیز ہے۔ اس لیے اس کی بار بار اور طرح طرح سے یاد دہانی کرائی جاتی ہے کہ وہاں ہر کسی نے اپنے کئے کرائے کا پھل پانا اور اس کا بھگتان بھگتنا ہے۔ اس لئے وہاں کی جوابدہی کو ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے سامنے رکھا جائے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وَهُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔ اور آخرت کا یقین اور وہاں کی جوابدہی کا احساس ایک انقلاب آفرین چیز ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۲۵۶ کعبۂ مشرفہ کا وجود لوگوں کے قیام کا ذریعہ: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے عزت والے اپنے اس گھر یعنی کعبہ کو لوگوں کے لیے قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔ دین و دنیا دونوں کے اعتبار سے کہ حج اور نماز وغیرہ کتنے ہی اَحکام کا تعلق اسی سے ہے۔ اور جب تک یہ باقی ہے دنیا باقی ہے۔ اور جب اللہ پاک دنیا کو ختم کرنا چاہیں گے تو سب سے پہلے اس کو اٹھائیں گے۔ (مظہری، فتح القدیر، مدارک، صفوۃ، معارف وغیرہ)۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ کعبۃ اللہ کا فائدہ سب لوگوں کو یہاں تک کہ غیر مسلموں کو بھی پہنچتا ہے اگرچہ ان کو اس کا کوئی احساس اور اعتراف بھی نہ ہو۔ کہ اس منبعِ خیر و برکت بیتِ عتیق کے وجود اور اس کی بقا سے ان سب کا وجود اور ان کی بقا ہے۔ ورنہ ان سب کے سمیت اس کارخانۂ ہست و بود کا خاتمہ ہو جائے۔ سو دنیا کی تعمیر کا آغاز بھی اسی گھر سے ہوا، جیسا کہ ارشاد فرمایا۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ ۔ اور اسکے خاتمے کا ارشاد بھی اسی سے ہو گا۔ (معارف للکاندھویؒ)۔ نیز یہی وہ مقام مبارک ہے جسکی طرف پوری دنیا کے مسلمان اپنی عبادات میں متوجہ ہوتے ہیں۔ اور یہ مرکز سب کیلئے مرکزِ توحید بھی اور باعثِ سکون واطمینانِ قلب بھی ہے۔ بہرکیف کعبۂ مشرفہ لوگوں کے لئے دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے قیام وبقا کا ذریعہ ہے۔ زَادَهَا اللّٰهُ تَشْرِيْفًا وَّ تَعْظِيْمًا وَّزَادَنَآ اِيْمَانًا وَّيَقِيْنًا۔

۲۵۷ حرمت والے مہینے بھی امن وامان کا ذریعہ: ۔سو ارشاد فرمایا گیا اور عزت وحرمت والے مہینے کو بھی۔ کہ حرمت والے ان مہینوں میں اسلام سے پہلے بھی عرب کے لوگ قتل وقتال سے باز رہتے تھے۔ اور وہ یہ چار مہینے ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ (صفوۃ، محاسن وغیرہ)۔ کیونکہ حرمت کے ان مہینوں میں زمانۂ جاہلیت میں بھی ہر طرح کا قتل وقتال ممنوع ہوتا تھا اور مکمل امن وامان ہوتا تھا۔ اور کسی طرح کے جنگ وجدال کو وہ لوگ جائز نہیں سمجھتے تھے۔ وہ لوگ آپس میں قتل وخونریزی کرتے لیکن جب حرمت والے مہینے آجاتے تو وہ لوگ رک جاتے۔ (المراغی وغیرہ)۔ اور جب وہ لوگ اللہ کے لئے اور اس کے حکم وارشاد کے احترام میں جنگ وجدال سے رکیں گے تو اس کے نتیجے میں وہ کئی طرح کے فتنوں سے بچ جائیں گے۔ اور امن وامان سے بہرہ ور وسرفراز ہوں گے۔ اور سکون واطمینان کی فضا قائم ہو گی۔

وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي

جانور، اور ان جانوروں کو بھی جن کے گلے میں (قربانی کی نشانی کے طور پر) پٹے ڈالے ہوں، ۲۵۸ یہ (قرارداد) اس لئے کہ تاکہ

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ

تم یقین جان لو کہ اللہ کے علم میں ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں میں ہے اور وہ سب کچھ بھی جو کہ زمین میں ہے، ۲۵۹ اور یہ کہ

عَلِيْمٌ ۝۹۷ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ

اللہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے، ۲۶۰ یقین جانو کہ اللہ عذاب دینے میں بھی بڑا سخت ہے، اور یہ کہ

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۹۸ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ

وہ بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان بھی ہے، ۲۶۱ رسول کے ذمے تو (پیغامِ حق کو) پہنچا دینا ہے اور بس، ۲۶۲ اور

۲۵۸ قربانی کے جانوروں کی عظمتِ شان کا ذکر: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ قربانی کے جانور بھی امن وامان اور خیر و برکت کا ذریعہ ہیں۔ یہاں پر "اَلْقَلَآئِد" سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ اصل میں ہے "ذوات القلائد" (جامع، صفوۃ، محاسن وغیرہ)۔ یہ قلادے چونکہ قربانی کے جانور کے گلے میں نشانی کے طور پر ڈالے جاتے تھے جس کے باعث کوئی ان کو چھیڑتا نہیں تھا اس لئے یہ ان کی حفاظت وسلامتی کا ذریعہ بن جاتے تھے۔ نیز ان کی قربانی کی وجہ سے جو خیر و برکت نصیب ہوتی ہے وہ ان لوگوں کے لئے بھی حفظ وامان اور خیر و برکت کا ذریعہ بن جاتی ہے جو اللہ پاک کی رضاء وخوشنودی کے لئے ان جانوروں کو قربان کرتے ہیں۔ سو رحمتیں ہی رحمتیں اور برکتیں ہی برکتیں ہیں اس مالک الملک وحدہٗ لاشریک کی طرف سے اس کے بندوں کے لئے - فَلَهُ الْحَمْدُ وَلَهُ الشُّكْرُ مَا شَكَرَ شَاكِرُوْنَ وَمَا غَفَلَ عَنْهُ غَافِلُوْنَ - قربانی کے تمام جانوروں میں سے قلادے ڈالے ہوئے ان جانوروں کا بطورِ خاص ذکر اس لیے فرمایا گیا کہ اس میں ثواب بھی زیادہ ہے اور ان کی حج کے ساتھ مناسبت اور تعلق بھی ظاہر اور واضح ہے۔ (المحاسن وغیرہ) - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ - بہر کیف یہ امن وامان کے مختلف مظاہر اور وسائل ہیں۔

۲۵۹ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم وارشاد بے نظیر و بے مثال: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ یقیناً جانتا ہے اور پوری طرح جانتا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور جب یہ صفت وشان اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کے لیے ممکن نہیں تو اللہ تعالیٰ کے کسی حکم وارشاد کی بھی کوئی نظیر ومثال ممکن نہیں کہ اس سب کائنات کا خالق ومالک بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور اس میں حاکم ومتصرف بھی وہی ہے۔ پس اس کی ہدایات وتعلیمات اور مواعظ وارشادات میں ہر طرح سے خیر ہی خیر اور برکت ہی برکت ہے۔ لہٰذا تم لوگ دل وجان سے ان کو اپناؤ تاکہ اس طرح تم دارین کی سعادت اور فوز وفلاح سے بہرہ ور وسرخرو ہو سکو۔ سو اس کے اوامر واحکام کی نہ کوئی نظیر ممکن ہو سکتی ہے نہ مثال کہ اس

وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کیلئے ایسا کامل اور محیط علم ممکن ہی نہیں ہوسکتا کہ اسی وحدہٗ لاشریک کی یہ شان ہے کہ وہ اس سب کو پوری طرح جانتا ہے جو کہ آسمان و زمین کی اس پوری کائنات میں موجود ہے۔ سو وہ ظاہر و باطن ہر اعتبار سے جانتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ فَخُذْنَا بِنَوَاصِیْنَا اِلٰی مَا فِیْہِ حُبُّکَ وَرِضَاکَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔

۲۲۰ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ و ذکر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے اس کے ظاہر و باطن کے اعتبار سے، نفع و نقصان کے لحاظ سے اور اس کے انجام و مآل کے اعتبار سے۔ پس اس نے جو کچھ فرمایا، بتایا، وہی حق ہے۔ اور اسی میں تمہارا بھلا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی بھی ہستی کی یہ شان نہیں ہوسکتی۔ پس معبودِ برحق بھی اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اور وہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے جس کا ہر حکم علمِ کامل، رحمتِ شاملہ اور حکمتِ بالغہ پر مشتمل ہے۔ اس لیے اسی کا حکم و قانون انسان کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی اور حقیقی فوز و فلاح کا کفیل و ضامن ہے۔ اور اس سے اعراض و روگردانی برتنا سب سے بڑا اور دنیا و آخرت کا خسارہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۲۲۱ اللہ تعالیٰ کی شانِ عدل کے دو پہلوؤں کی تذکیر و یاددہانی: ۔ سو اللہ تعالیٰ کی شانِ عدل و انصاف کے دونوں پہلوؤں کی تذکیر و یاددہانی کراتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ یقین جانو کہ عذاب دینے میں بھی بہت سخت ہے اور اسکی بخشش اور مہربانی بھی بہت بڑی ہے۔ پس نہ تو تم لوگ اس کی گرفت و پکڑ سے غافل و بےفکر ہو جاؤ اور نہ ہی اُس کی رحمت و بخشش سے مایوس و ناامید۔ بلکہ اس کی گرفت و پکڑ اور اس کے عذاب سے ہمیشہ ڈرتے اور بچتے رہنے کی فکر بھی کرو اور اس کی رحمت و بخشش کی بھرپور امید بھی رکھو کہ یہی تقاضا ہے ایمان و یقین کا۔ جیسا کہ فرمایا گیا۔ "اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ"۔ کہ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہی ہوتا ہے۔ اور اسی حقیقت کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ ﴿نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِیْ ھُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ﴾۔ (الحجر: ۴۹-۵۰)۔ پس جو لوگ اپنے جرم وقصور پر اڑے رہیں گے وہ اسکی گرفت اور پکڑ سے بچ نہیں سکیں گے۔ اور اسکے برعکس جو لوگ صدقِ دل سے توبہ کر کے اسکی بارگہِ اقدس و اعلیٰ کی طرف رجوع کریں گے ان کے سب گناہوں کو وہ اپنی شانِ کرم و عنایت سے معاف فرما دے گا کہ وہ بڑا ہی غفور اور انتہائی مہربان ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ فَاِیَّاہُ نَسْاَلُ التَّوْفِیْقَ مَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وَعَلٰی مَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ۔

۲۲۲ رسول کی ذمہ داری ہے کلمۂ حق پہنچا دینا اور بس: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف و صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ رسول کے ذمے تو پہنچا دینا ہے اور بس۔ اور وہ انہوں نے کر دیا۔ اور اس سے ان کی ذمہ داری پوری ہوگئی۔ آگے منوالینا نہ تو رسول کے بس میں ہے اور نہ ہی ان کی ذمہ داری۔ اب تبلیغ حق کے بعد اگر تم لوگوں نے نہ مانا تو اس کی تمام تر ذمہ داری خود تم ہی لوگوں پر ہوگی اور اس کا بھگتان بھی تم ہی لوگوں کو بھگتنا ہوگا اور بہر حال بھگتنا ہوگا۔ پس اپنے مآل و انجام کی فکر تم خود کرو قبل اس سے کہ فرصتِ عمر تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور تمہیں ہمیشہ کیلئے پچھتانا پڑے۔ اور پھر تدارک و تلافی کی کوئی صورت تمہارے لیے ممکن نہ رہے اور تم سب سے بڑے خسارے میں مبتلا ہو جاؤ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾ قُلْ لَّا یَسْتَوِی

اللہ جانتا ہے وہ سب کچھ جسے تم لوگ ظاہر کرتے ہو اور وہ سب کچھ بھی جسے تم چھپاتے ہو، ۲۶۳ کہو (اے پیغمبر! کہ باہم)

الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِیْثِ ج فَاتَّقُوا

برابر نہیں ہو سکتے پاک اور ناپاک، اگرچہ ناپاک کی بہتات تمہیں اچھی ہی کیوں نہ لگتی ہو، ۲۶۴ پس ڈرتے رہا کرو تم لوگ

اللّٰهَ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾ ع یٰۤاَیُّهَا

اللہ سے، اے عقل خالص رکھنے والو! تاکہ تم فلاح پا سکو، ۲۶۵ اے

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ

وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو، تم مت پوچھا کرو ایسی باتوں کے بارہ میں کہ جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں

تَسُؤْكُمْ ج وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ

تو تمہیں بری لگیں، ۲۶۶ اور اگر تم ان کے بارے میں ایسے وقت میں پوچھو گے جب کہ قرآن نازل ہو رہا ہے، ۲۶۷

۲۶۳ اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ و ذکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ جانتا ہے وہ سب کچھ جس کو تم لوگ ظاہر کرتے ہو اور وہ سب کچھ بھی جس کو تم لوگ چھپاتے ہو۔ پس اللہ سے تمہاری کوئی بھی چیز چھپ نہیں سکتی کہ وہ تمہارے ظاہر و باطن دونوں سے پوری طرح واقف و آگاہ ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اسی کے مطابق تم اس کے یہاں سے اپنے کئے کرائے کا بدلہ پاؤ گے۔ پس اپنا معاملہ ہمیشہ اس سے درست رکھو۔ وباللہ التوفیق۔ پس تم لوگ اس حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو کہ اس سے تمہاری کوئی بھی حالت اور کیفیت مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ وہ ظاہر اور باطن دونوں کو ایک برابر جانتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو ظاہر و باطن اور اخفاء و اظہار کی یہ تقسیم تم لوگوں کے یہاں اور تمہارے اعتبار سے ہے ورنہ اس وحدہٗ لاشریک کے یہاں سب ایک برابر ہے۔ اور وہ سب کو یکساں جانتا اور ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے۔ فَوَفِّقْنَا اللّٰهُمَّ لِكُلِّ مَا تُرِیْدُ فِیْ كُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ وَفِیْ كُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ فِی الْحَیَاةِ۔

۲۶۴ پاک اور ناپاک آپس میں کبھی برابر نہیں ہو سکتے:۔ سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ کہو کہ پاک اور ناپاک کبھی برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ ناپاک کی بہتات تم کو اچھی لگے کہ پاک چیز میں جو خیر و برکت ہوتی ہے وہ ناپاک اور خبیث میں بہرحال نہیں ہو سکتی۔ خواہ وہ پاک چیز قول و فعل ہو، یا مال و دولت یا کچھ اور کہ الفاظ کا عموم ان سب ہی کو شامل ہے۔ (قرطبی، محاسن وغیرہ)۔ سو پاک چیز میں جو خیر و برکت ہوتی ہے وہ اس قدر بڑی اور اتنی عظیم الشان چیز ہے کہ ناپاک کی اس کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں ہو سکتی خواہ وہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر حال میں پاک چیز ہی نصیب فرمائے اور خبیث و ناپاک کی ہر شکل و صورت سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔ پس تم لوگ ہمیشہ پاک چیز ہی کو اپنانے کی فکر و کوشش میں رہا کرو۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید۔

۲۰۵ تقویٰ و پرہیزگاری وسیلۂ فوز و فلاح:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ تقویٰ و پرہیزگاری عقلِ خالص کا تقاضا اور ذریعہ فوز و فلاح ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ سے ڈرو تم لوگ اے عقلِ خالص رکھنے والو تاکہ تم فلاح پا سکو۔ پس تم لوگ ہمیشہ تقویٰ کو اپنائے رکھو تاکہ تم فلاح پا سکو۔ اور فلاح ہی وہ سب سے بڑی نعمت ہے جو کہ مقصدِ حقیقی اور غایتِ اصلی ہے۔ اور جو کہ عبارت ہے حیاتِ طیبہ یعنی پاکیزہ و پرسکون زندگی سے بہرہ مندی سے اس دنیا میں اور جنت کی نعیم مقیم سے بہرہ مندی و سرفرازی سے آخرت کے اس ابدی جہاں اور حقیقی اور دائمی زندگی میں۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ارحم الراحمین و یا اکرم الاکرمین۔ سو تقویٰ و پرہیزگاری بڑا ہی عظیم الشان نصب العین اور بے مثال گوہرِ مقصود ہے۔ اور عقلِ خالص کا تقاضا یہی ہے کہ انسان ہمیشہ اسی گوہر کو اپنے پیشِ نظر رکھے۔ بھلا جو چیز دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور کرنے والی ہو اس سے بڑھ کر افضل اور بہتر اور کیا چیز ہو سکتی ہے؟ اور اس کے بالمقابل اس سے محرومی سب سے بڑی محرومی اور ہولناک خسارہ ہے۔ سو کس قدر محروم اور بدبخت ہیں وہ لوگ جو تقویٰ و پرہیزگاری کے اس گوہرِ تابدار سے ناواقف و ناآشنا ہیں۔ اور اس طرح وہ زندگی کے حقیقی لطف سے محروم، اپنے مآل و انجام سے غافل و لاپروا ہیں۔ اور خالص حیوانوں کی بلکہ اس سے بھی کہیں بدتر زندگی گزار رہے ہیں جو کہ خساروں کا خسارہ ہے۔ وَذَالِکَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ صراطِ مستقیم پر قائم و گامزن رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

۲۰۶ غیر ضروری اور نامناسب سوالات سے ممانعت:- سو ایمان والوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ مت پوچھا کرو ایسی چیزوں کے بارے میں جو اگر تم لوگوں پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو بری لگیں۔ مثلاً تمہاری ایسی کوئی حرکت ظاہر ہو جائے جس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ تو اس سے تم کو شرمندہ ہونا پڑے۔ یا ایسا کوئی حکم اور عمل تم پر فرض ہو جائے جو کہ پہلے فرض نہ تھا تو اس سے تم مشقت میں پڑ جاؤ۔ جیسا کہ بعض واقعات میں ہوا۔ سو اس طرح کے غیر ضروری اور نامناسب سوالات نہیں پوچھنے چاہئیں۔ حضرتِ ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ کچھ لوگ آنحضرت ﷺ سے استہزاء اور آزمائش کے طور پر مختلف قسم کے غیر ضروری سوالات کرتے۔ کوئی پوچھتا میرا باپ کون ہے؟ کوئی کہتا میری گمشدہ اونٹنی کہاں ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ (بخاری: کتاب التفسیر سورہ المآئدۃ)۔ اور بھی مختلف روایات اس بارے مروی ہیں۔ والتفصیل فی المفصل انشاء اللہ العزیز۔

۲۰۷ نزولِ وحی کا زمانہ بارانِ رحمت کا زمانہ ہوتا ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگوں نے ایسی چیزوں کے بارے میں اس وقت پوچھا جبکہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔ یعنی جب کہ پیغمبر موجود ہیں اور وحی کا سلسلہ جاری ہے۔ کیونکہ نزولِ وحی کا زمانہ بارانِ رحمت کا زمانہ ہوتا ہے۔ جس طرح نزولِ باران کے دوران زمین میں پڑنے والا ہر بیج اُگ آتا ہے اسی طرح نزولِ وحی کے دور میں پوچھے جانے والے ہر سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے۔ اللہ پاک کی طرف سے ایسی کسی بات کے بارے میں کوئی حکم نہ فرمانا کسی سہو یا نسیان کی بناء پر نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ سہو و نسیان کے ہر شائبہ سے پاک ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ بلکہ ایسا تمہارے لئے آسانی اور سہولت کی غرض سے ہوتا ہے۔ پس تم لوگ خواہ مخواہ بے مقصد اور فضول سوالات کر کے اپنے لئے تنگی اور مشکلات کا سامان نہ کرو۔ حضرتِ ابو ثعلبہ الخشنیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ پاک سبحانہ و تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں ان کو ضائع نہیں کرنا۔ اور کچھ حدیں قائم فرمائی ہیں ان کو پھلانگنا نہیں۔ اور کچھ چیزوں کو اس نے حرام فرمایا ہے تم ان کے قریب بھی نہ پھٹکنا۔ اور کچھ چیزوں کو اس نے یونہی چھوڑ دیا ہے بغیر کسی بھول یا نسیان کے۔ پس تم ان کے پیچھے نہیں پڑنا۔ اور ان میں کھود کرید نہیں کرنا۔ (رواہ الدارقطنی، وابونعیم، محاسن التاویل للعلامہ القاسمیؒ) - وباللّٰهِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین۔

تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾

تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی، اللہ نے معاف فرما دیا ان سوالات سے متعلق (جو اس سے پہلے تم لوگ کر چکے ہو،) اور اللہ

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا

بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی بردبار ہے، تم سے پہلے ایک گروہ ایسی باتیں پوچھ چکا ہے ۲۶۸ پھر (جواب ملنے پر) وہی ان کے

كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ

منکر ہو گئے، ۲۶۹ اللہ نے تو نہ کوئی بحیرہ ۲۷۰ مقرر کیا ہے، نہ سائبہ، ۲۷۱

وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

نہ کوئی وصیلہ، ۲۷۲ اور نہ حام، ۲۷۳ مگر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

۲۶۸ غیر ضروری سوالات باعث ہلاکت - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم سے پہلے بھی کچھ لوگوں نے اسی طرح کی باتوں کے بارے میں پوچھا لیکن [جواب ملنے پر] پھر وہی لوگ ان کے منکر ہو گئے۔ یعنی اس سے مقصود بعینہٖ یہی سوالات نہیں بلکہ انہی کی جنس سے تعلق رکھنے والے اسی طرح کے غیر ضروری اور لایعنی سوالات ہیں۔ (تفسیر القاسمیؒ و تفسیر المراغیؒ وغیرہ)۔ یعنی پہلی امتوں نے جو سوالات پوچھے تھے وہ بھی اسی طرح کے غیر ضروری اور لایعنی سوالات تھے اور ان کے نتیجے میں ان قوموں پر ایسے ہی وبال اور مصائب آئے تھے۔ یہاں تک کہ وہی لوگ ان کے منکر ہو گئے۔ چنانچہ بنی اسرائیل اپنے پیغمبروں سے اسی طرح کے غیر ضروری اور لایعنی سوالات کرتے۔ پھر جب جواب ملتا تو وہ اس کے منکر ہو جاتے اور اسکے نتیجے میں وہ ہلاکت میں جا گرتے۔ (محاسن التاویل اور مراغی وغیرہ)۔ سو اس طرح کے غیر ضروری سوالات باعث ہلاکت ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور جس طرح غیر ضروری سوالات کرنا منع ہے اسی طرح کثرتِ سوالات یعنی زیادہ سوالات کرنا بھی ممنوع ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - سے اس بارے ممانعت ذکر ہوئی ہے۔ چنانچہ روایت میں ہے - "نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ - صلی اللہ علیہ وسلم - عَنْ قِيْلَ وَقَالَ وَعَنْ كَثْرَةِ السُّوَالِ وَعَنْ اِضَاعَةِ الْمَالِ" - یعنی "اللہ کے رسول نے منع فرمایا قیل وقال سے، کثرتِ سوال سے اور مال کے ضائع کرنے سے" - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۲۶۹ پیغمبر کا کام از خود حکم دینا نہیں اتباع کرنا ہوتا ہے: - اور پیغمبر کی بات ماننے ہی میں لوگوں کا بھلا ہوتا ہے مگر ایسے لوگوں نے حکم ملنے کے بعد اس کی تعمیل نہیں کی۔ بلکہ یہ اس کے منکر ہو گئے اور انہوں نے اس کی خلاف ورزی کا ارتکاب کیا۔ حکم بہرحال اللہ ہی کی طرف سے نازل ہوتا ہے کہ حاکم وہی ہے - ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا

لِلّٰہِ﴾- پس اس موقع پر اہلِ بدعت کے بعض بڑوں اور انکے زعماء اور رؤساء کا یہ کہنا کہ اس سے معلوم ہوا کہ احکام حضور کو مفوض ہیں۔ جو فرض فرمائیں فرض ہو جائے اور جو نہ فرمائیں نہ ہو۔ اور ان کے ایک مشہور تحریف پسند کا اس سے آگے بڑھ کر یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو مالکِ اَحکام بنا دیا ہے، ایک ایسا دعویٰ اور قول ہے جو کہ عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی، کہ حضور- علیہ الصلوٰۃ والسلام- کا وصف ہے رسول اور پیغمبر- کہ آپ اپنے رب کی طرف سے پیغام پہنچاتے ہیں نہ یہ کہ ازخود اپنی طرف سے حکم دیں۔ آپ کا صاف وصریح اعلان و ارشاد ہے- ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ﴾- (یونس: ۱۵)۔ کہ میرا کام تو صرف پیروی کرنا ہے اُس وحی کی جو میری طرف بھیجی جاتی ہے نہ کہ اپنی طرف سے کوئی حکم دینا۔ وہ وحی خواہ جلی ہو یعنی قرآنِ حکیم یا خفی جیسے احادیثِ کریمہ۔ اور اللہ پاک کی طرف سے آپ کو حکم بھی صرف اِتباع اور پیروی کا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ پاک میں جگہ جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ مثلاً فرمایا گیا- ﴿ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ﴾- یعنی ''پیروی کرو تم اس وحی کی جو تمہاری طرف بھیجی جاتی ہے تمہارے رب کی طرف سے' (الانعام آیت ۱۰۶)- ﴿ وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ وَاصْبِرْ ﴾- (یونس: آیت نمبر ۱۰۹) ''اور پیروی کرو تم اس وحی کی جو تمہاری طرف بھیجی جاتی ہے اور صبر سے کام لیتے رہو'' - ﴿ وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ﴾- (الاحزاب: آیت نمبر۲) ''اور پیروی کرو اس وحی کی جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے آپؐ کے رب کی طرف سے'' وغیرہ وغیرہ کتنی ہی آیاتِ کریمہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ پیغمبر کا کام تو صرف پیروی کرنا ہوتا ہے اس وحی کی جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے آتی ہے نہ کہ ازخود اپنی طرف سے احکام جاری کرنا۔ اور آپؐ خود صاف اور صریح طور پر اعلان فرماتے ہیں کہ میں اپنی طرف سے نہ کسی حلال کو حرام کر سکتا ہوں اور نہ کسی حرام کو حلال۔ (صحیح بخاری: ج ۱ ص ۴۳۸، صحیح مسلم: ج ص ۲۹) وغیرہ۔ بلکہ میرا کام تو صرف پیروی کرنا ہے اس وحی کی جو اللہ کی طرف سے میرے پاس آتی ہے اور بس۔ اسی لئے قرآنِ پاک میں آپ کو اس بارے ان الفاظ میں تنبیہ بھی فرمائی گئی ہے- ﴿ یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ﴾- (التحریم: ۱) کہ ''اے پیغمبر آپ ایک ایسی چیز کو اپنے لئے حرام کیوں ٹھہراتے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لئے حلال قرار دیا ہے''۔ اور یہ تنبیہ اس موقع پر نازل ہوئی جب کہ آپؐ نے ایک خانگی مصلحت کی بناء پر شہد کو قسم کھا کر اپنے اوپر حرام فرما لیا تھا۔ چنانچہ صحیح احادیث کے مطابق آپؐ نے اپنی اس قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ دیا اور شہد استعمال فرمایا۔ نیز ارشادِ ربانی ہے- ﴿لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ ﴾- (آلِ عمران: ۱۲۸)۔ یعنی ''اس معاملے میں آپ کو کوئی اختیار نہیں ''۔ اس لئے علماء وفقہاء کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ نبی کا کام اللہ کا پیغام پہنچانا ہوتا ہے اور بس۔ تحلیل وتحریم کا اختیار آپ کو نہیں ہوتا کہ آپؐ صرف نبی و رسول ہوتے ہیں نہ کہ کوئی خدائی اختیار رکھنے والے۔ اس کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: عمدۃ القاری: ج ۱۲ ص ۴۵۷، اشعۃ اللمعات: ج ۳ ص ۱۷۸، حجۃ اللہ البالغۃ: ج ۱ ص ۴۹، الجواہر والیواقیت للشعرانیؒ: ج ۲ ص ۲۴، التحریر لابن الہمام الحنفیؒ: ص ۲۲۴ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے باوجود اہلِ بدعت کے ان پیشواؤں کا یہ کہنا کہ حضور اَحکام کے مالک اور مفوض ہیں، جو چاہیں حکم دیں اور فرض فرمائیں، ایک لغو اور بے بنیاد قول ہے۔ جو عقل ونقل دونوں کے خلاف ہے۔ جیسا کہ ابھی صاف وصریح آیات اور احادیث کی

روشنی میں گزرا۔ اور نصِ قرآنی کے مطابق پیغمبر خود اپنا منصب نفی و اثبات کے الفاظ وکلمات اور حصر و تاکید کے اسلوب کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ میرا کام تو صرف وحی کی پیروی کرنا ہے اور بس ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ﴾ ۔ دراصل تفویض کا یہ خود ساختہ، نامعقول اور غلو آمیز عقیدہ شیعہ و روافض کا عقیدہ ہے جو ان کی کتابوں میں موجود ہے اور ان کے حالیہ امام خمینی آنجہانی نے بھی اپنی مختلف کتابوں ''الحکومۃ الاسلامیۃ'' وغیرہ میں لکھا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: شرح مواقف از جرجانی الحنفیؒ: ص ۷۵۷ اور غنیۃ الطالبین از شیخ جیلانیؒ: ص ۲۲۱ وغیرہ۔ اس طرح اہلِ بدعت نے بھی یہ عقیدہ دراصل انہی لوگوں سے لیا اور اس کو انہوں نے بھی انہی عوامل و محرکات کی بناء پر اپنایا ہے جن کی بناء پر ان لوگوں نے اس کو اپنایا اور اختیار کیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ باقی رہی مسلم شریف کی وہ حدیث جس کا حوالہ اس موقع پر ان دونوں اہلِ بدعت نے دیا ہے تو اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ حضور نے فرمایا کہ اگر میں اللہ تعالیٰ سے وحی پا کر ہاں کہہ دیتا تو یہ تم پر فرض ہو جاتا۔ اور تم نہ کر سکتے۔ نہ یہ کہ میں از خود اپنی طرف سے ہاں کر کے فرض کر دیتا۔ جیسا کہ اہلِ بدعت نے سمجھا۔ رہی یہ بات کہ اتنی جلدی وحی کا نزول کیسے ہوسکتا تھا تو اس کا انکار جیسا کہ علامہ طحاوی حنفیؒ نے فرمایا کوئی ملحد وزندیق ہی کر سکتا ہے۔ ورنہ مومنِ صادق کو اس میں نہ کوئی اشتباہ ہوسکتا ہے نہ استبعاد۔ (ملاحظہ ہو مشکل الآثار)۔ اہلِ بدعت کے ان ہی بڑے صاحب نے یہاں پر ایک اور اپچ اس طرح نکالی ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ حلال وہ ہے جسے اللہ حلال کرے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے حرام فرمایا۔ اور جس سے خاموشی رہی وہ معاف ہے۔ لہٰذا محفلِ میلاد شریف اور عرس وغیرہ کو چونکہ اللہ رسول نے حرام نہیں فرمایا، لہٰذا حلال ہے۔ زیغِ طبع ملاحظہ ہو کہ ان صاحب نے حدیث خود وہ نقل کی جس میں تصریح ہے کہ تحلیل وتحریم اللہ تعالیٰ کا فعل اور اسی کا اختیار ہے۔ مگر عقیدہ اس کے خلاف یہ بنایا کہ اَحکام حضور کو مفوض ہیں۔ اور مزید یہ کہ محفلِ میلاد اور عرس وغیرہ کا جواز اس سے کشید کرتے ہیں کہ چونکہ اس سے اللہ، رسول نے منع نہیں فرمایا، اس لئے یہ حلال ہیں۔ حالانکہ کسی بھی حکمِ شرعی کے ثبوت کے لئے دلیلِ مثبت کا ہونا ضروری ہوتا ہے نہ کہ محض یہ مفروضہ کہ اس سے منع نہیں کیا گیا۔ ورنہ اگر کوئی شخص موصوف کی اسی خود ساختہ منطق کی بناء پر انہی کی زبان میں یوں کہنے لگے کہ صاحب نمازیں پانچ نہیں چھ فرض ہیں۔ روزے تیس نہیں چالیس ہیں۔ حج سال میں ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ ہے۔ فجر کی رکعتیں دو نہیں تین ہیں یا ظہر کی چار نہیں پانچ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کہ ان میں سے کسی کے بھی منع اور ناجائز ہونے کے بارے میں کوئی دلیل موجود نہیں۔ لہٰذا ایسا کرنا ممنوع نہیں مباح ہے۔ تو پھر بدعت اور تحریف کے یہ علمبردار اور ان کی کمپنی آخر اس کا کیا جواب دے گی؟ اور اس کا رد آخر کس بناء پر کرے گی؟۔ سو موصوف کے اس استدلال کی بنیاد ہی غلط ہے اور بناء الفاسد علی الفاسد کے قبیل سے ہے۔ اور یہ تحریف وتغییر دین کے زمرے میں آتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ زَیْغٍ وَّ ضَلَالٍ وَّالْحَادٍ وَّانْحِرَافٍ۔

۲۴۰ ﴿بَحِیْرَۃ﴾ اور اُس کا مفہوم؟: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے کوئی ''بحیرہ'' مقرر نہیں فرمایا جیسا کہ مشرکینِ عرب کے یہاں رواج تھا کہ جو اونٹنی پانچ بچے جنتی اور اس کا پانچواں بچہ نر ہوتا تو وہ لوگ اس کے کان چیر کر اسے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے۔ اس سے وہ لوگ کوئی فائدہ نہ لیتے۔ نہ اس پر سواری کرتے نہ بوجھ لادتے۔ نہ اس کو ذبح کرتے اور نہ اس کو کہیں

چرنے یا پانی پینے سے روکتے۔ وہ آزادانہ جہاں چاہتی جاتی، چرتی، پانی پیتی۔ اس کو کوئی روک ٹوک نہ ہوتی۔ اس کو یہ لوگ ''بحیرہ'' کہتے تھے۔ اور ''بحیرہ''، ''بحر'' سے بنا ہے جسکے معنٰی چیرنے کے آتے ہیں۔ سو ''بَحِیْرَہ''، ''فَعِیْلَہ'' بمعنٰی مفعول ہے۔ یعنی وہ اونٹنی جسکے کان چیر دیئے گئے ہوں۔ (المحاسن وغیرہ)۔ سو دینِ حق میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

۱۷۱ ﴿سَائِبَة﴾ اور اس کا مفہوم؟: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اور نہ ہی اللہ نے کوئی سائبہ مقرر فرمایا ہے جس کو وہ لوگ شفاء وغیرہ کی غرض کے لئے بتوں کے نام کی نذر کر کے یونہی کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ جیسا کہ ہندو لوگ اپنے بتوں اور دیویوں وغیرہ کے نام کے سانڈ چھوڑتے ہیں۔ اور کئی جاہل مسلمان بھی کسی بزرگ یا قبر وغیرہ کے نام کی کوئی منت و نذر مان کر اس کو یونہی چھوڑ دیتے ہیں۔ جس طرح کہ ''بحیرہ'' سے کوئی خدمت نہیں لی جاتی تھی۔ نیز ''سَائِبَة'' اُس اونٹنی کو کہا جاتا تھا جو دس بچے جنے اس طرح کہ وہ سب کے سب مادہ ہوں ان کے درمیان کوئی نر بچہ نہ ہو۔ ایسی اونٹنی کو وہ لوگ بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے۔ نہ اس پر بوجھ لادا جاتا نہ سواری کی جاتی۔ نہ اسکی اون کاٹی جاتی نہ اس کا دودھ پیا جاتا۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو یہ سب کچھ ان لوگوں کے اپنے توہمات پر مبنی تھا جس کی نہ کوئی اصل تھی نہ بنیاد۔ اور ایسی فرضی اور وہمی چیزوں کے لئے اسلام میں کوئی گنجائش ہو ہی نہیں سکتی۔ پس یہ سب مردود ہے۔

۱۷۲ ﴿وَصِيْلَة﴾ اور اس کا مفہوم؟: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور نہ ہی اللہ نے کوئی وصیلہ مقرر فرمایا ہے۔ یعنی جو بکری دو مرتبہ مادہ جنے۔ اس طرح کہ اس کے بیچ اس نے کوئی نر بچہ نہ دیا ہو۔ اس کو بھی وہ لوگ بتوں کے نام نذر کر کے آزاد چھوڑ دیتے۔ اور بعض نے کہا کہ ''وصیلہ'' اس بکری کو کہتے ہیں جو اپنی ماں کے ساتویں پطن میں اپنے بھائی کے ساتھ پیدا ہوئی ہو۔ اس کو بھی وہ لوگ یونہی آزاد چھوڑ دیتے اور کہتے کہ یہ بکری اپنے بھائی سے مل گئی۔ پھر وہ اسکی وجہ سے اسکے بھائی کو بھی ذبح نہ کرتے اور اسکے دودھ کو مَردوں کیلئے حلال قرار دیتے اور عورتوں کیلئے حرام۔ (محاسن وغیرہ)۔ سو ''سائبہ'' کی طرح ''وصیلہ'' کے بھی دو مفہوم و مطلب ہو گئے اور یہ دونوں ہی صورتیں زمانہ جاہلیت میں پائی جاتی تھیں۔ اور یہ سب کچھ ان کے اوہام وخرافات کا نتیجہ تھا۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۱۷۳ ﴿حَام﴾ اور اُس کا مفہوم؟: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور نہ ہی اللہ نے کوئی حام مقرر فرمایا ہے۔ یعنی وہ اونٹ جس کی جفتی سے دس بچے پیدا ہو چکے ہوں۔ اس کو بھی وہ لوگ بتوں کی نذر کر کے یونہی آزاد چھوڑ دیتے تھے اور اس سے وہ کوئی خدمت وغیرہ نہیں لیتے تھے۔ گویا اس طرح اس نے اپنی پیٹھ کی حمایت و حفاظت کا سامان کر لیا۔ اس لئے اس کو وہ ''حام'' کہتے تھے۔ اور ان جانوروں کی تعریف وتعیین میں اور بھی کئی اقوال مروی ہیں۔ لیکن ان میں کوئی منافات نہیں کہ سب ہی صورتیں وہاں موجود تھیں اور یہ سب کی سب اوہام وخرافات پر مبنی تھیں۔ کوئی اصل و بنیاد ان کی نہیں تھی۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے نورِ علم و ہدایت سے محرومی کا کہ اسکے بعد انسان ایسے ہی طرح طرح کے اندھیروں میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ پس وحی خداوندی کا نور ہی وہ نورِ عظیم ہے جو انسان کو راہِ حق و ہدایت سے بہرہ مند و سرفراز کرتا ہے اور اس کو تہ در تہ اندھیروں سے نکال کر کے حق و ہدایت کے اجالے اور روشنی کی طرف لاتا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِالصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْم۔ اَللّٰهُمَّ فَثَبِّتْنَا عَلَيْهِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَام۔

يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

وہ (اپنی ہی طرف سے) جھوٹ (اور بہتان) باندھتے ہیں اللہ پر، ۲۷۴ اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو اپنی عقلوں سے کام

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى

نہیں لیتے، ۲۷۵ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تم لوگ ان تعلیمات (مقدسہ) کی طرف جن کو نازل فرمایا ہے اللہ نے، اور

الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ

(آؤ تم) اس کے رسول کی طرف، تو یہ جواب دیتے ہیں کہ ہمیں کافی ہے (وہی کچھ) جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو، ۲۷۶

اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

تو کیا (یہ لوگ اپنے باپ دادا کے طریقوں ہی پر چلتے رہیں گے) اگرچہ وہ نہ کچھ علم رکھتے ہوں اور نہ ہی انہیں سیدھی راہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ

کی کوئی خبر ہو؟ ۲۷۷ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، (اصل میں اور سب سے پہلے تو) تم اپنی فکر کرو دوسرے کسی کی گمراہی

۲۷۴ کسی حلال کو از خود حرام ٹھہرانا اللہ پر بہتان باندھنا ہے۔ والعیاذ باللہ: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنی طرف سے جھوٹ باندھتے ہیں اللہ پر اور اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی حلال چیزوں کو از خود حرام قرار دیتے ہیں۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ کسی حلال چیز کو بلا کسی شرعی دلیل کے از خود یونہی حرام قرار دے دینا اللہ پر جھوٹ گھڑنا اور بہتان باندھنا ہے جو کہ بڑا ہی سنگین جرم ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ کیونکہ اللہ پاک۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ نے جن پاکیزہ چیزوں کو اپنے بندوں کیلئے پیدا فرمایا ہے ان کو حرام قرار دینے کا حق کسی کو نہیں پہنچ سکتا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔ ﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ﴾۔ (الاعراف: ۳۲)۔ یعنی "ان سے کہو اے پیغمبر کہ کس نے حرام کیا اس زینت کو جس کو اللہ نے پیدا فرمایا ہے اپنے بندوں کے لئے اور ان پاکیزہ چیزوں کو جو اس نے ان کو عطاء فرمائی ہیں؟"۔ اسی لیے حدیث میں ان بدعات کے موجد عمرو بن الخزاعی کے بارے میں سخت عذاب کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے عمرو بن عامر الخزاعی کو دیکھا کہ وہ اپنی انتڑیاں دوزخ کی آگ میں گھسیٹ رہا ہے کہ یہی وہ پہلا شخص تھا جس نے "بحیرہ" اور "سائبہ" وغیرہ کو رواج دیا اور دینِ اسماعیل کو بدلا۔ (بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ المآئدۃ، مسلم: کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا واھلہا) افسوس کہ آج امتِ مسلمہ کے اندر بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو دورِ جاہلیت کے لوگوں کے نقشِ قدم پر اس طرح حماقتوں کا ارتکاب کرتے ہوئے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور اس کی حرام کردہ چیزوں میں سے کچھ کو حلال قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے لیے وہ طرح طرح کے مفروضوں اور من گھڑت ڈھکوسلوں سے کام لیتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۲۷۵ کفر و شرک مت ماری کا باعث - والعیاذ باللہ: -سو کفر و شرک اور احداث و بدعت کی نحوست سے انسان کی مت ماری جاتی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو اپنی عقلوں سے کام نہیں لیتے۔ سو مت ماری کے باعث -والعیاذ باللہ- ایسے لوگ عقل کی روشنی سے کام نہیں لیتے ورنہ وہ ایسی ایسی حماقتوں کا ارتکاب نہ کرتے۔ اور اللہ پاک پر ایسے ایسے بہتان باندھنے کی جسارت کبھی نہ کرتے۔ دراصل شرک و بدعت کی نحوست سے ایسے لوگوں کی عقل ماری جاتی ہے جس سے وہ اس قدر موٹی بات بھی سمجھنے کے قابل نہیں رہتے ہیں -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- اور ﴿اَکْثَرُھُمْ﴾ کے لفظ سے اس حقیقت کو پھر آشکارا فرما دیا گیا کہ اکثر لوگ عقل و خرد کے نور سے محروم ہوتے ہیں۔ اس لیے عوام کی اکثریت کی تائید و تردید کو کسی امر کے حق یا باطل ہونے کیلئے معیار نہیں قرار دیا جاسکتا۔ جس طرح کہ مغربی جمہوریت کے پجاریوں کا کہنا اور ماننا ہے۔ اور جس طرح کہ ہمارے یہاں کے اہلِ بدعت کا کہنا ہے۔ بہرکیف یہاں سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ کفر و شرک اور احداث و بدعت سے انسان کی مت ماری جاتی ہے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- جس سے وہ سیدھی اور صحیح بات سمجھنے اور ماننے کے قابل نہیں رہتا۔ اور کفر و شرک اور بدعت کے ماروں کے طور طریقوں سے ان کی مت ماری کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے اور اس کے مظاہر یہاں اور وہاں جگہ جگہ اور طرح طرح سے ملتے ہیں -والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے- آمین۔

۲۷۶ باپ دادا کی ممنوع و محذور پیروی؟: -سو باپ دادا کی ممنوع و محذور پیروی وہ ہے جو حق و ہدایت کے تقاضوں کے خلاف ہو کہ حق کیخلاف باپ دادا کے طور طریقوں کو اپنانا کفار و مشرکین کا کام ہے -والعیاذ باللہ- کفار و مشرکین کا حضراتِ انبیاء و رسل کی دعوت کے جواب میں کہنا کہ ہمیں وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اور ہم اپنے ان بڑے بزرگوں اور پرانے لوگوں کے طور طریقوں کے خلاف تمہاری بات ماننے کو تیار نہیں۔ اور یہی حال آج کے اہلِ شرک و بدعت کا بھی ہے کہ وہ بھی حق واضح ہو جانے کے باوجود پرانی رسوم و بدعات اور تقالید و عادات کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ سو کفار و مشرکین کے اس طریقے کے مقابلے میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ انسان آباء و اجداد کے مشرکانہ طور طریقوں کو چھوڑ کر راہِ حق و ہدایت کو اپنائے کہ اصل چیز تو حق کی اِتباع اور اس کی پیروی ہی ہے کہ اس میں انسان کے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان ہے۔ جبکہ اس سے اِعراض و انحراف ہلاکت و تباہی کا باعث -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ-

۲۷۷ باپ دادا کی محمود و مطلوب پیروی؟: -سو اس ارشاد سے واضح ہو جاتا ہے کہ جو باپ دادا حق پر ہوں انکے نقشِ قدم پر چلنا مذموم نہیں مطلوب و محمود ہے۔ پس اس شرط و قید سے معلوم ہوا کہ باپ دادا اگر علم و آگہی کی روشنی رکھتے ہوں اور وہ راہِ حق و ہدایت کی روشنی پر چلتے ہوں تو ان کی پیروی درست ہے، وہ منع نہیں۔ کہ وہ پیروی اصل میں انکی نہیں ہوتی بلکہ حق و ہدایت کے اُس نور کی ہوتی ہے جس سے وہ لوگ مشرف ہوتے ہیں۔ سو ایسے آباء و اَجداد کے طور طریقوں کو اپنانا اور ان کے نقشِ قدم پر چلنا نہ صرف یہ کہ ممنوع نہیں بلکہ وہ مطلوب و محمود ہے کہ وہ راہِ حق و ہدایت کی پیروی ہے۔ سو سلامتی اور نجات کی راہ یہ ہے کہ اس نورِ حق و ہدایت کی اِتباع اور پیروی کی جائے جو انسانوں کے خالق و مالک کی طرف سے عطاء فرمائی گئی ہے کہ اسی میں انسان کے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان ہے۔ اس کے بغیر سلامتی اور نجات ممکن نہیں -وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَ یُرِیْدُ وَعَلٰی مَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وَھُوَ الْھَادِیْ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ- اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے- آمین۔

مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا

تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی جب کہ تم خود ہدایت پر ہو،۲۷۸ (اور یاد رکھو کہ) بالآخر اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تم سب کو،

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۵ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

پھر وہ بتا دے گا تم کو وہ سب کچھ جو تم کرتے رہے تھے (زندگی بھر)، ۲۷۹ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو،

شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ

تمہارے درمیان گواہی (کا نصاب) جب کہ آ پہنچے تم میں سے کسی کو موت، وصیت کے

الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ

وقت (یہ ہے کہ) دو معتبر آدمی ہوں تم میں سے، یا دوسروں میں سے (یعنی غیر مسلم ہوں)،

اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ

اگر تم کہیں سفر پر ہو، اور (اس دوران) آ پہنچے تم کو موت کی مصیبت، (اور تم کو مسلمان گواہ میسر نہ آ سکیں)،۲۸۰ تم ان کو

۲۷۸ اپنی فکر کرنے کی ہدایت :- سو اس سے دوسروں کے پیچھے پڑنے کی بجائے اپنی فکر کرنے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے کہ دوسروں کی عیب چینی اور خوردہ گیری کرنے کی بجائے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اپنی اصلاح کی فکر کی جائے سو اہل ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اپنی فکر کرو دوسرے کسی کی گمراہی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی جبکہ تم لوگ خود ہدایت پر ہو۔ پس تم لوگوں کو دوسروں کی عیب چینی اور خوردہ گیری کرنے کی بجائے سب سے پہلے اپنی فکر کرنی چاہیئے کہ انسان اصل میں اور سب سے پہلے اپنا ہی ذمہ دار ہے۔ اور اپنی ذات ہی کے بارے میں اس سے پوچھ ہوگی۔ پس تم اپنی فکر کرو اور تم سے اسی بارے پوچھ ہوگی۔ زمخشریؒ کہتے ہیں کہ جو لوگ فاسقوں اور فاجروں کے پیچھے پڑنے، ان کی عیب جوئی اور خوردہ گیری کرنے ہی کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں وہی اسکے اصل مخاطب ہیں۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو یہ ایک بڑی عظیم الشان ہدایت ہے جو اس آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمائی گئی ہے۔ کیونکہ انسان جب دوسروں کی عیب جوئی اور خوردہ گیری کرنے لگتا ہے تو وہ اپنی اِصلاح سے غافل ہوجاتا ہے۔ اور اس طرح وہ بڑے خسارے میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - حالانکہ اگر دیکھا جائے تو انسان دوسروں کی بجائے سب سے پہلے اپنی اصلاح کا محتاج ہے۔ اور اس کو اپنے عیبوں ہی پر سب سے زیادہ نظر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس کا درس انسان کی فطرت کے اندر اس طرح موجود اور مرکوز ہے کہ انسان جب کسی دوسرے کی طرف انگلی اٹھاتا ہے تو اُس کی تین

انگلیاں خود اس کی اپنی طرف مڑی ہوتی ہیں مگر وہ اس سے سبق نہیں لیتا اور اپنی فطرت میں مرکوز اس عظیم الشان درس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اور اس طرح وہ خسارے میں پڑ جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۷۹ یومِ حساب کی تذکیر و یاددہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بالآخر تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ تب وہ تم لوگوں کو بتادے گا وہ سب کچھ جو تم قبل کر رہے تھے یعنی اپنی زندگیوں میں اور اس کے مطابق تمہیں اپنے کیے کرائے کا بدلہ پانا ہوگا۔ اس لئے اصل اور سب سے پہلے اپنی اِصلاح و فکر کرو اور ہمیشہ یہ بات اپنے پیشِ نظر رکھو کہ حساب اور معاد کے اُس یومِ عظیم کیلئے میں نے کیا تیاری کی ہے اور کیا سامان جمع کیا ہے۔ سو یوم حساب کی تذکیر و یاددہانی اِصلاح فرد و معاشرے کیلئے ایک انقلاب آفریں تاثیر رکھتی ہے۔ اس لیے قرآنِ حکیم میں اس کا جگہ جگہ اور طرح طرح سے اہتمام فرمایا گیا ہے کہ دنیا والوں کی نگاہوں سے تو انسان چھپ اور بچ سکتا ہے لیکن حساب و جزاء کے اس یومِ عظیم کی پرسش اور گرفت و پکڑ سے بچنا اس کے لئے کیونکر ممکن ہوسکتا ہے؟۔ پس ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان اس یومِ حساب کو ہمیشہ یاد رکھے کہ وہاں پر اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا جواب میں نے خود دینا ہے۔ وہاں پر کوئی دوسرا نہ میرے کچھ کام آسکے گا اور نہ کسی کی وجہ سے میری جواب دہی کا بوجھ مجھ سے ہلکا ہو سکے گا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۲۸۰ گواہی کا نصاب دو معتبر مسلمان:- حضرتِ ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ تمیم بن اوس داری اور عدی بن بداء نامی دو نصرانی تجارت کے لئے شام کی طرف گئے تو ان کے ساتھ بدیلؓ سہمی نام کے ایک مسلمان بھی چلے گئے جو اس سفر میں ایک ایسی جگہ بیمار ہو کر فوت ہو گئے جہاں کوئی مسلمان موجود نہیں تھا۔ تو انہوں نے وفات سے پہلے اپنے ان دونوں نصرانی ساتھیوں سے کہا کہ، میرا یہ مال میرے گھر والوں کو پہنچا دینا۔ چنانچہ انہوں نے واپس پہنچ کر حسبِ وصیت وہ مال تو ان کے خاندان والوں کو واپس کر دیا مگر اس میں سے چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا انہوں نے خود رکھ لیا جس کا پتہ وارثوں کو سامان سے ملنے والی لسٹ سے چلا۔ جس کے مطابق انہوں نے ان دونوں سے پوچھا مگر انہوں نے اس کا انکار کر دیا اور اس پر قسم بھی اٹھا لی۔ بعد میں وہ پیالہ جب ایک شخص کے پاس دیکھا گیا تو اس نے پوچھنے پر بتایا کہ میں نے یہ عدی اور تمیم سے خریدا تھا۔ اس کے بعد جب عدی اور تمیم سے اس بارے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے یہ پیالہ بدیل سہمی سے اس کے مرنے سے پہلے خرید لیا تھا۔ اب یہ دونوں چونکہ خریدنے کے مدعی بن گئے تھے اور معاملہ کے گواہ موجود نہیں تھے اس لئے بدیل سہمیؓ کے ورثاء میں سے دو آدمیوں نے قسم کھائی کہ یہ پیالہ اس کا تھا۔ ہماری گواہی ان دونوں نصرانیوں سے زیادہ معتبر ہے اور ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی۔ تو وہ پیالہ ان کو دے دیا گیا اور اس کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (طبریؒ، قرطبیؒ، روح، صفوہ، خازن، اسباب النزول وغیرہ)۔ بہرکیف اس سے معلوم ہوا کہ گواہی کا اصل نصاب دو معتبر مسلمان ہیں۔

الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ

روکے رکھو (اے وارثو!) نماز کے بعد، ۲۸۱ اگر تمہیں ان کے بارہ میں شک پڑ جائے، پھر وہ دونوں اللہ (کے نام) کی قسم کھا کر

اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا

کہیں کہ ہم اس قسم کے بدلے میں کوئی مال نہیں چاہتے، اگرچہ وہ شخص ہمارا قریبی ہی کیوں نہ ہو، ۲۸۲ اور نہ ہی ہم چھپاتے

نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ

ہیں اللہ کی (فرض کردہ) گواہی کو، ورنہ ہم یقینی طور پر گناہ گاروں میں شمار ہوں گے، پھر اگر (کسی طرح) پتہ چل

عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا

جائے کہ وہ دونوں کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں، تو ان کی جگہ اور دو گواہ کھڑے ہو جائیں، ان لوگوں میں سے جن کی حق

مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ

تلفی ہوئی ہو، جو سب سے زیادہ قریبی ہوں میت کے، ۲۸۳ پھر وہ دونوں اللہ (کے نام) کی قسم کھا کر کہیں

لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ

کہ ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے، اور ہم نے زیادتی نہیں کی، ورنہ ہم یقینی طور پر ظالموں میں شمار

اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ

ہوں گے، یہ طریقہ زیادہ قریب ہے اس بات کے کہ وہ گواہی دیں، اس کے (صحیح) طریقے پر، یا (کم از کم)

عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ

اس بات سے ہی ڈریں کہ ان کی قسموں کے بعد دوسری قسموں سے کہیں ان کی تردید نہ کر دی جائے، ۲۸۴ اور ہمیشہ ڈرتے

۲۸۱ نمازِ عصر کے بعد کے وقت کی خاص اہمیت:۔ یعنی ﴿الصَّلٰوة﴾ سے یہاں پر مراد نمازِ عصر ہے۔ سو تم ان کو روکے رکھو نمازِ عصر کے بعد کہ وہ اجتماع کا اور خاص اہمیت کا وقت ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں۔ عدی و تمیم۔ سے اسی وقت اور اپنے منبر کے پاس حلف لیا۔ (صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ جبکہ دوسرا قول اس بارے کچھ حضرات اہل علم کا یہ ہے کہ یہاں نماز سے مراد مطلق نماز ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ کیونکہ ﴿اَلصَّلٰوة﴾ کا لفظ یہاں پر مطلق واقع ہوا ہے۔ لہٰذا مطلق کو اپنے اطلاق پر ہی رکھا جائے۔ بہر کیف نماز کے بعد قسم کھانے اور حلف لینے کا یہ ارشاد اس لیے فرمایا گیا کہ نماز کے بعد اور

مسجد میں حلف لینے سے جھوٹ کا خدشہ بہت کم ہوتا ہے۔ اس لیے قدیم زمانے سے اس بات کا رواج واہتمام رہا ہے کہ حلف کسی عبادت کے وقت اور کسی عبادت خانے میں لیا جائے۔ اور ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اگر گواہ غیر مسلم ہوں تو اس وقت نماز سے مراد ان کے دین کی نماز ہوگی۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ سو نماز کا وقت اور خاص کر نمازِ عصر کے بعد کا وقت خاص اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس لئے ان دونوں کو اسی موقع پر روکے رکھنے کی ہدایت فرمائی گئی۔ نمازِ عصر سے متعلق لسانِ نبوت سے ارشاد فرمایا گیا کہ جس کی عصر کی نماز ضائع ہوگئی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اس کا گویا مال و اولاد سب کچھ تباہ ہوگیا۔ مَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین۔

۲۸۲ سچی گواہی کی تعلیم و تلقین: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ سچی گواہی دینی ہے اگرچہ وہ شخص قریبی ہی کیوں نہ ہو۔ جس کے لئے ہم قسم کھاتے ہیں کہ اس کی قرابت و رشتہ داری ہماری حق گوئی میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔ یعنی ہم لوگ اپنی قسم کے بدلے میں کوئی دنیاوی مفاد یا منافع نہیں حاصل کریں گے اگرچہ وہ شخص جس کیلئے ہم قسم کھا رہے ہیں وہ ہمارا قریبی اور رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ ہم حق اور حقیقت کے مطابق سچی گواہی دیں گے۔ سو یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر اللہ کیلئے اور حق کے مطابق گواہی دینے کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ایمان والے حق اور سچ کے مطابق گواہی دیتے ہیں اگرچہ وہ مشہود علیہ ان کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ سو کوئی دنیاوی مفاد اور لالچ یا کوئی قرابت و رشتہ داری گواہ کو حق کی گواہی سے روکنے نہ پائے۔ بلکہ حقیقت اور واقعہ کے مطابق صحیح اور درست گواہی دے تا کہ اس کے مطابق ہر حقدار کو اس کا حق پورے کا پورا مل جائے اور کسی کی کوئی حق تلفی نہ ہو۔ اسی لئے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ﴾۔ (البقرۃ: ۲۸۳) یعنی "تم لوگ گواہی کو نہیں چھپانا کہ جس نے گواہی کو چھپایا یقیناً اس کا دل گنہگار ہوگیا" اور جب دل گنہگار ہوگیا تو پھر اور کیا رہ گیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۲۸۳ گواہوں کی جگہ دوسرے دو گواہ کھڑے کیے جائیں: ۔ یعنی میت کے وارث جن کو اس سے زیادہ قرابت و رشتہ داری ہو۔ یعنی اگر کسی طرح یہ پتہ چل جائے کہ ان دونوں گواہوں نے اپنی گواہی میں کذب بیانی یا کسی خیانت و بددیانتی یا کسی طرح کے اِخفاء و کتمان سے کام لیا تھا تو اُس وقت گواہی وارثوں کی طرف لوٹائی جائے۔ یعنی پہلے دو گواہوں کی جگہ ان میں سے دو گواہ کھڑے ہوں۔ اور وارثوں میں سے دونوں گواہ ایسے ہوں جو میت کے زیادہ قریب ہوں۔ (المراغی وغیرہ)۔ بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ایسی صورت میں ان دو کی جگہ دوسرے دو گواہ کھڑے کیے جائیں جو کہ متوفی کے وارثوں میں سے ہوں۔ وہ اس معاملے کے بارے میں گواہی دیں۔

۲۸۴ گواہی کو صحیح طریقہ سے ادا کرنے کی ہدایت: ۔ سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ گواہی کو صحیح طور پر ادا کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یعنی یہ طریقہ جو ہم نے مقرر کیا کہ امانت رکھنے والے کو سب کے سامنے اور نماز کے بعد قسم دی جائے۔ اور قسمیں بھی سخت قسم کی دی جائیں۔ اور اسکے بعد قسمیں وارثوں کی طرف لوٹائی جائیں۔ یہ طریقہ اسکے زیادہ قریب ہے کہ وہ گواہی صحیح طریقے پر ادا کریں۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا خوف بھی ہے اور اسکے بعد لوگوں کی فضیحت کا ڈر بھی۔ (المراغی)۔ سو ایسی صورت میں ان دونوں گواہوں کو اس بات کا خوف ہوگا کہ ان کی قسمیں دوسرے دو آدمیوں کی قسموں کے ذریعے رد کر دی جائیں گی۔ سو اس خوف سے وہ دروغ گوئی اور کذب بیانی سے بچیں گے کہ اس طرح ان کو عام لوگوں کے سامنے اور سوسائٹی میں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ كُلِّ خِزْیٍ وَّ سُوْٓءٍ۔ (معالم الفرقان فی دروس القرآن وغیرہ)۔

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ

رہا کرو تم اللہ سے (اے لوگو!) اور سنا کرو، اور (یہ حقیقت پیش نظر رکھو کہ) اللہ ہدایت سے نہیں نوازتا فاسق (و بدکار) لوگوں

الْفٰسِقِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ

کو، ۲۸۵ (اور یاد کرو اس دن کو کہ) جس دن اللہ جمع فرمائے گا سب رسولوں کو، پھر ان سے پوچھے گا کہ کیا جواب دیا گیا تم کو

اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

(اپنی امتوں کی طرف سے)؟ ۲۸۶ تو وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ خبر نہیں، ۲۸۷ (آپ ہی بہتر جانتے ہیں کہ) بلاشبہ آپ ہی

۲۸۵ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں مل سکتی: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ فاسق لوگوں کو ہدایت کی دولت سے سرفرازی نصیب نہیں ہوسکتی کہ ہدایت کی دولت ملتی ہے طلبِ صادق پر۔ اور طلبِ صادق کی اس نعمت سے ایسے بدکار لوگ محروم ہوتے ہیں۔ تو پھر انکو ہدایت ملے تو کیسے اور کیونکر؟۔ سو فاسق لوگ اپنے فسق کی بناء پر نورِ حق و ہدایت سے محروم ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اُس کا دستور یہی ہے کہ ایسے لوگوں کو توفیق نہیں ملتی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ۔ اور یہ تو ایک عام فطری قانون و دستور ہے کہ دنیا میں کسی کو ایک عام سی چیز بھی ہاتھ پھیلائے اور مانگے بغیر نہیں ملتی تو پھر حق و ہدایت کی دولت جو کہ اس کائنات کی سب سے بڑی دولت ہے وہ بغیر چاہے اور بن مانگے آخر کیوں اور کیسے مل سکتی ہے؟۔ سو حق و ہدایت کی نعمتِ عظمیٰ ملتی تو حضرتِ واہبِ مطلق کی طرف سے بغیر کسی قیمت کے اور بالکل مفت ملتی ہے کہ اس کی قیمت دینا کسی کے لئے ممکن ہی نہیں کہ اس کے مقابلے میں دنیا ساری کا ثمنِ قلیل بھی ہیچ ہے۔ سو وہ ملتی تو مفت اور بالکل مفت ہے مگر اس کے لئے طلبِ صادق اور رجوع الی اللہ اولین شرط ہے۔ وَبِاللّٰهِ التوفیق۔

۲۸۶ قیامت کے روز حضراتِ انبیائے کرام سے سوال: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس دن کو یاد کرو جس میں اللہ سب رسولوں کو جمع فرمائے گا۔ پھر ان سے پوچھے گا کہ کیا جواب دیا گیا تم کو اپنی امتوں کی طرف سے اپنی دعوت و پیغام کے جواب میں۔ سو یہ سوال اگرچہ بظاہر انبیائے کرام سے ہوگا لیکن درحقیقت اس کا رخ ان کی امتوں کی طرف ہی ہوگا تاکہ اس طرح ان پر حجت قائم ہوسکے۔ نیز اس اندازِ کلام میں بلاغت کا یہ خاص اسلوب بھی کارفرما ہے کہ حق سے منہ موڑنے والے یہ لوگ اس قابل ہی نہیں کہ ان سے براہِ راست کوئی کلام کیا جائے اور ان کو منہ لگایا جائے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ سو اس یومِ عظیم کی تذکیر و یاددہانی سے یہ درس دیا جارہا ہے کہ اسکے لیے تیاری کرلو قبل اس سے کہ فرصتِ حیات تمہارے ہاتھ سے نکل جائے کہ اس ہولناک دن نے اپنے وقتِ مقرر پر بہرحال آکر اور بپا ہوکر رہنا ہے۔ اور حضراتِ انبیاء و رسل جو اللہ تعالیٰ کے نمائندہ اور پیغامبر

تھے ان سے ان کی امتوں کے بارے میں پوچھ ہوگی کہ انہوں نے ان کو کیا جواب دیا تھا؟ سو اس اعتبار سے ہر کوئی اپنا جائزہ خود لے لے کہ اس نے کیا کیا اور اس کو کیا کرنا چاہئے تھا؟ اور حضراتِ انبیاء و رسل کی دعوت کے جواب میں انہوں نے کیا کیا؟ - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید-

۲۸۷ علمِ غیبِ کلی اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ: - کہ اسی وحدہٗ لاشریک کا علم کامل اور محیط ہے اس کے سوا اور کسی بھی ہستی کی یہ شان نہ ہے نہ ہو سکتی ہے سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضراتِ انبیاء و رسل جواب دیں گے کہ ہم کو کچھ پتہ نہیں کہ ان کی امتوں نے کیا کیا کہ موت کے بعد کے زمانے کا تو ظاہر ہے کہ ہمیں کچھ پتہ ہے ہی نہیں کہ ہمارے انتقال کے بعد یہ لوگ کیا کرتے رہے۔ لیکن اپنی زندگی کے دوران بھی ہم صرف ان کے ظواہرِ امور ہی سے واقف و آگاہ تھے۔ باطن اور حقیقت کا ہمیں کچھ علم نہیں تھا۔ اور ظواہر کا یہ علم بھی محض ظن کا درجہ رکھتا تھا جو کہ دنیا میں اِجراءِ اَحکام وغیرہ کے لئے کافی تھا۔ لیکن حقیقتِ اَحوال اور بواطنِ اُمور کا جاننا اس وقت بھی ہمارے بس میں نہ تھا کہ ایسا قطعی، یقینی اور محیط علم تو آپ ہی کا خاصہ ہے اے ہمارے خالق و مالک کہ ہم تو بہرحال ظواہرِ امور ہی کے مکلّف تھے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کا ارشاد ہے - "نَحْنُ نَحْكُمُ بِالظَّوَاهِرِ وَاللّٰهُ يَتَوَلَّى السَّرَآئِرِ" - (محاسن التاویل وغیرہ)۔ پس یہ آیتِ کریمہ حضراتِ انبیائے کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - سے متعلق اہلِ بدعت کے علمِ غیبِ کلی کے شرکیہ عقیدے کی نفی میں صریح اور قطعی ہے۔ اور اس سے ان لوگوں کے ایسے شرکیہ عقائد کی جڑ نکل جاتی ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام - علیهم الصَّلوٰةُ والسَّلام - قیامت کے روز اس طرح صاف اور صریح طور پر اعلان کریں گے کہ ہمیں کچھ پتہ نہیں بلکہ آپ ہی جانتے ہیں کہ سب غیبوں کو جاننا آپ ہی کی صفت اور شان ہے - والحمدللہ - اور اس کے جواب میں اہلِ بدعت کے بعض تحریف پسندوں کا یہ کہنا کہ یہ ادب دربار کی بناء پر ہو گا، محض ان لوگوں کی طفل تسلی اور ایک ایجادِ بندہ ہے۔ کیا حضراتِ انبیائے کرام - علیهم الصَّلوٰةُ والسَّلام - ادبِ دربار کی بناء پر خلافِ واقعہ بات کہیں گے جو کہ جھوٹ کی تعریف میں آتا ہے؟ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - نہیں بلکہ حق اور اصل حقیقت یہی ہے کہ حضراتِ انبیاء - علیهم الصَّلوٰةُ والسَّلام - کو غیب کا وہی علم حاصل ہوتا ہے جس کا تعلق ان کے مقامِ عالی اور منصبِ نبوت سے ہوتا ہے اور بس۔ کلی، کامل اور محیط علم اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کا خاصہ ہے۔ اس میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں - سبحانہٗ وتعالیٰ -

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ

ہیں (اے ہمارے مالک!) جاننے والے سب غیبوں کے، ۲۸۸ جب کہ اللہ فرمائے گا، اے عیسیٰ بیٹے مریم کے، ۲۸۹ یاد کرو میرا وہ احسان

عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ مـ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ

جو میں نے کیا تم پر اور تمہاری والدہ پر، ۲۹۰ جب کہ میں نے تمہاری مدد کی اس پاکیزہ روح (جبریل امین)

وقف لازم

۲۸۸ **علم غیب کلی خاصۂ خداوندی ہے:-** سو حضرات انبیاء و رسل اس سوال کے جواب میں بارگہِ خداوندی میں عرض کریں گے کہ بے شک تو ہی ہے اے ہمارے مالک سب غیبوں کو جاننے والا۔ عربی زبان کا مشہور و معروف قاعدہ ہے کہ مبتداء و خبر جب دونوں معرفہ ہوں، جیسا کہ یہاں ہے، تو اس سے حصر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی علمِ غیب اے ہمارے مالک تیرا ہی خاصہ ہے۔ سو یہ ارشادِ ربانی بھی اہلِ بدعت کے علمِ غیبِ کلی کے شرکیہ عقیدے کی تردید میں ایک واضح اور قطعی نص ہے۔ مگر ان لوگوں کی مت ایسی ماری گئی ہے کہ ان کو یہ حقیقت پھر بھی سمجھ نہیں آتی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو حضراتِ انبیائے کرام۔ علیھم الصلوٰۃ والسلام۔ کو غیب کا وہی اور اسی قدر علم ملتا ہے جس کا تعلق ادائے رسالت سے ہوتا ہے اور جو ان کے منصبِ رسالت کا مقتضیٰ ہوتا ہے اور بس۔ رہا کلی اور محیط علم تو وہ نہ ان کو ملتا ہے اور نہ ہی ان کو اسکی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ خاصۂ خداوندی ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ بہر کیف یہاں تاکید اور حصر کے کلمات کے ساتھ بیان فرمایا گیا کہ سب غیبوں کو جاننے والا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ اس کی اس صفت میں کسی اور کو شریک ماننا اور اس کو عالمِ غیب جاننا شرک ہوگا جو کہ ظلمِ عظیم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۲۸۹ **ذکرِ عیسیٰ اور عظیم الشان درسہائے عبرت و بصیرت:-** سو اس سے حضرتِ عیسیٰ کے خصوصی ذکر اور اس میں پنہاں درسہائے عبرت و بصیرت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے چنانچہ حضراتِ انبیائے کرام کے عمومی ذکر کے بعد اب یہ حضرتِ عیسیٰ۔ علیہ السلام۔ کا بطورِ خاص ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ آنجناب کی محبت کے غلو میں آپ علیہ السلام کے پیروکاروں نے خاص طور پر بہت شرک کیا۔ یہاں تک کہ ان بدبختوں نے اپنے دین کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ انہوں نے آپ علیہ السلام کو خدا، خدا کا بیٹا، عالمِ غیب، متصرف فی الامور، یہاں تک کہ زندگی و موت کا مالک و مختار بھی مان لیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو اسی بناء پر یہاں سے اب حضرتِ عیسیٰ کا ذکر علیحدہ اور مستقل طور پر فرمایا جا رہا ہے تاکہ واضح ہوسکے کہ آنجناب کے بارے میں آپ کی امت نے کیسی کیسی شرکیات کا ارتکاب کیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ افسوس کہ آج امتِ مسلمہ کے جاہل طبقے کا ایک بڑا حصہ بھی اسی طرح کے شرکیہ عقائد و نظریات میں مبتلا ہے۔ اور بدعت پرست اور شکم پرور ملاں اور پیرانِ سوء ان کی پیٹھ ٹھونکتے اور ان کو ان شرکیات پر پکا کرتے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے نبی سے بڑھ کر ان کے امتیوں اور ان

میں بھی صحابۂ کرام کے عہدِ مبارک سے گزر کر صدیوں بعد کے بزرگوں کے بارے میں بھی یہ عقیدہ گھڑ لیا کہ وہ بھی اللہ کی قدرت اور اس کی عطاء و بخشش سے مُردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اہلِ بدعت کے ایک بڑے تحریف پسند نے جسکو اسکے حامی بڑے بڑے القاب سے نوازتے ہیں اس نے اس موقع پر اور انہی آیاتِ کریمہ کے ذیل میں اپنے تفسیری - بلکہ تحریفی - حواشی میں صاف لکھ دیا کہ حضور غوث پاک نے بارہ برس کی ڈوبی کشتی کو صحیح سلامت نکال دیا۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس تحریف پسند نے اس جھوٹے اور من گھڑت قصے کے دولہا، اسکی بارات، اسکے مقام اور اسکی قبر وغیرہ تک کے بارے میں بے سروپا باتوں کو بھی یہاں ذکر کر دیا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اور پھر بھی دعوٰی ہے کہ ہم مسلمان اور توحید کے علمبردار ہیں۔ اگر - يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ - یعنی اِحیاء و اِماتت کی خدائی صفت میں اس کی عاجز و بے بس مخلوق کو شریک ماننا بھی شرک نہیں تو پھر شرک نام اور کس بلا کا ہے؟ اور ایسے خود ساختہ اور من گھڑت قصوں کو قرآنی آیات کا مفہوم و مصداق قرار دینا بھی اگر تحریف نہیں تو پھر تحریف اور ہوتی کیا ہے؟ - فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ - بہر کیف حضرتِ عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور رسول تھے اور بس۔

۲۷۰ حضرتِ عیسیٰ کو انعاماتِ خداوندی کی تذکیر و یاددہانی :- سو اس سے حضرتِ عیسیٰ اور مریم - علیہما الصلوٰۃ والسلام - پر ہونے والے انعاماتِ خداوندی کی یاد دہانی فرمائی جا رہی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم یاد کرو میرے ان انعامات اور احسانات کو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیے کہ تم کو بغیر باپ کے معجزانہ طور پر اپنی قدرتِ کاملہ سے پیدا کیا۔ آپ کو بالکل بچپن میں معجزانہ طور پر بولنے اور ایک نہایت عمدہ، مدلل اور پاکیزہ کلام کرنے کے شرف سے نوازا۔ آپؑ کی والدہ ماجدہ کو طہارت و پاکیزگی اور ہدایت و راہنمائی کا ایک امتیازی مقام بخشا۔ اپنے دور کی تمام عورتوں پر ان کو فضیلت و بزرگی عطا کی۔ ان کی گود میں آپ سے ایک معجزانہ اور مدلل کلام کروا کر بے مثال طریقے سے ان کی طہارت و پاکدامنی کا اعلان کروایا وغیرہ۔ (ابن کثیر، محاسن اور صفوہ وغیرہ)۔ سو حضرتِ عیسیٰ کے اس قصہ کی تذکیر و یاددہانی میں نصاریٰ کیلئے خاص طور پر تنبیہ کا سامان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ مریم اور ان کے بیٹے حضرتِ عیسیٰ پر کیسے کیسے انعامات فرمائے۔ مگر ان لوگوں نے اسکے جواب میں کیسی ناشکری اور بے قدری اور کس قدر کفر و شرک کا اظہار و ارتکاب کیا کہ یہ لوگ تمام کفار و مشرکین سے بڑھ گئے کہ دوسرے کفار و مشرکین کی گستاخیاں تو حضراتِ انبیائے کرام تک تھیں لیکن ان لوگوں کی گستاخیاں تو حضرتِ حق - جل مجدہٗ - تک جا پہنچیں کہ انہوں نے حضرتِ عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا اور اس کا شریک قرار دے دیا۔ اور آپؑ کی والدہ ماجدہ کو بھی اس کی خدائی میں شریک کر دیا۔ (المراغی) اور اس طرح ان لوگوں نے حضرتِ عیسیٰ کے پیش کردہ دینِ توحید کو بدل کر دینِ شرک بنا دیا اور دینِ الٰہی کو بگاڑ کر کچھ کا کچھ کر دیا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جل وعلا - بہر کیف حضرتِ عیسیٰ اور مریم خدا نہیں خدا کے برگزیدہ بندے تھے اور بس - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - آمین۔

الْقُدُسِ تف تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ج وَإِذْ

کے ذریعے، ۲۹۱ تم لوگوں سے بات کرتے تھے (ماں کی) گود میں بھی اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی، ۲۹۲ اور جب

عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيلَ ج وَإِذْ

کہ میں نے سکھائی تم کو کتاب اور حکمت، اور تورات وانجیل، ۲۹۳ اور جب

تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنْفُخُ فِيهَا

کہ تم مٹی کا پتلا بناتے تھے پرندے کی شکل پر میرے اذن (اور حکم) سے، پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے

فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ

تو وہ (سچ مچ کا) پرندہ بن جاتا تھا میرے اذن (اور حکم) سے، ۲۹۴ اور (جب کہ) تم اچھا کر دیتے تھے مادر زاد اندھے اور

۲۹۱ حضرتِ عیسیٰ کے لیے تائیدِ غیبی کا ذکر:- سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ حضرتِ عیسیٰ کی تائید روح القدس کے ذریعے فرمائی گئی جو کہ آپ کے ساتھ رہتے اور مشکلات و مصائب سے آپ کی حفاظت کرتے۔ پس یہ مدد اسباب کے درجے میں تھی نہ کہ مافوق الاسباب طور پر۔ اس لئے اہلِ بدعت کا اس سے اپنی مافوق الاسباب مدد کے شرکیہ عقیدے کے لئے استدلال کرنا باطل و مردود اور خود ان لوگوں کی جہالت یا تجاہلِ عارفانہ کا ثبوت ہے۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بشر کا درجہ نوریوں کے مقابلے میں کس قدر بلند و بالا ہے کہ نوریوں کے سردار حضرتِ جبریلِ امین بحکمِ الٰہی حضرتِ عیسیٰ کی تائید و نصرت کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ پس اہلِ بدعت کا حضراتِ انبیائے کرام کی بشریتِ طاہرہ کا انکار کر کے ان کو نور ثابت کرنے کی کوشش کرنا اور اس غرض کیلئے نصوصِ صریحہ تک میں تحریف سے کام لینا ان لوگوں کی اپنی جہالت اور بلادت کا ثبوت ہے۔ والعیاذ باللہ۔ بہرکیف روح القدس کے ذریعے حضرتِ عیسیٰ کی تائید و نصرتِ خداوندی کا یہ انعام بھی حضرتِ حق - جَلَّ مَجْدُہٗ - کی طرف سے حضرتِ عیسیٰ پر ایک خاص انعام تھا۔ اس لیے اس کا بھی یہاں ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے۔ اور ان کے بارے میں یہود و نصاریٰ کے سب مزاعم باطل ہیں۔

۲۹۲ حضرتِ عیسیٰ کا مہد اور کہل کا کلام ایک برابر:- سو حضرتِ عیسیٰ کا بچپن کا کلام بھی بڑی عمر کے کلام کی طرح مدلل اور معقول کلام تھا۔ یعنی آپ کا بچپن کا کلام بھی بڑی عمر کے کلام کی طرح بڑا معقول اور مضبوط تھا۔ نیز آپ نے بحکمِ الٰہی دوبارہ اس دنیا میں نزول فرمانا ہے تا کہ آپؑ بڑی عمر کے اپنے کلام سے بھی دنیا کو نوازیں۔ جس طرح کہ بچپن کے کلام سے انہیں محظوظ فرما چکے ہیں۔ سو یہ دونوں احتمال یہاں موجود ہیں

جسکی بنا پر یہاں مہد اور کہل یعنی بچپن اور ادھیڑ عمر کے دونوں کلاموں کو ایک ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے۔ ورنہ بڑھاپے اور ادھیڑ عمر کا کلام کوئی معجزہ نہیں جسکو اس سیاق وسباق میں ذکر فرمایا جائے کہ وہ تو ایک عام چیز اور عادی بات ہے جو عام اور ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ حضرتِ عیسیٰ کے بارے میں چونکہ بہت سے لوگوں نے غلو سے کام لیا اور ان کو خداوندِ قدوس کی اُلوہیت اور خدائی میں شریک قرار دے دیا اس لئے یہاں پر اس بارے تصریح فرما دی گئی کہ حضرتِ عیسیٰ نہ خدا تھے اور نہ خداوندِ قدوس کی کسی صفت میں شریک وسہیم۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ اور چنے ہوئے بندے تھے جن پر یہ اور یہ انعامات فرمائے گئے- علیه الصّلوٰۃ والسلام- اور جنہوں نے ان کو خدا قرار دیا انہوں نے بڑے ظلم کا ارتکاب کیا- والعیاذ باللہ-

۲۹۳ <u>حضراتِ انبیائے کرام کی تعلیم براہِ راست اللہ کی طرف سے</u>:- سو اس سے حضرات انبیائے کرام کے علوم کی امتیازی شان واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے تمام علوم براہِ راست اللہ تعالیٰ ہی سے حاصل کرتے ہیں۔ کسی انسان سے کچھ نہیں سیکھتے۔ سو حضرت عیسیٰ سے فرمایا گیا کہ میں نے تجھ کو تورات بھی سکھائی اور انجیل بھی۔ یعنی تورات وانجیل کے ظاہری معانی ومطالب بھی سکھائے اور باطنی اسرار ورموز بھی بتلائے۔ یا کتاب وحکمت سے مراد قرآن وسنت ہیں جن کے مطابق آپ اپنے دوبارہ نزول کے بعد فیصلہ فرمائیں گے۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل وغیرہ)۔ بہرکیف آپ کے یہ تمام علوم ومعارف اللہ تعالیٰ کی تعلیم وتلقین ہی سے تھے۔ کسی بشر اور انسان سے آپ نے کبھی کچھ نہیں پڑھا تھا، جیسا کہ سب ہی انبیائے کرام کی صفت وشان ہوتی ہے کہ وہ تمام علوم براہِ راست اللہ تعالیٰ سے حاصل کرتے ہیں۔ کسی انسان سے کبھی نہیں سیکھتے۔ کوئی انسان اور بشر کسی پیغمبر کا معلم اور استاذ نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے یہاں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں یعنی میں نے سکھائے تمہیں یہ علوم ومعارف۔ سو حضراتِ انبیائے کرام کی عظمتِ شان کا یہ ایک خاص پہلو اور شان ہے کہ ان کے علوم براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اور حضرتِ حق- جلَّ مَجْدُہٗ- ان تمام حضرات کو آسمانی علوم ومعارف سے نوازتے ہیں۔ وہ کسی بشر اور انسان سے کبھی کوئی حرف بھی پڑھتے سیکھتے نہیں۔ اور یہ انہی کا خاصہ اور ان کی امتیازی شان ہے۔ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام-

۲۹۴ <u>حضرتِ عیسیٰ کے بعض خاص معجزات کا ذکر</u>:- سو اس سے آنجناب کے بعض ان خاص معجزات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے آپؑ کو نوازا تھا۔ اور ان کے ذکر میں ہر ایک کے ساتھ ﴿بِاِذْنِیْ﴾ "میرے حکم سے" کی تصریح موجود ہے۔ تاکہ کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ آپ کو کوئی خدائی اختیارات مل گئے تھے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے اذن وحکم سے معجزانہ طور پر ہوا تھا۔ اور اللہ جو چاہے اور جیسے چاہے کرے کہ وہ عزیز وحکیم بھی ہے اور علیم وخبیر بھی اور عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ بھی۔ مگر افسوس کہ اللہ پاک کی اس تنبیہ وتذکیر کے باوجود آپ کے ماننے کے دعویداروں نے آپ کو خدا کی خدائی میں شریک کر کے شرک کے گناہِ عظیم اور جرمِ سنگین کا ارتکاب کیا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّضَلَالٍ - سو معجزہ پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ کے اذن سے ان کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے- علیہم الصلوٰۃ والسلام-

تُبْدَ لَكُمْ ۗ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾

تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی، اللہ نے معاف فرما دیا ان سوالات سے متعلق (جو اس سے پہلے تم لوگ کر چکے ہو،) اور اللہ

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا

بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی بردبار ہے، تم سے پہلے ایک گروہ ایسی باتیں پوچھ چکا ہے ۲۶۸ پھر (جواب ملنے پر) وہی ان کے

كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ

منکر ہو گئے، ۲۶۹ اللہ نے تو نہ کوئی بحیرہ ۲۷۰ مقرر کیا ہے، نہ سائبہ، ۲۷۱

وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

نہ کوئی وصیلہ، ۲۷۲ اور نہ حام، ۲۷۳ مگر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

۲۶۸ غیر ضروری سوالات باعث ہلاکت - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم سے پہلے بھی کچھ لوگوں نے اسی طرح کی باتوں کے بارے میں پوچھا لیکن [جواب ملنے پر] پھر وہی لوگ ان کے منکر ہو گئے۔ یعنی اس سے مقصود بعینہ یہی سوالات نہیں بلکہ انہی کی جنس سے تعلق رکھنے والے اسی طرح کے غیر ضروری اور لایعنی سوالات ہیں۔ (تفسیر القاسمیؒ و تفسیر المراغیؒ وغیرہ)۔ یعنی پہلی امتوں نے جو سوالات پوچھے تھے وہ بھی اسی طرح کے غیر ضروری اور لایعنی سوالات تھے اور ان کے نتیجے میں ان قوموں پر ایسے ہی وبال اور مصائب آئے تھے۔ یہاں تک کہ وہی لوگ ان کے منکر ہو گئے۔ چنانچہ بنی اسرائیل اپنے پیغمبروں سے اسی طرح کے غیر ضروری اور لایعنی سوالات کرتے۔ پھر جب جواب ملتا تو وہ اس کے منکر ہو جاتے اور اسکے نتیجے میں وہ ہلاکت میں جا گرتے۔ (محاسن التاویل اور مراغی وغیرہ)۔ سو اس طرح کے غیر ضروری سوالات باعث ہلاکت ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور جس طرح غیر ضروری سوالات کرنا منع ہے اسی طرح کثرتِ سوالات یعنی زیادہ سوالات کرنا بھی ممنوع ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - سے اس بارے ممانعت ذکر ہوئی ہے۔ چنانچہ روایت میں ہے - "نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ - صلی اللہ علیہ وسلم - عَنْ قِيْلَ وَقَالَ وَعَنْ كَثْرَةِ السُّوَالِ وَعَنْ اِضَاعَةِ الْمَالِ" - یعنی "اللہ کے رسول نے منع فرمایا قیل وقال سے، کثرتِ سوال سے اور مال کے ضائع کرنے سے" - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۲۶۹ پیغمبر کا کام از خود حکم دینا نہیں اتباع کرنا ہوتا ہے: - اور پیغمبر کی بات ماننے ہی میں لوگوں کا بھلا ہوتا ہے مگر ایسے لوگوں نے حکم ملنے کے بعد اس کی تعمیل نہیں کی۔ بلکہ یہ اس کے منکر ہو گئے اور انہوں نے اس کی خلاف ورزی کا ارتکاب کیا۔ حکم بہرحال اللہ ہی کی طرف سے نازل ہوتا ہے کہ حاکم وہی ہے - ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا

لِلّٰہِ ﴾- پس اس موقع پر اہلِ بدعت کے بعض بڑوں اور انکے زعماء اور رؤساء کا یہ کہنا کہ اس سے معلوم ہوا کہ احکام حضور کو مفوض ہیں۔ جو فرض فرمائیں فرض ہو جائے اور جو نہ فرمائیں نہ ہو۔ اور ان کے ایک مشہور تحریف پسند کا اس سے آگے بڑھ کر یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو مالکِ اَحکام بنا دیا ہے، ایک ایسا دعوٰی اور قول ہے جو کہ عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی، کہ حضور- علیہ الصلوٰۃ والسلام- کا وصف ہے رسول اور پیغمبر- کہ آپ اپنے رب کی طرف سے پیغام پہنچاتے ہیں نہ یہ کہ از خود اپنی طرف سے حکم دیں- آپ کا صاف وصریح اعلان و ارشاد ہے- ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ﴾- (یونس: ۱۵)- کہ میرا کام تو صرف پیروی کرنا ہے اُس وحی کی جو میری طرف بھیجی جاتی ہے نہ کہ اپنی طرف سے کوئی حکم دینا۔ وہ وحی خواہ جلی ہو یعنی قرآنِ حکیم یا خفی جیسے احادیثِ کریمہ۔ اور اللہ پاک کی طرف سے آپ کو حکم بھی صرف اِتباع اور پیروی کا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ پاک میں جگہ جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ مثلاً فرمایا گیا- ﴿ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ﴾- یعنی ''پیروی کرو تم اس وحی کی جو تمہاری طرف بھیجی جاتی ہے تمہارے رب کی طرف سے'' (الانعام آیت ۱۰۷)- ﴿ وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ وَاصْبِرْ ﴾- (یونس: آیت نمبر ۱۰۹) ''اور پیروی کرو تم اس وحی کی جو تمہاری طرف بھیجی جاتی ہے اور صبر سے کام لیتے رہو''- ﴿ وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ﴾- (الاحزاب: آیت نمبر ۲) ''اور پیروی کرو اس وحی کی جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے آپ کے رب کی طرف سے'' وغیرہ وغیرہ کتنی ہی آیاتِ کریمہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ پیغمبر کا کام تو صرف پیروی کرنا ہوتا ہے اس وحی کی جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے آتی ہے نہ کہ از خود اپنی طرف سے احکام جاری کرنا۔ اور آپ خود صاف اور صریح طور پر اعلان فرماتے ہیں کہ میں اپنی طرف سے نہ کسی حلال کو حرام کر سکتا ہوں اور نہ کسی حرام کو حلال۔ (صحیح بخاری: ج ا ص ۴۳۸، صحیح مسلم: ج ص ۲۹) وغیرہ۔ بلکہ میرا کام تو صرف پیروی کرنا ہے اس وحی کی جو اللہ کی طرف سے میرے پاس آتی ہے اور بس۔ اسی لئے قرآنِ پاک میں آپ کو اس بارے ان الفاظ میں تنبیہ بھی فرمائی گئی ہے- ﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ﴾- (التحریم: ۱) کہ ''اے پیغمبر آپ ایک ایسی چیز کو اپنے لئے حرام کیوں ٹھہراتے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لئے حلال قرار دیا ہے''۔ اور یہ تنبیہ اس موقع پر نازل ہوئی جب کہ آپؐ نے ایک خانگی مصلحت کی بناء پر شہد کو قسم کھا کر اپنے اوپر حرام فرما لیا تھا۔ چنانچہ صحیح احادیث کے مطابق آپؐ نے اپنی اس قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ دیا اور شہد استعمال فرمایا۔ نیز ارشادِ ربانی ہے- ﴿ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ ﴾- (آلِ عمران: ۱۲۸)۔ یعنی ''اس معاملے میں آپ کو کوئی اختیار نہیں''۔ اس لئے علماء و فقہاء کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ نبی کا کام اللہ کا پیغام پہنچانا ہوتا ہے اور بس۔ تحلیل و تحریم کا اختیار آپ کو نہیں ہوتا کہ آپؐ صرف نبی و رسول ہوتے ہیں نہ کہ کوئی خدائی اختیار رکھنے والے۔ اس کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: عمدۃ القاری: ج ۱۲ ص ۷۴۵، اشعۃ اللمعات: ج ۳ ص ۱۷۸، حجۃ اللہ البالغۃ: ج ا ص ۴۹، الجواہر والیواقیت للشعرانیؒ: ج ۲ ص ۲۴، التحریر لابن الہمام الحنفیؒ: ص ۲۲۴ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے باوجود اہلِ بدعت کے ان پیشواؤں کا یہ کہنا کہ حضور اَحکام کے مالک اور مفوض ہیں، جو چاہیں حکم دیں اور فرض فرمائیں، ایک لغو اور بے بنیاد قول ہے۔ جو عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ جیسا کہ ابھی صاف وصریح آیات اور احادیث کی

روشنی میں گزرا۔ اور نصِ قرآنی کے مطابق پیغمبر خود اپنا منصب نفی و اثبات کے الفاظ وکلمات اور حصر و تاکید کے اسلوب کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ میرا کام تو صرف وحی کی پیروی کرنا ہے اور بس۔ ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ﴾۔ دراصل تفویض کا یہ خود ساختہ، نامعقول اور غلو آمیز عقیدہ شیعہ و روافض کا عقیدہ ہے جو ان کی کتابوں میں موجود ہے اور ان کے حالیہ امام خمینی آنجہانی نے بھی اپنی مختلف کتابوں "الحکومۃ الاسلامیۃ" وغیرہ میں لکھا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: شرح مواقف از جرجانی الحنفیؒ: ص ۵۷۷ اور غنیۃ الطالبین از شیخ جیلانیؒ: ص ۲۲۱ وغیرہ۔ اس طرح اہلِ بدعت نے بھی یہ عقیدہ دراصل انہی لوگوں سے لیا اور اس کو انہوں نے بھی انہی عوامل ومحرکات کی بناء پر اپنایا ہے جن کی بناء پر ان لوگوں نے اس کو اپنایا اور اختیار کیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ باقی رہی مسلم شریف کی وہ حدیث جس کا حوالہ اس موقع پر ان دونوں اہلِ بدعت نے دیا ہے تو اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ حضور نے فرمایا کہ اگر میں اللہ تعالیٰ سے وحی پا کر ہاں کہہ دیتا تو یہ تم پر فرض ہو جاتا۔ اور تم نہ کر سکتے۔ نہ یہ کہ میں از خود اپنی طرف سے ہاں کر کے فرض کر دیتا۔ جیسا کہ اہلِ بدعت نے سمجھا۔ رہی یہ بات کہ اتنی جلدی وحی کا نزول کیسے ہوسکتا تھا تو اس کا انکار جیسا کہ علامہ طحاوی حنفیؒ نے فرمایا کوئی ملحد وزندیق ہی کر سکتا ہے۔ ورنہ مومنِ صادق کو اس میں نہ کوئی اشتباہ ہوسکتا ہے نہ استبعاد۔ (ملاحظہ ہو مشکل الآثار)۔ اہلِ بدعت کے ان ہی بڑے صاحب نے یہاں پر ایک اور اپچ اس طرح نکالی ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ حلال وہ ہے جسے اللہ حلال کرے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے حرام فرمایا۔ اور جس سے خاموشی رہی وہ معاف ہے۔ لہٰذا محفلِ میلاد شریف اور عرس وغیرہ کو چونکہ اللہ رسول نے حرام نہیں فرمایا، لہٰذا حلال ہے۔ زیغِ طبع ملاحظہ ہو کہ ان صاحب نے حدیث خود وہ نقل کی جس میں تصریح ہے کہ تحلیل وتحریم اللہ تعالیٰ کا فعل اور اسی کا اختیار ہے۔ مگر عقیدہ اس کے خلاف یہ بنایا کہ اَحکام حضور کو مفوض ہیں۔ اور مزید یہ کہ محفلِ میلاد اور عرس وغیرہ کا جواز اس سے کشید کرتے ہیں کہ چونکہ اس سے اللہ، رسول نے منع نہیں فرمایا، اس لئے یہ حلال ہیں۔ حالانکہ کسی بھی حکمِ شرعی کے ثبوت کے لئے دلیلِ مثبت کا ہونا ضروری ہوتا ہے نہ کہ محض یہ مفروضہ کہ اس سے منع نہیں کیا گیا۔ ورنہ اگر کوئی شخص موصوف کی اسی خود ساختہ منطق کی بناء پر انہی کی زبان میں یوں کہنے لگے کہ صاحب نمازیں پانچ نہیں چھ فرض ہیں۔ روزے تیس نہیں چالیس ہیں۔ حج سال میں ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ ہے۔ فجر کی رکعتیں دو نہیں تین ہیں یا ظہر کی چار نہیں پانچ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کہ ان میں سے کسی کے بھی منع اور ناجائز ہونے کے بارے میں کوئی دلیل موجود نہیں۔ لہٰذا ایسا کرنا ممنوع نہیں مباح ہے۔ تو پھر بدعت اور تحریف کے یہ علمبردار اور ان کی کمپنی آخر اس کا کیا جواب دے گی؟ اور اس کا رد آخر کس بناء پر کرے گی؟۔ سو موصوف کے اس استدلال کی بنیاد ہی غلط ہے اور بناء الفاسد علی الفاسد کے قبیل سے ہے۔ اور یہ تحریف وتغییر دین کے زمرے میں آتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ زَیْغٍ وَّ ضَلَالٍ وَّالْحَادٍ وَّانْحِرَافٍ۔

۲۶۰ ﴿بَحِیْرَۃ﴾ اور اُس کا مفہوم؟: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے کوئی "بحیرہ" مقرر نہیں فرمایا جیسا کہ مشرکینِ عرب کے یہاں رواج تھا کہ جو اونٹنی پانچ بچے جنتی اور اس کا پانچواں بچہ نر ہوتا تو وہ لوگ اس کے کان چیر کر اسے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے۔ اس سے وہ لوگ کوئی فائدہ نہ لیتے۔ نہ اس پر سواری کرتے نہ بوجھ لادتے۔ نہ اس کو ذبح کرتے اور نہ اس کو کہیں

چرنے یا پانی پینے سے روکتے۔ وہ آزادانہ جہاں چاہتی جاتی، چرتی، پانی پیتی۔ اس کو کوئی روک ٹوک نہ ہوتی۔ اس کو یہ لوگ "بحیرہ" کہتے تھے۔ اور "بحیرہ"، "بحر" سے بنا ہے جسکے معنٰی چیرنے کے آتے ہیں۔ سو "بَحِیْرَہ"، "فَعِیْلَہ" بمعنٰی مفعول ہے۔ یعنی وہ اونٹنی جسکے کان چیر دیئے گئے ہوں۔ (المحاسن وغیرہ)۔ سو دینِ حق میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

۲۷۱ ﴿سَائِبَة﴾ اور اس کا مفہوم؟: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اور نہ ہی اللہ نے کوئی سائبہ مقرر فرمایا ہے جس کو وہ لوگ شفاء وغیرہ کی غرض کے لئے بتوں کے نام کی نذر کر کے یونہی کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ جیسا کہ ہندو لوگ اپنے بتوں اور دیویوں وغیرہ کے نام کے سانڈ چھوڑتے ہیں۔ اور کئی جاہل مسلمان بھی کسی بزرگ یا قبر وغیرہ کے نام کی کوئی منت و نذر مان کر اس کو یونہی چھوڑ دیتے ہیں۔ جس طرح کہ "بحیرہ" سے کوئی خدمت نہیں لی جاتی تھی۔ نیز "سَائِبَة" اُس اونٹنی کو کہا جاتا تھا جو دس بچے جنے اس طرح کہ وہ سب کے سب مادہ ہوں ان کے درمیان کوئی نر بچہ نہ ہو۔ ایسی اونٹنی کو وہ لوگ بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے۔ نہ اس پر بوجھ لادا جاتا نہ سواری کی جاتی۔ نہ اسکی اون کاٹی جاتی نہ اس کا دودھ پیا جاتا۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو یہ سب کچھ ان لوگوں کے اپنے توہمات پر مبنی تھا جس کی نہ کوئی اصل تھی نہ بنیاد۔ اور ایسی فرضی اور وہمی چیزوں کے لئے اسلام میں کوئی گنجائش ہو ہی نہیں سکتی۔ پس یہ سب مردود ہے۔

۲۷۲ ﴿وَصِيلَة﴾ اور اس کا مفہوم؟: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور نہ ہی اللہ نے کوئی وصیلہ مقرر فرمایا ہے۔ یعنی جو بکری دو مرتبہ مادہ جنے۔ اس طرح کہ اس کے بیچ اس نے کوئی نر بچہ نہ دیا ہو۔ اس کو بھی وہ لوگ بتوں کے نام نذر کر کے آزاد چھوڑ دیتے۔ اور بعض نے کہا کہ "وصیلہ" اس بکری کو کہتے ہیں جو اپنی ماں کے ساتویں بطن میں اپنے بھائی کے ساتھ پیدا ہوئی ہو۔ اس کو بھی وہ لوگ یونہی آزاد چھوڑ دیتے اور کہتے کہ یہ بکری اپنے بھائی سے مل گئی۔ پھر وہ اسکی وجہ سے اسکے بھائی کو بھی ذبح نہ کرتے اور اسکے دودھ کو مردوں کیلئے حلال قرار دیتے اور عورتوں کیلئے حرام۔ (محاسن وغیرہ)۔ سو "سائبہ" کی طرح "وصیلہ" کے بھی دو مفہوم و مطلب ہو گئے اور یہ دونوں ہی صورتیں زمانۂ جاہلیت میں پائی جاتی تھیں۔ اور یہ سب کچھ ان کے اوہام و خرافات کا نتیجہ تھا۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۲۷۳ ﴿حَام﴾ اور اُس کا مفہوم؟: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور نہ ہی اللہ نے کوئی حام مقرر فرمایا ہے۔ یعنی وہ اونٹ جس کی جفتی سے دس بچے پیدا ہو چکے ہوں۔ اس کو بھی وہ لوگ بتوں کی نذر کر کے یونہی آزاد چھوڑ دیتے تھے اور اس سے وہ کوئی خدمت وغیرہ نہیں لیتے تھے۔ گویا اس طرح اس نے اپنی پیٹھ کی حمایت و حفاظت کا سامان کر لیا۔ اس لئے اس کو وہ "حام" کہتے تھے۔ اور ان جانوروں کی تعریف و تعیین میں اور بھی کئی اقوال مروی ہیں۔ لیکن ان میں کوئی منافات نہیں کہ سب ہی صورتیں وہاں موجود تھیں اور یہ سب کی سب اوہام و خرافات پر مبنی تھیں۔ کوئی اصل و بنیاد ان کی نہیں تھی۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے نورِ علم و ہدایت سے محرومی کا کہ اسکے بعد انسان ایسے ہی طرح طرح کے اندھیروں میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ بس وحیِ خداوندی کا نور ہی وہ نورِ عظیم ہے جو انسان کو راہِ حق و ہدایت سے بہرہ مند و سرفراز کرتا ہے اور اس کو تہ در تہ اندھیروں سے نکال کر کے حق و ہدایت کے اجالے اور روشنی کی طرف لاتا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِالصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْم۔ اَللّٰهُمَّ فَثَبِّتْنَا عَلَيْهِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَام۔

يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۖ وَ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۰۳﴾

وہ (اپنی ہی طرف سے) جھوٹ (اور بہتان) باندھتے ہیں اللہ پر، ۲۷۴ اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو اپنی عقلوں سے کام

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى

نہیں لیتے، ۲۷۵ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تم لوگ ان تعلیمات (مقدسہ) کی طرف جن کو نازل فرمایا ہے اللہ نے، اور

الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۖ

(آؤ تم) اس کے رسول کی طرف، تو یہ جواب دیتے ہیں کہ ہمیں کافی ہے (وہی کچھ) جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو، ۲۷۶

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

تو کیا (یہ لوگ اپنے باپ دادا کے طریقوں ہی پر چلتے رہیں گے) اگرچہ وہ نہ کچھ علم رکھتے ہوں اور نہ ہی انہیں سیدھی راہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ

کی کوئی خبر ہو؟ ۲۷۷ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، (اصل میں اور سب سے پہلے تو) تم اپنی فکر کرو دوسرے کسی کی گمراہی

۲۷۴ کسی حلال کو از خود حرام ٹھہرانا اللہ پر بہتان باندھنا ہے۔ والعیاذ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنی طرف سے جھوٹ باندھتے ہیں اللہ پر اور اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی حلال چیزوں کو از خود حرام قرار دیتے ہیں۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ کسی حلال چیز کو بلا کسی شرعی دلیل کے از خود یونہی حرام قرار دے دینا اللہ پر جھوٹ گھڑنا اور بہتان باندھنا ہے جو کہ بڑا ہی سنگین جرم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ کیونکہ اللہ پاک۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ نے جن پاکیزہ چیزوں کو اپنے بندوں کیلئے پیدا فرمایا ہے ان کو حرام قرار دینے کا حق کسی کو نہیں پہنچ سکتا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔ ﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ﴾۔ (الاعراف: ۳۲)۔ یعنی "ان سے کہوائے پیغمبر کہ کس نے حرام کیا اس زینت کو جس کو اللہ نے پیدا فرمایا ہے اپنے بندوں کے لئے اور ان پاکیزہ چیزوں کو جو اس نے ان کو عطاء فرمائی ہیں؟"۔ اسی لیے حدیث میں ان بدعات کے موجد عمرو بن الخزاعی کے بارے میں سخت عذاب کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری ومسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے عمرو بن عامر الخزاعی کو دیکھا کہ وہ اپنی انتڑیاں دوزخ کی آگ میں گھسیٹ رہا ہے کہ یہی وہ پہلا شخص تھا جس نے "بحیرہ" اور "سائبہ" وغیرہ کو رواج دیا اور دین اسماعیل کو بدلا۔ (بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ المآئدۃ، مسلم: کتاب الجنتہ وصفۃ نعیمہا واھلہا) افسوس کہ آج امت مسلمہ کے اندر بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو دورِ جاہلیت کے لوگوں کے نقش قدم پر اس طرح حماقتوں کا ارتکاب کرتے ہوئے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور اس کی حرام کردہ چیزوں میں سے کچھ کو حلال قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے لیے وہ طرح طرح کے مفروضوں اور من گھڑت ڈھکوسلوں سے کام لیتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۲۷۵ کفر و شرک مت ماری کا باعث - والعیاذ باللہ: - سو کفر و شرک اور احداث و بدعت کی نحوست سے انسان کی مت ماری جاتی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو اپنی عقلوں سے کام نہیں لیتے۔ سو مت ماری کے باعث - والعیاذ باللہ - ایسے لوگ عقل کی روشنی سے کام نہیں لیتے ورنہ وہ ایسی ایسی حماقتوں کا ارتکاب نہ کرتے۔ اور اللہ پاک پر ایسے ایسے بہتان باندھنے کی جسارت کبھی نہ کرتے۔ دراصل شرک و بدعت کی نحوست سے ایسے لوگوں کی عقل ماردی جاتی ہے جس سے وہ اس قدر موٹی بات بھی سمجھنے کے قابل نہیں رہتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور ﴿ اَكْثَرُهُمْ ﴾ کے لفظ سے اس حقیقت کو پھر آشکارا فرمادیا گیا کہ اکثر لوگ عقل و خرد کے نور سے محروم ہوتے ہیں۔ اس لیے عوام کی اکثریت کی تائید و تردید کو کسی امر کے حق یا باطل ہونے کیلئے معیار نہیں قرار دیا جاسکتا۔ جس طرح کہ مغربی جمہوریت کے پجاریوں کا کہنا اور ماننا ہے۔ اور جس طرح کہ ہمارے یہاں کے اہلِ بدعت کا کہنا ہے۔ بہرکیف یہاں سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ کفر و شرک اور احداث و بدعت سے انسان کی مت ماردی جاتی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - جس سے وہ سیدھی اور صحیح بات سمجھنے اور ماننے کے قابل نہیں رہتا۔ اور کفر وشرک اور بدعت کے ماروں کے طور طریقوں سے ان کی مت ماری کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے اور اس کے مظاہر یہاں اور وہاں جگہ جگہ اور طرح طرح سے ملتے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے - آمین۔

۲۷۶ باپ دادا کی ممنوع و محذور پیروی ؟: - سو باپ دادا کی ممنوع و محذور پیروی وہ ہے جو حق و ہدایت کے تقاضوں کے خلاف ہو کہ حق کیخلاف باپ دادا کے طور طریقوں کو اپنانا کفار و مشرکین کا کام ہے - والعیاذ باللہ - کفار و مشرکین کا حضراتِ انبیاء و رسل کی دعوت کے جواب میں کہنا کہ ہمیں وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اور ہم اپنے ان بڑے بزرگوں اور پرانے لوگوں کے طور طریقوں کے خلاف تمہاری بات ماننے کو تیار نہیں۔ اور یہی حال آج کے اہلِ شرک و بدعت کا بھی ہے کہ وہ بھی حق واضح ہو جانے کے باوجود پرانی رسوم و بدعات اور تقالید و عادات کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ سو کفار و مشرکین کے اس طریقے کے مقابلے میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ انسان آباء و اجداد کے مشرکانہ طور طریقوں کو چھوڑ کر راہِ حق و ہدایت کو اپنائے کہ اصل چیز تو حق کی اِتباع اور اس کی پیروی ہی ہے کہ اس میں انسان کے لئے دارَین کی سعادت و سرخروئی کا سامان ہے۔ جبکہ اس سے اِعراض و اِنحراف ہلاکت و تباہی کا باعث - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۲۷۷ باپ دادا کی محمود و مطلوب پیروی ؟: - سو اس ارشاد سے واضح ہو جاتا ہے کہ جو باپ دادا حق پر ہوں انکے نقشِ قدم پر چلنا مذموم نہیں مطلوب و محمود ہے۔ پس اس شرط و قید سے معلوم ہوا کہ باپ دادا اگر علم و آگہی کی روشنی رکھتے ہوں اور وہ راہِ حق و ہدایت کی روشنی پر چلتے ہوں تو ان کی پیروی درست ہے، وہ منع نہیں۔ کہ وہ پیروی اصل میں انکی نہیں ہوتی بلکہ حق و ہدایت کے اُس نور کی ہوتی ہے جس سے وہ لوگ مشرف ہوتے ہیں۔ سو ایسے آباء و اَجداد کے طور طریقوں کو اپنانا اور ان کے نقشِ قدم پر چلنا نہ صرف یہ کہ ممنوع نہیں بلکہ وہ مطلوب و محمود ہے کہ وہ راہِ حق و ہدایت کی پیروی ہے۔ سو سلامتی اور نجات کی راہ یہ ہے کہ اس نورِ حق و ہدایت کی اِتباع اور پیروی کی جائے جو انسانوں کے خالق و مالک کی طرف سے عطاء فرمائی گئی ہے کہ اسی میں انسان کے لئے دارَین کی سعادت و سرخروئی کا سامان ہے۔ اس کے بغیر سلامتی اور نجات ممکن نہیں - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَ يُرِيْدُ وَعَلٰى مَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وَهُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْلِ - اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - آمین۔

مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا

تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی جب کہ تم خود ہدایت پر ہو، ۲۷۸ (اور یاد رکھو کہ) بالآخر اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تم سب کو،

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

پھر وہ بتا دے گا تم کو وہ سب کچھ جو تم کرتے رہے تھے (زندگی بھر)، ۲۷۹ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو،

شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ

تمہارے درمیان گواہی (کا نصاب) جب کہ آ پہنچے تم میں سے کسی کو موت، وصیت کے

الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ

وقت (یہ ہے کہ) دو معتبر آدمی ہوں تم میں سے، یا دوسروں میں سے (یعنی غیر مسلم ہوں)،

اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ

اگر تم کہیں سفر پر ہو، اور (اس دوران) آ پہنچے تم کو موت کی مصیبت، (اور تم کو مسلمان گواہ میسر نہ آ سکیں) ۲۸۰ تم ان کو

۲۷۸ اپنی فکر کرنے کی ہدایت: سو اس سے دوسروں کے پیچھے پڑنے کی بجائے اپنی فکر کرنے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے کہ دوسروں کی عیب چینی اور خوردہ گیری کرنے کی بجائے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اپنی اصلاح کی فکر کی جائے سو اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اپنی فکر کرو دوسرے کسی کی گمراہی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی جبکہ تم لوگ خود ہدایت پر ہو۔ پس تم لوگوں کو دوسروں کی عیب چینی اور خوردہ گیری کرنے کی بجائے سب سے پہلے اپنی فکر کرنی چاہیئے کہ انسان اصل میں اور سب سے پہلے اپنا ہی ذمہ دار ہے۔ اور اپنی ذات ہی کے بارے میں اس سے پوچھ ہوگی۔ پس تم اپنی فکر کرو اور تم سے اسی بارے پوچھ ہوگی۔ زمخشریؒ کہتے ہیں کہ جو لوگ فاسقوں اور فاجروں کے پیچھے پڑنے، ان کی عیب جوئی اور خوردہ گیری کرنے ہی کو اپنا شیوہ بنالیتے ہیں وہی اسکے اصل مخاطب ہیں۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو یہ ایک بڑی عظیم الشان ہدایت ہے جو اس آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمائی گئی ہے۔ کیونکہ انسان جب دوسروں کی عیب جوئی اور خوردہ گیری کرنے لگتا ہے تو وہ اپنی اِصلاح سے غافل ہوجاتا ہے۔ اور اس طرح وہ بڑے خسارے میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ حالانکہ اگر دیکھا جائے تو انسان دوسروں کی بجائے سب سے پہلے اپنی اصلاح کا محتاج ہے۔ اور اس کو اپنے عیبوں ہی پر سب سے زیادہ نظر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس کا درس انسان کی فطرت کے اندر اس طرح موجود اور مرکوز ہے کہ انسان جب کسی دوسرے کی طرف انگلی اٹھاتا ہے تو اُس کی تین

انگلیاں خود اس کی اپنی طرف مڑی ہوتی ہیں مگر وہ اس سے سبق نہیں لیتا اور اپنی فطرت میں مرکوز اس عظیم الشان درس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اور اس طرح وہ خسارے میں پڑ جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۷۹ یوم حساب کی تذکیر و یاددہانی: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ بالآخر تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ تب وہ تم لوگوں کو بتا دے گا وہ سب کچھ جو تم قبل کر رہے تھے یعنی اپنی زندگیوں میں اور اس کے مطابق تمہیں اپنے کیے کرائے کا بدلہ پانا ہوگا۔ اس لئے اصل اور سب سے پہلے اپنی اصلاح وفکر کرو اور ہمیشہ یہ بات اپنے پیش نظر رکھو کہ حساب اور معاد کے اُس یوم عظیم کیلئے میں نے کیا تیاری کی ہے اور کیا سامان جمع کیا ہے۔ سو یوم حساب کی تذکیر و یاددہانی اصلاح فرد و معاشرے کیلئے ایک انقلاب آفریں تاثیر رکھتی ہے۔ اس لیے قرآن حکیم میں اس کا جگہ جگہ اور طرح طرح سے اہتمام فرمایا گیا ہے کہ دنیا والوں کی نگاہوں سے تو انسان چھپ اور بچ سکتا ہے لیکن حساب و جزاء کے اس یوم عظیم کی پرسش اور گرفت و پکڑ سے بچنا اس کے لئے کیونکر ممکن ہوسکتا ہے؟۔ پس ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان اس یوم حساب کو ہمیشہ یاد رکھے کہ وہاں پر اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا جواب میں نے خود دینا ہے۔ وہاں پر کوئی دوسرا نہ میرے کچھ کام آسکے گا اور نہ کسی کی وجہ سے میری جواب دہی کا بوجھ مجھ سے ہلکا ہو سکے گا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۲۸۰ گواہی کا نصاب دو معتبر مسلمان: ۔ حضرتِ ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ تمیم بن اوس داری اور عدی بن بداء نامی دو نصرانی تجارت کے لئے شام کی طرف گئے تو ان کے ساتھ بدیلؓ سہمی نام کے ایک مسلمان بھی چلے گئے جو اس سفر میں ایک ایسی جگہ بیمار ہو کر فوت ہو گئے جہاں کوئی مسلمان موجود نہیں تھا۔ تو انہوں نے وفات سے پہلے اپنے ان دونوں نصرانی ساتھیوں سے کہا کہ، میرا یہ مال میرے گھر والوں کو پہنچا دینا۔ چنانچہ انہوں نے واپس پہنچ کر حسبِ وصیت وہ مال تو ان کے خاندان والوں کو واپس کر دیا مگر اس میں سے چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا انہوں نے خود رکھ لیا جس کا پتہ وارثوں کو سامان سے ملنے والی لسٹ سے چلا۔ جس کے مطابق انہوں نے ان دونوں سے پوچھا مگر انہوں نے اس کا انکار کر دیا اور اس پر قسم بھی اٹھا لی۔ بعد میں وہ پیالہ جب ایک شخص کے پاس دیکھا گیا تو اس نے پوچھنے پر بتایا کہ میں نے یہ عدی اور تمیم سے خریدا تھا۔ اس کے بعد جب عدی اور تمیم سے اس بارے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے یہ پیالہ بدیل سہمی سے اس کے مرنے سے پہلے خرید لیا تھا۔ اب یہ دونوں چونکہ خریدنے کے مدعی بن گئے تھے اور معاملہ کے گواہ موجود نہیں تھے اس لئے بدیل سہمیؓ کے ورثاء میں سے دو آدمیوں نے قسم کھائی کہ یہ پیالہ اس کا تھا۔ ہماری گواہی ان دونوں نصرانیوں سے زیادہ معتبر ہے اور ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی۔ تو وہ پیالہ ان کو دے دیا گیا اور اس کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (طبریؒ، قرطبیؒ، روح، صفوہ، خازن، اسباب النزول وغیرہ)۔ بہر کیف اس سے معلوم ہوا کہ گواہی کا اصل نصاب دو معتبر مسلمان ہیں۔

الۡمَوۡتِ ؕ تَحۡبِسُوۡنَهُمَا مِنۡۢ بَعۡدِ الصَّلٰوةِ فَيُقۡسِمٰنِ بِاللّٰهِ

روکے رکھو (اے وارثو!) نماز کے بعد، ۲۸۱ اگر تمہیں ان کے بارہ میں شک پڑ جائے، پھر وہ دونوں اللہ (کے نام) کی قسم کھا کر

اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ لَا نَشۡتَرِىۡ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى‌ ۙ وَلَا

کہیں کہ ہم اس قسم کے بدلے میں کوئی مال نہیں چاہتے، اگرچہ وہ شخص ہمارا قریبی ہی کیوں نہ ہو، ۲۸۲ اور نہ ہی ہم چھپاتے

نَكۡتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الۡاٰثِمِيۡنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنۡ عُثِرَ

ہیں اللہ کی (فرض کردہ) گواہی کو، ورنہ ہم یقینی طور پر گناہ گاروں میں شمار ہوں گے، پھر اگر (کسی طرح) پتہ چل

عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسۡتَحَقَّاۤ اِثۡمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوۡمٰنِ مَقَامَهُمَا

جائے کہ وہ دونوں کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں، تو ان کی جگہ اور دو گواہ کھڑے ہو جائیں، ان لوگوں میں سے جن کی حق

مِنَ الَّذِيۡنَ اسۡتَحَقَّ عَلَيۡهِمُ الۡاَوۡلَيٰنِ فَيُقۡسِمٰنِ بِاللّٰهِ

تلفی ہوئی ہو، جو سب سے زیادہ قریبی ہوں میت کے، ۲۸۳ پھر وہ دونوں اللہ (کے نام) کی قسم کھا کر کہیں

لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنۡ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعۡتَدَيۡنَاۤ ‌ۖ اِنَّاۤ

کہ ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے، اور ہم نے زیادتی نہیں کی، ورنہ ہم یقینی طور پر ظالموں میں شمار

اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰ لِكَ اَدۡنٰۤى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِالشَّهَادَةِ

ہوں گے، یہ طریقہ زیادہ قریب ہے اس بات کے کہ وہ گواہی دیں، اس کے (صحیح) طریقے پر، یا (کم از کم)

عَلٰى وَجۡهِهَاۤ اَوۡ يَخَافُوۡۤا اَنۡ تُرَدَّ اَيۡمَانٌۢ بَعۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ‌ ؕ

اس بات سے ہی ڈریں کہ ان کی قسموں کے بعد دوسری قسموں سے کہیں ان کی تردید نہ کر دی جائے، ۲۸۴ اور ہمیشہ ڈرتے

۲۸۱ نمازِ عصر کے بعد کے وقت کی خاص اہمیت: - یعنی ﴿اَلصَّلٰوة﴾ سے یہاں پر مراد نمازِ عصر ہے۔ سو تم ان کو روکے رکھو نمازِ عصر کے بعد کہ وہ اجتماع کا اور خاص اہمیت کا وقت ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ان دونوں - عدی و تمیم - سے اسی وقت اور اپنے منبر کے پاس حلف لیا۔ (صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ جبکہ دوسرا قول اس بارے کچھ حضراتِ اہل علم کا یہ ہے کہ یہاں نماز سے مراد مطلق نماز ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ کیونکہ ﴿اَلصَّلٰوة﴾ کا لفظ یہاں پر مطلق واقع ہوا ہے۔ لہٰذا مطلق کو اپنے اطلاق پر ہی رکھا جائے۔ بہرکیف نماز کے بعد قسم کھانے اور حلف لینے کا یہ ارشاد اس لیے فرمایا گیا کہ نماز کے بعد اور

مسجد میں حلف لینے سے جھوٹ کا خدشہ بہت کم ہوتا ہے۔ اس لیے قدیم زمانے سے اس بات کا رواج و اہتمام رہا ہے کہ حلف کسی عبادت کے وقت اور کسی عبادت خانے میں لیا جائے۔ اور ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اگر گواہ غیر مسلم ہوں تو اس وقت نماز سے مراد ان کے دین کی نماز ہوگی۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ سو نماز کا وقت اور خاص کر نمازِ عصر کے بعد کا وقت خاص اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس لئے ان دونوں کو اسی موقع پر روکے رکھنے کی ہدایت فرمائی گئی۔ نمازِ عصر سے متعلق لسانِ نبوت سے ارشاد فرمایا گیا کہ جس کی عصر کی نماز ضائع ہوگئی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اس کا گویا مال و اولاد سب کچھ تباہ ہوگیا۔ مَنْ فَاتَتْہٗ صَلٰوۃُ الْعَصْرِ فَکَاَنَّمَا وُتِرَ اَھْلُہٗ وَمَالُہٗ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین۔

۲۸۲ سچی گواہی کی تعلیم و تلقین: سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ سچی گواہی دینی ہے اگرچہ وہ شخص قریبی ہی کیوں نہ ہو۔ جس کے لئے ہم قسم کھاتے ہیں کہ اس کی قرابت و رشتہ داری ہماری حق گوئی میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔ یعنی ہم لوگ اپنی قسم کے بدلے میں کوئی دنیاوی مفاد یا منافع نہیں حاصل کریں گے اگرچہ وہ شخص جس کیلئے ہم قسم کھا رہے ہیں وہ ہمارا قریبی اور رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ ہم حق اور حقیقت کے مطابق سچی گواہی دیں گے۔ سو یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر اللہ کیلئے اور حق کے مطابق گواہی دینے کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ایمان والے حق اور سچ کے مطابق گواہی دیتے ہیں اگرچہ وہ مشہود علیہ ان کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ سو کوئی دنیاوی مفاد اور لالچ یا کوئی قرابت و رشتہ داری گواہ کو حق کی گواہی سے روکنے نہ پائے۔ بلکہ حقیقت اور واقعہ کے مطابق صحیح اور درست گواہی دے تاکہ اس کے مطابق ہر حقدار کو اس کا حق پورے کا پورا مل جائے اور کسی کی کوئی حق تلفی نہ ہو۔ اسی لئے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَمَنْ یَّکْتُمْھَا فَاِنَّہٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُہٗ﴾۔ (البقرۃ: ۲۸۳) یعنی "تم لوگ گواہی کو نہیں چھپانا کہ جس نے گواہی کو چھپایا یقیناً اس کا دل گنہگار ہوگیا" اور جب دل گنہگار ہوگیا تو پھر اور کیا رہ گیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۲۸۳ گواہوں کی جگہ دوسرے دو گواہ کھڑے کیے جائیں: یعنی میت کے وارث جن کو اس سے زیادہ قرابت و رشتہ داری ہو۔ یعنی اگر کسی طرح یہ پتہ چل جائے کہ ان دونوں گواہوں نے اپنی گواہی میں کذب بیانی یا کسی خیانت و بددیانتی یا کسی طرح کے اِخفاء و کتمان سے کام لیا تھا تو اُس وقت گواہی وارثوں کی طرف لوٹائی جائے۔ یعنی پہلے دو گواہوں کی جگہ ان میں سے دو گواہ کھڑے ہوں۔ اور وارثوں میں سے دونوں گواہ ایسے ہوں جو میت کے زیادہ قریب ہوں۔ (المراغی وغیرہ)۔ بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ایسی صورت میں ان دو کی جگہ دوسرے دو گواہ کھڑے کئے جائیں جو کہ متوفی کے وارثوں میں سے ہوں۔ وہ اس معاملے کے بارے میں گواہی دیں۔

۲۸۴ گواہی کو صحیح طریقہ سے ادا کرنے کی ہدایت: سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ گواہی کو صحیح طور پر ادا کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یعنی یہ طریقہ جو ہم نے مقرر کیا کہ امانت رکھنے والے کو سب کے سامنے اور نماز کے بعد قسم دی جائے۔ اور قسمیں بھی سخت قسم کی دی جائیں۔ اور اسکے بعد قسمیں وارثوں کی طرف لوٹائی جائیں۔ یہ طریقہ اسکے زیادہ قریب ہے کہ وہ گواہی صحیح طریقے پر ادا کریں۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا خوف بھی ہے اور اسکے بعد لوگوں کی فضیحت کا ڈر بھی۔ (المراغی)۔ سو ایسی صورت میں ان دونوں گواہوں کو اس بات کا خوف ہوگا کہ ان کی قسمیں دوسرے دو آدمیوں کی قسموں کے ذریعے رد کر دی جائیں گی۔ سو اس خوف سے وہ دروغ گوئی اور کذب بیانی سے بچیں گے کہ اس طرح ان کو عام لوگوں کے سامنے اور سوسائٹی میں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ خِزْیٍ وَّ سُوْٓءٍ۔ (معالم الفرقان فی دروس القرآن وغیرہ)۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

رہا کرو تم اللہ سے (اے لوگو!) اور سنا کرو، اور (یہ حقیقت پیش نظر رکھو کہ) اللہ ہدایت سے نہیں نوازتا فاسق (و بدکار) لوگوں

الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ

کو، ۲۸۵ (اور یاد کرو اس دن کو کہ) جس دن اللہ جمع فرمائے گا سب رسولوں کو، پھر ان سے پوچھے گا کہ کیا جواب دیا گیا تم کو

أُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

(اپنی امتوں کی طرف سے)؟ ۲۸۶ تو وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ خبر نہیں، ۲۸۷ (آپ ہی بہتر جانتے ہیں کہ) بلاشبہ آپ ہی

۲۸۵ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں مل سکتی :- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ فاسق لوگوں کو ہدایت کی دولت سے سرفرازی نصیب نہیں ہو سکتی کہ ہدایت کی دولت ملتی ہے طلبِ صادق پر۔ اور طلبِ صادق کی اس نعمت سے ایسے بدکار لوگ محروم ہوتے ہیں۔ تو پھر انکو ہدایت ملے تو کیسے اور کیونکر؟ ۔ سو فاسق لوگ اپنے فسق کی بناء پر نورِ حق و ہدایت سے محروم ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اُس کا دستور یہی ہے کہ ایسے لوگوں کو توفیق نہیں ملتی ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ اور یہ تو ایک عام فطری قانون و دستور ہے کہ دنیا میں کسی کو ایک عام سی چیز بھی ہاتھ پھیلائے اور مانگے بغیر نہیں ملتی تو پھر حق و ہدایت کی دولت جو کہ اس کائنات کی سب سے بڑی دولت ہے وہ بغیر چاہے اور بن مانگے آخر کیوں اور کیسے مل سکتی ہے؟ ۔ سو حق و ہدایت کی نعمتِ عظمیٰ ملتی تو حضرتِ واہبِ مطلق کی طرف سے بغیر کسی قیمت کے اور بالکل مفت ملتی ہے کہ اس کی قیمت دینا کسی کے لئے ممکن ہی نہیں کہ اس کے مقابلے میں دنیا ساری کا ثمنِ قلیل بھی ہیچ ہے۔ سو وہ ملتی تو مفت اور بالکل مفت ہے مگر اس کے لئے طلبِ صادق اور رجوع الی اللہ اولین شرط ہے ۔ وَبِاللّٰهِ التوفیق ۔

۲۸۶ قیامت کے روز حضراتِ انبیائے کرام سے سوال :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس دن کو یاد کرو جس میں اللہ سب رسولوں کو جمع فرمائے گا۔ پھر ان سے پوچھے گا کہ کیا جواب دیا گیا تم کو اپنی امتوں کی طرف سے اپنی دعوت و پیغام کے جواب میں۔ سو یہ سوال اگرچہ بظاہر انبیائے کرام سے ہوگا لیکن درحقیقت اس کا رخ ان کی امتوں کی طرف ہی ہوگا تاکہ اس طرح ان پر حجت قائم ہو سکے۔ نیز اس اندازِ کلام میں بلاغت کا یہ خاص اسلوب بھی کارفرما ہے کہ حق سے منہ موڑنے والے یہ لوگ اس قابل ہی نہیں کہ ان سے براہِ راست کوئی کلام کیا جائے اور ان کو منہ لگایا جائے ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ سو اس یومِ عظیم کی تذکیر و یاددہانی سے یہ درس دیا جا رہا ہے کہ اسکے لیے تیاری کرلو قبل اس سے کہ فرصتِ حیات تمہارے ہاتھ سے نکل جائے کہ اس ہولناک دن نے اپنے وقتِ مقرر پر بہرحال آ کر اور بپا ہو کر رہنا ہے۔ اور حضراتِ انبیاء و رسل جو اللہ تعالیٰ کے نمائندہ اور پیغامبر

تھے ان سے ان کی امتوں کے بارے میں پوچھ ہوگی کہ انہوں نے ان کو کیا جواب دیا تھا؟ سو اس اعتبار سے ہر کوئی اپنا جائزہ خود لے لے کہ اس نے کیا کیا اور اس کو کیا کرنا چاہئے تھا؟ اور حضراتِ انبیاء و رسل کی دعوت کے جواب میں انہوں نے کیا کیا؟ - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید-

۲۸۷ **علمِ غیبِ کلی اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ:-** کہ اسی وحدہٗ لاشریک کا علم کامل اور محیط ہے اس کے سوا اور کسی بھی ہستی کی یہ شان نہ ہے نہ ہوسکتی ہے سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضراتِ انبیاء و رسل جواب دیں گے کہ ہم کو کچھ پتہ نہیں کہ ان کی امتوں نے کیا کیا کہ موت کے بعد کے زمانے کا تو ظاہر ہے کہ ہمیں کچھ پتہ ہے ہی نہیں کہ ہمارے انتقال کے بعد یہ لوگ کیا کرتے رہے۔ لیکن اپنی زندگی کے دوران بھی ہم صرف ان کے ظواہر امور ہی سے واقف و آگاہ تھے۔ باطن اور حقیقت کا ہمیں کچھ علم نہیں تھا۔ اور ظواہر کا یہ علم بھی محض ظن کا درجہ رکھتا تھا جو کہ دنیا میں اجراءِ اَحکام وغیرہ کے لئے کافی تھا۔ لیکن حقیقتِ اَحوال اور بواطنِ اُمور کا جاننا اس وقت بھی ہمارے بس میں نہ تھا کہ ایسا قطعی، یقینی اور محیط علم تو آپ ہی کا خاصہ ہے اے ہمارے خالق و مالک کہ ہم تو بہر حال ظواہر امور ہی کے مکلف تھے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کا ارشاد ہے - "نَحْنُ نَحْكُمُ بِالظَّوَاهِرِ وَاللّٰهُ يَتَوَلَّى السَّرَآئِرِ" - (محاسن التاویل وغیرہ)۔ پس یہ آیتِ کریمہ حضراتِ انبیائے کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - سے متعلق اہلِ بدعت کے علمِ غیبِ کلی کے شرکیہ عقیدے کی نفی میں صریح اور قطعی ہے۔ اور اس سے ان لوگوں کے ایسے شرکیہ عقائد کی جڑ نکل جاتی ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام - علیہم الصَّلوٰۃ والسَّلام - قیامت کے روز اس طرح صاف اور صریح طور پر اعلان کریں گے کہ ہمیں کچھ پتہ نہیں بلکہ آپ ہی جانتے ہیں کہ سب غیبوں کو جاننا آپ ہی کی صفت اور شان ہے - والحمد للہ - اور اس کے جواب میں اہلِ بدعت کے بعض تحریف پسندوں کا یہ کہنا کہ یہ ادب دربار کی بناء پر ہو گا، محض ان لوگوں کی طفل تسلی اور ایک ایجادِ بندہ ہے۔ کیا حضراتِ انبیائے کرام - علیہم الصَّلوٰۃُ والسَّلام - ادبِ دربار کی بناء پر خلافِ واقعہ بات کہیں گے جو کہ جھوٹ کی تعریف میں آتا ہے؟ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - نہیں بلکہ حق اور اصل حقیقت یہی ہے کہ حضراتِ انبیاء - علیہم الصَّلوٰۃُ والسَّلام - کو غیب کا وہی علم حاصل ہوتا ہے جس کا تعلق ان کے مقامِ عالی اور منصبِ نبوت سے ہوتا ہے اور بس۔ کلی، کامل اور محیط علم اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کا خاصہ ہے۔ اس میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں - سبحانہٗ وتعالیٰ -

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ

ہیں (اے ہمارے مالک!) جاننے والے سب غیبوں کے، ۲۸۸ جب کہ اللہ فرمائے گا، اے عیسٰی بیٹے مریم کے، ۲۸۹ یاد کرو میرا وہ احسان

عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ م إِذْ أَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ

جو میں نے کیا تم پر اور تمہاری والدہ پر، ۲۹۰ جب کہ میں نے تمہاری مدد کی اس پاکیزہ روح (جبریل امین)

وقف لازم

۲۸۸ علمِ غیبِ کلی خاصہء خداوندی ہے:- سو حضرات انبیاء ورسل اس سوال کے جواب میں بارگہِ خداوندی میں عرض کریں گے کہ بے شک تو ہی ہے اے ہمارے مالک سب غیبوں کو جاننے والا۔ عربی زبان کا مشہور و معروف قاعدہ ہے کہ مبتداء و خبر جب دونوں معرفہ ہوں، جیسا کہ یہاں ہے، تو اس سے حصر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی علمِ غیب اے ہمارے مالک تیرا ہی خاصہ ہے۔ سو یہ ارشادِ ربانی بھی اہلِ بدعت کے علمِ غیبِ کلی کے شرکیہ عقیدے کی تردید میں ایک واضح اور قطعی نص ہے۔ مگر ان لوگوں کی مت ایسی ماری گئی ہے کہ ان کو یہ حقیقت پھر بھی سمجھ نہیں آتی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو حضراتِ انبیائے کرام - علیھم الصلوٰۃ والسلام - کو غیب کا وہی اور اسی قدر علم ملتا ہے جس کا تعلق ادائے رسالت سے ہوتا ہے اور جو ان کے منصبِ رسالت کا مقتضی ہوتا ہے اور بس۔ رہا کلی اور محیط علم تو وہ نہ ان کو ملتا ہے اور نہ ہی ان کو اسکی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ خاصہء خداوندی ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - بہرکیف یہاں تاکید اور حصر کے کلمات کے ساتھ بیان فرمایا گیا کہ سب غیبوں کو جاننے والا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ اس کی اس صفت میں کسی اور کو شریک ماننا اور اس کو عالمِ غیب جاننا شرک ہوگا جو کہ ظلمِ عظیم ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۲۸۹ ذکرِ عیسیٰ اور عظیم الشان درسہائے عبرت و بصیرت:- سو اس سے حضرتِ عیسیٰ کے خصوصی ذکر اور اس میں پنہاں درسہائے عبرت و بصیرت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے چنانچہ حضراتِ انبیائے کرام کے عمومی ذکر کے بعد اب یہ حضرتِ عیسیٰ - علیہ السلام - کا بطورِ خاص ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ آنجناب کی محبت کے غلو میں آپ علیہ السلام کے پیروکاروں نے خاص طور پر بہت شرک کیا۔ یہاں تک کہ ان بدبختوں نے اپنے دین کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - انہوں نے آپ علیہ السلام کو خدا، خدا کا بیٹا، عالمِ غیب، متصرف فی الامور، یہاں تک کہ زندگی و موت کا مالک و مختار بھی مان لیا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو اسی بناء پر یہاں سے اب حضرتِ عیسیٰ کا ذکر علیحدہ اور مستقل طور پر فرمایا جا رہا ہے تاکہ واضح ہو سکے کہ آنجناب کے بارے میں آپ کی امت نے کیسی کیسی شرکیات کا ارتکاب کیا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - افسوس کہ آج امتِ مسلمہ کے جاہل طبقے کا ایک بڑا حصہ بھی اسی طرح کے شرکیہ عقائد و نظریات میں مبتلا ہے۔ اور بدعت پرست اور شکم پرور ملاں اور پیرانِ سوء ان کی پیٹھ ٹھونکتے اور ان کو ان شرکیات پر پکا کرتے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے نبی سے بڑھ کر ان کے امتیوں اور ان

میں بھی صحابۂ کرام کے عہد مبارک سے گزر کر صدیوں بعد کے بزرگوں کے بارے میں بھی یہ عقیدہ گھڑ لیا کہ وہ بھی اللہ کی قدرت اور اس کی عطاء و بخشش سے مُردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اہلِ بدعت کے ایک بڑے تحریف پسند نے جسکو اسکے حامی بڑے بڑے القاب سے نوازتے ہیں اس نے اس موقع پر اور انہی آیاتِ کریمہ کے ذیل میں اپنے تفسیری - بلکہ تحریفی - حواشی میں صاف لکھ دیا کہ حضور غوث پاک نے بارہ برس کی ڈوبی کشتی کو صحیح سلامت نکال دیا۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس تحریف پسند نے اس جھوٹے اور من گھڑت قصے کے دولہا، اسکی بارات، اسکے مقام اور اسکی قبر وغیرہ تک کے بارے میں بے سروپا باتوں کو بھی یہاں ذکر کر دیا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اور پھر بھی دعویٰ ہے کہ ہم مسلمان اور توحید کے علمبردار ہیں ۔ اگر - يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ - یعنی اِحیاء و اِماتت کی خدائی صفت میں اس کی عاجز و بے بس مخلوق کو شریک ماننا بھی شرک نہیں تو پھر شرک نام اور کس بلا کا ہے؟ اور ایسے خود ساختہ اور من گھڑت قصوں کو قرآنی آیات کا مفہوم و مصداق قرار دینا بھی اگر تحریف نہیں تو پھر تحریف اور ہوتی کیا ہے؟ - فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ - بہرکیف حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور رسول تھے اور بس۔

۲۹۰ حضرتِ عیسیٰ کو انعاماتِ خداوندی کی تذکیر و یاددہانی :- سو اس سے حضرتِ عیسیٰ اور مریم - علیہما الصلوٰۃ والسلام - پر ہونے والے انعاماتِ خداوندی کی یاددہانی فرمائی جا رہی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم یاد کرو میرے ان انعامات اور احسانات کو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیے کہ تم کو بغیر باپ کے معجزانہ طور پر اپنی قدرتِ کاملہ سے پیدا کیا۔ آپ کو بالکل بچپن میں معجزانہ طور پر بولنے اور ایک نہایت عمدہ، مدلل اور پاکیزہ کلام کرنے کے شرف سے نوازا۔ آپؑ کی والدہ ماجدہ کو طہارت و پاکیزگی اور ہدایت و راہنمائی کا ایک امتیازی مقام بخشا۔ اپنے دور کی تمام عورتوں پر ان کو فضیلت و بزرگی عطا کی۔ ان کی گود میں آپ سے ایک معجزانہ اور مدلل کلام کروا کر بے مثال طریقے سے ان کی طہارت و پاکدامنی کا اِعلان کروایا وغیرہ۔ (ابنِ کثیر، محاسن اور صفوہ وغیرہ)۔ سو حضرتِ عیسیٰ کے اس قصہ کی تذکیر و یاددہانی میں نصاریٰ کیلئے خاص طور پر تنبیہ کا سامان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ مریم اور ان کے بیٹے حضرتِ عیسیٰ پر کیسے کیسے انعامات فرمائے۔ مگر ان لوگوں نے اسکے جواب میں کیسی ناشکری اور بے قدری اور کس قدر کفر و شرک کا اظہار و ارتکاب کیا کہ یہ لوگ تمام کفار و مشرکین سے بڑھ گئے کہ دوسرے کفار و مشرکین کی گستاخیاں تو حضراتِ انبیائے کرام تک تھیں لیکن ان لوگوں کی گستاخیاں تو حضرتِ حق - جل مجدہٗ - تک جا پہنچیں کہ انہوں نے حضرتِ عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا اور اس کا شریک قرار دے دیا۔ اور آپؑ کی والدہ ماجدہ کو بھی اس کی خدائی میں شریک کر دیا۔ (المراغی) اور اس طرح ان لوگوں نے حضرتِ عیسیٰ کے پیش کردہ دینِ توحید کو بدل کر دینِ شرک بنا دیا اور دینِ الٰہی کو بگاڑ کر کچھ کا کچھ کر دیا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جل وعلا - بہرکیف حضرت عیسیٰ اور مریم خدا نہیں خدا کے برگزیدہ بندے تھے اور بس - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - آمین۔

الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَإِذْ

کے ذریعے، ۲۹۱ تم لوگوں سے بات کرتے تھے (ماں کی) گود میں بھی اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی، ۲۹۲ اور جب

عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَإِذْ

کہ میں نے سکھائی تم کو کتاب اور حکمت، اور تورات وانجیل، ۲۹۳ اور جب

تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا

کہ تم مٹی کا پتلا بناتے تھے پرندے کی شکل پر میرے اذن (اور حکم) سے، پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے

فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ

تو وہ (سچ مچ کا) پرندہ بن جاتا تھا میرے اذن (اور حکم) سے، ۲۹۴ اور (جب کہ) تم اچھا کر دیتے تھے مادرزاد اندھے اور

۲۹۱ حضرتِ عیسیٰ کے لیے تائیدِ غیبی کا ذکر: - سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ حضرتِ عیسیٰ کی تائید روح القدس کے ذریعے فرمائی گئی جو کہ آپ کے ساتھ رہتے اور مشکلات و مصائب سے آپ کی حفاظت کرتے۔ پس یہ مدد اسباب کے درجے میں تھی نہ کہ مافوق الاسباب طور پر۔ اس لئے اہلِ بدعت کا اس سے اپنی مافوق الاسباب مدد کے شرکیہ عقیدے کے لئے استدلال کرنا باطل و مردود اور خود ان لوگوں کی جہالت یا تجاہلِ عارفانہ کا ثبوت ہے۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بشر کا درجہ نوریوں کے مقابلے میں کس قدر بلند و بالا ہے کہ نوریوں کے سردار حضرتِ جبریل امین بحکمِ الٰہی حضرتِ عیسیٰ کی تائید و نصرت کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ پس اہلِ بدعت کا حضراتِ انبیائے کرام کی بشریتِ طاہرہ کا انکار کر کے ان کو نور ثابت کرنے کی کوشش کرنا اور اس غرض کیلئے نصوصِ صریحہ تک میں تحریف سے کام لینا ان لوگوں کی اپنی جہالت اور بلادت کا ثبوت ہے۔ والعیاذ باللہ۔ بہرکیف روح القدس کے ذریعے حضرتِ عیسیٰ کی تائید و نصرتِ خداوندی کا یہ انعام بھی حضرتِ حق - جَلَّ مَجْدُہٗ - کی طرف سے حضرتِ عیسیٰ پر ایک خاص انعام تھا۔ اس لیے اس کا بھی یہاں ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے۔ اور ان کے بارے میں یہود و نصاریٰ کے سب مزاعم باطل ہیں۔

۲۹۲ حضرتِ عیسیٰ کا مہد اور کہل کا کلام ایک برابر: - سو حضرتِ عیسیٰ کا بچپن کا کلام بھی بڑی عمر کے کلام کی طرح مدلل اور معقول کلام تھا۔ یعنی آپ کا بچپن کا کلام بھی بڑی عمر کے کلام کی طرح بڑا معقول اور مضبوط تھا۔ نیز آپ نے بحکمِ الٰہی دوبارہ اس دنیا میں نزول فرمانا ہے تاکہ آپ بڑی عمر کے اپنے کلام سے بھی دنیا کو نوازیں۔ جس طرح کہ بچپن کے کلام سے انہیں محظوظ فرما چکے ہیں۔ سو یہ دونوں احتمال یہاں موجود ہیں

جسکی بنا پر یہاں مہد اور کہل یعنی بچپن اور ادھیڑ عمر کے دونوں کلاموں کو ایک ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے۔ ورنہ بڑھاپے اور ادھیڑ عمر کا کلام کوئی معجزہ نہیں جسکو اس سیاق وسباق میں ذکر فرمایا جائے کہ وہ تو ایک عام چیز اور عادی بات ہے جو عام اور ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ حضرتِ عیسیٰ کے بارے میں چونکہ بہت سے لوگوں نے غلو سے کام لیا اور ان کو خداوندِ قدوس کی اُلوہیت اور خدائی میں شریک قرار دے دیا اس لئے یہاں پر اس بارے تصریح فرما دی گئی کہ حضرتِ عیسیٰ نہ خدا تھے اور نہ خداوندِ قدوس کی کسی صفت میں شریک وسہیم۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ اور چنے ہوئے بندے تھے جن پر یہ اور یہ انعامات فرمائے گئے۔ علیہ الصَّلوٰۃُ والسلام۔ اور جنہوں نے ان کو خدا قرار دیا انہوں نے بڑے ظلم کا ارتکاب کیا۔ والعیاذ باللہ۔

۲۹۱ حضراتِ انبیائے کرام کی تعلیم براہِ راست اللہ کی طرف سے: - سو اس سے حضرات انبیائے کرام کے علوم کی امتیازی شان واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے تمام علوم براہِ راست اللہ تعالیٰ ہی سے حاصل کرتے ہیں۔ کسی انسان سے کچھ نہیں سیکھتے۔ سو حضرت عیسیٰ سے فرمایا گیا کہ میں نے تجھ کو تورات بھی سکھائی اور انجیل بھی۔ یعنی تورات وانجیل کے ظاہری معانی ومطالب بھی سکھائے اور باطنی اسرار ورموز بھی بتلائے۔ یا کتاب وحکمت سے مراد قرآن وسنت ہیں جن کے مطابق آپ اپنے دوبارہ نزول کے بعد فیصلہ فرمائیں گے۔ (ابن کثیر، محاسن التاویل وغیرہ)۔ بہرکیف آپ کے یہ تمام علوم ومعارف اللہ تعالیٰ کی تعلیم وتلقین ہی سے تھے۔ کسی بشر اور انسان سے آپ نے کبھی کچھ نہیں پڑھا تھا، جیسا کہ سب ہی انبیائے کرام کی صفت وشان ہوتی ہے کہ وہ تمام علوم براہِ راست اللہ تعالیٰ سے حاصل کرتے ہیں۔ کسی انسان سے کبھی نہیں سیکھتے۔ کوئی انسان اور بشر کسی پیغمبر کا معلم اور استاذ نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے یہاں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں یعنی میں نے سکھائے تمہیں یہ علوم ومعارف۔ سو حضراتِ انبیائے کرام کی عظمتِ شان کا یہ ایک خاص پہلو اور شان ہے کہ ان کے علوم براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اور حضرتِ حق۔ جلَّ مَجدُہٗ۔ ان تمام حضرات کو آسمانی علوم ومعارف سے نوازتے ہیں۔ وہ کسی بشر اور انسان سے کبھی کوئی حرف بھی پڑھتے سیکھتے نہیں۔ اور یہ انہی کا خاصہ اور ان کی امتیازی شان ہے۔ عَلَیْهِمُ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلام۔

۲۹۲ حضرتِ عیسیٰ کے بعض خاص معجزات کا ذکر: - سو اس سے آنجناب کے بعض ان خاص معجزات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے آپؑ کو نوازا تھا۔ اور ان کے ذکر میں ہر ایک کے ساتھ ﴿بِاِذْنِیْ﴾ "میرے حکم سے" کی تصریح موجود ہے۔ تاکہ کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ آپ کو کوئی خدائی اختیارات مل گئے تھے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے اذن وحکم سے معجزانہ طور پر ہوا تھا۔ اور اللہ جو چاہے اور جیسے چاہے کرے کہ وہ عزیز وحکیم بھی ہے اور علیم وخبیر بھی اور عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بھی۔ مگر افسوس کہ اللہ پاک کی اس تنبیہ وتذکیر کے باوجود آپ کے ماننے کے دعویداروں نے آپ کو خدا کی خدائی میں شریک کر کے شرک کے گناہِ عظیم اور جرمِ سنگین کا ارتکاب کیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ زَیْغٍ وَّضَلَال۔ سو معجزہ پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ کے اذن سے ان کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

بِاِذۡنِیۡ ۚ وَاِذۡ تُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِیۡ ۚ وَاِذۡ كَفَفۡتُ بَنِیۡۤ

کوڑھی کو میرے اذن (اور حکم) سے، اور جب کہ تم نکالتے تھے مردوں کو زندہ کر کے انکی قبروں سے میرے (حکم و) اذن سے،

اِسۡرَآءِیۡلَ عَنۡكَ اِذۡ جِئۡتَهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیۡنَ

اور جب کہ میں نے روک دیا بنی اسرائیل کو تم (تک رسائی پانے) سے، ۲۹۵ جب کہ تم ان کے پاس آئے کھلی نشانیوں کے ساتھ،

كَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذۡ

تو ان میں کے ان لوگوں نے جو اڑے ہوئے تھے اپنے کفر (و باطل) پر، کہا کہ یہ تو ایک کھلے جادو کے سوا اور کچھ نہیں، ۲۹۶ اور

اَوۡحَیۡتُ اِلَی الۡحَوَارِیّٖنَ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِیۡ وَبِرَسُوۡلِیۡ ۚ قَالُوۡۤا

جب کہ میں نے حواریوں کے دل میں ڈالی یہ بات ۲۹۷ کہ تم ایمان لاؤ مجھ پر، اور میرے رسول پر، تو انہوں نے عرض کیا

اٰمَنَّا وَاشۡهَدۡ بِاَنَّنَا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذۡ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ

کہ ہم (صدق دل سے) ایمان لے آئے، اور آپ گواہ رہیے کہ ہم پورے فرمانبردار ہیں، ۲۹۸ (اور وہ وقت بھی یاد رکھنے کے

۲۹۵ حضرتِ عیسیٰ کی حفاظت بنی اسرائیل سے:۔سو حضرت عیسیٰ کی حفاظت کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ میں نے تم سے بنی اسرائیل کو روک دیا اور یہودِ بے بہبود کو آپ کے قتل وصلب کے منصوبے میں ذلت و رسوائی سے ہم کنار کیا۔ وہ آپ کا بال تک بیکا نہ کر سکے اور آپ کو ہم نے صحت و سلامتی کے ساتھ اپنی طرف اٹھا لیا جبکہ بظاہر اسباب ان ظالموں کو روکنے والی کوئی قوت موجود نہ تھی۔ (صفوۃ، معارف وغیرہ)۔ سو اس سے واضح ہو گیا کہ حضراتِ انبیائے کرام۔ علیھمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام۔ حاجت روا اور مشکل کشا نہیں ہوتے بلکہ وہ مشکلات سے بچنے کیلئے خود بھی اللہ تعالیٰ کی نصرت وعنایت کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور جب پیغمبر اور حضرتِ عیسیٰ جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر بھی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں ہو سکتے تو پھر اور کون ایسا ہو سکتا ہے۔ پس غلط اور گمراہی کی بات کہتے اور کرتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے از خود طرح طرح کے حاجت روا اور مشکل کشا گھڑ رکھے ہیں۔ اور اس طرح وہ طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡم۔

۲۹۶ ہٹ دھرمی باعثِ محرومی ۔ والعیاذ باللہ:۔سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ خبثِ باطن اور ہٹ دھرمی محرومی اور خسارے کا باعث ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کافروں نے حضرتِ عیسیٰ کے ان معجزات کے بارے میں کہا کہ یہ سب ایک کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں۔ سو اس طرح وہ معجزات جو کہ روشنی کے مینارے اور رشد و ہدایت کے علم اور نشان تھے وہ ان لوگوں کے لئے گمراہی اور تاریکی ہی میں اضافے کا باعث بن گئے۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے انسان کی بدنیتی اور اس کے سوءِ اختیار کا کہ اسکے باعث ایسا شخص حق و ہدایت کی دولت سے سرفراز

وفیضیاب ہونے کی بجائے ضلالت وگمراہی کی گہری کھائیوں میں جا گرتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو اِصلاحِ احوال کیلئے حسنِ اختیار اور صدقِ نیت اولین اساس و بنیاد ہے۔ جبکہ خبثِ باطن سوءِ اختیار اور بدنیتی خرابی وفساد کی جڑ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ پس اس سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کے صلاح وفساد اور اس کی درستگی و بگاڑ کا اصل اور حقیقی تعلق اس کے اپنے باطن اور اس کے دل کی دنیا سے ہوتا ہے۔ اس لئے ہر کوئی دیکھ لے اور اپنے باطن کا جائزہ خود لے لے کہ اس کے اندر کا حال کیسا ہے اور اس کا اپنے خالق و مالک کے ساتھ معاملہ کس طرح کا ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وَھُوَ الْھَادِیْ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ۔

۲۹۷ لفظِ وحی اپنے لغوی معنیٰ میں: سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ بھی قابل ذکر ہے کہ جب میں نے حواریوں کے دل میں بات ڈالی۔ یعنی وحی کا لفظ یہاں پر اپنے معروف معنوں میں نہیں بلکہ اِلقاء و اِلہام کے مفہوم میں ہے۔ کیونکہ وحی اپنے معروف معنیٰ ومفہوم کے اعتبار سے حضراتِ انبیاء ورسل ہی کے ساتھ مختص ہوتی ہے۔ البتہ اپنے لغوی معنیٰ کے اعتبار سے یہ غیر انبیاء کے لئے بھی ہوسکتی ہے، بلکہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر شہد کی مکھی کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ﴾۔ (النحل: ٦٨)۔ سو اسی طرح یہاں بھی ہے کہ حواریوں کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے یہ بات ڈال دی کہ وہ اللہ پر اور اسکے رسول پر ایمان لے آئیں۔ تو وہ فوراً ایمان لے آئے۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ''وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ۔ جب میں نے حواریوں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ تم ایمان لے آؤ مجھ پر اور میرے رسول پر''۔ اور اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں نے حواریوں کی طرف وحی کی حضرتِ عیسیٰ کے توسط سے۔ یعنی حضرتِ عیسیٰ کے ذریعے ان کو پیغام دیا گیا۔ حواریوں سے اس طرح کہا گیا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم ایمان لے آئے۔ پس آپ ہمارے گواہ رہیئے۔ سو یہ بھی قدرت کی طرف سے حضرتِ عیسیٰ پر ایک خاص انعام تھا جس سے آنجناب کو نوازا گیا تھا۔

۲۹۸ حواریوں کے اعلانِ ایمان کا ذکر وبیان: سو اس سے حضرتِ عیسیٰ پر ایک اور انعام اور احسانِ خداوندی کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ حواریوں نے کہا کہ ہم صدق دل سے ایمان لے آئے۔ پس آپ گواہ رہیں کہ ہم پورے فرمانبردار ہیں۔ اور رب کی طرف سے اب ہمیں جو بھی حکم ملے گا اسکے لئے ہم سرِ تسلیم خم ہیں۔ پس یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم احسان تھا حضرتِ عیسیٰ پر کہ حواری اس طرح فوری طور پر انکے مطیع اور فرمانبردار بن گئے اور انہوں نے دل و جان سے اس پیغامِ حق و ہدایت کو قبول کرلیا۔ اور انہوں نے اپنے اس ایمان و یقین کا صاف اور صریح طور پر اِقرار و اظہار کرتے ہوئے یہ اعلان کردیا کہ ہم ایمان لے آئے اللہ پر اور اسکے رسول پر۔ اور اس طرح حضرتِ عیسیٰ کو حواریوں کی صورت میں ایسے مخلص ساتھیوں کی جماعت مل گئی جو راہِ حق میں آپ کے معین و مددگار بن گئے۔ جبکہ بنی اسرائیل کی اکثریت آپؑ کو جھٹلا چکی تھی۔ اس لیے انعاماتِ خداوندی کے ذکر و بیان کے ضمن میں یہاں پر حواریوں کے ایمان کے اس انعام کو بھی بطورِ خاص ذکر فرمایا گیا ہے۔ ''حواری'' اصل میں مخلص ساتھی کو کہا جاتا ہے۔ اور حضرتِ عیسیٰ کے ساتھیوں کو ان کے صدق واخلاص کی بناء پر حواری کہا جانے لگا۔ اور اس لفظ ولقب کے ساتھ وہ خاص طور پر مشہور ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کا کوئی نہ کوئی حواری ہوا ہے اور میرا حواری زبیر ہے جو جنت میں میرا پڑوسی ہوگا۔

يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ

لائق ہے کہ) جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے، کیا آپ کا رب یہ کر سکتا ہے کہ اتار دے ہم پر (نعمتوں

عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ

بھرا) ایک خوان آسمان سے؟ (یعنی یہ بات کہیں خلافِ حکمت تو نہیں،) ۲۹۹ (تو اس کے جواب میں عیسیٰ نے ان سے) کہا کہ تم لوگ

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ

ڈرو اللہ سے، اگر تم واقعی ایماندار ہو، ۳۰۰ انہوں نے کہا کہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم کھائیں اس میں سے، ۳۰۱ اور مطمئن ہو جائیں

قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا

ہمارے دل اور ہم (مزید یقین و وثوق سے) جان لیں کہ آپ نے سچ کہا ہے ہم سے، اور ہم ہو جائیں اس پر

مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ

گواہی دینے والوں میں سے، ۳۰۲ اس پر عیسیٰ بن مریم نے دعاء کی ۳۰۳ کہ اے اللہ،

۲۹۹ ﴿هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ﴾ کا معنیٰ ومفہوم؟:۔ سو حواریوں کے اس سوال کا مقصد جیسا کہ ترجمہ کے اندر بین القوسین کے الفاظ سے اشارہ کیا گیا ہے یہ تھا کہ کہیں ہماری یہ درخواست حکمت و مصلحت کے خلاف تو نہیں۔ یعنی ان کو حق تعالیٰ کی استطاعت اور قدرتِ الٰہی میں کوئی شک نہیں تھا کہ یہ تو کفر ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ بلکہ اس طرح کا سوال کرنے سے ان کا مقصود و مدعا یہ تھا کہ کیا ہماری یہ درخواست پیش کرنے اور قبول کرنے کے قابل ہے کہ نہیں۔ جیسا کہ عام محاورے میں کہا جاتا ہے کہ کیا جناب والا ہماری اس درخواست کو پورا فرما سکیں گے؟ یا یہ کہ کیا ہم اپنی فلاں درخواست پیش کر سکتے ہیں؟ یا جیسے گھر میں داخلے کی اجازت مانگنے والا شخص کہتا ہے کہ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ وغیرہ وغیرہ۔ تو ایسی ہر صورت میں سوال قدرت اور طاقت سے نہیں ہوتا بلکہ اس معنیٰ میں ہوتا ہے کہ کیا ہماری یہ اپیل و درخواست قبول کیے جانے کے لائق ہے؟۔ سو ایسے ہی یہاں بھی سمجھا جائے۔ یعنی کیا ہماری یہ درخواست قبول کیے جانے کے لائق ہے کہ آپؑ کا رب آسمان سے ہم پر اس طرح کا کوئی خوانِ نعمت اتار دے۔ سو حضرتِ عیسیٰ کے ان مخلص ساتھیوں اور حواریوں نے اس طرح حضرتِ عیسیٰ کے توسط سے یہ درخواست اپنے رب کے حضور پیش کی۔

۳۰۰ تقویٰ و پرہیزگاری تقاضائے ایمان:۔ سو حضرتِ عیسیٰ نے اپنے جواب میں ان سے ان کے ایمان کا حوالہ دے کر کہا کہ تم اللہ سے ڈرو اگر تم واقعی ایماندار ہو۔ ایمان و یقین کا مقتضیٰ یہی ہے کہ اس طرح کی خلافِ عادت فرمائشیں نہ کی جائیں۔ اور ایسی فرمائشیں بعض اوقات فتنے کا باعث بھی بن جاتی ہیں۔ اس لئے اللہ سے ڈرو اور اسطرح کی فرمائشوں سے مجتنب و باز رہو۔ تاکہ تم اس طرح کی آزمائشوں اور فتنہ سامانیوں سے محفوظ رہو۔ بہر کیف یہاں پر ایمان کو شرط کے طور پر ذکر فرمانے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ تقویٰ و پرہیزگاری ایمانِ صادق کا تقاضا اور اس کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔ وَبِاللّٰهِ التوفيق۔ سو اگر

ایمان صحیح اور سچا و پکا ہے تو اس کے نتیجے میں تقویٰ و پرہیزگاری کا ظہور و بروز ضرور ہوگا۔ ورنہ ایمان کا دعویٰ محض زبانی جمع خرچ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ جَلَّ وَعَلَا۔ اللہ تعالیٰ تقویٰ و پرہیزگاری سے بدرجۂ تمام و کمال نوازے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۲۰۱ خوانِ سماوی کی طلب کی وجوہ کا ذکر وبیان: سو خوانِ سماوی سے کھانے کی خواہش دراصل اسکی برکات کی بنا پر تھی۔ کیونکہ آسمان سے اترنے والا یہ خوان بطورِ خاص خیر و برکت کا ذریعہ ہوگا۔ اس سے ہمارے ایمان و یقین میں قوت پیدا ہوگی۔ باطنی شفاء وصحت حاصل ہوگی۔ اور تیری عبادت واطاعت کے شوق وجذبہ میں اضافہ ہوگا۔ (صفوہ ومعارف وغیرہ)۔ نیز جب ہم ضرورت کے موقع پر اس خوان سے کھائیں گے تو اس کا شکر ادا کریں گے جس سے ہم اسکی رحمت وعنایت سے مزید سرفراز ہونگے۔ نیز جب ہم اسکے نزول کو دیکھیں گے تو ہمارا ایمان اور پختہ ہوجائے گا اور ہمارے اطمینان میں اور اضافہ ہوگا کہ نظر واستدلال کے ساتھ مشاہدہ کا علم بھی شامل ہوجائے گا۔ سو خوانِ سماوی کے نزول کا یہ مطالبہ اس کی ان برکات کی بناء پر تھا۔ اور اسی کے پیش نظر ان بندگانِ صدق و صفا نے اس کے اتارے جانے کی یہ دعاء و درخواست کی تھی۔ تاکہ وہ اس کی ان برکات سے فیضیاب ہوسکیں۔

۲۰۲ حق کے گواہ بننے کی خواہش وچاہت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے مزید کہا کہ تاکہ ہم گواہی دینے والوں میں سے ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت وعنایت اور آپ کی نبوت ورسالت کے اور ان لوگوں کیلئے بھی گواہ بن سکیں جنہوں نے اس معجزے کو بچشمِ خود نہیں دیکھا ہوگا۔ اور اس طرح ہم حق کے گواہ بن کر دوسروں کیلئے بھی خیر و برکت کا ذریعہ بن جائیں گے کہ ہماری اس گواہی سے جو لوگ حق کے طالب اور ایمان کے متلاشی ہونگے وہ نورِ حق اور متاعِ ایمان ویقین سے سرفراز ہوجائیں گے۔ اور جو نورِ ایمان ویقین سے سرفراز ہونگے ان کی قوتِ ایمان ویقین میں اور اضافہ ہوگا۔ حضرتِ عیسیٰ کے حواریوں نے اپنے اس مطالبے کے فوائد سے متعلق ایک بات یہ بھی کہی کہ اس سے کھانے کی بناء پر ہمارے دلوں کو اطمینان کی دولت مل جائے کہ ظاہر ہے کہ جو کھانا اللہ رب العالمین کی طرف سے ملے اس سے بڑھ کر اچھا اور باعثِ اطمینان کھانا اور کونسا ہوسکتا ہے؟۔ سو اس طرح ان حضرات نے حلال وطیب اور پاکیزہ و بابرکت روزی کی درخواست کی کہ اس سے اطمینانِ قلب کی دولت ملتی ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۲۰۳ پیغمبر کا کام اللہ کے حضور دعاء کرنا: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس پر حضرتِ عیسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعاء کی۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتا، جس طرح کہ آج کے اہلِ بدعت کا شرکیہ عقیدہ ہے۔ کیونکہ جو مختارِ کل ہوتا ہے وہ دعا نہیں کیا کرتا بلکہ وہ حکم صادر کرتا ہے۔ پیغمبر کا کام تو دراصل اپنے رب کے حضور دستِ دعا وسوال بلند کرنا ہوتا ہے اور بس۔ آگے اس کو قبول کرنا یا نہ کرنا اللہ پاک کی مشیت کے تابع اور اُس کی مرضی پر موقوف ہوتا ہے جس کی دعا وہ چاہے قبول کرے اور جس کی چاہے نہ قبول فرمائے۔ اپنے پیغمبروں کی دعا وہ عام طور پر اپنے فضل وکرم سے قبول ہی فرماتا ہے۔ لیکن اگر چاہے تو نہ قبول کرے۔ جیسا کہ نوح کی دعا ان کے اپنے بیٹے کے لئے قبول نہیں فرمائی۔ اور اسی طرح ابراہیم کی دعا ان کے اپنے باپ کے لئے۔ اسی طرح آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کی دعا اپنے چچا ابوطالب کے لئے وغیرہ وغیرہ۔ بہرکیف پیغمبر اختیارِ کلی کا مالک نہیں ہوتا کہ جو چاہے کرے بلکہ پیغمبر کا اصل کام اپنے خالق و مالک کی طرف رجوع کرنا اور اسکے حضور اپنی عرض والتجا پیش کرنا ہوتا ہے اور بس۔ آگے ان کی دعا کی قبولیت وعدم قبولیت کا معاملہ حضرتِ حق۔ جَلَّ مَجْدُہٗ۔ کی مرضی ومشیت پر موقوف ہوتا ہے۔ وہ خالقِ کل اور مالکِ کل ہے اور جیسا چاہے کرے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ پس مختارِ کل وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ جَلَّ وَعَلَا۔ باقی سب اُسی کے محتاج اور اُسی کے در کے سوالی ہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

رَبَّنَآ اَنۡزِلۡ عَلَیۡنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوۡنُ لَنَا

ہمارے رب، اتار دے ہم پر آسمان سے ایک ایسا خوان جو کہ عید

عِیۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَۃً مِّنۡکَ ۚ وَارۡزُقۡنَا وَاَنۡتَ

قرار پائے، ہمارے اگلوں کے لئے بھی اور پچھلوں کے لئے بھی، ۳۰۴ اور ایک (عظیم الشان) نشانی تیری طرف سے، اور

خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰہُ اِنِّیۡ مُنَزِّلُہَا عَلَیۡکُمۡ ۚ

ہمیں روزی عطا فرما، اور تو ہی ہے (اے ہمارے رب!) سب سے بہتر روزی رساں، ۳۰۵ اللہ نے فرمایا بے شک میں اس کو اتارنے

فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بَعۡدُ مِنۡکُمۡ فَاِنِّیۡۤ اُعَذِّبُہٗ عَذَابًا لَّاۤ

والا ہوں تم لوگوں پر، مگر (یاد رکھو کہ) جس نے کفر کیا اس کے بعد تم میں سے، تو یقیناً میں اس کو ایسی (سخت) سزا دوں گا

۳۰۴ عید کا مفہوم اور اہلِ بدعت کے ایک مغالطے کا جواب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس پر حضرتِ عیسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا کہ اے اللہ تو ہم پر آسمان سے ایک ایسا خوان اتار دے جو ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید قرار پائے اور تیری طرف سے ایک عظیم الشان نشانی ۔ یعنی وہ ہمارے اگلوں و پچھلوں سب کے لئے خوشی کا سامان ہو اور تیری یادِ دلشاد کی تازگی کا سبب و باعث ۔ اہلِ بدعت کے بڑوں نے اپنی اُفتادِ طبع اور بدعت پرستی کی بناء پر اس سے عید میلاد وغیرہ اپنی بعض مروجہ بدعات کا جواز کشید کرنے کی کوشش کی ہے کہ چونکہ حضورِ پرنور کی ولادت مائدہ سماوی سے بڑی نعمت ہے اس لئے عید میلاد منانا سنتِ پیغمبر سے ثابت ہے ۔ لیکن سوال یہ ہے ان لوگوں کی یہ تحقیقِ انیق اس سے پہلے کے چودہ صدیوں کے سلفِ صالحین میں سے کسی کو بھی آخر کیوں نہ سوجھی؟ ۔ ائمہء اربعہ میں سے کسی ایک کو بھی آخر یہ بات کیوں نہ سمجھ آ سکی؟ صحابہء کرام میں سے کسی پر بھی یہ عقدہ آخر کیوں نہ کھلا؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود سرکارِ دو عالم -صلی اللہ علیہ وسلم- نے اپنی نبوتِ مطہرہ کی تیئیس (۲۳) سالہ زندگی میں اس آیتِ کریمہ اور اس میں پائے جانے والے لفظِ عید کا یہ مفہوم اپنی امت کو کیوں نہ ارشاد فرمایا ۔ فقہ و حدیث کی سب کتابوں میں ''کتاب العیدین'' کے لفظ سے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی صرف دو ہی عیدوں کا ذکر کیوں آتا رہا؟ اور جب سے عیدِ میلاد کا یہ مروجہ سلسلہ شروع کیا گیا سلف سے لیکر خلف تک تمام ثقہ علمائے کرام اس کو بدعت کیوں قرار دیتے رہے؟ مثال کے طور پر اس بارے چند ایک حوالہ جات ملاحظہ ہوں : فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ الحنبلیؒ : ج ۱ ص ۳۱۲ ، ارشاد الاخیار : ص ۲۰ للشیخ الامام نصیر الدین الشافعیؒ ، المدخل

لابن امیر الحاج المالکیؒ: ج ۱ص ۱۸۵، الشرعۃ الالٰہیۃ للشیخ عبدالرحمٰن المغربی، القول المعتمد للشیخ احمد بن محمد المصریؒ، حسن المقصد للشیخ جلال الدین السیوطیؒ، مکتوباتِ شیخ احمد سرہندی مجددِ الفِ ثانیؒ: ج ۵ص ۲۲ وغیرہ وغیرہ۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: المنہاج الواضح - راہِ سنت - للشیخ سرفراز خان صفدر - حفظہ اللہ و دامت برکاتہم - پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ کیا پیغمبر کی یاد کوئی ایسی چیز ہے کہ سال میں صرف ایک مرتبہ منا لی جائے اور بس۔ اور وہ بھی آپ کی جسمانی ولادت و پیدائش کے موقع پر جبکہ پیغمبر کا اصل امتیاز ان کی روحانی ولادت، یعنی ان کی بعثت و نبوت ہوتی ہے۔ اسی لئے قرآنِ حکیم میں جہاں کہیں بھی ذکر آیا ہے وہ آپؐ کی بعثت اور نبوت و رسالت ہی کا آیا ہے نہ کہ جسمانی ولادت کا - صلی اللہ علیہ وسلم - بلکہ پیغمبر کی ذاتِ اقدس تو وہ ذات ہے جن کا اسوۂ حسنہ اور حیاتِ طیبہ زندگی کے ہر موڑ اور ہر موقع و مقام پر اور ہر حرکت و سکون میں سامنے رکھنے کی ضروت ہے تاکہ اس سے سبق لے کر راہِ عمل استوار کی جا سکے۔ نہ یہ کہ دنیاوی بادشاہوں وغیرہ کی طرح سال میں ایک آدھ مرتبہ جشن منا لیا جائے اور بس۔ پس اہلِ بدعت کی یہ تاویلات دراصل تحریفات کے زمرے میں آتی ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - اور ان کے ایک بڑے تحریف پسند نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ عیسائیوں کا بڑا دن اسی کی یادگار ہے۔ اس خدا کے بندے کو کوئی خیال نہ آیا کہ تم سے مطالبہ سنتِ محمدیہ علیٰ اصاحبہا الصلوٰۃ السلام کی پیروی کا ہے یا کہ عیسائیوں کے رسم و رواج کی پیروی کا؟ پتہ نہیں ایسے لوگوں کی مت کیوں اس قدر ماردی گئی اور یہ لوگ کیوں ایسے اوندھے اور اندھے ہو گئے کہ نصوصِ کتاب و سنت میں بھی اپنی خواہشات و مرضی کے مطابق اور اپنی من گھڑت اور خود ساختہ بدعات کی تائید و تقویت کے لئے اس طرح تحریفات کرتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَاِلَیْہِ الْمُشْتَکٰی جَلَّ وَعَلَا - اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق و ہدایت پر مستقیم و ثابت رکھے اور نفس و شیطان کے ہر شر سے محفوظ اور احداث و بدعت کے ہر شائبہ سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ اٰمین ثم اٰمین یا رب العالمین۔

۲۰۵ **روزی رساں سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے:** - سو ارشاد فرمایا گیا اور انداز و اسلوب حصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ سب کا روزی رساں تو ہی تو ہے۔ جس کو جو ملتا ہے وہ تیری ہی طرف سے ملتا ہے۔ تیری عطاء بلا حدود اور بغیر کسی عوض و بدلہ کے ہے۔ اور تو اپنے بندوں کو وہاں سے دیتا اور ایسا عطاء فرماتا ہے کہ ان کے وہم و گمان بھی وہاں نہیں پہنچ سکتے - سبحانہٗ و تعالیٰ - پس بڑے ہی غلط کار اور بہکے بھٹکے ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے طور پر طرح طرح کے اَن داتا گھڑ رکھے ہیں۔ اور انہوں نے ان سے اپنی توقعات وابستہ کر رکھی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ انہی کے آگے جھکتے اور سجدہ ریز ہوتے ہیں اور انہی سے مانگتے اور انہی کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - بہرکیف یہاں پر اس ارشادِ باری تعالیٰ سے اور اسی طرح دوسرے مختلف مقامات پر یہ حقیقت پوری طرح واضح فرما دی گئی کہ رازق سب انسانوں کا اللہ ہی ہے کہ وہی رزق و روزی کا اور اسکے اسباب و وسائل کا خالق و مالک ہے۔ اور سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ اور وہی سب کا داتا ہے - سبحانہٗ و تعالیٰ -

اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١١٥﴾ ع وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ

جو میں نے دنیا جہاں میں کسی کو نہ دی ہوگی، ۳۰۶ اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب اللہ فرمائے گا، ۳۰۷ اے عیسیٰ

يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ

بیٹے مریم کے، کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم مجھے اور میری ماں کو معبود بنالو،

وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ

اللہ (وحدہٗ لاشریک) کے سوا؟ ۳۰۸ تو اس پر عیسیٰ (دست بستہ) عرض کریں گے، ۳۰۹ کہ پاک ہے تو (اے میرے مالک!) ۳۱۰ میرا یہ کام

۳۰۶ بنی اسرائیل پر خوانِ نعمت اترا کہ نہیں:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ بے شک میں تم لوگوں پر اس خوان کو اتارنے والا ہوں مگر یاد رکھو کہ جو اس کے بعد اس کا کفر کرے گا تو اس کو میں ایسی سزا دوں گا جو دنیا جہاں میں کسی کو نہ دی ہوگی۔ سو اس نعمت کی ناشکری کرنے والوں کو سخت سزا ملے گی کہ جب یہ نعمت غیر معمولی اور بے مثال ہے تو اس کی ناقدری و ناشکری اور کفران کی سزا بھی بہت سخت ہوگی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ پھر یہ خوان اترا کہ نہیں؟ اس میں علمائے کرام کے دو قول ہیں۔ جمہور کے نزدیک ہاں یہ اترا۔ ان لوگوں نے اس سے کھایا بھی اور پھر اس کے شکر و کفر کے اعتبار سے وہ لوگ بھی دو قسم پر ہو گئے۔ اور کفر و ناشکری کرنے والوں کو سور اور بندر بنا دیا گیا۔ اور پھر تین دن کے اندر ان کو ہلاک کر دیا گیا۔ اور حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ارشاد فرمایا کہ ان پر یہ خوان روٹی اور گوشت کی صورت میں نازل فرمایا گیا تھا۔ اور ان سے فرمایا گیا تھا کہ نہ تو یہ اس میں خیانت کریں اور نہ آنے والے کل کے لئے اس کو ذخیرہ کریں۔ مگر انہوں نے اسکے برعکس اس میں خیانت بھی کی اور ذخیرہ اندوزی بھی۔ جس کے نتیجے میں ان کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔ (ترمذی، کتاب التفسیر) جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ وہ خوان نازل نہیں ہوا تھا کیونکہ اس تنبیہ کے بعد وہ لوگ ڈر گئے اور اپنے اس مطالبے سے دستبردار ہو گئے۔ مگر راجح قول پہلا ہی ہے جو کہ جمہور کا ہے اور جس کی تائید مذکورہ بالا روایت سے بھی ہوتی ہے جو کہ مرفوعاً بھی روایت ہوئی ہے لیکن موقوفاً زیادہ صحیح ہے۔ (روح، قرطبی، طبری، ابن کثیر، محاسن، جامع اور معارف وغیرہ)۔ بہر کیف اللہ پاک نے ان سے فرمایا کہ اگر تم لوگوں نے اس خوان کے اترنے کے بعد کفرانِ نعمت سے کام لیا تو پھر تمہیں ایسا سخت عذاب دونگا جو تم سے پہلے دنیا جہاں میں کسی کو نہیں دیا کیونکہ اسکے بعد غیب تمہارے مشاہدہ میں آجائے گا اور کشفِ حقائق کے بعد بھی جو ایمان نہیں لائے گا اسکے لیے ایسا ہی ہولناک عذاب ہوتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۳۰۷ بلاغتِ کلام کا ایک خاص اسلوب:- یعنی "قال" ماضی کا صیغہ "یقول" ۔ مستقبل۔ کے معنیٰ میں ہے۔ اور تحقق وقوع کے لئے اس کو ماضی سے تعبیر فرمایا گیا ہے جو کہ بلاغت کا ایک مشہور و معروف اسلوب ہے۔ یعنی یہ امر اتنا یقینی اور اس قدر پختہ ہے کہ گویا کہ یہ ہو چکا ہے۔ اور ماضی کو مستقبل کے معنیٰ میں استعمال کرنا اور ماضی بول کر مستقبل مراد لینا بلاغتِ کلام کا ایک عام اور معروف اسلوب ہے جو دنیا کی ہر زندہ زبان میں پایا جاتا ہے۔ اور خود ہمارے روزمرہ کے محاورے میں بھی بکثرت پایا جاتا ہے۔ بہر کیف مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کا ماضی کے صیغے سے ذکر کرنا ان کی قطعیت اور یقینی حیثیت کے اظہار و

بیان کے لئے ہوتا ہے۔ سو حضرتِ عیسیٰ سے یہ پرسش اور سوال و جواب جو قیامت میں ہوگا ایک ایسی قطعی اور یقینی حقیقت ہے جو گویا کہ واقع ہو چکی ہے کہ اس نے بہر حال ہو کر رہنا ہے۔ اس لیے اس کو ماضی کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

۳۰۸ قیامت کے روز حضرتِ عیسیٰ سے سوال کا ذکر: - سو اس سے قیامت کے روز حضرت عیسیٰ کے سوال و جواب کا ذکر فرمایا گیا ہے سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ سے پوچھے گا کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم لوگ مجھے اور میری والدہ کو اپنا معبود بنالو اللہ سوا؟ اور حضرتِ عیسیٰ سے یہ سوال ان کے پیروکاروں پر حجت قائم کرنے کیلئے ہوگا ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور ہمیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پکارو؟ اور ہماری تصویریں اور مورتیاں بنا کر ان کے آگے جھکو؟ اور ان کی پوجا پاٹ کرو؟ یہ سوال اگرچہ بظاہر حضرتِ عیسیٰ سے ہوگا لیکن اس سے اصل مقصود ان کفار و مشرکین کی تقبیح و تذلیل اور ان پر حجت قائم کرنا ہوگا جنہوں نے حضرتِ عیسیٰ کے بارے میں اس شرک کا ارتکاب کیا کہ یہ سب جرم و قصور ان لوگوں کا اپنا ہی کیا کرایا ہوگا۔ (قرطبیؒ، صفوۃ، محاسن وغیرہ)۔ سو اس طرح حضرتِ عیسیٰؑ سب دنیا کے سامنے اپنی عبدیت و بندگی اور اپنی بے گناہی کا اِعلان و اِظہار کریں گے جس سے نصاریٰ کا کفر و شرک اور اُن کا جرم و قصور سب کے سامنے واضح ہو جائے گا۔ اور ان پر حجت قائم ہو جائے گی۔ اور سب دنیا کے سامنے انکی تذلیل و تقبیح کا سامان ہو جائے گا۔ اور یہ امر پوری طرح واضح ہو جائے گا کہ یہ عام جرم و قصور خود لوگوں کا ہے حضرتِ عیسیٰ کی ذاتِ عالی اس سے بہر حال بری و بے قصور ہے۔

۳۰۹ محبت میں غلو کا نتیجہ و انجام بُرا، والعیاذُ باللہ: - سو یہ ہوتا ہے محبت میں غلو کا نتیجہ و انجام کہ حضرتِ عیسیٰ کو قیامت کے اس یومِ حساب میں اس طرح جواب دہی کرنا پڑے گی اور آنجناب اس موقع پر سب کے سامنے اپنی صفائی بیان کریں گے۔ سو یہ ہے محبت میں غلو کا نتیجہ و انجام کہ حضرتِ عیسیٰ جیسی پاکیزہ ہستی کو بھی حشر کے اس ہولناک دن میں علی رؤس الاشہاد اس طرح اپنی صفائی بیان کرنا پڑے گی۔ اسی لئے دینِ حنیف نے ایسے غلو سے طرح طرح سے روکا اور منع فرمایا ہے۔ مگر افسوس کہ اس سب کے باوجود آج اس امت کے جہلاء کا ایک بڑا طبقہ طرح طرح سے اسی غلو کا شکار ہے۔ جس کی بناء پر وہ طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- ولیوں کے جھوٹے اور من گھڑت قصے سنا سنا کر ان کو ان نبیوں تک پہنچا دیا اور نبیوں کو خدا کی خدائی اور اس کی اُلوہیت میں شریک کر لیا- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ-

۳۱۰ حضرتِ حق -جَلَّ مَجْدُہٗ- کی تنزیہ و تقدیس: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ عیسیٰ اللہ پاک کے حضور عرض کریں گے کہ پاک ہے تو اے میرے رب ہر نقص و عیب اور ہر شائبہ شرک سے۔ اور یہ کلمہ اصل میں "سبح" یا "سباحۃ" سے ماخوذ ہے جسکے معنیٰ تیز چلنا اور خشکی یا تری میں دور نکل جانا ہیں۔ اسی لیے بڑے تیز گھوڑے کو عربی میں "فرس سبح" کہا جاتا ہے۔ سو اس سے اللہ پاک کیلئے تسبیح و تنزیہ کیلئے یہ کلمہ استعمال کیا جاتا ہے کہ اللہ پاک ہر قسم کے شرک اور شوائبِ شرک سے پاک ہے۔ نہ اسکی ذات و صفات میں کوئی اسکا شریک و سہیم اور نہ اسکے حقوق و اختیارات میں کوئی اس کا شریک و سہیم۔ وہ ہر اعتبار سے وحدہٗ لاشریک ہے- سبحانہٗ و تعالیٰ- پس جن لوگوں نے حضرتِ عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا مظہر قرار دے کر ان کو اللہ تعالیٰ کا عین قرار دیا اور کہا- ﴿اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ﴾- کہ "اللہ ہی عیسیٰ بن مریم ہے" یا جنہوں نے ان کو تین خداؤں میں سے ایک خدا مانا یا ان کو خدا کا بیٹا قرار دیا ان سب نے شرک کیا۔ اور اللہ تعالیٰ ایسی تمام شرکیات اور ان کے شوائب سے پاک ہے۔ نہ وہ کسی کا بیٹا اور نہ اس کا کوئی بیٹا ہے۔ اس کی شان ﴿لم یلد ولم یولد﴾ کی شان ہے۔

لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۚ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ

نہیں ہوسکتا تھا کہ میں کوئی ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں، اگر (بالفرض) میں نے ایسی کوئی بات کہی ہوتی، تو آپ کو

عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ

ضرور اس کا علم ہوتا، کہ آپ کو وہ سب کچھ معلوم ہے جو میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ آپ کے دل میں ہے، ۳۱۱

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ

بے شک تو ہی ہے (اے میرے مالک!) جاننے والا سب غیبوں کا، ۳۱۲ میں نے تو ان سے بس وہی کچھ کہا جس کا آپ نے

اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ

مجھے حکم فرما رکھا تھا، کہ تم سب اللہ ہی کی بندگی کرو (اے لوگو!) جو کہ رب ہے میرا بھی، اور تمہارا بھی، ۳۱۳ اور میں

عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ

ان کی پوری طرح نگرانی کرتا رہا جب تک کہ میں ان کے درمیان موجود رہا، ۳۱۴ پھر جب تو نے مجھے (اے میرے مالک اٹھا

۳۱۱ حضرتِ عیسیٰ کا اعتراف واقرارِ عبدیت: - سو اس سے حضرت عیسیٰ کے اِحساس و اِقرارِ عبدیت سے لبریز ومعمور جواب سامنے آتا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ عیسیٰ عرض کریں گے کہ میرا یہ کام نہیں ہوسکتا تھا کہ میں کوئی ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر بالفرض میں نے کوئی ایسی بات کہی ہوتی تو وہ یقیناً آپ کے علم میں ہوتی کہ آپ وہ سب کچھ پوری طرح جانتے ہیں جو میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا وہ کچھ جو آپ کے دل میں ہے۔ کہ میں تیرا بندہ ہوں اور میرا علم و اِدراک بہرحال محدود ہے۔ مجھے تو بس وہی کچھ معلوم ہوسکتا ہے جو تو مجھے بتا دے اور سکھا دے اے میرے خالق و مالک۔ اگر میں نے بالفرض ایسی کوئی بات کہی ہوتی تو وہ ضرور آپ کے علم میں ہوتی کہ آپ کا علم ہر چیز کو حاوی اور محیط ہے۔ کوئی بھی چیز اس سے باہر نہیں ہوسکتی۔ سو جب میں بندہ ہوں اور مجھے اپنی بندگی کا پورا شعور و اِحساس اور اس کا اِقرار و اِعتراف ہے تو پھر میں ایسی کوئی بات آخر کس طرح کر سکتا تھا کہ اپنی خدائی اور اُلوہیت کا دعویٰ کروں؟ ایسی بات نہ تو میرے لئے زیبا تھی اور نہ ہی میں ایسی کوئی بات کر سکتا تھا۔ سو اس طرح حضرت عیسیٰ اپنی عبدیت و بندگی سے لبریز و معمور اس جواب کے ذریعے اپنی براءت اور حضرتِ حق - جَلَّ مَجْدُهٗ - کی عظمتِ شان اور تقدیسِ مقام کا اعلان کر دیں گے - علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام -

۳۱۲ عالم غیب صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ عیسیٰ کہیں گے کہ بے شک تو ہی ہے اے میرے رب سب غیبوں کو جاننے والا۔ مبتداء و خبر جب دونوں معرفہ ہوں جیسا کہ یہاں ہے کہ "اِنَّ" کا اسم اور خبر

دراصل مبتداء وخبر ہی ہوتے ہیں تو اس سے حصر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے۔ پس عالم الغیب اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور علمِ غیب خاصۂ خداوندی ہے۔ جیسا کہ دوسری آیاتِ کریمہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ مثلاً۔ ﴿ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ الآیۃ۔ (ھود: ۱۲۳)۔ یعنی ''اللہ ہی کیلئے ہے غیب آسمانوں اور زمین کا''۔ نیز فرمایا گیا۔ ﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾۔ (النمل: ۶۵) ''کہو آسمانوں اور زمین۔ کی اس پوری کائنات۔ میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا سوائے ایک اللہ۔ وحدہٗ لاشریک۔ کے'' وغیرہ وغیرہ آیاتِ کریمہ۔ پس اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو عالمِ غیب ماننا اللہ پاک کی اس صفت میں اس کی مخلوق کو حصے دار ماننا ہے جو کہ شرک ہے اور جو نصوصِ قرآنی کے مطابق ظلمِ عظیم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف یہاں پر حصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک تو ہی اے میرے مالک سب غیبوں کو جاننے والا ہے۔ تیری اس صفت میں تیرا نہ کوئی شریک ہے نہ ہوسکتا ہے۔ سو عالم الغیب اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے سبحانہٗ وتعالیٰ

۲۸۱ حضرتِ عیسیٰ کا اعلانِ بندگی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ عیسیٰ کہیں گے کہ میں نے تو ان لوگوں سے وہی کچھ کہا جس کا آپ نے مجھے حکم وارشاد فرمایا تھا کہ تم سب لوگ اللہ ہی کی بندگی کرو جو کہ سب کا رب ہے۔ سو اس کے بندے ہونے میں ہم سب ایک برابر ہیں۔ فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ مجھے اس نے نبوت ورسالت کی ذمہ داری سونپی ہے۔ شرفِ وحی سے نوازا ہے اور منصبِ نبوت ورسالت سے سرفراز فرمایا ہے اور بس۔ ورنہ اس کی خدائی کے کسی شائبے کا بھی مجھ میں پائے جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ ہمارے حضور۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ارشاد فرمایا گیا کہ یوں کہو۔ ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰىٓ اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾۔ (الکھف: ۱۱۰) ''ان سے کہو کہ سوائے اس کے نہیں کہ میں ایک بشر ہوں تم ہی جیسا، میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے''۔ اس مرکزی مضمون کے ساتھ۔ کہ معبودِ حقیقی تم سب کا اے لوگو! ایک ہی معبود ہے۔ یعنی اللہ وحدہٗ لا شریک۔ سو اپنے اس صاف وصریح اعلان وبیان سے جہاں حضرتِ عیسیٰ سب دنیا کے سامنے اپنی براءت واضح فرما دیں گے وہاں وہ اپنے ان غالی پیروکاروں کو بھی سب کے سامنے رسوا کریں گے جنہوں نے اپنے غلو سے حضرتِ عیسیٰ کو خدا اور خدائی میں شریک بنا رکھا تھا اور حضرتِ عیسیٰ کے پیش فرمودہ دینِ توحید کو بدل کر انہوں نے دینِ شرک بنا دیا تھا جسکے نتیجے میں ان کو ہمیشہ ہمیش کیلئے عذاب بھگتنا ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۲۸۲ مختارِ کل اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے:۔ سو حضرتِ عیسیٰ اپنی جوابدہی میں عرض کریں گے کہ میں زندگی بھر ان کی نگرانی کرتا اور ان کو روکتا رہا ہر برے عقیدے اور غلط عمل سے جہاں تک میرا بس چل سکتا تھا۔ اور جتنا میری قدرت واستطاعت میں تھا۔ اور میں زندگی بھر ان کی نگرانی کرتا رہا اسکے بعد کا نہ مجھے کچھ پتہ ہے اور نہ ہی میرے بس اور اختیار میں کہ مختارِ کل تو آپ ہی ہیں۔ سب کچھ آپ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے اور ہر جگہ موجود ہونا اور ہر حال میں موجود ہونا اور ہر چیز کی اطلاع وآگہی رکھنا بھی آپ ہی کی شان ہے۔ میرا کام تو صرف یہ تھا کہ میں زندگی بھر ان کی نگرانی کرتا رہا اور ان کو آپ کی عبادت وبندگی کی دعوت دیتا اور تعلیم وتلقین کرتا رہا۔ اس سے آگے میرا کوئی زور نہیں تھا۔ سو پیغمبر نہ مختارِ کل ہوتا ہے اور نہ ہر جگہ حاضر وناظر۔

اَنۡتَ الرَّقِیۡبَ عَلَیۡهِمۡ ؕ وَاَنۡتَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدٌ ﴿۱۱۷﴾

لیا تو ۳۱۵ تو ہی ان کا نگران (ونگہبان) تھا، اور تو ہر چیز سے پوری طرح آگاہ ہے ۳۱۶ اب اگر تو ان کو سزا دے تو (بجا طور پر دے

اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ

سکتا ہے کہ) یہ تیرے بندے ہیں، ۳۱۷ اور اگر ان کو معاف فرما دے تو (یہ بھی کر سکتا ہے کہ) بے شک تو ہی ہے سب پر

اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوۡمُ یَنۡفَعُ

غالب، نہایت ہی حکمت والا، ۳۱۸ تب اللہ فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو کام دے گا ان کا سچ، ۳۱۹ (جس کا کامل

الصّٰدِقِیۡنَ صِدۡقُهُمۡ ؕ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا

مظہر یہ ہوگا کہ) ان کے لئے ایسی عظیم الشان جنتیں ہوں گی، جن کے نیچے سے بہہ رہی ہوں گی طرح طرح کی عظیم

الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا

الشان نہریں، جن میں ان کو ہمیشہ ہمیش کیلئے رہنا نصیب ہوگا، اللہ ان سے راضی ہوگا، اور وہ اللہ سے راضی

۳۱۵ دنیا سے اٹھنے کے بعد پھر کوئی کچھ نہیں کر سکتا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت عیسیٰ مزید عرض کریں گے کہ مالک جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان کا نگران ونگہبان تھا۔ یعنی آپ نے جب مجھے اٹھا لیا دنیا سے آسمان کی طرف اپنی قدرت وعنایت سے یہودِ بے بہبود کے شر وفساد سے بچاتے ہوئے تو اسکے بعد میری نگرانی بھی ختم ہوگئی اور میرا ان سے تعلق اور ذمہ داری بھی کہ دنیا سے اٹھنے کے بعد کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اسی لئے موت کے بعد کوئی کسی عمل یا ذمہ داری کا مکلف اور پابند نہیں ہوتا کہ وہ اس کا اہل ہی نہیں ہوتا۔ اور جب حضرت عیسیٰ جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر کا بھی یہ حال ہے تو پھر اور کون ہو سکتا ہے جو مرنے کے بعد کسی کی حاجت روائی یا مشکل کشائی کر سکے؟۔ سو کس قدر گمراہ اور اندھے اور اوندھے ہیں وہ لوگ جو قبروں میں پڑے ہوئے لوگوں کو پوجتے پکارتے اور اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے بلاتے ہیں؟ - والعیاذ باللہ العظیم۔

۳۱۶ مُردوں کو دنیا کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہوتا:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ دنیا سے جانے کے بعد کسی کو پتہ نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت عیسیٰ عرض کریں گے کہ جب تو نے اے میرے مالک مجھے دنیا سے اٹھا لیا تو اس کے بعد تو ہی ان کا نگران ونگہبان تھا کہ تو ہر چیز سے پوری طرح آگاہ ہے۔ اس کے بعد کا مجھے کچھ پتہ نہیں کہ انہوں نے کیا کیا بدعات اور خرافات ایجاد کیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے اتنے عظیم الشان پیغمبر کو بھی پتہ نہیں اور وہ بھی محض آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد، تو پھر

کسی کو اور وہ بھی اس کی حقیقی موت کے بعد کیا پتہ ہوسکتا ہے۔ پس کس قدر بے ہودہ بات اور غلط وگمراہ کن عقیدہ ہے ان لوگوں کا جو یہ کہتے ہیں کہ مردہ اپنی قبر پر بیٹھنے والے پرندے کے بارے میں بھی جانتا ہے کہ وہ نر ہے یا مادہ۔ جیسا کہ اہلِ بدعت کے بہت سے ملاؤں اور پیشواؤں کا کہنا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو حضرتِ عیسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر کہتے ہیں کہ میرے اٹھائے جانے کے بعد تو ہی ان کا نگران تھا تُو ہی جانتا ہے کہ اس کے بعد ان لوگوں نے کیا کیا مجھے اس کا کوئی پتہ نہیں اس لئے اس کے بارہ میں ان کی مجھ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ تو پھر اور کون ہوسکتا ہے جو اس کے بعد کچھ جان یا کر سکے؟

۳۱۷ اللہ مختارِ کل ہے جو چاہے کرے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ عیسیٰ عرض کریں گے کہ اب اگر آپ ان کو عذاب دیں تو بھی دے سکتے ہیں کہ یہ اس کے مستحق اور مجرم وقصوروار ہیں۔ اس لئے آپ اے ہمارے خالق و مالک ان کو سزا اور جو چاہیں سزا دے سکتے ہیں کہ آپ مالک ومختار بھی ہیں۔ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ آپ کو اس کا پورا حق بھی ہے اور کلی اختیار بھی کہ یہ بہرحال آپ کے بندے ہیں۔ سو اس سے حضرتِ عیسیٰ کی شانِ عبدیت کا بھی اظہار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان کا بھی۔ سو یہی نتیجہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا کہ اس سے سرفرازی کے بعد انسان اس مالک الملک کے حضور سراپا عجز وانکسار بن جاتا ہے۔ اور یہی تقاضا ہے عبدیت وبندگی کا۔ وَبِاللّٰہِ التوفیق لما یحب ویرید۔ سو معاملہ سب کا سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۳۱۸ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ عزت وحکمت کا حوالہ وذکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے حضور مزید عرض کریں گے کہ بے شک تو ہی ہے اے اللہ سب پر غالب اور نہایت حکمت والا۔ پس تو اے میرے مالک جو چاہے کرے کہ تو سب پر غالب ہے اور تجھ سے کوئی بالادست اور پوچھنے والا نہیں اے میرے خالق ومالک۔ جل وعلا شانہ۔ پس آپ جو چاہیں کریں کہ آپ سب پر غالب اور آپ کی ذاتِ اقدس واعلیٰ سب پر حاکم اور ہر لحاظ سے اعلیٰ وبالا ہے۔ سو اللہ سب پر غالب ہے۔ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے۔ اور ساتھ ہی چونکہ وہ حکیم بھی ہے اس لیے اس کا کوئی بھی کام حکمت سے خالی نہیں۔

۳۱۹ سچائی کے نفع دینے کا دن: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کی سچائی کام دے گی اور وہ اس کا پھل پائیں گے۔ اور ان کے لئے انکے صدق وصفا کے بدلے میں جنت کی ایسی بے مثال کامیابی اور دائمی نعمتوں سے سرفرازی ہوگی جس کا اس دنیا میں کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔ پس جو لوگ زندگی بھر حق وصدق کی راہ پر رہے ہونگے وہ اس روز اپنی اس سچائی کا پھل ابدی کامیابی کی صورت میں پائیں گے۔ سو حساب وکتاب اور عدل وانصاف کا وہ دن سچوں اور راست بازوں کے لئے کامیابیوں اور فائز المرامیوں کا دن ہوگا۔ اور اس روز کھرا کھوٹا نکھر کر سب کے سامنے آجائے گا۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السَّبِیْلِ۔

عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ

ہونگے | یہی ہے بڑی کامیابی، ۳۲۰ | اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی

الْاَرْضِ وَمَا فِیْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

اور ان سب چیزوں کی جو کہ ان میں پائی جاتی ہیں، ۳۲۱ | اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، ۳۲۲

۳۲۰ اصل اور حقیقی کامیابی کی نشاندہی:- سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ اصل اور حقیقی کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے جو کہ حقیقی، ابدی اور دائمی کامیابی ہوگی جس جیسی اور کوئی کامیابی ممکن ہی نہیں- اَللّٰهُمَّ شَرِّفْنَا بِهٖ بِمَحْضِ مَنِّکَ وَکَرَمِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ -اور جن کو یہ سب سے بڑی کامیابی نصیب ہوگی وہی ہیں اصل اور حقیقی معنوں میں کامیاب لوگ جو اس سدابہار کامیابی سے سرشار ہونگے۔اور یہی وہ اصل اور حقیقی کامیابی ہے جس کو ہر وقت اور ہر حال میں پیشِ نظر رکھنا چاہئے اور اسی کے لئے کوشش اور محنت کرنی چاہئے- ﴿لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ﴾ -اللہ توفیق بخشے- آمین۔ جبکہ دنیا کی وہ عارضی اور وقتی کامیابیاں جن کے لیے ابنائے دنیا مرتے اور جیتے ہیں وہ سب محض سراب اور دہوکے کا سامان ہیں۔ نہ وہ کامیابیاں اصل اور ابدی ہیں اور نہ ان کو حاصل کرنے والے لوگ۔ بلکہ یہ سب کچھ فانی اور وقتی ہے انہی کو اصل مقصد بنانا اور ان ہی کیلئے جینا اور مرنا خساروں کا خسارہ ہے- والعیاذ باللہ العظیم-

۳۲۱ کائنات پوری میں بادشاہی اللہ ہی کی ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر و قصر کے انداز و اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی کے لیے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ اور ان سب چیزوں کی جو ان دونوں کے درمیان پائی جاتی ہیں کہ اس کا اس میں نہ کوئی شریک ہے نہ سہیم۔ اور آسمان و زمین کی اس ساری کائنات کا بلاشرکتِ غیرے خالق و مالک بھی وہی ہے اور حاکم و متصرف بھی وہی۔ اس لیے معبودِ حق بھی وہی ہے۔ جب اسکی تخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں تو پھر عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک و سہیم کس طرح ہوسکتا ہے؟ اس لئے ہر قسم کی عبادت و بندگی اور عبادت و بندگی کی ہر قسم اور شکل اسی کا حق اور اُسی کا اختصاص ہے۔ اُس کے سوا کسی بھی اور چیز یا کسی ہستی کے آگے جھکنا اور اس کی عبادت و بندگی بجالانا شرک اور حرام ہے۔ پس اس کے سوا کسی اور کے لئے قیام یا رکوع کرنا، کسی کے آگے سرنگوں ہونا اور سجدہ کرنا یا کسی کے نام کی نذر و نیاز دینا یا کسی کے لئے طواف کرنا وغیرہ سب ممنوع اور حرام ہے کہ یہ سب کچھ شرک کے زمرے میں آتا ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ-

۳۲۲ اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت کا حوالہ و ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اس لئے وہ جو چاہے کرے۔ نہ اس کو کوئی روک سکتا ہے نہ ٹوک سکتا ہے اور نہ اسکی مشیت و مرضی میں کوئی حائل ہوسکتا ہے۔ وہ ایسے تمام تصورات سے اعلیٰ و بالا ہے۔ اور یہ شان اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کی نہ ہے نہ ہوسکتی ہے۔ اس لیے معبود بھی اسکے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا- سبحانہٗ وتعالیٰ- اسی لئے وہ اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے تمام لوگوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا۔ اور یہ سب کچھ وہ قادرِ مطلق محض اپنے ایک اشارے اور

حکم وارشاد سے کرے گا۔ اور ہر کسی کو اس کی زندگی بھر کے کیے کرائے کا پورا پورا صلہ و بدلہ دے گا۔ تا کہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں اور بدرجۂ تمام وکمال پورے ہو سکیں۔ اور اسی کے نتیجے میں وہ مؤمنین صادقین کو ایسی ایسی نعمتوں اور عنایتوں سے نوازیگا جو کہ ان کے تصور سے بھی کہیں بڑھ کر ہونگی۔ جس کے نتیجے میں وہ اس سے راضی ہو جائیں گے۔ اور انہوں نے زندگی بھر اپنے صدقِ ایمان و یقین کے نتیجے میں جو کچھ کیا تھا اس کی بناء پر ان کا رب ان سے راضی ہو جائے گا۔ اور اس طرح - رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہ - کا مصداق بدرجۂ تمام وکمال متحقق ہو جائے گا۔ اور رضائے خداوندی کی اس نعمت سے سرفرازی وہ نعمتِ خداوندی ہے جس جیسی دوسری کوئی نعمت ممکن ہی نہیں - اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائے - آمین ثم آمین - اَللّٰھُمَّ اِنَّا رَضِیۡنَا عَنۡکَ فَارۡضَ عَنَّا بِمَحۡضِ مَنِّکَ وَ کَرَمِکَ وَ اِحۡسَانِکَ یَا ذَالۡجَلَالِ والاکرام ویا اکرم الاکرمین -

☆--- تمت الحواشی التفسیریۃ لسورۃ المائدۃ بِتَوۡفِیۡقِ اللّٰہِ سُبۡحَانَہٗ وَ تَعَالٰی و عِنَایَتِہٖ فی السّاعۃ السّادسۃ والربع مَسَاءً مِنۡ یوم الاربعاء (قُبیلَ المغرب) وتاریخ ۵ صفر المظفر ۱۴۱۰ مطابق ۷ ستمبر ۱۹۸۹ء بمنزلی الکائن بمنطقہ ام ھریر فی دبی، والحَمدُ للّٰہ ربِّ العلمین

☆--- تکمیل پروف ریڈنگ ۱۷ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۶ اپریل ۱۹۹۹ء بوقت پونے چھ بجے شام مدنی منزل معمورۃ المدنی (گہل) منگ آزاد کشمیر، والحمد للہ رب العالمین

☆--- تکمیل سیکنڈ پروف ریڈنگ ۱۱ ذوالقعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۶ فروری ۲۰۰۰ بروز بدھ، بوقت ساڑھے تین بجے شب (سحر) اذان فجر سے دو گھنٹے قبل، بتوفیق اللہ تعالیٰ، سطوہ دبی، والحمدُ للّٰہ ربِّ العالمین

☆-- تکمیل تیسری ریڈنگ ۲۸ جمادی الاخری ۱۴۲۰ھ مطابق ۵ نومبر ۲۰۰۰ء بروز جمعرات بوقت سوا ایک بجے دن مدنی منزل گہل (معمورۃ المدنی) منگ آزاد کشمیر والحمدُللّٰہ ربِّ العالمین

☆--- تکمیل چوتھی پروف ریڈنگ ۱۲ ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ مطابق ۴ فروری ۲۰۰۱ بروز اتوار بوقت ساڑھے گیارہ بجے شب سطوہ دبی والحمد للہ رب العالمین۔

☆--- تکمیل پانچویں ریڈنگ ۶ صفر ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۲ اپریل ۲۰۰۲ء بروز جمعہ بوقت سوا آٹھ بجے شب، مدنی منزل معمورہ المدنی

(گہل) منگ، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر پاکستان (دورانِ رخصت) والحمدُ لِلّٰہِ ربِّ العالمین-

☆--- اللمسات الاخیرۃ (final touches) ۲۲ - رمضان المبارک ۱۴۲۴ مطابق ۱۷ نومبر ۲۰۰۳ء بروز پیر بوقت سوا ایک بجے شب (آدھی رات کے بعد) سطوۃ، دبی، متحدہ عرب امارات - والحمد للہ رب العالمین-

ایاتھا — ۱۶۵ ۶ سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ مَکِّیَّۃٌ ۵۵ رکوعاتھا — ۲۰

سورۂ انعام مکی ہے اور اس کی ایک سو پینسٹھ آیتیں اور بیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے،

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے پیدا فرمایا (ان عظیم الشان) آسمانوں اور (اس حکمت بھری) [۱] زمین کو، اور اس

الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ①

نے بنائے اندھیرے اور روشنی، پھر بھی [۲] کافر لوگ اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں (دوسروں کو)، [۳]

[۱] آسمان و زمین کی تخلیق توحیدِ خداوندی کی زبردست دلیل: -سو آسمانوں اور زمین کی یہ عظیم الشان کائنات اور اس کے اندر جو کچھ ہے وہ سب کا سب جب اسی وحدہٗ لاشریک کا پیدا کردہ اور عطاء فرمودہ ہے تو پھر ہر قسم کی حمد وثنا اور تعریف وتوصیف کا حق دار بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ یہاں پر آسمان کو جمع ''سمٰوٰات'' کے لفظ سے ذکر فرمایا گیا اور زمین کو مفرد ''الارض'' کے لفظ سے۔ کیونکہ آسمانوں کا تعدد عقل و نقل سے ثابت اور ظاہر ہے بخلاف زمین کے۔ کہ اس کی یہ کیفیت ایسے نہیں۔ (وجیز، محاسن، بیضاوی وغیرہ)۔ بہرکیف آسمانوں اور زمین کی اس حکمتوں بھری تخلیق میں قدرت کی وحدانیت و یکتائی اور اسکی حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ کے عظیم الشان دلائل ہیں۔ اور جب انکی تخلیق و پیدائش میں کوئی اسکا شریک و سہیم نہیں تو پھر اسکی اطاعت وعبادت میں کوئی اسکا شریک کس طرح ہوسکتا ہے؟۔ سو جب اس ساری کائنات کا خالق و مالک بلاشرکتِ غیرے وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور اس میں حاکم ومتصرف بھی وہی ہے-سبحانہ وتعالیٰ- تو اس کا لازمی نتیجہ اور بدیہی تقاضا یہ ہے کہ عبادت وبندگی بھی اسی کی اور صرف اسی کی ہو۔ سو اس لئے عبادت و بندگی اور اس کی ہر قسم وشکل اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے- ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ - سبحانہٗ وتعالیٰ- اللہ ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے- آمین ثم آمین۔

[۲] شرک عقل ونقل دونوں کیخلاف ہے: - یعنی ﴿ثُمَّ﴾ استبعادیہ ہے کہ جب جواہر یعنی- آسمانوں اور زمین- اور اعراض یعنی- اندھیروں اور روشنی- میں سے کسی بھی چیز کے بنانے اور پیدا کرنے میں اس وحدہٗ لاشریک کا کوئی شریک اور حصے دار نہیں تو پھر اس کی عبادت وبندگی میں کوئی اس کا شریک اور سہیم کیسے ہوسکتا ہے؟۔ (محاسن، جواہر وغیرہ)۔ سو شرک عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی۔ اور جو لوگ اس کے باوجود شرک کا ارتکاب کرتے ہیں انکی مت ماردی جاتی ہے جس سے وہ اندھے اور اوندھے ہوجاتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- اور اس کائنات کی تخلیق اور اس کے وجود میں توحید

خداوندی کا ایک اور اہم پہلو یہ پایا جاتا ہے کہ یہ تضادات کا مجموعہ ہے۔ جیسے آسمان و زمین، اندھیرا و روشنی، سردی و گرمی، دن و رات وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس کائنات کے مجموعی مقصد اور اس کائنات کے اندر پائی جانے والی قسما قسم اور گونا گوں مخلوق کی طرح طرح کی ضروریات کی تعمیل و تکمیل کے لئے ان متضاد اشیاء میں ایسا حیرت انگیز توافق اور ایسی پر حکمت ہم آہنگی پائی جاتی ہے کہ اس مخلوق کو ان میں سے ہر ایک کی ضرورت اور شدید ضرورت ہے۔ سو یہ اس بات کا ایک کھلا اور نہایت واضح ثبوت ہے کہ اس پوری کائنات میں ایک ہی ارادے کی حکمرانی کارفرما ہے جو کہ نہایت ہی قدرت و حکمت کا مالک ہے۔ ورنہ ایسے پُر حکمت توافق اور اس قدر پر حکمت ہم آہنگی کا پایا جانا ممکن نہ تھا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

۱۲ ﴿یَعْدِلُوْنَ﴾ کا مادۂ اشتقاق اور اس کے دو معانی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر بھی کافر لوگ اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں دوسروں کو۔ یہ معنیٰ و مطلب اس وقت ہے جبکہ ﴿یَعْدِلُوْنَ﴾ کو "عدل" سے ماخوذ مانا جائے جس کے معنیٰ برابر کرنے کے آتے ہیں۔ اور اگر اس کو "عدول" سے ماخوذ مانا جائے جس کے معنیٰ انحراف اور پھر جانے کے آتے ہیں تو اس وقت اس کے معنیٰ ہوں گے کہ پھر بھی یہ لوگ اپنے رب سے پھرتے اور اس کی راہ سے انحراف کرتے ہیں۔ اس صورت میں ﴿بِرَبِّھِمْ﴾ کی "باء"، "عَنْ" کے معنیٰ میں ہوگی۔ (جامع البیان، معارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ رب تعالیٰ کی کسی بھی صفت میں اس کی مخلوق میں سے کسی کو بھی اس کا شریک ٹھہرانا دراصل اس کو رب کے برابر قرار دینا ہے جو کہ شرک اور ناقابلِ معافی جرم ہے۔ پس اللہ کے سوا کسی اور کو عالم الغیب ماننا اور مختارِ کل جاننا یا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا اور اسکو مافوق الاسباب معین و مددگار سمجھ کر بلانا، پکارنا، سب شرک اور ممنوع ہے۔ کیونکہ مشرکینِ عرب بھی اپنے معبودانِ باطلہ کو مِنْ کُلِّ الْوُجُوْہ حق تعالیٰ کا ہمسر اور برابر نہ سمجھتے تھے، بلکہ قرآن و سنت کی بے شمار قطعی اور صریح نصوص کے مطابق وہ لوگ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام مخلوق اور سب انسانوں کا خالق و مالک، رازق و متصرف، موت و حیات کا مالک و مختار اور آسمان سے بارشیں برسانے والا اور اس سے نباتات اگانے والا، مشکل کشا و حاجت روا، عزیز و علیم اور شہنشاہِ کل اور دافع البلاء وغیرہ اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے تھے۔ چنانچہ بطور نمونہ یہ چند حوالہ جات ذیل میں ملاحظہ ہوں: سورۂ عنکبوت: آیت نمبر ۶۱، نمبر ۶۳، لقمٰن: نمبر ۲۵، الزمر: نمبر ۳۸، الزخرف: نمبر ۹، نمبر ۸۷ وغیرہ۔ اور بتوں کی پوجا بھی وہ لوگ اپنے اس گمراہانہ عقیدہ و فلسفہ کی بناء پر کرتے تھے کہ یہ دراصل اللہ تعالیٰ کے یہاں ہمارے سفارشی اور واسطہ ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں کا کہنا تھا۔ ﴿ھٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ﴾۔ نیز یہ کہ ان کی پوجا پاٹ کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ کے یہاں قرب حاصل کر سکیں گے۔ ﴿مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی﴾۔ اور مشرکوں کا یہی خود ساختہ مشرکانہ فلسفہ کل بھی تھا اور یہی آج بھی ہے۔ سو مشرکینِ مکہ اپنے معبودانِ باطلہ کو اس معنیٰ میں کبھی بھی خدا کا شریک نہیں مانتے تھے کہ وہ ان کو ہر لحاظ سے خدا کے برابر سمجھتے ہوں اور ان کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرح زمین و آسمان کا خالق و مالک اور روزی رساں وغیرہ جانتے ہوں۔ بلکہ وہ تو اپنے خود ساختہ خداؤں کو چھوٹے خدا اور خدا تک رسائی کا وسیلہ و ذریعہ مانتے تھے۔ اور اسی کو یہاں پر خدا کے برابر جاننا قرار دیا گیا ہے۔ پس اہلِ بدعت کے جن بڑوں نے اس موقع پر اپنی مطلب برآری کے لئے اس طرح کی جو منطق بگھاری ہے وہ محض ان کی اپنی ذاتی اپج اور ذہنی اختراع ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ بہرحال وحدہٗ لاشریک ہے اور کوئی کسی بھی طرح اس کا شریک نہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَ

وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے پیدا فرمایا تم سب کو مٹی سے، ۴ پھر اس نے مقرر فرمادی ایک مدت (تمہاری موت کی) اور

اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنۡدَهٗ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ ۝۲ وَهُوَ اللّٰهُ

ایک اور مدت بھی اس کے یہاں طے شدہ ہے، ۵ (تو کیا) پھر بھی تم لوگ شک کرتے ہو، ۶ اور وہی اللہ (معبودِ برحق) ہے

فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الۡاَرۡضِ ؕ یَعۡلَمُ سِرَّكُمۡ وَجَهۡرَكُمۡ

آسمانوں میں بھی، اور زمین میں بھی، ۷ وہ جانتا ہے تمہارے پوشیدہ (احوال) کو بھی، اور کھلے کو بھی،

۴ انسان کا خود اپنا وجود دلائلِ توحید کا ایک عظیم الشان مجموعہ: -سو توحیدِ خداوندی کے عظیم الشان دلائل خود انسان کے اپنے وجود کے اندر موجود ہیں۔ سو اسی وحدہٗ لاشریک نے تم سب کو اس مٹی سے پیدا فرمایا کہ تم سب آدم کی نسل ہو۔ اور آدم کی تخلیق اس نے اسی مٹی سے فرمائی۔ نیز اس طرح کہ تمہارا مادۂ تولید خون سے بنتا ہے جو کہ تیار اور حاصل ہوتا ہے ان مختلف غذاؤں سے جو کہ سب کی سب بالواسطہ یا بلا واسطہ زمین سے ہی حاصل ہوتی ہیں۔ پھر اس وحدہٗ لاشریک کی اس بے مثال قدرت کا یہ مظہر دیکھو کہ کہاں پاؤں تلے روندی جانے والی یہ بے حس و بے جان مٹی اور کہاں اس سے وجود میں آنے والا اور بے پناہ صلاحیتوں کا مالک یہ انسان؟ پھر بھی اس خالق و مالک کی قدرت میں شک یا اس کی بخشش وعطاء کا انکار یا اس میں دوسروں کو اس کا ہمسر و شریک ماننا؟ اس سے بڑھ کر ظلم اور ناانصافی اور کیا ہو سکتی ہے؟ -وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡمِ- سو اللہ پاک کی توحید اور اسکی وحدانیت و یکتائی اور اسکی عظمتِ شان اور جلالتِ قدر اور اسکی قدرت و حکمت اور رحمت و عنایت کے دلائل خود انسان کے اپنے وجود کے اندر موجود ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا- ﴿وَفِیۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ﴾- یعنی ''خود تمہاری جانوں کے اندر عظیم الشان دلائلِ قدرت و حکمت موجود ہیں تو کیا تم لوگ آنکھیں نہیں کھولتے؟''۔ سو انسان اگر خود اپنی ذات میں غور و فکر سے کام لے تو اس کو اپنا وجود قدرت کی رحمتوں، عنایتوں اور دلائل و براہین کا ایک عظیم الشان مجموعہ نظر آئے لیکن برا ہو غفلت اور لاپرواہی کا کہ انسان غور و فکر سے کام لیتا ہی نہیں - الا ما شاء اللہ- والعیاذ باللہ جل وعلا-

۵ دو عظیم الشان اور طے شدہ مدتوں کا ذکر: -سو اس ارشادِ ربانی میں دو ایسی مدتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں طے شدہ ہیں۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس نے ایک مدت مقرر فرما دی اور ایک اور مدت اس کے یہاں طے شدہ ہے۔ یعنی تمہارے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کی اور بعث بعد الموت کی مدت۔ اور اس مدت کو اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ سو پہلی ''اجل'' سے مراد موت ہے اور دوسری سے مراد قیامت۔ (صفوہ وغیرہ)۔

سو پہلی مدت کا تعلق فرد کی موت سے ہے اور دوسری کا اس پوری کائنات کی موت اور اسکے فنا و زوال سے ہے۔ سو جس طرح پہلی موت یعنی فرد کی موت کے وقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اسی طرح اس پورے عالم کی موت اور اسکے فنا و زوال کو بھی اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ اور جس طرح اس پہلی مدت نے اپنے وقت پر بہرحال آکر رہنا ہے کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا، اسی طرح اس دوسری مدت کو بھی کوئی نہیں ٹال سکتا۔ اور جس طرح اس پہلی مدت کے بعد کوئی اس دنیا میں واپس نہیں آسکتا اسی طرح اس دوسری مدت کے بعد بھی کسی کی واپسی کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔ پس عقل و نقل دونوں کا تقاضا یہ ہے کہ انسان آنے والے اس وقت کے لئے تیاری کرے قبل اس سے کہ عمرِ رواں کی یہ فرصتِ محدود اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ نیز جب اس نے تم سب لوگوں کو پہلی مرتبہ پیدا کر لیا ہے تو وہ تم کو دوبارہ آخر کیوں نہ پیدا کرے گا؟ جبکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے مقابلے میں نسبتاً زیادہ آسان ہے۔ اَللّٰھُمَّ فَزِدْنَآ اِیْمَانًا وَّ یَقِیْنًا وَّخُشُوْعًا وَّخُضُوْعًا۔

۶ دلائل کا تقاضا صدقِ ایمان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا پھر بھی تم لوگ شک کرتے ہو؟ یعنی یہ جاننے کے باوجود یعنی ایسا کرنا بہت تعجب کی بات ہے۔ ﴿ثُمَّ﴾ استبعاد کے لئے ہے اور ﴿تَمْتَرُوْنَ﴾ "مِرْیه" سے بھی ماخوذ ہوسکتا ہے جس کے معنی شک کرنے کے آتے ہیں اور "مراء" سے بھی ماخوذ ہوسکتا ہے جس کے معنی جھگڑا کرنے کے آتے ہیں۔ معنی دونوں صورتوں میں واضح ہے۔ (صفوہ، مدارک، قرطبی وغیرہ)۔ سو ان دلائلِ قدرت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان شک و ریب کی دلدل سے نکل کر اور بحث و مباحثہ سے بچ کر صدقِ دل سے ایمان لائے اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز ہوجائے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْق۔ سو جس خدا نے تم لوگوں کو مٹی سے پیدا فرمایا اور نیست سے ہست کیا آخر وہ تم کو دوبارہ کیوں نہ پیدا کر سکے گا؟۔ سو وہ تم کو دوبارہ پیدا کر سکتا ہے اور ضرور پیدا کرے گا تاکہ تم کو اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا صلہ و بدلہ ملے اور اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں اور علی وجہ التمام والکمال پورے ہوں۔ اور اس کے لئے اس نے ایک وقت مقرر فرما رکھا ہے جس کا علم اسی وحدہٗ لاشریک کے پاس ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اس کا تقاضا ہے صدقِ ایمان اور صالح اعمال۔ وباللہ التوفیق۔

۷ معبودِ برحق بہرحال ایک اور صرف ایک ہے:۔ سو اس ارشاد فرمادیا گیا کہ آسمانوں اور زمین کی پوری کائنات میں معبودِ برحق ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ۔ سو اہلِ آسمان بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی بندگی کرتے ہیں اور اہلِ زمین بھی اُسی کی۔ پس جو بھٹکا ہوا اور بدنصیب انسان اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرتا ہے وہ دراصل توحیدِ خداوندی کی شاہد اور مظہر اس پوری کائنات سے ٹکر لے رہا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔ کہ معبودِ برحق آسمانوں اور زمین کی اس پوری کائنات کا ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ﴾۔ (الزخرف: ۸۴) یعنی "وہی ہے جو معبود ہے آسمان میں اور جو معبود ہے زمین میں اور وہی ہے سب کچھ جاننے والا انتہائی ہی حکمت والا"۔ سو آسمان اور زمین کے معبود الگ الگ نہیں بلکہ پوری کائنات میں ایک ہی معبود ہے۔ وہی اس سب کا خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف بھی ہے اور معبودِ برحق بھی۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿۳﴾ وَمَا تَأْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ

اور اسے خوب معلوم ہے وہ سب کچھ جو تم لوگ کرتے ہو، ف۸ اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے

اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴﴾ فَقَدْ

رب کی نشانیوں میں سے مگر یہ لوگ اس سے منہ موڑے ہی رہتے ہیں، ف۹ چنانچہ

كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ

اب انہوں نے اس حق کو بھی جھٹلا دیا جب کہ وہ ان کے پاس پہنچ گیا، سو عنقریب ہی آ جائے گی ان کے پاس

اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۵﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ

حقیقت ان خبروں کی جن کا یہ لوگ مذاق اڑاتے تھے ف۱۰ کیا دیکھا نہیں ان لوگوں نے (اور سبق نہیں لیا

اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ

اس سے) کہ ہم ان سے پہلے کتنی ہی ایسی قوموں کو ہلاک کر چکے جن کو ہم نے زمین میں وہ اقتدار بخشا تھا

مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ص

جو تمہیں نہیں بخشا، ف۱۱ ان پر ہم نے اوپر سے موسلا دھار مینہ برسائے،

وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ

اور ان کے نیچے سے نہریں جاری کر دیں مگر آخر کار (جب ان لوگوں نے ان نعمتوں کے

۸ اللہ تمہارے ہر کام کو جانتا ہے:- خیر ہو یا شر، صحیح ہو یا غلط، اچھا ہو یا برا، سب اس وحدہٗ لاشریک کے علم میں ہے۔ اس سے کچھ بھی مخفی و پوشیدہ نہیں۔ اس کے مطابق تم سب نے اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا بدلہ بہر حال پانا ہے۔ اب ہر شخص خود دیکھ لے کہ وہ کیا کمائی کر رہا ہے اور کل یوم حساب میں وہ کس صلہ و بدلہ کا مستحق ہے۔ بہر کیف وہ خالق و مالک تمہارے ہر قول و فعل اور عمل و کردار سے واقف و آگاہ ہے۔ جب وہ سب کا خالق و مالک ہے تو اس سے تمہاری کوئی حالت اور کیفیت آخر کس طرح اور کیونکر مخفی رہ سکتی ہے؟- ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾- یعنی "کیا وہی نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا ہے؟ وہ بڑا ہی باریک بین اور نہایت ہی باخبر ہے"- سبحانہٗ و تعالیٰ-

۹ اعراض و روگردانی باعثِ ہلاکت و محرومی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں کے پاس جو بھی کوئی نشانی ان کے

رب کی طرف سے آتی ہے یہ اس سے اعراض و روگردانی ہی برتتے ہیں۔ اور یہ چیز باعثِ ہلاکت و محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو یہ لوگ ایسی ہر نشانی سے منہ موڑے ہی رہتے ہیں اور اس کے بارے میں غور و فکر سے کام لینے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ تو پھر حق ان کی سمجھ میں آئے تو آخر کس طرح؟ اور راہِ حق و ہدایت ان کو نصیب ہو تو کیونکر؟ افسوس کہ غفلت و اِعراض کا یہی مرض انسانی معاشرے میں اور خود مسلمان معاشرے میں آج بھی موجود ہے بلکہ آج کا مادہ پرست انسان اس مرض کا اور بھی زیادہ اور بری طرح سے شکار ہے۔ وہ راہِ حق و باطل کے درمیان فرق و تمیز کی غرض سے سوچنے سمجھنے اور اس بارے دلائل و براہین میں غور و فکر کرنے کے لئے نہ تیار ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے پاس اس کے لئے کوئی وقت ہی ہے۔ اس کی تمام تر مصروفیت اور ساری تگ و دو دنیاوی مفادات کی تحصیل، نفسانی خواہشات کی تکمیل اور مادۂ و معدہ کے تقاضوں کی تعمیل کے محور کے گرد گھومتی ہے اور بس۔ اس سے آگے بڑھ کر کچھ سوچنے سمجھنے کے لیے یہ لوگ تیار ہی نہیں ہوتے۔ سو اِعراض و روگردانی بیماریوں کی بیماری اور محرومیوں کی محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۰ نورِ حق سے محرومی سب سے بڑی محرومی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ: سو اس سے واضح فرما دیا گیا تکذیبِ حق اور نورِ حق سے اِعراض و روگردانی خساروں کا خسارہ اور سب سے بڑی محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اور اسی بناء پر انہوں نے جھٹلایا اس حق کو جو ان کے پاس آچکا قرآنِ حکیم کے نزول اور نبی آخر الزمان کی بعثت و تشریف آوری کی صورت میں۔ اور اپنی کامل، مکمل اور آخری شکل میں۔ اور قیامِ قیامت تک تمام زمانوں اور جملہ انسانوں کے لئے۔ تو اس کو جھٹلا کر یہ لوگ دارین کے خسارۂ و نقصان میں مبتلا ہوگئے اور نورِ حق و ہدایت سے بہرہ ور و سرفراز ہونے کی بجائے کفر و باطل کے دبیز اور گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوب گئے۔ سو حق سے اِعراض و روگردانی سب سے بڑا خسارہ اور محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اور ایسے لوگ اپنے اس ہولناک انجام کو پہنچ کر رہیں گے جس کے یہ اپنے جرم تکذیب و انکار کی بناء پر مستحق ہیں۔ تب ان کے سامنے وہ تمام حقائق اپنی اصل اور حقیقی شکل میں سامنے آجائیں گے جن کو یہ زندگی بھر جھٹلاتے رہے تھے۔

۱۱ محض مادی ترقی لوگوں کو مہالک سے نہیں بچا سکتی: سو تاریخ کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا اور تخصیص و تحریض کے لیے بطورِ استفہام و سوال ارشاد فرمایا گیا کہ کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان سے پہلے بہت سی ایسی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کو ہم نے زمین میں وہ اقتدار بخشا تھا جو تم لوگوں کو نہیں بخشا۔ سو وہ لوگ جسمانی قوت میں بھی تم سے کہیں بڑھ کر تھے اور مال و دولت کی کثرت و فراخی میں بھی تم سے کہیں زیادہ تھے۔ اور ان کو عمریں بھی تم سے کہیں زیادہ لمبی عطاء ہوئی تھیں۔ مگر اسکے باوجود پیغامِ حق و ہدایت کی تکذیب اور اس سے اِعراض و روگردانی کے نتیجے میں جب وہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچے تو انکی اس تعمیر و ترقی میں سے کچھ بھی ان کے کام نہ آسکا جس کا ان کو بڑا دعوی اور گھمنڈ تھا۔ سو محض مادی ترقی لوگوں کو مہالک سے نہیں بچا سکتی۔ اس لئے یہاں پر ان گزشتہ قوموں کے انجام سے درسِ عبرت لینے کے لئے تخصیص و ترغیب ہے کہ دیکھو تکذیب و انکارِ حق کے نتیجے میں ان لوگوں کو کس ہولناک انجام سے دوچار ہونا پڑا۔ پس تم لوگ اس روش سے بچ کر رہو جس پر وہ لوگ چلے تھے تاکہ تم اس انجامِ بد سے بچ سکو جس سے وہ لوگ دوچار ہوئے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝۶

کفران ہی سے کام لیا تو) ہم نے ان کو ہلاک کر دیا، ان کے گناہوں کی پاداش میں، اور ان کے بعد (ان کی جگہ) ہم نے

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ

پیدا کر دیا دوسری قوموں کو، ۱۲ اور (ان لوگوں کے عناد اور ہٹ دھرمی کا یہ حال ہے کہ) اگر ہم آپ پر (اے پیغمبر!) کاغذ میں

بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ

لکھی لکھائی کوئی کتاب بھی اتار دیتے جسے یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو کر دیکھ بھی لیتے، تب بھی ان کافروں نے یقیناً یہی

مُّبِيْنٌ ۝۷ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ

کہنا تھا کہ یہ کچھ نہیں مگر ایک جادو ہے کھلم کھلا ۱۳ اور کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتارا گیا اس (پیغمبر) پر کوئی فرشتہ، اور اگر

اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝۸ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ

ہم (ان کی فرمائش کے مطابق) کوئی فرشتہ اتار دیتے تو فیصلہ کبھی کا چکا دیا گیا ہوتا، پھر کوئی مہلت نہ ملتی ان (منکر) لوگوں

مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹

کو، ۱۴ اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتارتے بھی تو یقیناً اس کو کسی انسان کی شکل ۱۵ ہی میں اتارتے، اور (اس صورت میں) انکو اس پر

۱۲ تاریخ سے درس عبرت لینے کی ہدایت گزشتہ قوموں کی ہلاکت اور ان کی تاریخ سے درس عبرت لینے کی ہدایت فرمائی گئی:- پس اس میں تمہارے لئے بڑا درسِ عبرت اور سامانِ فکر و بصیرت ہے اے لوگو کہ جس انجام سے وہ لوگ دوچار ہوئے وہ تمہیں بھی پیش آ سکتا ہے۔ اگر تم لوگوں نے اپنی اِصلاح نہ کی اور اپنی روش نہ بدلی کہ اللہ کا قانون سب کیلئے یکساں اور بے لاگ ہے۔ سو دورِ حاضر کے کافروں اور منکروں کو اپنی روش بدل لینی چاہیئے قبل اس سے کہ وہ اپنے اس آخری اور ہولناک انجام سے دوچار ہوں جس سے گزشتہ قومیں دوچار ہو چکی ہیں اور سعادتمندی اور نیک بختی کا تقاضا یہی ہے کہ انسان دوسروں کے اَحوال و کوائف اور ان کے انجام سے درسِ عبرت لے اور اس انجام سے بچنے کی فکر و سعی کرے جس سے دوسرے دوچار ہو چکے ہیں۔ سو تاریخِ اقوام سے اصل مقصود درسِ عبرت لینا ہوتا ہے کہ وہ کون اور کیسے لوگ تھے اور کیسے ہولناک انجام سے دوچار ہوئے۔ اور کیوں ہوئے -وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وَهُوَ الْهَادِيْٓ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْلِ-

۱۳ عناد وہٹ دھرمی کا نتیجہ ہلاکت ومحرومی:- سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ہم آپ پر کوئی ایسی لکھی لکھائی کتاب بھی اتار دیتے جس کو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھوکر دیکھ بھی لیتے تو بھی ایسے منکروں نے یہی کہنا تھا کہ یہ تو ایک جادو ہے کھلم کھلا۔ سو جن کی ضد اور ہٹ دھرمی کا یہ عالم ہو ان سے خیر کی کیا توقع کی جا سکتی ہے؟ اور ان پر کوئی افسوس کا ہے کو؟ سو عناد اور ہٹ دھرمی ہلاکتوں کی ہلاکت اور اس کا نتیجہ وانجام ہمیشہ کی محرومی اور ہولناک تباہی ہے-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- پس اس ارشادِ عالی میں دراصل پیغمبر کے لئے اور آپؐ کے توسط سے ہر داعیٔ حق کے لئے تسلیہ وتسکین کا سامان ہے کہ منکرین کا انکار کسی واقعی عذر کی بناء پر نہیں بلکہ محض عناد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر ہے۔ اس لئے آپؐ کو ان کے اعراض وانکار کی بناء پر دل گیر نہیں ہونا چاہئے اور ان کی بناء پر اپنے آپ کو کڑھن میں نہیں ڈالنا چاہئے- ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ﴾ - سو ایسوں سے اعراض اور روگردانی ہی سے کام لیں- ﴿وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾ - اور ایسے ہٹ دھرموں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ یہ اپنے انجام کو بہرحال پہنچ کر رہیں گے-والعیاذ باللہ-

۱۴ فرمائشی معجزوں کے بارے میں قانون ودستورِ خداوندی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتارا گیا اس پیغمبر پر کوئی فرشتہ اور اگر ہم ان کی فرمائش کے مطابق کوئی فرشتہ اتار دیتے تو فیصلہ کبھی کا چکا دیا گیا ہوتا اور پھر ایسے منکر لوگوں کو کوئی مہلت نہ ملتی کہ اللہ پاک کا قانون اور دستور یہی ہے کہ فرمائشی معجزے کے انکار کے بعد مہلت نہیں دی جاتی۔ کیونکہ حقائقِ غیبیہ کے اس طرح مکشوف اور واضح ہو جانے کے بعد نہ ماننے والوں کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہ جاتا۔ سو فرمائشی معجزوں کا پورا نہ ہونا خود ان لوگوں کے لئے بہتر ہے مگر لوگوں کی اکثریت ایسی ہے کہ اس حقیقت کو سمجھتی نہیں۔ اس لیے وہ ایسے فرمائشی معجزوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔ سو ایمان وہی معتبر ہے جو بن دیکھے اور غائبانہ ہو۔ ورنہ رفعِ حجاب اور کشفِ حقائق کے بعد کا ایمان نہ مطلوب ہے اور نہ معتبر کہ وہ ایمان ایمان بالغیب نہیں بلکہ ایمان بالمشاہدہ ہے۔ جبکہ اصل مقصود ایمان بالغیب ہے۔ اور غیبی حقائق کے ظہور کے بعد بھی جو انکار کریں گے ان کو مہلت نہیں ملے گی کہ ان پر حجت تمام ہو چکی ہوتی ہے- والعیاذ باللہ العظیم-

۱۵ فرمائشوں پر فرشتوں کو اتارنے کا فائدہ نہیں:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ہم کوئی فرشتہ اتار بھی دیتے تو یقیناً وہ کسی انسان ہی کی شکل میں ہوتا۔ کیونکہ فرشتے کو اپنی اصل شکل میں دیکھنا کسی عام انسان کے بس میں نہیں۔ کیونکہ فرشتے کی اصل حقیقت جو کہ نورِ مجرد ہے اس کو اپنی ان ناسوتی آنکھوں سے دیکھنا عام انسان کے بس میں نہیں۔ اور یہ حضراتِ انبیائے کرام- علیہم الصلوٰۃ والسلام- ہی کا ظرف اور انہی کا مقام ہو سکتا ہے کہ وہ ان نوری وجودوں کو دیکھ سکیں اور اس رؤیت کو سہار سکیں۔ (جامع البیان، ابنِ کثیر اور معارف القرآن وغیرہ)۔ تو پھر یہ لوگ فرشتوں کو اپنی ان ناسوتی آنکھوں سے کس طرح دیکھ سکتے ہیں۔ سو ایسے میں ان کا یہ مطالبہ سراسر ایک نامعقول اور ناقابلِ عمل مطالبہ ہے۔ بہرکیف ان لوگوں کے اس بیہودہ مطالبے اور سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ فرشتے کو اپنی اصل اور حقیقی شکل میں دیکھنا کسی عام انسان کے بس میں نہیں۔ اور اگر فرشتے کو کسی انسانی شکل میں بھیجا جاتا تو ان کا وہ اشتباہ بدستور باقی رہتا جس میں یہ اب پڑے ہوئے ہیں۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ

بھی یقیناً وہی شبہ ہوتا جس میں یہ اب پڑے ہوئے ہیں، ۱۶اور (آپ ان کی ان باتوں سے دل گیر نہ ہوں اے پیغمبر! کہ)

سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ

بلاشبہ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اڑایا جا چکا ہے، آخر کار آ گھیرا مذاق اڑانے والوں کو اسی عذاب نے

سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

جس کا وہ مذاق اڑاتے رہے تھے ان سے کہو کہ چلو (پھرو) تم لوگ (عبرتوں بھری) اس زمین میں، پھر دیکھو کہ کیسا ہوا

الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

انجام (حق و صداقت کے) جھٹلانے والوں کا، ۱۷(ان سے) پوچھو کہ کس کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں اور زمین (کی

قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى

عظیم الشان کائنات) میں ہے؟ کہو یہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے، ۱۸اس نے لازم فرما دیا اپنے اوپر رحمت کو (اپنے کرمِ بے

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

پایاں سے)، ۱۹وہ یقیناً جمع کر لائے گا تم سب کو قیامت کے اس دن میں جس میں کوئی شک نہیں (مگر) جن لوگوں نے خود

۱۶ **فرشتے کو اتارنے کا مطالبہ ایک نامعقول مطالبہ:** سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ہدایت کے لئے فرشتوں کے اتارنے کا مطالبہ ایک نامعقول مطالبہ ہے۔ کیونکہ فرشتہ اگر اپنی اصل شکل میں اتارا جاتا تو اس کو یہ لوگ دیکھ نہ سکتے کہ وہ ایک غیر مرئی مخلوق ہے۔ اور اگر وہ کسی انسان کی شکل میں ہوتا تو اس صورت میں یہ لوگ اسی اشتباہ میں پڑ جاتے جس میں یہ اب پڑے ہوئے ہیں کہ اس کی ظاہری شکل کو دیکھ کر یہ لوگ یہی کہتے کہ یہ تو بشر ہے، فرشتہ ہے ہی نہیں۔ پس فرشتے اتارنے کا ان لوگوں کا یہ مطالبہ ایک نامعقول اور غیر مفید مطالبہ تھا۔ کیونکہ اگر فرشتہ اپنی اصل شکل میں آتا تو اسکو یہ لوگ دیکھ نہ سکتے۔ اور اگر فرشتہ کسی انسانی شکل میں ظاہر ہوتا تو اسکو پہچاننا ان کیلئے ممکن نہ ہوتا۔ اور اس صورت میں یہ لوگ کہتے کہ یہ فرشتہ ہے ہی نہیں۔ سو رسول کے بشر ہونے پر ان لوگوں کا اعتراض اور کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجنے کا مطالبہ ایک نامعقول مطالبہ ہے مگر عجوبہ پرست لوگوں کے اندر یہ استعجاب اور مطالبہ ہمیشہ ہی رہا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ان کے اس نامعقول مطالبے کا ذکر اس طرح فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ ۔ (بنی اسرائیل: ۹۴)۔

۱۷ **تکذیبِ حق کا آخری نتیجہ ہولناک تباہی:** سو اس بارے دعوتِ غور و فکر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ سو دیکھو کہ کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا کہ تکذیبِ حق کے سنگین جرم کی پاداش میں یہ لوگ کس طرح تباہ و برباد ہوئے۔ معلوم

ہوا کہ سیر وسیاحت کا اصل مقصد عبرت پکڑنا اور سبق لینا ہے۔ لیکن افسوس کہ آج کل کی سیر و سیاحت سے یہی مقصودی عنصر غائب اور عنقا ہے۔ ہڑپہ، ٹیکسلا اور موہنجوڈارو وغیرہ وغیرہ جیسے آثارِ قدیمہ کی حفاظت کے لئے لاکھوں کروڑوں کے خرچے تو بہرحال کئے جاتے ہیں لیکن عبرت پذیری کا یہی اصل عنصر اور بڑا مقصد مفقود اور عنقا ہے۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ۔ بلکہ اس کے برعکس وہاں پر مزید غفلت، لاپرواہی اور خرمستی کے مظاہر دیکھنے میں آتے ہیں۔ عورتوں اور مردوں کے بے محابہ اختلاط، فوٹوگرافی اور نظر بازی وغیرہ کیا کچھ نہیں ہوتا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی۔ بہر کیف حکم وارشاد فرمایا گیا کہ غفلت کے مارے ان لوگوں سے کہو کہ تم عبرتوں بھری اس زمین میں چل پھر کر دیکھو اور درسِ عبرت و بصیرت لو کہ کیسا ہولناک انجام ہوا ان لوگوں کا جنہوں نے حق کو جھٹلایا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۱۸ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے:۔ خَلْقًا وَّمُلْکًا وَّتَصَرُّفًا۔ یعنی اس سب کا خالق و مالک بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے، اس کا بادشاہِ حقیقی اور حاکمِ مطلق بھی وہی ہے اور اس میں حکم اور تصرف بھی اسی کا اور صرف اسی کا چلتا ہے۔ پس جن لوگوں نے خلافِ اسباب اس مالکِ حقیقی کی اس ملکیت کے حصے بخرے کر رکھے ہیں کہ یہ فلاں کی نگری، اور یہ فلاں کی بستی اور یہ فلاں سرکار کا حصہ و علاقہ ہے وغیرہ وغیرہ تو وہ یقیناً ناروا بات اور مشرکانہ حرکت کا ارتکاب کرتے ہیں ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ ان منکروں سے پوچھو کہ آسمان و زمین کی یہ عظیم الشان کائنات اور اس کے اندر جو کچھ ہے وہ سب کس کا ہے؟ تو اس کا جواب یہ لوگ بھی یہی دیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے کیونکہ مشرکینِ مکہ شرک میں غرق ہونے کے باوجود اس بات کے قائل تھے کہ آسمانوں اور زمین کی اس عظیم الشان اور حکمتوں بھری کائنات کا خالق و مالک اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں دوسرے مختلف مقامات پر اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ سو اس طرح یہ ارشاد منکرین و مکذبین کے دلوں کے لئے ایک دستک ہے کہ یہ سب کچھ ماننے کے باوجود تم لوگ حق کی تکذیب و انکار آخر کیسے کرتے ہو؟۔ اور دوسروں کو اس وحدہٗ لاشریک کا شریک و سہیم آخر کیسے مانتے ہو؟ جبکہ ان میں سے کوئی نہ آسمان و زمین کی اس کائنات کی ایجاد و تخلیق میں اس کا شریک ہے اور نہ اس کے حکم و تصرف میں؟۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۱۹ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب کیلئے رحمت ہی رحمت ہے:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اُس نے رحمت کو اپنے اوپر لکھ رکھا ہے۔ سو اس سے اس کے بندوں کو اور اس کی باقی تمام مخلوق کو رحمت ہی رحمت ملتی ہے۔ اور جو تکلیف اور عذاب لوگوں کو پہنچتا ہے وہ ان کے اپنے ہی کئے کی سزا ہوتی ہے۔ یا پھر اس میں بھی رحمت کے کئی اور پہلو مضمر ہوتے ہیں جن کو بندہ اپنی کوتاہ فہمی کی بناء پر بعض اوقات، بلکہ بسا اوقات، سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ سو یہ پوری کائنات اس کی گوناگوں رحمتوں اور عنایتوں سے بھری پڑی ہے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ بندہ اس کی بارگاہِ اقدس واعلیٰ سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو اس کی نقمت اور عذاب کا ہی مستحق بنا دے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہر کیف اس ارشاد سے ایک طرف تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ وہ صفتِ رحمت سے بدرجہ تمام وکمال موصوف ہے۔ اور دوسری طرف یہ بات کہ اس کی اس صفت کا ظہور بہرحال ہو کر رہے گا۔ کوئی اس میں مزاحم اور رکاوٹ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ اس دنیا میں بھی ہو رہا ہے۔ لیکن اس کا کامل ظہور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں ہی میں ہوگا جو کہ اس دنیا کے بعد آئیگا اور جس کے انتہائی یقینی ہونے کو دوسرے مقام پر آنے والے کل [غد] سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ سو اس یومِ عظیم کا قیام اس کی رحمت کا سب سے بڑا اور عظیم الشان مظہر ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَ النَّهَارِ ؕ

خسارے میں ڈال دیا اپنے آپ کو، وہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے ۲۰ اور اسی (وحدہٗ لاشریک) کا ہے وہ سب کچھ جو کہ

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا

ساکن ہوتا ہے رات (کے اندھیرے) میں، اور (جو متحرک ہوتا ہے) دن (کے اجالے) میں، اور وہی ہے ہر کسی کی

فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ

سنتا، سب کچھ جانتا ۲۱ کہو کیا میں اس اللہ کے سوا اور کسی کو اپنا سرپرست (وکارساز) بنالوں؟ جو کہ پیدا کرنے والا ہے آسمانوں

۲۰ نورِ حق سے محرومی سب سے بڑا خسارہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا وہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ سو ان لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا اپنی فطرتِ سلیمہ کو ضائع کر کے۔ اور اپنے جوہرِ عقل کو خراب کر کے۔ اور اسکے نتیجے میں یہ لوگ حق سے منہ موڑ کر اور اپنے انجام سے غافل ہو کر خواہشاتِ نفس کے پیچھے لگ گئے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور یہ ایک ہولناک خسارہ ہے کہ یہ خسارہ ایسا خسارہ ہے کہ اس جیسا اور کوئی خسارہ نہیں ہو سکتا۔ اور حیاتِ دنیا کی اس فرصتِ محدود کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد اس خسارہ کی تلافی وتدارک کی پھر کوئی صورت ممکن نہ ہوگی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑنا اور اس سے محروم ہونا دارین کی سعادت و سرخروئی سے محرومی اور سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۲۱ کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ ساکت ہوتا ہے رات کے اندھیروں میں اور جو متحرک ہوتا ہے دن کے اجالے میں۔ اور وہی ہے ہر کسی کی سنتا سب کچھ جانتا۔ سو یہاں پر ضدین میں سے ایک پر اکتفاء کرتے ہوئے دوسرے کو ذکر نہیں فرمایا گیا۔ لیکن معنی میں وہ بہرحال مراد ہے۔ (جامع، محاسن، جواہر وغیرہ)۔ اور یہ بلاغت و بیان کا ایک عظیم اسلوب ہے۔ ہم نے اپنے ترجمے میں اسی کو واضح اور ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے - وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ - بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اس کائناتِ ہست و بود میں جو بھی کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے کہ اس سب کا خالق و مالک بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور اس سب میں حکم و تصرف بھی اسی کا اور صرف اسی کا چلتا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - سو ایسے میں وہ لوگ جو اس وحدہٗ لاشریک کے ساتھ کفر و شرک کرتے ہیں وہ ظالم ہونے کے ساتھ ساتھ عقل وفطرت اور ان کے تقاضوں کے بھی دشمن ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اسی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ ساکن ہوتا ہے رات کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں اور جو کچھ کہ متحرک ہوتا ہے دن کے اجالوں میں۔ اور وہی ہے جو ہر کسی کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ -

قُلۡ اِنِّیۡۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ اَوَّلَ مَنۡ اَسۡلَمَ وَ لَا

اور زمین (کی اس پوری کائنات) کا؟ ۲۲ اور وہ روزی دیتا ہے روزی لیتا نہیں؟ ۲۳ کہو مجھے تو قطعی طور پر یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے

تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۱۴﴾ قُلۡ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ

پہلے اس کا فرمانبردار ہو جاؤں، ۲۴ نیز یہ کہ تم ہرگز کبھی مشرکوں میں سے نہیں ہونا، ۲۵ کہو کہ میں تو بہرحال ڈرتا ہوں ایک بڑے

عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۵﴾ مَنۡ یُّصۡرَفۡ

(ہی ہولناک) دن کے عذاب سے، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کرلوں، جو بچا دیا گیا

عَنۡہُ یَوۡمَئِذٍ فَقَدۡ رَحِمَہٗ ؕ وَ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۶﴾

اس عذاب سے اس روز، تو یقیناً رب تعالیٰ کا اس پر بڑا ہی کرم ہو گیا، اور یہی ہے کھلی (اور حقیقی) کامیابی،

وَ اِنۡ یَّمۡسَسۡکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗۤ اِلَّا ہُوَ ؕ

اور اگر اللہ تمہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس کو دور کر سکے

وَ اِنۡ یَّمۡسَسۡکَ بِخَیۡرٍ فَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۷﴾

اور اگر وہ تمہیں کسی بھلائی سے بہرہ مند کرے تو کوئی اسے روکنے والا نہیں، کہ وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، ۲۶

۲۲ کارساز و کارفرما سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کہو کیا میں اللہ کے سوا اور کسی کو اپنا ولی و سرپرست اور کارساز بنالوں؟ جو کہ پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کی اس پوری کائنات کا؟ استفہام انکاری ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایسا کرنا عقل ونقل کے بھی سراسر خلاف ہے اور انصاف کے بھی منافی۔ کیونکہ اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی کارساز اور حاجت روا ہے ہی نہیں اور اسکی بیحد وحساب نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے باوجود دوسروں کو کارساز ماننا بڑا ظلم بھی ہے اور نہایت بے انصافی بھی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو کارساز و کارفرما اس ساری مخلوق کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ اسکے سوا نہ کوئی کارساز و کارفرما ہے اور نہ کوئی حاجت روا و مشکل کشا۔ پس غلط کہتے اور کرتے ہیں وہ لوگ جو اسکے سوا اوروں کو کارساز و کارفرما اور حاجت روا و مشکل کشا جانتے، مانتے اور پوجتے پکارتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بہرکیف اس استفہامیہ ارشاد سے اوپر والی مسلمہ حقیقت کا نتیجہ وثمرہ بیان فرما دیا گیا ہے کہ جب اس کائنات میں جو کچھ موجود ہے وہ سب اسی کا ہے اور اس پر حکم وارشاد بھی اسی وحدہٗ لاشریک کا چلتا ہے تو پھر اس کے سوا کسی اور کو کارساز و کارفرما اور حاجت روا و مشکل کشا ماننا آخر کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟۔ پس کارساز

وکارفرما سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے جو کہ خالقِ کل، مالکِ مطلق ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۲۳ روزی رساں اور حاجت روا سب کا اللہ ہی ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا میں اللہ کے سوا اور کسی کو اپنا ولی و کارساز بنالوں، حالانکہ وہی ہے پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کی اس پوری کائنات کا۔ اور وہی ہے جو روزی دیتا سب کو اور وہی ہے جو روزی لیتا نہیں۔ وہ سب کو کھلاتا ہے خود کھاتا نہیں- سبحانہٗ وتعالیٰ- پس اللہ کے سوا اور کسی کو بھی مافوق الاسباب کارساز و کارفرما ماننا جائز نہیں کہ وہی وحدہٗ لاشریک ہے جو آسمانوں اور زمین کی اس حکمتوں بھری کائنات کا بلاشرکت غیرے خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف بھی ہے اور وہی ہے جو سب کو روزی دیتا ہے اور کسی سے روزی لیتا نہیں۔ سو یعنی ہر چیز اپنے ظہور و وجود میں بھی اسی کی محتاج ہے اور سامانِ عیش و بقا میں بھی۔ اور وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ سب سے اور ہر اعتبار سے غنی و بے نیاز ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- یہ استفہام اِنکاری ہے۔ یعنی ایسے نہیں ہوسکتا کہ میں اپنے اس خدائے وحدہٗ لاشریک کو جو کہ اس ساری کائنات کا خالق و مالک ہے چھوڑ کر کسی اور ہستی کو اپنا کارساز بنالوں کہ یہ شرک اور ظلم و بے انصافی ہے، جس سے میں بہرحال دور و نفور اور بری و بیزار ہوں۔ پس دنیاوی اَسباب و وسائل کے خلاف اور خرقِ عادت کے طور پر کسی بھی ہستی کو از خود ولی و کارساز بنانا جائز نہیں مگر افسوس کہ اسکے باوجود آج کا کلمہ گو مشرک اپنے ایمان و اسلام اور عشق و محبت کے تمام دعووں کے باوجود اسی شرک میں مبتلا ہے۔ اور وہ خم ٹھونک کر کہتا ہے کہ میں ٹھیک ہوں- ﴿وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾- اہلِ بدعت کے بڑے بڑے گروہ عام طور پر سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینے کی غرض سے کہتے ہیں کہ اجی یہ تو بتوں کے بارے میں ہے اور بس۔ حالانکہ ایک عام عربی دان بھی صاف اور واضح طور پر سمجھتا ہے کہ ﴿غَيْرُ اللّٰهِ﴾ کے لفظ کا عموم سب کو شامل ہے خواہ وہ کوئی لکڑی پتھر کا بت ہو یا کوئی زندہ یا مردہ انسان وغیرہ۔ جس میں بھی مافوق الاسباب طریقے سے کوئی ایسی خدائی صفت مانی جائے گی وہ شرک ہوگا۔ اور تمام بڑے بڑے اور ثقہ مفسرینِ کرام اس کی تصریح بھی فرماتے رہے۔ مثال کے طور پر شیخ احمد مصطفیٰ المراغی المصری الازہریؒ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں اس مقام پر اس طرح رقمطراز ہیں ''مشرکوں نے اپنے خود ساختہ معبودوں اور اپنے نبیوں، ولیوں کو اپنا سرپرست و کارساز بنا رکھا تھا۔ اور وہ صحت، روزی اور دشمنوں کے مقابلے میں کامیابی وغیرہ اپنی حاجتوں میں ان سے مدد مانگتے تھے۔ اور یہ بلاشبہ شرک اور غیر اللہ کی پوجا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اسبابِ عادیہ کے بغیر اس طرح کی استمداد و استعانت میں ان ہستیوں کو شریک کر دیا تھا''- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- (تفسیر المراغی: ج ۷ ص ۸۸ طبع بیروت)۔ اور یہ ایک ظاہر اور واضح امر ہے کہ جب آسمانوں اور زمین کی اس پوری کائنات کا خالق اور مالک اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے اور اسی وحدہٗ لاشریک کی یہ صفت و شان ہے کہ وہ سب کو روزی دیتا ہے اور کسی سے روزی لیتا نہیں جبکہ اس کے سوا باقی تمام مخلوق اسی کی محتاج ہے۔ تو پھر حاجت روا و مشکل کشا اور کارفرما و کارساز اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کون ہوسکتا ہے؟- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۲۴ پیغمبر تسلیم و رضا کے اعلیٰ نمونے ہوتے ہیں: - سو ارشاد ہوا کہ کہو مجھے یہی حکم ملا ہے کہ میں سب سے پہلا اسلام لانے والا بنوں اور اپنے آپ کو بالکلیہ اس کے حوالے کر دوں۔ تاکہ اس وحدہٗ لاشریک کے حضور تسلیم و رضا کے میدان میں اپنی امت کے لئے اُسوۂ و قدوہ اور نمونہ بن سکوں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا

گیا- ﴿وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾- (الانعام:۱۶۳)۔ سواس ارشادِ ربانی میں امتثالِ اوامرِ الٰہیہ کے لئے تحریض وترغیب ہے۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنی رعایا کو کوئی حکم دینے کے بعد یوں کہے کہ اور میں سب سے پہلے اس پر خود عمل کرتا ہوں۔ (تفسیر القاسمی وغیرہ)۔ بہرکیف اطاعت وفرمانبرداری اور بلا چون وچرا اور غیر مشروط اطاعت وفرمانبرداری اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کا حق ہے۔ اور پیغمبر اس ضمن میں سب سے آگے اور اپنی امت کیلئے نمونہ ہوتے ہیں۔ سو پیغمبر نے اپنے اس ارشاد سے واضح فرما دیا کہ تم لوگوں نے اگر مذکورہ بالا مسلمہ حقائق کے باوجود اپنے خود ساختہ اور من گھڑت معبودوں کو اس وحدہٗ لاشریک کی خدائی میں شریک کر رکھا ہے اور تم ان کے آگے جھکتے اور مراسمِ عبودیت بجا لاتے ہو تو تم جانو اور تمہارا کام۔ مجھے تو بہر حال اسی کا حکم ملا ہے کہ میں سب سے پہلا اسلام لانے والا بنوں اور اسی وحدہ لاشریک کے آگے جھکوں جو کہ معبودِ برحق اور ہر قسم کی عبادت کا حقدار ہے۔ اور اس کی خدائی میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔ ہر قسم کی عبادت اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۲۵ شرک کی سنگینی کا ایک مظہر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ مجھے تو قطعی طور پر اسی کا حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کا سب سے پہلا فرمانبردار بن جاؤں اور یہ کہ تم ہرگز کبھی مشرکوں میں سے نہیں ہو جانا۔ سو اس سے شرک کی سنگینی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس سے امام الموحدین حضرت خاتم الانبیاء -صلی اللہ علیہ وسلم- کو اس تاکیدی صیغے کے ساتھ اس سے منع فرمایا جا رہا ہے۔ اور وہ بھی دوہرے اسلوب اور ڈبل انداز میں۔ کیونکہ پہلے "اِسلام وجہ" یعنی اللہ کے لئے اپنی حوالگی اور سپردگی کا جو حکم فرمایا گیا ہے اس میں شرک سے نہی کا حکم ضمناً اور لزوماً آ گیا ہے۔ کیونکہ مشہور قاعدے کے مطابق کسی چیز کا حکم اس کی ضد کی نہی کو مستلزم ہوتا ہے اور پھر- ﴿وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ﴾- سے تصریح وتاکید کے ساتھ شرک سے منع فرمایا گیا۔ (تفسیر التحریر والتنویر للعلامہ ابن عاشورؒ)- اللہ تعالیٰ شرک کے ہر شائبہ سے محفوظ رکھے- آمین- اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ اَنْ اُشْرِکَ بِکَ شَیْئًا اَعْلَمُہٗ وَاَسْتَغْفِرُکَ لِمَا لَآ اَعْلَمُہٗ- پس شرک بڑا ہی سنگین جرم اور ظلمِ عظیم ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ مجھے یہی حکم ملا ہے کہ تم کسی بھی طرح مشرکوں میں سے نہیں ہو جانا کہ توحید کے ساتھ شرک کا کسی طرح کا کوئی جوڑ ممکن ہی نہیں۔

۲۶ اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت کا حوالہ وذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ پس وہ جو چاہے اور جب چاہے کرے۔ اور جہاں اور جیسے چاہے کرے۔ نہ کوئی اس کو روکنے والا نہ پوچھنے والا کہ اس کی شان ہے- ﴿لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ﴾ مگر اس کا ہر کام کمالِ علم وحکمت پر مبنی ہوتا ہے کہ وہ قاہر ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم اور خبیر بھی ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- پس مومنِ صادق کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ اپنا تکیہ اور بھروسہ اسی وحدہ لاشریک پر رکھے کہ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ ہر چیز اسی سے مانگے اور ہر حال میں اسی سے مانگے کہ وہ جو دینا چاہے کوئی اس کو اس سے روک نہیں سکتا۔ اور جس کو وہ روک دے اس کو کوئی دلا نہیں سکتا- سبحانہ وتعالیٰ- بہرکیف اس ارشادِ ربانی سے پوری طرح واضح فرما دیا گیا کہ نفع ونقصان اور فائدہ وضرر دونوں اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہیں۔ اس لئے بندے کو ہر حال میں اور ہر موقع ومقام پر اس کے آگے جھکنا اور اسی کے حضور دستِ دعا وسوال دراز کرنا چاہئے- وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ- سبحانہٗ وتعالیٰ-

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾

اور وہی (وحدہٗ لاشریک) ہے غالب (اور کنٹرول رکھنے والا) ۲۷ اپنے بندوں پر، اور وہی ہے حکمتوں والا، پورا باخبر،

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۚ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ

(ان سے) پوچھو کہ کس کی گواہی سب سے بڑھ کر ہے، کہو اللہ ہی (سب سے بڑا اور سب سے سچا) گواہ ہے

بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ

میرے اور تمہارے درمیان، ۲۸ اور وحی کے ذریعے بھیجا گیا میری طرف یہ قرآن تاکہ اس کے ذریعے

بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ

میں خبردار کروں تم لوگوں کو بھی اور ہر اس شخص کو بھی جس کو یہ پہنچے، کیا (اس کے بعد بھی) تم لوگ واقعی یہ شہادت دے سکتے ہو

۲۷ "القاہر" سے مقصود و مراد؟: - یعنی قہر سے یہاں پر ظلم و زیادتی والا قہر مراد نہیں، جیسا کہ ہمارے محاورے میں بولا اور سمجھا جاتا ہے کہ اس طرح کے ہر قہر اور ظلم و زیادتی کے ہر شائبہ سے وہ رب غفور و رحیم پاک اور بلند و بالا ہے۔ بلکہ قہر سے یہاں پر مراد ہے غلبہ و کنٹرول کہ وہ اپنے بندوں پر پوری طرح غالب اور حاوی اور ان پر کنٹرول رکھنے والا ہے۔ وہ ان کی جملہ حوائج و ضروریات کا کفیل اور قیوم ہے۔ اور اس کا غلبہ و کنٹرول اپنے سب بندوں اور تمام مخلوق پر ہے اور پوری طرح ہے۔ نہ کوئی اس کے غلبہ و کنٹرول سے نکل سکتا ہے اور نہ کوئی اس کے کسی حکم و ارشاد کو ٹال سکتا ہے اور نہ ہی کسی میں اس کی مشیّت و مرضی میں آڑے آنے اور رکاوٹ بننے کا یارا ہوسکتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ - پس بندے کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں اسی کو پکارے اور اسکی قوت و قدرت میں کسی کو بھی کسی بھی طرح اور کسی بھی درجے میں شریک و سہیم نہ جانے کہ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں اور اسی کی مشیت و قدرت کے تابع اور اسی کے حکم و ارشاد کے ماتحت ہے - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ -

۲۸ اللہ کی گواہی پیغمبر کی حقانیت کیلئے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے پوچھو کہ کس کی گواہی سب سے بڑھ کر ہے۔ کہو کہ اللہ ہی سب سے بڑا اور سچا گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان۔ اور اس نے میری صداقت و حقانیت کی گواہی دے دی اور کئی طرح سے دے دی ہے۔ جن میں سب سے بڑی گواہی قرآنِ حکیم کا یہ معجزہ کبریٰ ہے جو اس نے مجھ پر نازل فرمایا۔ اور جس کے مقابلے سے دنیا ساری عاجز ہے۔ اسکے علاوہ دوسرے مختلف معجزات کے ذریعے بھی اس نے میری صداقت و حقانیت کی گواہی دی ہے اور گزشتہ انبیاء و رسل اور ان کی کتابوں کے ذریعے بھی۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو اس وحدہٗ لاشریک نے میری صداقت و حقانیت کے بارے میں قولی اور فعلی ہر اعتبار سے ایسی قطعی اور واضح گواہی دے دی ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان اس بارے کسی نزاع اور جھگڑے کی اب کوئی گنجائش باقی نہیں رہ گئی۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔

اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ

کہ اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں، کہو میں تو بہر حال یہ گواہی نہیں دے سکتا، کہو کہ بے شک معبود تو بس وہی ایک

وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

(اللہ) ہے، اور میں قطعی بیزار ہوں ان سے جنہیں تم لوگ شریک ٹھہراتے ہو ۲۹ جن لوگوں کو ہم نے

وقف غفران

الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ

وقف لازم

کتاب دی وہ ایسا پہچانتے ہیں اس (پیغمبر) کو، جیسا کہ وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو، ۳۰ مگر جن لوگوں نے

ع ۲

خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ

خسارے میں ڈال رکھا ہے اپنے آپ کو، وہ پھر بھی ایمان نہیں لاتے ۳۱ اور اس سے بڑھ کر ظالم

مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ

اور کون ہوسکتا ہے جو جھوٹا بہتان باندھے اللہ پر، ۳۲ یا جھٹلائے اس کی آیتوں کو، بے شک

۲۹ باطل اور اہلِ باطل سے اظہارِ بیزاری کی تعلیم و تلقین:- سو ارشاد ہوا کہ کہو کہ معبودِ برحق بہر حال وہی ایک ہے اور میں قطعی طور پر بری اور بیزار ہوں ان سب سے جن کو تم لوگ اس [وحدہٗ لاشریک] کا شریک ٹھہراتے ہو۔ معلوم ہوا کہ ایمان کے لئے توحید و رسالت کے اقرار کے ساتھ ساتھ اہلِ باطل سے اعلانِ براءت و بیزاری بھی ضروری ہے نہ کہ تقیہ بازوں کی طرح ظاہر کچھ رکھے اور باطن کچھ اور کہ یہ منافقت ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سو مومنِ صادق کا کام اور اسکی شان یہ ہے کہ وہ کفر و باطل کی دوسری تمام شکلوں اور صورتوں سے اپنی براءت و بیزاری اور علیحدگی و لاتعلقی کا اظہار و اعلان کرے کہ راہِ حق و صواب صرف ایمان و یقین اور توحید ربانی کی راہ ہے۔ راہِ صدق و صواب سے جو لوگ ہٹے اور کٹے ہوئے ہیں وہ بہرحال ہلاکت و تباہی کی راہ پر ہیں اور نورِ ایمان و یقین کا کفر و شرک سے کسی طرح کا کوئی رشتہ اور لگاؤ ممکن نہیں۔ سو تم لوگ اگر نہیں مانتے تو میں تم سے قطعی طور پر بری اور بیزار ہوں۔ تم لوگوں سے بھی اور تمہارے ان خود ساختہ معبودوں اور شریکوں سے بھی۔

۳۰ عناد و ہٹ دھرمی باعثِ ہلاکت و محرومی- والعیاذُ باللہ:- سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اہلِ کتاب حضرت خاتمی مرتبت نبی اکرم- صلی اللہ علیہ وسلم- کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ یہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ سو جس طرح کسی کو اپنے بیٹے کے پہچاننے میں کوئی دقت اور دشواری نہیں ہوتی اسی طرح ان لوگوں کو بھی اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ آپ وہی نبی برحق ہیں جن سے متعلق پیشگوئیاں ان کی کتابوں میں موجود ہیں آپؐ کی صفات کی بناء پر۔ اور آپ سے متعلق ان بشارات سے جو کہ ان کی آسمانی کتابوں میں موجود تھیں اور ہیں۔ مگر ضد اور ہٹ دھرمی کی

بناء پر یہ لوگ ایمان سے محروم ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو عناد و ہٹ دھرمی انسان کو نورِ ایمان و یقین اور دولتِ حق و ہدایت سے محروم کر دیتی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ "یَعْرِفُوْنَہٗ" کی اس ضمیرِ منصوب کا مرجع قرآن بھی ہوسکتا ہے اور پیغمبر بھی۔ لیکن باعتبارِ مدعا و مفہوم ان دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں کہ قرآن اور پیغمبر دونوں باہم لازم و ملزوم ہیں۔ اور ایسے لازم و ملزوم کہ قرآنِ حکیم میں دوسرے مقام پر یہ باہم بدل واقع ہوئے ہیں۔ سو ان میں سے ایک کا ماننا لازماً دوسرے کا ماننا اور ایک کا انکار۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ دوسرے کا انکار ہے۔

۱۶۱ اِتباعِ ھوٰی تمام شر و فساد کی جڑ بنیاد۔ والعیاذ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال رکھا ہے وہ پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔ سو اس قدر یقینی طور پر جاننے کے باوجود یہ لوگ ایمان نہیں لاتے محض حسد اور بغض و عناد کی وجہ سے اور اپنے دنیاوی مفادات کی بناء پر۔ اور اس طرح یہ لوگ اپنی ہی ہلاکت و تباہی کا سامان کرتے ہیں کہ ایمان سے محرومی دراصل ہر خیر سے محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اور بغض و حسد اور دنیوی مفادات کی ترجیح و پاسداری کے ان تمام اَمراض و مفاسد کا منبع و مصدر خواہشاتِ نفس کی پیروی ہے۔ سو اِتباعِ ھوٰی یعنی ہوٰی و ہوس کی پیروی اور خواہشاتِ نفس کی ترجیح و پاسداری خرابیوں کی خرابی اور تمام شر و فساد کی جڑ بنیاد اور محرومیوں کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اسکے برعکس اِتباعِ ھدٰی دارَین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق ۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اس پیغمبر اور اس کے لائے ہوئے دینِ حق کی صداقت و حقانیت ان لوگوں سے کوئی مخفی چیز نہیں۔ اور ان میں سے جو صالح اہلِ کتاب ہیں وہ ایمان لانے کے شرف سے مشرف ہوتے ہیں مگر جو ہٹ دھرمی کے مارے ہوئے ہیں اور حسد و جلن کا شکار ہیں اور انہوں نے اپنے آپ کو خود خسارے میں ڈال دیا وہ پھر بھی ایمان نہیں لائے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۱۶۲ اللہ پر افتراء باندھنا سب سے بڑا ظلم۔ والعیاذُ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوسکتا ہے جو جھوٹا بہتان باندھے اللہ پر۔ جیسا کہ یہود و نصارٰی جو اپنے آپ کو خدا کے بیٹے اور پیارے بتاتے تھے اور حضرتِ عزیر اور حضرتِ عیسٰی کو یہ لوگ خدا کے بیٹے مانتے تھے۔ اور جیسا کہ مشرکینِ عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ۔﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ الْجِنَّ﴾ الآیۃ۔ (الانعام: ۱۰۱) نیز فرمایا گیا ۔﴿وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰہِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَہٗ﴾ الآیۃ۔ (النحل: ۵۷)۔ نیز جیسا کہ بے حیائی کا ارتکاب کرنے والوں کا کہنا تھا کہ اس بے حیائی کے ارتکاب کا حکم ہمیں اللہ نے دیا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ جیسا کہ فرمایا گیا ۔﴿قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْھَآ اٰبَآءَ نَا وَاللّٰہُ اَمَرَنَا بِھَا﴾ الآیۃ۔ (الاعراف: ۲۸) اور جیسا کہ آج کا کلمہ گو مشرک حضرت علی۔ رضی اللہ عنہ۔ اور حضرتِ شیخ جیلانی ۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ وغیرہ وغیرہ جیسی پاکیزہ ہستیوں کو حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس اور دستگیر وغیرہ قرار دیکر ان کو خدا کی خدائی میں شریک مانتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کو محیی و ممیت مانتا ہے۔ یا جس طرح قادیانی دجّال نے اپنی جھوٹی نبوت کا دعوٰی کیا یا جیسے آج کل کے جعلی پیر سادہ لوح لوگوں سے ازخود اپنی بناوٹ سے کہتے ہیں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے یوں حکم دیا ہے یا خواب میں یوں فرمایا ہے وغیرہ۔ سو یہ سب ہی صورتیں اللہ پر افتراء اور جھوٹ باندھنے کی ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ استفہام یہاں پر انکاری ہے یعنی ایسے لوگوں سے بڑھ کر ظالم اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ سو اللہ پر افتراء اور جھوٹ باندھنا سب سے بڑا ظلم اور ہولناک سنگین جرم ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ

کبھی فلاح نہیں پا سکتے ایسے ظالم ۳۳ اور جس دن اکٹھا کر لائیں گے ہم ان سب کو، پھر مشرکوں سے ہم (ان کی تذلیل و توبیخ

لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ

کے لئے) کہیں گے کہ کہاں ہیں تمہارے ٹھہرائے ہوئے وہ شریک جن کا تمہیں بڑا دعویٰ (اور گھمنڈ) تھا؟ ۳۴ پھر ان کا کوئی

تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ

(عذر اور) بہانہ نہ ہوگا سوائے اس کے کہ وہ کہیں گے کہ ہمیں قسم ہے اللہ کی، جو کہ رب ہے ہمارا کہ ہم مشرک نہیں تھے

۳۳ آیات اللہ کا عموم اور اُن کا مفہوم؟:- سو ارشاد فرمایا گیا یا جو جھٹلائے اس کی آیتوں کو یعنی اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے؟۔ سو "آیات اللہ" یعنی اللہ کی آیتوں کی تکذیب بھی سب سے بڑا ظلم ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- "آیات اللہ" سے مراد عام ہے۔ اس سے کہ وہ قرآنی آیتیں ہوں یا ان قطعی معجزات کی شکل میں جو اللہ پاک نے اپنے پیغمبر کے ہاتھ پر ان کی صداقت و حقانیت کے اظہار کیلئے ظاہر فرمائے ہیں۔ یا وہ آیاتِ کونیہ جو اس کی وحدانیت و یکتائی پر دلالت کرتی ہیں۔ یا وہ آیات جنکے ذریعے وہ وحدہٗ لاشریک اپنے رسولوں کی تائید کا سامان کرتا ہے کہ لفظ آیت اپنے عموم و شمول کے ساتھ ان سب کو شامل اور عام ہے۔ سو اللہ کی آیات کو ماننے اور ان کے مطابق دینِ حق پر ایمان لانے کی بجائے ان کی تکذیب کرنا اور اللہ تعالیٰ کی خدائی، اس کی صفات اور اس کے حقوق و اختیارات میں دوسرے خود ساختہ معبودوں اور من گھڑت و بناوٹی خداؤں کو شریک و سہیم قرار دینا اور اللہ کو چھوڑ کر ان کو اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے پکارنا بہت بڑا ظلم ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- اللہ تعالیٰ ہر شائبہ ظلم سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین۔

۳۴ میدانِ حشر میں مشرکین سے سوال انکی تذلیل و تحقیر کیلئے:- سو میدانِ حشر میں مشرکوں سے پوچھا جائیگا کہ کہاں ہیں تمہارے وہ شریک جن کے بارے میں تمہارا کہنا اور ماننا تھا کہ وہ ہمیں برے وقت میں کام آئیں گے۔ اور عذاب و مصائب سے چھڑا لیں گے کہ ہم نے ان کا لڑ پکڑ رکھا ہے وغیرہ- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- سو وہ آج کہاں گئے۔ انکو بلاؤ تو سہی تا کہ اس سب سے بڑے مشکل وقت میں وہ تمہارے کچھ کام آسکیں۔ سو یہ سب کچھ فرمانا ان لوگوں کی تقبیح و تذلیل کے لئے ہوگا۔ اور قیامت کے اس ہولناک دن میں پیش آنے والے ان ہولناک وقائع کو قرآنِ حکیم نے اس دنیا میں اور اس صراحت و وضاحت سے بیان فرما دیا تا کہ دنیا ہوش کے ناخن لے اور اس ہولناک انجام سے بچنے کی فکر و کوشش کر سکے قبل اس سے کہ حیاتِ دنیا کی یہ فرصتِ محدود ان کے ہاتھ سے نکل جائے۔ سو یہ قرآنِ حکیم کا پوری دنیا و انسانیت پر ایک عظیم الشان احسان ہے کہ اس نے ان غیبی حقائق سے اس طرح آگاہ کیا۔ ورنہ اس کتابِ حکیم کے سوا ان اہم اور جلیل القدر حقائق کو جاننے کا اور کوئی ذریعہ ممکن ہی نہیں۔ مگر دنیا ہے کہ اس سب کے باوجود غفلت و لاپرواہی میں پڑی ہے- والعیاذ باللہ العظیم-

رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿٢٣﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى

دیکھو تو سہی کہ (اس وقت) وہ کیسا صاف جھوٹ بولیں گے خود اپنے خلاف؟ اور گم ہو جائیں گے ان کے وہ سب معبود جن

اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْهُمْ

کو وہ جھوٹ موٹ گھڑا کرتے تھے، ۳۵ اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں ۳۶ مگر (ان کی بدنیتی

مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ

اور ان کے خبثِ باطن کے سبب) ہم نے پردے ڈال دیئے ان کے دلوں پر، اس سے کہ وہ اسے سمجھ سکیں، اور ڈاٹ لگا

۳۵ **میدانِ حشر میں مشرکین کی خود اپنی تکذیب:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز مشرک اس سوال کے جواب میں کہیں گے کہ قسم ہے اللہ کی جو کہ ہمارا رب ہے ہم مشرک تھے ہی نہیں۔ سو اس روز گم ہو جائیں گے ان کے وہ خدا یعنی جن کو وہ جھوٹ موٹ کے طرح طرح کے ناموں سے گھڑا کرتے تھے اور ان کو وہ حاجت روا و مشکل کشا سمجھا کرتے تھے۔ سو وہ ان سے کھو جائیں گے اور اس آڑے وقت میں وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آسکیں گے۔ اور مشرکین اس روز اس قدر سختی سے اپنے اس شرک کا انکار کریں گے اور سب کے سامنے خود اپنی تکذیب کریں گے۔ سو یہ قرآنِ حکیم کا کس قدر احسان ہے پوری دنیائے انسانیت پر کہ اس نے ان غیبی حقائق کو اس قدر صراحت کے ساتھ اس طرح بیان فرما دیا تاکہ جس نے بچنا ہو وہ بچ جائے۔ بہرکیف اس روز جب حقیقت پوری طرح واضح ہو جائیگی اور ان کی موہوم و مکذوب اور خود ساختہ آرزوؤں کا پردہ چاک ہو جائیگا اور ان کو معلوم ہو جائیگا کہ جن بے بنیادی سہاروں پر وہ جی رہے تھے وہ سب فریبِ محض تھے تو اس وقت یہ لوگ اصل حقیقت کا اقرار و اعتراف کریں گے۔ مگر بے وقت کے اس اقرار و اعتراف کا ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا بجز ان کی اپنی آتش اس وحسرت میں اضافے کے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف اس وقت حقائق اپنی اصل شکل میں ان کے سامنے آجائیں گے۔

۳۶ **بدنیتی کا سننا مفید نہیں:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کان لگا کر اور پوری طرح غور کے ساتھ آپ کی بات سنتے ہیں۔ مگر ان کا وہ سننا چونکہ حق کو ماننے اور قبول کرنے کی نیت سے نہیں ہوتا بلکہ کچھ اور ہی ارادوں سے ہوتا ہے کہ تاکہ اس سے اعتراض اور خوردہ گیری کا کوئی بہانہ ہاتھ آسکے۔ سو اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ بدنیتی کا سننا مفید نہیں بلکہ الٹا محرومی کا باعث ہے۔ سننا وہی مفید اور معتبر ہے جو کہ صدقِ نیت اور صحیح ارادے سے ہو۔ جس کے ذریعے حق کو سننا سمجھنا اور اپنانا اور قبول کرنا مقصود ہو - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ - نیز اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کے بناؤ بگاڑ اور اس کی صحت و فساد کا تعلق اصل میں اس کے اپنے قلب و باطن سے ہے - اللہ تعالیٰ ہمیشہ حسنِ نیت، حسنِ اختیار اور صحتِ باطن کی دولت سے سرفراز و مالا مال رکھے - آمین ثم آمین۔

يَفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا

دے انکے کانوں پر، (اس سے کہ یہ اسے سن سکیں صحیح طور پر) ۳۷ اور (ان لوگوں کی ہٹ دھرمی کا حال یہ ہے کہ) اگر یہ ہر

يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ

نشانی بھی دیکھ لیں تو بھی یہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑتے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۵ وَهُمْ

ہیں، اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ نہیں ہے، یہ (قرآن) مگر (قصے) کہانیاں پہلے لوگوں کی ۳۸ اور یہ (لوگ اوروں کو بھی) روکتے

يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـــَٔـوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ

ہیں اس (پیغامِ حق) سے، اور خود بھی اس سے (رکتے اور) بھاگتے ہیں، اور اس طرح یہ ہلاک نہیں کرتے مگر اپنے ہی آپ کو مگر

۳۷ بدنیت انسان قانونِ فطرت کی زد میں:- کہ ایسوں کے قوائے فہم وادراک ماؤف ہو جاتے ہیں کہ ہمارا قانون و دستور یہی ہے کہ انسان اپنی نیت کا پھل پاتا ہے۔ پس بدنیت انسان ہمارے اسی قانونِ فطرت کی زد میں آ کر اپنے قوائے عقل وادراک کھو بیٹھتا ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو جن لوگوں کے قلب و باطن کی دنیا درست نہیں ہوتی اور ان کا سننا نیک نیتی اور صدقِ دل سے نہیں بلکہ بدنیتی اور خبثِ باطن کی بنا پر ہوتا ہے وہ سننا الٹا ان پر وبال اور ان کی محرومی میں اضافے کا باعث ہوتا ہے۔ اور ایسے لوگ نورِ حق سے مستفید و فیضیاب ہونے کی بجائے الٹا ان سے دور اور نفور ہوتے جاتے ہیں۔ اور اسی کو یہاں پر دلوں کے پردوں اور کانوں کے ڈاٹ سے تعبیر فرمایا گیا ہے- وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ-

۳۸ کفار و مشرکین کی مت ماری کا ایک نمونہ و مظہر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن نہیں ہے مگر قصے کہانیاں پہلے لوگوں کی۔ سو یہ ان کی مت ماری کا نتیجہ اور اس کا ثبوت ہے کہ یہ لوگ قرآنِ حکیم کی اس کتابِ مقدس کو محض قصوں، کہانیوں اور افسانوں کا مجموعہ قرار دیتے ہیں۔ جس طرح ہم رستم اور اسفندیار وغیرہ کے قصے پڑھتے ہیں اسی طرح اس [قرآن] میں عاد وثمود وغیرہ کے قصے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو یہی نتیجہ ہوتا ہے کفر وضلال کی ہلاکت خیزیوں کا کہ اس سے انسان کی مت ماری جاتی ہے۔ جسکے نتیجے میں وہ صاف اور سیدھی بات کو بھی الٹا سمجھنے اور دیکھنے لگتا ہے۔ اور اسی کا یہ ایک نمونہ ہے کہ ان کفار اشرار کو اس قرآنِ حکیم کے عبرت وحکمت سے لبریز ان قصوں میں اور رستم واسفندیار کی ان داستان سرائیوں میں کوئی فرق ہی نظر نہیں آتا۔ اور اس طرح ان لوگوں کی محرومی اور بدبختی اور پکی اور گہری ہوتی جاتی ہے۔ اور ان کے اندھیرے اور دبیز ہوتے جاتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ-

اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۲۶ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى

یہ سمجھتے نہیں اور اگر تم دیکھ سکو حالت اس وقت کی جب کہ کھڑا کیا گیا ہو گا ان لوگوں کو دوزخ کے کنارے پر اور یہ (مارے حیرت و حسرت کے

النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا

اس طرح) کہہ رہے ہوں گے کہ اے کاش ہمیں کسی طرح واپس بھیج دیا جائے (دنیا میں) تو ہم کبھی نہ جھٹلائیں گے اپنے رب کی آیتوں کو

وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۲۷ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا

اور ہم ہو جائیں گے ایمانداروں میں سے ۳۹ (مگر یہ کوئی اطاعت کی نیت سے نہیں) بلکہ (اس لئے کہیں گے کہ) ظاہر ہو جائے گا ان کے

يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ط وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ

سامنے وہ کچھ جسے یہ اس سے پہلے (زندگی بھر) چھپاتے رہے تھے، اور اگر (بالفرض) ان کو واپس بھیج بھی دیا جائے تو بھی انہوں نے

اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۲۸ وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا

یقیناً پھر وہی کچھ کرنا ہے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یہ پرلے درجے کے جھوٹے ہیں اور کہتے ہیں ۴۰ کہ ہماری زندگی تو بس یہی

نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۲۹ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ط

دنیا کی زندگی ہے اور بس اور ہم نے دوبارہ نہیں اٹھنا ۴۱ اور اگر تم دیکھ سکو (حال اس وقت کا) جب کہ ان لوگوں کو کھڑا کر دیا گیا ہو گا

قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ط قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ط قَالَ فَذُوْقُوا

ان کے رب کے حضور (تو تم بڑا ہی عجیب اور عبرتناک منظر دیکھو) وہ ان سے پوچھے گا کیا یہ حق نہیں ہے؟ تو یہ کہیں گے ہاں

۳۹ اہلِ دوزخ کی ایک حسرت بھری پکار کا ذکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب ان کو دوزخ کے کنارے پر کھڑا کیا جائے گا تو یہ مارے حسرت کے کہیں گے کہ اے کاش ہمیں کسی طرح واپس بھیج دیا جائے دنیا میں تو ہم کبھی نہیں جھٹلائیں گے اپنے رب کی آیتوں کو اور ہم ہو جائیں گے ایمانداروں میں سے۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اس روز لوگ اس طرح کہیں گے کہ کاش کہ ہمیں کسی طرح واپس لوٹا دیا جائے۔ یعنی اس دنیا میں جس کو ہم چھوڑ آئے ہیں اور جس کی زندگی اور اس میں ملنے والی اس بیش بہا فرصت کی ہم نے اس وقت کوئی قدر نہ پہچانی۔ مگر اب اس کا کوئی موقع کہاں؟ سو اہلِ دوزخ اس طرح حسرت بھرے انداز میں وہاں چیخ و پکار تو کریں گے مگر اس کا ان کو کوئی فائدہ بہرحال نہیں ہو گا سوائے ان کی یاس و حسرت میں اضافے کے۔ اس لیے کہ دوزخ

اور اس کی آگ کو دیکھنے اور اسکے معائنے کے بعد دنیا میں واپس آنے کی کوئی صورت پھر ممکن ہی نہیں ہوگی۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دنیاوی زندگی کی یہ فرصت جو آج ہمیں حاصل و میسر ہے کس قدر عظیم الشان اور بے مثال نعمت ہے کہ جو کمائی آج اس میں کی جا سکتی ہے وہ اسکے بعد پھر کبھی اور کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ ﴿اَنّٰی لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ﴾۔ سو عقل و نقل کا تقاضا یہ ہے کہ حیاتِ دنیا کی اس متاعِ بے بہا کو غنیمت جان کر اس کے ایک ایک لمحے سے استفادہ کیا جائے اور اس کو اس کے صحیح مصرف میں لگا کر آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی کے لئے کمائی کی جائے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ۔ وَهُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔

۴۰ منکرین و مشرکین پرلے درجے کے جھوٹے۔ والعیاذ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر بالفرض ان کو واپس دنیا میں بھیج دیا جائے تو بھی انہوں نے وہی کچھ کرنا ہے جو اس سے پہلے کرتے رہے تھے اور جس سے ان کو روکا اور منع کیا گیا تھا اور یہ پرلے درجے کے جھوٹے ہیں کہ زندگی بھر کفر و تکذیب اور بدی و بدتمیزی اور شرانگیزی و فتنہ سامانی کی خباثت و نجاست ان لوگوں کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی ہے۔ اور یہاں آ کر انہوں نے پھر وہی کچھ کرنا ہے جو یہ پہلے کرتے رہے تھے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو لوگوں کو خیر کی راہ پر ڈالنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کو دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کے مطابق حق و ہدایت کو اپنانے کا عادی بنایا جائے۔ جس طرح خالی الذہن چھوٹے بچوں کو سکھایا پڑھایا جاتا ہے یا جس طرح نوجوانوں کو حرب و ضرب کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ بچپن اور جوانی میں ان کو خواہشاتِ نفس کی پیروی کیلئے کھلا چھوڑ دیا جائے کہ یہ انکی آزادی کا معاملہ ہے کہ ایسے میں تعلیم و تربیت کی بات ان میں اثر کر ہی نہیں سکے گی۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ نورِ حق و ہدایت سے محروم کفر و باطل کے ان پجاریوں کو جب دوزخ کے کنارے پر کھڑا کیا جائیگا تو یہ مارے یاس و حسرت کے چیخ چیخ کر کہہ رہے ہوں گے کہ کاش کہ ہمیں پھر دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے تو ہم قرآن کی تصدیق کریں۔ اپنے رب کی آیتوں کی تکذیب نہ کریں اور اہلِ ایمان میں سے ہو جائیں۔ لیکن ایسا اس وقت کہاں اور کیسے ہو سکے گا۔ اور اگر بالفرض ان کو دنیا کی طرف لوٹا بھی دیا جائے تو انہوں نے پھر بھی اسی کفر و باطل کا ارتکاب کرنا ہے جس کا ارتکاب وہ اس سے پہلے کرتے رہے تھے کہ یہ لوگ یقیناً پکے اور پرلے درجے کے جھوٹے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۴۱ منکرینِ آخرت کے لئے یہ دنیا ہی سب کچھ ہے:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو بس یہ دنیاوی زندگی ہی ہے اور بس۔ اور ہم نے دوبارہ کبھی نہیں اٹھنا۔ اس لیے ایسے محروم اور بدبخت لوگ صاف اور صریح طور پر کہتے ہیں کہ زندگی تو بس یہی دنیا کی زندگی ہے۔ اور ہم نے مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھنا۔ سو جس نے اس میں نشے کر لئے، کر لئے۔ اور جس نے یہاں مزے لوٹ لئے، لوٹ لئے اور بس۔ اور یہی نظریہ ہے آج کے مادہ پرست انسان کا۔ خواہ وہ مشرق کا ہو یا مغرب کا۔ دنیا کی اس عارضی چکا چوند پر ریجھ جانے کے سوا نہ اس کا کوئی مقصدِ حیات ہے نہ مطمحِ نظر۔ اس لئے ایسے مادہ پرست انسان نے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمام حدود کو پھلانگ لیا اور وہ ایک جانور کی زندگی گزارنے پر قانع ہو گیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو عقیدۂ آخرت سے محرومی دارین کی سعادت و سرخروئی سے محرومی اور سب سے بڑا خسارہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

کیوں نہیں، قسم ہے ہمارے رب کی تب وہ فرمائے گا کہ اچھا تو اب چکھو تم لوگ مزہ اس عذاب کا اپنے اس کفر (وانکار) کے

بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا

بدلے میں جو تم (زندگی بھر) کرتے رہے تھے ۴۲ قطعی طور پر خسارے میں ہیں وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی ملاقات (اور پیشی)

يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ

کو یہاں تک کہ جب ان پر اچانک آپہنچے گی (قیامت کی) وہ گھڑی، تو (اس وقت ایسے لوگ بصد حسرت) کہیں گے کہ ہائے

عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ

افسوس ہماری اس کوتاہی (اور کم بختی) پر جو ہم نے اس کے بارے میں (زندگی بھر) روا رکھی ۴۳ اور یہ اٹھائے ہوں گے اپنے

۴۲ کفار و مشرکین کی تحقیر و تذلیل کا ایک اور منظر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب ان لوگوں کو ان کے رب کے حضور کھڑا کیا جائے گا اور وہ ان سے پوچھے گا کہ کیا یہ حق نہیں ہے؟ تو یہ کہیں گے کہ ہاں کیوں نہیں۔ قسم ہے ہمارے رب کی تب وہ ان سے فرمائے گا کہ اب تم لوگ چکھو اور چکھتے رہو مزہ اس عذاب کا اپنے اس کفر وانکار کے بدلے میں جو تم کرتے رہے تھے دنیا میں۔ سو ان سے کہا جائیگا کہ اب چکھو تم لوگ مزہ اس عذاب کا کہ یہ سب کچھ تمہارا اپنا ہی کیا کرایا ہے جس کا بھگتان اب تم کو بہرحال بھگتنا ہوگا۔ اور چونکہ دنیاوی زندگی کی اپنی پوری فرصت کو تم لوگوں نے کفر و انکار کے اندھیروں میں گزارا، اس لئے اب تم ہمیشہ کیلئے اسی عذابِ الیم و مقیم میں رہو۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو یہ کفار و مشرکین کی تذلیل و تحقیر کا ایک مظہر اور منظر ہے جس کو یہاں بیان فرمایا گیا ہے اور جس سے ان لوگوں کو کشفِ حقائق اور فیصلہ کے اس یومِ عظیم میں سابقہ پیش آئے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ نَوْعٍ مِّنْ اَنْوَاعِ الْعَذَابِ وَمِنْ كُلِّ شَائِبَةٍ مِّنْ شَوَائِبِ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ۔

۴۳ اہلِ باطل کا قیامت کے روز اظہارِ حسرت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب ان پر آپہنچے گی قیامت کی وہ گھڑی تو اس وقت یہ لوگ بصد حسرت وافسوس کہیں گے کہ ہائے افسوس ہماری اس کوتاہی اور کم بختی پر جو ہم نے اس کے بارے میں زندگی بھر روا رکھی۔ سو اس طرح اہلِ باطل حق سے اپنی محرومی پر حسرت کا اظہار کریں گے کہ ہم آج کے اس ہولناک دن اور اس کے تقاضوں سے غافل و بےفکر رہ کر گناہوں کی زندگی بسر کرتے رہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ مگر بے وقت کے اس افسوس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا سوائے اسکے کہ ان کی یاس و حسرت کی آگ میں اور اضافہ ہوتا جائے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو اس ارشاد میں ایک طرف تو منکرین و مکذبین کے لئے تنبیہ و تذکیر ہے کہ وہ بچ جائیں اور باز آجائیں اپنے اس کفر و شرک سے ورنہ اس ہولناک انجام کے لئے تیار ہو جائیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اور دوسری طرف اس میں اہلِ ایمان کے لئے تسکین و تسلی کا سامان ہے کہ کامیابی اور فوز و فلاح انہی کے لئے ہے جو آخرت کو مانتے اور اس کے لئے تیاری کرتے ہیں۔ جبکہ منکرین سخت خسارے میں ہیں اور ان کو ایسے ہولناک انجام سے دوچار ہونا پڑیگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور اس طور پر کہ اس کے ازالہ و تدارک کی کوئی صورت ان کے لیے ممکن نہ ہوگی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

الدُّنۡيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ

(گناہوں کے) بوجھ اپنی پیٹھوں پر، آگاہ رہو کہ بڑا ہی برا ہے وہ بوجھ جس کو یہ لوگ اٹھائے ہوں گے (اپنی پیٹھوں پر،) ۴۴ اور

لِّلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۳۲﴾ قَدۡ نَعۡلَمُ اِنَّهٗ

کچھ نہیں دنیا کی یہ زندگی مگر ایک کھیل اور تماشہ، ۴۵ اور آخرت کا گھر تو یقیناً اس سے کہیں بہتر ہے ان لوگوں کیلئے جو (ڈرتے اور)

۴۴ گناہوں کے بوجھ گنہگاروں کی پیٹھوں پر - والعیاذُ باللہ: - سوارشاد فرمایا گیا کہ اس روز یہ لوگ اٹھائے ہونگے اپنے گناہوں کے بوجھ اپنی پیٹھوں پر۔ آگاہ رہو کہ بڑا ہی برا ہوگا وہ بوجھ جس کو یہ لوگ اٹھائے ہونگے اپنی پیٹھوں پر۔ سو گنہگاروں کے گناہوں کے بوجھ اُس روز اُن کی پیٹھوں پر لدے ہوں گے۔ سو ان کے گناہ اس روز بدترین شکل میں متمثل ہو کر ان کی پشتوں پر سوار ہو جائیں گے اور ان کو دوزخ کی طرف ہانک کر لے جا رہے ہوں گے - کمافی سنن ابی داوُدؒ وغیرہ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - سو ان لوگوں کا معاملہ اُس روز بس یاس وحسرت ہی تک محدود نہیں ہوگا بلکہ اس سے بڑھ کر ان کو اپنے گناہوں کے یہ ہولناک بوجھ بھی اٹھانے ہونگے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ - اور نفسانفسی کے اُس عالم میں کوئی کسی کے کچھ کام نہ آسکے گا۔ اور اُن کے اَعوان وانصار اور شرکاء و شُفعاء میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو اِن سے اِن کے اِن بھاری بھرکم اور ہولناک بوجھوں میں سے کچھ بھی ہلکا کر سکے۔ حالانکہ دنیا میں ان کو اپنے ان اَعوان وانصار اور شرکاء وشفعاء کا بڑا زعم اور گھمنڈ ہوا کرتا تھا۔ کہ یہ ہمارے کرتا دھرتا اور ہمارے پشت پناہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس وقت ان کے سامنے واضح ہو جائے گا کہ یہ سب کچھ نرا دھوکہ اور سراب تھا - والعیاذ باللہ -

۴۵ دنیا کی زندگی محض ایک کھیل اور تماشا: - سوارشاد فرمایا گیا اور کلماتِ حصر وقصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ یہ دنیاوی زندگی ایک کھیل اور تماشے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ کہ جس طرح کھیل تماشے میں لگ کر ایک بچہ اپنے اصل مقصد کو بھول جاتا ہے، اسی طرح اَبنائے دنیا، دنیا کی چمک دمک اور اسکی ظاہری چکا چوند میں کھو کر اور اسکے مفادات سمیٹنے میں لگ کر آخرت کی اپنی اصل اور حقیقی منزل کو بھول گئے۔ اور اس دنیائے دوں کی عارضی اور فانی لذتوں میں منہمک ہو کر انہوں نے اپنے پورے سرمایۂ حیات کو اسی میں تج دیا۔ اور اسی کے کمانے بنانے اور جوڑنے بڑھانے کو انہوں نے اصل مقصدِ حیات اور نصب العین بنا لیا جو کہ سب سے بڑا نقصان اور ناقابلِ تلافی خسارہ ہے۔ جبکہ اصل، حقیقی اور اَبدی زندگی تو آخرت کی زندگی ہی ہے۔ سو اس سے منہ موڑ کر دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی کو اصل مقصد بنا لینا خساروں کا خسارہ اور ناقابلِ تلافی نقصان ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - مگر ابنائے دنیا ہیں کہ اس سب کے باوجود اندھے اور بہرے بن کر اور آخرت کی اصل اور حقیقی زندگی کے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر اسی دنیا کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور وہ اسی کو سب کچھ سمجھے بیٹھے ہیں - الا ماشاء اللہ - سو اس سے مومنِ صادق کی عظمتِ شان کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس دنیا کو ابنائے دنیا سب کچھ سمجھتے اور اس کو انہوں نے اپنا قبلہ اور مقصودِ حیات بنا رکھا ہے اور وہ دن رات اسی کے بنانے سنوارنے اور جوڑنے جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں وہ مومنِ صادق کے نزدیک قرآن وسنت کی نصوصِ صریحہ کے مطابق ایک کھیل اور تماشہ کے سوا کچھ نہیں - فَیَا لَعَظَمَةِ الْاِیْمَانِ وَالْیَقِیْنِ - اَللّٰهُمَّ فَزِدْنَا مِنْهُ وَثَبِّتْنَا عَلَیْهِ بِمَحْضِ مَنِّکَ وَ کَرَمِکَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ -

لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ

بچتے ہیں (اپنے رب کی نافرمانی وناراضگی سے) تو کیا تم لوگ (پھر بھی) نہیں سمجھتے؟ ۷۶ بلاشبہ ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کے لئے

الظّٰلِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ

(اے پیغمبر) غم کا باعث بن رہی ہیں ان لوگوں کی وہ باتیں جو یہ لوگ بناتے ہیں ۷۷ مگر (آپ پرواہ نہ کریں کہ) یہ لوگ آپ کو

۷۶ عقل سے کام لینے کی دعوت: - سو ارشاد فرمایا گیا اور تحریض وترغیب کے لیے بطورِ سوال واستفہام ارشاد فرمایا گیا کہ ''کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟'' کہ لہو ولعب کی اس عارضی اور فانی زندگی کو آخرت کی اس ابدی حقیقی اور دائمی زندگی پر ترجیح دیتے ہو جو کہ سراسر خسارے کا سودا ہے؟ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو عقل وخرد کا تقاضا یہ ہے کہ انسان آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی کو اصل مقصد اور نصب العین بنائے اور دنیا کی اس عارضی فرصت کو اسی کے بنانے میں صرف کرے کہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی اور اسکی کمائی کیلئے قدرت کی بخشی ہوئی ایک فرصت ہے - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ - اور آخرت اس دنیا سے کہیں بڑھ کر بہتر بھی ہے اور ابدی ودائمی بھی - تو پھر ان لوگوں کی عقلوں کو آخر کیا ہو گیا جو آخرت کی اس ابدی اور حقیقی زندگی کو بھول کر اور اس کے تقاضوں کو پسِ پشت ڈال کر اسی دنیائے فانی پر ریجھ گئے اور وہ اسی کے لئے جینے اور مرنے لگے - پھر یہاں پر آخرت سے سرفرازی کا طریقہ بھی بتا دیا گیا کہ وہ ہے تقویٰ و پرہیزگاری اور خوفِ خداوندی - پس ہمیشہ اسی کو اپنانے کی فکر وکوشش ہونی چاہیے - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ -

۷۷ پیغمبر کے لئے تسکین وتسلیہ کا سامان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کے لیے [اے پیغمبر] غم کا باعث بن رہی ہیں ان لوگوں کی وہ باتیں جو یہ بناتے ہیں - سو ان کی وہ دکھ دِہ اور دلآزار باتیں ہم سے مخفی نہیں جو یہ لوگ آپؐ کی اور آپؐ کے ذریعے آنے والے اس دینِ حق کی توہین وتکذیب کے لئے کرتے ہیں کہ کبھی یہ آپؐ کو شاعر کہتے ہیں کبھی ساحر اور کبھی مجنوں وغیرہ - (ابنِ کثیر، قرطبی، صفوہ، معارف وغیرہ) - اور اس طرح یہ بدبخت آپ کی اور آپ کے عشاق و پروانوں کی دلآزاری کا سامان کرتے ہیں اور اپنی بدبختی کی سیاہی کو اور پکا کرتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - تو یہ سب کچھ ہمارے علم میں ہے - ہم جو ان کی اس پر فوری گرفت وپکڑ نہیں کرتے تو یہ حکمت کے تقاضوں کی بناء پر ہے - یہ لوگ اپنے انجام کو بہرحال پہنچ کر رہیں گے اور اپنے کیے کرائے کا بھگتان ان کو بہرحال بھگتنا ہو گا - لہٰذا آپ اس بارے کوئی فکر اور پروا ہرگز نہ کریں - سو اس ارشاد میں پیغمبر کے لئے اور پیغمبر کے توسط سے ہر داعیٔ حق کے لئے تسکین وتسلیہ کا سامان ہے - کہ حق اور اہلِ حق کے خلاف دشمنانِ دین کی ایسی باتیں کوئی نئی چیز نہیں اور یہ لوگ اور ان کی ایسی دلآویز کارروائیاں اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں - ان کو اپنے کیے کرائے کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا - فالی اللہ المشتکیٰ وھو المستعان - والحمد للہ رب العالمین -

مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَ اُوْذُوْا حَتّٰٓى

نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم دراصل اللہ کی آیتوں کا انکار کررہے ہیں ۴۸ اور بلاشبہ آپ سے پہلے بھی جھٹلایا جاچکا ہے بہت سے

اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ

رسولوں کو، ۴۹ مگرانہوں نے صبر (و برداشت) ہی سے کام لیا اس تکذیب اور ایذارسانی پر جس سے ان کو پالا پڑا، یہاں تک کہ

۴۸ ظالموں کی اصل دشمنی حق کے ساتھ ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ ظالم لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ بدبخت اصل میں اللہ کی آیتوں کا اِنکار کرتے ہیں۔ پس ان بدبختوں کی جنگ دراصل آپ سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہے۔ سو ان سے وہ خود ہی نمٹ لے گا۔ اور نہایت اچھی طرح سے نمٹے گا۔ اس لئے آپ ان کی فکر نہ کریں۔ سو اس طرح اس میں تسلی ہے آنحضرت۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے لئے اور آپ کے توسط سے آئندہ قیامت تک آنے والے ہر داعیِ حق کے لئے کہ وہ دشمنانِ دین کی ایسی تکلیف دِہ اور دلآزار باتوں کی پروا کیے بغیر جادۂ حق پر مستقیم و گامزن رہیں - وبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق - اس اِرشاد میں ان مُكَذِّبِيْن کے لئے ''ظالمین'' کا لفظ استعمال فرما کر یہ امر واضح فرما دیا گیا کہ حق اور اہلِ حق کی تکذیب و دلآزاری کا ارتکاب کر کے یہ لوگ دراصل اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اور اس کا خمیازہ ان کو بہر حال بھگتنا ہوگا۔ کبھی بچ نہیں سکیں گے۔ سو یہ جملہ اہلِ حق کی تسلیہ و تسکین کے لئے نہایت دلنواز جملہ ہے - فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ - اور ظالموں کے لیے اس میں بڑی تنبیہ و تحذیر ہے کہ وہ باز آجائیں اپنی اس روش سے ورنہ ان کو سخت بھگتان بھگتنا پڑے گا - والعیاذ باللہ العظیم -

۴۹ حضراتِ انبیاء و رسل کی تکذیب اہلِ کفر و باطل کا قدیم وطیرہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ آپ سے پہلے بھی جھٹلایا جاچکا ہے بہت سے رسولوں کو مگر انہوں نے صبر ہی سے کام لیا۔ پس تکذیب و اِستہزاء کے جس معاملے سے آج آپ کو سابقہ پڑ رہا ہے، کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں۔ بلکہ راہِ حق میں ایسے اس سے پہلے بھی ہوتا آیا ہے۔ پس آپ بھی صبر ہی سے کام لیتے رہیں جیسا کہ ان حضرات نے لیا - ﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ﴾ - (الاحقاف: ۳۵)۔ سو حضراتِ انبیاء و رسل کی تکذیب اہلِ کفر و باطل کا قدیم وطیرہ اور پرانا طریقہ رہا ہے جو جب سے اب تک موجود ہے۔ اور یہ ایک طبعی امر بھی ہے۔ کیونکہ ان قدسی صفت حضرات کی دعوت ایسے لوگوں کی نفسانی خواہشات کیخلاف ہوتی ہے۔ اور خواہشات کے بندوں کو اپنی خواہشات کو ترک کر کے حق کے آگے سرنگوں ہوجانا بہت گراں ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے لوگوں نے ہمیشہ دُعاۃِ حق کا مذاق اڑایا۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے - الا ما شاء اللہ - سبحانہ وتعالیٰ - اور آج تو ظالم لوگ اس کے لیے نت نئے طریقوں سے کام لیتے ہیں - والعیاذ باللہ -

مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٤﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ

آ پہنچی ان کو ہماری مدد ۵۰ اور کوئی نہیں بدل سکتا اللہ کی باتوں کو ۵۱ اور بلاشبہ پہنچ گئے آپ کے پاس کچھ حالات پہلے گزرے ہوئے

اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِىَ نَفَقًا فِى الْاَرْضِ

رسولوں کے ۵۲ اور اگرگراں گزرے آپ پر ان لوگوں کا (حق سے) منہ موڑنا ۵۳ جس (سے آپ ان کے فرمائشی معجزات ہی

اَوْ سُلَّمًا فِى السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

چاہنے لگیں) تو اگر آپ سے ہو سکے تو ڈھونڈ لو کوئی سرنگ زمین میں (اترنے کو)، یا کوئی سیڑھی آسمان میں (چڑھنے کو)، پھر

لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٣٥﴾

لاسکو ان لوگوں کے پاس کوئی نشانی (تو بے شک لے آؤ) اور اگر اللہ کو (خواہ مخواہ ان لوگوں کو ایمان پر لانا ہی) منظور ہوتا تو وہ

النصف

۵۰ صبر و استقامت ذریعۂ نصرت و امدادِ خداوندی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے مگر انہوں نے صبر و برداشت ہی سے کام لیا اس تکذیب و ایذاء رسانی پر جس سے ان کو سابقہ پیش آیا۔ یہاں تک کہ آپہنچی ان کو ہماری مدد۔ پس صبر و استقامت ذریعۂ نصرت اور وسیلۂ ظفر ہے۔ اور آزمائش میں صبر و استقامت سے کام لینے پر اللہ پاک ضرور اپنی نصرت و امداد سے نوازتا ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اس لئے آپ بھی اسکی نصرت و امداد کی امید رکھیں اور اس بارے اسکے وعدوں پر مطمئن رہیں کہ غلبہ اور آخری انجام بہرحال حق اور اہلِ حق ہی کا ہے۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى۔ سو صبر و استقامت ذریعۂ نصرت و امدادِ خداوندی ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے۔ آمین۔

۵۱ اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ قطعی اور اٹل ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ کوئی نہیں بدل سکتا اللہ کی باتوں کو۔ سو اس کا ہر وعدہ اپنے وقت پر پورا ہو کر رہے گا۔ سو کسی کی یہ جان نہیں کہ وہ اللہ کے کلمات کو بدل سکے۔ یعنی اس کے وعدوں اور حکموں کو (جامع البیان، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ سو اس کا ہر وعدہ اور ہر حکم اپنے وقت پر بہرحال پورا ہو کر رہے گا۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اور اس وحدہٗ لاشریک نے اپنے رسولوں کی نصرت و امداد کا قطعی اور صریح وعدہ فرما رکھا ہے۔ چنانچہ اس کا ارشاد ہے۔ ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ، اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ، وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ﴾۔ (الصافات: ۱۷۱-۱۷۳)۔ پس اس کا یہ وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ مگر اس کے لئے ان کو ابتلاء و آزمائش کی اس سنت کے مطابق جو کہ قدرت نے ان کے لئے مقرر فرما رکھی ہے اور جس کا ذکر ابھی اوپر ہوا ہے اس کے مطابق ان کو ابتلاء و آزمائش کے مرحلے سے بہرحال گزرنا پڑتا ہے۔ اس دوران ان کی قوموں کی طرف سے ان کی تکذیب ہوتی رہتی ہے اور ان کے مخالفین و منکرین

کے اندر جو خبث بھرا ہوتا ہے وہ ابھر کر باہر آ جاتا ہے اور حضراتِ انبیاء و رسل اور ان کے ساتھیوں کے اندر کے جواہر بھی نکھر کر سامنے آ جاتے ہیں۔ اور یہی نتیجہ اور مقتضیٰ ہوتا ہے ابتلاء و آزمائش کا۔

۵۲ حضراتِ انبیائے کرام کے کچھ حالات کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ آ گئے آپ کے پاس کچھ حالات پہلے رسولوں کے۔ نہ کہ ان کے سب حالات کا۔ کہ ان کو نہ بیان فرمایا گیا اور نہ ان کے بیان کرنے کی ضرورت ہی تھی۔ پس یہ ﴿مِنْ﴾ تبعیضیہ ہے۔ (جامع البیان، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ یعنی ان حضرات کے صرف وہ حالات جن کا تعلق کلمۂ حق کی تبلیغ، اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات اور ان کے مقابلے میں صبر و استقامت سے کام لینے اور جھٹلانے والی ان قوموں کے عبرتناک انجام وغیرہ جیسے اہم امور سے تھا، ان کو بیان فرمایا گیا۔ پس اس سے اہلِ بدعت کے [مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ] کے علمِ غیب کے شرکیہ عقیدے کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ نیز یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ جس طرح اللہ پاک نے اپنی نصرت و امداد کا وعدہ اپنے انبیاء و رسل سے فرما رکھا ہے، اسی طرح اس نے اپنا یہ وعدہ اپنے ایماندار بندوں سے بھی فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا۔ ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾ - (المومن: ۵۱)۔ نیز دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا کہ "ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے ذمے حق ہے"۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ - (الروم: ۴۷) مگر اسکے باوجود آج مسلمان جس ذلت و رسوائی سے دوچار ہے اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ مسلمان دراصل مسلمان نہیں۔ نہ وہ ایمان و یقین کے تقاضوں کو جانتا ہے اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کی ان سنن اور قوانین سے واقف و آگاہ ہے جو اس خالقِ کل اور مالکِ مطلق کی اس کائنات میں کارفرما ہیں۔ ورنہ غالب و سربلند بہرحال مومنِ صادق ہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ - (آلِ عمران: ۱۳۹) "اور نہ تم ہمت ہارو اور نہ غمگین ہوؤ کہ غالب و سربلند بہرحال تم ہی لوگ ہو اگر تم حقیقت میں اور واقعی ایماندار ہو"۔ سبحان اللہ۔ کتنا واضح اور کس قدر صاف و صریح اعلان و اظہار ہے کہ غلبہ و سربلندی اہلِ ایمان ہی کے لیے ہے بشرطیکہ وہ سچے پکے مسلمان ہوں۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید۔

۵۳ پیغمبر کی رحمت و شفقت کا ایک نمونہ و مظہر: - کہ آپ چاہتے تھے کہ لوگ کسی نہ کسی طرح ایمان لے آئیں تاکہ دوزخ کے عذاب سے بچ جائیں جس پر اللہ تعالیٰ آپ کو اس مقام پر اس طرح ارشاد فرماتے ہیں۔ یعنی اگر آپ کو ان لوگوں کا اعراض اور راہِ حق سے روگردانی گراں گزرے، اپنی حد درجہ کی اس رحمت و شفقت کی بناء پر، جو کہ آپ کے وجودِ باجود کے اندر موجود و موجزن ہے۔ اور اسی بناء پر آپ ان لوگوں کے فرمائشی معجزات کی تعمیل کرنا چاہیں تو اس کیلئے جو کچھ آپ کر سکتے ہیں کر دیکھیں۔ سو اس ارشادِ ربانی سے ایک طرف تو پیغمبر کی اس بے پایاں رحمت و شفقت کا پتہ چلتا ہے جو آپ کے وجودِ باجود کے اندر لوگوں کی اصلاح و ہدایت سے متعلق پائی جاتی تھی اور دوسری طرف اس سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتا کہ جو چاہے کرے۔ جیسا کہ اہلِ بدعت وغیرہ مختلف اہلِ زیغ و ضلال کا کہنا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ سُوْٓءٍ وَّ اِنْحِرَافٍ۔ بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ آپ اس قدر ان کے درپے نہ ہوں اور اس بناء پر اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالیں۔ ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُکَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ﴾ - کہ آپ کا کام صرف انذار اور تبلیغ ہے اور بس۔

رکوع

اِنَّمَا يَسۡتَجِيبُ الَّذِينَ يَسۡمَعُونَ ؕ وَالۡمَوۡتٰى يَبۡعَثُهُمُ

یقیناً ان سب کو یونہی ہدایت پر جمع کر دیتا۵۴ پس تم مت ہونا دانوں میں سے ۵۵ (ہدایت تو) وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ۵۶

۵۴ جبری ایمان مطلوب نہیں: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو خواہ مخواہ ان لوگوں کو ایمان پر لانا ہی مطلوب ہوتا تو اللہ ان سب کو یونہی ہدایت پر لے آتا۔ کہ یہ اُس کے لئے کوئی مشکل کام نہ تھا بلکہ اُس کا اِرادہ و اِرشاد ہی اسکے لئے کافی تھا کہ وہ بہرحال قادرِ مطلق ہے۔ مگر ایسا خواہی نخواہی اور زبردستی کا ایمان تو اسے نہ منظور ہے نہ مطلوب کہ ایسے جبری ایمان سے امتحان اور ابتلا و آزمائش کے تقاضے پورے نہیں ہوسکتے۔ ورنہ وہ اگر چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ بلا کسی پس وپیش کے یونہی ایمان لے آتے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿ وَلَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ كُلُّهُمۡ جَمِيۡعًا ﴾ - (یونس: ۹۹)۔ مگر اس کے یہاں جو ایمان مطلوب ہے وہ وہ ہے جو اپنے اِرادہ و اختیار سے ہو۔ اسی پر اجر وثواب ملتا ہے اور یہی تقاضا ہے ابتلاء و آزمائش کا۔

۵۵ ہٹ دھرموں کے پیچھے پڑنا جہالت و نادانی: - سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم جاہلوں یعنی نادانوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ سو اس سے پیغمبر کی رحمت وشفقت کا ایک اور نمونہ سامنے آتا ہے۔ بہرکیف آپ سے فرمایا گیا کہ آپ نادان نہ بنیں کہ ایسے بدبختوں اور نامرادوں کے ایمان کی فکر اس طرح کرنے لگیں اور اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال دیں - ﴿فَلَا تَذۡهَبۡ نَفۡسُكَ عَلَيۡهِمۡ حَسَرَاتٍ﴾ - سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پیغمبر اپنی امت پر کس قدر شفیق ہوتے ہیں اور ان کے ایمان کی وہ کس قدر حرص رکھتے ہیں تاکہ اس طرح یہ لوگ دوزخ کی ہولناک آگ سے بچ کر جنت کی سدابہار نعمتوں سے سرفراز ہوسکیں۔ سو ایسے میں پیغمبر کی دعوت سے منہ موڑنا اور اسکی بے قدری و ناشکری کرنا کس قدر بے انصافی اور کتنا بڑا ظلم ہے - وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ - واضح رہے کہ لفظ ''جہل'' جس طرح ''علم'' کے مقابلے میں آتا ہے اسی طرح یہ ''حلم'' کے مقابلے میں بھی آتا ہے۔ اسی بناء پر اس کے معنیٰ ہوتے ہیں جذبات سے مغلوب ہو جانا۔ یہاں پر یہ لفظ اسی معنیٰ میں آیا ہے اور ہم نے اپنے ترجمے کے اندر اسی کا لحاظ رکھا ہے - وَبِاللّٰهِ التَّوۡفِيۡقُ لما يحب ويريد وعلى ما يحب ويريد -

۵۶ صدق و اِخلاص باعثِ سرفرازی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہدایت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں کھلے دل، صاف نیت اور صحیح ارادے سے۔ اور حق و ہدایت کو اپنانے اور قبول کرنے کی غرض سے۔ اور جو اسکے بغیر سنتے ہیں وہ محروم رہتے ہیں۔ سو صدق و اخلاص باعثِ سرفرازی ہے - وَبِاللّٰهِ التَّوۡفِيۡقُ - سو جو صحیح نیت سے سنتے ہیں وہ سمجھتے ہیں اور اس کے نتیجے میں ان کو قبولِ حق کی توفیق وسعادت نصیب ہوتی ہے۔ اور جو صحیح نیت و ارادے سے نہیں سنتے، ان کو سمجھنے کی توفیق نہیں ملتی۔ اور ایسوں کا سننا نہ سننا برابر ہوتا ہے اور وہ محروم کے محروم ہی رہتے ہیں کہ ایسے لوگ دراصل صُمٌّ، بُكۡمٌ، عُمۡىٌ کے مصداق ہوتے ہیں۔ اور یہ کان، آنکھ اور دل رکھنے کے باوجود اندھے، بہرے اور گونگے ہوتے ہیں۔ سو انسان کی محرومی اور سرفرازی کا تعلق دراصل اس کے اپنے اندر اور اپنے قلب و باطن سے ہے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید وھو الہادی الیٰ سواء السبیل - وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ -

اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ

ہیں، رہے مردے ۵۷ تو انہیں بس اللہ ہی زندہ کر کے اٹھائے گا، پھر وہ سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور کہتے ہیں کہ

مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً

کیوں نہیں اتاری گئی اس (پیغمبر) پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے (ہماری فرمائش کے مطابق)، کہو کہ بے شک اللہ

وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ

قادر ہے اس پر کہ اتار دے ایسی کوئی نشانی لیکن ان میں سے اکثر جانتے نہیں ۵۸ اور نہیں ہے کوئی جانور جو چلتا ہو اس زمین میں،

وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا

اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہو اپنے پروں کے ساتھ (ان فضاؤں میں)، مگر یہ سب مختلف جماعتیں ہیں تم ہی جیسی ۵۹ ہم نے کوئی

۵۷ نورِ حق و ہدایت سے محروم لوگ حقیقت میں مردہ ہیں: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حق کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو [زندہ ہیں اور] صحیح معنوں میں سنتے ہیں۔ رہے مردہ تو ان کو اللہ ہی زندہ کر کے اٹھائے گا۔ پھر ان سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹایا جائے گا۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ جو لوگ حق کو سنتے مانتے ہیں وہ زندہ نہیں، مردہ ہیں۔ دل کے مردے جو ایمان و یقین کی دولت سے محروم ہیں۔ اس سے مراد کافر و منکر لوگ ہیں کہ وہ اگرچہ بظاہر زندہ انسانوں کی طرح دو ٹانگوں پر چلتے پھرتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ مردہ ہیں۔ اور ان کے یہ جسم دراصل ان کی چلتی پھرتی قبریں ہیں۔ اس لیے یہ لوگ حق بات کو سننے سمجھنے اور اسکو اپنانے، اختیار کرنے سے قاصر ہیں۔ سو یہ اگرچہ بظاہر زندہ ہیں، بلکہ دنیاوی معاملات میں تو یہ بہت تیز ہیں، لیکن حقیقت میں یہ لوگ مردہ ہیں کہ ان کے دل نورِ ایمان و یقین سے محروم ہیں۔ اور یہ عقل و دل کے مردہ ہیں۔ اور اس تشبیہ سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مردے سنتے نہیں۔ کیونکہ یہ تشبیہ اسی صورت میں صحیح ہو سکتی ہے۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی موقع پر کسی کو کچھ سنوا دے تو وہ اور بات ہے کہ وہ اس پر قادر ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ جیسے قلیبِ بدر کے موقع پر ہوا یا جیسے خفقِ نعلین والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے وغیرہ۔ بہر کیف حق سے بے بہرہ و محروم یہ کفار و اشرار مردہ ہیں۔ (طبری، قرطبی، مراغی، ابنِ کثیر، محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو دلوں کی زندگی ایمان و یقین کے نور ہی سے ہے ورنہ موت ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۵۸ اکثر لوگ نورِ علم سے محروم ہیں - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں حق اور حقیقت کو۔ اور اس بات کو کہ ایسے کسی فرمائشی معجزے کا پورا نہ ہونا خود انہی کے لئے بہتر ہے کہ قانونِ قدرت یہ ہے کہ ایسی فرمائش کی تکمیل کے بعد جو لوگ مانتے نہیں وہ ہمیشہ کے لئے تباہ کر دیے جاتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو اگر یہ بات نہ ہوتی تو اللہ پاک کیلئے ان لوگوں کی ایسی فرمائشوں کو

پورا کرنا کوئی مشکل امر نہیں تھا کہ وہ قادرِ مطلق ہے۔ جو چاہے اور جیسے چاہے کرے۔ مگر اس نے اپنی حکمتِ بے پایاں کے تقاضوں کے مطابق ایسا نہیں کیا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اس ارشاد سے ایک طرف تو یہ بات نکلتی ہے کہ یہ نادان اور مغرور لوگ اس طرح کی نشانی کے ظہور کے نتائج سے آگاہ نہیں۔ ورنہ یہ اس کے لئے اس طرح کے مطالبے نہ کرتے۔ کیونکہ ایسی نشانی کے ظہور کے بعد انکار کرنے والوں کی کمر توڑ کر رکھ دی جاتی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ نیز اس سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کی حکمت سے واقف وآگاہ نہیں۔ ورنہ یہ اس طرح کے مطالبے کبھی نہ کرتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کا دستور یہ نہیں کہ وہ اپنے رسولوں کے منکرین ومکذبین کو فوراً پکڑ لے۔ بلکہ وہ ان کو ایک خاص مدت تک مہلت دیتا ہے جس میں ان پر خدا کی حجت تمام کر دی جاتی ہے۔ اور جب ان پر حجت پوری ہو جاتی ہے تو وہ ان کو پکڑتا ہے۔ اور جب وہ ایسوں کو پکڑتا ہے تو پھر کوئی ان کو اس کی پکڑ سے چھڑا نہیں سکتا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اس طرح یہ لوگ اس رحمت سے بھی واقف وآگاہ نہیں جو اللہ کی طرف سے دی گئی اس مہلت کے اندر ان کے لیے مخفی ومضمر ہوتی ہے بشرطیکہ ایسے لوگ اس کی قدر کریں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔ وباللہ التوفیق۔ مگر اس سے ان بدبختوں کی بدبختی ہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۵۹ پرندوں اور چرندوں کی مختلف انواع بھی انسانوں کی طرح ہیں: - مخلوق ہونے میں۔ خدا تعالیٰ کی محتاج ومرزوق ہونے میں۔ اور دوسری بہت سی صفات اور خصوصیات میں۔ جیسے ان کا پیدا ہونا، پلنا بڑھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، سونا جاگنا، پھلنا پھولنا اور توالد وتناسل وغیرہ وغیرہ۔ (التحریر لابنِ عاشورؒ وغیرہ)۔ سو اہلِ بدعت کے بعض تحریف پسندوں کا یہ کہنا کہ "اس سے معلوم ہوا کہ ہم حضور کو اپنی مثل نہیں کہہ سکتے، کیونکہ رب نے جانوروں کو یہاں ہماری مثل فرمایا ہے، مگر پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جانور ہماری طرح ہیں، تو ہم حضور کی طرح کیسے ہوگئے"۔ سو ایسا کہنا محض موصوف کی ایک ذہنی اپج، خانہ ساز منطق اور مغالطہ آمیزی یا تجاہلِ عارفانہ ہے۔ ورنہ جیسا کہ حضراتِ اہلِ علم اور مفسرینِ کرام کا کہنا ہے، یہ تشبیہ وتمثیل بھی عام تشبیہات کی طرح مِنْ كُلِّ الْوُجُوْهِ نہیں بلکہ من بعض الوجوہ ہے۔ جیسا کہ "زَيْدٌ كَالْاَسَدِ" میں تشبیہ صرف اس کی بہادری اور دلیری کی بناء پر ہے۔ اس لئے اس میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ "زید شیر ہے" حالانکہ شیر تو ایک درندہ ہے جبکہ زید میں درندگی کی کوئی خصلت نہیں پائی جاتی۔ اور جب مِنْ بَعْضِ الْوُجُوْهِ مماثلت پائے جانے کے باعث رب تعالیٰ نے ﴿اَمْثَالُكُمْ﴾ فرمایا ہے تو اس کے تسلیم کرنے میں کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ یا اس میں کیا اِشکال پیدا ہو سکتا ہے؟ دراصل انسان جب ایک بے بنیاد بات گھڑ لیتا اور ایک غلط عقیدہ اپنا لیتا ہے تو اس کو ایسے ہی پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف اس ارشاد سے نشانیاں مانگنے والوں کو آفاق کی ان مختلف نشانیوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تم ایک نشانی مانگتے ہو، حالانکہ تم لوگ اگر ذرا غور وفکر سے کام لو تو تمہیں نظر آئیگا کہ خداوندِ قدوس کی یہ پوری کائنات طرح طرح کی ان نشانیوں سے بھری پڑی ہے جو طرح طرح سے اس کی وحدانیت ویکتائی کا درس دے رہی ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ

کسر نہیں چھوڑی نوشتہء تقدیر میں، ف۶۰ پھر ان سب کو بہر حال اپنے رب ہی کے حضور آنا ہے اکٹھا ہو کر، ف۶۱ اور جنہوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ۭ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ

جھٹلایا ہماری آیتوں کو وہ بہرے اور گونگے ہیں، طرح طرح کی تاریکیوں میں (ڈوبے پڑے) ہیں، ف۶۲ اللہ جسے چاہے

يُضْلِلْهُ ۭ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾

گمراہ کردے ف۶۳ اور جسے چاہے ڈال دے سیدھے راستے پر، ف۶۴

۶۰ "الکتاب" سے مراد؟ اور ایک مغالطے کا جواب :- سو یہاں پر "الکتاب" سے مراد بھی واضح ہے اور اہلِ بدعت کی ایک مغالطہ انگیزی اور تحریف پسندی کا جواب بھی۔ سو "کتاب" سے یہاں پر مراد جیسا کہ ہم نے اپنے ترجمے میں بھی واضح کیا ہے لوحِ محفوظ ہے۔ امام طبریؒ، زمخشریؒ اور صاحبِ جلالینؒ وغیرہ حضرات نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ (الطبریؒ، محاسن التاویل، مدارک التنزیل، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ اور علامہ ابنِ کثیر نے اسکو قولِ واحد کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔ اسکے سوا دوسرے کسی قول کا انہوں نے ذکر ہی نہیں فرمایا۔ یعنی ان کے نزدیک اس کا مفہوم و مصداق صرف یہی ہے۔ اور یہی ظاہر بھی ہے کہ دوسری مختلف آیات و نصوصِ کریمہ سے بھی اسی کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ جیسے سورۂ ہود کی آیت نمبر ٦ میں فرمایا گیا - ﴿كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِيْنٍ﴾ - جبکہ دوسرا قول کچھ حضراتِ اہلِ علم کا اس بارے میں یہ ہے کہ یہاں پر کتاب سے مراد قرآنِ مجید ہے۔ اور ابوحیان وغیرہ کچھ حضرات نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ اور اس صورت میں یہ حضرات اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کتابِ حکیم میں دینِ مبین سے متعلق ہر ضرورت کو پورا فرما دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اسکی مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔ سو اگر اس سے مراد لوحِ محفوظ ہو۔ جیسا کہ حضرتِ ابنِ عباسؓ سے مروی ہے اور امام ابنِ جریر طبریؒ وغیرہ حضرات نے اسی کو ترجیح دی ہے تو اس صورت میں اس سے مراد یہ ہوگی کہ لوحِ محفوظ میں تمام مقادیر اور ما کان و ما یکون سب کچھ ثبت و موجود ہے کہ وہ کنایہ ہے علمِ الٰہی سے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے احاطہ اور عموم و شمول سے کوئی بھی چیز باہر نہیں ہوسکتی۔ (محاسن وغیرہ)۔ اور بعض حضرات کے نزدیک اس سے مراد اللہ پاک کا علم کامل و محیط ہے - سبحانہ وتعالیٰ - اور اس کو جو کتاب کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے تو یہ دراصل کنایہ ہے اس کے محفوظ ہونے سے کہ جس طرح لکھا ہوا محفوظ رہتا ہے بھولتا نہیں اسی طرح اللہ پاک کا علم ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوتا ہے، کبھی مٹتا یا محو نہیں ہوتا - سبحانہ وتعالیٰ - (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ اور اگر اس سے مراد قرآنِ مجید ہو، جیسا کہ امام رازیؒ وغیرہ نے اختیار فرمایا ہے، تو اس وقت اس سے مراد وہی امور ہوں گے جن کا تعلق دین اور ہدایت سے ہے۔ کیونکہ قرآنِ حکیم کا اصل موضوع یہی ہے - اسی لئے جملہ مفسرینِ کرام ایسے موقع پر اس کی تصریح فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ضروریاتِ دین اور متعلقاتِ شرعِ متین ہیں، جس کو یہ حضرات اس طرح کے الفاظ سے بیان کرتے ہیں "مِنْ اُمُوْرِ الدُّنْيَا مِمَّا يُحْتَاجُ اِلَيْهِ فِي الشَّرْعِ اَيْ لِمَا

یُحْتَاجُ اِلَیْهِ فِی الشَّرِیْعَةِ وغیر ذالک- نمونے کے لئے اس بارے چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں: جلالین: ص ۱۴۱، ص ۲۲۴، ص ۲۳۱، معالم التنزیل: ج ۲ ص ۲۸، ج ۲ ص ۱۷۰، ج ۲ ص ۲۱۲، جامع البیان: ج ۱ ص ۲۳۲، بیضاوی: ج ۱ ص ۴۵۰، ابنِ کثیرؒ: ج ۲ ص ۱۹۱، ج ۲ ص ۲۴۶، البدایہ والنھایۃ لابنِ کثیرؒ: ج ۱ ص ۲۸۵ تفسیر کبیر ج ۲۰ ص ۹۹، خازن ج ۴ ص ۹۰، المراغی: ج ۷ ص ۱۱۹ وغیرہ وغیرہ۔ سو جمہور اہلِ علم اور ائمہ تفسیر کی یہ تصریحات دیکھئے اور پھر دیکھئے کہ اہلِ بدعت کے بعض تحریف پسندوں کی اس خانہ ساز منطق کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ "اس سے حضور کا علمِ غیبِ کلی ثابت ہوا۔ کیونکہ سارے علوم ان کتابوں میں اور یہ کتابیں حضور کے علم میں ہیں"۔ موصوف اور ان کے دیگر حواریوں کو اپنی اس خانہ ساز منطق کے دوران ایسے مواقع پر یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ یہ سورۂ کریمہ تو مکی ہے۔ اور اگر بقول تمہارے اس طرح کی آیاتِ کریمہ سے آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کا علمِ غیبِ کلی ثابت ہوگیا اور آپؐ کو مَا کَانَ وَمَا یَکُوْن کے سب علوم عطا فرمادئے گئے تو پھر مدنی دور میں اترنے والے قرآنِ حکیم کے بارے میں کیا کہو گے کہ وہ کس لئے نازل ہوا؟ حالانکہ وہ قرآنِ پاک کا ایک بڑا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ وضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔

۶۱ سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر ان سب کو ان کے رب ہی کی طرف اکٹھا کر کے لایا جائے گا اور وہاں پہنچ کر انہوں نے اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا صلہ اور بدلہ پانا ہے تاکہ اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے اپنی کامل اور آخری شکل میں پورے ہوسکیں۔ سو انسانوں اور حیوانوں سب ہی کو اپنے رب کے حضور حاضر ہونا ہے البتہ سزا و جزاء صرف انسانوں ہی کو ہوگی کہ مکلف مخلوق یہی ہے۔ اور عقل وشعور کے امتیاز سے اسی کو نوازا گیا ہے۔ اور حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ بہائم کے حشر سے مراد انکی موت ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ "جو مرگیا اسکی قیامت قائم ہوگئی"۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ بہرکیف اس اِرشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جہاں تک نشانیوں اور دلائل و براہین کا تعلق ہے ان سے یہ صحیفۂ کائنات بھی مملو ومعمور ہے اور صحیفۂ قرآن بھی۔ اس بارے کوئی کسر اور کمی باقی نہیں رہ گئی۔ لیکن جو لوگ کسی بات کو سمجھنا اور ماننا ہی نہ چاہیں ان کا کیا علاج ہوسکتا ہے۔ ان کو تو آخر کار ان کے رب کے حضور ہی اکٹھا کر کے لایا جائیگا، جہاں اُن کو اُن کے کیے کرائے کا پورا پورا صلہ اور بدلہ ملے گا۔ تب اُن کی آنکھیں کھلیں گی اور انکی یاس وحسرت کی کوئی انتہاء نہ رہے گی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔

۶۲ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کا اَنجام بڑا ہی ہولناک۔ والعیاذ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو وہ بہرے اور گونگے ہیں طرح طرح کی تاریکیوں میں پڑے ہیں۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ پاک کی آیتوں کو جھٹلانا انسان کو کس ھاویے میں گرا دیتا ہے اور اس کو کس قدر مہیب اَنجام سے دو چار کر دیتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔ اور ظاہر ہے کہ اسکے بعد انسان کو نہ اپنی منزل کا پتہ نہ منزل تک پہنچنے والی راہ سے آگاہی۔ نہ اس کو اپنے مقصدِ حیات کے بارے میں کوئی علم وآگاہی۔ محض بطن وفرج کی شہوات کی تعمیل کیلئے جینے لگتا ہے اور اسطرح ایک حیوانِ محض بن کر رہ جاتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی کہیں نیچے گر کر اسفل السافلین تک جا پہنچتا ہے۔ اور اس طرح وہ ہولناک اور دبیز اندھیروں میں ڈوب کر رہ جاتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں ان کی مثال ایسے گونگے اور بہرے لوگوں کی ہے جو طرح

طرح کے اندھیروں کے اندر ڈوبے پڑے ہوں کہ ایسے لوگ نہ کسی کی سن سکتے ہیں اور نہ کسی کو پکار سکتے ہیں۔ نہ کسی پکارنے والے کی بات کا جواب دے سکتے ہیں نہ کسی کے کسی اشارے کو دیکھ اور سمجھ سکتے ہیں اور نہ کسی نشانی سے راہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ تو پھر ایسے اندھے بہرے لوگوں کا آخر کیا علاج ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو قوائے علم و ادراک کی عظیم الشان سے نعمتوں سے نوازا تھا مگر انہوں نے اپنے عناد و ہٹ دھرمی سے خود ان کو ضائع کر دیا اور اندھے بہرے بن گئے اور نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑ کر ہولناک تباہی میں گر گئے۔ والعیاذ باللہ۔

۶۳ اللہ کے گمراہ کر دینے کا مطلب؟:۔ سو اللہ جس کو چاہے گمراہ کر دے۔ یعنی ایسا شخص اپنی بدنیتی، بدباطنی اور بداطواری کی بناء پر خود گمراہی کے گڑھے میں جا گرتا ہے کہ اللہ پاک کا قانون وضابطہ یہی ہے جیسا کہ فرمایا گیا۔ ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾۔ ''وہ اپنے ارادے سے جدھر پھرتا ہے ہم اس کو ادھر ہی پھیر دیتے ہیں'' ورنہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی ہدایت چاہتا ہو اور اللہ تعالیٰ اسکے برعکس اسکو ازخود یونہی ہدایت سے محروم کر کے گمراہی کے گڑھے میں ڈال دے ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ بلکہ اس نے تو اپنے بندوں کو نورِ ہدایت سے نوازنے کے لئے طرح طرح سے انتظام فرمایا ہے۔ سو ایک طرف تو اس نے اس کائنات میں قسما قسم کی ایسی نشانیاں پھیلا دیں جو ہدایت کے لئے راہنمائی کرتی ہیں۔ انسان کو فطرت و وجدان کی ہدایت کے بعد عقل وشعور کے جوہر سے نوازا اور پھر اپنے انبیاء و رسل بھیجے اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ جَلَّ جَلَالُهٗ وَعَمَّ نَوَالُهٗ ۔ سو وہ واہبِ مطلق گمراہ نہیں کرتا بلکہ نورِ حق و ہدایت سے نوازتا ہے۔ مگر جب کوئی اس سے منہ موڑ کر گمراہی کو اپناتا ہے تو وہ اسکو ادھر ہی چلتا کر دیتا ہے جس سے وہ دولتِ حق و ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو انسان کے بناؤ بگاڑ کا اصل تعلق اس کے اپنے قلب و باطن سے ہے۔

۶۴ صراطِ مستقیم سے سرفرازی اور اسکے نتائج وثمرات:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ڈال دیتا ہے سیدھی راہ پر۔ یعنی ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ اس سیدھی راہ سے نوازتا ہے جس پر چل کر وہ دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ سو صراطِ مستقیم اور سیدھی راہ سے سرفرازی اللہ پاک کی عظیم الشان نعمت وعنایت ہے جس سے وہ انسان کو اسکی طلبِ صادق اور نیک نیتی کی بناء پر نوازتا ہے۔ اور یہ راستہ حضراتِ انبیائے کرام، صلحائے عظام اور ان کے سچے پیروکاروں کا راستہ ہے۔ اور ایسے حضرات کی دو بنیادی صفات ہوتی ہیں۔ ایمان اور تقوٰی۔ جو ایمان وتقوٰی کی دولت سے سرفراز ہوتا ہے وہی اللہ تعالیٰ کا ولی اور دوست کہلاتا ہے۔ سو قرآنِ حکیم کے ارشادات کی روشنی میں ولی ہر وہ شخص ہوتا ہے جو ایمان اور تقوٰی کی دولت اپنے پاس رکھتا ہو، خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو۔ ارشادِ ربانی ہے۔ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ ۔ (یونس:۶۳) ''اللہ کے ولی وہ لوگ ہوتے ہیں جو ایمان رکھتے ہوں اور تقوٰی سے مشرف ہوں''۔ نیز فرمایا۔ ﴿اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ ۔ (الانفال:۳۴) ''اس کے ولی تو صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جو متقی ہوں''۔ نیز فرمایا۔ ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ۔ (البقرۃ:۲۵۷) ''اللہ دوست ہے ان لوگوں کا جو ایمان رکھتے ہیں''۔ سو ایمان اساس و بنیاد ہے ولایت کی۔ اور پھر تقوٰی و پرہیزگاری۔ ان میں جتنا بھی کوئی ترقی کرتا جائے گا اتنا ہی وہ ولایت و بزرگی میں آگے بڑھتا جائے گا۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ ۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جو لوگ راہِ حق و صواب کے طالب اور متلاشی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو اس سے سرفراز فرما دیتا ہے۔ کہ اس کی شان ہی نوازنا اور سرفراز فرمانا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ

(ان سے) کہو کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر آ جائے تم لوگوں پر اللہ کا عذاب، یا آپہنچے تم کو (قیامت کی) وہ گھڑی،

اَغَیْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِیَّاهُ

تو کیا اس وقت تم لوگ اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم سچے ہو؟ ٦٥ (نہیں) بلکہ ایسے موقع پر تو تم

تَدْعُوْنَ فَیَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَآءَ وَ

اللہ ہی کو پکارتے ہو، پھر وہ دور فرما دیتا ہے تم سے وہ عذاب جس کے لئے تم اس کو پکارتے ہو ٦٦ اگر وہ چاہے، اور

تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ

(اس موقع پر) تم بھول جاتے ہو ان سب کو جن کو تم لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہو، اور بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے بھی

مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

بہت سی امتوں کی طرف اپنے رسول بھیجے، پھر (ان کے نہ ماننے پر) ہم نے ان کو پکڑا تنگی اور تکلیف میں، تاکہ وہ

یَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَاۤ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا

لوگ عاجزی کرتے ہوئے جھک جائیں (اپنے رب کے حضور،) ٦٧ پھر ایسے کیوں نہ ہوا کہ وہ جھک جاتے (اپنے رب کے حضور،

٦٥ مشرکوں سے ایک فیصلہ کن سوال:-سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے پوچھو کہ کیا مصیبت کے ایسے موقع پر تم لوگ اللہ کے سوا اور کسی کو پکارتے ہو؟ بتاؤ اگر تم سچے ہو؟۔یعنی اگر تم سچے ہو اپنی اس بات میں کہ تمہارے یہ خود ساختہ معبود تمہارے حاجت روا و مشکل کشا ہیں۔اور جب سختی کے ایسے مواقع میں تم ان کو نہیں پکارتے اور یہ تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتے تو پھر تم نے ان کو آخر معبود قرار کیوں دے رکھا ہے؟ اور تم ان کو پوجتے پکارتے کیوں ہو؟ افسوس کا مقام ہے آج کا کلمہ گو مشرک ایسے وقت میں بھی غیر اللہ ہی کو پکارتا ہے اور کہتا ہے ''بہاء الحق بیڑا دھک''، ''خواجہ اجمیری پار لگا دے کشتی میری''، ''یا پیر دستگیر'' وغیرہ وغیرہ -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ-بہرکیف مشرکین سے اس فیصلہ کن سوال کے ذریعے ان کی بولتی بند کر دی گئی کہ جب تمہارے یہ خود ساختہ معبود اور شرکاء ایسے کسی موقع پر تمہارے کام نہیں آ سکتے تو پھر تم نے ان کو اپنا معبود اور شریک آخر بنا کیوں رکھا ہے؟ اور ان کو تم لوگ اپنا حاجت روا و مشکل کشا آخر مانتے کیوں ہو؟ سو اس ارشاد کے ذریعے انسانی فطرت کے ایک خاص پہلو سے توحید خداوندی کی ایک ناقابلِ تردید انفسی دلیل کو پیش فرما دیا گیا کہ فرض کرو اگر تم پر وہی عذاب اللہ کی طرف سے آ جائے جس کا تم اس سے مطالبہ کرتے ہو یا

قیامت کی وہی گھڑی اچانک تم پر آ دھمکے جس سے تم لوگوں کو خبردار کیا جا رہا ہے تو کون ہے جو تمہاری کوئی مدد کر سکے یا جس کو تم لوگ اپنی مدد کے لئے پکار سکو؟ اور ظاہر ہے کہ ایسا کوئی بھی نہیں تو پھر تم لوگ آخر شرک کیوں کرتے ہو؟۔

۶۶ حاجت روا و مشکل کشا سب کا ایک ہی ہے یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک: ۔ سو وہی اپنی قدرت اور اپنی رحمت وعنایت سے تمہاری اس مصیبت اور تکلیف کو دور فرما دیتا ہے جس کے لیے تم اس کو پکارتے ہو ایسے مشکل موقع پر اپنی اس فطری توحید کی بناء پر جو اُس قادرِ مطلق نے تمہاری فطرت وجبلت میں ودیعت فرما رکھی ہے۔ پھر اپنی فطرت میں پیوست اس جوہر کو دبا کر تم لوگ شرک کی گندگی ونجاست کو آخر کیوں گلے لگاتے ہو؟ اور اس امرِ واقع اور حقیقتِ صادقہ کو آخر تم لوگ مانتے اور تسلیم کیوں نہیں کرتے کہ حاجت روا و مشکل کشا سب کا ایک ہی ہے۔ یعنی وہ اللہ وحدہٗ لاشریک جو اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حاکم ومتصرف ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ بہرکیف اس سے توحید کی اس انفسی دلیل کی طرف اشارہ فرما دیا گیا ہے جو انسان کی فطرت میں پیوست ہے اور جس کا ذکر قرآنِ حکیم میں دوسرے مختلف مقامات پر فرمایا گیا ہے۔ اور اس دلیل کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ انسان کی اصل فطرت میں چونکہ ایک ہی خدا کی شہادت موجود ہے دوسرے تمام معبودانِ باطلہ جن کو وہ مانتا اور ان کی خدائی کا دم بھرتا ہے، ان کی کوئی شہادت اس کی فطرت کے کسی زاویے میں موجود نہیں۔ بلکہ وہ سب محض خیالی اور خود ساختہ ہوتے ہیں۔ اس لئے زندگی میں پیش آنے والے ایسے ہر آزمائشی موقع پر وہ ایسے تمام فرضی سہاروں کو بھول جاتا ہے اور صرف اسی خدائے واحد کو پکارتا ہے جو کہ معبودِ برحق اور سب کا حاجت روا و مشکل کشا ہے اور جس کی شہادت وہ اپنی فطرت میں پاتا ہے۔ قرآنِ حکیم نے اس حقیقت کو طرح طرح سے واضح فرمایا ہے کہ یہ انسان کے اپنے وجود کے اندر کی شہادت ودلیل ہے۔

۶۷ ابتلاء ومصائب سے ایک اہم مقصود کا ذکر وبیان: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ مصائب سے مقصود لوگوں کے اندر عجز وانکسار پیدا کرنا ہے تاکہ اس طرح وہ عبدیت وبندگی کی اس راہِ حق وصواب کو اپنائیں جو انکی طبیعت وفطرت کے لائق اور دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز کرنے والی واحد راہ ہے تاکہ اس طرح خود ان کا بھلا ہو۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ وہ جھک جائیں۔ یعنی تاکہ وہ جھک جائیں اللہ پاک کے حضور عاجزی کرتے ہوئے اور ان کی اکڑی ہوئی گردنوں میں خم آ جائے۔ اور وہ حق کی طرف رجوع کر سکیں۔ معلوم ہوا کہ اس اعتبار سے مصائب وآلام بھی رحمت کا باعث ہوتے ہیں کہ ان سے بندے کو رجوع الی اللہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ مگر ہم چونکہ عاجز اور کمزور مخلوق ہیں اس لئے ہمیں اس وحدہٗ لاشریک سے ہمیشہ عافیت ہی مانگنی چاہیئے۔ لیکن جب مصیبت آ جائے تو اس پر صبر وبرداشت سے کام لینا چاہیئے اور فکر وکوشش ہمیشہ رجوع الی اللہ کی کرنی چاہیئے کہ اسی میں دارین کی خیر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مصیبت سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ۔ بہرکیف اس ارشاد سے اللہ تعالیٰ کی ایک اور سنت کو واضح فرما دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے تم سے پہلے بہت سی قوموں کی طرف اپنے رسول بھیجے۔ اور ان لوگوں کو ہم نے مختلف قسم کی جسمانی اور مالی مصیبتوں میں مبتلا کیا تاکہ ان کے دلوں میں خدا کا خوف پیدا ہو اور وہ سوچیں کہ اگر انہوں نے خدا کے پیغمبر کی بات نہ مانی تو وہ بالآخر خدا تعالیٰ کی فیصلہ کن پکڑ میں آ کر رہیں گے اور ان کو تباہ کر دیا جائے گا۔ مگر ان لوگوں نے ایسے نہ کیا۔ جس کے نتیجے میں وہ اپنے آخری انجام کو پہنچ کر رہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا

اور عاجزی کرتے،) جب کہ آ پہنچا تھا ان کے پاس ہمارا عذاب، مگر سخت ہو گئے ۶۸ ان کے دل، اور خوشنما بنا دیئے شیطان نے

يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ

ان کے لئے ان کے وہی کام جو وہ کرتے آرہے تھے پھر جب بھلا (کر پس پشت ڈال) دیا انہوں نے اس نصیحت کو جو ان کو

اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ

کی گئی تھی، تو ہم نے ان پر کھول دیئے دروازے ہر چیز کے، ۶۹ یہاں تک کہ جب وہ خوب مگن ہو گئے ان چیزوں میں جو ان کو

۶۸ قسوتِ قلب بیماریوں کی بیماری - والعیاذُ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ سخت ہو گئے ان کے دل ۔ سو قسوتِ قلب [دل کی سختی] ہی ان کا وہ اصل روگ تھا جس نے ان کا بیڑا غرق کر دیا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - کہ اس سے حق و ہدایت اور وعظ و نصیحت کی بات ایسوں کے دلوں میں اثر ہی نہیں کرتی اور ایسے لوگوں کے دل پتھر بن جاتے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر سخت ہو جاتے ہیں۔ سو قسوتِ قلوب یعنی دلوں کی سختی بیماریوں کی بیماری اور محرومیوں کی محرومی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف ایسے لوگوں نے جب ان خدائی تنبیہات کی پروا نہ کی اور ان کے دل ان سے نرم پڑنے کی بجائے اور سخت ہو گئے اور جن بداعمالیوں میں وہ لوگ لگے ہوئے تھے انہی میں مست و مگن رہے اور شیطان نے ان کے ان برے کاموں کو ان کی نگاہوں میں کھبا دیا تو بالآخر وہ اپنے انجام کو پہنچ کر رہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اللہ قسوتِ قلب کے ہر شائبے سے محفوظ رکھے - آمین ثم آمین۔

۶۹ تمرد و سرکشی کا نتیجہ و انجام ہولناک تباہی - والعیاذُ باللہ: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ تمرد و سرکشی کا نتیجہ و انجام ہولناک تباہی ہے۔ اور یہ کہ معاصی و ذنوب پر دنیاوی نعمتوں کا ملنا ہولناک عذاب کا پیش خیمہ ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب ایسے بدبختوں نے نصیحتِ حق کو بھلا کر پسِ پشت ڈال دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے ۔ یعنی ہر قسم کی نعمت کے دروازے تاکہ ان کا جرم اور سخت ہو جائے۔ اور ان کا پھوڑا پوری طرح پک کر آخری آپریشن کے قابل ہو جائے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو معلوم ہوا کہ معاصی و ذنوب پر دنیا اور اس کی نعمتوں کا ملنا خیر کی علامت نہیں، بلکہ خطرے کی گھنٹی ہے، کہ یہ درحقیقت استدراج ہوتا ہے جو انسان کو دائمی تباہی کی طرف لے جاتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - چنانچہ مسندِ امام احمدؒ وغیرہ میں حضرتِ عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم - صلی اللہ علیہ وسلم - نے ارشاد فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کے گناہوں کے باوجود دنیا دے رہا ہے تو سمجھو کہ یہ محض استدراج ہے۔ پھر آپؐ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ (مسندِ امام احمدؒ: ج ۴ ص ۱۴۵ الطبع الحلبی)۔ اور ایسے ہی حضرتِ حسن بصریؒ وغیرہ علمائے کرام نے فرمایا ہے۔ (محاسن، ابنِ کثیر وغیرہ)۔ سو جب معاصی و ذنوب کے ارتکاب کے باوجود دنیا ملنے لگے تو اس سے خوش ہونے کی بجائے فوراً توبہ و استغفار اور رجوع الی اللہ کی فکر کرنی چاہیئے - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ - اللہ نفس و شیطان کے ہر شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین۔

بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ

دی گئی تھیں، تو ہم نے اچانک ان کو ایسا پکڑا کہ کٹ کر رہ گئیں ان کی سب امیدیں، سو جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی ان لوگوں کی

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قُلْ

جو اَڑے ہوئے تھے اپنے ظلم (وعدوان) پر، اور سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جو پروردگار ہے سب جہانوں کا، ف۷۰ (ان سے) کہو

اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ

کہ کیا تم لوگوں نے کبھی یہ بھی سوچا کہ اگر اللہ چھین لے تم سے تمہاری قوتِ شنوائی، اور (اُچک لے تم سے) تمہاری آنکھیں

عَلٰي قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ

اور مہر لگا دے تمہارے دلوں پر، تو پھر اللہ کے سوا اور کون سا ایسا معبود ہو سکتا ہے، جو تمہیں یہ سب کچھ واپس دلا دے، ارے دیکھو تو

كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ

کس طرح انداز بدل بدل کر ہم بیان کرتے ہیں اپنی آیتوں کو، مگر یہ لوگ پھر بھی منہ موڑے ہوئے ہیں (حق اور

اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً

حقیقت سے،) کہو کیا تم نے کبھی یہ بھی دیکھا کہ اگر آ جائے تم پر اللہ کا عذاب اچانک، یا علانیہ طور پر،

هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ

تو کیا اور کوئی ہلاک ہوگا سوائے ظالم لوگوں کے؟ ف۷۱ اور ہم پیغمبروں کو صرف

۷۰ ظالموں کی ہلاکت پر اللہ کا شکر ادا کرنا واجب:- کہ اس نے اپنی رحمت و عنایت سے ایسے ظالم اور خبیث لوگوں کے خبیث وجود سے اپنی دھرتی کو پاک کیا اور اہلِ زمین کو ان کے اعمالِ خبیثہ کے منحوس آثار و نتائج سے نجات دلائی۔ علامہ زمخشریؒ کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ ظالموں کی ہلاکت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب ہے کہ یہ اس کی عظیم الشان نعمتوں میں سے ہے۔ اور اس آیتِ کریمہ میں خبر بمعنی امر کے ہے۔ (محاسن التاویل للقاسمیؒ وغیرہ) - فالحمد للہ رب العالمین - بہرکیف اس اِرشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ مُکَذِّبِیْن جب اپنی خرمستی کی اس انتہاء کو پہنچ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔ سو

اس اِرشاد میں اس بات کی طرف بھی نہایت لطیف اشارہ ہے کہ اس سے پہلے اس طرح کے مجرموں پر ابتلاء کے جو جھونکے آتے ہیں ان سے ان لوگوں کے شجرِ ہستی کے صرف برگ و بار متاثر ہوتے ہیں اور وہ بھی وقتی طور پر۔ ان کی جڑ بہرحال محفوظ رہتی ہے۔ لیکن جب ان پر ایسا آخری وقت آ جاتا ہے تو خداوندِ قدوس ان پر ایسا آخری عذاب بھیج دیتا ہے جو ان کے قومی وجود کو جڑ سے کاٹ پھینکتا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ اس موقع پر ایسے زہریلے درخت بن کر رہ جاتے ہیں جو زہریلے پھل ہی دیتے ہیں اور ان کے برگ و بار سے زہریلی ہوا ہی پھیلتی ہے۔ سو ایسے میں ان لوگوں کا وجود ناقابلِ برداشت بن جاتا ہے۔ اور جس خالق و مالک نے اس کائنات کو بالحق پیدا فرمایا ہے وہ ایسے زہریلے درختوں کو باقی نہیں رہنے دیتا جن کے زہریلے برگ و بار اور ان کی مسموم ہوائیں پورے چمن کو برباد کر کے رکھدیں۔ سو سزاوارِ حمد وشکر ہے وہ پروردگارِ عالم جو ایسی بیکار بلکہ ضرر رساں قوموں کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

۸۷ اللہ کی سلب کردہ کسی نعمت کو کوئی واپس نہیں دلا سکتا: - سو ایسے لوگوں کے قلب و باطن پر دستک دیتے ہوئے اور ان کے ضمیروں کو جھنجھوڑتے ہوئے ان سے سوال کیا گیا کہ بتاؤ کہ اگر اللہ تم لوگوں سے اپنی دی بخشی ان نعمتوں کو چھین لے تو پھر کون ایسا ہو سکتا ہے جو تم لوگوں کو یہ نعمتیں واپس دلا دے؟۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا کوئی بھی نہیں جو یہ قدرت رکھتا ہو۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا دوسرا کوئی معبود سرے سے ہے ہی نہیں۔ پھر تم ایسوں کو حاجت روا و مشکل کشا سمجھ کر آخر کیوں پکارتے ہو؟ اور اس حقیقت کو دل و جان سے کیوں تسلیم نہیں کرتے کہ معبودِ برحق اور سب کا حاجت روا و مشکل کشا وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ وہ جو چاہے کرے۔ کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ اور جس نعمت کو وہ سلب کر لے کوئی اس کو واپس نہیں دلا سکتا۔ سو تمہارے سننے دیکھنے اور سمجھنے سوچنے کی جو قوتیں تمہارے پاس موجود ہیں ان سے صحیح کام لو۔ تاکہ تم لوگ صحیح نتیجے پر پہنچ سکو۔ وباللہ التوفیق۔

۸۸ ظلم کا انجام ہلاکت و تباہی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں سے کہو کہ کیا تم نے کبھی یہ بھی دیکھا اور سوچا کہ اگر آ جائے تم پر اللہ کا عذاب اچانک یا علانیہ طور پر تو کیا کوئی اور ہلاک ہو گا سوائے ظالموں کے؟ اور استفہام یہاں پر ظاہر ہے کہ انکاری ہے، یعنی ایسے موقع پر ظالموں کے سوا کوئی ہلاک نہیں ہو گا۔ اور جب یہ ظاہر اور واضح ہے کہ ظالم لوگ ہی ہلاکت کا شکار ہوں گے دوسرا کوئی نہیں۔ تو پھر عقل و دانش کا تقاضا یہی ہے کہ تم ظلم اور اس کی ہر شکل سے بچنے کی فکر کرو۔ تاکہ اس کے نتیجے اور انجامِ بد سے محفوظ رہ سکو اور گرفتارِ بلا ہونے سے قبل ملنے والی اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر اس سے کام لو۔ قبل اس سے کہ یہ فرصتِ نایاب تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور پھر تمہیں ہمیشہ کیلئے کفِ افسوس ملنا پڑے مگر اس کا کوئی فائدہ نہ ہو سوائے آتشِ حسرت میں اضافے کے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو ظالموں کو جتنی بھی مہلت اور ڈھیل ملے وہ بہرحال عارضی اور فانی ہے جس نے بہرحال ختم ہو جانا ہے اور ظالموں نے اپنے انجام کو پہنچ کر رہنا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔

الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ

اسی لئے بھیجتے ہیں کہ وہ خوشخبری دیں اور خبردار کریں، ۷۳ پھر جو کوئی ایمان لے آئے

وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور وہ اپنی اصلاح کر لے تو ایسے لوگوں پر (آخرت میں) نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے ۷۴

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا

اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ان کو پہنچ کر رہے گا وہ عذاب ان کی ان نافرمانیوں کی پاداش میں

۷۳ **پیغمبروں کا کام اِنذار وتبشیر اور بس:** -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو ہم صرف اسی لیے بھیجتے ہیں کہ وہ لوگوں کو خوشخبری دیں اور ان کو خبردار کریں۔ یعنی ان کا کام تو صرف اتنا ہے کہ حق قبول کرنے والوں کو حقیقی سعادت اور دائمی کامیابی کی خوشخبری سنا دیں۔ اور اس سے منہ موڑنے والوں کو اس کے برے انجام سے ڈرائیں اور خبردار کریں۔ باقی اس سے آگے نافرمانوں پر عذاب لے آنا یا ان کی نت نئی فرمائشوں کو پورا کرنا نہ تو ان کی ذمہ داری ہے اور نہ ہی ان کے بس اور اختیار میں۔ پس جو لوگ حضراتِ انبیائے کرام سے ایسے سوالات کرتے یا اس طرح کی توقعات رکھتے ہیں وہ ان کی اپنی قلب ونظر کی خرابی اور مت ماری کا نتیجہ ہے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- بہرکیف اس اِرشاد سے رسولوں کی بعثت کے اصل مقصد کو واضح فرما دیا گیا اور بتا دیا گیا کہ ان کا کام عذاب کی نشانیاں دکھانا یا عذاب کو لے آنا یا خوارق وعجائب کی نمائش کرنا نہیں ہوتا۔ جس طرح کہ ان کے منکرین اور مخالفین نے سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ ان کو خداوندِ قدوس کی بے پایاں رحمت وعنایت کی خوشخبری دینے والا اور جھٹلانے والوں کے لئے عذاب سے خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ سو ان کا کام اِنذار وتبشیر ہوتا ہے اور بس۔

۷۴ **ایمان والوں کے لیے ایک عظیم الشان انعام کی خوشخبری:** -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ایمانِ صادق رکھنے والوں کیلئے ایک عظیم الشان اِنعام کی خوشخبری ہے کہ ان کو نہ کوئی خوف ہوگا نہ غم۔ یعنی نہ اسکو اپنے ماضی پر کوئی غم ہوگا اور نہ مستقبل کا کوئی خوف۔ امن وسکون کی اس اَنمول دولت کا کامل تحقق اگرچہ آخرت کی اس حقیقی، دائمی اور ابدی زندگی میں ہوگا، لیکن اللہ والے یہ خوش نصیب لوگ سکون واطمینان کی اس متاعِ گرانمایہ سے اس دنیا میں بھی بڑی حد تک شادکام وسرفراز ہوتے ہیں۔ سو ایمانِ صادق اور یقینِ کامل رکھنے والوں کیلئے یہ ایک عظیم الشان انعام ہے جس سے ان کو حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کی طرف سے نوازا جائے گا۔ سو اس سے حضراتِ انبیاء ورسل کی شانِ تبشیر کو واضح فرما دیا گیا کہ ان کا کام ایسے خوش نصیبوں کو خوشخبری دینا ہوتا ہے جو ایمان ویقین اور صلاح واِصلاح کی دولت سے سرشار ومالا مال ہوتے ہیں کہ ان کے لئے دارین کی سعادت وسرخروئی کا سامان ہے کہ دنیا میں ان کو حیاتِ طیبہ [پاکیزہ زندگی] کی سعادت نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں ان کے لئے جنت کی سدا بہار نعمتیں اور وہاں کی نعیمِ مقیم سے سرفرازی ہوگی -وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ-

یَفۡسُقُوۡنَ ﴿۴۹﴾ قُلۡ لَّاۤ اَقُوۡلُ لَکُمۡ عِنۡدِیۡ خَزَآئِنُ اللّٰہِ

جو کہ وہ کرتے رہے تھے ۷۵ (ان سے) کہو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، ۷۶

وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ وَلَاۤ اَقُوۡلُ لَکُمۡ اِنِّیۡ مَلَکٌ ۚ اِنۡ

اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں، ۷۷ اور نہ ہی میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں، ۷۸ میں تو

اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ؕ قُلۡ ہَلۡ یَسۡتَوِی الۡاَعۡمٰی

صرف پیروی کرتا ہوں اس وحی کی جو میری طرف بھیجی جاتی ہے، ۷۹ (ان سے) کہو کیا برابر ہو سکتے ہیں اندھا ۸۰

۷۵ مکذبین کے لیے ہولناک عذاب - والعیاذ باللہ: - سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ تکذیب آیات کے مجرموں کو وہ ہولناک عذاب پہنچ کر رہے گا جس کو یہ جھٹلا رہے ہیں اور جو ان کے کرتوتوں کی بناء پر ان کے لئے مقدر ہو چکا ہے۔ لیکن کب اور کس شکل میں؟ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ بہر کیف ایسے لوگوں کو ان کے اس جرم کی سزا اس دنیا میں بھی ملے گی لیکن اس کی اصل اور پوری سزا ان کو آخرت میں ملے گی جہاں کی سزا اصل اور حقیقی سزا ہو گی اور جہاں انسان کو اسکے زندگی بھر کے کیے کرائے کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ اور جہاں کا عذاب بڑا ہی سخت ہو گا - والعیاذ باللہ - بہر کیف اللہ پاک کی آیتوں کی تکذیب کا جرم بڑا ہی سنگین جرم ہے اور اسکی سزا بہت سخت ہو گی - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اور ایسے لوگوں کو یہ عذاب ان کے اس فسق و فجور اور بدکاری کی بناء پر ہو گا جس کا ارتکاب ایسے لوگ اپنی زندگی میں کرتے رہے تھے، جیسا کہ - ﴿بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ﴾ - سے اس کی تصریح فرما دی گئی۔ سو اس سے ایک طرف تو اس حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ پیغمبر خداوند قدوس کی رحمت کا مظہر ہوتے ہیں۔ عذاب ان کی بعثت کے مقاصد سے نہیں ہوتا بلکہ یہ لوگوں کی تکذیب کے لوازم اور نتائج میں سے ہوتا ہے۔ اور دوسری بات اس سے یہ واضح فرما دی گئی کہ لوگوں کو پیغمبروں سے اسی چیز کا مطالبہ کرنا چاہئے جس کے لئے ان کو مبعوث کیا گیا ہوتا ہے۔ یعنی ایمان و عملِ صالح کی ہدایت و راہنمائی۔ نہ کہ عذاب کو لانے اور معجزات و خوارق کو پیش کرنے سے متعلق کہ یہ چیز نہ تو رسولوں کے خصائص میں سے ہوتی ہے اور نہ ہی اس کا تعلق ان کی تعلیم و تلقین اور دعوت و ارشاد سے ہوتا ہے۔ ایسے خوارق کا ظہور اگر ہوتا ہے تو محض اتمامِ حجت کے طور پر ہوتا ہے۔ نیز اس ارشاد میں رسول کے لئے بھی یہ پیغام تسلیہ و تسکین ہے کہ وہ اپنا تعلق اپنے مقاصد بعثت سے رکھے۔ یعنی انذار و تبشیر سے۔ اور جو باتیں ان کے فرائض اور ان کے مقاصدِ بعثت سے غیر متعلق ہیں ان کو خدا پر چھوڑ دے۔ ان کے لئے بلاوجہ پریشان نہ ہو۔ اور ایسے ہٹ دھرم لوگوں سے منہ موڑے - ﴿فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا﴾ - (النجم: ۲۹)۔

۷۶ پیغمبر کا اعلان کہ میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں: - سو پیغمبر کو حکم و ارشاد فرمایا گیا کہ آپ ان لوگوں سے کہو کہ میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں کہ میں تمہاری خواہشیں اور فرمائشیں پوری کر سکوں۔ بلکہ یہ تو اللہ ہی کے اختیار

میں ہے۔ وہ جس کو چاہے اور جب اور جتنا چاہے عطا فرمائے۔ میں نے اس طرح کا کوئی دعویٰ کیا ہی کب ہے کہ تم لوگ خدائی اختیار سے تعلق رکھنے والے اس طرح کے امور کا مجھ سے مطالبہ کرو۔ میرا کہنا تو صرف یہ ہے کہ میں اس کا ایک بندہ ہوں جسے اس نے اپنی پیغام رسانی کے لئے چنا ہے اور مجھ پر وحی نازل فرمائی ہے۔ اور میرا کام اسی وحی کی پیروی کرنا ہے اور بس۔ ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ﴾۔ سو پیغمبر نے اس حقیقت کا صاف اور صریح طور پر اعلان فرما دیا کہ اللہ کے خزانے میرے پاس نہیں اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں۔ اور اللہ پاک نے۔ ﴿قُلْ﴾۔ "کہو" کے حکم و ارشاد سے آپ کو اس طرح یہ اعلان کرنے کی ہدایت فرمائی۔ جس سے یہ حقیقت پوری طرح واضح اور آشکارا ہو جاتی ہے کہ اللہ کے خزانے اسی کے پاس ہیں۔ وہی سب کو دیتا اور تقسیم فرماتا ہے اور اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق جسکو جتنا اور جب چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ آسمان و زمین کی ہر چیز اور تمام مخلوق اسی کی محتاج اور اسی کے در کی سوالی ہے۔ اور وہی وحدہٗ لاشریک سب کو سب کچھ دیتا اور ہر سوالی اور محتاج کی حاجت روائی فرماتا ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ جیسا کہ دوسرے مختلف مقامات پر اس کو طرح طرح سے واضح فرمایا گیا ہے۔ سو کتنے بھٹکے اور گمراہ ہیں وہ لوگ جو اس وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر جو کہ سب خزانوں کا مالک و مختار ہے طرح طرح کی عاجز اور بے بس مخلوق سے مانگتے اور ان کے آگے دستِ سوال دراز کرتے ہیں۔ اور اس طرح اپنی تذلیل کا سامان خود کرتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف اس ارشاد سے پیغمبر کی زبانی اس باب میں آخری اور فیصلہ کن اعلان کروا دیا گیا ہے کہ تم لوگوں کو اگر مجھ سے بحث کرنی ہے تو اس چیز کے بارے میں کرو جو میں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ جو میرا منصب و مقام اور میری ذمہ داری ہے۔ اور جس کا میں داعی اور مبلغ ہوں۔ اس کو چھوڑ کر تم لوگ آخر ان چیزوں کے بارے میں مجھ سے کیوں جھگڑتے اور الجھتے ہو جن کے بارے میں میں نے کبھی کوئی دعویٰ سرے سے کیا ہی نہیں اگر میرے پاس کوئی خزانے ہیں تو آخر میں نے تم لوگوں سے کب کہا تھا کہ میرے پاس خزانے نہیں ہیں۔ جو تم لوگ مجھ سے اس طرح کے لایعنی سوالات کرو؟ میرا کام تو صرف انذار اور تبشیر ہے کہ اگر تم لوگ صدقِ دل سے ایمان لاؤ گے تو تمہارے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کی خوشخبری ہے۔ اور اگر تم انکار و اعراض سے کام لو گے تو تمہیں بڑا ہی ہولناک انجام پیش آئے گا اور تم کو بڑا ہی سخت خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ والعیاذ باللہ العظیم سو عقل و نقل کا تقاضا یہ ہے کہ تم لوگ حق و ہدایت کی اس دعوت پر کان دھرو اور اس کی طرف توجہ دو جو میں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں، اور تم اپنے اس حتمی اور ہولناک انجام کے بارے میں سوچو اور غور کرو جس کی طرف تم لوگ بڑھے چلے جا رہے ہو اور اپنی اصلاح کر لو تاکہ خود تمہارا بھلا ہو دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس ابدی جہاں میں بھی۔

۷۷ پیغمبر عالمِ غیب نہیں ہوتے:- سو صاف اور صریح طور پر پیغمبر سے اس حقیقت کا اعلان کروایا گیا کہ "میں غیب نہیں جانتا"۔ ﴿لَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ﴾۔ کہ تم لوگ مجھ سے غیب کے بارے میں سوال کرو۔ علمِ غیب تو خاصہ خداوندی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے۔ ﴿قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ﴾۔ (النمل: ٦٥) "کہو کہ زمین و آسمان کی اس پوری کائنات میں کوئی بھی نہیں جو غیب جانتا ہو سوائے ایک اللہ تعالیٰ کے"۔ اہلِ بدعت علمِ غیب کے اپنے شرکیہ عقیدے کو ایسی صاف و صریح آیاتِ کریمہ اور نصوصِ مطہرہ کی زد سے بچانے کے لئے ان میں طرح طرح کی تحریفات اور تلبیسات سے کام لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ لوگ ایسی آیاتِ کریمہ کے ترجمے میں بھی اپنے اس طرزِ عمل سے نہیں

چوکتے۔ چنانچہ ان کے بعض بڑوں نے اس آیتِ کریمہ میں وارد اس اِرشادِ ربانی۔﴿ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ﴾۔ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں" حالانکہ عربی کا ایک عام طالبِ علم بھی جانتا ہے کہ "لَآ اَعْلَمُ" واحد متکلم مضارع منفی کا صیغہ ہے جس کا سیدھا سادا اور صاف معنیٰ ومطلب اور ترجمہ یہ ہے کہ "میں نہیں جانتا" اور "نہیں جان سکتا"۔ اور اس میں ذاتی وغیر ذاتی کی کوئی تمیز وتفریق نہیں۔ اور جب کسی انسان کا وجود ہی ذاتی نہیں تو پھر اس سے کسی ذاتی صفت کے نفی کرنے کا آخر سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے؟ جو بھی صفت منفی ہوگی وہ عطائی ہی ہوگی۔ اور جب آنحضرت ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ کا تو وجودِ مبارک ہی بذاتِ خود عطا وبخششِ خداوندی ہے تو پھر اس میں کسی ذاتی صفت اور اس کی نفی کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے؟ کیا کبھی آپؐ نے اپنے وجودِ مبارک کی بھی اس معنیٰ کے اعتبار سے نفی فرمائی ہے جو کہ اہلِ بدعت اپنی تحریفانہ ذہنیت سے لیتے ہیں۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو پھر عقیدۂ علمِ غیب کی نفی میں اس تاویل کی آخر کیا گنجائش ہوسکتی ہے؟ نیز جس طرح اہلِ بدعت۔﴿ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾۔ جیسی صاف اور صریح آیات کا یہ مطلب لیتے اور اس طرح کی تاویل وتحریف کرتے ہیں اگر اسی طرح کی منطق کوئی شخص کلمۂ توحید "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" میں چلانے لگے، اور وہ انہی کی اس زبان ومنطق میں یوں کہنے لگے کہ کلمۂ طیبہ میں تو دراصل ذاتی الوہیت کی نفی ہے نہ کہ عطائی کی۔ اور اس بناء پر وہ عطائی الوہیت کا دعویٰ کرنے لگے کہ "لا" اور "اِلَّا" کے جو کلماتِ نفی وحصر کے مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کے اندر موجود ہیں، بعینھا وہی کلمۂ طیبہ میں بھی ہیں۔ تو اس منطق کے موجد یہ اہلِ بدعت ایسے شخص کی اس کفریہ منطق کا آخر کیا جواب دیں گے؟ اور پھر وجود اور علم ہی پر کیا موقوف ہے، آنحضرت ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ کی تو دراصل ہر چیز ہی عطائی تھی۔ آپؐ کی نبوت ورسالت، وحی وکلام، فضل وکمال، سب کچھ عطا ہی عطا تھا۔ مگر ان میں سے کسی کی بھی کبھی آپؐ نے نفی نہیں فرمائی۔ پس معلوم ہوا کہ علمِ غیب کی نفی ذاتی ہونے کے اعتبار سے نہیں بلکہ مطلقاً ہے۔ اور اہلِ بدعت کی یہ منطق بے کار سخن سازی اور مغالطہ آمیزی کے سوا کچھ نہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اسی طرح اس موقع پر ان کے ایک اور صاحب کا اپنے تفسیری [بلکہ تحریفی] حواشی میں یہ کہنا کہ اس میں علمِ غیب کی نفی نہیں بلکہ دعوائے علمِ غیب کی نفی ہے بھی محض ایک مغالطہ آمیزی ہے کہ اول تو یہاں دعوے کا کوئی لفظ سرے سے ہے ہی نہیں۔ بلکہ سیدھے، سادے اور صاف وصریح لفظوں میں فرمایا گیا ہے۔﴿ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ﴾۔ کہ "میں غیب نہیں جانتا"۔ دوسرے یہ بات سرے سے پیغمبر کی شانِ اقدس کے لائق ہی نہیں کہ حقیقت کچھ اور ہو اور پیغمبر بتائے کچھ اور۔ بلکہ اس کا تو کام ہی پیروی کرنا ہوتا ہے اس وحی کی جو ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے آتی ہے اور بس۔ جیسا کہ ارشادِ قرآنی ہے۔﴿ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ﴾۔ "میرا کام تو صرف اِتباع اور پیروی کرنا ہے اس وحی کی جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔" اور پیغمبر جو کچھ فرماتا ہے وہ محض وحی ہوتی ہے۔ اس میں اپنی خواہشِ نفس کی کوئی بات ہوتی ہی نہیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا۔﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾۔ سو پیغمبر جو کچھ فرماتا ہے وہ امرِ واقع اور حقیقتِ نفس الامری کے اعتبار سے ہی ہوتا ہے نہ کہ محض کسرِ نفسی اور ظاہر کے اعتبار سے۔ یا دعویٰ اور اِدعاء کرنے کے طور پر۔ جیسا کہ اہلِ بدعت کے تحریف پسندوں کا کہنا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ ہر زیغ وضلال سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۴۸ پیغمبر کوئی فرشتہ یا نوری مخلوق نہیں ہوتا:۔ سو صاف اور صریح طور پر پیغمبر کی زبان سے اعلان کروایا گیا

کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں کوئی فرشتہ ہوں - ﴿وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ﴾ - جو تم مجھ پر یہ اعتراض کرو کہ یہ کیسا پیغمبر ہے جو کھاتا پیتا اور بال بچوں والا ہے وغیرہ۔ میں نے آخر ایسی کسی مَلَکیت اور اپنے نوری ہونے کا ایسا کوئی دعوٰی کیا ہی کب ہے جو تم مجھے اس طرح کا الزام دے سکو؟ یا مجھ پر ایسے اعتراضات کر سکو؟ سو اس سے اہلِ بدعت کے عقیدۂ نور کی جڑ بھی کٹ جاتی ہے - والحمد للہ - سو پیغمبر کو اُلوہیت اور مَلَکیت دونوں کے اِدعاء سے براءت کے اِعلان کا حکم فرمایا گیا کہ نہ میں نے کبھی الوہیت کے کسی شائبے تک کا اپنے لیے کوئی دعوٰی کیا اور نہ کسی مَلَکیت کا۔ بلکہ میں تو صرف انسان ہوں جس کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ رسالت سے مشرف فرمایا ہے۔ (محاسن التاویل اور مراغی وغیرہ)۔ میرا کام اور میری شان تو صرف تبلیغِ حق ہے اور اس وحی کی پیروی کرنا جو میرے رب نے میری طرف بھیجی ہے اور بس۔ کوئی خدائی صفت نہ میرے اندر پائے جانے کا کوئی سوال ہے اور نہ ہی میں نے اس طرح کا کبھی کوئی دعوٰی کیا۔ اور بشر کی ہدایت کے لیے بشر ہی کا رسول ہونا تقاضائے عقل و نقل ہے۔

۷۹ پیغمبر کا اصل کام وحیِ خداوندی کی اِتباع ہوتا ہے: - سو صاف و صریح طور پر اور حصر و قصر کے کلمات کے ساتھ پیغمبر سے اس حقیقت کا اِظہار و اِعلان کرایا گیا کہ میرا کام تو صرف اِتباع اور پیروی کرنا ہے اُس وحی کی جو میری طرف بھیجی جاتی ہے - ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَیَّ﴾ - یعنی اس وحی کی پیروی جو میری طرف بھیجی جاتی ہے میرے رب کی طرف سے۔ پس نہ میں اپنی طرف سے کچھ کہتا ہوں اور نہ ہی مجھے اس بات کا کوئی اختیار ہے کہ اپنی طرف سے کچھ کہوں۔ بلکہ میرا کام تو صرف اِتباع اور پیروی کرنا ہے اس پیغامِ حق کی جو کہ میرے رب کی جانب سے بذریعہ وحی مجھے ملتا ہے اور بس۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر کبھی تواضع اور انکساری کی بناء پر بھی ایسی کوئی بات نہیں کہتا جو کہ حق اور حقیقت کے خلاف ہو۔ پس اہلِ بدعت کا یہ کہنا کہ آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے - ﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ - جیسے اِرشادات محض بطورِ تواضع فرمائے تھے وغیرہ محض ان لوگوں کی اپنی خانہ ساز منطق ہے جس کی نہ کوئی اصل ہے نہ اساس - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۸۰ نورِ حق و ہدایت سے محروم انسان اندھا ہوتا ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا باہم برابر ہو سکتے ہیں اندھا اور آنکھوں والا؟۔ سو جس نے نورِ حق و ہدایت سے اپنی آنکھوں کو بند کر رکھا ہو وہ اندھا ہے اگرچہ دنیاوی اعتبار سے اس کی نگاہ کتنی ہی تیز کیوں نہ ہو۔ اس کے نتیجے میں وہ توحید و شرک، حق و باطل اور صفاتِ خالق و مخلوق کے درمیان فرق نہیں کر سکتا۔ اور اس طرح وہ اندھیروں میں ڈوبا رہتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو جس طرح ظاہری اور حِسّی راستہ دیکھنے کے لئے دو روشنیوں کی ضرورت ہوتی ہے، یعنی ایک آنکھوں کی روشنی جو انسان کے اپنے وجود کے اندر ہوتی ہے اور ایک باہر کی روشنی جیسے سورج چاند اور بجلی وغیرہ کی روشنی۔ اگر ان دونوں میں سے ایک بھی مفقود ہو تو انسان ظاہری اور حِسّی راستہ نہیں دیکھ سکتا۔ اور اس کے نشیب و فراز سے واقف و آگاہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح حق و ہدایت کا معنوی راستہ دیکھنے کے لئے بھی اس کو دو روشنیوں کی ضرورت ہے۔ ایک عقل و خرد کی وہ معنوی روشنی جو انسان کے اپنے وجود کے اندر ہوتی ہے اور دوسری وحی کی وہ عظیم الشان روشنی جو اس کو حضراتِ انبیاء و رسل کے ذریعے ملتی ہے۔ سو جو لوگ نورِ وحی سے محروم ہوتے ہیں اور وہ اس سے منہ موڑتے ہیں وہ اندھے اور اندھیروں میں بھٹکنے والے لوگ ہوتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

وَ الْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۟ؒ وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ ۵۰

اور آنکھوں والا؟ تو کیا تم لوگ (اتنا بھی) نہیں سوچتے ۸۱ اور خبردار کرتے رہو اس (کتابِ حق) کے ذریعے ان لوگوں کو

يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ

جو ڈرتے ہیں اس بات سے کہ ان کو اکٹھا کر کے لایا جائے گا ان کے رب کے حضور اس حال میں کہ اس کے سوا ان کا

دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۟ وَلَا ۵۱

نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ سفارشی، ۸۲ تا کہ یہ بچ جائیں ۸۳ اور

تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ

دور نہیں کرنا اپنی مجلس سے ان (بندگانِ صدق وصفا) کو جو صبح وشام پکارتے ہیں اپنے رب کو

يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ

اس کی رضا چاہتے ہوئے، ۸۴ آپ کے ذمے ان کا کوئی حساب

۸۱ منکرین کے قلب وضمیر پر ایک دستک: سو منکرین کے قلب وضمیر پر دستک کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے؟۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ نورِ حق وہدایت کی دولت سے بہرہ ور انسان ہی آنکھوں والا ہوتا ہے۔ جو اس فرق وامتیاز کو جانتا مانتا ہے۔ یعنی جس طرح اندھا اور دیکھنے والا آپس میں برابر نہیں ہوسکتے اسی طرح حق وباطل کے یہ دونوں علمبردار بھی آپس میں کبھی برابر نہیں ہوسکتے۔ نہ حال کے اعتبار سے اور نہ انجام ومآل کے اعتبار سے۔ کہ نورِ حق وہدایت کی دولت سے بہرہ مند انسان آنکھوں والا اور صحیح فکر وبصیرت رکھنے والا سلیم الفطرت انسان ہوتا ہے۔ جبکہ اس سے محروم انسان اندھا، بہرہ اور اوندھا ہوتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے پوچھو کہ کیا اندھے اور بینا باہم برابر ہوسکتے ہیں؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر مومن وکافر اور موحّد ومشرک باہم برابر کس طرح ہوسکتے ہیں؟ سو مؤمن وموحد آنکھیں کھول کر راہِ حق وصواب پر چلتا ہے، جبکہ کافر ومشرک نورِ حق وہدایت سے منہ موڑ کر اندھا اور اوندھا بن کر اپنے منہ کے بل چلتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا۔ ﴿اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾۔ (الملک: ۲۲)۔

۸۲ منکرین کے لیے قیامت کے روز نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ سفارشی: سو اس واضح فرما دیا گیا کہ قیامت کے روز منکرین کے لیے اللہ کے اذن کے بغیر نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ سفارشی۔ جو بغیر اس کے اِذن کے ان کے حق میں کوئی سفارش کر سکے۔ اور ان کو ان کے برے انجام سے بچا سکے۔ سو آخرت کے حساب اور وہاں کے اس یومِ عظیم کی بازپرس کا اِحساس ویقین ہی انسان کی اصلاح کیلئے اصل اساس وبنیاد ہے کہ اسکے بغیر انسان لاابالی اور لاپروا بن

کر رہ جاتا ہے۔ اور وہ حق وہدایت کے پیغام پر کان دھرنے کو تیار ہی نہیں ہوتا۔ یا کچھ جھوٹے سہاروں اور اپنے ساختہ پرداختہ بے بنیاد مفروضوں کی بناء پر لاپروا اور بے فکر ہوجاتا ہے۔ اس لیے قرآنِ حکیم جا بجا اور طرح طرح سے سمجھاتا اور بتاتا ہے کہ اس دن کوئی کسی کے کچھ کام نہیں آسکے گا اور معاملہ سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت واختیار میں ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا گیا۔ ﴿یَوْمَ لَا تَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا ، وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ﴾ ۔ (الانفطار: ۱۹)۔

۸۳ تقوٰی و پرہیزگاری ذریعہء فوز وفلاح:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ لوگوں کو خبردار کرتے رہو اس کتاب حق کے ذریعے تاکہ وہ بچ سکیں یعنی تاکہ وہ بچ سکیں اپنے ہولناک انجام اور دوزخ کی دہکتی بھڑکتی اس خوفناک آگ سے۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ تقوٰی و پرہیزگاری ذریعہء فوز وفلاح اور خوفِ خداوندی دارَین کی سعادت وسرخروئی کا کفیل وضامن ہے۔ پس جو بچیں گے کفر وبغاوت کی راہ اور ظلم ومعصیت کی روش سے وہ اس کے نتیجہ وانجام میں بچ سکیں گے۔ دوزخ کی اس ہولناک آگ اور خوفناک عذاب سے، جو باغی وسرکش اور ظالم لوگوں کو بھگتنا ہوگا ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم ۔ سو اللہ تعالیٰ کا خوف اور اسکی ناراضگی سے بچنے کی فکر ایسا اہم اور بنیادی مقصد ہے جو دارَین کی سعادت وسرخروئی کا کفیل وضامن ہے۔ پس جو بھی تقوٰی وطہارت اور خوف وخشیتِ خداوندی کی اس راہ کو اپنائے گا وہ اس یوم عظیم کی گرفت وپکڑ اور اس کے عذابِ الیم سے بچ سکے گا۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو۔ اور جو تقوٰی وپرہیزگاری کی اس راہ وروش سے دور ونفور اور محروم ہوگا وہ بہرحال محروم اور خائب وخاسر ہوگا ۔ والعیاذ باللہ ۔ اس کو اس کے مزعومہ شرکاء وشفعاء میں سے کوئی بھی اس روز کی گرفت وپکڑ سے نہیں بچا سکے گا۔ اور ان کے سب مفروضے "هَبَآءً مَّنْثُوْرًا" ہوجائیں گے۔

۸۴ اصل چیز ایمان واخلاص ہے:۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اصل قدر وقیمت ایمان ویقین اور صدق واخلاص کی ہے۔ اس لیے پیغمبر کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا گیا۔ پس آپ ایسے بندگانِ صدق وصفا کو اپنی مجلس سے دور نہیں کرنا جیسا کہ پیشوایانِ کفر وباطل کا مطالبہ ہے کہ چونکہ اِن فقراء ومساکین کے ساتھ مل بیٹھنا ہماری توہین ہے، لہٰذا ہمارے آنے پر ان کو اپنی مجلس سے ہٹادیا کرو۔ تاکہ ہم آپ کے پاس بیٹھ کر وہ پیغام سن سکیں جو آپ ہمیں سنانا چاہتے ہیں۔ سو آپ اے پیغمبر! کہیں اپنی بے مثل رحمت وشفقت کی بناء پر ان لوگوں کی ہمدردی میں ان کی یہ بات ماننے کے لئے آمادہ نہ ہوجانا۔ اور آپ ایسے ہرگز نہیں کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اصل قدر وقیمت اُس صدق واخلاص کی ہے جس سے یہ فقراء وصعالیک مالامال ہیں۔ نہ کہ اس دنیا ودولت کی جس کا گھمنڈان سردارانِ قریش اور متکبر لوگوں کو ہے۔ سو اس آیت کریمہ سے جہاں دنیادار کھڑپنچوں کی متکبرانہ ذہنیت کا پتہ چلتا ہے، وہیں یہ حقیقت بھی آشکارا ہوجاتی ہے کہ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اہلِ بدعت کا کہنا ہے۔ بلکہ وہ اُن حدود وقیود کا پوری طرح پابند ہوتا ہے جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے مقرر کی جاتی ہیں۔ سو اس سے اہلِ بدعت کے اختیارِ کلی کے شرکیہ عقیدے کی جڑ کٹ جاتی ہے ۔ والحمد للہ تعالیٰ ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم ۔ بہرکیف اس ارشاد سے پیغمبر کو ہدایت فرمائی گئی کہ کہیں آپ اِن صنادیدِ کفر وباطل کے کہنے میں آکر اِن صعالیک صحابہ کو اپنے سے دور نہ کرلینا جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ اور وہ اسی کی رضاء کے طالب ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جس صدق واخلاص کی قدر وقیمت ہے وہ انہی بندگانِ صدق وصفا کے پاس ہے۔ جبکہ صنادید قریش اپنے کبر وغرور کے باعث ہر خیر سے محروم ہیں ۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔ سو کبر وغرور باعثِ ہلاکت ومحرومی اور ایمان ویقین اور صدقِ اخلاص وسیلۂ نجات اور ذریعہء فوز وفلاح ہے ۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

شَیْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَیْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ

نہیں، اور نہ ہی آپ کا کوئی حساب ان کے ذمے ہے، پھر آپ ان کو دور کر کے

فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ

ظالموں میں سے ہو جائیں، ۸۵ اور ہم نے اسی طرح (کچھ کو امیر اور کچھ کو غریب بنا کر) ان میں سے

بِبَعْضٍ لِّیَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنْ

بعض کو بعض کے لئے آزمائش کا سامان بنا دیا ہے، ۸۶ تاکہ وہ (یعنی کافر و نافرمان مالدار، غریب و نادار اہل ایمان

بَیْنِنَا ؕ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ

نیکو کاروں کے لئے) یوں کہیں کہ کیا یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے فضل کرنا تھا ہمارے درمیان میں سے؟ ۸۷ کیا اللہ اچھی

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ كَتَبَ

طرح نہیں جانتا شکر گزاروں کو؟ اور جب آئیں آپ کے پاس (اے پیغمبر) وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیتوں

۸۵ اہلِ کفر و باطل کی تحقیر و تذلیل کا ایک خاص اُسلوب: -سو یہاں پر خطاب اگرچہ بظاہر آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- سے ہے کہ وحیِ خداوندی کے اولین مخاطب بہرحال آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- ہی ہیں۔ لیکن روئے سخن دراصل اُن متکبر کفار و مشرکین کی طرف ہے جو آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- سے اس طرح کے ظالمانہ اور بے انصاف مطالبات کر رہے تھے۔ اور اس اندازِ تخاطب میں بلاغت کا یہ اہم اور بلیغ اسلوب کارفرما ہے کہ یہ لوگ اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے براہِ راست کلام کیا جائے۔ سو اس سے اہلِ کفر و باطل کی تحقیر و تذلیل آشکارا ہو جاتی ہے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ- سو یہ لوگ اپنے طور پر اور اپنے زعم اور گھمنڈ میں اگرچہ بہت کچھ بنے ہوئے ہیں اور اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتے ہیں لیکن اپنے کفر و باطل کی بنا پر یہ اس قابل بھی نہیں کہ ان سے براہِ راست بات کی جائے۔ کہ یہ کفر و شرک کی غلاظت کے بورے ہیں -والعیاذ باللہ العظیم-

۸۶ ہر ایک دوسرے کے لیے ذریعۂ ابتلاء و آزمائش: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے اسی طرح ان میں سے بعض کو بعض کے لیے فتنے اور آزمائش کا ذریعہ اور سامان بنایا ہے۔ سو اس ارشاد سے اس اہم اور بنیادی حقیقت کو ظاہر اور واضح فرما دیا گیا کہ امیر و غریب میں سے ہر ایک دوسرے کیلئے اِبتلاء و آزمائش کا ذریعہ ہے۔ پس نہ تو دنیا کا ملنا کسی کی مقبولیت کی دلیل بن سکتا ہے اور نہ اس سے تہی دست ہونا محرومی کی

علامت۔ بلکہ یہ سب کچھ اِبتلاء و آزمائش جیسی اُن دوسری مختلف حکمتوں پر مبنی ہوتا ہے جن کا اِحاطہ وہی وحدہٗ لاشریک کرسکتا ہے۔ تاکہ اس طرح ظاہر ہو جائے کہ دنیادار اپنی اس دنیا و دولت پر شکرگزار بنتا ہے یا ناشکرا۔ اور غریب اپنی غربت و مفلسی پر صبر کرتا ہے یا بے صبری سے کام لیتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو اس اِرشاد سے اللہ تعالیٰ کی ایک اور سنت کو بیان فرمایا گیا ہے جو اُس کی اِس کائنات میں کارفرما ہے۔ سو اِرشاد فرمایا کہ ہم نے دنیا میں کسی کو جو دولت دی ہے تو اس لئے نہیں کہ وہ اس کا حقدار تھا۔ اور جس کو غربت دی وہ بھی اس بناء پر نہیں کہ وہ اس کا حقدار تھا۔ بلکہ ایک کو دولت دے کر اور ایک کو غریب رکھ کر اصل میں ہم نے دونوں کو آزمائش میں ڈالا ہے۔ سو اس طرح ہم نے ان کو دنیا دے کر آزمائش میں ڈالا ہے کہ یہ ہمارے شکرگزار بندے بنیں مگر وہ اپنی کج فہمی کے باعث یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ سب کچھ ہمارا حق ہے۔ اور اس طرح وہ اس دنیا کے ملنے پر بدمست ومغرور اور متکبر بن گئے۔ اور ان کی یہ کج فہمی یہاں تک پہنچ گئی کہ اب یہ لوگ یوں کہنے لگے کہ اسلام اگر کوئی فضیلت کی چیز ہوتا تو یہ ہمیں چھوڑ کر اُن فقراء و مساکین کو کیوں ملتا؟ ایسے میں تو یہ ہمیں ملنا چاہئے تھا کہ اس کے حقدار تو ہم تھے وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس کی اس طرح تصریح فرمائی گئی ہے۔ ﴿ وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ کَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَیْهِ ﴾۔ الآیۃ (الاحقاف:۱۱)۔

۸۷ دنیاوی مال و دولت کا ایک بڑا خطرناک پہلو:۔ سو اس سے دنیاوی مال و دولت کا یہ بڑا خطرناک پہلو سامنے آتا ہے کہ اس کی بناء پر اہلِ کفر و باطل اپنے آپ کو حق پر اور اپنی روش کو درست اور صحیح سمجھنے لگتے ہیں۔ اور وہ حق کو ماننے اور قبول کرنے کے لیے آمادہ اور تیار نہیں ہوتے۔ اور اس طرح وہ حق وہدایت کی دولت سے مزید دور اور محروم ہوتے جاتے ہیں۔ سو اسی بنا پر اس موقع پر ان لوگوں کا یہ قول نقل فرمایا گیا ہے کہ ایسے لوگ غریب اور نادار اہلِ ایمان کے بارے میں تحقیر آمیز انداز میں کہتے ہیں کہ کیا یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے اس طرح کا فضل کرنا تھا۔؟ اور ہم جیسے بڑے بڑے رئیسوں اور دنیادار مالداروں کو چھوڑ کر ان جیسے فقراء و مساکین پر اِنعام واِحسان کرنا تھا؟ اور ان کو ایمان واسلام سے نوازنا تھا؟ یعنی ایسے نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿ لَوْ کَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَیْهِ ﴾۔ (الاحقاف:۱۱)۔ یعنی اگر یہ دین وایمان کوئی سچی صحیح اور اِنعام کی چیز ہوتی تو اسکو سب سے پہلے ہم اپناتے۔ کیونکہ ہم بڑے لوگ ہیں۔ اور جب دنیا ہم ہی لوگوں کو ملی ہوئی ہے تو راہِ حق وصواب پر بھی ہم ہی لوگ ہیں۔ سو دنیاوی مال و دولت کا یہ پہلو بڑا ہی خطرناک پہلو ہے کہ ابنائے دنیا اس کی بنا پر اپنے آپ کو حق پر سمجھنے لگتے ہیں جسکے باعث وہ حق سے مزید دور اور ہمیشہ کیلئے محروم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ

پر، تو (ان کی دلجوئی اور طیبِ خاطر کیلئے) آپ ان سے یوں کہیں ۸۸ کہ سلام ہو تم پر، لکھ دیا تمہارے رب نے (اپنے کرم

سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ

بے پایاں سے) اپنے اوپر رحمت فرمانا، ۸۹ کہ تم میں سے جس نے ارتکاب کر لیا کسی برائی کا جہالت کی بناء پر، پھر اس کے

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵۴ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ

بعد اس نے توبہ کر لی اور اصلاح کر لی، ۹۰ تو بلا شبہ وہ (رب کریم) بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے، ۹۱ اور اسی طرح

سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۵۵ ع قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ ع ۶/۱۲

تفصیل سے بیان کرتے ہیں ہم اپنی آیتوں کو (تا کہ حق کھل کر سامنے آ جائے) اور تا کہ واضح ہو جائے راستہ مجرم لوگوں کا، ۹۲

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَاۗءَكُمْ ۙ

کہو مجھے تو بہرحال اس سے روکا گیا ہے کہ میں ان کی بندگی کروں جنہیں تم لوگ (پوجتے) پکارتے ہو اللہ کے سوا، ۹۳ کہو کہ میں کبھی

۸۸ دولتِ ایمان و یقین کی عظمتِ شان کا ایک خاص نمونہ و مظہر: سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ جب آئیں آپ کے پاس وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں ہمارے آیتوں پر تو آپ [دلجوئی اور طیبِ خاطر کے لیے] ان سے یوں کہیں کہ سلام ہو تم پر۔ سبحان اللہ۔ کیسی عظیم الشان نعمت ہے یہ ایمان و یقین اور صدق و اخلاص کی نعمت، جس کی بناء پر اللہ پاک۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ اپنے پیغمبر کو ان بندگانِ صدق و صفا کے ساتھ ملاطفت کی اس طرح تعلیم فرما رہا ہے۔ اَللّٰهُمَّ زِدْنَا مِنْهُ وَثَبِّتْنَا عَلَيْهِ۔ سو ایمان و یقین اور صدق و اخلاص کی دولت دنیا جہاں کی دوسری تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ اور اسکے مقابلے میں دنیا کی دوسری تمام دولتیں اور نعمتیں ہیچ ہیں۔ بہرکیف مشرکینِ مکہ اور کفارِ قریش کے اس متکبرانہ مطالبے کے جواب میں اور اس کے علی الرغم پیغمبر کو اُن فقراء مؤمنین کے ساتھ لطف و عنایت اور رحمت و شفقت کا رویہ اپنانے کے لئے ہدایت فرمائی گئی۔ کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آئیں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تو آپ ان کے ساتھ لطف و کرم اور اِکرام و عنایت کا برتاؤ کریں۔ اور سلامتی و رحمت کی دعاء کے ساتھ ان کا خیر مقدم کریں۔ اور اِن کو یہ خوشخبری سنائیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے ضرور نوازیگا۔ سبحانہ و تعالیٰ۔

۸۹ ایمان و یقین کے بعد ہر حالت خیر ہی خیر بن جاتی ہے: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت فرمانا اپنے اوپر لکھ رکھا ہے ان کے ایمان و یقین اور صدق و اخلاص کی بناء پر۔ چنانچہ روایات میں وارد ہے کہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایسے حضرات کو پہلے سلام کرتے اور فرماتے کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے میری

امت میں ایسے لوگ رکھے ہیں جن کو سلام میں پہل کرنے کا اس نے مجھے حکم دیا۔ (القرطبی وغیرہ)۔ سو ایمان ویقین اور صدق و اخلاص کے ساتھ مل کر فقر و افلاس ایک اور عظیم الشان نعمت بن جاتی ہے جس کے قرآن وسنت کی تعلیماتِ مقدسہ میں مختلف قسم کے اور عظیم الشان فوائد وفضائل بیان فرمائے گئے ہیں۔ جن میں سے ایک عظیم الشان فائدہ یہ ہے کہ ایسے ایماندار فقراء دوسرے مال دار اہلِ ایمان سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ جیسا کہ حضرتِ ابو ہریرہ -رضی اللہ عنہ- کی حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ (ترمذی، کتاب الزھد)۔ سو ایمان ویقین ایسی عظیم الشان دولت اور بے مثال نعمت ہے کہ اسکے بعد ہر حالت خیر ہی خیر بن جاتی ہے کہ اس کے بعد دنیا ملے گی تو بھی خیر اور اگر نہیں ملے گی تو بھی خیر۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے- وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وعلی ما یحب ویرید- وھو الھادی الی سواء السبیل-

۹۰ توبہ واستغفار کا دروازہ ایک عظیم الشان دروازہ ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس نے برائی کے ارتکاب کے بعد توبہ کرلی اور اصلاح کرلی اس فساد و بگاڑ کی جس کا ارتکاب اس نے اپنی جہالت و بدعملی کی وجہ سے کرلیا تھا -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- اور یہ اس طرح کہ اس برائی کے بعد اس نے ایسے نیک اعمال کئے کہ اس کا داغ دھل گیا۔ جیسا کہ نبیٔ اکرم -صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرمایا- ''اَتْبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُھَا'' -یعنی ''برائی ہو جائے تو اس کے بعد اچھائی کر لیا کرو تاکہ وہ اس برائی کے اثر ونشان کو مٹا دے'' جسکی سب سے بڑی اور اہم صورت توبہ واستغفار ہے کہ اس سے برائی کے داغ دھبے دھل جاتے ہیں۔ اور ایسے کہ سچی توبہ سے اس برائی کا نام ونشان تک مٹ جاتا ہے۔ سو توبہ واستغفار کا دروازہ ایک عظیم الشان دروازہ ہے جو قدرت نے اپنی رحمت وعنایت سے اپنے بندوں کیلئے کھولا ہے- فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ- اللہ اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشے- آمین ثم آمین یارب العالمین-

۹۱ اللہ تعالیٰ کی صفت بخشش و رحمت کا حوالہ و ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اللہ بڑا ہی غفور و رحیم ہے۔ اتنا بڑا کہ نہ اسکی مغفرت وبخشش کا کوئی کنارہ ہے اور نہ اسکی رحمت وعنایت کی کوئی انتہاء -سبحانہٗ وتعالیٰ- پس بندے کیلئے صحت وسلامتی کی راہ یہ ہے کہ وہ اپنے اُس خدائے غفور و رحیم سے اپنا تعلق درست رکھے- وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق - بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جس نے کسی برائی کا ارتکاب کر لینے کے بعد سچی توبہ کرلی اور اپنے فساد و بگاڑ کی اصلاح کر کے اپنا معاملہ درست کرلیا اس کا کام بن گیا۔ اور اس کا معاملہ صحیح اور درست ہوگیا۔ یہاں پر یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ ایسے لوگوں کے لئے جو بشارت دی گئی ہے وہ صرف رحمت ومغفرت کی بشارت ہے۔ اس کے ساتھ کسی دنیاوی مال وجاہ کا کوئی لوث نہیں۔ سو اس سے اِن بندگانِ صدق وصفا کے باطن کی کیفیت بھی آشکار ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ دنیاوی سرو سامان سے محروم ہونے کے باوجود دنیا کا کوئی ارمان نہیں رکھتے تھے۔ اِن کے اندر اگر طلب اور لگن تھی تو اس بات کی تھی کہ اپنے رب کی رضاء وخوشنودی حاصل ہو جائے - عَلَیْھِمُ الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَانُ- اللہ ایسے بندگانِ صدق وصفا کی اتباع و پیروی نصیب فرمائے- آمین۔

۹۲ مجرموں کے راستے کی وضاحت کی ضرورت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی طرح تفصیل سے بیان کرتے

ہیں ہم اپنی آیتوں کو تا کہ حق کھل کر سامنے آ جائے اور تا کہ واضح ہو جائے راستہ مجرم لوگوں کا۔ تا کہ جو اس سے بچنا چاہیں بچ سکیں اور اس کے نتیجے میں وہ اس برے انجام سے بچ سکیں جو کہ مجرموں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہر کیف اِرشاد فرمایا گیا کہ اسی طرح ہم نے دلائل کے ساتھ حق کو کھول کر بیان کر دیا تا کہ حق پوری طرح واضح ہو جائے اور مجرموں کے راستے کی بھی وضاحت ہو جائے۔ کیونکہ ایک ضد کے ذکر و بیان سے دوسری ضد پہچانی جاتی ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ وَبِضِدِّھَا تَتَبَیَّنُ الْاَشْیَآءُ ۔ (المراغی وغیرہ)۔ بہر کیف اس سے آیات کو کھول کر اور تفصیل سے بیان کرنے کا صلہ و ثمرہ اور اس کا مآل و انجام بیان فرما دیا گیا کہ تا کہ اس طرح اہلِ ایمان کا راستہ بھی واضح ہو جائے اور مجرموں کا راستہ بھی۔ اس کے بعد جس کی جو مرضی۔ جونسا راستہ وہ چاہے اختیار کر لے۔ کہ یہی تقاضا ہے اِبتلاء و آزمائش اور حریت اَخذ و اِختیار کا۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ۔ وَھُوَ الْھَادِیْ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ ہم اپنی آیتوں کی اسی طرح تفصیل بیان کرتے ہیں تا کہ مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۹۳ "غیر اللہ" کی پوجا کی ممانعت کا حکم و اِرشاد: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ کہو کہ مجھے تو بہر حال روکا گیا ہے اس بات سے کہ میں ان کی بندگی کروں جن کو تم لوگ پوجتے پکارتے ہو اللہ کے سوا۔ خواہ وہ لکڑی پتھر وغیرہ کے بے جان بت ہوں یا اور کسی زندہ یا مردہ انسان کی شکل میں دوسری کوئی ایسی ہستی ہو جس سے خدائی صفات وابستہ کر دی گئی ہوں کہ۔ ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾۔ کا کلمہ عام ہے۔ جو ان سب ہی کو شامل ہے۔ اور اہلِ بدعت جو اس کو صرف بتوں کے ساتھ مختص قرار دے کر اپنے لئے شرک کے دروازے کھلے رکھنا چاہتے ہیں تو ان سے پوچھا جائے کہ اس تخصیص کی آخر ان کے پاس دلیل کیا ہے؟ اور اسکی ضرورت کیا ہے؟ اور اگر اس سے یہی مراد ہے جیسا کہ ان لوگوں کا کہنا ہے تو پھر اس کو۔ ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾۔ کی بجائے "اَوثان" یا "اَصنام" جیسے خاص لفظوں ہی سے تعبیر کیوں نہیں فرما دیا گیا؟ اور پھر یہ بھی واضح رہے کہ مشرکین بھی عام پتھروں کی پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اُن خاص پتھروں کی پوجا کیا کرتے تھے جن کو وہ اپنے خیال کے مطابق خاص ہستیوں کے نام پر تراشتے خراشتے تھے۔ اور پھر کہتے تھے کہ اب ان پتھروں کے اندر اِن ہستیوں کی روحیں عود کر آئی ہیں جن کے نام پر یہ تراشے گئے ہیں۔ اور اِن ہستیوں نے ان کے اندر حلول کر لیا ہے۔ اور اب یہ پتھر وہی کام کریں گے جو وہ ہستیاں اپنی زندگیوں میں کیا کرتی تھیں۔ لہٰذا ہماری اِن کے آگے اور اِن کی اُن کے آگے۔ تو ان کے نزدیک بھی اصل میں حاجت روا اور مشکل کشا یہ بت نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ ہستیاں ہوتی تھیں جن کا یہ لوگ ان بتوں کو مظہر اور اوتار مانتے تھے۔ سو اُس وقت کے اِن مشرکین کا فلسفہ بھی یہی تھا اور آج کے مشرکوں کا فلسفہ بھی یہی ہے۔ بہر کیف اس سے غیر اللہ کی پوجا و بندگی کی ممانعت صاف و صریح طور پر فرما دی گئی ہے کہ معبودِ برحق بہر حال ایک اور صرف ایک ہے۔ یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک۔ اور عبادت کی ہر قسم اور اس کی ہر شکل اُسی وحدہٗ لاشریک کا حق اور اُسی کا اختصاص ہے۔ اس کے سوا کسی کے لیے بھی عبادت و بندگی کی کوئی بھی قسم کسی بھی شکل میں بجا لانا شرک ہے جو کہ ظلمِ عظیم ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اللہ شرک کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَّمَآ أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾ قُلْ

پیروی نہیں کرسکتا تمہاری خواہشات کی ۹۴ بلاشبہ اس صورت میں میں بھٹک جاؤں گا اور راہِ راست پر چلنے والوں میں سے نہ رہوں گا ۹۵

۹۴ دین کے نام سے خواہشاتِ نفس کی پیروی کا سامان: سو ارشاد فرمایا گیا کہ میں کبھی تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرسکتا۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اسلام کے سوا باقی تمام دین دراصل خواہشاتِ نفس کی پیروی کا سامان ہیں اور بس۔ والعیاذ باللہ۔ کہ دینِ حق ایک اور صرف ایک ہے۔ یعنی اسلام۔ معلوم ہوا کہ دینِ حق اسلام کے سوا باقی جو بھی دین لوگوں نے اپنا رکھے ہیں وہ سب دراصل نفسانی خواہشات کی تکمیل کے سامان ہیں جو اِن لوگوں نے طرح طرح کے ناموں سے از خود گھڑ گھڑ کر اپنا رکھے ہیں اور بس۔ نہ حق و ہدایت کی وہاں کوئی رمق و روشنی ہے اور نہ ہی ان کے حامیوں اور علمبرداروں کے یہاں اس کی کوئی ضرورت اور طلب و تلاش ہے۔ عیاشیوں اور عیش پرستیوں کے مختلف ساز و سامان اور طور طریقے ہیں جو نورِ حق و ہدایت سے محروم لوگوں اور بطون و فروج کے بندوں نے اپنا رکھے ہیں۔ اور اس کی واقعاتی شہادت کے طور پر اگر دیکھنا ہو تو وہ کچھ دیکھ لیا جائے جو کہ گرجوں، مندروں اور آستانوں وغیرہ میں ہوتا ہے کہ ہوٰی و ہوس کی تسکین اور کام و دہن کی لذتوں اور طرح طرح کی عیاشیوں اور عیش کوشیوں کے نت نئے اور قسما قسم کے سامان وہاں پر موجود ہوتے ہیں۔ اسی لئے قرآنِ حکیم نے دوسرے کئی مقامات کی طرح یہاں بھی ان لوگوں کی ان خرافات کو دین کی بجائے ﴿اَهْوَاء﴾ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے کہ یہ دین نہیں بلکہ تمہاری اَھواء و اَغراض اور خواہشات ہیں جن کی پیروی اور پوجا تم لوگ دین کے نام سے کرتے ہو۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اور اپنی اس خواہش پرستی کو تم لوگوں نے دین کے نام سے اور اسکے لبادے میں اپنا رکھا ہے مگر تابہ کے؟ آخر تم لوگوں کو اس کا پورا پورا حساب دینا اور اپنے کیے کرائے کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا اور ایسا کہ تمہارے لیے کوئی راہ فرار ممکن نہیں ہوگی۔ والعیاذ باللہ۔

۹۵ اتباعِ ہوٰی کا نتیجہ محرومی۔ والعیاذُ باللہ: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اتباعِ ہوٰی یعنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کا نتیجہ و انجام محرومی ہی محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسی صورت میں یعنی جب کہ میں پیروی کرنے لگ جاؤں تمہاری خواہشات کی تو میں یقیناً بھٹک جاؤں گا راہِ حق و ہدایت سے۔ کیونکہ تمہاری یہ رسوم وطقوم دین نہیں بلکہ دین کے نام پر خواہش پرستی کے طور طریقے اور راہِ حق و صواب سے انحراف ہے۔ اور یہ احکامِ خداوندی کے بھی خلاف ہے اور نقلِ صحیح اور عقلِ سلیم کے بھی۔ سو اس میں اُن لوگوں پر یہ تلمیح و تعریض بھی ہے کہ تم لوگ نورِ حق و ہدایت سے محروم اور ضلالت و گمراہی کی وادیوں میں پڑے بھٹک رہے ہو۔ سو نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑ کر خواہشاتِ نفس کے پیچھے لگنا محرومی ہی محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اس لئے یہاں پر واضح طور پر اعلان کروا دیا گیا کہ ایسے نہیں ہو سکتا کہ میں تمہاری ان خواہشات کی پیروی میں لگ جاؤں۔ کیونکہ ایسی صورت میں یقینی طور پر میں راہِ حق و صواب سے بھٹک جاؤں گا اور پھر کبھی راہِ راست نہیں پا سکوں گا۔ اور صراطِ مستقیم سے انحراف اور اُس سے محرومی سب سے بڑا اور نہایت ہولناک خسارہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ پس تمہاری ان خواہشات کی پیروی کرنا میرے لیے ممکن نہیں جن کو تم لوگ دین کے نام سے اپنائے ہوئے ہو کہ ہلاکت اور تباہی کا راستہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَكَذَّبْتُم بِهِ ۚ مَا عِندِي

کہو کہ میں تو بہر حال ایک روشن دلیل پر قائم ہوں اپنے رب کی طرف سے، ۹۶ اور تم لوگوں نے اس کو جھٹلا دیا ہے میرے اختیار میں نہیں ہے

مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ يَقُصُّ الْحَقَّ

وہ چیز جس کی تم لوگ جلدی مچا رہے ہو، ۹۷ حکم تو بس اللہ ہی کا ہے، ۹۸ وہی بیان کرتا ہے حق کو

وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ ﴿٥٧﴾ قُل لَّوْ أَنَّ عِندِي مَا

اور وہی ہے سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا، ۹۹ (ان سے) کہو کہ اگر میرے اختیار میں ہوتا وہ کچھ

۹۶ دینِ حق کا ہر حکم روشن دلیل پر قائم ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کہو کہ میں تو بہر حال ایک روشن دلیل پر قائم ہوں اپنے رب کی طرف سے۔ یعنی اِس دینِ حق اور شریعتِ مقدسہ پر جس سے میرے رب نے مجھے بذریعہ وحی نوازا ہے اور جس کا ہر امر و اِرشاد واضح دلیل و برہان پر مبنی اور عقل و فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ (صفوہ، محاسن، مراغی، روح وغیرہ)۔ اور اِس سے اِعراض و اِنحراف نورِ حق و ہدایت سے اِعراض و اِنحراف اور ہر خیر سے محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور اس "بینہ" یعنی روشن دلیل کا سب سے بڑا مظہر و مصداق قرآنِ حکیم ہے جو کہ حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کی طرف سے بذریعہ وحی عطا فرمایا گیا ہے۔ اور جس کا ہر حکم و اِرشاد مبنی برحق و صداقت اور عقل و فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ پس جو لوگ اس نورِ حق و ہدایت سے محروم ہیں وہ راہِ حق و صواب سے محروم تہ در تہ اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ خواہ وہ دنیاوی اِعتبار سے کتنے ہی ہوشیار و چالاک کیوں نہ ہوں۔ اور روشن خیالی کے کتنے ہی بلند بانگ دعوے کیوں نہ کرتے ہوں۔ سو دینِ حق سے منہ موڑنا اپنے آپ کو اندھیروں کے حوالے کرنا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۹۷ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتے:- سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ میرے پاس اور میرے بس اور اختیار میں نہیں ہے وہ کچھ جس کے لیے تم لوگ جلدی مچاتے ہو۔ ﴿مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ﴾۔ یعنی وہ عذاب جس کا کہ تم لوگ مطالبہ کرتے ہو۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ان لوگوں کا یہ قول اس طرح نقل فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾۔ (الانفال: ۳۲) سو یہ تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ تم کو کب تک مہلت ملے گی اور کب اور کس شکل میں وہ تم کو عذاب میں پکڑے گا۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سو اس سے اہلِ بدعت کے مختارِ کل کے شرکیہ عقیدے کی صاف و صریح طور پر نفی ہوتی ہے اور یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتا کہ وہ جو چاہے کرے اور جب اور جیسا چاہے کرے۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی صفت و شان ہے۔ چنانچہ صاف و صریح طور پر فرماتے ہیں اور اللہ کے حکم و اِرشاد سے فرماتے ہیں کہ وہ عذاب جس کیلئے تم لوگ جلدی کر رہے ہو وہ

میرے اختیار میں نہیں۔ بہر کیف اِرشاد فرمایا گیا کہ میں تو اپنے رب کی طرف سے ملنے والی قطعی حجت، واضح برہان اور روشن دلیل پر قائم ہوں اور اسی کو تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ اور یہ ایسی واضح بین اور قطعی شہادت ہے جس کی تکذیب کی کوئی گنجائش نہیں۔ مگر تم لوگ ہو کہ پھر بھی اس کی تکذیب کرتے ہو اور اس کو سمجھنے، ماننے اور صدقِ دل سے اپنانے کی بجائے مجھ سے عذاب کا مطالبہ کرتے ہو۔ سو یہ عذاب جس کا تم لوگ مطالبہ کرتے ہو میرے پاس نہیں بلکہ اللہ ہی کے پاس ہے۔ وہی جب چاہے گا اور جیسے چاہے گا تم لوگوں پر برپا کر دے گا۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اس کے بعد تمہارے لیے سدھرنے اور بچنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہو گی۔ سو بڑے بدبخت ہیں وہ لوگ جو عذاب سے بچنے کی فکر کی بجائے اس کے لیے جلدی مچاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔

۹۸ حکم تو بہرحال اللہ ہی کا ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر و قصر کے اسلوب و انداز میں ارشاد فرمایا گیا کہ حکم تو بہرحال اللہ ہی کا ہے۔ پس وہ جب چاہے اور جو چاہے حکم دے۔ اور وہی جانتا ہے کہ تمہارے بارے میں کب اور کیا حکم صادر ہو۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو حکم اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے اور حاکمِ مطلق وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور اس کا ہر حکم حکمت پر مبنی اور حق و صداقت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ وہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو کتنی مہلت دی جائے اور کس پر کب عذاب واقع کیا جائے۔ سو اس معاملے کا فیصلہ بھی اسی کے اختیار میں ہے۔ میں جو کچھ کہہ سکتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ اس نے ایسا فیصلہ کرنا ہے اور ضرور کرنا ہے۔ تاکہ حق و باطل کے درمیان نزاع کا فیصلہ آخری اور عملی طور پر ہو جائے اور عدل و اِنصاف کے تقاضے پورے ہوں اور بھرپور طریقے سے پورے ہوں۔ لیکن اس کے یہاں ہر چیز کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ ﴿وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ﴾۔ پس تمہارے لیے خیر اسی میں ہے کہ تم حق کو قبول کر کے اس کے آگے جھک جاؤ۔

۹۹ سب سے اچھا فیصلہ اللہ ہی کا ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی ہے سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا کہ وہ حکیم بھی ہے اور حاکم بھی۔ اور لطیف بھی اور خبیر بھی۔ اور اس کا فیصلہ بے لاگ اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہوتا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور اس کا علم ظاہر و باطن، حال و مآل اور ماضی و مستقبل سب پر حاوی و محیط ہے۔ اور یہ شان اُس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کی ممکن ہی نہیں۔ اس لیے اس جیسا صحیح صاف عدل و اِنصاف کے تقاضوں کے مطابق اور بے لاگ و کھرا فیصلہ اور کسی کا ہو سکتا ہی نہیں۔ اس لیے ہم اپنا معاملہ اسی کے حوالے کرتے ہیں۔ سو عذاب کے لئے جلدی مچانے والوں کے ساتھ وہ خود نمٹ لیگا اور عدل و اِنصاف کے تقاضوں کے مطابق نمٹے گا اور وقت آنے پر اس کا عذاب نہ گھڑی بھر آگے ہو سکے گا نہ پیچھے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ، فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾۔ (الاعراف: ۳۴)۔ نیز دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ، وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾۔ (الحج: ۴۷)۔ سو تم لوگ اس کے فیصلوں کو اپنے محدود پیمانوں کے مطابق مت دیکھو اور سوچو۔ اور اس کے لیے جلدی مت مچاؤ بلکہ اس سے بچنے کی فکر کرو کہ اس نے اپنے وقت پر بہرحال آ کر رہنا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِهٖ لَقُضِیَ الۡاَمۡرُ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَكُمۡ ؕ

جس کی تم لوگ جلدی مچا رہے ہو تو کبھی کا چکا دیا ہوتا اس معاملے کو ۱۰۰ میرے اور تمہارے درمیان،

وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِالظّٰلِمِیۡنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ لَا

اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو، اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی، ۱۰۱ نہیں

یَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعۡلَمُ مَا فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ ؕ

اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور وہ جانتا ہے وہ سب کچھ جو کہ خشکی اور تری میں ہے،

۱۰۰ آخری فیصلہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے: ۔۔ نہ کہ میرے اختیار میں ورنہ اگر میرے اختیار میں ہوتا وہ کچھ جس کا تم لوگ اس قدر شدت و تکرار اور بے فکری و لاپرواہی کے ساتھ اور مذاق و استہزا کے طور پر مطالبہ کرتے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کبھی کا کر دیا گیا ہوتا اور کام چکا دیا جاتا۔ کہ میں تمہارے مطالبے پر وہ عذاب فوری ہی تم پر ڈال کر تم سے چھٹکارا حاصل کر لیتا تاکہ تمہارے وجود سے اللہ کی دھرتی پاک ہو جاتی۔ اور راہِ حق میں تمہاری طرف سے اٹکائے جانے والے روڑے دور ہو جاتے۔ اور میں تم کو ایک گھڑی بھی مہلت نہ دیتا۔ کما قال ابن عباسؓ ۔ (صفوہ، جامع، ابنِ کثیر، زاد المسیر وغیرہ)۔ لیکن معاملہ میرے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے اختیار میں ہے۔ وہ جب چاہے اور جیسے چاہے حکم اور فیصلہ فرمائے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو ہم سب کو اُسی کے حکم و فیصلہ کا انتظار کرنا چاہیئے کہ اسکے بے لاگ فیصلے سے معاملہ پوری طرح صاف ہو جائے گا۔ اور ہر کسی کو اپنے کیے کرائے کا نتیجہ و ثمرہ مل کر رہے گا جس کا وہ مستحق ہے۔ اور وہ ظالموں کو پوری طرح جانتا ہے۔ ان کا معاملہ اور ان کے معاملے کا کوئی بھی پہلو اس سے مخفی و مستور نہیں۔ وہ ان سے وہی کرے گا جس کے یہ لوگ اپنے ظلم کی بناء پر مستحق ہیں۔ اور یہ ان ظالموں کی بدبختی کا ایک مظہر و نمونہ ہے کہ خدائے رحمٰن و رحیم تو اپنی رحمتِ بے پایاں کی بناء پر ان کو ڈھیل دیتا ہے اور ان کو اپنی رحمت سے نوازنا چاہتا ہے مگر یہ ہیں کہ اس کی رحمت سے فیضیاب ہونے کی بجائے اُس کے عذاب کا مطالبہ کرتے اور اس کے لئے جلدی مچاتے ہیں۔ سو یہ انکی ٹیڑھی سوچ اور الٹی کھوپڑی کا نتیجہ ہے۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡمِ۔

۱۰۱ تمام خزانے اور ان کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں: ۔۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر و قصر کے اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ اسی کے پاس ہیں سب کنجیاں اور سب خزانے جن کو اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں۔ سو اس سے یہ امر قطعی طور پر صاف اور واضح ہو جاتا ہے کہ زمین و آسمان کے سب خزانے اور انکی سب کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں۔ یہ معنیٰ اس صورت میں ہوں گے جب کہ "مفاتیح" جمع ہو "مِفتح" کی۔ میم کے کسرے کے ساتھ۔ جو "مفتاح" کے معنیٰ میں آتا ہے یعنی کنجی۔ اور اگر اسے جمع قرار دیا جائے "مَفتح" کی۔ یعنی میم کے فتحہ کے ساتھ، تو اس وقت اس کے معنیٰ "خزانہ" کے ہوں گے۔ یعنی اسی کے پاس ہیں غیب کے

خزانے۔ مآل دونوں کا بہرحال ایک ہی ہے کہ غیب کا علم اسی کے ساتھ خاص ہے۔ اس کے سوا عالمِ غیب اور کوئی نہیں۔ سب خزانوں کا مالک بھی وہی ہے اور سب کنجیاں بھی اس کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہیں۔ اور جمہور علماء و مفسرین کے نزدیک غیب کی کنجیوں سے مراد وہ پانچ اُمور ہیں جن کا ذکر سورۂ لقمٰن کی آخری آیتِ کریمہ میں فرمایا گیا ہے یعنی۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾۔ الخ۔ پس ان پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے پاس نہیں ہے۔ اور جمہور اہلِ علم، مفسرین و محدثینِ کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ غیب کی ان پانچ چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ نمونے کے طور پر چند ایک حوالے ملاحظہ ہوں: ابنِ جریر: ج ۲۱ ص ۸۸، ابنِ کثیر: ج ۳ ص ۴۵۵، روح المعانی: ج ۲۱ ص ۹۹، ۱۰۰، السراج المنیر: ج ۳ ص ۲۰۰، درِ منثور: ج ۵ ص ۱۷۰، صفوۃ التفاسیر: ج ا ص ۳۹۵ وغیرہ وغیرہ۔ اور صحیح بخاری میں حضرتِ عبداللہ بن عمر۔ رضی اللہ عنہما۔ سے مروی ہے کہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ارشاد فرمایا ''مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا اللّٰهُ'' کہ ''غیب کی کنجیاں یہ پانچ چیزیں ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا''۔ پھر آپ نے انہی پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا۔ یعنی یہ کہ رحمِ مادر میں کیا ہے؟ کل کیا ہونے والا ہے؟ کس نے کل کیا کرنا ہے؟ کس کی موت کہاں آئے گی؟ اور بارش کب ہوگی؟ اور ایک روایت میں ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی۔ یہ حدیث الفاظ کی کچھ کمی بیشی کے ساتھ بخاری شریف میں مختلف مقامات پر وارد ہوئی ہے۔ مثلاً کتاب الاستسقاء، باب لا یدری متی یاتی المطر الا اللہ۔ کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الانعام، باب۔ ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا اللّٰهُ﴾۔ تفسیر سورۃ الرّعد باب۔ ﴿اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى﴾ وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے حضراتِ اہلِ علم نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ جو کوئی کہے کہ ان پانچ باتوں کو اللہ کے سوا اور کوئی جانتا ہے وہ کافر ہو جائیگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ چنانچہ اس بارے ملاحظہ ہو تفسیر خازن: ج ۵ ص ۱۸۳، عمدۃ القاری: ج ۷ ص ۶۱، اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ۔ رضی اللہ عنہا۔ فرماتی ہیں کہ ''جو شخص یہ کہے کہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کل کا علم رکھتے تھے تو بیشک اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا'' (صحیح بخاری: ج ۲ ص ۷۲۰ و مسلم: ج ا ص ۹۸، مسند ابوعوانہ: ج ا ص ۱۵۴، ص ۱۵۵ وغیرہ)۔ سو غیب کے سب خزانے بھی اس وحدہٗ لاشریک کے پاس ہیں اور خزانوں کی کنجیاں بھی اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہیں۔ وہ ان میں سے جس کو چاہے جتنا چاہے اور جب چاہے عطا فرمائے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اور بعض جزئی قسم کے جو واقعات بعض روایات میں اس ضمن میں ملتے ہیں، اول تو وہ شواذ ہیں، جو اِن قواعدِ کلیہ میں حارج اور ان کی قطعیت میں قادح نہیں ہو سکتے۔ دوسرے یہ کہ وہ قطعیت اور یقین کے حامل نہیں، بلکہ محض ظن و گمان کے درجے میں ہوتے ہیں۔ اور تیسرے یہ کہ وہ دعا کے قبیل سے ہوتے ہیں نہ کہ جزم و قطع کے قبیل سے۔ پس اہلِ بدعت کا ان کی بنا پر مفاتیح الغیب کا علم اللہ کے بندوں کے لئے ثابت کرنا باطل و مردود ہے کہ ایسا کہنا اور ماننا نصوصِ کتاب و سنت سے معارض اور دینِ متین کی واضح بنیادی تعلیمات کیخلاف اور ان سے متصادم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّضَلَالٍ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق پر ثابت قدم رکھے اور ہر حال میں اپنی رحمت و عنایت کے سائے میں رکھے۔ آمین۔

وَمَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعۡلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىۡ

اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ اس کو جانتا ہے ۱۰۲، اور نہ ہی پڑتا ہے کوئی دانہ

ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىۡ

زمین (کی تاریکیوں) میں، اور نہ کوئی تر اور خشک چیز ہے مگر یہ سب کچھ (مسطور و مندرج) ہے

كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ بِالَّيۡلِ وَ

ایک روشن کتاب میں، ۱۰۳ اور وہ (مالک) وہی تو ہے، جو تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے رات کو، ۱۰۴ اور

يَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبۡعَثُكُمۡ فِيۡهِ

وہ جانتا ہے وہ سب کچھ جو کہ تم لوگ کرتے ہو دن میں، پھر وہ (اپنے کرم سے زندہ) اٹھاتا ہے تمہیں دن میں

۱۰۲ اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان کا ایک خاص مظہر:- کہ وہ بحر و بر کی ہر چیز کو جانتا ہے اور پوری طرح اور ایک برابر جانتا ہے۔ سو وہ جانتا ہے کہ وہ پتہ کب اور کہاں گرا اور اب کہاں ہے؟ یہ سب کچھ اس وحدہٗ لاشریک کے علم میں ہے۔ سو جس ذاتِ اقدس و اعلیٰ کی شان یہ ہو اس کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے اس کے لئے خود ساختہ واسطے اور وسیلے ڈھونڈنا اور ثابت کرنا کس قدر ظلم اور کتنی بڑی ناانصافی ہے؟ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو اللہ تعالیٰ کی شان بہت بڑی اور بے مثال ہے۔ پس اس کیلئے اپنی طرف سے مثالیں بیان کرنے کی بجائے اسکو ویسا ہی مانا جائے جیسا کہ اس نے اپنی کتابِ حکیم میں خود ارشاد فرمایا ہے۔ یا اسکے رسولِ برحق نے اپنے ارشادات سے واضح فرمایا ہے۔ اسکے بغیر اُس وحدہٗ لاشریک کی صحیح معرفت ممکن نہیں - سبحانہ و تعالیٰ - سو بحر و بر اور رطب و یابس کے الفاظ اُس کے علم کے عموم و شمول اور اِحاطہ و وسعت کو ظاہر کرنے کے لئے ہیں۔ یعنی اس وحدہٗ لاشریک کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم کی اس وسعت کا اعتقاد ہی ہے جو اہلِ ایمان کے اندر کامل تفویض، کامل اعتماد اور کامل رضا بالقضاء کا حوصلہ پیدا کرتا ہے۔ اس میں معمولی سی غلط فہمی بھی شرک کی راہیں کھول دیتی ہے۔ اور یہی چیز آخرت کے سچے پکے ایمان و یقین کی اساس و بنیاد ہے اور اسی کے صحیح تصور و تذکر اور اس کے استحضار سے انسان کے اندر وہ خشیت پیدا ہوتی ہے جو اس کو زندگی میں صحیح روش اختیار کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اور قرآنِ حکیم کے اس بیان سے ان لوگوں کی بھی پوری پوری تردید ہو جاتی ہے جو خدا تعالیٰ کو صرف کلیات کا عالم مانتے ہیں۔ سو خداوندِ قدوس صرف کلیات ہی کا نہیں جزئیات کا بھی عالم ہے۔ سو درخت سے جو پتہ گرتا ہے اور زمین کی تہوں میں جو دانہ ڈالا جاتا ہے وہ سب اس کے علم میں ہوتا ہے - سبحانہ و تعالیٰ -

۱۰۳ کتابِ مبین سے مقصود و مراد؟:- سو اُس کے کمالِ علم کے بیان کے سلسلے میں فرمایا گیا کہ یہ سب کچھ مسطور و مندرج ہے ایک عظیم الشان اور روشن کتاب میں۔ یعنی لوحِ محفوظ میں۔ جو کہ درحقیقت کنایہ ہے علمِ الٰہی اور اس کی

محفوظیت سے کہ جس طرح لکھی ہوئی چیز بھول اور نسیان وغیرہ سے محفوظ رہتی ہے، اسی طرح علمِ خداوندی بھی ہر شائبہ نقص ونسیان سے محفوظ ہے۔ کما قال الامام الرازی وغیرہ من الائمہ۔ باقی علمِ خداوندی کی کنہ وحقیقت کا احاطہ و ادراک اُس ذاتِ وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کے لئے ممکن نہیں۔ پس اہلِ بدعت کے بعض بڑوں اور تحریف پسندوں کا اس موقع پر یہ کہنا باطل و مردود ہے کہ یہ لکھنا خاص مقرب بندوں کو بتانے کے لئے ہے جن کی نظر لوحِ محفوظ پر ہے۔ شرک و بدعت کے مارے ان فریفتگانِ تحریف وتخریف اور علمبردارانِ زیغ وانحراف سے کوئی پوچھے کہ اگر لوحِ محفوظ کا یہ لکھا جانا ان کے اپنے ہی قرارداده مقرب بندوں کو بتانے کیلئے ہوتا ہے تو پھر وہ محفوظ ہی کیسے ہوا؟ بہرکیف کتابِ مبین سے مراد لوحِ محفوظ ہے جو کہ درحقیقت کنایہ ہے خداوندِ قدوس کے علمِ لامتناہی سے۔ (المراغی، المحاسن، المدارک، الفتح اور الصفوۃ وغیرہ)۔ اسی لئے حضراتِ اہلِ علم اس کی تشریح وتفسیر اس طرح کے الفاظ سے کرتے ہیں۔ "اَیْ مکتوبٌ ومحفوظٌ فِی الْعِلم الالٰهی، وَهُوَ المتبادِرُ مِنْ اطلاقه اینما ورد" ۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ بہرکیف یہ اللہ تعالیٰ کے محیط کل علم کی تعبیر ہے۔ سو اُس خدائے پاک کو مخلوق پر قیاس کر کے اس کے لئے اپنے طور پر اور من گھڑت وسیلے اور واسطے گھڑنا کس قدر ظلم و زیادتی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو وہ وحدہٗ لاشریک انسان کے تصور و خیال سے کہیں اعلیٰ اور بلند و بالا ہے کہ اس کو ویسے ہی جانا اور مانا جائے جیسا کہ وہ اپنے بارے میں خود بتائے یا اس کا رسول بتائے۔ سو خداوند قدوس کی معرفت قرآن وسنت کے نورِ مبین کے بغیر ممکن نہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۱۰۲ نیند انسان کے لیے ایک عظیم الشان ریہرسل: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ تمہاری روحیں قبض کرتا ہے رات کو جب کہ تم سوتے ہو کہ اس موقع پر تمہارے ہوش وحواس اسی طرح معطل ہو جاتے ہیں جس طرح مردے کے ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ بظاہر یہ دونوں ایک ہی جیسے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اس طرح روزانہ تمہارے لئے آخرت کی تذکیر و یاددہانی اور اس کی ریہرسل کا سامان ہوتا رہتا ہے تاکہ تم لوگ اپنی اُس آخری منزل اور دائمی دارالاقامہ کو یاد رکھو اور اسکے لئے تیاری کرسکو قبل اس سے کہ عمرِ رواں کی وہ فرصت تمہارے ہاتھ سے نکل جائے جو بہرحال ایک محدود اور معدود فرصت ہے۔ اور اسی کی تعلیم وتلقین نبی اکرم ۔صلی اللہ علیہ وسلم ۔ نے امت کو اپنی اِن مقدس اور پاکیزہ دعاؤں میں فرمائی ہے جو آپؐ نے سوتے اور جاگتے وقت پڑھنے کے لئے اپنی امت کو اِرشاد فرمائی ہیں۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ۔ سو نیند قدرت کی ایسی عظیم الشان نعمت ہے جو انسان کیلئے مکمل آرام و راحت اور سکون و اطمینان کا ذریعہ ہونے کے علاوہ موت اور آخرت کی تذکیر و یاددہانی اور ریہرسل بھی ہے۔ تاکہ انسان اپنی آخرت کیلئے تیاری کرسکے قبل اس سے کہ فرصتِ حیات اسکے ہاتھ سے نکل جائے اور اسکو ہمیشہ کیلئے پچھتانا اور افسوس کرنا پڑے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا کوئی بعید از قیاس چیز نہیں بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا نمونہ تم لوگ دن رات دیکھتے ہو اور روزانہ رات کی نیند اور صبح کی بیداری کی شکل میں تمہیں اس کی ریہرسل کرائی جاتی ہے مگر تم لوگ اپنی غفلت و لاپرواہی کی بنا پر اس سے کوئی سبق نہیں لیتے اور محرومی کا شکار ہوتے ہو۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ اللہ غفلت کے غوائل سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ

تا کہ پوری ہو جائے مقررہ مدت (تمہاری زندگی کی،) آخر کار تم سب کو بہر حال اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، ۱۰۵ پھر

يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ ع ۱۴

وہ تمہیں بتادے گا وہ سب کچھ جو تم لوگ کرتے رہے تھے (اپنی زندگی میں،) ۱۰۶ اور وہ قاہر (وغالب) ہے اپنے

عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ

بندوں پر، ۱۰۷ اور وہ بھیجتا ہے تم پر نگرانی کرنے والے (فرشتے) ۱۰۸ یہاں تک کہ جب آ پہنچتا ہے

اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾

تم میں سے کسی کی موت کا وقت، تو قبض کر لیتے ہیں ہمارے فرشتے اس (کی جان) کو، اور وہ اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے، ۱۰۹

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ قف

پھر لوٹا دیا جاتا ہے ان سب کو اللہ کی طرف جو کہ مالکِ حقیقی ہے ان سب کا، آگاہ رہو کہ حکم اللہ ہی کا ہے

۱۰۵ **سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف:**۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ سب کو بہر حال اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم سب لوگوں کا رجوع بہر حال اللہ ہی کی طرف ہے اور دوبارہ اٹھ کر تم لوگوں نے اس کے حضور حاضر ہونا ہے۔ خواہ تم چاہو یا نہ چاہو ایسا بہر حال اپنے وقت پر ہو کر رہیگا تا کہ وہاں پہنچ کر تم سب اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا پورا صلہ و بدلہ پاسکو۔ اور اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے اپنی آخری اور کامل شکل میں پورے ہوسکیں۔ ﴿كَلَّا لَا وَزَرَ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۣ الْمُسْتَقَرُّ﴾۔ (القیامۃ: ۱۱-۱۲)۔ سو نیک و بد، مومن و کافر سب ہی کو بالآخر لوٹ کر اپنے خالق و مالک کے پاس جانا ہے اور وہاں پہنچ کر اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب دینا اور اس کا صلہ و بدلہ پانا ہے۔ اس لیے ہر کسی کو یہ حقیقت ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ وہاں میرا معاملہ کیسا رہے گا اور وہاں کیلئے میں کیا کر رہا ہوں۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ۔ بہر کیف اپنی آخرت اور اپنے انجام کو یاد رکھنا عقل و نقل دونوں کا تقاضا ہے۔

۱۰۶ **یومِ حساب کی پیشی کی تذکیر و یاددہانی:**۔ سو اس سے یومِ حساب کی پیشی کی تذکیر و یاددہانی فرمائی گئی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر وہ تم لوگوں کو وہ سب کچھ بتادے گا جو تم اپنی فرصتِ حیات کے دوران دنیا میں کرتے رہے تھے۔ اور یہ بتانا کوئی رپورٹ پیش کرنے کے طور پر نہیں ہوگا بلکہ اس کے مطابق تمہیں اپنے کیے کرائے کا بدلہ پانا ہوگا۔ خیر کا خیر اور شر کا شر۔ بہر کیف وہاں پر ہر کسی کو اس کے زندگی بھر کے کیے کرائے کا ریکارڈ بتادیا جائے گا۔ جو کچھ اس نے کیا ہوگا وہ سب اس کے سامنے موجود ہوگا۔ پس عقل و خرد کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اُس دن کی پیشی کے

اس ہولناک دن کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھے - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق - اور خداوند قدوس نے اس دنیا کو بنایا ہی اس طور پر ہے کہ یہ اپنی رات دن کی گردشوں سے برابر اور لگاتار اِن حقائق کا درس دے رہی ہے جن کی دعوت یہ دینِ حق دنیا کو دے رہا ہے۔ بشرطیکہ تمہارے پاس دیکھنے والی آنکھیں اور سمجھنے والے دل ہوں۔ اور جو اپنے اِن قُوائے علم و اِدراک کو ماؤف و معطل کر کے محض حیوانوں کا جینا جی رہے ہوں وہ اس سے کوئی درس نہیں لے سکتے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ -

۱۰۷ اللہ اپنے بندوں پر قاہر و غالب ہے:- پس کوئی اُس کی قدرت و مشیت اور اسکی گرفت و پکڑ سے باہر نہیں ہوسکتا۔ اور وہ زمان و مکان کی حدود سے پاک اور رفعتِ شان اور بلندیٔ مقام کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ و بالا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - اور اس نے اپنی قدرت وعنایت سے ان پر ایسے فرشتے مقرر فرما رکھے ہیں جو ان کی نگرانی کرتے اور ان کے کیے کرائے کا پورا ریکارڈ تیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مختلف مقامات پر ارشاد فرمایا گیا۔ اور ان کا تیار کردہ یہ ریکارڈ کل آخرت کے اس یومِ حساب میں سب کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا - ﴿وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَّلْقَاهُ مَنْشُوْرًا﴾ - (بنی اسرائیل: ۱۳)۔ سو وہ اپنی مخلوق کے کسی فرد سے غافل و بے خبر نہیں بلکہ سب پوری طرح اسی کے کنٹرول میں ہیں۔ سو غفلت ولاپرواہی بڑے ہی خسارے کا سودا ہے - والعیاذ باللہ العظیم -

۱۰۸ نگران فرشتوں کی تذکیر و یاددہانی:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ تم پر نگرانی کرنے والے فرشتے مقرر ہیں جو تمہاری جان کی حفاظت کرتے اور تمہارے اعمال کو لکھتے اور ضبط کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ تمہیں اپنے کیے کرائے کا پورا بدلہ مل سکے۔ جیسا کہ اوپر حاشیہ ۱۰۷ میں بھی گزرا۔ اس لیے تمہیں غفلت اور لاپرواہی کا شکار نہیں ہونا چاہیے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو وہ مالک مطلق تم لوگوں پر برابر اپنے نگران فرشتے مقرر فرماتا اور بھیجتا رہتا ہے جو پل بھر کے لئے بھی تمہاری نگرانی سے غافل نہیں ہوتے۔ اور تمہارے کئے کرائے کا ریکارڈ تیار کرتے جاتے ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا - ﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ - (الانفطار: ۱۰-۱۱)۔ اور اسی ریکارڈ کے مطابق تم لوگ روزِ جزا میں اپنے کیے کرائے کا بدلہ پاؤ گے۔

۱۰۹ فرشتوں کی دیانتداری اور فرض شناسی کا ذکر و بیان:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ وہ نگران فرشتے اپنے فرض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے بلکہ اپنی ذمہ داری کو وہ بحسن وخوبی انجام دیتے ہیں ﴿رُسُلُنَا﴾ کے جمع کے لفظ سے معلوم ہوا کہ جان قبض کرنے والا فرشتہ ایک نہیں کئی ہوتے ہیں۔ پس اس سے اہلِ بدعت کا حاضر و ناظر کے اپنے شرکیہ عقیدے پر استدلال کرنا باطل ہے۔ جیسا کہ حضرتِ انس، قتادہ اور مجاہد وغیرہ سے مروی ہے کہ جان قبض کرنے والے فرشتے بہت ہوتے ہیں اور ملک الموت ان کا سربراہ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک نہیں بہت سے فرشتے ہوتے ہیں۔ (قرطبی، مراغی وغیرہ)۔ بہرکیف اپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں وہ ذرہ برابر کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ سو جب کسی کی موت کا وقت آتا ہے تو مجال نہیں کہ کوئی ان کے قابو سے نکل جائے یا وہ کسی کو بھول جائیں یا کسی کی موت اُس کے وقتِ مقرر سے لمحہ بھر کے لئے آگے یا پیچھے ہو جائے۔ پھر قبضِ روح کے بعد وہ اس کو اس کے اس اصل اور صحیح ٹھکانے میں پہنچاتے ہیں جس کے لئے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملتا ہے۔ سو نیکوں کی روحوں کو وہ "علیین" میں پہنچاتے ہیں اور بروں کی روحوں کو "سجین" میں۔ (ابنِ کثیر وغیرہ) - اللہ ہمیشہ اپنی رضا اور خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - آمین ثم آمین۔

وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ

اور وہ بہت ہی جلد حساب چکانے والا ہے، ۱۱۰ (اور ان سے ذرا یہ تو) پوچھو کہ کون ہے وہ جو تمہیں نجات دیتا ہے

ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ

خشکی اور تری کی تاریکیوں میں تم پکارتے ہو اس کو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے،

لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾

کہ اگر وہ ہمیں بچالے اس (مصیبت و بلا) سے، تو ہم ضرور اس کے شکر گزار بن کر رہیں گے ۱۱۱

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ

کہو وہ اللہ ہی ہے جو تمہیں بچا نکالتا ہے ۱۱۲ اس مصیبت سے بھی، اور (اس کے علاوہ دوسری) ہر سختی سے بھی، پھر بھی تم لوگ

تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ

شرک کرتے ہو؟ ۱۱۳ کہو کہ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ بھیج دے تم پر کوئی ہولناک

۱۱۰ حسابِ خداوندی کی تذکیر و یاددہانی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بہت ہی جلد حساب چکانے والا ہے۔ سو وہ پل بھر میں بلکہ اس سے بھی کہیں جلد سب کا حساب چکا دے گا۔ جس طرح اس دنیا میں وہ ایک ہی وقت میں اپنی گوناگوں اور بے شمار مخلوق میں سے ہر ایک کو اسکی طبیعت و ضرورت کے مطابق روزی پہنچاتا ہے اور لگاتار پہنچا رہا ہے۔ اسی طرح اس کے لئے وہاں ایک لحظہ میں سب کا حساب چکا دینا کچھ مشکل نہیں ہوگا کہ وہ حساب کتاب کے ان آلات اور ذرائع و وسائل کا محتاج نہیں جن کی ضرورت انسانوں کو ہوتی ہے۔ وہ ان سب حاجتوں اور ضرورتوں سے پاک اور وراء الوراء ہے- سبحانہ وتعالیٰ - اس کی شان "کُنْ فَیَکُوْن" کی ہے۔ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے- جل و علا شانہ- بہرکیف مرنے کے بعد ان سب کو بہرحال اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے جو کہ ان سب کا مولائے حقیقی ہے اور ان تمام شرکاء و شفعاء میں سے کوئی بھی ان کے کچھ بھی کام نہیں آسکے گا جو انہوں نے مختلف ناموں سے از خود گھڑ رکھے ہیں کہ یہ سب کچھ فرضی و خیالی پلندے اور دھوکے کا سامان ہے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ-

۱۱۱ توحیدِ خداوندی کی ایک فطری دلیل کی نشاندہی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ذرا ان سے یہ تو پوچھو کہ بھلا وہ کون ہے جو تم لوگوں کو نجات دیتا ہے خشکی اور تری کے اندھیروں میں۔ تم لوگ اسی کو پکارتے ہو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے کہ اگر وہ ہمیں بچالے اس مصیبت و بلا سے تو ہم ضرور بالضرور اس کے شکر گزار بن کر رہیں گے۔ سو یہ تم لوگوں کے نفوس کے اندر پیوست توحیدِ خداوندی کی ایک فطری دلیل موجود ہے کہ مشکل اور مصیبت کے موقع پر تم لوگ

اسی کو پکارتے ہو۔ سو مشکل اور پریشانی کے ایسے نازک وقت میں جب تم اور کسی کو نہیں پکارتے بلکہ سب کو بھول کر اسی وحدہٗ لاشریک کو پکارتے ہو تو پھر دوسرے وقتوں میں تم اپنے ان خود ساختہ معبودوں کو آخر کیوں پوجتے پکارتے ہو جن کی نہ کوئی اصل ہے نہ حقیقت؟ (القرطبی وغیرہ)۔ سو یہ توحید خداوندی کی ایک فطری دلیل ہے جو انسان کے اندر پیوست ہے۔ جو جنگ اور مشکل کے ایسے وقت میں ظاہر ہو جاتی ہے کہ ایسے وقت میں انسان اپنے خود ساختہ تمام شرکاء کو بھول کو اپنے اسی خالق و مالک کو پکارتا ہے جو سب کا حاجت روا و مشکل کشا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ الا یہ کہ کسی کی فطرت ایسی مسخ ہو جائے کہ وہ ایسے مشکل وقت میں بھی اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی اور کو پکارے۔ جیسا کہ دورِ حاضر کے بعض مشرک اور کلمہ گو مشرک کرتے ہیں تو وہ الگ بات ہے کہ یہ ایسے لوگوں کے مسخِ فطرت کی دلیل ہوتی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ فکری اور عملی ہر قسم کے زیغ وضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۱۲ حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ ہی ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ وہ اللہ ہی ہے جو تمہیں ایسے مصائب سے بچاتا ہے کہ حاجت روا و مشکل کشا سب کا وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ پھر کتنے بے انصاف اور غلط کار ہیں وہ لوگ جو اسکے سوا دوسروں کو حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے پکارتے ہیں۔ کوئی کسی بے جان بت کو پکارتا ہے۔ کوئی کسی زندہ یا مردہ انسان کو۔ کوئی کہتا ہے "یا علی مدد" اور "یا حسین" وغیرہ۔ اور کوئی کہتا ہے "یا غوث" اور "یا پیر دستگیر" وغیرہ۔ حالانکہ ایسی نیک ہستیاں اپنی زندگیوں میں خود اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کو پکارتی رہیں۔ اور دوسروں کو بھی اسی کا درس دیتی رہیں۔ اور پھر یہ ایک ظاہر اور واضح حقیقت ہے کہ جو خود موت کے ہاتھوں زندگی کی بازی ہار کر قبر میں چلا جائے وہ کسی کا حاجت روا و مشکل کشا آخر کیسے ہو سکتا ہے؟ مگر جن کی مت ماردی جاتی ہے ان کو یہ بات سمجھ نہیں آتی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔

۱۱۳ اللہ کے سوا کسی کو حاجت روا و مشکل کشا ماننا عقل و نقل دونوں کے خلاف:- سو مشرکوں کے قلب وضمیر پر دستک دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ پھر بھی تم لوگ شرک کرتے ہو؟ یعنی تم لوگ یہ سب کچھ جاننے اور ماننے کے باوجود شرک کرتے ہو۔ سو یہ عقل و انصاف سے بعید اور بڑے ظلم و زیادتی کی بات ہے کہ تم لوگ اس سب کے باوجود اس کارسازِ حقیقی کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہراؤ۔ سو اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا اوروں کو حاجت روا و مشکل کشا ماننا عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی۔ اور یہ اس شرک کے زمرے میں آتا ہے جو کہ ظلمِ عظیم ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو ایسے لوگوں کے ضمیروں کو جھنجھوڑتے ہوئے اور ان کے دل و دماغ پر دستک دیتے ہوئے ان سے خطاب کر کے اِرشاد فرمایا گیا ہے کہ جب مشکلات و مصائب کے ایسے ہر موقع پر وہی وحدہٗ لاشریک اپنی قدرت وعنایت اور رحمت وشفقتِ بے پایاں کی بنا پر تم لوگوں کو بچاتا اور تمہاری مشکل کشائی کرتا ہے اور بغیر کسی کی شفاعت و سفارش اور بدوں کسی اور کی اِمداد و اِعانت کے تمہیں بچاتا ہے تو پھر بھی تم لوگ شرک کرتے ہو؟ ﴿ثُمَّ﴾ یہاں پر استبعاد یہ ہے۔ یعنی ایسا کرنا عقل ونقل کے تقاضوں کے خلاف اور بہت بعید ہے مگر تم لوگ ہو کہ اپنے خالق و مالک کی مشکل کشائی پر اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے اس کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتے ہو۔ سو یہ کتنی بڑی بے اِنصافی اور کس قدر ظلمِ عظیم ہے؟ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔

عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ

عذاب تمہارے اوپر سے، ۱۱۴ یا تمہارے قدموں کے نیچے سے، ۱۱۵ یا وہ ٹکرا دے تم لوگوں کو

شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ

آپس میں مختلف گروہ بنا کر، ۱۱۶ اور چکھا دے تم کو آپس میں ایک دوسرے کی لڑائی کا مزہ، ذرا دیکھو تو کہ ہم کس طرح

نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝۶۵ وَكَذَّبَ بِهٖ

پھیر پھیر کر (اور طرح طرح سے) بیان کرتے ہیں اپنی آیتوں کو، تاکہ یہ لوگ سمجھ سکیں، ۱۱۷ مگر (اس سب کے باوجود)

قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝۶۶ۭ

جھٹلا دیا تمہاری قوم نے اس (پیغام صدق وصفا) کو حالانکہ یہ سراسر حق ہے، (ان سے) کہو کہ میں تمہارا کوئی ذمہ دار نہیں ہوں ۱۱۸

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۶۷ وَاِذَا رَاَيْتَ

ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے ۱۱۹ اور عنقریب تم لوگ خود ہی جان لو گے، ۱۲۰ اور جب تم دیکھو (اے مخاطب)

الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى

ان لوگوں کو جو نکتہ چینیاں کرتے ہیں ہماری آیتوں میں، تو ان سے الگ ہو جاؤ یہاں تک

يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ

کہ وہ (اس گفتگو کو چھوڑ کر) لگ جائیں کسی اور بات میں، اور اگر کبھی بھلا دے میں ڈال دے تم کو

۱۱۴ اللہ کا عذاب اوپر سے بھی آسکتا ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ وہ خالق و مالک اس پر قادر ہے کہ تم لوگوں پر کوئی ہولناک عذاب بھیج دے تمہارے اوپر سے، تباہ کن بجلیوں یا طوفانی بارشوں کی شکل میں یا یخ بستہ اور بھاری بھرکم اولوں کی صورت میں۔ جیسا کہ ابھی کچھ دن پہلے کی خبر ہے جسے دنیا کے تمام ذرائعِ ابلاغ نے پھیلایا اور نشر کیا کہ یورپ کے ملک سپین میں چار چار کلو کے اولے پڑے۔ جس پر سائنس دان اپنی لیبارٹریوں میں بحث و تحقیق کر رہے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے؟ یا آگ برساتی آتش فشانی کے طور پر یا اور کسی ایسے ہولناک عذاب کی شکل میں جو تمہارے تصور میں بھی نہ ہو۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو اللہ پاک کے ایسے کسی عذاب سے نڈر اور بے خوف نہیں ہو جانا چاہیے کہ وہ کبھی بھی اور کسی بھی شکل میں آسکتا ہے۔ اللہ ہر قسم کے عذاب سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔ اللہم کن لنا ولا تکن علینا۔

۱۱۵ **اللہ کا عذاب تمہارے پاؤں کے نیچے سے بھی آسکتا ہے:** سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم لوگوں پر کوئی عذاب بھیج دے تمہارے قدموں کے نیچے سے زمین میں دھنسا کر یا زلزلوں اور سیلابوں وغیرہ کی شکل میں۔ جیسا کہ پہلے بھی ہوتا آیا ہے اور آج بھی جگہ جگہ اور طرح طرح سے آئے دن ہوتا رہتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ جیسا کہ گزشتہ سال بحرِ ہند سے اٹھنے والے ہولناک طوفان نے ہندوستان کی ساحلی ریاست اڑیسہ کو تہس نہس اور ملیا میٹ کر کے رکھ دیا۔ اور اب جبکہ راقم آثم ان سطور کی پروف ریڈنگ کر رہا ہے ایک ہولناک زلزلے نے ہندوستانی ریاست گجرات کو صرف ڈیڑھ دومنٹ کے اندر ملیامیٹ کر کے ملبے کا ڈھیر بنا دیا۔ اسی طرح کا حال امریکی ریاست فلوریڈا، میکسیکو سٹی، چلی اور پیرو وغیرہ کا ہو چکا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو اللہ تعالیٰ کا عذاب اس طرح کی کسی بھی شکل میں، کہیں بھی اور کبھی بھی آسکتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو اس سے بے فکر اور نڈر نہیں ہو جانا چاہیے۔ بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہنا چاہیے کہ وہ اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت و عنایت سے اس طرح کے ہر عذاب سے ہمیشہ محفوظ رکھے کہ اس سے نڈر اور بے فکر ہو جانا بڑے خسارے کا سودا ہے۔ ﴿فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾۔ اللہ ہر خسارے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین۔

۱۱۶ **اللہ کا عذاب آپس کے ٹکراؤ کی شکل میں:** سو ارشاد فرمایا گیا کہ یا وہ تم لوگوں کو آپس میں ٹکرا دے مختلف گروہ بنا کر اور تم لوگوں کو ایک دوسرے کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ اور اسطرح تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے گلے کاٹنے لگو اور ان کے گھر بار اجاڑنے میں لگ جاؤ۔ جیسا کہ پہلے بھی ہوتا رہا ہے اور آج بھی جگہ جگہ اور طرح طرح سے ہو رہا ہے۔ جیسے پاکستان، افغانستان، ہندوستان، لبنان، سری لنکا اور کولمبیا وغیرہ وغیرہ کے مختلف ملکوں اور ان کے مختلف شہروں میں آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے کہ قتل و خون ریزی کا بازار گرم ہے۔ گردنیں کٹ رہی ہیں۔ عزتیں لٹ رہی ہیں۔ سلب و نہب کی کارروائیاں جاری ہیں اور ہر طرف آگ اور دھوئیں کے خوفناک مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو اللہ تعالیٰ کا عذاب۔ والعیاذ باللہ۔ کبھی بھی اور کسی بھی صورت میں آسکتا ہے۔ اس سے کبھی بھی نڈر اور بے خوف نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہمیشہ اللہ سے ڈرتے اور اسکی پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔ اس سے نڈر اور بے خوف ہونا بڑے ہی خسارے کا سودا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بندہ بہرحال عاجز اور بے بس اور اللہ تعالیٰ کی عنایت کا محتاج ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید۔

۱۱۷ **فہمِ حق اصل اور اہم مطلب:** سو ارشاد فرمایا گیا کہ ذرا دیکھو تو کہ ہم کس طرح پھیر پھیر کر اور انداز بدل بدل کر بیان کرتے ہیں اپنی آیتوں کو تا کہ یہ لوگ سمجھ سکیں۔ یعنی سمجھ سکیں حق اور حقیقت کو۔ کیونکہ فہمِ حق اصل اور اہم مطلب ہے کہ اسی کے نتیجے میں حق و ہدایت کی دولت حاصل ہوتی ہے جو کہ اصل اور حقیقی دولت ہے۔ اور یہ اس لیے کہ نورِ حق و ہدایت سے سرفرازی دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ یعنی تا کہ یہ لوگ سمجھ سکیں حق اور حقیقت کو اور ان کو حق کی طرف رجوع نصیب ہو سکے۔ اور اس طرح یہ لوگ دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ ور و سرفراز ہو سکیں۔ وباللہ التوفیق۔ کیونکہ حق کا فہم و ادراک اور نورِ حق و ہدایت سے سرفرازی و بہرہ مندی دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اور اس نورِ مبین سے محرومی دارین کا خسارہ و محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ

بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ ہم اپنی آیتوں اپنی قدرت کی نشانیوں اور اپنے اختیار و تصرف کی دلیلوں کو طرح طرح سے اور انداز و اُسلوب بدل بدل کر ان لوگوں کو سناتے ہیں تا کہ یہ حق اور حقیقت کو سمجھیں اور اپنے کفر و عناد سے باز آئیں۔ لیکن یہ لوگ ہیں کہ اپنی بدبختی کی بنا پر تمرد و سرکشی کی راہ میں ہی آگے بڑھے جا رہے ہیں اور عذاب سے بچنے کی فکر و کوشش کی بجائے اسے لانے اور دکھانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے عناد اور ہٹ دھرمی کا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - اللہ ہمیشہ نورِ حق و ہدایت سے سرفراز و مالا مال رکھے - آمین ثم آمین۔

۱۱۸ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ان سے کہو کہ میں کوئی تم پر نگران اور تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں" کہ تم سے حق کو منوا کر چھوڑوں اور نہ ماننے والوں پر عذاب اتار کر رہوں۔ سو ایسا نہ ہے اور نہ ہی میں نے کبھی اس طرح کا کوئی دعوٰی ہی کیا ہے کہ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے۔ میرا کام تو صرف حق کا پہنچا دینا ہے اور بس۔ اور وہ میں نے الحمد للہ پورا کر دیا اور بأحسنِ وجوہ پورا کر دیا۔ قرآنِ پاک کی تصریحات تو یہ ہیں لیکن پھر بھی آج کا کلمہ گو مشرک کہتا ہے کہ پیغمبر مختارِ کل ہوتا ہے۔ جو چاہے کرے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - بہرکیف پیغمبر نہ مختار کل ہوتا ہے اور نہ ہی یہ اسکی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ لوگوں سے حق کو منوا کر چھوڑے۔ بلکہ اسکی اصل ذمہ داری تبلیغ حق ہی کی ذمہ داری ہوتی ہے اور بس۔ اس لئے یہاں پر آنحضرت - ﷺ - سے صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ "ان سے کہو کہ میں تم لوگوں پر کوئی داروغہ نہیں کہ تم سے منوا کر چھوڑوں"۔ یعنی یہ نہ میرا کام ہے اور نہ میرے بس میں۔ بلکہ اصل معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے حوالے اور اسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے - سبحانہٗ و تعالیٰ -

۱۱۹ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے: - پس اپنے وقت میں وہ ضرور ہو کر رہے گی۔ لہٰذا تم اس کی جلدی نہ مچاؤ بلکہ آنے والے اس عذاب سے بچنے کی فکر کرو۔ قبل اس سے کہ حیاتِ مستعار کی یہ فرصتِ محدود تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور تم لوگ ہمیشہ کے لیے اس عذاب میں مبتلا ہو کر رہو جس کا حقدار و مستحق تم نے اپنے آپ کو اپنے عمل و کردار سے بنا دیا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - بہرکیف یہ حقیقت ہمیشہ تمہارے پیش نظر رہنی چاہیئے کہ ہر بات کے ظہور کے لئے اللہ تعالیٰ کی تقویم میں ایک وقت مقرر ہے۔ اس وقت وہ بہرحال ظاہر ہو کر رہے گی۔ کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکے گی اور اس وقت تم اس کو خود دیکھ لوگے - ﴿وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَہٗ بَعْدَ حِیْنٍ﴾ - پس عذاب مانگنے کی بجائے اس سے بچنے کی فکر کرنی چاہیے۔

۱۲۰ منکرین و غافلین کو تنبیہ و تذکیر: - سو منکرین و غافلین کو تنبیہ و تذکیر کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ عنقریب تم لوگ خود ہی جان لو گے جس وقت وہ عالمِ مشاہدہ برپا ہو جائے گا اور غیبی حقائق کھل کر تمہارے سامنے آ جائیں گے تو اُس وقت تمہیں سب کچھ خود بخود اور پوری طرح معلوم ہو جائے گا۔ مگر اُس وقت تمہارے لئے حسرت و افسوس کے سوا کوئی اور چارہ نہ ہوگا۔ سو دینِ حق اپنی رحمت بھری تعلیمات کے ذریعے تمہیں اُس ہولناک انجام سے بچانا چاہتا ہے اور تم لوگ ہو کہ اس سے بچنے کی فکر کرنیکی بجائے اس کو جلد لانے کا مطالبہ کر رہے ہو۔ آخر تمہاری مت کیوں ماری گئی؟ اور تم لوگ اس قدر اندھے اور اوندھے کیوں ہو گئے؟ سو یہی نتیجہ ہوتا ہے ایمان و یقین کی دولت سے محرومی اور عناد اور ہٹ دھرمی کا کہ اس سے انسان اندھا اور اوندھا ہو جاتا ہے اور اس کی مت ایسے مار کر رکھ دی جاتی ہے کہ اس کو اپنے نفع و نقصان کی بھی تمیز نہیں رہتی اور وہ عذاب و نقصان سے بچنے کی فکر کی بجائے اس کا مطالبہ کرنے لگتا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ -

الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾

(تمہارا ازلی دشمن) شیطان تو یاد آ جانے کے بعد تم مت بیٹھو ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ، ۱۲۱

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ

اور پرہیزگاروں پر ان لوگوں کے حساب میں سے کسی چیز کی کوئی ذمہ داری نہیں،

وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ

البتہ (بقدرِ استطاعت) نصیحت کرنا ان کا فرض ہے، شاید کہ وہ لوگ باز آ جائیں، ۱۲۲ اور چھوڑ دو ان لوگوں کو

اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ

جنہوں نے ٹھہرا رکھا ہے اپنے دین کو کھیل تماشے کا سامان، اور دھوکے میں ڈال رکھا ہے ان کو دنیا کی

۱۲۱ ظالموں کی ہم نشینی سے ممانعت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ظالموں کے ساتھ مت بیٹھو کہ ظالموں کی ہم نشینی کا انجام بہرکیف بہت برا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللهِ – سو نورِ حق سے محروم بے دینوں اور بددینوں سے ہمیشہ دور و نفور رہنے کی ضرورت ہے تاکہ ان کی بے دینی اور بددینی کی سیاہی تم لوگوں پر اثر انداز نہ ہو جائے۔ اور اگر کبھی یاد نہ رہے اور بھول کر بیٹھ جاؤ تو یاد آ جانے پر فوری طور پر ان سے الگ ہو جایا کرو کہ ایسی صورت میں ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا غیرتِ ایمانی کے خلاف ہے۔ سو بھول چوک کی صورت میں ان ظالموں کے ساتھ جتنا بیٹھ گئے اس پر کوئی گرفت و پکڑ نہ ہوگی کہ وہ معاف ہے۔ لیکن یاد آ جانے کے بعد ان کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ ظالموں کی ہم نشینی محرومی اور سیاہ بختی کا موجب ہے جبکہ صالح اور پاکیزہ لوگوں کی صحبت و ہم نشینی خیرات و برکات کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ نیکوں کی صحبت تمہیں نیک بنائے گی اور بدوں کی صحبت بد۔ اسی لیے قرآنِ حکیم نے اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ان کو دو نکاتی پروگرام دیا ہے کہ تقویٰ اور پرہیزگاری کو اپناؤ اور سچوں کا ساتھ دو۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾۔ (التوبۃ: ۱۱۹)۔

۱۲۲ نصیحت و خیرخواہی بہرحال مطلوب ہے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ پرہیزگاروں پر ان لوگوں کے حساب میں سے کسی چیز کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ البتہ بقدرِ استطاعت نصیحت کرنا ان کا فرض ہے تاکہ یہ لوگ باز آ جائیں اپنے کفر و باطل اور بے راہ روی سے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ مومنِ صادق کے لئے اہلِ کفر و نفاق اور اصحابِ زیغ و ضلال سے علیحدگی اور کنارہ کشی ضروری ہے تاکہ ان کے اختلاط اور ان کی ہم نشینی سے ان کی سیاہ بختی کے اثرات سے حفاظت ہو سکے۔ لیکن نصیحت و خیرخواہی اسکے باوجود جاری رکھی جانی چاہیئے تاکہ ان کا بھلا ہو سکے کہ دین نام ہی بھلائی اور خیرخواہی کا ہے کہ شاید اس طرح یہ لوگ باز آ جائیں اپنی بری روش سے۔ اور اس کے نتیجے میں یہ بچ جائیں ہولناک انجام سے۔

الدُّنْيَا وَ ذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ

زندگی (کی چکا چوند) نے، ۱۲۳ اور نصیحت (و یاد دہانی) کرتے رہو اس (قرآن) کے ذریعے، ۱۲۴ کہ کہیں کوئی پکڑا جائے اپنے کیے

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ

کی پاداش میں، اس طور پر کہ اس کے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی حمایتی ہو نہ سفارشی، اور اگر

تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

وہ اپنے بدلے میں (دنیا بھر کا) ہر معاوضہ بھی دے تو بھی وہ اس سے نہ لیا جائے، ۱۲۵ یہی ہیں وہ لوگ جو

اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ

پکڑے گئے اپنے کیے (کرائے) کی پاداش میں، ان کے پینے کے لئے کھولتا پانی ہوگا، اور ان کے لئے ایک

اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ

ع ۸ / ۱۴

بڑا ہی دردناک عذاب ہوگا اس کفر کی پاداش میں جو کہ یہ کرتے رہے تھے، (ان سے) کہو کہ کیا ہم اللہ کے سوا

اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا

ایسوں کو پکاریں ۱۲۶ جو نہ ہمیں کچھ نفع دے سکیں، نہ نقصان پہنچا سکیں، اور کیا ہم الٹے پاؤں پھر جائیں

بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ

اس کے بعد کہ اللہ نے نواز دیا ہمیں ہدایت کی دولت سے، اس شخص کی طرح جس کو بے راہ کر دیا ہو شیطانوں نے

۱۲۳ دنیاوی زندگی کے دھوکے سے بچنے کی ضرورت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں کو چھوڑ دو جن کو دنیاوی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ جس کی بنا پر انہوں نے اسی کو اپنا قبلۂ مقصود بنا رکھا ہے اور اسی کے لئے یہ جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں۔ اور اس طرح اپنے انجام اور اپنی آخرت کو بھلا کر یہ لوگ دائمی ہلاکت و خسران کی راہ پر چلے جا رہے ہیں۔ اور یہ ایسا ہولناک خسارہ ہے کہ پھر اس کی تلافی اور تدارک کی کوئی صورت ممکن نہ ہو سکے گی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- سو دنیاوی زندگی کے دھوکے سے بچنے کی اور اسکی چمک دمک اور چکا چوند سے ہمیشہ ہوشیار و چوکنا رہنے کی ضرورت ہے- وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ- پس جو لوگ اس حقیقت سے غافل و بے خبر ہیں وہ دنیا کے جال میں پھنس کر بڑے ہی ہولناک خسارے میں مبتلا ہو رہے ہیں اور ان کو اس کا شعور و احساس ہی نہیں -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ-

۱۲۴ **تذکیر بالقرآن کا حکم و ارشاد:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تذکیر و یاددہانی کراتے رہو اس قرآن کے ذریعے اور آخرت کی حقیقی اور دائمی زندگی کا بھولا ہوا سبق لوگوں کو یاد دلاتے رہو شاید یہ لوگ سمجھ جائیں اور اپنے برے انجام سے بچ جائیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اور یہ تذکیر و یاددہانی قرآنِ حکیم کے اس نُورِ مُبِیْن کے ذریعے ہی ہونی چاہیے کہ دارین کی سعادت و سرخروئی کی راہیں اسی سے روشن اور واضح ہوسکتی ہیں۔ ورنہ دنیا میں اندھیرے ہی اندھیرے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - اسی لیے اس کے ذریعے تذکیر و یاددہانی کی تلقین فرمائی گئی۔ جیسا کہ اسکے علاوہ دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا گیا - ﴿ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴾ - (ق: ۴۵)۔ سو اس سے تذکیر بالقرآن کی اہمیت اور اسکی عظمت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے - وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق - بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جو لوگ اپنے دین کو مذاق بنائے ہوئے ہیں نہ تو زیادہ ان کے درپے ہونے کی ضرورت ہے اور نہ ہی ان کے نت نئے مطالبات کے لئے فکرمند ہونے کی۔ بلکہ اس قرآن کے ذریعے اِنذار و تذکیر کا جو فریضہ تم پر عائد ہوتا ہے اس کو ادا کرتے رہو کہ کوئی جان اپنے عمل کی پاداش میں گرفتارِ عذاب نہ ہو جائے۔ آگے ہر کسی کو اپنے عمل ہی سے واسطہ پڑنا ہے اور اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ نہ کہ کوئی دوسرا - والعیاذ باللہ -

۱۲۵ **حیاتِ دنیا کی قدر و قیمت کا ایک اہم پہلو:** - سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دنیاوی زندگی کی یہ فرصت جو آج ہمیں میسر ہے کس قدر قیمتی اور کتنی عظیم نعمت و دولت ہے کہ یہاں ایمان و اِخلاص کے ساتھ کی جانے والی معمولی سے معمولی نیکی بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قبول فرماتا ہے۔ جبکہ وہاں روئے زمین کی سب دولت بھی کسی کے بدلے میں قبول نہیں کی جائے گی - اللہ تعالیٰ ہمیں اس حیاتِ مستعار کے ایک ایک لمحے سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشے - آمین ثم آمین۔ سو قرآنِ حکیم کی روشنی میں آنے والے اس ہولناک خطرے اور خسارے سے آگاہ کر دینا ضروری ہے تاکہ کوئی بے خبری کے عالم میں اپنے کئے کرائے کی زد میں نہ آ جائے اور اس آگہی کے بعد اگر کوئی اپنی شامتِ اعمال میں گرفتار ہونا چاہتا ہے تو اُس کی ذمہ داری خود اسی پر ہے۔ تم بہرحال اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو۔ کہ تمہاری ذمہ داری تبلیغ ہے اور بس۔

۱۲۶ **غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت و حرمت کا بیان:** - سو غافلوں اور منکروں کے دلوں کو جھنجھوڑتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ کیا ہم اللہ کے سوا ایسوں کو پکاریں جو نہ ہمیں کوئی نفع دے سکیں نہ نقصان پہنچا سکیں؟ یعنی ایسوں کو پکارنا نری حماقت ہے۔ پس اللہ کے سوا کسی کو اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کیلئے غائبانہ پکارنا پرلے درجے کی حماقت ہے۔ اور استفہام انکاری ہے یعنی ایسے نہیں ہوسکتا کہ یہ بڑی حماقت و جہالت کی بات ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - کہ حاجت روا و مشکل کشا سب کا وہی وحدہٗ لاشریک ہے جو اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف ہے۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ تم ان مشرکوں سے صاف صاف کہہ دو کہ کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ ہم اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو پکاریں جو نہ ہمیں کوئی نفع دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں اس سے نجات بخشی اور ہم الٹے پاؤں پھر کر پھر اسی گمراہی میں جا پڑیں جس میں پہلے مبتلا تھے؟ یعنی ایسے نہیں ہوسکتا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اللہ ہمیشہ راہِ حق پر ثابت قدم رکھے اور نفس و شیطان کے ہر شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین ثم آمین۔

فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى

صحرا میں حیران (وسرگرداں) کر کے، ١٢٧ جب کہ اس کے ساتھی اس کو پکار رہے ہوں سیدھی راہ کی

الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ

طرف، کہ چلے آؤ تم ہمارے پاس، ١٢٨ کہو کہ بے شک اللہ کی (بتلائی ہوئی) راہ ہی سیدھی راہ ہے،

١٢٧ مشرک کی مثال اس کی محرومی اور بے راہ روی میں:- سو مشرک اُس شخص کی طرح ہے جس کو شیطانوں نے حیران کر دیا ہو صحرا میں۔ اس کی محرومی اور بے راہ روی میں۔ وہ نہیں جانتا کہ میرا راستہ کدھر ہے اور مجھے کدھر جانا چاہیے۔ سو یہی مثال ہے سفرِ آخرت کے اُس راہی کی جو نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑ کر کفر و باطل کے اندھیرے میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ اسکے مخلص اور باخبر ساتھی اسکو سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہیں مگر اس کو جنوں اور بھوتوں نے ایسا مخبوط الحواس کر دیا کہ اس کو کچھ سنتا سوجھتا ہی نہیں۔ سو آخرت کی سیدھی راہ توحید اور اسلام کی راہ ہے۔ اس سے منہ موڑنے والا کافر و مشرک راہِ حق و ہدایت سے منہ موڑ کر مخبوط الحواس ہو گیا۔ اور اللہ کی اس راہ کی طرف بلانے والے اللہ کے رسول اور آپؐ کے سچے پیروکار ہیں جن کی رفاقت میں اور ان کی بات ماننے سے آخرت کا یہ عظیم الشان سفر آسانی اور سہولت سے طے ہو سکتا ہے۔ پس جس نے ان کی آواز پر کان دھرا اور انکی دعوت کو قبول کیا وہ سیدھی راہ سے سرفراز ہو گیا اور منزلِ مقصود تک پہنچ گیا۔ اور جس نے انکی آوازِ حق و صداقت سے منہ موڑ کر شیاطین الانس والجن کی آواز پر کان دھرا اور ان کی راہ کو اپنایا وہ راہِ حق و ہدایت سے محروم ہو کر صحرائے ضلالت اور بیابانِ حسرت میں بھٹکتا رہ گیا اور منزلِ مقصود سے محروم ہو گیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو اِس تمثیل سے واضح فرما دیا گیا کہ نورِ حق و ہدایت سے اِعراض و روگردانی کرنے والے اور اس سے محروم لوگوں کی مثال صحرا میں بھٹکتے پھرنے والے مسافر کی ہے۔ شیطانوں اور ان کے گمراہ لیڈروں نے ان کی مت ایسی مار کر رکھ دی ہے کہ ان کو کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ ان کے راہ یاب ساتھی یعنی ایمان والے ان کو راہِ حق و ہدایت کی طرف بلاتے ہیں لیکن یہ بدنصیب ان کی آواز کو سن ہی نہیں سکتے۔ اور تہ در تہ اندھیروں کے اندر بدنصیبی کے دھکے کھاتے پھر رہے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

١٢٨ کامیابی کا راستہ اِسلام اور توحید کا راستہ ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس بھٹکے ہوئے شخص کو اس کے ساتھی سیدھی راہ کی طرف بلا رہے ہیں جس کو اپنا کر وہ اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح مسافرِ آخرت کے لئے سیدھا راستہ اسلام اور توحید کا راستہ ہے جو کہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور آپؐ کے متبعین کی رفاقت میں ہی طے کیا جا سکتا ہے۔ جو شخص اس راہ پر چلا اور اس بہترین رفاقت کو اس نے اپنایا وہ منزلِ مقصود تک پہنچ گیا اور کامیابی سے ہمکنار ہو گیا۔ اور جس نے اس کی بجائے شیاطینِ اِنس و جن کی آواز کی طرف کان لگایا اور ان کی راہ کو اپنایا وہ صحرائے ضلالت اور بیابانِ حیرت میں بھٹکتا ہوا دائمی ہلاکت و خسران سے دوچار ہوا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو اہلِ حق اور دینِ حق کے سوا ہر راستہ ہلاکت و تباہی کا راستہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ مادہ پرست دنیا اپنے آپ کو خواہ کچھ بھی سمجھتی رہے اور کیسے بلند بانگ دعوے کرتی رہے، حقیقت نفس الامری بہرحال یہی ہے کہ دینِ حق سے محروم دنیا سراسر خسارے میں اور ہلاکت کی راہ پر ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

وَاُمِرۡنَا لِنُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنۡ اَقِیۡمُوا

اور ہمیں اسی کا حکم ملا ہے کہ ہم گردن ڈال دیں، پروردگار عالم کے حضور، ۱۲۹ اور یہ کہ تم قائم کرو

الصَّلٰوۃَ وَاتَّقُوۡہُ ؕ وَہُوَ الَّذِیۡۤ اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۷۲﴾

نماز اور ڈرتے رہو اسی (وحدہٗ لاشریک) سے، ۱۳۰ اور وہ وہی ہے جس کے حضور تم سب کو بہرحال حاضر ہونا ہے اکٹھے ہو کر، ۱۳۱

وَہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ

اور وہ وہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ، ۱۳۲

وَیَوۡمَ یَقُوۡلُ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۬ؕ قَوۡلُہُ الۡحَقُّ ؕ وَلَہُ

اور جس دن وہ فرمائے گا (ہر فنا شدہ چیز سے) کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گی اس کی بات بہرحال سچی ہے، اور اسی کی

۱۲۹ سیدھی راہ اللہ کی بتائی ہوئی راہ ہی ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ سیدھی راہ بہرحال وہی ہے جو اللہ نے بتائی ہے اور ہمیں اسی بات کا حکم ملا ہے کہ ہم اپنی گردن پروردگارِ عالم کے حضور ڈال دیں۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ سیدھی راہ وہی اور صرف وہی ہے جو اللہ کی بتائی ہوئی ہے۔ اور باقی سب محض اندازے اور ظن وتخمین اور ڈھکوسلے ہیں۔ کوئی مانے یا نہ مانے، تسلیم کرے یا نہ کرے، حقیقت نفس الامری اور امرِ واقع بہرحال یہی اور صرف یہی ہے۔ سو جو اس دینِ حق سے محروم ہیں وہ بہرحال نورِ حق و ہدایت سے محروم ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم -اور اللہ کی ہدایت اب صرف قرآن وسنت ہی سے مل سکتی ہے اور بس۔ اس کے سوا اس کے لئے دوسرا کوئی ماخذ نہ ہے نہ ہو سکتا ہے۔ پس جو لوگ قرآنِ حکیم کے اس نورِ عظیم سے سرفراز و سرشار ہیں وہی راہِ حق و ہدایت سے بہرہ ور اور مالا مال ہیں۔ اور جو اس نورِ عظیم سے بے بہرہ و محروم ہیں وہ حق و ہدایت کی دولت سے قطعی طور پر محروم ہیں، خواہ وہ اپنے بارے میں کچھ بھی کہتے اور اپنے آپ کو کچھ بھی سمجھتے ہوں۔ وہ نہ اپنے مقصدِ حیات سے آگاہ ہیں اور نہ اپنے انجام سے۔ اور نورِ حق وہدایت سے محرومی کے نتیجے میں وہ حیوانِ محض بلکہ بدترین مخلوق [شر البریۃ] بن کر رہ گئے اور یہ خسارہ خساروں کا خسارہ ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم -

۱۳۰ اقامتِ الصلوٰۃ اور تقویٰ و پرہیزگاری کا حکم و ارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ نماز ادا کرو اور اللہ ہی سے ڈرتے رہا کرو۔ یعنی ہر حال میں اور ہر مقام پر۔ تاکہ اس طرح تم بچ سکو اُس کی گرفت و پکڑ سے کہ وہ اپنے علم اور اپنی قدرت کے اعتبار سے ہر جگہ اور ہر حال میں تمہارے ساتھ ہے۔ اور تمہارے اَحوال و اَعمال پر مطلع و شاہد ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا -﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾-- (الحدید: ۴)۔ سو تقویٰ و پرہیزگاری کا سب سے بڑا مقصد رضائے الٰہی کا حصول اور دارین کی

سعادت و سرخروئی سے سرفرازی ہے۔ اور یہی اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اور اس سے محرومی دارین کی فوز و فلاح سے محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ پس بندۂ مؤمن کو ہمیشہ اسی بات کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ میرا معاملہ میرے خالق و مالک کے ساتھ کیسا ہے اور وہ ہر اس کام سے بچنے کی فکر و کوشش کرے جو اس کی ناراضگی اور گرفت و پکڑ کا باعث ہو۔ اور اس کی رضا و خوشنودی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ۔ و باللہ التوفیق۔

۱۵۱ سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف: ۔ سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ سب کو بہرحال اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے اور وہاں حاضر ہو کر تم لوگوں نے زندگی بھر کے اپنے کیے کرائے کا بھرپور بدلہ پانا ہے تاکہ اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے بھرپور طریقے سے اور اپنی آخری اور کامل شکل میں پورے ہو سکیں۔ کھرے کھوٹے میں تمیز ہو سکے۔ نیکوکاروں کو جنت کی ابدی اور سدا بہار عظیم الشان نعمتوں سے سرفرازی نصیب ہو اور بدکاروں کو ان کی زندگی بھر کی بدکاریوں کی سزا مل سکے۔ اور اس طرح اس کارخانۂ ہست و بود کے مقصدِ تخلیق کی تکمیل ہو سکے۔ پس ہر کوئی ہمیشہ اسی بات کو پیشِ نظر رکھے کہ وہاں میرا معاملہ کیسا رہے گا اور اس یومِ عظیم میں کیا چیز کام آ سکتی ہے۔ و باللہ التوفیق لما یحب و یرید و علیٰ ما یحب و یرید و ھو الہادی الیٰ سواء السبیل۔

۱۵۲ کائنات کی تخلیق حق کے ساتھ: ۔ سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ کائنات کی تخلیق حق کے ساتھ ہے اور آسمانوں اور زمین کی اس کائنات کی تخلیق کے بالحق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تخلیق نہایت مستحکم و مضبوط بھی ہے اور نہایت پُرحکمت اور بامقصد بھی۔ نہ ان کی ساخت و تخلیق میں کوئی خلل و قصور ہے اور نہ ان کا وجود میں لانا عبث و بے کار ہو سکتا ہے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ پس تم لوگ ایک طرف تو کائنات کی اس کھلی کتاب میں غور و فکر سے کام لیکر اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل کرو اور دوسری طرف حکمتوں اور نعمتوں بھری اس کائنات سے فائدہ اٹھا کر دل و جان سے اپنے اس خالق و مالک کا شکر ادا کرو اور اس طرح اپنے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا سامان کرو۔ و باللہ التوفیق۔ اور یہیں سے یہ بھی سوچنا چاہیے کہ جب زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی اس ساری کائنات کی تخلیق بالحق اور بامقصد ہے تو پھر یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ اس کا مخدوم و مطاع یہ انسان اور اس کی تخلیق بیکار اور بے مقصد ہو؟ اس کو یونہی عبث اور بیکار پیدا کر دیا جس سے کوئی حساب نہ ہو اور یہ یونہی مر کھپ کر ختم ہو جائے۔ سو ایسے ہرگز نہیں بلکہ اس انسان نے اپنے وقت پر دوبارہ اٹھ کر اپنے کیے کرائے کا حساب دینا اور اس کا پھل پانا ہے اور اسی یومِ حساب کو یوم القیامۃ کہا جاتا ہے۔

الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ

بادشاہی ہوگی (حقیقت میں بھی اور ظاہر میں بھی اس روز) جس روز کہ پھونک ماردی جائے گی صور میں، ۱۳۳ وہی ہے جاننے والا

وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ

چھپی کو بھی، ۱۳۴ اور ظاہر کو بھی، اور وہی ہے نہایت حکمت والا، پورا باخبر، اور (وہ بھی یاد کرو کہ) جب ابراہیمؑ ۱۳۵ نے کہا اپنے باپ

اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ

آزر سے، ۱۳۶ کہ کیا آپ نے (من گھڑت) بتوں کو معبود قرار دے رکھا ہے، بے شک میں دیکھ رہا ہوں آپ کو بھی اور آپ کی قوم

فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ

کو بھی (ڈوبا ہوا) کھلی گمراہی میں، ۱۳۷ اور اسی طرح دکھاتے رہے ہم ابراہیم کو

۱۳۳ قیامت کے روز بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی:- اور اس کے سوا اور کسی عارضی اور ظاہری بادشاہی کا بھی کوئی وجود اس روز باقی نہیں رہے گا کہ دنیا کی یہ ظاہری اور عارضی حکومتیں اور بادشاہتیں بھی اس روز سب کی سب ختم ہو چکی ہوں گی جو کہ آج جگہ جگہ اور طرح طرح کے ناموں سے پائی جاتی ہیں۔ اور جن پر ابنائے دنیا پھولے نہیں سماتے۔ سو سدا اور حقیقی بادشاہی اللہ پاک ہی کی ہے اور بادشاہِ حقیقی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ مگر اتنا فرق ہے کہ دنیا کے اس دارالامتحان میں عارضی، فانی اور ظاہری حکومتیں اور بادشاہیاں اور بھی پائی جاتی تھیں، اور پائی جاتی ہیں۔ پہلے بھی تھیں اور آج بھی ہیں۔ لیکن قیامت کے اس یومِ حساب میں ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گی۔ سب نیست و نابود ہو چکی ہونگی۔ اس روز اسی حاکمِ حقیقی کی بادشاہی ہوگی۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سو اُس روز سارا زور و اختیار اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے لئے ہوگا جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ﴾۔ (الانفطار: ۱۹)۔ پس اُس روز نہ کسی کا زور چلے گا اور نہ کسی کا کوئی اختیار ہوگا اور نہ کسی کی کوئی سعی و سفارش اللہ کے اِذن کے بغیر کسی کو کچھ نفع پہنچا سکے گی۔ سب اللہ وحدہٗ لاشریک کے حضور سرافگندہ ہوں گے اور صرف اسی کا حکم و اِرشاد نافذ و ناطق ہوگا۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اور دنیا میں ایسے لوگوں کے دماغوں میں جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ اور اقتدار کے خمار ہوا کرتے تھے اس روز وہ سب ہرن ہو جائیں گے اور ان کو اپنی اصل حقیقت خود نظر آ جائے گی۔ اور اپنا حدودِ اربعہ ان کے سامنے پوری طرح واضح ہو جائے گا۔

۱۳۴ عالمِ غیب صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر و قصر کے اسلوب و انداز میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی جاننے والا ہے ظاہر اور پوشیدہ کا اور اللہ ہی عالمِ غیب ہے۔ پس اس کے سوا کسی کو عالم الغیب ماننا جائز نہیں ہوگا۔ وَالعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اور ظاہر و پوشیدہ کی یہ تقسیم بھی مخلوق کے اعتبار سے ہے ورنہ اس وحدہٗ لاشریک کے یہاں یہ سب ایک برابر ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اور یہ اسی وحدہٗ لاشریک کی شان ہے کہ وہ ظاہر اور پوشیدہ

کو ایک برابر جانتا ہے۔ پس معبودِ برحق بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ بہرکیف یہاں حصر کے اُسلوب کے ساتھ اِرشاد فرمایا گیا کہ وہی ہے جو نہاں وعیاں کو ایک برابر جاننے والا ہے۔ اس لئے نہ کسی کی کوئی ظاہر یا پوشیدہ بات اس سے مخفی رہ سکتی ہے اور نہ وہ کسی سے پوچھنے اور معلوم کرنے کا محتاج ہو سکتا ہے۔ نہ کوئی اس کے علم میں کسی طرح کا اضافہ کرسکتا ہے اور نہ کوئی کسی طرح کے غلط عذر اور بہانے کے ذریعے وہاں کام چلا سکے گا۔ اور وہی ہے جو حکیم بھی ہے اور خبیر بھی۔ اس لئے اس کا ہر حکم علم وحکمت پر ہی مبنی ہوتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۱۲۵ حضرتِ ابراہیم سے نسبت کا تقاضا؟: ۔ سو یہاں پر حضرتِ ابراہیم کے قصے کی تذکیر و یاددہانی کے حکم وارشاد سے دراصل یہ درس دیا گیا ہے کہ تم لوگ اُن کی اِتباع اور پیروی کرو کہ وہ وہی ابراہیم ہیں جنکی نسبت پر سب فخر کرتے ہیں اور ابراہیمی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور جن کی اقتداء و پیشوائی کا دم یہ یہود و نصاریٰ سب بھرتے ہیں۔ اور مشرکینِ عرب کا تو اوڑھنا بچھونا ہی یہ دعویٰ تھا کہ وہ ابراہیم کی اولاد اور اُن کے جانشین اور ملتِ ابراہیمی کے وارث اور پیروکار ہیں۔ حالانکہ یہ سب اسی شرک میں مبتلا ہیں جس کیخلاف حضرتِ ابراہیمؑ نے اسطرح علمِ جہاد بلند کیا تھا۔ یہ بعینہٖ وہی صورتِ حال ہے جس میں آج کے اہلِ بدعت مبتلا ہیں کہ نام تو لیتے ہیں حضرتِ شیخ جیلانیؒ اور دوسرے بزرگانِ کرام کا اور ان ہی کے نام پر گیارہویاں کھاتے، نذرانے بٹورتے اور طرح طرح کے کاروبار چلاتے ہیں۔ مگر عمل و کردار کے میدان میں یہ لوگ ان کی تعلیمات کے بالکل برعکس چلتے ہیں۔ یہاں تک کہ انہی کے نام پر شرک کو رواج دیتے ہیں اور ان کے بڑے انہی مشرکانہ رسوم ورواج کو حق بجانب ثابت کرنے کیلئے کتاب وسنت کی نصوصِ صحیحہ وصریحہ میں بھی تحریف وتاویل سے کام لیتے ہیں۔ سو بڑوں سے نسبت اور ان کے ساتھ رشتہ وتعلق کا تقاضا یہ ہے، اور یہی ہونا چاہیئے کہ ان کی ان تعلیمات کو اپنایا جائے جو انہوں نے دنیا کے سامنے پیش فرمائیں۔ نہ یہ کہ نام اُن کا لیا جائے اور عمل اُن کے خلاف ہو۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف یہاں پر حضرتِ ابراہیم کی پاکیزہ اور قربانی وجہدِ مسلسل سے بھرپور ولبریز اور سبق آموز زندگی کا تذکرہ فرما کر اور اس کی یاددہانی کرا کر ان کی پیروی کے دعویداروں کے سامنے آئینہ رکھ دیا گیا ہے کہ دیکھو ابراہیم کیسے اور کیا تھے اور تم لوگ کیسے اور کیا ہو؟ ان کی زندگی کے طور طریقے کیا تھے اور تم لوگ کس ڈگر پر چل رہے ہو؟ سو محض زبانی کلامی دعووں سے کام نہیں چلے گا بلکہ اس کے لیے اِتباع اور پیروی کی اور ان کے نمونہ عمل اور اسوۂ حسنہ کو اپنانے کی ضرورت ہے۔

۱۲۶ آزر سے مراد؟ اور ایک مغالطے کا جواب: ۔ قرآنِ پاک کے الفاظ ۔ ﴿لِاَبِيْهِ اٰزَرَ﴾ ۔ سے ظاہر و متبادر یہی ہے کہ یہ حضرتِ ابراہیم ۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔ کے والد کا نام تھا جو کہ کافر ومشرک اور بت پرست ہی نہیں، بت گر اور بت فروش بھی تھا۔ اور جن روایات میں ان کا نام تارخ بتایا گیا ہے اول تو وہ دراصل اسرائیلی روایات ہیں نہ کہ قرآن وسنت کی نصوص۔ پھر ہمیں کیا پڑی ہے کہ ان کی بنا پر قرآنِ حکیم کے اس ظاہر و متبادر مفہوم میں خواہ مخواہ تاویل سے کام لیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اُس شخص کے یہ دونوں نام ہوئے ہوں۔ جیسا کہ تمام ثقہ علماء ومفسرینِ کرام کا کہنا ہے۔ اور حضرتِ ابنِ عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ (جامع البیان، صفوۃ البیان، روح المعانی، المراغی اور المحاسن وغیرہ)۔ علامہ ابن جریر اور ضحاک نے جزم ویقین کے ساتھ کہا ہے کہ آزر حضرتِ ابراہیم کے باپ کا نام تھا (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ اور صاحبِ صفوۃ التفاسیر اس موقع پر لکھتے ہیں کہ صحیح یہی ہے اور محققین نے تصریح کی ہے کہ یہ ابراہیم کے باپ کا نام تھا۔

اور نصوصِ کتاب وسنت اس شخص کے کفر پر صریح طور پر دلالت کرتی ہیں۔ اور اصل یہی ہے کہ لفظ کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے اور جب تک کوئی قرینہ صارفہ موجود نہ ہو اسکو اسکے ظاہر سے نہ پھیرا جائے۔ پس اہلِ بدعت کے بعض بڑوں کا اس طرح کی اسرائیلی روایات کے سہارے یہ کہنا کہ حضرتِ ابراہیم کے باپ کا نام تارخ تھا اور وہ مومن اور موحد تھے، سراسر باطل اور مردود ہے۔ یہ دراصل شیعوں کا عقیدہ ونظریہ ہے، جن کا کہنا اور ماننا یہ ہے کہ نبی اور امام کے باپ دادا میں سے کوئی کافر ومشرک نہیں ہوسکتا۔ اور اسی شیعی عقیدے اور نظریئے کے جراثیم اپنوں کی سادگی، اہلِ بدعت کی غلو پسندی اور غیروں کی چالاکی وملمع سازی وغیرہ مختلف عوامل واَسباب کے باعث اہلِ حق کی کتابوں میں بھی سرایت کر گئے۔ چنانچہ علامہ شام شیخ محمد جمال الدین القاسمی مرحوم ومغفور اس موقع پر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس ارشادِ ربانی میں شیعوں پر قطعی رد ہے جن کا دعوٰی ہے کہ کسی بھی نبی کے باپ دادا میں سے کوئی کافر نہیں ہوسکتا۔ اور اسی بنا پر انہوں نے کہا کہ آزر حضرتِ ابراہیم کا باپ نہیں چچا تھا۔ (محاسن التاویل المعروف تفسیر القاسمیؒ: ج ۶ ص ۵۸۴ طبع دار الفکر بیروت)۔ اور امام رازیؒ نے اس پر بڑی بسط وتفصیل سے کام کیا ہے۔ حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ ۔علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ کے باپ کے کافر اور دوزخی ہونے کی تصریح تو حضرتِ رسالت مآب ۔علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ نے اپنے قولِ حق وصدق ترجمان میں فرمائی ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیثوں میں وارد ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرتِ ابوہریرہ ۔رضی اللہ عنہ۔ سے مروی ہے کہ آنحضرت ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز حضرتِ ابراہیم اپنے باپ آزر سے ملیں گے اس حال میں کہ اُس کے چہرے پر [کفر کی] تاریکی چھائی ہوئی ہوگی۔ تو حضرتِ ابراہیمؑ اس سے کہیں گے کہ کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی اور خلاف ورزی نہیں کرو۔ تو وہ کہے گا ''فَالْيَوْمَ لَآ اَعْصِيْكَ'' کہ ''اب میں آپ کی نافرمانی کبھی نہیں کروں گا''۔ تب حضرتِ ابراہیم اپنے رب کے حضور عرض کریں گے کہ میرے مالک! آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میں تم کو قیامت کے روز رسوا نہیں کروں گا، تو اس سے بڑھ کر رسوائی اور کیا ہوگی کہ میرا یہ بدنصیب باپ آج دوزخ میں جا رہا ہے۔ تو اللہ پاک اس کے جواب میں فرمائے گا کہ میں نے جنت کو کافروں پر حرام قرار دے رکھا ہے۔ [اس لئے تمہارا یہ کافر باپ اب کسی بھی طور پر جنت میں نہیں جاسکے گا] پھر اللہ پاک حضرتِ ابراہیم سے فرمائیں گے کہ اپنے پاؤں کے نیچے دیکھو تو وہ دیکھیں گے کہ ان کا باپ آزر ایک گھنے بالوں والے بجو کی شکل میں پڑا ہوگا۔ تو اس کو اسکے پاؤں سے پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا ۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ (صحیح بخاری: کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالی ۔﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا﴾۔) اب دیکھئے قرآن وسنت کی نصوص وتصریحات کیا کہتی ہیں اور اہلِ بدعت کے یہ صاحب کیا کہتے اور کس طرح کی گوہر افشانی فرما رہے ہیں۔ یہ نصوص صاف وصریح طور پر کہتی اور بتلاتی ہیں کہ حضرتِ ابراہیم ۔علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ کا باپ آزر کافر ومشرک تھا۔ اور اس کو حضرتِ ابراہیم کی اس عاجزانہ اپیل ودرخواست کے باوجود دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ مگر اہلِ بدعت کے ایسے تحریف پسندوں کا یہ کہنا ہے کہ نہیں وہ مومن وموحد تھا۔ سو یہ ہے مبلغ علم ودین اور یہ ہیں بلند بانگ دعوے ۔فَاِلَی اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى ۔ واضح رہے کہ اس سے ابراہیم ۔علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ جیسا کہ حضراتِ اہلِ علم نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ''وَلَا يَقْدَحُ ذٰلِكَ فِيْ مَقَامِ اِبْرَاهِيْمَ عليه السلام'' ۔ (صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس سے آنجناب کی شانِ عالی اور مقامِ

رفیع میں اور نکھار پیدا ہوتا ہے کہ ایسے کٹر کافر، پکے مشرک، بت پرست، بت گر اور بت فروش باپ کے گھر میں جنم لینے اور کفر وشرک کے اندھیروں میں ڈوبے ایسے ماحول میں آنکھ کھولنے کے باوجود آپؑ ایمان ویقین اور اخلاص وتوحید کے ایسے مقام پر فائز ہوئے کہ ابوالانبیاء اور امام الموحدین کے شرف وامتیاز سے مشرف وممتاز ہوئے جو کہ قدرتِ خداوندی کا ایک معجزہ اور کرشمہ ہے۔ علیه وعلى نبينا افضلُ الصلوات واَتَمُّ التَّسليمات ، ما تبقى هٰذه الاحرف والكلمات، على هذه الاوراق والصَّفحات ۔ (۲۵/۱۲/۱۹۹۶ء)۔ بہرکیف یہاں پر حضرتِ ابراہیمؑ کے اس عبرتوں بھرے قصے کی تذکیر و یاددہانی سے یہود ونصاریٰ مشرکوں اور خاص کر مشرکینِ مکہ پر حجت قائم کی جارہی ہے کہ ایسی عظیم الشان ہستی سے انتساب کا دعویٰ کرنے کے باوجود تم لوگ کس شرک میں پڑے ہو۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۳۶ کفر وشرک کی نحوست اور مت ماری کا ہولناک انجام۔ والعیاذُ باللہ :۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ آپ نے من گھڑت اور بے جان بتوں کو معبود قرار دے رکھا ہے۔ بے شک میں آپ کو بھی اور آپ کی قوم کو بھی کھلی گمراہی میں پڑا دیکھ رہا ہوں۔ سو ایسا شخص شرک و بت پرستی کے ضلالِ مبین میں مبتلا اور اوہام وخرافات کے جال میں الجھ اور پھنس کر رہ جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ یعنی ایسی کھلی گمراہی میں جس کی ضلالت وگمراہی محتاجِ بیان نہیں۔ بھلا اپنے ہاتھوں کے گھڑے ہوئے بے جان پتھروں اور من گھڑت بتوں کی خدائی کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے؟ سو انسان کا اپنی ہی جیسی کسی مخلوق کی پوجا کرنا ایک کھلم کھلا گمراہی ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ کوئی انسان اپنے سے بھی کسی گھٹیا اور فروتر مخلوق کی پوجا کرے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ کسی ایسی بے حقیقت اور عاجز مخلوق کی پوجا کرے جو من گھڑت اور خود اسکے ہاتھوں کی تراشیدہ ہو۔ تو پھر اسکی گمراہی میں کسی شک وشبہ کی کیا گنجائش ہوسکتی ہے؟ اور اس سے بھی بڑھ کر ضلالِ مبین اور کھلی گمراہی اور کیا ہوسکتی ہے؟ سو ایسی کھلی گمراہی کا اِرتکاب وہی لوگ کرسکتے ہیں جن کی مت ماردی جاتی ہے اور ان کو سیاہ وسفید تک کی تمیز نہیں رہتی۔ سو ایسے لوگ ایسی کھلی گمراہی میں مبتلا ہوجاتے ہیں جو ان کو حق وہدایت کے نور سے بہت دور لے جاکر ہلاکت وتباہی کے ایسے ہولناک گڑھے میں ڈال دیتی ہے جہاں سے پھر واپسی کی کوئی صورت ان کیلئے ممکن نہیں رہتی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بہرکیف حضرتِ ابراہیم نے اپنے باپ کے ضمیر و وجدان کو جھنجھوڑتے ہوئے اس سے کہا۔ ﴿اَ تَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً﴾۔ ''کیا آپ نے خود اپنے ہاتھوں کے گھڑے ہوئے بتوں کو معبود بناڈالا ہے؟'' یہ تو ایک کھلی ہوئی گمراہی ہے جس میں آپ بھی مبتلا ہیں اور آپ کی قوم بھی۔ اور دوسری جگہ اس کو اس طرح بیان فرمایا گیا۔ ﴿اَ تَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ﴾۔ ''کیا تم لوگ ان چیزوں کی پوجا کرتے ہو جن کو تم خود اپنے ہاتھوں سے گھڑتے ہو؟'' (الصَّافَّات: ۹۰) یعنی تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا جو تم اس طرح کی حماقتوں کا ارتکاب کرتے ہو؟ اور تمہاری مت آخر کہاں اور کیسے ماردی گئی کہ تم لوگ خود اپنے ہاتھوں کی گھڑی ہوئی ان بے جان اور بے حس وحرکت مورتیوں کو اپنا خدا مان کر ان کے آگے جھکتے اور اپنی تحقیر و تذلیل اور ہلاکت وتباہی کا سامان خود اپنے ہاتھوں کرتے ہو؟ سو کفر وشرک اور بدعت وبت پرستی کی نحوست سے جب کسی کی مت ماردی جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ تو وہ ایسی ہی بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ایسی حرکات کا ارتکاب کرتا ہے جس کو زبان پر لانا بھی شریف انسان کے لیے ایک بارِ گراں ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ

بادشاہی آسمانوں اور زمین کی (حقیقت کے عین مطابق، تاکہ وہ اس سے حق پر استدلال کرسکیں،) ۱۳۸ اور تاکہ وہ

الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ج

ہو جائے کامل یقین والوں میں سے، پھر جب چھا گئی اس پر رات کی تاریکی تو ابراہیمؑ نے ایک ستارے کو دیکھ کر

قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ج فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ

کہا کہ یہ میرا رب ہے، مگر جب وہ ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں محبت نہیں کرسکتا

الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ج

ڈوب جانے والوں سے، ۱۳۹ پھر جب انہوں نے دیکھا چاند کو چمکتا ہوا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے،

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ

مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو فرمایا کہ اگر میرے رب نے مجھے ہدایت (کی دولت) سے نہ نوازا ہوتا، تو یقیناً میں شامل ہو گیا ہوتا

مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً

گمراہ لوگوں میں، پھر جب دیکھا اس نے سورج کو چمکتا ہوا (نہایت آب و تاب سے)

قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ج فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ

تو کہا یہ ہے میرا رب، ۱۴۰ کہ یہ سب سے بڑا ہے، مگر جب وہ بھی ڈوب گیا، تو آپؑ پکار اٹھے

يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ

کہ اے میری قوم! میں قطعی طور پر بری (اور بیزار) ہوں ان سب سے جن کو تم لوگ شریک ٹھہراتے ہو، بے شک میں نے

۱۳۸ کائنات کو دیکھنے کا صحیح اور درست طریقہ:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ کائنات کو دیکھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کو دیکھ کر اس کے خالق و مالک اور اس کی معرفت تک رسائی حاصل کی جائے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم اسی طرح ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی یہ بادشاہی دکھاتے رہے" تاکہ اس طرح آپ حکمتوں بھری اس کائنات سے اس کے خالق و مالک کی وحدانیت و یکتائی اور اس کی عظمتِ شان پر استدلال کرسکیں۔ اور اہلِ شرک و باطل پر حجت

قائم کر سکیں۔ نہ کہ ظاہر پرست دنیا داروں کی طرح کہ ان کی نگاہیں اس دنیا کی ظاہری چمک دمک ہی میں رک اور اٹک کر رہ جاتی ہیں۔ وہ اس کی گوناگوں نعمتوں سے طرح طرح سے فائدہ تو اٹھاتے ہیں، مگر وہ اپنے خالق و مالک کی معرفت کے نور سے منور نہیں ہو سکتے۔ اور اس کی عبادت و بندگی کے شرف سے محروم رہتے ہیں۔ اور اِس محرومی کے نتیجے میں اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ یا تو وہ اِس سے بالکل غافل اور بے فکر ہو کر محض حیوانوں کی زندگی گزارتے ہیں یا پھر اسی کائنات کے مختلف مظاہر میں اُلجھ کر طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور اِس طرح ایسے لوگ اپنی تذلیل وتحقیر کا سامان خود کرتے ہیں۔ سو کوئی چاند سورج اور گنگا جمنا کی پوجا کرتا ہے اور کوئی گائے بیل جیسے کسی بے عقل جانور کی۔ کوئی لکڑی پتھر کے کسی بے جان بت اور من گھڑت مورتی کی۔ اور کوئی کسی ننگ دھڑنگ ملنگ کی۔ اور کوئی اندام نہانی تک کی پوجا کرتا ہے -وَالْعِيَاذُ بِاللهِ- اور کوئی مٹی گارے کی بنی کسی قبر یا کسی خود ساختہ آستانے کے آگے جھکتا اور سجدہ ریز ہوتا ہے۔ اس کے گرد پھیرے لگاتا، چکر کاٹتا اور اس کے لئے نذرانے پیش کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ جبکہ حضرتِ ابراہیم -علیہ الصلوٰۃ والسلام- نے اس سب کے برعکس کائنات کے انہی مختلف مظاہر اور نفع بخش اشیاء سے معبودِ حقیقی اور اِن اشیاء کے خالق و مالک کی قدرت اور وحدانیت پر استدلال کیا۔ اور اہلِ شرک و باطل پر حجت قائم کر دی۔ سو یہ ہے اللہ پاک کی وہ اِراءت وتوفیقِ حق جس سے حضرتِ ابراہیم -علیہ الصلوٰۃ والسلام- کو اس واہبِ مطلق کی طرف سے بطورِ خاص نوازا گیا تھا۔ پس اہلِ شرک و بدعت کا اس آیتِ کریمہ سے اپنے شرکیہ عقائد پر استدلال کرنا سراسر باطل اور بے بنیاد ہے اور اس پر اسرائیلی روایات کا ردہ لگا کر اوران کے سہارے دوسری خرافات کی راہ ہموار کرنا اور بھی برا ہے -وَالْعِيَاذُ بِاللهِ الْعَظِيْمِ- بہر کیف حضرتِ ابراہیم نے جب آسمان و زمین کے نظام میں صحیح طریقے سے غور کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق وعنایت سے آپ پر معرفت وحکمت کے وہ اسرار و رموز کھولے جن سے انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے خلاف حجت قائم کی اور عقیدۂ توحید کو ان کے سامنے پوری طرح نکھار کر رکھ دیا اور اس طور پر کہ ان لوگوں کے لیے گریز وفرار کی کوئی راہ ممکن نہیں تھی سوائے عناد وہٹ دھرمی کے۔ سو کائنات کو صحیح زاویے سے دیکھنا بڑا اہم اور بنیادی مطلب ہے -وَبِاللهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ-

۱۳۹ <u>ڈوبنے والے خدا نہیں ہو سکتے:</u>- یعنی جب وہ ستارہ ڈوب گیا تو ابراہیم نے کہا کہ میں ڈوبنے والوں سے محبت نہیں کرتا اور ان کو خدا نہیں بنا سکتا کہ خود ڈوب جانے والے خدا نہیں ہو سکتے۔ اور ڈوب گئے مقدر ان کے جن کے خدا ڈوب گئے -وَالْعِيَاذُ بِاللهِ الْعَظِيْمِ- کیونکہ ڈوبنا عیب ہے اور کسی عیب دار کے خدا ہونے کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے؟ اور دوسرے اس لیے کہ کسی کا ڈوبنا اور طلوع کرنا اس بات کا ثبوت اور اسکی دلیل ہے کہ وہ کسی اور کا محکوم اور اسکے حکم وفرمان کا تابع ہے۔ اور جو محکوم اور کسی اور کے حکم وفرمان کا تابع ہو وہ معبود اور خدا کیسے ہوسکتا ہے؟ سو اس طرح حضرتِ ابراہیمؑ نے اپنی قوم پر حجت قائم کر دی اور انکی حماقت و جہالت کو آشکارا کر دیا اور بتایا کہ یہ کواکب و سیارات معبود و مسجود نہیں بلکہ معبود و مسجود وہ ذاتِ اَقدس و اَعلیٰ ہے جو ان کواکب و سیارات کو اس طرح چلا رہی ہے۔ یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک -سبحانہٗ وتعالیٰ- سو اس طرح حضرتِ ابراہیم نے اپنی قوم پر واضح کر دیا کہ یہ تمام چیزیں جن کو یہ لوگ اپنا معبود سمجھ کر پوج رہے ہیں وہ خود اپنے وجود سے گواہی دے رہی ہیں کہ وہ ملکوتِ الٰہی کے تابع اور اس کے

اَحکام و قوانین کے تحت اس کی گونا گوں مخلوق کی خدمت کے لئے مسخر ہیں۔ مجال نہیں کہ وہ سرِ مو ان سے اِنحراف کر سکیں۔ سو اپنے ایسے خادموں کی پوجا کرنا پرلے درجے کی حماقت ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔

۱۷۵ **حضرتِ ابراہیمؑ کی سورج کے پجاریوں پر حجت:-** سو اس موقع پر حضرتِ ابراہیم نے فرمایا کہ یہ ہے میرا رب یعنی تمہارے قول کے مطابق اے میری قوم کے لوگو! ورنہ حضرتِ ابراہیم کے سورج چاند وغیرہ کو خود رب ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ تو اللہ پاک کی طرف سے تلقین فرمودہ وہ حجت تھی جو کہ حضرتِ ابراہیم کو عطاء فرمائی گئی تھی۔ جیسا کہ آگے آیت نمبر ۸۳ میں اِرشاد فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ﴾۔ پھر اس میں سورج چاند جیسی مخلوق کو لحہ بھر کے لئے بھی رب ماننے کا سوال ہی کیا پیدا ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ دراصل حضرتِ ابراہیم نے اپنی قوم کو خطاب کر کے ان کو سمجھانے اور شرک سے باز رکھنے کے لئے فرمایا تھا جو کہ بلاغت کا ایک اہم اُسلوب اور اَنداز ہے کہ تمہارے قول کے مطابق یوں ہے۔ جیسا کہ ابوالمسعود اور زمخشری وغیرہ مفسرینِ کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ کیونکہ حضراتِ انبیائے کرام -علیہم الصَّلٰوۃُ والسَّلام- تو معصوم اور شرک کے ہر شائبہ سے پاک ہوتے ہیں۔ پھر ابو الانبیاء اور امام الموحدین حضرتِ ابراہیم خلیل -علیہ الصلوٰۃ والسلام- کے تو کہنے ہی کیا؟ کہ وہ تو اس میدان میں ایک اور ہی امتیازی شان کے مالک تھے۔ ان سے اس طرح کے کسی شرک کا صدور و اِرتکاب کس طرح ہو سکتا تھا۔ پس قادیانی دجال وغیرہ نے اس قصے کی بنا پر اپنی مطلب برآری کے لئے جو کچھ حضرتِ ابراہیم خلیل -علیہ الصلوٰۃ والسلام- کے خلاف ہرزہ سرائی کی ہے وہ باطل و مردود ہے۔ اور یہاں پر سورج کے لئے جو "ھٰذا" اسمِ اشارہ مذکر استعمال کیا گیا ہے تو یہ جیسا کہ محاسن التاویل وغیرہ میں ہے "ھٰذا الطالع" کی تاویل میں ہے۔ اور یا یہ اصولِ نحو کے اُس مشہور قاعدے کے مطابق ہے کہ جب ضمیر اور اسی طرح اسمِ اشارہ مرجع اور خبر کے درمیان دائر ہو تو رعایت خبرِ اولیٰ کی ہوتی ہے۔

یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ حضرتِ ابراہیم نے اس سے پہلے کبھی سورج چاند وغیرہ ان کواکب کو کبھی دیکھا ہی نہ ہو۔ جیسا کہ عام طور پر اسرائیلی روایات کی بنا پر ایسا لکھا اور کہا جاتا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے کبھی اس طرف آپ کا خیال نہ گیا ہو۔ اور اِلہام واِلقائے خداوندی سے اِس طرف اب توجہ ہوئی ہو۔ جیسا کہ ہم زندگی میں بارہا اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ نیوٹن نے جب زمین پر سیب کو گرتے دیکھا تو اس سے اس کا ذہن کششِ ثقل کی دریافت کی طرف منتقل ہو گیا تو اس کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہو سکتا ہے کہ اس نے اس سے قبل کبھی سیب کو زمین پر گرتے نہیں دیکھا تھا، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اس سے پہلے اس کا ذہن کبھی اس طرف متوجہ اور منتقل نہیں ہوا تھا۔ سو اسی طرح حضرتِ واہبِ مطلق -جل جلالہ- جب کسی سے کوئی کام لینا چاہتا ہے تو اس کا ذہن اپنے اِلقاء واِلہام سے ادھر متوجہ کر دیتا ہے۔ سو اسی اُصول کے مطابق یہاں بھی سمجھا جائے۔ والعلم عند اللہ سبحانہ وتعالیٰ۔ بہرکیف اس طرح حضرتِ ابراہیم نے سورج کے پجاریوں پر حجت قائم کر دی کہ یہ بھی ڈوبنے والا ہے۔ اور ڈوب جانے والا کسی کا خدا اور معبود نہیں ہو سکتا بلکہ وہ خود مسخر اور کسی کے حکم کا پابند ہے۔ اور جس کے حکم کے یہ پابند ہیں وہی ہے خالق و مالک اور معبودِ حقیقی -سبحانہٗ وتعالیٰ-۔

وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا

موڑ دیا اپنا رخ اس (معبودِ حقیقی) کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین (کی اس حکمتوں بھری کائنات) کو، ۱۴۱ یکسو ہو کر

وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۷۹﴾ وَحَآجَّهٗ قَوۡمُهٗ ؕ قَالَ

اور میرا کوئی لگاؤ نہیں مشرکوں سے، اور جھگڑنے لگی ان سے ان کی قوم ۱۴۲ تو آپ نے فرمایا،

اَتُحَآجُّوۡٓنِّىۡ فِى اللّٰهِ وَقَدۡ هَدٰٮنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا

کیا تم لوگ مجھ سے جھگڑتے (اور حجت بازی کرتے) ہو اللہ کے بارے میں؟ جب کہ اس نے مجھے نواز دیا نورِ ہدایت سے،

۱۴۱ اس کائنات کا خالق ہی معبودِ برحق ہے: - سو حضرتِ ابراہیم نے اعلان فرمایا کہ بے شک میں نے اپنا رخ موڑ دیا اس معبودِ برحق کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کی اس حکمتوں بھری کائنات کو۔ اور جب اسکی حکمتوں بھری اس کائنات کی پیدائش میں اس کا کوئی شریک نہیں تو پھر اس کی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک کیسے ہو سکتا ہے؟ پس معبودِ برحق وہی ہے جو اس ساری کائنات کا خالق و مالک ہے اور عبادت و بندگی کی ہر قسم اور ہر شکل اسی وحدہٗ لاشریک کا حق اور اسی کا اختصاص ہے۔ بہرکیف اِس موقع پر پہنچ کر حضرتِ ابراہیم نے صاف اور صریح طور پر اپنی قوم سے براءت اور بیزاری کا اعلان کر دیا کہ میں اِن تمام معبودانِ باطلہ سے قطعی طور پر بری و بیزار اور لاتعلق ہوں جن کی پوجا پاٹ تم لوگ کرتے ہو۔ اور میں نے ان سے کٹ کر اور قطعی طور پر ان سے الگ ہو کر اپنے آپ کو اپنے اس ربّ کے حوالے کر دیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی اس عظیم الشان کائنات کو پیدا فرمایا اور اس کو وجود بخشا ہے کہ وہی ہے معبودِ برحق جو ہر قسم کی عبادت و بندگی کا حقدار ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۱۴۲ قومِ ابراہیم کی حضرتِ ابراہیم سے حجت بازی کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جھگڑنے لگی آپ سے آپ کی قوم کہ پہلے تو انہوں نے اس طرح کی منطق بگھارنا شروع کی کہ یہ چھوٹے خدا ہمارے سفارشی اور ہمارے وسیلے ہیں۔ اور پھر انہوں نے آنجنابؑ کو ڈرانا شروع کر دیا، جیسا کہ مشرکوں کا وطیرہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے موقع پر اپنے جھوٹے معبودوں سے ڈرانے دھمکانے لگتے ہیں کہ اگر تم نے ان کی توہین اور بے ادبی کی تو یہ تم کو سخت نقصان پہنچا دیں گے وغیرہ وغیرہ۔ سو ان لوگوں نے بھی حضرتِ ابراہیم کو اپنے معبودانِ باطلہ سے ڈرایا۔ قالہ ابنُ عباس۔ (المراغی، الصفوۃ وغیرہ)۔ اور شرک کی بنیاد ہی چونکہ غیر اللہ کے خوف و ڈر اور وہم پرستانہ اندیشوں پر ہوتی ہے اس لئے حضرتِ ابراہیم کی قوم نے آنجناب کو طرح طرح سے ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا کہ تم ہمارے معبودوں کی گرفت و پکڑ میں آ جاؤ گے۔ یہ تم کو اندھا کر دیں گے۔ تم اپاہج ہو جاؤ گے۔ تم پر آسمانی بجلی گرے گی۔ اور تم بری موت مرو گے وغیرہ وغیرہ۔ اور ایمان و یقین کے نور اور اس کی قوت سے محروم لوگوں کا حال یہی ہوتا ہے کہ وہ غیر اللہ سے اور یہاں تک کہ اوہام و خرافات سے ڈرتے اور ڈراتے ہیں۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

تُشۡرِكُوۡنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ رَبِّىۡ شَيۡــًٔا ‌ؕ وَسِعَ رَبِّىۡ

اور میں نہیں ڈرتا ان چیزوں سے جن کو تم لوگ شریک ٹھہراتے ہو اس (وحدہٗ لاشریک) ۱۴۳ کا مگر یہ کہ میرا رب ہی کوئی بات چاہے، ۱۴۴

كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا‌ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوۡنَ ۝۸۰ وَكَيۡفَ

میرے رب کا علم ہر چیز پر (پوری طرح) حاوی ہے تو کیا تم لوگ ہوش میں نہیں آتے؟ ۱۴۵ اور (آخر) میں

۱۴۳ غیر اللہ سے ڈرنا حماقت و جہالت ہے:۔ سو حضرتِ ابراہیم نے ان لوگوں سے صاف طور پر کہہ دیا کہ میں ان چیزوں سے بہرحال نہیں ڈرتا جن کو تم لوگ شریک ٹھہراتے ہو اس وحدہٗ لاشریک کا کہ تمہارے یہ خود ساختہ شریک نہ کسی نفع کا اختیار رکھتے ہیں نہ نقصان کا۔ اور نہ ان کی خدائی کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے۔ تو پھر ان سے کیسے اور کیوں کر ڈروں کہ ایسوں سے ڈرنا تو حماقت اور جہالت ہے۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ۔ کہ ایسوں کے اختیار میں نہ کوئی نفع ہے نہ نقصان۔ تو پھر میں ان سے کیسے اور کیوں ڈروں؟ اور یہی نتیجہ اور ثمرہ ہوتا ہے قوتِ ایمان و یقین کا کہ مومنِ صادق جو اللہ وحدہٗ لاشریک سے ڈرتا ہے وہ اور کسی سے بھی نہیں ڈرتا کہ اس کا ایمان و یقین یہ ہوتا ہے کہ نفع و نقصان سب اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ سو ایمان و یقین کی قوت ایک عظیم الشان قوت ہے جو انسان کو ہر حال میں مطمئن رکھتی ہے۔ اللھم فزدنا منہ وثبتنا علیہ۔

۱۴۴ اللہ کی مشیّت سب پر حاوی ہے:۔ سو حضرتِ ابراہیم نے ان لوگوں سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے نہیں ڈر سکتا جن کو تم لوگ اس وحدہٗ لاشریک کا شریک ٹھہراتے ہو۔ مگر یہ کہ میرا رب ہی کوئی بات چاہے کہ وہ تو بہرحال ہو کر رہے گی کہ اس کی مشیّت سب پر حاوی اور کارفرما ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس جو بات اللہ کو منظور ہوگی وہ بہرحال ہو کے رہے گی کہ اس کی مشیّت سب پر حاوی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے کہ وہ قادرِ مطلق ہے۔ سو اس طرح حضرتِ ابراہیم نے ان کے سامنے صاف اور واضح طور پر اعلان فرما دیا کہ میں تمہارے ان فرضی اور وہمی من گھڑت خداؤں سے نہیں ڈرتا۔ یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے جب تک کہ میرا رب مجھے کوئی نقصان نہ پہنچانا چاہے کہ سب نفع و نقصان اُسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ اُس کے اِذن کے بغیر کسی کی مجال نہیں کہ وہ میرا بال بیکا کر سکے۔ اُس کا علم ہر چیز پر حاوی و محیط ہے۔ اِس لئے مجھے ایسا کوئی اندیشہ نہیں کہ اس کی لاعلمی میں مجھے کوئی نقصان پہنچا دے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۱۴۵ مشرکوں کو غور و فکر کی دعوت:۔ سو حضرتِ ابراہیم نے ان مشرک اور بت پرست لوگوں کے ضمیروں کو جھنجوڑتے ہوئے اور ان کو دعوتِ غور و فکر دیتے ہوئے ان سے فرمایا کہ کیا تم لوگ ہوش میں نہیں آتے؟ یعنی تم لوگوں کو ہوش میں آنا چاہیئے اور غور و فکر سے کام لینا چاہیئے۔ تاکہ حق و حقیقت تمہارے سامنے واضح ہو جائے اور اس طرح تم لوگ میرے اس پیغامِ حق و صداقت کو مان لو اور اس کے قائل ہو جاؤ اور دائمی ہلاکت و تباہی سے بچ سکو۔ وباللہ التوفیق۔ مگر تم لوگ ہو کہ اس سب کے باوجود اندھے اور اوندھے بنے ہوئے ہو۔ نہ سوچتے اور غور کرتے ہو اور نہ کوئی دھیان کرتے ہو اور ان واضح اور جلی حقائق سے بھی تمہاری آنکھیں نہیں کھلتیں۔ اور تم لوگ شرک اور بت پرستی کے اندھیروں میں ڈوبے ہلاکت و تباہی کی راہ پر گامزن ہو۔ سو یہی حال ہوتا ہے انسان کا جبکہ اس پر اس کی شقاوت و بدبختی غالب آ جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ

ان چیزوں سے کیوں ڈروں جن کو تم لوگوں نے خدا کا شریک ٹھہرا رکھا ہے، ۱۴۶ جب کہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم اللہ کا

بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ

شریک ٹھہراتے ہو ایسی چیزوں کو جن کے لئے اللہ نے تم پر کوئی سند ۱۴۷ نہیں اتاری؟ تو (تم ہی بتاؤ کہ ایمان و کفر کے)

۱۴۶ غیر اللہ سے ڈرنا محض توہم پرستی ہے:- سو حضرت ابراہیم نے ان لوگوں سے فرمایا کہ میں اِن بے حقیقت چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے اس خدا کا شریک ٹھہرا دیا ہے جو کہ خالق و مالک، معبودِ برحق، قادرِ مطلق اور وحدہٗ لاشریک ہے- سبحانہٗ و تعالیٰ- سو اس کا کوئی شریک ہے نہ ہوسکتا ہے۔ تو ایسے میں تمہارے ان خودساختہ شریکوں سے ڈرنا محض توہم پرستی ہے جن کی کوئی حقیقت اور بنیاد سرے سے ہے ہی نہیں۔ بلکہ ڈرنا صرف اس اللہ سے چاہیے جو کہ سب کا خالق و مالک ہے اور جس کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہر چیز کی باگ ڈور اور ہر قسم کا نفع ونقصان ہے۔ پس ہمارا بھروسہ اسی پر ہے اور ہر مومن کا بھروسہ اسی پر ہونا چاہیے کہ اس ساری کائنات کا خالق و مالک بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور اس میں حاکم ومتصرف بھی وہی۔ اور نفع ونقصان کے تمام اختیارات بھی اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اسی لیے عقل و نقل دونوں کا تقاضا ہے کہ ہر قسم کے نفع کی امید بھی اسی سے رکھی جائے اور نقصان کا خوف بھی اسی سے رکھا جائے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید وھو الھادی الیٰ سواء السبیل-

۱۴۷ شرک کیلئے کوئی سند ہو سکتی ہی نہیں:- سو حضرت ابراہیم نے ان سے فرمایا کہ تم لوگوں نے ایسی چیزوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نہیں اتاری۔ کسی بھی طرح کی کوئی سند۔ نہ عقل کی نہ نقل کی۔ بھلا شرک اور مشرک کے لیے کوئی سند اور دلیل ہو ہی کیا سکتی ہے جبکہ معبودِ برحق صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہے؟ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا- ﴿وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ﴾- (المومنون: ۱۱۷) ۔ بھلا جس چیز کی سرے سے کوئی اَساس و بنیاد ہی نہ ہو اسکی کوئی سند اور دلیل ہو ہی کس طرح سکتی ہے؟ سو مشرک لوگ جن چیزوں کا سہارا لیتے ہیں وہ محض اَوہام وظنون کا پلندہ ہوتا ہے اور بس-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- اور اس کے برعکس عقیدۂ توحید عقلِ سلیم اور فطرتِ مستقیم کے تقاضوں کے عین مطابق اور حق وحقیقت کے ٹھوس اصولوں پر مبنی ہے جس سے انسان کو داخلی استحکام اور سکون واطمینان کی دولت سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے اور وہ حق و حقیقت کی اس راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اور وہ راہِ حق وہدایت سے سرفراز کرنے والی واحد راہ ہے۔

الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾

ان دونوں گروہوں میں سے کون زیادہ حق دار ہے امن کا اگر تم جانتے ہو؟ ۱۴۸

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے آلودہ نہیں کیا اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ، ۱۴۹ انہی کے لئے

لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ

ہے امن، اور وہی ہیں سیدھی راہ پر ۱۵۰ اور یہ تھی ہماری وہ حجت

اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ۭ

جو ہم نے ابراہیمؑ کو عطا کی تھی ان کی قوم کے مقابلے میں، ہم جس کے چاہیں درجے بلند کر دیتے ہیں، ۱۵۱ بلاشبہ تمہارا رب بڑا

۱۴۸ **امن و امان کا حقدار کون؟:** ۔ سو حضرت ابراہیم نے ان لوگوں کے ضمیروں پر دستک دیتے ہوئے ان سے فرمایا کہ بتاؤ ایمان و کفر کے ان دونوں گروہوں میں سے کون زیادہ حق دار ہے امن کا؟ ہم جو کہ ایک اللہ کو مانتے اور اسی کی بندگی کرتے ہیں یا تم جو کہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہو؟ یعنی ایک فریق تو اہلِ توحید کا ہے جو اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی بندگی کرتے ہیں جو کہ معبودِ برحق ہے اور دوسرا فریق اہلِ کفر و شرک کا ہے جنہوں نے طرح طرح کے خود ساختہ معبود بنا رکھے ہیں۔ اب تم ہی لوگ بتاؤ کہ ازراہِ عدل و انصاف اِن دونوں میں سے کونسا فریق امن کا زیادہ حقدار ہے اور کونسا نہیں؟ سو عقل و نقل کی روشنی کے مطابق امن و امان کے حقدار وہی لوگ ہیں اور وہی ہو سکتے ہیں جو توحید پر قائم اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

۱۴۹ **شرک سب سے بڑا ظلم، والعیاذ باللہ:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا انہی کے لیے ہے امن اور وہی ہیں سیدھی راہ پر۔ سو ظلم سے مراد یہاں پر شرک ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں اس کی تصریح ہے۔ (صحیح بخاری: ج ۲ ص ۶۶۶)۔ اور شرک ہے بھی سب سے بڑھ کر ظلم۔ جیسا کہ دوسری آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾۔ (لقمٰن: ۱۳)۔ کیونکہ اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور معبودِ برحق جب ایک یعنی صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے تو پھر اس کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک اور معبود ماننے سے بڑھ کر ظلم اور کونسا ہو سکتا ہے؟ ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو اِس ارشاد سے توحید کے بارے میں اصل حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کو ماننا صرف وہی معتبر ہے جو شرک اور اس کے شوائب سے پاک ہو۔ اور جس ایمان کے اندر شرک کی ملاوٹ ہو وہ ایمان خدا تعالیٰ کے یہاں معتبر نہیں۔ اور ایسا ایمان نہ ہونے کے برابر ہے۔ کیونکہ مقصود صرف اللہ کو ماننا نہیں بلکہ اس کو وحدہٗ لاشریک اور ان تمام صفات اور حقوق و اختیارات کے

ساتھ ماننا مطلوب ہے جن سے وہ موصوف و متصف ہے اور جو اس کی شان کے لائق ہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۱۵۰ ایمان والے ہی امن کے حقدار ہیں:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسوں ہی کے لیے امن ہے اور یہی ہیں حق و ہدایت کی سیدھی راہ پر اپنے ایمانِ صادق کی بناء پر۔ سو ایسے ہی خوش نصیب امن پائیں گے آخرت میں وہاں کے عذاب الیم سے۔ اور اس دنیا میں بھی طرح طرح کے مصائب اور شرور و فتن سے۔ کہ ایمان ہے ہی امن بخشنے والی دولت۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِنِعْمَةِ الْاِیْمَان - اَللّٰهُمَّ فَزِدْنَا مِنْهُ وَثَبِّتْنَا عَلَیْهِ - سو ایمان امن و سلامتی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی میں بھی اور آخرت کے اُس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی۔ بہر کیف اِس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ امن و امان کا ضامن ایمان و یقین ہی ہے نہ کہ وہ کچھ جس کا گھمنڈ اہلِ کفر و شرک رکھتے ہیں کہ وہ امن و امان کا ضامن اپنے خود ساختہ اور من گھڑت شرکاء کو سمجھتے ہیں۔ اور اسی بناء پر وہ خدا تعالیٰ سے استغناء و بے نیازی برتتے ہیں۔ حالانکہ امن کے سزاوار وہ لوگ ہیں جو صرف خدا پر بھروسہ و اعتماد رکھتے ہیں اور وہ شرک اور اُس کے شوائب سے پاک اور بری ہیں۔ اور یہی لوگ ہدایت پر ہیں۔ ان کے سوا باقی سب گمراہی پر ہیں، خواہ اپنے آپ کو کچھ ہی کیوں نہ سمجھتے ہوں اور کتنے ہی بلند بانگ دعوے کیوں نہ کرتے ہوں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

۱۵۱ عطاء و بخشش اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے اور ہو سکتی ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم جس کے چاہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔ پس بزرگی و کمال دراصل ہماری عطاء و بخشش ہی پر موقوف ہے نہ کہ انسان کے اپنے کسب و اختیار پر۔ اور سب سے بڑا درجہ و مرتبہ جو کسی انسان کے لئے ممکن ہو سکتا ہے وہ ہے نبوت و رسالت کا مرتبہ و مقام۔ جو کہ محض اللہ پاک کا عطیہ و احسان ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس لئے وہی بہتر جانتا ہے کہ اس شرف و مرتبہ سے کس کو مشرف و سرفراز فرمائے۔ ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾۔ اور انبیاء و رسل اس سب سے بڑے درجہ و مرتبہ سے سرفراز ہونے کے باوجود اپنی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے ہوتے بہرحال بشر ہی ہیں۔ اور نفسِ بشریت میں وہ دوسروں کے مثل و مساوی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے حضور کو حصر و تاکید کے ساتھ اس حقیقت کے اظہار و بیان کا حکم و ارشاد اللہ پاک کی طرف سے قرآنِ پاک میں فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ اِرشاد ہوتا ہے۔ ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾۔ "کہو سوائے اس کے نہیں کہ میں تو ایک بشر ہوں تم ہی جیسا، میری طرف یہ وحی کی جاتی کہ تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے"۔ اور وحی کے اس شرف و امتیاز کی وجہ سے میرا درجہ و مرتبہ تو تم سب سے بڑھ کر ہے لیکن اصلِ بشریت میں بہرحال میں تم ہی جیسا ایک بشر ہوں۔ پس اس کے برعکس اہلِ بدعت کے بعض بڑوں کا اس موقع پر اپنے حواشی تفسیریہ [بلکہ تحریفیہ] میں یہ کہنا کہ کوئی نبی کی مثل نہیں ہوتا۔ اگر وہ ہماری مثل ہوں تو اس آیت کے خلاف ہوگا، سراسر باطل و مردود ہے۔ اور ایسا کہنا اس آیت کے خلاف ہونے کا سوال ہی نہیں۔ البتہ موصوف کی اس خانہ ساز منطق اور ذہنی اپج سے سورۂ کہف کی مذکورہ بالا آیتِ کریمہ اور اس طرح کی دوسری آیاتِ کریمہ کی صریح اور کھلم کھلا مخالفت اور خلاف ورزی ضرور لازم آتی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ یہ ہماری وہ حجت ہے جو ہم نے حضرتِ ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا فرمائی تھی اور ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ نہایت علم اور حکمت پر مبنی ہوتا ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی حکیم اور علیم ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے علم و حکمت کے تقاضوں کے عین مطابق ہی کرتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٨٣﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ط

ہی حکمت والا، سب کچھ جانتا ہے، اور ہم ہی نے عطا کیا تھا ابراہیمؑ کو اسحٰقؑ (جیسا بیٹا) اور یعقوبؑ (جیسا پوتا) ۱۵۲ ان میں

كُلًّا هَدَيْنَا ج وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ

سے ہر ایک کو ہم نے سرفراز کیا تھا ہدایت سے، اور نوح کو بھی ہم نے اس سے پہلے ہدایت بخشی تھی، اور ان (یعنی ابراہیمؑ)

وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ط وَكَذَٰلِكَ

کی اولاد میں سے داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، یوسفؑ اور موسیٰؑ وہارونؑ کو بھی، اور ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں

نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٤﴾ لا وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ط

کو، ۱۵۳ اور زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ، اور الیاسؑ کو بھی، (ہم نے ہدایت ونبوت کے نور سے سرفراز کیا تھا) یہ سب (ہمارے قربِ

كُلٌّ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٨٥﴾ لا وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَ

خاص کے) سزاواروں میں سے تھے، اور اسماعیلؑ، یسعؑ ویونسؑ اور لوطؑ کو بھی، اور ان سب کو ہم نے (اپنے اپنے دور

لُوطًا ط وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٨٦﴾ لا وَمِنْ آبَائِهِمْ وَ

میں) فضیلت بخشی تھی سب جہانوں پر، اور ان کے باپ دادوں، ان کی اولادوں اور ان کے بھائیوں، میں سے بھی

ذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ ج وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ

بعض کو، (ہم نے اس دولت سے نوازا تھا) ان سب (مذکورین) کو ہم نے چنا اور ان کو سیدھی راہ کی ہدایت بخشی، یہ

صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٨٧﴾ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ

(جس کا ذکر ہوا) اللہ کی ہدایت ہے جس کے ذریعے وہ راہنمائی فرماتا ہے جس کی چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے، ۱۵۴ اور اگر

۱۵۲ اولاد دینے والا اللہ ہی ہے:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم ہی نے ابراہیم کو اسحاق جیسے بیٹے اور یعقوب جیسے پوتے سے نوازا تھا۔ پس کسی کو اولاد جیسی نعمت سے نوازنا ہماری ہی شان اور ہمارا ہی کام ہے۔ اور انبیائے کرام اور ابوالانبیاء حضرتِ ابراہیم خلیل اور حضرتِ اسحٰق۔ علیہما الصلوٰۃ والسلام۔ جیسے جلیل القدر انبیائے کرام بھی اس سلسلے میں ہمارے ہی محتاج ہیں۔ اور ہمارے ہی در کے سوالی ہیں۔ پس اللہ پاک کے سوا اور کسی سے اولاد مانگنا یا ان کے بارے میں یہ عقیدہ و

گمان رکھنا کہ وہ اولاد دیتے ہیں یا دے سکتے ہیں، جیسا آج کے کلمہ گو مشرکوں کا کہنا ماننا ہے، شرک ہو گا- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ابراہیم کو اسحاق جیسے بیٹے اور یعقوب جیسے پوتے سے نوازا اور ان میں سے ہر ایک کو ہدایت سے سرفراز کیا۔ سو جب ابراہیم جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر بھی نعمتِ اولاد سے سرفرازی کے لیے اللہ ہی محتاج ہیں تو پھر اور کون ہو سکتا ہے جو کسی کو اولاد کی نعمت سے نواز سکے؟ سو غلط کہتے اور شرک کا ارتکاب کرتے ہیں وہ لوگ جو صدیاں پہلے کے فوت شدہ بزرگوں کے مزاروں پر اولاد مانگنے کے لیے حاضریاں دیتے، چکر کاٹتے، دیگیں پکاتے اور طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم - اور بزرگانِ دین اپنی زندگیوں میں اللہ ہی سے مانگتے اور اسی مانگنے کی تعلیم وتلقین فرماتے رہے تھے کہ داتا سب کا وہی وحدہٗ لاشریک ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۱۵۳ <u>نیکوکاری ذریعۂ نجات وسرفرازی</u>:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو جن کے ایمان وعقیدے بھی صحیح اور پختہ ومضبوط ہوں اور انکی نیتیں وارادے بھی صحیح اور درست ہوں- اللہ توفیق بخشے- آمین۔ سو اِحسان ونیکوکاری ہی ذریعہ کامیابی اور وسیلۂ سرفرازی ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت کی عنایات سے نوازتا ہے- جل وعلا شانہ- پس ہمیشہ اس کی فکر وکوشش کی جائے کہ حضرتِ واہبِ مطلق سے ہمارا تعلق صحیح اور درست رہے کہ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ اور اس کی نوازش وعنایت سے سرفرازی کا ذریعہ احسان ونیکوکاری ہے کہ بندہ اس کی بخشی ہوئی صلاحیتوں اور قوتوں کو ان کے صحیح مصرف میں صرف کرے۔ سو اس کی عطاء وبخشش سے سرفرازی کا مدار واِنحصار انسان کے اپنے عمل وکردار پر ہے نہ کہ خاندانی انتساب پر- وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق لِمَا یُحِبُّ وَ یُرِیْدُ- سو یہ دینِ فطرت کی عدل وانصاف پسندی کا ایک اہم اور واضح مظہر ہے کہ اس نے معیارِ فضیلت اختیاری اموراور اخلاق وکردار ہی کو بنایا ہے- والحمد للہ جل وعلا-

۱۵۴ <u>طلبِ صادق وسیلۂ سرفرازی</u>:- سو ہدایت سے سرفرازی کیلئے بنیادی شرط طلبِ صادق ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ذریعے وہ راہنمائی فرماتا ہے جس کی چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے۔ کہ نورِ حق وہدایت سے سرفرازی کیلئے اولین اساس اور بنیادی شرط طلبِ صادق ہے۔ اللہ پاک اسی پر نوازتا ہے کہ وہ ہر ایک کی نیت وارادے سے بھی واقف ہے اور ان کی اہلیتوں اور صلاحیتوں کو بھی پوری طرح جانتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ یہی اللہ کی ہدایت ہے جو ان تمام انبیائے کرام کو اور ان کی پیروی کرنے والوں کو نصیب ہوئی۔ یہی اللہ کی ہدایت ہے جو انسان کو حق وہدایت کی سیدھی راہ سے سرفراز کرتی ہے۔ اس کے سوا باقی جتنی بھی راہیں ہیں وہ سب ہی شیطان کی نکالی ہوئی اور ٹیڑھی راہیں ہیں جو انسان کو منزلِ مقصود تک پہنچانے اور اس کو حقیقی فوز وفلاح سے سرفراز کرنے کی بجائے اس کو اور دور اور محروم کرتی ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں ایسا شخص دارین کے خسارے میں مبتلا ہو کر ﴿ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ﴾ کا مصداق بن جاتا ہے جو کہ بڑا ہی ہولناک خسارہ اور خسرانِ مبین ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے- آمین ثم آمین۔

يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

(بالفرض) یہ حضرات بھی شرک کرتے تو یقیناً اکارت چلے جاتے ان کے وہ سب عمل جو یہ کرتے رہے تھے، ۱۵۵ یہ ہیں وہ

يَعْمَلُوْنَ ۞۸۸ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَ

لوگ جن کو ہم نے کتاب دی تھی، اور جن کو ہم نے نوازا تھا حکم اور نبوت سے بھی ۱۵۶ پس اگر (اس سب بیان اور توضیح کے باوجود)

النُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا

یہ لوگ (اہل مکہ) آپ کی نبوت کا انکار ہی کرتے ہیں، ۱۵۷ تو (آپ اس کی کوئی پرواہ نہ کریں کہ) ہم نے اس کے لئے ایسے لوگ مقرر

لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۞۸۹ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ

کر دئے ہیں جو اس کے منکر نہیں، ۱۵۸ ان حضرات کو (جن کا ذکر ہوا) اللہ نے (براہِ راست) اپنی ہدایت سے نوازا تھا پس تم انہی کی ہدایت کی

۱۵۵ شرک کی سنگینی اور خطورت کا ایک خاص پہلو:۔ سو اس سے شرک کی سنگینی اور اس کی خطورت کا یہ خاص پہلو سامنے آتا ہے کہ اس سے تمام اعمال اکارت چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ حضراتِ انبیائے کرام کی قدسی صفت ہستیاں بھی اگر بالفرض شرک کے اس جرمِ عظیم کا ارتکاب کرتیں تو ان کے اعمال بھی اکارت چلے جاتے۔ ان کی اس قدر علوِ مرتبت اور بلندیٔ شان کے باوجود۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شرک کس قدر سنگین جرم اور کتنا بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ تزکیۂ نفوس اور قبولیتِ عنداللہ کا تمام دارومدار توحید پر ہے۔ اور شرک اس عقیدے کی ضد اور انسان کے قلب و باطن کو بگاڑ دینے والی اور اسکی فطرت کو تباہ کرنے والی چیز ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ اگر بالفرض یہ لوگ بھی کبھی شرک کا ارتکاب کر لیتے تو ان کی اس تمامتر بلندیٔ درجات کے باوجود ان کے سب عمل اکارت چلے جاتے اور محض اس بنا پر ان کو کوئی چھوٹ نہ ملتی کہ یہ حضرتِ نوح یا ابراہیم کی اولاد ہیں۔ سو اس سے شرک کے جرمِ عظیم کی سنگینی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ شرک کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۵۶ ''کتاب'' اور ''حکم'' سے مراد؟:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ ہیں وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب بھی دی تھی اور ان کو حکم و نبوت سے بھی نوازا تھا۔ سو ''الکتاب'' سے یہاں پر مراد جنسِ کتاب ہے جو ہر آسمانی کتاب کو عام اور شامل ہے۔ (جامع البیان، محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو حضراتِ انبیائے کرام کو تورات، انجیل، زبور اور صحفِ ابراہیم اور صحفِ موسیٰ وغیرہ مختلف کتابوں سے اپنے اپنے دور میں نوازا گیا تاکہ وہ دنیا کو پیغامِ حق و ہدایت سے سرفراز کرسکیں۔ اور ''حکم'' سے مراد علم اور دین کی فقہ و سمجھ ہے۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ تاکہ وہ اسکی روشنی میں دنیا کو مستفید و سیراب کرسکیں اور ان کے فساد و بگاڑ کی اِصلاح کرسکیں۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب حکم اور نبوت کی

نعمتوں سے نوازا اور انہوں نے ان نعمتوں کی قدر کی۔ سو کتاب اور حکم کی عنایت و نوازش قدرت کا ایک عظیم الشان انعام و احسان ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔ اس لیے یہاں پر حضراتِ انبیاء و رسل کے انعامات میں سے ان کا بطورِ خاص ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو اس کا تقاضا ہے کہ ان نعمتوں کی صدقِ دل سے قدر کی جائے اور زندگی کے تمام معاملات میں ان کو حکم اور منصف مانا جائے۔

۱۵۷ کافروں کے کفر کا وبال خود انہی پر: - سو پیغمبر کو تسلی دی گئی کہ یہ لوگ اگر حق قبول نہیں کرتے تو اس سے دینِ حق کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا بلکہ یہ اپنا ہی نقصان کریں گے۔ پس آپ کو اس کی کوئی فکر و پروا نہیں ہونی چاہیئے۔ پس آپ ان کے کفر و انکار پر صبر و برداشت ہی سے کام لیتے رہیں۔ یہ اپنے کفر و انکار کا بھگتان خود ہی بھگتیں گے اور اپنے اس کفر و انکار سے ایسے لوگ خود اپنی ہی ہلاکت و بربادی کا سامان کریں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا- ﴿وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا﴾ - (فاطر: ۳۹)۔ یعنی کافروں کے کفر سے ان کے خسارے میں اضافہ ہوگا - والعیاذ باللہ العظیم - سو اس عظیم الشان نعمت سے سرفرازی کا تقاضا یہ تھا کہ یہ لوگ دل و جان سے اس کی قدر کرتے مگر انہوں نے اس کے برعکس ناشکری اور کفرانِ نعمت سے کام لے کر خود اپنے لئے نقصان اور خسارے کا سامان کیا۔ پس آپ ان کا غم نہ کریں۔ ان سے ہم خود ہی نمٹ لیں گے۔ انہوں نے لوٹ کر بہر حال ہمارے ہی پاس آنا ہے- ﴿ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا﴾ - الآیۃ (لقمان: ۲۳) - اللہ کفر و کفرانِ نعمت کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین ثم آمین۔

۱۵۸ دینِ حق کسی کا محتاج نہیں: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ انکار ہی کرتے گئے تو دینِ حق کا کچھ نہیں بگاڑیں گے بلکہ خود اپنا ہی نقصان کریں گے کہ ہم نے اس دین کی خدمت کے لئے ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں جو اس کے منکر نہیں، بلکہ وہ اس دینِ حق کے سچے خادم اور قدر دان ہونگے۔ یعنی انصار و مہاجرین اور دوسرے تمام اہلِ حق جو ان کے بعد ان کے نقشِ قدم پر چلتے رہے کہ ارشادِ ربانی کا عموم ان سب ہی کو شامل ہے۔ سو اِن کلماتِ کریمہ کے عموم کے ساتھ اس حقیقت کو آشکارا فرمایا گیا کہ دینِ حق کسی کا محتاج نہیں بلکہ دنیا اس کی محتاج ہے۔ جو لوگ صدق و اخلاص سے اسکی خدمت و سعادت سے مشرف و بہرہ ور ہونگے وہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور ہونگے۔ اور جو اس سے منہ موڑے رہیں گے وہ خود ہی اپنی ہلاکت و محرومی کا سامان کریں گے۔ اور تاریخ کے ہر دور میں اسکے شواہد مختلف صورتوں میں نظر آتے ہیں۔ شاعرِ مشرق نے کیا خوب کہا ہے- ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے- پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے- سو اِس اِرشاد سے جہاں ایک طرف حضراتِ صحابہ کرام کے صدق و اخلاص اور اُن کی استقامت کا پتہ چلتا ہے وہیں دوسری طرف اس میں مستقبل میں امت کی کثرت کی پیشینگوئی بھی ہے۔ سو اس پہلو سے یہ آنحضرت ﷺ - کے لئے ایک عظیم الشان بشارت ہے جس سے آپ کو اُس دور میں نوازا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کے لیے دوسرے اعوان و انصار مقرر فرما دے گا - سبحانہٗ وتعالیٰ-

اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى

پیروی کرو، ۱۵۹ (ان سے) کہو کہ میں (تبلیغ حق کے) اس کام پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا یہ تو محض ایک عظیم الشان نصیحت

لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَآ

ہے سب جہانوں کے لئے، ۱۶۰ اور قدر نہیں کی ان لوگوں نے اللہ (پاک) کی، جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق تھا' جب کہ

اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ

انہوں نے کہا ۱۶۱ کہ اللہ نے کسی بھی انسان پر کچھ بھی نہیں اتارا، (سو ان سے) پوچھو کہ کس نے اتاری وہ کتاب جس کو موسیٰ

الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ

لے کر آئے تھے؟، ۱۶۲ ایک عظیم الشان روشنی اور سراسر ہدایت کے طور پر، (اپنے زمانے کے) سب لوگوں کیلئے، جس کو تم

۱۵۹ سلامتی ونجات کی راہ اہلِ حق کی پیروی و اِتباع: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم انہی حضرات کی ہدایت کی پیروی کرو کہ سلامتی کی راہ یہی ہے کہ اہلِ حق کی پیروی کی جائے۔ پس تم اس راہِ حق وصواب پر پکے رہو اور انہی کی طرح صبر و ثبات اور استقلال اور استقامت سے کام لو کہ کامیابی کی راہ بہرحال یہی ہے کہ اہلِ حق اور اَصحابِ صدق وصفا کی پیروی و اِتباع کی جائے۔ جن میں سرفہرست حضراتِ انبیائے کرام کی وہ قدسی صفت ہستیاں ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے کہ وہ براہِ راست حق تعالیٰ کی حفاظت میں اور ہر خطا وقصور سے معصوم ہوتے ہیں۔ پھر وہ تمام حضرات جو ان کی سچی پیروی اور اِتباع کرتے ہیں۔ اور وہ خواہشاتِ نفس کی پیروی کی بجائے ہدایت وحق کی پیروی کرتے ہیں۔ سو سلامتی ونجات کی راہ حق اور اہلِ حق کی اِتباع ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید۔

۱۶۰ قرآنِ حکیم ایک عظیم الشان نصیحت: -اور ایسی عظیم الشان نصیحت کہ جو انسان کے لئے دارین کی سعادت وسرخروئی کی کفیل وضامن ہے۔ پس جو اس کو قبول کرے گا اس کا اپنا بھلا اور جس نے اس سے منہ موڑا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ میرا یا میری طرف سے پیش کردہ اس عظیم الشان نصیحت کا تو بہرحال کوئی نقصان نہیں۔ یہ بہرحال ایک ایسی عظیم الشان اور بے مثال نعمت ہے جسکو دنیا جہاں کے سب لوگوں کی ہدایت وراہنمائی کیلئے نازل فرمایا گیا ہے جسکی روشنی وراہنمائی سے محرومی دارین کی سعادت وسرخروئی سے محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ -قرآنِ حکیم کے لئے ﴿ذِكْرٰى﴾ کے اِس لفظ کے استعمال سے دو اہم اور بنیادی حقیقتوں کی طرف اشارہ فرما دیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ یہ کتابِ حکیم جو کچھ کہہ اور بتا رہی ہے وہ کوئی انوکھی اور اوپری چیز نہیں۔ بلکہ یہ دراصل انہی حقائق کی تذکیر ویاددہانی ہے جو انسان کی فطرت کے اندر ودیعت ہیں۔ لیکن لوگوں نے ان کو اپنی خواہشات اور طرح طرح کی بدعات کے نیچے دبا دیا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ یہ کتابِ حکیم دراصل اسی ہدایتِ الٰہی کی تذکیر ویاددہانی کرا رہی ہے جس کو حضرتِ نوح، ابراہیم اور دوسرے تمام انبیائے کرام لے کر آئے ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ

نسبت کے دعویداروں نے اس کی ہدایت کی جگہ مختلف ضلالتیں اور گمراہیاں ایجاد کرلیں۔ نیز اسی کے ذیل میں یہ بات بھی آتی ہے کہ یہ کتابِ حکیم ان لوگوں کو بھی ان کے ہولناک انجام سے خبردار کرتی ہے جو اس کی متعین کردہ راہِ حق وہدایت سے منہ موڑ کر اہواء واغراض کے پیچھے چلتے ہیں۔ ان کو اس کا بھگتان نہایت ہی ہولناک صورت میں بھگتنا ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۸۱ عناد اور ہٹ دھرمی کے اندھے پن کا ایک مظہر ونمونہ: ۔ سو اس سے عناد اور ہٹ دھرمی کے ماروں کے اندھے پن کا ایک نمونہ ومظہر سامنے آتا ہے، کہ ان لوگوں نے اہلِ کتاب ہونے کے باوجود اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق تھا۔ ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر۔ اور نبوت ورسالت کا انکار کرتے ہوئے۔ سو یہ ضد اور ہٹ دھرمی کا ایک شاخسانہ ہے کہ اسکی بنا پر انسان بعض اوقات بلکہ بسا اوقات اپنے اس اصل دین وایمان کا بھی منکر ہو جاتا ہے جسکے ماننے کا وہ دعویدار ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی اسکا یہ نمونہ سامنے آتا ہے کہ یہود جو اپنے دین اور اپنی کتاب پر ایمان کے دعویدار تھے وہ جب اس دینِ حنیف اور قرآنِ مجید کے انکار پر اتر آئے، اسکے بعد کہ حق پوری طرح ان کے لئے واضح ہو چکا تھا، تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔ اور وہ کہنا یہ چاہتے تھے کہ محمد۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پر کوئی کلام وغیرہ نہیں اتارا گیا کہ دین کے اصل ٹھیکیدار تو ہم ہیں۔ یعنی بنی اسرائیل۔ جن کے اندر اس سے پہلے کے تمام انبیائے کرام مبعوث ہوئے۔ لیکن چونکہ اس طرح صاف طور پر یہ بات کہنا ان کیلئے مشکل تھا کیونکہ اس طرح کرنے سے عربوں کی رگِ عصبیت پھڑک سکتی تھی کہ یہ یہود محض نسلی تعصب کی بنا پر ہمارے پیغمبر کا انکار کرتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے یوں کہا کہ ۔ ﴿مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ﴾ ۔ یعنی اللہ نے کسی بھی انسان پر کچھ بھی نہیں اتارا۔ اور اس طرح ان لوگوں نے اپنی اس کتاب اور وحی کا بھی انکار کر دیا جس پر ایمان کا وہ لوگ دعوٰی اور گھمنڈ رکھتے تھے۔ اسی پر ان لوگوں کی اس ارشادِ ربانی میں گرفت فرمائی گئی۔ اور یہ حقیقت واضح فرما دی گئی کہ عناد وہٹ دھرمی سے انسان کس قدر اندھا اور اوندھا ہو جاتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ ۔ بہرکیف اس بارے ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے اہلِ کتاب ہونے کے باوجود ایسی بات کہہ کر اللہ کی ناقدری کی اور انہوں نے اسکی قدردانی کا وہ ثبوت نہیں دیا جو کہ ان کو اس وحدہٗ لاشریک کے حق میں دینا چاہئے تھا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو یہ عناد اور ہٹ دھرمی کے اندھے پن کا ایک نمونہ ومظہر ہے۔ والعیاذ باللہ۔

۱۸۲ یہود کے قولِ باطل کی تردید کے لیے ان سے سوال: ۔ یعنی تم لوگ جو کہتے ہو کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نہیں اتاری تو پھر تم بتاؤ کہ اس کتاب کو کس نے اتارا تھا جس کو حضرتِ موسیٰ لے کر آئے تھے؟ یعنی تورات کو۔ جس کو تم لوگ بھی مانتے ہو اور اس پر ایمان کے تم لوگ مدعی اور دعویدار ہو۔ اور جو اپنے دور میں حق وہدایت کا پیغام اور نور کا سامان تھی۔ اور ظاہر ہے کہ جب اس کو اللہ تعالیٰ ہی نے اتارا تو پھر تم لوگ اس قدر اندھے اور اوندھے کیوں ہو گئے کہ تم نے یہاں تک کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بھی بشر پر کوئی بھی چیز نہیں اتاری؟ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ یہ جو کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نہیں اتاری تو ان سے پوچھو کہ اس کتاب کو کس نے اتارا تھا جس کو موسیٰ لے کر آئے تھے اور جو اس دور کے لئے نور اور ہدایت کا پیغام تھی؟ اور جس کے ماننے کا دعوٰی تم بھی کرتے ہو۔ ظاہر ہے کہ اس کا ان لوگوں کے پاس کوئی جواب نہیں تھا سوائے خاموشی شرمندگی اور رسوائی کے۔ سو اس طرح ان کے اس قولِ باطل کی تردید بھی ہو گئی اور انکی تخجیل و رسوائی بھی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے زیغ وضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا ۚ وَعُلِّمْتُم مَّا لَمْ

لوگوں نے اب ورقے ورقے کر رکھا ہے، کچھ کو تم ظاہر کرتے ہو، ۱۶۳ اور بہت کچھ تم چھپا جاتے ہو، ۱۶۴ حالانکہ (اس کے

۱۶۳ **یہود کے تورات سے سلوک کا ایک نمونہ:**- سو ان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ اپنی اس کتاب ہدایت کو تم لوگوں نے ورقے ورقے کر رکھا ہے۔ جو تمہاری خواہش اور مرضی کے مطابق ہوتے ہیں ان کو تم مانتے اور اپناتے ہو کہ تمہارا تو اصل دین ہی خواہشات کی پیروی کرنا ہے اور بس۔ اور جو تمہاری خواہش و مرضی کے خلاف ہوتے ہیں ان کا تم انکار کرتے اور انکو پسِ پشت ڈال دیتے ہو۔ سو کتاب کے کچھ حصوں کو ماننا اور کچھ کو نہ ماننا یہود کا ایک اجتماعی مرض اور قومی روگ تھا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾۔ (البقرۃ: ۸۵)۔ یعنی ''کیا تم لوگ کتاب کے کچھ حصوں کو مانتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو''۔ سو یہی نتیجہ ہوتا ہے خواہشاتِ نفس کی پیروی کا۔ افسوس کہ اس یہودی مرض کے مظاہر اور نمونے امتِ مسلمہ کے اندر بھی جابجا اور طرح طرح سے نظر آتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ دینِ حنیف اور کتابِ حکیم کے کتنے ہی احکام و ارشادات ہیں جو صریح اور واضح ہیں مگر ان کی خلاف ورزی کی جا رہی ہے اور عملی مخالفت سے آگے بڑھ کر ان کے بارے میں طرح طرح سے تاویلات اور تحریفات کا ارتکاب کیا جا رہا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو یہودِ بے بہبود کی اس تحریف و تلبیس کے ذکر و بیان میں ایسے مسلمانوں کے لئے بڑا سامانِ عبرت ہے کہ وہ اس یہودی مرض اور اس کے جراثیم سے بچیں۔ اور اس سے کنارہ کشی اختیار کریں۔ ورنہ اس انجام کے لئے تیار ہو جائیں جو ان کو بھگتنا پڑے گا کہ اللہ کا قانون بے لاگ اور سب کے لئے یکساں ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّ ضَلَالٍ وَّ سُوْءٍ وَّانْحِرَافٍ۔

۱۶۴ **قرآنِ حکیم اور تورات میں ایک اہم فرق:**- کہ تورات کو ان لوگوں نے ورقے ورقے کر رکھا تھا۔ سو ان سے فرمایا گیا کہ تم لوگ اے گروہ یہود اپنی کتاب کے ان بہت سے حصوں کو چھپاتے ہو جو تمہاری خواہش و مرضی کے خلاف ہوتے ہیں۔ جیسا کہ رجم کا حکم اور آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کی نعوت وصفات وغیرہ۔ اور اس طرح تم لوگ کتمانِ حق اور اخفائے حق کے جرم کا ارتکاب کرتے ہو۔ واضح رہے کہ تورات اس طرح یکجا طور پر موجود نہیں تھی جس طرح کہ قرآنِ حکیم یکجا طور پر موجود ہے۔ بلکہ یہودیوں نے تورات کو مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر رکھا تھا جن میں سے اپنی منشا اور خواہش کے مطابق وہ لوگ جسکو چاہتے ظاہر کر دیتے اور جسکو چاہتے چھپا دیتے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بخلاف اس کے کہ قرآنِ حکیم اول سے آخر تک پورے کا پورا یکجا طور پر کتابی شکل میں موجود ہے۔ اس کے کسی حصے کو چھپانا ممکن نہیں۔ اس لئے یہ جیسے نازل ہوا تھا ویسے ہی آج تک محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔ ان شاء اللہ۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ جبکہ تورات کو یہودِ بے بہبود نے ورقے ورقے کر رکھا تھا۔ جس کے کچھ حصے کو وہ لوگ ظاہر کرتے تھے اور زیادہ کو چھپا لیا کرتے تھے۔ اور اس طرح وہ اپنی محرومی کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی حق و ہدایت کی روشنی سے محروم کرنے کے سنگین جرم کا ارتکاب کرتے تھے۔ اور ضلال کے ساتھ اِضلال کے بھی مرتکب ہوتے تھے اور ہدایت کی روشنی کو گل کرنا تو بذاتِ خود ایک سنگین جرم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ

(ذریعے) تمہیں وہ کچھ سکھایا گیا جو نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادا، ۱۶۵ کہو اللہ ہی ہے (اتارنے والا) پھر انہیں چھوڑ دو،

یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ

کہ یہ اپنی بے ہودگی میں پڑے کھیلتے رہیں، اور (اسی طرح) یہ ایک عظیم الشان برکتوں بھری کتاب ہے، ۱۶۶ جسے ہم نے

بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِیْنَ

(اب) اتارا ہے، جو تصدیق کرنے والی ہے ان کتابوں کی جو کہ اس سے پہلے آچکی ہیں، ۱۶۷ (تاکہ دنیا اس کی برکتوں سے مالا

۱۶۵ یہودیوں کی احسان فراموشی کا ایک اور نمونہ: سو یہود کو خطاب کر کے ان سے فرمایا گیا کہ اس کتاب کے ذریعے تم لوگوں کو وہ عظیم الشان علوم سکھائے گئے جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ سو اس طرح وہ کتاب تمہاری عظیم محسن قرار پاتی ہے۔ مگر تمہاری محسن کشی اور احسان فراموشی کی قدیم عادت کا یہ شاخسانہ ہے کہ تم نے اس کے بھی اس طرح حصے بخرے کر دیئے۔ سو تورات تمہارے پاس روشنی کا ایک ایسا ذریعہ بن کر آئی تھی کہ تم اسکو صحیح جگہ رکھ کر اپنے گھر کیلئے روشنی کا سامان کرتے مگر تم نے اسکے نور کو چھپا کر اندھیروں کو اپنایا۔ اور اپنی بدبختی اور حرمان نصیبی کی سیاہی کو اور پکا کیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔

۱۶۶ قرآن حکیم ایک انتہائی مبارک کتاب: سو قرآن حکیم ایک ایسی عظیم الشان اور مبارک کتاب ہے جس کی برکتوں کا کوئی کنارہ نہیں۔ یعنی "کتاب" سے یہاں پر مراد قرآن حکیم ہے جس کی رحمتوں اور برکتوں کا کوئی کنارہ نہیں۔ جس کی سچی اور مبارک و مقدس تعلیمات انسان کو اس دنیا میں حیاتِ طیبہ اور پاکیزہ زندگی سے نوازتی ہیں اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہان میں بھی نعیم مقیم سے سرفراز کرتی ہیں۔ سو یہ ایسی برکتوں بھری کتاب ہے جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے نوازتی اور سرفراز کرتی ہے۔ اور اِس سے اِعراض اور محرومی دارین کی سعادت و سرخروئی سے محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اور یہی وہ کتابِ عظیم ہے جس کی بشارت و پیشینگوئی اس سے پہلے حضرت موسیٰ اور عیسیٰ سب ہی پیغمبروں نے دی۔ سو یہ انہی بشارتوں اور پیشینگوئیوں کا ظہور اور ان کی تصدیق ہے۔ پس اس پر ایمان لانا عقل و نقل دونوں کا تقاضا ہے۔

۱۶۷ قرآن حکیم گزشتہ آسمانی کتابوں کی تصدیق: اور قرآنِ حکیم کی تصدیق سابقہ آسمانی کتابوں کیلئے ایک تو اس طرح ہے کہ پہلی کتابوں میں اس کے بارے میں پیشینگوئی کی گئی تھی کہ نبی آخر الزمان آئیں گے اور ایسی نئی کتاب اور نئی شریعت لائینگے جو انسان کے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کی کفیل و ضامن ہوگی۔ تو اس طرح اس کتابِ حکیم کا نفسِ نزول ہی ان کتابوں کی تصدیق ہے۔ اور دوسرے اس طرح کہ اس کتابِ حکیم میں بھی انہی اُصول و مبادی کی تعلیم دی گئی ہے جن کی ان کتابوں میں دی گئی تھی۔ اور تیسرے اس طرح کہ یہ کتاب اس کی تصریح کرتی ہے کہ وہ سابقہ کتب بھی اللہ کی طرف سے اتاری جانے والی کتابیں تھیں اور ان میں بھی ہدایت و نور تھا۔ اور اپنے اپنے دور میں ہدایت و نور کا سرچشمہ وہی کتابیں تھیں۔ سو اب یہ کتابِ حکیم اس عالمگیر خیر و برکت کا منبع و سرچشمہ بن کر آئی ہے جس نے قیامت تک باقی رہنا ہے اور اس کے نزول کے بعد ہدایت و نور سے سرفرازی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ سابقہ آسمانی کتابوں کی ہدایت اب سرے سے باقی رہی ہی نہیں۔

يُؤْمِنُونَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ

مال ہو) اور تاکہ آپ (اس کے ذریعے) خبردار کریں بستیوں کے مرکز (مکہ مکرمہ کے باشندوں) کو، اور ان سب کو جو اس

يُحَافِظُونَ ﴿۹۲﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

کے گرد ہیں، اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ۱۶۸ وہ اس پر ایمان لاتے ہیں، اور وہ اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور اس شخص

اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ

سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے ۱۶۹ جو اللہ پر جھوٹا بہتان گھڑے، ۱۷۰ یا کہے کہ مجھ پر وحی نازل کی گئی ہے، حالانکہ اس پر کسی بھی چیز کی

مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۗ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ

وحی نہیں کی گئی ۱۷۱ اور جو کہے کہ میں بھی ویسی ہی چیز اتار سکتا ہوں جیسی کہ اللہ نے اتاری ہے، ۱۷۲ اور اگر تم دیکھ سکو (حال اس وقت کا) جب

۱۶۸ قرآنِ حکیم کی روشنی سب دنیا جہاں کیلئے:- سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ قرآنِ حکیم کی روشنی سب دنیا جہاں کے لیے ہے کہ- ﴿وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ -کا عموم ان سب کو شامل ہے۔ سو قرآنِ حکیم کی روشنی سب دنیا جہاں کیلئے ہے۔ اور اس روشنی سے فیضیاب ایمان والے ہی ہوتے ہیں کہ پورے کرۂ ارضی میں وہی ہیں جو آخرت کی باز پرس سے ڈرتے ہیں۔ اور اس بناء پر وہ صدقِ دل سے حق کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ اور اسکے نتیجے میں وہ ایمان و یقین کے اُس نور سے بہرہ ور و سرفراز ہوتے ہیں جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے ہمکنار کرتا ہے- وباللہ التوفیق- سو قرآنِ حکیم کی اس کتابِ مبارک کو ایک تو اس لئے اتارا گیا کہ یہ اس عالمگیر رحمت و برکت کی بشارت ہو جس کی پیشینگوئی پہلے کے آسمانی صحیفوں میں موجود ہے۔ اور دوسرے اس لئے کہ اس کے ذریعے اُمّ القریٰ اور اس کے اردگرد کے تمام لوگوں کے لیے اِنذار کا سامان ہو اور ان پر اتمامِ حجت ہو جائے- فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ-

۱۶۹ اللہ پر بہتان باندھنا سب سے بڑا ظلم- والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے؟۔ استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی اس سے بڑھ کر ظالم اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ سو اللہ پر افترا کرنا، بہتان باندھنا سب سے بڑا ظلم ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو اہلِ کتاب کے مفسدین و اَشرار کے بعد اب یہاں سے مشرکینِ مکہ کے شرپسندوں اور اُن کے لیڈروں اور سرغنوں کی طرف توجہ فرمائی گئی ہے۔ اور جو ہفوات یہ لوگ قرآن کے بارے میں بکتے تھے، ان کا مختصر طور پر حوالہ دینے کے بعد ان کے انجام کی طرف توجہ دلائی گئی۔ ان لوگوں کی باتیں چونکہ بالکل لایعنی اور محض ان کے کبر و غرور کا مظاہرہ تھیں۔ اس لئے ان کا جواب دینے کی بجائے ان کے اس کبر و غرور ہی پر ضرب لگائی گئی ہے بہر کیف اس سے واضح فرما دیا گیا

کہ اللہ پر افترا اور جھوٹ سب سے بڑا ظلم ہے - والعیاذ باللہ جل وعلا -

۱۷۰ اللہ پر اِفتراء باندھنے کی صورتیں:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوسکتا ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے؟ اور اللہ پر جھوٹ باندھنے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں۔ مثلاً اس کا کوئی شریک ماننے یا اسکی کوئی اولاد تجویز کرے یا یوں کہے کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نہیں اتاری یا یوں کہے کہ اللہ محتاج ہے اور ہم مالدار وغیرہ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - اور شرک کا ارتکاب کر کے چونکہ انسان اپنے خالق و مالک ربِ ذوالجلال کے سب سے بڑے حق کو تلف کرتا ہے اور خود اپنی بھی سب سے بڑی توہین و تذلیل کا ارتکاب کرتا ہے اس لئے یہ سب سے بڑا ظلم ہے جس کا مشرک انسان مرتکب ہوتا ہے۔ اور یہ ایسا سنگین جرم وقصور ہے کہ اس سے عبادت و بندگی کا سارا نظام ہی درہم برہم ہوجاتا ہے۔ سو کفر و شرک کا جرم بڑا ہی ہولناک اور انتہائی سنگین اور تباہ کن جرم ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اللہ کذب و افترا کے ہر شائبہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین ثم آمین۔

۱۷۱ جھوٹی نبوت کا دعویٰ اللہ پر بہتان باندھنا ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوسکتا ہے جو یہ کہے کہ مجھ پر وحی کی گئی ہے حالانکہ اس کی طرف کسی بھی چیز کی وحی نہیں کی گئی۔ جیسا کہ مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، اور برصغیر میں قادیانی دجال نے کیا۔ اور وحی کے اس جھوٹے دعوے کی بناء پر آگے انہوں نے اللہ پاک - سبحانہ و تعالیٰ - پر طرح طرح کے جھوٹ گھڑے اور افتراء باندھے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - یا جس طرح کفار قریش کے بعض بڑوں نے یہ کہا کہ محمد جس وحی کا دعویٰ کرتے ہیں، اس طرح کی وحی تو ان پر بھی آتی ہے۔ سو وہ اگر چاہیں تو اسی طرح کا کلام وہ بھی پیش کر سکتے ہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر ان لوگوں کا یہ قول اس طرح نقل کیا گیا ہے ﴿وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا﴾ الآیۃ - الانفال: ۳۱)۔ سو جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنا یا سچے نبی کو جھٹلانا دونوں صورتیں افتراء علی اللہ ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اور یہ دونوں انتہائی جسارت کی سنگین صورتیں ہیں مگر ظالم لوگوں نے ان کا ارتکاب ہمیشہ کیا - والعیاذ باللہ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

۱۷۲ کلام اللہ کے معارضے کا دعویٰ بھی اللہ پر افتراء ہے۔ والعیاذ باللہ:- سو اس سے واضح ہوجاتا ہے جیسا کہ نضر بن حارث وغیرہ مشرکین نے کہا تھا - ﴿لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَا اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ - (الانفال: ۳۱)۔ سو یہ اِفتراء علی اللہ کی مختلف صورتیں ہیں اور ظالم انسان نے اللہ پاک کے بارے میں ان سب کا ارتکاب کیا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو اس طرح کی ہفوات سے ان لوگوں کا اصل مقصد اس اثر کو زائل کرنا ہوتا تھا جو آنحضرت - ﷺ - کے کلامِ وحی سنانے سے لوگوں کے دلوں پر پڑتا تھا۔ سو ان بدبختوں کے اس کہنے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اس کتاب سے جو دلوں پر اثر ہوتا ہے وہ اس لیے نہیں کہ یہ کوئی آسمانی کتاب اور اللہ کا کلام ہے بلکہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ یہ ایک بڑا فصیح و بلیغ کلام ہے۔ اور اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام لا سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہٹ دھرمی اور کبر و غرور سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین۔

الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ

کہ ظالم لوگ (گرفتار) ہوں گے موت کی سختیوں میں اور فرشتے ہاتھ بڑھائے (ان سے کہہ رہے ہوں گے کہ) نکالو تم اپنی جانوں کو ف۱۷۳

اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى

آج تمہیں عذاب دیا جائے گا ذلت کا ف۱۷۴ تمہاری ان ناحق باتوں کی پاداش میں جو تم لوگ بنایا کرتے تھے اللہ (کی ذات

اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۹۳ وَلَقَدْ

اقدس و اعلیٰ) کے بارے میں، اور اس بناء پر کہ تم لوگ منہ موڑا کرتے تھے اس کی آیتوں (پر ایمان لانے) سے اپنی بڑائی

جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ

کے گھمنڈ میں، ف۱۷۵ اور البتہ تحقیق آگئے تم لوگ ہمارے پاس اکیلے، اکیلے، جیسا کہ ہم نے پیدا کیا تھا تم کو پہلی مرتبہ ف۱۷۶ اور

مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ

وہ سب کچھ تم نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا جو ہم نے تمہیں دیا تھا (اور جس پر تم پھولے نہ سماتے تھے)، ف۱۷۷ اور (کیا بات ہے کہ

۱۷۳ ظالموں کی حالت جان کنی کے وقت: - سو اس وقت فرشتے ان سے ایسا ان کی تعجیز و تذلیل کے لئے کہیں گے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو جب فرشتے ظالموں سے ایسے کہہ رہے ہونگے تو ایک بڑا ہی ہولناک اور عبرتناک منظر سامنے ہوگا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - یعنی جوابِ شرط ایسے موقع پر محذوف ہوتا ہے تقاضائے بلاغت کی بناء پر۔ کیونکہ اس کے حذف سے ہولناکی کی جو تصویر سامنے آتی ہے وہ اس کے اظہار سے سامنے نہیں آسکتی۔ یعنی اس اسلوب بیان میں بلاغت یہ ہوتی ہے کہ اس موقع کا حال اس قدر ہولناک اور ایسا دہشت خیز ہوتا ہے کہ الفاظ و کلمات اس کے احاطہ، ذکر و بیان سے عاجز قاصر ہیں۔ سو کفر و شرک اور الحاد و بے دینی بڑے ہی خسارے کا سودا ہے - والعیاذ باللہ العظیم -

۱۷۴ ظالموں پر عذاب وقتِ نزع ہی سے: - سو اس سے معلوم ہوا کہ ایسوں کا عذاب مرتے وقت سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اور ان کا یہ عذاب بھی ذلت اور رسوائی کا عذاب ہوگا انکے ظلم و افتراء کی پاداش میں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - بہرکیف اس وقت ان کی ذلت و رسوائی کے لیے ان سے کہا جا رہا ہوگا کہ اب وقت آگیا ہے کہ تم لوگوں کو تمہارے افتراء و اعراض کے بدلے میں ذلت و رسوائی کا یہ عذاب چکھایا جائے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو اب تم لوگ چکھو مزہ اپنے اس کیے کرائے کا جو تم زندگی بھر کرتے رہے تھے۔ سو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا عذاب ان کی جانکنی کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ سو اس سے افترا علی اللہ کے اس ہولناک جرم کی سنگینی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے - اللہ ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین ثم آمین۔

۱۷۵ اِستکبار محرومی کی جڑ بنیاد- والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز ان سے کہا جائے گا کہ آج تم لوگوں کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا تمہاری ان ناحق باتوں کی پاداش میں جو تم بنایا کرتے تھے اللہ کے بارے میں اور اس بناء پر کہ تم منہ موڑا کرتے تھے اس کی آیتوں سے اپنی بڑائی کے زعم اور گھمنڈ میں، سو اس روز ان کی تذلیل و تجریح کیلئے ان سے کہا جائے گا کہ تم لوگ جو اللہ کی آیتوں سے اپنے استکبار کی بناء پر منہ موڑا کرتے تھے اور اپنی بڑائی کے اِس گھمنڈ میں تم حق سے محروم رہے تھے۔ یہاں تک کہ فرصتِ حیات تمہارے ہاتھ سے نکل گئی۔ سو اب بھگتتے رہو تم بھگتان اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا اور چکھتے رہو تم مزہ ذلت کے اس عذاب کا۔ سو استکبار یعنی اپنی بڑائی کا گھمنڈ محرومی کی جڑ بنیاد اور خرابیوں کی خرابی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- اور چونکہ تم لوگوں نے اپنے کبر و غرور اور رعونت و اِستکبار کی بناء پر اللہ اور اس کے رسول کے حکم و ارشاد سے منہ موڑا اور اللہ کی کتاب کی تکذیب کی تھی۔ سو اس کے نتیجے میں اب تم ذلت و رسوائی کا یہ عذاب چکھو اور چکھتے ہی رہو- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم-

۱۷۶ اللہ کی بارگاہ میں تنہا حاضری کی تذکیر و یاد دہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز ایسے لوگوں سے کہا جائے گا کہ تم لوگ آگئے ہمارے پاس اکیلے اکیلے جس طرح کہ ہم نے تم کو پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ۔ سو اس روز ایسے منکروں سے جن کو اپنی پارٹی، جتھے اور قوم قبیلے وغیرہ پر بڑا زعم و گھمنڈ اور ناز تھا ان سے انکی تذلیل و تحقیر کے لیے اس طرح کہا جائے گا کہ تم لوگ ہمارے حضور حاضر ہو گے یکہ و تنہا، اکیلے اکیلے۔ اور تمہاری اِن پارٹیوں اور جتھوں میں سے کوئی بھی آج تمہارے ساتھ نہیں آیا جن کی بناء پر تم لوگوں نے اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھ رکھا تھا۔ اور اس وجہ سے تم حق کو سننے ماننے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے تھے۔ سو اللہ کی بارگاہِ اَقدس واعلیٰ میں اُس روز تنہا ہی حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تمام دھوکے اس روز ختم ہو جائیں گے جو لوگوں کو دنیاوی زندگی میں لگے ہوئے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- سو اس روز کسی کو اس کی پارٹی، جتھا اور قوم قبیلہ وغیرہ کی کثرت تعداد وغیرہ کچھ کام نہ آئے گا بلکہ ہر کسی کو تنہا اپنی جوابدہی کا سامنا کرنا پڑے گا اور دھوکے کے یہ تمام سامان غائب ہو جائیں گے- والعیاذ باللہ-

۱۷۷ مال و دولت سب کچھ یہیں رہ جائے گا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز ان لوگوں سے مزید کہا جائے گا کہ تم لوگوں نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا وہ سب کچھ جو ہم نے تم کو دیا بخشا تھا۔ یعنی وہ مال و دولت جسے تم لوگ سینت سینت کر رکھا کرتے تھے اور جسے تم اپنی کامیابی و کامرانی کا معیار قرار دیا کرتے تھے اور جسکی بناء پر تم لوگ حق و ہدایت کو سننے اور ماننے کیلئے تیار نہیں ہوا کرتے تھے۔ سو اس روز دھوکے کے یہ تمام سامان ختم ہو جائیں گے اور تمہیں تنہا خالی خولی وہاں حاضر ہونا ہوگا۔ سو جس طرح تم لوگ دنیا میں اکیلے اور خالی خولی بغیر کسی مال و دولت اور لاؤ لشکر کے یکہ و تنہا آئے تھے۔ اسی طرح آج یکہ و تنہا اور خالی خولی ہمارے پاس پہنچ گئے ہو۔ اور جن جن چیزوں کا تمہیں دعوی اور گھمنڈ ہوا کرتا تھا ان میں سے آج کچھ بھی تمہارے ساتھ نہیں اور تم لوگ عاجزی اور بے بسی کی تصویر بنے ہمارے پاس پہنچ گئے ہو۔ سب کچھ تم سے چھوٹ گیا ہے۔ سبحان اللہ- کس قدر کرم و احسان ہے مالک کا کہ اس نے یہ سب کچھ پیشگی اس دنیا میں بتا دیا اور اس قدر صراحت و وضاحت کے ساتھ بتا دیا تا کہ جس نے بچنا ہو بچ جائے قبل اس سے کہ وہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ جائے- وباللہ التوفیق لما یحبُّ و یرید-

الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ

(آج) ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو نہیں دیکھ رہے، جن کے بارے میں تم سمجھتے تھے کہ وہ تمہارے (امور

وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ ع اِنَّ اللّٰهَ فٰلِقُ الْحَبِّ ع ۱۱ / ۱۷

میں) شریک ہیں، ۱۷۸ آج بالکل کٹ کر رہ گئے وہ سب روابط جو تمہارے درمیان تھے، ۱۷۹ اور گم ہو گیا تم سے وہ سب کچھ جس کا

وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ

تمہیں بڑا دعویٰ (اور گھمنڈ) تھا، بے شک اللہ ہی ہے پھاڑ نکالنے والا دانے اور گٹھلی کو، ۱۸۰ وہی نکالتا ہے، زندہ کو مردہ سے ۱۸۱

۱۷۸ مشرکوں کے خود ساختہ شرکاء بھی غائب: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اس روز منکروں کے خود ساختہ شرکاء بھی غائب ہو جائیں گے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے مزید کہا جائے گا کہ کیا بات ہے آج ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان خود ساختہ شرکاء میں سے بھی کسی کو نہیں دیکھ رہے جن کا تم لوگوں کو بڑا زعم اور گھمنڈ ہوا کرتا تھا۔ یعنی وہ تمہارے حاجت روا و مشکل کشا جن کو تم لوگوں نے از خود گھڑ رکھا تھا اور جن کو تم نے بغیر کسی اساس و بنیاد اور سند و دلیل کے یونہی خدائی صفات کا حامل قرار دے رکھا تھا۔ سو کہاں گئے آج وہ اور اُن کی مشکل کشائی؟ خواہ وہ لکڑی پتھر وغیرہ کے بے جان بت ہوں یا حضراتِ انبیاء و ملائکہ اور اولیا و صالحین کی پاکیزہ ہستیاں، جنکو تم لوگوں نے از خود خدا کا شریک ٹھہرا رکھا تھا۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ سو تمہارے اِن خود ساختہ شرکاء میں سے کوئی بھی اُس روز نظر نہیں آئے گا۔ سو حساب و کتاب کے اُس یومِ عظیم میں ہر کسی کو یکہ و تنہا اپنے خالق و مالک کے حضور حاضر ہونا ہوگا۔ اور اس کا وہ سارا مال و متاع اور لاؤ لشکر جس کا اس کو اس دنیا میں بڑا زعم اور گھمنڈ ہوتا ہے وہ سب کچھ یہیں رہ جائے گا۔ اس میں سے کچھ بھی اس کے ساتھ نہ جائے گا۔ اور اس روز اس کے سامنے یہ حقیقت بھی پوری طرح عیاں اور آشکار ہو جائے گی کہ جو شفعاء و شرکاء اس نے گھڑ رکھے تھے وہ سب بے حقیقت و بے بنیاد اور محض ایک سراب و خیال تھے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو قرآنِ حکیم نے غیب کے ان تمام حقائق کو اس قدر صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا تاکہ ابنائے دنیا ہوش کے ناخن لیں اور آنے والے اس وقتِ عظیم و رہیب کے لیے تیاری کریں مگر دنیا ہے کہ پھر بھی غفلت میں پڑی ہے۔ الا ما شاء اللہ۔

۱۷۹ قیامت کے روز سب رشتے ناطے کٹ جائیں گے: - سو ان سے کہا جائے گا کہ آج کٹ گئے تم لوگوں کے سب روابط اور ٹوٹ گئیں تمہاری وہ آسیں اور امیدیں جو تم نے ان سے وابستہ کر رکھی تھیں۔ وہ تم سے الگ اور تم ان سے دور و بیزار ہو۔ سو قیامت کے روز دنیا کے سب رشتے ناطے کٹ جائیں گے خواہ وہ نسب و قرابت کے ہوں یا ملکیت وغیرہ یا دوستی و یاری کے۔ (المراغی)۔ البتہ دین و ایمان اور تقویٰ و طہارت کا مقدس اور پاکیزہ رشتہ وہاں بھی باقی اور برقرار رہے گا، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ

عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ﴾۔ (الزخرف:٦٧) سو دین و ایمان کے اس پاکیزہ اور مقدس رشتے کے سوا باقی سب رشتے اس روز کٹ جائیں گے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ۔﴿ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴾۔ (البقرۃ:١٦٦)۔ نیز دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا ۔﴿ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴾ ۔ (المومنون:١٠١) بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوگا کہ ایسے لوگ وہاں پر ایک دوسرے پر لعنت و پھٹکار کے ڈونگرے برسائیں گے ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس کے بارے میں اِرشاد فرمایا گیا ۔﴿ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ﴾۔ (العنکبوت:٢٥)۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی رسوائی سے ہمیشہ محفوظ رکھے ۔ آمین ثم آمین۔

١٨٠ ایک ایک دانہ توحیدِ خداوندی کا گواہ ہے: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی ہے پھاڑ نکالنے والا دانے اور گٹھلی کو ۔ سو زمین کے نیچے سے اس طرح دانے اور گٹھلی کو پھاڑ کر اس سے پودا نکالنا یہ اسی وحدہٗ لاشریک کی کارستانی ہے ۔ اس سے اُس کی بے پایاں قدرت کا بھی پتہ چلتا ہے اور بے انتہا رحمت وعنایت کا بھی ۔ سبحانہٗ و تعالیٰ ۔ اور جب اسکی اس قدرت وعنایت میں کوئی اس کا شریک نہیں تو پھر اسکی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک کس طرح ہوسکتا ہے؟ سو یہ اُسی وحدہٗ لاشریک کی قدرت اور اسی کی حکمت ہے کہ وہ ایک ایک بیج اور ایک ایک گٹھلی کے اندر اس طرح اُگنے اور پھوٹ نکلنے کی صلاحیتیں ودیعت فرماتا ہے ۔ اور پھر اِن صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لئے وہ آسمان و زمین، ابر و ہوا، سردی و گرمی اور خزاں و بہار وغیرہ سب کو حکم فرماتا ہے کہ وہ سب مل کر اس کی پرورش اور نشو و نما میں اپنا اپنا کردار ادا کریں ۔ سو اس طرح اس زمین میں نشو و نما پانے والا ایک ایک دانہ اس کے کمالِ قدرت اور اس کی وحدانیت کی گواہی دے رہا ہے ۔ سبحانہٗ و تعالیٰ ۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ غفلت کا مارا انسان اس بارے سوچتا اور غور نہیں کرتا ۔ اس لیے وہ اس سے کوئی درسِ عبرت نہیں لیتا ۔ والعیاذ باللہ جلّ وعلا ۔

١٨١ اسی کی شان ہے زندہ کو نکالنا مردہ سے: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہی نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے ۔ جیسے طرح طرح کے نباتات کو مختلف بیجوں، گٹھلیوں اور دانوں سے ۔ اور قسما قسم کے حیوانات اور انسانوں کو مادۂ تولید کے ان خوردبینی جرثوموں سے جو بے شمار بے جان غذاؤں سے محیر العقول طریقوں سے پیدا ہوتے ہیں ۔ سو یہ سب کچھ جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے، اُسی قادرِ مطلق کی قدرتِ مطلقہ، حکمتِ بالغہ اور عنایتِ شاملہ کا مظہر اور زندہ ثبوت ہے ۔ اور جب ان میں سے کسی بھی چیز میں کوئی اُس کا شریک وسہیم نہیں تو پھر اسکی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک وسہیم کس طرح ہوسکتا ہے؟ ۔ سبحانہٗ و تعالیٰ ۔ سو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے کے یہ حکمتوں بھرے اور حیرت انگیز مناظر و مظاہر اس کائنات میں ہر چہار سو پھیلے بکھرے موجود ہیں اور اپنی زبان حال سے پکار پکار کر دعوتِ غور و فکر دے رہے ہیں کہ اس طرح انسان اپنے سراغ زندگی کو پاسکے ۔﴿ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾۔ ''تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا ؟'' ۔ مگر غفلت کی ماری اور بطن و فرج کی پجاری دنیا کو اس کی توفیق کہاں اور کیسے مل سکتی ہے ۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔ اس بارے میں کچھ مزید تفصیل اگلے حاشیے میں بھی آ رہی ہے ۔ والحمد للہ ۔

الْحَيِّ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَ

اور اسی کا کام ہے مردہ کو نکالنا زندہ سے، ۱۸۲ یہ ہے اللہ پھر تم لوگ کدھر الٹے پھیرے جا رہے ہو؟ ۱۸۳ وہی ہے (تاریکیٔ شب کو

۱۸۲ اور اُسی کا کام ہے مردہ کو نکالنا زندہ سے:- جیسے بے شمار نباتات سے ان کے بیجوں اور گٹھلیوں کو، جو ان کے جملہ نوعی خصائص کو اپنے اندر سمیٹے ہوتی ہیں، جو اُس کی قدرتِ بے نہایت اور عطائے بے غایت کا ایک اور عظیم الشان مظہر اور ثبوت ہے۔ اور جیسے نوح جیسے نبی کے گھر کنعان جیسے کافر بیٹے کو اور آزر جیسے کافر و بت پرست اور بت گر و بت فروش پنڈت کے گھر ابراہیم جیسے جلیل القدر پیغمبر اور ابو الموحدین کو پیدا کرنا۔ اور عالم کے گھر جاہل اور جاہل کے گھر عالم کا جنم لینا وغیرہ وغیرہ۔ سو یہ سب اُس کی بے نہایت قدرت و حکمت اور شانِ بے نیازی کے عظیم الشان اور گونا گوں مظاہر ہیں۔ سو یہ اِرشادِ خداوندی بے جان چیزوں سے زندگی کے اظہار اور پھر زندگی کے اور موت اور فنا کے طاری ہونے کی ایک جامع تعبیر ہے جس کا مشاہدہ ہم اِس کائنات کے ہر گوشے میں کرتے ہیں اور برابر و ہمیشہ کرتے ہیں۔ مگر کوئی درس نہیں لیتے - الا ماشاء اللہ- سو جگہ جگہ بے جان گٹھلیوں اور بیجوں سے طرح طرح کے ہرے بھرے پودے اور قسما قسم کے پھل غلے اور باغات پیدا ہوتے ہیں۔ پھر وقت آنے پر اِن سب پر مردنی چھا جاتی ہے اور بالآخر وہ ختم ہو جاتے ہیں۔ اور اِسی چیز کا مشاہدہ ہم انسانوں اور حیوانوں کی زندگیوں میں کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ قوموں اور ملتوں کے اندر بھی زندگی و موت اور عروج و زوال کی یہی داستان دوہرائی جاتی ہے اور بار بار دوہرائی جاتی ہے۔ مگر دنیا ہے کہ اس بارے سوچنے اور غور کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتی۔ اور وہ حیوان بن کر بلکہ اس سے بھی نیچے گر کر بطن و فرج کے تقاضوں کی تکمیل اور ان کی پوجا پاٹ میں لگی ہوئی ہے۔ اس سے آگے سوچنے کی وہ روادار ہی نہیں- الا ماشاء اللہ والعیاذ باللہ جل وعلا-

۱۸۳ کفر و شرک سے انسان کی مت ماردی جاتی ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ ہے اللہ تو پھر تم لوگ کدھر پھیرے اور اوندھے کیے جا رہے ہو اور تمہاری مت کہاں ماری جا رہی ہے جو تم ایسی ایسی صفات اور قدرتوں والے، اپنے خالق و مالکِ حقیقی اور کارسازِ مطلق ربِّ ذوالجلال کے سوا اوروں کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا مان رہے ہو- ﴿وَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾- یہاں پر ﴿ تؤفکون ﴾ کا جو لفظ استعال فرمایا گیا ہے اس میں کئی بڑے اہم درس ہیں۔ کیونکہ یہ لفظ ''اِفک'' سے مشتق و ماخوذ ہے۔ جسکے معنٰی الٹا کرنے اور اوندھا کر دینے کے آتے ہیں۔ سو اِس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم لوگوں کی مت کہاں ماری جاتی ہے اور تم کیسے اوندھے ہوئے جا رہے ہو۔ سو اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ کفر و شرک سے انسان کی مت ماردی جاتی ہے اور اسکی کھوپڑی الٹی اور اوندھی ہو کر رہ جاتی ہے- والعیاذ باللہ- اور دوسری اہم بات اس میں یہ ہے کہ یہاں پر صیغہ ﴿ تو فکون ﴾ یعنی مضارع مجہول کا استعال فرمایا گیا ہے۔ جس کا ترجمہ ہے کہ ''تم لوگ کہاں الٹے پھیرے جاتے ہو''۔ یعنی ان کو الٹا پھیرنے والے کوئی اور لوگ ہیں جن کے ہاتھ میں انکی نکیل ہے۔ وہی انکے گروان کو اپنی مرضی پر چلا رہے ہیں۔ سو ایسے ہی گروہ ہوتے ہیں جو عوام کالانعام کو اندھا اور اوندھا بنا کر اپنے پیچھے چلاتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ-

جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ

چاک کرکے) سپیدۂ صبح کو نکالنے والا، اسی نے بنایا رات کو (آرام و) سکون کی چیز، اور سورج اور چاند کو حساب کا ذریعہ، ۱۸۴ یہ (نہایت

تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ

ٹھوس اور پُر حکمت) منصوبہ بندی ہے اس کی جو سب پر غالب، نہایت علم والا ہے، اور وہ (وحدہٗ لاشریک) وہی تو ہے جس نے

لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ

بنایا تمہارے لئے ستاروں کو تاکہ تم لوگ ان کے ذریعے راستہ پاسکو، ۱۸۵ خشکی اور تری کے اندھیروں میں بے شک ہم نے کھول کر بیان

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ

کر دیا اپنی نشانیوں کو ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں، ۱۸۶ اور وہ وہی ہے جس نے پیدا کیا تم سب کو ایک جان سے، پھر (ہر ایک

۱۸۴ دلائلِ سماوی میں غور وفکر کی دعوت:۔سو زمین کے اندر پائے جانے والے دلائل کے ذکر و بیان کے بعد اب یہاں سے آسمان کے اندر پائے جانے والے دلائل میں غور وفکر کی دعوت دی جا رہی ہے۔سو سورج اور چاند کے یہ عظیم الشان کرّے قدرت کے نشان اور انسان کے خادم ہیں۔ نہ کہ معبود کہ دنوں، ہفتوں، مہینوں اور سالوں کے حساب کا دارومدار انہی پر ہے جو ایک طرف اس کی بے نہایت قدرت کا عظیم مظہر وثبوت ہے تو دوسری جانب یہ اس کی بے غایت رحمت وعنایت کا ناقابلِ شک وانکار مظہر، کھلا ثبوت اور نہایت واضح نشان بھی ہے۔ سو کس قدر ظالم اور کتنے بے انصاف ہیں وہ لوگ، جو اُس ربِّ ذوالجلال والاکرام کو چھوڑ کر اور اس کو بھول کر اوروں کی طرف لوٹتے اور ان کے آگے جھکتے ہیں۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ سورج اور چاند کے یہ عظیم الشان کرّے انسان کے معبود نہیں اسکے خادم ہیں۔ جن کو قدرت نے ایک نہایت محکم نظام کے تحت اور پختہ طریق سے انسان کی خدمت میں لگا رکھا ہے۔ سو وہ لوگ بڑے ہی اندھے اور اوندھے لوگ ہیں جنہوں نے اپنی خدمت میں لگے ان خادموں کو الٹا اپنا معبود قرار دے کر انکی پوجا شروع کر دی اور اس طرح انہوں نے اپنی تذلیل وتحقیر اور ہلاکت اور تباہی کا سامان کیا مگر ان کو اپنے اس زیاں اور تحقیر کا احساس ہی نہیں۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

۱۸۵ کائنات کی کھلی کتاب میں عظیم الشان درس ہائے عبرت وبصیرت:۔یعنی تاکہ تم لوگ ان سے دنیا میں اپنی اپنی منازل مقصودہ تک پہنچنے کا راستہ معلوم کر سکو۔ اور انہی سے اپنی حقیقی آخری اور دائمی منزل تک رسائی کا راستہ بھی معلوم کر سکو کہ جس خدائے ذوالجلال نے ہمارے لئے یہ سب کچھ پیدا فرمایا، خالق اور مالکِ حقیقی وہی اور صرف وہی ہے۔ اور اس طرح تم لوگ خود پکار اٹھو۔﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾۔ "کہ مالک تو نے یہ سب کچھ بے کار نہیں بنایا" اور تم یقین جان لو کہ خود تمہیں اس نے عبث و بے کار نہیں بنایا۔﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا

تُرْجَعُوْنَ﴾ - یعنی ''کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں یونہی بیکار پیدا کیا ہے؟ اور تم نے لوٹ کر ہمارے پاس نہیں آنا؟'' - یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ تمہیں یونہی بیکار پیدا کر دیا گیا ہو اور تمہیں یونہی چھوڑ دیا جائے کہ اس کی شانِ اَقدس و اَعلیٰ اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ وہ کوئی عبث اور بے کار کام کرے - ﴿فَتَعٰلَی اللّٰهُ الْمَلِکُ الْحَقُّ﴾ - نیز اس سے تم یہ نتیجہ بھی اخذ کرسکو کہ جس خداوندِ قدوس نے ہمارے لئے اِن ظاہری اور عارضی راستوں کی راہنمائی کے لئے اتنا عظیم الشان اور ایسا حیرت انگیز انتظام فرمایا ہے کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ ہمارے لئے راہِ حق کی راہنمائی کا انتظام نہ فرمائے؟ اور پھر تمہیں اُس کے اِس قولِ حق ترجمان کی صداقتوں اور عظمتوں کا یقین ہو جائے کہ - ﴿اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی﴾ - کہ ''ہمارے وعدۂ کرم کے ذمے اور تقاضائے رحمت کی بناء پر یہ لازم ہے کہ ہم اپنے بندوں کی ہدایت کا سامان کریں'' جس کی تکمیل اس نے اپنے انبیاء و رسل اور بالخصوص حضرتِ امام الانبیاء والمرسلین خاتم الرسل محمد مصطفیٰ ﷺ - کے ذریعے فرما دی - جَلَّ جَلَالُهٗ وَعَمَّ نَوَالُهٗ - نیز اسی سے تم یہ نتیجہ اور سبق بھی لے سکو کہ یہ چاند سورج اور ستارے ہمارے خادم ہیں نہ کہ مخدوم - سو کس قدر اندھے اور اوندھے ہیں وہ لوگ جو اپنے اِن خادموں کو مخدوم بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ان کو معبود قرار دیتے ہیں - اور ان کی پوجا پاٹ کر کے وہ اپنی تذلیل و تحقیر کا سامان خود کرتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - اور اسی سے تم یہ اندازہ بھی کرسکو کہ کس قدر احسانِ عظیم ہے تم پر تمہارے ربِ رحیم کا کہ اس نے اس دینِ حنیف سے تم کو نواز کر اور توحید کا درسِ عظیم دے کر تمہیں مخلوق پرستی کی اُن تمام ذلتوں سے بچا لیا - فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ - سو کائنات کی اس کھلی کتاب میں تمہارے لیے عظیم الشان درس ہائے عبرت و بصیرت ہیں - اگر تم لوگ صحیح طریقے سے غور و فکر سے کام لو - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید -

۱۸۶ علم سے مراد؟ اور اسکی عظمتِ شان: - سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ ہم نے کھول کر بیان کر دیا اپنی نشانیوں کو ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں - یعنی وہ حقیقی علم جس سے ان کو حق اور حقیقت کی پہچان ہو سکے اور وہ اپنے مقصدِ حیات اور انجام کو جان سکیں - پس معلوم ہوا کہ علم دراصل وہی علم ہے جو انسان کو اس کے مقصدِ حیات سے آگاہ کرے - اس کو اپنے خالق و مالک تک پہنچا سکے اور اسے انجامِ کار کی اور حقیقی کامیابی سے روشناس و ہمکنار کر سکے ورنہ وہ علم علم نہیں - اگرچہ اس کے ثبوت کے لئے کسی نے کتنی ہی ڈگریاں کیوں نہ اٹھا رکھی ہوں اور حق اور حقیقت سے آگہی بخشنے والے علم کی یہ نعمت ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے جو انسان کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی کی راہیں روشن کرتی ہے اور اس سے محرومی دارین کی سعادت و سرخروئی سے محرومی ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - بہرکیف اِس اِرشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ ہم نے حق اور حقیقت کو واضح کرنے والی نشانیوں کو کھول کر بیان کر دیا ہے اور ایسی نشانیاں جو عقل اور دل کو مطمئن کرنے والی نشانیاں ہیں لیکن یہ نشانیاں کارآمد اور مفید ان ہی لوگوں کے لئے ہوسکتی ہیں جو علم رکھتے ہیں یا علم حاصل کرنا چاہتے ہیں - رہ گئے وہ لوگ جن کے اندر علم کی طلب ہی نہیں تو وہ دنیا بھر کی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی اندھے کے اندھے ہی رہتے ہیں - ﴿وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا﴾ - (الانعام:۵۶) - سو انسان کی صلاح و فلاح اور اس کی صحت و بگاڑ کا اصل تعلق اس کے اپنے قلب و باطن سے ہے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید -

وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

(کے لئے) ایک جائے قرار ہے ١٨٧ اور ایک امانت رکھنے کی جگہ، ١٨٨ بے شک ہم نے کھول کر بیان کر دیا اپنی نشانیوں کو ان لوگوں کے لئے

١٨٧ ہر ایک کے لئے ایک جائے قرار ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ وہی ہے جس نے تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا۔ پھر ہر ایک کے لیے ایک جائے قرار ہے۔ سو نفسِ واحدہ سے گونا گوں مخلوق کے پھیلاؤ میں عظیم الشان دلائلِ قدرت و حکمت ہیں۔ پھر اس نے ہر ایک کے لئے جائے قرار مقرر فرمائی۔ یعنی باپ کی پشت یا قبر و آخرت اور نفسِ واحدہ سے مراد حضرتِ آدم ہیں جن سے تمام نسلِ انسانی کا آغاز ہوا۔ سو اس نفسِ واحدہ سے اس قدر گونا گوں مخلوق کو پیدا کر کے اس طرح چہار سو پھیلا دینا عظیم الشان دلائل اپنے اندر رکھتا ہے ہر اس شخص کیلئے جو صحیح طور پر غور و فکر سے کام لے۔ بہر کیف اِرشاد فرمایا گیا کہ معبود برحق وہی ہے جس نے تم سب لوگوں کو ایک ہی جان سے پیدا فرمایا۔ ہر ایک کے لئے ایک جائے قرار بھی رکھی گئی جس میں ہر ایک کے لئے قرار اور سکون کا سامان ہے جو اگرچہ باپ کی پشت اور قبر و آخرت میں بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ ابھی اوپر بھی کہا گیا ہے لیکن اس کا سب سے بڑا مظہر و مصداق اس کی وہ جائے سکونت و قرار ہے جس میں وہ اس دنیا میں رہتا بستا ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ﴾ - (البقرۃ:١٦) اور اس مستقر میں وہ اس کی طرح طرح کی نعمتوں سے مستفید و فیضیاب ہوتا ہے۔ سو یہ سب کچھ اس خالق و مالک ہی کا کرم و احسان ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔

١٨٨ مستودع کا مفہوم اور اس سے مراد؟: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہر ایک کے لیے ایک مستودع یعنی امانت رکھنے کی جگہ بھی ہے۔ یعنی رحمِ مادر یا دنیا، جو کہ عارضی قیام کی جگہ ہے۔ اسی لئے دنیا کو "دار الفرار" کہا جاتا ہے اور آخرت کو "دار القرار"۔ وفیہ اقوالٌ اُخریٰ۔ "مستودع" دراصل اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں کسی چیز کو بطورِ ودیعت و امانت رکھا جاتا ہے۔ اسی لئے آج کل یہاں عرب ملکوں میں سٹور یج سنٹروں کے لئے یہی لفظ بولا جاتا ہے یعنی "مستودع"۔ سو اپنے عموم و اطلاق کے اعتبار سے یہ لفظ اگرچہ اِن تمام مفاہیم پر صادق آتا ہے جن کا ذکر حضراتِ مفسرینِ کرام کے مختلف اقوال میں ملتا ہے لیکن قرینہ دلیل ہے کہ یہاں پر اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں انسان کو مرنے کے بعد دفن کیا جاتا ہے۔ سو دنیا میں آنے کے بعد انسان کو ان دونوں ہی چیزوں سے سابقہ پڑتا ہے اور اس کو ان دونوں ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک اس کی زندگی مقدر ہوتی ہے وہ اس زمین کے اوپر رہتا ہے اور اس کے لئے تمام ضروری سامان قدرت کی طرف سے مہیا کئے جاتے ہیں۔ اور جب اس کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو وہ مر کر اسی زمین کے حوالے ہو جاتا ہے۔ سو اس کا "مستقر" بھی اللہ کے علم میں ہے اور اس کا "مستودع" بھی۔ اور اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی نگرانی میں ہوتا ہے۔ پھر اس خالق و مالک کو بھول جانا اور اس کے حقوق سے غفلت برتنا کتنی بڑی بے انصافی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم - فخذنا بنواصینا الی ما فیہ حبک والرضا بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ یا من بیدہ ملکوت کل شیء -

يَفْقَهُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا

[illegible]

بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْرِجُ مِنْهُ

[illegible]

حَبًّا مُتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ

[illegible]

وَجَنَّاتٍ مِنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا

[illegible]

۱۸۹ [illegible]

۱۹۰ [illegible]

وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ

اور ایک دوسرے سے مختلف بھی، ۱۹۱ تم دیکھو ان میں سے ہر ایک کے پھل کی طرف جب کہ وہ پھل لاتا ہے، اور اس کے پکنے کی طرف

اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ

(جب کہ وہ پکتا ہے) ۱۹۲ بے شک ان چیزوں میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں، ۱۹۳ مگر (اس کے باوجود) انہوں نے

شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍ ۢ

اللہ کا شریک بنا دیا جنوں کو، حالانکہ پیدا اسی (وحدہٗ لاشریک) نے کیا ہے ان سب کو ۱۹۴ اور انہوں نے از خود گھڑ لئے اس کے لئے

بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ

۱۲ ع ۹ ۱۸

بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی بغیر کسی علم (اور دلیل) کے ۱۹۵ وہ پاک اور برتر ہے ان تمام باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں ۱۹۶ وہ پیدا کرنے والا ہے

وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ

آسمانوں اور زمین کو بغیر کسی نمونہ و مثال کے اس کی کوئی اولاد کیسے ہو سکتی ہے جب کہ اس کی کوئی بیوی ہی نہیں؟

۱۹۱ پھلوں کی دوسری قسم باہم مختلف:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کچھ وہ بھی ہیں جو باہم دگر مختلف ہوتی ہیں۔ اپنے خواص، خصوصیات اور لذت و مزہ وغیرہ دوسرے بعض اعتبارات سے حالانکہ یہ سب ایک ہی زمین میں پیدا ہوتے ہیں۔ ایک ہی پانی سے ان سب کو سیراب کیا جاتا ہے۔ سب کے لیے آب و ہوا کی کیفیت بھی ایک ہی ہے۔ ایک ہی سورج کی شعاعیں ان سب پر پڑتی ہیں۔ تو پھر اس سب کے باوجود یہ اختلاف اور تنوع آخر کس کی قدرت و حکمت کا نتیجہ ہے؟ سو وہی ہے اللہ جو اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف ہے۔ پس وہی اللہ وحدہٗ لاشریک معبود برحق ہے اور عبادت و بندگی کی ہر قسم اور ہر شکل اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے اور اس میں کسی اور کو شریک و شامل کرنا شرک ہے جو کہ ظلم عظیم ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف یہ اسکی قدرتِ مطلقہ، حکمتِ بالغہ اور عنایتِ شاملہ کا ایک دوسرا مظہر ہے کہ اس نے اِن پھلوں کو اس طرح باہم مختلف بنایا۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سو وہی معبودِ برحق معبودِ حقیقی ہے جو ان گوناگوں نعمتوں سے تم کو نوازتا ہے۔ ہر قسم کی عبادت و بندگی اُسی کا حق ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔

۱۹۲ اللہ کی نعمتوں میں دعوتِ غور و فکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ دیکھو ان میں سے ہر ایک کے پھل کی طرف جبکہ وہ پھل لاتا ہے اور اس کے پکنے کی طرف جبکہ وہ پک کر تیار ہوتا ہے۔ یعنی تم دیکھو اور غور کرو کہ کس عجیب و غریب اور حکمت بھرے طریقے سے یہ سب کچھ ایک سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا چلا جاتا ہے۔ کس طرح اس کے رنگ بدلتے ہیں اور کس طرح اس کے آثار و خواص تبدیل ہوتے جاتے ہیں اور خلق و ایجاد اور

تغیر وتبدیل کے اِن تمام مظاہر میں سے کسی میں بھی جب اس خالق وحدہٗ لاشریک کا کوئی شریک نہیں تو پھر اس کی عبادت و بندگی میں کوئی اُس کا شریک کیونکر ہوسکتا ہے؟ سوتم ان میں سے ایک ایک چیز کو اس کے پھلنے پھولنے سے اس کے پکنے تک دیکھو اور اس کے مختلف مراحل میں غور وفکر سے کام لو تو تمہیں خالق کی قدرت، اس کی حکمت اور اس کی رحمت و ربوبیت کے عجائب نظر آئیں گے۔ اور ایسے عجائب کہ تم لوگ دل وجان سے اس کے حضور جھک جھک جاؤ گے۔ وایاک نسال اللّٰھم التوفیق لما تحب و ترضی من القول والعمل بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ یا ذا الجلال والاکرام۔

۱۹۳ ایمان ہر خیر اور خوبی کی اصل اور بنیاد: -سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ ان سب چیزوں میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں یا جو ایمان لانا چاہتے ہیں کہ ہر چیز کو صحیح نقطہ نگاہ سے دیکھنا اور اس سے صحیح نتیجہ اخذ کرنا انہی حضرات کو نصیب ہوتا ہے جو ایمان کے نور سے منور و مالا مال ہوتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ ایمان ہر خوبی کی اصل اور بنیاد ہے۔ اور اسکے برعکس کفر وشرک ہر شر وفساد کی جڑ-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ ایمان لانا چاہیں ان کے لئے اِن تمام چیزوں میں عظیم الشان دلائل ہائے عبرت وبصیرت ہیں۔ وہ قدم قدم پر ان کے دامنِ دل کو کھینچنے کے لئے موجود ہیں۔ لیکن جو معاند وہٹ دھرم اور مت کے مارے ایمان لانا چاہتے ہی نہ ہوں ان کے لئے کوئی علاج کارگر نہیں ہوسکتا۔ سو اصل چیز انسان کا باطن اور اس کی نیت و ارادہ ہے۔ سارا مدار و انحصار اسی پر ہے اور انسان کی صلاح وفساد اور اس کی فوز وفلاح اسی پر موقوف ہے-وَبِاللّٰہِ التوفیق لِمَا یُحِبُّ ویُرِیْدُ وعلٰی ما یحب ویرِیدُ-

۱۹۴ خالق سب کا اللہ ہی ہے: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سب دلائل قدرت کے باوجود ان لوگوں نے اللہ کا شریک بنا دیا جنّوں کو حالانکہ اسی وحدہٗ لاشریک نے پیدا فرمایا ان سب کو۔ سو جب ان سب کے پیدا کرنے میں اس کا کوئی شریک نہیں تو پھر اس کی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک کیسے ہوسکتا ہے؟ پس ہر قسم کی عبادت و بندگی اسی کا اور صرف اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ اسکے سوا کسی کو بھی اسکا شریک وسہیم جاننا شرک ہے جو کہ ظلمِ عظیم ہے-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ کائنات کی تو ایک ایک چیز حضرتِ خالق -جَلَّ مَجْدُہٗ- کی وحدانیت و یکتائی کی شہادت فراہم کر رہی ہے لیکن ان لوگوں کی خرد باختگی اور مت ماری کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے جنوں بھوتوں کو بھی اس وحدہٗ لاشریک کا شریک بنا ڈالا ہے۔ چنانچہ مشرکینِ عرب جن چیزوں کو خدا کا شریک مانتے تھے ان میں ملائکہ، جنات اور کواکب وغیرہ سب ہی شامل تھے۔ لیکن یہاں سب سے پہلے جنات کا ذکر کر کے ان لوگوں کی حماقتوں کو واضح فرمایا گیا ہے کہ کہاں اُس خدائے واحد کی وحدانیت و یکتائی کی وہ شانیں جو اوپر بیان ہوئیں اور کہاں اِن اندھوں اور اوندھوں کی مت ماری اور اوندھے پن کے یہ نمونے؟ -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ-

۱۹۵ ظالموں نے اللہ کیلئے اولاد گھڑ لی: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے از خود اس کے لیے بیٹے بھی گھڑ لیے اور بیٹیاں بھی بغیر کسی علم [اور دلیل] کے۔ جیسا کہ یہود ونصاریٰ نے اس کے لئے بیٹے تجویز کئے ہیں۔ چنانچہ یہود نے کہا کہ ''عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں'' اور مشرکینِ مکہ نے کہا کہ فرشتے

اللہ کی بیٹیاں ہیں وغیرہ۔ اور آج کے کلمہ گو مشرکوں نے بھی اسی طرح کے بہت سے شرکیہ عقیدے گھڑ رکھے ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے بھی اپنی خود ساختہ سرکاروں کے نام بھی زنانہ رکھے ہوئے ہیں مثلاً ''سہیلی سرکار''، ''سہاگن سرکار''، ''نویلی سرکار'' وغیرہ وغیرہ۔ اور ان میں انہوں نے حاجت روائی و مشکل کشائی کے اختیارات بھی مان رکھے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر انہوں نے اِحیاء و اِماتت جیسی خدائی صفات بھی اپنی ان خود ساختہ ہستیوں اور سرکاروں کو تفویض کر رکھی ہیں۔ اور اسی بناء پر یہ لوگ ان سے طرح طرح کی مرادیں مانگتے، ان کے آگے سر ٹیکتے، سجدے کرتے اور طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور وہاں کے مجاور اس طرح کے سادہ لوح عوام کو ڈرا دھمکا کر اپنا الو سیدھا کرتے، نذرانے بٹورتے اور اپنے تن و توش کا سامان کرتے ہیں کہ کبھی اگر تم نے فلاں بزرگ کے نام کی نیاز نہ دی، فلاں آستانہ پر نذرانہ پیش نہ کیا، فلاں پیر صاحب کے نام کی گیارھویں نہ دی تو تمہیں یہ اور یہ اور ایسا اور ایسا نقصان ہو جائے گا وغیرہ وغیرہ۔ اور وہ تمہاری گائے بھینس کو مار دیں گے۔ اُس کا دودھ خشک کر دیں گے وغیرہ وغیرہ -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- سو اللہ تعالیٰ ایسے تمام تصورات اور جملہ شرکیات سے پاک اور بری ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- وہ ہر طرح سے واحد و احد اور یکتا ہے، اور اس کی صفت و شان جو اس نے خود بیان فرمائی یہ ہے ﴿لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ﴾- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۱۹۶ **اللہ تعالیٰ کی شانِ تنزیہ و تقدیس کا ذکر:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ پاک اور بالا و برتر ہے ان تمام باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔ سو اللہ پاک ہے ہر نقص و عیب اور ہر شائبہ شرک سے۔ اور وہ پاک ہے اُن تمام تصورات سے جو لوگوں نے از خود اُس کی ذات اَقدس و اعلیٰ کے بارے میں اور اُس کی صفاتِ علیا سے متعلق قائم کر رکھے ہیں۔ سو وہ پاک ہے اُن سب باتوں اور ایسے تمام تصورات سے- سبحانہٗ وتعالیٰ- سو بظاہر یہ کلمہ محض ایک تنزیہی کلمہ ہے لیکن اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو اُس کے اندر توحید کی ایک بہت بڑی دلیل بھی موجود ہے کیونکہ عقل و فطرت کا بدیہی تقاضا یہ ہے کہ کسی بھی چیز کی طرف کوئی ایسی صفت منسوب نہ کی جائے جو اُس کی ثابت و مسلم اور بدیہی صفات سے معارض اور اُن کے منافی ہو۔ ورنہ اپنی ہی مانی ہوئی ایک حقیقت دوسرے مفروضے سے باطل قرار پائیگی۔ مثلاً ایک شخص اگر بادشاہ ہے تو اس کی طرف غلامی کی کوئی بھی صفت منسوب نہیں ہو سکتی۔ فرشتہ ہے تو اس کی طرف شیطان کی کسی صفت کو منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح جو ذات خالق و مالک، رحمٰن و رحیم، علیم و قدیر اور حلیم و کریم ہے اس کو مخلوق کی صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ متصف کرنا اس کی ان تمام صفات کی نفی کے مترادف ہوگا جن کو ماننا از روئے عقل و فطرت واجب ہے اور جن کی نفی سے انسان پھر اِن تمام تاریکیوں میں گھر جاتا ہے جن سے اس کو ان صفات کے علم کی روشنی ہی نے نکالا تھا۔ سو خدا کو ماننے کے بعد اگر جنات اور فرشتوں کو اُس کا شریک قرار دے دیا اور اُس کو بیٹیوں اور بیٹوں کا باپ بنا دیا تو پھر وہ خدا کہاں ہے؟ پھر تو اس کے کفو اور ہمسر بھی پیدا ہو گئے۔ اس کی ذات برادری کے شریک بھی نکل آئے تو ایسے میں توحید خداوندی کا وہ عقیدۂ صافیہ کہاں اور کیسے باقی اور برقرار رہ سکتا ہے؟ جو کہ دینِ حنیف کی اساس و بنیاد ہے؟ -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے- آمین۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٠١﴾ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ

اور اس نے پیدا فرمایا ہے ہر چیز کو اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے یہ ہے اللہ رب تم سب کا (اے لوگو) ۱۹۷ کوئی

رَبُّكُمْ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ ۚ وَهُوَ

معبود نہیں سوائے اس کے، وہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کو پس تم سب بندگی کرو اسی (وحدہ لاشریک) کی، اور وہ

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿١٠٢﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ

ہر چیز پر نگہبان (اور اس کا کارساز) ہے، ۱۹۸ نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں، ۱۹۹ اور وہ سب نگاہوں پر احاطہ کئے ہوئے

الْأَبْصَارَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٠٣﴾ قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ

ہے، اور وہی ہے نہایت باریک بیں، پورا باخبر، بے شک آگئیں تمہارے پاس (اے لوگو! آنکھیں کھولنے والی نشانیاں تمہارے

رَبِّكُمْ ۖ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ

رب کی جانب سے، ۲۰۰ سو جس نے آنکھ کھولی تو اپنے ہی نفع کے لئے اور جو اندھا بنا رہا تو اس کا وبال خود اسی پر ہوگا، اور میں

۱۹۷ اللہ کی پہچان اسکی صفات کے ذریعے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ ہے اللہ رب تم سب کا۔ یعنی جس کی یہ اور یہ صفات بیان ہوئیں۔ اور جب ان میں سے کسی بھی صفت اور شان میں کوئی اُس کا شریک نہیں تو پھر اُس کی عبادت و بندگی میں اور اُس کی صفتِ حاجت روائی و مشکل کشائی میں کوئی اُس کا شریک کیسے ہوسکتا ہے؟ سو اس سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ اللہ پاک کی معرفت سے سرشار و سرفراز ہونے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کائنات کی اس کھلی کتاب میں پھیلی بکھری اسکی قدرت کی عظیم الشان نشانیوں اور اسکے مظاہر اور ان میں جھلکنے والی اس کی صفات میں غور و فکر سے کام لیا جائے کہ وہ معبودِ برحق وہی ہے جس نے اُس حکمتوں بھری کائنات کو پیدا فرمایا۔ اسکے بعد دوسرا مرحلہ اس ضمن میں یہ آتا ہے کہ وہ خدائے پاک کیسا ہے؟ اُس کا حق ہم پر کیا ہے؟ اور وہ خوش کس سے ہوتا ہے؟ اور ناخوش کس سے؟ اور اُسکے حقِ واجب کو ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ تو اس کیلئے اسکی اس کتاب اور وحی کی طرف رجوع کیا جائے جسکو اُس نے اپنے بندوں کی راہنمائی کیلئے نازل فرمایا ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ سو معرفتِ خداوندی سے متعلق صحیح طریقہ یہی ہے جو عقل و فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے اور جو انسان کو گوہرِ مقصود سے بہرہ مند و سرفراز کرسکتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۹۸ اللہ ہر چیز پر نگہبان اور کارساز ہے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے۔ وہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کو اور وہ ہر چیز پر نگہبان اور اس کا کارساز ہے۔ پس تم لوگ اپنے سب کام اُسی کے حوالے

کرو اور دنیاوی اسباب اختیار کرنے کے باوجود دل کا بھروسہ و اِعتماد ہمیشہ اُسی وحدہ لاشریک پر رکھو۔ اور اس کے سوا کسی کو بھی حاجت روا اور کارساز مت بناؤ۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ نیز تم ہمیشہ یہ خیال رکھو کہ کوئی ایسا عمل تم سے سرزد نہ ہونے پائے جو اس کارسازِ مطلق کی ناراضگی کا باعث ہو۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا۔ اور جب ہر چیز کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے اور اُس کا علم بھی ہر چیز کو محیط اور شامل ہے تو پھر آخر اس بات کی ضرورت کیا ہے کہ ایسے خود ساختہ اور من گھڑت شرکاء کا سہارا ڈھونڈا جائے؟ سو جس نے پیدا کیا وہ یقیناً اور لازماً ہر چیز کو اور اس کی ضروریات کو جانتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴾. (الملک: ۱۴) سو یہ شرک اور شرکاء کی نفی و تردید کی ایک واضح اور کھلی دلیل ہے۔ والحمد للہ جل وعلا۔

۱۹۹ اللہ نگاہوں کے احاطہ وادراک سے اعلیٰ وبالا۔ سبحانہ، وتعالیٰ: ۔سو اس سے تصریح فرمائی گئی کہ یہ مخلوق اور محدود ہیں جبکہ وہ خالق اور لامحدود ہے۔ پس اس کے اِدراک کی یہ نفی اِحاطہ کے اعتبار سے ہے۔ نیز یہ نفی دنیاوی زندگی کے اعتبار سے ہے ورنہ آخرت میں اس کی دید وزیارت نہ صرف یہ کہ ممکن ہے اور اہلِ ایمان کو نصیب ہوگی بلکہ یہ جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہوگی۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا وَشَرِّفْنَا بِهَا بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۔ اور یہ مسئلہ نصوصِ کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ والتفصیل فی المطولات۔ نیز اس اِرشادِ عالی سے یہ بھی واضح فرما دیا گیا کہ نگاہوں کا اِحاطہ و اِدراک بھی اُس وحدہ لاشریک کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔ ورنہ کوئی بتائے کہ یہ نگاہ خود کیا چیز ہے جس سے انسان دیکھتا ہے۔ اور آنکھ ہی سے دیکھتا ہے کسی اور عضو سے نہیں دیکھ سکتا۔ تو جب انسان کسی مخلوق اور نگاہ جیسی ایک مخلوق کا احاطہ بھی نہیں کرسکتا تو پھر اس کے لیے حضرتِ خالق ۔جَلَّ مَجْدُهٗ۔ کے اِحاطہ و اِدراک کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے؟ سو وہ مخلوق کے احاطہ علم وادراک سے وراء الوراء ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۲۰۰ آنکھیں کھولنے والی نشانیوں کا ذکر و بیان: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک تمہارے پاس اے لوگو آچکیں آنکھیں کھولنے والی نشانیاں تمہارے رب کی جانب سے اور آنکھیں بھی ظاہری نہیں بلکہ دل کی آنکھیں۔ کیونکہ یہ جمع ہے بصیرت کی۔ جس کا تعلق دل سے ہوتا ہے جب کہ بصارت کا تعلق ظاہری آنکھوں سے ہوتا ہے۔ اور مراد ان آیات و دلائل سے وہ معجزات اور قرآنی آیات ہیں جو حق و صداقت کو کھول کر بیان کر دیتی ہیں۔ (جامع البیان وغیرہ)۔ لیکن اِن آیاتِ بینات کے آجانے کے بعد بھی جو لوگ حق قبول نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے دلوں کی آنکھیں بجھ گئی ہیں اور وہ دل کے اندھے ہوگئے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ ﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴾۔ (الحج: ۴۶) ۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ غَيْرُهٗ وَلَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ سِوَاهُ ۔ سو پیغمبر کا کام حق کی دعوت دینا ہوتا ہے اور بس۔ آگے حق کو منوا لینا اور راہِ حق پر ڈال دینا نہ انکے ذمے ہوتا ہے اور نہ ہی ان کے بس میں۔ سو پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتے کہ لوگوں کو راہِ حق پر ڈال دیں اور ان سے حق منوالیں اور دلوں کے ایسے اندھوں کو حق سنانا اور راہِ حق دکھانا اور اُن کو راہِ حق پر لے آنا نہ اُن کے بس میں ہوتا ہے اور نہ اُن کے ذمے۔

وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿١٠٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَ

تم پر کوئی نگہبان نہیں ہوں، ۲۰۱ اور اسی طرح مختلف طریقوں سے کھول کر بیان کرتے ہیں ہم اپنی آیتوں کو (تاکہ معاندین

لِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿١٠٥﴾ اِتَّبِعْ مَا

پر حجت قائم ہو) اور تاکہ وہ کہیں کہ تم نے پڑھ لیا ہے ۲۰۲ اور تاکہ ہم اسے واضح کردیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں،

۲۰۱ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتے:- سو فرمایا گیا کہ میں تم لوگوں پر کوئی نگہبان نہیں ہوں کہ تم سے منوا کر چھوڑوں اور نہ ماننے پر تمہیں اس عذاب سے دوچار کر کے رہوں جس کے تم لوگ مستحق ہو۔ کیونکہ یہ چیز نہ میرے بس میں ہے اور نہ ہی یہ میری ذمہ داری ہے۔ بلکہ یہ اللہ کا کام اور اسی کے قبضہ قدرت واختیار میں ہے۔ اور وہی بہتر جانتا ہے کہ تم لوگوں کو کب تک مہلت ملتی ہے اور کب تک کیا عذاب آنے والا ہے۔ میرا کام تو صرف اِنذار وتبشیر ہے اور بس۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر نہ تو عالمِ غیب ہوتا ہے نہ مختارِ کل۔ جیسا کہ ہمارے یہاں کے اہلِ بدعت کا کہنا ماننا ہے کہ علمِ غیب کلی اور اختیارِ کلی اللہ تعالیٰ ہی کا حق اور اسی کا خاصہ ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اور پیغمبر کا کام تبلیغ حق اور اِنذار وتبشیر ہوتا ہے اور بس۔ آیتِ کریمہ کے آخری الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ اس آیت کی وحی براہِ راست لسانِ نبوت پر ہوئی ہے۔ یعنی اس طرح نہیں اِرشاد فرمایا گیا کہ "ان لوگوں سے یوں کہدو" بلکہ کہنے کی بات پیغمبر نے خود براہِ راست فرما دی۔ سو وحی کی یہ قسم روحِ نبوت کے غایتِ قرب و اِتصال کی دلیل ہوتی ہے۔ گویا منبعِ فیض کا فیضان خود ہی لسانِ نبوت سے چھلک پڑتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ گفتہ اُو گفتہ اللہ بود۔ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود۔ بہر کیف پیغمبر کی زبان سے اعلان کروا دیا گیا کہ میں تم لوگوں پر کوئی نگہبان نہیں ہوں۔

۲۰۲ اہلِ کتاب کا ایک بیہودہ اِلزام واِعتراض:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ وہ کہیں کہ تم نے پڑھ لیا ہے اہلِ کتاب سے اور دعویٰ کرتے ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے مجھ پر نازل ہوا ہے۔ (جامع البیان، المراغی وغیرہ)۔ سو اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو لوگ نورِ ایمان سے محروم اور خوفِ خدا سے عاری ہوتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ وہ کس قدر ڈھیٹ اور کتنے بے شرم ہوجاتے ہیں۔ اور وہ کتنی بڑی پاکیزہ ہستی پر کیسے کیسے بے ہودہ الزام عائد کرتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہر کیف حق اور حقیقت کا علم ہی وہ علم ہے جو کہ انسان کی سوچ اور اُس کے زاویۂ نگاہ کو درست کرسکتا ہے ورنہ انسان جاہل کا جاہل اور کورا ہی رہتا ہے۔ خواہ دنیاوی علوم کے اعتبار سے اس نے کتنی ہی ڈگریاں کیوں نہ اٹھا رکھی ہوں۔ بہر کیف آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی آیتیں مختلف اسلوبوں اور نت نئے پہلوؤں سے پیش کرتے ہیں تاکہ جن کو سمجھنا اور ایمان لانا ہو وہ ایسا کرلیں اور جو اپنی ضد اور عناد وہٹ دھرمی ہی پر اڑے رہیں وہ کہیں کہ تم نے اس کو اچھی طرح پڑھ کر سنا دیا۔ نیز تاکہ اس طرح کرنے سے علم کے طالب علم حاصل کریں اور دوسروں پر حجت قائم ہوجائے۔ اور یہاں تک کہ ان کے دل پکار اٹھیں کہ پیغمبر نے احقاقِ حق کا حق ادا کردیا۔ اور سنتِ الٰہی یہ ہے کہ اس کے باوجود جو قومیں حق کو قبول نہیں کرتیں ان کو ہلاک کردیا جاتا ہے کہ اس کے بعد وہ زندگی کا حق کھو بیٹھتی ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ

پیروی کرتے رہو آپ اس وحی کی جو بھیجی گئی ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے ۲۰۳ (اے پیغمبر) کوئی بھی عبادت

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ

کے لائق نہیں سوائے اس کے، اور منہ موڑ لو تم ان مشرکوں سے، اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ کبھی شرک نہ کرتے، ۲۰۴ اور ہم نے

عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا تَسُبُّوا

آپ کو ان پر کوئی نگہبان نہیں بنایا، اور نہ ہی آپ (ان کو ان کے اعمال بد پر سزا دینے کے) مختار ہیں ۲۰۵ اور تم گالی مت دینا

الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ

(اے مسلمانو!) ان کو جن کو (پوجتے) پکارتے ہیں یہ (مشرک) لوگ، کہ کہیں اس کے جواب میں یہ گالیاں نہ بکنے لگیں

عِلْمٍ ۗ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ

اللہ (پاک) کو (ظلم و) زیادتی کی بناء پر، بغیر کسی علم کے، ۲۰۶ اسی طرح خوشنما بنا دیا ہے ہم نے ہر گروہ کے لئے اس کے عمل کو ۲۰۷ آخر کار ان

مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ

سب کو لوٹ کر بہر حال اپنے رب ہی کے حضور پہنچنا ہے تب وہ بتا دے گا ان کو وہ سب کچھ جو یہ لوگ کرتے رہے تھے (زندگی بھر) ۲۰۸

۲۰۳ پیغمبر کو وحیِ خداوندی کی پیروی کا حکم و ارشاد: سو ارشاد فرمایا گیا کہ آپ پیروی کرتے رہو اس وحی کی جو بھیجی گئی ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے کہ راہ بہر حال وہی ہے جسکی ہدایت آپکو کی گئی ہے۔ امن و امان اور صحت وسلامتی کی ضامن اور دارین کی سعادت وسرخروئی اور فوز وفلاح کی کفیل یہی اور صرف یہی راہ ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے، تسلیم کرے یا نہ کرے۔ حق وحقیقت بہر حال یہی اور صرف یہی ہے۔ اور جو اس حق اور حقیقت کو تسلیم کر کے صدقِ دل سے اسکو اپنا لیں گے وہ اپنا بھلا کریں گے اور جو اس سے منہ موڑیں گے وہ اپنا ہی نقصان کریں گے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔ بہرکیف آیتِ کریمہ میں پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آپ اس وحی ہی کی پیروی کریں جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے بھیجی جاتی ہے کہ حق بہر حال یہی اور صرف یہی ہے۔ وباللہ التوفیق۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ پیغمبر کا کام اتباع اور پیروی کرنا ہوتا ہے اس وحی کی جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے بھیجی جاتی ہے اور بس۔ اور وحی کے ذریعے جو تعلیم دی جاتی ہے اس کی بنیاد توحید خداوندی ہے اسی لیے یہاں پر پیغمبر کو وحی کی اتباع و پیروی کے حکم وارشاد کے بعد ارشاد فرمایا گیا کہ کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں سوائے اس وحدہ لاشریک کے اور منہ موڑ لو تم ان مشرکوں سے۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ پیغمبر کا کام اتباع اور پیروی کرنا

ہوتا ہے اس وحی کی جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے بھیجی جاتی ہے اور بس۔

۲۰۴ جبری ایمان نہ مطلوب ہے نہ معتبر: -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ جبری ایمان نہ مطلوب ہے نہ معتبر ورنہ اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ کبھی شرک نہ کرتے کہ ان کو طبعی اور جبری طور پر ایسا بنا دیا جاتا کہ یہ اس کی مشیت کے خلاف کچھ کر ہی نہ سکتے، جیسا کہ کائنات کی ہر چیز اُس کی مشیت و تکوین کی پابند ہے۔ مگر ایسا جبری ایمان تو اسے منظور ہی نہیں کہ یہ ابتلاء و آزمائش کے مقتضیٰ کے خلاف ہے۔ اور اس کے یہاں منظور و معتبر وہی ایمان ہے جو اپنی مرضی و اختیار سے ہو کہ ثواب وعقاب اور جزا و سزا کا دارومدار اسی پر ہے۔ پس جو اپنی مرضی اور سچے دل سے ایمان لائے گا وہی انعام کا مستحق قرار پائے گا۔ اور جو اُس سے منہ موڑے گا وہ اسکی سزا پائے گا- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ -سو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ دین کے معاملہ میں جبر کو پسند نہیں فرماتا کہ یہ اُس کی حکمت اور ابتلاء و آزمائش کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ ورنہ اگر اُس کی مشیت ایسے ہوتی تو ان لوگوں کی کیا جان تھی کہ یہ شرک کرتے اور جب مشیتِ الٰہی نے یہی چاہا ہے تو آپ کو ان کے بارے میں زیادہ فکرمند اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ کی ذمہ داری تو صرف پیغامِ حق کو پہنچا دینا ہے اور بس۔

۲۰۵ پیغمبر کا کام تبلیغ حق اور انذار و تبشیر ہے اور بس: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگہبان بنا کر نہیں بھیجا اور نہ ہی آپ ان کے ذمہ دار ہیں کہ آپ خواہی نخواہی ان کو منوا کر ہی چھوڑیں۔ پس آپ کو ان کی زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ آپ کی مسئولیت اور ذمہ داری صرف اس قدر ہے کہ آپ حق کا وہ پیغام بلاکم وکاست ان کو پہنچا دیں جو آپؐ کے رب کی طرف سے بذریعہ وحی آپ کو ملا ہے۔ اس سے بڑھ کر آپ ان کے لئے فکرمند اور پریشان نہ ہوں- ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ﴾ -(فاطر:۸) سو پیغمبر کا اصل کام اور انکی ذمہ داری تبلیغ و تعلیمِ حق ہوتا ہے اور انذار و تبشیر کہ ماننے والوں کو سدابہار کامیابی کی بشارت و خوشخبری سنائیں اور نہ ماننے والوں کو انکے مآل و انجام سے خبردار کردیں اور بس۔ اس سے بڑھ کر حق کو منوا لینا اور اسکو قبول قرار دینا نہ ان کی ذمہ داری ہوتی ہے اور نہ انکے بس میں۔

۲۰۶ مشرکین کے معبودوں کو برا بھلا کہنے کی ممانعت: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ گالی مت دو ان کو جن کو یہ مشرک لوگ پوجتے پکارتے ہیں اللہ کے سوا کہ کہیں اس کے نتیجے میں یہ لوگ اللہ کو گالی نہ بکنے لگیں، ظلم و زیادتی کی بنا پر بغیر کسی علم کے۔ سو اس ارشاد سے حضرتِ حق -جل مجدہ- کی عظمتِ شان سے متعلق ایک ادبِ منیع کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی کہ تم مشرکوں کے معبودوں کو برا بھلا مت کہو کہ اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں برا بھلا کہنے پر اُتر آئیں بغیر کسی علم کے۔ اللہ پاک کی عظمتِ شان اور قدوسیت کے بارے میں جیسا کہ مشرکین نے کہا تھا کہ اگر تم ہمارے معبودوں کو برا کہنے سے باز نہ آئے تو ہم تمہارے خدا کو گالی دیں گے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ -(روح، ابنِ کثیر، جامع البیان وغیرہ)۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات دینی مصلحت کی بناء پر کسی جائز اور مباح کام کو چھوڑ دینا بھی ضروری ہو جاتا ہے جب کہ اس پر کسی بڑے فتنہ و فساد کے مرتب ہو جانے کا اندیشہ ہو- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- نیز اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ علم کی روشنی سے محرومی انسان کو طرح طرح کی ہولناک ہلاکتوں سے دوچار کر دیتی ہے۔ اسی لیے یہاں بغیرِ علم کی تصریح فرمائی گئی ہے کہ حضرتِ حق -جَلَّ مَجْدُہٗ- کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ کے بارے میں ایسی کافرانہ اور باغیانہ

جسارت ایسے ہی بدبخت کرسکتے ہیں جو نورِ علم کی دولت سے محروم ہوں مگر علم سے مراد حق اور حقیقت سے آگہی بخشنے والا وہی علم ہے جو کہ حقیقت میں علم ہے نہ کہ وہ رسمی، رواجی اور ظاہری علم جو مادیات اور محسوسات ہی تک محدود ہے کہ وہ علم درحقیقت ﴿لَا یُسۡمِنُ وَلَا یُغۡنِیۡ مِنۡ جُوۡعٍ﴾ کے درجے میں ہے اور بس۔ اس لئے حق اور حقیقت کے علم کے مقابلے میں وہ علم علم کہلانے کا مستحق ہی نہیں، جیسا کہ ابنائے دنیا نے سمجھ رکھا ہے۔

۲۰۷ ہر گروہ کے لئے اُس کے عمل کو خوشنما بنا دیا گیا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی طرح ہم نے خوشنما بنا دیا ہر گروہ کے لیے اس کے عمل کو جس کی بنا پر وہ اپنے عمل ہی کو اچھا سمجھتا ہے۔ سو اس سے ایک عظیم الشان سنتِ کونیہ کو بیان فرمایا گیا ہے کہ ہر گروہ کیلئے اسکے عمل کو خوشنما بنا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اہلِ حق کو ایمان و اطاعت کا طریقہ اچھا لگتا ہے جو کہ اصل میں اور حق وحقیقت کے اعتبار سے ہے ہی اچھا۔ اور ایسا اچھا کہ دارین کی سعادت و سرخروئی کا ضامن و کفیل ہے۔ اور اہلِ کفر و باطل کو وہی راستہ وطریقہ اچھا لگتا ہے جس کو انہوں نے اپنایا۔ اسی طرح اہلِ معصیت کو معصیت کا طریقہ اچھا لگتا ہے۔ پھر کفرو باطل، فسق وفجور اور معصیت و نافرمانی کی شکلیں اور صورتیں آگے مختلف ہیں۔ اور جو کوئی ان میں سے جس پر کاربند وعمل پیرا ہے وہ اسی کو اچھا سمجھتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا- ﴿كُلُّ حِزۡبٍۭ بِمَا لَدَیۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ﴾- (الروم:۳۲)- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ- سو اصل اساس و بنیاد انسان کا اپنا اختیار اور اس کی نیت و ارادہ ہے۔ سارا دارومدار اُسی کی صحت و بگاڑ پر ہے۔ جیسے کسی کی نیت ہوگی ایسے ہی اس کو اس کا صلہ اور بدلہ ملے گا۔ اور جو راستہ کوئی اپنی مرضی اور شوق سے اپنائے گا اسکو ادھر ہی پھیر دیا جائے گا۔ سو اس اِرشادِ ربانی میں قدرت کی اِس سنتِ کونیہ کا ذکر و بیان ہے کہ ہر گروہ کیلئے اسکے عمل کو خوشنما بنا دیا گیا۔- والعیاذ باللہ من کل زیغ وضلال-

۲۰۸ ربِ تعالیٰ کے یہاں جواب دہی کی تذکیر و یاددہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخرکار ان سب کو لوٹ کر بہرحال اپنے رب کے حضور ہی پہنچنا ہے تب وہ ان کو وہ سب کچھ بتا دے گا جو یہ لوگ کرتے رہے تھے اپنی دنیاوی زندگی میں۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ ہر کسی کو اسکے رب کے یہاں زندگی بھر کا کیا کرایا سب کچھ بتا دیا جائے گا۔ اور ہر کسی کو یہ بتانا کوئی رپورٹ پیش کرنے کے طور پر نہیں ہوگا کہ ان کو بتا دیا جائے گا کہ تم نے زندگی میں یہ اور یہ کام کئے تھے اور بس۔ نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انکو اپنی زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا کہ یہ ہے تمہارا زندگی بھر کا وہ کیا کرایا جس کا اب تمہیں بھرپور بدلہ دیا جائے گا۔ اچھے کا اچھا اور برے کا برا۔ سو اچھی اور نیک زندگی گزارنے والا خوش ہوگا اور وہ اپنے رب کا شکر ادا کرے گا کہ اس کی زندگی بھر کی محنت ٹھکانے لگی۔ اور اس کو بھرپور بدلہ اور جزاء سے نواز دیا گیا۔ اور اس کو اب دائمی راحت اور کامیابی کی سعادت حاصل ہوگئی- اللہ ہم سب کو ایسا ہی نصیب فرمائے- آمین۔ جبکہ اس کے برعکس باغیانہ اور سرکشانہ زندگی گزارنے والا اپنے آپ ہی کو ملامت کرے گا کہ یہ سب کچھ اس کے اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی ہوگی اور وہ رہ رہ کر افسوس کرے گا اور حسرت بھرے انداز میں کہے گا کہ کاش کہ مجھے میرا نامہ اعمال نہ ملتا اور مجھے دوبارہ نہ اٹھایا جاتا۔ مگر اس سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ سو قرآن حکیم کا دنیا پر کس قدر احسان عظیم ہے کہ اس نے عالم غیب کے ان عظیم الشان اور جلیل القدر حقائق کو اس قدر صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا اور اس قدر پیشگی اور حیات دنیا کی اس فرصت مستعار میں تاکہ جس نے بچنا ہو بچ جائے- وباللہ التوفیق- فہل من مدکر؟-

جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ

اور یہ لوگ اللہ کے نام کی کڑی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر آ جائے ان کے پاس کوئی نشانی (ان کی طلب و فرمائش کے مطابق،)

اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ

تو یہ ضرور بالضرور ایمان لے آئیں گے اس پر، تو کہو کہ نشانیاں تو سب اللہ ہی کے اختیار میں ہیں ۲۰۹ اور تمہیں کیا پتہ (اے مسلمانو!) کہ اگر

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ

وہ نشانی آ بھی جائے تو بھی انہوں نے ایمان نہیں لانا ف ۲۱۰ اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو (حق کے سمجھنے اور دیکھنے

۲۰۹ معجزہ پیغمبر کے اِختیار میں نہیں ہوتا:- سو اِرشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ نشانیاں تو سب اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں نہ کہ میرے اختیار میں۔ اور وہ وحدہ لاشریک جب چاہے اور جیسے چاہے اور جو چاہے معجزہ ظاہر فرمائے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہوتا بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ ﴿اِنَّمَا﴾ کے کلمہ حصر سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اور جب معجزہ پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہوتا تو کرامت ولی اور بزرگ کے اختیار میں کیسے ہو سکتی ہے؟ نیز یہاں سے اہلِ بدعت کے مختارِ کل کے شرکیہ عقیدے کی بھی جڑ کٹ جاتی ہے- والحمدُ للہ- روایات کے مطابق کفار و مشرکین نے آنحضرتؐ سے مختلف فرمائشیں کیں کہ ہم پر فلاں فلاں نشانیاں اور معجزات اتار دو۔ تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ اور اس میں صاف کر دیا گیا کہ معجزہ پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہوتا بلکہ اللہ ہی کے اختیار میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے صاف اور صریح طور پر اور حصر و قصر کے اسلوب و انداز میں ارشاد فرمایا گیا "اور کسی رسول کے بس میں نہیں کہ وہ اپنے طور پر کوئی معجزہ اتارے دے مگر اللہ کے اِذن سے"۔ (الرعد: ۳۸) سو معاملہ سارے کا سارا اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں اور اسی کے اِذن و حکم پر موقوف ہے۔ جو اور جیسا اس کو منظور ہوگا وہی ہوگا- سبحانہ وتعالیٰ-

۲۱۰ عناد اور ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی- والعیاذ باللہ:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ لوگ نشانی آ جانے اور معجزہ دیکھ لینے کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے اور ان لوگوں کا معجزہ و نشانی کے آجانے پر بھی ایمان نہ لانا انکی اپنی اس ضد عناد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر جو کہ رچ بس چکی ہے ان کے دل و دماغ میں۔ تو ایسے میں ان کی فرمائشوں کے پورا کرنے سے کیا فائدہ؟ یہ بات تم نہیں جانتے مگر ہم جانتے ہیں۔ (معارف وغیرہ)۔ مزید یہ کہ اگر اس کے بعد بھی انہوں نے نہ مانا تو ان سب کو ہلاک کر دیا جائے گا کہ دستورِ خداوندی یہی ہے کہ فرمائشی معجزہ آ جانے کے بعد بھی جو قوم نہیں مانتی وہ ہلاک کر دی جاتی ہے۔ سو اس طرح ان کی فرمائش کی عدم تکمیل خود ان کے حق میں بہتر ہے کہ یہ ایسی ہلاکت اور تباہی سے بچے ہوئے ہیں۔ بہر کیف عناد اور ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی اور فساد و بگاڑ کی جڑ بنیاد ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- سو اصل بات معجزہ اور نشانی کی نہیں، بلکہ انسان کے اندر کی طلب اور صدقِ نیت کی ہے- وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ لما يحبُّ ويريد-

يُؤْمِنُوا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۳ ۱۰ ۱۹

سے، ۲۱۱ جس طرح کہ یہ ایمان نہیں لائے اس (قرآن عظیم) پر پہلی مرتبہ، اور انہیں چھوڑ دیں گے کہ یہ اپنی سرکشی میں پڑے بھٹکتے رہیں ۲۱۲

۲۱۱ خبثِ باطن کا نتیجہ محرومی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ: - سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ دستورِ خداوندی یہی ہے کہ طلبِ صادق سے محروم انسان نورِ حق سے محروم رہتا ہے - والعیاذ باللہ - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم پھیر دیں گے ان لوگوں کے دلوں اور انکی نگاہوں کو یعنی ہمارا قانون اور دستور یہی ہے کہ جو شخص طلبِ صادق سے محروم ہوتا ہے وہ قبولِ حق کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - پس معلوم ہوا کہ ایمان ویقین کی دولت محض عطا و بخششِ خداوندی سے ملتی ہے جو کہ مترتب ہوتی ہے دل کی سچی تڑپ اور طلبِ صادق پر - جس کو اللہ پاک خوب خوب جانتا ہے - کیونکہ طلب اور عدمِ طلب کا تعلق دل سے ہوتا ہے - اور دلوں کی جملہ کیفیات کو وہی وحدہ لاشریک جان سکتا ہے - سبحانہ وتعالیٰ - بہرکیف اِس ارشادِ ربانی میں اہلِ ایمان کو بتایا جا رہا ہے کہ اس غیبی حقیقت کو تم لوگ نہیں جان سکتے کہ ان لوگوں نے ایسی نشانیاں دکھانے کے باوجود ایمان نہیں لانا۔ (تفسیر المراغی وغیرہ) - سو عناد اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو یہی مطلب ہے اِس ارشادِ ربانی کا کہ "ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو اور پلٹ دیں گے ان کی نگاہوں کو" - یعنی اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کا دستور جو اس کی اس کائنات میں کارفرما ہے یہی ہے کہ ایسے ہٹ دھرم لوگوں کو ان کے عناد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر نورِ حق و ہدایت سے اسی طرح محروم کر دیا جاتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - آمین۔

۲۱۲ کفر وانکار کی ایک نقد سزا کا ذکر وبیان: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ کفر وانکار اور بے ایمانی کی ایک نقد سزا سرکشی میں بھٹکتے رہنا ہے - والعیاذ باللہ - جو ایسے لوگوں کو اس دنیا ہی میں ملتی رہتی ہے اور اس نقد سزا میں ایسے لوگ اس دنیا میں ہی میں برابر مبتلا رہتے ہیں جبکہ اصل عذاب ایسے بدبختوں کو آخرت کے اس ابدی جہاں میں ملے گا جس کی نہ کوئی حد ہے اور نہ انتہاء - والعیاذ باللہ العظیم - سو کفر وسرکشی میں پڑے بھٹکتے رہنا کفر وبے ایمانی کی پہلی اور فوری سزا ہے جو ایسے لوگوں کو نقد ملتی ہے۔ پھر تردد و پریشانی اور حیرانی وسرگردانی کی جس دلدل میں یہ لوگ پھنسے ہوتے ہیں اور کفر و بے ایمانی کی جن اندھیریوں اور تاریکیوں میں یہ لوگ ڈوبے ہوتے ہیں، اس کی بناء پر یہ اپنی آخرت اور اپنے انجامِ محتوم سے غافل و بے فکر ہو کر اپنی فرصتِ عمر اور متاعِ حیات کو یونہی ضائع کر رہے ہوتے ہیں۔ اور یہ خسارہ وہ خسارہ ہے جس کی پھر تلافی ممکن نہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - نیز طغیان کے لفظ سے ایسے لوگوں کی محرومی کے باعث اور سبب کو بھی آشکارا کر دیا کہ ان کی وہ طغیانی اور سرکشی وہ ہے جس میں ایسے لوگ اپنی دنیاوی نعمتوں کی بنا پر مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ لوگ اِن نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی عطاء وبخشش سمجھنے کی بجائے اِن کو اپنی قوتوں اور قابلیتوں کا نتیجہ سمجھنے لگتے ہیں۔ جس پر یہ شکر گزاری کی بجائے سرکشی اور کفرانِ نعمت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس طرح ایسے لوگ اللہ کی بخشی ہوئی نعمت کو نعمت اور وسیلہ خیر کو ذریعہ شر بنا لیتے ہیں جو کہ خسارے پر خسارہ ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى

اور (ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کا عالم یہ ہے کہ) اگر ہم ان پر فرشتے بھی اتار دیں، اور مُردے بھی ان سے باتیں کرنے

وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا

لگیں، اور ہم ہر چیز کو ان کے سامنے لاکر پیش کر دیں، تو انہوں نے پھر بھی ایمان نہیں لانا (اپنے عناد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر)،

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے (اور وہ ان کی کایا پلٹ کر دے)، ۲۱۳ لیکن ان میں سے اکثر جہالت برت رہے ہیں،

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ

اور اسی طرح ہم نے بنادئے ہر نبی کے بہت سے (اور مختلف قسم کے) دشمن، شیطان صفت انسان بھی،

وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ

اور جن بھی، ۲۱۴ جو چپکے سے (اور خفیہ طور پر) سکھلاتے ہیں ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی باتیں،

غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

دھوکہ دینے (اور گمراہ کرنے) کے لئے، ۲۱۵ اور اگر تمہارا رب (ان کو جبراً راہِ راست پر لانا) چاہتا تو یہ ایسا بھی نہ کر سکتے، ۲۱۶

۲۱۳ جبری ایمان نہ مفید ہے نہ مطلوب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے مگر یہ کہ اللہ چاہے تو وہ اور بات ہے کہ وہ قادرِ مطلق تو سب کچھ کر سکتا ہے۔ مگر اس کا اپنا ارشاد و فرمان یہ ہے کہ وہ ایسا کوئی کام نہیں کرے گا جو اُس کی حکمت اور عدل کے خلاف ہو۔ کیونکہ وہ حکیمِ مطلق ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس لیے اُس کی مشیت اسکی حکمتِ مطلقہ کے تابع ہے۔ اس لیے وہ جبری ایمان چاہتا ہی نہیں بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ انسان اپنی مرضی اور اپنے ارادہ و اختیار سے ایمان لائے تاکہ وہ اسکی رحمتوں اور عنایتوں سے محظوظ و مالا مال ہو سکے۔ ورنہ وہ اگر چاہتا تو روئے زمین کے تمام انسان ایک لمحہ اور لحظہ کے اندر سب کے سب ایمان لے آتے جیسا کہ دوسرے مختلف مقامات پر اس کو طرح طرح سے واضح فرمایا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ یونس میں ارشاد ہوتا ہے ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا﴾ الآیۃ (یونس: ۹۹)۔ لیکن اللہ کا کوئی چاہنا بھی اس کی اپنی ٹھہرائی ہوئی سنت اور پسند فرمودہ حکمت کے خلاف نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ حق و ہدایت کی نعمت سے انہی کو نوازتا ہے جو اُس کے طالب اور قدر دان ہوتے ہیں اور وہ اس کے لئے اس کی بخشی ہوئی صلاحیتوں کو صحیح طور پر استعمال کرتے ہیں۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ کے یہاں ایمان وہی معتبر اور مقبول ہے جو انسان اپنی مرضی اور اختیار سے لائے نہ کہ مجبوری اور اضطرار کے طور پر، کہ وہ نہ معتبر ہے نہ مفید۔

۲۱۴ داعیٔ حق کیلئے تسکین وتسلی کا سامان: - کہ ہر پیغمبر کے دشمن رہے ہیں انسانوں میں سے بھی اور جنوں میں سے بھی۔ پس آپؐ کو اس صورتِ حال سے غمگین نہیں ہونا چاہیئے کہ یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں۔ بلکہ پہلے سے یونہی ہوتا چلا آیا ہے۔ سو اِس میں تسلی ہے آنحضرت- صلی اللہ علیہ وسلم- کے لئے اور آپؐ کے توسط سے آپؐ کی امت کے ہر داعیٔ حق کے لئے کہ حق اور اہلِ حق کے دشمن ہمیشہ رہے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ یہ سنتِ الٰہی اور دستورِ خداوندی ہے کہ اسکے یہاں جبری ایمان مطلوب نہیں بلکہ وہاں پر مطلوب اور مفید وہ ایمان ہے جو انسان کے اپنے ارادہ و اختیار سے ہو۔ سو داعیٔ حق کو اَعدائے حق کی مخالفتوں کی پرواہ کیے بغیر راہِ حق پر گامزن رہنا چاہیئے- وباللہ التوفیق- پس شیاطینِ جن وانس کی طرف سے پیش آنے والی ایسی ایذاء رسانیاں ہمیشہ ہی رہی ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی سنت اِبتلاء وآزمائش کا تقاضا ہے۔ ہر نبی ورسول کو اس سے گزرنا پڑا ہے کہ اسی سے راست بازوں کی راست بازی کا امتحان ہوتا ہے اور اُن کے جوہر نکھرتے ہیں۔ اور اِسی سے اہلِ باطل کو وہ مہلت ملتی ہے جس میں اُن کے اندر کا فساد ظہور میں آتا ہے اور ان کے اوپر اللہ کی حجت تمام ہو جاتی ہے۔ پس اس سے واضح فرما دیا گیا کہ دورِ حاضر کی دشمنانِ حق کی حق دشمنی نہ کوئی نئی چیز ہے اور نہ گھبرانے کی بات- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ-

۲۱۵ شیطانوں کی ملمع سازیوں سے آگہی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ شیاطین انس وجن ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی باتیں سکھاتے بتاتے ہیں۔ دھوکہ دہی کی غرض سے۔ یعنی تاکہ اس طرح کی ملمع سازیوں اور چکنی چپڑی باتوں سے یہ لوگ ضعفاء اور کمزور لوگوں کو راہِ حق سے پھیر سکیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- اور شیطان ہر سرکش کو کہا جاتا ہے۔ خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔ جو بھی راہِ حق وہدایت سے روکے وہ شیطان ہے۔ خواہ وہ چھپے ہوئے شیطان کی صورت میں ہو یا انسان کی شکل میں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ اور حضرتِ مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ شیطان الانس، شیطان الجن سے زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ہوتا ہے۔ کیونکہ شیطان الجن تو "اعوذ باللہ" پڑھنے سے بھاگ جاتا ہے لیکن شیطان الانس اس کے پڑھنے سے بھی جان نہیں چھوڑتا۔ (معارف وغیرہ)۔ اور "زخرف القول" "ملمع کی ہوئی باتوں" سے مراد ایسے شیطانوں کی وہ باتیں ہوتی ہیں جو ظاہر میں بڑی اچھی لگتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ ہلاکت میں ڈالنے والی اور تباہ کن ہوتی ہیں جیسا کہ آج کل کے یہودی اور کافر میڈیا کا حال ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ-

۲۱۶ مشیتِ خداوندی سب پر حاوی ہے۔ سبحانہٗ تعالیٰ: - پس ہوتا وہی ہے جو اس کو منظور ہوتا ہے، سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس کی مشیت وقدرت سب پر حاوی ہے۔ لیکن مطلوب ومقصود اِرادی اور اِختیاری ایمان ہے نہ کہ جبری اور بے اختیاری ایمان۔ ورنہ وہ قادرِ مطلق ہے۔ جو چاہے کرے۔ لیکن ایسا جبری اور قہری ایمان تو مطلوب ومنظور ہی نہیں کہ اُس سے ابتلاء وآزمائش کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ اسلئے کہ اس کے یہاں مطلوب ومعتبر وہ ایمان ہے جو کہ اپنے اِرادہ واِختیار سے ہو نہ کہ جبر واِکراہ سے۔ ورنہ ایسے جبری ایمان کیلئے اس قادرِ مطلق کا محض اِرادہ اور اِشارہ ہی کافی تھا۔ سو یہ جو کچھ ہو رہا ہے خداوندِ قدوس کی مشیت اور اُس کے قانونِ اِبتلاء وآزمائش کے مطابق ہو رہا ہے۔ اُس نے جنوں اور انسانوں کو نیکی اور بدی میں سے کسی کو اختیار کرنے کی آزادی بخشی ہے۔ آگے ہر ایک کی اپنی مرضی چاہے وہ جنت کی راہ کو اپنائے یا دوزخ کی راہ کو۔ والعیاذ باللہ- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے- آمین ثم آمین۔

وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

پس تم چھوڑ دو ان کو اور ان کی ان افتراء پردازیوں کو جو یہ لوگ کرتے ہیں، ف۲۱۷ اور (یہ ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ تا کہ اس طرح

وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ اَفَغَيْرَ

یہ پھسلا دیں ایمان والوں کو اور) تا کہ مائل ہو جائیں اس کی طرف دل ان لوگوں کے جو ایمان نہیں رکھتے آخرت پر، ف۲۱۸ اور تا کہ وہ

اللّٰهِ اَبْتَغِىْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِىْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ

انہیں پسند کریں اور تا کہ یہ کما لیں جو کچھ کہ انہوں نے کمانا ہے، ف۲۱۹ تو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور منصف تلاش کروں، حالانکہ

الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

وہی ہے جس نے اتاری تمہاری طرف یہ کتاب مفصل کر کے، ف۲۲۰ اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی (یعنی یہود و نصاریٰ)

يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ

وہ یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) ٹھیک تمہارے رب ہی کی طرف سے نازل ہوا ہے، پس تم کبھی

۲۱۷ افتراء پردازوں کی فکر نہ کرنے کی ہدایت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ چھوڑ دو ان کو اور ان کی ان افترا پردازیوں کو جو یہ لوگ کرتے ہیں کہ یہ اپنے کئے کا بھگتان خود بھگتیں گے۔ سو آپ ان کی فکر نہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ حق اور اہلِ حق کی مدد فرمائے گا۔ سو اس میں حضورؐ اور آپؐ کے واسطے سے ہر داعیِ حق کیلئے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اُس کی حکمت نے یہی پسند فرمایا کہ وہ اس معاملہ میں جبر کی بجائے اختیار اور آزادی سے نواز کر لوگوں کا امتحان کرے کہ کون اپنی مرضی اور اِرادہ سے خدا کی راہ اختیار کرتا ہے اور کون شیطان کی۔ یہی اِبتلاء و آزمائش کا تقاضا ہے اور اِسی پر ثواب و عقاب کا دارومدار ہے اور اسی پر آگے فیصلہ ہونا ہے جس کے مطابق ہر کوئی اپنے کیے کرائے کے انجام کو پہنچ کر رہے گا - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلٰی ما یحب و یرید-

۲۱۸ ایمان و یقین کی قوت امن و سلامتی کی ضامن و کفیل: - یعنی وہ اُن کی طرف مائل ہو جائیں اور وہ اُن کے دھوکے میں آ جائیں۔ سو اِس سے معلوم ہوا کہ شیاطینِ جن و انس کا داؤ انہی لوگوں پر چلتا ہے جو کہ ایمان کی دولت سے محروم ہوتے ہیں -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- جیسا کہ دوسرے کئی مقامات پر بھی اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے مثلاً سورۂ اعراف میں ارشاد ہوتا ہے۔﴿اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِيْنَ اَوْلِيَاءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾- (الاعراف: ۲۷) جبکہ ایمان والے اس سے محفوظ رہتے ہیں-﴿ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِىَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ﴾- سو ایمان و یقین کی قوت امن و سلامتی کی ضامن و کفیل ہے۔ وباللہ التوفیق- بہر کیف اس ارشاد میں فرمایا گیا

کہ ہم نے شیطان جن وانس کو انبیاء وصالحین کی مخالفت اور بدعات وخرافات کے اِلقاء کی یہ مہلت جو اس دنیا میں دی ہے یہ اس لئے دی ہے کہ ایک طرف تو اِس سے حق پرستوں کی حق پرستی کا امتحان ہوتا ہے اور دوسری طرف باطل پرستوں کو ڈھیل ملتی ہے اور وہ شیاطین واشرار کے ہاتھوں اپنا من بھاتا کھاجا پا کر اس کی طرف راغب ہوتے ہیں اور اس کو پسند کرتے ہیں۔ اور اِس دُنیا میں جو کمائی اُن کو کرنا ہوتی ہے وہ کر لیتے ہیں۔ اور یہ ڈھیل اُس اختیار کا لازمی نتیجہ ہے جو انسان کو بخشا گیا ہے۔ اس لئے یہ سنتِ الٰہی کے تحت ہے۔ سبحانہ، تعالیٰ۔

۲۱۹ سنتِ امہال کا ذکرو بیان: - سو خداوند قدوس کی سنتِ امہال کے ذکرو بیان کے طور پر ارشاد فرمایا گیا تاکہ اسطرح یہ اپنے ارمان پورے کرلیں اور اپنے پیمانہ ہائے جرم کو لبریز کر کے اپنے خالق ومالک کے حضور پہنچیں۔ اور اسطرح یہ لوگ وہاں پر اپنے کئے کرائے کا بھرپور صلہ و بدلہ پاسکیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - کیونکہ آخرت کی باز پرس اور وہاں کی جوابدہی کا اِحساس و اِعتقاد ہی انسان کو برائی سے روکتا ہے۔ سو جو کوئی اُس کی حمایت سے محروم ہوجائے اسکو پھر کوئی چیز روکنے والی نہیں رہتی، جس سے وہ برائیوں کے کمانے اور جمع کرنے میں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے، اور اللہ پاک اپنے حلمِ بے پایاں اور کرمِ بے نہایت کے تقاضوں کے مطابق اسکی رسی دراز کرتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے آخری نتیجے اور انتہائی برے انجام کو پہنچ کر رہتا ہے۔ سو ایمان بالآخرۃ سے محرومی کا نتیجہ وانجام انتہائی بُرا اور نہایت ہی ہولناک ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - بہر کیف اِس سے واضح فرمادیا گیا کہ ایسے لوگوں کو ڈھیل ملی ہوئی ہے تاکہ یہ اَپنے اَرمان پورے کرلیں اور یہ ڈھیل اُس اختیار کا لازمی نتیجہ ہے جو انسان کو اس دنیا میں بخشا گیا ہے۔ سو اِس اِعتبار سے یہ سب کچھ سنتِ الٰہی کے تحت ہے اور ﴿الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ کی صفت وقید سے واضح فرمادیا گیا کہ شیاطین واَشرار کی یہ دعوت انہی لوگوں کو اپیل کرتی ہے جو آخرت کے اعتقاد سے خالی اور محروم ہوتے ہیں اور ان کا منتہائے مقصود یہ دنیا اور اس کا عیش ہی ہوتا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - سو ایمان ویقین کی دولت وسیلۂ حفاظت وسرفرازی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

۲۲۰ اللہ کے سوا اور کسی کو اپنا حَکَم اور منصف بنانا ظلم ہے - والعیاذُ باللہ: - سو استفہام انکاری کے طور پر اللہ کے رسول کی زبان سے ارشاد فرمایا گیا کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حکم اور منصف تلاش کروں۔ جبکہ اس نے یہ کتابِ مفصل اتار دی جس میں حق و باطل، نیک و بد، صحیح وغلط اور اَسبابِ سعادت وشقاوت کو اس طرح کھول کر بیان کردیا گیا کہ کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی - فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ - سو استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی ایسے نہیں ہوسکتا کہ میں اس کتابِ مفصل کے اتارے جانے کے بعد اور اس کے ہوتے ہوئے اللہ کے سوا اور کسی کو اپنا حکم اور منصف تلاش کروں کہ ایسا کرنا ظلم ہوگا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - سو اِس اِرشاد سے مشرکین کے مجادلے کا پیغمبر کی طرف سے جواب دے دیا گیا۔ اور اُن لوگوں کی حجت بازی کو قطع فرما دیا گیا کہ میرے لئے آخر یہ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کو حکم اور منصف تلاش کروں جبکہ اُس نے تمہاری طرف اِس کتاب کو مفصل کر کے اتار دیا ہے جس میں ہر چیز کا تفصیل کے ساتھ فیصلہ فرما دیا گیا ہے؟ اب تم ہی لوگ سوچو کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری ہوئی یہ کتابِ مفصل ہے اور دوسری طرف تم لوگوں کی بے سند باتیں ہیں۔ لہٰذا اب تم ہی لوگ بتاؤ کہ ان میں سے کس کی بات مانی جانے کے لائق ہے؟

مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ

شک کرنے والوں میں شامل نہ ہونا ۲۲۱ اور پوری ہوگئی بات تمہارے رب کی سچائی میں بھی، ۲۲۲ اور

عَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ

عدل کے اعتبار سے بھی، ۲۲۳ کوئی بدلنے والا نہیں اس کے فرمان (صدق ترجمان) کو، اور وہی ہے ہر کسی کی سنتا

الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ

سب کچھ جانتا، اور اگر تم ان لوگوں کی اکثریت کی بات ماننے لگے جو زمین میں رہتے بستے ہیں'

يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ

تو وہ تمہیں بھٹکا دیں گے اللہ کی راہ سے، ۲۲۴ یہ لوگ پیروی نہیں کرتے مگر ظن (وگمان) کی،

وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ

اور یہ محض اٹکلیں دوڑاتے ہیں اور بس ۲۲۵ بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے

مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

ان کو بھی جو (بہکتے) بھٹکتے ہیں اس کی راہ سے، اور وہ خوب جانتا ہے ان لوگوں کو بھی جو سیدھی راہ پر ہیں، ۲۲۶

۲۲۱ پس تم کبھی شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا:- کہ اس درجہ کی اس کامل شہادت اور مکمل کتاب کے بعد اور کسی کی شہادت کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔ خطاب اگرچہ بظاہر آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- سے ہے مگر سنانا دراصل دوسروں کو ہے اور یہ بلاغت کا ایک اہم اور معروف انداز و اُسلوب ہے جس سے معنیٰ مقصود کی ادائیگی و تعبیر میں جو قوت اور تاکید پیدا ہوتی ہے وہ اس کے بغیر نہیں پیدا ہوسکتی۔ پس اہلِ بدعت کے جن لوگوں نے اس کے ترجمے میں "اے سننے والے" کے الفاظ کا اضافہ کرلینے سے یہ سمجھا کہ ہم نے کوئی بڑا تیر مار دیا ہے، جیسا کہ ان کے حواریوں کا کہنا ہے، وہ محض ان لوگوں کی ایک خوش فہمی ہے کہ اول تو اس سے وہ زورِ کلام باقی نہیں رہتا جو کہ ایسی تعبیر اور اِس اُسلوبِ بیان سے اصل میں مقصود ہوتا ہے۔ اور دوسرے اس لئے کہ اِس طرح کے ترجمہ سے وہ مطلب پھر بھی حاصل نہیں ہوسکتا جو کہ اہلِ بدعت اس سے حاصل کرنا چاہتے ہیں کیونکہ وحیِ خداوندی کے اصل مخاطب اور سب سے پہلے سننے والے تو بہرحال آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- ہی ہیں۔ تو پھر بھی بات وہیں کی وہیں رہی۔ پھر اس تکلف کا فائدہ اور ضرورت ہی کیا؟ اس لئے صحیح طریقہ وہی ہے جو ہم نے ابھی عرض کیا ہے کہ خطاب اگرچہ بظاہر آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- سے ہے مگر سنانا دراصل دوسروں کو ہے۔ اور یہی بات تمام ثقہ مفسرینِ کرام

کہتے ہیں۔ یعنی "الخطاب للنبی - صلی اللہ علیہ وسلم - والمرادُ به غیرهُ" (ابن کثیر، خازن، جامع، صفوۃ البیان، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ایسے ہی ہے جیسا کہ سورۂ یونس کی یہ آیت کریمہ ہے ﴿فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ الآیۃ (یونس: ۹۴)۔ اسی لئے روایت میں وارد ہے کہ اسکے جواب میں آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرمایا "لَآ اَشُكُّ وَلَآ اَسْاَلُ" یعنی "نہ مجھے اس طرح کا کوئی شک ہے اور نہ میں اس بارے میں کسی سے پوچھتا ہوں"۔ (ابن کثیر، محاسن التاویل وغیرہ)۔ بہرکیف اِس ارشادِ عالی سے واضح فرما دیا گیا کہ اس کا کلام حق سچائی میں بھی کامل ہو گیا اور عدل میں بھی کامل ہو گیا - والحمد للہ جل وعلا-

۲۲۲ قرآنِ حکیم کی ہر بات حق اور صدق: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ پوری ہو گئی تمہارے رب کی بات سچائی کے اعتبار سے کہ جو خبر اُس نے دی وہ سچی، اور جو وعدہ اس نے فرمایا وہ پکا اور سچا۔ واضح رہے کہ قرآنِ مجید کے مضامین دو قسم کے ہیں۔ ایک اَخبار وقصص اور دوسرے اَحکام و اِرشادات۔ یعنی اُسکے اَوامر ونواہی۔ سو یہ کتابِ حکیم اپنی اخبار اور قصص میں بھی سراسر سچی ہے۔ اس کا کوئی بھی اِظہار و بیان غلط ثابت نہیں ہوا۔ حالانکہ اس کے پیش کرنے والے نبی نے کبھی کسی سے ایک حرف بھی نہیں پڑھا سیکھا۔ اور دوسری قسم اسکے مضامین میں سے جو اَحکام و اِرشادات پر مبنی و مشتمل ہے وہ نہایت عدل و اِنصاف اور کامل طور پر توسط واعتدال پر مبنی ہے۔ سو اِس کتاب اور اسکے پیش کرنے والے پیغمبر کی صداقت وحقانیت کی ایک کھلی دلیل ہے۔ سو آپ کے رب نے جو خبر دی وہ سچی اور جو وعدہ فرمایا وہ حق اور صدق۔ سو یہاں پر اس کلمہ سے مراد وہ کلمہ اور خبر ہے جو آپ نے جہنمیوں کے بارے میں دی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا - ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ﴾ - (ہود: ۱۱۹) "اور پوری ہو کر رہے گی تمہارے رب کی یہ بات کہ میں یقیناً بھر کر رہوں گا جہنم کو جنوں اور انسانوں دونوں سے" اور اسی طرح آپ کے رب کا وہ وعدہ بھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی مدد سے متعلق فرما رکھا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا - ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ، اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ - (الصّافّات: ۱۷۱-۱۷۳)۔ اور "یقیناً طے ہو چکی ہماری یہ بات ہمارے ان بندوں کے لئے جن کو رسول بنا کر بھیجا گیا کہ ان کی ضرور مدد کی جائے گی اور یقیناً ہمارے لشکر ہی کو غالب آ کر رہنا ہے" - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید-

۲۲۳ قرآنِ حکیم کے جملہ احکام عدل و اِنصاف پر مبنی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ پوری ہو گئی تمہارے رب کی بات عدل کے اعتبار سے کہ اس کا ہر حکم عدل والا اور ہر سزا و جزا عدل و انصاف پر مبنی۔ سو یہ کتاب بھی حق وصدق اور اسکے پیش کرنے والے پیغمبر بھی سچے۔ پس آپ اس سے متعلق کبھی بھی کسی طرح کے شک میں نہ پڑنا اور مکذبین و منکرین جو اپنی ملمع کی ہوئی باتوں "زُخْرُفَ الْقَوْلِ" سے اس کے بارے میں شکوک وشبہات ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، اللہ ان کی ان باتوں کو بھی سنتا ہے اور انکی نیتوں کو بھی جانتا ہے۔ وہ ان سے خود نمٹ لیگا آپ انکی فکر نہ کریں۔ سو اُس خالقِ کل اور مالکِ مطلق نے جو خبر دی وہ ہر لحاظ سے سچی تھی، سچی ہے اور سچی ہی رہے گی۔ اور اس نے جزاء وسزا سے متعلق جو وعدے فرمائے ہیں وہ بھی قطعی طور پر عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔ سو اس کے مطابق وہ کفار و معاندین کو وہی سزا دے گا جس کے وہ مستحق ہوں گے اور ایمان واطاعت والوں کو اسی بدلہ و جزاء سے نوازے گا جس کے وہ اہل اور مستحق ہوں گے اور اپنے فضل وکرم سے وہ اُن کو اپنی عنایات سے مزید نوازے گا۔ (المراغی وغیرہ)۔ سبحانہ وتعالیٰ-

۲۲۴ محض عوام کی اکثریت کی بات ماننا باعثِ گمراہی - والعیاذُ باللہ :- سو ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے زمین میں رہتے بستے لوگوں کی اکثریت کی بات مانی اور ان کو معیار ٹھہرایا تو یہ لوگ تم کو بھٹکا دیں گے اللہ کی راہ سے کہ یہ خود بھٹکے ہوئے اور بے راہ ہیں ۔ معلوم ہوا کہ عوام کی اکثریت کا کسی بات کا ساتھ دینا اس کے حق ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا، جیسا کہ دورِ حاضر میں جمہوریت کے نوساختہ بت کے پجاریوں نے سمجھ رکھا ہے اور جس طرح کہ اہلِ بدعت کا کہنا ماننا ہے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- سو عوام کی تائید یا تردید کو کسی امر کے حق یا باطل ہونے کیلئے معیار نہیں قرار دیا جاسکتا کہ انکی اکثریت غلط کار گمراہ اور خواہشات کی پیروکار رہی ہے ۔ پہلے بھی یہی تھا اور اب بھی یہی ہے ۔ پس حق اور سچ وہ ہے جسکو اللہ اور اس کا رسول حق بتائے خواہ دنیا ساری ہی اسکے خلاف کیوں نہ ہو - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - اور اسکے مقابلے میں باطل اور جھوٹ وہ ہے جو اللہ اور اُسکے رسول کی تعلیمات کی روشنی میں جھوٹ اور باطل قرار پائے خواہ دنیا ساری ہی اسکی تائید وحمایت کیوں نہ کرتی ہو ۔ سو اسی لئے اِرشاد فرمایا گیا کہ اگر تم زمین میں رہنے بسنے والی اکثریت کی بات ماننے لگے تو یہ تم کو اللہ کی راہ سے بہکا اور بھٹکا دے گی ۔ پس اِطاعت و فرمانبرداری اکثریت کی نہیں بلکہ اُس حق اور ہدایت کی کرنی ہے جو تم کو اپنے خالق و مالک کی طرف سے ملے - وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ - بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ محض عوام کی اکثریت کی پیروی باعثِ ہلاکت وتباہی ہے - والعیاذ باللہ -

۲۲۵ عوام کی اکثریت ظن و گمان کی پیروکار - والعیاذُ باللہ :- سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر و تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ پیروی نہیں کرتے مگر ظن و گمان کی ۔ اور یہ لوگ محض اٹکلیں دوڑاتے ہیں ۔ اور ظاہر ہے کہ ظن وتخمین راہِ حق وصدق میں کچھ کام نہیں آسکتے ، جیسا کہ دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا - ﴿ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا ﴾ - (النجم : ۲۸) ۔ سو بڑے خسارے اور سخت دھوکے میں ہیں وہ لوگ جنہوں نے ظن وتخمین اور اٹکل پچو قسم کی چیزوں ہی کو اپنے دین و مذہب کی اساس و بنیاد قرار دے رکھا ہے ۔ یہاں تک کہ ان کے خدا اور معبود اور ان کی عبادات و پوجا پاٹ کے طور طریقوں تک سب ہی کچھ اُسی ظن وتخمین پر مبنی ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اور کتنے ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کسی دلیل و برہان کے بغیر یوں کہہ دیتے ہیں "میرا خیال یہ ہے" ، "میں یوں سمجھتا ہوں" "I Think So" وغیرہ وغیرہ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ جَلَّ وَ عَلَا -

۲۲۶ اللہ کے علم و آگہی کا حوالہ :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے ان کو جو بہکے اور بھٹکے ہوئے ہیں اس کی راہ سے اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو سیدھی راہ پر ہیں ۔ سو اللہ ہر کسی کو پوری طرح جانتا ہے - سبحانہ وتعالیٰ - اس لئے دنیا والوں کو اپنی دینداری کے مظاہر دکھانے کی بجائے اس وحدہٗ لاشریک کے حضور اپنی جواب دہی اور فائز المرامی وصفائی کی فکر کرو ۔ اور اس سے اپنا معاملہ صاف اور صحیح رکھو اس سے قبل کہ عمرِ رواں کی یہ فرصتِ محدود تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور تمہیں ہمیشہ کیلئے افسوس اور پچھتاوے سے دوچار ہونا پڑے ۔ اور اُس علیم بذات الصدور کے یہاں ظاہرداری نہیں چل سکتی کہ وہ انسانوں کے دلوں کے حالات اور ان کے سربستہ رازوں سے بھی پوری طرح واقف و آگاہ ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - اَللّٰھُمَّ فَخُذْنَا بِنَوَاصِیْنَآ اِلٰی مَا فِیْہِ حُبُّکَ وَرِضَاکَ ، بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ ، وَفِیْ کُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ فِی الْحَیَاۃِ یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام -

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ

پس کھاؤ تم لوگ ان چیزوں میں سے جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہے، اگر تم واقعی ایمان رکھنے والے ہو اس کی

مُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ

آیتوں پر، ٢٢٧ اور تمہارے لئے کیا عذر ہو سکتا ہے کہ تم نہ کھاؤ ان چیزوں میں سے جن پر نام لیا گیا ہے

اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا

اللہ (پاک سبحانہ وتعالیٰ) کا، جب کہ اس نے تفصیل سے بیان کر دیا ہے، تمہارے لئے وہ سب کچھ جو کہ اس نے حرام فرمایا ہے تم پر، ٢٢٨

٢٢٧ مشرکین کی تحریمات کو تسلیم کرنا ایمان کے منافی ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰہِ: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ پس کھاؤ پیو تم لوگ ان چیزوں میں سے جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اگر تم لوگ واقعی ایمان رکھنے والے ہو اس کی آیتوں پر۔ اس لیے کہ ایمانداری کا تقاضا یہی ہے کہ اپنی خود ساختہ رسوم وطقوم اور فرضی تحریمات کی بجائے تم لوگ اسی کے حکم و ارشاد کے آگے سر تسلیم خم کرو، جس پر تم ایمان لائے ہو۔ کیونکہ مشرکین کی تحریمات اور انکی خرافات کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی حلال فرمودہ پاکیزہ چیزوں کو حرام سمجھنا مشرکین اور شرک کی باتوں کو تسلیم کرنا ہے جو کہ ایمان کے منافی ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰہِ -سو تحریم وتحلیل کا حق اور اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو کہ خالق کل اور مالک مطلق ہے-سبحانہ وتعالیٰ -اگر یہ حق اُس کے سوا اور کسی کے لئے تسلیم کر لیا جائے تو یہ اُس کے حقوق اور اختیارات میں دوسروں کو شریک بنانا ہوگا جو کہ شرک اور ظلم عظیم ہے-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰہِ- پس مشرکانہ توہمات کی بناء پر حرام ٹھہرائی گئی چیزوں کی تحریمات کو توڑنا ایمان کا تقاضا ہے۔ اسی لئے اس کو ﴿اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ﴾ کی شرط وقید کے ساتھ مشروط ومقید کر کے ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیا گیا ہے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید-

٢٢٨ محرماتِ الٰہیہ کی تفصیل کر دینے کا ذکر وبیان: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے جو کچھ تم پر حرام کیا ہے اسکی تفصیل اس نے خود بیان فرما دی ہے تاکہ تم حرام سے بچ کر حلال کو اپنا سکو۔ چنانچہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا- ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْمَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا﴾ الآیۃ (الانعام: ١٤٦) (محاسن التاویل وغیرہ)۔ اور تمہاری یہ تحریمات اُن محرمات میں سے نہیں ہیں تو پھر تمہارے لیے ایسی چیزوں کے کھانے میں آخر کوئی عذر کیسے ہو سکتا ہے جن کے ذبح کرنے میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو، جبکہ ایسی پاکیزہ چیزوں کے کھانے میں اصل بنیاد یہی ہے کہ انکو اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے ذبح کیا جائے۔ استفہام یہاں انکاری ہے۔ یعنی ایسے میں تمہارے لیے ان چیزوں کے نہ کھانے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ پس تم لوگ ان سے کھاؤ اور کھا کر واہبِ مطلق اور اپنے خالق ومالک کا دل وجان سے شکر بجا لاؤ- وباللہ التوفیق- اور جب اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی تفصیل خود بتا دی جو اس نے تم پر حرام فرمائی ہیں تو پھر تمہارے لئے اس بارے کسی تذبذب کی کوئی گنجائش آخر کس طرح باقی رہ سکتی ہے؟۔ سو توحید اور شرک کا معاملہ دینِ حنیف میں اس قدر اہم اور اتنا نازک ہے کہ شریعتِ مطہرہ اس بارے کسی ادنیٰ التباس کی بھی روادار نہیں۔ اللہ شرک کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین ثم آمین۔

مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا لَّیُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ

(خود تمہارے بھلے کے لئے) مگر جس کے لئے تم مجبور ہو جاؤ، ۲۲۹ اور بے شک بہت سے لوگ ایسے ہیں جو گمراہ کرتے ہیں

بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۱۹﴾

(دوسروں کو) اپنی خواہشات کی بناء پر، بغیر کسی علم کے، ۲۳۰ بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے حد سے بڑھنے والوں کو

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ

اور چھوڑ دو تم لوگ ظاہر گناہ کو بھی، ۲۳۱ اور پوشیدہ کو بھی، ۲۳۲ بے شک جو لوگ گناہ کما

الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا

رہے ہیں، وہ یقینی طور پر بدلہ پا کر رہیں گے، اپنے ان گناہوں کا جو وہ کماتے رہے تھے ۲۳۳ اور مت کھاؤ تم لوگ

مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ

ان چیزوں میں سے جن پر نام نہیں لیا گیا اللہ کا، اور بے شک یہ قطعی طور پر گناہ ہے اور

الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِیٰٓئِهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ

شیطان تو رہ رہ کر اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں (طرح طرح کی حجت بازیاں) تا کہ وہ تم لوگوں سے جھگڑا کریں، ۲۳۴ اور اگر

۲۲۹ مجبور و لاچار کیلئے رعایت کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ مگر جس کے لیے تم مجبور ہو جاؤ۔ پس اگر تم مجبور ہو جاؤ اور اس بناء پر ان میں سے بقدرِ ضرورت کچھ کھا لو تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں مگر ضرورت سے زیادہ نہیں کھانا کہ شرعی قاعدہ یہی ہے کہ ضرورت کو ضرورت کی حد تک ہی رکھا جائے۔ ''اَلضَّرُوْرَةُ تُقَدَّرُ بِقَدْرِهَا'' اور یہ شریعتِ مقدسہ کے اُس عظیم الشان اُصول اور جامع قاعدہ پر مبنی ہے کہ ''اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ'' یعنی ''ضرورت کی بناء پر محظور اور ممنوع چیزوں میں بھی اباحت اور جواز پیدا ہو جاتا ہے''۔ بہر کیف اِس اِستثناء سے واضح فرما دیا گیا کہ اضطرار اور مجبوری کی صورت میں انسان کے لئے حرام چیزیں بھی مباح اور جائز ہو جاتی ہیں جو کہ اس مالک کی رحمت و عنایت کا ایک اور مظہر ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ ولہ الحمد جل وعلا۔

۲۳۰ اِتباعِ ہوٰی فتنہ و فساد کی جڑ بنیاد:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے

شک بہت سے لوگ ایسے ہیں جو گمراہ کرتے ہیں [دوسروں کو] بغیر کسی علم [وسند] کے۔ کہ خواہشات کی پیروی کے سوا ان لوگوں کے پاس نہ کوئی دلیل ہوتی ہے نہ برہان وسند۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ خواہشاتِ نفس کی پیروی تمام فتنہ وفساد کی جڑ بنیاد ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ غیر مسلموں کی تو بات ہی الگ ہے کہ وہ تو جیتے مرتے ہی اس دنیائے دوں کے لئے ہیں اور بس۔ لیکن خود مسلمان کہلانے والوں میں بھی کتنے ہی اَصحابِ زیغ و ضلال اور بندگانِ ہوا و ہوس ایسے ہیں جو کہ اپنی خواہشاتِ نفس کی تکمیل کے لئے اسلام کے واضح اَحکام کی کھلی خلاف ورزی کرتے اور اس غرض کے لئے نصوصِ کتاب وسنت تک کو تاویل وتحریف کے خراد پر چڑھانے سے گریز نہیں کرتے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اور بدعات کی ایجاد تو اصل میں خواہشاتِ نفس ہی کی بناء پر ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے ایسے لوگ خواہشاتِ نفس کے پیچھے لگ کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں اور راہِ حق و ہدایت سے محروم ہو کر دارین کے خسارے میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو کہ خسرانِ مبین ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۲۳۱ ہر قسم کے گناہ کو چھوڑنے کی تعلیم و تلقین: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ چھوڑ دو تم لوگ ظاہری گناہ کو۔ یعنی وہ تمام برائیاں جو ظاہر میں نظر آتی ہیں، اور اَعضاء و جوارح وغیرہ سے صادر ہونے والے برے اَعمال واَفعال اور اسی طرح وہ گناہ جو علانیہ طور پر اور برسرِ عام کئے جائیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ کہ گناہ بہرحال گناہ اور بری چیز ہے۔ اور وہ بہرطور خسارے اور نقصان کا باعث ہے۔ خواہ اُس خسارے اور نقصان کا تعلق فرد سے ہو یا جماعت سے۔ انسان کے ظاہر سے ہو یا اسکے باطن سے۔ جلد ہو یا بدیر۔ اِسی لئے کتابِ حکیم قرآنِ مجید میں دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا کہ رب تعالیٰ نے ہر قسم کی بےحیائی اور برائی کو حرام قرار دیا ہے۔ خواہ وہ ظاہر ہو یا مخفی اور پوشیدہ۔ چنانچہ اِرشاد فرمایا گیا ﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ﴾ الآیۃ (الاعراف: ۳۳)۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ ہر قسم کے گناہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۲۳۲ گناہ بہرحال بری چیز ہے۔ والعیاذ باللہ: ۔ اس لیے فرمایا گیا کہ چھوڑ دو تم لوگ ظاہری گناہ کو بھی اور چھوڑ دو تم لوگ پوشیدہ گناہ کو بھی۔ یعنی جو چھپ کر کیا جائے۔ نیز وہ برے عقیدے، گندے خیالات اور ناپاک اِرادے جو دل میں چھپا رکھے ہوں کہ یہ سب ممنوع وحرام ہیں۔ سو یہ اسلام کی عظمت اور اسکی حقانیت کی ایک اہم دلیل ہے کہ اس کی نگاہ میں ہر گناہ حرام ہے خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو؟ بخلاف دوسرے مذاہب کے کہ ان کا معاملہ اس سے یکسر مختلف ہے۔ یہاں تک کہ یورپ کے وہ خنزیر خور جو آسمانی مذہب کے قائل اور اسکے ماننے کے دعویدار ہیں اور وہ عیسائیت کا دم بھرتے ہیں۔ ان کے یہاں تو زنا جیسی بےحیائی بھی روا ہے اگر وہ باہمی رضامندی سے ہو کہ ان کے یہاں جرم صرف زنا بالجبر ہے نہ کہ نفسِ زنا۔ اس لئے یورپ، امریکہ وغیرہ کے اِن مادہ پرست ملکوں میں جہاں کہ خواہش پرستی ہی کا دور دورہ ہے وہاں کا حال یہ ہے کہ اگر برسرِ عام کوئی جوڑا بدکاری کر رہا ہو اور پولیس کے کسی شخص کا اُدھر سے گزر ہو جائے تو وہ ان سے کہے گا اوکے؟ (OK) یعنی کیا تم یہ کام باہمی رضامندی سے کر رہے ہو یا کسی زور زبردستی سے؟ اس کے جواب میں اگر وہ کہیں گے ''اوکے'' یعنی ہاں ہم یہ کام باہمی رضامندی اور خوشی سے کر رہے ہیں تو وہ کہے گا ''اوکے'' یعنی ''ٹھیک ہے کرتے رہو''۔ ہاں اگر زور زبردستی سے ہو تو پولیس مداخلت کریگی۔ اسلئے کہ

ان کے یہاں اصل جرم زنا نہیں بلکہ جرم اصل میں جبر واکراہ ہے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- جبکہ دینِ حق کے نزدیک اصل جرم زنا ہے خواہ کسی بھی طور پر اور کسی بھی شکل میں ہو-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ-

۲۳۳ گناہ کمانے والوں کو اپنے کیے کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا:-سو پورا بدلہ تو ایسوں کو اگرچہ آخرت میں ہی ملے گا مگر اس دنیا میں بھی کچھ نہ کچھ مزہ وہ چکھتے ہی رہتے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- مگر یہاں پر-﴿یَکْسِبُوْنَ﴾-فرمایا گیا ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ نتیجہ وانجام اُن گناہوں کا ہے جو انسان اپنے کسب و ارادہ سے اور کمائی کے طور پر کرتا ہے کہ ایسا کرنے سے ایسے لوگوں کی فطرت بگڑ جاتی ہے اور ان کی طبیعت مسخ ہو کر رہ جاتی ہے- والعیاذ باللہ- اس لیے ایسے لوگوں کو اپنے کیے کرائے کا انجام بہرحال بھگتنا ہوگا۔ رہ گئے وہ لوگ جو جہالت اور بشری کمزوری کی بناء پر گناہ کا ارتکاب کر لیتے ہیں ان کے گناہ ان کی نیکیوں اور توبہ کے آبِ زلال سے صاف ہوتے رہتے ہیں، جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر اِرشاد فرمایا گیا-﴿اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ﴾ الآیۃ- (ھود: ۱۱۵)-سبحان اللہ- کتنی عظمتوں اور رحمتوں والا ہے یہ دینِ حنیف، دینِ اسلام جو کہ اللہ پاک نے اپنی رحمتِ بے پایاں سے اپنے بندوں کو عنایت فرمایا ہے کہ اس کی تعلیماتِ مقدسہ پر عمل کرنے والوں کے گناہ خود بخود معاف ہوتے جاتے ہیں اور اُن کی سیاہی آپ سے آپ دھلتی اور مٹتی جاتی ہے۔ اور وہ پاکیزہ سے پاکیزہ تر انسان بنتے چلے جاتے ہیں۔ جبکہ دینِ حنیف سے محروم دنیا طرح طرح کی تاریکیوں میں ڈوبی اور طرح طرح کے معاصی و ذنوب سے لتھڑی پڑی ہے۔ نہ اس کو یہ پتہ کہ گناہ کی میل کیا ہوتی ہے، اور نہ ہی اس کو اس کی کوئی خبر کہ اس کی صفائی کا طریقہ کیا ہو سکتا ہے یہاں تک کہ وہ ان کو لے جا کر دوزخ کی ہولناک آگ میں دھکیلے گی- والعیاذ باللہ العظیم-

۲۳۴ شیطان اور اُسکے چیلوں کی وسوسہ اندازیوں سے آگاہی:-سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ اس طرح کی وسوسہ اندازیاں کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑیں اور اس طرح حق سے وہ خود بھی محروم رہیں اور دوسروں کو بھی اس سے محروم کر دیں۔ جیسا کہ مشرکینِ مکہ مسلمانوں کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ لوگ اللہ کے مارے ہوئے یعنی مردار کو تو حرام کہتے ہیں مگر خود اپنے مارے ہوئے یعنی ذبیحہ کو حلال۔ سو یہ شیطان کی سکھائی ہوئی پٹی اور اس کی تلقین کردہ وہ حجت بازی تھی جس سے ایسے لوگ کام لیتے تھے۔ اور یہی شیوہ ہے اہلِ بدعت اور دوسرے اہلِ باطل کا کہ یہ لوگ بھی سادہ لوح عوام کو اپنے جال میں پھانسنے کے لئے اسی طرح کے مغالطوں سے کام لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اہلِ بدعت کے کچھ گمراہ اور گمراہ کن قسم کے ملاں عوام سے کہتے ہیں کہ ''محمد رسول اللہ'' کا ترجمہ ہے ''محمد اللہ کے رسول ہیں''۔ پس آپ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہو گیا وغیر ذالک -والعیاذُ باللہ مِنْ کُلِّ زَیْغٍ وَّضَلَالٍ - بہرکیف شیطانوں کی اس طرح کی وسوسہ اندازیوں سے آگاہ فرما دیا گیا تاکہ اہلِ حق اُن سے محتاط اور ہوشیار رہیں-وَبِاللّٰہِ التوفیق- مگر غفلت میں ڈوبی ہوئی دنیا ہے کہ اس کو کوئی پروا تک نہیں - الا ما شاء اللّٰہ - اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے ہر شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین ثم آمین۔

ع ۱۴ ۱۱

اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا

تم نے ان کی بات مان لی تو یقیناً تم بھی مشرک ہو جاؤ گے، ف۲۳۵ بھلا وہ شخص جو مردہ تھا ف۲۳۶

فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ

پھر ہم نے اسے زندگی بخش دی، ف۲۳۷ اور اس کو نواز دیا ایک ایسی عظیم الشان روشنی سے جس کے اجالے میں وہ چلتا ہے لوگوں کے درمیان

۲۳۵ مشرکوں کی اطاعت وفرمانبرداری شرک ہے۔والعیاذ باللہ العظیم: -سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر اور ادواتِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگوں نے ان کی اطاعت وفرمانبرداری کی تو یقیناً تم لوگ قطعی طور پر مشرک ہوؤ گے کہ دینِ حق کے خلاف کسی اور کی پیروی کرنا شرک ہے (کشاف، صفوۃ وغیرہ)۔ کہ حاکم اور حاکم مطلق اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ اسکے حقِ حکم میں کسی اور کو شریک جاننا یا اسکے حکم کیخلاف کسی اور کا حکم ماننا اسکے حقِ حکومت وحاکمیت میں دوسروں کو شریک قرار دینا ہے۔ اور یہی شرک ہے۔ سو مشرکوں کی اطاعت وفرمانبرداری بھی شرک ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ بہرکیف۔ ﴿وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ﴾ -کے اس ارشاد سے اہلِ ایمان کو تنبیہ فرما دی گئی ہے کہ ان لوگوں کی بات کبھی نہ ماننا۔ اور اگر کہیں تم نے ان کے شور وغوغا سے متاثر ہو کر ان کی بات مان لی تو یقیناً اس صورت میں تم مشرک ہو جاؤ گے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۲۳۶ کفر وشرک موت ہے اور کافر ومشرک مردہ: -سو ارشاد فرمایا گیا بھلا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندگی بخش دی۔ یعنی وہ کفر وباطل کی موت میں پڑا تھا اور طرح طرح کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ سو کفر وشرک موت ہے اور کافر ومشرک انسان مردہ اگرچہ دنیا ان کو زندہ کہتی ہو اور وہ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتے ہوں۔ سو اس آیتِ کریمہ میں موت سے مراد کفر کی زندگی ہے اور حیات سے مراد ایمان کی زندگی۔ اور نور سے مراد ایمان ویقین کا نور ہے۔ سو کوئی مانے یا نہ مانے، تسلیم کرے یا نہ کرے، حق اور حقیقت بہرحال یہی ہے کہ کفر موت ہے اور ایمان زندگی۔ کفر اندھیرا ہے اور ایمان روشنی اور کافر مردہ ہے اور مومن زندہ۔ فالحمد للہ الذی شرفنا بنعمۃ الایمان – اللّٰھم فزدنا منہ و ثبتنا علیہ یا ذاالجلال والاکرام۔

۲۳۷ ایمان ویقین زندگی ہے اور مومن زندہ: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ بھلا وہ شخص جو مردہ تھا پھر اس کو ہم نے زندہ کر دیا یعنی نورِ ایمان سے نواز کر جس کے بعد وہ اس روشنی کے ساتھ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہو۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ کافر ومشرک مردہ ہے اگرچہ وہ دنیا میں کتنا ہی بڑا دانا کیوں نہ بنا ہوا ہو۔ اور مومن زندہ ہے بلکہ وہ ایک حیات آفرین زندگی سے بہرہ ور ہوتا ہے اگرچہ وہ نانِ جویں تک کا محتاج ہی کیوں نہ ہو کہ زندگی اصل میں دل ہی کی زندگی ہے۔ اور وہ بنتی اور حاصل ہوتی ہے ایمان ویقین کی قوت اور اسکے نور سے۔ بہرکیف اس ارشاد سے اہلِ ایمان اور اہلِ کفر وشرک کی زندگیوں کے فرق کو تمثیل کے ذریعے واضح فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ نے ایمان ویقین کے نور سے مشرف فرما کر زندگی بخش دی ہے اور وہ موت کے بعد زندگی سے سرفراز وبہرہ ور ہو گئے ہیں جبکہ اہلِ کفر وباطل اپنے اختیار کردہ کفر وباطل کے اندھیروں ہی میں غلطاں وپیچاں ہیں، جس کے باعث اُن کو نہ سیدھی راہ سے متعلق کوئی بات سوجھتی ہے اور نہ ہی وہ اپنے نفع ونقصان کو پہچان سکتے ہیں۔ جبکہ اہلِ ایمان اپنے ایمان ویقین کی روشنی سے سرفراز ہو کر حق وہدایت کی سیدھی راہ پر چل رہے ہیں اور وہ اپنے نفع ونقصان سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ اور ان کے دل ایمان ویقین کے نور سے منور ہیں۔ والحمد للہ جل وعلا۔

كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ط

کیا وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو پڑا ہوا ہے (دبیز) اندھیروں میں؟ ف۲۳۸ کہ وہ ان سے نکلنے ہی نہ پاتا ہو،

كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ

اسی طرح خوشنما بنا دیئے گئے کافروں کے لئے ان کے وہ کام جو وہ کرتے رہے ہیں، ف۲۳۹ اور اسی طرح (جس طرح کہ مکہ کے یہ

جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ط

جرائم پیشہ سردار ہیں) ہم نے مقرر کر دئے ہر بستی میں وہاں کے بڑے مجرم، ف۲۴۰ تاکہ وہ اس میں اپنے مکر (وفریب) کی

۲۳۸ کفر و باطل اندھیرا ہی اندھیرا ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس کو ہم نے ایک عظیم الشان روشنی کے ساتھ نوازا ہو جس کے ساتھ اس کے اجالے میں وہ چلتا ہو لوگوں کے درمیان۔ کیا وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو [تہ در تہ] اندھیروں میں پڑا ہو اور اس طور پر کہ وہ ان سے نکلنے ہی نہ پاتا ہو؟ اور استفہام یہاں پر ظاہر ہے انکار کے لیے ہے۔ یعنی یہ ایک کھلی اور واضح حقیقت ہے کہ ایسے دونوں شخصوں کے باہم برابر ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوسکتا کہ ایک اجالا در اجالا کے اندر ہے اور دوسرا تہ در تہ اندھیروں کے اندر۔ سو نورِ ایمان سے محروم لوگ کفر و باطل کے اُن مہیب اور گھٹا ٹوپ اندھیروں میں پڑے ہیں جو ان ظاہری اور حسی اندھیروں سے کہیں بڑھ کر مہیب اور خطرناک ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ کیونکہ یہ ظاہری اور حسی اندھیرے کسی کیلئے نارِ جہنم کا باعث نہیں بنتے جبکہ کفر و باطن کے یہ معنوی اور باطل اندھیرے انسان کو دوزخ کے ہولناک گڑھے میں اتار کر چھوڑتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اور یہ جو فرمایا گیا کہ مومن اپنے اس نورِ ایمان کے ساتھ لوگوں کے درمیان چلتا ہے تو اس میں اس بارے ترغیب و تحریض کا پہلو بھی ہے کہ مومن کو لوگوں کے درمیان رہنا چاہیئے تاکہ جن کے اندر صلاحیت ہو وہ اسکے نور سے استفادہ کرسکیں اور اس طرح ان کا بھلا ہوسکے۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف اِس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ کفر و باطل اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور ایمان و یقین نور ہی نور جس سے ایمان والے مستفید و فیضیاب ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی راہ دکھاتے ہیں۔ تو کیا یہ دونوں گروہ باہم ایک برابر ہوسکتے ہیں؟ سو ان دونوں کو اگر باہم ایک برابر مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ روشنی اور اندھیرا دونوں ایک برابر ہوگئے جو کہ عقل و فطرت کے خلاف اور بداہت کے منافی ہے۔ سو کفر و باطل اور ایمان و یقین کبھی باہم برابر نہیں ہوسکتے۔ ایمان و یقین کی راہ دائمی اور سدا بہار کامیابی کی راہ ہے اور کفر و انکار ہمیشہ کی محرومی کی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۳۹ بُرے اعمال کی تزیین ایک نقد سزا۔ والعیاذُ باللہ:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ کفر و باطل کی ایک نقد سزا یہ ہے کہ ان لوگوں کے لیے ان کے بُرے اعمال کو خوشنما بنا دیا جاتا ہے جس سے ایسے لوگ اپنے ان ہی بُرے اعمال کو اچھا سمجھنے لگتے ہیں سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی طرح خوشنما بنا دیا جاتا ہے کافروں کے لیے ان کے ان اعمال کو جو وہ کرتے رہے ہیں۔ جس کے باعث حق و ہدایت کے نورِ مبین کے مقابلے میں کفر و باطل کے اُن سیاہ

اندھیروں میں ڈوبے اپنے انجام سے غافل و بےفکر دائمی عذاب اور ہولناک تباہی کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- سو اِس اِرشادِ عالی میں خداوندِ قدوس کی ایک سنت اور اسکے دستور کو بیان فرمایا گیا ہے جو اس کائنات میں جاری و ساری ہے کہ جو کوئی جس رویئے کو اپناتا ہے اسکو اسی کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ اور اسی کو اسکی نگاہوں میں خوشنما بنا دیا جاتا ہے۔ جس سے وہ اسی کو اچھا سمجھنے لگتا ہے اور اس کو چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔ اور اِس طرح وہ اپنی اختیار کردہ غلط روش پر اور پکا اور راہِ حق سے اور دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ سو یہ اہلِ کفر و باطل کے لیے ایک نقد سزا ہوتی ہے جو ان لوگوں کو ان کے اعمال کی پاداش میں دی جاتی ہے- والعیاذ باللہ العظیم-

۲۲۰ ایک اور سنتِ کونیہ اور دستورِ خداوندی کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی طرح ہم نے مقرر کر دیے ہر بستی میں وہاں کے بڑے مجرم تاکہ وہ وہاں پر اپنے مکر و فریب کی کارروائیاں کریں۔ یعنی ان کو اس کی چھوٹ دی گئی۔ سو ہر بستی میں بڑے مجرموں کا پایا جانا قدرت کا ایک اور دستور اور سنت کونیہ ہے۔ پس ہر بستی میں بڑے مجرموں کا پایا جانا قدرت کا ایک قدیم دستور اور اس کی سنت ہے جو اس کائنات میں کارفرما ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان مجرموں کو ہم نے ڈھیل دیئے رکھی تاکہ اس سے ایک طرف تو ان کا پیمانہ جرم لبریز ہوتا رہے اور دوسری طرف اہلِ حق کی اِبتلاء و آزمائش کے تقاضے بھی تکمیل پذیر ہوں۔ اِن کے درجات بلند ہوں اور اِن کے جواہرِ فطرت مزید از مزید نکھر کر سامنے آ سکیں۔ سو ہماری مشیت اسی طرح کی حکمتوں کے باعث بہرحال یہی رہی۔ اور ہمارا یہی قانون و نظام اور دستور اس عالمِ ہست و بود میں سائد و رائج رہا کہ ہر بستی اور ہر قوم کے مجرم لوگوں کو ایسے ہی ڈھیل ملتی رہے۔ سو یہی مطلب ہے ﴿جَعَلْنَا﴾ کا۔ یعنی "ہماری سنت اور ہمارا دستور ہمیشہ یہی رہا"۔ سو شیاطینِ جن و انس آج جو اس دعوتِ حق اور اہلِ حق کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں تو یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں۔ بلکہ ایسا ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ جس بستی میں بھی دعوتِ حق بلند ہوئی تو وہاں کے اہلِ باطل کے گرو اور وہاں کے بڑے مجرم جن کے مفادات باطل سے وابستہ تھے وہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور وہ اپنے طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے کام لینے لگے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت و دستور کے مطابق ان کو ایک خاص وقت تک ڈھیل دی تاکہ جو کمائی وہ کرنا چاہتے ہیں کر لیں۔ اور آخرکار وہ اپنے انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں۔ سو اس سنت کونیہ کے ذکر و بیان میں جہاں ایک طرف اہلِ حق کے لیے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے کہ اہلِ باطل کے ساتھ تصادم و ٹکراؤ کا یہ سلسلہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ ایسا ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے اور دوسری طرف اس میں اہلِ کفر و باطل کے لیے تنبیہ و تحذیر ہے کہ اگر وہ باز نہ آئے تو ان کا انجام بڑا ہی ہولناک ہے۔ جیسا کہ یہودیوں اور دوسرے منکرین کا ہو چکا کہ اللہ کا قانون بے لاگ اور سب کے لیے یکساں ہے اور ان کو جو ڈھیل ملی ہوئی ہے وہ بہرحال ڈھیل ہے جس نے بہرحال ختم ہو جانا ہے- والعیاذ باللہ-

وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا

کارروائیاں کرتے رہیں، حالانکہ (حقیقت میں) یہ مکروفریب وہ اپنی ہی جانوں سے کرتے ہیں، مگر وہ شعور نہیں رکھتے ۲۴۱ اور جب

جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ

آ پہنچتی ہے ان کے پاس کوئی نشانی، تو یہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہ مانیں گے یہاں تک کہ ہمیں بھی وہی کچھ نہ دیا جائے جو کہ

اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ط

دیا گیا اللہ کے رسولوں کو، ۲۴۲ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کس سے کام لے اپنی رسالت (و پیغمبری) کا، ۲۴۳

وقف لازم — وقف منزل

۲۴۱ مجرموں کا مکروفریب خود انہی کے خلاف:- کہ اس کا وبال انہی پر پڑے گا اور اس کا بھگتان خود انہی کو بھگتنا ہوگا۔ ورنہ حق کا اس سے بہرحال کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا قانون اور دستور جو اس کی اس کائنات میں سائد ورائج اور کارفرما ہے وہ یہی ہے کہ بری چالیں چلنے والوں کے مکروفریب کا اثر خود انہی پر پڑے گا اور اس دنیا میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی جو اس دنیا کے بعد آئے گا، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ﴾ الآیۃ (فاطر: ۴۳)۔ مگر اللہ پاک چونکہ فوراً پکڑتا نہیں بلکہ ڈھیل پر ڈھیل دیتا جاتا ہے کہ ابتلاء وآزمائش کا تقاضا یہی ہے۔ اس لیے ایسے لوگ اس سے دھوکے میں پڑ جاتے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ اس طرح وہ اپنے ہی خسارے اور اس میں اضافے کا سامان کرتے ہیں اور اس احساسِ زیاں کا فقدان ایک اور بڑا خسارہ ہے جس سے یہ لوگ دوچار ہوتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۲۴۲ منکرین کا ایک بیہودہ مطالبہ:- جو ان کے استکبار پر مبنی تھا کہ ہمیں بھی وہی کچھ دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا۔ یعنی معجزات اور وحی۔ سو جن معجزات سے پیغمبروں کو نوازا گیا وہ ہمیں بھی دیئے جائیں اور جو وحی ان پر آئی وہ ہم پر بھی آنی چاہیئے اور وہ معجزات ہمیں بھی ملنے چاہئیں۔ سو اس طرح یہ لوگ بڑے گھمنڈ میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھ لیا ﴿لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا﴾ (الفرقان: ۲۱) سو اپنی بڑائی کا زعم اور گھمنڈ ہلاکت ومحرومی کی جڑ بنیاد ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ نفس وشیطان کے ہر شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۲۴۳ نبوت ورسالت کا شرف کسبی نہیں وہبی ہوتا ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت [وپیغمبری] کا کام کس سے لے۔ سو شرف نبوت ورسالت براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمایا جاتا ہے کہ وہی خوب جانتا ہے کہ کون اس شرف ومنصب کے لائق ہے۔ اسی لئے اس نے خاتم الرسالات کے لئے خاتم الانبیاء حضرت محمد۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کو منتخب فرمایا۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ نبوت ورسالت کا منصب کسبی اور خود اختیاری نہیں بلکہ یہ وہبی اور محض اللہ پاک کی عطاء وبخشش ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو کوئی انسان اس کو اپنی طلب وتلاش اور محنت ومشقت سے نہیں حاصل کر سکتا۔ بلکہ جن حضرات کو اس سے نوازا گیا ان کو اس سے سرفرازی سے قبل اس کا خیال تک بھی نہ تھا کہ ان کو اس منصب سے سرفراز فرمایا جائے گا۔ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی جانتا ہے کہ یہ تاج کس کے سر پر رکھا جائے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ پس اس بارے ان لوگوں کا اعتراض کرنا محض اُن کی جہالت اور سفاہت وحماقت ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ

عنقریب ہی پہنچ کر رہے گی مجرموں کو اللہ کے یہاں ایک بڑی ذلت، اور بڑا سخت

شَدِيْدٌ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ

عذاب ان کی ان مکاریوں کی پاداش میں جن سے وہ کام لیتے رہے، ۲۴۴ پس (ظاہر ہو گیا کہ) جسے

يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ

اللہ ہدایت بخشنا چاہتا ہے ۲۴۵ اس کا سینہ کھول دیتا ہے اسلام کے لئے، ۲۴۶ اور جس کو وہ گمراہی (کے اندھیروں)

۲۴۴ کبر وغرور کا نتیجہ ذلت و رسوائی کا عذاب — وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ :۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ عنقریب ہی پہنچ کر رہے گی مجرموں کو اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک بڑی ذلت اور بڑا سخت عذاب۔ ان کی ان مکاریوں کی پاداش میں جن سے یہ لوگ کام لیتے رہے۔ سو ایسے لوگوں کے لیے بڑی ذلت اور خواری مقدر ہے کہ انہوں نے اپنے کبر وغرور ہی کی بناء پر قبولِ حق سے اعراض و انکار کیا تھا۔ اس لئے اُن کو سزا بھی ایسی ہی دی گئی۔ فَاِنَّ الْجَزَآءَ مِنْ جِنْسِ الْعَمَلِ۔ یعنی "جزا جنسِ عمل ہی سے ہوتی ہے"۔ سو "اجرموا" میں اگرچہ ان کے سب ہی جرائم اور جملہ چالبازیاں داخل اور شامل ہیں جن کا ارتکاب ان لوگوں نے کیا، لیکن یہاں پر اس کا سب سے بڑا مصداق ان کا وہ جرم استکبار ہی ہے جس کی بناء پر انہوں نے حق سے منہ موڑا اور اپنے کبر وغرور کا غماز و آئینہ دار وہ مطالبہ کیا جس کا ذکر ابھی اوپر کیا گیا کہ ہم کو بھی وہی کچھ کیوں نہیں دیا گیا جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۴۵ ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں :۔سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ نورِ حق وہدایت اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور ہدایت کی دولت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ملتی ہے سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس کو اللہ ہدایت سے نوازنا چاہتا ہے اس کا سینہ کھول دیتا ہے اسلام کے لیے۔ سو وہی جس کو چاہتا ہے حق وہدایت کی دولت سے نوازتا ہے۔ اس کی سلامتیٔ فطرت اور طلبِ صادق کی بناء پر۔ سو ہدایت کی دولت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اور اسی کی عطاء و بخشش سے مل سکتی ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق ان کے باطن اور اسکی طلبِ صادق سے ہے جسکو اللہ ہی جان سکتا ہے۔ پر نورِ حق وہدایت سے سرفرازی کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے باطن کی دنیا کو درست اور اپنے خالق و مالک کے ساتھ اپنا تعلق صحیح رکھے۔ وَبِاللّٰهِ التوفيق لِمَا يُحِبُّ وَ يُرِيْدُ وعلٰى ما يحب ويريد وَ هُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔

۲۴۶ شرحِ صدر کی دولت اور اُسکے آثار وثمرات :۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس کو اللہ ہدایت سے نوازنا چاہتا ہے اس کا سینہ کھول دیتا ہے اسلام کے لیے۔ سو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے جس سے اس کو دینِ حق کے قبول کرنے کی توفیق و سعادت نصیب ہوتی ہے اور اُس کے دل کو سکون و اطمینان کی دولت ملتی ہے۔ حضورؐ سے جب اس کی علامت و نشانی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "دار الخلود" یعنی آخرت کی طرف انابت و رجوع اور "دار الغرور" "دھوکے کے گھر" یعنی دنیا سے دوری و بے رغبتی اور موت کے لئے تیاری اس کے آنے سے پہلے "اَلْاِنَابَةُ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ وَالتَّجَافِيْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ" (روح، طبری، ابن کثیر وغیرہ)۔ سو دینِ حق کیلئے شرح صدر کی دولت قدرت کی ایک عظیم الشان نعمت ہے، جس سے اس کے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید۔

يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ

میں ڈالنا چاہتا ہے، ۲۴۷ تو اس کے سینے کو تنگ (اور) بہت تنگ کر دیتا ہے ۲۴۸ گویا کہ اسے بزور آسمان پر

فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ

چڑھنا پڑ رہا ہے، اسی طرح اللہ پھٹکار ڈال دیتا ہے ان لوگوں پر

۲۴۷ اللہ تعالیٰ کے کسی کو گمراہ کر دینے کا معنیٰ و مطلب؟: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس کو اللہ گمراہی میں ڈالنا چاہتا ہے تو اس کا سینہ تنگ اور بہت تنگ کر دیتا ہے۔ سو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے بد باطن شخص کو گمراہی میں ڈال دیتا ہے اس کی اپنی بدنیتی اور بد باطنی کی بناء پر۔ ورنہ اللہ پاک۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ کسی کو گمراہ نہیں کرتا کہ اُس کی شان اور اُس کا کام گمراہ کرنا نہیں بلکہ حق و ہدایت کے نور اور اسکی دولت سے نوازنا ہے۔ اسی لئے اُس کے اَسمائے حسنیٰ میں "اَلْهَادِي" تو ہے لیکن "اَلْمُضِلّ" کوئی نام نہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اسکے گمراہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی بدبختی اور بد باطنی کی بناء پر حق و ہدایت کی دولت چاہتے ہی نہیں اُن کو اس سے محروم کر دیا جاتا ہے کہ یہ اُس کا قانون و دستور ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو ہدایت کی دولت جو سب سے بڑی دولت ہے وہ ملتی اس واہبِ مطلق کی طرف سے بالکل مفت ہے لیکن ملتی انہی کو ہے جو اپنے اندر اس کے لئے طلب و تڑپ رکھتے ہیں کہ یہ سودا جبر و اکراہ کا نہیں بلکہ طلب و اختیار کا ہے۔ سو جو نہیں چاہیں گے اُن کو زبردستی ان پر مڑھ نہیں دیا جاتا بلکہ ایسوں کو اُس سے محروم کر دیا جاتا ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا ﴿اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ﴾ (ہود: ۲۸)۔ یعنی ایسے نہیں ہوسکتا کہ تم لوگ ہدایت نہ چاہو اور ہم اس کو تم لوگوں سے چپکا دیں۔

۲۴۸ نورِ حق سے محرومی کا نتیجہ ضیقِ صدر [سینے کی گھٹن]: ۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ایسے بد باطن شخص کا سینہ تنگ اور سخت تنگ کر دیتا ہے۔ جس سے اُس کے دل و دماغ کے منافذ حق و ہدایت کے نورِ مبین سے بند اور اُس کو قبول کرنے کے شرف سے محروم ہو جاتے ہیں، جو کہ سب سے بڑا نقصان اور خسرانِ مبین ہے۔ اور یہ سب کچھ اُن کے اپنے خبثِ باطن اور سوءِ اختیار کی بناء پر ہوتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ "حَرَج" اصل میں جھاڑیوں سے بھری ہوئی تنگ جگہ کو کہا جاتا ہے۔ یہاں پر یہ لفظ ضیق کی تاکید مزید کے طور پر آیا ہے اور تَصعد و تکلف اور مشقت کے ساتھ کسی بلندی پر چڑھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور "سماء" کا لفظ جس طرح آسمان اور بادلوں کے لئے آتا ہے، اسی طرح یہ فضا اور اُس کی بلندی کے لئے بھی آتا ہے۔ سو اس سے ایسے لوگوں کی ایمان سے محرومی کی تصویر پیش فرما دی گئی کہ اپنی بدنیتی اور خبثِ باطن کی بناء پر ایسے لوگوں کے لئے ایمان لانا ایسا اور اتنا مشکل ہو جاتا ہے اور یہ ایمان کی توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ سو انسان کے صلاح و فساد کا اصل تعلق اس کے اپنے قلب و باطن سے ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٥﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ

جو ایمان نہیں لاتے، ف۲۴۹ اور یہ (دینِ حق یعنی اسلام ہی) ہے تیرے رب تک پہنچنے کا سیدھا راستہ، ف۲۵۰ بے شک ہم نے کھول

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ لَهُمْ دَارُ

کر بیان کر دیں اپنی آیتیں ان لوگوں کے لئے جو نصیحت قبول کرتے ہیں ان کے لئے سلامتی کا وہ (عظیم الشان اور بے

۲۴۹ بے ایمانی جڑ بنیاد ہے تمام شر و فساد کی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی طرح پھٹکار ڈال دیتا ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ دولتِ ایمان و یقین سے محرومی جڑ بنیاد ہے تمام شر و فساد کی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اور ایمان و یقین اصل و اساس ہے ہر خوبی و کمال کی۔ اَللّٰهُمَّ زِدْنَا مِنْهُ بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ سو نورِ ایمان و یقین سے محروم انسان کو حق و ہدایت کی دعوت کو قبول کرنا ایسے ہی مشکل لگتا اور اس پر یہ امر ایسا شاق گزرتا ہے جیسے اسکو آسمان پر چڑھنا پڑ رہا ہو۔ اور اَہواء و اَغراض کی دلدل میں پھنسے اور کفر و باطل کے اندھیروں میں اُلجھے اور ڈوبے انسان کا ایسا ہونا ایک طبعی اور بدیہی امر ہے۔ والعیاذ باللہ۔ نیز اس تمثیل سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ایمان و یقین کے نور سے سرفرازی کی دعوت دراصل عزت و عظمت کے آسمان تک پہنچنے کی دعوت ہے اور اس سے اِعراض و روگردانی محرومی کے اندھیروں میں ڈوبنے اور زمین کی پستیوں میں گرنے کے مترادف ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو جو لوگ اپنی بدنیتی اور خبثِ باطن کی بناء پر ایمان لانا چاہتے ہی نہیں وہ قبولِ حق کی توفیق سے اسی طرح محروم ہو جاتے ہیں اور ان کے لئے ایمان لانا ایسا ہی مشکل اور اتنا ہی شاق ہو جاتا ہے اور اُن کے دلوں پر کفر و شرک اور باطل پرستی کی نجاست کے ردے پر ردے لگ جاتے ہیں۔ سو انسان کے بناؤ بگاڑ اور اُس کے صلاح و فساد کا مدار و انحصار دراصل اُس کے اپنے قلب و باطن اور نیت و ارادے پر ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وعلی ما یحب و یرید وھو الهادی الی سواء السبیل۔

۲۵۰ دینِ حق ہی رب تک پہنچنے کا سیدھا اور صحیح راستہ ہے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ ہے تمہارے رب تک پہنچنے کا سیدھا راستہ جو انسان کو مشرف کرتا ہے دارَین کی سعادتوں اور حقیقی فوز و فلاح سے۔ جبکہ اس کے سوا ہر راستہ ہلاکت و تباہی کے ابدی اور ہولناک گڑھے میں ڈالنے والا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اس لیے اسلام کے سوا دوسرا کوئی دین اس وحدہ لاشریک کے یہاں شرفِ قبولیت نہیں پا سکتا۔ اور ایسے تمام لوگ جو اسلام کے سوا دوسرا کوئی بھی دین اپنائے ہوئے ہیں وہ سراسر خسارے میں ہیں۔ آج ایسے لوگوں کو یہ حقیقت سمجھ نہیں آ رہی لیکن کل قیامت میں جب سب پردے چھٹ جائیں گے اور حقیقت حال پوری طرح آشکارا و عیاں ہو جائے گی تو اُن کو خود معلوم ہو جائے گا، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾۔ (آل عمران: ۸۵) یعنی "جس نے اسلام کے سوا کسی اور دین کو اپنایا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص یقیناً آخرت میں سخت خسارے والے لوگوں میں سے ہو گا۔ بہر کیف آپ کے رب تک پہنچنے کا راستہ یہی ہے یعنی دین اسلام جو کہ عقل و فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے اور ان میں کوئی کجی اور ٹیڑھ نہیں۔ اور یہی صحت و سلامتی کا راستہ ہے۔ و باللہ التوفیق۔

السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

مثال) گھر ہے ۲۵۱ ان کے رب کے یہاں، اور وہی ان کا کارساز (ومددگار) ہے ان کے ان کاموں کے باعث جو وہ

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ج يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ

کرتے رہے تھے (زندگی بھر)، اور جس دن وہ اکٹھا کرلائے گا ان سب کو تو (جنوں سے خطاب کرکے) فرمائے گا،

مِّنَ الْاِنْسِ ج وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا

اے جنوں کے گروہ، تم نے بہت سے آدمیوں کو اپنے تابع بنالیا تھا اور (اسی طرح جب انسانوں سے سوال ہوگا تو) ان

اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ

کے دوست انسانوں میں سے (اس موقع پر اپنے جرم کا اقرار کرتے ہوئے) کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے فائدہ

اَجَّلْتَ لَنَا ط قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا

اٹھایا ایک دوسرے سے، ۲۵۲ اور (ہم انکار کرتے رہے حق اور حقیقت کا) یہاں تک کہ ہم پہنچ گئے اپنے اس وقت کو جو کہ آپ

۲۵۱ **ایمان والوں کے لیے دار السلام سے سرفرازی کی خوشخبری:** -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حق کو ماننے اور اپنانے والوں کیلئے دار السلام کی خوشخبری ہے۔ یعنی سلامتی کے اس گھر سے سرفرازی کی جہاں ہر طرح کی اور ہر طرف سلامتی ہی سلامتی کا دور دورہ ہو گا۔ جہاں-﴿ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴾-کی صدائیں ہوں گی جہاں-﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾- کا شرفِ عظیم اور اعزاز بے مثل نصیب ہوگا۔ جہاں فرشتوں کی نوری مخلوق کی طرف سے-﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ ﴾-کے کلماتِ کریمہ سے استقبال کیا جائے گا- مالک الملک اپنے کرم سے اُس گھر میں داخل ہونا نصیب فرما دے اِس بندہ ناچیز کو بھی، اِس کے والدین مرحومین کو بھی، اسکی بیوی بچوں، بہنوں، بھائیوں اور دوسرے تمام رشتہ داروں اور تعلق داروں کو بھی- آمین ثم آمین- یا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ - فَمَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِنَا وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰى عِنْدَنَا مِنْ اَعْمَالِنَا يَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ -سو نصیحت کو ماننے اور حق کو قبول کرنے والوں کیلئے ایسی عظیم الشان بشارت اور دار السلام (سلامتی والے گھر) سے مشرف ہونے کے اِس مُژدۂ جانفزا کا انعام ہے۔ پس قولِ حق و ہدایت کو سننا اور ماننا دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کی

اصل اور اساس ہے۔ اور اِس سے اِعراض و اِنکار محرومیوں کی محرومی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - بہرکیف اِس اِرشاد سے اُن خوش نصیبوں کا صلہ و بدلہ بیان فرما دیا گیا جن کے سینے اللہ تعالیٰ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور وہ صدقِ دل اور سچی نیت سے اس کو اپناتے ہیں۔ سو فرمایا گیا کہ ان کے لئے سلامتی کا وہ گھر ہوگا جس میں ان کو ہر طرح کا سکھ اور چین نصیب ہوگا اور ان کا ساتھی اللہ ہوگا، جبکہ معاندین و منکرین کے لئے ذلت کا گھر ہوگا اور ان کے ساتھی وہ شیاطینِ انس و جن ہوں گے جن کے اِلقائے شیطانی کی بناء پر یہ گمراہ ہوئے تھے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ العظيم -

۲۵۲ جنوں اور انسانوں کے اقرار و اعترافِ جرم کا ذکر و بیان: - سو اس سے جنوں اور انسانوں کے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانے کے اقرار و اعتراف کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو اس طرح حشر میں انسانوں کے جنوں سے اور جنوں کے انسانوں سے فائدے اٹھانے کے جرم کا اِعتراف و اِقرار برملا کیا جائے گا اور یہ دونوں فریق کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم دنیا میں ایک دوسرے سے طرح طرح کے فائدے اٹھاتے رہے۔ سو جنوں نے انسانوں سے اپنی سرداری اور کھڑ پنچی منوائی۔ اور انسانوں نے جنوں کے نام پر طرح طرح کے کاروبار چلائے۔ سادہ لوح لوگوں سے مال ہتھیائے اور دوسرے طرح طرح کے فائدے اٹھائے اور مفاد حاصل کئے۔ جیسا کہ پہلے بھی ہوتا رہا اور آج بھی جگہ جگہ اور طرح طرح سے ہو رہا ہے۔ اور تسخیر جنات کے نام و عنوان سے طرح طرح کے فوائد و منافع حاصل کیے جا رہے ہیں۔ سو اِرشاد فرمایا گیا کہ انسانوں میں سے جو لوگ اِن شیاطینِ جن کے ساتھی بنے رہے ہوں گے وہ اس پر بولیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے دنیا میں ایک دوسرے کی معیت اور رفاقت سے بڑے بڑے فائدے حاصل کئے، یہاں تک کہ ہم اس یوم الحساب کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر فرما رکھا تھا۔ ہم اپنے اِسی کاروبارِ شرک و گمراہی میں لگے رہے۔ ہم ان کے آلۂ کار بنے اور اِن کی پوجا کی۔ ان کے تھانوں پر نذریں نیازیں دیں۔ قربانیاں پیش کیں اور ان کے کہنے پر ہم نے حلال کو حرام کیا اور حرام کو حلال بنایا۔ اسی طرح ہمارے کاہنوں، ساحروں اور سیانوں نے ان کو اپنے مقاصدِ مزعومہ کے لئے طرح طرح سے استعمال کیا۔ یہاں تک کہ جزاء و سزا کا یہ دن آ پہنچا اور ہم کو اپنے ایسے اعمال کے انجام پر غور کرنے کی توفیق نہ ملی۔ سو اِس طرح وہ اپنے جرم و قصور کا اس دن صاف طور پر اِعلان و اِقرار اور اِعتراف کریں گے، مگر بے وقت کے اِس اِعتراف و اِقرار کا اِن کو کوئی فائدہ بہرحال نہ ہوگا بجز اِس کے کہ اِس سے اُن کی ندامت اور افسوس میں اِضافہ ہو - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اللہ ہمیشہ صراطِ مستقیم پر قائم رکھے اور نفس و شیطان کے ہر شر سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین۔

مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ

نے مقرر فرما رکھا تھا ہمارے لئے، تب اللہ فرمائے گا سو اب (جہنم کی) یہ آگ ٹھکانا ہے تم سب کا، ۲۵۳ جس میں تمہیں رہنا

نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵ ۲

ہوگا ہمیشہ کے لئے، مگر جو اللہ چاہے، بے شک تمہارا رب بڑا ہی حکمت والا، نہایت علم والا ہے، اور اسی طرح ہم مسلط

۲۵۳ منکروں کا ٹھکانا دوزخ کی آگ - والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تب اللہ ان سے فرمائے گا کہ اب جہنم کی یہ آگ ٹھکانا ہے تم سب کا جس میں تم لوگوں کو ہمیشہ کے لیے رہنا ہوگا۔ مگر جو اللہ چاہے۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ منکرین و مکذبین کیلئے دوزخ کی دائمی بھڑکتی آگ ہی ٹھکانا ہوگی - والعیاذ باللہ- اِنکار اور تکذیبِ حق کے اِس جرمِ عظیم کی بناء پر جس کا اِرتکاب تم سب نے کیا اور زندگی بھر کفر و اِنکار کی اُسی راہ پر تم لوگ اڑے اور جے رہے۔ یہاں تک کہ حیاتِ دنیا کی فرصتِ محدود و معدود تمہارے ہاتھ سے نکل گئی اور تم کو دنیا کے ''دار الفرار'' سے آخرت کے اُس ''دار القرار'' کی طرف کوچ کرنا پڑا۔ اور اِس حال میں کہ اب ایمان اور عملِ صالح کی کمائی کا کوئی موقع تمہارے لیے ممکن نہیں۔ اس سے اب تم سب کو ہمیشہ ہمیش کیلئے دوزخ کی اس دہکتی بھڑکتی آگ میں ہی رہنا ہوگا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - یہاں پر بلاغتِ کلام کا یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ شیاطینِ انس تو یہ بات اپنے جرم کے اِعتراف و اِقرار کے طور پر اِظہارِ ندامت کے لئے کہیں گے اور یہ تمہید باندھ کر وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کرنا چاہیں گے۔ لیکن اُسلوبِ کلام یہ شہادت دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِن کی بات کو پورا ہونے سے پہلے ہی کاٹ دے گا اور اُن کو کسی معذرت اور درخواست معافی کا موقع دیئے بغیر ہی ان کے لئے اپنا فیصلہ سنا دیگا کہ اب تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے جس میں تم کو ہمیشہ رہنا ہوگا۔ لہٰذا اب تم لوگ باتیں بنانے اور عذر و معذرت پیش کرنے کی کوشش نہ کرو کہ اب اس کی نہ کوئی گنجائش ہے اور نہ کوئی موقع کہ اب معافی، معذرت اور توبہ و اِصلاح کا وقت گزر چکا اور اِس کے سب دروازے بند ہو گئے۔ اب تمہارا دائمی ٹھکانا دوزخ کی یہ آگ ہے - والعیاذ باللہ العظیم-

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ

کر دیتے ہیں بعض ظالموں کو بعض پر، ۲۵۴ بوجہ ان کی اس کمائی کے جو وہ کرتے ہیں، (نیز اللہ فرمائے گا کہ) اے گروہ جن وانس (تم

یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ وَیُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ

کیسے پھنس گئے مکاروں کے جال میں؟) کیا تمہارے پاس نہیں آئے تھے ہمارے رسول خود تم ہی لوگوں میں سے؟ ۲۵۵ جو تم کو سناتے

هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰۤی اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ

میری آیتیں، اور خبردار کرتے تم کو اپنے اس (ہولناک) دن سے؟ وہ کہیں گے ہاں ہم خود گواہی دیتے ہیں اپنے خلاف، اور آج

الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَشَهِدُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا

ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے دنیا کی زندگی نے، مگر اس روز وہ خود اپنے خلاف دوٹوک گواہی دیں گے کہ وہ قطعی طور پر کافر تھے، ۲۵۶

۲۵۴ **دفعِ ظلم کے لیے قانون و دستورِ خداوندی کا ذکر:** - سو اس سے ظالموں کے ظالموں پر مسلط کرنے کے قانون و دستورِ خداوندی کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم اِسی طرح مسلط کر دیتے ہیں بعض ظالموں کو بعض پر۔ تاکہ اُن کو اُن کے مظالم کا کسی حد تک مزہ چکھایا جا سکے اور دنیا کو اُن کے مظالم سے رہائی مل سکے۔ اور کافر کا دوست کافر اور مومن کا دوست مومن کہ جنس اپنی جنس ہی کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اسی لئے کافر کافر کا دوست ہوتا ہے اور مومن مومن کا، وہ جہاں کہیں بھی ہو۔ اسی طرح ظالم ایک دوسرے کے ساتھ لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ سب جا کر دوزخ میں گریں گے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - اور جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جیسے تم خود ہوؤ گے اسی طرح کے تم پر والی اور حکمران بھی مسلط کر دئے جائیں گے "كَمَا تَكُوْنُوْنَ یُوَلّٰی عَلَیْكُمْ" (تفسیر القاسمیؒ وغیرہ)۔ سو جب لوگ برے ہوتے ہیں تو اُن پر حاکم بھی برے مسلط کر دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ابواللیث سمرقندیؒ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں "نُسَلِّطُ بَعْضَ الظَّالِمِیْنَ بَعْضًا فَیُهْلِكُهٗ اَوْ یُذِلُّهٗ" یعنی "ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں پھر وہ اسکو یا ہلاک کر دیتا ہے یا ذلت کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے" - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ - ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے ناراض ہوتا ہے تو برے اور ظالم لوگوں کو اُن پر مسلط کر دیتا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ - اور جب وہ اُن سے راضی ہوتا ہے تو اُن کے معاملات اچھے اور نیک لوگوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ اور حضرتِ مالک بن دینارؒ کہتے ہیں "میں نے حکمت کی بعض کتابوں میں پڑھا کہ اللہ پاک - سبحانہٗ وتعالیٰ - فرماتا ہے کہ "میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں۔ تمام بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں۔ پس جن لوگوں نے میری اِطاعت وفرمانبرداری کی ان پر میں ان کے بادشاہوں کو رحمت کا ذریعہ بنا

دیتا ہوں۔ اور جنہوں نے میری نافرمانی کی ان پر میں ان کو عذاب کا کوڑا بنا دیتا ہوں'' - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - اسی لئے امام قرطبی اِس آیتِ کریمہ کے بارے میں اِرشاد فرماتے ہیں کہ اس میں ظالموں کیلئے بڑی تنبیہ اور تہدید ہے کہ اگر وہ باز نہ آئے تو ان پر ایسے ہی دوسروں کو مسلط کر دیا جائے گا جو ان سے ان کے ظلم کا حساب لیں گے۔ (القرطبی، الروح، ابنِ کثیر، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر، جامع البیان اور خازن وغیرہ)۔ اور ظالم پر دوسروں کو مسلط کرنے کی یہ سنتِ الٰہی اس کارخانہء ہست و بود میں ہمیشہ کارفرما رہی اور آج تک کارفرما ہے، مگر غفلت کی ماری دنیا ہے کہ پھر بھی آنکھ نہیں کھولتی اور اس سے سبق نہیں لیتی۔ خود ہمارے ملک کی تاریخ میں اسکی کتنی ہی مثالیں گزری ہیں اور اس وقت بھی جبکہ راقمِ آثم اِن سطور کی پروف ریڈنگ کر رہا ہے اس کی ایک تازہ مثال سب کے سامنے موجود ہے۔ ہمارے ملک کے ایک حکمران انتخاب (اور اس میں کی گئی دھاندلی) کے ذریعے کرسیٔ اقتدار پر براجمان ہوئے تو فرعون بن گئے۔ اُن کا کہنا اور بار بار کہنا تھا کہ میں سب کو مات دیکر بھاری مینڈیٹ، کے ذریعے منتخب ہوا ہوں اور اپنی اسی فرعونی ذہنیت کی بناء پر انہوں نے اپنے صرف تین سالہ دورِ حکومت میں وہ وہ ظلم ڈھائے کہ سابقہ ظالموں کے تمام ریکارڈ بیٹ کر دیئے۔ دینی مدارس اور انکے طلبہ واساتذہ اور دیگر علمائے حقانیین کو انہوں نے طرح طرح سے ستایا اور اذیتیں پہنچائیں۔ کتنوں کو داخلِ زنداں اور پابندِ سلاسل کیا، اور کتنوں کو ظلم و عدوان کے ساتھ شہید کیا گیا، اور اپنے اقتدار کے آخری دنوں میں تو اس ٹولے نے بعض شیطانی سپر طاقتوں کے اشاروں پر اس طرح کھلم کھلا ناچنا شروع کر دیا تھا اور اہلِ حق کیخلاف وہ اس طرح ہرزہ سرائی پر اتر آئے تھے کہ اصحابِ فکر و بصیرت کو حیرانگی ہو رہی تھی کہ یہ صاحب آخر اس حد تک کیوں اور کیسے گر گئے؟ سو قدرت کی طرف سے اُن پر عذاب کا ایک ایسا کوڑا برسا کہ یکایک اور بالکل خلافِ توقع ایک ایسا انقلاب آیا کہ کسی کی نکسیر تک نہیں پھوٹی، اور وہ فرعون صفت حکمران اپنے حواریوں سمیت آج جیل کی کالی کوٹھڑی میں بند اور عدالت کے کٹہرے میں اپنے مظالم کی جوابدہی کیلئے کھڑے ہیں، اور اپنے مستقبل سے متعلق فیصلے کے انتظار میں ہیں۔ اور ایسے موڑ پر ہیں کہ جہاں زندگی اور موت کا مرحلہ درپیش ہے۔ اور اب اس کے بعد جبکہ راقمِ آثم اِن سطور کی نئی پروف ریڈنگ کر رہا ہے اِن صاحب کو عدالت نے سزائے موت کا حکم سنا دیا ہے اور تقریباً کوئی دو سال کا عرصہ جیل کی کال کوٹھڑی میں موت و حیات کی کشمکش اور انتظار میں گزارنے کے بعد بعض بیرونی ملکوں کی مداخلت اور طرح طرح کی ذلت و رسوائی اٹھانے کے بعد موصوف کو پورے خاندان سمیت ملک بدر کر دیا گیا۔ اور اب وہ اپنے ملک سے باہر جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں اور جس ملک میں وہ دندنایا کرتے تھے اور بڑے بڑے دعوے کیا کرتے تھے وہ اس میں رہنے کے حق سے بھی محروم ہو گئے۔ اور ان کے اس بھاری مینڈیٹ کی طرف سے کوئی قابلِ ذکر آواز بھی ان کے حق میں نہیں اٹھی جس کا اُن کو بڑا دعوٰی اور گھمنڈ تھا - ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً﴾ - ''بلاشبہ اس میں بڑا سامانِ عبرت ہے'' - ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ﴾ - ''بے شک تمہارے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے'' - ﴿اِنَّ اَخْذَہٗ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ﴾ - ''بے شک اسکی پکڑ بہت دردناک اور بڑی ہی سخت ہے'' - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو ہر ظالم کو چاہئے کہ وہ دوسرے ظالموں کے انجام سے درسِ عبرت لے ورنہ اس ہولناک انجام کے لئے تیار ہو جائے جو

دوسرے ظالم اس سے پہلے بھگت چکے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ العظیم من کل سوء وانحراف و زیغ وضلال -
۲۵۵ قیامت کے روز حضرات انبیاء ورسل کے بارے میں سوال:- سوارشاد فرمایا گیا کہ اُس روز جنوں اور انسانوں کے دونوں گروہوں سے سوال ہوگا کہ " کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے؟" یعنی جن وانس کے تمہارے اس مجموعے میں سے ۔ کیونکہ انبیاء ورسل انسانوں ہی میں سے آئے ہیں اور جن انہی کے تابع رہے ہیں - کما قال به جمهور العلماء من السَّلف وَالْخَلَف - ولهذا تشهد النصوص من الكتاب والسنة - (قرطبی، مراغی، ابن کثیر اور معارف وغیرہ)۔ جب کہ بعض اہلِ علم کا کہنا ہے کہ انسانوں کی طرح جنوں کے اندر بھی انہی میں سے رسولوں کو مبعوث فرمایا گیا ہے کہ حضرات انبیاء ورسل کی بعثت سے متعلق اللہ تعالیٰ کی سنت بھی یہی رہی ہے ۔ اور یہاں پر ﴿ رُسُلٌ مِّنكُمْ ﴾ کی تصریح سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے ۔ بہرکیف حشر میں جنوں اور انسانوں کے مجموعے سے حضرات انبیاء ورسل کی دعوت وتبلیغ کے بارے میں اس طرح سوال ہوگا جس سے اِن پر حجت قائم ہوگی اور اس کے نتیجے میں اِن لوگوں کو ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا - والعیاذ باللہ العظیم - سو حضرات انبیائے کرام کی دعوت پر لبیک کہنا اور اس کو اپنانا دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ہے ۔ اور اس سے اعراض وروگردانی دارین کی فوز وفلاح سے محرومی ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سوان لوگوں سے بطورِ قطع عذر اور اتمام حجت کہا جائے گا کہ " کیا تمہارے پاس ایسے رسول نہیں آئے تھے جو خود تم ہی میں سے تھے؟ اور وہ تم لوگوں کو میری آیتیں پڑھ کر سناتے تھے اور تم کو اپنے اس دن کی پیشی سے خبردار کرتے تھے؟" مگر تم نے ان کی آواز پر کان نہ دھرا ۔ سو اب تمہارے لئے کسی عذر ومعذرت کی کوئی گنجائش باقی نہیں کہ تم نے سب کچھ سن اور سمجھ لینے کے باوجود اپنی آنکھوں اور اپنے کانوں کو بند رکھا ۔ پس اَب تم اپنے کئے کرائے کا بھگتان بھگتو اور ہمیشہ کے لئے بھگتتے رہو - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ -

۲۵۶ گروہِ جن وانس کا اقرار واعتراف جرم وقصور:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے اور صاف اور دوٹوک گواہی دیں گے کہ وہ قطعی طور پر کافر تھے کہ عالمِ آخرت اصل میں کشفِ حقائق اور مشاہدہ کا عالم ہو گا ۔ اور جب وہاں پر خود اُن کے اَعضاء وجوارح تک بھی اُن کے خلاف گواہی دے چکے ہوں گے، اُن کے لئے اِنکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے گی ۔ اس لیے وہ اپنے جرم وقصور کا اس طرح اقرار واعتراف کریں گے ۔ مگر اُس وقت کے اِس اِقرار واعتراف کا اُن کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا ۔ سوائے اپنی حسرت ویاس میں اضافے کے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو اِس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآنِ حکیم کا دنیا پر کس قدر عظیم الشان اور جلیل القدر احسان ہے کہ اِن غیبی حقائق سے اس صراحت ووضاحت سے باخبر کر دیا، جن کے جاننے کا کوئی اور ذریعہ ممکن ہی نہیں ۔ اور اس قدر پیشگی حیاتِ دنیا کی اس فرصتِ عمل میں بتا دیا تاکہ جس نے سنبھلنا ہو سنبھل جائے قبل اِس سے کہ فرصتِ عمل اُسکے ہاتھ سے نکل جائے ۔ اور اسکو ہمیشہ کیلئے پچھتانا پڑے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - بہرکیف اُس روز منکر لوگ صاف اور صریح طور پر اپنے جرم وقصور کا اقرار واعتراف کرلیں گے اور خود اپنے خلاف گواہی دیں گے اور کہیں گے کہ وہ قطعی طور پر کافر تھے ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اُن کے اِس اعتراف واقرار کا ذکر اِس طرح فرمایا گیا ہے ﴿ فَاعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ فَسُحْقًا لِّأَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴾ (الملک: ۱۱) ۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ وزلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین -

كٰفِرِيْنَ ﴿١٣٠﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى

یہ (انبیاء ورسل کی بعثت کا سلسلہ) اس لئے کہ تمہارا رب ایسا نہیں کہ وہ یونہی ہلاک کردے بستیوں کو

بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿١٣١﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا

ان کے ظلم کی بنا پر، جب کہ ان کے باشندے بے خبر ہوں (اس کے احکام سے) ف٢٥٧ اور ہر کسی کے درجے ہیں ان کے

عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٢﴾ وَرَبُّكَ

اپنے کیے کے باعث، اور تیرا رب بے خبر نہیں ان کے ان کاموں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں، ف٢٥٨ اور تمہارا رب

٢٥٧ انبیاء ورسل کی بعثت عدل وانصافِ خداوندی کا تقاضا: سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ اس لیے کہ تمہارا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو یونہی ہلاک کردے ان کے ظلم کی بناء پر جبکہ ان کے باشندے بے خبر ہوں۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ تمہارا رب ایسا نہیں کہ لوگوں کو خبردار کئے بغیر یونہی سزا دے دے کہ ایسا کرنا اُس کے عدلِ کامل اور رحمتِ بے غایت کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اُس نے حضراتِ انبیائے کرام ۔علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کو مبعوث فرمایا۔ اُن پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں اور اُن کے ذریعے اپنا پیغام دنیا کو پہنچا دیا۔ تاکہ حق پوری طرح واضح ہو جائے اور حجت پوری ہو جائے۔ تاکہ کل کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں پتہ نہیں تھا۔ اور تاکہ لوگوں کیلئے اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہ سکے ﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ الآیۃ (النساء: ١٦٠)۔ یعنی "اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو خبردار کرنے والا اور خوشخبری دینے والے بنا کر بھیجا تاکہ لوگوں کیلئے اللہ کے ذمے کوئی حجت باقی نہ رہ جائے اُس کے اِن رسولوں کے بعد"۔ سو اسی ضابطہ واُصول سے متعلق یہاں پر ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو خبردار کرنے کیلئے ہر قوم کے اندر اپنے رسول بھیجے کیونکہ تمہارا رب ایسا نہیں کہ وہ کسی قوم کو اس کے کفر وشرک پر اُس کے نتائج وعواقب سے خبردار کئے بغیر یونہی ہلاک کردے کہ یہ اُس کی شانِ رحمت وربوبیت کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

٢٥٨ درجات ومراتب کا انحصار انسان کے اپنے عمل وکردار پر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہر کسی کے لیے درجے ہیں ان کے اپنے عمل وکردار کی بناء پر۔ اور تمہارا رب بے خبر نہیں ان کاموں سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ ہر کسی کے درجات ومراتب کا مدار اُسکے عمل وکردار پر ہوگا۔ جیسا کسی کا عمل ہوگا، ویسا ہی وہ اس کا صلہ اور بدلہ پائے گا۔ مدار بہرحال اپنے عقیدہ وعمل اور اَخلاق وکردار پر ہوگا نہ کہ رنگ ونسل وغیرہ کے اِن مصنوعی فوارق وامتیازات پر جو کہ اہلِ دنیا نے اَز خود گھڑ رکھے ہیں اور آخرت میں اِن درجات ومراتب کا تفاضل تو دنیا سے کہیں بڑھ کر ہوگا ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا﴾۔ (بنی اسرائیل: ٢١)۔ کوئی دوزخ کے نچلے گڑھے میں ہوگا اور کوئی اسکے کنارے پر ۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اِسی طرح کوئی جنت کے وسط میں ہوگا اور کوئی اسکے کنارے پر۔ (المراغی والمعارف وغیرہ)۔ مدار بہرکیف ہر کسی کے اپنے عمل وکردار پر ہوگا اور اللہ پاک اِن لوگوں کے اُن تمام اَعمال سے پوری طرح باخبر ہے جو یہ لوگ کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔ اس لئے اُس کے یہاں اس بناء پر اور اس سلسلے میں درجہ بندی سے متعلق کوئی دقت ودشواری یا کسی طرح کی کوئی مشکل پیش نہیں آئیگی۔ سو اس راہ میں فلاں ابنِ فلاں کوئی چیز نہیں۔ دارومدار بہرحال عمل وکردار پر ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ

بڑا ہی بے نیاز، نہایت ہی رحمت والا ہے، ۲۵۹ وہ اگر چاہے تو لے جائے تم سب کو اور لا بسائے تمہاری جگہ

مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ

تمہارے بعد اور جس کو چاہے، جیسا کہ اس نے خود تم لوگوں کو پیدا فرمایا ہے دوسری قوم کی

قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝۱۳۳ۭ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ

نسل سے، ۲۶۰ بے شک جس چیز کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے (اے لوگو!) اس نے یقیناً (اور بہر حال) آ کر رہنا ہے اور تم

۲۵۹ رب کی بے نیازی اور اس کی رحمت کا حوالہ و ذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تمہارا رب بڑا ہی بے نیاز، نہایت ہی رحمت والا ہے۔ سو وہ ہر کسی سے اور ہر طرح سے بے نیاز ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - اس کو نہ کسی کے عمل کی کوئی ضرورت ہے نہ پرواہ۔ وہ جو تم لوگوں سے اَعمالِ صالحہ کا مطالبہ کرتا ہے تو محض اسلئے تا کہ تم کو اپنی رحمتوں اور عنایتوں سے نوازے کہ وہ بڑا مہربان نہایت ہی رحمتوں والا ہے اور اُس کی شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے۔ اور تمہارے اِن اَعمال کو وہ اپنے کرم سے تمہارے لئے محفوظ فرماتا ہے تاکہ وہ تمہیں اِن کے صلے اور بدلے سے نوازے - سبحانہٗ وتعالیٰ، وبحمدِہٖ - جَلّ وَعَلا - تَتِمُّ الصَّالِحاتُ - پس ہر کسی کو ہمیشہ اور ہر حال میں اُس بے نیاز وغنی ربّ غفور و رحیم کی یادِ دلشاد اور اُسکی اِطاعت و بندگی میں منہمک رہنا چاہیئے - وباللہ التوفیق - اور یہ اسی وحدہٗ لاشریک کی شان ہے کہ وہ غنی مطلق ہونے کے باوجود اپنے بندوں کو اپنی طرف رجوع کی اس قدر رحمت وعنایت سے بلاتا اور دعوت دیتا ہے - تبارک وتعالیٰ - اللہ ہمیشہ اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - آمین۔

۲۶۰ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی شانِ بے نیازی کے ایک مظہر کا ذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ اگر چاہے تو تمہاری جگہ دوسروں کو لاکر بسا سکتا ہے جیسا کہ اس نے خود تم لوگوں کو دوسری قوم سے پیدا فرمایا ہے۔ یعنی جس طرح اُس نے پہلی قوموں کو ختم کر کے تمہیں ان کی جانشینی بخشی۔ اور یہ اِس بات کی بین دلیل اور کھلی شہادت ہے کہ وہ قادرِ مطلق تمہاری جگہ دوسروں کو لا بسانے کی بھی پوری قدرت رکھتا ہے۔ پس تمہیں اگر آج عمل و کمائی کا موقع ملا ہوا ہے تو اسکو غنیمت سمجھو کہ یہ کبھی بھی چھن سکتا ہے۔ نیز تمہیں اگر دین کی خدمت کا کوئی موقع ملتا ہے تو اُسکو اپنی خوش نصیبی جانو ورنہ نہ وہ تمہارا محتاج ہے نہ اُس کا دین۔ سو اِس اِرشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ وہ قادرِ مطلق اگر تمہاری سرکشیوں کے باوجود تمہیں مہلت دیتا ہے اور تمہاری گرفت و پکڑ نہیں فرماتا تو محض اپنی رحمت کی بناء پر۔ ورنہ وہ اگر چاہے تو تم سب کو مٹا کر تمہاری جگہ دوسروں کو لا بسائے، جیسا کہ وہ اِس سے پہلے بارہا ایسا کر چکا ہے۔ آخر تم کو جو دوسروں کا وارث بنایا تو اسی نے بنایا ہے۔ سو تمہاری اپنی تاریخ ہی خود تم پر حجت ہے۔ بہرکیف اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت اور اس کی شانِ استغناء و بے نیازی کا ایک نمونہ و مظہر پیش فرما دیا گیا ہے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید وھو الہادی الی سواء السبیل - سبحانہٗ وتعالیٰ -

بِمُعْجِزِيْنَ ﴿١٣٤﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ

اس بل بوتے کے نہیں ہو کہ عاجز کر سکو، ٢٦١ (ان سے) کہہ دو کہ اے میری قوم کے لوگو! (اگر تم نہیں مانتے تو آخری بات یہ ہے کہ)

عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ

تم اپنی جگہ کام کرتے رہو، اور میں اپنی جگہ اپنے کام میں لگا رہوں، عنقریب تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ کس کو ملتا ہے

الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿١٣٥﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا

آخرت کا وہ (عظیم الشان) گھر، ٢٦٢ (مگر یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ) بے شک ظالم کبھی فلاح نہیں پا سکیں گے، اور انہوں نے

٢٦١ اللہ کا وعدہ بہر حال پورا ہو کر رہے گا:- پس روزِ جزاء کا واقع ہونا اور تمہارا اپنے اَعمال کا بدلہ اور جزاء پانا کہ کوئی مانے یا نہ مانے، ایسے بہر حال ہو کر رہے گا۔ تا کہ عدل و اِنصاف کے تقاضے اپنی آخری اور کامل شکل میں پورے ہو سکیں۔ اور ہر کسی کو اُسکی زندگی بھر کے کیے کرائے کا پورا پورا صلہ اور بدلہ مل سکے۔ اور اس کائنات کے سرِ وجود اور مقصد تخلیق کی تکمیل ہو سکے۔ سو رسولوں کی تکذیب اور حق و ہدایت کے اِنکار پر اُس خالق و مالک نے عذاب کا جو وعدہ تم لوگوں سے فرما رکھا ہے وہ بہر حال شدنی ہے، خواہ وہ دنیا کے عذابِ عاجل کی شکل میں آئے یا یوم الحساب کے عذابِ اُخروی کی صورت میں۔ اس کو روکنے یا ٹالنے کا بل بوتہ کسی میں نہیں۔ پس عقل ونقل کا تقاضا یہ ہے کہ منکر لوگ اس کے لئے جلدی کرنے کی بجائے اُس سے بچنے کی فکر و کوشش کریں کہ جب وہ آ گیا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - تو پھر اُس سے بچنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہو گی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اللہ فکر وعمل کی ہر کجی اور ہر قسم کی بے راہ روی سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین ثم آمین۔

٢٦٢ ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کیلئے آخری جواب:- سو منکرین ومکذبین کے لئے آخری جواب کے طور پر ان سے فرمایا گیا کہ اگر تم لوگ نہیں مانتے تو تمہاری مرضی۔ عنقریب تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ وہ گھر کس کو ملتا ہے۔ ہمیں یا تمہیں؟ یہ بلاغتِ کلام اور حسنِ ادب کا بہترین نمونہ ہے کہ اس طرح بغیر تعیین کے کسی کے اَنجام کا ذکر کیا جائے تا کہ ہر کوئی اپنے بارے میں خود سوچ لے اور اس میں کوئی ضد نہ پیدا ہو جائے۔ سو یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا - ﴿وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ - (سبا: ٣٤)۔ بہر کیف آخرت کے اُس یومِ حساب میں ہر کسی کا انجام پوری طرح واضح ہو جائے گا۔ اور ہر کوئی اپنے نتیجہ وانجام کو خود دیکھ لے گا۔ سو یہ ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کیلئے آخری جواب ہے اور اِس طرح اُن کے ضمیر و وِجدان کو جھنجوڑ کر معاملہ انہی پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ اب تم لوگ خود دیکھ لو۔ اور اپنے نفع ونقصان کے بارے میں خود سوچ لو۔ اور پھر تم لوگ خود ہی طے اور تجویز کر لو کہ تمہیں کونسا راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اور تمہاری بہتری اور بھلائی کس طریق میں ہے۔ مگر یہ حقیقت تمہارے سامنے بہر حال واضح رہنی چاہیے کہ ظالم لوگ بہر حال فلاح نہیں پا سکیں گے اور ظالموں کو اپنے ظلم وعدوان کا بھگتان بہر حال بھگتنا ہوگا - والعیاذ باللہ العظیم -

ذَرَاَ مِنَ الۡحَرۡثِ وَالۡاَنۡعَامِ نَصِيۡبًا فَقَالُوۡا هٰذَا

(توحید کے ان قطعی اور صریح دلائل و براہین کے باوجود) اللہ کے لئے حصہ مقرر کر رکھا ہے اس کھیتی اور ان مویشیوں میں سے

لِلّٰهِ بِزَعۡمِهِمۡ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمۡ

جنکو اللہ ہی نے پیدا فرمایا ہے، ۲۶۳ پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کے لئے ہے ان کے اپنے گمان کے مطابق، اور یہ ہمارے شریکوں

فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى

کے لئے، پھر (مزید ظلم یہ کہ) جو حصہ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں جا سکتا، ۲۶۴ اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے وہ

شُرَكَآئِهِمۡ ؕ سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيۡرٍ

ان کے ان شریکوں کی طرف جا سکتا ہے، کیسا برا ہے وہ فیصلہ جو یہ لوگ کرتے ہیں اور اسی طرح مزین (وخوشنما) بنا دیا ہے، بہت سے

مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ قَتۡلَ اَوۡلَادِهِمۡ شُرَكَآؤُهُمۡ لِيُرۡدُوۡهُمۡ

مشرکوں کے لئے قتل کر دینا ان کا خود اپنی اولاد کو ان کے (خود ساختہ) شریکوں نے، ۲۶۵ تا کہ (اس طرح) وہ ان کو ہلاکت

۲۶۳ مشرکوں کی مت ماری کے ایک نمونہ و مظہر کا ذکر و بیان: ۔ سو اس سے مشرک انسان کی مت ماری اور اس کے ایک اہم سبب کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے اللہ کے لیے ایک حصہ مقرر کیا ہے اس کھیتی اور ان مویشیوں میں سے جن کو اللہ ہی نے پیدا فرمایا ہے۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کفر و شرک سے انسان کی مت ماری جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے اللہ کے لئے اس کھیتی کا ایک حصہ مقرر کیا حالانکہ اس کو سیدھا اللہ ہی نے کیا اپنی قدرت و عنائت سے۔ سو ان لوگوں کی مت کیسی ماری گئی کہ سب کچھ پیدا کرنے والا اور سب کو عطا فرمانے والا تو اللہ وحدہٗ لاشریک مگر یہ اس میں شریک ٹھہراتے ہیں دوسروں کو۔ اور ایک حصہ رکھتے ہیں اللہ کے لئے۔ ﴿تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾۔ افسوس کہ آج بہت سے کلمہ گو مشرکوں کا حال بھی اس سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کفر و شرک سے انسان کی مت ماری جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں وہ ایسا اندھا اور اوندھا بن کر رہ جاتا ہے کہ اُس کو واضح اور جلی حقائق بھی سمجھ اور نظر نہیں آتے۔ اور وہ ایسی باتیں کرنے لگتا ہے جن پر عام آدمی بھی اُس کو احمق کہے بغیر نہیں رہ سکتا مگر مت کے ماروں کو اس سے بھی کوئی سبق نہیں ملتا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۲۶۴ مشرکوں کی مت ماری کا ایک اور نمونہ اور مظہر: ۔ کہ ان کے خود ساختہ اور من گھڑت شریکوں کا حصہ اللہ کی طرف نہیں جا سکتا۔ اور یہ اسلئے کہ ان لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ اللہ تو بے نیاز ہے۔ اس کو کوئی پرواہ نہیں۔ اور اُن

کے یہ فرضی اور بناوٹی معبود بت محتاج ہیں۔ اِس لئے اُن کا حصہ واپس کر دیا جائے۔ اور اندر کی اصل بات یہ تھی کہ اپنے اِن فرضی اور بناوٹی معبودوں سے وہ زیادہ ڈرتے تھے کہ اِن کو وہ اپنے سامنے دیکھتے تھے۔ اور ان میں ان لوگوں نے ازخود نفع ونقصان کے اختیارات مان رکھے تھے جبکہ اللہ پاک -سبحانہٗ وتعالیٰ- جو کہ خالق ومالکِ حقیقی اور کارفرما و کارسازِ مطلق ہے، وہ پردۂ غیب میں ہے۔ وہ اُن لوگوں کو نظر آ نہیں سکتا۔ اسلئے اسکی انکو کوئی پرواہ نہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ- افسوس کہ اس مرض کے مظاہر بھی آج کے کلمہ گو مشرکوں میں یہاں اور وہاں جگہ جگہ اور طرح طرح سے دیکھنے میں آتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگ جب کسی مسجد میں جائیں گے تو جوتے ساتھ لے جائیں گے، خواہ وہ کوئی سی بھی مسجد ہو۔ یہاں تک کہ مسجدِ حرام اور مسجدِ نبویؐ میں بھی۔ مگر کسی قبر یا آستانے پر جائیں گے تو جوتے دور اتار لیں گے۔ بلکہ بعض جگہ تو ایسے لوگ عقیدتاً دور دور سے ننگے پاؤں چل کر آئیں گے۔ اور بدعتی پیر وملاں اپنے پیٹ کی خاطر ایسے جاہلوں کی اور پیٹھ ٹھونکیں گے کہ ہاں صاحب بزرگوں کی تعظیم وتکریم کا تقاضا یہی ہے۔ نیز ایسے لوگ جب کسی مسجد کے پاس سے گزریں گے تو گاتے بجاتے اور شور مچاتے گزریں گے۔ لیکن جب کسی قبر یا آستانے کے پاس سے گزریں گے تو اُن کی کیفیت یکسر مختلف ہوگی- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہونا چاہیئے تھا۔ سو یہ اسی مرض کا نتیجہ اور اسی کے جراثیم ہیں جو ان کھلے مشرکوں کے اندر پایا جاتا تھا- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم-

۲۷۵ مشرکین کا اپنی اولاد کو قتل کرنے کی حماقت کا اِرتکاب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی طرح مزین وخوشنما بنا دیا ہے بہت سے مشرکوں کے لیے قتل کر دینا ان کا خود اپنی اولاد کو ان کے خود ساختہ اور من گھڑت شریکوں نے۔ سو اپنے شریکوں کی تزیین کی بناء پر یہ لوگ اپنی اولاد کو قتل کرتے ہیں، تا کہ اس طرح یہ لوگ اپنے ایسے خود ساختہ شریکوں اور فرضی و بناوٹی معبودوں کو خوش کر سکیں۔ اور آج تک جگہ جگہ ایسے ہو رہا ہے، جیسا کہ اسکے بارے میں مختلف مظاہر کی خبریں وقتاً فوقتاً چھپتی رہتی ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ -اور مشرکینِ عرب اِس مشرکانہ اور سفیہانہ حرکت کا ارتکاب کئی وجوہ سے کرتے تھے۔ کبھی فقر و اِفلاس کی وجہ سے، جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے میں ارشاد فرمایا گیا- ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ، نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ﴾ الأیة- (الانعام:۱۵۳)۔ اور کبھی وہ لوگ یہ قتل محض فقر و اِفلاس کے خوف و خدشہ سے کرتے، جیسا کہ دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا- ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ، نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ﴾ الأیة- (بنی اسرائیل:۳۱)۔ اور کبھی وہ قتلِ اولاد کے اِس جرم کا ارتکاب عار سے بچنے کیلئے کرتے، جیسا کہ اُن کے یہاں بچیوں کو زندہ درگور کرنے کا رواج تھا۔ اور کبھی وہ لوگ اپنے کسی بچے کو کسی بت کے نام پر اور اسکی خوشنودی کیلئے مار دیتے، جیسا کہ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کی قربانی کی نذر مانی تھی جس کا قصہ مشہور ومعروف ہے۔ اور اسی بناء پر حضورؐ نے فرمایا ''اَنَا ابن الذبیحین'' (المراغی وغیرہ)۔ سو اِن مختلف وجوہ کی بناء پر مشرکین اپنی اولاد کو قتل کرنے کی حماقت کا ارتکاب کرتے تھے اور ان کے لئے ان کے شرکاء نے ان کی اپنی اولادوں کے قتل کرنے کے اِس سنگین جرم کو خوشنما بنا رکھا تھا۔ سو اللہ اگر چاہتا تو وہ ایسا کبھی نہ کرتے لہٰذا آپ ان کی پروا مت کرو- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم-

وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ

میں ڈال دیں، اور مشتبہ کردیں ان پر ان کے دین کو، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا کبھی نہ کرتے، ۲۶۶

فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ

پس چھوڑ دو تم ان کو اور ان کی ان تمام افترا پردازیوں کو، جو یہ لوگ کر رہے ہیں، ۲۶۷ اور کہتے ہیں کہ یہ جانور

وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ

اور کھیتی ممنوع ہیں، ان کو کوئی نہیں کھا سکتا بجز اس کے جس کو ہم چاہیں، ان کے اپنے گمان کے مطابق،

۲۶۶ آزادیٔ ارادہ و اختیار ذریعۂ امتحان و اختیار: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ ایسا کبھی نہ کرتے کہ وہ تکوینی طور پر ان سے اس کی قدرت و طاقت ہی چھین لیتا، لیکن ایسا جبری ایمان نہ تو اسکے یہاں مطلوب ہے اور نہ ہی مفید۔ اسلئے مطالبہ اور تقاضا اس طرح کے جبری اور قہری ایمان کا نہیں بلکہ اُس ایمان کا ہے جو کہ اپنے ارادہ و اختیار اور رضاء و رغبت سے ہو۔ اسی لیے ہر کسی کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی گئی کہ یہی ذریعہ امتحان و اختیار ہے۔ سو اس میں آنحضرت ﷺ کے لئے اور آپؐ کے توسط سے آپ کی امت کے ہر داعیٔ حق کے لئے تسلیہ و تسکین کا سامان ہے کہ ایسے ہٹ دھرم لوگ اگر اپنی ایسی سنگدلانہ حرکتوں اور کھلی ہوئی حماقتوں پر اڑے ہوئے ہیں اور حق و ہدایت کی بات سننے اور ماننے کو تیار نہیں ہوتے تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ یہ اپنے اُس ہولناک انجام کو پہنچ کر رہیں جس کا مستحق انہوں نے اپنے آپ کو بنا لیا ہے کہ کسی کو باندھ کر اور مجبور کر کے راہِ حق پر لانا نہ تمہارے بس میں ہے اور نہ ہی یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔ بلکہ آپ کے ذمے صرف تبلیغ حق کی ذمہ داری ہے۔

۲۶۷ ہٹ دھرم بدبختوں کی فکر و پروا نہ کرنے کی ہدایت: سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ پس چھوڑ دو تم ان کو اور ان کی ان تمام افترا پردازیوں کو جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ بدبختوں کی بدبختی پر اور مشرکین اور اُن کے شرک پر غم کرنے کی ضرورت نہیں کہ یہ لوگ اللہ کی سنت کی زد میں آئے ہوئے ہیں۔ پس ان کی فکر میں نہ پڑو کہ یہ اپنے کیئے کرائے کا بھگتان خود بھگت لیں گے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ جو ڈھیل ان کو مل رہی ہے وہ بھی حقیقت میں ان کیلئے عذاب میں اضافے کا باعث ہے تاکہ اس طرح یہ لوگ اپنے جرم و گناہ میں بڑھتے جائیں اور اسکے نتیجے میں اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہیں اور رُسوا کن عذاب سے دوچار ہو کر رہیں، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾۔ " سوائے اس کے نہیں کہ ہم ان کو ڈھیل دے رہے ہیں تاکہ اس نتیجے میں یہ اپنے گناہوں اور جرم و قصور میں بڑھتے اور ترقی کرتے جائیں، اور ان کے لیے ایک بڑا رسوا کن عذاب ہے" (اٰل عمران: ۱۷۸) ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ سو یہ بدبخت لوگ اگر حق بات کو سننے ماننے کے لیے تیار نہیں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو کہ یہ لوگ اپنے انجام کو خود پہنچ کر رہیں گے اور اپنا بھگتان خود بھگت کر رہیں گے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

وَ اَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَ اَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ

اور کچھ جانوروں (کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ان) پر سواری حرام کر دی گئی، اور کچھ جانور وہ ہیں جن پر یہ لوگ

اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا

اللہ کا نام نہیں لیتے' (یہ سب کچھ محض) اللہ پر افتراء باندھتے ہوئے، عنقریب ہی اللہ بدلہ دے گا ان کو ان کی

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ

ان افتراء پردازیوں کا جو یہ لوگ کرتے رہے تھے، ۲۶۸ اور کہتے ہیں کہ جو کچھ ان جانوروں کے پیٹوں

الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ

میں ہے، وہ ہمارے مُردوں کے لئے خاص ہے، اور ہماری عورتوں پر حرام ہے، ۲۶۹

وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ

اور اگر وہ (جو پیٹ میں ہے) مردہ ہوا تو اس میں یہ سب برابر ہیں، عنقریب ہی اللہ پورا بدلہ دے گا

وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ

ان کو ان کی باتوں کا ۲۷۰ بلاشبہ وہ بڑا ہی حکمت والا، سب کچھ جانتا ہے ۲۷۱ یقینی طور پر سخت خسارے میں پڑ گئے وہ لوگ

۲۶۸ منکرین و مفترین کو ان کے ہولناک انجام کی تذکیر و یاد دہانی:- سو اس سے منکرین و مفترین کو ان کے ہولناک انجام کی تذکیر و یاد دہانی فرما دی گئی کہ ان کو اِفتراء علی اللہ کی سزا بہرحال بھگتنا ہوگی۔ یعنی اپنی اُن باتوں کی سزا جن کو یہ از خود اپنے طور پر اللہ کے ذمے لگاتے تھے بغیر کسی سند و دلیل کے۔ سو یہ لوگ اپنے کیے کرائے کا بھگتان بہرحال بھگتیں گے اور خاص کر اس بات کا کہ انہوں نے اللہ پاک کی طرف ایسی باتوں کو منسوب کیا تھا جو کہ اس نے نہیں فرمائی تھیں۔ اور جو اسکی شانِ اَقدس واَعلیٰ کے لائق نہیں تھیں- سبحانہٗ وتعالیٰ- سو اللہ تعالیٰ پر اِفتراء باندھنا ایک سنگین جرم ہے اور کسی کو کسی بھی طرح اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ پاک کے ذمے ایسی بات لگائے جو اس نے نہیں فرمائی۔ اس لئے اِفتراء علی اللہ کو سب سے بڑا ظلم قرار دیا گیا۔ چنانچہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا﴾ الآیة (الانعام: ۲۱)۔ یعنی اللہ پر اِفتراء باندھنے والے سے بڑھ کر اور کوئی ظالم نہیں ہو سکتا۔ سو ایسے لوگ اُس کی پکڑ سے نہیں بچ سکیں گے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

بات صرف وقت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۲۶۹ مشرکینِ مکہ کی ایک اور خودساختہ تحریمات کا ذکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان جانوروں کے پیٹوں میں جو کچھ ہے وہ مُردوں کے لئے حلال ہے اور عورتوں کے لئے حرام۔ یعنی "بحیرہ"، "سائبہ" وغیرہ کے پیٹوں میں۔ (محاسن، خازن وغیرہ)۔ اور مشرکینِ مکہ وغیرہ کے اس قدیم مرض کے جراثیم آج بھی یہاں اور وہاں جگہ جگہ اور طرح طرح سے ملیں گے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف مشرکینِ مکہ نے محض اپنی اِفتراء پردازی سے اس طرح کے جانوروں کو از خود بغیر کسی سند و دلیل کے حرام قرار دے رکھا تھا۔ حالانکہ تحلیل وتحریم اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کا حق ہے جو کہ سب کا خالق و مالک اور مختارِ کل ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ اِن لوگوں کا اپنے خانہ ساز فتووں، من گھڑت منطق، مفروضوں اور بے بنیاد اوہام وخرافات کی بناء پر یہ کہنا تھا کہ "اِن جانوروں کے پیٹوں کے اندر جو کچھ ہے وہ خاص ہمارے مُردوں کے لئے ہے اور عورتوں پر وہ حرام ہے، ہاں اگر وہ مردہ ہوا تو پھر اس میں سب شریک ہیں"۔ سو یہ سب ان لوگوں کی اپنی من گھڑت اور خود ساختہ باتیں تھیں اور بس۔ جن کی نہ کوئی سند تھی، اور نہ کوئی اصل و اساس، والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۷۰ مشرکوں کو بدلہ و جزاء کی تذکیر و یاددہانی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ عنقریب ہی اللہ ان کو بدلہ دے گا ان کی ان تمام من گھڑت باتوں کا۔ یعنی قیامت کے دن۔ جو کہ بدلے اور جزاء کا دن ہے۔ جو اِن کی نظروں میں اگرچہ دور ہو مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور حقیقتِ نفس الامری کے اِعتبار سے وہ قریب اور بہت قریب ہے۔ ﴿اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرَاهُ قَرِيْبًا﴾۔ (المعارج: ۶-۷)۔ اور ہر شخص کی قیامت تو اسکی اپنی موت سے ہی شروع ہو جاتی ہے اور ہر ایک کی موت بہرحال قریب ہے اور کسی کو پتہ نہیں کہ اس کی موت کب آئے گی اور اس کی فرصتِ عمل کب ختم ہو جائے گی۔ سو آج ان لوگوں کو چھوٹ اور ڈھیل ملی ہوئی ہے۔ اِس سے یہ دھوکے میں نہ پڑیں کہ یہ بہرحال ایک ڈھیل اور چھوٹ ہے، جس نے اپنے وقتِ مقرر پر بہرحال ختم ہو جانا ہے۔

۲۷۱ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ حکمت وعلم کا حوالہ و ذکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اللہ بڑا ہی حکیم وعلیم ہے۔ پس وہ اگر فوراً نہ پکڑے تو اس سے دھوکے میں مت پڑنا کہ یہ اُس کی حکمت کا تقاضا ہے اور اِس سے تمہاری کوئی حرکت مخفی نہیں کہ وہ سب کچھ جانتا ہے اور اُسکے علمِ کامل اور اُسکی حکمتِ مطلقہ کا تقاضا ہے کہ وہ ہر کسی کو اُسکے کیے کرائے کا پورا پورا بدلہ دے۔ تاکہ عدل و اِنصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور یہ لوگ جو تحلیل وتحریم کے اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لئے طرح طرح کے خود ساختہ اور من گھڑت فتوے داغ رہے ہیں یہ اُس کی گرفت و پکڑ سے بچ نہیں سکیں گے۔ اِن سے نمٹنے میں جو دیر ہو رہی ہے وہ اس کے علم و حکمت کے تقاضوں اور اس کے حلم وکرم کی بناء پر ہے اور اُس کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ حَرَّمُوْا مَا

جنہوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو حماقت کی بناء پر بغیر کسی علم (وسند) کے، ۲۷۲ اور انہوں نے حرام ٹھہرا لیا ان

رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا

چیزوں کو جو اللہ نے بخشی تھیں ان کو (اپنے کرم و عنایت سے،) بہتان باندھ کر اللہ پر، یقیناً بھٹک گئے وہ اور نہ آئے سیدھی

مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ع وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ

راہ پر، ۲۷۳ اور وہ (اللہ) وہی ہے جس نے پیدا فرمائے طرح طرح کے عظیم الشان باغات، وہ بھی جو چھتوں پر چڑھائے جاتے ہیں ۲۷۴

وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ

اور وہ بھی جو نہیں چڑھائے جاتے ۲۷۵ اور کھجور کے درخت اور کھیتی بھی، جن سے کھانے کی طرح طرح کی چیزیں حاصل کی

۲۷۲ اپنی اولاد کو خود قتل کرنا انتہائی ہولناک خسارہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یقینی طور پر سخت خسارے میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو حماقت کی بناء پر بغیر کسی علم اور [سند] کے۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اپنی اولاد کو قتل کرنے والے انتہائی خسارے میں پڑ گئے کہ یہ نہایت سنگدلی اور بے رحمی بھی ہے اور قتلِ بیگناہ کا عظیم جرم بھی۔ اور اولاد جیسی نعمت سے محرومی بھی۔ سو اِس کا ارتکاب بڑے احمق اور بدبخت کے سوا اور کون کرسکتا ہے؟ -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- واضح رہے کہ اولاد کو بے دین بنانا بھی انکے قتل کر دینے کے معنیٰ میں ہے۔ بلکہ یہ اس سے بھی بڑھ کر خطرناک ہے کہ اِس کا نتیجہ و انجام دوزخ ہے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- اور یہ اُن کی حماقت و بدبختی کی کھلی دلیل ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو اولاد کی نعمت سے خود محروم کیا۔ اللہ کے بخشے ہوئے رزق کو اپنے اوپر حرام ٹھہرایا اور اللہ کے پیغمبر کے ذریعے ملنے والی راہِ حق و ہدایت سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو ہلاکت و گمراہی کی راہ پر ڈالا اور اس طرح انہوں نے خسارے پہ خسارے کو اپنایا اور وہ ہلاکت پر ہلاکت کے مرتکب ہوئے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ-

۲۷۳ اِفتراء علی اللہ خرابیوں کی خرابی اور محرومیوں کی جڑ بنیاد ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے حرام ٹھہرایا ان چیزوں کو جو ان کو اللہ نے بخشی تھیں، بہتان باندھ کر اللہ پر۔ یقیناً بھٹک گئے ایسے لوگ اور وہ سیدھی راہ پر نہ آسکے۔ اور اس طرح یہ لوگ نقصان پر نقصان اور خسارہ پر خسارہ کے مرتکب ہوئے، کہ ایک طرف تو اللہ پاک پر جھوٹ اور اِفتراء باندھا جو کہ سب سے بڑا جرم و گناہ ہے۔ اور دوسری طرف انہوں نے ان پاکیزہ چیزوں سے اپنے آپ کو خود محروم کر دیا جو کہ قدرت نے اپنی رحمت و عنایت سے اِن ہی کے لئے پیدا فرمائی تھیں۔ اور تیسری طرف انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی ہدایت و راہنمائی سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو دائمی ہلاکت و تباہی

کے گڑھے میں ڈالا۔ سو یہی نتیجہ ہوتا ہے شرک اور بے دینی کا کہ اس سے آدمی کی مت ماردی جاتی ہے اور اُس کی عقل ماؤف ہوجاتی ہے جس سے ایسے لوگ اپنے نفع ونقصان کی تمیز بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ بہرکیف اللہ پاک پر اِفتراء و بہتان بازی سب خرابیوں کی خرابی اور تمام محرومیوں کی جڑ بنیاد ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۲۷۴ "معروشات" سے مقصود و مراد؟:۔ سو "معروشات" سے مراد وہ درخت ہیں جن کی بیلیں ٹٹیوں پر چڑھائی جاتی ہیں۔ یعنی بیلدار درخت جیسے انگور، توری اور لوکی وغیرہ کی بیلیں۔ ان کو ذرا دیکھو تو سہی کہ وہ کس طرح چھتوں، ٹٹیوں اور درختوں وغیرہ پر چڑھتی اور تمہارے لیے قسما قسم کے عمدہ پھل اور طرح طرح کی غذاؤں کے سامان مہیا کرتی ہیں۔ مگر تم لوگ ہو کہ دن رات اِن سے مستفید ہوتے رہنے کے باوجود کبھی اِس بارے غور بھی نہیں کرتے کہ یہ سب کچھ اُس نے بخشا اور اُس کا ہم پر کیا حق ہے وغیرہ وغیرہ۔ سو اگر انسان صحیح طور پر غور و فکر سے کام لے تو وہ انہی درختوں سے جو اس کے سامنے پیدا ہوئے، پروان چڑھتے پھولتے پھلتے اور انسان کے لئے طرح طرح کا سامانہائے زیست مہیا کر کے مٹ جاتے ہیں۔ سو انسان اگر انہی پودوں اور درختوں میں صحیح طور پر غور وفکر سے کام لے تو وہ اپنے خالق ومالک کی قدرت وحکمت، رحمت وعنایت اور اس کی وحدانیت و یکتائی اور قیامت وآخرت سے متعلق عظیم الشان دلائل اور نشانہائے عبرت و بصیرت پائے گا۔ مگر مشکل اور مشکلوں کی مشکل یہ ہے کہ انسان اس بارے سوچتا ہی نہیں۔ الا ما شاء اللہ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۲۷۵ "غیر معروشات" سے مقصود و مراد؟:۔ یعنی وہ درخت جو کسی بیرونی سہارے کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے تنوں پر خود کھڑے ہوتے ہیں۔ نیز وہ بیلیں جو زمین پر پڑی پھلتی پھولتی ہیں جیسے خربوزے، تربوز اور کھیرے ککڑیاں وغیرہ۔ جس میں تمہارے لیے نفع اور فائدہ کے طرح طرح کے سامان پائے جاتے ہیں۔ سو ذرا تم لوگ سوچو تو سہی کہ کیسا قادرِ مطلق اور جواد وکریم ہے تمہارا وہ ربِّ مہربان جو تمہارے لیے ان طرح طرح کی چیزوں کو اِس پُرحکمت طریقے کے ساتھ اور اِس قدر کثرت و بہتات سے پیدا فرماتا ہے۔ اور تمہاری طرف سے بغیر کسی اپیل و درخواست کے پیدا فرماتا ہے۔ اور ایسا کہ لگاتار تمہیں یہ سب کچھ برابر مل رہا ہے اور اسکے نتیجے اور تقاضے میں تمہیں ہمیشہ اور ہر حال میں اس ربِّ مہربان کے حضور جھکے رہنا چاہیے۔ نیز اس سے تم لوگ یہ بھی سوچو کہ جب اِن نعمتوں کی عطاء وبخشش میں کوئی اُس کا شریک وسہیم نہیں تو پھر اُسکی عبادت و بندگی کے حق میں کوئی اُس کا شریک وسہیم کیسے ہوسکتا ہے؟ نیز اسی سے تم یہ بھی سوچو کہ اِن عظیم الشان نعمتوں کے بارے میں پرسش اور پوچھ بھی ہوگی، اور ضرور ہونی چاہیئے، تاکہ عدل و اِنصاف کے تقاضے پورے ہوسکیں۔ سو غور وفکر کرنے والوں کیلئے اِن نعمتوں میں بڑے عظیم الشان درسہائے عبرت وبصیرت ہیں۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَ يُرِيْدُ۔ وَهُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔

وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ

جاتی ہیں، اور (اسی نے پیدا فرمایا) زیتون اور انار کو بھی، جو کہ آپس میں ملتے جلتے بھی ہیں ف۲۷۶ اور جدا جدا بھی، ف۲۷۷

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ

کھاؤ تم اس کے پھلوں میں سے جب کہ وہ پھل دے، ف۲۷۸ اور ادا کرو اس کا حق، جس دن اسے کاٹو، ف۲۷۹

وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ١٤١؀ۙ وَمِنَ

اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ پسند نہیں فرماتا حد سے بڑھنے والوں کو، ف۲۸۰ اور

۲۷۶ ''متشابہاً'' سے مقصود و مراد؟:- جو آپس میں ملتے جلتے ہیں یعنی بعض اعتبارات سے، جیسے رنگ و شکل اور مزہ وغیرہ کے اعتبار سے۔ سو دیکھو مٹی اور زمین ایک، ہوا و پانی ایک، سورج و چاند کی شعاعیں یکجا، تو اِس کے باوجود اَشیاء میں اس قدر تنوع اور ایسی بوقلمونی قدرت کی کتنی بڑی عنایت اور کس قدر زبردست حکمت ہے۔ سو اس سب کا طبعی تقاضا اور فطری مطالبہ یہ ہے کہ انسان اِن گونا گوں نعمتوں سے اپنی زندگی میں طرح طرح سے فائدے اٹھائے اور اپنے خالق و مالک کے حضور سراپا شکر و سپاس بن جائے اور اپنے خالق و مالک کے لیے شکر و سپاس کا جذبہ ہی وہ چیز ہے جو انسان کو سیدھا رکھتی اور اُس کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرتی ہے اور حق شناسی کا صحیح اِحساس و اِعتراف ہی دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کی اصل اساس و بنیاد ہے- وباللّٰہ التَّوفِیق لِمَا یُحِبُّ وَ یُرِیْدُ وعلی ما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل-

۲۷۷ ''غیر متشابہ'' سے مقصود و مراد:- یعنی جو آپس میں مختلف اور دگرگوں ہیں دوسرے بعض اعتبارات سے۔ سو یہ سب کچھ اپنے اندر غور و فکر کے کئی پہلو رکھتا ہے کہ ایک طرف تو یہ چیزیں اُس قادرِ مطلق کی عظیم الشان قدرت اور بے نہایت رحمت و عنایت کی مظہر ہیں اور دوسری طرف یہ اُس منعمِ حقیقی کی طرف سے ملنے والی وہ بے مثال نعمتیں ہیں جن کے بارے میں ایک نہ ایک دن پوچھ ہونی ہے۔ اور وہ دن قیامت کا دن ہے جو کہ عدل و انصاف اور جزا و سزا کا دن ہے۔ اور جب ان گونا گوں اَشیاء میں ایسی عظیم الشان اور حیرت انگیز ہم آہنگی پائی جاتی ہے کہ یہ سب کی سب انسان کیلئے طرح طرح کے فوائد و منافع کا ذریعہ ہیں تو اس سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا خالق و مالک یکتا اور وحدہٗ لاشریک ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- سو یہ اشیاء اللہ تعالیٰ کے وجودِ باجود، اسکی حکمت و عنایت، کرم و رحمت، وحدانیت و یکتائی، عظمتِ شان وجلالتِ قدر اور اِمکانِ بعث اور ضرورتِ قیامت وغیرہ سب امور کی دلیل اور شاہد عدل ہیں۔ اور پھر جب اِن چیزوں کے پیدا کرنے اور اِن نعمتوں کے عطا فرمانے میں اُس کا کوئی شریک وسہیم نہیں تو پھر اُس کی عبادت و بندگی میں کوئی کس طرح اُس کا شریک وسہیم ہوسکتا ہے؟ پس معبودِ برحق وہی خالق و مالک ہے اور عبادت و بندگی کی ہر قسم اور اس کی ہر شکل اُسی کا حق ہے۔ اور وہ اُسی کے ساتھ مختص ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۲۷۸ **تقاضائے نعمت کا ذکر و بیان** :- سو تقاضائے نعمت کی تذکیر و یاددہانی کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ کھاؤ تم لوگ اُس کے پھلوں میں سے جب کہ وہ پھل دے۔ اور کھا کر عطا فرمانے والے اُس واحد مطلق کا شکر بجا لاؤ۔ اور اُس کی نعمت کا حق ادا کرو۔ اور اس طرح یہ نعمتیں تمہارے لیے نعمت بالائے نعمت کا ذریعہ اور سبب بن جائیں گی کہ اس طرح ایک طرف تو تمہیں واجبِ شکر کی ادائیگی کی سعادت نصیب ہوگی اور دوسری طرف اِس سے نعمتوں میں برکت ملے گی۔ سو یہ نعمتیں اپنی زبانِ حال سے تم کو یہ دعوت دے رہی ہیں۔ اور یہی تعلیم و تلقین اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے تم لوگوں کو فرمائی گئی ہے اور یہی اِن نعمتوں کا وہ حق بھی ہے جس کی گواہی ہماری اپنی فطرت دے رہی ہے بشرطیکہ وہ مسخ نہ ہوگئی ہو۔ کہ تم ان پھلوں سے کھاؤ اور اپنے خالق و مالک کا شکر ادا کرو۔

۲۷۹ **حقِ نعمت ادا کرنے کی تعلیم و تلقین** :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اس کا حق ادا کرو جس دن اس کو کاٹو۔ سو اُس کا حق ادا کرو کہ عشر اور نصفِ عشر حسبِ ضابطہ جو واجب ہے وہ بھی ادا کرو۔ اور اس کے علاوہ ایسے موقع پر جمع ہو جانیوالے فقراء و مساکین کو بھی اس میں سے کچھ نہ کچھ دے دیا کرو۔ سو یہ نعمتیں اپنی زبانِ حال سے پکار پکار کر تم لوگوں کو شکرِ نعمت اور حقِ نعمت کی ادائیگی کی دعوت دے رہی ہیں۔ اور یہی دعوت حضراتِ انبیاء و رسل نے اپنی زبانِ قال سے دی کہ تم لوگ اللہ کی بخشی ہوئی ان کھیتیوں اور اِن باغوں سے خود بھی فائدہ اٹھاؤ اور جب ان فصلوں کے کاٹنے اور پھلوں کو توڑنے کا وقت آئے تو ان کا حق بھی ادا کرو۔ ﴿حَقَّه﴾ میں ضمیر کا مرجع خدا بھی ہوسکتا ہے اور ثمر بھی۔ لیکن ان دونوں صورتوں میں معنیٰ اور مفہوم کے اعتبار سے کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوگا۔

۲۸۰ **اسراف کی ممانعت** :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ حد سے نہیں بڑھنا کہ بے شک اللہ پسند نہیں فرماتا حد سے بڑھنے والوں کو۔ پس تم لوگ ان نعمتوں کو ممنوع اور ناجائز کاموں میں خرچ کر کے کہ اُس واہبِ مطلق ۔جل و علا۔ کی مقرر فرمودہ حد سے نہیں نکلنا کہ اسکی حدود سے نکلنا اِسراف ہے۔ اور اِسراف کرنا اور حد سے بڑھنا بہرحال ممنوع و محذور ہے۔ اور اِس درجہ کہ اِسراف اور تبذیر شیطانی کام ہے۔ اور ایسے لوگ شیطان کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ، اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ، وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾۔ (بنی اسرائیل :۲۶-۲۷)۔ شیطان اَربابِ اَموال پر سب سے زیادہ حملہ اسی راہ سے کرتا ہے۔ اور ایسے لوگ شیطان کی اِس پٹی پر چڑھ کر اِس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ اُن کے مال میں اللہ کے دوسروں بندوں کے بھی حقوق ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کے کتے، باز اور شکرے تو عیش کرتے ہیں مگر اُن کا پڑوسی بھوکا سوتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ

چوپایوں میں سے کچھ کو اس (وحدہٗ لاشریک) نے پیدا فرمایا بوجھ اٹھانے کو، ۲۸۱ اور کچھ کو زمین سے لگا ہوا ۲۸۲ کھاؤ (پیو) تم لوگ ان چیزوں

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

میں سے جو بخشی ہیں تم کو اللہ نے، اور مت پیروی کرو تم شیطان کے نقش قدم کی ۲۸۳ کہ وہ قطعی طور پر تمہارا دشمن ہے کھلم کھلا،

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ

(اور اس خالق حقیقی اور مالکِ مطلق نے پیدا فرمائے ۲۸۴ تمہارے لئے) آٹھ قسم کے جانور، ۲۸۵ یعنی بھیڑ میں سے دو، اور بکری میں سے

اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا

دو (نر اور مادہ، اب) پوچھو (ان سے اے پیغمبر!) کہ کیا اللہ نے دونوں نر حرام کیے ہیں؟ یا دونوں مادہ؟ یا

۲۸۱ ''حمولہ'' سے مقصود و مراد؟ :- یعنی حمولہ ماخوذ ہے حمل سے، اس سے مراد ہیں ایسے جانور جو بوجھ اٹھانے والے ہوتے ہیں۔ جیسے اونٹ، گھوڑے اور خچر وغیرہ۔ ''حمولہ'' ''حمل'' سے مشتق و ماخوذ ہے جسکے معنیٰ ہیں کہ جو بوجھ اٹھانے کے لائق ہو۔ جیسے ''رکوبہ'' اُس جانور کو کہا جاتا ہے جو سواری کے قابل ہو۔ اور ''حلوبہ'' اُسکو جو دودھ دینے کے لائق ہو۔ سو ربِّ رحمٰن و رحیم اور علیم و قدیر کی قدرت و عنایت کی شان ملاحظہ ہو کہ اُس نے اونٹ گھوڑے اور خچر وغیرہ کچھ جانوروں کو اس طرح کا بنایا کہ وہ تمہاری بار برداری کے کام آتے ہیں۔ اور تمہارے سامان اور خود تم کو اٹھا کر کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ، اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ - (النحل: ۷) - یعنی ''اللہ تعالیٰ کے پیدا فرمودہ تمہارے وہ باربردار جانور تمہارے بھاری بھرکم بوجھ اُٹھا کر اُسے دور دراز علاقوں تک پہنچاتے ہیں، جہاں تم لوگ کمر توڑ مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے، بلاشبہ تمہارا رب بڑا ہی شفقت والا نہایت ہی مہربان ہے''۔ سو انسان اگر غور کرے تو اس کو اس میں اس کی رحمت و عنایت کے بڑے عظیم الشان دلائل اور مظہر نظر آئیں گے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ مگر غفلت کا مارا انسان سوچتا ہی نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ بہرکیف ان باربردار جانوروں میں بھی عظیم الشان دلائل ہیں غور کرنے والوں کے لیے۔

۲۸۲ ''فرشاً'' سے مقصود و مراد؟ :- یعنی چھوٹے قد کے وہ جانور جو زمین سے لگے رہتے ہیں جیسے بھیڑ، بکری وغیرہ، جن سے تم گوشت وغیرہ کے دوسرے طرح طرح کے فائدے اٹھاتے اور منافع حاصل کرتے ہو۔ سو ذرا سوچو کہ اُس خالقِ کل اور مالکِ مطلق نے تم پر کیسے کیسے کرم فرمائے اور تمہاری ضرورتوں کی تکمیل کیلئے کیسے کیسے سامان پیدا فرمائے۔ اور اُس نے کس طرح جانوروں میں سے کچھ کو تمہاری بار برداری کیلئے پیدا فرمایا اور کچھ کو تمہاری دوسری ضرورتوں کیلئے۔ اور ہر ایک کو اُسی کے مطابق جسم دیا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور اس نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے

اِن قسما قسم کے جانوروں کو تمہاری طرح طرح کی ضرورتوں کے لئے ایسا مسخر کر دیا اور ان کو اس طرح پیدا کیا اور تمہارے کام میں لگا دیا گیا کہ یہ سب بلا کسی چون و چرا کے تمہاری ایسی مختلف خدمات انجام دیئے چلے جا رہے ہیں۔ اس کے باوجود اپنے اُس خالق و مالک سے منہ موڑنا کس قدر بے انصافی اور کتنی بڑی نمک حرامی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو یہ مختلف نعمتیں انسان کو اللہ کے آگے جھکنے کا درس دیتی ہیں۔

۲۸۳ شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی کی ممانعت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ پیروی نہیں کرنا شیطان کے نقشِ قدم کی کہ اسکے کہنے پر تم لوگ اللہ پاک کی پیدا کردہ ان پاکیزہ چیزوں کو از خود اپنی طرف سے حرام کرنے لگو۔ یا انہیں غیر اللہ کے نام پر نامزد کر کے شرک کرنے لگو۔ جیسے غیر اللہ کے نام نذر و نیاز کی مختلف شکلیں اور تعزیئے کے گھوڑے پر سواری نہ کرنے کی شرکیہ رسم وغیرہ وغیرہ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو اس سے تنبیہ و تذکیر فرما دی گئی کہ تم لوگ شیطان کی پیروی میں لگ کر اور اُس کی باتوں میں آ کر تم لوگ اس طرح کی کسی شرکیہ حرکت کا ارتکاب کر کے اپنا نقصان نہ کرنا کہ یقیناً وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ سو وہ تمہاری دشمنی اور ضرر رسانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۸۴ تخلیق و انشاء، اللہ پاک ہی کی شان ہے:۔ یعنی "ثَمَانِيَةَ" کا عامل محذوف ہے جو "خَلَقَ" یا "اَوْجَدَ" یا "اَنْشَأَ" وغیرہ کے کسی مناسب فعل کی صورت میں مقدر مانا جاسکتا ہے۔ (صفوۃ، جامع، محاسن وغیرہ)۔ سو تخلیق و انشاء اور تکوین و ایجاد اُسی خالقِ کل اور مالکِ مطلق کی شان اور اُسی کا کام ہے۔ اور جب اسکی اِس صفت میں کوئی اُس کا شریک و سہیم نہیں ہے تو پھر اسکی عبادت و بندگی میں کوئی اُس کا شریک و سہیم کیسے ہوسکتا ہے۔ اور جب پیدا ان سب چیزوں کو اسی نے کیا ہے تو پھر تحلیل و تحریم کا اختیار اُس کے سوا اور کسی کو کیسے ہوسکتا ہے؟ پس کسی کے لئے یہ امر جائز نہیں کہ وہ اللہ کی پیدا کردہ چیزوں میں سے کسی کو از خود حرام قرار دے یا اُس کی حرام کردہ چیزوں میں سے کسی کو حلال بنائے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بلکہ انسان کی عبدیت و بندگی کا تقاضا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی مقرر فرمودہ حدود کی پابندی کرے۔

۲۸۵ "زوج" سے مقصود و مراد؟:۔ یعنی "زوج" سے مراد یہاں پر فرد ہے۔ کیونکہ عرب ہر اُس فرد کو "زوج" کہتے ہیں جو دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی لئے بیوی خاوند میں سے ہر ایک کو "زوج" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان میں ہر ایک اپنی زندگی اور اپنی بود و باش میں دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔ (قرطبی، محاسن، خازن وغیرہ)۔ پالتو چوپایوں میں جو دودھ گوشت وغیرہ فوائد و منافع کے لئے عربوں کے یہاں گھروں میں پالے جاتے تھے وہ چار ہی مشہور تھے۔ چھوٹوں میں بھیڑ بکری اور بڑوں میں اونٹ گائے۔ "اَنعام" کا لفظ انہی کے لئے بولا جاتا ہے اور جب اس کی طرف لفظِ بہیمہ کی نسبت کی جاتی ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ کے شروع میں گزرا تو اس وقت وہ وحشی چوپائے بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں جو اگرچہ پالتو نہیں ہوتے، لیکن وہ شامل "اَنعام" ہی کی جنس میں ہیں۔ جیسے ہرن، جنگلی بکرے اور نیل گاؤ وغیرہ۔ یہاں پر زیرِ بحث چونکہ پالتو چوپایوں ہی کی حلت و حرمت کا مسئلہ ہے کیونکہ اہلِ عرب نے اپنے مشرکانہ توہمات کی بناء پر انہی میں سے بعض کو اپنے طور پر از خود حرام اور حلال قرار دے رکھا تھا۔ اس لئے پیغمبر کو ہدایت فرمائی گئی کہ آپ ان میں سے ایک ایک کو فرداً فرداً لے کر اس سے متعلق اِن سے پوچھو کہ ان میں کس چیز کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے؟ تا کہ اس طرح ان لوگوں کی آنکھیں کھل جائیں اور یہ طرح طرح کی ان شرکیات سے باز آ جائیں۔

اشۡتَمَلَتۡ عَلَيۡهِ اَرۡحَامُ الۡاُنۡثَيَيۡنِ ؕ نَبِّـُٔوۡنِىۡ بِعِلۡمٍ

وہ بچے جو ان دونوں قسم کی ماداؤں کے پیٹوں میں ہوتے ہیں؟ ۲۸۶ مجھے بتاؤ علم (اور سند) کے ساتھ،

اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝۱۴۳ وَمِنَ الۡاِبِلِ اثۡنَيۡنِ وَمِنَ

اگر تم لوگ سچے ہو (اپنے قول و قرار میں،) ۲۸۷ اور (اسی طرح) اس نے اونٹ اور گائے سے

۲۸۶ تحلیل و تحریم اللہ ہی کا حق اور اُسی کا اختیار ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے پوچھو کہ کیا اللہ نے دونوں نر حرام کیے یا دونوں مادہ؟ یا وہ جو ان دونوں قسم کی ماداؤں کے پیٹ میں ہوتے ہیں؟ سو اس سے اس اہم بنیادی حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ تحلیل و تحریم اللہ تعالیٰ ہی کا حق اور اسی کا اختصاص و اختیار ہے۔ پس اللہ پاک کی پیدا کردہ حلال چیزوں کو حرام قرار دینا کسی کیلئے روا نہیں ہوسکتا۔ اور جب تحریم کی ان میں سے کوئی بھی صورت موجود نہیں، جیسا کہ ظاہر ہے اور تم خود بھی اسے تسلیم کرتے ہو تو پھر تم لوگ از خود اپنی طرف سے کچھ کو حرام اور کچھ کو حلال کیسے قرار دیتے ہو؟ اور جب خالق و مالک نے اپنی رحمت و عنایت اور اپنی مہربانی سے اِن سب چیزوں کو تمہارے بھلے اور فائدے کیلئے پیدا فرمایا تو تم لوگ کس طرح انکو حرام قرار دیتے ہو؟ بہرکیف یہ معروف چوپائے جیسا کہ اوپر کے حاشیے میں گزرا چار ہی تھے۔ اور ان کے نر اور مادہ کو الگ الگ شمار کیا جائے تو یہ کل آٹھ بنتے ہیں۔ تو فرمایا گیا کہ ان میں سے ایک ایک کے بارے میں ان سے پوچھو کہ اس کو کس نے حرام ٹھہرایا ہے؟ اور جب اللہ نے ان میں سے کسی کو بھی حرام نہیں ٹھہرایا تو پھر تم کیسے ان کو حرام ٹھہراتے ہو؟

۲۸۷ دعوے پر دلیل کا مطالبہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ بتاؤ مجھے علم کے ساتھ اگر تم سچے ہو اپنے ان دعووں میں جو تم لوگ کرتے ہو۔ اور اپنی ان بے سروپا باتوں میں جو تم لوگوں نے از خود گھڑ رکھی ہیں۔ یعنی محض من گھڑت ڈھکوسلوں اور ظن و تخمین سے کام نہیں چل سکتا۔ بلکہ دلیل کی قوت چاہیئے اور وہ تمہارے پاس ہے نہیں۔ کیونکہ باطل کے لئے دلیل ہو ہی کیا سکتی ہے۔ اور اسکے پاؤں ہوتے ہی کہاں ہیں جن پر وہ کھڑا ہوسکے۔ پس یہ امر تعجیز اور توبیخ کے لئے ہے۔ افسوس کہ قرآنِ حکیم کے اس قدر صاف و صریح اور واضح اِرشادات کے باوجود آج بہت سے جاہل مسلمانوں میں بھی طرح طرح کے رسم و رواج اور عادات و تقالید ایسی پائی جاتی ہیں جن کی نہ کوئی اصل و اَساس ہے اور نہ کوئی دلیل و سند۔ سو دعوے پر دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ صرف دعوٰی کافی نہیں ہوسکتا۔ بہرکیف جب ''حمولہ'' اور ''فرش'' کی ان آٹھوں قسموں میں سے نہ کوئی نر حرام ہے نہ مادہ اور نہ وہ کچھ جو ان کے پیٹوں میں ہے تو پھر تم لوگ ان میں سے بعض کو حرام آخر کس طرح قرار دیتے ہو؟ حالانکہ عقل و فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ جب کوئی درخت حلال اور پاکیزہ ہوگا تو اسکے سب پھل بھی حلال اور پاکیزہ ہونگے۔ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ اسکی کسی شاخ کے پھل حلال ہوں اور کسی کے حرام یا کچھ پھل حلال ہوں اور کچھ حرام۔ تو پھر تم لوگوں کو آخر کیا ہوگیا ہے جو تم ایسی باتیں کرتے ہو۔ ﴿مَا لَكُمۡ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ؟﴾۔ سو اس طرح ان لوگوں کے تمام مزعومات اور ڈھکوسلوں کی بیخ کنی فرما دی گئی۔ والحمد للہ جل وعلا۔

الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ

بھی دو دو قسمیں پیدا کیں (نر اور مادہ، تو ان سے) پوچھو کہ کیا اللہ نے دونوں نر حرام کئے؟ یا دونوں مادہ؟

اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ

یا وہ بچے جو دونوں قسم کی مادہ کے رحموں کے اندر ہوتے ہیں؟ ۲۸۸ (کہو) کیا تم لوگ

شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ

خود اس وقت موجود تھے جب اللہ نے ان کے حرام ہونے کا یہ حکم تم کو دیا تھا؟ ۲۸۹ پھر اس سے بڑھ کر ظالم

۲۸۸ **پالتو جانوروں کی قسمیں:-** عربوں کے یہاں جیسا کہ اوپر گزرا، پالتو جانوروں کی دو قسمیں تھیں۔ اور آج بھی ایسے ہی ہے۔ ایک وہ جن کو گوشت وغیرہ کیلئے رکھا اور پالا جاتا ہے جیسے بھیڑ بکری اور دنبہ بکرا وغیرہ اور دوسرے وہ جن کو باربرداری کیلئے رکھا جاتا ہے جیسے گائے، بیل اور اونٹ اونٹنی وغیرہ۔ انہی کو اَنعام (چوپائے) کہا جاتا ہے۔ سو ان میں سے کوئی بھی چیز حرام نہیں بلکہ قدرت نے انکو انسان کے بھلے اور فائدے کیلئے پیدا فرمایا۔ تو پھر تم لوگ ان میں سے بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام آخر کس طرح اور کس بنیاد پر قرار دیتے ہو؟ اور تم لوگوں کو اِس کا حق اور اختیار آخر کس نے دیا؟ اور اگر تمہارے پاس کوئی سند اور دلیل ہے یا ہو سکتی ہے تو اس کی بناء پر مجھے بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں نروں کو حرام کیا یا دونوں ماداؤں کو؟ یا ان چیزوں کو جو ان دونوں قسم کی ماداؤں کے پیٹ میں ہیں؟ اور ظاہر ہے کہ ان میں کوئی بھی صورت موجود نہیں۔ تو پھر تم لوگ اس طرح کی بے بنیاد باتیں آخر کیوں کرتے ہو؟ اور تم لوگ ایسے کفرانِ نعمت کے مرتکب کیوں ہوتے ہو؟

۲۸۹ **مشرکوں سے ایک چبھتا ہوا سوال:-** سو ان سے فرمایا گیا کہ کیا تم لوگ اُس وقت موجود تھے جب اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا؟۔ اور ظاہر ہے کہ نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو پھر تم لوگ کیسے اتنی بڑی بات کہتے ہو؟ سو جب تمہارے پاس نہ عقل کی کوئی دلیل ہے اور نہ نقل کی تو پھر تم لوگ ایسی بات کیسے کہتے ہو جو کہ اِفتراءِ علی اللہ کے زمرے میں آتی ہے جو کہ بہت بڑا ظلم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ سو اِس ارشاد سے اِتمامِ حجت کے آخری درجہ کو بھی پورا فرما دیا گیا۔ مطلب یہ کہ جہاں تک عقل اور نقل کے دلائل کا تعلق ہے، ان میں سے کوئی بھی چیز تمہارے پاس نہیں ہے۔ تو پھر تم لوگ آخر کس بنا پر اللہ پر یہ بہتان باندھتے ہو کہ اُس نے فلاں فلاں چیزوں کو حرام ٹھہرا دیا؟ کیا جب اللہ نے ان چیزوں کی ہدایت فرمائی تھی تو تم لوگ وہاں موجود تھے؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں، تو پھر تم ہی لوگ بتاؤ کہ اُس سے بڑھ کر ظالم اور بدبخت اور کون ہو سکتا ہے جو بغیر کسی سند اور دلیل کے اللہ پر بہتان باندھ کر خلقِ خدا کی گمراہی اور محرومی کا سامان کرے؟ اور سوچو کہ ایسے لوگوں کا انجام کیا ہو گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔

افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ؕ اِنَّ

اور کون ہوسکتا ہے جو خود جھوٹ گھڑ کر اللہ کے ذمے لگا دے تا کہ وہ گمراہ کرے لوگوں کو بغیر کسی علم (وسند) کے؟ ۲۹۰ بے شک

اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴۴﴾ ع قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِىۡ

اللہ ہدایت سے سرفراز نہیں فرماتا ایسے ظالم لوگوں کو، ۲۹۱ (ان سے) کہو کہ میں بہر حال کسی بھی چیز کو حرام نہیں پاتا

مَاۤ اُوۡحِىَ اِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطۡعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنۡ

اس وحی میں جو بھیجی گئی ہے میری طرف (میرے رب کی جانب سے،) ۲۹۲ کسی بھی کھانے والے پر، جو اسے کھاتا ہو، مگر یہ کہ

يَّكُوۡنَ مَيۡتَةً اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا اَوۡ لَحۡمَ خِنۡزِيۡرٍ فَاِنَّهٗ

وہ مردار ہو ۲۹۳ یا بہتا ہوا خون، ۲۹۴ یا سور کا گوشت کہ یہ

۲۹۰ اللہ پر جھوٹ باندھنا سب سے بڑا ظلم - والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوسکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟ تا کہ اس طرح وہ لوگوں کو گمراہ کرے بغیر کسی علم وسند کے۔ استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی اُس سے بڑھ کر ظالم اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ سو اللہ پاک -سبحانہٗ وتعالیٰ- پر جھوٹ گھڑنا اور بہتان باندھنا سب سے بڑا ظلم اور سب سے بڑا جرم اور گناہ ہے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- سو ایسے لوگ اس ظلم کے ارتکاب سے اپنی اور دوسروں کی محرومی کا باعث بنتے ہیں اور دوہرے نقصان کا سامان کرتے ہیں -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- پس بغیر کسی سند اور دلیل کے کوئی بات اللہ پاک کی طرف منسوب کرنے سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افتراء کرنے کا ارتکاب لازم آئے گا جو کہ سب سے بڑا ظلم اور انتہائی ہولناک اور سنگین جرم ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ ہر شائبہ کذب وزُور سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین۔

۲۹۱ ظلم باعثِ محرومی - والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت سے نہیں نوازتا۔ یعنی ظالموں کو انکے اپنے ظلم کے باعث اس کی ہدایت کے اس نورِ عظیم سے سرفراز و فیضیاب ہونے کی توفیق نہیں ملتی۔ سو ظلم محرومی کا باعث ہے اور حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کی تعلیمات سے منہ موڑ کر من مانی کرنا ظلم ہے جو کہ خرابی و فساد اور محرومی کی جڑ بنیاد ہے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- سو اس سے ایک بات تو یہ واضح ہو جاتی ہے کہ ایسے لوگ حق و ہدایت کی دولت سے بہرہ ور نہیں ہوں گے۔ اور دوسری یہ کہ ایسے لوگ حق کے خلاف اپنی مہم میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ کہ یہ لوگ ظالم ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ ظلم کی ہر قسم اور اس کی ہر شکل سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین۔

۲۹۲ محرمات الٰہیہ کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ میں کسی بھی چیز کو حرام نہیں پاتا

اس وحی میں جو میری طرف کی گئی ہے میرے رب کی جانب سے سوائے ان چند چیزوں کے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ یعنی چوپایہ جانوروں میں سے۔ یعنی یہ حصر حقیقی نہیں اضافی ہے۔ یعنی اِن جانوروں کے اعتبار سے ہے جن کا گوشت وغیرہ بالعموم کھایا جاتا ہے اور جن کا ذکر و بیان اس سیاق و سباق میں کیا جا رہا ہے۔ سو سیاق و سباق کے اس قرینے کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے بہت سے مفسرینِ کرام کو اس حصر کے بارے میں بہت الجھن پیش آئی کہ اَشیائے محرمہ جب ان چند چیزوں کے علاوہ اور بھی بہت سی ہیں تو پھر اس حصر کا کیا مطلب؟ تو اسکے جواب میں ان کو ایسی لمبی چوڑی بحثیں کرنا پڑیں جن کی یہاں ضرورت ہی نہیں۔ اور بات صرف اتنی ہے کہ یہ حصر حقیقی نہیں اضافی ہے۔ یعنی یہ حصر و بیان ''بحیرہ''، ''سائبہ'' اور ''وصیلہ'' وغیرہ ان محرمات کے اعتبار سے ہے جن کو مشرکوں نے از خود بغیر کسی شرعی دلیل اور سند کے یونہی حرام قرار دے رکھا تھا کہ ان میں سے کسی بھی چیز کو حضرتِ حق - جل مجدہ - کی طرف سے حرام نہیں فرمایا گیا بلکہ اس کی طرف سے ان اور ان چیزوں کو حرام فرمایا گیا ہے جن کا ذکر اسکے بعد آتا ہے۔ رہ گئیں اس کے علاوہ دوسری محرمات تو ان کا ثبوت دوسری بہت سی نصوصِ کتاب وسنت سے ہے۔ سو حصر سے یہاں پر مراد حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی۔

۲۹۳ مردار کی حرمت کا بیان: - سو حرام جانوروں کے بیان کے سلسلے میں سب سے پہلے ''میتۃ'' یعنی مردار کی حرمت کو بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی جو شرعی ذبح کے بغیر از خود مر جائے جس سے اس کا خون اس کے اندر ہی رہ گیا ہو اور وہ باہر نکلنے کی بجائے اسکے گوشت میں تحلیل ہو گیا ہو۔ سو ایسا مرا ہوا جانور مردار اور حرام ہے کہ ایسے کا گوشت کھانا انسان کیلئے دین و دنیا دونوں اعتبار سے مضر ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - بہرکیف مشرکین نے جن چیزوں کو اپنے مشرکانہ توہمات کی بناء پر حرام کر رکھا تھا اور اُن کو ''بحیرہ''، ''سائبہ'' اور ''وصیلہ'' وغیرہ کے مختلف اِختراع کردہ ناموں سے موسوم کر رکھا تھا، ان کی تردید کے لئے یہاں پر پیغمبر کی زبان سے اِعلان کروایا جا رہا ہے کہ ملتِ ابراہیمی میں، جس کا مشرکین مکہ دعوٰی کرتے اور دم بھرتے تھے، اُس میں اَنعام یعنی چوپایوں میں سے کون کون سے جانور حرام تھے۔ سو ان کے سوا مشرکین نے جن جن چیزوں کو حرام قرار دے رکھا تھا وہ سب ان لوگوں کے من گھڑت مفروضے تھے۔ جنکی نہ کوئی اصل تھی نہ اساس - والعیاذ باللہ العظیم -

۲۹۴ ''دمِ مسفوح'' کی حرمت کا بیان: - سو دمِ مسفوح یعنی ''بہتا ہوا خون'' بھی حرام ہے، جس سے طبائعِ سلیمہ کو گھن آتی ہے۔ اور جو طرح طرح کی معنوی نفرتوں، خباثتوں، ہلاکتوں اور بیماریوں وغیرہ کا سبب اور باعث بنتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - مگر اس سے مراد وہ خون ہے جو بہتا ہو، جسکو ''دمِ سائل'' اور ''دمِ مسفوح'' کہا جاتا ہے۔ سو جو خون جما ہوا ہو وہ حرام نہیں حلال ہے۔ جیسے ''کبد'' اور ''طحال''۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں اسکی تصریح وارد ہوئی ہے۔ سو ''اَنعام'' یعنی چوپایوں سے متعلق ان چند چیزوں کے سوا اور کوئی بھی چیز کسی بھی کھانے والے کے لئے حرام نہیں - والحمد للہ جل وعلا -

رِجۡسٌ اَوۡ فِسۡقًا اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَيۡرَ

نری نجاست ہے، یا وہ چیز جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو، ۲۹۵ پھر بھی جو شخص مجبور ہو جائے (اور وہ کوئی چیز ان

بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى الَّذِيۡنَ

میں سے کھالے) بشرطیکہ نہ تو وہ لذت کا متلاشی ہو، اور نہ حد سے بڑھنے والا، تو (اسے معاف ہے کہ) بے شک تمہارا رب

هَادُوۡا حَرَّمۡنَا كُلَّ ذِىۡ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الۡبَقَرِ وَالۡغَنَمِ

بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے ۲۹۶ اور ان لوگوں پر جو یہودی بن گئے، ۲۹۷ ہم نے حرام کر دیا ہر ناخن والے جانور کو، اور

حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ شُحُوۡمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتۡ ظُهُوۡرُهُمَاۤ

گائے اور بکری کی چربی کو بھی ان پر حرام کر دیا تھا، سوائے اس کے جو چڑھی ہو ان کی پیٹھوں

اَوِ الۡحَوَايَاۤ اَوۡ مَا اخۡتَلَطَ بِعَظۡمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ بِبَغۡيِهِمۡ ۖ

یا انتڑیوں پر، یا جو لگی ہو کسی ہڈی کے ساتھ ۲۹۸ یہ ہم نے ان کو بدلہ دیا ان کی بغاوت (وسرکشی) کا،

۲۹۵ غیر اللہ کیلئے نامزد کردہ چیزوں کی حرمت کا بیان:- یعنی جس پر اللہ کے سوا اور کسی کا نام پکارا گیا ہو۔ خواہ وہ کسی بت کا ہو یا کسی زندہ یا مردہ انسان کا۔ عین ذبح کے وقت ہو یا اس سے پہلے اسکو غیر اللہ کے نام پر نامزد کر دیا گیا ہو۔ کیونکہ ﴿اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ﴾ کے الفاظ عام ہیں۔ اور "اِہلال" کے معنیٰ لغت میں آواز بلند کرنے کے آتے ہیں۔ پس اہل بدعت کے بڑوں کا اس کے ترجمہ میں ذبح کے وقت کی قید لگانا انکی اپنی ایجاد و اختراع اور لفظ کے مفہوم میں خود ساختہ اور من گھڑت اضافہ ہے جس کے پیچھے ان کی خاص اغراض واہواء کارفرما ہیں۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ۔ سو ذبح کرتے وقت اگر غیر اللہ کا نام لے گا تو وہ یقیناً حرام قطعی ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ لیکن جس کو اس سے پہلے بھی غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا ہو وہ بھی اسی طرح حرام ہے۔ کیونکہ "اِہلال" کا لفظ عام ہے جو غیر اللہ کے نام منسوب کرنے اور اس کے تقرب کے لئے نامزد کرنے کی ہر شکل وصورت کو محیط اور شامل ہے۔ اور غیر اللہ کی اِس نامزدگی کی وجہ سے اُس کے اندر ایسی خباثت آگئی کہ یہ نرا گناہ بن گیا۔ اِسی لئے یہاں پر اس کو "فسق" کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ حضراتِ اہلِ علم اسکی توضیح میں کہتے ہیں "لِتَوَغُّلِهٖ فِىۡ بَابِ الۡفِسۡقِ" ۔ (المحاسن، المراغی وغیرہ)۔

۲۹۶ اللہ تعالیٰ کی مغفرت ورحمت کا حوالہ وذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ بڑا ہی غفور ورحیم ہے۔ اس لیے وہ بخشش کے ساتھ رحمت بھی فرماتا ہے کہ وہ غفور کے ساتھ ساتھ رحیم بھی ہے۔ اور اسکی بخشش ورحمت کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس بندے کا کام یہ ہے کہ وہ اسکے ساتھ اپنا تعلق صحیح

رکھے، اسکی معصیت و نافرمانی سے ہمیشہ ڈرتا اور بچتا بھی رہے۔ اُس سے مغفرت اور بخشش کی دعاء و درخواست بھی کرتا رہے اور اُس سے اسکی بخشش و رحمت کی امید بھی رکھے- وباللہ التوفیق- سو جس نے اضطرار اور مجبوری کی بناء پر ان حرام چیزوں میں سے بقدرِ ضرورت کچھ کھا پی لیا تو اس پر کوئی مؤاخذہ اور گرفت و پکڑ نہیں جبکہ نہ تو وہ لذت کا طالب ہو اور نہ ہی حدِ ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو کہ یقیناً اللہ بڑا ہی بخشنہار اور انتہائی مہربان ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۲۹۷ یہودی بن جانے والوں کیلئے مزید تنگی:- یعنی یہاں پر "یہود" نہیں ﴿اَلَّذِیْنَ ھَادُوْا﴾ فرمایا گیا۔ یعنی وہ لوگ جو از خود یہودی بن گئے اور انہوں نے اسلام کی بجائے یہودیت کے نام سے از خود ایک دین گھڑ لیا۔ جبکہ اللہ پاک کے یہاں دین صرف اسلام ہے ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ﴾ اسی لئے ہم نے یہاں پر ترجمہ "یہودی بن گئے" کے الفاظ سے کیا- تاکہ یہ مفہوم واضح ہو جائے۔ اس لئے ﴿اَلَّذِیْنَ ھَادُوْا﴾ کا ترجمہ صرف "یہود" یا "یہودیوں" جیسے الفاظ سے کرنا، جیسا کہ عام اردو تراجم میں بالعموم پایا جاتا ہے اس لفظ کا اصل ترجمہ نہیں۔ اور اس سے آیت کریمہ میں واردالفاظِ کریمہ کی پوری اور واضح ترجمانی وعکاسی نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہاں "الیہود" نہیں فرمایا گیا بلکہ ﴿اَلَّذِیْنَ ھَادُوْا﴾ کے الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں جو کہ لفظِ مفرد نہیں پورا جملہ ہے۔ اور جب آیتِ کریمہ میں "الیہود" کے مفرد اور مختصر لفظ کو چھوڑ کر اس جملے کو اختیار فرمایا گیا ہے تو اس کا بدیہی تقاضا ہے کہ اس میں یہ معنوی فرق ملحوظ رکھا جائے۔ ہم نے اپنے ترجمے میں اسی کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے- والحمدللہ- بہرکیف اِس ارشادِ ربانی سے واضح فرما دیا گیا ہے کہ جو لوگ مسلمان ہونے کی بجائے یہودی بن گئے اور انہوں نے اسلام کی شاہراہِ اعظم کو چھوڑ کر یہودیت کے نام سے نئی پگڈنڈی کو اپنا لیا، اُن پر بطورِ خاص اور بھی کئی چیزوں کو حرام کر دیا گیا اور اُن کیلئے دائرۂ حلت کو اور تنگ کر دیا گیا، جو کہ سزا و جزا تھی انکی سرکشی کی۔ جیسا کہ فرمایا گیا ﴿ذٰلِکَ جَزَیْنٰھُمْ بِبَغْیِھِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ یعنی ایسی تحریمات سے ہم نے دراصل ان کو ان کی سرکشی اور بغاوت کی سزا دی تھی ورنہ نفس الامر میں یہ چیزیں حرام نہیں تھیں۔ سو ان اشیاء کی حرمت عارضی، وقتی اور خاص لوگوں کے لیے تھی- والعیاذ باللہ العظیم-

۲۹۸ یہودیوں کی سرکشی کی بناء پر اُن پر بعض چیزوں کی تحریم:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے یہودیوں پر ان اور ان خاص چیزوں کو حرام قرار دیا تھا جو کہ اپنی اصل کے اعتبار سے حلال اور مباح تھیں۔ سو یہودیوں پر ایک تو ہر ناخن والے جانور کو حرام قرار دے دیا گیا تھا جیسے اونٹ، شترمرغ، مرغابی اور بطخ وغیرہ۔ (معارف القرآن وغیرہ)۔ اور دوسرے ان پر گائے اور بکری کی چربیوں کو بھی حرام کر دیا گیا تھا۔ البتہ جو چربی ان کی آنتوں پر چڑھی ہوتی یا ہڈیوں کے ساتھ لگی ہوتی اس کو ان پر حرام نہیں کیا گیا تھا، سو یہ ان لوگوں کی سرکشی کی سزا تھی، ورنہ وہ چیزیں فی نفسہ حرام یا خبیث نہیں تھیں اور ان میں سے کوئی بھی چیز عہدِ ابراہیمی یا ملتِ ابراہیمی میں حرام نہیں تھی۔ اور ان لوگوں کا ایسا کہنا جھوٹ ہے۔ (المعارف، المراغی اور الصفوۃ وغیرہ)۔ سو بنی اسرائیل پر ناخن والے جانوروں اور چربی وغیرہ کو جو حرام کیا گیا تھا تو اس بناء پر نہیں کہ ان چیزوں کے اندر فی الواقع حرمت کی کوئی علت پائی جاتی تھی۔ نہیں بلکہ ان کی حرمت میں اصل دخل ان لوگوں کے فسادِ مزاج کو تھا۔ اور یہ ان کی سرکشی اور بدمزاجی کی سزا تھی۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی مباح چیزوں کو ان پر حرام ٹھہرا دیا تھا۔ اور آخر میں ﴿وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ کے مختصر اور تاکیدی جملے سے یہ بھی واضح فرما دیا گیا کہ "ہم بہرحال اور قطعی طور پر سچے ہیں" اور جو کچھ ہم نے ان سے متعلق بتایا وہی حق اور سچ ہے۔ اور جو کچھ یہود اور قریش کے اشرار کہہ اور کر رہے ہیں وہ اس میں قطعی طور پر جھوٹے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ-

وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ

اور بے شک ہم قطعی طور پر (اور ہر لحاظ سے) سچے ہیں ۲۹۹ پھر بھی اگر یہ لوگ جھٹلاتے ہی جائیں آپ کو (کہ ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا) تو کہو

وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

کہ تمہارا رب بڑی ہی وسیع رحمت والا ہے، ۳۰۰ اور (وہ سخت عذاب دینے والا بھی ہے، اور) ٹالا نہیں جا سکتا اس کا عذاب مجرم لوگوں سے،

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا

اب یہ مشرک لوگ یوں کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے، اور نہ ہی ہمارے باپ دادا،

وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ

اور نہ ہی ہم از خود کسی چیز کو حرام ٹھہراتے ۳۰۱ (اور جس طرح آج یہ لوگ حق کو جھٹلاتے ہیں) اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو گزر چکے ہیں

قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ

ان سے پہلے، ۳۰۲ یہاں تک کہ انہوں نے مزہ چکھا ہمارے عذاب کا ۳۰۳ (ان سے یہ تو) پوچھو، کہ کیا ہے تمہارے پاس کوئی علم،

فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا

جسے تم پیش کر سکو ہمارے سامنے؟ تم لوگ تو محض خیالی باتوں کے پیچھے چلتے ہو، اور تمہارا تو کام ہی بس یونہی اٹکلیں

۲۹۹ اعمال کا کسی قدر بدلہ اِس دنیا میں بھی ملتا ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ ہم نے ان لوگوں کو بدلہ دیا تھا انکی بغاوت و سرکشی کا اور بلاشبہ ہم قطعی طور پر سچے ہیں۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ برائیوں کی کچھ نہ کچھ سزا انسان کو دنیا میں بھی ملتی ہے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اگرچہ پوری سزا آخرت ہی میں ملے گی۔ جیسا کہ نیکیوں کا پورا صلہ و بدلہ تو اگرچہ آخرت ہی میں ملے گا، مگر ان کا کچھ نہ کچھ صلہ و بدلہ انسان کو مختلف نعمتوں کی شکلوں میں اِس دنیا میں بھی ملتا ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی -رحمۃ اللہ علیہ- نے ''جزاء الاعمال'' کے نام سے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ اردو میں تالیف فرمایا ہے جس میں اس طرح کی بہت سی نصوصِ کریمہ اور آیاتِ قرآنیہ کو بڑی عمدگی سے جمع فرما دیا ہے - فجزاہ اللہ خیرا - اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہر برائی سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور جو اس سے پہلے ہو گئیں ان کو معاف فرما دے - آمین ثم آمین یارب العالمین - اللّٰھم فخدنا بنواصینا الی ما فیہ حبک و الرضا -

۳۰۰ حق تعالیٰ کی وسعتِ رحمت کا حوالہ و ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تمہارے رب کی رحمت بڑی ہی وسیع ہے۔ اور یہ اُس کی رحمت ہی کا ایک مظہر ہے کہ وہ تمہاری ان تمام تر خرمستیوں اور سرکشیوں کے باوجود تمہیں فوراً نہیں پکڑتا بلکہ تمہیں ڈھیل پر

ڈھیل دیئے جارہا ہے۔ مگر تم لوگ اس کی ڈھیل سے کبھی دھوکہ نہیں کھانا کہ مجرم اس کی گرفت و پکڑ سے کبھی بچ نہیں سکیں گے۔ اور اس کی گرفت و پکڑ بڑی ہی سخت اور ہولناک ہے۔ ﴿اِنَّ اَخۡذَہٗۤ اَلِیۡمٌ شَدِیۡدٌ﴾ ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ پس بندے کو چاہیئے کہ نہ تو وہ کبھی اُس ربِّ حلیم وکریم کے حلم وکرم اور اسکی رحمت وعنایت سے مایوس ہو اور نہ ہی کبھی اُسکی گرفت و پکڑ سے نڈر و بے خوف۔ بلکہ اُسکی معصیت و نافرمانی سے ہمیشہ بچتا اور ڈرتا بھی رہے اور اُسکے لطف وکرم اور رحمت وعنایت کی پوری توقع اور امید بھی رکھے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ ۔ اللہ تعالیٰ فکر وعمل کے ہر دائرے میں ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رکھے۔ آمین۔

۲۰۱ اہلِ باطل کا تقدیر ومشیت خداوندی سے بہانہ ڈھونڈنا: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اب یہ مشرک لوگ یوں کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا۔ اور نہ ہی ہم از خود کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ یعنی اپنی کٹ حجتی کے لئے ایسے لوگ تقدیر کا سہارا لیتے ہیں جس طرح کہ مجرموں کا ہمیشہ یہی وطیرہ رہا ہے۔ حالانکہ مشیت اور چیز ہے اور رضا اور چیز۔ اور یہ لوگ مکلف بہرحال اسی کے ہیں کہ اچھائیاں کریں اور برائیوں سے رکیں اور بچیں۔ ورنہ مشیت کا یہ بہانہ ہر مجرم اور ہر خطا کار پیش کر سکتا ہے۔ بہرکیف اِس ارشاد سے مشرکین کے آخری معارضہ کو نقل کر کے اُس کا رد فرمایا گیا ہے کہ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر ہم نے شرک کا ارتکاب کر کے اور خدا کی مرضی کے خلاف کسی چیز کو حرام قرار دے کر خدا کی نافرمانی کی ہے تو خدا نے ہمیں روکا کیوں نہیں اور ہمیں اس کا موقع کیوں دیا؟ سو اِن لوگوں کا یہ معارضہ ایک بالکل احمقانہ معارضہ ہے۔ انسانوں کو کسی قول یا فعل کی آزادی ملنا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں صحیح ہے ورنہ ہر مجرم اس بہانے کا سہارا لے سکتا ہے۔ انسان کو اس دنیا میں آزادئ اختیار سے نوازا گیا ہے اور اسی میں اس کا امتحان ہے۔ اور یہی حکمت کا تقاضا ہے۔

۲۰۲ داعیٔ حق کیلئے تسلی کا سامان: ۔ یعنی یہ کہ تکذیب حق کا یہ جرم کوئی نیا جرم نہیں۔ بلکہ حق کو ان لوگوں نے بھی جھٹلایا ہے جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں۔ پس آج کے ان منکروں کا یہ رویہ کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں بلکہ ایسا پہلے سے ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ سو اس میں حضور ﷺ کے لئے اور آپ ﷺ کے توسط سے ہر داعیٔ حق کے لئے تسلی کا سامان ہے کہ اہلِ باطل کی اس طرح کی بہانہ بازیوں سے افسردہ اور دلگیر ہونے کی ضرورت نہیں کہ یہ کوئی نئی بات اور انوکھی چیز نہیں۔ بلکہ پہلے سے ایسے ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ لہٰذا آپ بھی اسی طرح صبر سے کام لیں جس طرح کہ اس سے پہلے کے لوگوں نے لیا ہے اور ان لوگوں کیلئے کسی طرح کی جلد بازی اور بے صبری کا اظہار نہ کریں جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿فَاصۡبِرۡ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الۡعَزۡمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسۡتَعۡجِلۡ لَّہُمۡ﴾ الآیۃ (الاحقاف: ۳۵)۔ نیز اس میں منکرین ومکذبین کے لئے تنبیہ وتذکیر بھی ہے کہ اگر تم لوگ باز نہ آئے تو تمہارا حشر بھی وہی ہو گا جو اس سے پہلے کے منکروں کا ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون ایک اور سب کے لئے یکساں ہے۔ سو منکرین حق اپنے ہولناک انجام سے بچ نہیں سکیں گے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ جَلَّ وَعَلَا ۔

۲۰۳ اہلِ باطل کو درسِ عبرت لینے کی ترغیب: ۔ یعنی ماضی کے ان مکذبین نے بھی حق کو جھٹلایا۔ یہاں تک کہ انہوں نے مزہ چکھا ہمارے عذاب کا۔ سو جب اُن لوگوں کو ہمارے عذاب کا مزہ چکھنا پڑا تو وہی حشر ان لوگوں کا بھی ہو سکتا ہے جو آج حق کا انکار کرنے اور اُسکی عداوت و دشمنی پر کمربستہ ہیں کہ اللہ کا قانون و دستور سب کیلئے یکساں اور بے لاگ ہے۔ پس ان کو اپنے برے انجام سے بچنا اور ڈرتے رہنا چاہیے۔ اور ایسے لوگوں کو اس طرح کے ہولناک انجام سے ہمیشہ ڈرتے اور بچتے رہنا چاہیئے کہ اُس کا عذاب آنے کے بعد ٹل نہیں سکتا اور مجرم لوگ اُس کی گرفت و پکڑ سے چھوٹ نہیں سکتے ۔ ﴿وَلَا یُرَدُّ بَاۡسُہٗ عَنِ الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ﴾ ۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین۔

تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

لڑانا ہے، ۳۰۴ کہو، اللہ ہی کیلئے ہے کامل حجت، ۳۰۵ پس اگر وہ (زبردستی تم سب کو راہ راست پر لانا) چاہتا تو یقیناً وہ تم سب کو (یونہی) ہدایت دے دیتا،

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ

(ان سے) کہو کہ لاؤ تم لوگ اپنے ان گواہوں کو، جو گواہی دیں اس بات کی کہ اللہ نے حرام کیا ہے ان (مذکورہ بالا) اشیاء کو، ۳۰۶

۳۰۴ **اہلِ باطل کا سہارا ظن و تخمین:** — سو ایسے لوگوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ تو محض ظن و گمان کے پیچھے چلتے ہو اور تمہارا کام تو محض اٹکلیں لڑانا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ظن و تخمین حق کے مقابلے میں کچھ بھی کام نہیں آ سکتے۔ ﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ — سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اہلِ باطل کے پاس دلیل و برہان کی کوئی سند اور قوت نہیں ہوتی کہ باطل کیلئے دلیل و برہان کی کوئی قوت ہو سکتی ہی نہیں، بلکہ اُن کا سارا مدار و انحصار ظن و گمان اور تخمین و قیاس آرائی پر ہوتا ہے اور بس۔ بہرکیف اِن لوگوں سے کہا گیا کہ خداوند قدوس کی پسند یا ناپسند جاننے کا ذریعہ تمہاری اپنی زندگی اور تمہارے خود کے اعمال نہیں۔ یہ کہ جو کچھ تم کر لو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ اور تمہارے لئے اجر و ثواب بن جائے۔ بلکہ اس کیلئے علمی سند اور ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ تم لوگ محض اٹکل کے تیر تکے چلاتے ہو اور قیاس و گمان کے گھوڑے دوڑاتے ہو۔ حالانکہ وہم و گمان راہِ حق میں کچھ بھی کام نہیں آ سکتے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۳۰۵ **اللہ ہی کیلئے ہے کامل حجت:** — یعنی ایسی کامل حجت جو اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل میں درجہ کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ اور زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس پر وہ حاوی نہ ہو۔ اور جو قرآن و سنت کی صورت میں آج بھی دنیا میں جوں کی توں موجود ہے اور قیامت تک اسی طرح موجود رہے گی۔ سو حق وہی ہے جس کا حق ہونا اس حجتِ بالغہ اور دلیلِ کامل سے ثابت ہو۔ اور باطل وہ ہے جو اس کی رو سے باطل قرار پائے کہ حجتِ بالغہ بہرحال اللہ ہی کیلئے ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سو اللہ تعالیٰ اسی حجتِ بالغہ کے مطابق کام کرتا ہے اور اس نے اپنے بندوں کو اختیار کی آزادی دی ہے کہ انسان اپنی مرضی اور آزادی کے ساتھ راہِ حق و ہدایت کو اختیار کرے ورنہ اگر وہ جبری ہدایت چاہتا تو تم سب لوگوں کو راہِ حق و ہدایت پر ڈال دیتا۔ اور اس طور پر کہ کسی کے لیے چوں چرا اور حیل و حجت کی کوئی گنجائش ہی نہ رہتی۔ سو تم لوگوں کے پاس تو محض ظن و گمان ہے مگر اللہ کے پاس حُجت بالغہ۔ اور عقل و نقل کا تقاضا یہی ہے کہ ظن و گمان کی بجائے حق اور ہدایت ہی کی پیروی کی جائے — وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق

۳۰۶ **دلیلِ نقلی کا مطالبہ:** — سو ارشاد فرمایا گیا کہ لاؤ تم لوگ اپنے ان گواہوں کو جو اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے۔ یعنی ﴿هَلُمَّ﴾ اسم فعل متعدی ہے۔ اور یہ لازمی معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ یعنی یہ لفظ لازم و متعدی دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (جامع البیان وغیرہ)۔ مگر یہاں اس سے اِس کا متعدی معنیٰ ہی مراد ہے۔ كَمَا هُوَ الظَّاهِرُ۔ یعنی اگر تمہارے پاس ایسے کوئی گواہ موجود ہوں جو اس بات کی گواہی دے سکیں کہ اللہ نے ان کے سامنے ان چیزوں کو حرام ٹھہرایا تھا تو تم اپنے ان گواہوں کو سامنے لاؤ اور ظاہر ہے کہ اس کا نہ کوئی وجود ہے نہ اِمکان۔ اس لیے اس سے ان لوگوں کا عجز اور ان کی بے بسی پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ سو اس طرح ان لوگوں کے ضمیروں کو دستک دی گئی کہ وہ حق کے آگے جھک جائیں اور اس طرح خود اپنے بھلے کا سامان کریں۔ سو تمہارے پاس اگر اس طرح کے کوئی گواہ نہیں اور یقیناً نہیں تو تم لوگ اللہ تعالیٰ کی اِس حجتِ بالغہ کے آگے جھک جاؤ اور اس کو قبول کر کے اپنے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کرو جو قرآنِ حکیم تمہارے سامنے پیش کر رہا ہے۔ ورنہ تم اپنے ابدی اور ہولناک خسارے کے لئے تیار ہو جاؤ — وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ —

فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

پھر اگر وہ (کبھی ڈھٹائی اور بے حیائی پر اتر کر) ایسی گواہی دے بھی دیں، تو تم ان کے ساتھ کبھی بھی گواہی نہ دینا، اور پیروی نہیں کرنی ان لوگوں کی

بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع ۱۸ ۶ ۵

خواہشات کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو، اور جو ایمان (ویقین) نہیں رکھتے آخرت پر اور وہ اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں (دوسروں کو) ۳۰۷

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ

(ان سے) کہو، کہ آؤ میں تمہیں سناؤں جو کچھ حرام کیا ہے تم پر تمہارے رب نے ۳۰۸ یہ کہ اس کے ساتھ شریک نہیں ٹھہرانا

۳۰۷ دوسروں کو رب کے برابر ٹھہرانے کا مطلب ؟ :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ دوسروں کو اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں اور اُن کی پوجا پاٹ وغیرہ کرتے ہیں۔ سو اِس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی بھی ہستی میں حاجت روائی اور مشکل کشائی وغیرہ کی کوئی بھی خدائی صفت ماننا اور اُس کی پوجا پاٹ کرنا دراصل اُس کو خدا کے برابر اور مساوی قرار دینا ہے۔ کیونکہ مشرکینِ عرب بھی اس کائنات کا خالق و مالک، روزی دینے والا، آسمان سے بارش برسانے والا، زندگی وموت کا مالک ومختار اللہ تعالیٰ ہی کو جانتے اور مانتے تھے۔ جیسا کہ قرآنِ پاک کی متعدد نصوص اور آیاتِ کریمہ اس بارے میں صریح اور واضح طور پر موجود ہیں۔ مگر اِس کے باوجود ان کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ دوسروں کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں کی پیروی نہیں کرنی جن کے اندر یہ تین صفتیں پائی جاتی ہوں کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے اور ان کی تکذیب کرتے ہوں۔ وہ آخرت پر ایمان نہ رکھتے ہوں اور وہ دوسروں کو اپنے رب کے ہمسر ٹھہراتے ہوں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۳۰۸ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کا بیان :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ آؤ میں تم لوگوں کو وہ کچھ پڑھ کر سناؤں جس کو تمہارے رب نے تم پر حرام کر دیا ہے تاکہ تم لوگ اس سے بچ سکو کہ حرام وہی ہے جس کو رب حرام فرمائے نہ کہ وہ جس کو تم از خود اپنی طرف سے حرام قرار دو۔ اور یہی ہے اصل ملتِ ابراہیمی جسکے تم لوگ دعویدار تو بنتے ہو مگر تمہارا عمل وکردار اسکے بالکل خلاف ہے۔ لہٰذا اب اس آئینے میں تم لوگ اپنا چہرہ خود دیکھ لو کہ ملتِ ابراہیمی کیا تھی اور اُسکے تقاضے کیا تھے۔ اور تم لوگ کہاں کھڑے ہو؟ اور اُسکے نتیجے میں تم لوگ جان سکو کہ تم کو کیا کرنا چاہیئے تھا اور تم کرتے کیا ہو؟ اور تمہیں اِجتناب اور پرہیز کس سے کرنا چاہیئے؟ اور تمہارا طریقہ اور طرزِ عمل کیا ہے؟ تم لوگوں نے تو اپنے ظن وتخمین سے کام لیتے ہوئے ملتِ ابراہیمی کی بعض پاکیزہ چیزوں کو اپنے مشرکانہ توہمات کی بنا پر حرام ٹھہرا کر اپنے طور پر اس کو ملتِ ابراہیمی قرار دے رکھا ہے حالانکہ ملتِ ابراہیمی میں تمہارے زعم اور گھمنڈ کے برعکس خدا اور اُس کے بندوں کے حقوق سے متعلق بہت سی چیزیں حرام ہیں، مگر تم لوگوں نے ان کو گلے لگا رکھا ہے۔ سو آؤ میں تم کو سناتا ہوں کہ خدا نے تم پر کیا کیا چیزیں حرام ٹھہرائی ہیں۔ پس ان کو سنو کہ یہی ہے ملتِ ابراہیمی کا اصل خلاصہ۔

شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ

کسی چیز کو، اور (اپنے) ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، ۳۰۹ اور (یہ کہ) قتل نہیں کرنا اپنی اولاد کو

مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا

تنگ دستی کے ڈر سے، کہ روزی ہم ہی دیتے ہیں تمہیں بھی، اور انہیں بھی، ۳۱۰ اور (یہ کہ) قریب نہیں جانا

الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا

(بے شرمی اور) بے حیائی کے کاموں کے، خواہ وہ کھلے ہوں یا چھپے، اور (یہ کہ) تم لوگ قتل نہیں کرنا

النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ

کسی ایسی جان کو جس کو حرام ٹھہرایا ہو اللہ نے مگر حق کے ساتھ، ۳۱۱ یہ وہ باتیں ہیں جن کی تاکید فرمائی ہے اس نے

بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ۱۵۱ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا

تم کو تاکہ تم لوگ عقل سے کام لو، ۳۱۲ اور (چھٹے یہ کہ) قریب نہ جانا تم یتیم کے مال کے، مگر

۳۰۹ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی اہمیت: - پس ان سے بدسلوکی ممنوع و حرام ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ ان سے حسنِ سلوک بھی مطلوب ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر بھی فرمایا گیا - ﴿ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ - (بنی اسرائیل: ۲۳)۔ سو اس سے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی عظمت و اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآنِ حکیم میں اس آیتِ کریمہ کے علاوہ دوسرے کئی مقامات پر بھی اللہ تعالیٰ کے حق کے متصل بعد ماں باپ کے حق کو بیان فرمایا گیا ہے اور اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے۔ سو ملتِ ابراہیمی میں سب سے پہلی چیز جو تم پر حرام فرمائی گئی ہے وہ ہے شرک۔ لیکن تم لوگوں نے شرک کو اپنا دین بنا رکھا ہے اور اس کے بعد جو سب سے بڑا حق انسان پر عائد ہوتا ہے وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا حق ہے۔ مگر اس کی تم لوگوں کو پروا نہیں مگر دعویٰ کرتے ہو ملت ابراہیمی کا۔ تم کیسے اوندھے لوگ ہو۔

۳۱۰ روزی رساں سب کا اللہ ہی ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ روزی ہم ہی دیتے ہیں تم لوگوں کو اور ان کو بھی۔ کہ روزی رساں تو سب کے بہرحال ہم اور صرف ہم ہی ہیں - ﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴾ - (الذاریات: ۵۸)۔ سو جب روزی رساں سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے تو پھر فقر و فاقہ اور افلاس و محتاجی کی بناء پر کسی کو قتل کرنا کیسے روا ہو سکتا ہے؟ اور وہ بھی اپنی اولاد کو؟ لیکن افسوس کہ قتلِ اولاد کے جاہلیت اولیٰ کے اس ہولناک مرض کے جراثیم آج بھی جگہ جگہ اور طرح طرح سے موجود ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ

الْعَظِيْم -''اِملاق'' کے معنیٰ فقر و فاقہ اور تنگ دستی کے ہیں۔ عربوں کے یہاں اولاد کو قتل کرنے کے اس سنگین اور ہولناک جرم کا اِرتکاب کئی وجوہ کی بنا پر ہوتا تھا، جیسا کہ اس سے پہلے بھی گزر چکا ہے اور ان وجوہ میں سے ایک وجہ فقر و فاقہ اور غربت و محتاجی کا اندیشہ تھا۔ جیسا کہ آج بھی کئی ایسے غریب ملکوں میں ہوتا ہے جہاں غربت حد سے بڑھ جاتی ہے اور اس ظلم کا اصل باعث اور بنیادی سبب انسان کی یہ غلط فہمی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اپنا اور اپنی اولاد اور متعلقین کا روزی رساں سمجھ بیٹھتا ہے۔ حالانکہ اُس کا وجود بھی اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور اُس کا رزق اور روزی بھی اللہ ہی کی طرف سے۔ اس لئے یہاں پر اِرشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ فقر و فاقہ کے اندیشے سے قتلِ اولاد کے اِس سنگین جرم اور ہولناک فعل کا اِرتکاب نہ کرنا کہ روزی ہم ہی دیتے ہیں تم کو بھی اور اُن کو بھی۔

۳۱۱ قتلِ ناحق کی حرمت کا بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم قتل نہیں کرنا کسی ایسی جان کو جس کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہو مگر حق کے ساتھ۔ کہ یا تو اُس نے کسی کو قتل کیا ہو تو اُس کے بدلے میں اُس کو قتل کیا جائے یا اُس نے زنا کا ارتکاب کیا ہو اور وہ ''محصن'' یعنی شادی شدہ ہو یا وہ دین سے پھر گیا ہو -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- تو اِن تین صورتوں میں سے کوئی صورت بھی اگر پائی جائے تو ایسے میں اسکو قتل کرنا جائز ہوگا اور یہی مطلب ہے ﴿بِالْحَقِّ﴾ ''حق کے ساتھ قتل کرنے'' کا۔ ان میں سے کسی وجہ کے بغیر کسی بھی شخص کو قتل کرنا جائز نہیں۔ اور یہ کبیرہ گناہ بلکہ ''سبع موبقات'' یعنی ان سات بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ ہے جو انسان کو ہلاکت و تباہی کے ہولناک گڑھے میں ڈالنے والی ہیں۔ سو انسانی جان بجائے خود محترم ہے۔ اس کو چھیڑنا یا اُس پر ہاتھ ڈالنا جائز نہیں۔ اس لئے اس کی صفت یہاں پر ﴿الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ وارد ہوئی ہے۔ یعنی ''جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہو''۔ اس سے مستثنیٰ وہی جان ہے جو کسی حقِ شرعی اور قانون کے مطابق مباح الدم قرار پائے جس کی تین صورتیں ابھی اوپر ذکر کی گئی ہیں۔ ان کے بغیر کسی بھی جان کا قتل کرنا جائز نہیں۔

۳۱۲ عقل و فکر سے کام لینے کی دعوت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے تم لوگوں کو ان باتوں کی تاکید فرمائی ہے تاکہ تم لوگ سوچو اپنے نفع و نقصان اور خیر و شر کے درمیان فرق و تمیز کے بارے میں۔ اور یہ جان اور سمجھ لو کہ ملتِ ابراہیمی اور اُسکے تقاضے کیا تھے۔ اور تم لوگ کہاں بھٹک رہے ہو۔ سو اِس میں غور و فکر اور عقل سے کام لینے کی دعوت و تحریک ہے اور یہ اِیماء بھی کہ اگر یہ لوگ عقل سے کام لیتے اور صحیح طور پر سوچتے تو شرک وغیرہ کے اِن اندھیروں میں نہ رہتے جن میں یہ اب پڑے ہیں۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا ''یہ ہیں وہ باتیں جن کی تعلیم و تلقین تم لوگوں کو اللہ نے فرمائی ہے۔ اور یہی ہے اصل ملتِ ابراہیمی۔ مگر تم لوگ ہو کہ تم نے کام کی ان باتوں کو چھوڑ کر چند اچھے بھلے جانوروں کو اپنے مشرکانہ توہمات کی بناء پر از خود حرام قرار دے کر ملتِ ابراہیمی کے دعویدار بن بیٹھے ہو۔ سو اب میں تمہیں وحیِ خداوندی کے مطابق یہ اَحکام اس لئے سنا رہا ہوں کہ تم سوچو سمجھو اور عقل و فکر سے کام لو کہ تم کہاں سے کہاں نکل گئے ہو۔ تمہارا دعویٰ کیا ہے اور عمل کیا؟ اور یہ کہ تم راہِ راست سے بھٹک کر ہلاکت و تباہی کے کس ہولناک گڑھے میں جا گرے ہو؟ سو اب راہِ حق کو اپنا لو۔

بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ حَتّٰی یَبۡلُغَ اَشُدَّہٗ ۚ وَ اَوۡفُوا

اسی طریقے کے ساتھ جو کہ سب سے اچھا ہو، ۳۱۳ یہاں تک کہ وہ پہنچ جائے اپنی بھرپور قوتوں کو، ۳۱۴ اور (یہ کہ) پورا کرو تم

الۡکَیۡلَ وَ الۡمِیۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ ۚ لَا نُکَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا

ماپ اور تول کو (عدل و) انصاف کے ساتھ، ہم تکلیف نہیں دیتے کسی بھی جان کو مگر

وُسۡعَہَا ۚ وَ اِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَ لَوۡ کَانَ ذَا قُرۡبٰی ۚ

اس کی طاقت کے مطابق، ۳۱۵ اور جب تم بات کرو تو انصاف کی کرو، ۳۱۶ اگرچہ وہ شخص رشتہ دار ہی (کیوں نہ) ہو،

وَ بِعَہۡدِ اللّٰہِ اَوۡفُوۡا ؕ ذٰلِکُمۡ وَصّٰکُمۡ بِہٖ لَعَلَّکُمۡ

اور اللہ کے عہد کو پورا کرو، ۳۱۷ یہ ہیں وہ (اہم) باتیں جن کی تاکید فرمائی اس نے تم کو تاکہ تم

۳۱۳ حقِّ یتیم کی پاسداری کا حکم وارشاد: ــ سو اس میں یتیم کے بارے میں سب سے بہتر طریقے کو اپنانے کی ہدایت فرمائی گئی۔ یعنی یتیم کے مال کے بارے میں وہی طریقہ اپنایا جائے جو سب سے بہتر ہو یتیم کے حق میں۔ اس کی بہتری اور اس کے مال کی حفاظت وصیانت کے اعتبار سے۔ یعنی یتیم کے بارے میں ہر وہ طریقہ اپناؤ جس سے اُس کے مال کی حفاظت ہو اور اُس میں اضافہ اور بڑھوتری ہو۔ اور یہ کہ یہ مال یتیم کی تعلیم و تربیت اور اسکی بہتری اور اِصلاح میں خرچ ہو۔ یہ سب صورتیں ''احسن'' یعنی ''سب سے اچھے طریقے'' میں داخل ہیں۔ سو کسی بری نیت و ارادہ سے یتیم کے مال کے قریب بھی نہیں پھٹکنا چاہئے۔ جو بھی اس کے پاس جائے صرف اچھی ہی نیت اور اِرادہ سے جائے۔ اور وہی طریقہ اپنائے جو یتیم کے حق میں سب سے بہتر ہو۔ اور معاملہ اللہ کے ساتھ درست رکھو جو کہ دلوں کے حال کو جاننے والا ہے۔

۳۱۴ ﴿اَشُدَّہٗ﴾ کا معنیٰ اور اس سے مراد؟: ــ سو یتیم کے مال کی پوری حفاظت اور نگرانی کی جائے یہاں تک کہ وہ اپنی بھرپور قوتوں کو پہنچ جائے۔ یعنی جوانی کو۔ ''اَشُدّ'' جمع ہے ''شِدَّۃ'' کی جیسے ''اَنْعُم'' جمع کی ''نِعْمَۃ'' کی۔ یا یہ جمع ہے ''شَدّ'' کی جیسے ''اَکْلُب'' جمع ہے ''کلب'' کی۔ یا یہ جمع ہے ''شِدّ'' کی جیسے ''اَضُرّ'' جمع ہے ''ضِرّ'' کی۔ (محاسن التاویل)۔ اور یہ کنایہ ہے اسکی جوانی اور بلوغ سے۔ کیونکہ جوانی کی عمر ہی وہ عمر ہوتی ہے جس میں انسان کی جسمانی اور عقلی وفطری قوتیں پوری اور کامل ہوجاتی ہیں اور وہ اپنے نفع ونقصان کو سمجھنے لگتا ہے۔ سو جب تک یتیم اپنی اُس عمر کو نہیں پہنچتا اس وقت تک، اُس کے مال ودولت کی بھرپور حفاظت اور نگرانی کی جائے۔ اسکے بعد اس کا مال اس کے حوالے کردیا جائے۔

۳۱۵ اللہ کسی کو بھی اُسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا: ــ پس جو اَحکام ہم نے تمہیں دئے ہیں وہ تمہاری ہمت وبساط کے عین مطابق ہیں کہ ہم سے زیادہ تمہاری قوت واستعداد کو جاننے والا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ ﴿اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ

خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴾-(الملک:۱۴)۔اس لیے وہ ربّ غفور ورحیم جو کہ علیم وخبیر اور حاکم وحکیم بھی ہے، انسان کو وہی حکم دیتا ہے جو اسکی طاقت کے مطابق ہو۔ بہرکیف اِس ارشاد سے دو باتوں کو واضح فرما دیا گیا۔ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی اَحکام دیئے ہیں وہ سب انسان کی فطرت اور اُس کی صلاحیتوں کو ناپ تول کر دیئے ہیں۔ اِن میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہو سکتی جو اُس کے تحمل و برداشت سے باہر ہو۔اور دوسری بات یہ کہ جو کچھ انسان سے مطلوب ہے وہ صرف یہ ہے کہ انسان اپنی پوری دیانت وامانت اور صداقت شعاری سے اِن اَحکام کی تعمیل وتکمیل کی کوشش کرے اور اُن کو بجالانے میں اپنے بس کی حد تک کوتاہی نہ کرے۔ اِس کے بعد اگر کوئی کوتاہی ہوگئی تو اُس پر گرفت نہیں ہوگی۔ کہ وہ بڑا ہی غفور ورحیم ہے-سبحانہٗ وتعالیٰ-

۲۱۶ بات میں اِنصاف کو اپنانے کی ہدایت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب تم لوگ بات کرو تو انصاف کی کرو۔ سو حق و اِنصاف سے کسی بھی طور سے اِعراض وتجاوز نہیں کرنا -سبحان اللہ- کیسی مختصر، سیدھی وصاف اور عظیم و جامع تعلیم ہے۔ جو ان چھوٹے چھوٹے اور میٹھے پیارے جملوں میں اِرشاد فرمائی گئی ہے- فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ- بہرکیف ہر بات میں عدل و اِنصاف کو اپنانے اور اسکو ملحوظِ خاطر رکھنے کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے۔الفاظ وکلمات کے عموم کے اعتبار سے اگرچہ یہ اِرشاد ہر بات کو شامل ہے کہ تمہارے منہ سے جو بات بھی نکلے وہ عدل و انصاف والی اور حق وصداقت کی کسوٹی پر پوری اترنے والی ہونی چاہئے لیکن موقعہ کلام دلیل ہے کہ تمہاری ہر شہادت اور تمہارا ہر فیصلہ عدل و انصاف اور حق وصداقت کے تقاضوں کے مطابق ہونا چاہئے۔ اور اس سلسلے میں اپنے کسی عزیز وقریب کے ساتھ بھی کوئی رُو رعایت نہیں ہونی چاہئے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلٰی ما یحب ویرید وہو الہادی الٰی سواء السبیل-

۲۱۷ اللہ کے عہد کو پورا کرنے کا حکم وارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ پورا کرو تم لوگ اللہ کے عہد کو جو شامل ہے اُس عہدِ اَلَست کو بھی جو کہ تمہاری فطرتوں میں پیوست ہے اور اُس عہد کو بھی جو اس نے اپنے انبیاء ورسل کے ذریعے تم سے لیا ہے۔اور اُن سب عہود ومواثیق کو بھی جو کہ اُس کے نام پر تم باہم ایک دوسرے سے لیتے اور کرتے ہو۔(تفسیر المراغی، المحاسن وغیرہ)-سبحان اللہ- کیسی عمدہ پاکیزہ اور جامع تعلیم ہے اَخلاقِ فاضلہ اور خصالِ حمیدہ کی جو اس کتابِ حکیم اور فرقانِ حمید میں دی گئی ہے؟ کیا پائی جاسکتی ہے اِس کی کوئی نظیر ومثال کسی بھی دوسرے دین و مذہب میں؟ اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعود- رضی اللہ عنہ- فرماتے ہیں کہ جو کوئی اللہ کے رسول -علیہ الصلوٰۃ والسلام- کی ایسی وصیت دیکھنا چاہے جس پر آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- کی مہر لگی ہوئی ہو تو وہ اِن آیاتِ کریمہ کو پڑھ لے۔ یعنی ﴿ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ﴾ (ترمذی کتاب التفسیر، سورۃ الانعام)۔لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ آج مسلمان خود اِن تعلیماتِ مقدسہ اور اِرشاداتِ عالیہ سے غافل و بے خبر ہیں تو وہ دوسروں کو کیا بتائیں گے۔ اور اس طرح وہ خود بھی محروم ہوتے ہیں اور دوسروں کی محرومی کے بھی ذمہ دار قرار پاتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- بہرکیف اِس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کے نام پر کیا گیا ہر عہد اللہ کا عہد ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر فرمودہ حدود کے اندر ہے۔اس کی عنداللہ ذمہ داری ہے اور اُس کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اور اس کے بارے میں پوچھ ہوگی، جیسا کہ دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا ﴿ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ، اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴾ (بنی اسرائیل:۳۴)- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید-

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا

لوگ نصیحت حاصل کرو، اور (کہو کہ) یہ ہے میرا راستہ سیدھا، ۳۱۸

فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ

پس تم اسی پر چلو، اس کے سوا دوسرے راستوں پر نہیں چلنا، کہ وہ تم کو ہٹا دیں اس کی

سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ

راہِ (حق وصواب) سے، ۳۱۹ اسی کی تاکید فرمائی ہے اس نے تم کو تاکہ تم لوگ بچ سکو، ۳۲۰ پھر

اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِیْۤ اَحْسَنَ وَ

ہم نے موسیٰ کو بھی وہ کتاب دی، تمام کرنے کے لئے (اپنی نعمت کو)، ۳۲۱ ان لوگوں پر جو اچھائی کریں، اور

۳۱۸ صراطِ رسول سے مراد اور اس کے تقاضے؟:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ یہ ہے میرا راستہ سیدھا۔ پس تم سب اسی کی پیروی کرو یعنی میرا وہ سیدھا راستہ جو میں تم لوگوں کے سامنے پیش کر رہا ہوں اور یہی ہے ابراہیم کا وہ راستہ جس پر چلنے کی وصیت انہوں نے اپنی اولاد کو فرمائی تھی۔ اور یہی ہے ملتِ ابراہیمی جس کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی دینِ اسلام جس کے یہ اہم اَحکام و ہدایات ہیں۔ اِس پر چل کر تم سیدھے اپنی منزلِ مقصود تک پہنچو گے۔ اپنے خالق و مالک کی رضاء و خوشنودی کے شرف سے مشرف و بہرہ ور ہو گے اور تمہیں دارَین کی سعادت و سرفرازی نصیب ہوگی جبکہ اس سے محرومی دراصل ہر خیر سے محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ اور یہی راستہ اللہ کا راستہ ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا ﴿صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ - (الشوریٰ:۵۳-۵۲)۔ یعنی اس اللہ کا راستہ جس کے لیے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمین کی اس ساری کائنات میں ہے۔ اور اللہ کا یہ سیدھا راستہ چونکہ دنیا کو پیغمبر کے واسطے اور اُن کی دعوت ہی سے ملا اور آپ کو اِسی صراطِ مستقیم کی دعوت کیلئے مبعوث فرمایا گیا تھا۔ اسی لیے اسکو پیغمبر کی طرف منسوب و مضاف کر کے اِرشاد فرمایا گیا - ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ﴾ - یعنی "یہی میرا وہ سیدھا راستہ ہے جو میں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں پس تم سب اسی کی پیروی کرو"۔ سو صراطِ رسول سے مراد وہی صراطِ مستقیم ہے جو انسان کو دارَین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرنے والا واحد راستہ ہے اور اس کا تقاضا صدقِ دل سے اس کو اپنانا اور اس پر چلنا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

۳۱۹ صراطِ مستقیم سے سرفرازی دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی:- پس تم لوگ اسی کی پیروی کرنا اور اس کے سوا دوسرے راستوں پر نہیں چلنا کہ وہ تم کو ہٹا دیں گے سیدھے راستے سے۔ اور اگر ایسے ہو گیا تو پھر تم قطعی طور پر محروم ہو گئے دارَین کی سعادت اور حقیقی فوز و فلاح سے کہ منزلِ مراد تک پہنچانے والی سیدھی راہ سے ہی جب کوئی پھر جائے اور اس سے بھٹک جائے تو پھر اس کی کامیابی اور فائز المرامی کا سوال ہی کیا پیدا ہو سکتا ہے؟ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ- سو صراطِ مستقیم سے

سرفرازی دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی ہے۔ اور اس سے محرومی دارین کی سعادت و سرخروئی سے محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ سیدھی راہ وہی ہے جو میں تمہارے سامنے پیش کررہا ہوں۔ یہی خدا کی بتائی ہوئی راہ ہے جو عقل و فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے اور اسی کی تعلیم و تلقین حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کو فرمائی تھی۔ پس تم سب لوگ اُسی کی پیروی کرو۔ کہ یہی ملتِ ابراہیمی ہے اور اسی کی اتباع و پیروی کا حکم حضرت حق ۔جل مجدہ۔ کی طرف سے اس کے رسول کو اور اس کے تمام بندوں کو دیا گیا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔

۳۲۵ تقویٰ و پرہیزگاری ذریعۂ نجات و سرفرازی: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی کی تاکید اس نے تم لوگوں کو فرمائی تاکہ تم بچ سکو اپنے خالق و مالک کی نافرمانی و ناراضگی سے۔ اور اس کے نتیجے میں تم بچ سکو اُس کے عذاب اور اُس کی گرفت و پکڑ سے۔ کیونکہ اُس وحدہٗ لاشریک ۔سبحانہٗ وتعالیٰ۔ کی نافرمانی و ناراضگی درحقیقت وہ چیز ہے جو کل وہاں عالمِ آخرت میں جو کہ درحقیقت کشفِ حقائق کا جہان ہوگا دوزخ کے طرح طرح کے عذابوں کی شکل اختیار کرلے گی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ پس جس نے دنیا کی یہ عارضی و فانی اور محدود و مختصر زندگی خدائے رحمٰن سے ڈرتے ہوئے اور اُس کی نافرمانی و سرکشی سے بچتے ہوئے گزاری ہوگی وہ وہاں کے اُن انواع و اقسام کے ہولناک عذابوں سے محفوظ رہے گا اور اُس کی چھوٹی موٹی خطائیں اور گناہ و قصور معاف کردیئے جائیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس کی اس طرح تصریح فرمائی گئی ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ﴾۔(الملک:۱۲)۔ سو تقویٰ و پرہیزگاری ذریعہ نجات اور وسیلہ سرفرازی ہے۔ اور اس سے محرومی دارین کی سعادت و سرخروئی سے محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ ہمیشہ تقویٰ و پرہیزگاری کو اپنائے رکھنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

۳۲۶ نعمتوں کی اصل تکمیل کتابِ ہدایت ہی سے ہوتی ہے: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر ہم نے موسیٰ کو بھی وہ کتاب دی تمام کرنے کے لیے اپنی نعمت کو۔ یعنی ﴿تماماً﴾ یہاں پر مفعول لہٗ ہے کہ اپنی نعمت کی تکمیل کے لئے ہم نے ان پر وہ کتاب یعنی تورات نازل کی تھی۔ معلوم ہوا کہ علم اور ہدایت کی نعمت سب نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے۔ اور دوسرا احتمال اس میں یہ بھی ہے کہ "تماما" صفت ہو کتاب کی۔ " اَیْ كِتَابًا تَامًّا كَامِلاً "۔ یعنی ان کو ایسی کامل کتاب عطا فرمائی جو اس وقت کے لحاظ سے تمام ضروری احکام و مسائل پر حاوی و مشتمل تھی جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا۔ ﴿وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ﴾۔(الاعراف:۱۴۵) (المراغی، المعارف وغیرہ)۔ بہرکیف اس ارشادِ ربانی سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ نعمت کی تکمیل کتابِ ہدایت سے سرفرازی کے ذریعے ہی ہوسکتی ہے ورنہ سب کچھ بے حقیقت اور خام خیالی ہے۔ یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ۔ ﴿اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ﴾۔ کے کلماتِ کریمہ سے حضرتِ موسیٰ کا اس نعمت کے لئے سزا وار ہونا ظاہر فرمادیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اِس نعمت سے اس لئے نوازا اور ان کو اس کا سزاوار اس لئے گردانا کہ وہ خوب کار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے ظاہر و باطن میں جو کچھ بخشا اُس کا حق انہوں نے پہچانا اور ہر نعمت کا حق حسن و خوبی سے ادا کیا۔ اور ایسے ہی بندے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے سزاوار بنتے ہیں۔ اور حضرتِ موسیٰ کے لئے یہاں پر۔ ﴿اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ﴾۔ کی اس صفت کا استعمال و اظہار ایسے ہی ہے جیسا کہ حضرتِ ابراہیم کے بارے میں سورۂ نجم میں ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی﴾۔ "اور ابراہیم کو جس نے وفا کا حق ادا کردیا"۔ اور اس میں یہود پر تعریض بھی ہے کہ حضرتِ موسیٰ کیسے تھے اور یہ لوگ کیسے ہیں؟ ان حضرات نے حسن وفا کا کیا نمونہ پیش کیا تھا اور یہ لوگ کہاں کھڑے ہیں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

تَفۡصِيۡلًا لِّكُلِّ شَيۡءٍ وَّهُدًى وَّرَحۡمَةً لَّعَلَّهُمۡ بِلِقَآءِ

تفصیل بیان کرنے کے لئے (ضرورت کی) ہر چیز کی، ۳۲۲ اور سراسر ہدایت اور عین رحمت، کے طور پر، ۳۲۳ تاکہ وہ لوگ (بنی اسرائیل)

رَبِّهِمۡ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ مُبٰرَكٌ

اپنے رب سے ملنے پر ایمان لائیں، ۳۲۴ اور اب اس برکتوں بھری عظیم الشان کتاب ۳۲۵ (یعنی قرآن مجید) کو بھی ہم ہی نے

فَاتَّبِعُوۡهُ وَاتَّقُوۡا لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنۡ تَقُوۡلُوۡۤا

اتارا ہے، ۳۲۶ پس تم لوگ اسی کی پیروی کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۳۲۷ (اور یہ اس لئے اتاری کہ) کبھی تم یوں کہنے لگو کہ

۳۲۲ ﴿تَفۡصِيۡلًا لِّكُلِّ شَيۡءٍ﴾ کا معنیٰ و مطلب؟:- یعنی ان تمام چیزوں کی تفصیل جن کی تفصیل کی ان لوگوں یعنی بنی اسرائیل کو اس وقت دین و ہدایت کے سلسلے میں ضرورت تھی۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم کے بارے میں بھی فرمایا گیا -﴿وَتَفۡصِيۡلَ كُلِّ شَيۡءٍ﴾- (یوسف: ۱۱۱) کیونکہ قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ ہر چیز کا عموم وہی معتبر ہوتا ہے جو اُس کے لائق ہو ''عُمُوۡمُ كُلِّ شَيۡءٍ مَّا يَلِيۡقُ بِهٖ'' جیسا کہ جمہور علماء و مفسرینِ کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ بطور نمونہ و مثال ملاحظہ ہو (روح، معالم، مدارک، خازن، محاسن، جامع اور قرطبی وغیرہ)۔ پس اہلِ بدعت کا لفظ ''کل'' سے اپنے شرکیہ عقائد پر استدلال کرنا عقل و نقل اور لغت و بیان سب کے خلاف اور مردود ہے۔ سو اس تفصیل سے مراد اُن احکام و مسائل کی تفصیل ہے جو دین کے دائرے میں آتے ہیں۔ دین کے اُصول اور بنیادی مسائل تو وہی ہیں جو ملتِ ابراہیمی سے متعلق بیان ہوئے ہیں لیکن اِن میں سے ہر چیز کے تحت مختلف جزئیات اور تفصیلات ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے حضرتِ موسیٰ کو جو کتاب عطا فرمائی تھی اُس میں ضروریاتِ دین سے متعلق ایسی تمام تفصیلات کو بیان فرما دیا گیا تھا جس سے یہ کتاب ہدایت اور رحمت کا ایک عظیم الشان مجموعہ بن گئی تھی۔ سو یہ ہے -﴿تَفۡصِيۡلًا لِّكُلِّ شَيۡءٍ﴾- کا معنیٰ و مطلب- والحمد للہ جل وعلا-

۳۲۳ کتابِ الٰہی سراسر ہدایت اور عینِ رحمت:- یہ آغاز و انجام اور ابتداء و انتہاء دونوں کے اِعتبار سے ہے کہ جو اُس کو اپنائے گا اُس کے لئے یہ کتاب ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ ہوگی۔ اور اِس کے ثمرۂ و نتیجہ کے طور پر اُس کو دارین کی سعادتوں اور رحمتوں سے نوازا جائے گا اور اس قدر کہ اسکا کوئی کنارہ نہیں -فَلِلّٰهِ الۡحَمۡدُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ- سو ہدایت اور رحمت کے یہ دونوں لفظ نہایت حکیمانہ ترتیب کے ساتھ اِس مقصد کو ظاہر کرتے ہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کتاب نازل فرماتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کتاب اس لئے نازل فرماتا ہے کہ وہ اس کے ذریعے اپنے بندوں کو دنیا میں زندگی بسر کرنے کا وہ طریقہ بتائے جو اِن کو دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اہل اور سزاوار بنائے کہ اس سے ان کو دنیا میں حیاتِ طیبہ یعنی پاکیزہ زندگی نصیب ہوتی ہے۔ اور اسی سے ان کو آخرت کی ابدی زندگی میں رحمتِ لامتناہی سے سرفرازی نصیب ہوئی ہے۔ سو اس اعتبار سے کتاب اپنے مقصد کے لحاظ سے ہدایت اور اپنے ثمرۂ و انجام کے اعتبار سے رحمت ہوتی ہے- فالحمد للہ جلّ وعلا-

۳۲۴ فکرِ آخرت فلاح و نجات کی اَصل اور اَساس ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں۔ معلوم ہوا کہ رب سے ملاقات اور اُس کے حضور پیش ہونے کا عقیدہ و ایمان دیگر تمام عقائد و ایمانیات کیلئے اصل و

بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر انسان لاابالی، لاپرواہ اور غیر ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ اور اس ایمان و یقین سے سرفرازی و فائز المرامی کے بعد ہی اسکے اندر احساسِ ذمہ داری پیدا ہوتا ہے۔ سو فکرِ آخرت دارین کی فوز و فلاح اور نجات و اصلاح کی اصل اساس ہے۔ وباللہ التوفیق۔ سو حیاتِ دنیا کی اصل غرض و غایت آخرت ہے۔ یہ دنیاوی زندگی تو عارضی اور فانی زندگی ہے اور اس کی اصل قدر و قیمت یہی ہے کہ اس میں اپنی آخرت ہی کو نصب العین بنایا جائے۔ وباللہ التوفیق۔

۳۲۵ قرآنِ حکیم ایک عظیم الشان کتاب:۔ یعنی "كِتَابٌ" کی تنوین تعظیم کے لئے ہے۔ سو یہ کتاب حکیم ایسی عظیم الشان کتاب ہے کہ اس جیسی عظیم الشان دوسری کوئی کتاب نہ ہوئی ہے نہ ہوگی۔ کہ یہی وہ کتاب ہے جو انسان کو اُس کے مقصدِ حیات اور زندگی کے اصل نصب العین سے آگاہ کرتی ہے۔ اور زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس سے متعلق یہ کتابِ حکیم ہدایت و راہنمائی نہ فرماتی ہو۔ اور یہ انسان کو حق و ہدایت کی اس شاہراہِ اعظم پر ڈالتی ہے جو اُس کو دارین کی سعادتوں اور حقیقی فوز و فلاح سے مشرف و ہمکنار کرتی ہے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الَّذِيْ شَرَّفَنَا بِهٰذَا الْكِتَابِ الْمُبَارَكِ الْعَظِيْمِ وَبِالْاِيْمَانِ بِهٖ وَبِالْاِشْتِغَالِ بِهٖ۔ بہر کیف اس ارشاد سے اس کتابِ حکیم کی عظمتِ شان کو بھی واضح فرما دیا گیا اور تورات کے بعد اُس کے نازل فرمائے جانے کے مقصد کو بھی۔ کہ اب منبع فیض اور مصدر نور و ہدایت یہی کتابِ مبین ہے۔ اس کے بغیر حق و ہدایت کی دولت سے سرفرازی ممکن نہیں۔ جو لوگ اس کے نور سے محروم ہیں وہ سراسر اندھیروں میں ہیں۔ والعیاذ باللہ۔

۳۲۶ قرآنِ حکیم منزل من اللہ اور ایک عظیم الشان اور بے مثل کتاب:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس برکتوں بھری کتاب عظیم کو ہم ہی نے اتارا ہے۔ جبریلِ امین کے واسطے سے محمد رسول اللہ پر۔ یعنی اشرف الملائکہ کے ذریعے اشرف الرسل پر۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ ۔ سو یہ کتابِ حکیم سراسر نازل شدہ کتاب ہے۔ اس میں اور کسی کا کوئی عمل دخل نہیں۔ اسی لیے دوسرے کئی مقامات پر اسکو "تنزیل" فرمایا گیا ہے۔ سو یہ کتابِ حکیم اشرف الکتب، اکمل الکتب، سراسر مُنزل من اللہ، عینِ حکمت و ہدایت، بے مثل رحمت و عنایت اور بے مثال کتاب ہے اور اسکی ہدایت و راہنمائی سے محروم دنیا سراسر اندھیروں میں ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ سو اس کتابِ حکیم کو اس لئے نازل فرمایا گیا کہ دنیا کو اس کی روحانی موت کے بعد حیاتِ تازہ بخشی جائے اور شریعت و ہدایت کے خزاں رسیدہ چمن کو پھر سے بہار کی کیف آور رونقوں سے معمور و منور کیا جائے۔ سو اس نعمت کبریٰ کا حق یہ ہے کہ اس کی قدر کی جائے اور اس کو صدقِ دل سے اپنایا جائے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ ۔

۳۲۷ قرآنِ حکیم کے اُتارے جانے کا اصل مقصد اُسکی اتباع و پیروی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا پس تم لوگ اس کی پیروی کرو اور ڈرتے رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ کامل و مکمل اتباع و پیروی۔ پس تم لوگ اس کی مقدس تعلیمات کو اپناؤ اور ان ہی کے مطابق اپنا عقیدہ بھی بناؤ اور عمل بھی۔ اور اسی راہِ راست پر چلو جو کہ اس کتاب مبارک نے اپنی حکمتوں بھری تعلیمات کے ذریعے تمہیں ارشاد فرمائی ہے کہ یہی اس کتابِ حکیم کے اتارنے کا مقصد ہے۔ اور اسی میں تمہارا بھلا اور فائدہ ہے۔ دنیا کی اس فانی اور عارضی زندگی میں بھی۔ اور اسی میں تمہاری کامیابی اور فوز و فلاح کا راز مضمر ہے آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی میں بھی۔ وباللہ التوفیق۔ سو اس برکتوں بھری اور عظیم الشان کتاب کی عظمتوں اور برکتوں کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو صدقِ دل سے اپنایا جائے اور اس کی تعلیماتِ مقدسہ کی پیروی کی جائے تاکہ اس کے اتارنے والے رب ذوالجلال کی رحمت سے سرفرازی نصیب ہو اور اُس کے غضب و عقاب سے بچا جا سکے۔ وباللہ التوفیق۔

اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪

اُجی کتاب تو ہم سے پہلے کے دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر اتاری گئی،

وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ

اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بالکل بے خبر تھے، ۳۲۸ یا بھی تم یوں کہنے لگو کہ اگر

اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ

ہم پر بھی کوئی ایسی کتاب نازل کی گئی ہوتی، تو ہم ضرور ان سے کہیں بڑھ کر راست رو ہوتے، ۳۲۹

۳۲۸ نزولِ قرآن کا ایک بڑا مقصد، اِتمام حجت اور قطعِ عذر و معذرت: سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ اگر یہ کتاب حکیم نازل نہ ہوئی ہوتی تو تم لوگ اے مشرکو یوں کہنے لگتے کہ کتاب تو ہم سے پہلے کے دو گروہوں پر اتاری گئی ہے۔ یعنی یہود و نصاریٰ پر۔ آسمانی کتاب کے ساتھ شہرت ان ہی دو گروہوں کی رہی ہے۔ اور اہلِ کتاب بھی بالعموم ان ہی دو کو کہا جاتا ہے۔ سو اگر اِس کتاب حکیم قرآنِ مجید کو نہ اتارا جاتا تو تم لوگ یہ بہانہ بناتے اور اعتراض کرتے کہ کتاب تو ہم سے پہلے یہود و نصاریٰ پر اتاری گئی اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے اور انکی لغت و زبان سے غافل و بے خبر تھے تو پھر ہم اِس کی اِتباع و پیروی کس طرح کرتے۔ سو اب تم لوگ ایسا کوئی عذر نہیں پیش کر سکتے کہ اب تمہارے پاس خود تمہاری اپنی زبان میں یہ کتاب حکیم نازل ہوگئی ہے اور اس کے ذریعے راہِ حق و ہدایت کو پوری طرح واضح کر دیا گیا۔ سو نزولِ قرآن کا ایک بڑا مقصد اِتمام حجت اور قطعِ عذر و معذرت ہے۔ (معارف و مراغی وغیرہ)۔ سو اس کے بعد مبطلین کوئی عذر اور بہانہ نہیں کر سکتے۔

۳۲۹ بہانے بازوں کے ایک دعوے کی تردید و تغلیط: - یعنی اگر یہ کتاب حکیم نازل نہ ہوئی ہوتی تو تم یوں کہنے لگتے کہ اگر ہم پر بھی کوئی ایسی کتاب نازل کی گئی ہوتی تو ہم ضرور بالضرور ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر ہدایت یافتہ ہوتے کہ ان کی کتابیں نہ ہمارے لئے تھیں اور نہ ہی ہماری لغت و زبان میں تھیں کہ اِن سے ہم راہِ حق و صواب معلوم کر سکتے۔ لہٰذا اگر ہم پر کوئی کتاب براہِ راست نازل کی جاتی تو ہم ضرور بالضرور اِن اہلِ کتاب سے کہیں بڑھ کر راہِ حق و ہدایت کو اپناتے، جیسا کہ دوسرے مقام پر اِن کے اِس دعوے کو اِس طور پر بیان فرمایا گیا ہے- ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ، فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا﴾- (فاطر: ۴۲)۔ یعنی ''اِن لوگوں نے اللہ کے نام کی کڑی قسمیں کھا کر کہا کہ اگر انکے پاس کوئی نذیر (خبردار کرنے والا) آجائے تو یہ ہر اُمت سے بڑھ کر ہدایت والے ہونگے۔ لیکن جب اِن کے پاس ایسا نذیر (خبردار کرنے والا) آ گیا تو انہوں نے اسکی تکذیب کی اور اسکی آمد سے انکی نفرت میں ہی اضافہ ہوا''۔ جیسا کہ سورۂ فاطر کی اسی مذکورہ بالا آیت کے آخر میں اِرشاد ہوا۔ سو سورۂ اَنعام کی آیتِ کریمہ میں واضح طور پر فرما دیا گیا کہ قرآنِ حکیم نازل فرما کر ایسے بہانے باز لوگوں پر حجت قائم کر دی گئی اور اُنکے عذر و معذرت اور بہانہ بازی کے راستے بند کر دیئے گئے کہ اب یہ لوگ اِس طرح کا کوئی عذر پیش نہیں کر سکیں گے کہ اب یہ کتاب حکیم ان کے پاس آ گئی ہے۔

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ

سو آ چکی تمہارے پاس ایک عظیم الشان دلیلِ روشن ۳۳۰ تمہارے رب کی طرف سے، اور سراسر ہدایت، اور عین رحمت،

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ

سو اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوسکتا ہے جو جھٹلائے اللہ کی آیتوں کو، اور منہ موڑے

عَنْهَا ؕ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا

اس (کی تعلیمات) سے ۳۳۱ ہم عنقریب ہی بڑا برا عذاب دیں گے ان لوگوں کو جو روگردانی کرتے ہیں

۳۳۰ قرآنِ حکیم "بَيِّنَة" یعنی ایک عظیم الشان روشن دلیل:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یقیناً آ چکی تمہارے پاس اے لوگو ایک عظیم الشان دلیلِ روشن یعنی قرآنِ حکیم جو صرف کتاب ہی نہیں بلکہ "بَيِّنَة" اور روشن دلیل بھی ہے اپنی حقانیت پر اور اپنے مضمون و مدعا پر۔ جس میں ہر اُس چیز کا کافی وشافی بیان ہے جس کی راہِ حق و ہدایت میں تمہیں ضرورت ہے۔ اِس طرح تمہاری اِس حجت بازی کی بھی اب کوئی گنجائش باقی نہیں رہی جس سے تم لوگ اس کتابِ حکیم کے نازل نہ ہونے کی صورت میں کام لے سکتے تھے۔ سو اِس کتابِ مبین کے ذریعے تمہارے ایسے تمام اَعذار کو بھی ختم کردیا گیا اور تم کو خیر و برکت کے ایک بحرِ بیکراں سے بھی سرفراز فرمادیا گیا۔ اب یہ تمہاری مرضی کہ اس کے دامنِ رحمت میں پناہ لے کر تم لوگ ابدی سعادتوں کے حقدار بنتے ہو یا اُس سے منہ موڑ کر دائمی خسران میں مبتلا ہوتے ہو- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- بہرکیف یہ قرآنِ حکیم کی ایک اِمتیازی شان ہے کہ اِس میں تورات وغیرہ کی طرح صرف اَحکام کو بیان نہیں فرمایا گیا بلکہ اس میں ہر حکم کے ساتھ اسکی دلیل کو بھی بیان فرمایا گیا اور دلیل بھی ایسی جو عقل وفطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہوتی ہے۔ اور اس طرح کہ اس کا ہر حکم روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا۔ اسی لیے اس کو "بَيِّنَة" فرمایا گیا ہے۔ یعنی ایسی واضح اور روشن دلیل جو حق وہدایت کی راہِ صدق وصواب اور اس کے تقاضوں کو بھی پوری طرح واضح کردیتی ہے اور اس کو عقل وفطرت کے روشن دلائل سے اس طور پر مبرہن کردیتی ہے جو کہ آفتاب آمد دلیل آفتاب کا مصداق ہے۔ جس کے بعد کسی کیلئے کسی عذر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی- والحمد للہ جل وعلا-

۳۳۱ اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا سب سے بڑا ظلم:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوسکتا ہے جو جھٹلائے اللہ کی آیتوں کو؟ استفہام انکاری ہے۔ یعنی اِس سے بڑھ کر ظالم، بدبخت اور ناشکرا اور کوئی نہیں ہوسکتا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سو اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا اور ان سے دوسروں کو روکنا سب سے بڑا ظلم اور انتہائی بے انصافی ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- "صَدَفَ" کا فعل لازمی بھی آتا ہے اور متعدی بھی۔ یعنی اس کا معنٰی اِعراض و روگردانی یعنی منہ موڑنا بھی آتا ہے اور کسی کو اس سے پھیرنا اور موڑنا بھی۔ یہاں پر اِس کے یہ دونوں ہی معنٰی بن سکتے ہیں۔ اور حضراتِ اہلِ علم میں سے کسی نے اس کو پہلے معنٰی میں لیا اور کسی نے دوسرے معنٰی میں۔ لیکن دوسرے معنٰی یعنی متعدی کے مفہوم میں لینا زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس سے پہلے- ﴿كَذَّبَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ﴾- آچکا ہے جو کہ ظاہر ہے کہ متعدی ہے اور دوسرے اس لیے کہ متعدی یعنی روکنے کے معنٰی کے اندر لازمی یعنی اِعراض اور روگردانی کا معنی خود بخود آجاتا ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے موزوں یہی لگتا ہے کہ اس لفظ کو یہاں پر متعدی معنٰی میں لیا جائے۔ یعنی جو اللہ کی آیتوں سے روکتے ہیں اور اس طرح وہ ڈبل جرم کے مرتکب ہوتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ العظیم-

سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿١٥٧﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ

ہماری آیتوں سے انکی اس روگردانی کی پاداش میں، جس کا ارتکاب ایسے لوگ کرتے رہے تھے ۳۳۲ تو کیا اب یہ لوگ بس

اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ

اسی کے منتظر ہیں کہ آ پہنچیں ان کے پاس فرشتے، ۳۳۳ یا خود آ جائے تمہارا رب، ۳۳۴ یا نمودار ہو جائیں

بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۗ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ

تمہارے رب کی بعض (خاص) نشانیاں، ۳۳۵ جس دن نمودار ہو جائیں گی، تمہارے رب کی بعض (خاص) نشانیاں

لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ

تو (اس دن) کام نہیں آ سکے گا کسی بھی ایسے شخص کو اس کا ایمان لانا جو کہ ایمان نہیں لایا تھا اس سے پہلے، ۳۳۶

۳۳۲ اللہ کی آیتوں سے روکنے والوں کے لیے بڑا برا عذاب:- سو اللہ کی آیتوں سے روکنا ایک ایسا سنگین جرم ہے کہ اس کے مرتکبوں کے لیے بڑا برا عذاب ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ عنقریب ہی بڑا برا عذاب دیں گے ان لوگوں کو جو روگردانی کرتے ہیں ہماری آیتوں سے۔ ان کی اس روگردانی کی پاداش میں جس کا ارتکاب وہ کرتے رہے تھے۔ سو اس طرح یہ کتابِ رحمت و برکت اُن کے حق میں حجت بننے کی بجائے اُن کے خلاف حجت بن جائے گی۔ جیسا کہ حضرتِ صادق ومصدوق -علیہ الصلوٰۃ والسلام- نے فرمایا کہ یہ قرآن حجت قرار پائے گا تیرے حق میں یا تیرے خلاف "اَلْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَّکَ اَوْ عَلَیْکَ" - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الَّذِیْ بِیَدِہٖ اَزِمَّةُ التَّوْفِیْقِ وَالْهِدَایَةِ- واضح رہے کہ "صدف" کے معنٰی جیسا کہ ابھی اوپر کے حاشیے میں بھی گزرا، رکنے کے بھی آتے ہیں، اور روکنے کے بھی۔ یہاں پر اس کے دوسرے یعنی متعدی معنٰی مراد لینا ہی زیادہ قوی لگتا ہے۔ جیسا کہ ابھی گزرا۔ سو اللہ کی آیتوں سے روکنا ایک سنگین جرم ہے کہ اس میں ضلال اور اِضلال کے دونوں جرم پائے جاتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- اس لئے ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں کو ہم بڑے ہی برے عذاب کی سزا دیں گے ان کے اُس جرم کی پاداش میں کہ یہ لوگ دوسروں کو راہِ حق وہدایت سے روکا کرتے تھے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ-

۳۳۳ فرشتوں کے آنے سے مراد؟:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا اب یہ لوگ بس اسی کے منتظر ہیں کہ آ پہنچیں ان کے پاس فرشتے۔ یعنی ان کے پاس فرشتے آ جائیں اُن کی روحیں قبض کرنے اور ان کو ان کے آخری انجام تک پہنچانے کیلئے جبکہ ان کے لئے توبہ کا بھی کوئی موقع نہیں رہے گا اور نہ کسی عذر ومعذرت کا سوائے انکی تذلیل اور تخجیل کے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا- ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ﴾- (الانفال: ۵۰)۔ یعنی ان لوگوں کے تمام عذرات ختم ہو گئے اور ان پر ہر پہلو سے حجت قائم کر دی گئی۔ لیکن یہ لوگ حجتوں

اور دلیلوں سے ماننے والے نہیں۔ یہ تو بس اس کے منتظر ہیں کہ ان پر فرشتے اتر آئیں یا خداوندِ قدوس خود اُن کے لئے نمودار ہو یا عذاب کی نشانیوں میں سے کوئی آخری اور فیصلہ کن نشانی ظاہر ہو جائے۔ سو یہ لوگ اب اپنے آخری انجام ہی کے منتظر ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۱۰ اور سورۂ انعام آیت نمبر ۱۱۱ میں بھی گزر چکا ہے۔

۳۳۴ آپ کے رب کے آنے کا مطلب؟:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یا آ جائے تمہارا رب یعنی قیامت کے روز ان کے آخری فیصلہ کے لئے۔ جیسا کہ اُس کی شانِ اقدس و اعلیٰ کے لائق ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَجَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا﴾۔ (الفجر: ۲۲)۔ یا رب کے آنے سے مراد اسکے عذاب کا آنا ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّکَ﴾۔ (النحل: ۳۳) اور مطلب اس ارشادِ ربانی کا یہ ہے کہ اب حق ان لوگوں کے سامنے پوری طرح واضح ہو چکا ہے اور اب ان کیلئے کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا۔ سوائے اسکے کہ آخری انجام انکے سامنے آجائے۔ اور آخری انجام تو بہرحال آئیگا اور یقیناً اور قطعی طور پر آئیگا مگر اس کے لئے ایک وقت مقرر ہے اور اس کے آجانے کے بعد ایسے لوگوں کے لئے سنبھلنے کا کوئی موقع ممکن نہیں ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔

۳۳۵ رب کی بعض نشانیوں سے مراد؟:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یا نمودار ہو جائیں تمہارے رب کی بعض نشانیاں۔ یعنی ایسی خاص نشانیاں جو قیامت سے پہلے اس کی علامت کے طور پر ظاہر ہونگی جیسے سورج کا مغرب سے طلوع کرنا۔ (قرطبی، جامع البیان، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ یعنی ان لوگوں کے حال سے اب یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ جیسے یہ انہی میں سے کسی چیز کے منتظر ہوں ورنہ ان کے لئے راہِ حق کو اپنانے میں اب کوئی خفاء یا مانع باقی نہیں رہ گیا۔ حضرتِ ابوہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تین نشانیاں ایسی ہیں کہ اِن کے ظاہر ہونے کے بعد کسی بھی ایسے شخص کو ایمان لانے سے فائدہ نہیں ہوگا جو اِس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا۔ یعنی سورج کا مغرب سے طلوع کرنا۔ دجال اور دابۃ الارض۔ (محاسن التاویل، المراغی وغیرہ)۔ اور یہ ایک ظاہر اور واضح امر ہے کہ اس کے بعد ایمان بالغیب کا کوئی موقع رہے گا ہی نہیں۔ وہ تو ایمانِ بالمشاہدہ ہو جائے گا جبکہ اصل مطلوب ایمان بالغیب ہی ہے۔

۳۳۶ اِن خاص نشانیوں کے بعد ایمان معتبر نہیں ہوگا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس دن نمودار ہو جائیں گی تمہارے رب کی وہ بعض خاص نشانیاں تو اس دن کام نہیں آسکے گا کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا۔ کہ وہ مشاہدہ کے بعد اور یاس واضطرار کا ایمان ہوگا۔ جبکہ مطلوب ومعتبر وہ ایمان ہے جو بالغیب ہو اور اپنے اِرادہ و اِختیار سے ہو۔ اور وہ وہی ایمان ہے جو ایسی نشانیوں کے ظہور سے پہلے انسان کے اپنے اِرادہ و اِختیار سے ہو۔ چنانچہ حضرتِ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے اِرشاد فرمایا کہ قیامت اُس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ کرے۔ پھر جب وہ مغرب سے طلوع کر لے گا اور سب لوگ اُس کو دیکھ لیں گے تو اُس وقت روئے زمین پر جو بھی کوئی موجود ہوگا وہ اُس پر ایمان لے آئے گا۔ لیکن یہ وہ وقت ہوگا جبکہ کسی کو بھی اُس کا ایمان فائدہ نہ دے گا جو اُس سے پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الانعام مسلم کتاب الایمان)۔ کہ اس کے بعد کا ایمان ایمان بالمشاہدہ ہوگا جو کہ نہ معتبر ہے اور نہ مفید ومطلوب۔

اَوْ كَسَبَتْ فِيْۤ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْۤا اِنَّا

یا جس نے کوئی نیکی نہیں کی تھی اپنے ایمان میں، اچھا (اگر اب بھی یہ لوگ نہیں مانتے تو ان سے) کہو کہ تم انتظار کرو

مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا

ہم بھی انتظار میں ہیں، ف۳۳۷ بے شک جن لوگوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اپنے دین کو، ف۳۳۸ اور وہ

شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ

مختلف (فرقے اور) گروہ بن گئے آپس میں، آپ کا ان سے (اے پیغمبر) ف۳۳۹ کوئی واسطہ نہیں، ان کا معاملہ تو اللہ ہی کے حوالے ہے ف۳۴۰

۳۳۷ منکرین اور معاندین کیلئے آخری جواب:- سو ہٹ دھرم اور معاند لوگوں کے لیے آخری جواب یہی ہے کہ تم لوگ بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار میں لگے ہیں کہ اپنا آخری اور حقیقی انجام تم لوگ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ اور اُس روز اپنی ناکامی و نامرادی اور محرومی و بدنصیبی پر تم رہ رہ کر پچھتاؤ گے اور مارے حسرت وافسوس کے اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھاؤ گے، مگر بے وقت کے اِس پچھتاوے سے نہ تمہیں کچھ حاصل ہو گا اور نہ کوئی فائدہ ہو گا سوائے حسرت و یاس میں اضافے کے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سو یہ منکرین و معاندین کیلئے آخری جواب ہے کہ اگر تم لوگ نہیں مانتے اور اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر ہی اڑے ہو تو انتظار کرو۔ نتیجہ خود تمہارے سامنے آ جائے گا۔ اس وقت تم لوگوں کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا اور اس سے پہلے تم ماننے والے نہیں۔

۳۳۸ آپس میں مختلف گروہ بننے سے مراد؟:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جنہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اپنے دین کو اور وہ مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔ یعنی دین کے اُصول و مبادی میں اختلاف کر کے۔ پس حضراتِ صحابہ اور ائمہ کرام کا اختلاف اس میں داخل نہیں کہ وہ اِختلاف اُصولی اور بنیادی نہیں بلکہ فروعی ہے۔ اور اِس تفرقہ و اِختلاف میں یہود و نصارٰی اور اِسلام کے نام لیوا و دعویدار وہ سب فرقے داخل و شامل ہیں۔ جو اہلِ حق سے بنیادی اختلافات رکھتے ہیں۔ جیسے خوارج و روافض وغیرہ اہلِ بدعت -کما اختارہ الحافظ ابن کثیرؒ فی تفسیرہ وغیرہ من کبار العلماء والمفسرین- (ابنِ کثیر، قرطبی اور معارف وغیرہ)۔ بہرکیف اِس بارے پیغمبر کو ہدایت فرمائی گئی کہ جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ مختلف فرقوں میں بٹ گئے اُن سے آپ کو کوئی سروکار نہیں کہ ہٹ دھرمی اور ہٹ دھرموں کا کوئی علاج نہیں۔ آپ کا کام تو تبلیغِ حق ہے اور بس۔ اور وہ آپ کر چکے۔ اب اِن لوگوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دو اور اُن کا معاملہ خدا کے حوالے کر دو۔ وہی اِن سے نمٹے گا اور سب سے اچھے طریقے اور حق و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق نمٹے گا۔ سو ایسے ہٹ دھرموں سے منہ موڑ لو۔ ﴿فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى﴾۔

۳۳۹ نبوت کا رسالت کا شرف سب سے بڑا شرف:- اہلِ بدعت کے بعض بڑے یہاں اور اس طرح کے دوسرے مواقع پر اپنے ترجمہ میں لکھتے ہیں "اے محبوب" اور وہ بھی کسی فصل و تمیز کے بغیر۔ اور پھر سمجھتے ہیں

اور اُن کے اَتباع و اَذناب کہتے ہیں کہ موصوف نے اس طرح کر کے گویا کوئی بڑا تیر مار دیا ہے۔ حالانکہ قرآنِ حکیم میں کسی ایک مقام پر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اس لفظ یعنی ''محبوب'' سے خطاب نہیں فرمایا۔ حالانکہ یہ لفظ بھی عربی زبان کا ہے۔ تو اگر اسکی ایسی کوئی اہمیت ہوتی تو کم از کم کہیں ایک مرتبہ تو پورے قرآنِ پاک میں اس سے آپ کو خطاب فرمایا گیا ہوتا۔ اِس کے مقابلے میں آپ ﷺ کو نبی اور رسول کے وصف سے قرآنِ حکیم میں جابجا خطاب فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ یہی وہ سب سے بڑا اہم اور مقدس اِعزاز ہے جس سے اللہ پاک اپنے کسی خاص بندے کو مشرف فرماتا ہے۔ اس لئے ہم نے اپنے ترجمے میں ایسے موقعِ خطاب میں عام طور پر اسی لفظ (اے پیغمبر!) کو اختیار کیا ہے۔ نیز یہ کہ اس کو ہم قوسین کے اندر ذکر کرتے ہیں کیونکہ یہ ترجمہ نہیں بلکہ تفسیر و تشریح کے ذیل میں آتا ہے، جبکہ ان کے یہ بڑے صاحب اس کی بھی کوئی پرواہ نہیں کرتے جس سے اِن پر بجا طور پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ آخر یہ متنِ قرآنی کے کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ جس کا ظاہر ہے اِن کے پاس کوئی جواب نہیں۔ کیونکہ متنِ قرآنی میں ایسا کوئی لفظ ہے ہی نہیں جس کا ترجمہ اس لفظ ''اے محبوب'' سے کیا جائے۔ اور جب ایسا کوئی لفظ متنِ قرآنی میں سرے سے موجود ہی نہیں تو کیا ترجمہ کے اندر ایسے زائد لفظ کا اضافہ کرنا اور وہ بھی بلا کسی اِشارہ و فصل کے، کیا یہ قول علی اللہ کے ذیل میں نہیں آتا؟ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - بہرکیف اِس اِرشاد سے پیغمبر کو ایسے ہٹ دھرم لوگوں سے کوئی سروکار نہ رکھنے کی ہدایت فرمائی گئی۔ اور اِسی سے اِس بات کی طرف بھی اِشارہ ملتا ہے کہ اب پیغمبر کے لئے ان لوگوں سے اِعلانِ براءت کا وقت بھی بہت قریب آرہا ہے، جیسا کہ اس سے کچھ ہی عرصہ بعد نازل ہونے والی سورۂ براءت سے بالفعل ہوا۔

۳۲۵ پیغمبر کا اصل کام تبلیغ حق: - سو اس میں پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں سے آپ کو اے پیغمبر کوئی واسطہ اور سروکار نہیں۔ نہ ان کی اس گمراہی کے ضمن میں اور نہ ان کو راہِ راست پر لانے کے سلسلے میں کہ آپ کا کام صرف تبلیغ ہے اور بس۔ اور اس کا حق آپ نے بہرحال ادا کر دیا۔ پس ان کی کوئی ذمہ داری آپ پر نہیں۔ آپ اِن کی اِس کجروی سے قطعی طور پر بری ہیں اور نہ ہی اِن کی سزا و جزا اور عقاب و عذاب کے بارے میں کہ یہ سب اللہ کا کام ہے۔ وہ جو چاہے اور جب اور جیسے چاہے اِن کو عذاب دے۔ سو پیغمبر کا اصل کام پیغامِ حق پہنچا دینا ہوتا ہے اور بس۔ آگے لوگوں کو راہِ حق پر ڈال دینا یا نہ ماننے والوں پر عذاب لے آنا نہ پیغمبر کی ذمہ داری ہے اور نہ ہی یہ آپ کے بس میں ہے۔ سو پیغمبر کا اصل کام اِنذار و تبشیر، پیغامِ حق کی تعلیم و تبلیغ اور راہِ حق و ہدایت کی راہنمائی ہوتا ہے اور بس۔ جیسا کہ فرمایا گیا - ﴿فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ، لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ - (الغاشیۃ: ۲۱-۲۲)

ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٥٩﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ

پھر (قیامت کے دن) وہ ان کو خبر کر دے گا ان کے ان تمام کاموں کی جو یہ کرتے رہے تھے، ۳۴۱ جو کوئی ایک نیکی کرے گا

فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا

تو اس کے لئے (کم سے کم) دس گنا اجر ہے ۳۴۲ اور جو کوئی برائی کرے گا ۳۴۳ تو اس کو

يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦٠﴾ قُلْ إِنَّنِي

بس اسی کے برابر سزا دی جائے گی، اور ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا کہو کہ بے شک مجھے

هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۚ دِينًا قِيَمًا

ہدایت (وراہنمائی) فرمادی ہے میرے رب نے سیدھے راستے کی، یعنی اس دینِ عظیم کی جو کہ

مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٦١﴾

ہر لحاظ سے درست ہے، (جس میں کسی طرح کی کوئی کجی نہیں،) یعنی ابراہیم کی اس ملت کی جس کو انہوں نے اختیار کیا تھا

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ

اور ان کو کوئی لگاؤ نہیں تھا مشرکوں سے، ۳۴۴ کہو بے شک میری نماز، اور میری سب عبادتیں، اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ

۳۴۱ یومِ حساب کی تذکیر و یاد دہانی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے منکروں اور معاندوں کا معاملہ اللہ ہی کے حوالے ہے وہ ان کو خود خبر کر دے گا ان تمام کاموں کی جو یہ لوگ زندگی بھر کرتے رہے تھے۔ سو قیامت کے روز ہر کسی کو اسکے زندگی بھر کے کیے کرائے سے آگاہ کر دیا جائے گا۔ اور یہ بتانا اور خبر کر دینا کوئی رپورٹ پیش کرنا نہیں ہوگا بلکہ اِس سے مقصود یہ ہے کہ اِن لوگوں کو اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا بھگتان بھگتنا ہوگا اور اس طور پر کہ زندگی بھر کے کیے کرائے کا سب حساب کتاب چکا دیا جائے گا۔ اچھے کا اچھا اور برے کا برا۔ فَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ۔ پس جو لوگ آخرت کے اِس ہولناک دن کی جوابدہی سے غافل و لاپرواہ ہو کر باغیانہ اور لاپرواہی کی زندگی گزار رہے ہیں وہ بڑے ہی خسارے میں ہیں۔ والعیاذ باللہ العزیز الرحمٰن۔ بہر کیف اِس سے قیامت کے اُس یومِ حساب کی تذکیر و یاد دہانی فرما دی گئی کہ اُس روز ہر کسی کو اپنے کیے کرائے کا بھگتان بھگتنا اور اُس کا صلہ و بدلہ پانا ہوگا۔ سو اِس میں ایک طرف تو منکرین و مکذبین کے لئے تنبیہ و تذکیر ہے کہ غفلت سے چونکیں اور اُس دن کی باز پرس کو یاد رکھیں۔ اور دوسری طرف اس میں پیغمبر کے لئے تسلیہ کا سامان ہے کہ آپ اِن کا معاملہ اللہ کے حوالے کر دیں۔ وہ ان سے خود نمٹ لے گا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۳۴۲ نیکی کا بدلہ کم سے کم دس گنا: سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو کوئی ایک نیکی کرے گا تو اس کے لیے دس گنا اجر ہے

یعنی کم سے کم۔ ورنہ وہ اس سے زیادہ سو گنا تک بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھا کر دے گا۔ جیسا کہ دوسری بہت سی نصوص میں اس کو طرح طرح سے واضح فرمایا گیا ہے۔ مثلاً بخاری وغیرہ صحاح کی کئی کتابوں میں حضرتِ ابوذرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے اِرشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو کوئی نیکی کرے گا، اُس کو دس گنا یا اُس سے بھی زیادہ اجر ملے گا۔ اور جس نے کوئی برائی کی، اُس کو اُسی کے برابر بدلہ ملے گا یا اُس کو بھی معاف کر دوں گا۔ الخ (بخاری کتاب الرقاق، مسلم کتاب الایمان، مسند امام احمدؒ ج ۵ وغیرہ)۔ سو حیاتِ دنیا کی یہ فرصت جو آج انسان کو میسر ہے آخرت کی کمائی کیلئے ایک عظیم الشان موقع اور فرصت ہے۔ اس لئے عقل ونقل کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اِس کے ایک ایک لمحہ کو اللہ تعالیٰ کی رضاء وخوشنودی اور آخرت کی کمائی اور وہاں کی کامیابی کے لئے صرف کرے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وَعَلٰى مَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ ۔ سُبْحَانَهٗ و تعالٰى ۔ وَهُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔

۴۲۳ برائی کا بدلہ اسی کے برابر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو کوئی برائی کرے گا اس کو اسی کے برابر سزا دی جائے گی اور ان سے کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ سو یہ اُس ربِ رحمٰن کا عدل ہے جبکہ وہ اُس کا فضل ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور حدیثِ قدسی میں وارد ہے کہ اللہ پاک (اپنے فرشتوں سے) فرماتا ہے کہ جب میرا کوئی بندہ کسی برائی کا ارادہ کرے تو تم اُس کو اُس کے خلاف مت لکھو یہاں تک کہ وہ اس کا ارتکاب نہ کر لے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ پھر جب وہ اُس کو کر لے تو اُس کو اتنا ہی لکھو جتنا کہ اس نے کیا۔ اور اگر وہ اس کو میری وجہ سے ترک کر دے تو اُس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھ دو۔ اور (اس کے برعکس) اگر وہ نیکی کا ارادہ کرے تو محض ارادہ کرنے پر ہی اُس کے حق میں نیکی لکھ دو۔ اور جب وہ نیکی کر لے تو اُس کے حق میں دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک لکھ دو۔ (بخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالیٰ ۔ ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلَامَ اللّٰهِ﴾ ۔ وصحیح مسلم کتاب الایمان) وغیر ذالک من الاحادیث۔ اور مسندِ امام احمد میں حضرتِ ابوذرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت۔ ﷺ۔ نے اِرشاد فرمایا کہ جس شخص نے ہر مہینے کے تین روزے رکھے۔ اس نے گویا پوری عمر کے روزے رکھے۔ اور سننِ نسائی اور ترمذی میں اِسی روایت کو اِس اضافے کے ساتھ ذکر فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اِس اِرشادِ نبوی کی تصدیق میں اپنی کتابِ حکیم میں یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ ایک دن دس دن کے برابر۔ (ابن کثیر محاسن التاویل وغیرہ)۔

۴۲۴ حضرتِ ابراہیم کا مشرکوں سے کوئی لگاؤ نہیں تھا:۔ پس یہود ونصاریٰ اور اسی طرح مشرکینِ عرب کا حضرتِ ابراہیمؑ کی اِتباع واقتداء کا دعویٰ کرنا اور دم بھرنا غلط ہے کہ یہ لوگ طرح طرح کی شرکیات میں ملوث ومبتلا ہیں۔ جبکہ حضرتِ ابراہیم۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ ہر طرح کے شرک وشرکیات سے پاک اور بری تھے۔ وہ ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کے ہو کر رہ گئے تھے۔ یہاں تک کہ آپکا لقب ہی "حنیف" یعنی یکسو ہو گیا تھا۔ اور آپکی ملت "ملتِ حنیفیہ" کہلائی جسکی اِتباع وپیروی کا حکم حضرت امام الانبیاء۔ علیہ وعلیٰ سائرھم الصلوٰۃ والسلام۔ کو بھی دیا گیا۔ ﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا﴾۔ (النحل: ۱۲۳)۔ تو ایسے میں یہود ونصاریٰ وغیرہ مشرکوں سے آپ کا کوئی لگاؤ کیسے ہو سکتا ہے؟ مگر بہکے بھٹکے لوگوں کا طریقہ ووطیرہ ہمیشہ سے یہی رہا کہ وہ بڑوں کا نام اور اُنکی اِتباع اور پیروی کے دعوے اور بلند وبانگ دعوے تو کرتے ہیں مگر عمل وکردار کے لحاظ سے ان کے طور طریقوں پر نہیں ہوتے بلکہ ان سے منحرف ہوتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ الا ما شاء اللّٰه ۔ سبحانهٗ و تعالٰى ۔ وباللّٰهِ التوفيق لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ۔

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ

ہی کے لئے ہے، جو کہ پروردگار ہے سب جہانوں کا، ۳۴۵ اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے

وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا

اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں، ۳۴۶ کہو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟

وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ

حالانکہ وہی رب ہے ہر چیز کا، ۳۴۷ اور جو شخص بھی کوئی گناہ کرے گا وہ اسی کے

اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى

ذمے ہوگا، اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے کا، پھر

رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

تم سب کو بہرحال اپنے رب ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، ۳۴۸ تب وہ تمہیں بتادے گا وہ سب کچھ جس میں تم لوگ

۳۴۵ ہر قسم کی عبادت اللہ ہی کا حق ہے: - جس میں قربانی بھی آ گئی۔ اس لئے یہ مفہوم ومعنٰی زیادہ جامع ہے جبکہ بعض علمائے کرام نے اس لفظ سے خاص طور پر قربانی ہی مراد لی ہے اور کہا ہے کہ اس طرح اس آیتِ کریمہ میں نماز اور قربانی دونوں کا ذکر یکجا طور پر ہو جائے گا۔ جیسا کہ - ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انْحَرْ﴾ - میں ہے۔ (الکبیر، الجامع، الطبری، المحاسن، الصفوۃ وغیرہ)۔ بہرکیف اِس اِرشادِ عالی سے فرما دیا گیا کہ ہر قسم کی عبادت اور اسکی ہر شکل وقسم اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کا حق ہے کہ معبودِ برحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سو اِس اِرشاد سے ملتِ ابراہیمی اور ملتِ اسلامیہ کی اصل روح کو واضح فرمایا گیا ہے کہ مومنِ صادق کی زندگی کا نمونہ اور اُس کا اُسوہ یہی ہونا چاہیے کہ اُس کی نماز وقربانی سمیت ہر عبادت اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے لئے ہو اور اُس کی زندگی وموت اور اُس کا جینا و مرنا سب کچھ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے لئے ہو۔ اور اُس کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی رضاء وخوشنودی سے سرفرازی کی کوشش کرنا ہی ہو- وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ وَھُوَ الْھَادِیْٓ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ-

۳۴۶ پیغمبر سب سے پہلا فرمانبردار ہوتا ہے: - سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ پیغمبر سب سے پہلا فرمانبردار ہوتا ہے۔ یعنی اُس کی اُمت کے اعتبار سے۔ کیونکہ ہر نبی اپنی اُمت کا مقتداء وپیشوا ہوتا ہے۔ اس لئے اُس کا اسلام اپنی امت کے اسلام سے مقدم اور اسکے لئے نمونہ ہوتا ہے۔ سو کوئی مانے یا نہ مانے، تسلیم کرے یا نہ کرے۔ اصل حقیقت بہرحال یہی اور صرف یہی ہے کہ معبودِ برحق بہرحال اللہ اور صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ اس کا نہ

کوئی شریک وسہیم ہے اور نہ ہی کسی کو کسی بھی طرح کی عبادت کا کوئی حق پہنچتا ہے۔ بہرکیف پیغمبر اپنی امت کے اعتبار سے پہلا فرمانبردار اور ان کیلئے نمونہ اور پیشوا ہوتا ہے۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، مدارک التنزیل اور فتح القدیر وغیرہ)۔ اور ہمارے حضور ﷺ چونکہ صرف نبی ورسول ہی نہیں بلکہ سب نبیوں اور رسولوں کے امام وپیشوا اور سب سے مقدم ہیں۔ اس لیے اِس اعتبار سے آپ سب دنیا جہاں میں اللہ کے سب سے پہلے فرمانبردار ہیں۔ بہرکیف حضرت امام الانبیاء-علیہ وعلیہم الصّلوٰۃ والسّلام- کی زبانِ مبارک سے اِعلان کروایا گیا کہ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان اور اپنے رب کا فرمانبردار ہوں۔ یہی میری فطرت ہے اور اسی کی مجھے میرے رب کی طرف سے ہدایت فرمائی گئی ہے۔ اس لئے میں نے سب سے آگے بڑھ کر اس کی اطاعت وبندگی کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال دیا ہے۔ اب جس کی مرضی اس راہ پر چلے اور میری پیروی کرے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید-

۴۲۷ معبودِ برحق اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے:- سوارشاد فرمایا گیا کہ کہو کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں۔ حالانکہ وہی رب ہے ہر چیز کا؟ سو استفہام تعجیب وانکار کے لئے ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہوسکتا۔ کہ اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا رب اور معبود بنانا، جبکہ خالق و مالک اور پالنہار سب کا وہی وحدہٗ لاشریک ہے، عقل ونقل کیخلاف اور بڑا ظلم اور انتہائی بے انصافی ہے۔ بھلا ایسے ظلم اور اس طرح کی بے انصافی کا اِرتکاب میں کیسے اور کیونکر کرسکتا ہوں-ﷺ- سو معبودِ برحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ پس کسی امرِ منصوص کے بارے میں نہ کوئی مشورہ قبول کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس میں ترمیم وتفسیر کا کوئی سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ یہ اُس وحدہٗ لاشریک کے حقِ عبودیت کیخلاف ہے۔ سو اس سے بہت سے نزاعات کا قلع قمع ہوجاتا ہے- والحمد للہ رب العالمین- بہرکیف پیغمبر کی زبان سے اعلان کروایا گیا کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں جب کہ رب ہر چیز کا حقیقت میں وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ تو پھر میرے لئے یہ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ میں اُس کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ اور اُس وحدہٗ لاشریک کا کوئی شریک تسلیم کروں۔ ہر جان جو کمائی کریگی اُس کی ذمہ داری اسی پر ہوگی، کوئی کسی کا بوجھ اٹھانے والا نہیں ہوگا، ہر کسی نے لوٹ کر اپنے رب ہی کے پاس جانا ہے اور وہاں ہر اختلاف کا فیصلہ سنا دیا جائے گا۔ سو معبود برحق اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے اور ہر قسم کی عبادت اسی کا حق ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۴۲۸ انجام کی تذکیر و یاددہانی:- سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ سب کو لوٹ کر اللہ ہی کے پاس جانا ہے قیامت کے دن۔ اور ایسا بہرکیف ہو کر رہے گا خواہ تم چاہو یا نہ چاہو، مانو یا نہ مانو، اور ہر کسی نے اپنے رب کے حضور پہنچ کر اپنی زندگی بھر کے کئے کرائے کا بدلہ پانا ہے تاکہ عدل وانصاف کے تقاضے بدرجۂ تمام وکمال پورے ہوسکیں- اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ- سو جب ہر کسی کو لوٹ کر وہاں جانا ہے اور بہرحال جانا ہے تو اصل چیز یہی ہے کہ انسان وہاں کی حاضری اور اپنی جوابدہی کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے اور دیکھے کہ وہاں کیلئے میں کیا کررہا ہوں اور وہاں میرا کیا بنے گا- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید-

وَهُوَ الَّذِىۡ جَعَلَكُمۡ خَلٰٓـئِفَ الۡاَرۡضِ وَرَفَعَ بَعۡضَكُمۡ

اور وہ وہی ہے جس نے تمہیں جانشین بنایا اپنی اس زمین کا، ف۳۴۹ اور اس نے تم میں سے بعض کو

فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِىۡ مَاۤ اٰتٰٮكُمۡ‌ ؕ اِنَّ

بعض کے اوپر (دنیا میں) بلند درجے عطا فرمائے، ف۳۵۰ تاکہ وہ تمہاری آزمائش کرے ان چیزوں میں جو اس نے تمہیں دی

رَبَّكَ سَرِيۡعُ الۡعِقَابِ ‌ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۶۵﴾ ع

ہیں، بیشک تمہارا رب سزا دینے میں بھی بڑا تیز ہے، ف۳۵۱ اور بے شک وہ بڑا بخشنے والا، نہایت ہی مہربان بھی ہے، ف۳۵۲

النصف ۲۰ ع ۱۱

۳۴۹ ﴿خلائف الارض﴾ کا معنیٰ ومفہوم اور اسکی عظمتِ شان؟:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی نے تم لوگوں کو اس زمین میں خلیفہ بنایا کہ تم اللہ کے خلیفہ کے طور پر اُس کی پیدا کردہ اِس زمین پر عمل وتصرف کرتے ہو۔ نیز اُس نے تم کو خلیفہ وجانشین بنایا اُن قوموں کا جو تم سے پہلے اِس دنیا میں گزر چکی ہیں۔ نیز تم خلیفہ وجانشین ہو اپنے باپ دادا اور اپنے بڑوں کے۔ اور جس طرح ان کے ترکہ ومیراث کے وارث آج تم بنے ہوئے ہو، اسی طرح وقت آنے پر یہ سب کچھ تم سے دوسروں کو منتقل ہو جائے گا۔ سو آج جب کہ یہ سب کچھ تمہارے پاس ہے اس کو راہِ حق میں اور مرضیٔ حق کے مطابق صرف وخرچ کر کے اپنی آخرت بنا لو قبل اِس سے کہ یہ تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور تم کو خالی ہاتھ کوچ کرنا پڑے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَاَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَكُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِيۡنَ فِيۡهِ﴾ الآیۃ (الحدید: ۷)۔ سو انسان اس دنیا میں نہ مختارِ کل ہے کہ اپنی آزادانہ روش اور اپنی مرضی سے جو چاہے کرے بلکہ وہ خاص حدود وقیود کا پابند ہے اور انہی کے اندر رہ کر وہ اپنی آزادی برت سکتا ہے۔ اور نہ ہی وہ انسان مطلق العنان اور یہاں پر ہمیشہ رہنے والا ہے بلکہ وہ حدود کا پابند ہے اور ایک مختصر ومحدود اور گنی چنی مدت تک یہاں رہنے والا ہے۔ اور اسکے بعد اسکو خود ہی یہاں سے کوچ کرنا ہوگا اور یومِ حساب میں اپنے رب کے یہاں حاضر ہو کر اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا جواب دینا اور اُس کا پھل پانا ہوگا۔ سو ﴿جَعَلَكُمۡ خَلٰٓـئِفَ الۡاَرۡضِ﴾ کے اِس مختصر اور چھوٹے سے جملے میں یہ سب ہی عظیم الشان اور جلیل القدر معانی ومطالب پنہاں ہیں۔ آج کا غفلت کا مارا اور مادی فوائد ومنافع کی ریل پیل اور چکا چوند میں پھنسا جکڑا انسان اگر اسی ایک جملے میں سنجیدگی سے غور کر لے تو اسکی بگڑی بن سکتی ہے۔ اُس کی روش بدل سکتی ہے۔ اور اُس کی اصلاح ہو سکتی ہے اور وہ خودسری اور بے راہ روی سے بچ کر حق وہدایت کی اس شاہراہ پر آ سکتا ہے جو اس کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز اور بہرہ ور کرنے والی واحد راہ ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوۡفِيۡقُ لِمَا يُحِبُّ وَ يُرِيۡدُ۔

۳۵۰ فرقِ مراتب ذریعۂ ابتلاء وآزمائش:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس نے تم میں سے بعض کو بعض پر بلند درجات عطا فرمائے تاکہ وہ تم لوگوں کی آزمائش فرمائے ان چیزوں میں جو اس نے تم کو دی ہیں تاکہ اس طرح یہ امر واضح ہو جائے کہ کون ان کو اس کی بخشش وعطاء سمجھ کر ان کا حق ادا کرتا ہے اور کون ان کی بنا پر مست ہو کر تکبر وانحراف

سے کام لیتا ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ -سوانسانوں کے درمیان درجات و مراتب کا فرق ایک طبعی اور فطری امر ہے جو حضرتِ خالق نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے ان کے درمیان رکھا ہے۔ جس کے ساتھ مخلوق کے طرح طرح کے فوائد و منافع وابستہ ہیں۔ اور اسی فرقِ مراتب اور تفاوتِ درجات سے انکے باہمی کام چلتے اور وہ اپنی دنیاوی زندگی میں ایک دوسرے سے کام لیتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ﴿وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾ الآیۃ (الزخرف:۳۲)۔ یعنی "ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر درجات کے لحاظ سے فوقیت اور بڑائی بخشی تا کہ یہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں"۔

۳۵۱ عقابِ خداوندی کی تذکیر و یاد دہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ تمہارا رب سزا دینے میں بڑا ہی تیز ہے نافرمانوں اور ہٹ دھرموں کو۔ تا کہ وہ اپنے کئے کا پورا پورا بدلہ پائیں اور اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ اور اسکو حساب لینے کیلئے آلاتِ حساب و کتاب کی ضرورت نہیں۔ وہ ایسے تمام تصورات اور اس طرح کی سب ضروریات و حاجات سے پاک ہے- سبحانہٗ و تعالیٰ- سو کوئی اس یومِ حساب کو کہیں دور نہ سمجھے۔ وہ بڑا ہی قریب ہے کہ انسان کی موت کے بعد ہی وہ جہاں اور اُس کے تقاضے شروع ہو جاتے ہیں اور کسی کو پتہ نہیں کہ اس کی موت کب، کہاں اور کس طرح آئیگی۔ اس لئے ہر انسان کو اس کو ہمیشہ قریب ہی سمجھ کر اس کے لئے تیاری کرتے رہنا چاہئے کیونکہ ہر انسان کے حق میں اُس کی قیامت اُس کی موت ہی ہے جیسا کہ فرمایا گیا "مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ" یعنی "جو مر گیا اُس کی قیامت قائم ہوگئی"- وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيقِ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وعلى ما يحب ويريد-

۳۵۲ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور مہربانی کی تذکیر و یاد دہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ تمہارا رب بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان بھی ہے۔ فرمانبرداروں اور اطاعت گزاروں کے لئے۔ پس نہ تو اسکی گرفت و پکڑ سے لاپرواہی برتی جائے اور نہ ہی اُسکی رحمت و بخشش سے مایوسی۔ بلکہ خوف و رجاء دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ سو وہ ایسا غفور و بخشنہار ہے کہ اُس کی مغفرت و بخشش کا کوئی کنارہ نہیں۔ سچی توبہ پر وہ گناہگاروں کے تمام گناہوں کو ایک لحظہ میں معاف فرما دیتا ہے۔ اور وہ رحیم اور مہربان بھی ایسا ہے کہ اُس کی رحمت و مہربانی کا بھی کوئی کنارہ نہیں ہے۔ پس بندے کا کام یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں اُس کی مغفرت و بخشش کی بھی امید رکھے اور اُس کی رحمت و مہربانی کی بھی لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ اس کے عذاب اور اس کی گرفت و پکڑ سے ہمیشہ لرزاں و ترساں بھی رہے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید- فَاغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ- فَاِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ-

☆--- وانا عبدک العاصی ، ولرحمتک الراجی ، محمد اسحٰق خان عفا اللہ عنه وعافاه- تَمّ تحریره فی ۱۴ ربیع الاول ۱۴۱۰ ، مطابق ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۹ء یوم السبت والساعة العاشرة والنصف صبا حا بمنزلی الکاین فی منطقة ام هریر بدبی ، الامارات العربیة المتحدةؔ نظر ثانی ۱۶ شعبان ۱۴۱۷، مطابق ۶ جنوری ۱۹۹۷، بروز اتوار بوقت اڑھائی بجے

بعد از دوپہر، بمکان خود سطوہ دبی، متحدہ عرب امارات والحمد للہ رب العالمین

☆--- تکمیل پروف ریڈنگ ۲۸ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۹۹۹ء بروز اتوار بوقت پونے بارہ بجے دن مدنی منزل معمورۃ المدنی (گہل) منگ آزاد کشمیر پاکستان (چھٹی کے دوران)

☆--- تکمیل سیکنڈ پروف ریڈنگ ۱۸ ذوالقعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۲ فروری ۲۰۰۰ بروز منگل، بوقت سوا چار بجے صبح (اذان فجر سے سوا گھنٹہ پہلے) والحمد للہ رب العالمین

☆--- تکمیل تھرڈ پروف ریڈنگ ۲۹ ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۲ فروری ۲۰۰۱ء بروز جمعرات بوقت ساڑھے چھ بجے شام (اوان اذان المغرب) سطوہ دبی متحدہ عرب امارات والحمد للہ رب العالمین

☆--- تکمیل چوتھی ریڈنگ ۵ صفر ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۶ مئی ۲۰۰۲ء بروز جمعہ بوقت بارہ بجے شب (نصف شب) سطوہ، دبی، متحدہ عرب امارات،

والحمدُ للّٰہِ ربّ العالمین، الذی لَا تتِمُّ الصَّالِحاتُ اِلَّا بتوفِیقٍ مِّنہ جَلّ وعلا، فلہ الحمد قبل کل شيءٍ وبعد کل شیء، وھوالمحمود اولاً وأَبَدًا جَل وعلا شانُہٗ۔

☆--- اللمسات الاخیر (Final touches) ۲۹ رمضان المبارک ۱۴۲۴ ہجری مطابق ۲۴ نومبر ۲۰۰۲ء (بوقت پونے بارہ بجے شب۔لیلۃ عید الفطر المبارک۔، مدنی منزل، معمورۃ المدنی (گہل)، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان۔ والحمد للہ رب العالمین۔

آیاتہا — ۲۰۶ ۷ سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ ۳۹ رکوعاتہا — ۲۴

سورۂ اعراف مکی ہے، اور اسکی دو سو چھ (۲۰۶) آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے،

الٓمّٓصٓ ۚ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ

الٓ مّٓ صٓ یہ ایک (عظیم الشان) [۱] کتاب ہے جو اتاری گئی ہے [۲] آپ کی طرف (اے پیغمبر!) [۳] پس آپ کے دل میں اس کی

[۱] قرآنِ حکیم ایک نہایت ہی عظیم الشان کتاب ہے: - یعنی "کِتَابٌ" کی تنوین تعظیم کے لئے ہے۔ اور یہ ایسی عظیم الشان کتاب ہے کہ اس کی عظمتوں کا کوئی کنارہ نہیں۔ کہ اس جیسی دوسری کوئی کتاب نہ ہوئی ہے نہ ہوگی۔ اور یہی وہ کتابِ حکیم ہے جو انسان کو اسکے آغاز و انجام، مبداء و منتہا، اسکے مقصدِ حیات، نظامِ حیات، حقوق اللہ اور حقوق العباد وغیرہ وغیرہ جملہ اُمور سے متعلق کامل ہدایت دیتی ہے۔ اور اِن اہم بنیادی اُمور سے متعلق کامل، مکمل اور نہایت ہی جامع، معقول اور مبنی بر حکمت تعلیمات سے نوازتی ہے۔ اور یہی وہ کتابِ حکیم ہے جو وحیِ خداوندی کی نعمتِ عظمیٰ کی امین و پاسدار ہے۔ اور ایسی کہ اس کے سوا اور کوئی ماخذِ وحیِ خداوندی کا نہ کہیں ہے نہ قیامت تک کبھی ممکن ہی ہوسکتا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِهٖ وَبِالْاِیْمَانِ بِهٖ وَالْاِشْتِغَالِ بِهٖ، اَللّٰهُمَّ فَزِدْنَا مِنْهُ وَثَبِّتْنَا عَلَيْهِ - بہر کیف قرآنِ حکیم ایک عظیم الشان اور بے مثال کتاب ہے۔

[۲] قرآنِ حکیم پوری ایک مُنَزَّل من اللہ کتاب ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ کتاب اتاری گئی ہے نہ کہ لکھی گئی۔ کیونکہ نبی کتاب لکھتا نہیں بلکہ اُس پر کتاب اُس کے رب کی جانب سے نازل کی جاتی ہے۔ اور قرآنِ حکیم ہی وہ واحد کتاب ہے جو پوری کی پوری منزل من اللہ کتاب ہے۔ اس میں کسی بھی انسان کی آمیزش کا کوئی عمل دخل نہیں۔ اسی لیے اسکو جابجا "تنزیل" فرمایا گیا ہے جو کہ مصدر ہے۔ جس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ یہ خالصتاً نازل کردہ کتاب ہے جسکو حضرتِ حق - جَلَّ مَجْدُهٗ - نے اپنی مخلوق کی ہدایت و اصلاح کیلئے نازل فرمایا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - یہ آج تک ویسے ہی ہے جیسے کہ نازل ہوئی تھی اور قیامت تک ایسے ہی رہے گی۔ کیونکہ اس کی حفاظت اللہ نے خود اپنے ذمے لی ہے۔ سو یہ اس کی عظمتِ شان کے مختلف اہم پہلو ہیں - والحمد للہ جل وعلا -

[۳] نبوت و رسالت کا شرف سب سے بڑا شرف: - کیونکہ نبوت و رسالت کا شرف ہی وہ سب سے بڑا، عظیم الشان اور امتیازی شرف و وصف ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندۂ خاص کو نوازتا ہے۔ اسی لئے قرآنِ حکیم میں متعدد مقامات پر حضرت امام الانبیاء - علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام - کو اسی وصف سے پکارا گیا ہے۔ کہیں ﴿ یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ ﴾ فرمایا گیا اور کہیں ﴿ یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ ﴾ وغیرہ۔ اسی لئے ہم اس طرح کے خطاب کے موقع پر اسی طرح کا کوئی لفظ مقدر مانتے ہیں جبکہ بعض مدعیانِ عشق و محبت ایسے مواقع پر کہتے ہیں "اے محبوب" اور وہ بھی بغیر کسی فاصلہ یا بریکٹ وغیرہ کے۔ گویا کہ یہ متنِ قرآنی میں موجود کسی لفظ کا ترجمہ ہے۔ حالانکہ پورے قرآنِ حکیم میں کسی ایک مقام پر بھی آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کو "اَیُّهَا الْمَحْبُوْبُ" جیسے کسی لفظ سے خطاب نہیں فرمایا گیا۔ حالانکہ محبوب کا لفظ بھی عربی زبان کا لفظ ہے۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ یہ ایک عظیم الشان کتاب ہے جس کو پیغمبر کی طرف اتارا گیا ہے۔ سو یہ سراسر کلامِ خداوندی ہے۔

حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

وجہ سے کوئی تنگی نہیں ۴ ہونی چاہیئے (اور اتاری اس لئے گئی کہ) تاکہ آپ خبردار کریں اس کے ذریعے، ۵ اور تاکہ یہ ایک عظیم

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ

الشان نصیحت ہو ایمان والوں کے لئے، پیروی کرو تم ۶ (اے لوگو!) اس کتاب کی جو اتاری گئی تمہاری طرف، تمہارے

دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ وَكَمْ مِّنْ

رب کی جانب سے، اور مت پیچھے چلو تم لوگ اس کے سوا اور دوستوں کے، ۷ کم ہی نصیحت مانتے ہو تم لوگ، اور کتنی ہی

قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾

بستیاں ایسی تھیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا، ۸ پس آ گیا ان پر ہمارا عذاب راتوں رات، یا جب کہ وہ لوگ محو تھے دوپہر

۴ پیغمبر کیلئے تسکین و تسلیہ کی تعلیم و تلقین: - سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ اس کی وجہ سے آپ کے دل میں کوئی تنگی نہیں ہونی چاہیے کہ اس کی تبلیغ پر لوگ تکذیب کریں گے وغیرہ (صفوۃ، محاسن وغیرہ)۔ اور یہ کہ لوگ آپ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے اور اسکے مقابلے میں طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴾ (الحجر: ۹۷)۔ یعنی "ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کا سینہ ان باتوں کی بناء پر گھٹ رہا ہے جو یہ لوگ بناتے ہیں"۔ سو ایسے طبعی اُمور سے روکنے اور منع کرنے کا مطلب پیغمبر کو تسلی دینا اور صبر و استقامت کی تلقین کرنا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ انبیاء و رسل نے کیا جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ﴾ الآیۃ (الاحقاف: ۳۵)۔ سو اس ارشاد میں آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کے لئے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے کہ منکرین و مکذبین کی طرف سے جس تکذیب و انکار اور مذاق و استہزاء کا سامنا آج آپ کو کرنا پڑ رہا ہے یہ کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں۔ بلکہ ایسا پہلے سے ہوتا آیا ہے اور آپ کو بھی آج وہی کچھ کہا جا رہا ہے جو اس سے پہلے دوسرے انبیاء و رسل کو کہا گیا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ﴿ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ الآیۃ (حٰمٓ السجدہ: ۴۳)۔

۵ انزالِ کتاب کا اصل مقصود اِنذار و تذکیر: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ کتابِ الٰہی کے انزال کا اصل مقصد اِنذار و تبشیر ہے۔ یعنی لوگوں کو خبردار کرنا اُن کے انجام اور اُن کے مصیرِ محتوم سے۔ تاکہ وہ راہِ حق و صواب کو اپنا سکیں۔ اس سے پہلے کہ فرصتِ عمر ان کے ہاتھ سے نکل جائے - وباللہ التوفیق - بہر کیف اس ارشاد سے پیغمبر کی اصل ذمہ داری اور اُس کی حدود کو واضح فرما دیا گیا کہ آپ کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ آپ اس کتاب حکیم کے ذریعے لوگوں کو اُن کے انجام سے خبردار کریں اور اُن کو بتا دیں کہ تکذیبِ حق کے نتیجے میں ان

کو آخرت میں کیا کیا نتائج بھگتنے پڑینگے۔ آگے یہ لوگ مانتے اور ایمان لاتے ہیں یا نہیں لاتے یہ آپ کی ذمہ داری نہیں۔ بس آپ اِن کو تذکیر اور یاد دہانی کرا دیں کہ انہوں نے کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے؟ اور ایمان وانکار دونوں صورتوں میں اس کا صلہ وثمرہ کیا ہوگا۔ اور ان امور سے آگہی وحیِ خداوندی کے بغیر ممکن نہیں۔

۶ نزولِ کتاب کا اصل تقاضا اِتباع و پیروی: - سو یہ ہے اصل تقاضا اِس کتابِ حکیم نازل فرمائے جانے کا کہ زندگی کے تمام دوائر میں صدقِ دل سے اِس کی تعلیماتِ مقدسہ کی پیروی کی جائے کہ یہی راہ ہے حقیقی فوز وفلاح کی۔ نہ یہ کہ اِس سے لاپرواہی برتیں اور محض زبانی کلامی عشق و محبت اور صدق و صفا کے دعوے کیے جائیں اور بس - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو اِس کتابِ حکیم کی تعلیماتِ مقدسہ کی اِتباع و پیروی ہی وہ گوہرِ مقصود ہے جس میں فرد اور معاشرے سب کا بھلا ہے۔ اور جس سے انسان کو دنیاوی زندگی میں بھی امن وسکون ملتا ہے اور آخرت میں بھی سدا بہار کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ اور ﴿اِتَّبِعُوا﴾ کا حکم وارشاد عام اور سب کو شامل ہے۔ سو منکرین ومخالفین اس نعمتِ کبریٰ کی قدر کرتے ہوئے اس پر صدقِ دل سے ایمان لائیں اور ایمان والے صرف زبانی کلامی دعوائے ایمان پر اکتفا نہ کرلیں بلکہ اِس کی تعلیمات کی اِتباع و پیروی کریں۔

۷ اللہ کے سوا اوروں کی پیروی نہیں کرنا: - جو تم کو اس سے دور لے جائیں اور اِس کی تعلیمات کے خلاف چلائیں - خواہ وہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے۔ (تفسیر القاسمیؒ) اور خواہ وہ کیسے ہی سبز باغ کیوں نہ دکھائیں۔ بلکہ تم نے پیروی اپنے خالق و مالک کے احکام ہی کی کرنی ہے۔ (المراغی)۔ پس جو من گھڑت اور خود ساختہ بتوں کو اپنا معبود اور کارساز بنائے ہوئے ہیں وہ ان کو چھوڑ دیں۔ اور جنہوں نے انسانوں اور جنوں میں سے کچھ کو اپنا کارساز بنا رکھا ہے وہ ان سے باز آجائیں اور صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی طرف رجوع کریں۔ اسی کو اپنا کارساز جانیں۔ اسی کو حاجت روا ومشکل کشا سمجھ کر پکاریں اور اسی کی نازل کردہ کتابِ حکیم اور فرقانِ حمید کی تعلیماتِ مقدسہ کی پیروی کریں - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ - سو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کارساز گھڑنا اور انکی پیروی کرنا قرآنی تعلیمات کے یکسر خلاف ہے - والعیاذ باللہ -

۸ تاریخ سے درسِ عبرت لینے کی تعلیم وتلقین: - سو اس سے تاریخ اور گزشتہ قوموں کے انجام سے درسِ عبرت لینے کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے۔ سو اُن کے انجام سے یہ درس لیں کہ تکذیب وانکارِ حق کا نتیجہ و انجام بہرحال ہلاکت وتباہی ہے - والعیاذ باللہ - سو ان سب کو ہلاک کیا گیا اُن کی سرکشی اور تکذیبِ حق کے باعث۔ پس موجودہ دور کے سرکش اور مکذبین بھی ایسے ہی انجامِ بد سے دوچار ہوسکتے ہیں جن سے سابقہ ادوار کے یہ لوگ ہو چکے ہیں کہ اللہ پاک کا قانونِ عدل وانصاف یکساں اور سب کے لئے ایک ہے۔ سو یہ تاریخ کا ایک واضح درس ہے کہ سرکشی اور تکذیبِ حق کا نتیجہ وانجام ہلاکت وتباہی ہے۔ جیسا کہ ان گزشتہ قوموں سے ہو چکا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اللہ تعالیٰ تمرد اور سرکشی کی راہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین ثم آمین۔

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا

کے آرام میں، ۹ پھر کچھ نہیں تھی ان کی (دعاو) پکار، جب کہ آ پہنچا ان پر ہمارا عذاب، سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا کہ

اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَلَنَسْــَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ

واقعی ہم لوگ بڑے ظالم تھے، پھر (قیامت کے دن) ہم نے ضرور پوچھنا ہے ان لوگوں سے جن کی طرف رسول بھیجے

وَلَنَسْــَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا

گئے تھے، ۱۰ اور ہم نے ضرور پوچھنا ہے رسولوں سے بھی، ۱۱ پھر ہم خود ہی سب کچھ ان کو سنادیں گے پورے علم کے ساتھ،

كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِۨالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ

اور ہم کوئی دور نہیں تھے، اور وزن اس روز حق ہوگا، ۱۲ پھر جن کے پلڑے بھاری ہوں گے

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ

{نیکیوں کے، } تو وہی ہوں گے فلاح (یعنی حقیقی کامیابی) پانے والے، اور جن کے پلڑے ہلکے

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا

ہوئے تو وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے خود خسارے میں ڈالا ہوگا اپنے آپ کو، ۱۳ اس وجہ سے کہ وہ ہماری

۹ اللہ کا عذاب کبھی بھی اور کسی بھی شکل میں آسکتا ہے: — سو ارشاد فرمایا گیا کہ آ گیا ان لوگوں پر ہمارا عذاب راتوں رات یا جب وہ دوپہر کے آرام میں محو تھے۔ یعنی ان بدبختوں پر عذاب ایسے وقت آیا جب کہ وہ اس سے بے خبر اور خوابِ خرگوش میں محو تھے۔ جیسا کہ آج کل بھی جگہ جگہ زلزلوں کی صورت میں ایسے وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ چنانچہ آج کل جبکہ راقم آثم ان سطور کی پروف ریڈنگ کر رہا ہے، پڑوسی ملک ہندوستان کی ریاست گجرات میں ایسا ہولناک اور تباہ کن زلزلہ آیا کہ چند سیکنڈوں میں ہزاروں افراد لقمۂ اجل بن گئے۔ اور لاکھوں بے گھر ہو گئے۔ اور شہروں کے شہر صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ بڑی بڑی عمارتیں ملبے کا ڈھیر بن گئیں۔ سو اللہ کی گرفت و پکڑ اور اُس کے عذاب سے کبھی بھی بے خوف نہیں ہونا چاہئے۔ — والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۰ روزِ قیامت کی باز پرس کی تذکیر و یاددہانی: — سو اس سے واضح فرما دیا گیا اور اس بات کی تصریح فرما دی گئی کہ قیامت کے دن ضرور پوچھ ہوگی کہ انہوں نے پیغمبروں کی تبلیغ اور دعوتِ حق کا کیا جواب دیا تھا۔ سو اُن سے یہ سوال اُن کی تقبیح و توبیخ کیلئے ہوگا جس کے بعد اُن کو اس انجام کے حوالے کر دیا جائے گا جسکے وہ اپنے کفر و انکار کی بناء پر مستحق ہونگے — وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ — سو روزِ قیامت کی اُس پرسش و پوچھ سے غفلت و لاپرواہی بڑے ہی ہولناک خسارے کا باعث ہے — وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ — بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ منکرین پر جو عذاب دنیا میں آئے انہی پر بس نہیں

اور اس سے وہ اُخروی عذاب سے چھوٹ نہیں جائیں گے بلکہ اصل عذاب تو آخرت ہی میں ہوگا جو کہ بہت ہی بڑا ہو گا۔ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر عذاب سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

11 قیامت کے روز رسولوں سے پرسش کا مطلب؟:۔ یعنی ان سے یہ پوچھ ہوگی کہ انہوں نے پیغامِ حق پہنچایا کہ نہیں۔ سو حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ سے یہ سوال اُنکی تعظیم وتکریم کی بناء پر ہوگا جس کے بعد اُن کو اُن مراتب و درجاتِ عالیہ سے نوازا جائے گا جو حضرتِ حق۔ جَلَّ مَجْدُہٗ۔ کی طرف سے اُن کو عطاء فرمائے جائیں گے۔ (البحر، المراغی، القاسمی وغیرہ)۔ ایسے ہی حضراتِ انبیائے کرام سے یہ پوچھ بھی ہوگی کہ ان کی امتوں نے ان کو کیا جواب دیا؟ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس کی اس طرح تصریح فرمائی گئی ہے ﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ، قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا، اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾ (المائدہ: ۱۰۹) یعنی "(وہ دن بھی یاد کرو) جب کہ اللہ سب رسولوں کو جمع کر کے ان سے پوچھے گا کہ تم کو تمہاری امتوں کی طرف سے اپنی دعوتِ حق کا کیا جواب دیا گیا؟ تو وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ پتہ نہیں، سب کچھ آپ ہی کے علم میں ہے کہ آپ ہی ہیں سب غیبوں کو جاننے والے"۔ اس لئے ہماری امتوں نے ہم سے جو کچھ کہا اور ہماری دعوت کا جو جواب انہوں نے دیا، وہ سب آپ کے علم میں ہے۔ سو عالم غیب اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

12 وزن کے حق ہونے کا مطلب؟:۔ یعنی وہ ضرور ہو کر رہے گا۔ اس کے نہ ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ اور دوسرا مطلب اس کا یہ بھی ہے کہ اُس روز وزن صرف حق ہی کا ہوگا باطل کا کوئی وزن سرے سے ہوگا ہی نہیں۔ سو حساب کے اُس یومِ عظیم میں اعمال کو تولا جائے گا۔ پھر جس کے نیک اعمال کا پلڑا بھاری ہوگا وہی لوگ کامیاب ہونگے اور جس کے نیک اعمال کے پلڑے ہلکے ہونگے وہی خسارے والے ہونگے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف اِس ارشاد سے یہ دونوں اہم اور بنیادی حقیقتیں واضح ہوجاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اُس روز وزن ضرور ہوگا تاکہ حق وانصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں۔ اور دوسری حقیقت یہ واضح ہوجاتی ہے کہ وزن اُس روز صرف حق ہی کا ہوگا۔ اسی لئے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا کہ کافروں اور منکروں کے اعمال کا اُس روز کوئی وزن سرے سے ہوگا ہی نہیں ﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ (الکہف: ۱۰۵)۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو باطل کا نہ کوئی اعتبار ہے نہ وزن۔ وزن صرف حق کا ہوگا۔

13 دولتِ ایمان سے محرومی سب سے بڑی محرومی۔ والعیاذُ باللہ:۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ ایمان سے محروم لوگ ہی خسارے میں ہونگے کہ انہوں نے حق سے منہ موڑ کر اور اپنی متاعِ حیات کو دنیاوی مفاد اور اُس کے عارضی فوائد ومنافع کے حصول کے لئے ضائع کر دیا اور آخرت کے لئے کچھ نہ کمایا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو دینِ حق کی تکذیب اور اُس سے اِعراض و اِنکار وہ ہولناک خسارہ ہے جس جیسا دوسرا کوئی خسارہ نہیں ہوسکتا۔ اور یہ ایسا خسارہ ہے جسکی تلافی اور تدارک کی پھر کوئی صورت ممکن نہیں ہوگی۔ سو ایمان ویقین کی دولت سے سرفرازی دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی ہے۔ اور اس سے محرومی دنیا وآخرت کی محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف اِس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ قیامت کے روز میزانِ عدل میں وزن اُنہی اعمال کا ہوگا جو ایمان ویقین کے ساتھ خداوند قدوس کی رضاء وخوشنودی اور آخرت کیلئے کئے گئے ہوں گے۔ اور جو اعمال اِس شان اور اِس وصف سے خالی ہوں گے اُن کا وہاں کوئی وزن نہیں ہوگا۔ اور ایسے لوگ سخت خسارے میں ہوں گے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ العظيم۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝٩ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ

آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے رہے تھے، اور بلاشبہ ہم ہی نے تم کو ٹھکانا دیا زمین میں (اے لوگو)، اور

جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝١٠ ع

رکھ دیئے ہم نے اس میں تمہارے لئے طرح طرح کے سامانہائے زیست، (مگر) تم لوگ کم ہی شکر کرتے ہو ۱۴

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اور بلاشبہ ہم نے ہی پیدا کیا تم سب کو، پھر ہم ہی نے صورت گری کی تم سب کی، پھر ہم نے حکم دیا فرشتوں کو

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ

کہ تم سجدہ ریز ہو جاؤ آدم کے آگے، ۱۵ تو وہ سب سجدے میں گر پڑے بجز ابلیس کے، کہ وہ نہ ہوا سجدہ

۱۴ سامانہائے زیست ذریعۂ تذکیر و شکرِ خداوندی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے تمہارے لیے زمین کے اندر طرح طرح کے سامانہائے زیست رکھ دیے مگر تم لوگ کم ہی شکر کرتے ہو۔ یعنی یہ طرح طرح کی نعمتیں اور قسما قسم کے سامانہائے زیست جن سے تم لوگ ہر ہر لحہ اور طرح طرح سے مستفید ہوتے رہتے ہو، مگر یہ نہیں سوچتے کہ تمہیں یہ سب کچھ بخشا کس نے اور اس کا تم پر حق کیا ہے؟ اور اُس منعمِ حقیقی اور واہبِ مطلق کا حقِ شکر کس طرح ادا کیا جاسکتا ہے؟ سو انسان اگر حق کے بخشے ہوئے ان سامانہائے زیست میں غور وفکر سے کام لے جن سے وہ دن رات اور طرح طرح سے مستفید ہوتا رہتا ہے تو یہی دنیا اس کیلئے دین بن جائے۔ اور وہ دل و جان سے اپنے اُس خالق و مالک کے حضور جھک جھک جائے جس نے اس کو ان طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا اور سرفراز فرمایا ہے۔ مگر غفلت کا مارا انسان اس بارے کبھی سوچتا ہی نہیں اور اس طرح وہ ان نعمتوں سے ایک حیوان کی طرح مستفید ہوتا ہے اور حق و حقیقت کی روشنی سے محروم رہتا ہے اور سخت خسارے میں پڑتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۵ آدم کے لئے سجدے کا ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ تم سجدہ ریز ہو جاؤ آدم کے لیے۔ سو آدم کو سجدہ کرنے کا یہ حکم ایک بڑا اعزاز ہے جس سے حضرت ابو البشر کو نوازا گیا تاکہ اس طرح آدم اور اولادِ آدم کی عظمتِ شان کا اظہار ہو سکے۔ سو اس طرح حضرتِ حق -جل مجدہٗ- نے تمہیں بے شمار اور عظیم الشان حسی اور معنوی نعمتوں سے نوازا، جس کا لازمی اور بدیہی تقاضا یہ تھا اور یہ ہے کہ تم اُس واہبِ مطلق -جل وعلا- کے آگے دل و جان سے جھک جاؤ اور خلافتِ ارضی کے جس تاج سے اُس نے تم کو نوازا ہے اُس پر تم اُس کا حق ادا کرو۔ اور اس طرح دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ ور ہو سکو۔ سو فرشتوں کو آدم کے آگے سجدہ کرنے کے اِس حکم و اِرشاد میں آدم اور اولادِ آدم کے لئے ایک بڑا اعزاز اور اُس کی تعظیم و تکریم تھی جس سے حضرتِ حق -جل مجدہٗ- نے ان کو نوازا۔ سو اس کا تقاضا یہ ہے کہ بندے اپنے اس شرف و اعزاز کا خیال رکھیں اور اس کے تقاضے میں اپنے رب کی رضاء و خوشنودی کے لیے اس کے حضور جھک جائیں اور ہمیشہ جھکے ہی رہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

السّٰجِدِیْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ

کرنے والوں میں سے، پوچھا تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا؟

قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ

تو اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں کہ تو نے مجھے پیدا کیا آگ سے، اور اس کو پیدا کیا

طِیْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا یَكُوْنُ لَكَ اَنْ

مٹی سے، ۱۶ فرمایا اچھا تو اتر جا تو یہاں سے، تجھے حق نہیں کہ

تَتَكَبَّرَ فِیْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِیْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ

تو یہاں اپنی بڑائی کا گھمنڈ کرے، نکل جا کہ بلاشبہ تو ذلیلوں میں سے ہے، ۱۷ اس نے کہا

اَنْظِرْنِیْۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ

مجھے مہلت دے دے، اس دن تک کہ جب ان کو دوبارہ اٹھایا جائے گا، فرمایا کہ بے شک تو

الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ

مہلت دیے ہوؤں میں سے ہے، ۱۸ کہا اچھا تو جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے، میں بھی ضرور ان

۱۶ شیطان کی حکمِ الٰہی کے مقابلے میں ابلیسی منطق: ۔ سو شیطان نے حکم الٰہی سے روگردانی و سرتابی کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوال کے جواب میں اپنی ابلیسی منطق بگھارتے ہوئے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں کہ میری پیدائش آگ سے ہے اور آدم کی مٹی سے اور آگ مٹی سے بہتر ہے۔ لہٰذا میں آدم سے بہتر ہوں۔ تو پھر میں اسکو سجدہ کس طرح کروں؟ مگر اس کا یہ کہنا سراسر باطل و مردود تھا کہ اول تو آگ کا مٹی سے بہتر ہونا ہی مسلم نہیں۔ بلکہ مٹی کے اندر کئی ایسی خوبیاں اور خصوصیات ہیں جو آگ میں نہیں۔ اِن کے لحاظ سے مٹی آگ سے کہیں بہتر ہے۔ پھر یہاں تو معاملہ حضرتِ حق ۔ جل مجدہٗ ۔ کے حکم و ارشاد کا ہے جس کے مقابلے میں ہر قیاس باطل و مردود ہے کہ اسکے ہر حکم و ارشاد کی تعمیل و بجا آوری واجب ہے اور اسی میں بندے کی عزت اور بہتری ہے لیکن شیطان نے اپنی ابلیسی منطق کی بناء پر اس کا انکار کر دیا۔ سو استکبار یعنی اپنی بڑائی کا گھمنڈ محرومیوں کی محرومی اور ہلاکت و تباہی کی راہ ہے ۔ والعیاذ باللہ ۔ اسی زعم و گھمنڈ کی بنا پر ابلیس راندۂ درگاہ اور ذلیل و خوار ہوا ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ۔ ﴿ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ

وَ كَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ ﴾- والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ وضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین

۱۷ اللہ کے حکم سے سرتابی باعثِ ذلت وخواری - والعیاذُ باللہ:- سو اس گستاخی اور بدتمیزی پر ابلیس کو حکم ہوا کہ نکل جا یہاں سے کہ تو ذلیلوں میں سے ہے کہ حق تعالیٰ کے حکم سے سرتابی کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ اُس سے سرتابی کرنے والا ذلیل وخوار اور خائب وخاسر ہوجاتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو اُس لعین نے تو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا ہوکر حضرتِ حق - جل مجدہ - کے حکم سے سرتابی کی تھی لیکن اُس سے وہ ہمیشہ ہمیش کیلئے ذلیل وخوار اور مردود ومطرود ہوگیا۔ سو یہی نتیجہ وانجام ہوتا ہے اپنی بڑائی کے گھمنڈ کا۔ جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہوا کہ اللہ تعالیٰ متکبروں کو قیامت کے روز سب سے زیادہ حقیر صورتوں میں اٹھائے گا، اور اتنی کہ لوگ ان کو اپنے قدموں تلے روندیں گے اور یہی حال متکبروں کا اس دنیا میں ہوتا ہے کہ لوگ ان کو سب سے زیادہ حقیر سمجھتے ہیں اگرچہ وہ اپنے طور پر بڑے بنتے ہوں۔ (المراغی وغیرہ) - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلاء ہوکر خداوند قدوس کے حکم و ارشاد سے اِعراض اور روگردانی برتنا بڑا ہی ہولناک جرم ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - کیونکہ ایسا کرنے والا بدبخت دراصل اپنے آپ کو خداوندِ قدوس سے بڑا یا اُس کے برابر سمجھتا ہے جو کہ کھلا ہوا کفر وشرک اور ایک بڑا ہولناک اور سنگین جرم ہے۔ کبریائی صرف خداوندِ قدوس کا حق اور اُسی کو زیبا ہے۔ پس جو اُس کے اِس حق میں شریک اور حصہ دار بننا چاہتے ہیں اُن پر خداوندِ قدوس کی طرف سے ذلت ورسوائی کی مار اور لعنت و پھٹکار پڑتی ہے، جس سے وہ ملعون ومطرود ہوکر رہ جاتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو اللہ کی مخلوق اور اس کے بندے ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ صدقِ دل سے اس کے آگے جھک جائے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید-

۱۸ شیطان کی مہلت کا بیان:- سو ابلیس کی یہ مہلت قدرت کے یہاں ایک طے شدہ امر تھا۔ اسی لئے یہاں پر یہ نہیں فرمایا گیا ''اَنْظَرْتُكَ''، ''میں نے تجھے مہلت دے دی''۔ بلکہ یہ فرمایا گیا کہ ﴿اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ﴾ ''بے شک تو مہلت دیئے ہوؤں میں سے ہے''۔ یعنی یہ بات پہلے سے ہی تقدیر میں ایک طے شدہ امر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اِس موقع پر یہ کہنا کہ اللہ پاک نے شیطان کی دعا کو قبول کرکے اسے مہلت دے دی، جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ مہلت اُس لعین کو اسکی دعاء وطلب پر نہیں ملی بلکہ یہ قدرت کی طرف سے پہلے سے ہی ایک طے شدہ امر تھا جس کی کئی حکمتیں تھیں اور ہیں۔ بہرکیف شیطان نے اپنے ملعون ومطرود ہونے کے بعد اُس پر کسی طرح کا افسوس کرنے یا معافی مانگنے کی بجائے اپنے لئے مزید مہلت مانگی تاکہ وہ کارگہِ حیات میں اتر کر انسان کو راہِ حق سے گمراہ کرسکے۔ تاکہ اس طرح یہ ثابت کرسکے کہ انسان اُس شرف و اِعزاز کا سزاوار و مستحق نہیں تھا جو اسے بخشا گیا۔ سو یہیں سے وہ موڑ شروع ہوتا ہے جہاں سے انسان کی زندگی کارزارِ امتحان میں داخل ہوتی ہے۔ اور اسی امتحان سے کھرے کھوٹے کی تمیز ہوتی ہے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید-

صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ

کے لئے گھات میں بیٹھ جاؤں گا تیری سیدھی راہ پر، ۱۹ پھر میں پوری قوت سے ان پر حملے کروں گا، ان کے

اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ

آگے سے بھی، اور انکے پیچھے سے بھی، ان کی دائیں جانب سے بھی، اور انکی

شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿١٧﴾ قَالَ

بائیں طرف سے بھی، اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا، ۲۰ فرمایا

۱۹ شیطان کے چیلنج کا ذکر و بیان:- یعنی شیطان کا یہ چیلنج کہ میں اولادِ آدم کیلئے راہِ حق پر گھات لگا کر بیٹھوں گا جو کہ حق و ہدایت کی سیدھی راہ ہے اور جو انسان کو دائمی اور حقیقی کامیابی اور فوز وفلاح سے ہمکنار کرنے والی ہے۔ سو اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ اس لئے ابلیس نے کہا کہ میں ان کو اسی سے محروم کرنے کے لئے ان پر ہر طرف سے حملہ کروں گا تا کہ اُن کو جنت کی اُس راہ سے محروم کر کے دوزخ کی راہ پر ڈال دوں اور اِس طرح یہ ثابت کردوں کہ آدم اور اسکی اولاد خلافتِ ارضی کی اہل نہیں تھی۔ اور یہ کہ میں نے جو اسکو سجدہ نہیں کیا تو ٹھیک کیا۔ بہرکیف شیطان نے حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کے سامنے صاف اور صریح طور پر اور تاکیدی الفاظ کے ساتھ یہ چیلنج کیا کہ میں آدم کی اولاد کو گمراہ کرنے کے لئے تیری سیدھی راہ پر گھات لگا کر بیٹھونگا۔ اور صراطِ مستقیم سے مراد توحید کی راہ ہے جو انسان کی فطرت ہے۔ اور انسان کی فطرت اور خداوندِ قدوس کے درمیان براہِ راست ربط ہے۔ فطرت کی راہ میں اگر غیر فطری کج پیچ نہ پیدا کردئے جائیں تو انسان توحید کے سوا اور کوئی راہ نہیں اختیار کرسکتا۔ اس لئے توحید کو قرآنِ مجید کے سوا دوسرے آسمانی صحیفوں میں بھی صراطِ مستقیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ ہمیشہ اسی راہِ حق پر گامزن رکھے کہ یہی راہِ صحت و سلامتی اور فوز وفلاح کی راہ ہے۔ آمین ثم آمین۔

۲۰ شیطان کا اکثریت کو گمراہ کرنے کا دعویٰ و چیلنج:- سو شیطان نے دعویٰ اور چیلنج کیا کہ تو ان کی اکثریت کو شکر گزار نہیں پائیگا۔ اور اس نے ایسا کر دکھایا کہ اولادِ آدم کی اکثریت کفر و شرک کی غلاظتوں میں ملوث ہو کر شیطان کی پیرو بن گئی، جیسا کہ قرآنِ حکیم میں دوسرے مقام پر اس کی اس طرح تصریح فرمائی گئی ہے ﴿ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ ، فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (سبا:۲۰)۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ ایمان و یقین کی قوت ہی انسان کو ابلیس کے وار سے بچا سکتی ہے اور شیطان کے اِس اعلان و چیلنج کا صاف اور سیدھا مطلب یہی ہے کہ تو اُن کی اکثریت کو موحد نہیں پائیگا۔ اس لئے کہ توحید کی اصل حقیقت یہی ہے کہ بندہ ہر نعمت کو اللہ تعالیٰ ہی کا عطیہ اور اس کا فضل و احسان سمجھے اور اُسی کا شکر گزار بن کر رہے۔ اور اگر وہ اس کو غیر اللہ کی طرف منسوب کردے تو یہی شرک ہوگا۔ سو مشرک آدمی اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بن ہی نہیں سکتا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ

جا نکل جا تو یہاں سے ذلیل اور خوار ہو کر، (اور یاد رکھ کہ) یہ قطعی بات ہے کہ ان میں سے جو بھی

مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٨﴾ وَيَا آدَمُ

کوئی تیرے کہنے پر چلا، تو میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو تم سب سے، اور اے آدم

اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا

رہو تم بھی، اور تمہاری بیوی بھی، اس جنت میں، اور کھاؤ (پیو) تم اس میں جہاں سے تم چاہو،

وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٩﴾

پر قریب نہیں جانا اس (خاص) درخت کے، کہ پھر ہو جاؤ تم ظالموں میں سے، ۲۱

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا

پھر ورغلانے لگا شیطان ان دونوں کو اپنے وسوسوں کے ذریعے، تاکہ وہ ظاہر کر دے ان کے سامنے ان کی ان شرم گاہوں کو

مِنْ سَوْآتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ

جو کہ چھپائی گئی تھیں ان دونوں سے، ۲۲ اور کہا کہ تم کو نہیں روکا تمہارے رب نے اس

هَٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا

درخت سے مگر اس بناء پر، کہ کہیں تم فرشتے بن جاؤ یا تم ہو جاؤ

مِنَ الْخَالِدِينَ ﴿٢٠﴾ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ

ہمیشہ رہنے والوں میں سے، ۲۳ اور اس نے ان دونوں سے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ میں ۲۴

۲۱ اللہ تعالیٰ کے حکم و ارشاد سے سرتابی ظلم ہے۔ والعیاذ باللہ:- سو حضرت آدم اور حوا کو حق تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ فرمائی گئی کہ تم دونوں جنت کی نعمتوں میں سے جہاں سے چاہو کھاؤ پیو۔ پر فلاں خاص درخت کے قریب بھی مت پھٹکنا ورنہ تم ظالموں میں ہو جاؤ گے۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی ظلم ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑنا ظلم ہے۔ حق تعالیٰ کے حق میں بھی، اس پوری کائنات کے حق میں بھی اور خود اپنی جان کے حق میں بھی۔ والعیاذُ

بِاللّٰہِ -اور اسکے حکم و ارشاد کی بجا آوری اور پابندی دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ہے- وباللہ التوفیق- بہرکیف شیطان کو جنت سے نکالنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم اور حوا کو ہدایت فرمائی کہ تم اس جنت میں رہو اور اُس کی تمام نعمتوں سے پوری آزادی کے ساتھ فائدہ اٹھاؤ لیکن فلاں خاص درخت کے قریب بھی نہ پھٹکنا کہ اس کے نتیجے میں تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے اور تم کو جنت سے محروم ہونا پڑے۔ سو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی ظلم ہے- والعیاذ باللہ جل وعلا-

۲۲ ننگا کرنا شیطان کا قدیم ہتھکنڈا- والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر شیطان نے ان دونوں کو ورغلایا اپنے وسوسوں کے ذریعے تاکہ وہ ظاہر کر دے ان کے سامنے ان کی ان شرمگاہوں کو جن کو چھپایا گیا تھا ان دونوں سے۔ سو ننگا کرنے کا یہ حربہ شیطان کا قدیمی وہ حربہ اور معروف ہتھکنڈا ہے جس سے اس نے اس موقع پر کام لیا اور جس سے وہ ہمیشہ کام لیتا آیا ہے۔ اور آج بھی وہ لوگوں کو ننگا کرنے کیلئے نت نئے طریقے ایجاد کروا رہا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ -چنانچہ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کو ننگا کرنے اور اُن سے شرم و حیا کے جوہر کو چھیننے اور سلب کرنے کیلئے شیطان اور اسکی ذریت نئے نئے ہتھکنڈے اپناتی ہے-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - بہرکیف اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا کو جو اُس خاص درخت کے قریب پھٹکنے سے بھی روکا تھا تو شیطان نے اسی سے آدم پر حملہ کرنے کی راہ نکال لی اور اُن کو ورغلا کر اُن سے حکم عدولی کروالی -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ جَلَّ وَعَلَا- اور اس کے نتیجے میں آدم و حوا کو جنت سے نکلنا پڑا- والعیاذ باللہ جل وعلا-

۲۳ شیطان کا آدم اور حوا کو دھوکہ دینا:-سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس لعین نے ان دونوں کو اس طرح ورغلانا شروع کیا کہ اِس درخت کے قریب پھٹکنے سے متعلقہ یہ حکم ابتداء میں تھا جبکہ تم اس کے اہل نہیں تھے۔ اور اب جبکہ تم اس کی اہلیت رکھتے ہو تمہیں اس درخت سے کھانا منع نہیں رہا۔ اور اب جبکہ وہ وقت گزر گیا تو اب وہ ممانعت بھی باقی نہیں رہی۔ لہٰذا اب تم اس شجرۂ ممنوعہ سے کھا لو تاکہ تم فرشتے بن جاؤ یا تمہیں ہمیشہ کی زندگی مل جائے اور تم ہمیشہ کیلئے جنت میں رہو جیسا کہ دوسرے مقام پر شیطان کے اس وسوسہ کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ﴿فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ قَالَ یٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّکَ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْکٍ لَّا یَبْلٰی﴾ (طٰہٰ: ۱۲۰)۔ سو ابلیس نے بشری کمزوری کے اسی پہلو سے آدم پر حملہ کیا اور اس طرح وہ بدبخت وسوسہ اندازی کے ذریعے آدم و حوا تک پہنچ گیا اور ان کو ورغلانے میں کامیاب ہو گیا اور وہ دونوں اس کے کہنے میں آ گئے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ-

۲۴ ابلیس کا قسمیں کھا کھا کر آدم کو دھوکہ دینا:- یعنی "قَاسَمَ" بابِ "مفاعلۃ" یہاں پر تکثیر و تکرار کیلئے ہے۔ (روح، مدارک وغیرہ)۔ جیسا کہ اس باب کے خواص میں سے ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ جب اس میں مقابلہ نہ پایا جاتا ہو تو یہ تکثیر اور مبالغہ کیلئے ہوتا ہے۔ جیسے "عاقب" وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ اسی لیے حضرتِ آدم نے اُس لعین کی بات پر اعتبار کر لیا اور آپ اللہ کے نام کی اتنی قسمیں سن کر پگھل گئے۔ اسی لیے کہا گیا کہ مومن اللہ کے نام سے دھوکہ کھا جاتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ وہ جب اپنے غلاموں میں سے کسی کو نماز وغیرہ میں مشغول دیکھتے تو اسکو آزاد کر دیتے۔ یہ دیکھ کر کئی غلام محض آزاد ہونے کی خاطر نماز پڑھتے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ یہ لوگ تو محض دھوکہ دینے کیلئے نماز پڑھتے ہیں۔ تو آپؓ نے فرمایا یعنی جو کوئی ہمیں اللہ کے نام سے دھوکہ دے گا ہم دھوکہ کھانے کیلئے تیار ہیں۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ اللہ تعالیٰ شیاطین کے ہر دھوکے سے ہمیشہ محفوظ رکھے خواہ وہ انسانوں میں سے ہوں یا جنوں میں سے۔

النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ

تمہارا سچا خیر خواہ ہوں، آخر کار اس نے نیچے اتار لیا ان دونوں کو دھوکے (اور فریب) سے ۲۵ پھر جب چکھ لیا ان دونوں نے اس

بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ

درخت کو تو کھل گئے ان کے سامنے ان کے ننگ، اور وہ چپکانے لگے اپنے اوپر

وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ

جنت کے پتے، ۲۶ اور ان دونوں کو پکار کر فرمایا ان کے رب نے، کہ کیا میں نے تم کو روکا نہیں تھا

تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ

اس درخت سے، اور تم سے یہ نہ کہا تھا کہ یقینی طور پر شیطان دشمن ہے تم دونوں کا

۲۵ اللہ کے حکم سے سرتابی باعثِ محرومی - والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخر کار ابلیس لعین نے اپنی دھوکہ دہی اور فریب کاری سے ان دونوں کو اتار دیا عزت و عظمت کے اُس مقام سے جس پر وہ اس سے پہلے فائز تھے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو اللہ تعالیٰ کے حکم و ارشاد کی تعمیل و پابندی باعثِ عزت و سرفرازی ہے اور اس سے سرتابی باعثِ ذلت و محرومی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ بندے کا کام ہی بندگی کرنا ہے اپنے اُس خالق و مالک کی جس نے اُس کو وجود بخشا اور طرح طرح کی بے حد و حساب نعمتوں سے نوازا۔ اور اس سے اعراض و روگردانی اپنی اصل ذمہ داری سے منہ موڑنا اور خود اپنے آپ کو اور اپنے مرتبہ و مقام کو بھول جانا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - کہ خدا فراموشی کا لازمی نتیجہ خود فراموشی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ﴾۔ سو خدا فراموشی کا نتیجہ و انجام بڑا ہولناک ہے - والعیاذ باللہ -

۲۶ شرم و حیا ایک عظیم الشان انسانی جوہر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ آدم و حوا فوراً اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے ڈھانپنے لگے، اُس شرم و حیاء کی بناء پر جو اُن کی طبیعتوں میں پیوست تھا۔ اور جو مکارمِ اخلاق کی اصل و اساس اور تعمیرِ انسانیت کی اہم بنیاد ہے۔ اسی لئے شیطان اور شیطانی قوتیں سب سے پہلے انسان کے اسی جوہر تابدار کو اپنے حملوں کا نشانہ بناتی ہیں کہ اس سے محرومی کے بعد انسان کچرے کا ایک ڈھیر بن کے رہ جاتا ہے جس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن" - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ پہلی نبوت سے یہ کلام متوارث چلا آرہا ہے کہ "جب شرم و حیا ختم ہو جائے تو جو مرضی کرو"۔ بہر کیف حضرت آدم اور حوا نے جب دیکھا کہ وہ ننگے ہو کر رہ گئے ہیں تو انہیں فوراً اپنی ستر پوشی کی فکر لاحق ہو گئی۔ اور جس چیز پر ان کا ہاتھ پڑ گیا وہ اسی سے اپنے جسموں کو ڈھانکنے کی کوشش میں لگ گئے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ ستر کا احساس انسان کی فطرت میں پیوست ہے۔ بیحیائی اس پر دوسرے ابلیسی ذرائع سے تھوپی جاتی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - جس طرح کہ توحید انسان کی فطرت ہے اور شرک اُس کی فطرت کے خلاف جو دوسرے مصنوعی ذرائع سے اس پر تھوپا جاتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ من كل زيغ و ضلال وسوء وانحراف -

مُّبِيْنٌ ﴿٢٢﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ

کھلم کھلا، ۲۷ تو اس پر ان دونوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب، ہم نے ظلم کر لیا خود اپنی جانوں پر، پس اگر

تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ

تو نے ہمیں نہ بخشا، اور ہم پر رحم نہ فرمایا، تو یقیناً ہم ہو جائیں گے سخت خسارہ اٹھانے والوں میں سے، ۲۸ فرمایا

۲۷ شیطان انسان کا کھلم کھلا دشمن:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان دونوں سے ان کے رب نے پکار کر ارشاد فرمایا کہ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے روکا نہیں تھا۔ اور تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلم کھلا دشمن ہے کہ اُس نے اپنی اِس عداوت و دشمنی کو چھپایا نہیں، بلکہ علی الاعلان اس کا اظہار کیا۔ پس تم اس سے بچ کر رہنا۔ تو پھر تم اس کے دھوکے میں کیوں آ گئے؟ روایات میں ہے کہ حضرتِ آدم نے اس کے جواب میں اللہ پاک کے حضور عرض کیا کہ مالک آپ کی عزت کی قسم میرا یہ خیال بھی نہ تھا کہ آپکی مخلوق میں کوئی ایسا بھی ہو سکتا ہے جو آپ کے نام کی جھوٹی قسم کھائے۔ (المراغی وغیرہ)۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ نے پکار کر ان سے فرمایا کہ جب میں نے تم کو بتا دیا تھا کہ یہ تم دونوں کا کھلا دشمن ہے۔ پس خبردار رہنا کہ یہ تمہیں کہیں جنت سے نکلوا نہ دے تو پھر تم اس کے دھوکے میں کیسے آ گئے؟ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا ﴿فَقُلْنَا يَآ اٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى﴾ (طٰهٰ: ۱۱۷)۔ اللہ تعالیٰ اس عدو مبین کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۲۸ اللہ تعالیٰ کے اَحکام سے سرتابی سراسر خسارہ - والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر ان دونوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر۔ پس اگر تو نے ہماری بخشش نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو یقیناً ہم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ پاک کے اَحکام کی نافرمانی سراسر خسارے کا باعث ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ بہرکیف ان دونوں نے اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے رب کے حضور اس طرح بخشش و رحمت کی دعاء و درخواست کی، جس پر اُن کے قصور کو معاف فرما دیا گیا۔ بخلاف شیطان کے کہ وہ اپنے قصور پر اڑ گیا جس سے وہ ہمیشہ کے لئے مردود ہو گیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور یہی دعا ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ وہ کلمات تھے جو حضرتِ آدم۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ کو قدرت کی طرف سے اِلہام فرمائے گئے تھے اور جن کی طرف سورۂ بقرہ کی آیت ﴿فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ﴾ میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔ تمام ثقہ مفسرینِ کرام کا یہی کہنا ہے۔ (ملاحظہ ہو روح، مدارک، طبریؒ، صفوۃ التفاسیر، جامع البیان اور محاسن التاویل وغیرہ)۔ پس اہلِ بدعت اور خاص کر اُن کے بعض بڑے غالیوں کا یہ کہنا کہ اِس سے مراد آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کا وسیلہ پکڑنا تھا، ایک بے سند بات اور ایسے لوگوں کی ایک خانہ ساز منطق ہے، جس کا ذکر کسی بھی صحیح روایت میں موجود نہیں اور موضوع و من گھڑت روایات کا کوئی اعتبار نہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف حضرتِ آدم و حوّا نے اپنے طرزِ عمل سے بتا دیا کہ خطا کار بندے کیلئے صحیح طریقہ یہی ہے کہ وہ اپنی خطا کاری کا اعتراف کر کے اپنے رب سے عفو و درگزر کی درخواست و دعا کرے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ

اتر جاؤ، تم یہاں سے اس حال میں کہ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے اور تمہارے لئے زمین میں

مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ

ٹھکانا ہوگا اور سامانِ زیست ایک مدت (مقررہ) تک، نیز فرمایا کہ وہیں تم نے جینا ہے اور

فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ

وہیں تم نے مرنا ہے، اور اسی میں سے تمہیں (قیامت کے روز) نکالا جائے گا ۲۹ اے اولادِ آدم،

قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ

ہم نے اتارا تم پر ایسا لباس، جو چھپائے تمہارے شرم (اور پردے) کے حصوں کو، اور تاکہ تمہارے لئے آرائش بھی ہو، ۳۰

۲۹ بعث بعد الموت کی تذکیر و یاد دہانی: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ انسان کو مرنے کے بعد پھر اسی زمین سے اٹھایا جائے گا۔ سو بعث بعد الموت کی تذکیر و یاد دہانی کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ اسی سے تم لوگوں کو نکالا جائے گا یعنی قیامت کے روز تاکہ تم زندگی بھر کے اپنے اپنے کئے کرائے کا پورا پورا بدلہ پا سکو۔ پس دنیا کی اس عارضی منزل کو تم کہیں اپنی حقیقی منزل اور اصل اور آخری ٹھکانہ نہ سمجھ لینا کہ یہ اساس و بنیاد ہے دائمی خسارے اور ناکامی کی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بلکہ اسکو کسب آخرت کی فرصت اور اُس کا موقع سمجھتے ہوئے آخرت کی اپنی اصل اور حقیقی زندگی کیلئے کمائی کرنا۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف اِس سے اِن تمام مراحل کو بیان فرما دیا گیا جن سے آدم اور اولادِ آدم کو گزرنا ہے۔ سو ان کو بتا دیا گیا کہ اِن تمام مراحل سے گزر کر تم نے بالآخر لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے۔ سو اُس وقت ہم تمہیں بتا دیں گے کہ تم نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ اور حیاتِ دنیا کے میدان مقابلہ سے تم سرخرو ہو کر لوٹے ہو یا نامراد ہو کر۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اللہ ہمیشہ صراط مستقیم پر گامزن رکھے۔ آمین۔

۳۰ لباس ذریعۂ زینت و عزت: سو بنی آدم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے تم لوگوں پر ایسا لباس اتارا جو چھپائے تمہارے شرم [اور پردے] کے حصوں کو اور تاکہ وہ تم لوگوں کے لیے آزمائش و زینت کا ذریعہ بھی ہو۔ پس نفسِ لباس پہننا انسان کے لئے آرائش و زیبائش ہے اور ننگا ہونا اس کے لئے معیوب اور بدزیبی۔ نہ یہ کہ کوئی خاص ماڈل یا ڈیزائن، جیسا کہ آرائش کے لفظ سے عموماً سمجھ لیا جاتا ہے۔ سو جس طرح پر پرندے کیلئے آرام و راحت اور زیب و زینت کا ذریعہ ہوتے ہیں اُسی طرح لباس انسان کیلئے آرام و راحت اور عزت و احترام کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو لباس اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتوں میں سے ایک ہے۔ اُس سے انسان کی ستر پوشی بھی ہوتی ہے اور اُس کے حسن و وقار اور عزت و عظمت میں اضافہ بھی۔ والحمد للہ جل وعلا علیٰ نعمہ الظاہرۃ والباطنۃ۔

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ

اور تقویٰ کا (معنوی) لباس تو سب سے بڑھ کر ہے، ۳۱ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے،

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ

تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں ۳۲ اے اولادِ آدم (خیال رکھنا کہ) کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے،

كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا

جس طرح کہ وہ نکلوا چکا ہے تمہارے ماں باپ کو جنت سے، اور وہ ان سے اتروا چکا ہے ان کے لباس،

۳۱ **لباسِ تقویٰ کی عظمتِ شان کا ذکر و بیان:** - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ تقویٰ و پرہیزگاری عبارت ہے خدائے پاک کے خوف اور اُس کی اِطاعت شعاری اور فرمانبرداری سے۔ سو تقویٰ و پرہیزگاری کا یہ معنوی لباس مومن کا امتیازی اور سب سے اہم لباس ہے۔ سو قدرت نے انسان کو ظاہری اور حسی لباس کے ساتھ ساتھ تقوے کا ایک باطنی اور معنوی لباس بھی عطا فرمایا ہے جو کہ اُس ظاہری لباس سے کہیں بڑھ کر اہم ہے کہ اصل میں تقوے کا یہ باطنی لباس ہی ہے جو انسان کو ظاہری لباس پر آمادہ کرتا ہے اور وہ اسکی حقیقی اِفادیت کو اجاگر کرتا ہے۔ اور تقوے کا یہ باطنی اور معنوی لباس مومن کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں۔ اور جوں جوں تقوے کا یہ باطنی اور معنوی لباس کمزور پڑتا جائے گا - والعیاذ باللہ العظیم - اسی حساب سے انسان کا ظاہری اور حسی لباس بھی اترتا جائے گا اور ستر و پردہ پوشی سے عریانیت و برہنگی کی طرف بڑھتا چلا جائے گا - والعیاذ باللہ العظیم -

۳۲ **لباسِ تقویٰ من جملہ آیات الٰہیہ کے ہے:** - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ تقویٰ و پرہیزگاری کا لباس سب سے بہتر لباس ہے۔ اور یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں کہ تقویٰ اور پرہیزگاری کا یہی لباس اصل مقصود ہے کہ یہی وہ عظیم الشان لباس ہے جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے ہمکنار کرنے والا ہے۔ اور یہی معنوی لباس دراصل اُس ظاہری لباس کی پابندی کرانے والا ہے ورنہ انسان حقیقت میں برہنہ اور ننگا ہوتا ہے۔ خواہ وہ ظاہری طور پر کتنے ہی بڑے لباس کیوں نہ پہن لے۔ (معارف وغیرہ)۔ سو تقویٰ کا یہ باطنی اور معنوی لباس ہی ہے جس کی تحریک پر اور جس کے تقاضے میں انسان ظاہری اور حسی لباس اختیار کرتا ہے۔ اور اسی سے اس کے حسن و وقار میں اِضافہ ہوتا ہے۔ ورنہ آدمی کپڑے پہن کر بھی ننگا ہی رہتا ہے اور اس کے لباس سے اس کے وقار میں اضافہ ہونے کی بجائے اس کی رعونت میں اضافہ ہوتا ہے۔ یا اُس سے اُس کی بداطواری ہی بڑھتی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اور تقوے کا یہ لباس بنتا ہے شرم و حیا و خشیتِ خداوندی اور احساسِ عبدیت و بندگی سے۔ اور ایسے لباس والا انسان ایک مقدس فرشتے کی طرف ہوتا ہے - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق لما يحب ويريد وعلى ما يحب ويريد - بہر کیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ تقویٰ کا لباس سب سے بہتر لباس ہے۔

لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ

تاکہ دکھادے ان کو ایک دوسرے کی شرمگاہیں، ۳۳ (اور اس لئے بھی چوکنا رہنا کہ) یقیناً وہ اور اس کا ٹولہ تمہیں وہاں سے دیکھتا ہے،

حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ

جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے، ۳۴ ہم نے شیطانوں کو ان ہی لوگوں کا دوست بنایا ہے

۳۳ شیطان تمہارا جدی پشتی دشمن:- سو بنی آدم کو خطاب کر کے اور ان کو تنبیہ کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ خبردار کہیں شیطان تم لوگوں کو بہکا نہ دے جس طرح کہ وہ نکلوا چکا ہے تمہارے ماں باپ کو جنت سے اور وہ ان سے اتروا چکا ہے ان کے لباس تاکہ وہ دکھادے ان کو ایک دوسرے کی شرمگاہیں۔ سو جب وہ تمہارا جدی پشتی اور تمہارے بڑوں کا ایسا دشمن رہا اور اُس نے تمہارے ماں باپ کے ساتھ ایسی عداوت و دشمنی کا سلوک کیا اے انسانو! تو پھر تمہیں بھی اس سے ایسی ہی بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر عداوت و دشمنی کا مظاہرہ کرنا چاہیئے کہ غیرت منداور حلالی اولاد کی غیرت وحمیت کا مقتضیٰ یہی ہوتا ہے۔ سو شیطان تمہارا دشمن اور کھلا دشمن ہے اور تمہارا جدی پشتی دشمن ہے۔ پس تم لوگ اسکو اپنا دشمن ہی جاننا، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا- ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾ - (فاطر:۶) - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید-

۳۴ شیطان کی دشمنی کا ایک خاص خطرناک پہلو:- سو اس سے شیطان کی دشمنی کے ایک خاص اور انتہائی خطرناک پہلو سے آگہی بخشی گئی ہے کہ وہ اور اس کا ٹولہ تم لوگوں کو وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا دشمن بہت خطرناک ہوتا ہے جو نظر نہ آتا ہو کہ پتہ نہیں وہ کب، کہاں سے اور کس طرح وار کرتا ہے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سو یہ شیطان کی شیطنت اور اُسکی عداوت و دشمنی کا ایک خاص خطرناک پہلو ہے۔ اس لیے اس کا بچاؤ بھی اسی طرح مخفی ہے۔ اور وہ ہے اُس خالق و مالک کی پناہ میں آنا جس کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز ہے۔ بہرکیف اِس اِرشاد سے شیطان اور اُس کے جتھے کی کیادی و مکاری اور اُس کی چالاکی وعیاری سے آگاہ فرمادیا گیا کہ ان کے حملوں کے راستے اور طریقے بے شمار اور ان کے ظہور کے بھیس نت نئے اور مختلف ہیں۔ نہ تم ان کے راستوں پر پہرا بٹھا سکتے ہو اور نہ ہی تم ان کے ہر بھیس کو پہچان سکتے ہو۔ شیطان کے اس لشکر میں جن بھی ہوتے ہیں اور بہت سے انسان بھی۔ یہ وہاں سے تمہارے لئے گھات لگائیں گے جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکو گے۔ یہ تمہارے لئے ایسے بہروپ بھریں گے کہ تم انہیں پہچان نہ سکو گے۔ تم ان کو اپنا دوست ناصح خیرخواہ، لیڈر، مرشد، اور نہ جانے کیا کچھ سمجھو گے لیکن وہ تمہارے دین وایمان کی جڑ کاٹ رہے ہوں گے۔ تم گمان کرو گے کہ وہ تمہارے لئے تعمیر وترقی کی راہیں کھول رہے ہیں لیکن وہ تم کو وہاں لے جاکر ماریں گے جہاں تمہیں پینے کو پانی بھی نہ ملے گا -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- اللہ تعالیٰ ایسے دشمن کے ہر شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین۔

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا

جو ایمان نہیں رکھتے، ۳۵ اور یہ لوگ جب کوئی برائی کرتے ہیں تو کہتے ہیں

وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ

کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے پایا، اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے (ان سے) کہو

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

کہ اللہ کبھی بے حیائی کا حکم نہیں دیتا، کیا تم لوگ اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاتے ہو،

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ قف وَاَقِيْمُوْا

جن کا تمہیں علم نہیں، کہو کہ میرے رب نے تو انصاف ہی کا حکم دیا ہے، اور یہ کہ تم لوگ ٹھیک رکھو

وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ

اپنا رخ ہر عبادت کے وقت، ۳۶ اور اسی کو پکارو، تم لوگ خالص کرتے ہوئے

لَهُ الدِّيْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَرِيْقًا هَدٰى

اس کے لئے دین کو، جیسے اس نے تم کو پہلے پیدا کیا ایسے ہی تم دوبارہ پیدا ہوؤ گے، ۳۷ کچھ لوگوں کو اس نے ہدایت بخشی

وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا

اور کچھ پر گمراہی چسپاں ہو کر رہ گئی، کہ انہوں نے اللہ کو

الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ

چھوڑ کر شیطان کو دوست بنا لیا، اور وہ سمجھ رہے ہیں

۳۵ شیطان کی دوستی بے ایمانوں کے ساتھ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے شیطانوں کو انہی لوگوں کا دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔ یعنی ہمارا دستور و قانون یہی ہے کہ شیطان ایسے ہی بے ایمانوں کا دوست بنتا ہے جو ایمان کے نور اور یقین کی قوت سے محروم ہوتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو شیطان کا داؤ انہی لوگوں پر چلتا ہے اور اس کا تسلط انہی پر قائم ہوتا ہے جو ایمان کے نور اور یقین کی قوت سے محروم ہوتے ہیں۔ اور

اس طرح وہ کفر و شرک اور معاصی و ذنوب کے اندھیروں میں ڈوب کر اپنے آپ کو اس قابل بنا دیتے ہیں کہ شیطان انکو بآسانی شکار کر سکے اور اُن پر اپنا تسلط قائم کر لے کہ مکھی وہیں آتی ہے جہاں غلاظت ہوتی ہے۔ اور مردار خور جانور وہیں اکٹھے ہوتے ہیں جہاں مردار پڑا ہوتا ہے۔ سو ایمان و یقین کی قوت ہی وہ حصنِ حصین ہے جو انسان کو ایسے دشمن کے حملے سے بچاتی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ جَلَّ وَعَلَا۔ اللہ ایمان و یقین کی قوت سے ہمیشہ سرفراز و مالا مال رکھے اور شیاطینِ جن وانس کے ہر شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۳۶ **عبادت کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھنے کی ہدایت:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اپنا رخ سیدھا رکھا کرو ہر عبادت کے وقت اور اپنے اُس معبودِ حقیقی اور اُس کی رضاء ہی کو اپنی عبادت و بندگی اور اپنی تمام تر توجہات کا مرکز بنا کر۔ اسکے ساتھ کسی اور کو کسی بھی طور پر اور کسی بھی درجے میں اس کا شریک و سہیم مت ٹھہراؤ۔ نہ کسی خودساختہ بت کو اور نہ کسی فرشتہ اور نبی ولی کو۔ (المراغی وغیرہ)۔ کہ وہ ایسے ہر شرک اور اسکے ہر شائبہ سے پاک ہے اور عبادت و بندگی کی ہر قسم اور ہر شکل اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس اُس کے سوا عبادت و بندگی اور اس کی کوئی بھی شکل اور قسم کسی بھی اور کے لئے بجالانا جائز نہیں۔ اسی لئے سجدہ اور مسجد خدا ہی کے لئے زیبا ہے۔ اور مسجد اپنی اصل اور فطرت کے اعتبار سے خدا ہی کے لئے خاص ہے جیسا کہ اِرشاد فرمایا گیا ﴿وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا﴾ (الجن: ۸)۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر ثابت قدم رکھے اور شرک کے ہر شر سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۳۷ **یومِ حساب کی تذکیر و یاددہانی:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جیسے اس نے تم لوگوں کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے ایسے ہی تم سب لوگ دوبارہ پیدا ہوؤ گے۔ اور جب تم سب کو پیدا بھی اسی نے کیا اور دوبارہ اٹھ کر تم سب کو حاضر بھی اسی کے حضور ہونا ہے تو پھر عبادت و بندگی کا حقدار اُس کے سوا اور کوئی کس طرح ہوسکتا ہے؟ تو جب اُس کو تمہارا پہلی بار پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں تھا تو دوبارہ پیدا کرنا کیونکر مشکل ہوسکتا ہے؟ جبکہ دوبارہ پیدا کرنا تو عام ضابطہ کے مطابق پہلی بار پیدا کرنے کے مقابلے میں زیادہ سہل اور آسان ہوتا ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ﴾ الآیۃ (الروم: ۲۷)۔ سو یہ تو عام ضابط و دستور کے مطابق اور تمہاری عقل و فہم اور تجربہ و عرف کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ حضرت حق۔ جل مجدہ۔ کے یہاں تو دونوں ایک برابر ہیں کہ وہاں تو صرف حکم و ارادہ کی دیر ہوتی ہے اور بس کہ وہاں معاملہ اسباب و وسائل کا نہیں بلکہ ''کُنْ فَیَکُوْنُ'' کا ہوتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو دوبارہ پیدا ہو کر تم لوگوں نے اُس کے حضور حاضر ہونا ہے اور وہاں اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب دینا اور اُس کا صلہ و بدلہ پانا ہے۔ پس ہر کوئی اپنے بارے میں دیکھ اور سوچ لے کہ اس نے کل کے اس یومِ حساب کیلئے کیا سامان کیا ہے۔ اور یہ شان جب اُس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کی بھی نہیں تو پھر عبادت و بندگی اور اِطاعت مطلقہ کا حقدار بھی اُس کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ فوفقنا اللّٰھم لما تحب و ترضی۔

اِنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۳۰ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ

کہ وہ ہدایت پر ہیں، اے آدم کی اولاد، تم لے لیا کرو اپنی زینت ہر

كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ

مسجد کے پاس ف۳۸ اور کھاؤ، پیو، پر حد سے نہیں بڑھنا، کہ بے شک

لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۳۱ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ

وہ (وحدہٗ لاشریک) پسند نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کو، (ان سے) کہو کہ کس نے حرام کیا اللہ کی اُس زینت کو

اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ

جس کو اس نے نکالا (پردۂ عدم سے) اپنے بندوں کے لئے؟ اور کھانے پینے کی ان پاکیزہ چیزوں کو (جن کو اس نے پیدا

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ

فرمایا اپنے کرم سے)؟ ف۳۹ کہو کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی اصل میں اہلِ ایمان ہی کے لئے ہیں، ف۴۰ اور قیامت کے دن تو

ع ۱۰

۳۸ لباس پہننے کی ہدایت و تلقین:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اپنی زینت لے لیا کرو ہر مسجد کے پاس۔ یعنی لباس پہن لیا کرو ہر عبادت کے وقت۔ خواہ وہ نماز ہو یا طواف وغیرہ کہ لباس پہننا زینت و آرائش ہے اور ننگا ہونا اس کے برعکس۔ جیسا کہ مشرکینِ عرب ننگے ہو کر طواف کرتے تھے۔ (صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ سو لباس کو زیب تن کرنا فطرت کا تقاضا اور انسان کیلئے زیب و زینت اور عزت و عظمت کا ذریعہ و سبب ہے۔ سو اِس اِرشاد سے اُس رہبانی اور جوگیانہ تصور کی جڑ کاٹ دی گئی جس کے مطابق عریانیت اور ننگے پن کو تقربِ الٰہی اور وصول اِلی اللہ کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا اور سمجھا جاتا ہے۔ جس طرح کہ جوگی اور راہب لوگوں نے کیا اور کرتے ہیں۔ اور ہندوستان میں جین مت کے لوگ آج بھی سرتا پا ننگے رہتے ہیں۔ اور اسی مرض کی بناء پر بہت سے جاہل مسلمانوں کے اندر ''ننگا پیر'' کا نام ایسے ننگ دھڑنگ ملنگوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور ان کو پیری اور بزرگی کے خاص مرتبہ و مقام پر فائز سمجھا جاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو اسلام کی نظر میں ایسی عریانیت بے حیائی ہے جو کہ حرام ہے۔ اسی لئے یہاں پر صاف اور صریح طور پر زینت کو اپنانے کا حکم دیا گیا۔ اور دینِ حنیف کی نظر میں ولایت و بزرگی کا معیار اور اس کا صحیح تصور وہی ہے جو نبیٔ معصوم۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ کے اسوۂ حسنہ اور آپ کے صحابۂ کرام اور ان کے پیروکاروں کے اسوہ اور طریقہ سے ثابت ہے اور بس۔ اس کے خلاف ہر تصور باطل و مردود ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور پیغمبر کے اسوۂ

حسنہ کے مطابق بزرگی کی بنیاد ایمان و اخلاص اور تقویٰ و طہارت ہے اور بس۔

۳۹ تحلیل و تحریم اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے:- سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کی پیدا کردہ پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار دینے کا حق کسی کو نہیں۔ سو استفہام انکاری کے طور پر ارشاد فرمایا کہ کس نے حرام کیا اللہ کی پیدا کردہ زینت اور پاکیزہ چیزوں کو۔ یعنی کسی کو اس کا حق نہیں پہنچتا، کہ وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی پاکیزہ چیزوں کو ازخود اپنی طرف سے حرام قرار دے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پیدا کوئی کرے اور تحریم و تحلیل کا فیصلہ کوئی اور کرے؟ پس ازخود اللہ پاک کی پیدا کردہ ان پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار دینا سخت جرم اور اللہ پاک پر افتراء باندھنا اور جھوٹ گھڑنا ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- بلکہ عقلِ سلیم اور نقلِ صحیح کا تقاضا یہ ہے کہ حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کی پیدا کردہ اور عطاء فرمودہ اِن طیبات اور پاکیزہ چیزوں کو استعمال کر کے اور ان سے صحیح طور پر فائدہ اٹھا کر اپنے خالق و مالک کا دل و جان سے شکر ادا کیا جائے کہ اس طرح یہ نعمتیں انسان کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ بن جاتی ہیں، جیسا کہ حضرتِ نبیٔ معصوم نے فرمایا۔ یعنی ''کھا کر شکر ادا کرنے والا ایسے ہوتا ہے جیسے روزہ رکھ کر صبر کرنے والا''- سبحان اللہ- کیسی انقلاب آفریں تعلیمات ہیں اُس دینِ حنیف کی جو خالص دنیاوی اور مادی اُمور کو بھی دین اور نیکی بنا دیتی ہیں- فالحمد للہ رب العالمین- بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کی پیدا کردہ وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا فرمائی ہے اور وہ پاکیزہ چیزیں جن کو اس نے اپنی رحمت و عنایت سے وجود بخشا ہے ان کو حرام قرار دینے کا حق کسی کو نہیں۔ یہ سب کچھ اس واہبِ مطلق نے اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں ہی کے لیے پیدا فرمایا ہے۔

۴۰ پاکیزہ چیزیں دراصل اہلِ ایمان ہی کا حق ہیں:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کہو کہ ایسی پاکیزہ چیزیں تو اس دنیاوی زندگی میں بھی اہلِ ایمان ہی کے لیے ہیں۔ یعنی اصل حق انہی کا ہے کہ وہ ان پاکیزہ چیزوں کو استعمال کریں اور ان سے بھرپور فائدہ اٹھائیں اور کافر و مشرک تو محض ان اہلِ ایمان کے طفیل میں ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں جیسا کہ جانوروں کو انسانوں کے طفیل مل رہا ہے۔ اور کافر تو جانوروں سے بھی بدتر مخلوق ہیں ﴿اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ﴾ اور جیسا کہ دوسرے مقام پر ان کو ''شَرُّ الْبَرِیَّۃ'' یعنی ''بدترین مخلوق'' فرمایا گیا۔ اور صاف و صریح طور پر اور حصر کے کلمات کے ساتھ اِرشاد فرمایا گیا۔ چنانچہ اِرشاد ہوتا ہے ﴿اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ﴾ (البیّنۃ:٦)۔ سو دنیا کے اِس دار الامتحان میں اگر اُن کفار و مشرکین کو اِن طیبات سے استفادے کا موقع ملتا ہے تو اہلِ ایمان کی برکت سے۔ ورنہ وہ خود اسکے حقدار نہیں کہ وہ اُس واہبِ مطلق کے باغی اور سرکش ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں اِس دنیا میں بھی اصلاً اہلِ ایمان ہی کا حق ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کافروں کو بھی ان میں شریک کر دیا۔ کہ یہ سب کچھ عارضی اور فانی ہے۔

الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

یہ خالص انہی کے لئے ہوں گی، ۴۱ اسی طرح کھول کر بیان کرتے ہیں ہم اپنی آیتوں کو ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں،

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا

کہو، میرے رب نے تو صرف بے حیائی کی باتوں کو حرام کیا ہے، خواہ وہ علانیہ ہوں

وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا

یا پوشیدہ، اور گناہ اور ناحق زیادتی کو، اور یہ کہ تم لوگ شریک ٹھہراؤ

بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى

اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری، ۴۲ اور یہ کہ تم لوگ اللہ پر

۴۱ **اُخروی نعمتیں خالصتاً اہلِ ایمان کیلئے ہونگی:** - اور کافر وہاں طفیلی طور پر بھی اُن چیزوں میں اُن کے شریک نہیں ہوسکیں گے کہ وہ جہاں دنیا کی طرح "دارالعمل" اور "دارالامتحان" نہیں ہوگا بلکہ وہ دارالجزاء اور تفریق و امتیاز کا جہان ہوگا۔ جہاں اہلِ کفر و شرک اپنے کفر و شرک کی بناء پر دوزخ کی آتشِ سوزاں کا ایندھن ہونگے - والعیاذ باللہ - اور وہاں اہلِ ایمان ہی اِن نعمتوں سے سرفراز ہونگے۔ سو آخرت میں تمام نعمتیں سو فیصد اہلِ ایمان ہی کا حصہ اور ان ہی کا حق ہونگی۔ کافروں کو وہاں پر ان میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ البتہ دنیا میں انہوں نے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے طرح طرح کے فائدے اٹھائے تھے اور اپنے کفر و شرک اور بغاوت و سرکشی کے باوجود اٹھائے تھے اُس کی جوابدہی بہرحال اُن کو وہاں کے اُس "دارالحساب" میں کرنا ہوگی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو ایمان و یقین دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ہے - والحمد للہ -

۴۲ **شرک کیلئے کوئی سند ہو ہی نہیں سکتی:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ میرے رب نے اس بات کو بھی حرام ٹھہرایا کہ تم لوگ اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کے لیے اللہ نے کوئی سند نہیں اتاری۔ اور ایسی کوئی چیز ہے ہی نہیں جس کے لئے اُس کا شریک بننے کی کوئی سند ممکن ہو سکے - ﴿وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ﴾ - پس اللہ پاک کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک کرنا کسی بھی طرح جائز نہیں ہوسکتا۔ اور اس کیلئے جو لوگ کچھ حجت بازیاں کرتے ہیں وہ محض اُن کے اوہام و ظنون اور خواہشات کے پلندے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ﴾ - بہرکیف اِس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جہاں تک خدائے واحد کو ماننے کا تعلق ہے وہ تو عقل و فطرت کا ایک بدیہی تقاضا ہے اور مشرک بھی اُس کو مانتا ہے۔ یہ بات کہ خدا کا کوئی شریک بھی ہے تو اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔ اور دلیل بھی ایسی جو برھان اور حجت قاطع کی حیثیت رکھتی ہو۔ مگر وہ کہاں اور کیسے؟ جب کہ اس وحدہٗ لاشریک کا کوئی شریک نہ واقع میں ہے اور نہ ممکن ہے - سبحانہٗ و تعالیٰ - اس لیے مشرک لوگوں کا ارتکابِ شرک ایک نہایت سنگین جرم ہے - والعیاذ باللہ جل وعلا -

اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ

وہ کچھ کہو جو تم جانتے نہیں ہو، اور ہر امت کے لئے ایک مدت مقرر ہے، ف۴۳ پھر جب ان کی مدت

اَجَلُهُمۡ لَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّلَا يَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ﴿۳۴﴾

آن پوری ہوتی ہے، تو وہ پل بھر (اس سے) نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں، نہ آگے بڑھ سکتے ہیں،

يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ اِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ يَقُصُّوۡنَ

اے آدم کی اولاد اگر تمہارے پاس ایسے رسول آئیں جو خود تم ہی میں سے ہوں، ف۴۴ وہ سنائیں

عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِىۡ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ

تمہیں میری آیتیں، تو جس نے تقوٰی اختیار کیا، اور اصلاح کر لی، تو ایسوں پر نہ کوئی خوف ہوگا

۴۳ ہر اُمت کیلئے ایک مدت مقرر ہے:- سو اس ارشاد سے تصریح فرما دی گئی کہ ہر امت کے لیے ایک مدت مقرر ہے۔ یعنی عذاب کی اور موت کی مدت۔ پس کفار و مشرکین اور معاندین و منکرین پر اگر فوری عذاب نہیں آتا تو اس سے اُن کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ وہ اپنے وقت پر بہر حال آ کر رہے گا۔ اور ایسوں کی سلامتی کی راہ یہ ہے کہ اُس عذاب کیلئے جلدی مچانے یا اُس سے نڈر اور بے فکر ہونے کی بجائے اُس سے بچنے کی فکر و کوشش کریں۔ ورنہ ہمیشہ کیلئے پچھتانا پڑے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ اس ضمن میں یہ بنیادی اور اُصولی بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اَفراد اور اَقوام کے معاملے میں خداوندِ قدوس نے اجل کے پیمانے الگ الگ رکھے ہیں۔ اَفراد کے پیمانے تو سالوں، مہینوں، دنوں اور گھنٹوں منٹوں کے حساب سے پورے ہوتے ہیں۔ جب وہ پورے ہو جاتے ہیں تو فرد ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن قوموں اور اُمتوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے کہ ان کا حساب ان کے ایمانی اور اَخلاقی زوال سے ہوتا ہے۔ سو جب کوئی قوم اَخلاقی فساد و زوال کی اُس خاص حد تک پہنچ جاتی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ جو قدرت کی طرف سے اس کے لئے مقرر ہوتی ہے، تو اس کے سفینے کو غرق کر دیا جاتا ہے اور وہ اپنے کیے کرائے کے انجام کو پہنچ کر رہتی ہیں ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔

۴۴ اللہ کے رسولوں کی بعثت جنسِ بشر ہی سے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اے آدم کی اولاد اگر تمہارے پاس ایسے رسول آئیں جو خود تم ہی میں سے ہوں۔ یعنی وہ جنسِ بشر میں سے اور بشر ہوں۔ تاکہ تم لوگ زندگی کے ہر دائرے میں اُنکی اِتباع اور پیروی کر سکو۔ اور اُن کے اُسوۂ اور نمونہ کو اپنا سکو۔ سو رسول کا بشر اور جنسِ بشر میں سے ہونا عقل و فطرت کا تقاضا اور حکمت و عنایتِ الٰہی کا مظہر ہے کہ اسی سے انسانوں پر حجت قائم ہو سکتی ہے اور اُن کو اسوۂ حسنہ اور قدوۂ مُثلیٰ میسر آ سکتا ہے۔ اور ایسی ہی صورت میں وہ اللہ کے رسولوں کی اِتباع اور پیروی کے شرف سے مشرف ہو سکتے ہیں۔ (المراغی وغیرہ)۔ مگر اہلِ بدعت ہیں کہ بشریتِ رسول کی اِس حقیقتِ واقعیہ کو ماننے اور تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ اور اس کیلئے وہ قرآن و سنت کی نصوصِ کریمہ تک میں تحریف سے کام لیتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے، ۴۵ اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو،

وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا

اور انہوں نے منہ موڑا ان سے اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر، تو وہ یار ہوں گے (دوزخ کی) اس آگ کے، جس میں

خٰلِدُوْنَ ﴿٣٦﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

انہیں ہمیشہ رہنا ہوگا، پھر اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے؟ جو جھوٹ موٹ کا بہتان باندھے

كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ

اللہ پر، یا وہ جھٹلائے اس کی آیتوں کو، ایسے لوگوں کو پہنچتا رہے گا ان کا حصہ ۴۶ نوشتۂ تقدیر

مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ

کے مطابق، یہاں تک کہ جب آ پہنچیں گے ان کے پاس ہمارے فرشتے ان کی جان لینے کیلئے،

قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا

تو وہ ان سے کہیں گے، ۴۷ کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم لوگ پکارا کرتے تھے اللہ کے سوا؟ ۴۸ تو یہ کہیں گے

۴۵ تقوی واصلاح وسیلۂ فوز وفلاح: ــ سو اس سے غم اور اندیشہ سے بچنے کا بے مثال نسخہ پیش فرما دیا گیا ہے جو کہ عبارت ہے تقویٰ و اصلاح سے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ رسولوں کی بعثت وتشریف آوری کے بعد جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اس نے اپنی اصلاح کر لی تو ایسوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہونگے۔ پس رسولوں کی بات ماننے اور اُن کی اِتباع و اِطاعت میں خود تمہارا اپنا ہی بھلا ہے کہ اِس سے تمہیں غم اور اندیشہ سے رہائی اور حفاظت کا وہ نسخہ میسر آئے گا جسکی دوسری کوئی نظیر ومثال نہ کبھی ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔ اور غم واندیشہ سے اس رہائی اور آزادی کا آخری اور کامل ظہور اگرچہ آخرت کے اُس جہاں میں ہوگا جو کہ کشفِ حقائق اور ظہورِ نتائج کا جہاں ہوگا، لیکن مومنِ صادق اپنے ایمان ویقین کی برکت سے اِس دنیا میں اُس سے بڑی حد تک مستفید وفیضیاب ہوتا ہے کہ اِس سے ایک طرف تو انسان سکونِ قلب کی دولت سے سرفراز و سرشار ہوتا ہے اور دوسری طرف اسکو اس سے حیاتِ طیبہ "پاکیزہ زندگی" سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے۔ سو اِتباعِ رسول دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ وباللہ التوفیق۔ پس شیطان اور اُس کی ذریت کی فتنہ سامانیوں اور شر انگیزیوں سے بچنے اور محفوظ رہنے کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں کی صدقِ دل سے پیروی کی جائے۔ اور انکی تعلیمات کو

صدقِ دل سے اپنایا جائے -وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید وہو الہادی الیٰ سواء السبیل-

۲۶ دنیا میں اہلِ باطل کو بھی اُن کا حصہ ملتا رہے گا:- سوارشاد فرمایا گیا کہ ظالموں کو نوشتہ تقدیر کے مطابق ان کا حصہ ملتا رہے گا۔ عمر اور رزق وغیرہ کا جو بھی حصہ اُن کے مقدر میں لکھا ہے وہ اُن کو ملتا رہے گا۔ (صفوۃ، المراغی وغیرہ) ۔ کہ دنیا کے اِس ''دارالامتحان'' کا مقتضی یہی ہے۔ سوایسے لوگ انہی مشاغل میں اُلجھے اور انہی بھول بھلیوں میں پھنسے رہیں گے۔ یہاں تک کہ فرصتِ عمر ختم ہوجائے گی اور فرشتے آ کر اُن کا رشتہ حیات کاٹ ڈالیں گے اور اُنکو اُنکے اپنے کفر وانکار اور تکذیب و افتراء کی بناء پر ہمیشہ کیلئے عذاب میں دھر لیا جائے گا -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سواللہ پاک کسی کے کفر وانکار کی بناء پر اُس کی زندگی کو چھین نہیں لیتا بلکہ دنیاوی زندگی کے جو دن اُن کے نوشتہ تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں وہ یہ پورے کریں گے۔ اور یہ اسی وحدہٗ لاشریک کا شانِ حلم وکرم ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- اللہ ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے- آمین ثم آمین۔

۲۷ کفار ومشرکین کا وقتِ نزع کا حال:- سونزع کے وقت فرشتوں کا اہلِ باطل سے یہ خطاب انکی توبیخ و تقریع کیلئے اوراُن کی تعجیز وتخجیل کے طور پر ہوگا۔ سو یہ خدائے رحمٰن ورحیم کی رحمت وعنایت کا ایک عظیم الشان مظہر ہے کہ موت کے وقت اور اسکے بعد کے اِن تمام حالات کو اُس نے اِس قدر صراحت و وضاحت کے ساتھ پیشگی بیان فرما دیا۔ تا کہ جس نے بچنا ہو وہ بچ جائے ورنہ وہ اپنے ہولناک انجام کیلئے تیار ہوجائے ﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ﴾. سواُس وقت ایسے لوگوں کی یاس وحسرت کی نہ کوئی حد ہوگی نہ انتہا۔ مگر بے وقت کے اِس پچھتاوے سے اِن کو کوئی فائدہ نہ ہوگا سوائے اُنکی آتشِ یاس وحسرت میں اضافے کے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - بہرکیف اِس ارشاد سے کفار ومشرکین وغیرہ تمام اہلِ باطل کے عجز اُور اُن کے خجل کو واضح فرما دیا گیا تا کہ جس نے بچنا ہو بچ جائے- وباللہ التوفیق- یہاں پر یہ امر بھی واضح رہے کہ ﴿رُسُلُنَا﴾ کے صیغہ جمع سے صاف کر دیا گیا کہ جان قبض کرنے والا فرشتہ ایک نہیں ہوتا بلکہ وہ کئی ہوتے ہیں ۔ پس اِس سے اہلِ بدعت کا ملک الموت کے ہر جگہ موجود ہونے سے حاضر وناظر کے اپنے شرکیہ عقیدے پر استدلال کرنا باطل ومردود ہے-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- بہرکیف اس سے کفار ومشرکین کے وقت نزع کے حالِ بد کو پیش فرمایا گیا۔

۲۸ مشرکوں کے موت کے وقت کا عجز اور اقرارِ کفر:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ موت کے وقت مشرکوں کے وہ تمام خودساختہ حاجت روا ومشکل کشا گم ہوجائیں گے جن کو وہ پکارا کرتے تھے۔ اُن کو حاجت روا و مشکل کشا جان کر۔ اور کلمہ ''ما'' عام ہے جو ہر معبودِ ما سوی اللہ کو شامل ہے۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ پس اہلِ بدعت اور اُن کے بڑے تحریف پسندوں کا یہ کہنا باطل ومردود ہے کہ اِس سے مراد صرف بت ہیں۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ موت اور آخرت کے اِس ہولناک وقت میں مشرکوں کے ایسے تمام خودساختہ حاجت روا و مشکل کشا گم ہوجائیں گے اوران میں سے کوئی بھی اُس مشکل اور آڑے وقت میں اُن کے کچھ بھی کام نہ آسکے گا کہ وہ سب کچھ ان لوگوں کا اپنا من گھڑت تھا۔ جس کی نہ کوئی اصل اور حقیقت تھی اور نہ کوئی اساس و بنیاد۔ سواس موقع پر ایسے لوگ خود کہیں گے ﴿ضَلُّوْا عَنَّا﴾ کہ ''وہ سب خود ساختہ اور من گھڑت معبود اور مشکل کشا وحاجت روا ہم سے کھو گئے''۔ سواِس سے اُن کی یاس وحسرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم-

ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا

کہ وہ سب گم ہوگئے ہم سے، اور اس وقت وہ اپنے خلاف خود گواہی دیں گے کہ وہ پکے

كٰفِرِيْنَ ﴿٣٧﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ

کافر تھے، ۴۹ اس پر اللہ ان سے فرمائے گا کہ اب داخل ہو جاؤ تم بھی دوزخ میں جنوں اور انسانوں کے ان گروہوں میں

قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِى النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ

شامل ہو کر جو گزر چکے ہیں تم سے پہلے، (اور حالت وہاں پر انکی یہ ہوگی کہ) جب بھی داخل ہوگا کوئی گروہ دوزخ میں،

اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ

تو وہ لعنت کرے گا اپنے جیسے دوسرے گروہ پر، یہاں تک کہ جب وہ سب گر جائیں گے اس میں،

قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا

تو ان کے پچھلے ۵۰ اگلوں کے لئے کہیں گے کہ اے ہمارے رب یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا،

فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ڛ قَالَ لِكُلٍّ

پس تو انہیں دوہرا عذاب دے ۵۱ آگ کا، وہ فرمائے گا کہ ہر ایک کے لئے

۴۹ منکروں کا اپنے کفر کا اِقرار و اِعتراف:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اُس وقت یہ لوگ اپنے کفر کا اِس قدر صاف وصریح اور برملا اِعلان و اِقرار کریں گے مگر اِس سے اُن کو یاس وحسرت میں اضافہ کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ پس اُن کے لئے اِس اِرشادِ ربانی میں بھاری درس ہے کہ وہ آج اس کی فکر کرلیں۔ اپنی روش کی اصلاح کرلیں اور کفر و اِنکار اور شرک کو ترک کر کے راہِ حق وصواب کو اپنا لیں قبل اس سے کہ فرصتِ حیات اُن کے ہاتھ سے نکل جائے اور اُن کو ہمیشہ کیلئے پچھتانا پڑے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو اِس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اِس کتابِ حکیم کا دنیا پر کس قدر احسان ہے کہ جن عنایات اور تنبیہات سے یہ کتابِ حکیم دنیا کو نوازتی ہے اُن کے جاننے کا دوسرا کوئی ذریعہ ممکن ہی نہیں۔ بہرکیف اِس اِرشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اُس وقت وہ لوگ اپنے کفر وشرک کی گواہی خود اپنی زبان سے دیں گے اور صاف وصریح طور پر کہیں گے ﴿اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ﴾ کہ ''وہ پکے کافر اور منکر تھے''۔ سو اُن کی اپنی اس صاف وصریح گواہی کے بعد کسی اور گواہی کی ضرورت باقی نہیں رہے گی لیکن اس اقرار واعتراف سے ان کو کوئی فائدہ بہرحال نہیں ہوگا کہ اس کا وقت گزر چکا ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۸۰ دوزخیوں کی آپس میں لعنت بازی کا ایک منظر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہاں تک کہ جب وہ سب دوزخ میں گر جائیں گے تو ان کے پچھلے ان کے اگلوں سے اس طرح کہیں گے۔ یعنی ان کے تابع اور پیروکار جو کہ دنیا میں ان کے پیچھے چلتے تھے۔ اور وہاں بھی یہ دوزخ میں بعد میں داخل ہوں گے اور اُن کے لیڈر و سرداران سے پہلے کہ اُن کا جرم زیادہ سخت اور سنگین ہوگا۔ (ابنِ کثیر، محاسن، معارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔ یعنی دنیا میں کسی مصیبت کے آنے پر- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -ایک دوسرے کی ڈھارس بندھائی جاتی ہے۔ اسکی تعزیت کی جاتی ہے اور اس کو سہارا دیا جاتا ہے مگر وہاں پر سہارا دینا اور ڈھارس بندھانا تو دور کی بات ہے وہاں ایک دوسرے پر لعنت کے ڈونگرے برسائے جائیں گے۔ اور یہ دوزخ کے خاص عذابوں میں سے ایک عذاب ہوگا -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- سو اہلِ کفر و باطل نے آج دنیا میں جو رشتے اور تعلق قائم کر رکھے ہیں اُس روز یہ سب ختم ہو جائیں گے اور یہ الٹا باہمی عداوت اور لعنت کا ذریعہ بن جائیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا -﴿وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ﴾- (البقرۃ: ۱۶۶)۔ نیز دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا -﴿ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾- (العنکبوت: ۲۵) اور حضرتِ ابراہیم خلیل کی زبان سے اعلان کروایا گیا کہ جن بتوں اور معبودانِ باطلہ کو تم لوگوں نے اللہ کے سوا اپنا معبود اور حاجت روا و مشکل کشا بنا رکھا ہے یہ سب کچھ دنیاوی زندگی میں تمہاری دوستی و محبت اور باہمی تعلق کا ذریعہ ہے، لیکن قیامت کے روز تم میں سے ہر ایک دوسرے کا انکار کریگا اور اُس پر لعنت و پھٹکار کے ڈونگرے برسائے گا۔ اُس وقت تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ سو سورۂ عنکبوت، آیت نمبر ۲۵ میں اس مضمون کی تصریح فرمائی گئی ہے۔

۸۱ دوزخیوں کا اپنے بڑوں اور گروؤں کیلئے دوہرے عذاب کا مطالبہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز یہ لوگ اپنے ان بڑوں اور گروؤں کے لیے کہیں گے کہ اے ہمارے رب یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ پس تو ان کو عذاب دے اس آتش دوزخ کا کہ یہ خود بھی گمراہ ہوئے اور ہمیں بھی گمراہ کر کے اس نوبت تک پہنچایا۔ سو اُن کا جرم چونکہ ڈبل ہے، اس لئے اُن کو عذاب بھی دوہرا اور ڈبل دیا جائے۔ اُن کے ضلال کا بھی اور اِضلال کا بھی۔ سو اس سے اُن چیلوں اور پیروکاروں کے حالِ بد کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اور اُن بڑے گرو گھنٹالوں کے حال کا بھی، کہ اُن کے وہی چیلے چانٹے جو دنیا میں اُن کے سامنے آنکھ اٹھانے کی ہمت بھی نہ کرسکتے تھے آج وہ اُن کے سامنے اس طرح کھلم کھلا اُن کیلئے دوہرے عذاب کا مطالبہ کر رہے ہونگے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- بہرکیف اِس سے اُن بدبختوں کی اِس تو تکار اور جوتم پیزار کی تصویر پیش فرما دی گئی جو دوزخ کے اُس انتہائی ہولناک باڑے کے اندر گھسنے اور اُن کے باہم اکٹھے ہونے کے بعد ہی ہوگی۔ سو دنیا میں تو یہ لوگ ایک دوسرے کے معاون و مددگار بنے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے کے گن گاتے اور جھنڈے اٹھائے پھرا کرتے تھے۔ اور سلامیاں اور ایڈریس پیش کیا کرتے تھے۔ لیکن اُس روز وہاں ملتے ہی ایک دوسرے پر لعنت کے ڈونگرے برسائیں گے اور ہر ایک اپنے اس ہولناک انجام کا الزام دوسرے کو دے گا -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ-

ضِعۡفٌ وَّلٰـكِنۡ لَّا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتۡ اُوۡلٰٮهُمۡ

دوگنا عذاب ہے، ۵۲ لیکن تم لوگ جانتے نہیں ہو، اور ان میں کی پہلی جماعت

لِاُخۡرٰٮهُمۡ فَمَا كَانَ لَـكُمۡ عَلَيۡنَا مِنۡ فَضۡلٍ

اپنی پچھلی جماعت سے کہے گی کہ پھر تم کو بھی ہم پر کوئی فوقیت نہ ہوئی، ۵۳

فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡسِبُوۡنَ ﴿۳۹﴾ ع اِنَّ

لہٰذا تم بھی عذاب کا مزہ چکھو اپنے ان اعمال کے بدلے میں جو تم کماتے رہے تھے، جن

الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَاسۡتَكۡبَرُوۡا عَنۡهَا لَا تُفَتَّحُ

لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو، اور انہوں نے اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں ان سے منہ موڑا تو یہ بات قطعی ہے کہ ان کے

۵۲ دونوں گروہوں کیلئے دوہرا عذاب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے اس مطالبے کا ان کو جواب ملے گا کہ تم میں سے ہر گروہ کے لیے دوہرا عذاب ہے۔ تمہارے لئے بھی اور اُن کے لئے بھی۔ کہ ضلال و اضلال کے اس دوہرے جرم کے مرتکب تو تم بھی ہوئے ہو کہ تم بھی اپنے ماتحتوں اور اپنے پیروکاروں کو اپنے قول وفعل سے باطل کی اُسی راہ کی تعلیم وتلقین کرتے تھے جس پر تم خود چل رہے تھے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ تم نے بھی حضرات انبیائے کرام کی تعلیمات کو چھوڑ کر اپنے بڑوں کے طور طریقوں کو اپنایا۔ سو جرم تمہارا بھی دوگنا ہے۔ اس لئے تمہارا عذاب بھی تمہارے اِن بڑوں اور لیڈروں کی طرح دوہرا ہوگا۔ (المراغی، المعارف وغیرہ) - وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ - یہاں پر یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کے لائق ہے کہ نیکی ہو یا بدی، دونوں ہی اپنی اصل اور فطرت کے اعتبار سے متعدی چیزیں ہیں۔ اِن کے اثرات اپنے کرنے والوں کی ذات ہی تک محدود نہیں رہتے بلکہ دور دور تک پہنچتے اور پھیلتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ نسل در نسل منتقل ہوتے ہوتے کہیں سے کہیں جا پہنچتے ہیں، جس کے نتیجے میں نیکی کا ایک ذرہ اُحد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے اور بدی کا ایک تخم پھلتے پھلتے ایک لق ودق جنگل کی شکل اختیار کر جاتا ہے - وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ - احادیث کریمہ میں اس امر کو طرح طرح سے واضح فرمایا گیا ہے - والحمد للہ جل وعلا -

۵۳ گروؤں کا اپنے چیلوں کو جواب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ دوزخ میں پڑے وہ گرو اپنے چیلوں سے کہیں گے کہ تمہارے اس مطالبے سے تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ ہم تم برابر ہی ہوئے۔ پھر تم کو ہمارے خلاف اس شکایت سے کیا ملا؟ اس طرح وہ بڑے گرو اپنے چیلوں کی تذلیل کریں گے اور انکی تذلیل سے وہ خوش ہونگے جنکی حمایت و ہمدردی کے وہ دم بھرا کرتے تھے۔ سو اُس روز اُن کے یہ تمام رشتے کٹ جائیں گے اور انکی باہمی دوستیاں دشمنیوں میں بدل جائیں گی۔ بہرکیف اِس طرح وہ گرو اِن سے کہیں گے کہ اگر ہم نے تمہارے لئے بری مثال قائم کی تھی تو تم نے کونسی کوئی اچھی مثال قائم کی تھی؟۔ تم بھی تو برائی میں ہمارے معاون ومددگار اور ہمارے چیلے چانٹے بنے ہوئے تھے۔ بلکہ تم لوگوں نے ہی ہمارے دماغ اس درجہ خراب کیے تھے۔

لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى

لئے نہ تو آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے، ۵۴ اور نہ ہی وہ جنت میں داخل ہوسکیں گے، یہاں تک

يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي

کہ گھس جائے اونٹ سوئی کے ناکے میں، ۵۵ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ

مجرموں کو، ان کے لئے آتشِ دوزخ کا بچھونا ہوگا، اور اوپر

غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

سے اسی کا اوڑھنا، اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو، ۵۶ اور (اس کے برعکس) جو لوگ ایمان لائے ہوں گے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ز

(صدق دل سے) اور انہوں نے کام بھی نیک کئے ہوں گے، اور ہم کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے،

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَ

تو ایسے لوگ جنتی ہوں گے، جہاں انہیں ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا ۵۷ اور

۵۴ منکروں کے لئے دائمی محرومی کا ذکر و بیان :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ منکروں کے لیے آسمان کے دروازے کبھی نہیں کھولے جائیں گے اور اس طرح یہ لوگ دائمی محرومی کا شکار ہونگے ۔ بہرکیف اس سے واضح فرمادیا گیا کہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے والوں اور منکروں کیلئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اُن کے اعمال اور اُن کی دعاء کے رفع وقبول کے لئے ۔ کہ یہ موقوف ہے ایمان واخلاص پر ۔ اور اس سے یہ لوگ محروم ہیں ۔ اور نہ کھولے جائیں گے اُن کی روحوں کے لئے کہ اُن کا ٹھکانہ ''علیین'' نہیں ''سجین'' ہوگا -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -سو کامیابی کی بنیادی شرط اور اولین اساس ایمان و یقین کی دولت سے سرفرازی ہے ۔اور اس سے محرومی دارین کی محرومی ہے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ تعالیٰ کمالِ ایمان سے سرفراز و سرشار فرمائے اور ہمیشہ راہِ حق و ہدایت پر مستقیم اور گامزن رکھے - آمین ثم آمین ۔

۵۵ منکروں کا جنت میں داخل ہونا ممکن نہیں :- سو ارشاد فرمایا گیا اور تعلیق المحال کے اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگ جنت میں داخل نہیں ہوسکیں گے یہاں تک کہ اونٹ گھس جائے سوئی کے ناکے

میں۔ اور ظاہر ہے کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا ناممکن ہے۔ پس ان بدبختوں کا جنت میں داخل ہونا بھی ناممکن و محال ہے کہ جو محال پر معلق ہوتا ہے وہ بھی ناممکن اور محال ہوتا ہے۔ سو ایسوں کو ہمیشہ کیلئے دوزخ میں رہنا ہوگا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو جس طرح ایمان و یقین دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے اسی طرح کفر و انکار دارین کی محرومی کا سبب اور باعث ہلاکت ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اور اسی حقیقت کو انجیل میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے ''اور یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولتمند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو''۔ (متی: ۱۹، ۲۳-۲۴)۔ سو کفر و انکار دارین کی ہلاکت و تباہی کا باعث ہے - والعیاذ باللہ -

۵۶ ظالموں کے لئے جہنم کا بچھونا اور اُسی کا اوڑھنا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ: - سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف و صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے لیے جہنم کا بچھونا ہوگا اور اوپر سے اسی کا اوڑھنا۔ اور ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو۔ سو ظلم کا بدلہ دوزخ کا ہولناک عذاب ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - تاکہ اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے بھرپور طریقے سے پورے ہوں اور ہر کسی کو اُس کے کئے کا پورا بدلہ ملے۔ اور آیاتِ خداوندی کی تکذیب اور اُن کے انکار کے سنگین جرم کی سنگینی کا تقاضا یہی ہے کہ ایسوں کو دوزخ کے ایسے ہولناک عذاب میں جھونکا جائے۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ ایسے ظالموں کے لئے بچھونا بھی جہنم کا ہوگا اور اوڑھنا بھی جہنم کا۔ یعنی اُن کے نیچے بھی دوزخ کی آگ ہوگی اور اوپر بھی دوزخ کی آگ ہوگی - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو جن کفار و مشرکین اور باطل پرستوں کا انجام یہ ہونے والا ہے، ان کو اگر دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی میں دنیا بھر کی دولت بھی مل جائے اور اُن کی اگر ساری عمر بھی کرسیٔ اقتدار پر گزر جائے تو بھی ان کو کیا ملا؟ اور اُن سے بڑھ کر بدبخت اور کون ہوسکتا ہے کہ اُن کا انجام یہ ہونے والا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو اصل دولت ایمان و یقین کی دولت ہے - اَللّٰھُمَّ زِدْنَا مِنْهُ وَثَبِّتْنَا عَلَیْهِ - اللہ تعالیٰ کفر و انکار کے ہر شائبہ سے محفوظ اور ہمیشہ راہِ حق پر گامزن رکھے - آمین ثم آمین۔

۵۷ اللہ کسی پر بھی اُسکی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا: - سو ارشاد فرمایا گیا اور ایک قاعدۂ کلیہ کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ ہم کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔ سو دینِ متین کا کوئی بھی حکم و ارشاد ایسا نہیں ہوسکتا جو انسان کی طاقت اور اس کی قدرت سے باہر ہو۔ پس اپنی طرف سے پوری کوشش کے باوجود جو کمی اور کوتاہی کسی کے عمل میں رہ جائے گی اسے ہم اپنے کرم سے معاف کردیں گے۔ نیز یہ کہ ہم اپنے بندوں کو اُن کی طاقت سے زیادہ کوئی حکم دیتے ہی نہیں۔ اس لئے ہمارا کوئی حکم ایسا ہو ہی نہیں سکتا جو انسانی طاقت سے باہر ہو۔ اس لیے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسلام کے احکام اور دینِ متین کا کوئی بھی ارشاد اُس کے بس سے باہر ہے۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا کہ جو لوگ صدقِ دل سے ایمان لائے ہوں گے اور اُس کے مطابق انہوں نے عمل بھی نیک کئے ہونگے اور اپنے بس کی حد تک انہوں نے اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہوگی وہ جنت سے سرفراز ہوں گے جہاں ان کو ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا۔ - وباللہ التوفیق -

نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ

نکال باہر کردیں گے ہم جو بھی کوئی کدورت رہی ہوگی ان کے سینوں میں، ف۵۸ بہہ رہی ہوں گی ان کے نیچے سے

تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ج وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا

طرح طرح کی عظیم الشان نہریں، اور وہ کہیں گے کہ تعریف (وشکر) اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں یہاں تک

لِهٰذَا قف وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ج

پہنچایا، ورنہ ہم خود یہاں پہنچنے کے نہیں تھے اگر اللہ ہماری راہنمائی نہ فرماتا، ف۵۹

لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ط وَنُوْدُوْٓا اَنْ

بے شک آئے تھے ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ، اور ان کو پکارا جائے گا (اس صدائے دلنواز کے ساتھ) کہ

تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

الثلثۃ

وارث بنادیا گیا تم لوگوں کو اس جنت کا، ف۶۰ تمہارے ان اعمال کے بدلے میں جو تم لوگ کرتے رہے تھے (اپنی زندگی میں)، ف۶۱

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ

اور جنت والے دوزخ والوں کو پکار کر کہیں گے کہ بے شک

وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا

ہم نے تو وہ سب کچھ حق (اور سچ) پایا جس کا وعدہ فرمایا تھا ہم سے ہمارے رب نے، تو کیا تم لوگوں نے بھی وہ

وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ط قَالُوْا نَعَمْ ج فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ

سب کچھ (حق وسچ) پالیا جس کا وعدہ تم سے تمہارے رب نے کیا تھا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہاں، پھر ایک پکارنے والا ان کے

بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ لا ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ

درمیان پکار کر کہے گا کہ لعنت ہو اللہ کی ان ظالموں پر، جو

۵۸ اہل جنت کے دلوں کی صفائی کے اہتمام کا ذکر و بیان :- سو اس ارشاد میں تصریح فرما دی گئی کہ اہل

جنت کے دلوں سے ہر طرح کی کدورت کو نکال دیا جائے گا۔ یعنی ہر ایسی رنجش و کدورت کو جو دنیا میں اُن کے دلوں میں پیدا ہوئی ہوگی۔ سو وہ سب صاف کر دی جائے گی تاکہ جنت کی اُس آرام و راحت کی زندگی میں اُن کے لئے کسی تنگی اور تکلیف کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے۔ حضرت علی۔ رضی اللہ عنہ۔ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ میں، عثمان اور طلحہ۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ انہی لوگوں میں سے ہوں گے (جامع البیان، مراغی وغیرہ)۔ بعض روایات میں وارد ہے کہ اہلِ جنت جب جنت کی طرف جائیں گے تو جنت کے دروازے کے پاس ایک درخت پائیں گے جس کے نیچے دو چشمے جاری ہونگے، جن میں سے ایک سے وہ پانی پئیں گے جس سے اُن کے سینوں کی سب کدورت دور ہو جائے گی۔ اور یہی وہ شرابِ طہور ہے جس سے اُن خوش نصیبوں کو نوازا جائے گا۔ اور اسی کا ذکر اِس آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے۔ اور دوسرے چشمے سے وہ نہائیں گے جس سے اُن کے چہروں پر خاص تر و تازگی آجائے گی۔ (ابنِ کثیر، روح المعانی اور معارف القرآن وغیرہ)۔ اللہ اپنے کرم سے نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ سو اِس کے نتیجے میں اہلِ جنت وہاں پر آپس میں ایک دوسرے سے پورے تپاک اور محبت سے ملیں گے۔ ایک دوسرے کا خیر مقدم کریں گے اور آمنے سامنے بیٹھ کر آپس میں تبادلہ مہر و محبت کریں گے۔ اُن کے درمیان کسی طرح کی رنجش و کدورت کا کوئی شائبہ تک نہ ہوگا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا۔ ﴿عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقَابِلِیْنَ﴾۔ سو دوزخیوں کے درمیان لعنت بازی اور جوتم پیزاری کا عالم تو وہ ہوگا جس کا ذکر اوپر فرمایا گیا ہے اور جنتیوں کی شان یہ ہوگی کہ جس کا ذکر و بیان اب یہاں فرمایا جا رہا ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

۵۹ اہلِ جنت کی شانِ حمد و شکر کا ذکر و بیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جنت کی عظیم الشان نعمتوں سے سرفرازی کے بعد وہ کہیں گے کہ تعریف و شکر اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں یہاں تک پہنچایا۔ ورنہ ہم ایسے نہ تھے کہ خود یہاں پہنچ جاتے اگر اللہ ہماری راہنمائی نہ فرماتا۔ سو یہ خوش نصیب اپنے رب۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ کی نعمتوں کے شکر اور تسلیم و رضاء کی جس نعمت سے دنیا میں سرفراز و سرشار تھے وہ وہاں بھی انہیں نصیب ہوگی۔ اور علی وجہ التمام والکمال نصیب ہوگی۔ اس طرح وہاں پر یہ حضرات سرور بالائے سرور سے مشرف و محظوظ ہوں گے۔ جَعَلَنَا اللّٰہُ مِنْھُمْ بِمَحْضِ مَنِّہٖ وَکَرَمِہٖ وَھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ وَاَکْرَمُ الْاَکْرَمِیْنَ۔ سو رب تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس واہبِ مطلق کا شکر و سپاس اہلِ جنت کا خاص وصف و امتیاز ہوگا۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ سو جس طرح کوئی مسافر طویل اور کٹھن سفر طے کر کے اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ کر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، اسی طرح یہ خوش نصیب جنت سے سرفرازی کے بعد اپنے خالق و مالک کے فضل و کرم اور اُس کے اِنعام پر اس طرح اُس کی حمد و ثنا سے رطب اللسان ہو جائیں گے کہ اسی کی ہدایت و توفیق اور فضل و کرم سے ہم یہاں پہنچ سکے۔ اور جنت کی اِن عظیم الشان اور بے مثال نعمتوں سے سرفراز ہو سکے۔ ورنہ ہم اس قابل کہاں تھے کہ از خود یہاں پہنچ جاتے۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

۶۰ اہلِ جنت کیلئے جنت کے وارث بنا دیئے جانے کا مژدہ جانفزا:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اہلِ جنت کو پکار کر اس عظیم الشان اور بے مثال خوشخبری سے نوازا جائے گا کہ (خوش نصیبو) تم کو وارث بنا دیا گیا اس جنت کا تمہارے ان اعمال کی بناء پر جن کو تم لوگ کرتے رہے تھے اپنی دنیاوی زندگی میں۔ پس نہ تو تمہیں یہاں سے کبھی نکالا جائے

گا اور نہ ہی تم سے یہ نعمتیں کبھی چھینی جائیں گی، جیسا کہ دنیا میں بالعموم ہوتا تھا - سبحان اللہ العظیم وبحمدہ - فَبَشِّرْنَا بِهَا يَا رَبَّنَا بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ - اور جنت کے وارث بنا دیئے جانے کے اِس مژدۂ جانفزا میں کئی اہم درس ہیں - ایک تو یہی کہ یہ تمہاری میراث بنادی گئی، تم سے اسکو کوئی چھین نہیں سکتا - یہ تمہارے پاس ایسے ہی پکے اور پختہ طور پر رہے گی جس طرح کسی کی میراث اسکے پاس رہتی ہے کہ ذرائع ملکیت میں سب سے مضبوط اور پختہ ذریعہ وراثت ہی ہے - دوسرا درس اس میں یہ ہے کہ یہ تمہارے باپ آدم کی میراث ہے جو اب تمہیں اپنے ایمان و عمل کے بدلے میں دی جا رہی ہے - اور تیسرا درس یہ کہ جس طرح میراث انسان کو اپنے عمل کے بدلے میں نہیں ملتی اسی طرح یہ جنت تمہارے عمل کا بدلہ نہیں ہے بلکہ تمہارے رب مہربان کا عطیہ و احسان ہے - سو اس طرح اہلِ جنت کو دخولِ جنت کے بعد ابدی سعادت اور دائمی راحت کی خوشخبری سے نوازا جائے گا - اِس حقیقت کو دوسری مختلف نصوص میں طرح طرح سے واضح فرمایا گیا ہے - چنانچہ صحیح مسلم وغیرہ میں حضرتِ ابوہریرہ - رضی اللہ عنہ - سے مروی ہے کہ آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے اِرشاد فرمایا کہ جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا کہ اے جنت والو، تمہارے لئے یہ خوشخبری ہے کہ اب تم ہمیشہ زندہ رہو گے - کبھی تم کو موت نہیں آئے گی - اور اب تم ہمیشہ صحت سے رہو گے - کبھی تمہیں کوئی بیماری لاحق نہیں ہوگی - اور اب تم ہمیشہ جوان رہو گے - کبھی تمہیں بڑھاپا نہیں آئیگا - اور اب تم ہمیشہ عیش و آرام میں رہو گے - کبھی تم کو کوئی تکلیف پیش نہیں آئیگی - پھر آپ - صلی اللہ علیہ وسلم - نے اسی آیتِ کریمہ کا حوالہ دیا ﴿وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ﴾ الآیہ (صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا واہلہا، حدیث نمبر ۲۲) - سو یہ ہے اصل اور حقیقی کامیابی جس کو اصل مقصود اور زندگی کا نصب العین بنانا چاہیے - اللہ نصیب فرمائے - آمین ثم آمین -

۸۱ انسان کا عمل جنت کا محض ذریعہ وسبب: - سو ارشاد ہوگا کہ تم کو اس کا وارث بنا دیا گیا تمہارے اعمال کے بدلے میں کہ تمہارے وہی اعمال اس کا سبب بنے - اور یہ بھی درحقیقت اُس اکرم الاکرمین کے کرم کا ایک عظیم الشان مظہر ہوگا کہ وہ جنت اور اُسکی اُن سدا بہار نعمتوں کو اہلِ جنت کے عمل کا بدلہ قرار دے گا - ورنہ محدود عمر والے اِس عاجز انسان کا محدود عمل ہے ہی کیا جو جنت کی اِن دائمی اور ابدی نعمتوں کا بدلہ بن سکے - یہ تو سراسر اُس واہبِ مطلق کا کرم اور احسان ہوگا جس سے وہ اپنے بندوں کو اپنی شانِ کریمی سے نوازے گا - البتہ اِس کرم کا سبب بندوں کا وہ ایمان و عمل ہی ہوگا جس کو انہوں نے اپنی زندگیوں میں اپنے ارادہ واختیار سے اپنایا ہوگا - اسکی مثال یوں سمجھیں کہ جیسے ایک انسان کسی شخص کو کام پر لگائے اور مثلاً سو روپیہ اسکی مزدوری مقرر کرے - اور مزدور جب اُس کام کو اچھی طرح نبھائے تو یہ شخص اُس مزدور کو سو کی بجائے دو سو روپیہ دے دے تو یہ سو روپیہ جو اس نے مزدور کو بطورِ انعام دیا اسکے عمل کا بدلہ نہیں ہوگا کہ عمل کے بدلے کی مزدوری تو وہ لے چکا - بلکہ یہ دوسرا سو روپیہ محض ایک انعام ہے جو اس نے خوش ہو کر اس کو دیا ہے - مگر اس انعام کا سبب بہرحال اُس کا وہ عمل ہی ہے جو اس نے اچھی طرح سے نبھایا اور اس پر اسکو یہ انعام ملا - تو یہ عمل اُسکے اِس انعام کا سبب اور ذریعہ ہے - سو ایسے ہی جنت انسان کے عمل کا بدلہ نہیں بلکہ وہ محض اللہ پاک کا انعام و احسان ہوگا لیکن اُس انعام کا سبب اور ذریعہ بہرحال اس کا ایمان و عمل ہی ہوگا جس سے وہ مومن اس دنیا میں مشرف رہا ہوگا - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید -

يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ج

روکتے تھے اللہ کے راستے سے، ۶۲ اور اس میں کجی تلاش کرتے تھے،

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۝۴۵ وَ بَيْنَهُمَا حِجَابٌ ج

اور وہ آخرت کے منکر تھے ۶۳ اور ان دونوں کے درمیان ایک عظیم الشان ۶۴ آڑ ہوگی،

وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا ۢ بِسِيْمٰهُمْ ج

اور اعراف پر کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو ان میں سے ہر ایک کو پہچانتے ہوں گے ان کے چہروں کے نشانات سے ۶۵

وقف لازم

۶۲ دینِ حق سے روکنا ظلم اور ایک سنگین جرم ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر دوزخیوں کی تذلیل و تجریح کے لیے ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا کہ اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہو ان ظالموں پر جو روکتے تھے اللہ کے راستے سے۔ روکنا کہ یہ جرم بالائے جرم ہے۔ اور اِس میں ضلال کے ساتھ ساتھ اِضلال کا جرم بھی پایا جاتا ہے۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہے اُن ظالموں پر جو روکتے تھے اللہ کی راہ سے دوسروں کو اپنے عمل و کردار اور زبان و بیان سے۔ جیسا کہ آج بھی ہم اِس کے مظاہر جا بجا دیکھتے ہیں کہ کفار اشرار طرح طرح کے حیلوں حوالوں اور ہتھکنڈوں سے دنیا کو نورِ حق و ہدایت سے روکنے اور محروم کرنے کے لئے زور لگاتے ہیں- جَعَلَ اللّٰهُ كَيْدَهُمْ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَوَقَانَا مِنْ شُرُوْرِهِمْ - سو دینِ حق سے روکنا ظلم اور ایک سنگین جرم ہے کہ ضلال کے ساتھ اضلال کو بھی جمع کرنا ہے اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی محروم کرنا ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- اور ﴿اَلَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ﴾ الخ کے اِس ٹکڑے کے اندر ایک اِحتمال یہ بھی ہے کہ یہ منادی کے اعلان ہی کا ایک حصہ ہو، جیسا کہ ظاہر و متبادر بھی ہے اور عام طور پر سمجھا بھی جاتا ہے۔ لیکن اس کے بارے میں ایک اور احتمال جو اس سے بھی لطیف اور وقیع ہے یہ بھی ہے کہ منادی کے اعلان کو ظالمین کے لفظ پر تمام مانا جائے اور اس کے بعد کا یہ ٹکڑا اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت کے لیے بطورِ تضمین اِرشاد فرمایا ہو، تاکہ یہ کلام محض مستقبل کی ایک حکایت بن کر نہ رہ جائے بلکہ حال پر بھی پوری طرح منطبق ہو جا سکے۔ سو اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ظالمین سے مراد وہی لوگ ہیں جو آج حق کی راہ سے روکتے ہیں اور اس کے لیے وہ طرح طرح کے حیلوں اور ہتھکنڈوں سے کام لیتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور اس کے برعکس آخرت کا ایمان و یقین اصلاحِ احوال کی اساس ہے- وباللہ التوفیق-

۶۳ راہِ حق میں کجی تلاش کرنا اہلِ زیغ و ضلال کا قدیم ہتھکنڈا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ اس میں کجی تلاش کرتے تھے طرح طرح کے شکوک و شبہات کے ذریعے۔ تاکہ کوئی دوسرا بھی اس راہِ حق و صواب پر نہ چل سکے اور اُن کو بھی شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیا جائے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو اہلِ زیغ و ضلال، ملاحدہ و زنادقہ کا یہ قدیم ہتھکنڈا رہا کہ وہ راہِ حق و ہدایت میں کجی تلاش کرتے اور سادہ لوح عوام کو ورغلانے کیلئے طرح طرح کے شکوک و شبہات ڈالتے ہیں۔ اور آخرت کو نہیں مانتے بلکہ دنیا کی اِس عارضی اور فانی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتے اور اسی کیلئے جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں۔ اور اس طرح خسارے پر خسارہ کے مرتکب ہوتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے ظالموں پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہے جو اللہ کی راہ سے خود بھی رکتے اور محروم رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے اور محروم کرتے ہیں۔ اور جو اس میں کجی اور ٹیڑھ پیدا کرنے

کی سعی و کوشش میں ہیں اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔ سو انکارِ آخرت جڑ بنیاد ہے ہر خرابی اور فساد کی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۶۴ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک عظیم الشان آڑ: - یعنی حجاب کی تنوین تعظیم و تفخیم کے لئے ہے۔ اور اس حجاب اور آڑ کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ اِس جنت کے لئے حجاب اور آڑ ہو گی جس کی چوڑائی نصِ قرآنی کے مطابق زمین و آسمان کے عرض کے برابر ہو گی۔ ﴿عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾۔ سو کیا کہنے اس خالق و مالک کی عظمتِ شان کے ۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ مِنْ خَالِقٍ عَظِيْمٍ ۔ اور یہ آڑ اس لئے ہو گی کہ جنت کا کوئی اثر دوزخیوں تک پہنچ کر اُن کے لئے راحت کا سبب نہ بننے پائے اور دوزخ کا کوئی اثر جنت تک پہنچ کر اہلِ جنت کے لئے تکلیف کا باعث نہ بن سکے۔ اور ہر ایک کو اُس کا صلہ و بدلہ پورا پورا ملے۔ اور سورۂ حدید میں اِرشاد فرمایا گیا ﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ﴾ (الحدید: ۱۳) یعنی اس موقع پر ان کے درمیان ایک ایسی عظیم الشان دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہو گا جس کے اندر کی جانب رحمت ہی رحمت ہو گی اور اس کی باہر کی طرف عذاب ہی عذاب۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ سو ایسی دیوار کے طول و عرض اور اس کی حقیقت اور عظمتِ شان کا اندازہ کون کر سکتا ہے جو پورے عالمِ جنت اور سارے عالمِ دوزخ کے درمیان حدِّ فاصل کا کام دے گی، جبکہ انسان کے لئے اِس دنیا میں رہتے ہوئے جنت اور دوزخ میں سے کسی کی بھی وسعت و پہنائی کا اندازہ کرنا ممکن نہیں۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے جنت کی سرفرازی نصیب فرمائے۔ آمین۔

۶۵ اَصحابِ اَعراف سے مراد؟: - اَصحابِ اَعراف کے بارے میں مشہور قول یہی ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی۔ جس سے نہ تو ان کے بارے میں ابھی جنتی ہونے کا فیصلہ ہوا ہو گا نہ دوزخی ہونے کا۔ بعد میں اللہ پاک اپنے فضل و کرم سے اِن کو جنت میں داخل فرما دے گا۔ اور بعض مرفوع روایات میں بھی اَصحابِ اَعراف کے بارے یہی فرمایا گیا ہے۔ (روح، ابنِ کثیر، صفوۃ، المراغی اور الکبیر وغیرہ)۔ جبکہ حضراتِ اہلِ علم کے اِن کے بارے میں کچھ اور اقوال بھی ہیں جن کی تفصیل ہم اپنی مفصل تفسیر میں پیش کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ وَهُوَ الْمُيَسِّرُ لِكُلِّ عَسِيْرٍ ۔ البتہ اتنا عرض ہے کہ جو بات دل کو زیادہ لگتی ہے اور جس کے لئے قرائن بھی یہاں پر موجود ہیں، وہ بات وہ ہے جو امامِ تفسیر حضرتِ مجاہدؒ وغیرہ بعض اہلِ علم سے مروی ہے کہ اس سے مراد علماء و صلحاء کرام ہیں۔ (المدارک، المحاسن، اور المنار وغیرہ)۔ کیونکہ یہی وہ حضرات ہیں جو دنیا میں حق کے علمبردار، خیر کے داعی، اور شر و منکر کے ناہی رہے۔ جنہوں نے حق کی حمایت میں اہلِ باطل کے چرکے سہے۔ جو ظالموں کے مقابلے میں مظلوموں کی حمایت پر سینہ سپر رہے۔ سو ان حضرات کو اُن کی اِن قربانیوں کے صلے میں اُس روز حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی طرف سے اسی اِعزاز و اکرام سے نوازا جائے گا کہ اُن کو اَعراف کی بلندیوں سے جنت اور دوزخ دونوں کا مشاہدہ کرایا جائے گا۔ تاکہ یہ حق اور باطل دونوں کا نتیجہ اور انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور اپنی زبان سے رفقائے حق کو مبارک باد دیں اور دشمنانِ حق کی سرزنش کریں تاکہ ان کو زندگی بھر کی اپنی محنت اور جدوجہد کے نتائج کو عملی طور پر ظہور پذیر دیکھ کر دل کا سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہو۔ اور "اعراف" "عرف" کی جمع ہے، جس کے اصل معنیٰ گھوڑے کی پیشانی کی چوٹی اور مرغ کی کلغی کے ہیں۔ سو یہیں سے اِس لفظ کا اِطلاق بلند مقام پر ہونے لگا۔ جیسے کوئی مینار یا دیدبان وغیرہ۔ (ابنِ کثیر، مدارک التنزیل وغیرہ)

وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ تف لَمْ

اور وہ جنت والوں کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو، وہ ابھی

يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ

جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے، پر وہ اس کی امید رکھتے ہوں گے، اور جب پھیری جائیں گی ان کی نگاہیں

تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ

دوزخ والوں کی طرف، تو یہ (سراسر عجز و نیاز بن کر) عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں

٥ع ٨ ١٢ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ ع وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ

شامل نہ کیجئے گا، ان ظالم لوگوں کے ساتھ اور اعراف والے (دوزخ کی) کچھ ایسی

رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ

بڑی بڑی شخصیتوں کو جنہیں وہ پہچانتے ہوں گے، ان کی نشانیوں سے، پکار کر کہیں گے کہ (صاحب! یہ کیا ہوا؟ کہ) نہ تو

جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰٓؤُلَآءِ

تمہیں تمہارا جتھا ۶۶ کچھ کام آسکا، اور نہ ہی وہ کچھ جس کی بناء پر تم اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا تھے، ۶۷ کیا یہ (اہل جنت)

الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا

وہی لوگ ہیں جن کے بارہ میں تم لوگ قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ انہیں اللہ کی کوئی رحمت نہیں ملے گی؟ (آج تو انہی

الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾

سے کہا گیا ہے کہ) داخل ہو جاؤ تم جنت میں، نہ تم پر کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی تم غمگین ہوؤ گے،

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا

اور دوزخ والے (بھوک، پیاس اور گرمی، سے بدحواس ہو کر) جنت والوں کو پکار کر کہیں گے، ۶۸ کہ کچھ تھوڑا سا پانی

۶۶ **متکبروں کے کبر و غرور پر اصحابِ اعراف کی طرف سے ایک چوٹ:** سو ارشاد فرمایا گیا کہ اعراف والے دوزخ میں کچھ ایسی بڑی بڑی شخصیتوں سے جن کو وہ پہچانتے ہونگے ان کی نشانیوں سے ان سے کہیں گے کہ صاحب یہ کیا

ہوا کہ نہ تم لوگوں کو تمہارے جتھے اور جماعتوں میں سے کچھ کام آ سکا۔ اور نہ ہی تمہارے مال و دولت میں سے۔ سو اس طرح اصحاب اَعراف ان دوزخیوں کی طرف متوجہ ہو کر ان کے کبر وغرور پر چوٹ لگاتے ہوئے اور ان کے بت پندار پر ٹھوکر مارتے ہوئے ان سے کہیں گے کہ صاحب یہ کیا ہوا کہ آج نہ تمہارا کوئی جتھا تمہارے کچھ کام آ سکا اور نہ کوئی پارٹی اور قوم قبیلہ اور نہ ہی تمہارا وہ مال و دولت جس کا تمہیں بڑا دعویٰ اور گھمنڈ ہوا کرتا تھا کہ ہم ایسا اور اتنا بڑا جتھا اور ایسی اور اتنی بڑی اکثریت والی پارٹی رکھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ سو وہ آج کہاں گئے؟ آخر تمہارے کام کیوں نہیں آتے؟ اور ان لوگوں سے یہ خطاب جیسا کہ ظاہر ہے ان کی تذلیل اور تحقیر کیلئے ہوگا اور ربِّ رحمان و رحیم نے اپنی کتابِ حکیم میں اسکی اس طرح پیشگی خبر کر دی تا کہ جو لوگ اس طرح کے کسی گھمنڈ میں مبتلا ہوں وہ اصلاح کر لیں قبل اس سے کہ فرصتِ حیات اُن کے ہاتھ سے نکل جائے۔ وباللہ التوفیق۔ سو ان الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ اَصحابِ اَعراف کا یہ خطاب اہلِ دوزخ کے لیڈروں اور اُن کے بڑوں سے ہوگا کہ اس گھمنڈ میں وہی مبتلا تھے۔ اور رِجَالًا کی تنکیر وتنوین سے بھی یہی ظاہر ہو رہا ہے۔

۶۷ مال و دولت اور جاہ و منصب وغیرہ کے گھمنڈ پر ضرب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اعراف والے ان سے کہیں گے کہ آج تم لوگوں کو کچھ کام نہ آ سکا وہ کچھ جس کی بنا پر تم لوگ دنیا میں اپنی بڑائی کے زعم اور گھمنڈ میں مبتلا تھے۔ یعنی تمہارا وہ مال و دولت اور جاہ و منصب وغیرہ تمہارے کچھ کام نہ آ سکا جس کی بناء پر تم لوگ حق کو قبول کرنے سے اِعراض و اِنکار کیا کرتے تھے اور جس کی بناء پر تم لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر دنیا میں ہمیں یہ کچھ ملا ہوا ہے تو آخرت۔ اگر وہ ہوئی بھی تو اس۔ میں بھی ہمیں ہی ایسی ہی کامیابی ملے گی وغیرہ وغیرہ۔ یہاں پر ﴿مَآ اَغْنٰی﴾ میں جو کلمۂ "مَا" ہے یہ نافیہ بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ ہم نے ترجمے میں اختیار کیا ہے، اور یہ استفہامیہ بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی کس کام آئے تمہارے وہ جتھے اور تمہارے وہ مال و منال جن کی بناء پر تم لوگ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا تھے؟ مآل دونوں صورتوں کا بہرحال ایک ہی ہے۔ اور ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ میں جو "ما" ہے یہ عام ہے جو اُن کے مال و دولت وغیرہ کے علاوہ اُن کے معبودانِ باطلہ کو بھی شامل ہے۔ (روح المعانی وغیرہ)۔ سو ان میں سے کچھ بھی تمہارے کام نہیں آ سکا۔ سو جس چیز کے گھمنڈ سے انسان نورِ حق و ہدایت سے محروم ہو۔ والعیاذ باللہ۔ وہ باعثِ ہلاکت وتباہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۶۸ اہلِ دوزخ کی ایک اور تذلیل کا ذکر و بیان:- کہ یہ لوگ دوزخ کی بھوک پیاس سے تنگ آ کر جنتیوں سے کھانے اور پانی کی بھیک مانگیں گے۔ سو یہ اہلِ دوزخ کی ایک اور تذلیل ہوگی کہ اِن کو وہاں انہی ضعفاء و مساکین کے سامنے ہاتھ پھیلانے پڑیں گے جن کو یہ دنیا میں بے قدر و قیمت سمجھا کرتے تھے۔ اور جن کے بارے میں وہ قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ ان کو کسی بھی طرح کی رحمت سے نہیں نوازے گا۔ سو آج انہی کے سامنے یہ لوگ اس طرح ہاتھ پھیلا رہے ہونگے مگر جواب انکار میں ملے گا یعنی "اللہ نے ان دونوں چیزوں کو کافروں پر حرام کر رکھا ہے"۔ سو اہلِ جنت کے اس جواب سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اُن کے پاس اِن چیزوں کی کوئی کمی نہیں ہوگی بلکہ ان کے پاس ہر نعمت کی فراوانی ہوگی۔ مگر وہاں کی کسی نعمت سے اہلِ دوزخ کسی طرح کا کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے، کیونکہ جنت کی ان پاکیزہ اور عالی شان نعمتوں کو اہلِ دوزخ پر حرام کر دیا گیا ہوگا۔ سو نہ وہ کسی طرح ان تک پہنچ سکیں گے اور نہ ہی وہ ان سے کسی طرح فائدہ اٹھا سکیں گے۔ سو کفر و انکار اور تمرد و سرکشی کا نتیجہ وانجام بڑا ہی برا اور نہایت ہی ہولناک ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ

ہم پر بھی ڈال دو، یا اس رزق میں سے ہی کچھ ہماری طرف پھینک دو، جو اللہ نے تمہیں بخشا ہے، وہ جواب دیں گے کہ

اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝٥٠ۙ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا

اللہ نے ان دونوں چیزوں کو حرام فرما دیا ہے ان کافروں پر، جنہوں نے کھیل تماشہ

دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ

بنا رکھا تھا اپنے دین کو، اور ان کو دھوکے میں ڈالا ہوا تھا دنیا کی زندگی (اور اس کی چمک دمک) نے،

فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا

پس آج ہم بھی انہیں (اسی طرح) بھلا دیں گے جس طرح کہ انہوں نے بھلا رکھا تھا اپنے اس دن کی پیشی کو، ف۶۹ اور

كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝٥١ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ

جس طرح وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے، اور بلاشبہ ہم ان کے پاس لے آئے ہیں ایک ایسی عظیم الشان کتاب،

۶۹ دنیاوی زندگی اور اُس کا دھوکہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا دنیا کی زندگی اور اس کی چمک دمک نے کہ بس یہی دنیا سب کچھ ہے۔ جس نے یہاں مزے کر لئے اُس نے سب کچھ پا لیا ورنہ کچھ نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور دنیاوی زندگی کی چہل پہل اور اُسکی چمک دمک ہی سب کچھ ہے۔ اس لیے اسی کو انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد اور نصب العین بنا دیا اور وہ اسی کیلئے جینے اور اسی کیلئے مرنے لگے۔ جبکہ دنیاوی زندگی اصل میں آخرت کی کھیتی ہے۔ سو دنیاوی زندگی کی ریل پیل، چہل پہل، اور اس کی فانی لذتوں اور عیش پرستیوں نے ان کو آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی اور اس کے تقاضوں سے غافل کر رکھا تھا۔ اور انہوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم یونہی مزے لوٹتے اور عیش کرتے رہیں گے۔ کوئی ہم سے باز پرس کرنے والا نہیں۔ سو اِس سے ان کی زندگی کے انداز ہی بدل گئے تھے اور ان کا راستہ ہی غلط ہو گیا تھا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ تعالیٰ فکر و عمل کی ہر کجی اور انحراف سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین ثم آمین۔

فَصَّلْنٰهُ عَلٰی عِلْمٍ هُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

جس کی تفصیل ہم نے خود کی ہے علم کی بنیاد پر، عین ہدایت اور رحمت بنا کر، ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں ف ۷۰

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ

تو کیا یہ لوگ اس (قرآن) کے بتائے ہوئے انجام ہی کا انتظار کر رہے ہیں، وائے پر جس دن اس کا (بتایا ہوا) وہ انجام سامنے

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ

آ جائے گا، تو اس دن وہی لوگ جو اس کو بھولے ہوئے تھے اس سے پہلے، (چلا چلا کر) کہیں گے کہ بے شک حق لے کر

۷۰ قرآنِ حکیم کا ہر حکم و اِرشاد علم و حکمت پر مبنی ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس کتابِ عظیم کی تفصیل ہم نے خود کی اور کمالِ علم کی بنا پر کی۔ اس لئے اس کتابِ حکیم کا ہر اِرشاد علم و حکمت پر مبنی اور عینِ حق اور صواب ہے۔ اور یہ صرف اور صرف اُس کتابِ الٰہی ہی کی شان ہے جو ازل سے ابد تک اور انسان کی پیدائش سے لے کر اُس کی وفات تک زندگی کے تمام دوائر اور اَحوال و ظروف سے بحث کرتی اور راہنمائی فرماتی ہے۔ اور ٹھوس علم کی بنیاد پر کرتی ہے، جبکہ باقی ہر جگہ اوہام و ظنون کا دور دورہ ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، اَلَّذِیْ شَرَّفَنَا بِهٰذَا الْكِتَابِ الْمُبَارَكِ الْمَجِيْدِ۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ ہم نے اپنی اس عظیم الشان کتاب میں اپنے علمِ قطعی اور کامل کی بناء پر اُن تمام امور کی تفصیل خود کر دی، جن سے آگاہ ہونا دنیا و آخرت کی سعادت و فائز المرامی سے سرفراز ہونے کیلئے انسان کے لئے ضروری ہے۔ اور " عِلْمٍ "کی تنکیر تفخیم شان کیلئے ہے۔ سو اس کتابِ حکیم کی تفصیل خداوند قدوس کے عظیم و وسیع اور محیط کل علم پر مبنی ہے۔ اس لئے اُس کی ہر بات قطعی، محکم اور اٹل ہے اور اس میں کسی غلطی و قصور کا کوئی احتمال و امکان نہیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔ اور یہ کتاب عینِ ہدایت اور سراسر رحمت ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہوں اور جو ایمان لانا چاہتے ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید۔

۷۱ حق کی توضیح و تشریح میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا اب یہ لوگ اس کے بتائے ہوئے انجام ہی کے منتظر ہیں کہ اس کے علاوہ اور کوئی کسر تو اب باقی نہیں رہی۔ سو وہ وقت آنے پر اِن کو خود پتہ لگ جائے گا، مگر اُس وقت اِن کو یاس و حسرت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ سو اِس استفہامیہ اِرشادِ ربانی میں منکروں کیلئے تنبیہ بھی ہے اور حق کو اپنانے اور قبول کرنے کیلئے ترغیب و تحریض بھی کہ حق کی توضیح و تشریح میں اب کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی۔ لہٰذا اب تم نے اسکو قبول کرنا ہے تو صدقِ دل سے قبول کر لو۔ نہیں تو ہمیشہ کیلئے پچھتانا پڑے گا۔ بہرکیف قرآنِ حکیم جن اٹل حقائق کی خبر دے رہا ہے وہ چونکہ ابھی تک مستقبل کے پردے میں مخفی ہیں، ابھی تک اُن کا واقعات کی شکل میں ظہور نہیں ہوا، اس لئے منکرین و مکذبین اُن کے وقوع کی خبر کو خالی خولی دھمکی سمجھتے اور ان کے بارے میں لاپرواہی برتتے ہیں۔ اور اس انتظار میں ہیں کہ جب وہ واقعات کی شکل میں ظہور پذیر ہوں گے تو ان پر ایمان لے آئیں گے مگر اُس وقت کے ایمان کا کیا فائدہ؟ وہ نہ معتبر ہے نہ مفید۔

رَبِّنَا بِالْحَقِّ ج فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا

آئے تھے ہمارے رب کے رسول، ۶۲ تو کیا اب ہو سکتے ہیں ہمارے لئے ایسے کوئی سفارشی جو ہماری سفارش

لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ط قَدْ

کریں؟ یا ایسے ہو سکتا ہے کہ ہمیں لوٹا دیا جائے (دنیا میں) تو ہم عمل کریں اس کے خلاف جو کہ ہم اس سے پہلے کرتے رہے تھے؟ ۶۳

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع

بلاشبہ خسارے میں ڈال دیا ان لوگوں نے اپنی جانوں کو، ۶۴ اور کھو گیا ان سے وہ سب کچھ جو یہ لوگ گھڑا کرتے تھے،

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

بے شک تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین (کی اس عظیم الشان کائنات) کو

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ قف يُغْشِي

چھ دنوں میں، ۶۵ پھر وہ جلوہ فرما ہوا عرش پر، ۶۶ وہ ڈھانک دیتا ہے

۶۲ قیامت کے روز منکرین کا حسرت بھرا اعتراف و اقرار:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز یہ لوگ کہیں گے کہ بلاشبہ ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے مگر ہم ان پر ایمان نہ لائے۔ مگر اُس روز کے اِس یاس و حسرت بھرے اِس اِقرار و اِعتراف سے اِن لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا سوائے افسوس و ندامت میں اضافہ کے۔ کہ وہ وقت ماننے کا نہیں بلکہ زندگی بھر کے اپنے کیئے کرائے کے بھگتان کے بھگتنے کا ہو گا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو قرآنِ حکیم اس یومِ حسرت کے اِن حسرت بھرے اَحوال کی تذکیر و یاددہانی سے انسان کو بار بار اسکی تنبیہ کر رہا ہے کہ وہ آج آنکھیں کھول لے اور ایمان و یقین کی دولت کو اپنا کر اُس یوم الحساب کیلئے تیاری کر لے۔ ورنہ اسکو رہ رہ کر افسوس کرنا پڑے گا اور اس طرح حسرت و ندامت کا اِعلان و اِقرار کرنا پڑے گا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ جس روز اِس کتابِ حکیم کا بتایا ہوا انجام حقیقت اور واقعے کی شکل میں ان کے سامنے آجائے گا تو اُس روز ان لوگوں کی آنکھوں پر بندھی غفلت کی سیاہ پٹیاں کھل جائیں گی۔ اور اُن کی نگاہ بہت تیز ہو جائیگی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ﴿لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾ (قٓ: ۲۲)۔ اور اُس وقت یہ لوگ چیخ چیخ کر اور چلا چلا کر کہیں گے کہ یقیناً ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے اور جو کچھ انہوں نے ہمیں بتایا تھا وہ سب حق اور سچ تھا۔ اور جن باتوں سے انہوں نے ہمیں

آ گاہ کیا تھا وہ سب حقیقت ثابت ہوئیں۔ مگر بے وقت کے اس اِقرار و اِعتراف کا اُن کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ سوائے آتشِ یاس وحسرت میں اضافہ مزید کے۔ والعیاذ باللہ۔

۶۳ دنیاوی زندگی کی لا حاصل تمنا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ دوزخی وہاں پر بصد حسرت والتجاء کہیں گے کہ ہمیں لوٹا دیا جائے دنیا میں تو ہم وہاں اس کے خلاف عمل کریں جو اس سے پہلے کرتے رہے تھے۔ تاکہ اس طرح اس ہولناک انجام سے بچ سکیں مگر اب اس کا موقع کہاں ﴿وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ﴾ اب دنیا میں واپس آنے کا نہ کوئی امکان ہوگا نہ سوال۔ سو قرآنِ حکیم کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اُس نے انسانوں کو آنے والے اس آخری اور ہولناک انجام سے اس قدر پیشگی اتنی صراحت و وضاحت کے ساتھ آ گاہ فرما دیا۔ تاکہ وہ اسکے لئے تیاری کرسکیں۔ مگر وہ اسکے باوجود دنیا کے خوابِ غفلت سے چونکنے کا نام بھی نہیں لیتے۔ الا ماشاء اللہ۔ سو غفلت و لاپرواہی بیماریوں کی بیماری اور محرومیوں کی محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ جب غیب کے وہ مخفی حقائق سامنے آجائیں گے جن کی خبر قرآن دے رہا ہے، تو اُس وقت یہ لوگ یاس وحسرت کے مارے کہیں گے کہ کیا ہے کوئی سفارشی جو ہماری سفارش کرے؟ یا ممکن ہے کوئی صورت اس امر کی کہ ہم دوبارہ دنیا میں جاسکیں اور وہاں جاکر نئے سرے سے عمل کرسکیں اور اپنی اِس حقیقی اور دائمی زندگی کے لئے کوئی کمائی کرسکیں؟ مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوسکے گا اور ان کی یہ حسرت حسرت ہی رہے گی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۶۴ دینِ حق سے محرومی سب سے بڑا خسارہ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ سخت خسارے میں ڈال دیا ان لوگوں نے اپنے آپ کو کہ نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑ کر اپنی متاعِ عمر کو انہوں نے دنیائے دوں کی عارضی اور فانی لذتوں کے پیچھے لگا کر ضائع کر دیا۔ اور آخرت کی ابدی، حقیقی اور دائمی زندگی کے لئے انہوں نے کچھ سامان نہ کیا۔ سو یہ خسارہ ایسا خسارہ ہے کہ اب اس کی تلافی وتدارک کی بھی صورت ایسوں کیلئے ممکن نہ ہوگی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ جو آسیں انہوں نے لگا رکھی تھیں اور جو افتراء انہوں نے ازخود باندھ رکھے تھے اور جو سہارے انہوں نے اپنے طور پر قائم کر رکھے تھے، اُس روز وہ سب ''هَبَآءً مَّنْثُوْرًا'' ہوجائیں گے۔ اور کشفِ حقائق کے اُس جہاں میں اُن کا خسارہ پوری طرح آشکارا وعیاں ہوجائے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور یہ سب اس لئے کہ انہوں نے دنیاوی زندگی میں دینِ حق کو مان کر نہیں دیا تھا۔ اور اس کی روشنی اور ہدایت سے اِعراض اور روگردانی برتی تھی۔ سو دینِ حق سے اِعراض وروگردانی اور اُس سے محرومی خساروں کا خسارہ اور سب سے بڑا نقصان ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۶۵ تخلیقِ کائنات کے چھ دنوں سے مقصود ومراد؟:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ تمہارا رب وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی اس عظیم الشان کائنات کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ان چھ دنوں کی حقیقت ومقدار کو وہی جانتا ہے کہ اس کے یہاں تو ایک دن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔ ﴿وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾۔ (الحج: ۴۷)۔ دنیا کے یہ معروف دن جو

ہمارے یہاں کے حساب سے شب و روز کے سلسلے میں سمجھے جاتے ہیں یہ تو بہرحال اس سے مراد نہیں ہو سکتے کہ یہ تو سورج کے طلوع و غروب سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جبکہ یہاں قصہ اُن کے وجود میں آنے سے بھی پہلے کا بیان ہو رہا ہے۔ پھر اُس قادرِ مطلق -سبحانہٗ و تعالیٰ- کی شان تو ''کُنْ فَیَکُوْن'' کی شان ہے کہ جو کچھ کرنا چاہا اس کا حکم دیا اور وہ ہو گیا۔ مگر اس کے باوجود زمین و آسمان کے اس کارخانہء ہست و بود کو جو اس نے چھ دنوں میں پیدا فرمایا تو اس میں اسکی دوسری کئی حکمتیں کارفرما ہیں جن کا احاطہ بھی وہی وحدہٗ لاشریک کر سکتا ہے۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ اِس سے انسان کو تدریج و تَانّی کا درس دیا گیا ہے ''وَفِیْهِ حَثٌّ عَلَی التَّانِّیْ فِی الْاُمُوْرِ'' (محاسن التاویل) بہرکیف اِن چھ دنوں سے مراد وہ معروف چھ دن نہیں جو ہمارے ہاں سورج کے طلوع و غروب سے بنتے ہیں بلکہ ان سے مراد وہ خدائی چھ دن ہیں جن کی اصل حقیقت وہی وحدہٗ لاشریک جانتا ہے -سبحانہٗ و تعالیٰ-۔

۷۶ کائنات پر حاکم و متصرف بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اس کائنات کا خالق و مالک بھی اللہ تعالیٰ ہے اور اس میں حاکم و متصرف بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ پس وہ عرش پر مستوی ہوا تاکہ وہ اپنی تخلیق فرمودہ اس عظیم الشان کائنات پر حکومت و تصرف فرمائے اور اس کا نظام چلائے کہ جس طرح اِس ساری کائنات کا خالق اور موجد بلا شرکتِ غیرے وہی وحدہٗ لاشریک ہے اسی طرح اس کا مالک و کارساز اور اس میں حاکم و متصرف بھی وہی ہے ﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ﴾ یہ نہیں کہ اس کو پیدا کر کے اس نے اس کو یونہی چھوڑ دیا ہو یا کچھ دوسری ہستیوں کے حوالے کر دیا ہو، جیسا کہ بہت سے گمراہوں کا خیال ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ عرش پر اُس کا یہ استواء کیسا ہے؟ اور اس کی کنہ اور حقیقت کیا ہے؟ تو اس کو وہی وحدہٗ لاشریک جان سکتا ہے۔ ہم تو بس یہی کہتے ہیں کہ اس سے وہی معنیٰ مراد ہو سکتا ہے جو اُسکی شانِ اَقدس و اعلیٰ کے لائق ہو۔ یہی طریقہ ہے حضراتِ سلف صالحین کا اور یہی راستہ ہے صحت و سلامتی کا۔ بہرکیف اس اِرشاد سے مشرکین کے شرک اور ان کی مشرکانہ میتھالوجی کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی کہ مشرک لوگوں کا کہنا ماننا یہ تھا، اور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو تخلیق فرما کر اس کے مختلف شعبوں کے انتظام و انصرام کو اپنے دوسرے کارندوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اب ان کے کرتا دھرتا اور اصل ذمہ دار وہی ہیں۔ اسی لئے ان کی عبادت ضروری ہے۔ اگر ان کو راضی نہ کیا گیا تو ہمارا کام نہیں بنے گا۔ اور وہ اوروں کی سنتا نہیں ان کی رد نہیں کرتا۔ اس لئے ایسے لوگ انہی شرکاء کو واسطہ و وسیلہ اور حاجت روا و مشکل کشا سمجھ کر پوجتے پکارتے، ان کے لئے نذریں مانتے، نیازیں دیتے، ان کے آستانوں پر چڑھاوے چڑہاتے، ان کے طواف کرتے، ان کے لئے پھیرے مانتے اور انکے لیے سجدے تک کرتے ہیں۔ اور اس غلط مفروضے اور شرکیہ میتھالوجی کی بناء پر ایسے لوگ طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ سو اِس اِرشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ سب کچھ غلط اور بے بنیاد ہے۔ اور اس پوری کائنات پر حکم و تصرف اللہ ہی کا ہے۔

الَّيۡلَ النَّهَارَ يَطۡلُبُهٗ حَثِيۡثًا ۙ وَّالشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ

رات کو دن پر، ۷۷ پھر دن رات کے پیچھے آتا ہے دوڑتا ہوا، اور اسی نے پیدا فرمایا سورج چاند

وَالنُّجُوۡمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمۡرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الۡخَـلۡقُ وَالۡاَمۡرُ ؕ

اور ستاروں کو، اس حال میں کہ یہ سب تابع ہیں اس کے فرمان کے، آگاہ رہو کہ اسی کے لیے ہے خلق بھی اور امر بھی

تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۵۴﴾ اُدۡعُوۡا رَبَّكُمۡ

(سو) بڑا ہی برکت والا ہے اللہ جو پروردگار ہے سارے جہانوں کا، پکارو تم لوگ (اپنی ہر ضرورت کے لئے، اور ہر حال

تَضَرُّعًا وَّخُفۡيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُعۡتَدِيۡنَ ﴿۵۵﴾ ج

میں) اپنے رب ہی کو، عاجزی کے ساتھ، اور پوشیدہ طور پر، ۷۸ بے شک وہ پسند نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کو،

۷۷ رات اور دن قدرت کے دو عظیم الشان نشان: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ ڈھانک دیتا ہے رات کو دن پر۔ پھر دن اس کے پیچھے دوڑتا ہوا چلا آتا ہے۔ سو رات کی سیاہ چادر اور دن کا آنکھیں کھولتا اُجالا قدرت کے دو عظیم الشان نشان ہیں:۔ سو وہ اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے رات کی سیاہ چادر کو دن کے اجالے پر اس طرح ڈھانک دیتا ہے کہ جہاں رات آئی دن وہاں سے غائب۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ دن ہمیشہ کے لئے غائب ہو جائے اور تمہاری زندگی دوبھر ہو جائے، بلکہ اُس وحدہٗ لاشریک کی قدرتِ کاملہ، رحمتِ شاملہ اور عنایتِ بالغہ سے وہ اس کے پیچھے پیچھے ہی ایسا دوڑتا چلا آتا ہے کہ جہاں جہاں سے شبِ تاریک کی ظلمت و سیاہی کی چادر سرکتی گئی، اجالائے دن کی کرنیں وہاں پھیلتی گئیں۔ سو دیکھو تو سہی اے دیدۂ بینار کھنے والو! کہ دن رات کے اس حیرت انگیز ہیر پھیر اور ادل بدل میں کس قدر عظیم الشان نشانات ہیں اُس کی قدرتِ کاملہ، رحمتِ شاملہ، حکمتِ بالغہ اور عنایتِ بے غایت کے۔ تاکہ دن رات کی ان حالتوں سے متعلق و وابستہ اُس کے بندوں کی ضرورتیں اور مصلحتیں نہایت سہولت اور پوری باقاعدگی سے پوری ہوتی رہیں۔ ﴿فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِيۡنَ﴾۔ سو یہ اسکی قدرت وحکمت اور وحدانیت و یکتائی کے ایسے عظیم الشان نشان ہیں جو ہر وقت تمہارے ساتھ رہتے ہیں اور اپنی زبانِ حال سے پکار پکار کر تمہیں دعوتِ غور وفکر دے رہے ہیں کہ نہ یہ کارخانۂ قدرت بیکار و بے مقصد ہوسکتا ہے اور نہ اس سے مستفید و فیضیاب ہونے والا یہ انسان بیکار و بے مقصد ہوسکتا ہے۔ نیز جب اُس خالق و مالک نے تمہاری جسمانی اور مادی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے ایسا محیر العقول انتظام فرمایا ہے تو کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری معنوی اور روحانی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے کوئی انتظام نہ فرمائے؟ جبکہ اِن میں اصل تو روحانی ضرورتیں ہی ہیں۔ اور جب اُس کی اِن رحمتوں اور عنایتوں کی عطاء و بخشش میں کوئی اُسکا شریک و سہیم نہیں تو پھر اُسکی عبادت و بندگی میں کوئی اسکا شریک کیسے ہوسکتا ہے؟ نیز اس سے یہ عظیم الشان حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ دن رات کے اس ادل بدل اور ہیر پھیر کا یہ سلسلہ اِس کائنات ہست و بود اور اس جہان رنگ و بو میں ہر وقت اور ہر لحہ و لحظہ مسلسل و لگاتار جاری و ساری ہے۔ کہیں رات

ہے کہیں دن۔ کہیں صبح ہے کہیں شام۔ کہیں سورج ڈوب رہا ہے اور کہیں طلوع ہو رہا ہے۔ اور رات دن کے ہیر پھیر کا یہ عمل نہایت پابندی اور پرحکمت طریقے سے اور ایسا لگاتار چلا جارہا ہے کہ پوری مخلوق میں سے کسی کا بھی اس میں ذرہ برابر کوئی عمل دخل نہیں۔ تو پھر کس قدر احمق اور کتنے ظالم ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو تخلیق فرما کر اس کے نظام کو دوسرے مختلف خودساختہ معبودوں اور شریکوں کے حوالے کر دیا ہے اور اب وہی اس کو چلا رہے ہیں۔ اور یہ کہ ہمارا اصل واسطہ اور تعلق اب انہی کے ساتھ ہے۔ ہماری ان کے آگے اور ان کی اس کے آگے وغیرہ وغیرہ۔ ﴿فَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾ سو ایسے لوگ اس طرح کی مشرکانہ باتوں سے بہت بڑے جھوٹ کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس طرح یہ خود اپنی تذلیل وتحقیر اور ہلاکت وتباہی کا سامان کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ ﴿اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا﴾۔

۷۸ دعاء کے دو اہم آداب کی تعلیم وتلقین یعنی تضرع اور اخفا: سو یہ دعاء کے دو اہم آداب ہیں جو اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمائے گئے ہیں کہ دعاء عاجزی وزاری کے ساتھ ہو تا کہ ربِ رحمٰن کی رحمت کو کھینچے اور متوجہ کرے۔ اور دوسرے یہ کہ دعاء خفیہ و پوشیدہ ہو تا کہ اس میں ریاء ونمود اور دکھلاوا نہ پیدا ہو جائے۔ اور نبیِ اکرم۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے اپنے ارشاداتِ عالیہ سے دعاء کے ان دونوں ادبوں کو طرح طرح سے واضح فرمایا ہے۔ چنانچہ تضرع وانکساری کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ "اپنی دعاؤں میں رویا کرو اور اگر رونا نہ آئے تو رونے کی کوشش کیا کرو اور رونے کی شکل ہی بنا لیا کرو" جبکہ دوسرے ادب یعنی پوشیدہ دعاء کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے طرح طرح سے تعلیم وتلقین فرمائی۔ مثلاً صحیحین میں حضرتِ ابوموسیٰ اشعری۔رضی اللہ عنہ۔ سے مروی ہے کہ ایک موقع پر جب ذکر و دعاء کے دوران حضراتِ صحابہء کرام۔علیہم الرحمۃ والرضوان۔ میں سے بعض حضرات کی آوازیں بلند ہوگئیں تو آنحضرت۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ان کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "لوگو، اپنی جانوں پر رحم کرو، تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے، بلکہ جس کو تم لوگ پکار رہے ہو وہ تمہارے ساتھ ہے، اور وہ ہر کسی کی سنتا اور نہایت قریب ہے" (بخاری، کتاب الجہاد، باب ما یکرہ من رفع الصوت فی التکبیر، مسلم، کتاب الذکر والدعا والتوبۃ والاستغفار)۔ نیز آنحضرت۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ارشاد فرمایا کہ "سب سے اچھا ذکر وہ ہے جو پوشیدہ ہو اور سب سے اچھی روزی وہ ہے جو بدرجہ کفایت ہو" "خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ وَخَيْرُ الرِّزْقِ مَا يَكْفِيْ"۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ پوشیدہ دعا ستر علانیہ دعاؤں کے برابر ہوتی ہے "دَعْوَةُ السِّرِّ تَعْدِلُ سَبْعِيْنَ دَعْوَةً فِي الْعَلَانِيَةِ" مگر افسوس کہ اس سب کے باجود اور ان تمام تعلیماتِ مقدسہ کے برعکس آج امت کا معاملہ اس سے یکسر مختلف ہے۔ ان میں کتنی ہی تعداد ایسوں کی ہے جن کا عمل ان دونوں اُمور میں اِن تعلیماتِ مقدسہ کے خلاف اور اس کے برعکس ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ بہر کیف اخفاء دعا کے آداب میں سے ایک اہم ادب ہے۔ اور سلف سے خلف تک اللہ والے ہمیشہ اس کا خاص اہتمام کرتے رہے۔ چنانچہ حضرتِ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے کتنے ہی ایسے اللہ والوں کو دیکھا ہے جو دعاء کا بہت اہتمام کرتے تھے اور اس کیلئے وہ بہت مشقت اٹھاتے تھے، مگر اسکے باوجود ان کی دعاء کی آواز کوئی سن نہیں سکتا تھا، بلکہ ان کی دعاء درحقیقت ایک سرگوشی ہوتی تھی جو ان کے اور ان کے رب کے درمیان ہوتی تھی۔ (المراغی وغیرہ)۔ دعاء کے بارے میں مزید اہم آداب ہم نے کتاب وسنت کی روشنی میں اپنی کتابوں "تحفہ علم وحکمت" اور "قرآن وسنت کی مقدس دعائیں" میں ذکر کر دیے ہیں، جن کے کئی ایڈیشن چھپ کر تقسیم ہو چکے ہیں۔ والحمد للہ۔ تفصیل کے طالب حضرات انہی کی طرف رجوع کریں۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ۔ وَهُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سَوَاءِ السَّبِيْلِ۔ جَلَّ جَلَالُهٗ وَعَمَّ نَوَالُهٗ۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا

اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ تم لوگ ۷۹ اس کی درستی کے بعد، اور اسی (وحدہٗ لاشریک) کو پکارو خوف

وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾

اور امید سے، بے شک اللہ کی رحمت قریب ہے نیکوکاروں کے،

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ

اور وہ (اللہ) وہی تو ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے خوشخبری دینے کو اپنی (باران)

رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ

رحمت سے پہلے، یہاں تک کہ جب وہ اٹھالیتی ہیں (پانی سے لدے ہوئے) بھاری بھرکم بادلوں کو، تو ہم اس بادل کو

لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ

ہانک دیتے ہیں کسی مردہ زمین کی طرف، جہاں اس سے ہم بارش برساتے ہیں، پھر اس کے ذریعے ہم نکالتے ہیں

مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰی لَعَلَّكُمْ

طرح طرح کی پیداواریں، ۸۰ اسی طرح ہم نکالیں گے مُردوں کو، (سو تمہیں یہ سب کچھ ہم

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ

دکھاتے ہیں) تاکہ تم سبق لو، اور عمدہ زمین سے خوب پیداوار نکلتی ہے

بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ

اس کے رب کے حکم سے، اور جو زمین خراب ہوتی ہے، اس سے ناقص پیداوار کے سوا کچھ نہیں نکلتا،

كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ع ۱۴

اسی طرح پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں ہم اپنی آیتوں کو، ان لوگوں کے لئے جو شکر ادا کرتے ہیں،

۷۹ زمین میں فساد مت پھیلاؤ:- نہ ظاہری طور پر اس کو اس طرح خراب کر دو کہ اس سے اُن مقاصد کی تکمیل نہ

ہو سکے جن کے لئے خالق نے اسکو پیدا فرمایا ہے اور نہ باطنی طور پر کہ کفر و شرک اور معاصی و ذنوب کا ارتکاب کر کے اسکے لئے عذاب اور تباہی سامان کرو۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ کہ جس خالق و مالک نے تم لوگوں کو فرشِ زمین کی اِس عظیم الشان نعمت سے نوازا ہے، اُس نے اِسکو تمہاری معیشت و گزران کیلئے ایسا صالح اور مناسب بنایا ہے کہ اِس میں نہایت ہی پرحکمت طریقے سے تمہارے لیے طرح طرح کے سامانہائے زیست ودیعت فرما دیئے اور خود تمہارے اندر ایسی صلاحیتیں رکھیں کہ تم زمین کے ان بے حساب خزانوں سے دن رات مستفید ہوتے رہتے ہو۔ پس عقل و خرد اور عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم اِس احسانِ خداوندی کی قدر کرو اور اسکی خرابی و فساد کی ہر شکل و صورت سے بچو۔ وباللہ التوفیق۔ سو کفر و شرک اور اپنے رب سے انحراف اس کائنات کے فساد اور اس کی ہلاکت و تباہی کا باعث ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ آسمان و زمین کا یہ سارا سلسلہ قائم ہی اس بناء پر ہے کہ ان کے اندر اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کے ارادے کی کوئی کارفرمائی نہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ اگر آسمان و زمین کے اندر اللہ کے سوا کچھ اور معبود بھی ہوتے تو یہ دونوں قطعی طور پر درہم برہم ہو کر رہ جاتے ﴿ لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ﴾ الآیۃ (الانبیاء: ۲۲)۔ سو اِس تکوینی توحید کا لازمی تقاضا ہے کہ اُس کے بندے اپنے دائرۂ اختیار میں بھی اُس کی وحدانیت و یکتائی کا اقرار کریں اور اُس کی عبادت و بندگی اور اطاعت و فرمانبرداری میں کسی کو بھی اُس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ ورنہ زمین کا سارا نظامِ عدل و شریعت درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۸۰ اللہ ہی زمین سے طرح طرح کی پیداواریں نکالتا ہے:- سو زمین سے اسکی طرح طرح کی پیداواریں نکالنا قدرت کا ایک عظیم الشان اِنعام و اِحسان ہے۔ سو فرمایا گیا کہ بارش سے یہ طرح طرح کی پیداواریں ازخود نہیں نکل جاتیں بلکہ اِن کو ہم ہی نکالتے ہیں تاکہ تم طرح طرح کی اِن پیداواروں سے بھرپور طریقے سے اور قسما قسم کے فائدے اٹھا سکو۔ سو جب اُس وحدہٗ لاشریک نے تمہاری اِن ظاہری اور حسی ضروریات کی تکمیل کے لئے اتنے اور ایسے ایسے عظیم الشان انتظامات کئے تو پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری روحانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے کوئی انتظام نہ فرمائے۔ حالانکہ روحانی ضرورتوں کی تکمیل کا سامان جسمانی ضرورتوں کی تکمیل سے بھی کہیں بڑھ کر اہم ہے۔ سو اُس نے تمہاری روحانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے وحی کی وہ مقدس بارش نازل فرمائی جو کہ دلوں کی زمین پر برستی ہے اور اپنی حیات آفرینی سے دلوں کی دنیا کو بدل کر کچھ کا کچھ کر دیتی ہے اور انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ ور کر دیتی ہے۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ بہرکیف اِس اِرشاد سے اللہ پاک۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ نے اپنی قدرت و حکمت اور رحمت و عنایت کے ان بعض مظاہر کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ تم لوگ ذرا دیکھو تو سہی کہ کس طرح ہوائیں بوجھل بادلوں کو اٹھاتی ہیں۔ اور ایسا اٹھاتی ہیں گویا کہ وہ روئی کے گالے ہیں۔ پھر ہم اپنی مشیت اور مرضی کے مطابق ان کو جدھر چاہتے ہیں ہانک کر لے جاتے ہیں۔ اور جہاں چاہتے ہیں جل تھل کر دیتے ہیں۔ کسی کی طاقت نہیں کہ وہ اپنی پسند اور مرضی کے مطابق اِن کا رخ موڑ دے۔ پس امید و بیم کے ہر حال میں تم ہمیشہ اسی سے لو لگاؤ۔ وہی حاکم و متصرف ہے اپنی اس کائنات میں۔ سو معاملہ سب کا سب اُسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ

بلاشبہ ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف (رسول بنا کر)، ۸۱ تو آپؑ نے (ان سے) کہا کہ اے میری قوم کے لوگو،

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّیْٓ

تم بندگی کرو اللہ ہی کی، کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، بے شک میں

اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ

ڈرتا ہوں تمہارے بارے میں ایک بڑے ہی ہولناک دن کے عذاب سے، ۸۲ اس پر

الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾

آپ کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تو یقیناً دیکھتے ہیں تم کو پڑا ہوا کھلی گمراہی میں، ۸۳

۸۱ حضرتِ نوحؑ کی بعثت و رسالت کا ذکر: - اُن کو پیغامِ حق پہنچانے کے لئے۔ اور یہی قرآنِ حکیم کا طریقہ و اسلوب ہے کہ انبیائے کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - کے قصوں کے ضمن میں کلام کا آغاز اُن کی بعثت و رسالت ہی سے کیا جاتا ہے نہ کہ ان کے جسمانی میلاد اور دنیا میں اُن کی تشریف آوری کے بیان سے۔ کہ اصل چیز وہ پیغام ہی ہوتا ہے جو یہ حضرات اپنے رب کی طرف سے لے کر آتے ہیں نہ کہ جسمانی ولادت و میلاد سے متعلق قصہ گوئی۔ اسی لئے پورے قرآنِ حکیم میں کسی ایک بھی پیغمبر کی ولادت و میلاد کا ذکر نہیں فرمایا گیا ماسوائے حضرتِ عیسیٰ - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کے۔ کہ ان کی ولادت خلافِ عادت بغیر باپ کے قدرت کے ایک عظیم کرشمے کے طور پر محض ان کی والدۂ مطہرہ سے ہوئی تھی۔ یا حضرتِ آدم کہ اُن کی پیدائش ماں اور باپ دونوں کے بغیر ہوئی تھی۔ یا حضرتِ یحییٰ کہ اُن کی ولادت بھی عام حالات کے خلاف ہوئی تھی۔ غرضیکہ اس طرح کی ان دو تین استثنائی صورتوں کے سوا کسی بھی پیغمبر کی جسمانی ولادت کا ذکر قرآنِ حکیم میں کہیں نہیں فرمایا گیا۔ مگر اس کے باوجود آج کے اہلِ بدعت کا پورا زور میلاد منانے ہی پر صرف ہو رہا ہے اور اس کو انہوں نے محض اپنی ہٹ دھرمی اور سینہ زوری کی بناء پر ایک مستقل اور تیسری عید بنا دیا ہے۔ حالانکہ کتاب و سنت کی روشنی میں سلف سے لے کر خلف تک اور فقہ و حدیث کی تمام چھوٹی بڑی کتابوں میں عیدین یعنی صرف دو ہی عیدوں کا ذکر آیا ہے اور آتا ہے اور بس۔ یعنی ''عید الفطر'' اور ''عید الاضحیٰ''۔ ان دو کے سوا تیسری کسی بھی عید کا کہیں کوئی ذکر نہیں۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ اہلِ بدعت اپنے اس بدعی اضافے کے اِثبات کے لئے طرح طرح سے نصوص کے اندر تحریف کرتے اور ان کو ایسے من مانے اور نت نئے معانی پہناتے ہیں جو پوری امت کے ثقہ اور معتمد علمائے کرام میں سے آج تک کسی نے نہیں کئے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - وَاِلَى اللّٰهِ

اَلْمُشْتَکٰی وَھُوَ الْمَسْئُوْلُ الْمُسْتَعَانُ فِیْ وَجْہِ کُلِّ شَرٍّ وَّطُغْیَانٍ، بِکُلِّ حَالٍ مِنَ الْاَحْوَالِ، وَفِیْ کُلِّ حِیْنٍ مِنَ الْاَحْیَانِ۔ بہرکیف یہاں سے اس سورۂ کریمہ میں حضراتِ انبیاء و رسل کے قصوں کا ذکر و بیان شروع ہوتا ہے کہ اِن کے اندر عظیم الشان درسہائے عبرت و بصیرت ہیں۔

۸۲ پیغمبرانہ دعوت کا ایک نمونہ و مظہر:- یہ ہے پیغمبرانہ دعوت کے مخلصانہ اور پر مغز اسلوب اور انداز کا ایک نمونہ و مظہر۔ کہ نہایت مختصر الفاظ میں اپنی دعوت کا لبِّ لباب اور مرکزی اور بنیادی پیغام بھی دے دیا کہ عبادت و بندگی اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی کرو کہ معبودِ برحق صرف وہی ہے۔ اِس کی ایک واضح اور ٹھوس دلیل بھی پیش فرما دی کہ اس وحدہٗ لاشریک کے سوا تمہارا کوئی معبود ہے ہی نہیں۔ مجھے تم لوگوں کے بارے میں ایک بڑے ہی ہولناک دن کے عذاب کا خدشہ ہے اور اس کی تکذیب کے انجام سے بھی ان لوگوں کو خبردار کر دیا اور اپنے لئے کسی قسم کی تعلّی اور بڑائی کا کوئی اِظہار بلکہ اس کا کوئی شائبہ تک نہیں۔ اور حق و حقیقت کا اظہار و بیان صاف اور صریح طور پر فرما دیا۔ علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ بہرکیف حضرتِ نوح نے اپنی قوم کو سب سے پہلے توحید کی دعوت دی۔ کیونکہ یہی چیز تمامتر صلاح و اِصلاح اور فوز و فلاح کی اصل اساس و بنیاد ہے جب کہ اس کے مقابلے میں شرک، جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، تمام فساد فی الأرض کی جڑ بنیاد ہے۔ کیونکہ کسی قوم کے شرک میں مبتلا ہو جانے کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ عقائد و نظریات اور اُن کے نتائج و ثمرات، ہر اعتبار سے فطرت کے صراطِ مستقیم سے منحرف ہو گئی اور اب اس کا وجود خیر و صلاح کی بجائے شر و فساد کا وجود بن گیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۸۳ قومِ نوح کا حضرتِ نوح کو گستاخانہ اور کافرانہ جواب:- کہ ہم تمہیں کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔ اس لئے کہ تم اپنے بڑوں اور بزرگوں کے طریقے سے ہٹ کر اور ان کے طور طریقوں کو چھوڑ کر، اور ان کے دین و مذہب کے خلاف ایک ہی خدا کی بندگی کی دعوت دیتے ہو اور ہمیں اپنے ماضی سے کاٹ کر اور اپنے آباؤ اجداد کے طریقوں سے ہٹا کر تم ہماری تہذیب و ثقافت کو تباہ کرنا چاہتے ہو۔ پس یقینی طور پر تم کھلی گمراہی میں پڑے ہو -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- سو وہ تھا پیغمبر کی دعوتِ حق کا نمونۂ صادقہ، جس کا ذکر ابھی اوپر ہوا اور اِس کے مقابلے میں یہ ہے اُن کی اِس نانہجار قوم کے دکھ دہ اور دلآزار جواب کا نمونہ۔ اور اس پر بھی حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام- کا صبر اور ان کی یہ استقامت کہ نہ کوئی جوابی حملہ اور نہ کسی طرح کا کوئی جذباتی ردِّعمل۔ بلکہ کامل صبر و استقامت ہی سے کام لیتے رہے۔ سو اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام- علیہم الصلوٰۃ والسلام- کا ظرف کس قدر وسیع ہوتا ہے اور ان کا صدق و اِخلاص اور صبر و استقامت کس قدر عظیم الشان اور جلیل القدر ہوتا ہے۔ بہرکیف حضرتِ نوح کی قوم کے کافر سرداروں نے آپ کی دعوت کے جواب میں کہا کہ ہم تم کو کھلی گمراہی میں مبتلا دیکھتے ہیں کہ ایک تو تم ہمارے باپ دادا کے دین کی توہین و تحقیر کرتے ہو۔ دوسرے تم ان کے معبودوں کا انکار کرتے ہو۔ اور تیسرے تم ہم پر عذابِ الٰہی کے نزول کی دھمکی دے رہے ہو۔ حالانکہ ہمارے حالات تم سے اور تمہارے نام لیواؤں کے حالات سے ہر لحاظ سے اچھے ہیں۔

قَالَ یٰقَوۡمِ لَیۡسَ بِیۡ ضَلٰلَۃٌ وَّ لٰکِنِّیۡ رَسُوۡلٌ

آپ نے فرمایا اے میری قوم! مجھ میں (کسی طرح کی) کوئی گمراہی نہیں، ۸۴ بلکہ میں تو پیغمبر ہوں

مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُکُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَ

اس ذات (اقدس) کی طرف سے، جو پروردگار ہے سب جہانوں کی، تمہیں پیغامات پہنچاتا ہوں اپنے رب کے، اور

اَنۡصَحُ لَکُمۡ وَ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۲﴾

خیر خواہی کرتا ہوں تم سب کی، اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے،

اَوَ عَجِبۡتُمۡ اَنۡ جَآءَکُمۡ ذِکۡرٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ عَلٰی

کیا تم لوگوں کو اس پر تعجب ہو رہا ہے کہ تمہارے پاس ایک عظیم الشان نصیحت آ گئی تمہارے رب کی جانب سے، ۸۵

رَجُلٍ مِّنۡکُمۡ لِیُنۡذِرَکُمۡ وَ لِتَتَّقُوۡا وَ لَعَلَّکُمۡ

خود تم ہی میں سے ایک شخص کے ذریعے؟ ۸۶ تاکہ وہ تمہیں خبردار کرے، (تمہارے انجام سے) اور تاکہ تم پرہیزگار بن سکو، اور تاکہ

تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۶۳﴾ فَکَذَّبُوۡہُ فَاَنۡجَیۡنٰہُ وَ الَّذِیۡنَ

تم پر رحم کیا جائے مگر انہوں نے پھر بھی اس کی تکذیب ہی کی، آخرکار ہم نے بچا لیا نوح کو بھی، اور ان سب کو

۸۴ پیغمبر کی وسعتِ قلبی اور تحمل مزاجی کا ایک نمونہ و مظہر:- سو آنجناب کے اِس جواب سے پیغمبر کی وسعتِ قلبی، تحمل اور کشادہ ظرفی کا نمونہ ملاحظہ ہو کہ ان لوگوں کی اس قدر بے ہودہ گفتگو اور یاوہ گوئی کے جواب میں آنجناب نے ذرہ برابر بھی کسی اشتعال یا جذباتیت کا کوئی اظہار نہیں فرمایا۔ بلکہ سادہ اور مختصر لفظوں میں اتنا فرمایا کہ لوگو! مجھ میں ضلالت و گمراہی کی کوئی بات نہیں۔ بلکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اسکا پیغام تمہیں پہنچا رہا ہوں اور بس۔ سو یہ کمالِ عبدیت اور للّٰہیت و بے نفسی کا ایک ایسا عظیم الشان مظہر و نمونہ ہے جو حضراتِ انبیائے کرام کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتا۔ صَلَوٰاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیۡھِمۡ اَجۡمَعِیۡنَ - بہر کیف حضرت نے اپنے اس جواب سے ان لوگوں کے سامنے اپنی اصل حیثیت کو واضح فرما دیا کہ میرے اندر گمراہی کی کوئی بات نہیں بلکہ میں پروردگارِ عالم کا رسول ہوں اور اسی کا پیغام تم لوگوں کو پہنچا رہا ہوں۔

۸۵ پیغمبر کا ہر حکم و ارشاد علم پر مبنی ہوتا ہے:- کہ اُس نے مجھے وحی و نبوت سے نوازا ہے جبکہ تم سب لوگ محض ظن و گمان اور خیال و تخمین کے پیچھے چلتے ہو۔ سو یہ پیغمبر کی ایک امتیازی شان ہوتی ہے کہ اُن کا ہر قول و فعل اور حکم و ارشاد علمِ صحیح کی ٹھوس بنیاد پر قائم و استوار ہوتا ہے۔ کیونکہ اُن کے پاس اُس خالق و مالک کی طرف سے

وحی آتی ہے جو اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف ہے۔ اور ایسا خالق و مالک اور اس شان کا حاکم و متصرف کہ نہ اُسکی اس تخلیق میں کوئی اُس کا شریک ہے اور نہ اُسکے اِس حکم و تصرف میں جبکہ وحی کے نور سے محروم دنیا کا سارا کام محض ظن و تخمین اور اندازہ و قیاس پر چلتا ہے۔ سو پیغمبر کے حکم و ارشاد کا کوئی بدلہ اور مقابلہ کسی سے ممکن ہی نہیں ہوسکتا۔ سو یہیں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جو لوگ نورِ وحی پر ایمان سے محروم ہیں وہ کس قدر محروم اور بدنصیب لوگ ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف حضرتِ نوح نے اپنی قوم سے کہا کہ میں خداوند قدوس کے پیغام تم لوگوں کو پہنچا رہا ہوں۔ اگر تم لوگ ناقدری کر کے ان سے منہ موڑو گے اور ان کے جواب میں اعراض اور روگردانی برتو گے تو اس کے نتیجے میں تمہیں بڑا ہولناک بھگتان بھگتنا پڑیگا۔ اور تم لوگ حق و ہدایت کی سب سے بڑی دولت سے محروم ہو کر دنیا و آخرت کے سب سے بڑے نقصان اور انتہائی ہولناک خسارے میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اور تمہارے لئے اندھیرے ہی اندھیرے ہوں گے۔ اور میں تمہارے لئے سچی خیر خواہی کرتا ہوں۔ تم لوگ چونکہ صرف ظاہر اور مادیت اور محسوسات کو دیکھنے کے عادی ہو اور انہی پر تکیہ و آسرا کئے ہو اس لئے تم کو عذاب کا ڈراوا عجیب لگتا ہے، لیکن میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ تم لوگ اگر اپنی ظاہری چمک دمک کے ساتھ اپنے ان روگوں اور عیبوں کو بھی دیکھ لیتے جو تم نے اپنے سفید کپڑوں کے نیچے چھپا رکھے ہیں تو تمہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ میں کتنی سچی بات کہتا ہوں اور تمہارا کس قدر خیر خواہ ہوں۔

۸۲ **پیغمبر کا بشر اور جنسِ بشر سے ہونا قدرت کا ایک مستقل اِنعام و اِحسان ہے:** - یعنی یہ تو عقل و فطرت کے عین مطابق اور خداوند قدوس کی رحمتِ بے کراں اور عنایتِ بے نہایت کا عظیم الشان مظہر و مقتضیٰ ہے۔ کہ اُس نے اِس عظیم الشان طریقے سے تمہارے لئے دارین کی ابدی سعادت و سرخروئی اور دائمی فوز و فلاح کا انتظام فرمایا۔ کہ تمہیں نورِ ہدایت کی دولت سے نوازا اور تمہارے اپنے اندر ہی سے ایک شخص کو نبوت و رسالت کے شرف سے سرفراز فرما کر نوازا۔ تاکہ تم اس سے حق بات کو صحیح طور پر اور آسانی سے سمجھ کر اپنا سکو۔ آخر اس میں تعجب یا انکار کی کون سی بات ہوسکتی ہے؟ سو تم لوگ کتنے ناشکرے اور کس قدر بے انصاف ہو جو اپنے خالق و مالک کی ان عظیم الشان عنایات کی اس طرح بے قدری اور ناشکری کرتے ہو؟ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر کا بشر اور نوعِ انسانی میں سے ہونا قدرت کا مستقل انعام و احسان ہے جس سے حضرتِ حق - جل مجدہٗ - نے دنیا کو نوازا اور سرفراز فرمایا ہے۔ لیکن انسان کی ناشکری اور بے انصافی ہمیشہ یہی رہی کہ اُس نے قدرت کے اِس احسان کو پہچاننے اور اسکی قدر کرنے کی بجائے الٹا اسی کو موردِ الزام و اعتراض بنایا۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ الا ماشاء اللہ - اور اسی کا ایک نمونہ و مظہر یہ ہے کہ ہمارے دور کے بہت سے اہلِ بدعت بھی ایسے ہیں جو پیغمبر کو بشر ماننے ہی کیلئے تیار نہیں۔ اور ایسے لوگ حضرات انبیاء و رسل کے بارے میں وحیِ خداوندی میں وارد "مِنْهُمْ" "مِنْكُمْ" "مِنْ اَنْفُسِهِمْ" "مِنْ اَنْفُسِكُمْ" وغیرہ جیسے کلمات میں طرح طرح کی تاویلات سے کام لیتے ہیں۔

مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

بھی جو کہ آپ کے ساتھ تھے، ۸۷ اس (عظیم الشان) کشتی میں، اور غرق کر دیا ہم نے ان سب کو جو جھٹلاتے تھے

بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع وَاِلٰى ع ۱۵

ہماری آیتوں کو، کہ وہ لوگ قطعی طور پر اندھے بن گئے تھے، ۸۸ اور عاد

۸۷ حاجت روا ومشکل کشا سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے: - کہ مشکلات ومصائب سے بچانا ہمارا ہی کام اور ہماری ہی شان ہے کہ حاجت روا ومشکل کشا سب کے ہم اور صرف ہم ہی ہیں۔ اور جب نوح جیسے عظیم الشان پیغمبر اور ان کے ساتھی بھی حاجت روائی ومشکل کشائی میں اللہ پاک ہی کے محتاج ہیں تو پھر اور کون ہو سکتا ہے جو اس کا دم بھر سکے؟ یا اس کے لئے حاجت روا ومشکل کشا ہونے کا عقیدہ رکھا جا سکے؟ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو حاجت روا ومشکل کشا سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ کسی اور میں یہ وصف ماننا شرک ہوگا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ جب حضرتِ نوح کی دن رات کی محنت اور طویل جدوجہد کے بعد بھی اِن لوگوں نے مان کے نہ دیا اور وہ ان کی تکذیب ہی کرتے گئے تو تکذیبِ حق کے اس ہولناک اور سنگین جرم کے نتیجے میں آخر کار ان پر وہ ہولناک عذاب آ کر رہا جس کا مستحق ان لوگوں نے اپنے آپ کو بنا دیا اور جو ایک ایسے ہولناک اور تباہ کن طوفان کی شکل میں آیا تھا جس کی دوسری کوئی نظیر ومثال نہیں ملتی۔ اور جو طوفانِ نوح کے نام سے ہی مشہور اور ایک ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔ تو اس موقع پر ہم نے نوح اور اُن کے اُن ساتھیوں کو تو بچا لیا جو آپ کے ساتھ اُس کشتی میں سوار تھے اور باقی سب کو غرقاب کر دیا کہ وہ سب اوندھے لوگ تھے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۸۸ تکذیبِ حق کا نتیجہ وانجام دائمی تباہی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ: - سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ کی آیتوں کے اِنکار اور انکی تکذیب کا نتیجہ وانجام بہرحال ہلاکت وتباہی ہے۔ سو ان لوگوں کو غرق کر دیا کہ وہ اندھے ہو گئے تھے۔ اور اتنے اندھے اور اوندھے کہ حق کو واضح کرنے والی اِس قدر صاف وصریح اور کھلی اور روشن نشانیاں بھی اُن لوگوں کو نظر نہ آتی تھیں۔ اور وہ حق کو سننے ماننے اور قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے تھے۔ اور اللہ کے نبی کی اس قدر طویل جدوجہد کے باوجود نہ وہ لوگ ایمان لائے اور نہ انہوں نے اپنی اِصلاح کی۔ اور اس طرح اُن کا وجود اللہ کی دھرتی کے لئے ایک ایسا ناروا بوجھ بن گیا تھا جس کا صفایا ضروری تھا۔ چنانچہ ان کے وجود کو مٹا کر اس پوری قوم کو ایک قصۂ پارینہ اور رہتی دنیا تک کیلئے نمونۂ عبرت وبصیرت بنا دیا گیا۔ سو تکذیب واِنکارِ حق کا آخری نتیجہ اور انجام بہرحال دائمی ہلاکت اور تباہی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - پس ایسے لوگوں کو جو ڈھیل اور مہلت ملتی ہے اس سے ان کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ وہ محض استدراج اور اِمہال ہوتا ہے۔ اور ایسے لوگوں کو بہرحال پکڑا اور جکڑا جانا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو جو لوگ پیغمبر کے اِنذار وتبلیغ کے بعد بھی آنکھیں نہیں کھولتے اور وہ اندھے اور اوندھے ہی بنے رہتے ہیں تو وہ اپنے وجود کی خود نفی کر دیتے ہیں۔ اس لئے وہ اللہ کی دھرتی پر باقی رہنے کے لائق نہیں رہتے۔

عَادٍ اَخَاهُمْ هُوۡدًا ؕ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ

کی طرف ان کے بھائی ف۸۹ ہود کو بھی (ہم نے رسول بنا کر بھیجا) تو اس نے بھی یہی کہا کہ اے میری قوم تم بندگی کرو اللہ کی،

مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ

کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، ف۹۰ تو کیا تم لوگ ڈرتے نہیں؟ ان کی

الۡمَلَاُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰٮكَ فِىۡ

قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ ہم تو تمہیں نری

سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَـنَظُنُّكَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ

بے عقلی میں مبتلا دیکھتے ہیں، اور ہم یقیناً تمہیں جھوٹوں میں سے سمجھتے ہیں، انہوں نے کہا،

يٰقَوۡمِ لَيۡسَ بِىۡ سَفَاهَةٌ وَّلٰـكِنِّىۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ

اے میری قوم مجھ میں بے وقوفی کی کوئی بات نہیں، بلکہ میں تو یقینی طور پر پیغمبر ہوں اس ذات (اقدس) کی طرف سے

رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّىۡ وَاَنَا

جو پروردگار ہے سب جہانوں کی، میں تمہیں پیغامات پہنچاتا ہوں اپنے رب کے، اور میں

لَـكُمۡ نَاصِحٌ اَمِيۡنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَعَجِبۡتُمۡ اَنۡ جَآءَكُمۡ

تمہارا قابلِ اعتماد خیر خواہ ہوں، ف۹۱ تو کیا تمہیں اس پر تعجب ہو رہا ہے کہ تمہارے پاس ایک

۸۹ **پیغمبر کے اپنی قوم کے بھائی ہونے کی تصریح:-** یعنی انکے قومی بھائی کہ آپ تھے تو اسی قوم میں سے۔ پس معلوم ہوا کہ اس طرح کے اعتبارات سے پیغمبر کو بھائی کہنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ قرآن وسنت کی نصوصِ صریحہ سے ثابت ہے۔ سو ایسا کہنا اور ماننا نہ برا ہے نہ ممنوع۔ اور قرآن وسنت کی دوسری بہت سی نصوص بھی اس کی شاہد و مؤید ہیں، جیسا کہ ہمارے حضور- علیہ الصلوٰۃ والسلام- نے اپنے لئے خود یہ لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اور کئی مواقع پر فرمایا ہے۔ جیسا کہ مختلف احادیث میں موجود ہے۔ پس ایسی ہی ایک حدیث کے ترجمہ وتشریح کرنے پر اہلِ بدعت نے حضرت شاہ اسماعیل شہید- رحمۃ اللہ علیہ- پر جو بہتان طرازی کی اور جس یاوہ گوئی سے انہوں نے کام لیا ہے وہ باطل ومردود اور ان لوگوں کی جہالت وہٹ دھرمی کا شاخسانہ ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ- بہر کیف پیغمبر کے اپنی قوم میں سے ہونے میں اس قوم کیلئے اللہ تعالیٰ کا خاص انعام و احسان ہے تاکہ وہ لوگ اسکی بات کو سمجھ سکیں اور اس سے پوری طرح استفادہ کر سکیں۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ اسی لیے قرآن

حکیم میں قدرت کے اِسی اِنعام و اِحسان کو جابجا "مِنكُمْ" "تم ہی سے" اور "مِنْهُمْ" "انہی میں سے" وغیرہ جیسے کلماتِ کریمہ سے واضح فرمایا گیا ہے لیکن اسکے باوجود کتنے ہی اہلِ زیغ ایسے ہیں جو اس حقیقتِ صادقہ کو ماننے اور تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ اور وہ اس طرح کی نصوصِ صریحہ اور کلماتِ کریمہ میں طرح طرح کی تاویلات اور تحریفات سے کام لیتے ہیں۔ اور اس طرح وہ اپنے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سے جاہلوں کی گمراہی اور ان کے انحراف کا سامان کرتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۹۰ معبودِ برحق اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے:- اور جب اُس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کوئی معبود سرے سے ہے ہی نہیں تو پھر اُس کے سوا کسی اور کے لئے عبادت و بندگی کی کسی بھی شکل وصورت کے جائز اور روا ہونے کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے؟ پس عبادت و بندگی کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل و صورت اُسی معبودِ برحق کا خاصہ اور اُسی کا حق ہے۔ خواہ وہ بدنی ہو یا مالی یا کوئی اور قسم۔ لہٰذا قیام ورکوع اسی وحدہٗ لاشریک کے لئے، سجدہ و طواف اسی کے لئے، نذر و نیاز اسی کے لئے اور غائبانہ صدا و پکار اسی کے لئے کہ حاجت روائی و مشکل کشائی اُسی کی شان اور اُسی کا اختصاص ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ ان میں سے کسی بھی قسم کو اور کسی بھی شکل وصورت میں کسی اور ہستی کو شریک ماننا شرک اور ظلم ہوگا جو کہ نہایت سنگین و ہولناک گناہ اور ناقابلِ معافی جرم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اسی لئے حضراتِ انبیائے کرام میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی امت کو سب سے پہلے توحید کے اسی عقیدۂ صافیہ کی دعوت دی۔ اور حضرت امام الانبیاء ۔ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام ۔ نے تو توحید کی اس دعوت کو کمال توضیح اور بِمَا لَا مَزِيْدَ عَلَيْهِ صراحت و وضاحت کے ساتھ پیش فرمایا۔ مگر افسوس کہ اس کے باوجود آج کتنے ہی جاہل مسلمان ایسے ہیں جو طرح طرح کی شرکیات میں پڑے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ انہوں نے کتنی ہی خودساختہ سرکاریں بنا رکھی ہیں، جہاں وہ سجدے کرتے، سر ٹیکتے، جھک جھک کر سلام کرتے، ان کو مافوق الاسباب طور پر اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کیلئے پکارتے، ان کے نام کی نذریں مانتے، نیازیں دیتے، چڑھاوے چڑھاتے، دیگیں پکاتے، پھیرے مانتے اور چکر لگاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر بھی دعویٰ ہے کہ ہم مسلمان اور پکے توحیدی ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ اگر ایسے کھلے شرکیہ امور کا ارتکاب بھی شرک نہیں تو پھر شرک اور کس بلا کا نام ہے؟ کیا اُس کے سر پر کوئی سینگ ہوتے ہیں؟ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۹۱ پیغمبر کی دعوت خالص خیر خواہی پر مبنی ہوتی ہے:- نہ تو تمہارے ساتھ اس خیر خواہی میں کسی ذاتی غرض کا کوئی شائبہ ہے اور نہ ہی اس پیغامِ ربانی میں کسی آمیزش کا کوئی سوال۔ جس کے ساتھ مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ پس اسکو قبول کرنے اور صدقِ دل سے اپنانے میں خود تمہارا اپنا ہی بھلا اور فائدہ ہے، دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی میں بھی اور اسکے بعد آخرت کے اُس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی۔ سو پیغمبر کی دعوت خالص خیر خواہی اور صدق و اخلاص پر مبنی ہوتی ہے۔ اس میں ذاتی اَغراض یا نفسانی خواہشات کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا۔ حضرتِ ہودؑ کے اس جواب میں بھی وہی پیغمبرانہ ادب عالی پایا جاتا ہے جو حضرتِ نوح کے جواب میں اوپر ذکر ہوچکا ہے کہ آپ نے بھی اپنی قوم کی بدتمیزی اور سوءِ ادبی کا کوئی نوٹس تک نہیں لیا۔ بلکہ اس سے چشم پوشی کرتے ہوئے اصل حقیقت کو ان کے سامنے رکھ دیا۔ سو یہ پیغمبر ہی کی شان اور انہی کا ظرف ہوسکتا ہے کہ وہ ایسی باتوں کے جواب میں ایسے اِغماض اور چشم پوشی سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی اس کا کوئی حصہ نصیب فرمادے۔ آمین۔ اور حضرتِ ہودؑ کے اِس جواب سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ امانت رسول کی ایک نمایاں صفت ہوتی ہے۔ سو پیغمبر ایسا امین ہوتا ہے کہ خداوند قدوس کی طرف سے جو پیغام ان کے حوالے کیا جاتا ہے اس میں وہ سرِ مو کوئی کمی بیشی نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اس کو پوری دیانتداری کے ساتھ جوں کا توں آگے پہنچاتا ہے۔ عَلٰى نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

ذِكۡرٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَلٰى رَجُلٍ مِّنۡكُمۡ لِيُنۡذِرَكُمۡ ؕ

عظیم الشان نصیحت آگئی تمہارے رب کی جانب سے خود تم ہی میں سے ایک آدمی کے ذریعے؟ تاکہ وہ تم کو خبردار کرے

وَاذۡكُرُوۡۤا اِذۡ جَعَلَكُمۡ خُلَفَآءَ مِنۡۢ بَعۡدِ قَوۡمِ

(تمہارے انجام سے،) اور یاد کرو کہ جب تمہارے رب نے تم کو جانشین بنایا قوم نوح کے

نُوۡحٍ وَّزَادَكُمۡ فِى الۡخَلۡقِ بَصۜۡطَةً ‌ۚ فَاذۡكُرُوۡۤا

بعد، اور اس نے تمہیں خوب پھیلاؤ دیا تمہارے ڈیل ڈول میں، پس تم لوگ یاد کرو

اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا

اللہ کی (ان عظیم الشان) نعمتوں کو، ۹۲ تاکہ تم فلاح پاسکو، انہوں نے کہا کیا تم ہمارے پاس اسی لئے آئے ہو

۹۲ تذکیرِ نعمت برائے شکرِ نعمت: - کہ دل میں بھی اس کا یقین و احساس رکھو کہ یہ سب نعمتیں جو عظیم الشان نعمتیں ہیں اللہ ہی کی بخشی ہوئی ہیں۔ اور زبان سے بھی اِس کا اِظہار و اِقرار کرو۔ اور اس کے نتیجے میں بندگی بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی کرو۔ اور یہی نعمتوں کی تذکیر و یاد دہانی کا مقتضیٰ ہوتا ہے۔ مگر اہلِ بدعت کو ساون کے اندھے کی طرح یہاں بھی ہریالی ہی سوجھی کہ وہ اِس سے مروجہ میلاد کے جواز پر دلیل کشید کرنے لگے۔ حالانکہ پیغمبر کی بعثت وتشریف آوری کی عظیم الشان نعمت ایسی نہیں جو سال میں ایک مرتبہ محفل منعقد کرنے یا جشن منانے کی چیز ہو بلکہ آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کو تو دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں ہر وقت پیشِ نظر رکھ کر آپ ﷺ کی سچی اطاعت و اِتباع کی ضرورت ہے۔ پھر سوال یہ ہے کہ اہلِ بدعت کا یہ انوکھا اور نرالا استدلال جس کو آج یہ لوگ اس طمطراق سے پیش کرتے ہیں آخر حضراتِ صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد تابعینِ عظام اور ائمہ مجتہدین سمیت تمام سلف صالحین میں سے کسی کو بھی کیوں نہ سوجھا؟ اور انہوں نے کیوں اس طرح نہ کبھی خود میلاد منایا اور نہ منانے کو کہا؟ سو یہ استدلال دراصل دینِ متین میں خود ساختہ اضافہ اور اِحۡدَاث فِی الدِّین ہے۔ اور یہ تحریف وتغییر کے مترادف ہے۔ جو کہ ایک جرمِ عظیم ہے۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ۔ بہرکیف حضرتِ ہودؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرح طرح کی ان نعمتوں کو یاد کر کے دل و جان سے اُس کا شکر ادا کرو تاکہ تم فلاح پاسکو۔ سو آنجناب کے اِس اِرشاد و تذکیر میں امتنان کا پہلو بھی ہے اور تنبیہ کا بھی کہ اگر ان کو یاد کر کے تم اس واہبِ مطلق کا صدقِ دل سے شکر ادا کرو گے تو وہ تم کو اپنی مزید رحمتوں اور عنایتوں سے نوازے گا۔ جس کے نتیجے میں تم لوگ فلاح پاسکو گے۔ اور اگر خدانخواستہ تم لوگ ان کی بناء پر فتنے میں پڑ کر اکڑ گئے اور اعراض و اِستکبار سے کام لیا تو پھر یاد رکھو کہ اُس کی گرفت و پکڑ بھی بہت سخت ہے۔ اپنی اسی سنت اور دستور سے حق تعالیٰ نے دوسرے مقام پر اس طرح تصریح فرمائی ﴿لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِىۡ لَشَدِيۡدٌ﴾ (ابراہیم:۷) - وَبِاللّٰهِ التوفيق لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيۡدُ - وَهُوَ الۡهَادِىۡ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيۡلِ - سبحانهٗ و تعالیٰ -

لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ

کہ ہم صرف ایک اللہ کی بندگی کریں، اور ان سب کو چھوڑ دیں جن کو پوجتے چلے آئے ہیں،

اٰبَآؤُنَا ۚ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ

ہمارے باپ دادا؟ ۹۳ پس لے آؤ تم ہم پر وہ عذاب جس کی دھمکی تم ہمیں دے رہے ہو، اگر تم

الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ

سچے ہو، کہا بے شک واقع ہو چکا ہے تم پر تمہارے رب کی طرف سے

رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ

ایک سخت عذاب اور بڑا غضب، ۹۴ کیا تم لوگ مجھ سے جھگڑتے ہو ان (بے حقیقت) ناموں کے بارے میں،

۹۳ قومِ ھود کی ہٹ دھرمی کا نمونہ:- یعنی ایسے نہیں ہو سکتا۔ یہ بات انہونی اور نا قابلِ تسلیم ہے۔ لہٰذا ہم اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اور اِس طرح ہم اپنی تاریخ و ثقافت کو ترک نہیں کر سکتے۔ افسوس کہ اس مرض کے جراثیم ہمارے آج کے اس دور اور معاشرے میں بھی جا بجا پائے جاتے ہیں اور مختلف اسالیب و عبارات کے ساتھ کہ صدیوں پہلے کی ان مورتیوں اور نشانیوں کو جو مشرک قوموں کی یادگاریں ہیں، ثقافت اور فنونِ لطیفہ جیسے پرکشش ناموں سے محفوظ رکھنے کیلئے طرح طرح کے جتن کئے جا رہے ہیں۔ اور اِس مقصد کیلئے مال و دولت اور دوسرے قومی ذرائع و وسائل کو بے دریغ لٹایا جا رہا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف حضرتِ ہود کی قوم نے اِن کو جواب دیا کہ ہم تمہاری اِن دھمکیوں سے اپنے باپ دادا اور اپنے بزرگوں کے طور طریقوں اور اُن کے دین مذہب کو چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ لہٰذا تم ہم پر وہ عذاب لے آؤ جس کی دھمکیاں تم ہمیں دے رہے ہو اگر تم سچے ہو اپنے دعووں میں۔

۹۴ انکار و تکذیبِ حق کا نتیجہ و انجام، ہلاکت و تباہی:- سو قوم کے اس مطالبے کے جواب میں حضرتِ ھود علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ بیشک واقع ہو چکا تم پر تمہارے رب کی جانب سے ایک ہولناک عذاب اور سخت غضب۔ کیونکہ کفر و شرک کی جس غلاظت و نجاست میں تم لوگ غرق ہو وہ اُس عذاب کو کھینچ لانے والی ہے۔ اور اس کا نتیجہ اور آخری انجام بہرحال ہلاکت و تباہی ہے۔ سو عاد کی اس بدبخت قوم پر ایک ایسی ہولناک آندھی کا عذاب بھیجا گیا جو ان پر سات راتوں اور آٹھ دنوں تک مسلسل لگاتار مسلط رہا۔ (سورہ الحاقۃ آیت نمبر ۶ اور ۷)۔ وہ آندھی ان لوگوں کو اس طرح اٹھا اٹھا کر پھینک رہی تھی جیسے وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہوں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف حضرتِ ھود نے اپنے اس جواب میں اُن لوگوں سے فرمایا کہ جس عذاب کا مطالبہ تم لوگ کر رہے ہو اس میں اب کچھ دیر نہیں۔ تم اس کو آیا ہی سمجھو۔ کیونکہ جس گندگی اور ناپاکی سے خدا کا عذاب بھڑکتا ہے اس کی بہت بڑی کھیپ تم لوگوں نے اپنے اوپر لاد لی ہے۔ اور "رجس" کا اتنا بڑا انبار جمع کر لینے کے بعد اب تم لوگ خدا کے صاعقۂ عذاب کو دور نہ سمجھو۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ

جن کو گھڑا ہے خود تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ؟ ف۹۵ نہیں اتاری اللہ نے

بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ

ان کے بارے میں کوئی سند، پس تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ

الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ

انتظار میں ہوں، آخر کار (عذاب آنے پر) ہم نے بچالیا، ف۹۶ ہود کو بھی، اور ان سب کو بھی جو اُن کے ساتھ تھے، اپنی

مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا

رحمت سے، اور جڑ کاٹ کر رکھ دی ہم نے ان سب کی جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو،

۹۵ معبودانِ باطلہ محض من گھڑت نام ہیں، جن کی کوئی حقیقت نہیں: - سو ایسے خود ساختہ اور بے سند معبودوں کی پوجا محض حماقت ہے۔ سو ان میں سے کسی کا نام تم نے لات رکھ دیا اور کسی کا عزّٰی و منات وغیرہ۔ اور ان کی ان لوگوں نے مختلف شکلیں اور مورتیاں بنا رکھی تھیں جیسے ہندوؤں نے گنیش، ہنومان وغیرہ مختلف ناموں سے کئی قسم کی مورتیاں تراش رکھی ہیں۔ یا جیسے اہلِ بدعت نے "بلیوں والی سرکار"، "کانواں والی سرکار" وغیرہ ناموں سے کئی سرکاریں بنا رکھی ہیں۔ اور "داتا گنج بخش" اور "غریب نواز" جیسے اَسماء و اَلقاب از خود گھڑ کر اللہ پاک کی کچھ مقدس ہستیوں کے لئے تجویز کر رکھے ہیں۔ اور کئی طرح کے آستانے بنا اور سجا رکھے ہیں۔ جہاں طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ اور اس طرح کے کاروبار چلانے کے لئے ان لوگوں نے طرح طرح کے من گھڑت قصے اور افسانے بنا اور پھیلا رکھے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ -

۹۶ حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے: - سو عذاب آنے پر ہم نے بچالیا ہود کو بھی اور آپ کے ساتھیوں کو بھی کہ بچانے والے اور حاجت روا و مشکل کشا سب کے ہم اور صرف ہم ہی ہیں۔ اور جب ہود جیسے پیغمبر اور ان کے ساتھی بھی اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی وغیرہ میں ہمارے ہی محتاج ہیں تو پھر اور کون ہو سکتا ہے جو مافوق الاسباب طور پر کسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کر سکے؟ سو حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے - سبحانہٗ و تعالیٰ - پس جن لوگوں نے اپنے طور پر طرح طرح کے حاجت روا و مشکل کشا بنا رکھے ہیں وہ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ -

وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾ ع وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ

اور وہ ایمان لانے والے نہیں تھے، ۹۷ اور ثمود کی طرف ان کے بھائی

صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

صالح ۹۸ کو بھی (ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا) انہوں نے بھی یہی کہا کہ اے میری قوم، اللہ کی بندگی کرو تم سب، کہ اس کے سوا

اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ

تمہارا کوئی معبود نہیں، بلاشبہ آ چکی تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی جانب سے، یہ

نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ

اللہ کی اونٹنی ۹۹ تمہارے لئے ایک عظیم نشانی کے طور پر (تمہارے سامنے موجود ہے) پس تم اسے کھلا چھوڑ دو کہ یہ کھاتی (چرتی)

اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

رہے، اللہ کی زمین میں، اور اس کو چھونا بھی نہیں کسی برے ارادے سے، کہ اس کے نتیجے میں آ پکڑے تم کو ایک دردناک

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَّ

عذاب، ۱۰۰ اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں جانشین بنایا قوم عاد کے بعد، ۱۰۱ اور

بَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا

تمہیں زمین میں اس شان سے بسایا کہ تم اس کے ہموار میدانوں میں عالی شان محل تعمیر

قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ

کرتے ہو، اور اس کے پہاڑوں کو تراش تراش کر تم مضبوط مکان بناتے ہو، پس یاد کرو تم لوگ

اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ

اللہ کی نعمتوں کو، اور مت پھرو تم اس کی زمین میں فساد مچاتے ہوئے، ۱۰۲ (مگر اس کے باوجود)

۹۷ حق کی تکذیب و انکار کا نتیجہ و انجام، ہلاکت و تباہی:- پس تکذیبِ حق و بے ایمانی، عذاب اور غضبِ الٰہی کو کھینچ لانے والی چیزیں ہیں۔ اور حق کی تکذیب اور انکار کا نتیجہ و انجام بہر حال ہلاکت و تباہی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ

الْعَظِیْم- سو حضرتِ ہود کے ان منکرین ومکذبین کی آخرکار جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم-

۹۸ پیغمبر اپنی قوم کا بھائی ہوتا ہے:- ''اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا''، یعنی ان کے قومی بھائی۔ سو پیغمبر اپنی قوم کا قومی بھائی ہوتا ہے۔ اور اگر قوم ایمان لے آئے تو اس قومی اخوت کے ساتھ دینی اور ایمانی اخوت بھی شامل ہو جاتی ہے۔ قرآنِ حکیم نے جا بجا ﴿اَخَاھُمْ﴾ کی تصریح فرما کر اس حقیقت کو پوری طرح اجاگر فرمایا کہ پیغمبر اپنی قوم کا بھائی ہوتا ہے۔ مگر اہلِ بدعت پھر بھی اسکو ماننے کیلئے تیار نہیں۔ اور اس بناء پر وہ اس طرح کی نصوصِ کریمہ میں طرح طرح کی تاویلات وتحریفات سے کام لیتے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اسی سورۂ کریمہ کا حاشیہ نمبر ۸۹۔ قومِ ثمود قومِ عاد کے بقایا میں سے تھی۔ ان کو عادِ ثانی بھی کہا جاتا ہے اور ان کا مسکن عرب کا شمال مغرب کا وہ علاقہ تھا جس کو ''حجر'' بھی کہا جاتا ہے- اور اسی بناء پر ''سورۂ حجر'' اس نام سے موسوم ہوئی کہ اس میں ارشاد فرمایا گیا ﴿ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ (الحجر: ۸۰) اور آج کل یہ علاقہ ''مدائنِ صالح'' کے نام سے مشہور ہے اور خیبر سے آگے واقع ہے۔ راقم نے اپنے قیامِ مدینہ کے دوران ۱۹۷۲ء میں اس علاقے کا سفر کیا تھا- وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ جَلَّ وَعَلَا-

۹۹ ﴿ناقۃ اللّٰہ﴾ کی اضافت سے مراد؟:- ﴿ناقۃ اللّٰہ﴾ کی یہ اضافت تشریف کے لئے ہے۔ جیسا کہ مسجد کو ''بیت اللہ'' کہا جاتا ہے کہ وہ اونٹنی بھی معجزۂ ونشانی کے طور پر مقرر کی گئی تھی۔ اُس کی پیدائش کے بارے میں قرآن وسنت کی نصوص میں کوئی تصریح نہیں۔ البتہ تفسیری روایات میں ہے کہ وہ سب کے سامنے ایک پہاڑی سے برآمد ہوئی تھی۔ (جامع البیان وغیرہ)۔ اور اسی بناء پر اسکو ﴿ناقۃ اللہ﴾ ''اللہ کی اونٹنی'' کہا گیا۔ کیونکہ اس کی پیدائش عام معروف طریقے پر نہیں ہوئی۔ اسی لیے وہ اللہ کی نشانی قرار پائی۔ (المراغی، المنار المحاسن وغیرہ)- والعلم عند اللہ تعالیٰ - اور علامہ ابنِ کثیرؒ جیسے بعض بڑے اور ثقہ مفسرینِ کرام نے اس بارے روایات کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ صالح کی قوم نے آپ سے مطالبہ کیا کہ اگر آپ فلاں پہاڑی سے دس ماہ کی گابھن اونٹنی نکال دکھائیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرتِ صالح نے ان سے اس کا پختہ عہد لیا کہ اگر اللہ ایسے کر دے تو وہ ضرور ان پر ایمان لے آئیں گے۔ تو جب انہوں نے اس کا پختہ قول وقرار کر لیا تو حضرتِ صالح نے نماز پڑھ کر اللہ کے حضور دعاء کی۔ تو اس پہاڑی سے دیکھتے ہی دیکھتے دس ماہ کی گابھن اونٹنی نکل آئی جس پر اس قوم کے سردار جندع ابن عمرو اور ان کے ساتھی ایمان لے آئے، دوسرے نہ لائے۔ (ابنِ کثیر، ابنِ جریر اور قرطبی وغیرہ)۔

۱۰۰ اللہ کی مقرر فرمودہ نشانی کی توہین باعثِ عذاب- والعیاذ باللہ:- پس تم اس کو برے ارادے سے چھونا بھی نہیں کہ اس کے نتیجے میں تم کو آ پکڑے ایک دردناک عذاب۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ نشانی کی اہانت وتوہین کے باعث۔ اہلِ بدعت کے ایک بڑے صاحب کا اس پر قیاس کرتے ہوئے یہ ردا لگانا کہ بزرگوں کے جنگل کی کوئی چیز استعمال کرنا نقصان دیتا ہے، قیاس مع الفارق اور محض توہم پرستی ہے۔ جسے موصوف نے قرآنِ پاک کے حواشی میں لکھ کر جہاں اپنی بدعت پرستانہ ذہنیت کا ثبوت دیا وہاں ایک سنگین تحریف کا بھی ارتکاب کیا۔ کہ ناقۂ صالح کو چھیڑنے اور تکلیف پہنچانے سے ممانعت تو نصوصِ قرآن پاک میں صریح طور پر مذکور ہے، تو کیا کسی بزرگ کے جنگل وغیرہ کی

چیزوں کے بارے میں بھی ایسی کوئی نص کہیں وارد ہوئی ہے؟ پھر جنگل کی پاکیزہ چیزوں اور وہاں کے پرندوں وغیرہ کا استعمال کرنا توہین کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے جبکہ یہ چیزیں تو خالق نے پیدا ہی اپنے بندوں کے لئے فرمائی ہیں؟، پس ایسی تاویل دراصل تفسیر نہیں بلکہ ایک ایسی تحریف ہے جو حق -سبحانہٗ وتعالیٰ- کے اِس ارشاد سے ٹکراتی ہیں ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ "پوچھوان سے کہ کس نے حرام کیا ہے، اللہ کی اُس زینت کو جس کو اس نے نکالا ہے اپنے بندوں کے لئے اور کھانے پینے کی ان پاکیزہ چیزوں کو جن کو اس نے پیدا فرمایا ہے (اپنے کرمِ بے پایاں سے)" -سبحانہٗ وتعالیٰ- بہرکیف حضرتِ صالح نے ان سے فرمایا کہ اللہ کی یہ اونٹنی تمہارے لئے ایک عظیم الشان نشانی ہے اگر تم نے اس کو کوئی گزند پہنچائی، تو اس کے نتیجے میں ایک دردناک عذاب تم کو آ پکڑے گا۔

۱۰۱ اللہ کی نعمتوں کی تذکیر و یاددہانی: -- سو تم یاد کرو اس کی نعمتوں کو۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں کا شکر اور انکی قدردانی باعثِ سرفرازی و فائز المرامی ہے۔ اُسی نے تم کو خلیفہ بنایا اس میں اپنے کرمِ بے پایاں سے طرح طرح کی نعمتوں اور سہولتوں سے نوازا۔ تاکہ تم لوگ آرام وسکون سے رہو۔ سو اللہ کی اِس زمین میں اور اپنے منعمِ حقیقی -جل جلالہٗ- کے انعامات کو پہچان کر دل وجان سے اُس کے حضور جھک جاؤ، تاکہ اس طرح تم خود اپنے لئے دارَین کی سعادت وسرخروئی کا سامان کرسکو۔ اور دنیا کی اِس عارضی اور فانی زندگی کو آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی کی کامیابی کا ذریعہ بناسکو، جو کہ اصل مقصد ہے۔ یہاں پر یہ نکتہ بھی واضح رہے کہ یہاں پر "بَعْدَ عَادٍ" "عاد کے بعد" نہیں فرمایا ﴿مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ﴾ فرمایا۔ جس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان بڑا لمبا زمانہ اور طویل فاصلہ حائل تھا۔ (محاسن التاویل)۔ بہرکیف اِس ارشادِ ربانی میں یہ درسِ عظیم ہے کہ اللہ پاک کی بخشی ہوئی نعمتوں کا شکر اور انکی قدردانی دارَین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی اور فائز المرامی کا ذریعہ ہے- وباللہ التوفیق- سو جو لوگ اِس حقیقت سے غافل وبے بہرہ ہیں وہ بڑے محروم اور بدنصیب ہیں۔ اور جو اُس واہبِ مطلق کی بجائے اوروں کا شکر ادا کرتے ہیں اور ان کو خداوندِ قدوس کی اس عطاء وبخشش میں شریک جانتے ہیں وہ بڑے ظالم اور بے انصاف لوگ ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ-

۱۰۲ زمین میں فساد مت مچاتے پھرو: -- اس کی عبادت وبندگی سے منہ موڑ کر اور کفر وشرک اور معاصی وذنوب کا اقتراف وارتکاب کرکے۔ کہ یہی چیز اصل میں فتنہ وفساد اور خرابی وبگاڑ کی جڑ بنیاد ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- سو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اسکے حقِ عبادت کی ادائیگی اور اسکی بے چون وچرا اطاعت وفرمانبرداری اس زمین کی آبادی اور اسکی خیر وبرکت کا ذریعہ ووسیلہ ہے۔ اور اِس سے اِعراض وروگردانی فساد اور خرابی کا باعث- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف حضرتِ صالح نے اپنی قوم کو شکرِ نعمت کی تلقین کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو یاد کرو کہ اُس نے تمہیں قومِ عاد کی ہلاکت وتباہی کے بعد اپنی اس زمین میں جانشین بنایا اور تمہیں اس شان واہتمام سے اس میں بسایا کہ تم اس کے ہموار میدانوں میں طرح طرح کے محل بناتے ہو اور اس کے پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں گھر بناتے ہو۔ سو اُس واہبِ مطلق کی بخشی ہوئی ان عظیم الشان نعمتوں کو یاد کرکے اس کے لئے سراپا شکر وسپاس بن جاؤ اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو صدقِ دل سے قبول کرکے تم اس کی اطاعت وبندگی کرو۔ اور اس سے منہ موڑ کر اس کی زمین میں فساد مچاتے مت پھرو۔

الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ

آپ کی قوم کے ان سرداروں نے جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا تھے، ان میں کے کمزور

اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ

سمجھے جانے والے ان لوگوں سے جو کہ ایمان لا چکے تھے کہا کیا واقعی تم لوگ یقین رکھتے ہو کہ

صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ

صالح کو بھیجا گیا ہے ان کے رب کی طرف سے؟ ۱۰۳ انہوں نے جواب میں کہا کہ بے شک ہم ایمان رکھتے ہیں

۱۰۳ منکرین کا اہلِ حق سے تمسخر و استہزاء:- سو یہ اُن منکرین و مکذبین کا حضرتِ صالح کے ایماندار ساتھیوں سے تمسخر و استہزا یعنی ان لوگوں کا اہلِ ایمان سے یہ سوال تمسخر و استہزاء کے طور پر تھا، نہ کہ جاننے اور معلوم کرنے کے لئے۔ کیونکہ اُن کو اِس کا بخوبی علم تھا کہ یہ لوگ سچا پکا ایمان رکھتے ہیں۔ اسی لئے اہلِ ایمان نے ان کے جواب میں "نعم" یا اس طرح کا کوئی اور لفظ نہیں بولا، حالانکہ یہ مختصر تھا۔ بلکہ ان کو جملہ اسمیہ کی صورت میں اور حرفِ تاکید کے ساتھ مؤکد جواب دیا کہ ہم تو قطعی طور پر ان پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے اور اسکے سچے رسول ہیں۔ پس پوچھنے کی بات یہ نہیں کہ وہ رسول ہیں یا نہیں، کہ یہ امر تو قطعی اور یقینی ہے۔ بلکہ پوچھنے کے لائق بات یہ ہے کہ ان پر ایمان کیوں نہ لایا جائے؟ تو سوال تم سے کیا جانا چاہیئے کہ تم ان پر ایمان نہیں لاتے نہ کہ ہم سے جو کہ اس ایمان و یقین سے مشرف و سرشار ہیں- سبحان اللہ! -ایمان کی قوت اِنسان کو کیسا فولاد بنا دیتی ہے اور اس سے وہ کیسے سکون و اطمینان سے سرشار ہو جاتا ہے؟۔ اور اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے دین اور دین والوں کا مذاق اور ان سے تمسخر و استہزاء محرومی کا باعث ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - بہرکیف ان منکرین و متکبرین کا اہلِ ایمان سے یہ سوال بطورِ تعجب و استنکار تھا کہ تم کیسے کم عقل اور بدھو لوگ ہو جو اس شخص کو خدا کا رسول سمجھ بیٹھے ہو۔ لیکن اہلِ ایمان کا جواب اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر تھا کہ یہی نہیں ہم حضرتِ صالح کی نبوت و رسالت پر ایمان رکھتے ہیں، بلکہ ہم اس سے آگے بڑھ کر ہم اُن کی اس دعوت اور پیغام پر بھی ایمان رکھتے ہیں جس کے ساتھ ان کو بھیجا گیا ہے۔ اور جس سے تم جیسے منکروں کو اصل چڑ ہے۔ سو انہوں نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر صاف اور صریح طور پر اس طرح حق کا اعلان کر دیا اور اینٹ کا جواب پتھر سے دے کر واضح کر دیا کہ اب وہ حق کے معاملے میں کسی سے ڈرنے والے نہیں اور نہ ہی اس ضمن میں کسی کے آگے دبنے اور جھکنے والے ہیں۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے قوت اور لذتِ ایمانی سے سرشاری کا - وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ -

بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ

اس پر جس کے ساتھ ان کو بھیجا گیا ہے، ۱۰۴ اس پر اپنی بڑائی کا گھمنڈ رکھنے والے ان لوگوں نے کہا کہ ہم تو

اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا

قطعی طور پر منکر ہیں اس کے جس پر تم لوگ ایمان رکھتے ہو، ۱۰۵ پھر (اپنی اصلاح کرنے کی بجائے) انہوں نے ہلاک کر ڈالا اس

عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ

اونٹنی کو، اور سرکشی کی انہوں نے اپنے رب کے حکم سے، اور وہ (نہایت بے باکی سے) کہنے لگے کہ اے صالح! لے آؤ تم ہم پر وہ

۱۰۴ فراستِ ایمانی قدرت کا ایک عظیم الشان اور بے مثل عطیہ و احسان ہے: - اہلِ ایمان کے اس جواب سے ایک طرف، تو اُن کی فراستِ ایمانی کا پتہ چلتا ہے اور دوسری طرف اس جواب کے کمالِ جامعیت و ایجاز کا کہ حضرتِ صالح - علیہ الصلوٰۃ والسلام - اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ بلکہ وہ تو اس پیغام کو پہنچا رہے ہیں جس کو دے کر انہیں انکے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ اور جب وہ پیغام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اس پر ایمان لانا تو عقل و فطرت کا بدیہی تقاضا ہے۔ اور پھر اگرچہ تمہیں چڑ دراصل اسی پیغام سے ہے لیکن ہم اس کے علی الرغم کہتے ہیں کہ ہم اس پر دل و جان سے ایمان رکھتے ہیں۔ تم اگر اس پر جلتے ہو تو جلتے رہو ﴿مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ﴾ سو قوت اور فراستِ ایمانی قدرت کی ایک عظیم الشان اور بے مثال عنایت ہے جس سے وہ مومنِ صادق کو اپنے کرمِ بے پایاں سے نوازتا ہے اور جس سے اس کیلئے فوز و فلاح کی راہیں ہموار ہو جاتی ہیں۔ اور نشانِ راہ واضح ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور اسکے دل و دماغ ایسے روشن ہو جاتے ہیں کہ اسکی زبان سے حق بات ہی نکلتی ہے اور اس سے حکمت و دانش کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔ اللہ نصیب فرمائے اور راہِ حق و ہدایت پر ہمیشہ مستقیم و ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

۱۰۵ عناد اور ہٹ دھرمی محرومی کی جڑ بنیاد - والعیاذ باللہ: - یعنی اگرچہ تمہاری اس معقول بات کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں لیکن ہم نے ماننا پھر بھی نہیں۔ سو یہ ہے اس ضد و عناد کا نمونہ جو انسان کی اپنی بڑائی کے جھوٹے گھمنڈ اور زعم کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔ اور جس سے انسان دلائلِ حق کے سامنے لاجواب ہو جانے کے باوجود حق کو ماننے اور قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اور یہ چیز محرومیوں کی محرومی اور خرابی و فساد کی جڑ بنیاد ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو قومِ صالح کے ان منکر کھڑ پنچوں نے ان مومنین صالحین سے کہا کہ تم نے اگر صالح کو رسول مان لیا اور ان کی دعوت کو قبول کر لیا تو کرتے رہو۔ ہم تو بہر حال اور کسی بھی قیمت پر ان کو ماننے والے نہیں اور اس کا صاف انکار کرتے ہیں۔ سو یہ ان منکرین و متکبرین کی جھنجھلاہٹ کا آخری اظہار تھا جو انہوں نے اس موقع پر کیا۔

إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٧٧﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

عذاب جس کی دھمکی تم ہمیں دے رہے ہو، اگر تم واقعی رسولوں میں سے ہو، ۱۰۶ آخر کار آپکڑا ان لوگوں کو اس (ہولناک) زلزلے نے

فَأَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٧٨﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ

جس سے یہ لوگ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے ۱۰۷ پھر صالح ان سے منہ موڑ کر چلے گئے، اور

۱۰۶ قومِ صالح کے منکروں کی طرف سے عذاب کا مطالبہ: - یہ ضد وعناد اور ہٹ دھرمی اور بدبختی کی وہ آخری انتہاء ہے جس کے بعد ایسے لوگوں کو اُن کا وہ آخری انجام آ پکڑتا ہے جس کا مستحق انہوں نے اپنے آپ کو اپنے عمل وکردار کی بناء پر بنا لیا ہوتا ہے۔ اور ایسا کہ پھر ان کیلئے اُس گرفت و پکڑ سے بچ نکلنے کی کوئی صورت ممکن نہیں رہتی۔ سو عناد اور ہٹ دھرمی ایک ایسا ہولناک مرض ہے جو انسان کو لاپرواہ اور اندھا اور اوندھا بنا دیتا ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -اور اس طرح کے لوگ عذاب سے بچنے کی فکر وکوشش کی بجائے اس کے لانے کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو قومِ صالح کے ان منکر متکبروں نے اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ کر اس کو ہلاک کر ڈالا اور حضرت صالح سے کہا کہ لے آؤ ہم پر وہ عذاب جس کی دھمکی تم ہمیں دے رہے تھے۔ سو ان پر اس کے تین ہی دن بعد وہ عذاب آ کر رہا جس نے ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی اور ان کو قصۂ پارینہ بنا کر رکھ دیا گیا-- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ-

۱۰۷ قومِ صالح کے عذاب کی حقیقت اور نوعیت؟: - سو دعوتِ حق کے انکار اور اسکی تکذیب کا نتیجہ وانجام بہرحال ہلاکت وتباہی ہے۔ اس لئے اس بدبخت قوم پر آخرِ کار عذاب آ کر رہا۔ سو اس حرفِ "فاء" کے نیچے گویا کہ اِن کی پوری داستان سمٹی ہوئی موجود ہے کہ حضرتِ صالح -علیہ الصلوٰۃ والسلام- کی عمر بھر کی تعلیم وتلقین کے باوجود جب وہ بدبخت اور نابنجار قوم نہ مانی اور وہ اپنے کفر وانکار اور تکذیب وہٹ دھرمی ہی پر اڑی رہی تو آخرِ کار اُن پر وہ آخری عذاب آ کر رہا جو ان کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ اور جس سے ان کے وجود کو ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو دعوتِ حق کی تکذیب اور انکار کا آخری نتیجہ وانجام بہرحال ہلاکت وتباہی اور دائمی خسارہ ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اس بدبخت قوم کے عذاب کے لئے یہاں پر ﴿رَجْفَه﴾ کا لفظ آیا ہے جس کے معنیٰ "شدت کی حرکت"، "تھرتھراہٹ" اور "کپکپی" کے آتے ہیں۔ اسی لئے عام طور پر اس کا ترجمہ "زلزلہ" ہی کیا جاتا ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ عذاب زلزلے ہی کا ہو، بلکہ یہ محض اس عذاب کی شدت اور ہولناکی کی ایک تعبیر ہے۔ کیونکہ اس عذاب میں شدت اور ہولناکی کے کئی پہلو تھے۔ اسی لئے دوسرے مقام پر اس کے لئے ﴿صَيْحَه﴾ کا لفظ آیا ہے جسکے معنیٰ "سخت ڈانٹ" اور "انتہائی ہولناک آواز" کے آتے ہیں۔ ایک اور جگہ اس کے لئے "صَاعِقَه" کا لفظ آیا ہے جس کے معنیٰ "کڑکے" کے آتے ہیں۔ ایک اور جگہ اس کو ﴿طَاغِيَه﴾ کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ سو یہ اس عذاب کی شدت اور ہولناکی کا بیان واظہار ہے۔

قَالَ يٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسَالَةَ رَبِّىۡ وَنَصَحۡتُ لَـكُمۡ

کہا اے میری قوم! میں نے تو پہنچا دیا تھا تم کو پیغام اپنے رب کا، اور پوری خیر خواہی کی تھی تمہارے لئے،

وَلٰـكِنۡ لَّا تُحِبُّوۡنَ النّٰصِحِيۡنَ ﴿۷۹﴾ وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ

مگر تم لوگ ہو کہ تم پسند ہی نہیں کرتے اپنے خیر خواہوں کو، ف۱۰۸ اور لوط کو بھی (ہم نے بھیجا، چنانچہ یاد کرو کہ) جب انہوں نے کہا

اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمۡ بِهَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ

اپنی قوم سے، ف۱۰۹ کہ کیا تم لوگ ارتکاب کرتے ہو ایسی بے حیائی کا جس کا ارتکاب تم سے پہلے دنیا میں کسی نے

الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ شَهۡوَةً مِّنۡ دُوۡنِ

نہیں کیا، ف۱۱۰ تم لوگ مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو، عورتوں کو

۱۰۸ تکذیب وانکارِ حق کا نتیجہ دائمی ہلاکت وتباہی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ:- حضرات انبیاء ورسل کی تکذیب عذاب خداوندی کو دعوت دینا ہے۔ سو حضرتِ صالح کے اس خطاب میں اظہار افسوس بھی ہے اور اس حقیقت کا بیان بھی کہ ان سچے خیر خواہوں کی بات کو نہ ماننا جو اللہ پاک کی وحی والہام کی بنیاد پر خیر خواہی کا یہ فریضہ انجام دیتے ہیں، اپنی تباہی کو دعوت دینا ہوتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور ان کی دعوت کی تصدیق اور اس کے اپنانے میں دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا سامان ہے - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ - وَهُوَ الْهَادِىْ اِلٰى سَوَاءِ السَّبِيْلِ -

۱۰۹ پیغمبر کی زندگی میں اصل چیز انکی دعوت ہوتی ہے:- یعنی یہاں بھی آغازِ کلام دعوت وتبلیغ کے عمل اور اسکے ذکر سے کیا گیا ہے نہ کہ ولادت ومیلاد کے تذکرے سے۔ کہ اصل چیز دعوت وتبلیغ ہی ہے نہ کہ میلاد وغیرہ رسوم ورواج کی پابندی کرنا۔ جیسا کہ آج کل کے اہلِ ھویٰ کرتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو پیغمبر کی اصل میلاد انکی روحانی میلاد ہوتی ہے جو کہ انکی بعثت ونبوت سے شروع ہوتی ہے، نہ کہ محض جسمانی میلاد۔ اسی لئے قرآنِ حکیم میں حضرات انبیاء ورسل کے قصوں کے ذکر وبیان کے سلسلے میں کسی ایک پیغمبر کی بھی ولادت سے ان کے قصے کو شروع نہیں فرمایا گیا، بلکہ ان کی نبوت ورسالت اوران کی دعوت وتبلیغ سے آغاز فرمایا گیا سوائے ایک دو قصوں کے۔ ان کی خاص اور استثنائی شان کی وجہ سے۔

۱۱۰ قومِ لوط خلافِ وضعِ فطری فعل کی موجد:- لوط نے ان سے کہا کہ تم لوگ ایسے فعل کا ارتکاب کرتے ہو جس کا ارتکاب تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا۔ یعنی اس فعلِ خبیث کے موجد اور بانی تم ہی لوگ ہو۔ (جامع البیان)۔ تم سے پہلے مِنْ حَيْثُ الْقَوْم اس کا ارتکاب کسی نے نہیں کیا۔ مگر دورِ حاضر میں ترقی اور دانشوری کا دعویٰ رکھنے والے برطانیہ نے ابھی کچھ ہی سال قبل باضابطہ طور پر اور تالیوں کی گونج میں اپنی پارلیمنٹ میں بھاری اکثریت سے اس خلافِ فطرت فعل کے حق میں قرار داد پاس کر کے اس کو قانونی جواز دے دیا کہ مرد مرد سے بدکاری کر سکتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف قومِ لوط سے پہلے اس فعلِ خبیث کا ارتکاب دنیا بھر میں کسی نے نہیں کیا تھا، بلکہ یہی بدبخت قوم اس منحوس فعل کی موجد تھی۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر اور المنار وغیرہ)۔

النِّسَآءِ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوۡمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا

چھوڑ کر؟ ۱۱۱ (اور یہ کسی دھوکہ یا مغالطہ سے نہیں) بلکہ تم تو ہو ہی حد سے گزرنے والے لوگ، ۱۱۲ اور آپ کی قوم کا جواب بھی اس کے سوا کچھ نہ تھا، کہ انہوں

اَخۡرِجُوۡهُمۡ مِّنۡ قَرۡيَتِكُمۡ ۚ اِنَّهُمۡ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ

نے چھوٹتے ہی کہا کہ نکال باہر کرو ان کو اپنی بستی سے، کہ بڑے پاکباز بنتے ہیں یہ لوگ، ۱۱۳ پھر (عذاب آنے پر) ہم نے بچا لیا لوط کو اور ان

۱۱۱ **قومِ لوط کے قومی اور اجتماعی بگاڑ کا مظہر:-** جن کو حضرت حق - جل شانہ - نے پیدا ہی اسی غرض کیلئے فرمایا ہے اور جو عقل و فطرت کا عین مقتضیٰ ہے۔ تو تمہاری عقل و فطرت کس درجہ مسخ ہو چکی ہے کہ تم لوگ فطری طریقے کو چھوڑ کر اِس خلافِ فطرت فعل کا ارتکاب کرتے ہو، جس کا ارتکاب کوئی حیوان اور جانور بھی نہیں کرتا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو یہ فسادِ مزاج اور خرابی عقل کا ایک کھلا ثبوت ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو ﴿مِنْ دُوْنِ النِّسَآءِ﴾ یعنی تم لوگ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو کے یہ الفاظ اُس قلبِ ماہیت کو ظاہر کرتے ہیں جو ایسے لوگوں کی طبیعتوں کے فساد و بگاڑ کا لازمی نتیجہ ہے۔ سو ایسے مفسد لوگوں کی طبیعتیں الٹی اور اوندھی ہو جاتی ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ -

۱۱۲ **''اِسراف'' یعنی حد سے بڑھنا خرابی اور فساد کی جڑ بنیاد:-** اور یہی جڑ بنیاد ہے خرابی اور تباہی کی کہ انسان حد سے نکل جائے - والعیاذ باللہ - سو اپنے خالق و مالک کی قائم فرمودہ حدوں کے اندر رہنے اور ان کی حفاظت و پاسداری کرنے ہی میں امن و عافیت اور سلامتی دارین ہے۔ اور اسی میں بھلا اور فائدہ ہے انسان کا، اَفراد کی صورت میں بھی اور پورے اجتماعی معاشرے کیلئے بھی - وباللہ التوفیق - سو اِرشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اپنی حدوں سے بڑھنے والے اور مسرف لوگ ہو اور تمہارے اس اِسراف اور فسادِ طبیعت کے باعث اور اس کے نتیجے میں تمہاری تخلیقی قوت بے محل صرف ہو کر ضائع ہو رہی ہے۔ اور اس طرح بنجر اور کلر زمین کو پانی دیا جا رہا ہے اور کھیتیاں خشک ہو رہی ہیں۔

۱۱۳ **اعراض و استکبار باعثِ ہلاکت و تباہی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ:-** سو اعراض و اِستکبار یعنی اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں حق سے منہ موڑنا دائمی ہلاکت و تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ اسی بناء پر قومِ لوط نے ایسے کہا اور یہ وہی متکبرانہ جواب ہے جو اس طرح کی شامت زدہ قوموں اور ان کے گمراہ لیڈروں کا وطیرہ ہوتا ہے اور اس طرح کے جواب سے وہ گویا کہ اپنے آخری اور حتمی فیصلے کے مطالبے پر آخری دستخط کر لیتے ہیں اور اپنے قول و فعل سے واضح کر دیتے ہیں کہ اب ان کے اندر خیر کی کوئی رمق باقی نہیں رہی اور اب ان لوگوں کا وجود اللہ کی دھرتی پر ایک ناروا بوجھ بن گیا ہے جس کو کچرے کے ڈھیر کی طرح ہمیشہ کیلئے دفن کر دیا جانا چاہیئے کہ اب ان سے آگے مزید فاسد عناصر جنم لیں گے، جنکی نجاست سے اللہ کی دھرتی اور ناپاک ہوگی۔ سو جن لوگوں کی مت ماردی جاتی ہے اور ان کی فطرت مسخ اور عقلیں اوندھی اور الٹی ہو جاتی ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اُن کا حال یہی ہو جاتا ہے کہ کسی ناصح کی نصیحت اور حق و ہدایت کی کوئی بات ان میں اثر نہیں کرتی، خواہ وہ کوئی پیغمبر ہی کیوں نہ ہو۔ اور ایسے لوگ ایسے پاکیزہ صفت انسانوں کے وجود کو بھی اپنے درمیان برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ اور وہ اس طرح اعلانیہ اور کھلم کھلا ایسے پاکیزہ عناصر کو اپنے اندر سے نکال باہر کرنے کا اعلان کر دیتے ہیں تاکہ پیچھے صرف گندہ رہ جائے جس کو دہکتی بھڑکتی آگ کے الاؤ میں جھونک کر بھسم کر دیا جائے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

إِلَّا امْرَأَتَهُ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِينَ ﴿٨٣﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَانظُرْ

کے اہل کو، سوائے ان کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگئی، اور برسائی ہم نے ان پر ایک بڑی ہولناک بارش،

كَيْفَ كَانَ عٰقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٨٤﴾ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ

پس تم دیکھو کہ کیسا ہوا انجام مجرموں کا؟ ۱۱۴ اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، ۱۱۵

۱۱۴ مکافاتِ عمل قدرت کا ایک اٹل قانون و دستور: - سو مکافاتِ عمل قدرت کا اٹل قانون ہے۔ اس لئے ہر شخص نے اپنے کیے کرائے کا بدلہ بہرحال پانا ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ اور یہ خداوندِ قدوس کے اٹل قانون اور بے لاگ فیصلے کا ایک اور مظہر ہے کہ مجرم اپنے کیئے کا بدلہ بہرحال پا کر رہے گا، خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ اور اپنے ایمان و عمل سے محرومی کی صورت میں اس کو نہ کسی کی کوئی دوستی کام آئے گی نہ کسی کی قرابت و رشتہ داری۔ اگرچہ وہ کسی نبی کی بیوی ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے لوط اور نوح کی بیوی یا کسی پیغمبر کا باپ ہی کیوں نہ ہو جیسے آزر حضرتِ ابراہیم کے والد۔ یا کسی کا حقیقی بیٹا ہی کیوں نہ ہو، جیسے کنعان بیٹا نوح کا۔ یا کسی کا سگا چچا ہی کیوں نہ ہو، جیسے ابوطالب عمِّ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - نیز یہ واقعات کھلا اور قطعی ثبوت ہیں اس بات کا کہ حضراتِ انبیائے کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - مختارِ کل نہیں ہوتے کہ جو چاہیں کریں۔ جیسا کہ دورِ حاضر کے کلمہ گو مشرکوں کا شرکیہ عقیدہ ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - ورنہ اگر حضراتِ انبیائے کرام مختارِ کل ہوتے تو نہ ان کے ایسے قریبی رشتہ دار حق و ہدایت کی دولت سے محروم رہتے اور نہ وہ اپنے کفر و انکار کے نتیجے میں نارِ جہنم کا ایندھن بننے والے بدبختوں میں شامل ہوتے۔ اور نہ ہی حضرتِ لوط کی بیوی جس کی ہلاکت و تباہی کا یہاں پر ذکر و بیان فرمایا جا رہا ہے وہ کافروں سے مل کر ان کی ایجنٹی اور مخبری کرتی۔ اور اس سب کے نتیجے میں بالآخر وہ اس ہولناک انجام سے دوچار ہوئی۔ سو مختارِ کل اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے جس کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہر چیز کی باگ ڈور ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ -

۱۱۵ پیغمبر کی زندگی کا اصل مرحلہ دعوت و تبلیغِ حق: - یہ اسی حقیقت کا اعادہ و تکرار ہے جو کئی بار بیان ہو چکی ہے کہ اصل چیز دعوت و تبلیغ کا کام ہے نہ کہ ولادت و میلاد کا ذکر و بیان۔ اور اس نام سے ان حضرات کے ایامِ ولادت پر جشن منانا۔ اسی لیے ہر پیغمبر کا ذکر اسکی بعثت اور دعوت کے مرحلے سے ہی شروع ہوتا ہے اور انکی ولادت و میلاد وغیرہ کا کہیں کوئی ذکر نہیں کیا جاتا۔ نیز یہ کہ پیغمبر کو اپنی امت کا بھائی کہنا منع نہیں۔ جیسا کہ بعض برخود غلط لوگوں کا کہنا ہے۔ کہ اس آیتِ کریمہ میں اور اس جیسی متعدد آیاتِ کریمہ میں حضراتِ انبیائے کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - کو ان کی قوموں کا بھائی فرمایا گیا ہے کہ پیغمبر اپنی قوم کا اس اعتبار سے بھائی ہی ہوتا ہے۔ اور اگر وہ قوم ایمان لے آئے تو پھر اس قومی اخوت کے ساتھ دینی اور ایمانی اخوت بھی جمع ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد پیغمبر اپنی قوم کا دینی اور ایمانی بھائی بھی بن جاتا ہے۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے قومِ مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو رسول بنا کر بھیجا"۔ اور مدین کے یہ لوگ ایک اہم تجارتی سنگم پر واقع تھے۔ اس لئے انہوں نے تجارت میں بہت ترقی کی اور بڑا نام کمایا۔ اور پھر دوسری مختلف بیماریوں کے علاوہ یہ لوگ ناپ تول میں کمی کے روگ میں مبتلا ہو گئے۔

قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ قَدۡ

انہوں نے بھی یہی دعوت دی کہ اے میری قوم! تم اللہ ہی کی بندگی کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، بلاشبہ

جَآءَتۡكُمۡ بَيِّنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَ

آ چکی تمہارے پاس، ایک روشن دلیل، ۱۱۶ تمہارے رب کی جانب سے، پس تم پورا کرو ماپ اور

الۡمِيۡزَانَ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تُفۡسِدُوۡا

تول کو، اور کم کر کے نہ دو لوگوں کو ان کی چیزیں، اور فساد مت پھیلاؤ تم لوگ ۱۱۷

۱۱۶ پیغمبر کا وجود ایک دلیلِ روشن:- پیغمبر کا وجود بذاتِ خود ایک "بینۃ" اور "روشن دلیل" کی حیثیت رکھتا ہے کہ وہ اپنی پاکیزہ زندگی کے علاوہ اللہ پاک کی طرف سے ایسی ٹھوس اور واضح تعلیمات لے کر آتا ہے جو حق کو باطل سے اور صحیح کو غلط سے بالکل الگ کر کے اور نکھار کر رکھ دیتی ہیں۔ نیز ان کی نبوت و رسالت بھی معجزات و دلائل کے ذریعے قطعی طور پر واضح ہو جاتی ہے۔ اس لیے بعض نے کہا کہ یہاں پر "بینۃ" سے مراد خود پیغمبر کی ذات اور اُن کی بعثت اور تشریف آوری ہے۔ کیونکہ اسکے سوا کسی اور معجزے کا اس بارے کوئی ذکر موجود نہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرتِ شعیب کو اور کوئی معجزہ دیا گیا ہو لیکن اس کا ذکر نہ فرمایا گیا ہو۔ آخر قرآنِ پاک میں سب انبیائے کرام کے تمام معجزات تھوڑے ہی ذکر فرمائے گئے ہیں۔ (المراغی، المحاسن وغیرہ)۔

۱۱۷ اللہ کی زمین میں فساد مت پھیلاؤ:- کفر و شرک کا ارتکاب کر کے اور اللہ کی مقرر کردہ حدوں کو توڑ کر کہ اللہ پاک کی مقرر فرمودہ حدود کو توڑنا اور ان کو پھلانگنا اور اللہ کے دین سے منہ موڑ کر کفر و شرک میں مبتلا ہونا، فتنہ و فساد اور خرابی و دمار کی جڑ بنیاد ہے۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ۔ جبکہ اللہ پاک نے اس زمین کو ایسا بنایا کہ یہ مخلوق کی تمام ضرورتوں کی کفیل اور ان کی بود و باش کیلئے نہایت صالح اور عین مناسب ہے۔ سو ایسے میں اس میں فساد و بگاڑ بہت برا اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے یکسر منافی ہے۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ بہر کیف اللہ تعالیٰ جب قائم بالقسط ہے اور اس نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے آسمان و زمین کی اس عظیم الشان اور حکمتوں بھری کائنات کو نہایت پرحکمت توازن اور ایک عظیم الشان میزان پر قائم فرمایا ہے تو وہ اپنے بندوں سے بھی یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے دائرۂ اختیار میں اپنا نظامِ عمل اور اپنا تعاملِ باہمی عدل و انصاف اور وزن و قسط پر قائم کریں اور اس کے تقاضوں کی پوری رعایت رکھیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَوَضَعَ الۡمِيۡزَانَ ۔ اَلَّا تَطۡغَوۡا فِي الۡمِيۡزَانِ ۔ وَاَقِيۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تُخۡسِرُوا الۡمِيۡزَانَ﴾ (الرحمٰن: ۷-۹) سو جس طرح آسمان و زمین کے میزان میں اگر پل بھر کے لئے خلل آ جائے تو زمین و آسمان کی یہ ساری کائنات درہم برہم ہو جائے، تو اسی طرح اگر بندے اپنے دائرۂ اختیار میں ناپ تول میں خلل اور کمی بیشی سے کام لیں گے تو پورا نظامِ عدل و انصاف مختل ہو جائے گا۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو حضرتِ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو اسی حقیقت کی تذکیر و یاد دہانی کراتے ہوئے ناپ تول میں کمی سے منع فرمایا اور ان کو بتایا کہ یہ چیز زمین کے لئے فساد و بگاڑ ہے۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔

فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن

(اللہ کی) زمین میں، اس کی اصلاح کے بعد، ف۱۱۸ یہی (جو کچھ میں کہہ رہا ہوں) بہتر ہے تمہارے لئے اگر

كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٨٥﴾ وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ

تم لوگ ایماندار ہو، ف۱۱۹ اور مت بیٹھو تم لوگ راستوں پر

تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ

ڈرانے کو، اور اللہ کی راہ سے روکتے ہوئے، ان لوگوں کو جو اس پر

بِهِ وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ كُنتُمْ

ایمان لائے ہیں، ف۱۲۰ اور اس میں کجی تلاش کرتے ہوئے، ف۱۲۱ اور یاد کرو کہ جب تم

قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ ۖ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

تھوڑے سے تھے، پھر اللہ نے تمہیں زیادہ کر دیا ف۱۲۲ اور (آنکھیں کھول کر) دیکھو کہ کیسا ہوا انجام

۱۱۸ زمین کی صلاح سے مراد؟:- یہ کہ حضرتِ خالق - جل مجدہٗ - نے ایک طرف تو اس کرۂ ارضی کو پیدا ہی ایسے حکیمانہ اصولوں پر فرمایا ہے جو کہ اس پر زندگی گزارنے والی گوناگوں مخلوق کی طبیعت و فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اور دوسری طرف اس نے اپنے انبیاء و رسل کی بعثت و رسالت اور اُن پر اتاری جانیوالی تعلیماتِ مقدسہ کے ذریعے اس پر بود و باش کے ایسے صحیح اور مستحکم طور طریقوں کی تعلیم دی جو کہ امن و سلامتی کے ضامن وکفیل ہیں۔ (المراغی، المحاسن، الصفوۃ وغیرہ)۔ سو دینِ حق کی تعلیماتِ مقدسہ سے منہ موڑنا فساد اور خرابی ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے، تسلیم کرے یا نہ کرے، حق اور حقیقت بہر حال یہی ہے۔ اور امن و سلامتی کی راہ اِس دینِ حق سے وابستگی ہی میں مضمر ہے، جس کو اللہ پاک نے لوگوں کی ہدایت و اِصلاح کیلئے نازل فرمایا ہے۔ سو جیسا کہ ابھی اوپر کے حاشیے میں گزرا، آسمان و زمین کی اس کائنات کا نظام عدل و قسط اور میزان پر قائم ہے، اسی طرح اس زمین کا نظامِ معیشت و معاشرت عدل و انصاف پر قائم ہے۔

۱۱۹ ایمان ویقین کا تقاضا، پیغمبر کی پیروی و اِتباع:- کہ ایمان وعقیدہ کا تقاضا یہی ہے۔ نیز تمہارے ایمان کی بدولت اس کا فائدہ تمہیں دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں بھی۔ جبکہ کافر کے لئے صرف یہ دنیا ہی دنیا ہے اور بس۔ سو ایمان ویقین کے دعوے کا تقاضا یہ ہے کہ پیغمبر کے اِرشادات اور اِن کی تعلیمات کو صدقِ دل سے اپنایا جائے اور ہر حال میں انکی پیروی اور اتباع کی جائے - وباللہ التوفیق - پس تم لوگ اگر اپنے دعوٰی ایمان میں سچے ہو تو فساد و بگاڑ

کی روش کو چھوڑ کر اصلاحِ احوال کے اس طریقے کو اپناؤ جس کی دعوت میں تمہیں دیتا ہوں۔

۱۲۰ راہِ حق سے روکنا اہلِ باطل کا پرانا طریقہ و وطیرہ: ۔ روایات کے مطابق وہ لوگ راستوں پر بیٹھ کر دوسروں کو حضرتِ شعیب تک پہنچنے سے روکتے اور انہیں طرح طرح کی دھمکیاں دیتے تھے۔ اس لئے ان کو اس فعلِ شنیع سے روکا اور منع کیا گیا۔ (جامع البیان، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ سو دینِ حق اور دعاۃِ حق سے روکنا اہلِ کفر و باطل کا پرانا طریقہ ہے جو جب سے اب تک جوں کا توں موجود ہے۔ اور اسکے مظاہر آج بھی جگہ جگہ اور طرح طرح سے نظر آتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف حضرتِ شعیب نے اپنی قوم کے ان کھڑپنچوں اور متکبر سرداروں کے ضمیروں کو دستک دیتے ہوئے ان سے فرمایا کہ تم لوگ اپنی اس طرح کی معاندانہ اور سرکشانہ سرگرمیوں کو ترک کر کے راہِ حق و ہدایت کو اپناؤ۔ غنڈہ گردی کے ان طور طریقوں سے باز آجاؤ اور ایمان کے نور سے منور ہو جانے والے ان سچے اور مخلص مسلمانوں کو ڈرانے دھمکانے کی روش کو چھوڑ دو اور ان بندگانِ صدق و صفا کے درپے آزار ہو کر اپنی محرومی اور بدبختی کی سیاہی کو اور پکا مت کرو۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔

۱۲۱ راہِ حق میں کجی تلاش کرنا اہلِ باطل کا ایک اور قدیم حربہ۔ والعیاذ باللہ: ۔ طرح طرح کے شکوک و شبہات ڈال کر۔ اور یہی طریقۂ واردات اہلِ باطل کا ہمیشہ رہا ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ اور وہ اہلِ حق کے خلاف انہی ہتھیاروں سے کام لیتے ہیں ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اور اس طرح ایسے لوگ دوسروں کو راہِ حق سے محروم کر کے ضلال اور اِضلال کے دونوں جرموں کا ارتکاب کرتے اور اپنے لیے دوہری اور ڈبل محرومی کا سامان کرتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اور اللہ کی راہ سے مراد توحید کی راہ ہے کہ یہی انسان کی فطرت ہے۔ یہی راہ انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرنے والی راہ ہے اور اسی پر چل کر انسان اپنے خالق و مالک کی جانبِ اقدس و اعلیٰ تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ اور اس راہ میں کجی تلاش کرنے کا مطلب اس کو شرک کی پگڈنڈیوں کی طرف موڑنا اور لوگوں کو توحیدِ خداوندی کی راہِ راست سے ہٹا کر گمراہی کے راستوں پر ڈالنا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۲۲ شکرِ نعمت کی تعلیم و تلقین: ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اس طرح کی ان عظیم الشان نعمتوں کو تم لوگ یاد کرو تا کہ تمہیں اس کے حضور جھکنے کی اور ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنے کی توفیق و سعادت نصیب ہو۔ کہ شکرِ نعمت سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کو دوام ملتا ہے۔ جبکہ کفرانِ نعمت عذابِ الیم کا باعث بنتا ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے ﴿لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ﴾ سو یہ ہے نعمتوں کی یاد دہانی سے اصل مقصود و مدعا۔ نہ کہ وہ جو اہلِ بدعت پیش کرتے ہیں کہ اس سے جشنِ میلاد کے ثبوت و جواز پر استدلال کرتے ہیں جو کہ صحابہ و تابعینِ کرام اور خیر القرون کے دور میں کسی کو بھی نہیں سوجھا۔ بہرکیف حضرتِ شعیب نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی تذکیر و یاد دہانی کراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اُس وقت کو یاد کرو کہ جب تم اس علاقے میں ایک چھوٹے سے خاندان کی شکل میں آکر بسے تھے اور اب تم ایک طاقتور قوم کی شکل میں موجود ہو۔ اُس نے تمہاری تعداد کو بھی بڑھایا اور تمہیں کثرتِ ذرائع و وسائل سے بھی نوازا۔ اور طرح طرح کے اسبابِ معیشت و معاشرت سے سرفراز فرمایا۔ پس تم لوگ صدقِ دل سے اُس کا شکر اداء کرو اور مفسد لوگوں کے انجام سے عبرت پکڑو۔

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ

فساد کرنے والوں کا؟　اور اگر تم میں سے ایک گروہ ایمان لے آیا اس (پیغام) پر جس کے ساتھ

اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى

مجھے بھیجا گیا ہے،　اور دوسرا گروہ ایمان نہیں لایا،　تو تم لوگ صبر کرو، ۱۲۳ یہاں تک

يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

کہ اللہ فیصلہ فرمادے ہمارے درمیان،　کہ وہی ہے سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا، ۱۲۴

۱۲۳ **صبر و ثبات کی تعلیم و تلقین:**- سو اس ارشاد سے ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کے مقابلے میں صبر و برداشت سے کام لینے کی ہدایت و تلقین فرمائی گئی کہ جن کے اندر خیر و صلاح کی کوئی رمق موجود ہو وہ ایمان لے آئیں۔ اور جو اس سے محروم ہوں وہ اپنے آخری انجام کو پہنچ جائیں۔ پس ایمان امن و سلامتی کا باعث و ضامن ہے اور کفر ہلاکت وتباہی کا سبب- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- پس ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کے مقابلے میں صبر و برداشت سے کام لینے ہی میں سلامتی و عافیت ہے۔ بہرکیف حضرتِ شعیب نے ان سے فرمایا کہ اگر ایک گروہ نے میری دعوت کو قبول نہیں کیا اور وہ لوگ مجھ پر ایمان نہیں لائے تو تم صبر و برداشت اور ثبات و استقامت ہی سے کام لو اور یقین رکھو کہ ایسے لوگ جنہوں نے حق سے اعراض کیا اور منہ موڑا وہ اپنے انجام کو بہرحال پہنچ کر رہیں گے۔ اس سے کبھی بچ نہیں سکیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں دیر تو ہے، اندھیر نہیں- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۱۲۴ **اللہ ہی سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے:**- اور بلا شبہ سب سے بہتر اور صحیح فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کا ہوسکتا ہے کہ اس کا علم بھی کامل ہے اور رحمت و عدل بھی کامل۔ اور وہ ہر غرض کے شائبے سے بھی پاک ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ -اس لیے آپ ایسے ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کے مقابلے میں صبر و برداشت ہی سے کام لیں اور ان کا معاملہ اسی احکم الحاکمین پر چھوڑ دیں۔ وہ اُن کے درمیان کسی لاگ لپٹ کے بغیر ایسا صحیح اور درست فیصلہ فرمائے گا کہ ہر کسی کو اسکے کیے کرائے کا پورا بدلہ مل جائے گا کہ اُس کا دستورِ عدل و انصاف یہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو ڈھیل دے رہا ہے تو وہ اس لئے دے رہا ہے کہ ان میں سے جن کے اندر قبولِ حق کی کوئی صلاحیت ہو وہ ایمان لے آئیں اور چھٹ کر دوسروں سے الگ ہو جائیں۔ سو تم لوگ اس بارے انتظار کرو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ حق اور باطل والوں کے درمیان آخری اور عملی فیصلہ فرما دے گا اور وہی ہے سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ

آپؑ کی قوم کے ان سرداروں نے جو کہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا تھے، جواب میں کہا، اے شعیب ہم

يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ

نکال باہر کریں گے اپنی بستی سے تم کو بھی، اور ان سب کو بھی جو ایمان لے آئے تمہارے ساتھ، ۱۲۵ اِلَّا یہ کہ تم

لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝ۚ۸۸

لوگ لوٹ آؤ ہمارے دین میں، ۱۲۶ شعیبؑ نے فرمایا اگرچہ ہم اس کو ناپسند کرتے ہوں؟

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ

ہم نے یقیناً اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھ لیا اگر ہم (خدانخواستہ) پلٹ آئے تمہارے مذہب میں،

بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ

اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دے دی، ۱۲۷ اور ہمارے لئے تو اب کوئی گنجائش نہیں کہ ہم اس میں

۱۲۵ قوم شعیب کے سرداروں کے تکبر کا نمونہ: سو حضرت شعیب کی اس صدق و خلوص اور درد و سوز بھری تقریر سے کوئی سبق یا تاثر لینے کی بجائے ان لوگوں نے اپنے تکبر بھرے انداز میں کہا کہ ہم نکال باہر کریں گے اپنی اس بستی سے تم کو بھی اور ان سب کو بھی جو تمہارے ساتھ ایمان لا چکے ہیں اِلَّا یہ کہ تم لوگ واپس لوٹ آؤ ہمارے دین و مذہب میں۔ یعنی صبر اور انتظار کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہمارا مطالبہ واضح اور ہمارا فیصلہ دوٹوک ہے کہ تمہیں یا تو اس ملک سے نکلنا ہوگا یا ہمارے دین میں واپس آنا ہوگا اور بس۔ تیسرا کوئی راستہ نہیں۔ سو یہ ہوتا ہے غرور و استکبار کا نتیجہ و انجام کہ انسان حق و ہدایت کا کلمہ سننے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتا اور وہ سمع و بصر کے تمام منافذ بند کر کے اپنے آپ کو نورِ حق و ہدایت سے بالکل محروم کر دیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ بالآخر ہولناک تباہی سے دوچار ہوتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ کیونکہ اس کے بعد ایسے لوگوں کے باقی رہنے کا کوئی فائدہ اور جواز باقی نہیں رہ جاتا اور وہ اللہ کی دھرتی پر ایک ناروا بوجھ بن کر رہ جاتے ہیں۔ سو اس مرحلے پر پہنچنے کے بعد ایسے لوگ گویا اپنی ہلاکت اور ہمیشہ کی تباہی پر دستخط کرتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اور ایسے منکر لوگ اس طرح کے تکبر و رعونت بھرے اعلان کرتے وقت اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ اوپر خداوند قدوس کی قوت قاہرہ بھی موجود ہے۔ اور معاملہ سب اُسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ ہوتا وہی ہے جو اُس کو منظور ہوتا ہے۔ یہ زمین اُسی کی پیدا کردہ اور اُسی کی ملکیت ہے۔ اور اس پر حکم و تصرف بھی اُسی کا چلتا ہے۔ وہ جس کو چاہے اس کا وارث بنا دے ﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ الآیۃ۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ مگر مت کے مارے بدبختوں کو یہ حقیقت یاد نہیں رہتی جس سے وہ آخری انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔

۱۲۶ حضرتِ شعیب کے ملتِ کفار میں واپس آنے کا مطلب: -- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے حضرت شعیب سے کہا کہ ہم سب کو نکال باہر کریں گے اپنی بستی سے اِلّا یہ کہ تم لوگ لوٹ آؤ ہمارے دین میں ۔ یعنی اگر تم ہمارے دین و مذہب میں واپس آگئے تو پھر تم اُس عتاب سے بچ جاؤ گے ۔ اور واپس آنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضرتِ شعیب - علیہ الصلوٰۃ والسلام - اس سے پہلے ان کے دین پر تھے ۔ کیونکہ امت کا اِس بات پر اجماع ہے کہ انبیاء کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - معصوم ہوتے ہیں اور وہ بعثت و نبوت سے پہلے بھی شرک کے ہر شائبے سے پاک اور بری ہوتے ہیں ۔ لیکن چونکہ نبوت ملنے سے پہلے کی زندگی یہ حضرات خاموشی سے گزارتے ہیں ، اس میں کوئی تبلیغ نہیں فرماتے ، اس لئے کفار و مشرکین اس سے اپنے طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے پہلے یہ حضرات ان کے دین اور طریقے پر تھے ۔ اس لئے قومِ شعیب نے یہاں ان کے لئے "عودہ" یعنی "واپسی" کا لفظ استعمال کیا ۔ ورنہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرتِ شعیب اس سے پہلے دینِ کفر و شرک پر تھے کہ حضراتِ انبیائے کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - شرفِ نبوت سے مشرف ہونے سے پہلے بھی کفر و شرک کی آلائشوں اور اُن کے شوائب سے پاک تھے ۔ حضرتِ شعیبؑ نے ان متکبر منکروں کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ کیا تم لوگ ہمیں اپنے دین میں واپسی پر مجبور کرو گے اگرچہ ہم اس کو ناپسند کرتے اور برا سمجھتے ہوں ؟ یعنی ایسے نہیں ہو سکتا ۔ سو حضرتِ شعیبؑ نے ان منکر متکبروں کی اس دھمکی کو تو نظر انداز کر دیا کہ اگر آپؑ نے ان کی بات نہ مانی تو ان کو ملک سے باہر نکال دیا جائے گا ۔ اس لئے کہ مومنِ صادق کے لئے ملک میں رہنا یا نہ رہنا اصل مسئلہ نہیں ہوتا ، بلکہ اس کے نزدیک اصل مسئلہ تو دین و ایمان کا ہوتا ہے کہ اس کی حفاظت ہو ۔ اور یہ متاعِ بے مثال ہمیشہ اور ہر قیمت پر محفوظ اور باقی رہے ۔ یہ اگر محفوظ ہے تو پھر انسان ملک کے اندر ہے تو بھی خیر اور اگر وہاں سے نکل جائے یا نکال دیا جائے تو بھی خیر ۔ اس لئے حضرتِ شعیب نے ان کی اِس دھمکی کا نوٹس لیا اور اس کا جواب ان کو نہایت واضح اور قطعی لفظوں میں دیا ۔ اور اس کو ناممکن اور افتراء علی اللہ قرار دیا یعنی اگر بفرضِ محال ہم تمہارے اس دینِ کفر و شرک میں واپس آگئے تو یہ اللہ پر بہت بڑا افتراء ہو گا جس کا ارتکاب ہم بہر حال نہیں کر سکتے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ جل وعلا -

۱۲۷ ملتِ کفر سے نجات ایک عظیم الشان انعام و احسانِ خداوندی: -- سو حضرت شعیب نے اپنے ارشاد سے واضح فرما دیا کہ ملتِ کفر سے نجات اور سلامتی قدرت کا ایک عظیم الشان اِنعام و اِحسان ہے ۔ سو آپ نے اپنی قوم کے بیہودہ مطالبے کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے یقیناً اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھ لیا اگر ہم خدا نخواستہ پلٹ آئے تمہارے دین و مذہب میں اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دے دی ۔ یعنی اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں نجات دے دی تمہارے اس دین کفر و شرک اور اُس کے نتیجے میں دوزخ کی آگ اور اس کے دائمی عذاب سے ۔ جس سے ہمارے مالک نے ہمیں نجات بخشی ۔ اور تمہارے دین کی طرف لوٹنا دراصل اسی ہولناک انجام کی طرف لوٹنا ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں ہو سکتا ۔ لہٰذا تمہارے دین میں ہماری واپسی کا کوئی سوال ہی نہیں ۔ سو ملتِ کفر سے نجات اور سلامتی قدرت کا ایک عظیم الشان اِنعام و اِحسان ہے ۔ کیونکہ کفر و شرک کے اندھیرے دارین کی ہلاکت و تباہی کا سبب ہیں اور ان سے نجات اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت کے بغیر ممکن نہیں ۔ سو اپنے اِس جواب میں حضرتِ شعیب نے ایک طرف تو اِن لوگوں کے دین و مذہب اور ان کی خود ساختہ ملت کو افتراء علی اللہ اور جھوٹ کا پلندہ قرار دیا اور دوسری طرف اس میں اپنی واپسی کو ناممکن بتایا - علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام -

فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ

واپس آ جائیں، اِلَّا یہ کہ اللہ چاہے، ۱۲۸ جو کہ رب ہے ہم سب کا، گھیرے میں لیا ہوا ہے ہمارے رب نے

شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ

ہر چیز کو اپنے علم کے اعتبار سے ہم نے بہر حال اللہ ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے، اے ہمارے رب، تو فیصلہ فرما دے

بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿٨٩﴾ وَقَالَ

ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ، کہ تو ہی ہے سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا، ۱۲۹ اور

الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ

(دوسری طرف) آپؑ کی قوم کے ان سرداروں نے جو کہ اڑے ہوئے تھے اپنے کفر پر (آپس میں) کہا کہ اگر تم لوگوں

اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٩٠﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا

نے پیروی کر لی شعیب کی، تو یقیناً تم سخت خسارے میں پڑ جاؤ گے، آخر کار آ پکڑا ان کو اس زلزلے نے (جس کے وہ

فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٩١﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا

مستحق ہو گئے تھے،) جس سے وہ اوندھے پڑے رہ گئے اپنے گھروں میں، جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا تھا وہ (ایسے

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا مع ۷

ہو گئے کہ) گویا کہ وہ وہاں کبھی رہے بسے ہی نہیں تھے۔ ۱۳۰ جنہوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا تھا وہی تھے

۱۲۸ مشیتِ الٰہی ہر چیز پر غالب اور فائق ہے: - سو حضرت شعیب نے ان لوگوں سے فرمایا کہ یہ بات تو ممکن نہیں کہ ہم تمہارے دینِ کفر و شرک میں واپس آ جائیں مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ کہ اس کی مشیت بہر حال سب پر غالب اور حاوی ہے۔ وہ جو چاہے کرے - سبحانہ و تعالیٰ - سو یہ حضراتِ انبیائے کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - کی شانِ تسلیم و رضا کا ایک عظیم مظہر ہے۔ اور اس طرح یہ حضرات ہمیشہ اور دل و جان سے اپنے خالق و مالک کی طرف رجوع اور اسکی نصرت و عنایت کی طلب میں ہوتے ہیں۔ جیسے حضرتِ ابراہیم - علیہ الصلوٰۃ والسلام - نے فرمایا تھا ﴿وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾ اور جیسا کہ ہمارے حضور دعاء فرمایا کرتے تھے "يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ" جس میں یہ درسِ عظیم ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور اُسکی توفیق و عنایت کے بغیر از خود کچھ بھی نہیں۔ اس لیے اسکو ہمیشہ اپنے رب ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ بہر کیف حضرتِ شعیبؑ نے فرمایا کہ ہمارے لئے تمہاری اس ملتِ کفر و افتراء میں واپس آنا ممکن نہیں۔ اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و

کرم سے ہمیں اس سے بچا لیا۔ مگر یہ کہ اللہ ہی ایسا چاہے جو کہ ہمارا رب ہے کہ اُس کی مشیت تو بہر حال سب پر حاوی ہے۔ وہ جو چاہے کرے۔ سو اس سے حضرتِ شعیب نے ایک طرف تو دنیا کو یہ درس دیا کہ انسان اپنے نفس پر بھروسہ نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت وعنایت اور اُس کی رحمت وتوفیق ہی پر بھروسہ کرے۔ اور دوسری طرف اس سے آپ نے اپنے رب کے حضور استقامت اور ثابت قدمی کی دعا بھی کی۔ اللہ ہمیں بھی ان حضرات کی اتباع کی توفیق بخشے۔ آمین۔

۱۲۹ سب سے اچھا اور صحیح فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کا ہوسکتا ہے: ۔ سو اس موقع پر حضرت شعیب فوراً اپنے رب کی طرف متوجہ ہو گئے جو کہ تقاضا ہے حضراتِ انبیاء ورسل کی شان انابت ورجوع الی اللہ کا۔ اور آپ نے بارگہ ایزدی میں عرض کیا کہ اے ہمارے رب تو فیصلہ فرما دے ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ کہ تو ہی ہے سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا۔ کہ تیرا فیصلہ عدل وانصاف کے عین مطابق اور بغیر کسی طرح کی لاگ لپٹ کے اور بغیر کسی شائبہ کے ہوتا ہے کہ تیری ذاتِ اَقدس واعلیٰ ایسے تمام شوائب سے پاک اور بری ہے۔ تَبَارَکْتَ وَ تَعَالَیْتَ۔ سو سب سے اچھا اور سب سے زیادہ صحیح فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کا ہوسکتا ہے۔ جس کا علم بھی کامل اور محیط اور جسکی رحمت و عنایت بھی سب پر حاوی وشامل۔ اور جو ہر شائبہ نقص وعیب سے پاک اور بری ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ پس بندے کو ایک طرف تو اس کے ساتھ اپنا معاملہ صحیح رکھنا چاہیئے اور دوسری طرف اپنے امور ومعاملات کو اسی کے حوالے کر دینا چاہیئے کہ وہی ہے جو حق وانصاف کے مطابق فیصلہ فرمائے گا۔ اور اُسی کا فیصلہ سب سے اچھا اور صحیح ہوگا۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَ یُرِیْدُ۔ اللہ تعالیٰ فکر وعمل کے ہر دائرے میں ہمیشہ راہِ حق وصواب پر رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۳۰ تکذیبِ انبیاء ورسل کا انجام نہایت برا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخر کار آ پکڑا ان لوگوں کو ایک ایسے ہولناک عذاب نے جس کے نتیجے میں وہ اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے تھے۔ اور جس اوندھے پن کو انہوں نے زندگی بھر اپنائے رکھا تھا، آخر کار وہ سب اسی کی آغوش میں پہنچ گئے اور وہ ایسے ہو گئے کہ گویا کہ وہ وہاں پر کبھی رہے بسے ہی نہ تھے۔ والعیاذ باللہ۔ حضراتِ انبیاء ورسل اور اُن کے پیغامِ حق کی تکذیب وعداوت کا نتیجہ وانجام نہایت ہی ہولناک ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس طرح شعیب۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور اُن کے ساتھیوں کو نکال باہر کرنے کی دھمکیاں دینے والے خود ہمیشہ کے لئے مٹ گئے۔ اور یہی انجام ہوتا ہے حضراتِ انبیاء و رسل اور اُن کے پیامِ حق اور اہلِ حق سے عداوت ودشمنی رکھنے کا۔ کہ ایسے لوگ بالآخر صفحہ ہستی سے مٹ کر اور اپنے آخری انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں۔ مگر ابنائے کفر وباطل کی مت ایسی ماری جاتی ہے کہ ان کو یہ بات سمجھ نہیں آتی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو کوئی مانے یا نہ مانے، تسلیم کرے یا نہ کرے، حق اور حقیقت بہر حال یہی ہے کہ حق کی تکذیب ومخالفت اور اُس سے دشمنی وعداوت کا نتیجہ وانجام بڑا ہی ہولناک ہوتا ہے۔ اور ایسا کہ اس سے پھر نکلنے اور بچنے کی کوئی صورت ممکن نہیں رہتی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو وہی لوگ جو کل اپنے غرور اور تکبر میں مبتلا ہو کر حضرتِ شعیب کو یہ دھمکی دے رہے تھے کہ اگر تم ہمارے دین میں واپس نہ آئے تو ہم تمہیں اس ملک سے نکال باہر کریں گے، وہی آج ایسے مرمٹ چکے تھے جیسے کہ وہ کبھی اس ملک میں رہے بسے ہی نہیں تھے۔ سو اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت اور نہایت ہی ہولناک ہوتا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے جھٹلایا تھا شعیب کو وہی تھے خسارے والے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٢﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ

خسارے والے، پھر شعیبؑ ان سے منہ موڑ کر چل دیئے اور (حسرت بھرے انداز میں) کہا کہ اے میری قوم، بے شک

اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى

میں نے پہنچا دیئے تم کو پیغامات اپنے رب کے، اور پوری طرح خیر خواہی کی تمہارے لئے، اب میں کیسے غم کروں

عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٩٣﴾ ع وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ

ایسے لوگوں پر جو اڑے رہے تھے اپنے کفر پر، ۱۳۱ اور ہم نے جس کسی بستی میں بھی کوئی پیغمبر

نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

بھیجا اس کے باشندوں کو ہم نے پکڑا سختی اور تنگی میں، تاکہ یہ لوگ

۱۳۱ تکذیب و انکارِ حق کا نتیجہ، ہولناک تباہی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ: -سو اس سے واضح فرمایا دیا گیا کہ تکذیب و انکارِ حق اور کفر و باطل پر اصرار دائمی ہلاکت و تباہی کا پیش خیمہ ہے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -سو حضرت شعیب نے فرمایا کہ میں ان لوگوں پر کیسے غم کروں کہ انہوں نے حق کو مان کے نہ دیا اور بالآخر یہ اپنے اُس آخری اور حتمی انجام کو پہنچ کر رہے جو ان کے لئے مقدر ہو چکا تھا اِن کے کفر و اِنکار اور تکذیبِ حق کی پاداش میں۔ اور جس کا سزاوار انہوں نے اپنے آپ کو خود بنا لیا تھا۔ حضرتِ شعیبؑ کے اس خطاب میں اظہارِ تاسف بھی ہے اور سببِ عذاب کا بیان بھی جو آپ نے ان مردودوں کو خطاب کر کے فرمایا تھا۔ جیسے کوئی کہیں اجڑے دیار کو خطاب کر کے اظہارِ افسوس کرے- پس اس سے سماعِ موتیٰ پر استدلال صحیح نہیں، جیسا کہ اہلِ بدعت کے بعض بڑوں نے اس موقع پر کیا ہے۔ اللہ پاک اپنے پیغمبر کو خطاب کر کے اِرشاد فرماتا ہے ﴿وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ باقی رہ گیا مسئلہ سماعِ موتیٰ کا تو وہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ سلف سے اس میں دو قول چلے آتے ہیں۔ اِثبات کا بھی اور نفی و اِنکار کا بھی۔ حضراتِ اہلِ علم میں سے کچھ نے اِثبات کو ترجیح دی اور کچھ نے نفی کو۔ علامہ امین شنقیطیؒ نے اپنی تفسیر "اضواء البیان" میں پہلے مسلک کو اپنایا ہے اور تفصیلی دلائل سے اس کو ترجیح دی ہے۔ اور وسط اور سلامتی والا قول جس کو ہم راجح سمجھتے ہیں یہ ہے کہ جہاں جہاں نصوص و روایات میں ثابت و وارد ہے وہاں اِنکار کی گنجائش نہیں اور جہاں ایسا نہیں وہاں خواہ مخواہ زور لگانے کی ضرورت نہیں کہ ایسے غیبی حقائق و مسائل میں محض قیاس آرائی کام نہیں دے سکتی -وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِلصِّدْقِ وَالصَّوَابِ- اللہ تعالیٰ ہر طرح کے زیغ و ضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین ثم آمین۔

يَضَّرَّعُونَ ﴿٩٤﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى

دب جائیں، ۱۳۲ پھر ہم نے ان پر بدحالی کی جگہ خوشحالی کا دور دورہ کر دیا، یہاں تک

عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ

کہ وہ خوب پھل پھول گئے، اور کہنے لگے کہ یہ اچھے بُرے دن تو ہمارے باپ دادا پر بھی آتے رہے ہیں، ۱۳۳

فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩٥﴾ وَلَوْ اَنَّ

تب ہم نے ان کو ایسے اچانک پکڑا کہ ان کو اس کا کوئی شعور تک نہ تھا، اور اگر ان

اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ

بستیوں والے ایمان لے آتے، اور تقویٰ اختیار کرتے، تو ہم ضرور ان پر دروازے کھول دیتے طرح طرح کی برکتوں کے

مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا

آسمان اور زمین سے، ۱۳۴ مگر وہ تو تکذیب ہی پر کمر بستہ رہے، آخر کار ہم نے آ پکڑا، ان کو ان کے ان

۱۳۲ مصائب ذریعۂ ابتلاء و آزمائش: -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ مصائب کے ذریعے قدرت کی طرف سے تنبیہ وتحذیر اور ابتلاء و آزمائش کا سامان کیا جاتا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے جس بستی میں بھی کوئی پیغمبر بھیجا اس کے باشندوں کو ہم نے سختی اور تنگی میں پکڑا تاکہ وہ دب جائیں، انکی اکڑی ہوئی گردنوں میں خم آ جائے اور وہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے حق قبول کر لیں اور اس طرح یہ دوزخ سے بچ جائیں۔ سو اس طرح عبرت پذیر شخص کے لئے دنیا کی یہ مصیبتیں بھی ہدایت و رحمت کا ذریعہ بن کر باعثِ خیر بن جاتی ہیں۔ مگر غافل و مدہوش لوگوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- بہرکیف اِس ارشاد سے اِس سنت الٰہی کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے جو حضراتِ انبیاء و رسل کے بارے میں اُس کی اِس کائنات میں جاری و ساری رہی۔ وہ یہ کہ جب بھی اللہ تعالیٰ نے کسی بستی میں اور کسی قوم کے اندر اپنا کوئی نبی و رسول بھیجا اور اُس نے لوگوں کو رجوع الی اللہ اور توبہ و استغفار کی دعوت دی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کی تائید وتقویت کے محرکات اِس کائنات میں ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔ سو ایک طرف تو پیغمبر ان لوگوں کو غفلت اور خدا فراموشی کے انجام سے ڈراتا اور خبردار کرتا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو قحط، سیلاب، طوفان اور طرح طرح کی وباؤں اور بیماریوں میں مبتلا کرتا تاکہ یہ لوگ دبیں اور ان کی اکڑی ہوئی گردنیں دعوتِ حق کے سامنے جھکیں۔ اور وہ اس کے قبول کرنے پر آمادہ و تیار ہوں۔ تاکہ ان کا دنیا و آخرت میں بھلا ہو اور ان مصیبتوں اور سختیوں سے یہ لوگ اس حقیقت کو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب کہیں بھی اور کبھی بھی اور کسی بھی شکل و صورت میں آ سکتا ہے۔ اور اللہ جب چاہے اور جہاں اور جیسا چاہے کر سکتا ہے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے- آمین ثم آمین۔

۱۳۳ تنبیہاتِ الٰہیہ سے غفلت و لاپرواہی باعثِ ہلاکت وتباہی - والعیاذُ باللہ: - سو اس نے واضح فرما دیا گیا کہ تنبیہات الٰہیہ کے بارے میں اہلِ دنیا کی غفلت و لاپرواہی قدیم بیماری ہے - والعیاذ باللہ - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں کے ابتلاء و آزمائش کے سلسلے میں ہم نے ان پر بدحالی کی جگہ خوشحالی کا دور دورہ کر دیا یہاں تک کہ وہ خوب پھل پھول گئے اور کوئی سبق لینے کی بجائے وہ اکڑ کر اور بپھر کر کہنے لگے کہ ایسے اچھے برے حالات تو ہمارے باپ دادا پر بھی آتے رہے۔ یعنی یہ محض بخت و اتفاق کے مختلف مظاہر ہیں جو کبھی اس طرح ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی اس طرح۔ اس لیے ان سے گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اور اس طرح ایسے لوگ ان مصائب سے سبق لینے کی بجائے الٹا اپنی غفلت و لاپرواہی میں اور بڑھتے چلے جاتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - سو یہی مرض مادہ پرست لوگوں کے اندر ہمیشہ رہا۔ پہلے بھی تھا اور آج تک موجود ہے۔ بلکہ آج پہلے سے بھی کہیں بڑھ کر ہے کہ وہ ایسے حوادث اور نمونہ ہائے عذاب سے سبق لینے اور عبرت پکڑنے کی بجائے ان کو بخت و اتفاق کے مظاہر قرار دے کر ایسے حوادث کی اپنی مادہ پرستانہ عقل و فکر کے مطابق طرح طرح کی توجیہات کرتے ہیں۔ اور اس طرح ایسے لوگ ان حوادث سے عبرت پذیری کے گوہر مقصود سے محروم اور بے بہرہ رہتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - سو دیدۂ بینا رکھنے والے لوگ تو اس طرح کی تنبیہات سے سبق لیتے اور اپنی اِصلاح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں مگر غفلت کے مارے اور مادہ پرست غافل ہوتے اور لاپرواہی برتتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں۔ سو تنبیہات الٰہیہ سے غفلت و لاپرواہی بڑے ہی ہولناک خسارے کا باعث ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم -

۱۳۴ متاعِ ایمان وتقویٰ سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ان بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ و پرہیزگاری کو اپناتے اور اختیار کرتے تو ہم یقیناً ان پر آسمانوں اور زمین کی برکات کے دروازے کھول دیتے مگر انہوں نے اس کے برعکس کفر و انکار اور تکذیبِ حق و اہلِ حق کی روش ہی کو اپنائے رکھا یہاں تک کہ وہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے - والعیاذ باللہ - سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایمان اور تقویٰ کے یہ دو وصف آخرت کی دائمی سعادت اور حقیقی کامیابی سے پہلے اس دنیا میں بھی انسان کیلئے موجبِ خیر و برکت بنتے ہیں - فَاِیَّاکَ نَسْاَلُ التَّوْفِیْقَ وَالسَّدَادَ یَا مَنْ لَّا حَدَّ لِجُوْدِہٖ وَ لَا نِہَایَۃَ لِکَرَمِہٖ - سبحانہٗ وتعالیٰ - اور ان دونوں میں سے پہلا وصف یعنی ایمان تو اُس نور سے عبارت ہے جو انسان کے دل میں جاگزین ہوتا ہے اور اُسکے باطن کو منور و معمور کر کے اس کو کچھ کا کچھ بنا دیتا ہے۔ اور اسکو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔ اور تقویٰ و پرہیزگاری سے مراد ہے ہر اُس چیز سے بچنا اور پرہیز کرنا جو حضرتِ حق - جل مجدہ - کی ناراضگی - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - کا باعث ہو۔ جس میں سب سے پہلے کفر و شرک اور باطل کی ہر شکل سے بچنا ہے اور پھر اُسکی ہر قسم کی معصیت و نافرمانی سے بچنا ہے۔ سو ایمان وتقویٰ کے ان دونوں وصفوں اور دونوں لائنوں میں انسان جس قدر ترقی کرتا اور جتنا آگے بڑھتا جائے گا اتنا ہی وہ خداوندِ قدوس کی رضاء و رحمت سے سرفراز و فیضیاب ہوتا اور ترقی کرتا جائے گا - وباللہ التوفیق - بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ اگر ان بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان پر خیرات و برکات کے دروازے کھول دیتے۔ ان کے سروں پر تنی ہوئی آسمان کی اس عظیم الشان چھت سے بھی اور ان کے پاؤں کے نیچے بچھی خیرات و خزائن سے بھری اپنی اس زمین سے بھی لیکن انہوں نے اس کے برعکس محرومی ہی کا راستہ اپنایا - وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وعلی ما یحب ویرید وَھُوَا الْھَادِیْٓ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ - سبحانہٗ وتعالیٰ -

كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٦﴾ أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ

اعمال کی بناء پر جنہیں وہ خود کماتے رہے تھے، ١٣٥ تو کیا بے خوف ہو گئے بستیوں والے اس بات سے، کہ آپہنچے ان پر

بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿٩٧﴾ أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ

ہمارا عذاب رات کو جب کہ یہ سوئے پڑے ہوں، کیا ان بستیوں والے نڈر ہو گئے

أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩٨﴾ أَفَأَمِنُوا

اس سے کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے عین اس وقت آپہنچے، جب کہ یہ کھیل کود میں لگے ہوں، ١٣٦ تو کیا یہ لوگ بے خوف ہو

مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٩٩﴾ ع ۱۲

گئے اللہ کی چال (اور اس کی پکڑ) سے؟ سو اللہ کی چال (اور اس کی پکڑ) سے بے خوف نہیں ہوتے، مگر وہی لوگ جو خسارہ

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ

اٹھانے والے ہیں، ١٣٧ تو کیا ان لوگوں کے لئے جو آج وارث بنے ہوئے ہیں اس زمین کے، اس کے باشندوں

١٣٥ اعمال کا بدلہ آخرت سے پہلے اس دنیا میں: سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ اس کے برعکس اپنی تکذیب ہی پر کمربستہ رہے۔ تو آخر کار ہم نے ان کو آ پکڑا ان کے ان اعمالِ بد کی پاداش میں جو وہ کماتے رہے تھے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ اعمال کا پورا بدلہ تو اگرچہ آخرت ہی میں ملے گا مگر ان کا کچھ نہ کچھ بدلہ و ثمرہ انسان کو اس سے پہلے اس دنیا میں بھی ملتا ہے۔ خیر کا خیر اور شر کا شر۔ وَالْعِيَاذُ بِاللهِ الْعَظِيمِ۔ سو ایمانِ صحیح اور عملِ صالح اور تقویٰ و پرہیزگاری سے انسان کو اس دنیا میں حیاتِ طیبہ (پاکیزہ زندگی) کی عظیم الشان سعادت اور جلیل القدر نعمت سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ یہاں پر بھی اس بارے تصریح فرمائی گئی کہ اگر یہ لوگ ایمان و تقویٰ کی روش اپناتے تو ان پر آسمان اور زمین کی خیرات و برکات کے دہانے کھول دیئے جاتے۔ اسکے برعکس کفر و بغاوت پر ایسے لوگوں کو ہولناک عذابوں میں دھر لیا گیا، جیسا کہ یہاں پر اس کی تصریح فرمائی گئی کہ ایسوں کو ہم نے بالآخر ان کی زندگی بھر کی کمائی پر پکڑا، لیکن اعمال کا پورا بدلہ ان کو آخرت کے اس جہاں ہی میں مل سکے گا جو کہ "دار الجزاء" ہے جبکہ دنیا "دار العمل" اور ابتلاء و آزمائش کی جگہ ہے۔ اس میں کامل اور فیصلہ کن جزا و سزا نہ ملتی ہے نہ مل سکتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔

١٣٦ اللہ کے عذاب سے کبھی نڈر اور بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔ والعیاذ باللہ: کہ اللہ کا عذاب کبھی بھی اور کسی بھی شکل و صورت میں آسکتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ یعنی اللہ پاک کا عذاب ان پر بے فکری اور بے خوفی کے کسی بھی ایسے موقع پر آسکتا ہے جبکہ یہ لوگ آرام و راحت کے مزے لوٹ رہے ہوں اور تعیش و تفریح کے سامان سے لطف اندوز ہو رہے ہوں۔ اور تاریخ قانون و قدرت کے اس عظیم اور اٹل ضابطے کی ہمیشہ تصدیق و تائید کرتی چلی آئی ہے۔ اور آج تک اس کے مظاہر جابجا سامنے آتے رہتے ہیں۔ ابھی کچھ ہی عرصہ قبل امریکی ریاست میکسیکو میں جو تباہ کن زلزلہ آیا تھا اس سے چند ہی منٹوں

کے اندر چار ہزار انسان لقمۂ اجل بن گئے اور کروڑوں بلکہ اربوں کھربوں روپے کی مالیت کی فلک بوس عمارتیں وغیرہ پیوندِ خاک ہو کر رہ گئیں۔ اور ترقی و کمال کے دعویدار اور تسخیرِ کائنات کا گھمنڈ رکھنے والے اسی امریکہ بہادر کی ایک اور ریاست کولمبیا میں گزشتہ سال طوفان باد و باراں اور زلزلے نے جو تباہی مچائی اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہاں کے پچاس ہزار آبادی والے ایک پورے شہر کو اجتماعی قبرستان قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح گزشتہ سال ہی دوسری شیطانی سپر پاور روس کے شہر آزربائیجان میں زلزلے کے کچھ ہی جھٹکوں نے چند ہی سیکنڈوں میں اسی ہزار انسانوں کو لقمۂ اجل بنا دیا۔ اور تسخیرِ کائنات کا دعویٰ اور گھمنڈ رکھنے والی اس سپر پاور سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ وہ اپنے نت نئے ترقی یافتہ ذرائع و وسائل سے اس تباہ کاری سے ان لوگوں کو قبل از وقت خبردار ہی کر دیتی۔ اور اسی روس میں دو سال قبل چرنوبل کے ایٹمی توانائی گھر سے گیس خارج ہونے سے جو ہولناک تباہی آئی وہ لوگوں کے سامنے ہے۔ اور تین سال قبل ہندوستان کی ریاست بھوپال میں ایک کارخانے سے زہریلی گیس لیک ہونے سے ہولناک حادثہ پیش آیا جس سے پچاس ہزار انسان اور بے شمار دوسرے جانور اس بری طرح متاثر ہوئے کہ بیان سے باہر ہے۔ سو وہ بھی اسی تازیانۂ عبرت کا ایک نمونہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ سو یہ سب کچھ اسی قانونِ خداوندی اور دستورِ الٰہی کا ایک مظہر اور ثبوت ہے جس کو یہاں اس آیتِ کریمہ میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور دیگر کتنے ہی ایسے حوادث و واقعات ہیں جو جگہ جگہ اور طرح طرح سے وقتاً فوقتاً رونما ہوتے رہتے ہیں اور اپنی زبانِ حال سے پکار پکار کر دنیا کو درسِ عبرت اور دعوتِ غور و فکر دیتے ہیں۔ لیکن غافل انسان پھر بھی نہ آنکھ کھولتا ہے نہ اس سے کوئی سبق لیتا ہے۔ اِلَّا ماشاء اللہ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو غفلت و لاپرواہی بیماریوں کی بیماری اور محرومیوں کی محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو عقل و نقل کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت و پکڑ سے کبھی بھی بے خوفی اور لاپرواہی نہ برتی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے شرور و فتن اور مصائب و آلام سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔ اللّٰھم فخذنا بنو اصینا الی ما فیہ حبک والرضا۔

۱۳۷ اللہ کی گرفت و پکڑ سے غفلت و لاپرواہی خساروں کا خسارہ۔ والعیاذ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا یہ لوگ بے خوف اور نڈر ہو گئے اس کی چال اور گرفت و پکڑ سے؟ سو واضح رہے کہ اللہ کی چال اور اس کی گرفت و پکڑ سے بے خوف و نڈر نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جو خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ پس سرکشوں کی ان سرکشیوں اور بدمستیوں پر اُس قادرِ مطلق کی طرف سے جو برابر مہلت اور ڈھیل مل رہی ہے تو یہ دراصل اُس کی طرف سے ایک ایسی کریمانہ روش ہے جس سے وہ ان کو اپنے کرمِ بے پایاں اور حلمِ بے نہایت کی بناء پر نوازتا ہے۔ تاکہ جس نے سنبھلنا سدھرنا ہو وہ سنبھل اور سدھر جائے۔ قبل اس سے کہ فرصتِ عمل اسکے ہاتھ سے نکل جائے۔ نہیں تو اپنا پیمانۂ جرم لبریز کر کے وہ اپنے آخری انجام کو پہنچ جائے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ دراصل یہی وہ دھوکہ ہے جو ایسے برخود غلط لوگوں کو اس اکرم الاکرمین کی طرف سے اُس کے اِس قانونِ اِمہال کی بناء پر لگتا ہے۔ اسی لئے اس کو "مَکْرُ اللّٰہِ" (اللہ کی چال) سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کی گرفت و پکڑ اور اُسکے عذاب سے نڈر اور بے خوف ہونے کی بجائے ہمیشہ اس سے بچنے اور محفوظ رہنے کی فکر و کوشش میں رہنا چاہیئے کہ اُسکی گرفت و پکڑ سے بے خوفی و لاپرواہی بڑا ہی ہولناک خسارہ ہے۔ اور اس کے مرتکب وہی لوگ ہوتے ہیں جو سخت خسارے والے ہوتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ عقل و نقل کا تقاضا ہے کہ بندہ ہمیشہ عذاب اور اس کے اسباب سے بچنے اور محفوظ رہنے کی فکر و کوشش میں رہے اور اپنے خالق و مالک سے اپنا تعلق صحیح رکھے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وھو الہادی الی سواء السبیل۔

اَهۡلِهَاۤ اَنۡ لَّوۡ نَشَآءُ اَصَبۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ ۚ وَنَطۡبَعُ

(کی ہلاکت) کے بعد، یہ بات ظاہر نہیں ہوئی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو بھی دھر لیں، ان کے گناہوں کے سبب، ف۱۳۸ اور ہم مہر لگا

عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلۡكَ الۡقُرٰى

دیتے ہیں ایسے لوگوں کے دلوں پر، ف۱۳۹ جس سے وہ سنتے ہی نہیں، یہ ان بستیوں کے کچھ حالات ہیں

نَقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ

جو ہم (عبرت اور نمونہ کے طور پر) آپ کو سنا رہے ہیں، بلاشبہ آئے ان کے پاس

رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا مِنۡ

ان کے رسول کھلے دلائل لے کر، پھر بھی انہوں نے ایمان لا کے نہ دیا اس پر، جس کو وہ جھٹلا چکے تھے اس سے

۱۳۸ تمرد و سرکشی باعث خسران و محرومی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم اگر چاہیں تو مہر لگا دیں ایسے لوگوں کے دلوں پر اُن کے تمرد و سرکشی اور کفر و شرک کے باعث - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - یعنی کیا یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے ان لوگوں کی آنکھیں نہیں کھلتیں جو آج زمین کے وارث بنے ہوئے ہیں؟ اسکے ان باشندوں کے بعد جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں کہ ہم ان موجودہ لوگوں پر بھی اسی طرح کا کوئی عذاب لے آئیں جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں پر آچکا ہے۔ اور ان کو بھی اسی طرح ہلاک کر دیں جس طرح کہ ان سے پہلوں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ مگر ان لوگوں کے عناد اور ہٹ دھرمی اور تمرد و سرکشی کی بناء پر قانونِ قدرت کے مطابق اِن کے دلوں پر مہر کر دی گئی جسکی بناء پر یہ لوگ حق کو سننے اور سمجھنے کی صلاحیت ہی سے محروم ہو گئے کہ اِن کے دل شہوات و خواہشات کے اندھیروں میں ڈوب گئے ہیں یہاں تک کہ وہ آخری انجام کو پہنچ کر رہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم -

۱۳۹ قبولِ حق سے محرومی ایک ہولناک خسارہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی طرح اللہ مہر کر دیتا ہے کافروں کے دلوں پر جس سے ایسے لوگ قبولِ حق کی سعادت و توفیق سے ہمیشہ محروم رہتے ہیں جو کہ ایک بڑا ہی ہولناک خسارہ اور نقصان ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو یہ اُن لوگوں کی ضد اور ہٹ دھرمی کا طبعی نتیجہ ہے کہ جو لوگ عناد و ہٹ دھرمی پر اتر آتے ہیں وہ نورِ حق و ہدایت سے محروم ہو جاتے ہیں کہ قانونِ قدرت یہی ہے کہ جب لوگوں کے اندر طلبِ صادق موجود نہ ہو وہ نورِ حق و ہدایت کی دولت سے سرفراز نہیں ہو سکتے - پس لوگوں کو ان گزشتہ قوموں کے حالات اور ان کے انجام سے سبق لینا چاہئے۔ سو ان گزشتہ قوموں کے پاس جب ان کے رسول کھلی اور واضح نشانیاں لے کر پہنچے تو انہوں نے ان پر ایمان لا کے نہ دیا کیونکہ وہ لوگ اس سے پہلے خدا کی آیتوں اور نشانیوں کو جھٹلا چکے تھے۔ اور انسان کی طبیعت یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی عام آیات سے روگردانی کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کا دل آہستہ آہستہ ایسا پتھر بن جاتا ہے کہ رسولوں کے ذریعے جو خاص نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں وہ بھی اس پر کارگر نہیں ہوتیں۔ سو فرمایا گیا کہ یہی طریقہ ہے ہمارے یہاں دلوں پر مہر لگانے کا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو اس سے اللہ پاک - سبحانہ و تعالیٰ - کی ایک سنت کونیہ اور دستورِ خداوندی کو بیان فرمایا گیا ہے۔

قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا

پہلے، اسی طرح اللہ مہر کر دیتا ہے کافروں کے دلوں پر، اور ہم نے

وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ

ان میں سے اکثر میں عہد کا کوئی نباہ نہ پایا، اور ہم نے ان کی اکثریت کو سخت

لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى

بدکار ہی پایا، ف ۱۴۰ پھر ان (ذکر شدہ انبیاءِ کرام) کے بعد ہم نے موسیٰ کو بھیجا اپنی نشانیوں کے ساتھ،

فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

فرعون، اور اس کے (سرکش) سرداروں کی طرف، مگر انہوں نے بھی ان کے ساتھ ظلم (وزیادتی) ہی کا ارتکاب کیا، ف ۱۴۱ پھر دیکھ لو

عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ

کہ کیسا ہوا انجام ان مفسدوں کا، اور موسیٰ نے کہا اے فرعون بے شک میں

رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ لا حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ

پیغمبر ہوں، اس ذات کی طرف سے جو پروردگار ہے سب جہانوں کی، ف ۱۴۲ میرا منصب ہی یہ ہے کہ میں سچ کے سوا کوئی

۱۴۰ لوگوں کی اکثریت ہمیشہ بدکاروں ہی کی رہی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان کی اکثریت کو بدکار ہی پایا۔ پس عوام کی اکثریت کو معیارِ حق وصداقت نہیں قرار دیا جا سکتا جس طرح کہ نورِ حق و ہدایت سے محروم لوگوں کا کہنا اور ماننا ہے۔ اور اسی بناء پر دورِ حاضر میں جمہوریت کے بت کو پوجا جا رہا ہے کہ عوام کالانعام کی اکثریت کا ووٹ جس کو مل جائے وہی صحیح اور درست ہے۔ جو چاہے کرے خواہ اس کے فیصلے حق وصدق کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه - اور اسی بناء پر اہلِ بدعت جہلاء سادہ لوح عوام کی تائید کو اپنی حقانیت کی دلیل قرار دیتے ہیں، جبکہ قرآن وسنت کی تعلیماتِ مقدسہ اور نصوصِ کریمہ کی روشنی میں عوام الناس کی اکثریت سرے سے حق وصداقت کا کوئی معیار ہے ہی نہیں کہ عوام کی اکثریت جاہل ہے، فاسق ہے، بدکار ہے، بے علم ہے، حق و ہدایت کے نور سے محروم و بے بہرہ ہے وغیرہ وغیرہ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہر کیف اِرشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں کی ان کے اِعراض اور ہٹ دھرمی کی بناء پر مت ایسی ماردی جاتی ہے کہ یہ حق وہدایت کی سیدھی اور صاف بات کو ماننے اور قبول کرنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے اور ان کی اکثریت فاسقوں بدکاروں اور عہد شکنوں ہی کی

رہتی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۶۱ اللہ کی نشانیوں سے منہ موڑنا ظلم ہے: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان انبیاء و رسل کے بعد حضرت موسیٰ کو بھیجا اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف مگر انہوں نے بھی ان کے ساتھ ظلم ہی کیا کہ انہوں نے ان پر ایمان لانے کی بجائے اِن کی تکذیب کی اور کفر و سرکشی کی راہ اپنائی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو اللہ تعالیٰ کی آیات اور اُسکی نشانیوں سے اِنکار و اِعراض کرنا ان کے ساتھ ظلم کرنا ہے۔ نیز اِن سے منہ موڑنا اور اِنکی تکذیب کرنا خود اپنی جانوں پر ظلم کرنا ہے کہ انکی تکذیب سے انسان نورِ حق و ہدایت سے محروم ہو کر گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوب جاتا ہے اور جگہ جگہ اوندھے منہ گرتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان انبیاء و رسلِ کے بعد موسیٰ کو بھیجا اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف۔ مگر ان لوگوں نے ہماری ان نشانیوں سے اِعراض و روگردانی برت کر اور ان کی تکذیب کر کے ان کے ساتھ ظلم کیا جس کے نتیجے میں وہ آخرِ کار غرقاب ہو کر ہمیشہ ہمیش کے عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ سو تم دیکھ لو فساد مچانے والے آخر کار کیسے ہولناک انجام سے دو چار ہو کر رہے۔ اور ان نشانیوں سے مراد وہ معجزات بھی ہیں جو حضرتِ موسیٰ نے فرعون اور اُس کی قوم کو دکھائے اور توحید و رسالت اور آخرت کے بارے میں وہ فطری اور عقلی دلائل بھی جو حضرت موسیٰ و ہارون نے فرعون اور اس کے درباریوں کے سامنے پیش کئے جس سے مقصود حق کو واضح کرنا تھا۔

۱۶۲ رسالت و پیغمبری کا شرف و اعزاز سب سے بڑا شرف و اعزاز: ۔ سو حضرت موسیٰ نے فرعون کے سامنے اپنے تعارف کے طور پر یہی فرمایا کہ میں رسول ہوں پروردگارِ عالم کا۔ سو پیغمبر کی عظمتِ شان کا سب سے بڑا تعارف یہی ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ پس موسیٰ نے کہا کہ میں اسی خالق و مالک وحدہٗ لاشریک کا پیغام تمہیں پہنچا رہا ہوں۔ نہ اپنی طرف سے کچھ کہتا ہوں اور نہ ہی تم سے کسی طرح کا کوئی دنیوی مفاد چاہتا ہوں۔ سو پیغمبر کی عظمتِ شان کا سب سے بڑا پہلو اور اصل تعارف یہ ہے کہ وہ اللہ کا رسول اور اس کا فرستادہ ہوتا ہے۔ اسکی اطاعت و فرمانبرداری اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری ہی ہوتی ہے اور اسکی نافرمانی اللہ کی نافرمانی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اسی لیے حضرتِ موسیٰ نے فرعون کے سامنے اپنا یہی تعارف کرایا کہ میں پروردگارِ عالم کا رسول ہوں۔ ''حَقِيْقٌ'' کے اصل معنیٰ ''لائق'' کے ہیں۔ لیکن جب اس کا صلہ ''علیٰ'' آ جائے، جیسا کہ یہاں ہے، تو اس وقت یہ لفظ حریص کے معنیٰ کو بھی متضمن ہو جاتا ہے۔ سو اس اعتبار سے اس لفظ کے یہاں پر معنیٰ ہونگے کہ میں اس بات کا اہل اور اس کا حریص ہوں کہ اللہ کے ذمے کوئی بات نہ لگاؤں مگر وہی جو کہ حق ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو خدا کا رسول اور سفیر ہوگا وہی سب سے زیادہ اس کا اہل اور اس کا حریص ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغامات کی صحیح صحیح ترجمانی کرے اور کوئی من گھڑت بات اس کی طرف منسوب نہ کرے۔ کیونکہ اس کا علم ظن و تخمین پر نہیں بلکہ براہِ راست وحیِ خداوندی اور اس کے خطاب پر مبنی ہوتا ہے۔ رسولوں کا کام تو پیغامِ خداوندی کو جوں کا توں پہنچانا ہوتا ہے اور بس۔ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ

بات اللہ کی طرف منسوب نہ کروں، میں یقینی طور پر تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل لے

فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ؕ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ

کر آیا ہوں ۱۴۳ (اپنی صداقت وحقانیت کی) پس تو بھیج دے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو، ۱۴۴ فرعون نے کہا کہ اگر تم کوئی نشانی

بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى

لے کر آئے ہو تو لاؤ پیش کرو اس کو، اگر تم سچوں میں سے ہو، اس پر موسیٰ نے

۱۴۳ **معجزہ رسول کی صداقت کا ثبوت:** -سو موسیٰ نے ان سے کہا یقیناً میں تمہارے پاس ایک روشن دلیل لے کر آیا ہوں تمہارے رب کی طرف سے۔ یعنی عصاء وید بیضاء کا وہ معجزہ جس سے قدرت نے آپ کو نوازا تھا اور جو آنجناب کی صداقت وحقانیت کو واضح کرنے کے لئے ایک عظیم الشان معجزہ اور کافی ووافی نشانی اور دلیل تھی۔ سو معجزہ پیغمبر کی حقانیت وصداقت کی روشن دلیل اور واضح نشان ہوتا ہے لیکن معجزہ پیغمبر کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہوتا ہے۔ وہی اپنی مشیت ومرضی سے جس پیغمبر کے ہاتھ پر جو معجزہ جب اور جیسے چاہے ظاہر فرمائے۔ اسی لیے حضرتِ موسیٰ نے اس کی تصریح فرما دی۔ یعنی میں تمہارے اس رب کی طرف سے ایک روشن دلیل اور کھلا معجزہ لے کر آیا ہوں اور یہ ایک کھلا اور واضح ثبوت ہے اس بات کا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور جو کچھ میں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں وہ سب اس اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اللہ کے پیغام کو ماننے میں خود تم ہی لوگوں کا بھلا اور فائدہ ہے اور اس سے اعراض اور روگردانی میں خود تمہارا ہی نقصان ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور میں تم لوگوں کا سچا اور حقیقی خیر خواہ ہوں کہ میں تمہیں ہلاکت وتباہی سے بچا کر دارین کی سعادت وسرخروئی کی راہ پر ڈالنا چاہتا ہوں۔ اس لیے تم لوگ میری بات مانو کہ اسی میں تمہارا بھلا ہے۔

۱۴۴ **موسیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ:** -سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے کہا کہ تو بھیج دے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔ سو حضرتِ موسیٰ کے مشن کا ایک اہم حصہ بنی اسرائیل کی فرعون کی غلامی سے آزادی ورہائی دلانا بھی تھا کہ وہ ان کو آزاد کر دے اپنی غلامی سے۔ سو دعوتِ توحید کے علاوہ حضرتِ موسیٰ کے مشن کا یہ بھی ایک اہم حصہ تھا کہ صدیوں سے غلامی میں جکڑی ہوئی قوم بنی اسرائیل کو فرعون سے آزادی دلائی جائے، تاکہ وہ اسکی غلامی سے نجات پاکر واپس اپنے ملک میں جائیں اور وہاں جا کر آزادانہ طور پر اپنے رب کی عبادت وبندگی کریں۔ بہرکیف حضرتِ موسیٰ نے فرعون سے کہا کہ تو بنی اسرائیل کو اپنی قید اور غلامی سے رہا کر دے اور ان کو آزادی دے دے تاکہ یہ لوگ اپنی آبائی سرزمین ارضِ مقدسہ میں جا بسیں۔ (ابنِ کثیر، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ اور دوسرا قول اس بارے میں یہ بھی ہے کہ تو ان کو آزادی دے دے تاکہ یہ تین دن کی مسافت کے فاصلے پر صحرا میں جا کر اپنے رب کی عبادت کریں۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔

عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿١٠٧﴾ وَّنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا

ڈال دیا اپنے عصا کو، تو یکایک وہ ایک کھلا ہوا اژدہا بن گیا، ف ۱۴۵ اور اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو یکایک

هِيَ بَيْضَاءُ لِلنّٰظِرِينَ ﴿١٠٨﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ ۱۴ ع

وہ چمک رہا تھا دیکھنے والوں کے لئے، فرعون کی قوم کے سرداروں نے

فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٠٩﴾ يُّرِيدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ

کہا یقیناً یہ ایک بڑا ماہر جادوگر ہے، جو چاہتا ہے کہ نکال باہر کرے تم لوگوں کو

اَرْضِكُمْ ج فَمَاذَا تَاْمُرُونَ ﴿١١٠﴾ قَالُوْا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَ

تمہاری سرزمین سے، تو پھر تم لوگ کیا حکم دیتے ہو؟ ف ۱۴۶ انہوں نے کہا کہ (سردست تو) مہلت دے دو اس

۱۴۵ عصائے موسیٰ کا سچ مچ کا ایک اژدہا بن جانا: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت موسیٰ نے جب اللہ کے حکم سے اپنے عصا کو زمین پر ڈالا تو وہ یکایک ایک اژدہا بن گیا۔ یعنی سچ مچ کا اژدہا جیسا کہ معجزہ کی شان ہوتی ہے نہ کہ جادو اور شعبدہ کی طرح محض نظر بندی اور چابکدستی کا مظاہرہ۔ پھر وہ سانپ بھی ایسا تھا کہ جسامت کے لحاظ سے تو وہ ایک کھلم کھلا اژدہا ﴿ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ﴾ تھا لیکن حرکت اور پھرتی کے اعتبار سے ایک باریک سانپ ﴿جَآنٌّ﴾ ۔ بہرحال تھا وہ سانپ ہی جو کہ چلتا پھرتا تھا ﴿حَيَّةٌ تَسْعٰى﴾ ۔ بہرکیف وہ سچ مچ اور حقیقی معنوں میں سانپ بن گیا تھا جو سب کی آنکھوں کے سامنے دوڑتا پھرتا تھا۔ نظر بندی وغیرہ نوعیت کی کسی چیز کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ اور ظاہر ہے کہ اس کھلے معجزے کو دیکھ کر فرعون کی پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ہو گی۔ اور وہ حواس باختہ ہو گیا ہوگا۔ پھر اس کے بعد حضرت موسیٰ نے فرعون کو ید بیضا کا معجزہ دکھایا۔

۱۴۶ فرعون کی بوکھلاہٹ کا ایک نمونہ و مظہر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب حضرت موسیٰ کے ان معجزوں کو دیکھنے کے بعد فرعون نے اپنے سرداروں اور درباریوں سے کہا کہ یقیناً یہ شخص ایک بڑا ماہر جادوگر ہے جو اپنے جادو کے زور سے تم لوگوں کو تمہاری اس سرزمین سے نکال باہر کرنا چاہتا ہے۔ تو تم لوگ مجھے کیا حکم دیتے ہو؟ اس بات سے فرعون کی بزدلی اور اس کی بوکھلاہٹ ملاحظہ ہو کہ کہاں تو وہ اپنے تئیں رب اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کرتا تھا اور کہاں یہ کیفیت کہ وہ اپنے درباریوں سے کہتا ہے تم کیا حکم دیتے ہو؟ اور یہ سب خوف اور ڈر اس موسیٰ سے ہے جو کہ تنہا اور بظاہر بے یار و مددگار تھا۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حق کی قوت کتنی زبردست قوت ہوتی ہے اور نصرت و عنایت خداوندی کس قدر عظیم الشان عنایت ہوتی ہے۔ اللہ نصیب فرمائے اور ہمیشہ ہر حال میں اُس سے سرشار رکھے۔ آمین۔ بہرکیف حضرتِ موسیٰ کے معجزات دیکھنے کے بعد فرعون اور اس کے سرداروں کی حالت غیر ہو گئی۔ اس لئے اب وہ لوگ آپس میں موسیٰ کے مقابلے کے لئے مشورے کرنے لگے۔

اَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ

کو بھی، اور اس کے بھائی کو بھی، اور بھیج دو شہروں میں ہرکارے، جو لے آئیں آپ کے پاس ہر ماہر

عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا

جادوگر کو، (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا) اور آ پہنچے وہ جادوگر فرعون کے پاس، اور وہ (چھوٹتے ہی) بولے کہ کیا ہمیں کوئی

لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ

اجر بھی ملے گا اگر ہم غالب آ گئے؟ ۱۴۷ فرعون نے جواب دیا ہاں، اور (اس سے بڑھ کر یہ کہ) اس صورت میں تم ہمارے

الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ

مقربین میں شامل ہو جاؤ گے پھر انہوں نے کہا، اے موسیٰ (بتاؤ پہلے) تم ڈالتے ہو یا ہم ڈالیں؟ تو موسیٰ نے (کمال اطمینان سے)

نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ

جواب دیا کہ تم ہی ڈال لو، پھر جب انہوں نے ڈال دیا (جو کچھ کہ انکو ڈالنا تھا) تو انہوں نے مسحور کر دیا لوگوں کی نگاہوں

النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ

کو، ۱۴۸ اور خوفزدہ کر دیا ان (کے دلوں) کو، اور (واقعۃً) وہ لوگ ایک بڑا (ہی ہولناک) جادو لائے تھے ۱۴۹ ہم نے

اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ ۚ

موسیٰ کو وحی کی کہ ڈال دو تم اپنا عصا، پس اس کا ڈالنا تھا کہ اس نے نگلنا شروع کر دیا اس پورے سوانگ کو جو انہوں نے رچایا تھا، ۱۵۰

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ۚ فَغُلِبُوْا

سو اس طرح غالب آ کر رہا حق، اور مٹ کر رہا وہ سب کچھ جو انہوں نے بنا رکھا تھا سو مغلوب

۱۴۷ ابنائے دنیا کے نزدیک دنیا کا متاع فانی ہی سب کچھ:۔ سو ان جادوگروں کی خست و دناءت ملاحظہ ہو کہ ایک طرف تو ان کے اپنے دین و مذہب اور ملک و ملت کے تحفظ و بقا کا مسئلہ ہے اور دوسری طرف اس نازک موقع پر بھی وہ سب سے پہلے اپنے ذاتی اور دنیوی مفاد کا مطالبہ کرتے ہیں۔ سو یہی حال ہوتا ہے ابنائے دنیا کا کہ ان کے نزدیک دنیا اور اُس کا متاع فانی اور حطام زائل ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ وہ اسی کیلئے جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ جبکہ مومن صادق کے نزدیک اصل چیز متاع ایمان و یقین اور فوز و فلاح آخرت ہے۔ دنیا تو ساری بھی اس کے سامنے ایک پر کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی۔ سو اس سے

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایمان ویقین کی یہ دولت انسان کو کیسی عظمتوں اور رفعتوں سے نوازتی ہے کہ جس متاع دنیا کی ایمان ویقین کی دولت سے محروم لوگ پوجا کرتے ہیں وہ اس مومن صادق کے نزدیک پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی۔اللھم فزدنا منہ وثبتنا علیہ یاذا الجلال والاکرام۔بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ جب وہ جادوگر فرعون کی دعوت پر اس کے دربار میں پہنچ گئے تو وہ چھوٹتے ہی بولے کہ کیا ہمیں کوئی اجر بھی ملے گا اگر ہم غالب آگئے؟ تو فرعون نے کہا کہ ہاں اور مزید یہ کہ تم لوگ ہمارے مقربین میں شامل ہوجاؤ گے۔

۱۴۸ جادوگری فریبِ نظر کا سامان:۔ سوارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے مسحور کردیا لوگوں کی نگاہوں کو۔یعنی ان رسیوں اور لاٹھیوں کی حقیقت و ماہیت تبدیل نہیں ہوگئی تھی بلکہ ان لوگوں نے جادو کے زور سے صرف نظر بندی کردی تھی جو کہ ضربِ حق سے جاتی رہی۔سو جادوگری محض ایک فریبِ نظر ہوتا ہے جو جادوگر اپنی چابکدستی سے دکھاتے ہیں ورنہ اصل میں اس میں کسی شئے کی حقیقت تبدیل نہیں ہوتی۔سو۔﴿ سَحَرُوٓا اَعۡیُنَ النَّاسِ ﴾۔سے یہ بات نکلتی ہے کہ جادو خواہ کتنا ہی بڑا ہو اس سے کسی شئے کی حقیقت اور ماہیت نہیں بدلتی۔بلکہ اس سے محض دیکھنے والوں کی آنکھوں اور اُن کی قوتِ متخیلہ پر اثر پڑتا ہے جس سے انسان کو یوں خیال گزرنے لگتا ہے اور اس کو یوں محسوس ہونے اور دکھنے لگتا ہے کہ یہ چیز اسی طرح ہے جس طرح کہ جادوگر اس کو دکھانا چاہتا ہے۔ورنہ وہ چیز حقیقت میں ویسی ہوتی نہیں۔سو جادو کا تعلق صرف انسان کی نظر اور اُس کے خیال سے ہوتا ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے فرمایا۔﴿ یُخَیَّلُ اِلَیۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰی ﴾۔(طٰہٰ:٦٦)۔یعنی ان لوگوں کی جادوگری کے زور سے موسیٰ کو یوں خیال ہونے لگا کہ وہ رسیاں اور لاٹھیاں ہلتی اور چلتی ہیں۔

۱۴۹ جادوگری کا بڑا خوفناک مظاہرہ:۔ سوارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے مسحور کردیا لوگوں کی نگاہوں کو اور واقعۃً وہ ایک بڑا ہی ہولناک جادو لائے تھے۔سو وہ جادوگری کا بڑا خوفناک مظاہرہ تھا جس سے انہوں نے خوفزدہ کردیا عام لوگوں کو اپنی جادوگری کے زور اور اپنی نظر بندی کی چابکدستی سے۔اور ظاہر ہے جہاں تیس ہزار جادوگر جمع ہوں اور اُن میں سے ہرایک کے پاس ایک لاٹھی بھی ہو اور رسی بھی۔(معارف وغیرہ)۔اور ان کے جادو کے کرشمے سے وہ سب رسیاں اور لاٹھیاں سانپ بن کر ایک پورے علاقے کو بھردیں تو اس کی ہولناکی کا کیا کہنا۔سو اس سے لوگوں نے خوفزدہ ہونا ہی تھا کہ اس جادو کا مقابلہ آخر کون کرسکے گا؟ اور باطل کا حال یہی ہوتا ہے کہ وہ پانی کے جھاگ کی طرح اُٹھتا اور اُبھرتا ہے اور پانی کے جوہرِ حیات آفرین پر چھا کر اس کو اپنے نیچے لے لیتا ہے۔لیکن پھر کچھ ہی دیر بعد وہ بیٹھ کر اور مٹ کر نیست ونابود ہوجاتا ہے اور پانی کا جوہرِ حیات آفریں لوگوں کی نفع رسانی کے لئے جوں کا توں باقی رہتا ہے اور دنیا کو طرح طرح کے حیات آفریں اور سدا بہار فائدوں سے نوازتا ہے۔سو اصل اور حقیقی غلبہ حق ہی کا مقدر ہے اور اس کے مقابلے میں باطل ہے ہی مٹنے والی چیز۔والحمدللہ جل وعلا۔

۱۵۰ غلبۂ حق اور شکستِ باطل کا ظہور:۔ سوارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے موسیٰ سے بذریعہ وحی کہا کہ ڈال دو تم اپنے عصا کو زمین پر۔سو عصائے موسیٰ نے زمین پر پڑتے ہی نگلنا اور ہڑپ کرنا شروع کردیا اس سارے سوانگ کو جو ان لوگوں نے اپنے جادو کے کرشمے اور کرتب سے رچایا تھا اور اس طرح وہ ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوئے اور اُن کو منہ کی کھانی پڑی اور اُن کی دوڑ دھوپ اور تگ ودو کا نتیجہ خود ان ہی کے خلاف نکلا۔حق غالب آیا اور باطل مغلوب ہوا۔اور غلبۂ حق سب کے سامنے ظاہر اور واضح ہوگیا۔اور حق کیخلاف قائم کیا جانے والا وہ محاذ حق کی سربلندی کیلئے ایسا بڑا عظیم الشان ذریعہ بن گیا۔فالحمدللہ رب العالمین۔عصائے موسیٰ کے جادوگروں کے اس سوانگ کو نگلنے کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اس نے واقعتًا اور بالفعل ان کو نگل لیا۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان سے جادوگری کا اثر ختم ہوگیا اور وہ سب چیزیں اپنی اصل حالت میں آگئیں۔اور اس طرح اصل حقیقت سب لوگوں کے سامنے پوری طرح واضح ہوگئی۔والحمدللہ جل وعلا۔

هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

ہو گئے اس موقع پر وہ سب، اور لوٹے ذلیل (وخوار) ہو کر، اور بے ساختہ سجدے میں گر پڑے وہ (تمام ماہر) جادوگر، ۱۵۱

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور وہ پکار اٹھے کہ ہم ایمان لے آئے پروردگارِ عالم پر، جو کہ رب ہے موسیٰ اور ہارون کا ۱۵۲

۱۵۱ معجزۂ موسوی کی اثر آفرینی کا ایک نمونہ ومظہر: -سواس سے عصائے موسوی کے معجزے کی اثر آفرینی کا نمونہ ومظہر سامنے آ گیا اور یہ حق وصداقت اور قوتِ ایمان ویقین کی انقلاب آفرینی کا ایک عظیم الشان نمونہ ومظہر تھا کہ عصائے موسوی کے اس معجزے کو دیکھتے ہی وہ سب جادوگر بلا اختیار سجدے میں گر پڑے۔ سواس سے ایمان ویقین کی قوت اور اسکی انقلاب آفرینی کا ایک عظیم الشان مظہر ونمونہ سامنے آ گیا۔ وہ جادوگر یکایک اور بے ساختہ سجدے میں گر گئے اپنے اندر کی آواز اور ضمیر کی پکار سے۔ اور یکدم وہ کچھ سے کچھ ہو گئے اور کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔ کہاں انکی کیفیت یہ تھی کہ چند ہی لمحے پہلے یہ لوگ مقابلے میں جیتنے کی صورت میں اپنے لئے خصوصی اجر وانعام کا مطالبہ کر رہے تھے اور کہاں یہ کہ اب وہی لوگ علی الاعلان اپنے ایمان ویقین کا اقرار واظہار کر کے ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ سو یہی شان ہوتی ہے نورِ حق اور قوتِ یقین کی کہ وہ انسان کو بدل کر کچھ کا کچھ کر دیتی ہے اور اس کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔ سو یہ قوتِ ایمانی ایسی قوت ہے جو مٹی کو خالص سونا بنا دیتی ہے۔ دنیا ساری بھی انسان کی نگاہ میں ہیچ ہو کر رہ جاتی ہے اور وہ سراپا عجز ونیاز بن کر رب کے حضور جھک جاتا ہے۔ بہر کیف جادوگر حضرتِ موسیٰ کا معجزہ دیکھتے ہی بے ساختہ سجدے میں گر گئے اور وہ جان گئے کہ یہ جادوگری نہیں بلکہ معجزہ ہے جو ان کے فنِ جادوگری سے ماوراء ہے اور اس کا مقابلہ ان کے بس سے باہر ہے۔ اس لئے انہوں نے فوراً اور واضح طور پر سب کے سامنے اپنی شکست اور موسیٰ کی فتح کا اعلان کر دیا اور دل وجان سے حق کے آگے جھک گئے۔ اور سب کے سامنے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے - والحمد للہ جل وعلا-

۱۵۲ معبودِ برحق اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ سب کے سب علی الاعلان پکار اٹھے کہ ہم ایمان لے آئے پروردگار عالم پر جو کہ خالق و مالک اور ربِّ حقیقی ہے اس ساری کائنات کا اور جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا۔ نہ کہ فرعون جو کہ جھوٹا رب بنا ہوا تھا۔ اور جب سارے جہانوں کا خالق و مالک اور ربّ ورازق اللہ وحدہٗ لاشریک ہے تو معبودِ برحق بھی وہی ہے اور عبادت و بندگی کی ہر قسم اور ہر شکل اُسی کا حق اور اُسی کے ساتھ مختص ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ - اسکے سوا کسی بھی اور ہستی کو رب ماننا سراسر ظلم اور بے انصافی ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو جنہوں نے اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اوروں کو اپنا معبود مانا اور ان کی پوجا پاٹ کی انہوں نے بڑے ہی ظلم کا ارتکاب کیا - والعیاذ باللہ العظیم-

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ

فرعون نے (جھنجھلا کر) کہا کہ کیا تم لوگ اس پر ایمان لے آئے ہو، قبل اس سے کہ میں تم کو اجازت دیتا؟ یقیناً

هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا

یہ ایک بڑی سازش ہے جو تم سب نے مل کر پکائی ہے اس شہر کے اندر، تاکہ تم نکال باہر کرو

مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ

اس سے اس کے اصل باشندوں کو، سو ابھی تم کو معلوم ہوا چاہتا ہے (انجام اپنے کیے کا) ۱۵۳ میں یقیناً کٹوا کر رہوں گا ہاتھ

وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

پاؤں تم سب کے مخالف جانب سے، پھر سولی پر لٹکا دوں گا تم سب کو، ۱۵۴ انہوں نے (اطمینان سے)

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ ۚ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ

جواب دیا کہ (پرواہ نہیں کہ) ہمیں تو بہرحال اپنے رب ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے، ۱۵۵ اور تو ہم سے انتقام نہیں لیتا مگر اس

اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۗ رَبَّنَآ اَفْرِغْ

بات کا، کہ ہم ایمان لے آئے اپنے رب کی آیتوں پر، جب کہ وہ آ پہنچیں ہمارے پاس، ۱۵۶ اے ہمارے رب، فیضان فرما

عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ ع وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ

دے، ہم پر صبر (و برداشت) کا، اور ہمیں اس دنیا سے اس حال میں اٹھانا کہ ہم فرمانبردار ہوں (تیرے)، اور فرعون

قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي

کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو یونہی چھوڑ دیں گے؟ کہ وہ فساد مچاتے پھریں اس ملک میں،

الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۗ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ

اور چھوڑ دیں آپ کو اور آپ کے معبودوں کو؟ ۱۵۷ تو فرعون نے جواب دیا کہ ہم چن چن کر قتل کروا دیں گے ان کے بیٹوں کو،

۱۵۳ فرعون کی سٹنٹ بازی کا ایک نمونہ و مظہر:- سو اس سے فرعون کی بوکھلاہٹ، حواس باختگی اور اس کی

سٹنٹ بازی کا ایک مظہر ونمونہ سامنے آتا ہے۔ سو اس پر فرعون نے سخت جھنجلاہٹ کے عالم میں کہا کہ یہ ایک بہت بڑی سازش تھی جو تم لوگوں نے مل کر اس شہر میں پکائی تھی۔ تاکہ اس طرح تم لوگ نکال باہر کرو اس ملک سے اس کے اصل باشندوں کو۔ سو ابھی تم لوگوں کو معلوم ہوا چاہتا ہے انجام اپنے کیے کرائے کا۔ سو یہ ایک صریح جھوٹ تھا جو اس ملعون نے سب کے روبرو بکا تھا اور ایک سیاسی سٹنٹ تھا جو اس نے لوگوں کو ورغلانے کے لیے چھوڑا تھا۔ ورنہ اس کی لغویت مخفی اور محتاج بیان نہیں۔ سو اس سے ایک طرف تو اُس کی بوکھلاہٹ کا پتہ چلتا ہے اور دوسری طرف اس سے اُس کے مکر وفریب اور اس کی اس سٹنٹ بازی کا ایک نمونہ بھی سامنے آتا ہے جو آج تک کے سیاستدانوں میں بالعموم قدرِ مشترک کے طور پر پائی جاتی ہے۔ اِلاَّ ماشاء اللہ۔ چنانچہ ایسے لوگ سادہ لوح عوام کو بھڑکانے اور اُن کے جذبات سے کھیلنے کیلئے اسی طرح کی چکر بازیوں اور سٹنٹ بازیوں سے کام لیتے اور اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بہر کیف سٹنٹ بازی کی یہ فرعونی سیاست پہلے بھی قائم و رائج تھی اور آج بھی موجود ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۵۴ فرعون کی طرف سے سخت دھمکی کا ذکر وبیان:- سو اس سے فرعون کی طرف سے ایمان والوں کو سخت عبرتناک سزا دینے کی دھمکی کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو فرعون کی طرف سے ان مومنین صادقین کو سولی کی یہ سخت دھمکی دی گئی تاکہ اس طرح تم اپنے کئے کی سزا پاؤ اور تمہارا انجام دوسروں کے لئے سامانِ عبرت بنے۔ سو اس طرح فرعون نے ان مومنین صادقین کو ڈرا دھمکا کر راہِ حق سے روکنے اور محروم رکھنے کی کوشش کی۔ اور یہی طریقہ ہوتا ہے ظالم حکمرانوں کا۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ مگر ایسے لوگ چونکہ لذت اور قوتِ ایمان ویقین سے محروم ہوتے ہیں اس لیے وہ نہیں جان سکتے ہیں کہ مومنِ صادق کس عزم واستقامت سے سرشار و مالا مال ہوتا ہے۔ اس لیے وہ جب اہلِ ایمان کی طرف سے قوتِ ایمان ویقین سے بھرپور ولبریز جواب سنتے ہیں تو ششدر رہ جاتے ہیں۔ بہر کیف فرعون نے اپنی ذلت آمیز شکست پر پردہ ڈالنے اور اپنی خفت وندامت کو چھپانے اور اپنی قوم کی ساکھ کو بحال کرنے اور اُن کے مورال کو اَپ کرنے کے لئے ایک طرف تو یہ اسٹنٹ چھوڑا کہ یہ ایک سازش ہے جو تم لوگوں نے باہم مل کر اس شہر میں پکائی ہے تاکہ اس طرح تم لوگ اس کے اصل باشندوں کو یہاں سے نکال باہر کرو اور اس میں تمہاری سرداری اور کھڑپنچی قائم ہو۔ اور دوسری طرف اسنے ایمان لانے والے ان مؤمنین صادقین کو یہ سخت دھمکی دی کہ میں تم لوگوں کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا کر اور تم سب کو سولی پر چڑھا کر رہوں گا تاکہ تم لوگوں کا یہ انجام سب کے لیے نمونہ وعبرت بنے۔

۱۵۵ قوتِ ایمان ویقین ایک بے مثال قوت:- سو فرعون کی اس خوفناک دھمکی کے جواب میں ان مومنانِ صدق وصفا نے کہا کہ کوئی پروا نہیں کہ ہم نے تو بہرحال لوٹ کر اسی خالق ومالک کے حضور جانا اور حاضر ہونا ہے۔ اگر شہادت کے راستے سے جائیں تو اور کیا چاہیے؟ سو اس سے قوتِ ایمان ویقین کی انقلاب آفرینی کا یہ مظہر ونمونہ ملاحظہ ہو کہ یہ انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔ سبحان اللہ۔ انقلاب ملاحظہ ہو کہ کہاں وہ کیفیت کہ مقابلہ پر آنے سے پہلے یہ لوگ فرعون سے اجر وعوض کا مطالبہ کر رہے تھے اور کہاں اب دولتِ ایمان

سے سرفرازی کے بعد ان کا یہ حال ہے کہ جان تک کی بازی لگانے کے لئے بھی برضا و رغبت تیار ہیں کہ ہم نے جانا تو بہرحال اللہ ہی کے پاس ہے۔ اگر شہادت کے شرف سے مشرف ہو کر گئے تو اور کیا چاہیئے۔ سو اس سے ایمان و یقین کی انقلاب آفرینی اور عقیدہ و ایمان کی عظمت و قوت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِهٰذِهِ النِّعْمَةِ الْعُظْمٰى ، نِعْمَةِ الْاِیْمَانِ وَالْیَقِیْنِ۔ اللّٰھم فزدنا منہ وثبتنا علیہ۔

۱۵۶ جرم ایمان پر ہر سزا قبول و منظور:۔ سو ان مومنانِ صدق و صفا نے فرعون سے کہا کہ تو ہم سے اسی بات کا انتقام لے رہا ہے کہ ہم اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لے آئے جبکہ وہ ہمارے پاس پہنچ گئیں۔ اس کے سوا اور کسی جرم کا ارتکاب تو ہم نے کیا نہیں۔ اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لانا اگر جرم ہے تو اس کے بدلے ہم سزا بھگتنے کے لئے بخوشی تیار ہیں۔ مطلب یہ کہ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لانا تو کوئی جرم نہیں بلکہ یہ تو عقل و نقل اور انصاف و فطرت کا تقاضا ہے۔ اور اسی پر انسان کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا دارومدار ہے۔ لیکن اسکے باوجود اگر تم لوگ ہمیں اس جرمِ ایمان پر یہ سزا دینا چاہتے ہو تو ہم اسکے لیے برضا و رغبت تیار ہیں اور اس کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا ہم اپنی سعادت سمجھتے ہیں کہ ایمان و یقین کی دولت بہرحال ہر چیز سے مقدم اور سب پر فائق ہے۔ سو ایمان و یقین کی دولت دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے اور اس سرسرفرازی کے بعد مومن کی ہر حالت خیر ہی خیر ہے جبکہ اس سے محرومی۔ والعیاذ باللہ۔ ہر خیر سے محرومی ہے۔ اور ایسے میں انسان کا وجود اللہ کی دھرتی پر ایک ناروا بوجھ بن کر رہ جاتا ہے اور یہ اس کچرے سے گیا گزرا اور بیکار ہو جاتا ہے جس کو آگ میں جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اصل دولت ایمان و یقین کی دولت ہے۔

۱۵۷ ﴿وَیَذَرَکَ وَاٰلِهَتَکَ﴾ کا معنیٰ و مطلب؟:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ قومِ فرعون کے سرداروں نے فرعون سے کہا کہ کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو یونہی کھلا چھوڑ دیں گے کہ یہ لوگ چھوڑ دیں آپ کو اور آپ کے ان بتوں کو جن کی جناب پوجا کرتے ہیں یا جو جناب کے نام سے لوگوں نے بنا رکھے ہیں۔ دونوں مطلب یہاں بن سکتے ہیں۔ اور مفسرینِ کرام میں سے بعض نے پہلے کو اختیار کیا ہے اور بعض نے دوسرے کو۔ سو فرعون کا بتوں کے پوجنے کے باوجود اپنے بارے میں یہ کہنا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں اس اعتبار سے تھا کہ میں اوتار بادشاہ (God King) ہوں۔ میرا حکم سب پر چلے گا اور میرے حکم سے کوئی سرتابی نہیں کر سکے گا کہ اس ملک کی سب سے بڑی قوت میں ہی ہوں۔ مجھ سے کوئی اعلیٰ اور بالا نہیں ہوسکتا۔ ورنہ ربِّ اعلیٰ کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ زمین و آسمان کی اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور اس کا حاکم و متصرف میں ہوں۔ وہ اتنا بیوقوف نہیں تھا کہ اس درجے کی حماقت کا ارتکاب کرتا جس کو کوئی بھی صاحب عقل و ہوش ماننے کے لیے تیار نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس معنی میں اگر وہ اپنے آپ کو رب کہتا تو سب لوگ اس کو مجنوں اور دیوانہ قرار دیتے کہ یہ ایک انہونی بات ہے۔ والعیاذ باللہ۔

وَنَسۡتَحۡیٖ نِسَآءَهُمۡ ۚ وَاِنَّا فَوۡقَهُمۡ قٰهِرُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ

اور زندہ رکھ چھوڑیں گے ان کی عورتوں کو، اور یقیناً ہم ان پر پوری طرح قابو رکھتے ہیں ، موسیٰ نے

مُوۡسٰی لِقَوۡمِهِ اسۡتَعِیۡنُوۡا بِاللّٰهِ وَاصۡبِرُوۡا ۚ اِنَّ

اپنی قوم سے فرمایا کہ تم لوگ مدد مانگو اللہ سے، ۱۵۸ اور کام لو تم صبر (واستقامت) سے، بے شک

الۡاَرۡضَ لِلّٰهِ ۟ۙ یُوۡرِثُهَا مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَ

یہ زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے، ۱۵۹ اور

۱۵۸ حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے: -اس لئے موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ اللہ ہی سے مدد مانگو کہ مدد دینے والا اور ہر کسی کی اور ہر حال میں نصرت و امداد فرمانے والا بہرحال وہی وحدہ لاشریک ہے۔ اور حاجت روا و مشکل کشا سب کا وہی ہے۔ اور سب اُسی کے محتاج ہیں- سبحانہ وتعالیٰ- سو جب پیغمبر اور حضرتِ موسیٰ جیسے اولوا العزم اور جلیل القدر پیغمبر بھی کسی کے حاجت روا و مشکل کشا نہیں ہو سکتے، اور وہ بھی اپنی زندگی میں، تو پھر اور کون ایسا ہو سکتا ہے جو دوسروں کی مافوق الاسباب مدد کرے؟ اور وہ بھی مر چکنے کے بعد؟ سو بڑے گمراہ اور بھٹکے ہوئے ہیں راہِ حق و صواب سے وہ لوگ جو اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے مُردوں کو پوجتے پکارتے ہیں اور انہوں نے طرح طرح کے من گھڑت ناموں سے مختلف حاجت روا اور مشکل کشا بنا رکھے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ- اللہ اپنی پناہ میں رکھے- آمین۔

۱۵۹ اللہ جس کو چاہے زمین کا وارث بنا دے: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ موسیٰ نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا اور حرف تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ یہ زمین اللہ ہی کی ہے وہ جس کو چاہے اس کا وارث بنائے۔ کہ مالک و مختار سب کا بہرحال وہی ہے اور سب کچھ اُسی کے قبضۂ قدرت و اِختیار میں ہے -جَلَّ جَلَالُهٗ وَعَمَّ نَوَالُهٗ- اور زمین و آسمان کی اِس کائنات کی میراث اُسی کے ہاتھ میں ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا- ﴿وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ - (آل عمران: ۱۸۰)۔ اس لیے موسیٰ نے ان لوگوں سے کہا کہ تم لوگ صبر و برداشت ہی سے کام لو۔ انشاء اللہ وہ وقت بھی آئے گا جب تم اِس زمین کے وارث ہوؤ گے۔ سو دنیاوی زمین کی میراث ایمان وصلاح اور انعام و اکرام کی بنا پر نہیں ملتی بلکہ اس کی ملکیت و وراثت ابتلا و آزمائش کے قانون کے تحت ملتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے۔ ایمان وصلاح اور تقویٰ و پرہیزگاری کی بنا پر آخرت اور جنت کی زمین ملے گی جو بدلہ و انعام کے طور پر ملے گی- اللہ نصیب فرمائے- آمین ثم آمین۔

الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٨﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ

انجام (اور آخری کامیابی) بہرحال پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے، ف۱۶۰ انہوں نے (شکایت کرتے ہوئے) کہا کہ (موسیٰ)

اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ

ہمیں تمہارے آنے سے پہلے بھی ستایا جاتا رہا، اور تمہارے آنے کے بعد بھی ہمارا یہی حال ہے، موسیٰ نے جواب میں فرمایا، امید

اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ

ہے کہ تمہارا رب جلد ہی ہلاک کر دے گا تمہارے دشمن کو، اور جانشین بنا دے گا تم لوگوں کو اس ملک کا، پھر وہ دیکھے گا

كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٩﴾ ع وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ع ۱۵ ۵

کہ تم کیسے کام کرتے ہو، ف۱۶۱ اور بلاشبہ ہم نے پکڑا فرعون والوں کو

۱۶۰ انجامِ کار کامیابی پرہیزگاروں ہی کیلئے ہے: -خواہ بیچ میں کیسے ہی احوال وظروف سے گزرنا پڑے اور کیسی ہی مشکلات وصعوبات سدِّ راہ بنیں۔ انجام بہرحال پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔ پس تقویٰ و پرہیزگاری کا دامن کبھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے -فَاِیَّاکَ نَسْأَلُ اللّٰھُمَّ التَّوْفِیْقَ وَ السَّدَادَ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ وَ الْعَمَلِ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ -سو معاملہ اِس طرح نہیں جس طرح فرعون نے سمجھ رکھا تھا کہ ہم سب پر غالب ہیں۔ جو چاہیں کریں۔ بلکہ معاملہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ وہ جسکو چاہے زمین کا وارث بنائے -سبحانہٗ وتعالیٰ- وہ ظالموں کو جو ڈھیل دیتا ہے وہ بہرحال ایک ڈھیل ہوتی ہے جس نے بہرحال اپنے وقت مقرر پر ختم ہو کر رہنا ہوتا ہے اور اس کے بعد ظالم بہرحال اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں جیسا کہ فرعون اور فرعونیوں کے ساتھ ہوا -والعیاذ باللہ العظیم-

۱۶۱ دنیاوی مال وجاہ ذریعۂ آزمائش وابتلاء: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت موسیٰ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ تمہارا رب ہلاک کر دے تمہارے دشمن کو اور تم لوگوں کو جانشین بنا دے اس ملک کا پھر وہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ دنیاوی جاہ واقتدار کا ملنا دراصل اِبتلاء وآزمائش ہی کے لئے ہوتا ہے کہ اس کے بعد انسان کیا طریقہ اور وطیرہ اپناتا ہے۔ اگر وہ اس سے مشرف ہونے کے بعد اس کو اللہ پاک کا اِنعام واحسان سمجھتے ہوئے اُس کے آگے جھک گیا تو یہ جاہ واقتدار اُس کے لئے دارین کی سعادت وسرخروئی کا ذریعہ بن گیا۔ اور اس کے برعکس اگر وہ اس کی بناء پر اکڑ گیا اور سرکش ہو گیا تو یہ اُس کے لئے تباہی کا سامان بن گیا -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ -سو ایسے لوگوں کو ڈھیل خواہ جتنی بھی ملے انجام ان کا برا ہے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ جَلَّ وَ عَلَا- بہرکیف حضرتِ موسیٰ نے بنی اسرائیل کی شکایت پر ان کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر کے تم کو اس زمین میں جانشین بنا دے اور پھر وہ دیکھے کہ تم لوگ کیسا عمل کرتے ہو۔ سو اس کی آزمائش کبھی تکلیفوں میں ڈال کر ہوتی اور کبھی نعمتوں سے نواز کر -سبحانہٗ وتعالیٰ-

بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

(کئی سالوں کے) قحط، اور پیداوار کی کمی کے ساتھ، تاکہ وہ لوگ (ہوش میں آئیں اور) سبق لیں، ۱۶۲

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ

مگر جب ان پر خوشحالی آتی تو وہ کہتے کہ یہ تو ہمارے ہی لئے ہے، ۱۶۳ اور اگر

۱۶۲ مصائب و آلام ذریعۂ تنبیہ و تذکیر: ـ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ مصائب و آلام ذریعہ تنبیہ و تذکیر کا ایک اہم پہلو رجوع اِلی اللہ کیلئے تنبیہ و تذکیر ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان کو ان طرح طرح کے مصائب میں پکڑا تاکہ وہ لوگ سبق لیں اور اپنی اصلاح کرلیں۔ سو یہ مصائب و آلام کا ایک اہم مقصد ہے کہ ان کے ذریعے بگڑے ہوئے انسان کی اکڑی ہوئی گردن نرم پڑے اور وہ حق کے آگے جھک کر دارین کی سعادت و سرخروئی اور فوز و فلاح سے بہرہ ور ہو جائے۔ لیکن چونکہ انسان ضعیف اور کمزور مخلوق ہے، مصائب و آلام کا سہنا اور برداشت کرنا اس کے لئے بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو مصائب و آلام کی دعاء و طلب کبھی نہیں کرنی چاہیئے بلکہ اس ربّ کریم سے ہمیشہ امن و عافیت کی دعاء و درخواست کرنی چاہیئے۔ لیکن اسکے باوجود جب مصائب آ جائیں تو پھر صبر و برداشت ہی سے کام لینا چاہیئے۔ اور یہی طریقہ ہے صحت و سلامتی کا۔ اور اس سے وہ مصائب بھی اسکے لئے خیر و برکت اور دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ بن جائیں گے۔ فَنَسْأَلُ اللّٰهُمَّ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَيَآ اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ ـ بہر کیف مصائب و آلام کا یہ ایک اہم پہلو ہے۔ سو اس سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے فرعون والوں کو قحط سالی اور پیداوار کی کمی وغیرہ مصائب میں پکڑا تاکہ وہ سبق لیں اور باز آ جائیں اپنی سرکشی سے تاکہ خود ان کا بھلا ہو۔

۱۶۳ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بارے میں اہل باطل کا غلط نظریہ: ـ سو ارشاد فرمایا گیا کہ فرعونیوں کو جب کوئی اچھی حالت نصیب ہوتی تو وہ کہتے کہ یہ تو ہمارے ہی لیے ہے کہ ہم ہی اِس کے اہل اور مستحق ہیں۔ اور اس طرح یہ لوگ اس منعم حقیقی کے شکر کی توفیق سے محروم رہتے جو کہ بڑی محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ـ سو یہ تھا اہلِ باطل کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بارے میں غلط نظریہ اور ٹیڑھا زاویہ نگاہ کہ وہ اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھنے کی بجائے انکو اپنا حق سمجھنے لگتے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور آج بھی ایسے لوگوں کا یہی کہنا اور ماننا ہے جو کہ نورِ ایمان و یقین سے محروم ہوتے ہیں۔ سو وہ آج بھی یہی منطق بگھارتے اور طرح طرح سے اس بات کا اظہار و اعلان کرتے ہیں کہ ہمیں جو کچھ ملا ہے وہ اپنی ہی قابلیت، محنت و مشقت کے نتیجے میں ملا ہے۔ اس طرح ان کو شکرِ منعم کی توفیق ہی نہیں ملتی جو کہ ایک بہت بڑی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو نعمتوں کے بارے میں صحیح رویہ یہ ہے کہ ان کو اپنی قابلیت کا نتیجہ قرار دینے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان سمجھ کر دل و جان سے اس کا شکر ادا کیا جائے اور ان کو اس کی رضاء و خوشنودی کے حصول کے لیے خرچ کیا جائے۔ سو اس طرح اللہ تعالیٰ کی دی بخشی یہ نعمتیں انسان کے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ بن جاتی ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید وھو الہادی الی سواء السبیل۔

نُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوۡا بِمُوۡسٰى وَمَنۡ مَّعَهٗ ؕ

ان کو کوئی بدحالی پیش آتی تو اس کو وہ نحوست قرار دیتے موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی، ۱۶۴

اَلَاۤ اِنَّمَا طٰۤئِرُهُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا

یاد رکھو ان کی نحوست کا سبب تو اللہ ہی کے پاس ہے، ۱۶۵ لیکن ان میں سے اکثر لوگ

يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوۡا مَهۡمَا تَاۡتِنَا بِهٖ مِنۡ اٰيَةٍ لِّتَسۡحَرَنَا

جانتے نہیں، اور انہوں نے کہا (موسیٰ سے) کہ تم جو بھی کوئی نشانی لے آؤ ہمیں مسحور کرنے کیلئے

بِهَا ۙ فَمَا نَحۡنُ لَكَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمُ

تو (یاد رکھو کہ) ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں، ۱۶۶ آخر کار ہم نے بھیج دیا ان پر طوفان، اور چھوڑ دئے

الطُّوۡفَانَ وَالۡجَـرَادَ وَالۡقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَ

ان پر ٹڈی دل، اور پھیلا دیں ان پر (جوئیں اور) سرسریاں، نکال دئے مینڈک، اور برسا دیا ان پر خون الگ الگ

الدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ قف فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَكَانُوۡا قَوۡمًا

(اور عبرت انگیز) نشانیوں کے طور پر، پھر بھی وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں ہی پڑے رہے، اور وہ تھے ہی مجرم

مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيۡهِمُ الرِّجۡزُ قَالُوۡا يٰمُوۡسَى

لوگ ۱۶۷ اور جب ان پر ایسا کوئی عذاب آپڑتا تو وہ کہتے اے موسیٰ

۱۶۴ اہلِ باطل کا مصیبتوں کے بارے میں بھی غلط اندازِ فکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ لوگ مصیبت کو موسیٰ اور اُن کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے کہ انہی کی وجہ سے ہم اس مصیبت میں مبتلا ہوئے۔ ورنہ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو ہم پر ایسی مصیبتیں نہ آتیں وغیرہ وغیرہ۔ سو یہی اطوار ہوتے ہیں اُن لوگوں کے جو ایمان و یقین کی روشنی سے محروم ہوتے ہیں کہ ان کا زاویہ نگاہ اور نکتہ نظر نعمت اور مصیبت دونوں کے بارے میں غلط اور ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ نعمت اور مصیبت کی دونوں حالتوں میں خسارہ اٹھاتے ہیں۔ نعمت کو ایسے لوگ اپنا حق سمجھنے لگتے ہیں جس سے وہ شکرِ نعمت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اور مصیبت میں وہ حق کے آگے جھکنے اور دبنے کی بجائے اسکو دوسروں کی، خاص کر اللہ والوں کی نحوست قرار دیتے ہیں جس سے وہ سبق لینے کی بجائے الٹا دوہرے خسارے اور نقصان میں مبتلا ہوتے ہیں۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ۔

۱۲۵ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کا طائرِ نحوست ہے تو اللہ ہی کے پاس کہ سب کچھ اُسی کی قضا وقدر سے ہوتا ہے۔ اور اس کے مقرر کردہ اِن قوانینِ فطرت کے مطابق ہوتا ہے جو کہ اُس کی اِس کائنات میں جاری وساری ہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور اس خالق و مالک نے اِس دنیا کو ایسے حکیمانہ اصولوں اور مستحکم سنتوں پر استوار فرمایا ہے کہ اس میں خیر وشر کی یہ مختلف صورتیں ابتلاء و آزمائش وغیرہ مختلف حکمتوں کے مطابق پیش آتی رہتی ہیں۔ سو ان بدبختوں کا طائرِ نحوست وقسمت ہے تو اللہ ہی کے پاس کہ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے لیکن وہ ہے اُن کی اپنی ہی بدعملیوں کا نتیجہ۔ لیکن ان کی اکثریت اس حقیقت سے ناواقف ہے۔ اس لئے یہ لوگ اپنی نحوست دوسروں کے کھاتے میں ڈالتے ہیں اور اپنے آپ کو اس سے بری اور بے قصور سمجھتے ہیں جس سے ان کی محرومی ہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔

۱۲۶ عناد وہٹ دھرمی باعثِ ہلاکت ومحرومی۔ والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے موسیٰ سے صاف کہہ دیا کہ ہم نے تمہاری بات کو کسی بھی قیمت پر نہیں ماننا۔ یہ اُس ضد اور ہٹ دھرمی کا ایک کھلا ہوا نمونہ ہے جس میں یہ نابنجار قوم مبتلا تھی کہ اس طرح صاف صاف کہہ دیا تم خواہ کچھ بھی کر لو ہم نے ماننا نہیں۔ تو ایسے ضدی اور ہٹ دھرم ظالم لوگوں کو آخر حق وہدایت کی دولت اور ایمان ویقین کا نور ملے تو کیونکر ملے؟ سو عناد وہٹ دھرمی باعثِ محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف یہ ان کا حتمی جواب نقل ہوا کہ تم ہم پر جادو چلانے کے لئے خواہ کتنی ہی کوششیں کر لو ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں۔ اور جن بدبختوں کی ہٹ دھرمی اس حد تک پہنچ جائے ان کو کوئی خیر کس طرح مل سکتی ہے؟۔ ہدایت اور خیر تو انہی خوش نصیبوں کو مل سکتی ہے جو سننے ماننے اور اس کو اپنانے اختیار کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اور وہ اپنے دلوں میں اس کے لیے تڑپ اور طلبِ صادق رکھتے ہوں۔ سو انسان کے بناء بگاڑ کا اصل تعلق ان کے اپنے قلب وباطن سے ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔

۱۲۷ اِعراض واِستکبار محرومیوں کی محرومی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر بھی وہ لوگ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں پڑے رہے اور وہ تھے ہی مجرم لوگ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اِستکبار یعنی اپنی بڑائی کا گھمنڈ اور اِس کے نتیجے میں حق سے روگردانی محرومیوں کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور اِسی بناء پر اِن عبرت انگیز نشانیوں سے بھی نہ وہ دبے اور نہ ہی انہوں نے اس سے کوئی سبق لیا۔ اور یہی اَطوار ہوتے ہیں ان شامت زدہ قوموں کے جن کے لئے اُن کے اپنے آخری انجام کو پہنچنا مقدر ہو چکا ہوتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو اِستکبار یعنی اپنی بڑائی کا گھمنڈ محرومیوں کی محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ بہرکیف اوپر آیت نمبر ۱۳۰ میں جن آزمائشوں کا ذکر ہوا ہے وہ حق تعالیٰ کی اس عام سنت کے مطابق ظہور پذیر ہوئیں جو اللہ تعالیٰ ہر پیغمبر کی تائید وتقویت کے لئے اور لوگوں کے اندر تضرع اور تذکر پیدا کرنے کی غرض سے نازل فرماتا ہے۔ لیکن جب فرعونی ان سے اثر پذیر نہ ہوئے اور انہوں نے ان سے کوئی سبق نہ لیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرتِ موسیٰ کے ہاتھوں ان کو بہت سے معجزات دکھائے، جس میں سے چند ایک کا ذکر یہاں فرمایا گیا ہے۔ تاکہ ان لوگوں کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ حق کی طرف رجوع کر سکیں۔ مگر وہ لوگ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر ان سے منہ موڑے ہی رہے۔

ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنۡدَكَ ۚ لَئِنۡ كَشَفۡتَ

ہمارے لئے دعا کروا اپنے رب سے اس عہد کی بناء پر جو اس نے آپ سے کر رکھا ہے، ف۱۶۸ (اور) اگر آپ نے ہم سے

عَنَّا الرِّجۡزَ لَنُؤۡمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرۡسِلَنَّ مَعَكَ بَنِىۡۤ

یہ عذاب دور کرا دیا تو ہم ضرور بالضرور تمہاری بات مان لیں گے، اور بھیج دیں گے تمہارے ساتھ

اِسۡرَآءِيۡلَ ۚ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُمُ الرِّجۡزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمۡ

بنی اسرائیل کو، مگر جب ہم ان سے وہ عذاب دور کر لیتے ایک ایسی مدت تک جس کو

بٰلِغُوۡهُ اِذَا هُمۡ يَنۡكُثُوۡنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ

انہیں پہنچنا ہوتا تو وہ (یک لخت) توڑ دیتے اپنے عہد کو ف۱۶۹ آخر کار ہم نے ان سے انتقام لیا، اور غرق کر دیا ان کو

فِى الۡيَمِّ بِاَنَّهُمۡ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوۡا عَنۡهَا

سمندر میں، اس بناء پر کہ انہوں نے جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو، اور وہ ان سے غفلت

غٰفِلِيۡنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوۡرَثۡنَا الۡقَوۡمَ الَّذِيۡنَ كَانُوۡا يُسۡتَضۡعَفُوۡنَ

(ولا پرواہی) برت رہے تھے، ف۱۷۰ اور ہم نے وارث بنا دیا ان لوگوں کو جنہیں دبا کر رکھا گیا تھا ف۱۷۱

۱۶۸ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتے: سو ارشاد فرمایا گیا مصیبت کے موقع پر وہ لوگ حضرت موسیٰ سے کہتے کہ آپ اللہ سے دعاء کریں اس عہد کی بناء پر جو اس نے آپ سے کر رکھا ہے آپ کی دعاء کی قبولیت کے لئے۔ سو پیغمبر کا کام ہے دعاء کرنا اور بس۔ آگے قبول کرنا نہ کرنا اللہ پاک کی مشیت و مرضی پر موقوف ہے۔ وہ جس کی دعاء چاہے قبول فرمائے اور جس کی چاہے نہ قبول فرمائے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم کی دعاء اُن کے باپ کے حق میں کہ حضرتِ ابراہیم کی پوری خواہش اور چاہت کے باوجود ان کی دعاء اُن کے باپ کے حق میں قبول نہیں ہوئی۔ اور جیسے حضرتِ نوح کی دعاء اُن کے بیٹے کے حق میں قبول نہیں ہوئی۔ اور جیسے حضرتِ امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاء آپؐ کے چچا ابوطالب کے حق میں نہیں قبول فرمائی۔ سو معاملہ سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو معلوم ہوا کہ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتا، جیسا کہ اہلِ بدعت کا کہنا ہے کہ دعاء اور اختیارِ کلی کے درمیان تضاد اور منافات ہے۔ جو مختارِ کل ہوتا ہے وہ مانگتا اور سوال نہیں کرتا بلکہ اس کا کام حکم دینا اور امر کرنا ہوتا ہے۔ اور جو مانگتا اور دعا کرتا ہے وہ محتاج ہوتا ہے۔ اس لئے وہ مختارِ کل نہیں ہو سکتا۔ ورنہ اس کو مانگنے کی کیا ضرورت؟ اس لیے وہ لوگ حضرت موسیٰ سے اللہ تعالیٰ سے دعا و درخواست کے لیے کہتے تھے۔ یہ نہیں کہتے تھے کہ آپ اس مصیبت کو خود دور کر دو۔

۱۶۹ غفلت ولاپرواہی کا نتیجہ وانجام بہت برا - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب ہم ان سے وہ عذاب دور کر لیتے ایک ایسی مدت تک کے لیے جس کو انہوں نے پہنچنا ہوتا یعنی دونوں عذابوں کے درمیان کی مدت جو کہ اللہ پاک کے علم اور اسکی مشیت کے مطابق طے اور مقرر تھی - سبحانہ، وتعالیٰ - (معارف وغیرہ)۔ تو وہ لوگ بگڑ جاتے اور اپنے عہد و پیمان سے پھر جاتے اور اس کو بھول جاتے اور غفلت ولاپرواہی برتتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے آخری انجام کو پہنچ کر رہے۔ سو غفلت ولاپرواہی کا نتیجہ وانجام بہت برا ہے۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ جب وہ لوگ عذاب میں گرفتار ہوتے تو حضرتِ موسیٰ کے پاس آتے اور آپؑ کی منت سماجت کرتے کہ آپ اپنے رب کے حضور دعاء کریں اپنے اُس عہد کی بناء پر جو اُس نے آپ سے کر رکھا ہے۔ اور اپنے اُس قرب وتعلق کی بناء پر جو آپ کو اس کے یہاں حاصل ہے۔ تو ہم ضرور آپ کی بات مان لیں گے۔ اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ جانے دیں گے۔ مگر جب اُن سے وہ عذاب ایک خاص مدت تک کے لئے ٹال دیا جاتا تو وہ مکر جاتے اور اپنی اُسی سابقہ غفلت میں مبتلا ہو جاتے۔ اور یہ سب ساختشانے تھے ایمان ویقین سے محرومی کے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ -

۱۷۰ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کا نتیجہ دائمی ہلاکت - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخرِ کار ہم نے ان کو غرق کر دیا سمندر میں اس بنا پر کہ انہوں نے جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو اور وہ ان سے غفلت ولاپرواہی برتتے رہے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب اور ان کو جھٹلانا اور ان سے غفلت برتنا آخرت سے پہلے اِس دنیا میں بھی باعثِ ہلاکت اور موجبِ تباہی بن جاتا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - جبکہ ایمان و یقین کی دولت سے سرفرازی دارَین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ اور امن وسلامتی کا سبب ہے - وباللہ التوفیق - بہرکیف اِس اِرشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جب وہ لوگ اِتمامِ حجت کے باوجود اور توضیحِ حق کے باوصف اپنے جرائم پر اڑے اور ڈٹے ہی رہے، انہوں نے اللہ کی آیات سے غفلت ولاپرواہی برتی اور اُن پر ایمان لانے کی بجائے اُن کو سحر اور شعبدہ قرار دیا تو آخرِ کار ہم نے اُن سے انتقام لیا اور اُن کو سمندر میں غرق کر دیا۔ اور وہ اپنے اس آخری انجام کو پہنچ کر رہے جس کا مستحق انہوں نے اپنے آپ کو بنا دیا تھا۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے تکذیب وانکارِ حق کا۔ اور یہی مقتضیٰ ہے عدل وانصاف کا۔ مگر غفلت کی ماری دنیا اس طرح متوجہ نہیں ہوتی الا ماشاء اللہ۔

۱۷۱ مظلوموں کی مدد اللہ ہی کرتا ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے اِن کمزوروں اور مظلوموں کو اُس مبارک سرزمین کا وارث بنا دیا جن کو دبا کر رکھا گیا تھا۔ یعنی بنی اسرائیل کو جو کہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی اور فرعونی مظالم کی چکی میں پسی ہوئی ایک مظلوم اور دبی ہوئی قوم تھی۔ سو اُس کو ہم نے آزادی کی نعمت سے نواز کر زمین کا وارث بنایا۔ سو زمین وآسمان کی اِس کائنات کی زمامِ اقتدار اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہے اور جیسا اور جب چاہے عطاء فرمائے۔ سب کا حاجت روا ومشکل کشا وہی اور سب کچھ اُسی کے قبضۂ قدرت و اِختیار میں ہے۔ سو وہی قوم جو غلامی اور محکومی کی زنجیروں میں بری طرح سے جکڑی ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کو حریت وآزادی کی نعمت سے نواز کر فلسطین کی ارضِ مبارکہ کی مشرقوں اور مغربوں کا وارث بنا دیا۔ سو اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے اور اس کا کوئی بھی حکم وارشاد حکمت سے خالی نہیں ہوتا - سبحانہٗ وتعالیٰ -

مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ

اس زمین کے مشرق و مغرب کا جس کو ہم نے مالا مال کر رکھا تھا طرح طرح کی برکتوں سے، ۱۷۲

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬

اور (اس طرح) پورا ہو کر رہا تمہارے رب کا وہ عمدہ وعدہ جو بنی اسرائیل کے حق میں تھا،

بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ

اس بناء پر کہ انہوں نے صبر (واستقامت) سے کام لیا تھا، ۱۷۳ اور تہس نہس کر کے رکھ دیا ہم نے اس سب کو جو بناتا تھا

قَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ

فرعون اور اس کی قوم، اور ملیامیٹ کر دیا ہم نے ان اونچی عمارتوں کو جو تعمیر کرتے رہے تھے وہ لوگ، ۱۷۴ اور ہم نے پار کیا

اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤى

بنی اسرائیل کو سمندر سے، اور ان کا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جو چمٹے بیٹھے تھے

اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا

اپنے بتوں سے، تو انہوں نے (ان کو دیکھتے ہی) کہا، اے موسیٰ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا معبود بنا دو، جیسا کہ

۱۷۲ ارضِ مبارکہ سے مقصود و مراد؟: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان لوگوں کو اس مبارک و مقدس سرزمین کا وارث بنا دیا اور اس کے مشارق و مغارب کو ان کے کنٹرول میں دے دیا جس کو ہم نے طرح طرح کی برکتوں سے مالا مال کر رکھا تھا اور مراد اِس سے شام و فلسطین کی سرزمین ہے جو کہ ہر طرح کی برکتوں سے مالا مال ہے۔ ظاہری اور مادی برکتوں سے بھی کہ یہ سرزمین بڑی خوب صورت اور زرخیر ہے۔ اور اتنی کہ یہ دودھ و شہد کی سرزمین کہلاتی ہے۔ اور معنوی و روحانی برکتوں سے بھی کہ انبیائے کرام کی اکثریت کی بعثت و تشریف آوری بھی اِسی سرزمین میں ہوئی۔ سو مراد اِس ارضِ مبارک سے ارضِ شام و فلسطین ہے جس میں یہ دونوں قسم کی برکتیں ہمیشہ رہی ہیں۔ اور قرآنِ حکیم میں ارضِ مبارکہ اور ارضِ مقدسہ کا مصداق بالعموم یہی سرزمین ہوتی ہے۔

۱۷۳ صبر و استقامت ذریعۂ ظفر: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس طرح پورا ہو کر رہا تمہارے رب کا وہ وعدہ جو اس نے بنی اسرائیل کے حق میں فرما رکھا تھا اس بنا پر کہ انہوں نے صبر و استقامت سے کام لیا۔ سو اس سے واضح

فرما دیا گیا کہ صبر و برداشت اور استقلال و استقامت کو کامیابی اور فائز المرامی کے حصول میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔فَإِيَّاكَ نَسْأَلُ اللّٰهُمَّ الثَّبَاتَ وَالْاِسْتِقَامَةَ عَلٰى صِرَاطِكَ الْمُسْتَقِيْمِ فِيْ كُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ وَ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْأَحْوَالِ۔ سو صبر و استقامت وسیلہ ظفر ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ تمہارے رب کا وہ عمدہ وعدہ بالآخر پورا ہو کر رہا جو اس نے بنی اسرائیل سے فرما رکھا تھا۔ اور اس سے اشارہ اُس وعدے کی طرف ہے جس کا ذکر اس سے پہلے آیت نمبر ۱۲۸ اور آیت نمبر ۱۲۹ میں ہو چکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد سے کیا تھا اور جس کی تجدید آخر میں اس نے اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرتِ موسیٰ کے ذریعے فرمائی، سو آخرِ کار وہ وعدہ پورا ہو کر رہا اور بنی اسرائیل کی اس گھسی پٹی، مظلوم و مقہور اور غلامی و محکومی کی زنجیروں میں بندھی جکڑی قوم کو اُس ارضِ مبارکہ کا وارث بنا دیا گیا۔ اور یہ سب اِس بناء پر ہوا کہ بنی اسرائیل نے صبر و استقلال سے کام لیا۔ سو صبر و استقامت ذریعہ ظفر ہے۔ والحمد للہ۔

۱۷۴ مادی ترقی ہی کو اصل چیز سمجھ لینا تباہی کی راہ ہے۔ والعیاذ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے تباہ کر کے رکھ دیا اُن کی بلند و بالا عمارتوں کو جو وہ بنایا کرتے تھے اپنی دنیاوی عیش و عشرت کیلئے اور اپنی مادی ترقی کے زعم و گھمنڈ میں۔ وہ سمجھتے کہ یہی سب کچھ ہے۔ مگر وہ اِن کے کچھ بھی کام نہ آ سکا۔ سو وہ بلند و بالا عمارتیں اور بڑے بڑے محل اور کارخانے جو وہ لوگ بنایا کرتے تھے اور وہ عظیم الشان باغات جو وہ ٹٹیوں پر چڑھایا کرتے تھے، ان سب کو یکسر تہس نہس اور درہم برہم کر کے رکھ دیا گیا۔ سو تمہارے رب کی پکڑ ایسے ہی ہوتی ہے جبکہ وہ ظالم بستیوں کو پکڑنے پر آتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ، اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾ (ھود: ۱۰۲)۔ سو مادی ترقی ہی کو اصل چیز سمجھ لینا ہلاکت و تباہی اور خرابی کی جڑ بنیاد ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو جس مادی ترقی اور دنیاوی مال و متاع پر فرعون اور اُس کی قوم کو بڑا فخر و ناز تھا۔ اور جس کی بناء پر اس نے تکبر و غرور میں مبتلا ہو کر راہِ حق و ہدایت سے انحراف برتا اور ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ کا نعرہ لگا دیا۔ اس کے نتیجے میں آخرِ کار وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے فی النار والسقر ہو گیا۔ اور یہ سب کچھ یہیں چھوڑ کر اس کو یکہ و تنہا دنیا سے کوچ کرنا پڑا، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ﴿كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّ زُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ، وَنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ﴾ (الدخان: ۲۵-۲۷)۔ سو اس میں بڑا سامانِ عبرت و بصیرت ہے ہر اُس شخص کے لئے جو نصیحت پکڑنا چاہے۔ اور یہ درس ہے کہ اصل چیز مادی ترقی نہیں بلکہ روحانی اور باطنی ترقی ہے۔ و باللہ التوفیق۔

لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ

ان لوگوں کے معبود ہیں، موسٰی نے فرمایا واقعی تم لوگ بڑی جہالت میں ہو ۱۷۵ بے شک تباہ و

مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

برباد ہو کر رہنے والا ہے وہ سب کچھ، جس میں یہ لوگ محو ہیں، اور باطل ہے وہ سب کچھ جو یہ کر رہے ہیں، ۱۷۶

۱۷۵ غلام قوم کے مشرکانہ مزاج کا ایک مظہر و نمونہ:- "سو اس سے ایک مشرک اور غلام قوم کی مشرکانہ اور غلامانہ ذہنیت کا ایک نمونہ سامنے آتا ہے کہ جونہی ان کا گزر ایک ایسی مشرک قوم پر ہوا جو اپنے بتوں پر چمٹی بیٹھی تھی تو انہوں نے موسٰی سے کہا کہ ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دو جیسا کہ ان لوگوں کے معبود ہیں"۔ کیونکہ وہ لوگ پیکرِ محسوس کی پوجا کے ایسے عادی اور خوگر ہو گئے تھے کہ ان بت پرست مشرکوں کو دیکھتے ہی ان پر ریجھ گئے اور فوراً اللہ کے نبی کے آگے اپنا یہ بے ہودہ مطالبہ پیش کر دیا۔ سو معلوم ہوا کہ مشرکوں اور بت پرستوں کے اندر سے شرک و بت پرستی کے جراثیم کا نکلنا بہت مشکل کام ہے۔ سو اس سے حضرت خاتم الانبیاء -صلی اللہ علیہ وسلم- کی معجزانہ سیرت کے اس پہلو کی عظمت کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپؐ نے کس طرح ایک ایسی قوم کو جو جدی پشتی مشرک و بت پرست قوم تھی اور شرک جن کے رگ و ریشے میں پیوست ہو چکا تھا، ان کو شرک و بت پرستی کے ہاویے سے نکال کر توحید کے عقیدۂ صافیہ کا ایسا علمبردار بنا دیا کہ شرک و بت پرستی کا کوئی شائبہ تک ان کی حیات اور بود باش کے کسی گوشہ اور زاویہ تک میں باقی نہ رہا۔ اور ایک تھوڑے اور مختصر و محدود سے عرصے میں ایسا کامل و مکمل انقلاب برپا کر دیا جس کی نظیر چشم فلک نے نہ اس سے پہلے کبھی دیکھی اور نہ آئندہ قیامت تک کبھی دیکھ سکے گی- فَصَلَوٰاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَفْضَلَ مَا يَكُوْنُ وَاَحَبَّ مَا يَكُوْنُ وَ اَبْقٰى مَا يَكُوْنَ -بہر کیف اِرشاد فرمایا گیا کہ بنی اسرائیل کے ان بدبختوں نے مشرک قوم کو دیکھتے ہی حضرتِ موسٰی سے ان کے لئے ایک بت بنانے کا بیہودہ مطالبہ کر دیا۔ کہ موسٰی ہمارے لیے بھی ایک ایسا معبود بنا دیں جیسے کہ ان لوگوں کے لیے یہ معبود ہیں۔

۱۷۶ کفر و شرک کا انجام ہلاکت و بربادی -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت موسٰی نے ان لوگوں کے اس بیہودہ مطالبے کے جواب میں ان سے کہا کہ بے شک تباہ ہو کر رہنے والا ہے وہ سب کچھ جس میں یہ لوگ محض اپنے وہم باطل کی وجہ سے پڑے ہیں۔ اور باطل ہیں وہ تمام اعمال جو یہ لوگ کر رہے ہیں:۔ تو پھر بھی تم لوگ مجھ سے اس کی درخواست کرتے ہو اور وہ بھی میرے سامنے، اور مجھ ہی سے۔ اور اس قدر صراحت اور ڈھیٹ پنے کے ساتھ؟ واقعی تم بڑے ہی کوڑھ مغز اور ناشکرے لوگ ہو کہ توحید خداوندی کے عقیدۂ صافیہ سے آگہی و سرفرازی کے بعد ایسی حماقت کا ارتکاب کرتے اور اس قدر ڈھٹائی کے ساتھ شرک اور بت پرستی کا مطالبہ کرتے ہو۔ کفر و شرک کا انجام بہر حال تباہی ہے۔ بہر کیف حضرتِ موسٰی نے ان لوگوں سے فرمایا کہ یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ سب بہر حال تباہ و برباد ہو کر رہنے والا ہے۔ اس لئے کہ یہ سب کچھ یکسر بے بنیاد اور سراسر باطل ہے۔ اور باطل کا انجام یہی ہے کہ اس نے بالآخر مٹ کر رہنا ہے۔ سو تم لوگ کیسی بے ہودہ اور تباہ ہونے والی چیز کا مطالبہ کر رہے ہو؟ آخر تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا اور تمہاری مت کہاں ماری گئی؟ - والعیاذ باللہ العظیم۔

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ

نیز فرمایا کہ کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لئے کوئی معبود تلاش کروں، حالانکہ اسی (وحدہٗ لاشریک) نے تم کو فضیلت بخشی ہے

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

سب جہاں والوں پر، ۱۷۷ اور (وہ بھی یاد کرو کہ) جب ہم نے نجات دی ۱۷۸ تم کو فرعون والوں سے،

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ

جو چکھاتے تھے تم لوگوں کو بُرا عذاب، تمہارے بیٹوں کو وہ لوگ چن چن کر قتل کرتے،

وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ

اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے، اور بے شک اس میں بڑی بھاری آزمائش تھی

۱۷۷ معبودِ برحق اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی نہیں:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت موسیٰ نے ان لوگوں سے مزید کہا کہ کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود تلاش کرلوں حالانکہ اسی وحدہٗ لاشریک نے تم لوگوں کو فضیلت بخشی ہے سب جہانوں پر۔ یعنی جب معبودِ حقیقی اُس وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی ہے ہی نہیں اور اس نے تم لوگوں کو طرح طرح کے اِنعامات اور اِحسانات سے بھی نوازا ہے تو پھر یہ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ میں اُس خالق و مالکِ حقیقی اور معبودِ برحق کے سوا تمہارے لئے کوئی اور معبود تلاش کروں؟ کہ اسکے سوا کوئی معبود ہے ہی نہیں۔ سو تم لوگ ذرا سوچو کہ تمہارے رب نے اپنی ہدایت اور شریعت کے لئے تمہارا انتخاب کرکے تم کو کس قدر عظمت اور فضیلت سے نوازا؟ تو کیا میں تمہارے لئے اُس خدا کو چھوڑ کر کوئی اور معبود تلاش کروں؟ سو ذرا تم لوگ سوچو کہ اِس سے بڑھ کر ناشکری اور بے انصافی اور کیا ہوسکتی ہے؟ تو پھر میں تمہارا یہ بیہودہ مطالبہ آخر کس طرح مان سکتا ہوں؟ - والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۷۸ نجات دہندہ اور مشکل کشا سب کا اللہ ہی ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ بھی یاد کرو کہ جب ہم نے تم کو نجات دی تھی فرعون والوں سے کہ نجات دہندہ اور حاجت روا و مشکل کشا سب کے ہم ہی ہیں۔ اور جب موسیٰ جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر بھی حاجت روا و مشکل کشا نہیں، بلکہ وہ بھی مشکلات و مصائب سے رہائی پانے کے لیے ہمارے ہی محتاج ہیں تو پھر اور کون ہے جو کسی کا حاجت روا و مشکل کشا ہوسکے؟ سو غلط کہتے اور شرک کا ارتکاب کرتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا بغیر کسی سند و دلیل کے طرح طرح کے حاجت روا و مشکل کشا از خود گھڑ رکھے ہیں۔ سو اس ارشاد سے ان کو تذکیر و یاددہانی فرمائی گئی کہ جب تمہارے مشکل کشا اور حاجت روا ہم ہی ہیں اور فرعون کی غلامی سے نجات ہم ہی نے تم لوگوں کو دلائی تو پھر تم لوگ کسی اور خود ساختہ معبود کا مطالبہ آخر کس طرح کرتے ہو؟۔ پس حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿١٤١﴾ ع وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ

تمہارے رب کی جانب سے، اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس

لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ

راتوں کا، پھر ان میں ہم نے دس راتوں کا اور اضافہ کر دیا، اس طرح پوری ہوگئی اس کے رب کی مقررہ کردہ مدت چالیس

لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ

راتیں، ف۱۷۹ اور (چلتے وقت) موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے ف۱۸۰ کہا کہ میرے پیچھے میری جانشینی کرنا،

۱۷۹ بنی اسرائیل کے لئے دستورِ حیات کا انتظام: - کہ دستورِ حیات اور کتابِ شریعت کی ضرورت سب سے بڑھ کر ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے تمہارے لیے اس کا بھی انتظام کیا تاکہ تم کو دستورِ حیات اور کتابِ شریعت یعنی تورات سے نوازیں، جس کی تعلیماتِ مقدسہ کی روشنی میں تم لوگ پاکیزہ زندگی گزار کر دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز ہوسکو کہ انسان کیلئے دستورِ حیات اور کتابِ شریعت کی ضرورت کھانے پینے کی ظاہری اور مادی ضرورتوں سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ اس لیے اللہ پاک نے اپنے بندوں کیلئے ہمیشہ اس کا بھی انتظام فرمایا ہے۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ موسیٰ کو دستور وشریعت سے نوازنے کے لئے ہدایت ہوئی کہ تیس دن کے لئے کوہِ طور کے ایک مخصوص مقام پر حاضر ہوں اور وہاں پر آپؑ وقتِ مقرر سے بھی پہلے پہنچ گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حکمت و تربیت کے تقاضوں کے مطابق اِس مدت کو تیس دن سے بڑھا کر چالیس دن کر دیا گیا۔ سو اِس سے اِس اہتمام کو بیان فرما دیا گیا جو حضرتِ موسیٰ کو کتاب دینے کے لئے کیا گیا تھا۔ والحمد للہ جل وعلا۔

۱۸۰ حضرتِ ہارونؑ کی خلافت کا ذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ کوہِ طور کے سفر پر روانہ ہوتے وقت حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون سے فرمایا کہ آپ میرے پیچھے میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور حضرت ہارون وہ ہیں جن کو آپؑ کی درخواست ہی پر آپؑ کی معاونت کے لئے آپ کا وزیر بنایا گیا تھا۔ تاکہ راہِ حق میں دونوں ملکر کام کریں۔ چنانچہ حضرتِ موسیٰ ان کو اپنی غیر موجودگی کے دوران اپنا خلیفہ وجانشین بنا کر گئے اور ان کو اس موقع پر اہم اور بنیادی نصیحتیں فرمائیں - عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام - سو اِس سے اُس اہتمام کا پتہ چلتا ہے جو حضرتِ موسیٰ نے اپنی وقتی غیبت کے دوران بنی اسرائیل کی نگرانی اور اُن کے دین وایمان کی حفاظت کے لئے فرمایا۔ کیونکہ آنجنابؑ نے اِس قوم کی ہدایت و اِصلاح کے لئے بڑی محنت فرمائی اور اپنی محنت کی حفاظت کا خیال واہتمام ایک طبعی اور فطری امر ہے۔ اس لئے حضرتِ موسیٰ نے اپنے وقتِ غیاب کے دوران حضرتِ ہارون کو اِس ضمن میں اپنا خلیفہ اور نائب بنایا اور ان کو اس بارے خاص ہدایات فرمائیں - عَلٰى نبینا و علیهما الصلوٰة والسلام -

قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴۲﴾

میری قوم میں، اور اصلاح کرتے رہنا، ۱۸۱ اور پیروی نہیں کرنا بگاڑ پیدا کرنے والوں کے راستے کی، ۱۸۲

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ

اور جب آ پہنچے موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر، اور کلام فرمایا ان سے ان کے رب نے، تو انہوں نے التجاء

رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ

کی، ۱۸۳ کہ اے میرے رب! مجھے اپنا دیدار کرا دیجئے کہ میں آپ کو دیکھ سکوں، ۱۸۴ فرمایا کہ (ان دنیاوی آنکھوں سے) تم مجھے کبھی نہیں

انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ

دیکھ سکتے، ۱۸۵ لیکن (اپنی تسلی کے لئے) تم اس پہاڑ پر نظر رکھو، اگر تو وہ (ہماری ایک جھلک پڑنے سے) اپنی جگہ برقرار رہ گیا تو پھر

۱۸۱ قوم کی اِصلاح اور خیر خواہی کی سب سے اہم ذمہ داری کی تفویض: - سو حضرت موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ آپ اصلاح کرتے رہنا ان لوگوں کی دعوت و تبلیغ حق اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے۔ تاکہ یہ لوگ کہیں راہِ صدق وصواب سے پھسل نہ جائیں۔ سو اس سے پیغمبر کے اپنی امت کے بارے میں جذبہ خیر خواہی کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ بہرکیف حضرتِ موسیٰ نے اپنی اِس وقتی غیبت کے دوران حضرتِ ہارون کو جو کہ آپؑ سے عمر میں بڑے تھے اور جن کے بارے میں آپؑ نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعاء کی تھی کہ اِن کو میرا وزیر اور نائب بنا دیا جائے اور ان کو میری قوت کا ذریعہ بنا کر میرے کام میں شریک بنا دیا جائے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ هٰرُوْنَ اَخِی اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ﴾ (طٰہٰ: ۲۹-۳۳) سو حضرتِ موسیٰ نے ان کو اپنی اِس وقتی غیر حاضری کے عرصے کے لیے اپنا خلیفہ اور نائب بنا دیا۔ اور ان کو قوم کی اصلاح کی اہم ذمہ داری تفویض فرمائی۔

۱۸۲ مفسدوں کی پیروی سے ممانعت: - سو حضرت موسیٰ نے اپنی ہدایات کے ضمن میں حضرت ہارون سے مزید فرمایا کہ آپ مفسدوں کی پیروی نہیں کرنا۔ جو کہ کفر وشرک اور معصیت و نافرمانی کا ارتکاب کر کے اللہ کی زمین میں خرابی و فساد برپا کریں۔ سو ان کی پیروی نہیں کرنا کہ اِن کی پیروی باعثِ ہلاکت و خرابی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ - سو حضرتِ موسیٰ کے اِس اِرشاد سے کہ آپ مفسدوں کی پیروی نہیں کرنا یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ قوم کے اندر کچھ ایسے فسادی عناصر موجود تھے جن سے حضرتِ موسیٰ آگاہ تھے۔ اور ان کی پچھلی کارستانیوں کی بناء پر حضرتِ موسیٰ کو اُن کی طرف سے فساد کا اندیشہ تھا۔ اس لئے آپ نے حضرتِ ہارون کو خاص طور پر یہ ہدایت فرمائی کہ اگر یہ عناصر کوئی

فتنہ اٹھانے کی کوشش کریں تو اس کو چلنے نہیں دینا۔ یہاں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ پیغمبر نہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے ہیں اور نہ عالمِ غیب اور نہ مختارِ کل۔ جس طرح کہ ہمارے یہاں کے بعض لوگوں کا کہنا اور ماننا ہے۔ کیونکہ اگر ان میں سے کوئی بھی بات ہوتی تو نہ تو حضرت موسیٰ کو اپنی اس غیر حاضری کے پیچھے کسی کو اپنا خلیفہ بنانے کی ضرورت ہوتی اور نہ ہی آپ اپنے بعد اشرار و مفسدین کے بارے میں اس طرح فکر مند ہوتے۔

۱۸۳ حضرتِ موسیٰ کی اپنے رب سے دیدار کی درخواست:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر پہنچ گئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا تو اس موقع پر موسیٰ نے یہ درخواست پیش کر دی۔ سو کوہِ طور پر اپنے رب سے ہمکلامی کے شرف سے مشرف ہونے کے بعد حضرت موسیٰ کے دل میں اپنے رب کی دید و زیارت کا بھی شوق پیدا ہوا۔ لذتِ تکلمِ ربّانی سے مخمور و سرشار اور فرطِ شوق و محبت سے متاثر و مغلوب ہو کر۔ اور ظاہر ہے کہ اپنے رب اور اپنے خالق و مالک کی دید و زیارت سے بڑھ کر محبوب چیز اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور حضرتِ موسیٰ کلیم اللہ سے بڑھ کر اس کا اشتیاق اور کس کو ہو سکتا ہے؟ اس لئے آنجناب نے بے ساختہ اپنی یہ درخواست حضرتِ حق ۔ جل مجدہٗ ۔ کی بارگہ اقدس واعلیٰ میں پیش کر دی۔

۱۸۴ لذتِ دید سے سرفرازی کی التجا:۔ سو آپ نے حق تعالیٰ کی بارگہ اقدس میں عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے اپنا دیدار بھی کرا دیجیے تاکہ میں آپ کو دیکھ سکوں۔ تاکہ اس طرح حلاوتِ کلام و گفتار سے سرفراز ہونے کے ساتھ ساتھ لذتِ زیارت و دیدار سے بھی سرفرازی و شادکامی نصیب ہو سکے۔ سو حضرتِ موسیٰ نے اس بناء پر کہ جس ذاتِ اقدس واعلیٰ کا کلام سامعہ نواز ہوا اس کا دیدار بھی باصرہ نواز ہو جائے، اپنی یہ عرض والتجاء پیش کر دی کہ اے میرے رب مجھے اپنی ذاتِ اقدس واعلیٰ کا دیدار کرا دیجئے تاکہ میں دیکھ سکوں۔ اور ہمکلامی کے شرف کے ساتھ ساتھ شرفِ دید سے بھی مشرف ہو سکوں۔

۱۸۵ مخلوق کا اِس دنیا میں رویتِ باری سے عجز:۔ سو اس درخواست کے جواب میں ارشاد ہوا کہ موسیٰ تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے کہ مخلوق کے بس میں نہیں کہ وہ اپنی اِن عاجز و قاصر اور محدود نگاہوں سے حضرتِ خالق ۔ جل مجدہٗ ۔ کا اِس دنیا میں دیدار کر سکے۔ البتہ آخرت میں اس کو یہ شرف نصیب ہو گا کہ وہاں مومن کو ایک نئی زندگی اور نئی اٹھان ملے گی اور وہاں اسکے قوائے علم و اِدراک اور ہونگے۔ اور وہاں پر رؤیتِ باری جنت کی سب سے بڑی نعمت ہوگی، جیسا کہ آثار و روایات میں مفصلاً مذکور ہے۔ اس لئے وہاں یہ نعمتِ عظمٰی نصیب ہو جائے گی ۔ اللہ نصیب فرمائے ۔ آمین ثم آمین۔ بہرکیف حضرتِ موسیٰ کا یہ شوق چونکہ ایک فطری اور طبعی امر تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر حضرتِ موسیٰ کی ملامت نہیں فرمائی گئی۔ بلکہ یہ فرمایا گیا کہ اِن ناسوتی آنکھوں سے اور اس دنیا میں اِنسان خداوندِ قدوس کی زیارت نہیں کر سکتا۔ صرف اُس کی صفات کے مظاہر ہی دیکھ سکتا ہے کہ اس کی ذات اقدس واعلیٰ بہت ہی بلند ہے ۔ سبحانہٗ وتعالیٰ ۔ اللہ اپنی عنایات سے زیادہ سے زیادہ سرفراز فرمائے ۔ آمین۔

تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ

تم بھی مجھے دیکھ سکو گے، مگر جب اس کے رب نے تجلی فرمائی اس پہاڑ پر تو ریزہ ریزہ کر دیا اس کو، اور گر پڑے

مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ

موسیٰ بے ہوش ہو کر، پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا، پاک ہے تیری ذات، ۱۸۶ میں تیرے حضور توبہ کرتا

اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّيْ

ہوں، اور میں سب سے پہلا یقین لانے والا ہوں (اے میرے رب) ۱۸۷ (موسیٰ کے رب نے) فرمایا، اے موسیٰ بے شک

اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۖ

میں نے چن لیا ہے تم کو، دوسرے لوگوں کے مقابلے میں، اپنی پیغمبری اور ہم کلامی کے ذریعے، ۱۸۸

فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ

پس تم لے لو جو کچھ کہ میں تم کو عطا کروں، اور ہو جاؤ تم شکر کرنے والوں میں سے، اور لکھ دی تھی ہم نے ان کے لئے

فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا

ان تختیوں میں ہر طرح کی نصیحت، اور تفصیل

لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا

ہر چیز کی، ۱۸۹ سو (کہا ان سے کہ) لے لو تم اس کو مضبوطی سے، اور حکم کرو اپنی قوم کو کہ وہ اپنا لیں ان کو،

۱۸۶ تجلیٔ ربانی کی عظمت شان کا ذکر و بیان:- سو حضرت موسیٰ سے ان کے تسلیہ و تسکین کے لیے ارشاد فرمایا گیا کہ آپ اس پہاڑ کو دیکھیں۔ اگر یہ ہماری تجلی کی ایک جھلک کو سہار گیا اور اپنی جگہ پر برقرار رہ سکا تو پھر تم مجھے دیکھ سکو گے اور اگر پہاڑ جیسی ٹھوس اور سخت مخلوق بھی اُس وحدہٗ لاشریک کی تجلی کی ایک کرن پڑنے سے اپنی جگہ برقرار نہ رہ سکے تو پھر انسان ضعیف البنیان کی کیا جان کہ وہ اپنی ان کمزور اور محدود نگاہوں سے اُس کی دید و زیارت کا تحمل کر سکے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اس سے تجلیٔ ربانی کی عظمتِ شان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سو حضرتِ موسیٰ کو یہ مشاہدہ اُن کے اطمینان کے لئے کرایا گیا کہ خداوندِ قدوس کی تجلیٔ ذات کی تاب جب کوہ وجبل بھی نہیں لا سکتے، جو کہ ٹھوس اور جامد ہونے کے اعتبار سے ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں، تو پھر انسان ضعیف البنیان کی کیا جان کہ وہ اس کی تاب لا سکے؟۔ سو حق تعالیٰ کی شان بہت ہی بلند اور

اعلیٰ و بالا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو اس کو ویسا مانا جائے جیسا وہ اپنے بارے میں خود بتائے اور اس کا رسول بتائے۔

۱۸۷ حضرتِ موسیٰ کی توبہ اور تنزیہہ ربانی کا اعلان: ۔ سو حضرت موسیٰ نے ہوش میں آنے کے بعد عرض کیا کہ پاک ہے تو اے میرے مالک! ہر نقص وعیب اور ہر شائبہ محدودیت سے۔ اور اس سے کہ اس دنیا میں کوئی اپنی عاجز اور قاصر ناسوتی آنکھوں سے تیری زیارت و دید سے بہرہ مند ہو سکے۔ میں توبہ کرتا اور معافی کا خواستگار ہوں اور میں سب سے پہلے اس پر ایمان لانے والا ہوں۔ کیونکہ پیغمبر اپنی امت کا مقتداء و پیشوا ہوتا ہے اور اس کا ایمان و یقین اسکی امت کیلئے مشعلِ راہ اور مینارۂ نور ہوتا ہے۔ بہرکیف موسیٰ نے عرض کیا کہ میں سب سے پہلے اُس پر ایمان لاتا ہوں کہ تیری ذات ہماری آنکھوں کی دید اور مشاہدہ سے اعلیٰ و بالا ہے۔ تبارکتَ و تعالیتَ۔ سو یہ حضرات انبیاءِ کرام کی شانِ عبدیت و انابت کا نمونہ ہے۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

۱۸۸ حضرتِ موسیٰ کیلئے تسلیہ و تسکین کا سامان: ۔ سو ارشاد ہوا کہ موسیٰ میں نے تم کو چن لیا اپنی رسالت اور ہمکلامی کے لئے۔ اور یہ سب سے بڑا شرف و اعزاز ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے کسی بندے کو سرفراز فرمایا جاتا ہے۔ پس تم دیدار سے محرومی کا خیال کر کے ملول نہیں ہونا، بلکہ اُس کی عطاء فرمودہ اس عظیم الشان نعمت کو یاد کر کے اُس کے شکر سے رطب اللسان و شاد کام رہنا۔ پس مطلب اِس ارشاد کا یہ ہوا کہ میں نے تم کو اپنے کلام اور اپنے پیغام سے لوگوں پر جو بزرگی بخشی ہے، تمہارے شرف کے لئے وہی کافی ہے۔ پس تم اس تعلیم اور ہدایت کو مضبوطی سے پکڑو، جس سے میں نے تم کو نوازا ہے، اور اس کے حق کی ادائیگی کے لئے تم دل و جان سے اور برابر میری شکر گزاری میں لگے رہو۔ خود بھی دل و جان سے اِس کی قدر کرو اور دوسروں کو بھی اِسی کی تعلیم و تلقین کرو۔ سو جو کچھ تمہیں عطاء ہوا ہے وہی بہت ہے۔ اسی پر قناعت کرو اور میرے دیدار کی خواہش نہ کرو۔ بہرکیف اس ارشاد سے حضرتِ موسیٰ کو اجتباء و اصطفاء کی خوشخبری سے نوازا گیا۔ والحمدللہ جل وعلا۔

۱۸۹ اَلواحِ تورات کے ﴿تَفۡصِيۡلًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ﴾ ہونے کا مطلب؟: ۔ یعنی ہر اس چیز کی تفصیل جس کی اس وقت ان لوگوں کو ضرورت تھی۔ (الکشاف وغیرہ)۔ تا کہ اس سے وہ لوگ اپنے خالق و مالک کی معرفت و بندگی، حلال وحرام کے درمیان فرق وتمیز اور جائز و ناجائز وغیرہ امور سے متعلق اپنی ضروریاتِ دین کو پہچان سکیں۔ نہ کہ قیامت تک کے تمام اُمور سے متعلق کہ یہ شان تو صرف قرآنِ حکیم کی ہے، جو سب کتابوں کی جامع اور ان کے اَحکام و مضامین کی امین و پاسدار اور ان کیلئے ''مُهَيۡمِن'' ہے۔ سو تورات کے ﴿تَفۡصِيۡلًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ﴾ ہونے کا مطلب یہی ہے اور یہی عام ضابطہ اور قاعدہ کلیہ ہے جسکو علمائے کرام اس طرح بیان فرماتے ہیں ''عُمُوۡمُ كُلِّ شَىۡءٍ مَا يُنَاسِبُهٗ''۔ یعنی ہر چیز کے عموم کا وہی معنیٰ و مفہوم مراد ہوتا ہے جو اسکے مناسب ہو۔ پس اس طرح کے عموم سے اہلِ بدعت جو اپنے شرکیہ عقائد کیلئے استدلال کرتے ہیں وہ باطل و بے بنیاد ہے۔ اِس لئے حضراتِ اہلِ علم اِس کی تشریح و تفسیر اس طرح کے الفاظ سے کرتے ہیں ''تَفۡصِيۡلَ كُلِّ شَىۡءٍ يَحۡتَاجُوۡنَ اِلَيۡهِ مِنۡ اُمُوۡرِ الدِّيۡنِ مِنَ الۡحَلَالِ وَالۡحَرَامِ وَغَيۡرِ ذٰلِكَ'' (ابنِ کثیر، مدارک التنزیل وغیرہ)۔ بہرکیف حضرت موسیٰ کو ان الواحِ علم وہدایت سے نوازا گیا۔ جن میں اس زمانے کے مطابق ہدایت وراہنمائی کا پورا سامان موجود تھا۔

بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ

انکے بہترین مفہوم کے ساتھ، ف۱۹۰ میں عنقریب ہی دکھادوں گا تم لوگوں کو گھر فاسقوں کا ۱۹۱ میں پھیر دوں گا

عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ

اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو جو تکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق طور پر، ۱۹۲

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ

اور (ان کی ہٹ دھرمی کا عالم یہ ہے کہ) اگر یہ (حق کو واضح کرنے والی) ہر نشانی کو بھی دیکھ لیں تو بھی یہ اس پر ایمان لانے کے

الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ

نہیں، ۱۹۳ اگر یہ ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اسے اپنا راستہ نہیں بناتے اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں

يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا

تو اسے (فوراً) اپنا راستہ بنا لیتے ہیں، یہ اس لئے کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو، اور یہ ان سے غفلت (اور

۱۹۰ ﴿بِاَحْسَنِهَا﴾ کا معنیٰ و مطلب؟ اور ایک اہم ضابطے کی تعلیم و تلقین: ـ یعنی وہ لوگ ان الواح اور ان میں موجود و مندرج ہدایات و تعلیمات کو اس بہترین مفہوم و مطلب کے ساتھ لیں جو کہ صحیح و درست اور منشاء و مرادِ خداوندی کے مطابق ہو۔ عام طور پر مترجم حضرات اس کا جو ترجمہ کرتے ہیں وہ دراصل ترجمہ ہوتا ہے "اَحْسَنَهَا" کا، نہ کہ ﴿بِاَحْسَنِهَا﴾ کا جو کہ یہاں مذکور ہے۔ ہم نے اپنے ترجمے میں اسی مفہوم کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ـ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَلَهُ الْحَمْدُ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَبَعْدَ كُلِّ شَيْءٍ ـ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اِن تعلیمات و ہدایات کو مضبوطی اور قوت کے ساتھ پکڑو اور اس کو عزم و جزم کے ساتھ اپناؤ۔ اور ہر طرح کے حالات میں ان پر کاربند اور عمل پیرا رہو اور اپنی قوم کو بھی اس بات کی ہدایت کرو کہ وہ ان کو ان کے بہترین معانی و مطالب کے اعتبار سے اپنائے اور دوسری جاہل قوموں کی ریس میں ان کے بتوں جیسے بتوں کی بیہودہ فرمائش سے بچیں۔ اور اپنی اہواء واغراض کی بنا پر ان میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہ کریں۔ سو اس ارشادِ ربانی سے ایک بڑے اہم ضابطے اور اصول کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہدایت و وحی خداوندی کو اس کے اس اصل اور حقیقی مفہوم میں لیا جائے جو کہ فی الواقع اس کا مفہوم ہوتا ہے۔ اس میں اپنی اہواء واغراض کے مطابق کوئی تحریف و تغییر نہ کی جائے۔ اسی لیے حضرات علماء حقانیین ہمیشہ اس امر پر زور دیتے ہیں کہ قرآن حکیم کا وہی معنیٰ و مطلب معتبر ہو سکتا ہے جو کہ پیغمبر سے ثابت ہو اور جو اسلاف کرام سے صحیح سند اور ثبوت کے ساتھ پہنچا ہو۔ اس میں اپنی طرف سے کوئی تغیر و

تبدیلی جائز نہیں ہو سکتی۔ سو یہ ایک ایسی اہم اور بنیادی تعلیم ہے کہ اگر اس کو صحیح طریقے سے اپنایا جائے اور اس کی پابندی کی جائے تو بہت سے فتنوں کے دروازے خود بخود بند ہو جاتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

۱۹۱ ﴿دار الفاسقین﴾ سے مراد اور اس سے عبرت پکڑنے کی ضرورت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ میں عنقریب ہی تم کو ان فاسقوں اور بدکاروں کا گھر دکھا دوں گا جو کہ تباہ ہو گئے اور اپنے انجام کو پہنچ چکے۔ تا کہ تم لوگ اس سے عبرت پکڑو اور اپنا راستہ اور قبلہ درست کر لو۔ اور مراد اس ﴿دار الفاسقین﴾ سے ارضِ مصر ہے، جیسا کہ بعض علماء و مفسرین کا کہنا ہے کہ وہاں فرعون اور اس کی قوم آباد تھی۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ میں تم لوگوں کو فاسقوں کا گھر اور ان کی زمین دکھاؤں گا، تا کہ تم لوگ عبرت پکڑو اور ان کے طور طریقوں سے بچ کر رہو۔ اور اس طرح تم لوگ اِس ہولناک انجام سے بچ سکو جس سے وہ لوگ دوچار ہوئے ہیں۔ سو اِس ارشاد سے آگے کے مراحل کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ ان تعلیمات و ہدایات کو مضبوطی سے پکڑنا تمہارے اور تمہاری قوم کے لئے اس لئے بھی ضروری ہے کہ آگے تمہیں کفار و فاسقین سے سابقہ پیش آنا ہے اور کفر و فساد کے مقابلے میں یہی چیز تمہارے لئے بدرقہ اور زادِ راہ کا کام دیگی اور اس کے ذریعے تم غلبہ و فتح پا سکو گے۔ سو اِس اعتبار سے ﴿دار الفاسقین﴾ سے مراد ارضِ شام و فلسطین ہے۔ سو اِس بارے حضراتِ اہلِ علم سے یہ دونوں قول و احتمال مروی ہیں۔ (ابنِ کثیر، مدارک التنزیل اور روح وغیرہ)۔ بہر کیف اس سے فاسق اور بدکار لوگوں کے انجام سے عبرت پکڑنے کی ترغیب ملتی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید و علی ما یحب و یرید۔

۱۹۲ کبر و غرور باعثِ خسران و محرومی۔ والعیاذ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ میں پھیر دوں گا اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو جو ناحق طور پر تکبر کرتے ہیں اللہ کی زمین میں۔ پس تکبر و استکبار سببِ حرمان اور باعثِ محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ ۔ جبکہ اس کے مقابلے میں اللہ پاک کے حضور عجز و انکسار، رفعتِ شان کا ذریعہ و وسیلہ ہے جیسا کہ ارشادِ نبوی میں فرمایا گیا ہے "مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ" کہ عظمت و کبریائی اسی وحدہٗ لاشریک کا حق اور اسی کی شان ہے۔ بندہ کی عظمت اپنی عبدیت و بندگی میں کمال پیدا کرنا ہے۔ و باللہ التوفیق ۔ بہر کیف اِرشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ اللہ کی زمین پر رہنے بسنے کے باوجود اُس سے بے نیازی برتیں گے، وہ اللہ تعالیٰ کی ان ہدایات کو اپنانے کی توفیق سے محروم ہوں گے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔

۱۹۳ ہٹ دھرمی موجبِ خزی و حرمان۔ والعیاذ باللہ:۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ کبر و غرور اور عناد و ہٹ دھرمی موجبِ خزی و رسوائی اور باعثِ ہلاکت و تباہی ہے جبکہ اس کے مقابلے میں طلب و تلاشِ حق دارین کی سعادت سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ کیونکہ ایمان کی توفیق و سعادت انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جن کے دلوں میں حق کی طلب و تلاش ہوتی ہے۔ اور یہ لوگ اپنی شقاوت و بدبختی اور ضد و ہٹ دھرمی کی بناء پر اس سے بے بہرہ اور محروم ہوتے ہیں۔ تو پھر اِن کو نورِ ایمان اور دولتِ ہدایت و یقین سے سرفرازی کس طرح اور کیونکر نصیب ہو سکتی ہے؟ ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم ۔ سو طلب و تلاشِ حق دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اور اِس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم ۔ پس عناد و ہٹ دھرمی باعثِ محرومی و خسارہ اور موجبِ خزی و رسوائی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔

عَنۡهَا غٰفِلِيۡنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ

لاپرواہی) برتنے والے تھے، ۱۹۴ اور جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو، اور آخرت کی

الۡاٰخِرَةِ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ ؕ هَلۡ يُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا

پیشی کو، اکارت چلے گئے ان کے سب عمل، ۱۹۵ ان کو بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر ان کے

۱۹۴ غفلت ولاپرواہی خرابیوں کی خرابی - والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان منکر اور معاند لوگوں کا یہ حال و مآل اس لیے ہے کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور یہ ان سے غفلت اور لاپرواہی برتنے والے لوگ تھے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب یعنی ان کو جھٹلانا اور ان سے غفلت و لاپرواہی برتنا سب خرابیوں اور فتنوں کی جڑ بنیاد ہے۔ مگر افسوس کہ آج غیر تو غیر رہے خود مسلمان کہلانے والوں کا ایک بڑا طبقہ اسی مرض کا مریض اور اسی وباء کا شکار ہے جس کے مظاہر یہاں اور وہاں جگہ جگہ اور طرح طرح سے نظر آتے ہیں۔ مگر اس ام الامراض کا کسی کو احساس و شعور بھی نہیں - اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اِن لوگوں کی یہ حالت اور محرومی اس بات کا نتیجہ ہوتی ہے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی نشانیوں کو جھٹلاتے اور ان سے لاپرواہی برتتے ہیں۔ اِن کے پاس اگر واضح سے واضح نشانی بھی آ جائے تو یہ اُس کو جھٹلا دیتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ حق و ہدایت کی راہ سے دور بھاگتے ہیں۔ اور ان کو اگر گمراہی کی دعوت دی جائے تو اس کو یہ فوراً اپنا لیتے ہیں لیکن یہ حق کی دعوت کو ماننے اور قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے - الا ماشاء اللہ - وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ -

۱۹۵ منکروں کے سب عمل حبط و اکارت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اکارت چلے گئے ان کے سب عمل یعنی ان کے وہ عمل جو ایسے لوگ نیکی اور بھلائی سمجھ کر کرتے رہے تھے، جیسے غریبوں کی مدد کرنا، رفاہی ادارے قائم کرنا اور عام لوگوں کے لئے ہسپتال اور سڑکیں وغیرہ بنانا کہ انہوں نے یہ کام سچے ایمان و یقین کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی رضاء و خوشنودی کے لئے سرے سے کئے ہی نہیں تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ان کا صدقِ دل سے اور صحیح معنوں میں ایمان تھا ہی نہیں اور ہوتا ہی نہیں الا ماشاء اللہ - انہوں نے جو بھی کچھ کیا وہ محض دنیاوی اَغراض و مقاصد کے پیشِ نظر ہی کیا۔ اور دنیا میں ان کو ایسے کاموں کا بدلہ طرح طرح سے دیا جا چکا اور بس۔ آخرت میں ان کیلئے نہ کوئی صلہ نہ بدلہ سوائے دوزخ کی دہکتی بھڑکتی آگ کے - وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ - ایسے لوگ چونکہ اللہ کی آیتوں اور آخرت کی ملاقات اور پیشی کو جھٹلاتے ہیں اس لئے اُن کی زندگی کا رخ ہی بدل جاتا ہے۔ اور اس صورت میں ان کا کوئی بھی عمل آخرت اور خدا تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے ہو ہی نہیں سکتا۔ سو ایسے میں یہ لوگ جو بھی کوئی کام کریں گے وہ اسی دنیاوی زندگی اور اِس کے فانی اور محدود مفادات ہی کے لئے کریں گے۔ اس لئے آخرت میں اِن کے کسی عمل کی کوئی قدر و قیمت ہو ہی نہیں سکتی کہ وہاں پر قیمت اُسی عمل کی ہو سکتی ہے جو اللہ کے لئے کیا جائے۔ اور ایمان و یقین اور صدق و اخلاص کے ساتھ کیا جائے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید وھو الہادی الیٰ سواء السبیل - سبحانہ وتعالیٰ -

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤٧﴾ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِنْ بَعْدِهِ

اپنے انہی کاموں کا جو وہ خود کرتے رہے تھے، ۱۹۶ اور بنالیا موسیٰ کی قوم نے ان کے پیچھے اپنے

مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُوَارٌ ۚ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ

زیوروں سے ایک بچھڑا، یعنی ایک پتلا جس میں گائے کی سی ایک آواز تھی (اور بس) ۱۹۷ کیا انہوں نے اتنا بھی

لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ۘ اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا

نہ دیکھا کہ وہ نہ ان سے بول سکتا ہے، اور نہ انہیں کوئی راہ دکھا سکتا ہے، انہوں نے اس کو (معبود) بنالیا اور وہ تھے

ظَالِمِينَ ﴿١٤٨﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِي أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ

ہی ظالم لوگ ۱۹۸ اور جب وہ (اپنے کئے پر) پشیمان ہوگئے، اور دیکھا کہ وہ یقیناً بھٹک

قَدْ ضَلُّوا قَالُوا لَئِنْ لَمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا

چکے ہیں، تو (ندامت سے) کہنے لگے کہ اگر رحم نہ فرمایا ہم پر ہمارے رب نے، اور بخشش نہ فرمائی ہماری،

لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿١٤٩﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ

تو یقیناً ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے، ۱۹۹ اور جب واپس لوٹے موسیٰ اپنی

قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي

قوم کی طرف غصے اور رنج میں بھرے ہوئے، تو کہا بڑی بری ہے وہ جانشینی، جو تم لوگوں نے

۱۹۶ انسان کو اپنے کیے ہی کا بدلہ ملے گا:- سو ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کو بدلہ نہیں ملے گا مگر ان کے انہی کاموں کا جو یہ خود کرتے رہے تھے۔ پس ایسے لوگ اپنے کیے کرائے کی سزا پانے پر اپنے سوا اور کسی کو ملامت نہ کریں، جیسا کہ مشہور حدیثِ قدسی میں فرمایا گیا کہ جو کوئی اپنے نامۂ اعمال میں اچھے عمل اور نیکیاں پائے وہ اللہ کا شکر ادا کرے کہ اُسی کی توفیق و عنایت سے اُسکو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ اور جس کا معاملہ اسکے برعکس ہو وہ اپنے سوا کسی کو برا نہ کہے کہ اسکا ذمہ دار وہ خود ہے "فَمَنْ وَّجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ ، وَمَنْ وَّجَدَ غَيْرَ ذَالِكَ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَه" سو منکرینِ آخرت کے جو اعمال اکارت چلے گئے اس کے ذمہ دار یہ لوگ خود ہیں کہ انکارِ آخرت کے جس جرم کی بناء پر اُن کے اعمال اکارت چلے گئے اس کا ارتکاب انہوں نے خود کیا تھا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین۔

۱۹۷ کفر و شرک سے انسان کی مت ماردی جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنالیا۔ یعنی محض ایک دھڑ اور پتلا جس میں گائے کی سی ایک آواز تھی اور بس۔ سو وہ بچھڑا بھی سچ مچ کا بچھڑا نہ تھا۔ بلکہ محض ایک خود ساختہ دھڑ تھا جس سے ایک بے معنٰی سی آواز نکلتی تھی اور بس۔ اس پر یہ لوگ لٹو ہو گئے اور اسکو انہوں نے معبود قرار دے دیا۔ اور جن کا معبود یہ ہو گا وہ خود کیا ہوں گے ﴿ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴾ سو اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ کفر و شرک سے انسان کی مت کس قدر ماردی جاتی ہے اور وہ ایسی حرکات کا ارتکاب کرنے لگتا ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ سو ان لوگوں کا ظلم اور اُن کی بے انصافی ملاحظہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو راہِ حق و ہدایت سے نوازنے کے لئے کیسے کیسے عظیم الشان انتظامات فرمائے اور ان لوگوں نے کیسی حماقت اور کتنی ناشکری اور بدتمیزی کا مظاہرہ کیا کہ حضرتِ موسٰی کے کوہِ طور پر جانے کے بعد ایک خود ساختہ اور مصنوعی بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا اور اُس کی پوجا پاٹ میں لگ گئے اور اپنے لئے ہولناک ذلت و رسوائی اور ہلاکت و تباہی کا سامان کیا۔ سو اس سے کفر و شرک کی نحوست اور اس کی مت ماری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔

۱۹۸ مشرکوں کی مت ماری کا ایک نمونہ و مظہر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ نہ وہ ان سے بول سکتا ہے اور نہ ان کو کوئی راہ دکھا سکتا ہے۔ مگر پھر بھی انہوں نے اس بچھڑے کو اپنا معبود ٹھہرا لیا۔ بے شک وہ بڑے ہی ظالم لوگ تھے۔ سو اس سے کفر و شرک کی مت ماری کا یہ کھلا نمونہ سامنے آتا ہے کہ کفر و شرک کی مت ماری سے انسان اتنی موٹی بات کے سمجھنے سے بھی قاصر ہو جاتا ہے۔ تو جب وہ نہ بول سکتا ہے اور نہ کوئی راہنمائی کر سکتا ہے تو پھر وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے؟ مگر شرک و بت پرستی کی نحوست اور اُس کی مار اتنی سخت ہوتی ہے کہ انسان کی عقل مسخ ہو کر رہ جاتی ہے جس سے وہ اتنی موٹی بات اور اس قدر جلی اور واضح حقیقت کو سمجھنے سے بھی قاصر ہو جاتا ہے ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ من کل زیغ و ضلال ۔ بہر کیف اِرشاد فرمایا گیا کہ کیا ان لوگوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ جو نہ کوئی بات کر سکتا ہے اور نہ کسی طرح کی کوئی ہدایت و راہنمائی کر سکتا ہے وہ اِس لائق کہاں اور کیسے ہو سکتا ہے کہ اُس کو معبود مان کر اُس کی پوجا و پرستش کی جائے؟ مگر مشرک کی مت ایسے ماردی جاتی ہے کہ اُس کو اتنی موٹی اور اِس قدر واضح بات بھی سمجھ نہیں آتی ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔

۱۹۹ شرک اور بت پرستی ایک ظلمِ عظیم ۔ والعیاذ باللہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تنبیہ ہونے پر ان لوگوں نے کہا کہ یقیناً ہم نے بڑے ظلم کا ارتکاب کیا کہ ہم نے ایک بے حقیقت چیز کو معبود بنا لینے کے سنگین جرم کا ارتکاب کیا۔ اور شرک و بت پرستی ایک ظلم اور ہولناک ظلم ہے اُس خالق و مالک کے حق میں جو کہ معبودِ برحق ہے۔ اور خود اپنی جان کے حق میں ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ بہر کیف بنی اسرائیل سامری اور اُس کے ساتھیوں کے پروپیگنڈے سے مسحور ہو کر بچھڑے کی پوجا کی اِس حماقت کا ارتکاب کر تو بیٹھے لیکن بعد میں جب اُن کی آنکھیں کھلیں اور اُن کو تنبہ ہوا تو وہ پکار اٹھے کہ "اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ فرمایا اور ہمارے اس جرم کو معاف نہ فرمایا تو ہم یقیناً سخت خسارہ اٹھانے والوں سے ہو جائیں گے"۔ اور ظاہر ہے کہ کفر و شرک سے بڑھ کر ظلم اور خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے جس سے انسان اپنی دنیا و آخرت دونوں کھو بیٹھتا ہے اور ظلمِ عظیم اور خسرانِ مبین کی انتہائی ہولناک گہری کھائی میں جا گرتا ہے ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔

مِنۢ بَعۡدِیۡ ۚ اَعَجِلۡتُمۡ اَمۡرَ رَبِّكُمۡ ۚ وَاَلۡقَى الۡاَلۡوَاحَ

میرے بعد اختیار کی، کیا تم نے جلد بازی برتی اپنے رب کے حکم سے، اور پھینک دیا آپ نے ان تختیوں کو، ف۲۰۰

وَاَخَذَ بِرَاۡسِ اَخِيۡهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيۡهِ ؕ قَالَ ابۡنَ اُمَّ اِنَّ

اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اس کو اپنی طرف کھینچنے لگے، انہوں نے کہا میری ماں کے بیٹے! (ذرا میری بھی

الۡقَوۡمَ اسۡتَضۡعَفُوۡنِىۡ وَكَادُوۡا يَقۡتُلُوۡنَنِىۡ ۖ فَلَا

سنئے) ان لوگوں نے مجھے دبا لیا تھا اور قریب تھا کہ یہ مجھے قتل کر دیں، پس آپ دشمنوں کو

تُشۡمِتۡ بِىَ الۡاَعۡدَآءَ وَلَا تَجۡعَلۡنِىۡ مَعَ الۡقَوۡمِ

مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیں، اور مجھے شامل نہ کریں ظالم لوگوں

الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡ لِىۡ وَلِاَخِىۡ وَاَدۡخِلۡنَا

کے ساتھ، تب موسیٰ نے کہا اے میرے رب! معاف فرما دے مجھے بھی ف۲۰۱ اور میرے بھائی کو بھی، اور داخل فرما دے ہمیں

فِىۡ رَحۡمَتِكَ ۖ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ ﴿۱۵۱﴾ ع اِنَّ الَّذِيۡنَ ۴

اپنی رحمت میں، اور تو ہی ہے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا، ف۲۰۲ بے شک جن لوگوں نے

اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ سَيَنَالُهُمۡ غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَذِلَّةٌ

معبود ٹھہرایا بچھڑے کو، ان کو ضرور پہنچ کر رہے گا ایک ہولناک غضب ان کے رب کی جانب سے، اور سخت ذلت

فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُفۡتَرِيۡنَ ﴿۱۵۲﴾

اس دنیا کی زندگی میں، ف۲۰۳ اور ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں افتراء کرنے والوں کو،

۲۰۰ حضرتِ موسیٰ کے صدمے کی شدت کا بیان:- سو حضرتِ موسیٰ نے صدمے اور غصے کی شدت کی بناء پر پھینک دیا اُن تختیوں کو جن میں تورات لکھی ہوئی تھی۔ جذبہ ایمانی کے جوش اور غیرتِ حق کے وفور کے باعث۔ بے اختیار طور پر۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيۡهِ وَعَلٰى سَائِرِ الۡاَنۡۢبِيَآءِ وَالۡمُرۡسَلِيۡن - سو شرک و بت پرستی کی ہولناکی کی بناء پر حضرتِ موسیٰ کو اس قدر صدمہ لاحق ہوا اور اتنا غصہ آیا۔ اور یہی شان ہوتی ہے حضراتِ انبیائے کرام کی قدسی صفت ہستیوں کی کہ وہ ذاتی نوعیت کی کسی بات پر کبھی غصہ نہیں ہوتے، لیکن جہاں دین کے کسی حکم کی خلاف ورزی یا کسی دینی حرمت کے ٹوٹنے کی بات ہوتی ہو تو وہ سب سے زیادہ غصہ ہوتے ہیں، جیسا کہ نبیِ اکرم ﷺ کے بارے میں احادیث و سیرت کی کتابوں میں وارد و منقول

ہے- علیہ الصلوٰۃ والسلام- بہر کیف اس سے حضرتِ موسیٰ کے غلبۂ حال اور جوشِ حمیت کو بیان فرمایا گیا ہے اور اس بارے میں واقعے کی تصویر پیش فرمائی گئی ہے کہ انہوں نے ان تختیوں کو ہاتھ سے ڈال دیا اور حضرتِ ہارون کا سر اور اُن کا شانہ پکڑ کر اُن کو جھنجھوڑنے لگے- عَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ- سو یہی تقاضا اور نتیجہ ہوتا ہے حمیتِ ایمانی اور غیرتِ دینی کا۔

۲۰۱ حضراتِ انبیائے کرام کی شانِ عبدیت ورجوع الی اللہ:- یعنی جب آپ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور یہ امر واضح ہو گیا کہ حضرتِ ہارون کا اس معاملے میں کوئی قصور نہیں تھا تو آپ فوراً اپنے خالق و مالک کی طرف متوجہ ہو گئے تاکہ اس طرح اپنے بھائی کو بھی راضی کر سکیں اور اعداء کو شماتت کا موقع بھی نہ ملنے پائے۔ اور اِن کے بارے میں جس سوءِ ادب کا ارتکاب کیا تھا اسکی معافی بھی ہو جائے۔ سو آپ نے اپنے رب کے حضور عرض کیا کہ "میری بھی بخشش فرما دے اور میرے بھائی کی بھی" اگر ان سے کوئی لغزش و کوتاہی سرزد ہو گئی ہو۔ اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے۔ سو یہی شان ہوتی ہے حضراتِ انبیائے کرام کی کہ وہ ایسے موقع پر فوراً اپنے رب کی طرف رجوع کر لیتے ہیں۔ سو صورتِ معاملہ کے ظاہر اور حضرتِ ہارون کی بے قصوری کے واضح ہو جانے کے بعد حضرتِ موسیٰ نے اپنے لئے اور اپنے بھائی کیلئے بخشش کی دعا کی- علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام-

۲۰۲ رحمتِ خداوندی میں داخلے کی دعا:- سو آنجناب نے حضرتِ حق- جل مجدہ- کی بارگہِ اقدس و اعلیٰ میں مزید عرض کیا "اور داخل فرما دے ہمیں اپنی رحمت میں کہ تو ہی ہے ارحم الراحمین" اور ہم سب تیری ہی رحمت کے محتاج ہیں۔ اور دنیا میں جہاں بھی کہیں رحمت کا کوئی نمونہ و مظہر پایا جاتا ہے وہ درحقیقت تیری ہی طرف سے ہوتا ہے اے ہمارے مالک۔ پس ہمیں ہمیشہ اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھنا کہ تیری رحمت و عنایت کے ظلِ ظلیل کے ہم ہمیشہ اور ہر حال میں محتاج ہیں۔ سو یہ ہوتی ہے حضراتِ انبیائے کرام کی شانِ عبدیت۔ اور رجوع الی اللہ۔ کہ وہ ہر موقع پر اسکے حضور اپنے دستِ دعاء و سوال دراز کر دیتے ہیں- علیہم الصلوٰۃ والسلام- سو اس آیتِ کریمہ نے معاملہ کو پوری طرح واضح کر دیا کہ حضرتِ ہارونؑ کا دامن ہر طرح سے پاک تھا۔ اور اس پر کوئی شائبہ اور داغ دھبہ اس بارے موجود نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے بس کی حد تک گوسالہ پرستی کے اس جرم کی تردید و انکار میں کوئی کوتاہی نہیں برتی۔ جبکہ بائبل کے مصنفوں نے اس کا الزام حضرت ہارون ہی پر رکھا- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم کے دنیا پر کتنے احسانات ہیں اور اس نے گزشتہ انبیاء و رسل کی بھی کس کس طرح صفائی پیش فرمائی ہے- والحمد للہ جل وعلا بکل حال من الاحوال-

۲۰۳ مشرکوں کیلئے ہولناک عذاب اور ذلت وخواری کا اعلان وبیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک جن لوگوں نے معبود ٹھہرایا اس بچھڑے کو ان کو ضرور پہنچ کر رہے گا ایک ہولناک عذاب و غضب ان کے رب کی جانب سے اور سخت ذلت و رسوائی اس دنیاوی زندگی میں۔ چنانچہ ان کو بتایا گیا کہ ان کی توبہ اس کے بغیر قبول نہیں ہوگی کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کریں۔ اور یہ کہ وہ جہاں بھی پائے جائیں گے ذلیل وخوار ہی ہوں گے۔ سو اس سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ دین میں نئی چیز پیدا کرنے والا بدعتی شخص ذلیل ہو گا۔ جیسا کہ علامہ ابن کثیر وغیرہ حضرات نے فرمایا۔ اور حضرتِ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ہر بدعتی شخص ذلیل وخوار ہوتا ہے "وَکُلّ صَاحب بدعَۃٍ ذَلِیْل" (ابن کثیر، صفوہ وغیرہ)۔ سو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہوں کی سزا آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی ملتی ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کے اِس سنگین جرم کا ارتکاب کیا اُن کو ان کے رب کی طرف سے سخت غصہ اور ذلت پہنچ کر رہے گی اس دنیا میں۔ کیونکہ انہوں نے اللہ پر افتراء باندھا اور افتراء باندھنے والوں کو ہم یونہی سزا دیتے ہیں کہ یہ جرم بڑا ہی سنگین ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ-

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ز

اور جن لوگوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا پھر انہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی، ۲۰۴ اور وہ ایمان لے آئے،

اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا سَكَتَ

تو بے شک تمہارا رب اس کے بعد بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے، ۲۰۵ اور جب ٹھنڈا ہو گیا

عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا

غصہ (حضرت) موسیٰ کا، تو انہوں نے اٹھا لیا ان تختیوں کو، اور ان کی تحریر میں

۲۰۴ توبہ کرنے والوں کیلئے معافی کا مژدۂ جانفزا: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا پھر انہوں نے اس کے بعد صدقِ دل سے توبہ کر لی ان برائیوں پر نادم ہو کر جن کا ارتکاب وہ اس سے پہلے کرتے رہے۔ ان کو پکے ارادے کے ساتھ ترک کر کے اپنے رب۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ کی طرف سچے دل سے رجوع ہو کر۔ کہ یہ باتیں سچی اور حقیقی توبہ کے اہم اور بنیادی عناصر ہیں۔ سو ایسی سچی اور حقیقی توبہ کرنے والوں کیلئے مغفرت و بخشش کا مژدہ ہے نہ کہ صرف زبانی طور پر توبہ توبہ کے الفاظ کہہ دینے والوں کیلئے۔ پس جو لوگ گوسالہ پرستی کے اس سنگین جرم سے سچی توبہ کر کے اپنے ایمان کی تجدید کریں گے اللہ تعالیٰ اُن کے گناہوں کو معاف فرما دے گا کہ وہ بڑا معاف فرمانے والا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو یہ اس کے کرم و احسان اور اس کی شانِ مغفرت و بخشش ہی کا ایک ثبوت و مظہر ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے لیے توبہ و استغفار اور انابت و رجوع الی اللہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ فلہ الحمد ولہ الشکر فاغفرلی وارحمنی یا رب العالمین۔

۲۰۵ اللہ تعالیٰ کی صفتِ مغفرت و رحمت کا حوالہ و ذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ بڑا ہی غفور و رحیم ہے۔ اتنا بڑا کہ نہ اس کی مغفرت و بخشش کا کوئی ٹھکانہ اور نہ اس کی رحمت و عنایت کا کوئی کنارہ۔ پس گناہ جتنے بھی زیادہ ہوں بخش دئے جائیں گے کہ اُس کی بخشش کا کوئی کنارہ نہیں۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اور وہ صرف بخشتا ہی نہیں بلکہ رحم بھی فرماتا ہے کہ وہ غفور کے ساتھ رحیم بھی ہے۔ جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ۔ توبہ البتہ سچی ہونی چاہیئے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ یہاں توبہ کے ساتھ ایمان کی شرط بھی مذکور ہے ﴿ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْا﴾ سو اسکی وجہ یہ ہے کہ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ انسان کا ایمان بھی سلب ہو جاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اور بنی اسرائیل کا یہ گناہ انہی گناہوں میں سے تھا جس سے انسان کا ایمان رخصت ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اس لئے یہاں پر توبہ کے ساتھ تجدیدِ ایمان کی شرط لگا دی گئی۔ اگر گناہ کی نوعیت یہ نہ ہو تو اس میں توبہ کے ساتھ رویّے کی اصلاح کافی ہوتی ہے۔

هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

نری ہدایت اور عین رحمت تھی ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، ف۲۰۶

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ج

اور چن لیا موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو ہمارے وعدہ کے وقت پر (ہمارے حضور) لانے کو، ف۲۰۷

فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ

پھر جب ان کو آپکڑا ایک سخت زلزلے نے (ان کے ایک بے ہودہ مطالبہ پر،) ف۲۰۸ تو موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب!

اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ط اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

اگر آپ چاہتے تو پہلے ہی ہلاک کر دیتے ان کو بھی اور مجھے بھی، ف۲۰۹ کیا آپ اس قصور پر ہم سب کو ہلاک

السُّفَهَآءُ مِنَّا ج اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ط تُضِلُّ بِهَا

کر دیں گے جو کہ ہم میں سے کچھ بے وقوفوں نے کیا؟ یہ تو محض آپ کی ایک آزمائش ہے جس کے ذریعے آپ جسے

مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ط اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ

چاہیں گمراہ کر دیں اور جسے چاہیں ہدایت بخش دیں، ف۲۱۰ آپ ہی ہیں ہمارے کارساز، پس بخشش فرما دے ہماری، اور رحم

۲۰۶ تقویٰ و پرہیزگاری ذریعہ نجات و سرفرازی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان تختیوں کی تحریر میں بڑی ہدایت اور عین رحمت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں کہ رجوع الی اللہ کی توفیق و سعادت ایسے ہی خوش نصیبوں کو ملتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتے اور اُس کی گرفت و پکڑ اور ناراضگی سے بچنے کی فکر و کوشش کرتے ہیں۔ انہی کو وہ وحدہٗ لاشریک اپنی رحمتوں اور عنایتوں سے نوازتا ہے کہ اسکی شان ہی نوازنا اور لگاتار اور ہمیشہ نوازنا ہے۔ نہ اسکی رحمتوں کا کوئی کنارہ اور نہ اسکی عنایتوں کی کوئی انتہاء۔ سو ان تختیوں کی تحریر میں نری ہدایت اور عین رحمت تھی ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پس جو اس بارے لاپرواہی برتیں گے وہ محروم ہوں گے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو اللہ تعالیٰ کا ڈر اور تقویٰ و پرہیزگاری کی روش ذریعہ نجات و فلاح ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل۔

۲۰۷ حضرتِ موسیٰ کا اپنی قوم کے ستر آدمیوں کا انتخاب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو چن لیا ہمارے وعدے کے وقت ہمارے حضور حاضر ہونے کے لیے۔ یعنی ان کو جنہوں نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی تھی تاکہ یہ اپنی قوم کے اُس عظیم اور سنگین جرم پر اپنے رب کے حضور معذرت پیش کر سکیں۔ (صفوۃ التفاسیر

وغیرہ)۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے۔ روایات کے مطابق حضرت موسیٰ نے ہر قبیلے سے چھ چھ آدمیوں کا انتخاب کیا۔ (الکشاف وغیرہ)۔ سو ان سب کو لیکر حضرتِ موسیٰ کوہِ طور پر پہنچے۔ سو اِس میں حضرتِ موسیٰ کے دوبارہ کوہِ طور پر جانے کا ذکر ہے۔ گوسالہ پرستی کے جرم سے توبہ کے لئے کوہِ طور پر جانے کا یہ واقعہ دو مرتبہ ہوا۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ گناہوں کی بخشش کے لیے خاص اوقات اور خاص مقامات کو خاص دخل اور اثر ہوتا ہے۔ جیسا کہ نصوصِ کتاب و سنت میں اس بارے تصریح موجود ہے۔ اور راقم آثم نے اپنی کتاب قرآن و سنت کی مقدس دعائیں میں اس کو باحوالہ اور تفصیل سے ذکر کیا ہے جو کم و بیش کوئی بیس سال قبل چھپ کر تقسیم ہوگئی ہے۔ والحمد للہ جل وعلا۔

۲۰۸ اصحاب موسیٰ کی ہلاکت اور آنجناب کی پریشانی کا ذکر: ۔ سو اس سے حضرتِ موسیٰ کے ساتھیوں کی ہلاکت اور آنجناب کی اس سے پریشانی کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے وہاں پر یہ مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں وہ کچھ دے جو کسی کو نہیں دیا۔ یا یہ کہ "ہم اُس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں" ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً﴾ (جامع البیان وغیرہ)۔ سو اس کے نتیجے میں ان لوگوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا۔ بہرکیف ان کے اس غلط مطالبے پر ان سب کو بجلی کے ایک کڑکے کے ذریعے ہلاک کر دیا گیا جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾۔ (البقرۃ: ۵۵)۔ سو ایسا مطالبہ اس بارگہِ اقدس و اعلیٰ کے آداب کے خلاف اور ان کے منافی تھا۔ والعیاذ باللہ۔ اس لیے حضرت موسیٰ پریشان ہو گئے کہ اب کیا کروں گا اور قوم کو اس بارے کیا جواب دوں گا۔ معلوم ہوا کہ پیغمبر نہ عالم غیب ہوتے ہیں نہ مختار کل۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

۲۰۹ حضرتِ موسیٰ کی دعا والتجا کا ذکر و بیان: ۔ سو اس پر حضرت موسیٰ نے اپنے رب کے حضور عاجزانہ عرض و التجا کی کہ میرے رب اگر آپ چاہتے تو اس سے پہلے ہی ہلاک کر دیتے ان سب کو بھی اور ان کے ساتھ مجھے بھی۔ ہم سب آپ کی مخلوق اور آپ ہی کے بندے ہیں۔ پس آپ ہمارے متعلق جو فیصلہ چاہیں فرما سکتے ہیں۔ سو یہ حضرتِ موسیٰ کی طرف سے موت کی تمنا تھی اس امر کی شدت اور سختی کی بناء پر جو انہوں نے دیکھا۔ جیسا کہ کوئی شخص کسی ناگوار شئ کو دیکھنے کے موقع پر کہتا ہے کہ "کاش میں اس سے پہلے ہی مر گیا ہوتا" (الکشاف وغیرہ)۔ کیونکہ وہ ستر آدمی جن کو حضرتِ موسیٰ اپنے ساتھ لے گئے تھے وہ قوم میں سے چنے ہوئے لوگ تھے۔ اگر وہ سب اس طرح ہلاک ہو گئے تو میں واپس جا کر اپنی قوم کو کیا جواب دونگا۔ وہ تو سب میرے پیچھے لگ جائیں گے کہ ہمارے آدمیوں کو وہاں لے جا کر مروا دیا اور اس طرح حضرت موسیٰ کو ان سے جان چھڑانا مشکل ہو جائے گی۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر نہ عالم غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل۔

۲۱۰ آزمائش اور اُس کا مقتضیٰ: ۔ سو حضرتِ موسیٰ نے اس موقع پر مزید عرض کیا کہ مالک یہ تو آپ کی طرف سے محض ایک آزمائش ہے جس کے ذریعے آپ جس کو چاہیں گمراہی کے گڑھے میں ڈال دیں اور جس کو چاہیں نورِ حق و ہدایت سے سرفراز فرما دیں۔ آزمائش کا مآل و مقتضیٰ یہی ہوتا ہے کہ کھرے کھوٹے میں تمیز ہو جائے اور ہر کسی کی حیثیت اور پوزیشن واضح ہو جائے۔ اور آزمائش میں کامیاب ہونا اور پورا اترنا بھی تیری ہی توفیق پر منحصر ہے۔ سو تیری آزمائش سے عہدہ برآ وہی ہو سکتا ہے جس کو تیری طرف سے توفیق حاصل ہو۔ تو ہی جن کو توفیق بخشتا ہے وہ تیرے امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں اور ہدایت سے سرفراز ہوتے ہیں۔ اور جن کو تو اپنی توفیق سے محروم کر دے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ وہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا

فرمادے ہم پر، اور آپ ہی (اے ہمارے رب) سب سے بڑھ کر بخشش فرمانے والے ہیں، ۲۱۱ اور لکھ دیجئے ہمارے لئے

فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ

بھلائی اس دنیا میں بھی، اور آخرت میں بھی، بیشک ہم نے رجوع کرلیا

اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَ

آپ کی طرف، ارشاد فرمایا کہ اپنا عذاب تو میں جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں، مگر

رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ

میری رحمت چھائی ہوئی ہے ہر چیز پر ۲۱۲ سو میں اس کو لکھ دوں گا (اس کے درجہ ٔ کمال میں)

۲۱۱ **حضرتِ موسیٰ کی دعائے مغفرت ورحمت**:- سو حضرتِ موسیٰ نے اس موقع پر اپنی دعا میں عرض کیا کہ مالک ہماری بخشش فرمادے اور ہم پر رحم فرمادے کہ تیری رحمت کا اے میرے مالک! اور تیری مغفرت وبخشش کا کوئی کنارہ نہیں۔ تیری بخشش کسی عوض ومعاوضہ کے بغیر ہوتی ہے۔ تیری بخشش ایسی ہوتی ہے کہ گناہ کا کوئی اثر ونشان تک باقی نہیں رہنے دیتی۔ اور تیری بخشش ورحمتِ بیکراں کا یہ عالم ہے کہ سچی توبہ پر برائیوں کو بھی نیکیوں سے بدل دیا جاتا ہے۔ تَبَارَكْتَ وَ تَعَالَيْتَ۔ پس اپنی اس شانِ کرم وعنایت کی بناء پر اے ہمارے مالک ہماری بخشش فرمادے اور ہم پر رحم فرمادے۔ اور جو لغزش ہم میں سے بعض سے ہوگئی اسکو معاف فرمادے کہ تو ہی ہے سب سے بہتر بخشنے والا۔ سو یہ ہوتی ہے حضرات انبیاء ورسل کی شانِ عبدیت واوّابیت جس سے وہ ہر وقت اور ہر حال میں اپنے خالق ومالک کی طرف رجوع رہتے ہیں۔

۲۱۲ **رحمتِ خداوندی کی شانِ عمومیت**:- سو حضرت موسیٰ کی دعاء ودرخواست کے جواب میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ عذاب تو میں جس کو چاہتا ہوں دیتا ہوں لیکن میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ یہاں پر اس ارشادِ ربانی کا یہ اسلوب بھی قابلِ غور ہے کہ عذاب پہنچانے سے متعلق تو مضارع کا صیغہ استعمال فرمایا گیا یعنی ﴿اُصِيْبُ﴾ مگر رحمت کے لئے ماضی کا۔ یعنی ﴿وَسِعَتْ﴾ کیونکہ رحمت اصل ہے جو کسی سبب کے بغیر محض اُس کی شانِ کریمی اور رحیمی سے ملتی ہے اور وہ بالفعل اور فی الواقع ہر چیز پر اور ہمیشہ چھائی ہوئی ہے، جبکہ عذاب بندوں کے اپنے اختیار کردہ اسباب پر مرتب ہوتا ہے وہ اسکی طرف سے اور ہمیشہ کیلئے نہیں ہوتا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بلکہ کبھی کبھی ہوتا ہے جبکہ انسان کے گناہ۔ والعیاذ باللہ۔ اس خاص لیول پر پہنچ جاتے ہیں جس پر عذاب طبعی طور پر مرتب ہوجاتا ہے، جبکہ اس کی رحمت کا یہ عالم ہے کہ ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے اور خاص کر انسان تو سر سے پاؤں تک اسکی رحمتوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ بہرکیف حضرتِ موسیٰ کی اس دعاء کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور عذاب سے متعلق اپنا ضابطہ عام بیان فرمادیا کہ رحمت تو میری ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے، البتہ عذاب میں انہی کو دیتا ہوں جن کے لئے میں چاہتا ہوں اپنی حکمت اور اپنے قانونِ عدل وانصاف کے مطابق۔ سو رحمت سب کے لئے ہے۔ لیکن عذاب سب کے لئے نہیں۔ بلکہ صرف اس کے مستحقوں کے لیے ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا

ان لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں، اور وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور جو (صدقِ دل سے) میری آیتوں پر ایمان (ویقین)

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ

رکھتے ہیں، ۲۱۳ وہ جو پیروی کریں گے اس رسول کی جو نبیِ اُمّی (ہونے کی شان رکھتے) ہیں ۲۱۴

الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي

ہیں، جن کو یہ لوگ لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے یہاں تورات اور انجیل میں

التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ

(ان کی خصوصیات وامتیازات کے ساتھ،) جو ان کو حکم دے گا نیکی کا، اور روکے گا ان کو

عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ

برائی سے، اور حلال بتلائے گا وہ ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو، اور حرام بتلائے گا ان پر ناپاک چیزوں کو، ۲۱۵ اور وہ اتار

۲۱۳ امتِ محمدیہ کی بعض خاص صفات کا ذکر: ـــ سو حضرت موسیٰ کی دعاء و درخواست کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ میں اس کو رکھ دوں گا یعنی اس کے درجہ تمام وکمال میں ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں اور وہ زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو صدق دل سے میری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی امتِ محمدیہ کے اہلِ ایمان کے لیے جو کہ ان صفات سے بدرجہ تمام وکمال موصوف ہوں گے، جن میں پہلی اہم صفت تقویٰ و پرہیزگاری ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بچتے اور ڈرتے رہتے ہیں ہر اس چیز سے جو ان کے رب کی ناراضگی اور گرفت و پکڑ کا باعث بنتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ جس میں سب سے پہلے کفر وشرک اور الحاد و بے دینی سے بچنا ہے۔ اسکے بعد ہر معصیت وگناہ سے بچنا بھی اس میں شامل ہے۔ اور دوسری بڑی صفت انکی یہ ہے کہ وہ اپنے نفوس کا تزکیہ کرتے ہیں۔ اور اسی ضمن میں وہ اپنے مالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں جس سے اُن کے مال بھی پاک ہوجاتے ہیں اور اُن پاکیزہ مالوں کے کھانے سے اُن کے باطن بھی پاکیزہ ہوتے رہتے ہیں۔ اور سب سے بڑی اور اہم صفت جو ان تمام صفات کی اساس اور بنیاد ہے یہ ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ سو ارشاد فرمایا گیا میری خاص رحمت کے مستحق یہی لوگ ہوں گے۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ۔ سو ایمانِ صادق اور عملِ صالح اس امت کی خاص صفت وشان ہے۔

۲۱۴ صفتِ "اُمّیّت" اور اس کی عظمتِ شان: ـــ سو امیت، نبیِ اکرم ﷺ کی وہ امتیازی صفت ہے جو معجزوں کا معجزہ ہونے کی شان رکھتی ہے۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اس پیغمبر کا امی ہونا ہی اس کا ایک عظیم الشان

اور منفرد معجزہ ہوگا کہ جس امی نے اگرچہ لکھنا پڑھنا کسی سے نہیں سیکھا ہوگا لیکن وہ اپنے خالق و مالک کے فضل و کرم اور اُس کی وحی وعنایت سے دنیا جہاں والوں کو ایسے علوم و معارف سے سرفراز فرمائے گا کہ دنیا بھر کے علوم اُس کے سامنے بے حقیقت ہو کر رہ جائیں گے۔ اور اس طرح اس کی یہ امیت ہی اس کا ایک عظیم الشان معجزہ بن جائے گی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔ چنانچہ اس نبیٔ اُمی نے باوجود اسکے کہ کسی انسان و بشر سے کبھی ایک حرف تک نہیں پڑھا، دنیا کو ایسے بے مثال اور عظیم الشان علوم و معارف سے نوازا کہ دنیا ساری کے علوم و معارف ان کے سامنے صفر اور ہیچ ہو کر رہ گئے۔ بقول شاعر۔ یتیمے کہ نا کردہ قرآن درست۔ کتب خانہ ملتِ چند بشست۔ یعنی ''ایک ایسا یتیم جس نے کبھی کسی سے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا، اس نے دنیا کو ان علوم و معارف سے نوازا کہ کتنی ہی ملتوں کے کتب خانوں کو دھو ڈالا'' اور وہ بھی صرف تیئس (۲۳) سال کے قلیل عرصے میں۔ اور دنیا اس کے پیش فرمودہ اُن علوم و معارف کے خزانوں سے آج تک برابر مستفید ہو رہی ہے اور قیامت تک مسلسل اور لگاتار مستفید و فیضیاب ہوتی رہے گی۔ سو پوری بنی نوعِ انسان میں دوسری ایسی کوئی ہستی نہ آج تک کبھی ہوئی اور نہ قیامت تک کبھی ہوسکے گی جو دنیا کو اس طرح نواز سکے۔ سو اس پس منظر میں اگر سوچا اور غور کیا جائے تو نبی امیؐ کی صفتِ امیت ایسی بے مثل صفت ہے جو معجزوں کا معجزہ ہے۔ سو رسول، نبی اور امی کے یہ تینوں الفاظ یہاں پر آنحضرت ﷺ کی تعریف اور تعارف کے طور پر وارد ہوئے ہیں۔ کہ وہ آخری پیغمبر جو انبیاء ورسل کے امام و پیشوا ہونگے ان اور ان خاص صفات سے موصوف و متصف ہونگے۔ صلوات اللّٰہ وسلامہ علیہ وعلی الہ الطیبین واصحابہ الطاھرین ومن اھتدی بھدیہ ودعا بدعوتہ الی یوم الدین۔

۲۱۵ پاکیزہ چیزوں کی حلت اور ناپاک چیزوں کی حرمت کا بیان:۔ ''سو ارشاد فرمایا کہ وہ پیغمبر ان کے پاکیزہ چیزوں کی حلت بیان فرمائے گا اور ناپاک چیزوں کی حرمت''۔ یعنی وہ تحلیل اور تحریم کا اختیار نہیں رکھے گا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی شان اور اُسی کی صفتِ خاصہ ہے۔ کہ وہی وحدہٗ لاشریک خالق بھی ہے اور وہی مالک بھی۔ اور اُسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ جس چیز کو چاہے حلال فرمائے اور جس کو چاہے حرام فرمائے۔ اور وہی بہتر جانتا ہے کہ کون سی چیز اُس کے بندوں کے لئے مفید ہے اور کون سی مضر ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ﴾۔ سو پیغمبر کی طرف تحلیل وتحریم کی نسبت مجازی ہوتی ہے کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کی تحلیل وتحریم کو بیان فرماتے ہیں۔ نہ کہ از خود کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دیتے ہیں کہ یہ صفت اللہ پاک ہی کی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ (روح، مدارک، معالم، اور ابنِ کثیر وغیرہ)۔ سو بذاتِ خود کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار آپ کو نہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ رب فرماتا ہے ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ﴾ الآیۃ۔ یعنی ''اے پیغمبر آپ نے اپنے لیے ایسی چیز کو کیوں حرام کر دیا جسکو اللہ نے آپ کیلئے حلال کیا تھا''۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ ''وہ پیغمبر ان کے لئے حلال وحرام کو واضح کریں گے''۔ تاکہ لوگ حلال کو اپنا کر اور حرام سے بچ کر پاکیزہ انسان بن سکیں اور اس طرح انکی دنیا و آخرت دونوں کا بھلا ہو جائے کہ دنیا میں ان کو حیاتِ طیبہ (پاکیزہ زندگی) کی سعادت نصیب ہوگی اور آخرت میں جنت کی نعیم مقیم سے سرفرازی۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ

دے گا ان (کی گردنوں) سے ان کے وہ بوجھ جو (لدے ہوئے) تھے ان پر، ۲۱۶ اور (وہ دور کر دے گا ان سے) وہ طوق

عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ

(جن میں جکڑے ہوئے تھے) یہ لوگ اس سے پہلے، پس لوگ جو (صدقِ دل سے) ایمان لائیں گے اس (نبی ءِ اُمّی) پر

وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ

اور وہ تعظیم و مدد کریں گے اس کی، اور پیروی کریں گے اس نور (مبین) کی جو اتارا گیا ہو گا ان کے ساتھ، تو ایسے ہی

الْمُفْلِحُوْنَ ۱۵۷ ع قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ع ۱۹ ۹

لوگ ہوں گے فلاح پانے والے ۲۱۷ کہو، اے (دنیا جہاں کے) لوگو! بے شک میں رسول ہوں، اس اللہ کا

اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج

تم سب کی طرف جس کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین (کی اس ساری کائنات) کی،

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ص فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ

کوئی معبود نہیں سوائے اس کے، وہی زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے، ۲۱۸ پس تم لوگ ایمان لے آؤ اللہ پر، اور

رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ

اس کے بھیجے ہوئے اس نبی ءِ اُمّی پر، جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر، اور اس کی باتوں پر،

۲۱۶ "اِصر" اور "اَغلال" سے مقصود و مراد؟:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ پیغمبر اتار دے گا ان لوگوں کی گردنوں سے سخت احکام کے طوق اور مختلف پابندیوں کے وہ بوجھ جو ان پر لدے ہوئے تھے۔ جیسے توبہ کے لئے قتل کا حکم، نجاست سے پاکی کے لئے اُس جگہ کو کاٹ دینے کا حکم یا قتل کے لئے قصاص کے لازم ہونے کا حکم یا یوم السبت میں کام کرنے والے کے لئے قتل کا حکم وغیرہ وغیرہ۔ (روح، صفوۃ، اور محاسن وغیرہ)۔ سو "اصر" اور بوجھ سے مراد ایسے ہی سخت احکام ہیں جو ان لوگوں پر فرض کر دیئے گئے تھے۔ جن میں سے کچھ ان پر بطور سزا نافذ کیے گئے تھے اور کچھ کو انکے اپنے علماء و فقہاء کی جکڑ بندیوں کی بناء پر ان پر لاگو کر دیا گیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ سو یہود کے ان سخت احکام میں سے کچھ تو وہ تھے جو انہوں نے بہت سی خود ساختہ پابندیوں کی شکل میں اپنے اوپر از خود لاد رکھے تھے اور کچھ وہ تھے جو اُن

کی سرکشی کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عائد کیے گئے تھے۔ تو اس طرح کے تمام بوجھوں سے آزادی کا انحصار آنحضرت ۔ علیہ السلام ۔ کی بعثت اور تشریف آوری پر تھا۔ چنانچہ آپ نے تشریف لا کر اِن سے ایسی تمام زنجیریں کاٹ دیں اور اِن کے اوپر سے وہ تمام بھاری بھرکم بوجھ اتار دیئے۔ مگر اِن لوگوں نے اپنی شامتِ اعمال کے باعث اُس نعمت کی قدر نہ کی اور انہوں نے اس دینِ حق سے منہ موڑ کر ہلاکت و محرومی کا راستہ اپنایا ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ

۲۱۷ قرآن حکیم ایک عظیم الشان نور: ۔ یعنی نور سے یہاں پر مراد قرآنِ حکیم ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہ لوگ پیروی کریں گے اس نور کی جو اتارا گیا ہو گا ان کے ساتھ"۔ یعنی قرآنِ حکیم کہ یہی وہ نورِ مبین ہے جو آپ کے ساتھ اتارا گیا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا﴾ (النساء: ۱۷۵)۔ اور یہی وہ نور ہے جو انسان کے لئے دارین کی فوز و فلاح اور حقیقی سعادت و کامرانی کی راہیں روشن کرتا ہے۔ اور اِس نورِ حق سے محروم انسان سراسر اندھیروں میں ہے اگرچہ وہ چاند پر ہی کمندیں کیوں نہ ڈالتا ہو۔ فضاؤں میں اڑتا اور سمندروں ہی کو کیوں نہ کھنگالتا ہو۔ اور ترقی و روشن خیالی کے کتنے ہی بلند بانگ دعوے کیوں نہ کرتا ہو کہ اس نورِ حق کی ہدایت و راہنمائی سے محروم انسان اپنے مقصدِ حیات سے غافل اور اپنے انجام سے بے خبر محض حیوانی زندگی گزارتا ہے ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ سورۂ مائدہ کی آیتِ کریمہ ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِیْنٌ﴾ میں وارد کلمہ "نور" سے مراد بھی قرآنِ حکیم ہی ہے اور ﴿وَكِتَابٌ مُّبِیْنٌ﴾ کا اُس پر عطف عطفِ تفسیری ہے کہ "اَلْقُرْاٰنُ یُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا" اصول و ضابطہ کا تقاضا بھی یہی ہے۔ پس اہلِ بدعت کا اُس کو من مانے معنیٰ پہنانا اور اس سے اپنے خود ساختہ عقائد کے لیے دلیل کشید کرنے کی کوشش کرنا سراسر غلط ہے ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ حق بہر حال وہی ہے جو دوسری نصوص کی روشنی میں واضح ہوتا ہے، بہر کیف اِرشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ اُس نبیِ امی پر ایمان لائیں گے، اُس کی تعظیم کریں گے، اُن کی نصرت کریں گے اور اُس نور کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہو گا، وہی فلاح پانے والے ہوں گے۔ سو نجات و فلاح سے سرفرازی کے لیے قرآن حکیم کی تعلیماتِ مقدسہ کی اتباع و پیروی ضروری ہے۔ کیونکہ یہاں پر حصر و قصر کے انداز و اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔ سو ان کے سوا کوئی بھی حقیقی فوز و فلاح سے سرفراز نہیں ہو سکے گا۔

۲۱۸ زندگی و موت اللہ ہی کے اختیار میں ہے: ۔ سو ﴿یحیی ویمیت﴾ کے ان دونوں کلماتِ کریمہ سے اس حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ زندگی اور موت اُسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہیں۔ پس اللہ کے سوا کسی اور کے لئے اِحیا و اِماتت کی صفت ماننا شرک ہو گا، جیسا کہ اہلِ بدعت وغیرہ کچھ جہلاء کہتے رہتے ہیں کہ فلاں پیر صاحب نے فلاں انسان یا فلاں جانور کو مار دیا وغیرہ وغیرہ ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ کہ زندگی کی نعمت سے نوازنا اور موت سے ہمکنار کرنا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کا کام اور اُسی کی شان ہے ۔ سبحانہٗ و تعالیٰ ۔ بہر کیف پیغمبر کو حکم فرمایا گیا کہ آپ اعلان کریں کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول ہوں اُس اللہ کا جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی اِس پوری کائنات کی بادشاہی ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی زندگی بخشتا، اور موت دیتا ہے۔ پس تم لوگ صدقِ دل سے ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول نبیِ امی پر۔ اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم راہ پا جاؤ۔ سو اس میں آنحضرت ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ کی بعثتِ عامہ کا بھی ذکر ہے اور آپ کی بعض خصوصی اور امتیازی صفات کا بھی ۔ عَلَیْهِ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَاَتَمُّ التَّسْلِیْمَاتِ ۔ ما تعاقب اللیل والنهار ۔

وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى

اور تم لوگ پیروی کرو اس کی ف۲۱۹ تاکہ تم سرفراز ہو سکو راہِ راست سے — اور موسیٰ کی قوم میں ایک

اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ

گروہ ایسا بھی تھا جو حق کے مطابق ہدایت کرتا، اور اسی کے مطابق وہ لوگ انصاف کرتے تھے — اور ہم نے ان کو

اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى

بارہ خاندانوں میں بانٹ کر مستقل گروہوں کی شکل دے دی تھی، ف۲۲۰ — اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کی طرف

اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ

جب کہ پانی مانگا ان سے ان کی قوم نے، — کہ اپنی لاٹھی مارو فلاں پتھر پر،

۲۱۹ اصل مقصود اتباع و پیروی ہے:- سو حکم وارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اس کی پیروی کرو تاکہ تم راہِ راست سے سرفراز ہو سکو۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اصل مقصود اِتباع و پیروی ہے نہ کہ محض زبانی کلامی عشق و محبت کے دعوے کرنا۔ جیسا کہ بہت سے لوگوں کا حال رہا ہے۔ پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے کہ عشق و محبت کے زبانی کلامی دعووں بلکہ بلند بانگ دعووں کے باوجود اِتباع و پیروی کا عنصر اُن کی زندگیوں میں غائب ہوتا ہے۔ بلکہ ان میں سے کتنے ہی ایسے ہیں جو اِتباع اور پیروی کے برعکس طرح طرح کی بدعات میں ملوث ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف حکم وارشاد فرمایا گیا کہ تم ان کی پیروی کرو تاکہ راہِ راست پا سکو۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلٰی ما یحب و یرید

۲۲۰ بنی اسرائیل کی بارہ مختلف گروہوں میں تقسیم:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے اُن کو تقسیم کر کے بارہ خاندانوں کی شکل دے دی تاکہ ان کو نظم و نسق قائم رکھنے میں سہولت و آسانی ہو۔ "اسباط" جمع ہے "سبط" کی، جسکے معنی "اولاد" کے آتے ہیں۔ اور اس کا اِطلاق گروہ، قبیلہ اور گروپ پر ہوتا ہے۔ سو بنی اسرائیل کو بارہ مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور ہر قبیلے پر اس کا ایک سردار مقرر کر دیا گیا تھا جو اسکی نگرانی کرتا تھا۔ اور اگر ان میں سے کسی گروہ کو حضرتِ موسیٰ تک اپنی بات پہنچانا ہوتی تو وہ انہی کے توسط سے پہنچاتا کہ وہی ان کے نگران اور ذمہ دار ہوتے تھے۔ جیسا کہ سورۂ مائدہ میں اِرشاد فرمایا گیا۔ ﴿ولقد اخذ اللّٰہ میثاق بنی اسرائیل وبعثنا منھم اثنی عشر نقیبا﴾۔ (المائدۃ: ۳۰) سو بنی اسرائیل کی یہ تقسیم انتظامی نوعیت کی تھی۔ پس یہاں پر ان کے لئے تقطیع کا لفظ اچھے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی ایک ہی باپ کی اولاد بارہ خاندانوں کی شکل میں پھلی پھولی اور ہم نے ہر خاندان کو امتوں اور قوموں کی شکل میں بڑھایا اور پھیلایا۔ اور اسی اعتبار سے ان کو اپنی طرح طرح کی رحمتوں اور نعمتوں سے نوازا لیکن انہوں نے ہر نعمت کی ناقدری اور ناشکری کی اور ذلت و رسوائی کے مورد بنے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ

پس (لاٹھی کا مارنا تھا کہ) پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے، (اور اس طور پر کہ) اچھی طرح

كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَ

پہچان لیا ان میں کے ہر گروہ نے اپنے گھاٹ کو، اور ہم نے ان پر سایہ کر دیا بادل کا، ۲۲۱ اور

اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ

اتار دیا ان پر ہم نے (اپنے خزانۂ غیب سے) من اور سلویٰ، (اور ان سے کہا) کہ تم لوگ کھاؤ ان

مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ

پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے بخشی ہیں تم کو، اور انہوں نے (اپنے کرتوتوں سے) ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، بلکہ وہ اپنی ہی

يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ

جانوں پر ظلم کرتے رہے تھے اور جب ان سے کہا گیا کہ تم لوگ جا کر رہو اس بستی میں، اور وہاں پر جہاں سے تم چاہو

وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ

کھاؤ (اور پیو) اور (زبان سے) یہ کہتے جانا کہ ہماری توبہ، اور شہر کے دروازے سے داخل ہونا (عاجزی کے ساتھ)

سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

جھکے جھکے، ہم بخش دیں گے تمہاری خطاؤں کو، اور مزید فضل سے نوازیں گے ہم نیکو کاروں کو ۲۲۲

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ

مگر بدل دیا ان میں کے ظالم لوگوں نے (اس کو) ایک اور ہی بات سے، اس کے سوا جو ان سے کہی گئی ۲۲۳

لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا

تھی، جس کے نتیجے میں ہم نے بھیج دیا ان پر ایک ہولناک عذاب آسمان سے، ۲۲۴ اس بناء پر کہ وہ

۲۲۱ بنی اسرائیل کیلئے سائے کا عظیم الشان اہتمام و انتظام:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان پر بادلوں کا سایہ کیا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بادلوں کے سائے کا خاص انتظام فرمایا ورنہ اتنی بڑی آبادی کے لئے ایسے لق و

دق صحرا میں سائے کا انتظام کرنا کسی کے بس میں نہیں تھا۔ بلکہ صحرائے سینا اور وادی تیہ جیسے اس تپتے اور دہکتے ریگستان میں کم وبیش چھ لاکھ انسانوں کی اتنی بڑی تعداد کے لئے فوری طور پر اتنے بڑے اور وسیع پیمانے پر سایہ و پانی کا انتظام کرنا اور ان کو اس تمازت وگرمی سے بچانا تو آج بھی کسی بڑی سے بڑی دولت منداور متمدن حکومت کے بس میں نہیں ہوسکتا۔ چہ جائے کہ ہزاروں سال پہلے کے اُس دور میں جبکہ صورت ہی کچھ اور تھی۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔ سوایسے عظیم الشان اِنعامات اور اِحسانات کا تقاضا یہ تھا کہ یہ لوگ صدقِ دل سے اللہ کے حضور جھک جاتے۔ مگرانہوں نے ناشکری ہی سے کام لیا اور ذلت ورسوائی کا شکار ہوئے۔ سواللہ کی رحمتوں کی ناشکری باعثِ ذلت ورسوائی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

۲۲۲ اطاعت واحسان ذریعہ سرفرازی: ۔سواس سے واضح فرما دیا گیا کہ احکامِ خداوندی کی اِطاعت و پیروی باعثِ برکت وسرفرازی ہوتی ہے۔ سو ارشادفرمایا گیا کہ تم لوگ ہمارے ان اوران احکام کی اطاعت و پیروی کرو۔ ہم بخش دیں گے تمہاری خطاؤں کو۔ یعنی تمہاری ان خطاؤں کو جو اس سے قبل تم سے سرزد ہوچکی ہیں اور نیکو کاروں کو ہم مزید فضل سے نوازیں گے۔ اور اس طرح تم لوگ دوہرے فائدے سے بہرہ ور اور سرفراز ہو جاؤ گے۔ اور یہی شان ہوتی ہے اللہ پاک کے اَحکام پر صدقِ دل سے عمل پیرا ہونے کی۔ کہ اِس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں، عنایتوں اور برکتوں سے سرفرازی وسرشاری نصیب ہوتی ہے۔ اسکی نعمتوں میں برکت و بڑھوتری حاصل ہوتی ہے۔ گناہوں اور خطاؤں کی آلائشوں سے صفائی اور پاکیزگی مرحمت ہوتی ہے اور امن وسکون کی دولت سے بہرہ مندی نصیب ہوتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔ سواللہ اوراس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری دارَین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید وھوالہادی الیٰ سواء السبیل۔

۲۲۳ اَحکامِ الٰہی سے اِستہزاء باعثِ ہلاکت وتباہی۔ والعیاذُ باللہ: ۔سو ارشادفرمایا گیا کہ اِن بدبختوں نے اللہ کی اِرشادفرمودہ بات کو بدل دیا کہ انہوں نے ﴿حِطَّةٌ﴾ کی جگہ "حِنْطَةٌ فِیْ شَعِیْرَةٍ" کہا، جس کے معنیٰ ہیں "دانہ گندم جو کے اندر"، جبکہ "حِطَّةٌ" کے معنیٰ معافی اور گناہوں کے اتارنے کے ہیں جو دراصل معنیٰ ہے "مَغْفِرَتُکَ اَللّٰھُمَّ" کا۔ سواس طرح انہوں نے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کے بجائے الٹا اَحکامِ خداوندی کا مذاق اڑایا اور اُسکے نتیجے میں وہ اپنے انجامِ بد کو پہنچ کر رہے۔ اور یہی حال ہوتا ہے اُس بدبخت قوم کا جس کی شامت آچکی ہوتی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ۔ سواللہ پاک کے اَحکام کے ساتھ مذاق واستہزاء انسان کے لئے ہلاکت وتباہی کا باعث ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ العظیم۔

۲۲۴ بنی اسرائیل پر ہولناک عذاب: ۔سوارشادفرمایا گیا کہ ان کے اس جرم کے نتیجے میں ہم نے ان پر بھیج دیا ایک سخت عذاب آسمان سے طاعون یا اسی طرح کی کسی اور بیماری کا۔ جس سے روایات کے مطابق ان کے ہزارہا آدمی آناًفاناً لقمۂ اجل بن گئے۔ (روح، ابنِ کثیر، صفوہ وغیرہ) ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ۔ سواس سے واضح ہوجاتا ہے کہ انسان کو اسکے گناہوں اور اعمالِ بد کی کچھ سزا آخرت سے پہلے اِس دنیا میں بھی ملتی ہے۔ مگر پوری اور حقیقی سزا و جزا انسان کو آخرت ہی میں ملے گی جو کہ "دارالجزاء" ہے جبکہ یہ دنیا "دارالعمل" ہے۔ پس بندے کی طرف سے کوشش ہمیشہ اسی کی ہونی چاہیے کہ اعمالِ صالحہ کا ذخیرہ جمع ہو اور زیادہ سے زیادہ جمع ہو اور اللہ اور اس کے رسول کی معصیت ونافرمانی سے بچا جائے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وھو الہادی الی سواء السبیل۔ بہرکیف اس سے واضح فرمادیا گیا کہ بنی اسرائیل کو اپنے کیے کی پاداش میں ہولناک عذاب بھگتنا پڑا۔

يَظْلِمُونَ ﴿١٦٢﴾ ع وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ

ظلم کرتے تھے، ۲۲۵ اور پوچھو ذرا ان سے، اس بستی کے بارہ میں جو کہ واقع تھی

حَاضِرَةَ الْبَحْرِ م اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ

سمندر کے کنارے پر، ۲۲۶ جب کہ حد سے بڑھ رہے تھے اس کے باشندے ہفتہ کے دن کے

وقف لازم ۔ ع ۵۵ ۔ ۱۶

۲۲۵ احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی ظلم ہے۔ والعیاذُ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں پر آسمان سے ایسا ہولناک عذاب اس لیے نازل کیا گیا کہ وہ ظلم کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے اَحکام کو توڑ کر اور اِن کا مذاق اڑا کر۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ اَحکامِ خداوندی کے توڑنے اور ظلم و فساد کا ارتکاب کرنے سے اللہ تعالیٰ کا عذاب آخرت کے اُس حقیقی عذاب سے پہلے اِس دنیا میں بھی آ جاتا ہے۔ نیز یہ کہ اَحکامِ خداوندی کی خلاف ورزی ظلم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور یہ ظلم ہے حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کے حق واجب کے بارے میں کہ اُس کا حق یہ ہے کہ بندہ اُس کے ہر حکم و اِرشاد کو دل و جان سے قبول کرے اور اس کے آگے سرِ تسلیم خم ہو جائے۔ نیز یہ ظلم ہے خود انکی اپنی جانوں کے حق میں کہ اِس طرح وہ اپنے آپ کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے محروم کر کے ہلاکت و تباہی کی راہ پر ڈالتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اور یہ ظلم ہے اس پوری کائنات کے حق میں کہ اِس طرح انسان اِس کائنات کی طرح طرح کی نعمتوں سے مستفید ہونے کے باوجود اُس خالق و مالک کے حکم و ارشاد سے منہ موڑتا ہے جس نے اُس کو اِن گونا گوں نعمتوں سے نوازا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۲۲۶ "القریۃ" سے مقصود و مراد؟:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے پوچھو اس بستی کے بارے میں جو کہ سمندر کے کنارے پر واقع تھی اور اس کی تعیین کے سلسلے میں "ایلہ" یا "مدین" یا "طبریہ" مختلف نام ذکر کیے گئے ہیں۔ علامہ ابنِ کثیرؒ نے ایک ہی کا ذکر کیا ہے یعنی "ایلہ"، جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اُن کے نزدیک اس بارے راجح قول یہی ہے۔ (ابنِ کثیر، محاسن وغیرہ)۔ بہرکیف یہ بستی دریائے قلزم کے ساحل پر واقع تھی اور آج کل یہ "عقبہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اور اسی کے نام سے "خلیجِ عقبہ" مشہور ہے۔ عام ساحلی بستیوں کی طرح اس بستی کے باشندوں کا گزر بسر بھی ماہی گیری پر تھا۔ انہی سے وہ کھاتے اور انہی کو بیچ کر وہ پیسہ کماتے۔ سو یہی چیز ان کیلئے آزمائش کا ذریعہ بن گئی جس میں یہ لوگ بری طرح ناکام ہوئے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ اپنے دور کے اِن یہودیوں سے جو کہ ایسے کرتوتوں کے باوجود اپنی بڑائی کے زعم میں مبتلا ہیں، اس بستی کے باشندوں کے بارے میں پوچھو، جنہوں نے قانونِ سبت کی بے حرمتی کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُس کی پاداش میں اِن کو ایسی سزا دی جو اِن کے سوا اور کسی کو نہیں ملی۔ اور جس سے ان کو ہمیشہ کے لئے نمونہ عبرت بنا دیا گیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو اس قصے کی یاد دہانی میں اِن لوگوں کے لئے بڑے درس ہائے عبرت و بصیرت ہیں، جو ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔

تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا

معاملے میں، ۲۲۷ جب کہ (ان کی آزمائش کے لئے) ان کی مچھلیاں ہفتے کے دن تو ابھر ابھر کر ان کے سامنے آتی تھیں، مگر

يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا

جب ہفتے کا دن نہیں ہوتا تو وہ ان کے سامنے نہ آتیں، اسی طرح ہم آزمائش میں ڈالتے رہے ان کو، ان کی ان

كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ

نافرمانیوں کی بناء پر، جن کا ارتکاب وہ لوگ کرتے رہے تھے، ۲۲۸ اور (وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب ان میں سے

۲۲۷ **اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑنا اور پھلانگنا باعث ہلاکت و تباہی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس بستی کا قصہ یاد کرو جس کے باشندے حد سے بڑھ رہے تھے اللہ کے حکم کو توڑ کر۔ اور اس کی مقرر کردہ حدود کو پھلانگ کر کہ ان کو ہفتے کے دن شکار سے منع کیا گیا تھا۔ مگر انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی۔ اور اس کے لئے انہوں نے طرح طرح کے حیلوں حوالوں کو اپنایا۔ اور ان کی آڑ میں انہوں نے اللہ کے حکموں کو توڑا۔ اور اس کے نتیجے میں ان کو بالآخر ایک عبرتناک عذاب سے دو چار ہونا پڑا۔ سو آج کے یہ یہود جو اپنے انہی بڑوں کی طرح اللہ کے حکموں کو توڑ رہے ہیں اور اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں، یہ اپنے ان بڑوں کے انجام سے درسِ عبرت لیں اور اپنی بڑائی اور صاحبزادگی کے زعم اور گھمنڈ کو اپنے دماغوں سے کھرچ کر نکال دیں۔ ورنہ اللہ کے قانونِ عدل کے مطابق اپنے ہولناک انجام کے لئے تیار ہو جائیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - کہ اس کا قانون عدل وانصاف پر مبنی اور یکساں و بے لاگ ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۲۲۸ **فسق وفجور باعثِ تنگی اور موجبِ ہلاکت و تباہی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم اسی طرح تنگی اور آزمائش میں ڈالتے رہے ان لوگوں کو ان کی ان نافرمانیوں کی بنا پر جن کا ارتکاب وہ کرتے رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ فسق وفجور اور بدکاری انسان کے لئے اس دنیا میں بھی کئی طرح کی تنگیوں کا باعث بن جاتی ہے اور اس سے انسان کے گرد ابتلاء و آزمائش کا دائرہ تنگ سے تنگ تر ہوتا جاتا ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - روایات کے مطابق اس ممانعت کے بعد ان لوگوں نے یہ حیلہ اپنایا کہ ساحلِ سمندر کے قریب مختلف قسم کے حوض بنا لئے اور وہ سمندر سے مختلف کاریزوں کے ذریعے ان میں پانی چھوڑ دیتے، جس سے مچھلیاں وہاں پر جمع ہو جاتیں اور پھر ان کاریزوں کے راستے یہ لوگ بند کر دیتے تا کہ وہ مچھلیاں واپس نہ جا سکیں۔ پھر دوسرے روز وہ ان کو بآسانی پکڑ لیتے اور کہتے کہ ہم نے ہفتے کے دن شکار نہیں کیا مگر یہ ایک بھول اور سخت دھوکہ تھا جس میں یہ لوگ مبتلا تھے۔ بھلا اس طرح اس ذات سے اپنے جرم کو چھپانا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے جو کہ ﴿عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- بہرکیف وہ لوگ سنتِ الٰہی کے مطابق اپنے فسق وفجور کے باعث ابتلاء و آزمائش کے بھنور میں پھنس گئے اور ان کا دائرہ تنگ سے تنگ کر دیا گیا۔ اور بالآخر وہ اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ-

تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ

ایک گروہ نے (دوسرے سے) کہا کہ تم کیوں نصیحت کرتے ہو ایک ایسی (نا ہنجار) قوم کو، جس کو اللہ نے ہلاک کرنا ہے،

عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ

یا اس کو مبتلا کرنا ہے کسی سخت عذاب میں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے رب کے حضور معذرت پیش کرنے کے

يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ

لئے، ۲۲۹ اور اس امید پر کہ شاید یہ لوگ بچ جائیں، مگر جب انہوں نے بالکل فراموش کر دیا ان نصیحتوں کو جو انہیں کی گئی تھیں،

يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

تو ہم نے بچا لیا ان لوگوں کو جو روکتے تھے برائی سے، ۲۳۰ اور پکڑ لیا ان کو جو اَڑے ہوئے تھے اپنے ظلم پر، ایک بڑے ہی سخت

۲۲۹ وعظ و نصیحت برائے ازالہ عذر و قطع حجت: - سو ان نصیحت کرنے والوں نے ان کی نصیحت کے بارے میں کہا کہ ہم ان کو یہ نصیحت اس لیے کرتے ہیں تا کہ رب تعالیٰ کے یہاں معذرت پیش کر سکیں یعنی تا کہ اس کے یہاں نہی عن المنکر میں کوتاہی کے مرتکب نہ قرار پائیں۔ اور اسکے نتیجے میں اُسکی گرفت و پکڑ کے حق دار نہ بن جائیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ یعنی کل قیامت کے یوم حساب میں اگر مالک نے ہم سے پوچھا کہ جب تمہارے درمیان اور تمہارے سامنے برائی ہو رہی تھی تو تم نے اسکو روکا کیوں نہیں تو ہم اسکی بارگہِ اقدس واعلیٰ میں عرض کریں گے کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا مگر ان لوگوں نے نہیں مانا تھا۔ سو اُس وقت یہ لوگ ایسا کوئی عذر اور بہانہ نہیں کر سکیں گے کہ ہمیں پتہ نہیں تھا اور ہمیں کسی نے روکا نہیں تھا۔ سو ﴿مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ﴾ - کے عموم و شمول میں یہ دونوں ہی صورتیں داخل اور شامل ہیں۔ بہر حال نصیحت کرنے والے ان مخلصوں نے کہا کہ یہ لوگ مانیں یا نہ مانیں، ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ اور ان کے لیے کسی عذر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ اس لیے انہوں نے ان بدبختوں کو نصیحت کی۔

۲۳۰ فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائیگی ذریعہ نجات: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخر کار ہم نے بچا لیا ان لوگوں کو جو روکتے تھے برائی سے کہ انہوں نے نہی عن المنکر کا فریضہ اداء کر دیا تھا۔ اور خاموش رہنے والوں کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ بھی ہلاک ہو گئے تھے اور بعض کا کہنا ہے کہ وہ بچ گئے تھے۔ اور راجح یہی دوسرا قول ہے۔ ابن عباسؓ پہلے تو اس بارے میں توقف فرماتے تھے مگر بعد میں انہوں نے اسی قول کو اختیار کیا۔ (جامع البیان وغیرہ)۔ سو فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ادائیگی ذریعہ نجات اور باعث خیر و برکت ہے۔ اور اس کے مقابلے میں تذکیر و یاد دہانی اور مخلصوں کی طرف سے کی گئی نصیحت کو فراموش اور نظر انداز کر دینا باعث ہلاکت و تباہی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

بِعَذَابٍۭ بَـِٔيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا

عذاب میں ان کی ان نافرمانیوں کی پاداش میں جن کا ارتکاب وہ کرتے چلے آرہے تھے ۲۳۱ سو جب وہ اپنی سرکشی سے ان

عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً

کاموں میں بڑھتے ہی چلے گئے جن سے ان کو روکا گیا تھا تو ہم نے ان سے کہا کہ ہو جاؤ تم بندر

خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ

ذلیل، ۲۳۲ اور (وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب اعلان فرما دیا تمہارے رب نے کہ وہ ضرور بالضرور مسلط رکھے گا،

۲۳۱ ''عذاب بئیس'' سے مقصود و مراد؟:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخر کار ہم نے پکڑا ان ظالموں کو ایک بڑے ہی سخت عذاب میں ان کی ان نافرمانیوں کی بنا پر جن کا ارتکاب وہ لوگ کرتے چلے آرہے تھے۔ یعنی مسخ کے عذاب میں کہ ان کے ظاہر و باطن مسخ ہو گئے۔ اور پھر تین دن کے بعد وہ لوگ ہمیشہ کے لئے ایسے مٹ گئے کہ ان میں سے کوئی باقی نہ رہا۔ (جامع البیان وغیرہ)- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم -سو ظلم پر اصرار اور اڑنا باعثِ ہلاکت و تباہی ہے خواہ کتنی ڈھیل کیوں نہ ملے۔ اس کا آخری انجام بہرحال ہلاکت و تباہی ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - بہرکیف اپنے ظلم پر اصرار کے باعث آخر کار وہ لوگ اِس قدر ہولناک اور عبرت انگیز انجام سے دو چار ہوئے اور لعنت و پھٹکار کے مورد بنے اور ملعون قرار پائے۔ اور کسی قوم پر لعنت کا عذاب اس عذاب سے بھی کہیں بڑھ کر سخت ہوتا ہے جو کسی قوم کو فنا کر دیتا ہے۔ ذلت و خواری کی ایک داستانِ عبرت ہوتی ہے جو کہ ان کے ملعون جسموں کی صورت میں چل پھر رہی ہوتی ہے اور اپنی زبانِ حال سے دنیا کو دعوتِ غور و فکر اور درسِ عبرت دے رہی ہوتی ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم-

۲۳۲ ان ظالموں کے ذلیل بندر بن جانے کا حکم- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان سے کہا کہ تم ہو جاؤ بندر ذلیل۔ یعنی تکوینی طور پر ان سے یوں کہا گیا اور ان کو ذلیل بندر بنا دیا گیا۔ پس یہ آیت پہلی آیت کے مضمون کی تقریر و تفصیل ہے۔ (جامع البیان وغیرہ)۔ سو جس ''عذاب بئیس'' یعنی ''سخت عذاب'' کا ذکر اوپر فرمایا گیا تھا، اُس سے مراد یہی عذاب تھا کہ ان لوگوں کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔ سو اَحکامِ خداوندی کے توڑنے کا نتیجہ و انجام بہرحال بہت برا اور نہایت ہولناک ہوتا ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سو ان لوگوں کو اُن کی نافرمانی اور عہد شکنی کی بناء پر ایک سخت عذاب سے دو چار ہونا پڑا۔ اور اس سے محفوظ وہی رہے جو لوگوں کو برائی سے روکتے تھے۔ سو اس سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی عظمت و اہمیت واضح ہو جاتی ہے اور یہ کہ اس کے ترک و اہمال کا نتیجہ و انجام بڑا سخت اور انتہائی ہولناک ہوتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر موقع پر اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے- آمین۔

اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ

ان پر قیامت تک کسی نہ کسی ایسے شخص کو جو چکھاتا رہے گا ان کو برا عذاب، ۲۳۳

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۷﴾

بے شک تمہارا رب عذاب دینے میں بھی بڑا ہی تیز دست ہے، اور بلاشبہ وہ بڑا ہی بخشنے والا نہایت مہربان بھی ہے،

وَ قَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ

اور ہم نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین میں پھیلا دیا مختلف گروہوں کی شکل میں، ان میں سے کچھ نیک تھے اور

مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّیِّاٰتِ

کچھ اور طرح کے، اور ہم نے ان کو آزمایا اچھے حالات سے بھی، اور برے حالات سے بھی

لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ

تاکہ یہ باز آ جائیں، پھر ان کی اگلی نسلوں کے بعد ایسے ناخلف ان کے جانشین

۲۳۳ یہودِ بے بہبود پر قیامت تک عذاب کے مسلط رکھنے کی پیشگوئی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ جب تمہارے رب نے یہ اعلان فرما دیا تھا کہ وہ ضرور بالضرور ان پر قیامت تک کسی نہ کسی ایسے شخص کو مسلط رکھے گا جو ان کو برا عذاب چکھاتا رہے گا۔ اور تاریخِ عالم شاہد عدل ہے کہ یہودِ بے بہبود کے ساتھ ہمیشہ ایسے ہی ہوتا آیا ہے۔ بخت نصر اور ٹیٹس رومی سے لے کر جرمنی کے ہٹلر تک کس کس نے ان کو تہس نہس نہیں کیا۔ تاریخ کے اوراق اس سے بھرے پڑے ہیں۔ اور یہ ایسی منحوس قوم ہے کہ تاریخ کی قدیم ترین قوم ہونے کے باوجود سب سے کم تعداد قوم ہے کہ یہ خیر و برکت اور اُس کے اثرات و فوائد سے محروم ہے۔ سو بنی اسرائیل کو ان کی عہد شکنیوں اور بدکرداریوں کی بناء پر تمہارے رب نے ان کے نبیوں کے ذریعے اِس حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا کہ وہ قیامت تک اِن پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہیگا جو ان کو بڑے بڑے عذاب کا مزہ چکھاتے رہیں گے۔ اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ہر دور میں ان کو نہایت ذلت و رسوائی اور تباہی و بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔ بیچ بیچ میں مہلت کا کوئی وقفہ مل جانے سے اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کی نفی نہیں ہوتی۔ بحیثیت مجموعی یہ ظالم اور بدبخت قوم ہمیشہ ہی عذاب میں رہی ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ۔ سو یہود تاریخ کی ایک بدبخت، ظالم، سنگدل، سودخور، غاصب اور فتنہ باز و فتنہ پرور قوم ہے۔ اور آج جو لرزہ خیز مظالم ارضِ فلسطین اور پوری دنیائے اسلام میں ہم لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں وہ اس قوم کے ظلم و عدوان کے منہ بولتے ثبوت ہیں ۔ جعل اللہ کیدھم فی نحورھم واعاذ الاسلام والمسلمین من شرورھم۔

وَرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَ

ہوئے جو وارث بن گئے کتاب الٰہی کے، وہ (احکام کتاب کے عوض) اسی دنیاءِ دُوں کا مال سمیٹنے لگے، اور کہتے کہ ہماری

يَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ

تو ضرور بخشش کردی جائے گی، ۲۳۴ اور اگر ان کے پاس اس طرح کا کوئی مال (ایسی دین فروشی کے عوض پھر) آجاتا تو اس کو

يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ

بھی یہ لوگ (پوری ڈھٹائی اور بے باکی سے لپک کر) لے لیتے، کیا ان لوگوں سے کتاب کے اس مضمون کا پختہ عہد نہیں لیا

اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ

گیا کہ یہ لوگ اللہ کے نام پر کوئی بات نہیں کہیں گے مگر وہی جو کہ حق ہو، اور انہوں نے اس سب کو پڑھ بھی لیا، جو کہ اس

وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا

میں لکھا ہے، ۲۳۵ اور آخرت کا گھر تو یقیناً کہیں بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو ڈرتے رہتے ہیں، کیا تم لوگ پھر بھی عقل سے

۲۳۴ ''صاحبزادگی'' کا مرض اور اُس کا ہولناک نتیجہ وانجام:- سو ان بدبختوں کا کہنا تھا کہ ہماری تو ضرور بخشش کر دی جائے گی کہ ہم انبیاء ورسل کی نسل سے تعلق رکھنے والے ''صاحبزادے'' اور اللہ کے بیٹے، پیارے اور لاڈلے ہیں- ﴿نحن اَبْنٰٓؤُا اللّٰه واحباء ہ﴾- (المائدۃ:۱۸) لہٰذا ہم جو چاہیں کریں۔ ہماری نہ کوئی پوچھ ہوگی نہ پکڑ۔ اور یہی شاخسانے ہوتے ہیں ''صاحبزادگی'' کے اُس مرض کے جو افراد کو بھی لاحق ہوتا ہے اور اقوام کو بھی۔ اور جو کل بھی تھا اور آج بھی موجود ہے۔ اور جسکے مظاہر اور نمونے یہاں اور وہاں، ادھر اور ادھر، جگہ جگہ اور طرح طرح سے نظر آتے ہیں۔ اور یہی وہ مرض ہے جس میں مبتلاء مریض اپنے اسی غلط پندار کی بناء پر عمل و کردار کی پونجی سے محروم رہتا ہے۔ اور اس طرح وہ اُس ہولناک خسارے سے دوچار ہوجاتا ہے جسکی تلافی و تدارک کی پھر کوئی صورت ممکن نہیں رہتی- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- اللہ نفس وشیطان کے ہر مکر وشر سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین۔

۲۳۵ بنی اسرائیل کو اُن کے عہد کی تذکیر و یاددہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا ان لوگوں سے اس بات کا عہد نہیں لیا گیا تھا کہ یہ لوگ اللہ پر حق کے سوا کچھ نہیں کہیں گے؟ استفہام اقرار اور تنبیہ کے لئے ہے کہ ہاں ایسے ہوا۔ تو جب ان لوگوں سے یہ عہد بھی لیا گیا اور انہوں نے اپنی کتاب کی ان تعلیمات کو پڑھ سمجھ بھی لیا تو پھر ان لوگوں کے یہ لچھن اور اس طرح کے کرتوت آخر کیوں ہیں؟ اور یہ لوگ اپنے اس عہد کی خلاف ورزی آخر کیوں کرتے ہیں اور اپنے انجام سے آخر کیوں اس قدر بے خبر ہیں؟ سو اپنی کتاب کو تو انہوں نے بار بار پڑھا اور اتنا اور اسقدر پڑھا کہ پڑھتے پڑھتے اس کو گھسا ڈالا مگر نتیجہ وہی کہ ڈھاک کے تین پات۔ اور یہ اس لئے کہ لفظ ''درس'' کے اصل اور لغوی معنٰی یہی ہیں کہ کتاب کو بار بار بڑھ کر گھسا دیا جائے۔

تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾ وَ الَّذِیۡنَ یُمَسِّکُوۡنَ بِالۡکِتٰبِ وَ اَقَامُوا

کام نہیں لیتے ؟ ف۲۳۶ اور (ان میں سے) جو لوگ مضبوطی سے تھامتے ہیں کتاب کو اور انہوں نے قائم رکھا نماز کو، (تو وہ فائز

الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّا لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُصۡلِحِیۡنَ ﴿۱۷۰﴾ وَ اِذۡ

المرام ہوگئے ف۲۳۷ کہ) بے شک ہم ضائع نہیں کرتے اجر ایسے اصلاح کرنے والوں کا، ف۲۳۸ اور (وہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے

نَتَقۡنَا الۡجَبَلَ فَوۡقَہُمۡ کَاَنَّہٗ ظُلَّۃٌ وَّ ظَنُّوۡۤا اَنَّہٗ

کہ) جب ہم نے اٹھایا ان پر پہاڑ کو، گویا کہ وہ ایک سائبان ہے، اور ان کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ

وَاقِعٌۢ بِہِمۡ ۚ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰکُمۡ بِقُوَّۃٍ وَّ اذۡکُرُوۡا

آپڑنے والا ہے ان پر، (تو ہم نے ان سے کہا کہ) مضبوطی سے لے لو تم لوگ اس کتاب کو جو ہم نے تمہیں دی ہے اور یاد کرو

مَا فِیۡہِ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۱﴾ ع وَ اِذۡ اَخَذَ رَبُّکَ مِنۡ ع ۲۰ ۹ ۱۱

اس کو جو کچھ کہ اس کے اندر ہے، تاکہ تم بچ سکو ف۲۳۹ اور (وہ بھی یاد کراؤ ان لوگوں کو اے پیغمبر! کہ) جب نکالا تمہارے رب نے

بَنِیۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُہُوۡرِہِمۡ ذُرِّیَّتَہُمۡ وَ اَشۡہَدَہُمۡ عَلٰۤی

(اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے) بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو، اور ان کو خود اپنے اوپر

۲۳۶ عقل و فکر سے کام لینے کیلئے تحریک و تحریض :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا پھر بھی تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ؟ کہ اس ''دارِ آخرت'' اور اس کی سدا بہار نعمتوں کو بھول کر اور اس سے منہ موڑ کر تم لوگ اسی دنیائے دوں اور دارِ فانی کے حطامِ زائل اور متاعِ فانی پر اس طرح لٹو ہو رہے ہو؟ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - کیا تم لوگ اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے اور اپنے اس ہولناک خسارے کے بارے میں بھی غور و فکر سے کام نہیں لیتے کہ اس سے بچنے کا سامان کر سکو؟ سو یہ سگانِ دنیا جو کتاب و شریعت کو بالائے طاق رکھ کر اور ان کے تقاضوں کو پسِ پشت ڈال کر دنیائے دوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ آخرت کا وہ گھر اس دنیائے فانی سے کہیں بڑھ کر بہتر ہے۔ اور اس کے مستحق اور سزاوار وہی لوگ ہوں گے جو کہ تقوٰی اور پرہیزگاری کی صفت سے سرشار و بہرہ ور ہوں گے۔ خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں کے بھی ہوں- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید-

۲۳۷ کتابِ الٰہی کو مضبوطی سے تھامنا ذریعۂ فوز و فلاح :- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامنا ایک اہم اور بنیادی مطلب اور ذریعہ فوز و فلاح ہے۔ سو ان میں سے اچھے لوگوں کی صفات کے ذکر کے ذیل میں ارشاد فرمایا گیا کہ جو مضبوطی سے تھامتے ہیں اللہ کی کتاب کو۔ سو کتابِ الٰہی کو

مضبوطی سے تھامنا دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ پس تحریف و تبدیل کی بجائے وہ اس کے احکام پر صحیح طور سے عمل کرتے ہیں اور خوفِ خداوندی اور حق و ہدایت کی طلبِ صادق اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اور اس طرح انہوں نے اپنے باطن اور اپنے دلوں کی دنیا کو آباد رکھا تو ان کو نورِ حق و ہدایت کی دولت سے سرفراز کر دیا گیا۔ سو کتابِ الٰہی کو مضبوطی سے تھامنے اور اسکی تعلیماتِ مقدسہ کو صدقِ دل سے اپنانے میں دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان ہے۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف ابنائے دنیا خواہ کوئی بھی طریقہ اپنائیں لیکن حق اور حقیقت بہرحال یہی ہے کہ ایسے لوگ جو اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامتے ہیں اور نماز کا اہتمام کرتے ہیں وہی ہیں جو خلقِ خدا کی اِصلاح کرنے والے ہیں۔ اور وہی سعادت دارین سے سرفرازی کے حق دار ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید وھو الھادی الیٰ سواء السبیل۔

۲۳۸ اِصلاحِ اَحوال کی اہمیت و ضرورت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک ہم ایسے اِصلاح کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتے بلکہ ایسے لوگوں کو ہم مزید اور دوہرے اجر سے نوازتے ہیں اور نوازیں گے۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام۔ رضی اللہ عنہ۔ اور اُن کے ساتھی (روح، معارف، مراغی، وابوالسعود وغیرہ)۔ واضح رہے کہ یہاں پر "صالحین" نہیں "مصلحین" فرمایا گیا ہے۔ سو اس سے یہ درسِ عظیم ملتا ہے کہ صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ انسان خود صالح اور نیک بن کر رہے اور بس۔ نہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اور اصل ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان دوسروں کی اور پورے معاشرے کی اِصلاح کی فکر و کوشش کرے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا التَّوْفِیْق لذالک وَالسَّدَادَ وَالثَّبَاتَ عَلَیْهِ وَکَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔ یہاں پر اِقامتِ صلوٰۃ کا ذکر تمسک بالکتاب کی علامت کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ چیز دراصل ہر عہدِ الٰہی کی محافظ ہے۔ پس جو لوگ اِقامتِ صلوٰۃ کے وصف سے عاری ہوں وہ درحقیقت تمسک بالکتاب بھی نہیں کر سکتے خواہ اس کے لئے وہ کتنے ہی بلند بانگ دعوے کیوں نہ کرتے ہوں۔ یہاں قاعدۂ ایجاز کے مطابق ایک ٹکڑا محذوف ہے۔ پوری بات گویا اس طرح ہے کہ جو لوگ کتابِ الٰہی کو مضبوطی سے تھامتے ہیں اور وہ نماز بھی قائم کرتے ہیں وہی مصلح ہیں۔ اور ہم ایسے مصلحین کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْد۔

۲۳۹ کتابِ الٰہی کو مضبوطی سے تھامنے کا مطلب؟: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان لوگوں سے کہا کہ تم مضبوطی سے تھام لو اس کتاب کو جو ہم نے تم لوگوں کو دی ہے اور یاد کرو تم اس کو جو کہ اس کے اندر ہے تاکہ تم لوگ بچ سکو۔ سو کتاب الٰہی کو مضبوطی سے پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ تم اس کو صحیح ایمان اور پختہ عقیدہ کے ساتھ تھام لو کہ اصل قوت تو ایمان و عقیدہ ہی کی قوت ہے جو کہ دوسری تمام ظاہری اور مادی قوتوں سے کہیں بڑھ کر اور حقیقی قوت ہے اور اس ایمانی قوت کا، جو کہ ایک مخفی و مستور حقیقت ہے، اور جس کا تعلق انسان کے قلب و ضمیر اور اسکے باطن سے ہے، اس کا اظہار اور عملی ثبوت انسان کے عمل و کردار ہی سے ہو سکتا ہے نہ کہ محض زبانی کلامی دعووں سے۔ سو ہدایت فرمائی گئی کہ تم لوگ اِس کو مضبوطی سے پکڑو اور اُس کی تعلیمات و ہدایات کو صدقِ دل سے اپناؤ، تاکہ تم تقوٰی اور پرہیزگاری سے سرشار و فیضیاب ہو سکو۔ اور تقوٰی و پرہیزگاری سے سرفرازی ہی ذریعہ و وسیلہ ہے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

اَنۡفُسِهِمۡ ۚ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰى ۛۚ شَهِدۡنَا ۛۚ

گواہ بنا کر (ان سے پوچھا) کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے جواب دیا ۲۴۰ (ہاں) کیوں نہیں، ہم سب

اَنۡ تَقُوۡلُوۡا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنۡ هٰذَا غٰفِلِيۡنَ ۝۱۷۲

گواہی دیتے ہیں، (اور ہم نے یہ اس لئے کیا کہ) کہیں تم لوگ کل قیامت کے روز یوں (نہ) کہنے لگو کہ ہم تو اس سے

اَوۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَشۡرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنۡ قَبۡلُ وَكُنَّا

بالکل بےخبر تھے، ۲۴۱ یا تم یوں کہنے لگو کہ شرک (کے آغاز) کا ارتکاب تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کیا تھا، اور ہم

ذُرِّيَّةً مِّنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ۚ اَفَتُهۡلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

بعد میں ان کی نسل سے پیدا ہوئے، تو کیا آپ ہمیں اس قصور پر ہلاکت میں ڈال دیں گے جو

الۡمُبۡطِلُوۡنَ ۝۱۷۳ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمۡ

(ہم سے پہلے کے) ان باطل پرستوں نے کیا تھا؟ ۲۴۲ اور اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ہم اپنی آیتوں کو (تاکہ یہ

يَرۡجِعُوۡنَ ۝۱۷۴ وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ الَّذِىۡۤ اٰتَيۡنٰهُ

لوگ کسی طرح سمجھ جائیں) اور تاکہ یہ باز آجائیں، ۲۴۳ اور ان کے سامنے بیان کرو حال اس شخص کا جس کو نوازا تھا ہم نے

۲۴۰ **عہدِ الست کی تذکیر و یاددہانی:** ۔ سو اس ارشاد سے اس حقیقت کی تذکیر و یاددہانی فرمائی گئی کہ عالمِ ارواح میں جب اللہ تعالیٰ نے سب روحوں کو اپنے اوپر گواہ بنا کر ان سے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے جواب دیا، اپنی زبانِ حال یا زبانِ قال سے۔ اور ظاہر دوسرا احتمال ہی ہے۔ رہی اس کی کیفیت تو اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد ہے ۔ وہو اعلم بالصواب ۔ (جامع البیان وغیرہ)۔ سو یہ عہد جو کہ عہدِ الست اور عہدِ ارواح بھی کہلاتا ہے یہ اُس جہاں میں لیا گیا اور اس سے عقیدۂ توحید کو انسان کی فطرت میں پیوست کر دیا گیا۔ اور اسی فطرت کی پکار کی تذکیر و یاددہانی کیلئے حضراتِ انبیاء و رسل کو بھیجا گیا اور سماوی کتب و صحف کے ذریعے اسکی تذکیر کا سامان کیا گیا۔ اسی لیے قرآن کہتا ہے ﴿وَذَكِّرْ﴾ یعنی ''یاددہانی کراؤ''۔ سو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم سے اپنی ربوبیت کا اقرار کرایا اور عہد لیا۔ اور اس نے ان سے سوال کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے کہا، ہاں کیوں نہیں، تو ہی ہمارا رب ہے۔ ہم اس کے گواہ ہیں۔ سو دینِ اسلام اور عقیدۂ توحید فطرتِ انسانی کا تقاضا اور اس کی پکار ہے۔ اور اس کی مخالفت و خلاف ورزی فطرت کے تقاضوں کی خلاف ورزی اور ان سے تصادم و ٹکراؤ ہے۔ جس کا نتیجہ ہولناک ہلاکت و تباہی ہے ۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔

۲۲۱ اِتمامِ حجت کا کامل سامان: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ کہیں تم لوگ کل قیامت میں نہ کہنے لگو کہ ہمیں خبر نہیں تھی۔ اور جب ہمیں خبردار ہی نہیں کیا گیا تھا تو پھر ہماری کوئی باز پرس کس طرح صحیح اور درست ہو سکتی ہے۔ سو اب تم میں سے کوئی شخص کل قیامت میں اس طرح کا کوئی عذر اور بہانہ نہیں کر سکتا کہ تمہیں تو اول امر سے ہی پوری طرح خبردار بھی کر دیا گیا اور اِس اِقرارِ حق وصدق کے عقیدہ کو تمہاری سرشت میں پیوست بھی کر دیا گیا۔ پھر کائنات کی اِس کھلی کتاب میں حق وہدایت کی دعوت کے لئے طرح طرح کے نشان اور قسما قسم کے آثار وشواہد بھی رکھ دئے گئے اور تمہیں عقل وخرد کی روشنی اور فکر ونظر کی صلاحیت سے بھی آراستہ کر دیا گیا۔ اور پھر اِس کی تذکیر وتاکید اور یاددہانی کے لئے اپنے انبیاء ورسل کو بھی بھیجا اور اُن پر اپنی کتابیں بھی اتاریں۔ سو اس سب کے بعد کسی کے لئے ایسے کسی عذر کی آخر کیا گنجائش باقی رہ سکتی ہے؟ سو توحیدِ خداوندی اور دوسری بدیہیاتِ فطرت کو انسانی جبلت میں پیوست کر دیا گیا۔ اس بنا پر قیامت کے روز ہر شخص سے اس بارے میں مؤاخذہ ہوگا، قطع نظر اِس سے کہ اُس کو کسی پیغمبر کی دعوت پہنچی یا نہیں پہنچی۔ اگر کسی نبی کی دعوت اس کو پہنچی تو یہ گویا اُس پر ایک حجت مزید قائم ہوگئی، اور اُس کی مسئولیت دو چند ہوگئی۔ اور اگر کسی پیغمبر کی دعوت اُس کو نہیں بھی پہنچی تو بھی ایسی بدیہیاتِ فطرت کے بارے میں اس سے مؤاخذہ ہوگا اور وہ اس بارے کوئی عذر نہیں کر سکے گا کہ اس کے لئے فطرت کا یہ عہد ہی کافی ہے۔ جو کہ اس کی فطرت وجبلت میں پیوست ومرکوز ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

۲۲۲ قطعِ حجت کے لیے بھرپور انتظام کا ذکر وبیان: ۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ منکروں اور مشرکوں کے لئے اِزالۂ معذرت اور قطعِ حجت کا بھرپور انتظام فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ کہیں تم لوگ یہ کہنے لگو کہ شرک کا آغاز اور اس کا ارتکاب تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے بہت پہلے کیا تھا۔ تو کیا آپ ہمیں اس قصور پر ہلاکت میں ڈال دیں گے جو ہم سے پہلے کے ان باطل پرستوں نے کیا تھا؟ یعنی ایسا کرنا عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق نہیں کہ ''کرے کوئی اور بھرے کوئی''۔ لہٰذا اس پر ہماری گرفت وپکڑ صحیح نہیں۔ سو اب تم سے میں کوئی اس طرح کی حجت بازی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس اقرارِ ازلی کے توحیدِ خداوندی اور معرفتِ الٰہی کا بیج تمہاری فطرت میں ودیعت کر دیا گیا اور عقل وبصیرت کے نور سے تمہیں نواز دیا گیا، جس کے بعد حق اور حقیقت کا اِدراک تمہارے لیے کچھ مشکل نہیں رہا۔ سو اس طرح تمہارے لیے اِتمامِ حجت اور قطعِ معذرت کا کامل سامان کر دیا گیا۔ پس اب کوئی مشرک یہ بہانہ بھی نہیں کر سکے گا کہ ہم مشرک باپ دادا کے یہاں پیدا ہوئے جس کے باعث ہم نے موروثی طور پر انہی کے طور طریقوں کی پیروی کی۔ اس لئے یہ جرم ہمارا نہیں ان کا ہے اور اس کی سزا ان کو ملنی چاہیے نہ کہ ہم کو۔ سو اب تم لوگ ایسی کوئی بہانہ بازی نہیں کر سکو گے۔

۲۲۳ تفصیلِ آیات کا مقصد رجوع الی اللہ: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم اسی طرح اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ باز آجائیں اِتباعِ ھوٰی اور باطل پرستی سے، جو کہ جڑ بنیاد ہے تمام معاصی اور خرابیوں کی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اور اس طرح یہ بچ سکیں اپنی سوءِ عاقبت اور ہولناک انجام سے۔ سو اس کے بعد بھی جو آنکھ نہیں کھولے گا وہ اپنی ہلاکت وبربادی کا ذمہ دار آپ ہوگا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو مذکورہ عہد لینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید احسان اس کے بندوں پر یہ ہوا کہ اُس نے اِس عہد وپیمان کی پوری تفصیل بھی سب کو سنا دی تاکہ جو لوگ شرک وبدعت اور الحاد وبے دینی کی اپنی باغیانہ اور سرکشانہ روش سے باز آنا چاہیں وہ باز آجائیں اور اپنی اصلاح کر لیں۔ اور جو اس کے بعد بھی اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر اڑے رہنا چاہیں وہ اس کے نتائج کا ذمہ دار خود اپنے آپ ہی کو سمجھیں۔ اس کا الزام کسی اور کو دینے کی کوشش نہ کریں۔

اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ

اپنی آیتوں (کے علم) سے، مگر وہ نکل بھاگا ان (کی پابندی) سے، ۲۴۴ پھر پیچھے لگ گیا اس کے شیطان، جس سے وہ ہو گیا

مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ

گمراہوں میں سے، ۲۴۵ اور اگر ہم چاہتے تو اس کو بلند مرتبہ سے نواز دیتے اپنی ان آیتوں کے ذریعے، مگر

اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ

وہ خود ہی جھک گیا زمین کی طرف، اور پیچھے چل پڑا اپنی خواہشوں کے، جس سے اس کی حالت

۲۴۴ اللہ کی آیتوں سے اِعراض و روگردانی اور اُس کا نتیجہ و انجام:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ شخص نکل بھاگا اِن آیتوں سے، اِن سے اِعراض کر کے اور منہ موڑ کر- والعیاذ باللہ العظیم- اور اس طرح اُس نے اپنے آپ کو مقامِ عزوشرف سے گرا کر ہاویۂ ذلت و ہلاکت میں ڈال دیا۔ سو اس شخص کا حال ان لوگوں کے سامنے بیان کرو تا کہ یہ اُس سے عبرت پکڑیں اور سبق لیں۔ اور دیکھ لیں کہ اللہ کی آیتوں سے اِعراض اور روگردانی کا نتیجہ و انجام کیسا سنگین اور کس قدر ہولناک ہوتا ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم -سو اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کریمات اور اِن کے علم کے نور سے سرفرازی قدرت کی ایک عظیم الشان عنایت اور جلیل القدر نعمت ہے۔ اور ایسی عظیم الشان عنایت و نعمت جو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرنے والی ہے۔ سو اس کی کما حقہ قدر کرنا اُس کا حقِ واجب ہے۔ اور اس کی ناقدری و ناشکری بڑی سخت محرومی ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ -وَهُوَ الْهَادِیْ اِلٰی سَوَاءِ السَّبِیْل جَلَّ وَعَلَا- اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق وہدایت پر ثابت قدم رکھے- آمین۔

۲۴۵ ایک بگڑے ہوئے شخص کے قصے کا ذکر عبرت پذیری کیلئے:- آیتِ کریمہ میں کسی کا نام نہیں لیا گیا بلکہ اس کے کرتوتوں اور اس کے انجام کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ یہی چیز اصل مقصود ہے۔ لیکن تفسیری روایات اور مشہور قول کے مطابق اس سے مراد بلعم ابن باعورا نام کا ایک یہودی شخص ہے جو اسمِ اعظم کے ذریعے دعاء کرتا تھا اور اس کی دعا قبول ہو جاتی تھی۔ لوگوں نے اُس سے حضرتِ موسیٰ کے خلاف دعاء کرنے کے لئے کہا تو اس نے انکار کیا۔ مگر اس کے بعد جب انہوں نے اصرار کیا اور اس کو رشوت پیش کی تو وہ اس برائی کے ارتکاب کیلئے تیار ہو گیا۔ اس پر حضرتِ موسیٰ کی دل آزاری اور بددعاء کے نتیجے میں وہ ایسا ذلیل وخوار ہوا کہ اس سے اسمِ اعظم کا وہ علم بھی چھن گیا اور وہ ہمیشہ کے لئے مردود ہو گیا- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ- (روح، ابنِ کثیر، معارف، محاسن وغیرہ)۔ اور یہی نتیجہ و انجام ہوتا ہے حق سے اِعراض و روگردانی کا- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم -سو اس کا مشہور مصداق اگرچہ یہی شخص ہے لیکن الفاظ وکلمات کا عموم ایسے ہر شخص کو شامل ہے، خواہ وہ کوئی بھی ہو کہیں کا بھی ہو۔ اسی لیے آیتِ کریمہ میں کسی کا نام نہیں لیا گیا- والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ وضلال وسوء وانحراف-

الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ

کتے کی سی ہوگئی ۲۴۶ کہ اگر تم اس پر حملہ کرو تو بھی وہ ہانپے اور اگر اسے چھوڑ دو

يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

تو بھی وہ ہانپے، یہی مثال ہے ان لوگوں کی جو جھٹلاتے ہیں ہماری آیتوں کو،

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ

سو سناتے رہو تم (ان کو) ایسے احوال تاکہ یہ لوگ (عبرت پکڑیں، اور) غور و فکر سے کام لیں، ۲۴۷ بڑی ہی بری ہے

۲۴۶ نورِ حق و ہدایت سے محرومی کا ہولناک انجام - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم:- سو اس شخص کے حالِ بد کی تصویر پیش فرمائی گئی ہے کہ اس کی حالت کتے کی سی ہوگئی جو کہ ہر وقت ہانپتا رہتا ہے اور اس کی رال ٹپکتی رہتی ہے۔ جو نشانی ہے اس کے انتہائی حرص و لالچ اور خست و دناءت کی۔ یہاں تک کہ وہ گویا کہ ہمہ تن شکم اور ہمہ تن فرج بن جاتا ہے۔ اور اس کا کام شہوات و خواہشات کی پیروی کے سوا اور کچھ نہیں رہ جاتا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو یہی حال ہوتا ہے ہر ایسے شخص کا جو دین کی روشنی سے منہ موڑ کر اور اُس سے محروم ہو کر محض خواہشات کیلئے جیتا ہے کہ اُس کا جینا اور مرنا سب کچھ خواہشاتِ بطن و فرج ہی کے گرد گھومنے لگتا ہے۔ اور اس طرح وہ انسانیت کے منصبِ شرف سے گر کر اسفل السافلین کے درکِ مذلت میں پہنچ جاتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو اللہ تعالیٰ نے تو اس کو اپنے فضل و کرم سے اپنی آیات سے نواز کر اُس کو عزت و رفعت سے سرفراز کرنا چاہا مگر اُس نے اپنی بدبختی کے باعث ان سے منہ موڑ کر ہم پر ذلت اور ہلاکت کی راہ کو اپنایا اور اس طرح وہ ذلت اور تباہی کے ہولناک گڑھے میں گر کر رہا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے مکر و فریب سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین ثم آمین۔

۲۴۷ قرآنی قصوں سے مقصود عبرت پذیری:- سو حکم و ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو سناتے رہو ایسے احوال تاکہ یہ لوگ عبرت پکڑیں اور غور و فکر سے کام لیں اور اس سے سبق لے کر یہ باز آجائیں کفر و ضلالت، معصیت و گمراہی اور اس کے برے انجام اور ابدی خسارے سے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو قرآنی قصوں کا اصل مقصد عبرت پذیری ہے کہ ان میں غور و فکر سے کام لیکر انسان عبرت پکڑے اور غلط روش سے باز آکر صحیح راستے کو اپنائے۔ جس پر چل کر اسکی دنیا بھی بنے اور آخرت بھی سنورے۔ اور اس طرح وہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے ہمکنار و بہرہ ور ہو جائے۔ ورنہ محض قصہ گوئی کیلئے قصوں کو سنانا اور سننا کوئی مقصد نہیں۔ سو مذکورہ بالا قصے اور اس تمثیل کے آئینے میں اِن تمام لوگوں کو اپنا چہرہ دیکھ لینا چاہئے۔ اور ان کو اپنے حال و مآل میں غور کرنا چاہئے جو قرآنِ حکیم کی نعمتِ کبریٰ اور اس کی آیاتِ کریمات سے اِنکار و اِعراض کرتے اور ناقدری و لاپرواہی برتتے ہیں۔ جس میں سرِ فہرست کفارِ قریش ہیں جو ان آیاتِ کریمات کو براہِ راست لسانِ نبوت سے سنتے تھے اور اُس کے بعد قیامت تک کے تمام منکرین اسی ذیل میں آتے ہیں جو اس کتابِ حکیم سے اعراض و روگردانی برتتے اور اس کا اِنکار و تکذیب کرتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ان آیاتِ کریمات سے نوازا تاکہ یہ دنیا و آخرت کی سرفرازیوں سے بہرہ ور ہوں۔ لیکن یہ اُن سے منہ موڑ کر اور اپنی خواہشات کے پیچھے لگ کر ہاویہ جہنم کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ و ضلال سے ہمیشہ اور ہر مرحلے پر محفوظ رکھے - آمین ثم آمین۔

مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ

مثال ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو، اور (اس طرح حقیقت میں) وہ خود اپنی

كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِیْ ج

ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے تھے، ۲۴۸ جسے اللہ ہدایت (کی توفیق) بخشے وہی راہ پا سکتا ہے،

وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَ لَقَدْ

اور جسے وہ ڈال دے گمراہی (کے گڑھے) میں، تو ایسے ہی لوگ ہیں (حقیقی اور ابدی) خسارے والے، ۲۴۹ اور حقیقت

ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ز

یہ ہے کہ ہم نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو جہنم ہی کے لئے پیدا کیا ہے، ۲۵۰

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا ز وَ لَهُمْ اَعْیُنٌ

ان کے دل تو ہیں پر وہ ان سے سوچتے نہیں، ۲۵۱ اور ان کے پاس آنکھیں

لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا ز وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ

بھی ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں، ۲۵۲ اور ان کے پاس کان بھی ہیں مگر وہ ان سے سنتے

۲۴۸ اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا خود اپنی جانوں پر ظلم کرنا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بڑی ہی بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور اس طرح وہ دراصل خود اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے تھے کہ نورِ حق اور راہِ صدق و صواب سے محروم لوگ حیوانوں کی زندگی گزارتے ہیں اور اپنے آپ کو دوزخ کا ایندھن بنائے جا رہے ہیں۔ اور اس طرح وہ سراسر خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں مگر ان کو اس کا شعور و احساس نہیں جو کہ خسارہ در خسارہ اور ظلم بالائے ظلم ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ سو اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے والوں کی مثال نہایت بری اور انتہائی مکروہ اور گھناؤنی ہے۔ پس تم لوگ ایسے بدبختوں کے طور طریقوں سے بچ کر رہنا۔ اور یاد رکھو کہ اللہ کی آیات کی ناقدری اور تکذیب کرنے والے ان آیتوں کا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ وہ خود اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے ہیں کہ اس طرح وہ اپنے ہاتھوں عزت کے تاج کی بجائے ذلت کا طوق اختیار کرتے ہیں۔ اور اس طور پر کہ ان کو اس کا احساس و شعور بھی نہیں ہوتا۔ تو وہ لوگ کس قدر گھاٹے اور خسارے کا سودا کر رہے ہیں۔ سو یہ خسارے پر خسارہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

۲۴۹ ہدایت سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس کو اللہ ہدایت بخشے وہی راہ پا

سکتا ہے۔ اور جس کو وہ گمراہی میں ڈال دے وہی لوگ خسارے والے ہیں۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ ایسے ہی لوگ خسارے میں ہیں کہ ہدایت سے محرومی ہر خیر سے محرومی اور سب خرابیوں کی جڑ اور ہر نقصان سے بڑا نقصان ہے کہ اس کے بعد انسان طرح طرح کے اندھیروں میں ڈوب کر رہ جاتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اور ہدایت کی دولت سے سرفرازی انہی کو نصیب ہوتی ہے جن کو اللہ توفیق دیتا ہے۔ اور اللہ کی توفیق انہی کو ملتی ہے جو اپنے اندر اس کے لئے طلب صادق رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی صلاحیتوں کو وہ ان کے صحیح مصرف میں خرچ کرتے ہیں اور جو حق وہدایت کی طلب رکھتے ہی نہیں وہ محروم کے محروم ہی رہتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو انسان کی صلاح وفلاح، صحت وفساد اور بناؤ بگاڑ کا اصل تعلق اس کے اپنے باطن ہی سے ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَ یُرِیْدُ وَعَلٰی مَا یُحِبُّ وَیُرِیْد ۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۲۵۰ سوءِ اختیار کا نتیجہ وانجام، نارِ جہنم۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اپنے خبثِ باطن، سوءِ اختیار اور بدنیتی کی بناء پر راہِ حق و ہدایت پر آنا چاہتے ہی نہیں۔ اور اس کا نتیجہ وانجام بہر حال دائمی ہلاکت وتباہی اور ابدی خسارہ ہے۔ سو ایسے بدبخت ہمیشہ کیلئے دوزخ کی دہکتی بھڑکتی آگ کا ایندھن بنیں گے اور اللہ تعالیٰ کا قانون ودستور یہی ہے کہ ایسے لوگ بالآخر جہنم کا ایندھن بن کر رہیں گے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ کیونکہ جو لوگ اپنی آنکھوں اور اپنے دل ودماغ پر خواہشات کی پٹی باندھ کر زندگی گزارتے ہیں ان کو وہ ان کی اپنی اختیار کردہ گمراہی ہی کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۲۵۱ غافلوں کے دل ماؤف و بیکار۔ والعیاذ باللہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں کے دل تو ہیں پر یہ ان سے سوچتے نہیں۔ سو وہ سوچتے نہیں کہ حق کیا ہے؟ اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟ بلکہ ایسے لوگ اس کے برعکس عقل وفکر کی قوتوں کو بطن وفرج کی شہوات کی تحصیل وتکمیل میں لگا کر راہِ حق سے اور دور ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس طرح اُن کی عقل وفکر کی قوتیں ان کی حرماں نصیبی میں اضافے کا سبب اور ذریعہ بنتی ہیں اور ان کی محرومی کا ٹھپہ اور پکا ہوتا جاتا ہے جس کے نتیجے میں ایسے لوگ اپنی محرومی ہی کو اپنی کامیابی سمجھنے لگتے ہیں اور خداوندِ قدوس کی بخشی ہوئی قوتوں کو وہ اسی گمراہی اور باطل کے لئے استعمال کرتے ہیں اور اسے حق بجانب ثابت کرنے کے لئے وہ طرح طرح کی منطق بگھارتے، حجت بازیوں سے کام لیتے، اور قسما قسم کے من گھڑت اور خود ساختہ دلائل پیش کرتے ہیں اور اس طرح وہ حق سے اور دور اور محروم ہوتے جاتے ہیں۔ ہر باطل فرقے کا یہی حال ہے۔ ﴿کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْہِمْ فَرِحُوْن﴾۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۲۵۲ غافلوں کی آنکھیں بند اور بیکار: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کی آنکھیں تو ہیں پر یہ ان سے دیکھتے نہیں۔ یعنی دیکھتے نہیں، حق اور صدق کی نشانیوں اور علامتوں کو۔ سو یہ لوگ اندھے اور بہرے ہیں اگرچہ دنیاوی اعتبار سے یہ کتنے ہی تیز وطرار اور چالاک وعیار کیوں نہ ہوں۔ اور ستاروں سے بھی آگے جانے کی کوشش کیوں نہ کرتے ہوں۔ کیونکہ مادہ اور مادیات میں اٹکی اور پھنسی ہوئی ان کی یہ محدود ومسدود نگاہیں حق اور حقیقت کے اِدراک سے عاجز و قاصر ہیں۔ اور حق اور حقیقت کے اِدراک سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اور جو آنکھیں حق کی علامتوں اور نشانہائے قدرت کو نہ دیکھ سکیں اور ان پر نگاہِ عبرت نہ ڈال سکیں وہ کس کام کی؟ ان کا ہونا نہ ہونا برابر بلکہ ان کا ہونا نہ ہونے سے بھی برا اور بدتر ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ

نہیں، ۲۵۳ ایسے لوگ جانوروں جیسے بلکہ ان سے بھی کہیں بڑھ کر گمراہ ہیں، ۲۵۴ اور یہی لوگ ہیں

الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ

غافل (و بے خبر اپنے انجام سے،) اور اللہ ہی کے لیے ہیں سب سے اچھے نام، ۲۵۵ پس تم لوگ اس کو پکارو

بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ

اس کے انہی ناموں کے ذریعے، اور چھوڑ دو تم ان لوگوں کو جو کجروی برتتے ہیں اس کے ناموں میں، ۲۵۶

سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ

وہ عنقریب ہی (بھرپور) بدلہ پا کر رہیں گے اپنے ان کاموں کا جو وہ کرتے رہے تھے، اور ہماری مخلوق میں سے ایک جماعت

اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ ع وَ

ایسے لوگوں کی بھی ہے جو راہنمائی کرتے ہیں (لوگوں کی) حق کے ساتھ، اور اسی کے مطابق وہ انصاف کرتے ہیں، اور

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ

جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو، ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسے طریقے سے

۲۵۳ غافلوں کے کان بند اور بیکار:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے کان تو ہیں پر یہ اُن سے سنتے نہیں۔ یعنی یہ سنتے نہیں حق اور حقیقت کو۔ اور اگر یہ نہ سنا تو کچھ بھی نہ سنا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - کہ اصل مقصود جسکے لیے کانوں کی یہ نعمت عطا فرمائی گئی تھی یہی تھا کہ ان سے حق کو سن کر مانا جائے۔ یہ اگر نہیں تو کچھ بھی نہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو ظاہری سننا اور دیکھنا اصل مقصد نہیں کہ ایسا دیکھنا حیوان کا دیکھنا ہے کہ وہ اپنے پیٹ اور اپنی خواہش کے سامان کو ہر جگہ دیکھتا ہے اور ٹھیک ٹھیک دیکھتا ہے۔ اور اس سے جہاں چاہے اور جب چاہے فائدہ اٹھاتا ہے۔ سو جب انسان بھی قدرت کی بخشی ہوئی ان عظیم الشان صلاحیتوں کے باوجود اسی سطح پر اتر آئے اور خواہشات نفس کا بندہ بن کر رہ جائے تو پھر اس میں اور حیوان میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ اور جب وہ انسانیت کے منصبِ شرف سے گر کر حیوانات کے اس قعرِ مذلت میں پہنچ جائے تو پھر اس سے بڑھ کر خائب اور خاسر اور کون ہوسکتا ہے؟ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۲۵۴ جانوروں سے بھی بڑھ کر گمراہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگ جانوروں سے بھی کہیں بڑھ کر گمراہ ہیں کہ وہ تو اپنے مالک کو پہچانتے اور اپنے مقصدِ زندگی کو پورا کرتے ہیں اور اپنے مقصدِ تخلیق کے لگے

بندھے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ اور ان سے آخرت میں کوئی باز پرس نہیں ہونی۔ کیونکہ وہ اسکے مکلّف ہی نہیں۔ کیونکہ ان کو عقل کی روشنی سے نوازا ہی نہیں گیا جبکہ یہ لوگ مکلّف و مسئول ہونے اور جوہرِ عقل رکھنے کے باوجود اپنے رب کی معرفت اور اُس کی یاد سے اس طرح غافل ہیں اور اپنے مقصدِ زندگی یعنی اپنے رب کی عبادت و بندگی سے بھی بے خبر و بے بہرہ ہیں۔ اور نہیں سوچتے کہ اِس طرح وہ کس قدر مہیب اور ہولناک انجام کی طرف بڑھے چلے جارہے ہیں جہاں سے پھران کیلئے واپسی کی بھی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی اور یہ ایسا خسارہ ہے کہ اس جیسا دوسرا کوئی خسارہ نہیں ہوسکتا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۲۵۵ اللہ ہی کیلئے ہیں سب سے اچھے نام:- کہ ہر اچھائی کا خالق و مالک بھی وہی ہے اور ہر تعریف و توصیف کا اصل حق دار بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس لئے ایسے بہترین ناموں "اسمائے حسنیٰ" کا حقدار و مستحق بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور کسی کمال کا ایسا درجہ جس سے اوپر کوئی درجہ نہ ہو سکے وہ صرف اور صرف حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ ہی کیلئے ہوسکتا ہے کہ وہ ہی ہے جو ہر خوبی وکمال کا خالق و مالک ہے۔ جل وعلا شانہ۔ اس آیتِ کریمہ کا تعلق دراصل توحید کے اس عہدِ فضیلت سے ہے جس کا ذکر اوپر آیت نمبر ۱۷۲ میں آیا ہے۔ بیچ میں ان لوگوں کا ذکر آگیا جنہوں نے اللہ کی آیات کی قدر نہیں کی اور خدا تعالیٰ کی طرف سے نہایت اعلیٰ صلاحیتیں پانے کے باوجود وہ اندھے اور بہرے بن گئے۔ سو اس کے بعد اب فرمایا جارہا ہے کہ اللہ ہی کے لئے ہیں سب عمدہ نام اور اچھی صفات۔ پس تم لوگ اس کو اس کے انہی ناموں اور صفات سے پکارو۔

۲۵۶ اسماءِ حُسنیٰ میں کجی سے کام لینے کی صورتیں۔ والعیاذُ باللہ:- سو اسمائے حسنیٰ میں کجی سے کام لینے کی صورتیں کئی ہوسکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس کو ان اسماءِ حسنیٰ کے خلاف دوسرے خود ساختہ ناموں سے پکارتے ہیں یا ان کی غلط تاویلات کرتے اور انہیں من مانے معانی پہناتے ہیں وغیرہ۔ یا اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنی کو اسکے سوا کسی اور کیلئے استعمال کرنا۔ اور اسی میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ "عبدالخالق" کو "خالق"، "عبدالجبار" کو "جبار" اور "عبدالرحمٰن" کو "رحمٰن" کہا جائے وغیرہ جیسا کہ دورِ حاضر میں بالعموم پایا جاتا ہے۔ سو یہ سب اسی میں داخل ہے۔ (معارف وغیرہ)۔ سو اِرشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اس وحدہٗ لاشریک کو اس کے انہی عمدہ اور پاکیزہ ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو جو صفاتِ الٰہیہ کے بارے میں گمراہی کی روش اختیار کئے ہوئے ہیں۔ وہ اس کے شریک ٹھہراتے اور ان خود ساختہ شریکوں کو وہ حاجت روا و مشکل کشا مانتے ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ اور یہ سب باتیں اس کی صفاتِ الوہیت، اُس کی ربوبیت اور اُس کی یکتائی و بے نیازی، اس کے علمِ لامحدود اور اس کی قدرتِ غیر متناہی کے خلاف اور ان کے معارض ہیں۔ خداوندِ قدوس کو انہی صفات سے متصف جاننا اور انہی کے ساتھ پکارنا چاہئے جو اُس کی شانِ اَقدس واعلیٰ کے لائق ہوں اور وہ وہی ہو سکتی ہیں جو وہ خود بتائے یا اس کا رسول بتائے۔ انسان دین کی روشنی کے بغیر محض اپنی عقل سے اس کی معرفت سے سرفراز نہیں ہوسکتا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید۔

حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٢﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ

پکڑے جا رہے ہیں کہ انہیں خبر بھی نہیں ہوتی، ۲۵۷ اور میں انہیں ڈھیل دیئے جا رہا ہوں، بے شک میری تدبیر

مَتِيْنٌ ﴿١٨٣﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ٚ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ

بڑی ہی مضبوط ہے ۲۵۸ کیا ان لوگوں نے کبھی غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی میں جنون کی آخر کون سی

جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٨٤﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ

بات ہے؟ وہ تو محض ایک خبردار کرنے والا ہے کھول کر، ۲۵۹ کیا انہوں نے کبھی غور نہیں کیا

۲۵۷ اہلِ کفر و باطل شکنجۂ استدراج میں - والعیاذُ باللہ: - سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ ہم ان کو فوراً نہیں پکڑتے جس سے یہ اور مست ہوتے جاتے ہیں اور کہتے ہیں ہم ٹھیک جا رہے ہیں۔ اور اس طرح ایسے لوگ ابدی ہلاکت و تباہی کے ہولناک گڑھے میں گرتے چلے جاتے ہیں جو کہ سب سے بڑا اور نہایت ہولناک خسارہ ہے۔ سو اللہ پاک - سبحانہٗ و تعالیٰ - اہلِ باطل کو ڈھیل پر ڈھیل دیئے جاتا ہے اور ان کو فراخیٔ رزق و روزی وغیرہ کی نعمتوں سے نوازے جاتا ہے، جس سے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم لوگ ٹھیک ہیں اور جس راستے پر ہم چل رہے ہیں وہ صحیح ہے۔ ورنہ ہم کو یہ سب کچھ کیوں ملتا۔ اس طرح وہ قادرِ مطلق کی طرف سے شکنجہ استدراج میں مزید از مزید جکڑتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں۔ (البیضاوی وغیرہ) - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اللہ جہالت اور غفلت کے غوائل سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین۔

۲۵۸ اللہ کی تدبیر بڑی ہی سخت ہوتی ہے: - اتنی سخت اور اس قدر مضبوط کہ اس کا مقابلہ تو درکنار۔ ایسے لوگ اس کو سمجھ بھی نہیں سکتے۔ اور ان کو اس کا شعور و احساس تک نہیں کہ ہمیں پکڑا اور جکڑا جا رہا ہے۔ بلکہ یہ بتانے پر بھی اسکو ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ وہ ان کو انکے کفر و باطل پر فوراً پکڑتا نہیں بلکہ ڈھیل پر ڈھیل دیئے جاتا ہے جس سے یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک ہیں اور اپنی اصلاح کرنے کی بجائے یہ الٹا اپنے کفر و باطل پر اڑ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ دھر لیے جاتے ہیں اور اپنے آخری انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو اللہ پاک کی بغاوت و سرکشی اور معاصی و ذنوب کے باوجود ایسے عناصر کو ڈھیل ملنا اطمینان کی بات نہیں بلکہ یہ نہایت ہی سخت خطرے کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور اس کا انجام بڑا ہی ہولناک ہوتا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ -

۲۵۹ پیغمبر کا کام صرف اِنذار ہے اور بس: - سو ارشاد فرمایا گیا اور منکرین و مخالفین کے قلوب و ضمائر کو جھنجوڑتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے کبھی دیکھا اور غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی میں آخر جنون کی کوئی بات ہے؟ وہ تو محض ایک خبردار کرنے والا ہے کھول کر۔ یعنی کھول کر حق اور حقیقت کو۔ اور وہ خبردار کرنے والا ہے سب لوگوں کو ان کے مآل و انجام سے تاکہ وہ درست کر سکیں اپنا معاملہ اور بچ سکیں دائمی ہلاکت اور تباہی سے - والعیاذُ باللہ مِنْ کُلِّ سُوْءٍ وَّزَیْغٍ وَّشَرٍّ وَّفَسَادٍ - سو ان کا کام سراسر صدق و اخلاص اور نصح و خیر خواہی پر مبنی ہوتا ہے۔ ان کو مجنون کہنا اپنے جنون کا ثبوت دینا ہے۔ سو یہ منکر لوگ ذرا سوچیں اور غور و فکر سے کام لے کر دیکھیں کہ آخر ان کے ساتھی میں جنون کی کونسی بات ہے؟ بھلا جو ان کے ساتھ خیر خواہی برتے اور ان کو ان کے آنے والے ہولناک انجام سے خبردار کرے اس کو مجنون قرار دینا ظلم کی انتہاء نہیں تو کیا ہے؟ اور ایسے لوگوں سے بڑھ کر اندھا اور اوندھا اور کون ہو سکتا ہے؟

مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ

آسمانوں اور زمین کے (اس حکمتوں بھرے) نظام میں؟ ف۲٦۰ اور (کیا انہوں نے کبھی آنکھیں کھول کر دیکھا نہیں) اللہ کی

شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ

پیدا کردہ کسی چیز کو؟ اور کیا انہوں نے کبھی یہ بھی نہیں سوچا کہ کہیں قریب آ لگی ہو ان کی اجل؟ ف۲٦۱

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ يُّضْلِلِ

پھر آخر کس بات پر ایمان لائیں گے یہ لوگ اس (کلام معجز نظام) کے بعد؟ (پس اصل بات یہی ہے کہ) جس کو

اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ

اللہ ڈال دے گمراہی (کے گڑھے) میں ف۲٦۲ اس کو کوئی راہ پر نہیں لاسکتا، اور اللہ چھوٹ دے رہا ہے ان کو، یہ اپنی

يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ

سرکشی میں پڑے بھٹک رہے ہیں، پوچھتے ہیں آپ سے (قیامت کی) اس (ہولناک) گھڑی کے بارہ میں کہ آخر

مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا

کب آئے گی وہ؟ (ان سے) کہو کہ اس کا علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے، ف۲٦۳ اس کو اپنے وقت پر

۲٦۰ کائنات کی کھلی کتاب میں غور وفکر کی دعوت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا ان لوگوں نے کبھی آسمانوں اور زمین کے اس حکمتوں بھرے نظام میں غور وفکر نہیں کیا تاکہ ان کی آنکھیں کھلتیں اور ان کو نظر آتا۔ کہ یہ حکمتوں بھری کائنات نہ تو بغیر کسی خالق وموجد کے وجود میں آسکتی ہے اور نہ اس کے بغیر یہ ایسی بے مثال باقاعدگی اور اتنے کمالِ نظم و نسق کے ساتھ چل سکتی ہے۔ اور نہ ہی یہ سب کچھ عبث اور بے مقصد ہوسکتا ہے۔ سو کائنات کی یہ کھلی کتاب اپنی زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ پیغمبر کی دعوت سراسر حق وصدق ہے۔ سو اگر یہ لوگ اس کائنات میں صحیح طور پر غور و فکر سے کام لیں تو ان کو نظر آئیگا کہ جو کچھ محمد ﷺ کہہ رہے ہیں اور جس کی دعوت وہ لوگوں کو دے رہے ہیں اس کی صدا اس کائنات کے گوشے گوشے اور چپے چپے سے اٹھ رہی ہے۔ اور کائنات کی اس شہادت کو وہی لوگ جھٹلا سکتے ہیں جو عقل وشعور کے اندھے اور بہرے ہوں اور جنہوں نے اپنے کانوں اور آنکھوں کو بند کر رکھا ہو۔ ایسے بدبختوں کا تو بہرحال کوئی علاج نہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اللہ تعالیٰ حیاتِ مستعار کا ہر لمحہ اور لحظہ اپنی رضا وخوشنودی اور آخرت کے اس دار قرار کی تیاری وکامیابی کے لیے صرف کرنے کی توفیق بخشے - آمین ثم آمین یارب العالمین -

۲٦۱ اپنے مآل کیلئے تیاری وفکر کی ضرورت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا ان لوگوں نے کبھی سوچا نہیں کہ قریب آگئی ہو ان کی اجل اور اس کی تیاری کے لئے بخشی گئی حیاتِ دنیا کی یہ مختصر اور محدود فرصت ان کے ہاتھ سے جا رہی ہو جو پھر

کسی بھی طور ملنے کی نہیں۔ پس اس کے لئے فکر و کوشش کرنے کی ضرورت ہے تا کہ آخرت کی اس دائمی اور حقیقی زندگی کے لئے کمائی کی جا سکے جو دنیا کی اس حیاتِ فانی کے بعد بہر صورت آنے والی ہے۔ سو عقل و خرد کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے اُس مصیرِ محتوم اور مآلِ موعود کے بارے میں سوچے اور غور کرے قبل اس سے کہ فرصتِ حیات اسکے ہاتھ سے نکل جائے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ۔ ورنہ پھر ہمیشہ کے لیے پچھتانا پڑے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۲۶۲ اللہ کے کسی کو گمراہ کرنے کا معنیٰ و مطلب؟: یعنی جس کو اللہ گمراہی میں ڈال دے اس کی اپنی بدنیتی اور سوءِ اختیار کی بناء پر۔ ورنہ وہ اس سے پاک اور بالا و برتر ہے کہ کسی کو یونہی گمراہ کردے کہ اسکی شان تو دولتِ ہدایت سے نوازنا اور سرفراز فرمانا ہے نہ کہ محروم کرنا۔ مگر جو کوئی خود ہی ہدایت نہ چاہے تو اُس کو ادھر ہی چلتا کر دیا جاتا ہے جدھر وہ خود جانا چاہتا ہے۔ اور پھر اُس کا آخری ٹھکانا دوزخ ہوتا ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء: ۱۱۵)۔ سو یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے کسی کو گمراہ کر دینے کا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ اس کلام معجز نظام پر بھی اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو پھر یہ اور کس پر ایمان لائیں گے کہ ایسا کوئی کلام نہ کبھی ہوا اور نہ کبھی ہوگا۔ اس سے بھی اگر ان کے دل نہیں پسیجتے اور یہ لوگ حق کی طرف مائل نہیں ہوتے تو پھر آخر یہ اور کیسے مائل ہوں گے۔ اور اِس ارشادِ ربانی میں دوسرا احتمال یہ بھی موجود ہے کہ ﴿بَعْدَهٗ﴾ کی ضمیر کا مرجع اجل ہو، جس کا ذکر اوپر آیا ہے۔ سو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب وہ اجل آدھمکے گی تو اس کے بعد یہ لوگ کس چیز پر ایمان لائیں گے۔ پھر تو اس کا کوئی موقع ہی نہیں ہوگا۔ نہ ایمان لانے کا اور نہ کسی طرح کی کوئی کمائی کرنے کا۔ پھر تو سارا قصہ ہی تمام ہو جائے گا۔ اس کے بعد ایمان لانے کی کونسی بات باقی رہ جائے گی۔ پھر تو سب کچھ پردۂ غیب سے نکل کر منصۂ شہود پر آ جائے گا۔ اس وقت مانا تو کیا اور نہ مانا تو کیا۔ پھر تو اپنے کیے کرائے کا بھگتان ہی بھگتنا ہوگا۔ سو ایسے لوگ سنتِ الٰہی اور دستورِ خداوندی کی زد میں آئے ہوئے ہیں۔ ایسوں کو ہدایت دینا کسی کے بس میں نہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۲۶۳ قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے: سو پیغمبر کو حکم و ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ جو آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ آخر کب آئے گی وہ گھڑی؟ تو ان سے کہیے کہ اس کا علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے۔ اس کے سوا اس کو کوئی بھی نہیں جانتا۔ یہاں پر ﴿اِنَّمَا﴾ کے کلمۂ حصر کے ساتھ فرمایا گیا کہ ''قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں'' اور یہی بات قرآن و سنت کی دیگر بے شمار نصوص میں بھی پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان فرمائی گئی ہے، جیسا کہ حدیثِ جبریل میں ارشاد فرمایا گیا ہے ''مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ'' آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے بذریعہ وحی اس کی بہت سی علامات اور نشانیاں بھی بیان فرمائی ہیں جن میں سے بعض پوری ہو چکی ہیں، بعض ہو رہی ہیں اور بعض آئندہ پوری ہوں گی۔ مگر اس کے باوجود اس کا قطعی اور کامل علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ اور یہ جمہور ائمہ و فقہا کے نزدیک گویا ایک اجماعی اور اتفاقی عقیدہ ہے (ملاحظہ ہو، روح، قرطبی، مدارک، جامع اور محاسن وغیرہ)۔ مگر اس سب کے باوجود اہلِ بدعت کے بعض بڑوں کا یہ کہنا اور ماننا ہے کہ نبی کریم۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کو باعلامِ الٰہی وقتِ قیامت کا علم ہے۔ اور یہ آیت حصر کے منافی نہیں۔ سو ایسا کہنا سلف و خلفِ امت کے اِجماعی اور متفق علیہ قول کی خلاف ورزی اور محض ایک ایسی سینہ زوری ہے جو نصوصِ قرآن و سنت سے متصادم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہر کیف جمہورِ امت اور تمام ثقہ علماء و مفسرین کرام کے نزدیک قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہیں۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ جیسا کہ دوسری مختلف نصوص میں بھی اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔

لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا

کوئی ظاہر نہیں کرے گا مگر وہی، وہ بڑی ہی بھاری بات ہے آسمانوں اور زمین میں،

تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْــَٔـلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ

وہ تم پر بالکل اچانک آن پڑے گی، آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسا کہ آپ اس کا کھوج لگا چکے ہوں،

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

(ان سے) کہو کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، ۲۶۴ لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں

يَعْلَمُوْنَ ۝۱۸۷ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا

(حق اور حقیقت کو،) کہو کہ میں تو خود اپنی ذات کے لئے بھی اختیار نہیں رکھتا نہ کسی نفع (کو حاصل کرنے) کا، اور نہ

مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ

کسی نقصان (کو ٹالنے) کا، ۲۶۵ مگر جو اللہ چاہے، ۲۶۶ اور اگر میں غیب جانتا ہوتا، تو میں اپنے لئے بہت کچھ

مِنَ الْخَيْرِ ڔ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ڔ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ

بھلائیاں جمع کر لیتا، اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی، ۲۶۷ میرا کام تو بس خبردار کر دینا ہے

۲۶۴ منکرین کا قیامت کے بارے میں سوال اور اس کا جواب :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی؟۔ اور پوچھتے بھی اس طرح ہیں کہ جس طرح آپ اس کا کھوج لگا چکے ہوں۔ سوان سے کہو کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ سو اس کو اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کوئی بھی نہیں جانتا۔ یہ تکرار تاکید کے لئے ہے۔ (جامع البیان وغیرہ)۔ سو اِس تکرار و تاکید سے یہ حقیقت اور بھی زیادہ مؤکد اور قطعی ہو جاتی ہے کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ اسکے سوا اسکو نہ کوئی جانتا ہے نہ جان سکتا ہے۔ پس جو اہلِ بدعت اس کیخلاف کہتے اور مانتے ہیں وہ حق اور حقیقت اور نصوصِ قطعیہ اور صریحہ کیخلاف اور معارض ہے۔ اس لئے وہ سب باطل و مردود ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اور حق اور حقیقت یہی ہے کہ اس کا علم وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کو بھی نہیں۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ آخر وہ کب آ کر لنگر انداز ہوگی؟ اور منکرین و مکذبین کا یہ سوال جیسا کہ اس کے انداز و اسلوب اور الفاظ ہی سے ظاہر ہے مذاق و استہزاء کے طور پر تھا۔ بہر کیف اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ اس کا علم تو اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے پاس ہے۔ اس کو اپنے مقررہ وقت

پر کوئی ظاہر نہیں کرے گا سوائے اس کے۔ سو یہاں پر بھی ﴿ اِنَّمَا ﴾ کے کلمۂ حصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ سو اس کا علم اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ سو جو لوگ اس کے خلاف کہتے ہیں وہ سب غلط کہتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ و زلل سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔

۴۶۵ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتے: ۔ سو پیغمبر کو خطاب کر کے حکم و ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ میں تو خود اپنی ذات کے لیے کسی نفع یا نقصان کا کوئی اختیار نہیں رکھتا کہ اس سب کا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ سو اس سے اہلِ بدعت کے مختارِ کل کے شرکیہ عقیدے کی جڑ کٹ جاتی ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں صاف اور صریح طور پر پیغمبر کو حکم و ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ آپ کہیں کہ میں خود اپنے لیے بھی نہ کسی نفع کا اختیار رکھتا ہوں نہ نقصان کا۔ بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت اور اسکے اختیار کے تابع ہے۔ وہی وحدہٗ لاشریک جو اور جیسا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ اور جب پیغمبروں کے بھی امام کا یہ عالم ہے تو پھر اور کون ہو سکتا ہے جو مافوق الاسباب طور پر کسی کیلئے کسی طرح کے نفع و نقصان کا اختیار رکھتا ہو۔ سو اس سے اُن مشرکوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں اور اُن کو ہوش میں آ جانا چاہئے جو جگہ جگہ جھکتے اور ہر جگہ ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ اور اس طرح ذلتوں پر ذلتیں اٹھاتے اور طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کر کے اپنی دنیا و آخرت کو برباد کرتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۴۶۶ مشیت سب اللہ تعالیٰ ہی کی ہے: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ مگر اللہ جو چاہے کہ وہ بہر حال ہو کر رہے گا کہ خالق و مالک اور مختارِ کل بہر حال وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اسکی مشیت سب پر حاوی اور سب پر غالب اور نافذ ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ سو اس میں تفویضِ کامل اور اپنی عبدیتِ کاملہ کا اظہار ہے (المدارک و البیضاویؒ وغیرہ)۔ اس لیے کہ اس کائنات کا خالق بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور مالک بھی وہی۔ اور اس میں حاکم و متصرف بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ جو اسکو منظور ہوگا وہی ہوگا اور اسکی مشیت کیخلاف کچھ بھی نہیں ہوگا۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ نفع و نقصان سب اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت و اختیار میں اور اسی کی مشیت پر موقوف ہے۔ اس میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں وہ ہر شریک اور ہر شائبۂ شرک سے پاک ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔

۴۶۷ پیغمبر عالمِ غیب نہیں ہوتے: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف و صریح طور پر ارشاد فرمایا کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں سب بھلائیاں اپنے لئے جمع کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ حالانکہ مجھے کتنی ہی تکلیفیں پہنچی ہیں۔ راہِ حق میں طرح طرح سے ستایا گیا۔ زخمی کیا گیا۔ خون گرایا گیا۔ دندانِ مبارک شہید کئے گئے اور زہر کھلایا گیا وغیرہ وغیرہ۔ سو اگر مجھے غیب کا علم ہوتا اور میں سب کچھ جانتا ہوتا تو ایسے کیوں ہوتا اور یہ واقعات کیوں پیش آتے۔ پس یہ اس بات کا صاف و صریح اور واضح اور کھلا ثبوت ہے کہ میں غیب کا علم نہیں رکھتا۔ بلکہ عالمِ غیب اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ سو اس سے اہلِ بدعت کے علمِ غیب کلی اور مختارِ کل جیسے شرکیہ عقائد کی جڑ نکل جاتی ہے۔ والحمد للہ جل و علا۔ اللہ بگڑے ہوؤں کو ہدایت سے نوازے۔ یہ کہاں اوندھے ہو رہے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ بہرکیف یہاں پر صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اپنے لیے بہت بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ تعجب ہوتا ہے کہ اس طرح کی صریح نصوص کے باوجود کچھ لوگ علم غیب کلی کا شرکیہ عقیدہ کیسے رکھتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

ع ۲۳/۷ ۱۲

وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٨﴾ ع هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ

(لوگوں کو ان کے انجام سے،) اور خوشخبری سنانا ہے ایسے لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں، وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے پیدا فرمایا

نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ

تم سب کو ایک ہی جان سے، اور پھر اسی سے اس نے اس کا جوڑا بنایا، تاکہ وہ سکون حاصل کرے

اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ

اس کے پاس، پھر (آگے چل کر ان کی اولاد میں ۲۶۸ بعض کی حالت یہ ہوئی کہ) جب مرد نے عورت سے ہمبستری کی، تو اس

بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا

کو ہلکا سا حمل ہو گیا، جسے وہ لئے لئے پھرتی رہی، پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو ان دونوں (میاں بیوی) نے مل کر دعاء کی

صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٨٩﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا

اللہ سے جو کہ رب ہے ان دونوں کا، کہ (اے ہمارے مالک) اگر تو نے ہمیں اچھا سا بچہ دے دیا تو ہم تیرے بڑے ہی

---

۲۶۸ اولادِ آدم میں شرک کا ارتکاب:- یعنی آدم وحوا - علیہما الصلوٰۃ والسلام - تو اس طرح شرک کے ہر شائبہ سے محفوظ رہے مگر ان کے بعد ان کی اولاد نے اس شرک کا ارتکاب کیا اور انہوں نے "عبد الشمس"، "عبد العزیٰ"، "عبدِ مناف"، "عبد النبی"، "عبد الرسول"، "عبد الحسین" جیسے شرکیہ نام رکھے اور آج تک رکھ رہے ہیں - والعیاذ باللہ - یہ قول حضرتِ حسن بصریؒ کا ہے اور اِسی کو محققین نے اختیار کیا ہے۔ رہ گیا دوسرا قول کہ ضمیرِ تثنیہ کا مرجع آدم وحوا ہیں اور یہ کہ اِس شرک کا آغاز انہی سے ہوا تھا تو یہ قول مرجوح ہے اور اس بارے جو آثار و روایات وارد ہیں وہ ضعیف اور ناقابلِ اعتبار ہیں۔ علامہ ابنِ کثیر جیسے محققین نے بوجوہ انکو ضعیف اور ناقابلِ احتجاج قرار دیا ہے۔ (روح، جامع، ابنِ کثیر، قرطبی، مراغی اور محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو شرک کا ارتکاب بعد میں اولادِ آدم کے اندر کیا گیا - بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ جب عورت پوری طرح بوجھل ہو جاتی ہے تو میاں بیوی دونوں پر ایک اندیشے کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور اس اندیشے کے وقت وہ خدا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور چونکہ اصل فطرت کے اندر صرف خدا کا ہی نقش موجود ہے کسی اور کا نہیں اس لئے وہ دونوں خدا ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ کسی اور کی طرف نہیں۔ اور دونوں اسی کو پکارتے ہیں۔ لیکن بعد میں جب بچہ مل جاتا ہے تو وہ طرح طرح سے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین۔

صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا ۚ فَتَعٰلَى

شکر گزار ہوں گے، گر جب اللہ نے ان کو صحیح و سالم بچہ دے دیا، تو انہوں نے اس کے شریک بنا دئے اس (نعمت) میں،

اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ

جو اسی نے ان کو بخشی تھی، سو بالا و برتر ہے اللہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں، تو کیا یہ ایسوں کو اس کا شریک

شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا

ٹھہراتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے، اور وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں؟ اور وہ نہ ان کی کسی قسم کی کوئی مدد کر سکتے ہیں،

وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى

اور نہ وہ خود اپنی ہی کوئی مدد کر سکتے ہیں، ۲۶۹ اور اگر تم انہیں سیدھی راہ کی طرف

الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ

بلاؤ تو وہ تمہارے کہنے پر نہ چلیں، برابر ہے تمہارے حق میں کہ خواہ تم انہیں پکارو یا

۲۶۹ جو خود محتاج ہیں وہ دوسروں کی مدد کیا کریں گے :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ ان کو خدا کا شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود مخلوق ہیں اور وہ نہ انکی کوئی مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی کوئی مدد کر سکتے ہیں۔ سو جو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے وہ دوسروں کی کوئی مدد کس طرح کر سکیں گے؟ اور جو خود موت کے منہ میں چلے گئے اور چلے جائیں گے وہ دوسروں کو کسی آفت سے کیسے بچا سکتے ہیں؟ افسوس کہ اتنی جلی اور واضح حقیقت بھی کچھ لوگوں کو سمجھ نہیں آ رہی اور وہ ایمان و توحید کے بلند بانگ دعووں کے باوجود طرح طرح کی شرکیات میں ملوث و مبتلاء ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو حضرتِ خالق۔ جل مجدہ۔ نے کس قدر سچ فرمایا ﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ (یوسف: ۱۰۶)۔ یعنی "لوگوں کی اکثریت ایمان کے دعووں کے باوجود شرک میں مبتلا رہتی ہے"۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ جب خدا ہی سب کا خالق و مالک، حاجت روا و مشکل کشا ہے اور اُسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہر کسی کا نفع و نقصان ہے تو پھر ایسی چیزوں کو اس کا شریک ماننے اور ان کو اُس کی خدائی میں شریک جاننے کی آخر تک ہی کیا ہو سکتی ہے؟۔ جو نہ کسی کو پیدا کر سکیں بلکہ وہ خود مخلوق ہوں۔ اور جو نہ کسی کی مدد کر سکیں اور نہ وہ خود اپنی ہی مدد پر قادر ہوں۔ سو یہ ارشاد دراصل اوپر والے ارشاد ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ کے مضمون کی توضیح و تشریح ہے۔ کیونکہ شرک خواہ کسی بھی نوعیت کا ہو وہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفاتِ کمال کی نفی کر دیتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو جو خود مخلوق اور محتاج ہوں وہ دوسروں کے حاجت روا و مشکل کشا نہیں ہو سکتے۔

اَنۡتُمۡ صَامِتُوۡنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ

تم خاموش رہو (وہ بہر حال سننے ماننے کے نہیں) ن۲۷۰ بے شک جن کو تم لوگ پکارتے

دُوۡنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمۡثَالُكُمۡ فَادۡعُوۡهُمۡ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا

ہو اللہ کے سوا، وہ بندے ہیں تم ہی جیسے، ن۲۷۱ پس تم لوگ انہیں پکار کر دیکھو، پھر ان کو چاہیئے کہ وہ قبول کریں تمہاری

۲۷۰ حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ ہی ہے: - سو اللہ کے سوا کسی کو بھی مافوق الاسباب اور خرقِ عادت کے طور پر حاجت روائی اور مشکل کشائی کیلئے پکارنا پرلے درجے کی حماقت ہے کہ وہ سننے والے ہی نہیں ہیں کہ اُن کے اندر اس کی اہلیت اور صلاحیت ہی نہیں۔ تو پھر اُن کو حاجت روا و مشکل کشا ماننا کس قدر حماقت اور کیسی بلادت ہے؟ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو ان میں سے جو لکڑی پتھر وغیرہ کے خودساختہ اور من گھڑت بت ہیں ان میں تو ایسی کوئی صلاحیت سرے سے تھی ہی نہیں۔ اور ہو سکتی ہی نہیں کہ وہ کسی کی بات کو سن سکیں۔ رہیں وہ زندہ اور بزرگ ہستیاں جو اپنی زندگی میں دوسروں کی بات تھیں، اپنی موت کے بعد وہ بھی اس قابل نہیں رہیں کہ کسی کی کوئی دعاء وفریاد سن سکیں۔ اسی لیے ان کو منوں مٹی تلے دفن کر دیا جاتا ہے۔ سو اللہ کے سوا کسی کو بھی اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کیلئے پکارنا سراسر حماقت اور پرلے درجے کی جہالت ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو جو نہ سن سکے نہ مان سکے اس کی پوجا کرنا اور اس کو حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے پکارنا بڑی حماقت اور جہالت ہے۔ سو یہ ارشاد ایسے ہی ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والد سے کہا تھا کہ "ابا جان آپ ایسی چیزوں کی پوجا کیوں کرتے ہیں جو نہ سن سکیں نہ دیکھ سکیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکیں؟" ﴿يَآ اَبَتِ لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا يَسۡمَعُ وَلَا يُبۡصِرُ وَلَا يُغۡنِيۡ عَنۡكَ شَيۡـًٔا﴾.

۲۷۱ جن کو تم لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تم ہی جیسے بندے ہیں: - عاجز اور مخلوق ہونے میں۔ تو پھر اپنی ہی جیسی کسی عاجز اور بے بس مخلوق کو حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے پکارنا کس طرح جائز اور درست ہو سکتا ہے؟ سو حاجت روا و مشکل کشا ایک اور صرف ایک ہی ہے۔ یعنی اَللّٰہ - جَلَّ جلالہٗ - جو اس ساری کائنات کا بلاشرکتِ غیرے خالق بھی ہے اور مالک بھی۔ مدبر بھی اور متصرف بھی - سبحانہٗ وتعالیٰ - سو اُس وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی کو بھی اپنی حاجت روائی و مشکل کشائی کیلئے بلانا پکارنا حماقت اور اپنی ذلت کا سامان کرنا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اہلِ بدعت عام طور پر کہتے رہتے ہیں کہ یہ بتوں کے بارے میں ہے اور بس۔ سو ان سے کوئی پوچھے کہ اس تخصیص کی تمہارے پاس دلیل کیا ہے؟ سو ان کے پاس اس تخصیص وتقیید کی کوئی دلیل نہ ہے نہ ہو سکتی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس اس کے عموم وشمول کے لئے کئی قرائن ودلائل موجود ہیں۔ ایک تو یہ کہ ﴿مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ کا کلمہ عام ہے جو کہ ہر معبود ﴿من دون اللہ﴾ کو شامل ہے۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ دوسرے یہ کہ ﴿عِبَادٌ اَمۡثَالُكُمۡ﴾ - کے عموم کا بھی یہی تقاضا ہے۔ اور تیسرے یہ کہ ثقہ مفسرینِ کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ مثلاً امام مصطفیٰ مراغی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں اس موقع پر فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد ہمارے دور کے اُن قبر پرستوں پر پوری طرح منطبق ہوتا ہے جو اولیاء وصلحاء کی قبروں کی پوجا کرتے اور اُن سے حاجتیں مانگتے ہیں۔ نیز موصوف لکھتے ہیں کہ بتوں، مورتیوں اور قبروں کی پوجا سب ایک برابر ہے کیونکہ یہ لوگ ان تمام چیزوں میں غیبی تاثیر اور تصرف مانتے ہیں۔ اور کوئی شک نہیں کہ یہ بدترین شرک ہے۔ (تفسیر المراغی: ج ۹-۱۴۲) - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ اپنی پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین۔

لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ

(دعاء و) پکارکو، اگر تم لوگ سچے ہو (اپنے دعووں میں،) کیاان کے کوئی پاؤں ہیں جن سے وہ

بِهَآ ز أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ز أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ

چلیں، یاان کے کوئی ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑیں، یاان کی کوئی آنکھیں ہیں

يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ز أَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ط قُلِ

جن سے وہ دیکھیں، یاانکے کوئی کان ہیں جن سے وہ سنیں، ۲۷۲ (ان سے) کہو

ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾

کہ اچھاتم بلالواپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو، پھرتم سب مل کر چلاؤ میرے خلاف اپنی چالیں، اور مجھے مت دو کوئی مہلت،

إِنَّ وَلِيِّ ىَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ صلے ز وَهُوَ يَتَوَلَّى

بے شک میرا کارساز (و مددگار) وہ اللہ ہے، ۲۷۳ جس نے (اپنے کرم سے مجھ پر) نازل فرمائی یہ (مبارک و مسعود) کتاب، ۲۷۴

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا

اور وہی مدد (و کارسازی) فرماتا ہے اپنے نیک بندوں کی، ۲۷۵ اس کے برعکس جن کو تم لوگ (پوجتے) پکارتے ہو، اس (وحدہٗ لاشریک)

۲۷۲ اللہ کے سوا حاجت روا و مشکل کشا کوئی بھی نہیں ہوسکتا: - سو ارشاد فرمایا گیا اور مشرکین کے قلوب و ضمائر کو جھنجوڑتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ کیا ان کے کوئی پاؤں ہیں جن سے یہ چلیں؟ یا ان کے کوئی ہاتھ ہیں جن سے یہ پکڑیں؟ یا ان کی کوئی آنکھیں ہیں جن سے یہ دیکھیں؟ یا ان کے کوئی ایسے کان ہیں جن سے یہ سنیں؟ اور جب اِن کے پاس ایسے اعضاء نہیں، اور ظاہر ہے کہ نہیں اور یقیناً نہیں، تو پھر یہ دوسروں کی حاجت روائی و مشکل کشائی آخر کس طرح کر سکتے ہیں؟ سو کیا ہوگیا تمہاری کھوپڑیوں کو؟ اور کہاں چلی گئیں تمہاری عقلیں؟ جو تم لوگوں کو اتنی موٹی بات اور اس قدر واضح حقیقت بھی سمجھ نہیں آ رہی اے مشرکو؟ سو مت ماری کا نتیجہ یہی ہوتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو اِس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حاجت روا اور مشکل کشا اللہ کے سوا اور کوئی بھی نہیں۔ بہرکیف مشرکوں کے دلوں پر دستک دیتے ہوئے اور ان کے عقول و ضمائر کو جھنجوڑتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ کیا ان کے کوئی ایسے پاؤں ہیں جن سے یہ چلتے ہوں؟ یا ان کے ایسے کوئی ہاتھ ہیں جن سے یہ پکڑتے ہوں؟ یا ان کی کوئی ایسی آنکھیں ہیں جن سے یہ دیکھتے ہوں؟ یا ان کے کوئی

ایسے کان ہیں جن سے یہ سنتے ہوں؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تم لوگ آخر ان کی پوجا پاٹ کیوں کرتے ہو؟ اور ان کو اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے کیسے پکارتے ہو؟ کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟ - اَفَلَا تَعْقِلُوْن ؟ - اللہ ہمیشہ راہِ حق وصواب پر ثابت قدم رکھے - آمین۔

۲۷۳ کارساز و کارفرما سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ: - جو اِس ساری کائنات کا خالق و مالک اور حاکم ومتصرف ہے۔ اور اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز کی باگ ڈور ہے۔ مجھے تم لوگوں کے ان خود ساختہ مشکل کشاؤں اور حاجت رواؤں کی کوئی پرواہ نہیں جن کو تم لوگ پوجتے پکارتے ہو کہ ان میں کچھ کرسکنے کی سرے سے کوئی طاقت ہی نہیں۔ اور میرا بھروسہ بہرحال اپنے رب ہی پر ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - کہ وہ سب کا حاجت روا و مشکل کشا اور کارساز و کارفرما ہے۔ اسکے سوا باقی سب فرضی اور بے حقیقت ہیں۔ بہرکیف اس ارشاد میں پیغمبر کی زبان سے اس حقیقت کا اعلان کروا دیا گیا ہے کہ میرا ولی و کارساز وہ اللہ ہی ہے جس نے اس کتاب حکیم کو نازل فرمایا ہے اور وہی کارسازی فرماتا ہے نیکوں کی۔ اور جب اللہ کے نبی اور نبیوں کے امام نبی حضرت خاتم الانبیاء - صلی اللہ علیہ وسلم - کا حاجت روا و کارساز بھی اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے اور وہ بھی اسی کی حاجت روائی و مشکل کشائی اور کارسازی کے محتاج ہیں تو پھر اور کون ہوسکتا ہے جس کو اللہ کے سوا کارساز قرار دیا جائے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اللہ ہمیشہ اپنی حاجت روائی و کارسازی کے سائے میں رکھے - آمین ثم آمین۔

۲۷۴ یہ کتابِ ہدایت، مصدر و منبع فیض: - جو ہدایت ونور کا منبع و مصدر اور اللہ پاک کی عظیم الشان نعمت ہے۔ اور جس نے مجھ پر یہ عظیم الشان کرم واحسان فرمایا، وہی مجھے نوازے گا اپنی نصرت وعنایت سے اور وہی میری کارسازی فرمائے گا۔ پس میرا اُسی پر بھروسہ ہے اور اُسی کی نازل فرمودہ یہ کتابِ ہدایت سب کی ہادی وراہنما ہے۔ جسکے بغیر اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ سو جب اللہ کے رسول، جو کہ تمام رسولوں کے امام و پیشوا ہیں، وہ بھی اپنی حاجت روائی اور کارسازی کے لئے اللہ تعالیٰ ہی کی کارسازی کے محتاج ہیں تو پھر اور کون ہے جو خلافِ اسباب کسی کا کارساز ہوسکے؟

۲۷۵ اللہ ہی کارسازی فرماتا ہے نیکوں کی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہی کارسازی فرماتا ہے نیکوں کی کہ حاجت روا و مشکل کشا سب کا بہرحال وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اَسباب ومسببات کا سب سلسلہ اُسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ پس وہ جسکی مدد فرمائے اُسکو کسی کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے۔ اور وہ نیک بندوں کی مدد فرماتا ہے۔ پس بندوں کو چاہیئے کہ وہ نیکی اور صلاح میں آگے بڑھیں اور اُس قادرِ مطلق کے ساتھ اپنا تعلق صحیح رکھیں - وباللہ التوفیق - بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی حامی وناصر اور ولی و کارساز ہے اپنے رسول کا اور اپنے تمام نیک بندوں کا۔ وہ ان سے محبت رکھتا ہے اور ان کی کارسازی فرماتا ہے۔ سو اُس کے سوا لوگوں نے جو اور طرح طرح کے سہارے اور وسیلے گھڑ رکھے ہیں وہ سب فرضی اور بے بنیاد ہیں۔ اور یتولی الصالحین کے کلماتِ کریمہ کے ذریعے اس کی کارسازی سے سرفرازی کا طریقہ بھی بتلا دیا گیا کہ انسان اس کی تعلیماتِ مقدسہ کو اپنا کر اور اسی پر بھروسہ کر کے صالح بن جائے۔ اور اس طرح وہ صالحین کے زمرے میں داخل ہو جائے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید -

يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾

کے سوا، وہ نہ تمہاری کسی طرح کی کوئی مدد کر سکتے ہیں، اور نہ ہی وہ خود اپنی ہی کوئی مدد کر سکتے ہیں، ۲۷۶

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ

اور (ان کا حال یہ ہے کہ) اگر تم ان کو بلاؤ سیدھی راہ کی طرف تو یہ نہیں سنتے، اور تم ان کو دیکھو گے

يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ

تو تمہیں یوں لگے گا جیسے وہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہوں، حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں دیکھ سکتے، ۲۷۷ عفو (و درگزر) ہی کو اپنائے رکھو،

وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا

آپ (اے پیغمبر!) نیکی کی تلقین کرتے رہو، اور کنارہ کش رہو جاہلوں (کے الجھاؤ) سے، ۲۷۸ اور اگر کبھی

۲۷۶ اللہ کے سوا جن کو بھی پوجا و پکارا جاتا ہے وہ کوئی مدد نہیں کر سکتے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک جن کو تم لوگ پوجتے پکارتے ہو اس وحدہٗ لاشریک کے سوا وہ تمہاری کسی بھی طرح کی کوئی مدد نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ خود اپنی ہی کوئی مدد کر سکتے ہیں کہ ان کے اندر اس کی اہلیت اور صلاحیت ہی نہیں کہ لکڑی پتھر کے بت تو سرے سے کچھ کرنے کے قابل ہیں ہی نہیں۔ وہ تو محض بے بس اور بے جان ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے نیک بندے بھی بغیر اسباب و وسائل کے اور مرنے کے بعد کچھ نہیں کر سکتے کہ خلافِ اسباب اور مافوق الاسباب طریقے سے کسی کی مدد کرنا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی شان اور اُسی کا اختصاص ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- اُس کے سوا کسی اور میں یہ صفت ماننا شرک ہوگا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ وَ عَلَا- اور اُس وحدہٗ لاشریک مالکِ حقیقی کے سوا جن کو تم لوگ پوجتے پکارتے ہو اے مشرکو! وہ نہ تمہاری کسی طرح کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ وہ خود اپنی ہی کسی مدد کے قابل ہیں۔ اگر تم ان کو ہدایت کی طرف پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں سن سکتے۔ تو پھر ایسوں کو پوجنا پکارنا کتنی بڑی حماقت اور کس قدر ظلم ہے۔؟- والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ وضلال وسوء وانحراف-

۲۷۷ اللہ کے سوا جن کو پوجا پکارا جاتا ہے وہ سب بے حقیقت ہیں:- کہ وہ دیکھنے کی صلاحیت ہی سے محروم ہیں۔ سو کتنا محروم اور بدنصیب ہے وہ انسان جو اُن سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کی توقع رکھتا، اُن کے آگے جھکتا اور اُن کے لئے پھیرے لگاتا اور چکر کاٹتا ہے۔ اور طرح طرح سے ذلیل ہوتا ہے کہ ان میں ایسی کوئی صلاحیت سرے سے ہے ہی نہیں کہ وہ کسی کی کوئی مدد کر سکیں۔ سو اللہ کے سوا جن کو پوجا پکارا جاتا ہے وہ سب بے حقیقت ہیں۔ اور اُن کے آگے مراسمِ عبادت بجا لانا خود اپنی تذلیل وتحقیر کا سامان کرنا ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - روایات میں وارد و منقول ہے کہ آنحضرت- ﷺ - کی مدینہ منورہ تشریف آوری پر جب حضرتِ معاذ

بن عمرو بن الجموع اور حضرتِ معاذ بن جبل - رضی اللہ عنہما - دونوں اسلام میں داخل ہوئے، اور یہ دونوں نوجوان تھے، تو انہوں نے اس کے بعد بتوں کے خلاف کارروائی شروع کر دی۔ چنانچہ یہ دونوں رات کے وقت مشرکین کے بتوں کی خبر لیتے اور اُن کو توڑ پھوڑ ڈالتے۔ اوران کو توڑ کر بیواؤں کے لئے ایندھن بنا لیتے تا کہ اُن کی قوم اس سے سبق لے اور عبرت پکڑے۔ اور عمرو بن جموح جو کہ اپنی قوم کے سردار تھے ان کا ایک خاص بت تھا جس کی وہ پوجا کرتے اور اس کی خدمت وسیوا میں لگے رہتے۔ تو یہ دونوں نوجوان رات کے وقت جا کر اُس کو اوندھا کر دیتے اور اس پر گندگی مل دیتے۔ صبح ہونے پر جب عمرو بن جموع اپنے ٹھاکر کا یہ حال دیکھتے تو افسوس کرتے اور اس کو صاف کر کے پھر سیدھا کر کے رکھ دیتے۔ لیکن وہ نوجوان پھر آ کر ایسے ہی کر دیتے۔ ابنِ جموع پھر اس کو صاف کرتے۔ اور ایک دن اس کے پاس ایک تلوار بھی رکھ دی کہ آئندہ جب ایسا کوئی شخص آئے تو اس کی اس تلوار سے خبر لینا۔ مگر پھر بھی ویسے ہی ہوتا۔ یہانتک کہ ایک مرتبہ انہوں نے اس کو ایک رسی کے ساتھ باندھ کر ایک مرے ہوئے کتے کے ساتھ جوڑ کر ایک کھڈے میں ڈال دیا تو اس پر عمرو بن جموح کی آنکھ کھلی اور انہوں نے ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ''اگر تو معبود ہوتا تو اس طرح اس مرے ہوئے کتے کے ساتھ کھڈے میں نہ پڑا رہتا'' تو اس پر آپؐ کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گئے اور ایک اچھے اور سچے مسلمان بن گئے۔ یہاں تک کہ اُحد میں شہید ہو گئے - رضی اللہ عنہ وارضاہ - بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کے سوا جن کو پوجا پکارا جاتا ہے وہ سب بے حقیقت ہیں۔ ان کو حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے پکارنا کھلم کھلا ظلم ہے - والعیاذ باللہ العظیم -

۱۷۸ مکارمِ اَخلاق کی عمدہ تعلیم کا ایک نہایت جامع نمونہ: - سو اس آیتِ کریمہ کے ذریعے مکارمِ اَخلاق کی نہایت عمدہ، مختصر، جامع اور مؤثر تعلیم دی گئی جو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے نبیء اکرم - صلی اللہ علیہ وسلم - کو اور آپؐ کے توسط سے آپؐ کی امت کو دی جاری ہے۔ خاص کر اُن حضرات کو جو دعوت الی اللہ کے عظیم کام میں مشغول ہوں۔ اسی لئے بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ یہ آیتِ کریمہ اخلاقیات کے ضمن میں شریعت کے تمام قواعد کو حاوی ہے۔ کوئی نیکی یا خوبی وفضیلت ایسی نہیں جو اُس کے اندر سمو نہ دی گئی ہو۔ اسی لئے اس آیتِ کریمہ کو مکارمِ اخلاق کی سب سے جامع آیت قرار دیا گیا ہے۔ (المراغی، المحاسن وغیرہ)۔ اور بعض روایات میں ہے کہ جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے جبریلِ امین سے عرض کیا ''مَا هٰذَا يَا جِبْرِيْلُ؟'' ''یہ کیسی تعلیم ہے اے جبریل؟'' تو انہوں نے فرمایا کہ ''آپ کا رب آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپؐ درگزر کریں اُس سے جو آپ سے زیادتی کرے، اور عطاء کریں اُس کو جو آپ کو محروم رکھے، اور تعلق قائم کریں اُس سے جو آپ سے قطع تعلقی کرے'' (جامع البیان، محاسن التاویل وغیرہ)- سبحان اللہ - کیا کہنے اَخلاقِ کریمہ سے متعلق اِس عظیم الشان اور جامع تعلیم و اِرشاد کے۔ اگر آج امتِ مسلمہ اسی ایک اِرشاد کو اپنا لے تو معاشرتی بگاڑ ختم ہوسکتا ہے اور معاشرے میں انقلاب آفریں تبدیلی آسکتی ہے - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وَعَلٰى مَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ - وَهُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْلِ - اللہ تعالیٰ مکارم اخلاق کی دولت سے سرفراز و مالا مال فرمائے - آمین ثم آمین یا رب العالمین -

يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ

تمہیں پہنچے شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ تو (فوراً) پناہ مانگا کرو اللہ کی، ف۲۷۹ بے شک وہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ

بڑا ہی سننے والا، خوب جاننے والا ہے، بے شک جو لوگ ڈرتے (اور بچتے) رہتے ہیں (اپنے رب کی نافرمانی سے،) جب

طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ ج

ان کو چھو جاتا ہے کوئی خیال شیطان کی طرف سے تو وہ فوراً چونک جاتے ہیں، ف۲۸۰ پھر یکایک کھل جاتی ہیں ان کی آنکھیں،

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

رہ گئے شیطانوں کے بھائی بند، تو ان کو یہ کھینچے چلے جاتے ہیں ان کی گمراہی میں، اور وہ اس میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، ف۲۸۱

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ

اور جب آپ ان کے پاس نہیں لاتے کوئی نشانی، تو یہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں چھانٹ لیا آپ نے اس کو،

قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ج هٰذَا

(ان سے) کہو کہ میرا کام تو بس پیروی کرنا ہے اس وحی کی جو بھیجی جاتی ہے میری طرف میرے رب کی جانب سے، یہ

بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ

(قرآن بجائے خود) مجموعہ ہے آنکھیں کھولنے والی نشانیوں کا تمہارے رب کی طرف سے، ف۲۸۲ اور سراسر ہدایت، اور عین

۲۷۹ شیطان کی اُکساہٹ سے حفاظت کا طریقہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم کو کبھی شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ پہنچے تو تم فوراً اللہ کی پناہ مانگا کرو کہ بلاشبہ وہ بڑا ہی سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ سو اس ارشاد کے ذریعے شیطان کی اکساہٹ سے حفاظت کا یہ طریقہ تعلیم وتلقین فرمایا گیا ہے کہ ایسے موقع پر تم فوراً اللہ کی پناہ مانگو۔ جس طرح ظاہری دشمن سے حفاظت کے لئے تیر وتفنگ اور ٹینک وتوپ وغیرہ کے ظاہری ہتھیار استعمال کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح اُس باطنی اور چھپے دشمن سے جو کہ ظاہری دشمنوں سے کہیں بڑھ کر خطرناک ہے، اُس سے حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق کی پناہ کا خفیہ اور پوشیدہ ہتھیار استعمال کیا جائے، جو کہ اُس کے لئے واحد علاج اور تیر بہدف نسخہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو جب شیاطینِ اِنس وجن کی طرف سے تمہیں کسی طرح

کی کسی اُکساہٹ اور ایذاء رسانی سے سابقہ پڑے تو تم فوراً اللہ کی پناہ ڈھونڈو۔ وہ سمیع بھی ہے اور علیم بھی۔ وہ ہر حالت کو جانتا اور ہر کسی کی سنتا اور اُس کی حاجت روائی فرماتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۲۸۰ تقوی حفاظت و بچاؤ کا ذریعہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ سے ڈرنے اور اس کی نافرمانی و ناراضی سے بچنے والوں کو جب شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو جاتا ہے تو وہ فوراً چونک جاتے ہیں۔ اور چونک کر وہ اس "عَدُوٌّ مُبِیْنٌ" کے وار سے محفوظ ہو جاتے ہیں پس تقوی حفاظت کا ذریعہ اور عظیم بچاؤ ہے شیطان کے وار سے۔ اللہ نصیب فرمائے اور ہمیشہ اور ہر حال میں اُس دولتِ تقوی سے سرشار رکھے۔ آمین ثم آمین۔ سو تقوی و پرہیزگاری حفاظت و بچاؤ کا اہم ذریعہ و وسیلہ ہے۔ سو اِرشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ جہالت کی بجائے تقوی و پرہیزگاری کی روش کو اپناتے ہیں، ان کو شیطان کی طرف سے جب کوئی اُکساہٹ پیش آتی ہے تو وہ فوراً چونک اٹھتے ہیں اور اُن کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اور اصل حقیقت اُن کے سامنے پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ سو تقوی و پرہیزگاری شیاطین کے وار اور ان کے اثرات سے بچنے اور محفوظ رہنے کا ایک عظیم الشان ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اللہ نصیب فرمائے اور ہمیشہ اس سے سرفراز و مالا مال رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۲۸۱ شیطان سے دوستی باعثِ ہلاکت و تباہی۔ والعیاذُ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو شیطانوں کے بھائی بند ہیں تو ان کو وہ کھینچتے چلے جاتے ہیں گمراہی میں اور وہ اس میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔ یہاں تک کہ بالآخر وہ اس کو ہاویہ میں گرا کر چھوڑتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔ سو شیطان کی دوستی باعثِ ہلاکت و تباہی۔ والعیاذ باللہ۔ خواہ وہ شیاطینِ انس میں سے ہو یا جنوں میں سے۔ یہاں پر ﴿اِخْوَانُهُمْ﴾ سے مراد ان کے وہ ساتھی اور بھائی بند ہیں جن کے ہاتھوں میں ان کی باگ ڈور ہوتی ہے۔ سو وہ شیاطین خواہ وہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے وہ ان کو گمراہی کی دلدل میں گھسیٹتے اور ہلاکت کی وادیوں میں بھٹکاتے پھینکتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ان کو تباہی کے آخری گڑھے میں پہنچا کر چھوڑتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔

۲۸۲ اِتباع باعثِ نجات اور اِبتداع موجبِ فساد و بگاڑ۔ والعیاذُ باللہ:۔ سو پیغمبر کو حکم وارشاد فرمایا گیا کہ آپ ان لوگوں کے جواب میں کہیں کہ میرا کام تو بس پیروی کرنا ہے اس وحی کی جو میری طرف بھیجی جاتی ہے میرے رب کی جانب سے۔ نہ کہ میں خود گھڑتا ہوں، جیسا کہ تم لوگوں کا کہنا ہے۔ سو پیغمبر کا کام اور اُس کی شان وحیِ خداوندی کی اِتباع اور پیروی کرنا ہوتا ہے اور بس۔ اور یہی راستہ ہے آپؐ کی امت کے لئے۔ اور اسی کی تعلیم و تلقین اُس کو اس کے رب کی طرف سے فرمائی گئی ہے۔ اور صاف و صریح طور پر اس کو حکم دیا گیا ہے۔ ﴿وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰی اِلَیْکَ﴾۔ یعنی تم پیروی کرو اُس وحی کی جو تمہاری طرف بھیجی جاتی ہے۔ اور اپنی طرف سے اپنے دین میں کوئی نئی بات کبھی نہیں نکال لینا۔ لیکن افسوس کہ آج امت کی ایک بھاری اکثریت اس کے برعکس اِتباع کو چھوڑ کر طرح طرح کی بدعات میں الجھی ہوئی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔ اور آپ نے اپنی امت کو ہدایت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿اِتَّبِعُوْا وَلَا تَبْتَدِعُوْا﴾ یعنی "تم لوگ اِتباع اور پیروی کرنا، بدعتیں نہیں نکالنا"۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو اِتباع باعثِ نجات اور ذریعہ فوز و فلاح ہے جبکہ ابتداع باعثِ تشتُّت اور موجب ہلاکت۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔ اللہ تعالیٰ ہر بدعت سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

يُؤْمِنُوْنَ ﴿٢٠٣﴾ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ

رحمت، ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں، اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو تم لوگ کان لگا کر سنا کرو، اور

اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٢٠٤﴾ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ

خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے، اور یاد کرتے رہا کرو اپنے رب کو اپنے

نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ

دل میں عاجزی کے ساتھ، اور ڈرتے ہوئے، آواز بلند کئے بغیر، ۲۸۳

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿٢٠٥﴾

صبح وشام (یعنی ہمیشہ) اور نہ ہو جانا تم غافل لوگوں میں سے، (کہ غفلت جڑ بنیاد ہے خسارے کی،) بے شک جو تمہارے

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ

رب کے پاس (ہیں اور وہ اس کے حضور شرفِ قرب رکھتے) ہیں وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر اس کی عبادت سے

عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ السجدۃ ع

منہ نہیں موڑتے، اور وہ اسی کی تسبیح کرتے، اور اسی کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں،

۲۴ ع ۱۸ ۱۴ السجدۃ الاولیٰ

۲۸۳ ذکر و دعا کے بعض اہم آداب کا بیان: - یہ دعا کے بعض اہم آداب ہیں جو یہاں ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ ایک تضرع اور عاجزی جو کہ اللہ پاک کی رحمت کو کھینچنے کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اور دوسرے اخفاء و پوشیدگی اور آواز کو زیادہ بلند کرنے سے احتراز جو کہ رحمتِ خداوندی کے حصول کا ایک اہم ذریعہ ہے اور خوف وخشیتِ عبدیت کا مظہر ہے۔ اور آہستگی کو اپنانے اور آواز بلند نہ کرنے سے ریا کاری سے بچاؤ ملتا ہے۔ اسی لئے حضرتِ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ آہستہ دعا کرنا بلند آواز سے دعا کرنے کے مقابلے میں ستر گنا زیادہ بہتر ہے۔ اسی لیے علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ بلند آواز سے کم میں دعا کرنا حسن تفکر کے زیادہ قریب ہے۔ اور صحیحین وغیرہ میں حضرت ابوموسی اشعری سے مروی ہے کہ حضور کے ایک سفر کے دوران جب کچھ لوگوں نے اپنی دعاؤں میں اپنی آواز بلند کرنا شروع کر دی تو آپ نے فرمایا کہ اے لوگو اپنی جانوں پر رحم کرو۔ جس کو تم لوگ پکار رہے ہو وہ نہ بہرا ہے اور نہ کہیں تم سے دور۔ وہ نہایت ہی قریب اور سننے والا ہے۔ وہ تم میں سے ایک شخص سے اس کے اونٹ کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے (بخاری کتاب الجہاد، باب ما یکرہ من رفع الصوت بالتکبیر، ومسلم کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار) سو ذکر کے بارے میں

حضرات اہل علم کا کہنا ہے کہ وہ نہ تو بہت بلند ہو اور نہ بالکل پست۔ بلکہ ان دونوں کے درمیان ہو۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱۱۰ میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ اور جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ''تحفہ علم وحکمت'' اور ''مقدس دعائیں'' میں قدرے تفصیل سے اس بارے لکھ دیا ہے۔ والحمد للہ الّذی لا تتِمُّ الصالِحاتُ اِلّا بتوْفِیقٍ مّنْہُ جلَّ و علَا۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ تم یاد کیا کرو اپنے رب کو اپنے دل میں، عاجزی کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے، اپنی آواز کو بلند کیے بغیر، صبح و شام۔ یعنی ہر وقت اور ہمیشہ۔ اور تم غافلوں سے نہیں ہو جانا کہ غفلت محرومی اور موت ہے اور ذکر وفکر زندگی۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔ والحمد للہ رب العالمین۔

☆--- تکمیل نظر ثانی ۷ ذوالقعدہ ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۶ مارچ ۱۹۹۷ء بروز اتوار بوقت بارہ بجے شب بمقام سطوہ، دبی، متحدہ عرب امارات، والحمد للہ رب العالمین تکمیل پروف ریڈنگ ۳ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۹۹۹ء بروز بدھ بمقام مدنی منزل معمورہ المدنی (گہل) منگ، ضلع سدھنوتی آزاد کشمیر پاکستان سیکنڈ پروف ریڈنگ ۲۹ رجب ۱۴۲۰ھ مطابق ۷ نومبر بروز اتوار، بوقت دس بجے شب سطوۃ دبی، والحمد للہ رب العالمین

☆--- تیسری پروف ریڈنگ بروز منگل بوقت سوا پانچ بجے شام، مدنی منزل معمورہ المدنی (گہل) منگ سدھنوتی آزاد کشمیر پاکستان چوتھی پروف ریڈنگ ۱۷ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۹ مئی ۲۰۰۳ء بروز بدھ ساڑھے سات بجے صبح، سطوہ۔ دبی، والحمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العالمین۔

☆--- تکمیل پانچویں پروف ریڈنگ ۶ شوال ۱۴۲۳ ہجری بمطابق ۹ دسمبر ۲۰۰۲ء بوقت پورے گیارہ بجے شب، سطوہ، دبی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

☆--- اللمسات الاخیرۃ (Final touches) ۵ شوال ۱۴۲۴ ہجری مطابق ۲۹ نومبر ۲۰۰۳ء بروز ہفتہ بوقت ساڑھے نو بجے شب مدنی منزل، معمورۂ المدنی، (گہل) منگ، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان۔ ۔والحمد للہ رب العالمین۔

ایاتھا — ۷۵ | ۸ سُورَۃُ الْاَنْفَالِ مَدَنِیَّۃٌ ۸۸ | رکوعاتھا — ۱۰

سورۂ انفال مدنی ہے، اور اس کی پچھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے (پاک) نام سے شروع کرتا ہوں جو کہ بڑا مہربان، نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ

پوچھتے ہیں آپ سے (اے پیغمبر!) غنیمتوں ۱ کے بارے میں، تو کہو کہ یہ غنیمتیں تو سب اللہ ہی کی ہیں، ۲ اور اس کے رسول کی

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ

(اللہ جو چاہے حکم دے، اور اس کے رسول اس کا حکم نافذ کریں گے) پس تم لوگ تو ہمیشہ ڈرتے (اور بچتے) رہا کرو اللہ (کی ناراضگی

وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۱ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ

اور اس کی پکڑ) سے، ۳ اور (صحیح و) درست رکھا کرو تم آپس کے تعلقات (ومعاملات) کو اور اطاعت کرو تم لوگ اللہ اور اس کے

۱ نفل کا معنیٰ ومفہوم اور اُس کا حکم؟:- "انفال"، "نفل" کی جمع ہے۔ جس کے معنیٰ زیادہ کے آتے ہیں۔ نفل نماز کو بھی نفل اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ فرض سے زائد ہوتی ہے۔ اور مالِ غنیمت کو "نفل" اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ اصل مقصود سے ایک زائد چیز ہوتی ہے جو مجاہد کو اللہ پاک کی طرف سے عطیہ وانعام کے طور پر ملتی ہے کہ جہاد سے مجاہد کا اصل مقصود تو آخرت کا اجر وثواب اور رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے نہ کہ دنیوی مفاد اور دنیا کا فانی مال ومتاع۔ (محاسن التاویل للقاسمیؒ)۔ غزوۂ بدر کے موقع پر مالِ غنیمت کے بارے میں جب اختلاف پیدا ہوا، نوجوانوں نے کہا کہ یہ ہمارا حق ہے کہ جہاد ہم نے کیا، تو بڑوں نے کہا کہ اگر ہم تمہاری پشت پناہی نہ کرتے تو تم نہ لڑ سکتے تھے نہ جیت سکتے تھے۔ اس لئے مالِ غنیمت ہمارا حق ہے۔ تو اس موقع پر یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں اور اس بارے میں مستقل قانون اتار دیا گیا۔ (روح، قرطبی، محاسن اور مدارک وغیرہ)۔ اور تقسیمِ انفال کے اِس قانون کے بیان سے پہلے شروع میں اہلِ ایمان کو یہ تنبیہ فرمائی گئی کہ مالِ غنیمت کے بارے میں تم لوگ کہاں اور کیسے دعویدار بنتے ہو؟ یہ تو اللہ اور اسکے رسول کا حق ہے۔ تمہارا کام تو اللہ اور اسکے رسول کی اِطاعت وفرمانبرداری ہے اور بس۔ اور اسی میں تمہارا بھلا ہے۔ سو تم لوگ اپنے اندر سچے اہلِ ایمان کی صفات پیدا کرو جو یہ اور یہ ہیں۔ اور جو سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

۲ غنیمتیں اصل میں اللہ ہی کا حق ہے:- کہ وہی سب کا خالق بھی ہے اور مالک ومتصرف بھی۔ اور اُسی وحدہٗ لاشریک کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ جو چاہے حکم وارشاد فرمائے- سبحانہٗ وتعالیٰ- اور اللہ کا حکم اُس کے رسول کے ذریعے ہی معلوم ہوسکتا ہے۔ لہٰذا جو حکم اللہ کے رسول دیں ہر موقع پر اور خاص کر تقسیمِ غنائم کے اِس موقع پر، اس کو تم لوگ دل وجان سے اپناؤ کہ اسی میں تمہاری بہتری اور بھلائی ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت کے اس ابدی جہان میں بھی۔ اور یہی تقاضا ہے ایمان کا اور یہی شان ہے مخلص اہلِ ایمان کی۔ سو یہ جامع اور اصولی جواب ہے اُن تمام سوالات کا جو اس بارے پیدا ہوئے تھے کہ غنیمتیں سب کی سب در اصل ملکیت ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ اور قرآنِ حکیم میں یہ تعبیر ہے اجتماعی ملکیت کی۔ سو اِس اصولی جواب سے اموالِ غنیمت سے متعلق اس جاہلی دستور کا خاتمہ کر دیا گیا جو اس سے پہلے رائج تھا اور جس کی بناء پر ہی تقسیمِ غنیمت سے متعلق وہ سوالات پیدا ہوئے تھے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اموالِ غنیمت میں تقسیم کی بنیاد یہ نہیں کہ کس نے کیا کیا اور جہاد میں کس کی شرکت اور خدمت کس نوعیت کی تھی۔ بلکہ ان کی اصل نوعیت یہ ہے کہ یہ سب اموال اصل میں اللہ ہی کے ہیں جو کفار کے ناجائز قبضے سے چھن کر واپس اہلِ ایمان کے پاس اور اللہ کے خزانے میں آئے ہیں۔ اب ان کے بارے میں حکم وہی ہوگا جو اللہ دے اور اس کا رسول بتائے اور اللہ کا حکم اس بارے میں یہ ہے کہ اِن اَموال میں سب مجاہدین کا حق ہے اور اس میں دوسرے مسلمانوں کا بھی حصہ ہوگا۔ اس اصولی جواب کے بعد کلام کا رخ ان خامیوں اور کمزوریوں کی اصلاح کی طرف مڑ گیا جو اس موقع پر رونما ہوئی تھیں۔

۳ تقوٰی اصل واساس ہے صلاح واِصلاح کی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ ہمیشہ ڈرتے اور بچتے رہا کرو اللہ کی ناراضگی اور اس کی پکڑ سے۔ سو تقوٰی وپرہیزگاری اور اللہ سے ڈرنا اور اس کی گرفت وپکڑ سے بچنے کی فکر وکوشش کرنا اولین اساس اوراصل بنیاد ہے صلاح واِصلاح اور دارین کی فوز وفلاح کی- اللہ نصیب فرمائے اور اس کے درجہ کمال سے مشرف وفیضیاب فرمائے- آمین ثم آمین۔ سو اِس میں اَموالِ غنیمت کے بارے میں جھگڑا کرنے والے ان حضرات کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تم لوگ اس بارے جھگڑنے کی بجائے اپنی اِصلاح پر توجہ مرکوز کرو۔ اور تقوٰی وپرہیزگاری کی دولت کو اپناؤ۔ سو تقوٰی اور اِصلاحِ ذات البین اجتماعی شیرازہ بندی کی اساس وبنیاد ہے۔ لہٰذا تم لوگ اَموالِ غنیمت کی تقسیم سے متعلق اِن اَحکام کو دل وجان سے قبول کرو جو تمہیں اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے ملیں کہ اسی میں تمہارا بھلا اور فائدہ ہے دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید وھو الھادی الیٰ سواء السبیل-

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ

رسول کی ۴؎ اگر تم واقعی ایماندار ہو، ۵؎ سوائے اس کے نہیں کہ (سچے) ایمانداروں کی (کیفیت اور) شان یہ ہوتی ہے کہ جب ان کے

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ

سامنے ذکر کیا جائے اللہ (وحدہٗ لاشریک) کا، تو لرز اٹھتے ہیں ان کے دل، ۶؎ اور جب ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اس کی

يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

آیتیں تو اور بڑھ جاتا ہے ان کا ایمان، اور وہ اپنے رب ہی پر (اصل) بھروسہ رکھتے ہیں، ۷؎ جو (ٹھیک ٹھیک) قائم رکھتے ہیں

يُنْفِقُوْنَ ۝۳ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ

اپنی نمازوں کو، اور وہ خرچ کرتے ہیں اس میں سے جو کہ ہم نے انکو دیا ہوتا ہے (ہماری رضاء کے لئے)، یہی لوگ ہیں سچے

۴ آپس کے تعلقات کو صحیح رکھنے کی ہدایت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم آپس کے تعلقات و معاملات کو صحیح رکھو تاکہ تمہارے درمیان آپس میں الفت و محبت کا دور دورہ ہو اور تم لوگ فرقت واختلاف سے محفوظ رہو کہ اسی میں تمہاری قوت بھی ہے اور عزت بھی۔ جبکہ تفرقہ واختلاف میں تمہاری کمزوری ہے۔ اس لیے تفرقہ واختلاف سے بچ کر تم لوگ اتحاد واتفاق کی راہ کو اپناؤ اور اسبابِ فتنہ وفساد سے بچنے کی فکر وکوشش کرو۔ پس تمہارے اندر تمہارے دینی بھائیوں کے بارے میں رشک ورقابت اور حسد کا کوئی جذبہ نہ ابھرنے پائے کہ فلاں اور فلاں کو اِس مال میں کیوں شریک بنا دیا گیا۔ تم سب آپس میں بھائی ہو اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ان کے باہمی تعلقات اخوت اور رحم ومحبت کی بنیاد پر قائم ہونے چاہئیں۔ سو اصلاح ذات البین یعنی آپس کے تعلقات کی درستگی اور بہتری کی اسلامی تعلیمات میں بڑی اہمیت ہے۔ یہاں تک کہ آپس کے فساد وبگاڑ کو "حالقه" یعنی "مونڈ کر رکھ دینے والی آفت" قرار دیا گیا ہے اور پھر لسانِ نبوت سے تصریح فرمائی گئی کہ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ سر کے بالوں کو مونڈنے والی ہے بلکہ یہ متاعِ دین کو مونڈ کر رکھ دینے والی آفت ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا۔ "ولا اقول انها تحلق الشعر ولكنها تحلق الدين" ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ اپنے پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۵ تقویٰ و پرہیزگاری تقاضائے ایمان: سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور آپس کے معاملات کی اصلاح کرو اگر واقعی تم ایماندار ہو۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ و پرہیزگاری آپس کی اُلفت واِصلاح اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری سچے ایمان وعقیدہ کی علامت اور اس کا تقاضا ہیں۔ اور اگر یہ ایسے نہیں اور تقویٰ و پرہیزگاری سے تہی دامن ہیں تو پھر محض زبانی کلامی ایمان کے دعوے کرنے سے بات نہیں بن

سکتی اور اس سے اصل مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔ پس جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان کا دعوٰی کرتے ہیں اُن پر لازم ہے کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول کے ہر حکم کی اطاعت کریں۔ یہ نہیں کہ جو بات اپنی خواہشات اور اپنے مفادات کے مطابق ہوئی اس کو تو مان لیا اور جو ان کے خلاف ہوئی اس پر چیں بجبیں ہو گئے اور طرح طرح کی باتیں بنانے لگ گئے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔سو جو لوگ ایمان کا دعوٰی رکھتے ہیں وہ ایمان کی اِس حقیقت کو اچھی طرح جان لیں۔ اور جنہوں نے اِس حقیقت کو نہیں سمجھا اُن کا دعوائے ایمان بے حقیقت ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ پس ہمیشہ آپس کی اصلاح اور تقوٰی و پرہیزگاری کے حصول کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ وباللہ التوفیق۔

۶ **ذکر اللہ کی عظمتِ شان کا بیان**:۔ سو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کا لرز اٹھنا ایمان کی نشانی و علامت ہے۔ پس ایمان والوں کے دل اللہ کے ذکر سے لرز اٹھتے ہیں۔ اس کی اس عظمتِ شان کی بناء پر جو کہ راسخ ہوتی ہے مومنِ صادق کے دل و دماغ کی دنیا میں۔ اور جو کہ اس کا اصل سرمایہ اور متاعِ حقیقی ہوتی ہے اور جو کہ مصدر ہے ہر فیض کا اور منبع ہے ہر جود و سخاء کا۔ اَللّٰھُمَّ شَرِّفْنَا بِھَا عَلٰٓی اَکْمَلِ مَا یَکُوْنُ وَاَحْسَنِ مَا یَکُوْنُ وَاَحَبِّ مَا یَکُوْنُ بِمَحْضِ مَنِّکَ وَکَرَمِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَیَآ اَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْنَ۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان اور رفعتِ مقام کا تقاضا یہی ہے کہ اسکی یادِ دلشاد سے مومنِ صادق کا دل لرز اٹھے اور اسکے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ سو یہ حضرات اہلِ ایمان کی پہلی اہم صفت ہے جس کو اِن کلماتِ کریمہ سے بیان فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ کا ذکر آئے تو ان کے دل کانپ جاتے ہیں خداوندِ قدوس کی اس عظمت و کبریائی کے اِحساس کی بناء پر جو کہ ان لوگوں کے اندر جاگزیں ہوتی ہے۔ اور اس وجہ سے وہ اپنے اُس خالق و مالک کے ہر حکم و ارشاد کے آگے سرِ تسلیم خم ہو جاتے ہیں اور اس کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں۔ وَبِاللّٰہِ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

۷ **ایمان کا تقاضا کہ بھروسہ اللہ ہی پر ہو**:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر و قصر کے اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ اہل ایمان اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں کہ توکل و بھروسہ کے لائق حقیقت میں وہی وحدہٗ لاشریک ہے کہ سب کچھ اُسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے۔ اسی لئے یہاں پر اہلِ ایمان کی اِس صفت کو حرفِ جر کی تقدیم کے ساتھ حصر کے اسلوب میں بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے رب ہی پر توکل اور بھروسہ رکھتے ہیں۔ مگر افسوس کہ آج کے جاہل مسلمان کا حال اس سے مختلف و دگرگوں ہے کہ اس کا بھروسہ اس وحدہٗ لاشریک پر نہیں بلکہ اس کی کسی زندہ یا مردہ مخلوق پر ہے یا کسی خود ساختہ ''سرکار'' اور وہمی سہارے پر ہے جس کی بناء پر وہ اس کارسازِ مطلق کو چھوڑ کر اُسی طرح کی کسی بے حقیقت چیز پر اعتماد کرتا اور اس کو پکارتا ہے۔ کبھی کہتا ہے ''یا علی مدد'' کبھی ''یا پیر دستگیر'' اور کہیں ''یا خواجہ اجمیری پار لگا کشتی میری'' اور کہیں ''یا بہاء الحق بیڑا دھک'' جیسے شرکیہ الفاظ و کلمات جپتا اور نعرے لگاتا ہے۔ حالانکہ ایسے تمام بزرگانِ دین خود اسی وحدہٗ لاشریک پر اعتماد کرتے، ہمیشہ اسی کو پکارتے اور ہر حال میں اُسی کی طرف رجوع کرنے کی تعلیم دیتے رہے۔ مگر بعد کے جاہل اور نادان مسلمانوں نے انہی کے نام پر شرک کا کاروبار شروع کر دیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ العظیم۔ اللہ تعالیٰ زیغ و ضلال کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَمَغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ۚ﴿۴﴾ كَمَاۤ

(اور حقیقی) ایمان والے، ان کے لئے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے یہاں اور عظیم الشان بخشش بھی، اور عزت کی روزی بھی۸

اَخۡرَجَكَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَيۡتِكَ بِالۡحَـقِّ ۖ وَاِنَّ فَرِيۡقًا

(اور تقسیم غنیمت کا یہ معاملہ ویسے ہی مبنی برحق ہے) جیسا کہ آپ کو نکالا آپ کے رب نے آپ کے گھر سے حق کے ساتھ، (بدر کے معرکہ

مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لَـكٰرِهُوۡنَ ۙ﴿۵﴾ يُجَادِلُوۡنَكَ فِى

حق و باطل کی طرف) جب کہ ایمان والوں کے ایک گروہ کو یہ امر سخت ناگوار گزر رہا تھا، ۹ وہ جھگڑ رہے تھے آپ سے اس حق کے بارے میں

۸ سچے ایمان والوں کیلئے عظیم الشان انعامات:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے مومنوں کے لئے اُن کے رب کے یہاں بڑے درجے بھی ہیں اور عظیم الشان بخشش اور عزت کی روزی بھی۔ ایسے بڑے درجے، اتنی عظیم الشان مغفرت و بخشش اور ایسی عزت کی روزی اور رزقِ کریم کہ اس کا تصور کرنا بھی اس دنیا میں کسی کے لئے ممکن نہیں کہ یہ سب کچھ کرم وعنایت اور انعام و احسان اس وہابِ مطلق کی طرف سے ہوگا جس کے نہ کرم کی کوئی انتہاء ہے اور نہ اُس کے فضل وعنایت کی کوئی حد ونہایت -شَرِّفْنَا بِهَا بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَيَآ اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ- سو ایمان ویقین کی دولت دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کیلئے شہ کلید ہے- وباللہ التوفیق- بہرکیف اِس اِرشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سے یہ درجے اور مرتبے اور عزت کی یہ روزی ہر مدعیٔ ایمان کے لئے نہیں بلکہ یہ رحمت وعنایت ان ہی خوش نصیبوں کو ملے گی جو اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرنے کی کوشش کریں گے اور اپنی طرف سے پوری کوشش کے باوجود جو کمی اور کوتاہی ان کے اندر رہ جائے گی اس کو وہ معاف فرما دے گا- اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اس کی توفیق بخشے- آمین ثم آمین۔

۹ اطاعت خدا اور رسول ہی ذریعہ فوز وفلاح:- سو انسان کی بہتری و بھلائی اِطاعتِ خدا و رسول ہی میں ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اہلِ ایمان کے ایک گروہ کو یہ امر سخت ناگوار گزر رہا تھا اپنی بے سروسامانی اور شکستہ حالی کی بناء پر جو کہ ایک طبعی امر ہے کہ ایسی صورتِ حال میں اس طرح کی کراہت و ناگواری لوازم بشریہ میں سے ہے۔ جس سے کوئی پاک ومبرا نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ کتنی ہی بڑی شان اور اونچے مرتبے والا کیوں نہ ہو- اِلّا ماشاء اللہ- بہرکیف جیسے اس وقت تمہاری ناگواری کا نتیجہ تمہارے لیے عظیم الشان کامیابی اور سعادت و سرخروئی کا ذریعہ بنا تھا، اسی طرح اب ''انفال'' کے بارے میں یہ حکمِ خداوندی اگرچہ وقتی طور پر تم کو ناگوار گزرے گا لیکن اس میں تمہاری بھلائی اور بہتری ہے۔ سو انسان سمجھے یا نہ سمجھے، اُس کی بہتری اور بھلائی بہرحال اِطاعتِ خدا و رسول ہی میں ہے۔ اور ﴿فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ سے مراد وہ کمزور لوگ ہیں جو جہاد میں جانے سے اور کفار کے مقابلے سے ڈر اور کترا رہے ہیں۔ اور ''فریق'' کے لفظ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ان لوگوں کی تعداد کچھ زیادہ نہ تھی بلکہ یہ ایک مختصر سا گروہ تھا۔ سو جس طرح اس موقع پر اپنی طبعی ناگواری کے باوجود اللہ اور اُس کے رسول کی بات ماننے اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری سے تمہیں ایسی بڑی کامیابی نصیب ہوئی ہے ایسے ہی اب تمہارے لئے بہتری کی راہ یہی ہے کہ تم لوگ غنیمتوں کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو دل و جان سے قبول کرو- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید-

الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ

اس کے بعد کہ وہ پوری طرح واضح ہو گیا تھا ان کے سامنے (اور جھگڑ بھی اس طرح رہے تھے کہ) گویا کہ ان کو ہانکا جا رہا ہے موت کی طرف

وَهُمْ يَنظُرُونَ ۝٦ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى

جب کہ یہ خود دیکھ رہے ہوں (اس کو اپنے سامنے) اور (وہ بھی یاد کرو کہ) جب اللہ وعدہ فرما رہا تھا تم سے ان دونوں

الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ

گروہوں میں سے ایک کے بارے میں، کہ وہ یقیناً تمہارے لئے ہے، اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ (تجارتی

الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن

قافلہ) تمہیں مل جائے، مگر اللہ یہ چاہتا تھا کہ

يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝٧

حق کو حق کر کے دکھائے اپنے ارشادات (و فرامین) کے ذریعے، اور جڑ کاٹ کر رکھ دے ایسے کافروں کی، ۱۰

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝٨

تا کہ وہ (عملاً اور عیاناً) حق کا حق ہونا ثابت (و واضح) فرما دے، اور باطل کا باطل ہونا، اگرچہ یہ ناگوار ہو مجرموں کو،

۱۰ جہاد فی سبیل اللہ کے ایک اہم مقصد کا ذکر و بیان:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ جہاد و قتال فی سبیل اللہ کا ایک اہم اور بنیادی مقصد کفر اور اہل کفر کے اشرار کی بیخ کنی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تا کہ اللہ جڑ کاٹ دے ایسے کافروں کی۔ جو کہ حق کی راہ روکتے اور اللہ کے پیغمبر اور ایسے مومنین کاملین کے مقابلے میں صف آرا ہو رہے تھے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ غزوۂ بدر میں کفار قریش کے ستر سردار تہ تیغ ہوئے جن میں اس امت کا فرعون یعنی ابوجہل بھی شامل تھا۔ اور ستر ہی قید و بند میں پکڑے اور جکڑے گئے۔ اور اس طرح اُن کا غرور ہمیشہ کیلئے خاک میں مل گیا اور ان کی کمر ٹوٹ گئی۔ اور بالآخر وہ سب فی النار و السقر ہو گئے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ -والحمد للہ جلَّ و علا- سو اللہ اور اُسکے رسول کی راہ روکنے والوں کا انجام بہر حال بہت برا ہے۔ بہر کیف اس ارشاد سے یہ واضح فرمایا گیا کہ تم لوگ اگرچہ اپنے ضعف اور کمزوری کی بناء پر یہ چاہتے اور اس بات کی خواہش رکھتے تھے کہ تجارتی قافلہ تمہارے ہاتھ لگ جائے اور تمہیں جنگ و جدال اور قتل و قتال کی صعوبتیں نہ برداشت کرنی پڑیں لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ حق و باطل کا معرکہ قائم ہو۔ تا کہ اللہ تعالیٰ حق کا حق ہونا واضح کر دے اور تا کہ وہ ایسے کافروں کی جڑ کاٹ کر رکھ دے جس سے یہ شجرۂ خبیثہ دوبارہ سر نہ اٹھا سکے۔

اِذۡ تَسۡتَغِيۡثُوۡنَ رَبَّكُمۡ فَاسۡتَجَابَ لَكُمۡ اَنِّىۡ

(یاد کرو کہ) جب تم لوگ فریاد کر رہے تھے اپنے رب سے، ۱۱ تو اس نے تمہاری فریاد کے جواب میں فرمایا کہ میں

مُمِدُّكُمۡ بِاَلۡفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُرۡدِفِيۡنَ ۝۹ وَمَا

یقینی طور پر تمہاری مدد کے لئے اتارنے والا ہوں ایک ہزار فرشتے پے در پے اترنے والے، اور اس

جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشۡرٰى وَلِتَطۡمَئِنَّ بِهٖ قُلُوۡبُكُمۡ ۚ

(امداد) کو بھی اللہ نے نہیں بنایا مگر محض ایک خوشخبری تم لوگوں کے لیے، اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل،

وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ

ورنہ مدد تو (حقیقت میں) اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، ۱۲ بے شک اللہ بڑا ہی زبردست،

حَكِيۡمٌ ۝۱۰ ع اِذۡ يُغَشِّيۡكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنۡهُ وَ ع ۱۰/۱۵

نہایت ہی حکمت والا ہے، (یاد کرو کہ) جب وہ طاری فرما رہا تھا تم پر (عین حالتِ جنگ میں) ایک اونگھ، تاکہ وہ نوازے تم کو

يُنَزِّلُ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمۡ بِهٖ

اپنی طرف سے ایک خاص امن (وسکون) سے، ۱۳ اور وہ برسا رہا تھا تم پر آسمان سے پانی، تاکہ وہ پاک کر دے تم لوگوں کو

۱۱ حاجت روا و فریادرس سب کا اللہ ہی ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ بھی یاد کرو کہ جب تم سب لوگ فریاد کر رہے تھے اپنے رب کے حضور کہ فریادرس اور حاجت روا و مشکل کشا سب کا وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سو دیکھئے حضرتِ امام الانبیاء۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور آپ۔ ﷺ۔ کے قدسی صفت صحابۂ کرام کی جماعت، سب کے سب اللہ تعالیٰ ہی کے حضور فریاد کرتے اور اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ اور اپنی سب حاجتیں اور ضرورتیں اُسی وحدہٗ لاشریک کے حضور پیش کرتے ہیں۔ اور جب امام الانبیاء۔ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔ بھی حاجت روا و فریادرس اور مشکل کشا نہیں بلکہ وہ بھی دوسروں کی طرح اللہ ہی کے محتاج ہیں تو پھر اور کون ایسا ہو سکتا ہے جو اس کا اہل ہو؟ اور اس کو حاجت روا اور مشکل کشا مانا جا سکے؟ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس قدر غلط کار اور کتنے گمراہ ہیں وہ لوگ جو اس کے باوجود طرح طرح کی عاجز اور بے بس مخلوق کو حاجت روا و مشکل کشا جان کر اُن کو پوجتے پکارتے اور اُن کے آگے جھکتے اور طرح طرح سے ذلیل ہوتے ہیں۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ۔ سو سختیوں اور مشکلوں کے اِس ہولناک وقت میں لشکرِ

اسلامی کا ایک ایک فرد سراپا عجز و نیاز اور یکسر دعاء وفریاد بنا ہوا تھا۔ خود سرکارِ دو عالم۔ ﷺ۔ نے اس موقع پر جو دعاء فرمائی اور جس انداز میں فرمائی وہ عبدیتِ کاملہ کا بے مثال نمونہ تھا۔ یہاں تک کہ حضرتِ صدیق اکبر۔ رضی اللہ عنہ۔ نے آپ سے عرض کیا کہ اللہ کے نبی بس کریں۔ آپ نے بہت زاری کر لی۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

۱۲ مدد سب اللہ ہی کی طرف سے ہے:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ مدد سب کی سب اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور وہ وحدہٗ لاشریک ظاہری اسباب کا محتاج نہیں کہ وہ ضرورت و احتیاج کے ہر شائبے سے پاک ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس لیے اسباب و وسائل تو بیشک اختیار کیے جائیں اور ضرور کیے جائیں، مگر بھروسہ اسباب پر نہیں، بلکہ مسبب الاسباب پر رکھا جائے۔ بہرکیف اِس اِرشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ مدد جب بھی آتی ہے یا آئے گی، اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے اور اسی کی طرف سے آئے گی۔ اور وہ عزیز اور بڑا ہی زبردست ہے۔ جو چاہے اور جیسے چاہے کرے۔ کوئی اُس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ حکیم بھی ہے۔ اس لیے وہ جو کچھ کرتا ہے اپنی حکمتِ بے پایاں کے تقاضوں کے مطابق ہی کرتا ہے۔ پس اگر کبھی کوئی افتاد پیش آ جائے تو اس میں بھی اُس کی حکمت ہی کا کوئی پہلو مضمر و کارفرما ہوگا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ بندے کی نظر بہرحال اسی وحدہٗ لاشریک اور اس کی نصرت وامداد پر رہنی چاہیے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

۱۳ دورانِ جنگ امن وسکون کی ایک خاص عنایت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ جب وہ تم لوگوں پر ایک اونگھ طاری کر رہا تھا تاکہ اس طرح وہ تم سب کو اپنی طرف سے ایک خاص امن و سکون کی کیفیت سے نوازے۔ اور یہ اس کا ایک خاص انعام واحسان تھا جس سے اس نے اپنی رحمت وعنایت سے تم کو نوازا تھا کہ شدتِ خوف کے اُس وقت میں اُس نے تم کو نیند کے اس سکون سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ حضرت علی۔ رضی اللہ عنہ۔ فرماتے ہیں کہ معرکہ بدر کے روز ہم سب لوگ سوئے رہے سوائے رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے کہ آپ صبح ہونے تک نماز پڑھتے، روتے اور دعائیں مانگتے رہے۔ (ابنِ کثیر، صفوۃ التفاسیر، جامع البیان وغیرہ)۔ فَصَلَوٰاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ سو جب انسان کا تعلق اپنے خالق و مالک سے صحیح ہو تو اسکو ایسی ہی عنایات سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ بہرکیف اس ہولناک وقت میں نیند اور سکون کی یہ کیفیت اور عنایت بلاشبہ قدرت کی طرف سے ایک عظیم الشان عنایت تھی جس سے قدرت نے اپنے ان خاص بندوں کو نوازا تھا۔ کہ اس سے ایک طرف تو وہ تازہ دم ہو گئے اور دوسری طرف ان کو یہ راحت بھی نصیب ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی عنایات ان کے ساتھ ہیں جو ظاہر ہے ان کے لیے ایک بہت بڑی تقویت تھی جس سے ان کو سرفراز فرمایا گیا تھا۔

وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى

اس کے ذریعے، ۱۴ اور دور فرمادے تم سے شیطان کی گندگی، اور مضبوط فرمادے

قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ⑪ اِذْ يُوْحِيْ

تمہارے دلوں کو، اور جمادے اس کے ذریعے تمہارے قدموں کو، ۱۵ جب کہ اشارہ فرمارہا تھا

۱۴ مومن کے لیے پانی کا اصل مقصد تطہیر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا تاکہ اس کے ذریعے وہ تم لوگوں کو پاک اور صاف کردے حدث و جنابت وغیرہ کی ظاہری نجاستوں سے بھی اور شیطانی اغواء و وساوس وغیرہ کی باطنی نجاستوں سے بھی۔ سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ مومن صادق کے لیے پانی کا اصل مقصود تطہیر ہے ظاہر و باطن دونوں کی۔ اور یہی اہم مقصد مومن کے پیشِ نظر رہنا چاہیئے جبکہ صرف پانی پینا اور پیاس بجھانا ایک عام حیوانی مقصد ہے جو کہ مومن اور کافروں کے درمیان مشترک ہے۔ اسی لئے یہاں پر یہ نہیں فرمایا گیا کہ پانی اتارا تاکہ تم پانی پیئو اور اپنی پیاس بجھاؤ بلکہ یہ فرمایا گیا کہ پانی اتارا تاکہ تم کو پاک کرے حدث اور جنابت وغیرہ کی ظاہری نجاستوں سے بھی اور شکوک وشبہات وغیرہ کی باطنی نجاستوں سے بھی- سبحان اللہ- کتنا اونچا ہے یہ دین اور اس کی مقدس تعلیمات اور کس قدر عظمتِ شان کا مالک ہے مومنِ صادق کہ اس کے نزدیک ظاہری اور مادی فوائد دوسرے نمبر پر ہیں۔ اصل چیز جو اس کے پیشِ نظر ہوتی ہے اور جو اس کے پیشِ نظر ہونی چاہیے وہ اس کی معنوی اور باطن کی دنیا اور اس کے معنوی اور باطنی فوائد و منافع ہوتے ہیں۔ جبکہ مادہ پرست دنیا کے نزدیک مادیت اور مادی فوائد ہی سب کچھ ہیں۔ وہ انہی کے لیے جیتی اور انہی کے لیے مرتی ہے اور ان کی پوجا پاٹ تک کرتی ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے -فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الذی شرفنا بنعمة الایمان والیقین – اللّٰهم فزدنا منها وثبتنا علیها یا ذا الجلال والاکرام-

۱۵ بارانِ رحمت سے ثابت قدمی کا انتظام:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ وہ مضبوط فرمادے اس کے ذریعے تمہارے دلوں کو اور جمادے قدموں کو ظاہری طور پر بھی کہ بارش سے ریت جم جائے جسکے باعث چلنا پھرنا آسان ہوجائے اور باطن کے اعتبار سے بھی کہ دلوں کے شکوک وشبہات دور ہوجائیں اور ان کو سکون و اطمینان کی دولت نصیب ہوجائے۔ اور یہ قوت بخش اطمینان بھی کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت اور تائید و توفیق ہمارے ساتھ ہے اور یہ ایک مستقل انعام ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار نے بدر میں پہلے پہنچ کر وہاں پر موجود پانی کے چشمے پر قبضہ کرلیا تھا، جس کے باعث مسلمانوں کو پانی کے سلسلے میں سخت پریشانی لاحق ہوگئی کہ اب وضو کیسے کریں گے، خورد و نوش کی ضرورتیں کس طرح پوری ہونگی وغیرہ۔ تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسا کر ان کی ایسی تمام پریشانیوں کا ازالہ فرمادیا ﴿مِنَ السَّمَآءِ﴾ کے الفاظ سے مسلمانوں کے لئے اِسی خاص التفات اور توجہ و عنایت کا پتہ چلتا ہے کہ جب کفار نے تمہیں زمین کے پانی سے محروم کرنے کی تدبیر کی تو وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ تمہارے رب نے تمہارے لئے آسمان سے پانی بھیج دیا۔ سو اس سے ایک طرف تو اہلِ ایمان کی طہارت و پاکیزگی کا انتظام فرمادیا گیا اور دوسری طرف اس سے اہلِ ایمان کے دلوں کو اطمینان مل گیا۔ اور تیسری طرف اس سے ان کی ریتلی زمین جم گئی جس سے اُن کا اس میں چلنا پھرنا آسان ہوگیا۔ اور اس کے برعکس کفار کی زمین دلدلی ہوگئی- فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ-

رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ

تمہارا رب فرشتوں کو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، ۱۶ پس تم ثابت قدم رکھو ایمان

اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا

والوں کو، ۱۷ میں ابھی رعب ڈالے دیتا ہوں کافروں کے

الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا

دلوں میں، ۱۸ پس تم (کس کس کر) ضربیں لگاؤ ان کی گردنوں پر، اور کاٹ ڈالو

مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ﴿۱۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ

ان کے پور پور (اور جوڑ جوڑ) کو، ۱۹ یہ (سزا) اس لئے کہ انہوں نے مقابلہ کیا اللہ

وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ

اور اس کے رسول کا اور جو کوئی مقابلہ کرے گا اللہ اور اس کے رسول کا، تو (وہ یقیناً تباہ ہو کر رہے گا کہ)

اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ

بے شک اللہ بڑا ہی سخت عذاب دینے والا ہے، لو اب چکھو تم لوگ مزہ اپنی اس سزا کا اور (جان لو کہ)

۱۶ معیتِ رب کی خوشخبری سے سرفرازی: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب تمہارا رب فرشتوں کی طرف وحی فرما رہا تھا کہ بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یعنی اپنی نصرت و اِمداد کے لحاظ سے اور اپنی تائید و عنایت کے اعتبار سے۔ اور جب میں تمہارے ساتھ ہوں تو پھر تمہیں کسی کی کیا پروا ہو سکتی ہے؟ -اَللّٰھُمَّ فَکُنْ لَنَا وَمَعَنَا بِفَضْلِکَ وَ بِرَحْمَتِکَ فِیْ کُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ وَ بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَال - یَا ذَا الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَام- بہرکیف یہ پہلا حکم تھا جو حضرت حق -جَلَّ مَجْدُہٗ- کی طرف سے فرشتوں کی اس فوج کو دیا گیا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پس تم ثابت قدم رکھو ایمان والوں کو۔ اس اِرشاد سے ایک بات تو یہ نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت کے بغیر فرشتے بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ اور دوسری یہ کہ فرشتوں کا کام بھی بہرحال یہ نہیں تھا کہ وہ مسلمانوں سے کہہ دیں کہ تم الگ ہو کر بیٹھ جاؤ تمہاری جگہ ہم لڑیں گے، بلکہ اُن کا فرضِ منصبی مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنا تھا۔ لڑائی بہرحال مسلمانوں ہی نے لڑنا تھی کہ یہ انہی کی ذمہ داری تھی۔

۱۷ ایمان والوں کے لئے قدرت کی طرف سے ثابت قدمی کا انتظام: - سو رب تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو حکم وارشاد فرمایا گیا کہ بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پس تم ثابت قدم رکھو ایمان والوں کو اے فرشتو! اُن کے ساتھ ہو کر، اُن کی تعداد کو بڑھا کر، اُن کے حوصلے بلند کر کے اور اُن کے دشمنوں کے خلاف شریکِ جہاد وقتال ہو کر۔ سو سچے ایمان و یقین کی بدولت اللہ پاک کی نصرت و اِمداد کے ایسے ہی مظاہر سامنے آتے ہیں - اللہ نصیب فرمائے - آمین ثم آمین۔ بہرکیف اِس طرح اِن مومنین صادقین کے لئے قدرت کی طرف سے فرشتوں کے ذریعے ثابت قدمی کا انتظام فرمایا۔ سو اصل چیز مسلمان کی اپنی کوشش، صدق و اخلاص اور ثابت قدمی ہے۔ راہِ حق وصواب میں کہ اسی کے نتیجے میں ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوازشات و عنایات سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید -

۱۸ رُعبِ خداوندی اہلِ ایمان کیلئے ایک غیبی اِمداد: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ میں ابھی رعب ڈالے دیتا ہوں کافروں کے دلوں میں جس سے دشمنوں کے حوصلے ٹوٹ جائیں گے اور ان میں اہلِ حق کے خلاف لڑنے کی ہمت و سکت نہیں رہے گی۔ سو یہ ایک غیبی اِمداد تھی جس سے حضرت حق - جَلَّ مَجْدُهٗ - نے اپنے ان بندوں کو بطورِ خاص مشرف وسرفراز فرمایا تھا۔ سو رعبِ خداوندی قدرت کی ایک غیبی امداد ہے جس سے اللہ پاک اپنے خاص بندوں کو نوازتا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - پس مومنِ صادق جب راہِ حق میں ثابت قدمی دکھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی ایسی ہی عنایات سے نوازتا ہے۔ واضح رہے کہ میدانِ جنگ میں فوج کی اصل قوت اس کا حوصلہ ہی ہوتا ہے۔ وہ جب بحال ہو تو سپاہی بے تیغ بھی لڑتا ہے۔ اور اگر حوصلہ ٹوٹ جائے تو اسلحے کے بڑے بڑے انبار بھی کچھ کام نہیں آسکتے بلکہ وہ الٹا دشمن کے ہاتھ لگ کر خود انہی کی تباہی کا باعث بنتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۱۹ معرکۂ بدر میں دشمنوں کی بے بسی کی تصویر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم کس کس کر اور کاری ضربیں لگاؤ کافروں کی گردنوں پر اور کاٹ ڈالو ان کے پور پور اور جوڑ جوڑ کو تاکہ اس طرح کمر ٹوٹ جائے کفر کی۔ وجود باقی نہ رہے فتنے کا اور راستہ صاف ہو جائے حق اور اہلِ حق کا۔ اور سایہ فگن ہو جائے دینِ حق اپنی رحمتوں اور برکتوں کے ساتھ سب پر۔ اور تاکہ سنور جائے دنیا وآخرت سب کی نورِ ایمان و یقین سے سرفراز ہو کر۔ سو کافروں پر کاری ضربیں لگانے اور اُن کے کفر کو توڑنے کا فائدہ سب ہی کو نصیب ہوگا کہ اِس سے کفر کی ظلمتیں چھٹیں گی اور ایمان و یقین کی روشنی پھیلے گی، جس سے سب کا بھلا اور فائدہ ہوگا۔ سو اسلامی جہاد معالج اور ڈاکٹر کے اُس نشتر کی طرح ہے جس سے فاسد مواد کا قلع قمع ہو جاتا ہے اور پورے جسم و جان کو امن وسکون ملتا ہے۔ اور یہ اِرشاد دراصل تعبیر ہے دشمن کی مرعوبیت کے نتیجے کی۔ یعنی جب اُن کا زور ٹوٹ جائے تو تم اُن کو بھیڑ بکریوں بلکہ گاجر مولی کی طرح کاٹو۔ اور کس کس کر ضربیں لگاؤ اُن کی گردنوں پر۔ اور ان کے ایک ایک پور پر۔ سو یہ تصویر ہے اس بے بسی کی جو مرعوبیت کے نتیجے میں دشمن پر طاری ہوتی ہے کہ اس کے بعد ان کے اندر تمہارے مقابلے کی ہمت اور سکت نہیں رہے گی۔

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

یقیناً کافروں کے لئے مقرر ہے دوزخ کا عذاب، ف۲۰ اے وہ لوگو

اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا

جو ایمان لائے ہو، جب تمہاری مڈھ بھیڑ (اور مقابلہ) ہو جائے کافروں کے کسی لشکر سے تو (خبردار،)

تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿١٥﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ

تم ان کو پیٹھ نہیں دکھانا ف۲۱ اور (یاد رکھو کہ) جس نے پیٹھ دکھائی ان کو

۲۰ کافروں کیلئے اصل عذاب دوزخ کا عذاب ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک کافروں کے لیے مقدر دوزخ کا عذاب ہے اور دنیا کا یہ عذاب جو ان کو یہاں مل رہا ہے یہ تو گویا کہ ایک معمولی قسط ہے جو نقد ان کو مل رہی ہے تاکہ یہ لوگ اپنی سرکشی میں آگے بڑھ کر مزید فساد نہ پھیلا سکیں۔ ورنہ اصل عذاب تو اِن کو آخرت ہی میں ملے گا۔ اور آخرت کا وہ عذاب بڑا ہی ہولناک ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور یہ سب اس لئے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کیا جو کہ نہایت ہی سنگین جرم ہے۔ کیونکہ انسانی فطرت کے اندر خدا اور خدا کے رسول سے لڑنے کے لئے کوئی جواز موجود نہیں ہے۔ لڑائی کا جواز وہاں ہوتا ہے جہاں کسی حق کی حفاظت مدِّ نظر ہو اور اسی صورت میں لڑائی کے لئے جذبہ پیدا ہوتا اور حوصلہ ابھرتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خدا اور اُس کے رسول کے مقابلے میں کسی کے کسی حق کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے جو لوگ اِس قسم کی جہالت کے لئے اٹھتے ہیں وہ چاہے طوفان کی طرح اٹھیں پیشاب کی جھاگ کی طرح بیٹھ جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے حوصلے کی بنیاد کسی حق پر نہیں ہوتی۔ سو کفر و انکار محرومیوں کی محرومی اور دارین کی ہلاکت و تباہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۱ معرکے میں پیٹھ دکھانا جرمِ عظیم۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ:- سو ایمان والوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ جب تمہاری کافروں کے کسی لشکر سے مڈبھیڑ ہو جائے تو تم ان کو پیٹھ نہیں دکھانا اور میدان چھوڑ کر بھاگنا نہیں کہ یہ ایک سنگین جرم اور بڑا سخت گناہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ کہ اس سے بعض اوقات جیتی ہوئی بازی ہر جاتی ہے۔ اور فتح شکست میں بدل جاتی ہے۔ اسی لیے ''فرار من الزحف'' یعنی میدانِ کارزار سے بھاگنے کو سبع موبقات یعنی اُن سات بڑے گناہوں میں سے قرار دیا گیا ہے جو ہلاکت و تباہی کے گڑھے میں ڈالنے والے ہیں، جیسا کہ بخاری و مسلم وغیرہ کی صحیح حدیث میں حضرتِ نبی معصوم ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے مروی ہے۔ بہرکیف اس سے اہلِ ایمان کو ہدایت فرمائی گئی کہ میدانِ جنگ میں پیٹھ دے کر بھاگنا نہیں۔ اور یہ اِرشاد دراصل انہی تائیدات پر مبنی ہے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کہ جن کی پشت پر خدا کی نصرت و امداد ہو اور جن کی مدد کے لئے اللہ کے فرشتے یوں کھڑے ہوں اُن کے لئے حرام ہے کہ وہ دشمن کو پیٹھ دکھائیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ

سوائے اس کے کہ وہ جنگ ہی کے لئے کوئی پینترا بدلتا ہو، یا اپنی فوج کے کسی دوسرے دستے سے ملنا چاہتا ہو ۲۲

فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ

تو وہ یقیناً لوٹا اللہ کے بھاری غضب کے ساتھ، اس کا ٹھکانا دوزخ ہے،

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ

اور بڑا ہی برا ٹھکانا ہے وہ، پس درحقیقت ان کو تم نے قتل نہیں کیا تھا، ۲۳ (اے ایمان والو،) بلکہ انکو اللہ ہی نے قتل کیا تھا،

۲۲ میدانِ کارزار سے پیٹھ دینے کی دو جائز صورتوں کا ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ میدان جنگ میں پیٹھ دینا جائز نہیں بجز اس کے کہ کوئی جنگ ہی کے لیے پینترا بدلتا ہو یا وہ اپنی فوج کے کسی دستے سے ملنا چاہتا ہو۔ ایسوں پر کوئی الزام اور مؤاخذہ نہیں کہ یہ دراصل بھاگنا نہیں بلکہ جنگ ہی کا ایک تقاضا اور اس کا ایک حصہ ہے کہ پینترے بدلنا جنگ کے اُن اہم تقاضوں میں سے ہے جس کے مطابق مجاہد میدانِ جہاد میں کام لیتا ہے اور اپنی جنگی حکمتِ عملی کی بناء پر اپنا مورچہ بدلتا اور اپنے وار کا رُخ تبدیل کرتا ہے۔ بہرکیف اگر کوئی سپاہی کسی جنگی تدبیر کی بناء پر اپنے مورچے سے ہٹ کر کسی اور مورچے کا رخ کرتا ہے یا وہ جنگی حکمتِ عملی کی بناء پر کسی اور فوجی دستے میں شامل ہونے کی غرض سے اپنا مورچہ چھوڑتا ہے وہ اس وعید میں نہیں آتا وہ اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس کا تعلق فرار من الزحف سے نہیں بلکہ جنگی حکمتِ عملی سے ہے۔ ممنوع وحرام وہ پیٹھ دینا ہے جو کہ فرار کی نوعیت کا ہو- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- بہرکیف یہ دو صورتیں میدانِ جنگ سے پھرنے یا ہٹنے کی جائز صورتیں ہیں۔

۲۳ عنایتِ خداوندی کے ایک نتیجے کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ پس درحقیقت ان دشمنانِ حق کو تم لوگوں نے نہیں قتل کیا تھا (اے ایمان والو) بلکہ ان کو اصل میں اللہ ہی نے قتل کیا تھا۔ یعنی دشمنوں کی شکست اور ان کے قتل وخونریزی کا یہ کام تمہارے بس کی چیز نہیں تھا بلکہ یہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے تھا۔ سو ان دشمنوں کو تم نے نہیں اللہ ہی نے قتل کیا تھا۔ اور اُس کا یہ قتل تمہارے ذریعے ظاہر ہوا جو درحقیقت تمہارے لئے اس وحدہٗ لاشریک قادرِ مطلق کی طرف سے ایک بڑا اعزاز ہے، جس پر تمہیں دل وجان سے اُس کا شکرگزار ہونا چاہیئے، نہ کہ مالِ غنیمت وغیرہ کا دعویدار بننا۔ سو فتح وشکست کا اصل دارومدار اللہ تعالیٰ کی نصرت وامداد پر ہے جس کو اُسکی نصرت وامداد حاصل ہوگی وہی کامیاب وکامران ہوگا اور اسکی نصرت وامداد جس کیخلاف جائے گی وہی ناکام ونامراد ہوگا - والعیاذ باللہ- پس مومنِ صادق کا اصل کام یہ ہے کہ وہ اپنے اُس خالق و مالک کے ساتھ اپنا تعلق صحیح رکھے تاکہ اُسکی نصرت وامداد اسکو حاصل رہے کہ اسکے بعد اسکو کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہوسکتی- وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وَعَلٰى مَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ- سو بندۂ مومن جب اپنے ایمان ویقین اور صدق واخلاص میں سچا ہوتا ہے تو وہ اللہ پاک کی خاص عنایات اور اس کی نوازشوں کا مظہر بن جاتا ہے۔ جیسا کہ شاعر مشرق نے کہا اور خوب کہا کہ- ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ- اللہ نصیب فرمائے اور بدرجہ تمام وکمال نصیب فرمائے- آمین ثم آمین۔ انہ- سبحانہ وتعالیٰ- سمیع قریب مجیب وعلی مایشاء قدیر وہو عند ظن عبدہ بہ جل جلالہ وعم نوالہ-

اللّٰہَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

اور (وہ مشتِ خاک) جو آپ نے پھینکی تھی (اے پیغمبر) ۲۴ وہ درحقیقت آپ نے نہیں پھینکی تھی، بلکہ وہ اصل میں اللہ ہی نے

رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ

پھینکی تھی اور (ظاہراً یہ کام مومنوں سے اس لئے کروایا گیا کہ) تاکہ وہ نوازے ایمان والوں کو اپنی طرف سے ایک بڑے

اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۷ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ

ہی عمدہ اجر سے ۔ بے شک اللہ بڑا ہی سننے والا (سب کچھ) جانتا ہے ۲۵ یہ معاملہ تو ہوا تمہارے ساتھ، اور (رہے کافر تو) یقیناً

كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۸ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ

اللہ کمزور کرنے والا ہے کافروں کی چالوں کو، اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے تھے تو یقینی طور پر وہ تمہارے سامنے

الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا

آ گیا ہے ۲۶ اور اگر تم باز آ جاؤ تو یہ بہتر ہے خود تمہارے لئے، ۲۷ اور اگر تمہارے لچھن پھر بھی وہی رہے،

۲۴ **معرکۂ بدر میں ایک مشتِ خاک کی تاثیر کا ذکر و بیان :** ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ معرکۂ بدر میں رسول اللہ کے ہاتھ سے پھینکی جانے والی مٹی کی تاثیر دراصل قدرت ہی کی عنایت کا نتیجہ تھا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ مٹی حقیقت میں آپ نے نہیں پھینکی تھی اے پیغمبر بلکہ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی نے پھینکی تھی اپنی قدرت وعنایت سے ۔ یعنی اس کی یہ تاثیر دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت وعنایت کا نتیجہ وثمرہ تھا۔ غزوۂ بدر کے موقع پر۔ کہ وہ ظاہراً اگرچہ آپ ہی کے دستِ مبارک سے پھینکی گئی تھی، مگر اُس کی یہ تاثیر کہ وہ سب دشمنوں کی آنکھوں میں پڑ جائے محض قدرتِ خداوندی کا ایک نمونہ ومظہر تھا، ورنہ یہ چیز آپ کے حیطۂ بس واختیار میں نہیں تھی۔ سو اِس سے اہلِ بدعت کے مختارِ کل کے شرکیہ عقیدے کی قطعی نفی ہو جاتی ہے کہ اختیارِ کلی اللہ پاک ہی کی شان اور اُسی کا اختصاص ہے۔ وہی جب اور جیسے چاہے کرتا ہے۔ سب اُسی کے محتاج ہیں۔ سب کا خالق و مالک وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ روایات کے مطابق میدانِ بدر میں جب طرفین کی فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو آنحضرت ۔ ﷺ ۔ نے مٹھی بھر خاک زمین سے اٹھائی اور ''شَاهَتِ الْوُجُوْهُ'' ''بگڑ جائیں یہ چہرے'' کہہ کر اس کو کفار کی طرف پھینک دیا۔ اور اللہ پاک کی قدرت وعنایت سے وہ مٹی سب کفار کی آنکھوں میں پڑ گئی اور عربی زبان کا یہ جملہ لعنت اور پھٹکار کے معنیٰ میں آتا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ آپؐ کے ہاتھ سے اے پیغمبر مٹھی بھر پھینکی جانے والی اس مٹی کی یہ تاثیر کہ وہ طوفان بن جائے اور تمام کفار کی آنکھوں میں پڑ جائے یہ آپؐ کے ہاتھ کا کارنامہ نہیں تھا، بلکہ یہ دراصل دستِ غیب کی قدرت کا کرشمہ تھا جو اِس طرح ظاہر ہوا۔ کہ سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۲۵ ایمان والوں کیلئے بڑا ہی عمدہ اَجر وثواب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ اللہ نوازے ایمان والوں کو ایک بڑے ہی عمدہ اجر سے بے شک اللہ بڑا ہی سننے والا سب کچھ جانتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- اور اس نے یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ تاکہ وہ نوازے ایمان والوں کو ایک بڑے ہی عمدہ اجر سے کہ فتح ونصرت کا تاج انہیں نصیب ہو، جہاد کے اجر وثواب سے وہ بہرہ ور و ہمکنار ہوں، سچی عزت و ناموری کے ساتھ ساتھ مالِ غنیمت بھی ان کے ہاتھ آئے اور اِن کے دشمن اِن کے سامنے ذلیل وخوار ہوں وغیرہ وغیرہ۔ اور سب سے بڑا اور عمدہ اجر اُن کو آخرت کے اُس جہاں میں ملے گا جو کہ ابدی اور حقیقی جہاں ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو اپنی ایسی خاص عنایات سے نوازا تاکہ وہ اپنی نصرت کی شانیں دکھائے اور تاکہ مسلمانوں کے جوہر اچھی طرح نمایاں کرے- فالحمد للہ جل وعلا- سو ایمان ویقین اور صدق واخلاص دارَین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے- اللہ نصیب فرمائے اور بدرجۂ تمام وکمال نصیب فرمائے- اور ہمیشہ اس سے بہرہ ور اور سرشار رکھے- آمین وانہ- سبحانہٗ وتعالیٰ- سمیع قریب مجیب وعلیٰ مایشاء قدیر- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۲۶ حق وباطل کے درمیان فیصلے کا ظہور:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے تھے اے منکرو تو بے شک وہ آچکا- جیسا کہ تم نے بیت اللہ کا غلاف پکڑ پکڑ کر دعا کی تھی کہ ہم میں سے جو باطل پر ہے وہ تباہ و برباد ہو جائے۔ تو وہ فیصلہ اب تمہارے سامنے آچکا۔ لہٰذا اب تم لوگ حق کو قبول کرلو۔ سو اس ارشاد میں کفارِ قریش کو براہِ راست مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے کہ بولو اب تمہارا کیا خیال ہے؟ اور اب تم کیا کہتے ہو؟ تم اپنی عددی کثرت اور اپنے سامانِ حرب وضرب کی بناء پر پھولے نہیں سمارہے تھے اور اپنی فتح وکامرانی کے گھمنڈ میں تم بڑی بڑی ڈینگیں مار رہے تھے۔ اور اس جنگ کو تم نے اپنے طور پر حق و باطل کا معیار اور میزان ٹھہرا رکھا تھا۔ اور تمہارا کہنا تھا کہ جو اس جنگ میں جیتا وہی حق پر سمجھا جائے گا۔ سو تمہارے اپنے مقرر کردہ معیار و میزان کے مطابق معاملہ اب واضح ہوگیا ہے۔ فیصلہ تمہارے سامنے آگیا ہے۔ تو اب بتاؤ کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ سو اب تم لوگوں کو حق کے آگے صدقِ دل سے جھک جانا چاہیے کہ یہی تمہارے قول وقرار کا نتیجہ اور اس کا تقاضا ہے اور اسی میں تمہارا بھلا ہے۔

۲۷ حق کو اپنانے میں خود اپنانے والا کا بھلا:- سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ اب اگر تم لوگ باز آجاؤ اپنے کفر وباطل سے تو اس میں خود تمہاری بہتری اور حق کو اپنانے میں خود تمہارا اپنا ہی بھلا ہے۔ کہ اس طرح تم لوگ دنیا میں ذلت وخواری اور آخرت میں وہاں کے دائمی عذاب سے بچ جاؤ گے۔ سو حق کو اپنانے میں سراسر خود تمہارا ہی بھلا ہے اور اِس سے اِعراض وروگردانی میں تمہارا اپنا ہی نقصان۔ سو اِس اِرشاد میں اِن منکروں کو نصیحت ہے کہ تم لوگ اس سے سبق لو اور اپنی سابقہ روش سے باز آجاؤ اور راہِ حق وصواب کو اپناؤ تاکہ تمہارا بھلا ہو، اس عارضی اور فانی دنیا میں بھی اور آخرت کے اُس حقیقی اور ابدی جہان میں بھی، ورنہ تم حق کا کچھ نہیں بگاڑو گے بلکہ اپنا ہی نقصان کرو گے- والعیاذ باللہ العظیم- لہٰذا اب تم لوگ اپنے بارے میں خود سوچ لو اور اپنے معاملے سے متعلق غور وفکر کرلو۔

نَعُدْ ج وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّ لَوْ

تو پھر ہم بھی وہی کریں گے، ف۲۸ اور تمہارے کچھ بھی کام نہ آسکے گی تمہاری جماعت، خواہ وہ

كَثُرَتْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ ع يٰۤاَيُّهَا

کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو ف۲۹ اور (یقین جانو کہ) اللہ ساتھ ہے ایمان والوں کے، ف۳۰ اے

۲۸ جیسا کرنا ویسا بھرنا- والعیاذُ باللہ جل وعلا:- سو اسی اصول پر منکرین و معاندین کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ جیسا کہ تم لوگ کرو گے ویسا ہی بھرو گے۔ سو ارشاد فرمایا اگر تمہارے لچھن پھر بھی وہی رہے جو پہلے تھے اور تم اپنی شرانگیزیوں سے باز نہ آئے تو پھر ہم بھی وہی کریں گے جس کے تم لوگ اپنے کرتوتوں کے سبب مستحق ہو، کیونکہ عدل و انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ "جو کرے وہ بھرے"۔ سو اگر تم ہوش کے ناخن لو تو تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم حق اور اہلِ حق کی عداوت و دشمنی سے باز آجاؤ اور اپنی اِصلاح کرلو۔ ورنہ اپنے ہولناک انجام کے لیے تیار ہو جاؤ کہ پھر ہم تمہارے ساتھ وہی کچھ کریں گے جو اس سے پہلے کر چکے ہیں۔ اور تمہیں اسی ذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑے گا جس سے تم پہلے ہو چکے ہو- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ وَ عَلَا-

۲۹ اللہ کے مقابلے میں کوئی کسی کے کچھ کام نہیں آسکتا- والعیاذُ باللہ:- سو اس اہم اور بنیادی حقیقت سے آگاہی کے طور پر ان لوگوں کو بتایا گیا کہ اگر تم لوگ باز نہ آئے اور اللہ کی گرفت و پکڑ میں آگئے -والعیاذ باللہ- تو اس وقت تمہاری جماعت تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکے گی خواہ وہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ تمہارا گھمنڈ اور غرور ہے کہ حق کے مقابلے میں کوئی بھی جماعت یا جتھا کسی کے کچھ بھی کام نہیں آسکتا۔ سو ایسے کسی گھمنڈ میں مبتلا ہونا خود اپنے ہی آپ کو فریب میں مبتلا کرنا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- سو جب ہماری طرف سے عذاب کا کوڑا تم پر برسے گا تو اُس وقت تمہاری جماعت تمہارے کچھ بھی کام نہ آسکے گی خواہ وہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ پس تم لوگوں کے لیے بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنی اس غلط روش کی اصلاح کرلو قبل اس سے کہ اس کا موقع تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور تم کو ہمیشہ کے خسارے میں مبتلا ہونا پڑے- والعیاذ باللہ العظیم-

۳۰ اللہ ساتھ ہے ایمان والوں کے:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ یقین جان لو کہ اللہ ساتھ ہے ایمان والوں کے۔ یعنی ان کے ساتھ ہے اپنی نصرت و امداد کے اعتبار سے۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ کی معیت اور ساتھ اُس کی تائید و نصرت حاصل ہو اُس کو کون مغلوب کرسکتا ہے ﴿اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ﴾ الآیۃ (آلِ عمران: ۱۶۰)۔ معلوم ہوا کہ صدقِ ایمان اور قوتِ یقین شاہِ کلید ہے دارین کی سعادت و سرخروئی اور فوز و فلاح کی- اللہ نصیب فرمائے- آمین ثم آمین- پس مومن کی اصل قوت اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے ہے۔ جو اسکو اپنے ایمان و تقویٰ کی بناء پر حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے اسکی ہمیشہ یہی کوشش ہونی چاہئے کہ اپنے خالق و مالک کے ساتھ اُس کا تعلق درست رہے- وباللہ التوفیق- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا اور خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے- آمین ثم آمین یارب العالمین-

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا

وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو، حکم مانو تم اللہ کا، اور اس کے رسول کا، ۳۱ اور تم

تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا

روگردانی مت کرو اس سے، درآنحالیکہ تم خود سنتے ہو (اس کے اوامر وارشادات کو)، ۳۲ اور (خبردار) کہیں تم

كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٢١﴾ اِنَّ

ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو (کہنے کو تو) کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا مگر (حقیقت میں) وہ سنتے نہیں، ۳۳ بے شک

شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا

اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں، جو (صحیح معنوں میں) کام نہیں لیتے

يَعْقِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ

اپنی عقلوں سے، ۳۴ اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی دیکھتا، تو وہ انہیں ضرور سننے کی توفیق دے دیتا ۳۵ اور اگر

اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٣﴾ يٰٓاَيُّهَا

انہیں اسی حالت میں سنا دیتا، ۳۶ تو یقیناً یہ پھر جاتے منہ موڑ کر، اے

۳۱ اطاعتِ خدا و رسول کا حکم وارشاد: سو اس میں ایمان والوں کو خطاب کر کے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم وارشاد فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم اطاعت اور فرمانبرداری کرو اللہ اور اس کے رسول کی کہ یہ تمہارے عقیدہ و ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ اور اسی میں تمہارا بھلا ہے دنیا و آخرت میں تاکہ صدقِ دل سے اطاعت و فرمانبرداری کر کے تم لوگ دارین کی سعادت و سرخروئی اور فوز و فلاح سے بہرہ ور ہو سکو کہ اطاعتِ خدا و رسول سے تمہیں اس دنیا میں حیاتِ طیبہ "پاکیزہ زندگی" سے سرفرازی نصیب ہوگی اور آخرت کے اس ابدی جہاں میں جنت کی نعیم مقیم سے سرفرازی و بہرہ مندی۔ پس تم لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری اس طرح کرو جس طرح کہ یہ تمہارے ایمان کا تقاضا ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وَعَلٰى مَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ۔

۳۲ اطاعتِ خدا و رسول سے روگردانی کی ممانعت: سو اس سے اہلِ ایمان کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے روگردانی کی ممانعت فرما دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ تم اطاعتِ خدا و رسول سے روگردانی مت کرو جبکہ تم لوگ خود سنتے ہو کہ ایسی سرتابی و روگردانی خود تمہاری ہی ہلاکت و تباہی اور محرومی کا باعث ہوگی ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ کہ اس سے تم لوگ دنیا و آخرت کی سعادت و سرخروئی سے محروم ہو جاؤ گے ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور سنتے بوجھتے ﴿وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴾ اعراض و

روگردانی کے جرم کا ارتکاب کرنا چونکہ اور بھی برا اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے اس لیے اس کی تصریح فرما دی گئی ہے۔ سو ﴿وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴾ کے کلماتِ کریمہ اس فعل کی شناعت کو ظاہر کر رہے ہیں کہ رسول کی موجودگی میں اور ان کے کلماتِ کریمہ کو سننے کے باوجود اس طرح کی لاپرواہی برتنا اور اعراض و روگردانی سے کام لینا اور بھی برا ہے۔ بھلا جو دن کی روشنی میں اپنی آنکھیں بند کر کے کھڈے میں گرے اس سے بڑھ کر بدبخت اور کون ہو سکتا ہے اور اس کے لئے آخر کیا عذر ہو سکتا ہے؟ -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- اللہ تعالیٰ اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری سے اعراض و روگردانی کے ہر شائبے سے محفوظ رکھے- آمین۔

۳۳ اہلِ ایمان کو ایک خاص اور اہم تنبیہ:- سو ان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہیں ہو جانا جو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا مگر وہ سنتے نہیں۔ سو تم ان لوگوں کی طرح نہیں ہو جانا جو محض ظاہری کانوں سے سنتے ہیں مگر ان کا عمل اس کے برعکس ہوتا ہے۔ سو محض سر کے کانوں سے سننے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ دل کے کانوں سے نہ سنا جائے۔ سو یہ حال ہے اُن منافقوں کا جو اوپر اوپر سے تو مانتے ہیں مگر دل سے نہیں مانتے حالانکہ اصل مطلوب وہی ہے۔ یعنی دل و جان سے ماننا۔ ان محض زبانی کلامی دعووں کا کوئی اعتبار نہیں۔ پس تم اے سچے ایماندارو، ایسے منافق اور محروم لوگوں کی طرح نہ ہو جانا کہ یہ راہ محرومی کی راہ ہے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- اور ایسے لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ کھلے اور ہٹ دھرم کافر جو کہنے کو تو کہتے ہیں کہ ہم نے سنا لیکن کہتے ہیں کہ ہم نہیں مانتے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ان کے لئے فرمایا گیا ﴿وَیَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا﴾ الآیۃ (النساء: ۴۶) اور دوسرے وہ منافق جن کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْکَ حَتّٰۤی اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِکَ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا﴾- (محمد: ۱۶)۔ سو یہ دونوں قسم کے لوگ سنتے ہیں مگر اُن کا سننا نہ سننے کے برابر ہے۔ (المنار، المراغی وغیرہ)۔ اور زمخشری کہتے ہیں کہ جب تم لوگ قرآن اور پیغمبر پر ایمان لانے کے باوجود بعض معاملات میں پیغمبر کی اطاعت سے منہ موڑتے ہو تو تمہاری تصدیق نہ ہونے کے برابر ہو گی اور تمہارا سننا نہ سننے کے برابر۔ کیونکہ ایمان و تصدیق کا تقاضا سمع و طاعت اور فرمانبرداری پر ہوتا ہے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ پس جو لوگ سمع و طاعت اور فرمانبرداری کے تقاضے پورے نہیں کرتے ان کا ایمان محض زبانی کلامی ہے- والعیاذ باللہ-

۳۴ منکرینِ حق بدترین جانور- والعیاذُ باللہ:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اپنی عقلوں سے صحیح طور پر کام نہ لینے والے منکرین حق اللہ کے نزدیک بدترین جانور ہیں- والعیاذ باللہ- سو اس ارشاد میں جوہرِ عقل سے صحیح طور پر کام لینے اور حق کو اپنانے کی ترغیب و تحریض ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ گونگے بہرے لوگ ہیں جو اپنی عقلوں سے صحیح کام نہیں لیتے۔ اور اس طرح اِن لوگوں نے جوہرِ عقل کی اس عظیم الشان نعمت کو ضائع کر دیا جس سے قدرت نے محض اپنی رحمت و عنایت سے اُن کو نوازا تھا۔ اور جس کے ذریعے اس نے ان کو باقی تمام مخلوقات پر فوقیت اور فضیلت بخشی تھی اور اُن کو اشرف المخلوقات کے شرف سے سرفراز فرمایا تھا۔ سو ان کو چاہیئے تھا کہ یہ عقل کے اِس جوہرِ عظیم اور نعمتِ بے مثال سے صحیح کام لیتے اور کائنات کی اس کھلی کتاب میں غور و فکر کرتے۔ اور اس میں جا بجا پھیلی بکھری، عظیم الشان نشانیوں اور دلائلِ قدرت کو دیکھ کر اپنے خالق و مالک کی معرفت سے سرفراز و سرشار ہوتے اور خود اپنے مقصدِ وجود کو پہچاننے کی کوشش کرتے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں اور آگے کیا ہونے والا ہے۔ کیا کرنا

چاہیئے تھا اور کیا کر رہے ہیں؟ ہمارا خالق و مالک کون ہے اور وہ ہم سے کیا کہتا اور کیا چاہتا ہے؟ اور اُس کا ہم پر کیا حق ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اگر جوہرِ عقل کی اِس عظیم الشان نعمت سے یہ لوگ اِس طرح سوچتے اور غور وفکر کرتے تو سیدھی راہ اور دائمی سعادت سے سرفراز ہوجاتے۔ مگرانہوں اِس کے برعکس عقل کے اِس جوہرِ بے مثال کو خواہشاتِ نفس اور شہواتِ بطن وفرج کے تابع کر دیا۔ اور اس طرح یہ لوگ ﴿خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾ کے منصبِ شرف سے گر کر ﴿شَرُّ الْبَرِيَّه﴾ کے قعرِ مذلت میں پہنچ گئے۔ اور یہ وہ خسارہ ونقصان ہے جس جیسا دوسرا کوئی خسارہ ونقصان سرے سے ہو ہی نہیں سکتا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ سو اِس اِرشادِ ربانی میں جوہرِ عقل سے صحیح طور پر کام لینے کی ترغیب وتحریض ہے تاکہ اس طرح انسان دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور ہو سکے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلٰی ما یحب ویرید وہو الہادی الٰی سواء السبیل۔ اللہ تعالیٰ غوائلِ نفس اور مہالک شیطان سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

۴۵ طلبِ صادق ذریعہ سرفرازی: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ طلبِ صادق اولین اساس ہے عنایاتِ خداوندی سے سرفرازی کی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر اللہ ان لوگوں میں کوئی بھلائی دیکھتا حق کی طلب اور اُس کی قبولیت کے ضمن میں تو وہ ان کو ضرور سنا دیتا۔ یعنی اگر ان کے اندر اس طرح کی کوئی بھلائی موجود ہوتی تو اللہ پاک ان کو اپنی عنایات سے ضرور نوازتا۔ کیونکہ یہاں پر علم کنایہ ہے وجود سے۔ یعنی اگر ان لوگوں کے اندر ایسی کوئی چیز ہوتی تو وہ اللہ کے علم میں ضرور ہوتی۔ کیونکہ موجودات میں سے کوئی بھی چیز اسکے علم سے باہر نہیں ہوسکتی۔ مگر ان کے اندر اس طرح کی کوئی چیز نہیں ہے اس لیے یہ محروم کے محروم ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ سو طلبِ صادق اولین اساس و بنیاد ہے عنایاتِ خداوندی سے سرفرازی کی۔ اور جب ان لوگوں کے اندر قبولِ حق کی صلاحیت اور طلبِ صادق کا یہ جوہر موجود نہیں تو یہ اللہ کی عنایت اور توفیق بخشی سے سرفراز نہیں ہو سکتے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

۴۶ طلبِ صادق سے محرومی، ہر خیر سے محرومی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر اللہ ان کو یونہی یعنی بغیر طلب صادق کے سنا دیتا تو یہ یقیناً اس سے پھر جاتے منہ موڑ کر۔ سو اگر اللہ ان کو اسی حالت میں سنا دیتا جبکہ نہ ان کے پاس قبولِ حق کی طلب ہے اور نہ اسکی قابلیت و استعداد۔ کیونکہ جس زمین میں بیج کو قبول کرنے کی صلاحیت نہ ہو وہ تخم کو اگل دیتی ہے۔ سو طلبِ صادق اور صحیح استعداد سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ اور اس سے انسان کا باطن اس بنجر اور بیکار زمین کی طرح ہوجاتا ہے جو کسی کام کی نہیں رہتی۔ اور اس میں حق وصداقت اور خیر و صلاح کی کوئی اہلیت اور صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ سو ہدایت وضلالت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قانون و دستور یہ ہے کہ اس نے ہر انسان کے اندر خیر وشر کے درمیان فرق وتمیز کی صلاحیت ودیعت فرمائی ہے۔ پس جو لوگ قدرت کی بخشی ہوئی اِس صلاحیت کو زندہ رکھتے ہیں اور اس سے کام لیتے ہیں ان کو مزید ہدایت ملتی ہے۔ اور وہ درجہ بدرجہ اپنے علم و عمل میں ترقی کرتے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ خدا کی بخشی ہوئی اس فطری صلاحیت کو ضائع کر بیٹھتے ہیں اُن کو مزید ہدایت ملنا تو درکنار قانونِ الٰہی کے مطابق ان کی وہ فطری ہدایت بھی سلب ہو جاتی ہے۔ حضرتِ حق نے اسی حقیقت کو یہاں پر اس نہایت بلیغ پیرائے میں اس طرح بیان فرمایا ہے اور وجہ اس کی ظاہر و باہر ہے جو غلام ایک پیسے میں چور ثابت ہو، اس کا مالک اس کو ایک لاکھ کی امانت کیسے سونپ سکتا ہے؟ سو انسان کے بناؤ بگاڑ اور اس کی صحت وخرابی کا اصل تعلق اس کے اپنے قلب و باطن سے ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلٰی ما یحب ویرید۔

الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ

وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، (صدق دل سے،) لبیک کہو تم ، اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر، جب کہ وہ بلائیں تمہیں

لِمَا یُحْیِیْکُمْ ج وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ

اس چیز کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے، ف۳۷ اور یقین جانو کہ اللہ آڑ بن جاتا ہے آدمی اور

وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا

اس کے دل کے درمیان، ف۳۸ اور یہ (بھی یقین رکھو) کہ سب کو بہر حال اس کے حضور جانا ہے اکٹھے ہو کر، ف۳۹ اور ڈرو

فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْکُمْ خَآصَّةً ج

(اور بچنے کی فکر کرو) تم لوگ اس بڑے فتنے سے جو تم میں سے صرف ظالموں ہی کو نہیں پہنچے گا،

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْکُرُوْٓا

(بلکہ وہ سب ہی کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا) اور یقین جانو کہ اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے، ف۴۰ اور یاد کرو تم

ف۳۷ ﴿مَا یُحْیِیْکُمْ﴾ [حیات آفریں چیز] سے مراد؟:- یعنی قرآنِ حکیم کی طرف جو کہ امین و ضامن ہے حیاتِ حقیقی اور زندگیٔ جاودانی کا۔ نیز جبکہ وہ بلائے تمہیں جہاد فی سبیل اللہ کی طرف کہ وہ بھی حیاتِ حقیقی کا ضامن و پاسدار ہے کہ اس سے قوائے شر وفساد کا قلع قمع ہوتا ہے اور اہلِ ایمان کو اس سے اس دنیا میں بھی حیاتِ طیبہ یعنی "پاکیزہ زندگی" نصیب ہوتی ہے اور آخرت کے اُس ابدی جہان میں بھی سدا بہار کامیابی حاصل ہوتی ہے جو کہ اصل اور حقیقی اور سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اور بعض حضراتِ اہلِ علم کے نزدیک ﴿مَا یُحْیِیْکُمْ﴾ سے جملہ اَحکامِ دین مراد ہیں کہ ان کی پیروی میں بھی انسان کے لئے حقیقی کامیابی اور پاکیزہ زندگی کا راز مضمر ہے۔ مگر واضح رہے کہ اِن اَقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ بلکہ سب ہی مراد ہیں۔ اور کلمہ "ما" کا عموم دراصل اِن سب ہی معانی و مطالب کو عام اور شامل ہے۔ (روح، قرطبی، محاسن، صفوۃ، جامع اور مدارک وغیرہ)۔ سو دینِ حنیف اور اُسکی تعلیماتِ مقدسہ ایسی حیات آفریں اور روح پرور تعلیمات ہیں جو انسان کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی کی کفیل و ضامن ہیں- وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وبیدہ ازمة الهداية والعناية -

ف۳۸ اللہ تعالیٰ کے ایک قانونِ قدرت کا ذکر و بیان:- یعنی یہ کہ اللہ آڑ بن جاتا ہے انسان اور اُسکے دل کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے حائل ہونے اور آڑ بننے سے مراد اُس کے قانونِ فطرت کا حائل ہو جانا ہے کہ دل تو

سب کے اُسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہیں۔ پس تم لوگ ہمیشہ اپنے دلوں کا تعلق اپنے اُس مالک سے صحیح رکھو اور کسبِ خیر و برکت کی اُس عظیم الشان فرصت سے صحیح معنوں میں فائدہ اٹھاؤ جو حیاتِ دنیا کی صورت میں آج تم لوگوں کو میسر ہے قبل اس سے کہ یہ تمہارے ہاتھ سے نکل جائے۔ سو جو دل صدق و اخلاص سے معمور و منور ہو کر طلبِ صادق کے ساتھ اپنے خالق و مالک کی طرف رجوع کریں گے وہ ان کو اپنے کرم اور اپنی عنایت سے نورِ حق اور نعمتِ ایمان و یقین سے نوازے گا۔ اور ایسا نوازے گا کہ وہ اُن کے دلوں کے لئے حائل اور آڑ بن کر اُن کو کفر و نفاق وغیرہ کی ظلمتوں سے ہمیشہ محفوظ رکھے گا۔ اور اِس کے برعکس جو لوگ اپنے کفر و باطل پر اڑے رہیں گے اُن کے دلوں کے لئے وہ ایسا حائل اور آڑ بن جائے گا کہ ایسے لوگ اپنے خبثِ باطن اور سوءِ اختیار کی بناء پر ایمان و یقین کے نور اور اُس کی لذت و حلاوت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائیں گے جو کہ سب سے بڑا خسارہ اور نقصان ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ سو اُس وحدہٗ لاشریک سے اپنے دلوں کا تعلق ہمیشہ صحیح رکھو۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَ یُرِیْدُ۔ وَهُوَ الْهَادِیْ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین۔ بہرکیف اس سے اس عظیم الشان قانونِ قدرت کو ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔

۴۹ **حشر کی تذکیر و یاددہانی:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ بھی یاد رکھو کہ تم سب کو بہرحال اللہ پاک ہی کے حضور حاضر ہونا ہے اکٹھے ہو کر۔ اور وہاں پہنچ کر ہر کسی نے اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا پورا صلہ و بدلہ پانا ہے۔ اور ہر کسی کو اپنے تمام کرتوتوں کا بھگتان بھگتنا ہو گا۔ سو اچھا برا جو بھی بدلہ تم لوگوں کو وہاں ملے گا وہ بہرحال تمہاری اپنی ہی زندگی بھر کی کمائی کا بدلہ ہو گا۔ اب ہر کوئی دیکھ لے اور اپنا محاسبہ خود کر لے کہ اُس نے آگے کے لئے کیا کمایا بنایا ہے۔ اور اس کے مطابق وہ وہاں پر کس صلے اور بدلے کا مستحق ہو سکتا ہے ﴿اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ سو اُس یومِ عظیم کو اور اُس کے تقاضوں کو فراموش کر دینا بڑا ہی ہولناک خسارہ ہے اور عقل و نقل سب کا تقاضا ہے کہ اُس یومِ عظیم اور اُس کے تقاضوں اور وہاں کی جوابدہی کو ہمیشہ یاد رکھ کر اُس کے لئے تیاری کی جائے کہ اُس کا موقع حیاتِ دنیا کی اِسی فرصتِ محدود میں ہی ہے اور بس۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وَعَلٰی مَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ۔ وَهُوَ الْهَادِیْ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق و ہدایت کو اپنانے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

۵۰ **اللہ کے عذاب کی تذکیر و یاددہانی:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یقین جانو کہ اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ اتنا بڑا کہ اُس جیسا عذاب دوسرا کوئی دے ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿فیومئذ لا یعذب عذابه احد ولا یوثق وثاقه احد﴾۔ الفجر: ۲۵-۲۶) پس تم لوگ ہمیشہ اُس سے بچنے کی فکر کرو۔ اور یہ عذاب عام ہے کہ دنیوی ہو یا اخروی۔ افراد کو ہو یا جماعتوں اور گروہوں کو۔ بہرکیف وہ کبھی بھی آ سکتا ہے اور کسی بھی شکل میں آ سکتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ اِس لیے عقل اور ہوشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اُس سے بچنے کی فکر و کوشش کرے قبل اِس سے کہ فرصتِ حیات اُسکے ہاتھ سے نکل جائے کہ اسکے بعد پھر اس سے بچنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہو گی۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَ یُرِیْدُ۔ سو بڑے ہی ہولناک خسارے میں پڑے ہیں وہ لوگ جو اس یومِ عظیم اور عذابِ شدید کو بھولے ہوئے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ

(اپنے اس ۴۱ دور کو) جب کہ تم لوگ تھوڑے سے تھے (تعداد و گنتی میں، اور) تم کو کمزور (اور بے وزن) سمجھا جاتا تھا اس سرزمین

تَخَافُونَ أَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ اَيَّدَكُمْ

میں، ۴۲ اور تمہیں ڈر لگا رہتا تھا اس بات کا کہ کہیں اچک نہ لیں تم کو دوسرے لوگ، تو ایسے میں اس (وحدہٗ لاشریک) نے

بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٢٦﴾

جگہ دی تم کو رہنے کے لئے، تم کو قوت بخشی اپنی (تائید و) نصرت سے ۴۳ اور تمہاری روزی کا انتظام فرمایا طرح طرح کی

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَ

پاکیزہ چیزوں سے، تاکہ تم لوگ شکر ادا کرو، (اس منعمِ حقیقی کا) ۴۴ اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو (خبردار! کبھی) تم خیانت نہیں

۴۱ **اللہ کے اِنعام کی تذکیر و یاددہانی:** — سو اس سے یہ ہدایت فرمائی گئی کہ تم لوگ اللہ پاک کے اُس عظیم الشان اِنعام و اِحسان کو یاد کرو اور ہمیشہ یاد رکھو تاکہ اِس طرح تم لوگوں کو قدرت کے اُن عظیم الشان انعامات اور اِحسانات کا اِحساس ہو سکے جن سے اُس نے تم لوگوں کو نوازا اور سرفراز فرمایا ہے۔ تاکہ تم لوگ دل و جان سے اُن کی قدر کر سکو اور اُن پر اُس کا شکر ادا کر سکو۔ سو اللہ تعالیٰ کے اِنعامات کو یاد کرنا اور ان پر اس کا شکر ادا کرنا دینی تعلیمات کا ایک اہم تقاضا ہے کہ اس میں انسان کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان ہے کہ شکرِ نعمت سے نعمت میں خیر و برکت نصیب ہوتی ہے اور اس کی حفاظت ہوتی ہے۔ اور شکر سے نعمت خیر بن جاتی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ یعنی ''اگر تم لوگ میری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو میں تم کو بڑھا کر دوں گا'' — وَبِاللّٰہِ التوفیق لما یحب ویرید سبحانہٗ وتعالیٰ —

۴۲ **اپنے دورِ ضعیفی کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کی ہدایت:** — سو ارشاد فرمایا گیا کہ یاد کرو جبکہ تم لوگ تھوڑے تھے اور تم کو کمزور اور بے بس سمجھا جاتا تھا اس سرزمین میں۔ یعنی مکہ مکرمہ میں جہاں تمہیں تمہارے دشمنوں کی طرف سے طرح طرح سے ستایا جا رہا تھا اور ان کے ان مظالم کے مقابلے میں نہ تمہارے پاس کوئی قوت تھی نہ زور۔ تو تمہارے خالق و مالک نے اپنے فضل و کرم سے اپنی قدرتِ مطلقہ اور عنایتِ بالغہ کی بناء پر تمہیں اِن مظالم سے رہائی بخشی۔ اور تم کو اِس ملک میں قوت بخشی اور غلبہ عطاء فرمایا۔ سو تم لوگ ذرا سوچو اور آنکھیں کھول کر دیکھو کہ اللہ اور اُس کے رسول نے تمہیں جس راہ کو اپنانے کی دعوت دی ہے اُس راہ پر چلنے سے تمہیں کیسی کیسی نعمتوں سے نوازا گیا ہے۔ تم تعداد میں تھوڑے تھے تو اُس نے اپنی عظیم الشان برکتوں اور عنایتوں سے نواز کر تمہاری تعداد کو کہیں بڑھا دیا۔ تم کمزور وضعیف اور ناتواں تھے اور تم دبے اور پسے ہوئے تھے تو اُس نے اپنی خاص نصرت و عنایت سے نواز کر تم کو قوت اور

غلبہ سے سرفراز فرما دیا۔ تمہارے لئے اُس نے معاش و معیشت کے لئے طرح طرح کی راہیں کھولیں۔ سو اِن سب باتوں کا تقاضا ہے کہ تم اُس کے شکرگزار اور اِطاعت شعار بندے بنو۔ وباللہ التوفیق۔

۴۸ **حالتِ خوف کی تذکیر و یاددہانی اور اس کا تقاضا:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اپنی ضعیفی و کمزوری کے اس دور کو یاد کرو کہ جب تمہیں یہ خوف اور ڈر لگا رہتا تھا اِس بات کا کہ کہیں تم کو اچک نہ لیں دوسرے لوگ اپنی شرانگیزیوں، ایذاء رسانیوں اور فتنہ سامانیوں سے۔ اور قتل و خونریزی اور سلب و نہب وغیرہ سے تمہارے وجود ہی کو مٹا نہ دیں۔ سو دیکھو کہاں وہ دور تھا اور کہاں آج کا یہ دور کہ غلبہ و تسلط تمہارا ہی ہے۔ سو یہ سب کرم و احسان ہے اُس قادرِ مطلق، مالکِ کل۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ کا جسکے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہر چیز کی باگ ڈور ہے۔ پس تم لوگ ہمیشہ اُس کے ذکر و شکر سے رطبُ اللّسان اور شادکام رہو کہ اسطرح اُسکے ذکر و شکر سے شادکام رہنے سے خود تمہارا ہی بھلا ہے۔ فَاِیَّاہُ نَسْأَلُ التَّوْفِیْقَ وَالسَّدَادَ لِمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ۔ بہرکیف شکرِ نعمت دینِ متین کا ایک اہم حکم اور بنیادی مطلب ہے جو انسان کو دارَین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ ور اور شادکام کرتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔ سو خدا اور رسول کی اِطاعت و فرمانبرداری کی سعادت سے تمہارے لئے سعادت اور توفیقِ خیر کی مزید راہیں کھلیں گی۔ اور جس نے اب تک تم کو ایسی عنایات سے نوازا اور تمہارے ساتھ ایسے کرم و احسان کا معاملہ فرمایا وہ تم کو آئندہ کیوں محروم کر دیگا۔ سو اللہ اور اُس کے رسول کی اِطاعت و فرمانبرداری انسان کو دارَین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرنے والی چیز ہے۔ سو اپنے خالق و مالک کے اس انعام و احسان کے نتیجے میں تم لوگ دل و جان سے اس کے آگے جھک جھک جاؤ۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلٰی ما یحب و یرید۔

۴۹ **عطائے نعمت کا تقاضا شکرِ نعمت:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اپنے مالک کی بخشی ہوئی ان اور ان نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم لوگ شکر ادا کرو اُس منعمِ حقیقی کا۔ جس نے محض اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت و عنایت سے تم کو اِن عظیم الشان اور گوناگوں احسانات اور انعامات سے نوازا اور سرفراز فرمایا ہے۔ اور اُس کا یہ شکر قول و قرار سے بھی ہو اور عمل و کردار سے بھی کہ اِس طرح تم اس واہبِ مطلق کا حقِ شکر بھی کسی حد تک ادا کرسکو گے۔ اور اِس سے تمہیں اُس کی بخشی ہوئی اِن نعمتوں میں برکت بھی ملے گی اور اضافہ بھی ہوگا۔ اور ان کا دوام و ثبات بھی حاصل ہوگا کہ شکرِ نعمت کا نتیجہ اور ثمرہ یہی ہے۔ جبکہ ناشکری اور کفرانِ نعمت کا انجام و نتیجہ محرومی اور خسارہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ چنانچہ اُس خالق و مالک کا صاف و صریح اعلان واجب الاذعان ہے ﴿لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ﴾ (ابراہیم: ۷)۔ وَبِاللّٰہِ التوفیق۔ سو کتنے ناشکرے اور بے انصاف ہیں وہ لوگ جو اُس واہبِ مطلب کے اس حقِ واجب سے غافل و بے خبر ہیں۔ اور اِس سے بھی بڑھ کر وہ جو اِن نعمتوں کو دوسری بے حقیقت چیزوں کا عطیہ و اِحسان جان کر اِن کا شکر ادا کرتے ہیں اور وہ طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور اس طرح وہ کفر بالائے کفر اور ظلم بالائے ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ

کرنا اللہ اور اس کے رسول سے، ۴۵ اور نہ ہی تم خیانت کرنا آپس میں ایک دوسرے کی امانتوں میں، جب کہ تم جانتے ہو، ۴۶ اور یقین

اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ

جانو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد (تمہارے لئے) آزمائش کا سامان ہیں، ۴۷ اور یہ (بھی یقین رکھو) کہ اللہ کے پاس بہت

اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا ٣٦ ع ١٧

بڑا اجر ہے، ۴۸ اے ایمان والو! اگر تم ڈرتے رہے

اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

اللہ (کی ناراضگی اور پکڑ) سے، تو وہ سرفراز فرمادے گا تم کو ایک فیصلہ کن ۴۹ چیز سے، اور وہ مٹادے گا تم سے تمہاری برائیوں

۴۵ اللہ اور اس کے رسول کی خیانت سے ممانعت :- سو ارشاد فرمایا گیا اور خبردار کبھی خیانت نہیں کرنا اللہ اور اسکے رسول سے۔ ان کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے احکام و اطاعت میں تقصیر اور کوتاہی کر کے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ کیونکہ خیانت کے لغوی معنیٰ کمی کرنے کے ہی آتے ہیں۔ اور اللہ کا دین اسکی امانت ہے جو کہ اسکے رسول کے ذریعے اسکے بندوں تک پہنچتا ہے۔ لہٰذا تم لوگ اے ایمان والو! اس میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں کرنا بلکہ اسکے اوامر و ارشادات اور اسکے فرائض و واجبات کو پوری طرح بجالانا اور اسکی مقرر فرمودہ حدود کو پوری طرح قائم رکھنا۔ (معارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔ اور امانت کے لفظ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ یہ اُن تمام حقوق و فرائض کو عام اور شامل ہے جو انسان پر عائد ہوتے ہیں۔ خواہ وہ کسی باہمی عہد و اقرار کی بناء پر عائد ہوں اور خواہ معروف فطری قانون کے تحت سمجھے اور مانے جاتے ہوں۔ اور اِسی میں وہ صلاحیتیں اور نعمتیں بھی داخل ہیں جو انسان کو حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کی طرف سے عطاء ہوئی ہیں۔ سو ان میں سے کسی میں بھی خیانت و بددیانتی کا ارتکاب نہ کرنا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- اور ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم وارشاد کے خلاف استعمال نہیں کرنا- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلٰی ما یحب ویرید وھو الھادی الٰی سواء السبیل-

۴۶ آپس کی امانتوں میں خیانت سے ممانعت :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اور نہ ہی تم آپس کی امانتوں میں خیانت کرنا جانتے بوجھتے۔ یعنی جبکہ تم جانتے ہو کہ یہ خیانت ہے۔ اور یہ بھی جانتے ہو کہ خیانت کا نتیجہ و انجام بہرحال برا ہوتا ہے۔ سو اس کے باوجود اگر تم لوگ خیانت کا ارتکاب کرو گے تو اس کا وبال بڑا سخت ہوگا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- لہٰذا کبھی تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کی امانتوں میں خیانت نہیں کرنا بلکہ ہر ایک کی امانت پوری کی پوری ادا کرنا- وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ- ﴿وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ یہاں پر جس سیاق میں وارد ہوا ہے اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ وہ لوگ جن کی طرف یہ اشارہ فرمایا جارہا ہے وہ جانتے بوجھتے اس حرکت کا ارتکاب کر رہے تھے۔ اور اِس ارشاد سے مقصود اُن کی مذمت ہے کہ ایسوں کے جرم کی

شناعت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور یوں شریعت میں کوئی فعل جرم اُسی وقت بنتا ہے جبکہ اس کا ارتکاب علم اور ارادے کے ساتھ کیا جائے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے اور ہر قسم کے انحراف سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔

۶۷ اَموال و اَولاد باعثِ فتنہ و آزمائش: - سو ارشاد فرمایا گیا اور تم لوگ یقین جانو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولادیں آزمائش کا باعث ہیں کہ کون ان کی محبت میں مبتلا ہو کر اللہ اور اُس کے رسول کی امانت اور ان کی محبت کو پسِ پشت ڈال کر ناکامی و نامرادی کے گڑھے میں گرتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اور کون مال و اولاد کی محبت کے مقابلے میں اللہ اور اُس کے رسول کی محبت اور اُس کے تقاضوں کو ترجیح دے کر دائمی کامیابی اور حقیقی فوز و فلاح کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔ سو تم لوگ ابتلاء و آزمائش اور فتنہ و فساد کے اِن سامانوں کے بارے میں ہمیشہ ہوشیار ہونا اور محتاط رہنا۔ سو اِس اِرشاد سے اِس اصل بیماری کا پتہ دے دیا گیا جس کی وجہ سے اِنسان خدا اور اُس کے رسول کی محبت اور اِطاعت میں کمزور پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ مال و اولاد کی محبت جب اِس درجہ غالب آ جائے کہ انسان ان کے تقاضوں کے پیچھے لگ کر اُس واہبِ مطلق۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ کے حقوق اور اُس کے عائد کردہ فرائض سے غافل و لاپرواہ ہو جائے جس نے اس کو ان چیزوں سے نوازا ہے تو پھر مال و اولاد واقعی فتنہ بن جاتے ہیں۔ اور اس کے بعد انسان دوسروں کے حقوق میں بھی خیانت کا ارتکاب کرنے لگتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ و ضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔

۶۸ اللہ تعالیٰ کے یہاں کے اجرِ عظیم کی تذکیر و یاددہانی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔ اور اتنا بڑا کہ اُس کی عظمت و بڑائی کو اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی پوری طرح جان بھی نہیں سکتا۔ پس جس نے مال و اولاد کی محبت میں مبتلا ہو کر اُس کو فراموش کر دیا وہ بڑا ہی خسارے والا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ لہٰذا عقل و خرد کا تقاضا یہی ہے کہ اِنسان ہمیشہ اُسی اجرِ عظیم کو اپنے پیشِ نظر رکھے اور اسی کو زندگی کا مقصد اور نصب العین بنائے۔ سو اس سے مال و اولاد کے فتنے سے محفوظ رہنے کا طریقہ اِرشاد فرما دیا گیا کہ انسان اُس اجرِ عظیم کو یاد کرے جو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جو مال و اولاد کی محبت میں لگ کر اللہ اور اُس کے رسول سے بے وفائی نہیں کرتے۔ بلکہ ان کے سامنے جب ایسی کوئی آزمائش آتی ہے کہ ایک طرف تو خدا و رسول کی خوشنودی ہو اور دوسری طرف مال و اولاد کی محبت، تو وہ ہمیشہ خدا و رسول کی محبت و خوشنودی کے تقاضوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید و علی ما یحب و یرید وھو الہادی الی سواء السبیل۔

۶۹ تقویٰ و پرہیزگاری وسیلۂ سعادت و سرفرازی: - سو ایمان والوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگ ڈرتے رہے اللہ سے اور بچتے رہے اس کی ناراضی اور پکڑ سے تو وہ تمہیں ایک عظیم الشان قوتِ فرق و تمیز سے نوازے گا۔ سو تقویٰ و پرہیزگاری دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ سو تقویٰ تم کو اللہ تعالیٰ فرقان سے نوازے گا۔ یعنی ہدایت اور باطن کے اُس نور سے جس کے ذریعے حق و باطل کو پہچاننا اور صحیح و غلط کے درمیان فرق و تمیز کرنا تم کو آسان ہو جائے گا۔ (معارف، صفوۃ وغیرہ)۔ سو تقویٰ و پرہیزگاری دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ پس تم لوگ ہمیشہ اِسی کی فکر و کوشش میں رہا کرو اور اپنی حد تک اس کے لئے کوشش کیا کرو کہ تقویٰ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ

کو، اور نواز دے گا تم کو اپنی بخشش سے، اور اللہ بڑا ہی فضل والا ہے، ف۵۰ اور (وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب

يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ

یہ (بدبخت) کافر لوگ آپ کے خلاف (اے پیغمبر!) سازش کر رہے تھے، وا۵ کہ آپ کو قید کر دیں، یا قتل کر دیں، یا

۵۰ اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم کی تذکیر و یاد دہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا اور اللہ بڑا ہی فضل والا ہے۔ سو اللہ ایسے متقی اور پرہیزگار لوگوں کو اس سعادت و عنایت سے نوازتا ہے کہ اُس کی شان ہی نوازنا ہے۔ چنانچہ وہ تھوڑے عمل پر بے حد و حساب اجر و ثواب سے نوازتا ہے۔ اور یہ بھی اُس کے بے پایاں کرم اور عظیم الشان فضل و احسان ہی کا ایک مظہر ہے کہ وہ اپنے مومن اور متقی بندے کو تقوای کی برکت سے اتنے اتنے اور ایسے ایسے انعامات سے نوازتا ہے۔ ورنہ اس کے عبد اور بندے ہونے کا تقاضا یہ تھا اور یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اور ہر حال میں اس کی عبادت و بندگی میں لگا رہے۔ اُس کے اوامر کو دل و جان سے بجالائے اور اس کی نواہی اور ممنوعات سے بچتا رہے۔ مگر یہ اُس کا کرم و احسان ہے کہ وہ اپنے بندے کو آدابِ بندگی بجالانے پر طرح طرح کے اِنعامات و اِحسانات سے نوازتا اور سرفراز فرماتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو ہمیشہ اُسکے فضل و کرم سے سرفرازی کو اپنا مقصدِ حیات اور نصب العین بنائے رکھنا چاہیئے۔ وباللہ التوفیق۔ سو جب بندہ اپنے بس کی حد تک اُس کے حقوقِ بندگی اداء کرنے میں لگا رہتا ہے تو بشری تقاضوں کی بناء پر اُس سے جو کمزوریاں اور کوتاہیاں سرزد ہو جائیں گی وہ اُن کو معاف فرمادے گا کہ وہ بڑا ہی فضل والا ہے۔ اور وہ بڑا ہی غفور و رحیم بھی ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۵۱ کافروں کی سازش حضرت امام الانبیاء علیہ السلام کے خلاف:- سو اس میں کافروں کی اس سازش کی تذکیر و یاد دہانی فرمائی گئی ہے جو وہ لوگ حضرت امام الانبیاء علیہ السلام کیخلاف کر رہے تھے اپنے پارلیمنٹ ہاؤس (دار الندوہ) میں۔ تا کہ اس طرح یہ لوگ حق و ہدایت کے اُس نورِ مبین کو بجھا سکیں جو کہ خود ان کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی کی راہوں کو روشن کرنے کیلئے اُن کے خالق و مالک کی عنایتِ بے نہایت سے ان کیلئے اتارا گیا تھا۔ سو اس سے مستنیر و مستفید ہونے کی بجائے انہوں نے الٹا اسکو گل کرنے کی ٹھانی۔ مگر کہاں؟ البتہ اس طرح انہوں نے اپنی محرومی اور بدبختی کی مہر کو اور پکا کر دیا اور وہ ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ﴾ کے مصداق بن گئے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف اِس میں اس سازش کی طرف اشارہ ہے جو صنادیدِ قریش نے "دار الندوۃ" میں کی تھی تا کہ وہ حق و ہدایت کی اُس دعوتِ مقدسہ کو یکسر ختم کر دیں جو حضرت امام الانبیا علیہ السلام کے ذریعے دنیا کو دی جا رہی تھی۔ تاریخ و سیر کی کتابوں کے مطابق اِس میں کفارِ قریش کے مختلف لیڈروں کی طرف سے اس موقع پر کئی تجاویز پیش کی گئیں۔ آخرِ کار بحث و تمحیص کے بعد قتل کی تجویز پر اتفاق ہوا اور اس کے لئے تدبیر یہ سوچی گئی کہ قریش کے تمام بڑے بڑے قبائل میں سے ایک ایک نوجوان کو اس میں شریک کیا جائے اور وہ سارے یکبارگی وار کر کے آنحضرت علیہ السلام کا کام تمام کر دیں تا کہ آنحضرت علیہ السلام کے خاندان والے کسی سے قصاص کا مطالبہ کرنے کی ہمت نہ کر سکیں۔ اور پھر بات دیت اور خونبہا پر ٹھہرے گی جو ہم سب مل کر کے ادا کر دیں گے اور اس طرح ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

يُخۡرِجُوۡكَ ؕ وَيَمۡكُرُوۡنَ وَيَمۡكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيۡرُ

ملک بدر کر دیں، یہ لوگ اپنی چالیں چل رہے تھے، ۵۲ اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا، اور اللہ کی چال ہی سب سے زیادہ کارگر

الۡمٰكِرِيۡنَ ۝۳۰ وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا قَالُوۡا قَدۡ

ہوتی ہے ۵۳ اور جب ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ہماری آیتیں، تو یہ (پوری ڈھٹائی سے) کہتے ہیں،

سَمِعۡنَا لَوۡ نَشَآءُ لَقُلۡنَا مِثۡلَ هٰذَآ ۙ اِنۡ هٰذَآ اِلَّاۤ

کہ ہاں صاحب، ہم نے سن لیا، اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام بنا کر لے آئیں، یہ تو پہلے

۵۲ **اہلِ کفر و باطل کی چالیں حق کیخلاف:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ بدبخت حق اور اہلِ حق کے خلاف اس طرح کی چالیں چل رہے تھے۔ حق کو مٹانے اور اس کو نیچا دکھانے کے لئے۔ مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے ﴿ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ (الصف: ۸)۔ سو جس طرح مونہوں کی پھونکوں سے سورج کی روشنی کو مٹانا کسی کے بس میں نہیں، اسی طرح یہ اہلِ کفر و باطل اپنی ان چالوں سے دینِ حق کے نورِ مبین کو کبھی بھی مٹا اور بجھا نہیں سکتے۔ البتہ اس طرح ایسے لوگ اپنے باطن کی سیاہی کو مزید گہرا اور پکا کرتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو اس واقعہ کی تذکیر و یاد دہانی سے مقصود دراصل اُس وعدہ فرقان کو مؤکد کرنا ہے جس کا ذکر اوپر والی آیتِ کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر تم لوگ دیکھنا چاہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر و کارسازی سے کس طرح ناموافق حالات کو موافق بنا دیتا ہے اور مخالف منصوبوں کو کس طرح سازگار کر دیتا ہے تو اس کے لئے تم پیغمبر کی زندگی کے اسی واقعہ کو دیکھ لو اور اس کے عواقب و نتائج کو اپنے سامنے رکھ لو۔ وباللہ التوفیق۔

۵۳ **دشمنوں کی چالوں کے مقابلے میں اللہ کی چال کا ذکر:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا۔ اور اللہ کی چال ہی سب سے زیادہ کارگر ہوتی ہے۔ اُن کے مکر و فریب کے توڑ کے لئے مگر اُس کی یہ چال چونکہ اُس کے قانونِ فطرت و قدرت کے مطابق ایسی محکم اور متین ہوتی ہے کہ مخالف اُس کو سمجھ بھی نہیں سکتا تو پھر وہ اُس کے مقابلے کی کیا تاب لا سکتا ہے؟ اسی لئے اس کے اس برتاؤ کو مکر "چال" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ورنہ وہ اہلِ دنیا کی چالوں اور ان کی مثالوں سے پاک ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ سو اللہ پاک۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ کی چال سے مراد اُس کا وہ برتاؤ ہے جو وہ اپنی حکمت اور قدرت کے تقاضوں کے مطابق لوگوں سے کرتا ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ کیونکہ وہ دنیا والوں کی نظروں اور ان کی نگاہوں سے بالکل مخفی اور اوجھل ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو مکر سے تعبیر فرمایا گیا۔ اور اس کی چال بڑی ہی سخت ہوتی ہے۔ ﴿ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴾۔ اور اتنی سخت اور اس قدر مضبوط کہ اس کا مقابلہ تو درکنار مخالف یہ بھی نہیں جان سکتا کہ اس کا شکنجہ کسا جا رہا ہے اور وہ اللہ کی گرفت و پکڑ میں آ رہا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ

لوگوں کی کہانیوں کے سوا کچھ نہیں ف۵۴ اور (وہ بھی یاد رہے کہ) جب انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اے اللہ اگر

كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا

یہ دین واقعی حق ہے تیری طرف سے، تو تو ہم پر آسمان سے

حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

پتھر برسا دے یا لے آ ہم پر اور کوئی دردناک عذاب، ف۵۵

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ

مگر (اس کے باوجود ان پر جو عذاب نازل نہیں ہوا تو اس لئے کہ) اللہ ایسا نہیں کہ ان کو عذاب دے، درآنحالیکہ آپ ان کے

اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا

درمیان موجود ہوں، (اے پیغمبر) ف۵۶ اور نہ ہی اللہ ان کو اس حال میں عذاب دینے والا ہے جبکہ یہ استغفار کر رہے ہوں، ف۵۷ اور اب

يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ

اللہ ان کو عذاب کیوں نہ دے جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ یہ روکتے ہیں مسجد حرام

الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا

سے، حالانکہ وہ اس کے جائز متولی بھی نہیں ف۵۸ اس کے جائز متولی تو صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں،

الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ

جو پرہیزگار ہوں، مگر ان میں سے اکثر جانتے نہیں ف۵۹ اور خود ان کی

۵۴ کفار کے عناد اور انکی ہٹ دھرمی کا ایک نمونہ و مظہر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب ان لوگوں کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ لوگ پوری ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی سے کہتے ہیں کہ ہاں صاحب ہم نے سن لیا اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام بنا کر لے آئیں۔ یہ تو محض قصے کہانیاں ہیں پہلے لوگوں کی۔ سو یہ لوگ محض عناد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر ایسا کہتے ہیں۔ یہ لوگ ایسی بات کہتے ہیں اپنے جہل و عناد کی بناء پر۔ جیسا کہ نضر بن الحارث جیسے رؤساء کفار کا کہنا تھا۔ جبکہ اندر سے یہ لوگ خوب جانتے تھے کہ ہم جھوٹے ہیں اور قرآنِ حکیم کا مقابلہ ہمارے بس میں نہیں۔ اور قرآن کے چیلنج کے مقابلے

میں ان کی اور سب دنیا کے کفار و منکرین کی عاجزی اظہر من الشمس تھی، اور ہے۔ مگر ضد اور ہٹ دھرمی آدمی کو اس طرح اور اس قدر بے حیا بنا دیتی ہے کہ ایسے لوگ اس سب کے باوجود اس طرح کی بڑھکیں مارنے سے بھی نہیں شرماتے کہ اگر ہم چاہیں تو قرآنِ حکیم جیسا کلام ہم بھی لا سکتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ پھر بناتے کیوں نہیں ہو جبکہ قرآنِ حکیم تو لوگوں کو اس کا صاف وصریح طور پر چیلنج بھی کر رہا ہے۔ مگر اس قدر عجز اور بے بسی کے باوجود وہ بدبخت یوں کہتے تھے کہ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام لا سکتے ہیں۔ یہ تو محض پہلے لوگوں کے قصے اور ان کی کہانیاں ہیں۔ اساطیر کے بارے میں حضراتِ اہلِ علم میں سے بعض کا کہنا ہے کہ یہ ایسی جمع ہے جس کا کوئی مفرد نہیں۔ اور بعض نے کہا کہ یہ جمع ہے "اسطر" یا "سطور" کی جو کہ جمع ہے "سطر" کی۔ سو یہ لفظ جمع الجمع ہے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ جمع ہے "اسطورہ" کی۔ جس کے معنٰی قصہ کہانی اور افسانہ وغیرہ کے ہیں۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ بہرکیف ان بدبختوں کا کہنا تھا کہ یہ محض ایک من گھڑت کلام ہے یعنی قصہ جو یہ صاحب خود گھڑ لاتے ہیں اور اس کو وحی اور کلامِ خداوندی کے نام سے آگے چلاتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۵۵ منکرین کی ہٹ دھرمی کا ایک اور مظہر و نمونہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ جب ان لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اے اللہ اگر یہ واقعی حق ہے تیری طرف سے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب لے آ۔ سو یہ ایسے بدبخت ہیں کتابِ خداوندی پر ایمان لانے کی بجائے عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں۔ سو یہ اِن کفار و معاندین کی بدبختی اور عناد و ہٹ دھرمی کا ایک اور نمونہ و مظہر تھا۔ ان کی بدبختی ملاحظہ ہو کہ بجائے اِس کے کہ وہ یوں کہتے کہ اے اللہ اگر یہ دین حق ہے تیری طرف سے تو تو ہمیں اس کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرما۔ نہیں تو نہیں۔ مگر وہ الٹا یوں کہتے ہیں کہ اگر یہ حق اور سچ ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا یا اور کوئی دردناک عذاب لے آ۔ سو یہ ایک مظہر اور نمونہ ہے اُس ضد و عناد اور ہٹ دھرمی کا جس میں انسان اپنے کفر و باطل کی بناء پر مبتلا ہو جاتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم کی بناء پر ان کو مہلت اور ڈھیل دیتا ہے تاکہ یہ ہوش کے ناخن لیں اور حق کو اپنا کر دائمی عذاب سے بچ جائیں۔ مگر یہ ہیں کہ اُس کی اِس ڈھیل اور مہلت سے اور مست اور لاپرواہ ہوتے جاتے ہیں اور اس کو اپنی صداقت و حقانیت کی نشانی اور علامت قرار دیتے اور عذاب سے بچنے کی فکر کرنے کی بجائے اُس کو فوراً اتارنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ سو یہی حال ہوتا ہے ان لوگوں کا جن کی مت ماری جاتی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ العظیم۔

۵۶ پیغمبر کا وجود باعثِ رحمت اور ذریعۂ امن و امان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ایسا نہیں کہ ان لوگوں کو عذاب دے جبکہ آپ اے پیغمبر بذاتِ خود ان کے اندر موجود ہوں۔ آپؐ کا وجودِ باجود اہلِ زمین کے لئے امن و امان کا ذریعہ اور باعثِ خیر و برکت ہے۔ اور اللہ پاک کا قانون اور دستور یہی ہے کہ جب پیغمبر اپنی امت کے اندر موجود ہوں تو ان پر عذاب نازل نہیں ہوتا۔ (معارف، صفوۃ اور تفسیرِ کبیر وغیرہ)۔ سو اِس اِرشاد سے اُن بدبختوں کے اِس سوال کا جواب دے دیا گیا اور ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا گیا کہ اگر ہم باطل پر ہیں تو ہم پر عذاب آتا کیوں نہیں؟ سو اُن کو یہ جواب دیا گیا کہ "اللہ ایسا نہیں کہ اُن کو عذاب دے جبکہ آپؐ (اے پیغمبر!) ان کے اندر موجود ہوں"۔ اور یہ جواب دراصل اُس سنتِ الٰہی پر مبنی ہے جو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی قوم پر عذاب اتارنے کے سلسلہ میں مقرر فرما رکھی ہے۔ اور وہ سنتِ خداوندی یہ ہے کہ جب تک اللہ کا نبی کسی قوم کے اندر موجود ہوتا ہے اس پر عذاب نہیں آتا۔ کیونکہ

وہ پیغمبر اُس قوم کے اندر بمنزلہ دل کے ہوتا ہے۔ وہ اپنی قوم کے لئے استغفار کرتا اور ان کے لئے بخشش کی دعا مانگتا ہے۔ اور قوم کے اندر اُس کا وجود اِس بات کی علامت ہوتا ہے کہ ابھی اِس قوم کے اندر رمقِ حیات باقی ہے۔ اور اس کی دعوت سے ان لوگوں کو زندگی ملتی ہے جن کے اندر حیاتِ ایمانی قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ اس لیے جب تک پیغمبر کا وجودِ رحمت ان کے درمیان موجود ہوتا ہے وہ لوگ عذاب سے محفوظ رہتے ہیں۔

۵۷ **عذاب سے بچنے کا دوسرا بڑا ذریعہ، استغفار:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ نہ ہی اللہ ان لوگوں کو اس صورت میں عذاب دینے والا ہے جبکہ یہ استغفار کرتے ہوں کہ استغفار عذاب کو ٹالنے کا ذریعہ ہے۔ اور سننِ ترمذیؒ میں آنحضرت۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے عذاب سے بچنے کے دو امان بنائے ہیں۔ ایک میرا وجود اور دوسرا استغفار۔ میرے انتقال کے بعد پہلا امان تو ختم ہو جائے گا مگر دوسرا یعنی استغفار قیامت تک باقی رہے گا۔ (ترمذی، کتاب التفسیر، ابن کثیر، صفوہ، جامع، محاسن وغیرہ)۔ سو پیغمبر کی زندگی میں اُن کا قوم کے لئے استغفار اللہ کے عذاب کے لئے سپر اور ڈھال بن جاتا ہے۔ پیغمبر کی زندگی میں قوم کے اَشرار خواہ کتنی ہی شرارتیں کریں اور خدا اور رسول کو کتنے ہی چیلنج کریں اللہ ان سے درگزر فرماتا ہے جبکہ پیغمبر کی زندگی کے بعد ان کے لئے اُن کی دوسری ڈھال اور بچاؤ کا سامان توبہ و استغفار ہے جو کہ مذکورہ بالا ارشادِ نبوی کے مطابق قیامت تک باقی رہے گی۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

۵۸ **مسجدِ حرام سے روکنا باعثِ عذاب۔ والعیاذُ باللہ:-** سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ مسجدِ حرام سے روکنا عذابِ الٰہی کا ایک بڑا باعث ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے عذاب میں اب کیا مانع ہو سکتا ہے جبکہ یہ لوگوں کو مسجدِ حرام سے روکتے ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے حضرت امام الانبیاء۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔ کو اور آپؐ کے قدسی صفت ساتھیوں یعنی حضراتِ صحابہ کرامؓ کو بھی مسجدِ حرام کی زیارت اور عمرہ کی ادائیگی سے روک دیا۔ جیسا کہ حدیبیہ میں ہوا۔ سو مسجدِ حرام سے روکنا۔ والعیاذ باللہ۔ عذابِ الٰہی کا ایک بڑا باعث اور ذریعہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا۔ سو اب جبکہ ان کے کرتوت یہ اور یہ ہیں، تو پھر ان کو کونسے کوئی سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ یہ عذاب سے محفوظ رہیں؟ سو اب ان پر عذاب آیا ہی چاہتا ہے۔ سو اس کے کچھ ہی بعد ان کا صفایا کر دیا گیا۔ اور مسجدِ حرام ان کی تولیت اور ان کے غلبے سے آزاد ہو گئی۔

۵۹ **مسجد کے متولی صرف متقی اور پرہیزگار لوگ ہی ہو سکتے ہیں:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ مسجد کے متولی تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو کہ متقی اور پرہیزگار ہوں مگر اکثر لوگ جانتے نہیں۔ اور مسجدِ حرام کے متولی تو بطریقِ اولیٰ متقی اور پرہیزگار لوگ ہی ہو سکتے ہیں۔ جس میں سب سے پہلی اور بنیادی شرط کفر و شرک سے بچنا ہے۔ جس کی نجاست میں یہ لوگ سرتاپا لتھڑے ہوئے ہیں۔ تو پھر ان کو یہ حق کیسے پہنچ سکتا ہے کہ یہ مسجدِ حرام کے متولی بن جائیں؟۔ پس اِن کا مسجدِ حرام کی تولیت کا دعویدار ہونا اور اس کا متولی بن جانا ناجائز اور بے بنیاد ہے کہ ایسے لوگ سرے سے اسکے اہل ہی نہیں ہیں۔ سو اس سے ان کے دعوائے تولیت کی نفی کر دی گئی کہ اس سے اس حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ مسجد کے متولی اللہ تعالیٰ کے متقی اور پرہیزگار بندے ہی ہو سکتے ہیں جبکہ یہ لوگ خائن، غدار، مفسد، کافر و مشرک اور اللہ کے گھر کے مقصدِ تعمیر سے ہی غافل اور اس کی حرمت کو برباد اور اس کے تقدس کو پامال کرنے والے ہیں۔ سو یہ مسجد کے جائز متولی نہیں بلکہ غاصب ہیں جنہوں نے اللہ کے گھر پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ

نماز بیت اللہ کے پاس سیٹیاں بجانے، اور تالیاں پیٹنے کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتی، ۶۰

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ

سو اب چکھو تم لوگ عذاب اپنے اس کفر کے بدلے میں جو تم کرتے رہے تھے، ۶۱ بے شک

۶۰ مشرکینِ مکہ کی نماز، خرافات کا پلندہ - والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر وقصر کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان کی نماز بیت اللہ کے پاس سیٹیاں بجانے اور تالیاں پیٹنے کے سوا کچھ نہیں ۔ سو بیت اللہ کی تولیت کا دعوٰی کرنے والے مشرکین کی نماز بیت اللہ کے پاس محض تالیاں پیٹنا اور سیٹیاں بجانا ہے اور بس۔ جو انتہا درجے کی گمراہی بھی ہے اور پرلے درجے کی حماقت بھی۔ بھلا سیٹیوں اور تالیوں کا عبادت جیسے مقدس عمل سے کیا لگاؤ ہوسکتا ہے؟ افسوس کہ آج کا جاہل مسلمان بھی کچھ اِسی طرح کی خرافات میں مبتلا ہے ۔ وہ بھی اپنے عرسوں وغیرہ میں اِسی طرح کے مختلف کھیل تماشوں کو اپنا مشغلہ اور دین وایمان کا تقاضا بنائے ہوئے ہے ۔ بلکہ وہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ڈھول ڈھمکے سے کام لیتا، گھنگھرو چھنکاتا، گھڑے بجاتا اور دوسری کئی خرافات سے کام لیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہ قوالی شریف ہورہی ہے اور ''شریف'' اور ''مبارک'' جیسے مقدس اور پاکیزہ لفظوں کے سابقے اور لاحقے جوڑ کر وہ ان خرافات پر پردہ ڈالنے کی سعی مذموم کرتا ہے۔ اور وہ یہ نہیں جانتا کہ از خود کسی کو مبارک یا شریف کہنے سے کوئی کام جائز نہیں بن جاتا۔ بلکہ اُسکے جواز کیلئے کتاب اللہ اور سنتِ رسول سے دلیل کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ سو اس اِرشاد سے اس امر کی تاکید فرمادی گئی کہ یہ لوگ بیت اللہ کی تولیت کے اہل نہیں۔ اور ان کی یہ نماز نماز نہیں خرافات کا پلندہ ہے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- جبکہ مسجد حرام کی متولی وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو کہ متقی و پرہیز گار ہوں۔

۶۱ کفر وشرک کا نتیجہ ہولناک عذاب -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم:- سو یہاں پر ان کفار ومشرکین کی ان خرافات کو ذکر کرنے کے متصل بعد حرف فاء کی تعقیب کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ لو اب چکھو تم لوگ عذاب اپنے کفر کے بدلے میں۔ دنیا میں بھی جیسا کہ بدر وغیرہ کے مواقع پر ہوا، اور آخرت میں بھی۔ جو کہ پورا، دائمی اور بڑا ہی سخت عذاب ہوگا- ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾ -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- کیونکہ کافر کو اس دنیا میں جو بھی اور جتنا بھی عذاب ملے اس سے اُسکے آخرت کے عذاب میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اور اسکے لیے اصل عذاب آخرت ہی کا عذاب ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو اس اِرشاد سے مشرکینِ مکہ کی اِن تمام غلط فہمیوں کی جڑ نکال دی جو وہ اپنے دماغوں میں رکھتے تھے کہ ہم حضرتِ ابراہیم کے وارث ان کے بنائے ہوئے گھر کے متولی ومجاور اور حضرتِ ابراہیم واسماعیل کی اولاد اور اُن کی نسل ہیں۔ ہمیں کوئی پرواہ نہیں وغیرہ۔ سو ان کو بتادیا گیا کہ ان میں سے کوئی بھی چیز تمہیں کام نہیں آسکے گی بلکہ تمہیں اپنے کفر وشرک کے باعث اللہ کا عذاب بہر حال بھگتنا ہوگا۔ بس اب تم چکھو اس عذاب کو- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سو اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ کفر وشرک کا لازمی نتیجہ ہولناک عذاب ہے جو ایسے لوگوں کو بہر حال بھگتنا ہوگا -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- اللہ اپنی پناہ میں رکھے- آمین ثم آمین۔

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا

کافر لوگ اپنے مال خرچ کرتے ہیں تاکہ وہ (دوسروں کو بھی)

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ

روکیں اللہ کی راہ سے، ف٦٢ سو وہ ان کو خرچ تو کریں گے مگر آخرکار وہ

عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۬ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

ان کے لئے سراسر حسرت ہوں گے، ف٦٣ پھر یہ مغلوب ہوں گے، پھر ان کافروں کو

اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿٣٦﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ

دوزخ کی طرف اکٹھا کرکے لایا جائے گا، ف٦٤ تاکہ اللہ جدا کردے ناپاک کو

الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ

پاک سے، ف٦٥ اور ناپاک کو ایک دوسرے پر رکھ کر سب کو ایک ڈھیر بنادے،

فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ

پھر ان سب کو یکجا کرکے جھونک دے دوزخ (کے ہولناک گڑھے) میں، یہی لوگ ہیں

٦٢ کافروں کا اِنفاق، اللہ کی راہ سے روکنے کیلئے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ کافر لوگ اپنے مال خرچ کرتے ہیں تاکہ اس طرح وہ خود محروم ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکیں کہ جس نورِ حق سے وہ خود محروم ہیں اس سے دوسروں کو بھی محروم کردیں۔ اور اِس طرح دوہرے جرم کے مرتکب اور دوہرے عذاب کے مستحق بنیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -اوپر ان کی بدنی عبادت کا بیان تھا اور اب یہ ان کی مالی عبادت کا نمونہ پیش کیا جارہا ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -سو نورِ حق و ہدایت سے محرومی کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ انکی عبادت ان کے عذاب میں اضافے ہی کا باعث بنتی جاتی ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور دشمنانِ حق کا طریقہ و وطیرہ ہمیشہ یہی رہا کہ وہ اپنے مال حق کے خلاف اور دوسروں کو بھی حق سے روکنے اور محروم کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ-

٦٣ کافروں کا اِنفاق ان کیلئے سراسر حسرت کا باعث: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ اپنے مال اس طرح خرچ تو کریں گے لیکن آخرِکار وہ خود انکے لیے سراسر حسرت کا باعث ہوں گے۔ اور حق کو نیچا دکھانے کا اُن کا

خواب کبھی پورا نہیں ہوگا۔ بلکہ غلبہ حق اور اہلِ حق ہی کا ہوگا کہ غلبہ اور بقاء تو حق ہی کے لئے ہے۔ اس لیے کفار کا انفاق ان کیلئے حسرت ہی میں اضافے کا باعث بنے گا۔ اور ایسے لوگ خسارے پر خسارے سے دوچار ہونگے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو حق اور اہلِ حق کے خلاف اِن کی تمام زرپاشیوں کا نتیجہ وانجام اِن کی حسرت وافسوس کے سوا اور کچھ نہیں نکلے گا۔ اور اُن کو منہ کی کھانی پڑے گی۔ جَعَلَ اللّٰهُ كَيْدَهُمْ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَاَعَاذَنَا مِنْ شُرُوْرِهِمْ۔ سو مومن کا مال تو اس کے لیے خیر پر خیر کے اضافے کا باعث اور نورٌ علیٰ نور کا ذریعہ و وسیلہ بنے گا مگر کافر کا مال اس کے لیے حسرت پر حسرت اور خسارے پر خسارے کا ذریعہ و باعث بنے گا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۷۴ کافروں کا ٹھکانہ جہنم۔ والعیاذُ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ دنیاوی حسرت ومغلوبیت کے بعد آخرت میں ان اکٹھا کر کے دوزخ کی طرف لایا جائے گا جہاں ان کو اپنے کئے کرائے کا بھگتان بھرپور طور پر اور کامل شکل میں بھگتنا ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور جہاں کے عذاب سے ان کیلئے بچ نکلنے کی کوئی بھی صورت ممکن نہ ہوگی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو ان سب کو ہانک کر دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا اور دوزخ کی دہکتی بھڑکتی آگ میں دھکیل دیا جائے گا جہاں ان کو ہمیشہ ہمیش رہنا ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو دنیا میں چونکہ کافر اور باطل پرست لوگ اپنے کفر و باطل میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہے تھے اس لیے یہ آخرت میں ایک دوسرے کے آگ میں اضافے اور بھڑکاؤ کا باعث بنیں گے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۷۵ ناپاک کو پاک سے الگ کرنے کے مقصد کا ذکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسا اس لیے کیا جائے گا کہ تاکہ اللہ جدا کردے ناپاکوں کو پاکوں سے۔ عملی طور پر اس طرح کہ ناپاکوں کو ان کے اپنے کئے کرائے کے باعث دوزخ میں جھونک دے اور پاکوں کو وہ اپنے فضل وکرم سے نعمتوں سے بھری جنت میں داخل فرما دے تاکہ ہر کوئی اپنے کئے کا بھرپور صلہ و بدلہ پا سکے۔ فَوَفِّقْنَا اللّٰهُمَّ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى حَتّٰى نَحْظٰى وَنَتَشَرَّفَ بِنَعِيْمِ جَنّٰتِكَ وَمَرْضَاتِكَ۔ اور طیب وخبیث یعنی پاکوں اور ناپاکوں کے درمیان یہ نسبت وتمیز آخرت کے اُس جہاں میں کامل اور اسکی حقیقی شکل میں ہوگی تاکہ عدل وانصاف کے تقاضے اپنی کامل اور آخری شکل میں پورے ہوسکیں۔ سو بندۂ مومن ایک پاکیزہ انسان ہوتا ہے جس کا قلب وباطن کفر وشرک کی ہر آمیزش سے پاک ہوتا ہے اور اس کا سینہ ایمان ویقین کے نور سے منور ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی زبان پاک ہوتی ہے کلمۂ کفر وشرک سے اور اس کا جسم اور کپڑا پاک ہوتا ہے ہر قسم کی نجاست وناپاکی سے۔ اور اس کا کھانا پینا پاک ہوتا ہے ہر قسم کی حرمت اور ناپاکی کے ہر شائبہ سے۔ سو ایسے ہی پاکیزہ اور خوش نصیب لوگ جنت کے اس پاکیزہ جہاں اور وہاں کی نعیمِ مقیم کے اہل ہونگے۔ جعلنا اللہ منہم۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ

خسارے والے، ۶۶ کہہ دو، ان کافروں سے، کہ اگر یہ باز آگئے (اپنے کفر و باطل سے،) تو معاف کردیا جائے گا

لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ

ان کے لئے وہ سب کچھ جو کہ ہو چکا اس سے پہلے، ۶۷ اور اگر ان کے لچھن پھر بھی وہی رہے جو پہلے تھے تو پھر (یاد رکھیں کہ)

۶۶ اہل باطل ایک دوسرے کے عذاب میں اضافے کا باعث - والعیاذ باللہ: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ کافر و مشرک ایک دوسرے کے لیے دوزخ کی آگ کے بھڑکاؤ میں اضافے کا باعث بنیں گے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ناپاکوں کو ایک دوسرے پر رکھ کر ڈھیر بنا دیا جائے گا اور پھر ان سب کو یکجا طور پر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا تاکہ جس طرح وہ دنیا میں ایک دوسرے کے معاون اور مددگار بنے ہوئے تھے اسی طرح وہاں پر ایک دوسرے کے لیے اس ہولناک آگ کے بھڑکاؤ میں اضافے اور اس کی تیزی اور شدت کا ذریعہ بنیں اور یہی سب سے بڑا خسارہ ہے - والعیاذ باللہ - سو دولتِ ایمان سے محرومی سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ ہے - والعیاذ باللہ - کہ اس کا انجام جہنم ہے۔ اور جہنم کا عذاب ایسا عذابِ الیم ہے جس جیسا دوسرا کوئی عذاب ہو سکتا ہی نہیں۔ سو اول تو ایسے ہولناک عذابِ الیم میں داخل ہونا ہی ایک ایسا ہولناک اور روح فرسا امر ہے جس کا تصور بھی گراں ہے۔ اگرچہ وہ تھوڑی سی دیر ہی کے لئے کیوں نہ ہو۔ تو پھر اس میں ابنائے کفر و باطل کا گھسنا اور ہمیشہ کے لئے اُس کا ایندھن بننا جس قدر بڑا خسارہ اور نقصان ہو سکتا ہے اس کو لفظوں میں بیان کرنا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟ سو خسارہ اصل میں یہی خسارہ ہے جو کہ ابدی اور سب سے بڑا اور ہولناک خسارہ ہے۔ جس سے دولتِ ایمان و یقین سے محروم ان بدبخت لوگوں کو دوچار ہونا ہے۔ اور جس سے رہائی اور گلوخلاصی کی بھی پھر کوئی صورت انکے لئے ممکن نہ ہو سکے گی۔ سو دولتِ ایمان سے محرومی سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اس کے بالمقابل دولتِ ایمان و یقین سے سرفرازی سب سے بڑی سرفرازی ہے - وباللہ التوفیق -

۶۷ منکرین کے لیے عذاب سے رہائی کی صورت: - سو ان کی رہائی کی ایک ہی صورت ہے کہ یہ لوگ اپنے کفر و شرک سے باز آجائیں۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ باز آگئے اپنے کفر و شرک سے تو ان کے گزشتہ گناہ معاف کردیے جائیں گے۔ سو کفر و شرک سے باز آنے کا فائدہ خود اہلِ کفر و باطل ہی کو ہوگا۔ تو اس طرح کفر و باطل سے باز آنے میں خود انہی لوگوں کا بھلا اور فائدہ ہے کہ اس طرح یہ لوگ دائمی خسارے اور ابدی نقصان سے بچ جائیں گے اور حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی رحمت و عنایت کی پناہ میں آجائیں گے۔ اور دنیا و آخرت کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز ہونگے۔ ورنہ یہ خود اپنا ہی نقصان کریں گے اور ہولناک خسارے میں مبتلا ہونگے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو اس ارشاد میں دراصل کفار و مشرکین کے لئے توبہ و استغفار کی دعوت ہے کہ اگر یہ لوگ اُس عذاب سے بچنا چاہتے ہیں، جس کی انہیں خبر دی جا رہی ہے تو یہ اپنی اِصلاح کرلیں اور کفر و باطل کی اپنی اِس روش کو ترک کر دیں جس کو یہ لوگ اپنائے ہوئے ہیں۔ اور صدقِ دل سے راہِ حق و ہدایت کی طرف رجوع کرلیں - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ - کہ ربِ رحمان کی رحمت و عنایت کا دروازہ سب کے لیے اور ہمیشہ کے لیے کھلا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ -

سُنَّتُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوۡهُمۡ حَتّٰی لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ

ہمارا قانون بھی وہی ہے جو گزر چکا اگلوں کے حق میں، ۶۸ اور لڑو تم ان (ابناءِ کفر و باطل) سے، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے،

وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ

اور دین سب کا سب اللہ ہی کے لئے ہو جائے، ۶۹ پھر اگر یہ لوگ باز آجائیں، تو (ان کا ظاہری اسلام قبول کرلو،

بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمُوۡۤا

دلوں کا حال ٹٹولنے کی ضرورت نہیں کہ) بے شک اللہ دیکھ رہا ہے ان سب کاموں کو جو یہ لوگ کر رہے ہیں، ۷۰ اور اگر یہ پھرے (اور ہٹے)

اَنَّ اللّٰهَ مَوۡلٰٮكُمۡ ؕ نِعۡمَ الۡمَوۡلٰى وَنِعۡمَ النَّصِيۡرُ ﴿۴۰﴾

ہی رہے، ۷۱ تو یقین جان لو کہ اللہ تمہارا (سرپرست) و کارساز ہے، ۷۲ کیا ہی خوب کارساز ہے وہ اور کیا ہی خوب مددگار ہے وہ، ۷۳

۶۸ اللہ کا قانون بے لاگ اور سب کے لیے یکساں: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ باز نہ آئے تو پھر ہمارا قانون بھی وہی ہے جو گزر چکا ہے اگلوں میں کہ جنہوں نے بھی حق کو جھٹلایا اور ہمارے نبیوں کی تکذیب کی اور وہ اپنے کفر و باطل پر اڑے ہی رہے تو ان کی مقررہ مہلت و مدت کے ختم ہونے کے بعد ان کو دھر لیا گیا۔ اور یہاں تک کہ اُن کو صفحۂ ہستی سے ہی مٹا دیا گیا۔ جیسے قومِ عاد و ثمود وغیرہ۔ سو ہمارا جو قانونِ مکافات اُن پر لاگو ہوا، وہ اُن پر بھی لاگو ہوسکتا ہے کہ ہمارا قانون اِنصاف یکساں اور سب کے لئے ایک برابر ہے۔ اِس لیے اگر یہ لوگ باز نہیں آتے اپنے کفر و تکذیب سے تو ان کو بھی اپنے اُس ہولناک انجام کیلئے تیار رہنا چاہیئے - وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ - سو اِس میں اُن لوگوں کے لئے ترغیب کے بعد ترہیب ہے کہ اگر یہ اپنی شرارتوں اور شرانگیزیوں سے باز نہ آئے اور انہوں نے اپنی روش کو نہ بدلا، تو یہ بھی اسی سنتِ الٰہی اور دستورِ خداوندی کی گرفت میں آکر رہیں گے جس کی گرفت میں حضراتِ انبیاء و رسل کی تکذیب کرنے والی گزشتہ قومیں آچکی ہیں - وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ - کہ اللہ تعالیٰ کا قانون و دستور سب کے لیے یکساں اور بے لاگ ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ -

۶۹ اسلامی جہاد کا مقصد اِعلاءِ کلمۃ اللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ لڑو تم ان ابنائے کفر و باطل سے یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سب کا سب اللہ ہی کا ہو جائے۔ اور عبادت و بندگی صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی ہو کہ معبودِ برحق بہرحال وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اُس کے سوا کسی اور کی عبادت و بندگی بڑا ظلم اور سخت بے انصافی ہے۔ سو مومن کی جنگ صرف اسی لئے ہوتی ہے اور اسکے سوا کسی بھی دوسری غرض اور دوسرے مقصد کے لئے لڑنا اس کے لئے جائز نہیں۔ نہ مال و دولت کے لئے اور نہ کشور کشائی اور کسی جاہلی حمیت اور کسی طرح کی عصبیت کے لئے۔ بلکہ اُس کا اصل مقصد اور نصب العین غلبۂ حق اور اعلاءِ کلمۃ اللہ ہی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ دینِ حق آیا ہی

اس لئے ہے کہ وہ تمام دینوں پر غالب ہو کر رہے، جیسا کہ حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کا صاف و صریح طور پر اعلان و ارشاد ہے ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ، وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ (الصف: ٩)۔ سو جہادِ اسلامی کا اصل مقصد اعلاءِ کلمۃ اللہ ہے۔ یعنی اس لیے کہ اللہ کا دین بلند ہو اور عبادت و بندگی صرف معبود برحق اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی ہو - ﴿لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا﴾ -

٧٠ اللہ تعالیٰ کے علم و آگہی کی تذکیر و یاددہانی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ باز آ جائیں تو بے شک اللہ دیکھ رہا ہے ان سب کاموں کو جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ اس کے یہاں سے اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا بدلہ پا کر رہیں گے۔ پس تم بواطن وخفایا کا معاملہ تو اُسی وحدہٗ لاشریک کے حوالے کر دو۔ وہ ہر کسی سے ٹھیک ٹھیک اور بالکل اسی طرح نمٹ لے گا جس کا کہ وہ حقدار ہے۔ تم صرف ظواہر پر اکتفا کرو۔ اللہ سب لوگوں کے کاموں کو پوری طرح دیکھ رہا ہے۔ سو اس سے کسی کی کوئی بھی چیز اور کوئی بھی حالت اور حیثیت مخفی و مستور نہیں رہ سکتی - سبحانہٗ وتعالیٰ - اپنا معاملہ ظاہر و باطن ہر اعتبار سے اس کے ساتھ صحیح رکھو - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید وھو الھادی الیٰ سواء السبیل -

٧١ راہِ حق وصواب سے انحراف باعث ہلاکت وتباہی - والعیاذُ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ پھرے ہی رہے راہِ حق وصواب سے تو اس کا وبال خود انہی پر ہوگا۔ ورنہ حق اور اہلِ حق کا یہ کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔ پس تم ان سے لڑو اور ان کے مقابلے میں ڈٹ جاؤ اے ایمان والو۔ یہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اللہ کی حمایت ونصرت تمہارے ہی ساتھ ہے۔ سو اگر انہوں نے اپنی اِصلاح نہ کی اور اپنی روش کو تبدیل نہ کیا تو یہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑیں گے بلکہ اپنا ہی راستہ کھوٹا کریں گے اور اُس کا بھگتان خود انہی کو بھگتنا ہوگا۔ سو راہِ حق وصواب سے انحراف باعثِ ہلاکت وتباہی ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ -

٧٢ اللہ ہی کارساز ہے سب کا: - سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر وقصر کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی حمایتی اور کارساز ہے تم سب کا اے لوگو۔ اور اُس کارسازِ مطلق وحدہٗ لاشریک کی حمایت وسرپرستی کا شرف جب تمہیں حاصل ہے تو پھر تمہیں کسی اور کی حمایت وسرپرستی اور نصرت وعنایت کے سہارے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے؟ پس تم ان دشمنانِ حق اور ابنائے کفر و باطل کے خلاف اپنا جہاد جاری رکھو اور یقین رکھو کہ غلبہ اور آخری کامیابی بہرحال حق اور اہلِ حق ہی کا مقدر ہے بشرطیکہ اہلِ حق ایمان و یقین کی قوت سے صحیح معنوں میں اور پوری طرح سرشار ہوں ﴿اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ سو اللہ جو کہ تمہارا حمایتی اور کارساز ہے وہ تمہاری مدد فرمائے گا جس سے تم لوگوں کو اے ایمان والو ان سے غلبہ حاصل ہوگا۔ جیسا کہ اس سے پہلے بدر میں ہو چکا ہے۔ پس تمہیں اپنے ان دشمنوں کی کثرتِ تعداد اور سامانِ حرب وضرب سے ڈرنے اور ہراساں ہونے کی کوئی ضرورت نہیں کہ تمہارے ساتھ اُس کارسازِ مطلق کی مدد اور اُس کی توفیق وعنایت ہے جو اس پوری کائنات کا خالق و مالک ہے اور جس کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہر چیز کی باگ ڈور ہے۔ پس تم اس کے برعکس اصل فکر اس کی کرو کہ اس مالک الملک کے ساتھ تمہارا تعلق صحیح رہے - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وَعَلٰى مَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وَهُوَ الْهَادِیْٓ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِیْلِ -

٧٣ اور کیا ہی خوب مددگار ہے وہ: - اور ایسا خوب اور ایسا بے مثل کارساز و مددگار کہ اُس کی نصرت وحمایت کی دوسری کوئی نظیر ومثال ممکن ہی نہیں۔ تمام اسباب و وسائل اُسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں اور اسی کے حکم واشارہ

کے تابع ہیں۔ اس لیے تمہارا بھروسہ و اعتماد ہمیشہ اُسی وحدہٗ لاشریک ہی پر ہونا چاہیئے۔ لیکن افسوس کہ آج کی دنیا اور خود مسلمان جو کہ اپنے دین کی اِن تعلیمات سے غافل و بے خبر ہے اس وحدہٗ لاشریک کے حقیقی سہارے اور اُس پر اعتماد سے محروم ولاپرواہ ہے۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہ وَالْعِیَاذُ بِہٖ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ وہ بڑا ہی عمدہ کارساز اور سب سے بہتر مددگار ہے۔ پس جو لوگ صدقِ دل سے اور صحیح طور پر اس پر بھروسہ و اعتماد رکھتے ہیں اور اپنے معاملات میں صدقِ دل سے اُسی کی طرف رجوع کرتے ہیں، وہ ان کو کبھی مایوس نہیں کرتا اور جن کی پشت پر اس کی مدد موجود ہو ان کو کبھی کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

– اللّٰهم فهٰذه نواصينا بين يديک – اللّٰهم فخذنا بها الٰى ما تحب وترضٰى من القول والعمل بكل حال من الاحوال وفى كل موطن من المواطن فى الحياة ، ولا تكلنا الٰى انفسنا طرفة عين ، فى اى لحظة من اللحظات يا ذا الجلال والاكرام – يا من بيده ملكوت كل شىء وبيده ازمة الهداية والتوفيق–

الجزء العاشر (١٠)

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ

اور یقین جان لو کہ جو بھی کچھ غنیمت تم حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ اللہ کا ہے، ۷۴

وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَ

اور اس کے رسول کا، ۷۵ اور آپ کے رشتہ داروں کا، اور یتیموں، مسکینوں اور

ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا

مسافروں کا، اگر تم لوگ ایمان (ویقین) رکھتے ہو اللہ پر، اور اس چیز پر جس کو ہم

عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ

نے اتارا اپنے بندے پر، ۷۶ (حق و باطل کے درمیان) فیصلے کے اس دن میں، ۷۷ جس دن کہ مڈ بھیڑ ہوئی (حق و باطل کے)

۷۴ مالِ غنیمت میں اللہ کا حصہ اور اس کا مصرف: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ مالِ غنیمت کے خمس میں سب سے پہلے اللہ کا حق اور اس کا حصہ ہے۔ جس کی نصرت و مدد اور تائید و عنایت سے تم لوگ فتح و کامرانی سے ہمکنار و سرفراز ہوئے، اور ہوتے رہو گے۔ لہٰذا سب سے پہلے ''خمس'' یعنی پانچویں حصے میں سے اسی کا حصہ نکالو۔ اور پھر اُس غنیٔ مطلق کا یہ حصہ بھی اُس کے بندوں ہی کے لئے آئندہ آنے والی تفصیل کے مطابق تقسیم کر دو۔ یعنی اللہ پاک کے حصے کا ذکر محض تیمن و تبرک کیلئے ہے کہ سب کا خالق و مالک وہی وحدہٗ لاشریک ہے، ورنہ اسکے نام کا یہ حصہ بھی اسکے بندوں ہی میں تقسیم ہوگا۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سو اِس اِرشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اَموالِ غنیمت کے بارے میں زمانۂ جاہلیت کا دستور اب ختم کر دیا گیا کہ جو شخص مال و اسباب لوٹے وہ سب اسی کا ہے۔ سو اِس جاہلی دستور کو ختم کر کے اب اسلامی قانون اس بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ سارا مالِ غنیمت اکٹھا کیا جائے گا اور اس میں سے پانچواں حصہ اللہ اور اُس کے رسول کے حق کے طور پر نکال کر بقیہ مال مجاہدین میں تقسیم کیا جائے گا۔ یہاں پر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں سردارانِ قبائل لوٹے ہوئے مال کا چوتھا حصہ خود اپنے لئے لیا کرتے تھے جو کہ ان کے ذاتی استعمال میں آتا تھا اور اس کو '' مِرْبَاع ''کہا جاتا تھا۔ اسلام نے پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کے حق کے طور پر مقرر کیا اور وہ بھی جیسا کہ آگے آ رہا ہے تمام تر اسلامی معاشرے کی بہتری اور اُس کی فلاح و بہبود کے اجتماعی کاموں کے لئے لوٹا دیا گیا۔ اور بقیہ چار حصے تمام مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ جنہوں نے جہاد میں حصہ لیا اور کفار سے یہ مالِ غنیمت چھینا جو اپنے کفر و انکار کی بنا پر اس کے حقِ ملکیت سے محروم ہو گئے تھے۔

۷۵ غنیمت میں اللہ کے رسول کا حصہ: - سو اس میں اللہ کے بعد اللہ کے رسول کا حصہ ہے۔ جن کی اطاعت و اِتباع کی برکت سے تمہارے لئے فتح و کامرانی کی راہیں کھلتی ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حق کے بعد انہی کا حق بنتا

ہے-صَلَوٰاتُ اللهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ تَبِعَهٗ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ- اور آپؐ کی وفات کے بعد بعض کے نزدیک یہ ساقط ہوگیا اور بعض کے نزدیک یہ خلیفہ کا حق ہے۔ اور بعض کے نزدیک اسکو مسلمانوں کی عام ضرورتوں میں صرف کیا جائے۔ (معارف وغیرہ)۔ بہرکیف اللہ اور اُس کے رسول کے حق کے طور پر کل مال کے ''خمس'' میں سے حصہ نکالنے کے بعد باقی چار حصے تمام مجاہدین میں تقسیم کیے جائیں گے۔ سو سب سے پہلے اور سب سے اوپر اللہ کا حق ہے جو کہ خالقِ حقیقی اور مالکِ مطلق ہے۔ اس کے بعد اس کے رسول کا حق ہے جن کا مرتبہ مخلوق میں سب سے بڑا سب پر مقدم ہے کہ انہوں نے ہی آ کر مخلوق کو خالق سے ملایا اور اللہ پاک کی ذات وصفات اور اس کے حقوق واختیارات سے متعلق دنیا کو صحیح تصور سے آگہی بخشی۔ اور دنیا کو عقیدۂ توحید کی عظمتوں سے سرفراز کیا اور ان کو حیوانیت کے گڑھے سے نکال کر انسانیت کے منصبِ شرف واعزاز سے سرفراز کیا- علیہ افضل الصلوات واتم التسلیمات ما تعاقب اللیل والنہار-

۷۶ پیغمبر کی شانِ عبدیت و بشریت کی عظمت کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم ایمان رکھتے ہو اُس چیز پر جس کو ہم نے اتارا اپنے بندے پر یعنی امام الانبیاء حضرت محمد- صلی اللہ علیہ وسلم- پر جو کہ عبدیتِ صادقہ کا نمونہ کامل تھے۔ اسی لئے آپؐ اپنے خالق و مالک کے یہاں محبوبیت کا ایک ایسا خاص درجہ اور شان رکھتے تھے جو کہ اور کسی کو نہ کبھی نصیب ہوئی ہے نہ قیامت تک کبھی کسی کو نصیب ہوسکتی ہے۔ اسی لئے قرآنِ حکیم میں آپؐ کی اِس شانِ عبدیت و بندگی کا ذکر جگہ جگہ اور طرح طرح سے فرمایا گیا ہے۔ کہیں ﴿عَبْدِنَا﴾ کہیں ﴿بِعَبْدِهٖ﴾ اور کہیں ﴿عَبْدُ اللّٰهِ﴾ کے الفاظ سے۔ مگر اس کے باوجود اہلِ بدعت آپؐ کی اِس عبدیتِ طاہرہ اور بشریتِ مقدسہ کو ماننے کیلئے تیار نہیں اور اپنے اِس انکار کیلئے وہ ایسی نصوص میں طرح طرح کی تاویلات وتحریفات سے کام لیتے ہیں -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- حالانکہ اگر دیکھا جائے تو آپ کے کمال اور آپ کی عظمتِ شان کا تعلق اور اُس کا مدار و انحصار آپؐ کی بشریتِ طاہرہ ہی پر ہے کہ بشر ہوتے ہوئے آپؐ وہاں پہنچے جہاں نوری فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگوں کا اللہ پر اور اُس نصرتِ الٰہی پر ایمان ویقین ہے جو ہم نے بدر کے اس یومِ فرقان میں اپنے خاص بندے پر نازل کی تو تم لوگ غنیمت سے متعلق اِس حکم کی بلا چون وچرا صدقِ دل سے تعمیل کرو کہ اسی میں تمہارا بھلا ہے۔ یعنی ظاہر و باطن اور دنیا و آخرت ہر لحاظ سے- وباللہ التوفیق-

۷۷ معرکہ بدر کا دن یومِ فرقان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگ ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جس کو ہم نے اپنے بندے پر اتارا فیصلے کے اس دن میں۔ یعنی بدر کے دن جس دن کہ حق پوری طرح واضح ہوگیا تھا اور حق و باطل کا فرق کھل کر سب کے سامنے آ گیا تھا کہ اہلِ کفر و باطل نے اپنے تمام تر ذرائع و وسائل کے باوجود اہلِ حق کے ایک چھوٹے سے اور بے سرو سامان گروہ سے ایسی شکست کھائی کہ ان کی کمر ٹوٹ گئی۔ اور اُن کا غرور ہمیشہ کیلئے خاک میں مل گیا- وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ- اور خود کفارِ قریش نے اُس دن کو حق اور باطل کے درمیان ایک کسوٹی کی حیثیت دے دی تھی کہ جو اس جنگ میں ہاراوہ باطل پر سمجھا جائے گا اور جو جیتا اُس کو حق پر مانا جائے گا۔ اور اس کے لئے انہوں نے دعائیں بھی کی تھیں کہ جو حق پر ہو وہ باقی رہے اور جو باطل پر ہو وہ ہلاک ہو جائے۔ سو ان کی اپنی مقرر کردہ اس کسوٹی کے مطابق حق تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ فرما دیا گیا کہ حق غالب آ گیا اور باطل کی کمر ٹوٹ گئی اور یہ سب کچھ انکی کھلی آنکھوں کے سامنے ہوا تھا۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ

ان دونوں لشکروں کے درمیان، ۷۸ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، ۷۹ (یاد کرو کہ) جب تم لوگ (مدینہ منورہ کی نسبت

الدُّنْیَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ

سے) اِدھر والے کنارے پر تھے، اور وہ لوگ (یعنی تمہارے دشمن) اُدھر والے کنارے پر، اور قافلہ تم سے نیچے تھا، ۸۰ اور

۷۸ معرکۂ بدر کے دن دو گروہوں کی مڈبھیڑ کا ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس دن کہ مڈبھیڑ ہوئی حق و باطل کے ان دونوں گروہوں کے درمیان۔ ایک گروہ اولیاء الرحمٰن کا تھا اور دوسرا اولیاء الشیطٰن کا۔ اور اولیاء الرحمٰن کے اِس مقدس گروہ نے قلتِ تعداد اور بے سروسامانی کے باجود اولیاء الشیطٰن پر فیصلہ کن غلبہ حاصل کر لیا، اور اس طور پر کہ کسی کو اس کا گمان بھی نہ تھا۔ اور جس سے یہ بات پوری طرح عیاں اور واضح ہوگئی کہ فتح و غلبہ اُسی کیلئے ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت شامل ہو۔ اس سے واضح ہوگیا کہ غلبہ حق والوں ہی کا ہوتا ہے۔ اور اس روز جو کچھ ہوا وہ اللہ کی قدرت و عنایت ہی سے ہوا۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۷۹ اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت کا حوالہ و ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور یہ اُس کی قدرتِ مطلقہ ہی کا ایک ثبوت و مظہر تھا کہ معرکۂ بدر میں مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کفار کے اتنے بڑے اور اس قدر مسلح لشکر پر غالب آ گئی" فَهُوَ الَّذِیْ نَصَرَ عَبْدَه وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَه ، فَلَهُ الْحَمْدُ وَلَهُ الشُّكْرُ"۔ پس مسلمان کا اصل سرمایہ اور سرچشمۂ قوت و قدرت وہی ہے کہ وہ اُس قادرِ مطلق سے اپنا تعلق صحیح اور درست رکھے تاکہ اسکی نصرت و امداد اس کو حاصل رہے کہ اسکے بعد اسکے لیے نہ کوئی خسارہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی کسی سے مغلوبیت۔ وباللہ التوفیق۔ سو یہ اُسی کی کارسازی کا کرشمہ اور اس کے رسول کی عاجزانہ دعاؤں، کامل صدق و اخلاص اور بے مثال قیادت کی برکت کا نتیجہ تھا کہ اہلِ حق کو ایسی شاندار فتح نصیب ہوئی۔ اللہ پاک ہر چیز پر قادر ہے۔ نہ وہ کسی کا محتاج ہے اور نہ اس کا رسول کسی کا دست نگر۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اللّٰهم فکن لنا واجعلنا لک یا ذا الجلال والاکرام۔

۸۰ قدرت کی تدبیر و کارسازی کا ایک نمونہ و مظہر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یاد کرو "جب کہ تم اِدھر کے کنارے پر تھے اور وہ اُدھر کے کنارے پر اور قافلہ تمہارے نیچے سمندر کی طرف" بدر سے کوئی تین میل کے فاصلے پر۔ (تفسیر القاسمی وغیرہ)۔ سو اس طرح قدرت کے غیبی ہاتھوں کے ذریعے جنگ کی وہ خاص صورتحال بہم پہنچا دی گئی جسکے نتیجے میں تم لوگ اے مسلمانو! فتح و نصرت کی اِس عزت و عظمت سے سرفراز ہوئے جس کا کسی کو گمان بھی نہ تھا۔ سو یہ بھی اُس قادرِ مطلق اور حکیمِ مطلق۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا ایک واضح مظہر اور نمونہ تھا۔ جل وعلا شانہ۔ اور یہ اُس کی تدبیر و کارسازی کا ایک خاص نمونہ اور مظہر تھا کہ اُس نے ٹھیک وقت پر تم لوگوں کو دشمن کے مقابلے کے لئے میدانِ جنگ میں پہنچا دیا۔ اور فوج کا دشمن کے مقابلے کے لئے ٹھیک وقت پر اپنے موقع و محل پر پہنچ جانا کوئی معمولی بات نہیں ہوتی۔ جنگ میں فتح و شکست کا بہت کچھ مدار و انحصار اسی پر ہوتا ہے۔ بعض اوقات، بلکہ بسا اوقات معمولی سی تاخیر بھی شکست کے مترادف بن جاتی ہے۔ سو اس طرح اللہ نے تم کو اپنی خاص عنایت اور پناہ میں رکھا۔ فلہ الحمد ولہ الشکر بکل حال من الاحوال۔

مِنْكُمْ ۙ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعٰدِ ۙ

اگر تم (اس بارے میں) باہم عہد و پیمان کرتے، تو یقیناً وقتِ مقرر کے سلسلے میں تم لوگ آپس میں اختلاف میں پڑ جاتے ۸۱

وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ

لیکن (اللہ تعالیٰ نے اس کی نوبت ہی نہ آنے دی) تاکہ اللہ پورا فرما دے ایسے کام کو جس نے (اس کے حکم و اذن سے

مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ

بہر کیف) پورا ہو کر رہنا تھا، ۸۲ تاکہ جس نے ہلاک ہونا ہے وہ ہلاک ہو روشن دلیل کی بناء پر، اور جس نے زندہ رہنا ہے، وہ

بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۴۲ۙ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ

زندہ رہے روشن دلیل کی بناء پر، اور بیشک اللہ بڑا ہی سننے والا، سب کچھ جانتا ہے ۸۳ (اور وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ)

فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ

جب اللہ دکھا رہا تھا آپ کو وہ لوگ آپ کے خواب میں (اے پیغمبر!) کم کر کے، ۸۴ اور اگر کہیں وہ آپ کو انہیں زیادہ کر کے دکھا دیتا،

۸۱ غزوۂ بدر سے متعلق ایک خاص عنایت کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگ باہم عہد و پیمان کرتے تو یقیناً اختلاف میں پڑ جاتے۔ مسلمان اپنی قلت اور بے سروسامانی کی بناء پر لڑنے اور مقابلہ کرنے پر آمادہ نہ ہوتے اور کفار اُس رعب اور ہیبت کی وجہ سے لڑنے کی جرات نہ کرتے جو نبی اکرم -صلی اللہ علیہ وسلم- کی معجزانہ شان اور صحابۂ کرام کی قوتِ ایمانی کی وجہ سے اُن پر حاوی تھی (معارف للکاندھلویؒ ومحاسن للقاسمی وغیرہ)۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس کا موقع ہی نہ آنے دیا اور تم لوگوں کو اس اختلاف سے بچا لیا۔ مسلمانوں کو دشمن کی چالوں سے بھی محفوظ رکھا اور ان کو اپنی خاص راہنمائی میں دشمن کے مقابلے کے لئے ٹھیک وقت پر اُس مقام پر پہنچا دیا جہاں اُن کا پہنچنا ضروری تھا۔ سو یہ حسنِ اتفاق خداوندِ قدوس کی تدبیر و کارسازی ہی کا ایک نمونہ و مظہر تھا، ورنہ تم لوگ اگر ایک دوسرے کو الٹی میٹم دے کر نکلتے تو یقیناً تم اختلاف میں پڑ جاتے اور یہ اجتماع حاصل نہ ہوسکتا - والحمد للہ جل وعلا -

۸۲ قدرت کی کارسازی کا ایک اور مظہر و نمونہ: - کہ قدرت نے اس اختلاف کی نوبت ہی نہ آنے دی، تاکہ اللہ پورا فرما دے ایک ایسے کام کو جس نے بہر حال ہو کر رہنا تھا۔ یعنی اسلام اور مسلمانوں کا غلبہ و سربلندی اور کفر و کفار کی شکست و تذلیل - ﴿لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَكَلِمَةُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى﴾

-(صفوہ، محاسن، جامع وغیرہ)۔ سو اللہ پاک - سبحانہ و تعالیٰ - کے غیبی ہاتھ کی کارستانیاں اسی طرح ہوتی ہیں۔ اس لیے مومن کو چاہیئے کہ وہ اعتماد اور بھروسہ ہمیشہ اُسی وحدہٗ لاشریک پر رکھے کہ یہ سب کچھ اُسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے - سبحانہ و تعالیٰ - بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص تدبیر اور کارسازی سے تم کو اور تمہارے دشمنوں کو اس طرح ایک دوسرے کے سامنے لاکھڑا کیا تاکہ وہ بات ہو کر رہے جس کا ہونا اُس کی سکیم میں طے پاچکا تھا۔ تاکہ غلبۂ حق سب کے سامنے آجائے - فالحمد للہ جل وعلا -

۸۳ یوم فرقان کے بعض اہم مصالح کا ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ جس نے ہلاک ہونا ہو وہ روشن دلیل کی بنا پر ہلاک ہو اور جس نے زندہ رہنا ہو وہ روشن دلیل کی بنا پر زندہ رہے۔ تاکہ حق پوری طرح واضح ہو جائے اور کسی کے لئے کوئی خفا وغموض باقی نہ رہنے پائے۔ اور اس کے بعد نہ کفر و باطل والوں کے لئے کسی عذر و معذرت کی کوئی گنجائش باقی رہے اور نہ اہلِ ایمان و یقین کے لئے کسی شک و اِرتیاب کی۔ اور اسکے بعد جو حق پر قائم و مستقیم ہو وہ پورے اعتماد و وثوق اور پورے شرحِ صدر کے ساتھ قائم رہے۔ اور جس نے ہلاک ہونا ہو اس کا کفر و باطل پر قائم رہنا اور ہلاک ہونا خود اپنی ذمہ داری پر ہو - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو اِس سے اُس خدائی سکیم کے بعض اہم مصالح کو ذکر فرمادیا گیا کہ تاکہ بدر کے اُس معرکہ حق و باطل سے وہ فرقان واضح ہو جائے جس سے حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا پوری طرح نکھر کر سب کے سامنے آجائے۔ اور اس طور پر کہ اس کے بعد کسی کے لیے کوئی مجالِ انکار نہ رہے - والحمد للہ جل وعلا - سو بلاشبہ اللہ بڑا ہی سننے والا سب کچھ جانتا ہے۔ پس وہ جو بھی کچھ کرتا ہے بہتر ہی کرتا ہے - سبحانہ و تعالیٰ فلہ الحمد ولہ الشکر بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ -

۸۴ معرکۂ بدر سے متعلق ایک خاص خواب کا ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب اللہ دشمنوں کو آپ کے رویا میں کم کر کے دکھا رہا تھا:۔ تاکہ اس طرح اہلِ حق کے حوصلے بلند ہوں اور وہ اِن کفار کے مقابلے کے لئے مستعد اور تیار ہو جائیں۔ اور یوں حقیقت نفس الامری کے اعتبار سے وہ لوگ تھے بھی کم اور بہت کم۔ کیونکہ نورِ ایمان اور قوتِ یقین سے محرومی کے باعث اُن کا وجود نہ ہونے کے برابر بلکہ اس سے بھی برا تھا۔ کہ کفار و منکرین تو ﴿ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴾ "بدترین مخلوق" ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو اصل قوت ایمان و یقین کی قوت سے ہے، ورنہ محض ظواہر کا نہ کوئی وزن ہے نہ اعتبار، خواہ وہ کتنے ہی چمکدار کیوں نہ ہوں۔ سو یہ قدرت کی تدبیر و کارستانی اور اُس کی غیبی تائید و نصرت کا ایک اور مظہر تھا جس سے قدرت نے اہلِ حق کو نوازا تھا کہ اُس نے پیغمبر کو ان کے رؤیا میں دشمن کی فوجوں کی تعداد تھوڑی دکھائی۔ اور پیغمبر نے مسلمانوں سے ان کا ذکر ایک قلیل التعداد جماعت ہی کی حیثیت سے کیا۔ بلکہ جیسا کہ اوپر آیت نمبر ۷ میں گزر چکا ہے، ان کو یہ خوشخبری بھی دی کہ دشمنوں کا یہ قلیل التعداد گروہ مسلمانوں سے مغلوب ہو کر رہے گا جس سے ہمتیں اور بڑھ گئیں - والحمد للہ -

وَلَتَنٰزَعۡتُمۡ فِي الۡاَمۡرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ

تو یقیناً تم لوگ (اے نبی کے ساتھیو) ہمت ہار جاتے، اور باہمی جھگڑے میں پڑ جاتے، ۸۵ لیکن اللہ نے اس سے بچا لیا، ۸۶ بے شک

عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۴۳﴾ وَاِذۡ يُرِيۡكُمُوۡهُمۡ اِذِ

وہ پوری طرح جانتا ہے سینوں کے حال کو، ۸۷ اور (وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب اللہ کم کر کے دکھا رہا تھا ان لوگوں کو

۸۵ بدر میں قدرت کی ایک اور عنایت کا ذکر:- کہ اس موقع پر قدرت نے کفار کو مسلمانوں کے سامنے زیادہ کر کے نہیں دکھایا جیسا کہ ظاہری تعداد کے اعتبار سے تھا کہ گنتی اور عدد کے لحاظ سے وہ مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھے۔ سو اگر وہ کفار کو مسلمانوں کے سامنے اس طرح ظاہر کر دیتا تو تم لوگ اے مسلمانو ہمت ہار جاتے اور باہم اختلاف میں پڑ جاتے۔ سو یہ اہلِ بدر کے لئے قدرت کی ایک اور عنایت تھی کہ اُس نے ان کے دشمن زیادہ نہیں دکھائے۔ سو دولتِ ایمان الطاف وعنایاتِ خداوندی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے کہ دونوں لشکروں کے درمیان تعداد کے فرق اور بشری تقاضوں کی بناء پر ایسا ہونا ایک طبعی امر تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسے نہیں کیا۔ اور ایسے امور سے تمہاری حفاظت فرمائی۔ سو ایمان و یقین کی دولت الطاف وعنایاتِ خداوندی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ بنتی ہے۔ سو اللہ تعالیٰ اگر پیغمبر کو دشمن کی فوج زیادہ تعداد میں دکھاتا، جیسا کہ وہ فی الواقع تھے اور پیغمبر اس کو اسی طرح لوگوں کے سامنے بیان کر دیتے تو یقیناً اس سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جاتے اور جنگ کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہو جاتا جس کے نتیجے میں صورتِ حال دگرگوں ہو جاتی۔

۸۶ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی وعنایت کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ لیکن اللہ نے بچا لیا۔ یعنی اس نے مسلمانوں کو اِس صورتِ حال سے اُن کے صدق و اخلاص کی بنا پر۔ سو نہ ان کے ہمت ہارنے کی نوبت آئی اور نہ ہی وہ باہمی اختلاف اور نزاع کا شکار ہوئے۔ سو دولتِ ایمان و یقین حفظ و امانِ خداوندی سے سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ سو اُس نے اہل ایمان کو سلامت رکھا اور اس فشل و کمزوری اور تنازع و اختلاف کا موقع ہی نہ آنے دیا۔ سو ایمان و یقین کی دولت حفظ و امانِ خداوندی سے بہرہ مندی اور سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ فَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ شَرَّفَنَا بِنِعۡمَةِ الۡاِیۡمَان- اَللّٰهُمَّ فَزِدۡ نَا مِنۡهُ وَثَبِّتۡنَا عَلَيۡهِ يَا ذَا الۡجَلَالِ وَالۡاِكۡرَام-

۸۷ اللہ تعالیٰ کے علم و آگہی کا حوالہ و ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ سینوں کے حال کو بھی پوری طرح جانتا ہے۔ اس لئے کوئی بھی بشری کمزوری اُس سے کسی بھی طور مخفی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے وہ اپنے علم و حکمت کے تقاضوں کے مطابق اپنے بندوں سے معاملہ فرماتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- اور ایمان والوں کو وہ اُن کے ایمان و یقین کی بناء پر ایسی کمزوریوں اور لغزشوں سے محفوظ رکھنے کے وسائل و مواقع مہیا فرماتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- یہاں پر یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ یہاں ﴿یُرِیۡکَ﴾، ﴿مَنَامِکَ﴾ اور ﴿اَرٰکَ﴾ سب میں خطاب آنحضرت- صلی اللہ علیہ وسلم- سے ہے کہ رؤیا میں جو کچھ دکھایا گیا وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دکھایا گیا۔ سو پیغمبر اہلِ ایمان کے لئے بمنزلہ آنکھ اور دل کے ہوتا ہے۔ لیکن وہ جو کچھ دیکھتا ہے اس کا تعلق سب سے ہوتا ہے۔ اس وجہ سے جہاں تک دیکھنے کا تعلق ہے اس کو تو آنحضرت- صلی اللہ علیہ وسلم- ہی تک محدود رکھا گیا لیکن اس کے ردِعمل کے ذکر میں تمام مسلمانوں کو شامل کر لیا گیا۔

الْتَقَيْتُمْ فِيٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيٓ اَعْيُنِهِمْ

تمہاری نگاہوں میں ف۸۸ (اے مسلمانو!) جب تمہارا آمنا سامنا ہوا، (معرکۂ بدر میں) اور تم کو کم کر کے دکھا رہا تھا ان کی

لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ

نگاہوں میں، ف۸۹ تا کہ اللہ پورا فرما دے ایک ایسے کام کو جس نے پورا ہو کر رہنا تھا، (اس کے حکم واذن سے) اور اللہ ہی کی

تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً ع۷/۱

طرف لوٹائے جاتے ہیں سب کام، ف۹۰ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تمہارا مقابلہ (دشمن کے) کسی گروہ سے ہو جائے

۸۸ بدر میں قدرت کی تدبیر و کارستانی کا ایک اور مظہر: - کہ کفار کو اہل ایمان کی نگاہوں میں کم دکھایا گیا۔ سو یہ اہل بدر کیلئے ایک اور عنایت خداوندی تھی۔ یعنی کفار کو اہل ایمان کیلئے کم کر کے دکھانا۔ تاکہ اس طرح تمہارے حوصلے بڑھیں۔ جیسا کہ روایات میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے ساتھی سے فرمایا کہ میرے خیال میں یہ کافر تو یہی کچھ ستر کے لگ بھگ ہوں گے۔ تو اس نے جواب میں کہا کہ میرا خیال ہے کہ سو تک ہونگے۔ (الروح، قرطبی، ابن کثیر، صفوۃ اور محاسن وغیرہ)۔ حالانکہ وہ ایک ہزار سے بھی زیادہ تھے۔ یہ اُس غیبی امداد کا ایک اور مظہر تھا، جس سے حضرت حق - جل مجدہ - نے بدر کے اس معرکۂ حق و باطل میں اپنے ان بندگان صدق و صفا کو اپنی شان کرم و عطاء سے نوازا تھا کہ اُس کی صفت و شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ - بہرکیف یہ اہل بدر کے لئے قدرت کی تدبیر و کارستانی اور اُس کی عنایت و مہربانی کا ایک مظہر تھا کہ جب دونوں فوجیں میدان معرکہ میں ایک دوسرے کے سامنے آگئیں تو ابتدائی مرحلہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے لشکر کو مسلمانوں کی نگاہ میں کم کر کے دکھایا اور مسلمانوں کو کفار کی نگاہوں میں کم کر کے دکھایا۔ تاکہ کوئی خوف کھا کر پیچھے نہ ہٹے اور معرکہ بپا ہو کر رہے۔ تاکہ اس سے مطلوب و مقصود نتائج حاصل ہو سکیں۔

۸۹ اور تم کو کم کر کے دکھایا اُن کی نگاہوں میں: - سو یہ اسی تدبیر خداوندی کا حصہ ہے کہ معرکۂ بدر میں مسلمانوں کو کفار کی نظروں میں کم کر کے دکھایا گیا تاکہ وہ دلیر ہو کر مقابلہ اور جنگ کے لئے آگے بڑھیں۔ اور اپنے اُس انجام کو پہنچ کر رہیں جو اُن کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ اور جس کے نتیجے میں اسلام کی حقانیت اور کفر و شرک کے بطلان نے اپنی واضح شکل میں سب کے سامنے آنا تھا۔ جیسا کہ واقعتاً ہوا - والحمد للہ - روایات میں وارد ہے کہ ابوجہل اینڈ کمپنی نے مسلمانوں کی تعداد کی اس کمی کو دیکھ کر کہا "اِنَّ مُحَمَّدًا وَ اَصْحَابَهٗ اَكَلَةُ جَزُوْرٍ" کہ محمد اور اس کے ساتھیوں کی تعداد تو بس اتنی ہے کہ ان کے کھانے کے لئے ایک ہی اونٹ کافی ہے۔ یہ دراصل عربی زبان کی ایک ضرب المثل تھی جو کسی گروہ کی تعداد کی کمی کو بیان کرنے کے لئے بولی جاتی تھی۔ اور اسی بناء پر ان لوگوں نے اپنے فخر و غرور کے نشے میں بدمست ہو کر مزید کہا کہ ان لوگوں سے تو لڑنے اور مقابلے کرنے کی بھی ضرورت نہیں، بلکہ ان کو یونہی پکڑ کر مشکیں کس دی جائیں۔ (طبری، قرطبی، ابن کثیر،

محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر اور معارف وغیرہ)۔ مگر واضح رہے کہ کفار کی نگاہوں میں مسلمانوں کو تھوڑا کر کے دکھانے کی یہ بات ابتدائے معرکہ میں ہوئی تھی تاکہ وہ پیچھے نہ ہٹیں۔ ورنہ بعد میں جب معرکہ شروع ہو گیا اور مسلمانوں کی مدد کے لئے آسمان سے فرشتوں کی فوج بھی اتر آئی تو پھر یہ صورت اس کے برعکس ہو گئی کہ اُس موقع پر کافروں کو مسلمان اپنے سے دوگنی تعداد میں نظر آنے لگے۔ جیسا کہ سورۂ آلِ عمران کی گیارہویں آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ﴾ تاکہ اس طرح کفار کے حوصلے پست ہوں اور وہ مسلمانوں کے مقابلے میں رعب و ہیبت کا شکار ہو جائیں۔ جس طرح کہ واقعتاً ہوا۔ سو یہ نصرت و تائید خداوندی کا ایک اور مظہر تھا جس سے بدر کے اس معرکے اور فیصلے کے اس دن میں مسلمانوں کو قدرت کی طرف سے نوازا گیا۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ سو اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد کی شانیں مختلف ہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۹۰ سب کاموں کا رجوع اللہ ہی کی طرف: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سارے کام۔ پس ہوتا وہی ہے جو اُس وحدہٗ لاشریک کو منظور ہوتا ہے۔ وہ اگر چاہے تو قلت کو کثرت پر فوقیت اور غلبہ عطا فرمادے اور ضعف کو قوت پر غالب فرمادے کہ سب کچھ اُسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں اور اُسی کی مشیت و منظوری کے تابع ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اسی لیے مومنِ صادق کا کام اور اُس کی شان یہ ہے کہ اُس کا بھروسہ و اعتماد اللہ وحدہٗ لاشریک ہی پر رہے۔ پس نہ تو وہ کبھی اپنے اسباب و وسائل پر بھروسہ کرے خواہ وہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں اور نہ ہی کبھی دشمن کے اسباب و وسائل سے ڈرے اور خوفزدہ ہو خواہ وہ کیسے اور کتنے ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ دار و مدار اسباب و وسائل پر نہیں بلکہ اسباب و وسائل کے خالق و مالک کی نصرت و امداد پر ہے۔ اس لیے مومنِ صادق کی توجہ ہمیشہ اِس بات پر مرکوز رہے کہ میں اللہ والا بن جاؤں تاکہ اسکی نصرت و اِمداد سے مشرف ہو سکوں۔ اسکے بعد مجھے کسی کی کوئی پرواہ نہیں۔ بہرکیف اِس اِرشاد سے اِس حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ سارے کاموں اور جملہ معاملات کا سررشتہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ کم دکھانا اور زیادہ دکھانا، جتانا اور ہرانا، بڑھانا یا گھٹانا وغیرہ وغیرہ۔ سو جو بھی کچھ ہوتا ہے وہ اسی وحدہٗ لاشریک کی طرف سے ہوتا ہے۔ آدمی کا کام یہ ہے کہ وہ اپنا فرض ادا کرے اور اپنی ذمہ داری صحیح طرح سے نبھائے۔ اس کے بعد سب کچھ اُسی قادرِ مطلق پر چھوڑ دے اور اس غلط فہمی میں کبھی بھی مبتلا نہ ہو کہ وہ خدا سے بے نیاز ہو کر کچھ بنا یا بگاڑ سکتا ہے اللہ تعالیٰ فکر و نظر اور عمل و کردار کے ہر زیغ و ضلال اور انحراف سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔ اَللّٰهُمَّ فَخُذْنَا بِنَوَاصِيْنَآ اِلٰى مَا فِيْهِ حُبُّكَ وَرِضَاكَ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ وَفِىْ كُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ فِى الْحَيَاةِ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔

فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾

تو تم ثابت قدم رہا کرو، ۹۱ اور بکثرت یاد کیا کرو اللہ کو، ۹۲ تاکہ تم سرفراز ہوسکو فلاح (اور حقیقی کامیابی) سے، ۹۳

۹۱ اہلِ ایمان کو ثبات اور استقامت کا حکم وارشاد:- سو اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ ثابت قدم رہو دشمن کے مقابلے میں اور راہِ حق وصواب پر۔ اور اس سے گریز وفرار کا کبھی خیال بھی اپنے دل میں نہ لانا کہ تمہارا راستہ بہر حال حق اور تمہارا انجام بہر کیف فوز وفلاح ہے کہ انجامِ کار کامیابی انہی لوگوں کیلئے ہے جو ایمان اور تقوی کی دولت سے سرشار وسرفراز ہیں۔ سو دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے پر تم کو سربلندی اور فائز المرامی سے نوازا جائے گا- وباللہ التوفیق- اور راہِ حق میں ثابت قدمی اس لئے ضروری ہے کہ اللہ پاک کی نصرت وامداد ہمیشہ اسباب کے پردوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ دنیا بندوں کے لئے امتحان گاہ ہے۔ جب بندے اپنی صلاحیت کا ثبوت دیتے ہیں اور راہِ حق میں اپنی استقامت اور ثابت قدمی کے جوہر دکھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی نصرت وامداد ان کے لئے ظاہر ہوتی ہے- وَبِاللّٰهِ التوفیق- اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق وصواب پر مستقیم اور ثابت قدم رکھے اور ہر قسم کے زیغ وزلل سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین ثم آمین۔

۹۲ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے کا حکم وارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہا کرو کہ اس کی یادِ دلشاد روحوں کی غذا اور دلوں کی قوت وآبادی کا سامان ہے۔ سو ہر حال میں اور ہر طرح سے اُس کے ذکر اور اُس کی یادِ دلشاد سے سرشار وسرفراز اور شاد کام رہو۔ جنان ولسان سے بھی اور جوارح وارکان سے بھی۔ سو اللہ کا ذکر اور اُسکی یاد سرفرازی و فائز المرامی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ خاص کر میدانِ معرکہ اور حالت جنگ میں- وباللہ التوفیق- سو شجرِ ایمان کی سرسبزی وشادابی ذکرِ الٰہی کی جھڑی ہی سے حاصل ہوتی ہے اور ذکرِ الٰہی یوں تو سانس کی طرح ایمانی زندگی کے لئے ہر لمحہ ولحظہ ہی میں ضروری ہے لیکن حالات جب زیادہ صبر آزما ہوں تو اُس وقت ذکرِ الٰہی اور بھی زیادہ مقدار میں مطلوب ہوتا ہے۔ اِس لئے جنگ کی حالت میں ذکر کی کثرت کا حکم وارشاد فرمایا گیا۔ تاکہ اس کے نتیجے میں اس کی نصرت وامداد سے سرشاری وسرفرازی نصیب ہو سکے۔ سو اس وحدہٗ لاشریک کی یادِ دلشاد دلوں کی آبادی اور ان کی شادابی کا ذریعہ و وسیلہ ہے جبکہ اس سے غفلت ولاپرواہی دلوں کی ویرانی اور ان کی اجاڑ کا باعث ہے۔ اور خدا فراموشی کا نتیجہ خود فراموشی ہے- والعیاذ باللہ- جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا- ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾- (الحشر: ۱۹) یعنی "تم ان لوگوں کی طرح نہیں ہو جانا جو اللہ کو بھول گئے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو خود اپنے آپ سے غافل کر دیا۔ یعنی خدا فراموشی کا لازمی نتیجہ خود فراموشی ہے اور ظاہر ہے کہ خود فراموشی بڑا ہولناک خسارہ ہے- والعیاذ باللہ العظیم-

۹۳ ذکرِ خداوندی اور یادِ الٰہی باعثِ سرفرازی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ کثرت سے اللہ کو یاد کرو تاکہ تم حقیقی فوز و فلاح سے سرفراز ہوسکو کہ اُسکی یادِ دلشاد سے تمہارے دلوں کو قوت ملے گی۔ تمہارے حوصلے بلند ہونگے اور تمہیں اُسکی نصرت و اِمداد سے سرفرازی نصیب ہوگی۔ جسکے بعد تمہارے لیے کامیابی ہی کامیابی ہے اور اس طرح تم لوگ حقیقی فوز وفلاح سے سرفراز و سرشار ہوسکو گے- وباللہ التوفیق- سو ذکرِ الٰہی فوز وفلاح سے سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ اور "فلاح" ایک جامع لفظ ہے جو کہ دنیا و آخرت کی کامیابی پر محیط ومشتمل ہے۔ سو مجرد غلبہ تو ہوسکتا ہے کہ ذکرِ الٰہی کے بغیر بھی حاصل ہو جائے لیکن وہ فلاح کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ فلاح اُسی غلبہ سے حاصل ہوگی جس کا دروازہ ذکرِ الٰہی کی مدد سے کھلے۔ یہاں سے اس بارے بھی غور کیا جائے کہ ذکر اللہ کی عظمتِ شان اور اس کے تقاضے کیا ہیں اور آج کا مسلمان غفلت کے کس ہاویے میں گرا ہوا ہے- والعیاذ باللہ-

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ

اور دل و جان سے کہا مانا کرو تم لوگ اللہ کا، اور اس کے رسول کا، ف۹۴ اور آپس میں جھگڑا (اور اختلاف) نہ کیا کرو کہ اس سے

تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۚ﴿۴۶﴾

تم کمزور ہو جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، ف۹۵ اور صبر (وضبط) سے ہی کام لیتے رہا کرو، ف۹۶ بے شک اللہ صبر کرنے والوں

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ

کے ساتھ ہے، ف۹۷ اور کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہیں ہو جانا، جو نکلے اپنے گھروں سے

۹۴ اطاعت خدا ورسول کا حکم وارشاد:- سو اس سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم وارشاد فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور کہا مانو تم لوگ اللہ اور اُسکے رسول کا:۔ اور رضا و رغبت اور دل کی خوشی اور چاہت سے مانو کہ اِس میں خود تمہارا اپنا ہی بھلا ہے کہ اِس سے تم کو اِس دارِفانی میں سکون و اطمینان اور راحتِ قلبی کی سعادت اور حیاتِ طیبہ کی انمول دولت نصیب ہوگی۔ اور آخرت کے اُس جہانِ ابدی میں حقیقی اور دائمی کامیابی سے سرفرازی بھی- وباللہ التوفیق- اور اس ضمن میں عمومی اطاعت کے ساتھ ساتھ خاص طور پر دشمن کے مقابلے میں کامل نظم ونسق اور ڈسپلن کا ثبوت دو- وباللہ التوفیق- بہرکیف اس سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم وارشاد فرمایا گیا ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کے دو منفرد پہلو ایسے ہیں کہ ان کی بناء پر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری صدقِ دل سے اور غیر مشروط طور پر مطلوب ہے۔ اور یہ عقل ونقل دونوں کا تقاضا ہے۔ ان دو پہلوؤں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا جو بھی کوئی حکم وارشاد ہوتا ہے وہ خالص بندوں ہی کے بھلے کے لیے ہوتا ہے۔ اور بھلا بھی ایسا جو دنیا وآخرت دونوں کو شامل ہے۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے کسی حکم وارشاد میں کسی خطا وقصور کا قطعاً کوئی احتمال نہیں ہوتا۔ وہ سراسر خیر ہی خیر ہوتا ہے۔ اور یہ شان اللہ اور اس کے رسول کے سوا اور کسی کے حکم کی ہوسکتی ہی نہیں۔ اس لیے باقی ہر کسی کی اطاعت مشروط ہے مگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت مطلق اور بغیر کسی شرط وقید کے مطلوب ہے کہ وہ سراسر خیر ہے- وباللہ التوفیق-

۹۵ باہمی نزاع وجدال کی ممانعت:- سو اس سے باہمی نزاع وجدال کی ممانعت فرما دی گئی ہے اور اس ضمن میں یہ بھی واضح فرما دیا گیا کہ آپس کے نزاع وجدال کا نقصان خود اپنے آپ ہی کو ہوتا ہے- والعیاذ باللہ- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ آپس میں جھگڑا اور اختلاف نہیں کرنا کہ اس کے نتیجے میں تم کمزور ہو جاؤ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے۔ سو معلوم ہوا کہ باہمی نزاع اور جدال وخلاف اپنی کمزوری کا باعث ہے۔ مگر افسوس کہ آج مسلمان اِسی مرض میں مبتلا اور اِسی بیماری کا شکار ہیں۔ اور ان میں جا بجا اور طرح طرح سے اِس کے مظاہر نظر آتے ہیں، جسکے نتیجے میں یہ طرح طرح کی ہلاکتوں اور مشکلات کا شکار ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- بہرکیف اِرشاد

فرمایا گیا کہ آپس میں اختلاف نہیں کرنا کہ اس کے نتیجے میں تم کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی لیکن افسوس کہ آج مسلمان جگہ جگہ آپس میں برسرِ پیکار ہیں۔ ملکوں ملکوں کے درمیان اور قبیلوں اور پارٹیوں کے درمیان سر پھٹول ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۹۶ صبر و ضبط سے کام لینے کی تعلیم و تلقین: سو حکم و ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ صبر و ضبط ہی سے کام لیتے رہا کرو۔ اور راہِ حق میں خواہ تم کو کیسے ہی صبر آزما حالات کا سامنا پیش آئے، اُس سے کبھی ہلنا نہیں کہ سربلندی بہرحال تمہاری ہی ہے۔ اور غلبہ آخرِ کار حق ہی کا ہے کہ صبر وسیلہ ظفر ہے۔ چنانچہ اسی صبر و استقامت اور اِطاعت و ثابت قدمی کا نتیجہ تھا کہ صحابۂ کرام تعداد کی قلت اور سامانِ حرب و ضرب کی کمی کے باوجود تھوڑے سے عرصے میں چاروں طرف پھیل گئے اور اسلام کا جھنڈا ہر طرف لہرا دیا۔ (قال بہ ابن کثیر)۔ بہرکیف اس میں صبر و ثبات کا حکم فرمایا گیا اور وہی بات جو اوپر ﴿فَاثْبُتُوْا﴾ "تم ثابت قدم رہو" کے الفاظ سے ارشاد فرمائی گئی تھی اس کو یہاں پر ﴿فَاصْبِرُوْا﴾ کے الفاظ سے اِرشاد فرمایا گیا۔ سو صبر و ضبط اور استقامت و ثابت قدمی کی راہِ حق میں خاص اہمیت ہے۔ اللہ نصیب فرمائے اور ہمیشہ اس سے سرشار رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۹۷ اللہ تعالیٰ کی معیت کا مژدۂ جانفزا: سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے۔ اپنی تائید و نصرت اور حمایت و مدد کے اعتبار سے۔ اور جس کو اُس کی نصرت و معیت کا یہ شرف و امتیاز حاصل ہو اُس کو کسی کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ پس صبر و استقامت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دینا اور اُس خالقِ کل اور مالکِ مطلق کے ساتھ اپنا رشتہ و تعلق ہمیشہ صحیح اور مستحکم رکھو کہ سب کچھ اُسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سو اسکی تائید و نصرت سے سرفرازی فوز و فلاح کی کفیل و ضامن ہے، جسکے حصول کا بڑا اہم اور بنیادی ذریعہ صبر و استقامت ہے۔ پس اس کو ہمیشہ اپنائے رکھنے کی فکر و کوشش میں رہنا۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف اِس اِرشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد سے سرفراز ہونا چاہتے ہو تو اپنے اندر جماعتی کردار اور نظم و نسق سے اس کا استحقاق پیدا کرو۔ خداوندِ قدوس منتشر اور غیر منظم بھیڑ کا ساتھ نہیں دیتا، بلکہ اس کی نصرت و اِمداد ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو اُس کی راہ میں جہاد کے لئے "بنیان مرصوص" بن کر کھڑے ہوتے ہیں۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وَعَلٰی مَا یُحِبُّ وَیُرِیْد۔ وَھُوَ الْھَادِیْ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ کی معیت اور اس کی تائید و نصرت سے سرفرازی کے لیے صبر و استقامت کی ضرورت ہے۔

بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

اتراتے ہوئے، اور لوگوں کو دکھلانے کے لئے، ف۹۸ درآنحالیکہ وہ روکتے ہیں اللہ کی

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾ وَاِذْ زَيَّنَ

راہ سے، ف۹۹ اور اللہ پوری طرح احاطہ کئے ہوئے ہے ان تمام کاموں کا جو یہ لوگ کر رہے ہیں، ف۱۰۰ اور (ان کو وہ بھی بتادو کہ) جب

لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ

شیطان نے خوشنما کر کے دکھائے ان (کفار) کو ان کے کام، ف۱۰۱ اور اس نے (ان کو تھپکی دیتے ہوئے، ان سے) کہا کہ

۹۸ کفار کی روش سے بچنے کے لئے تنبیہ و تذکیر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم ان لوگوں کی طرح نہیں ہو جانا جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور دکھلاوا کرتے ہوئے نکلے تھے جیسا کہ کفارِ قریش اور مشرکینِ مکہ نکلے تھے، جو کہ اپنے فخر و غرور کے نشے میں چور اور بدمست و مخمور تھے۔ روایات میں ہے کہ جب کفارِ قریش کا قافلہ سلامتی کے ساتھ نکل گیا اور وہ لوگ مسلمانوں کی زد سے بچ گئے تو امیرِ قافلہ ابوسفیان بن حرب نے لشکرِ کفار کی طرف پیغام بھیجا کہ چونکہ ہم سلامتی کے ساتھ نکل آئے ہیں، اس لیے اب لڑنے بھڑنے اور جنگ و جدال کی کوئی ضرورت نہیں۔ لہٰذا آپ سب لوگ اب واپس چلے جائیں۔ تو اس کے جواب میں ابوجہل اینڈ کمپنی نے نہایت تکبر کے ساتھ کہا کہ نہیں اب تو ہم بدر میں ضرور جائیں گے۔ اور وہاں جا کر اپنی فتح کا جشن منائیں گے تا کہ ہماری بہادری کے گیت گائے جائیں اور پورے جزیرہ نمائے عرب میں ہماری دھاک بیٹھ جائے۔ تاکہ آئندہ کوئی ہماری طرف آنکھ اٹھانے کی بھی جرأت نہ کر سکے۔ پھر اس تکبر کا جو انجام ہوا وہ دنیا نے دیکھا کہ ان لوگوں کو شراب کی بجائے موت کے پیالے پینے پڑے۔ اور رقاصاؤں کے رقص و سرود کی بجائے ان پر نوحہ کرنے والیوں نے نوحے کئے۔ اور عربوں پر دھاک بٹھانے کی بجائے انکی کمر ٹوٹ گئی۔ اُن کا غرور خاک میں مل گیا۔ یہ خود مٹ گئے اور ہمیشہ کے لئے نمونۂ عبرت بن گئے۔ سو کبر و غرور کا انجام بڑا ہی برا اور عبرتناک ہوتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے ہر شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ کے سائے میں رکھے۔ آمین۔

۹۹ کفار کے دوہرے جرم کے ارتکاب کا ذکر و بیان:- سو اس سے ان کفار کے دوہرے جرم کے ارتکاب کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے کہ ایک طرف تو یہ بدبخت پیغامِ حق و ہدایت سے منہ موڑ کر خود کفر و شرک کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں اور دوسری طرف یہ دوسروں کو بھی راہِ حق و ہدایت سے روکتے ہیں۔ اور اس طرح ایسے بدبخت لوگ نورِ حق و ہدایت سے خود محروم ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اُس سے محروم کرنے کے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور اس طرح یہ لوگ ضلال اور اِضلال کے دوہرے جرم و گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اپنے گھروں سے اِس جوش و خروش اور طمطراق کے

ساتھ ان بدبختوں کے نکلنے کا اصل مقصد اللہ کے بندوں کو اللہ کی راہ سے روکنا تھا۔ لیکن ان مت کے مارے ہوؤں کو اس کا علم نہیں تھا کہ یہ چیز ان کے بس کا روگ نہیں۔ اور آسمان پر تھوکا انسان کے اپنے ہی منہ پر آ لگتا ہے۔ سو اس طرح ایسے لوگ دینِ حق کا تو کچھ نہیں بگاڑیں گے لیکن اپنی محرومی اور سیاہ بختی کے داغ کو ضرور پکا اور گہرا کریں گے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ اللہ تعالیٰ ہر شر اور فتنہ سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۰۰ اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم و قدرت کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا اور اللہ پوری پوری طرح احاطہ کیے ہوئے ہے ان کے سب کاموں کا۔ یعنی اپنے علم اور قدرت کے اعتبار سے۔ پس نہ تو ان کا کوئی عمل اور اسکی کوئی کیفیت اس کے اِحاطہ علم سے باہر ہو سکتی ہے اور نہ ہی یہ اُس کی گرفت و پکڑ سے کسی طرح نکل سکتے ہیں۔ اور نہ ہی ایسے لوگ اپنی حرکتوں سے اسلام کا راستہ روکنے اور اُسکے نور کو بجھانے کی کوششوں میں کبھی کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں ان کو جو ڈھیل اور چھوٹ ملی ہوئی ہے وہ بھی ایک خاص مدت تک ہے اور بس کہ ان کا کوئی بھی عمل اُس قادرِ مطلق کے اِحاطہ علم و قدرت سے باہر نہیں ہو سکتا۔ سو ان عقل کے اندھوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ انسان خواہ کتنی ہی وسعت کے ساتھ اپنا جال پھیلائے اور اپنی ترکتازیوں کے کتنے ہی جوہر دکھائے اور مظاہرے کرے، اُس کی ہر چیز ہر وقت اور ہر حال میں خداوندِ قدوس کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ اس لئے ہوگا وہی جو اس کو منظور ہوگا۔ اور ان کو چھوٹ اسی حد تک ملے گی جو اُس کی مشیت کے ماتحت ہوگی اور بس۔ کہ وہ وحدہٗ لاشریک ان کے سب کاموں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۱۰۱ اہلِ کفر کیلئے ابلیسِ لعین کی تزیین کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ شیطان نے ان کے کام ان کے لیے خوشنما بنا دیے کہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف جو کچھ تم کر رہے ہو وہی ٹھیک ہے۔ اور اس طرح اُس لعین نے اِن اشرار کی نظروں میں ان کے اسبابِ ہلاکت و تباہی کو اسبابِ فتح و نصرت کی شکل میں دکھایا۔ یہاں تک کہ اس نے ان کو دائمی ہلاکت اور تباہی کے گڑھے میں پہنچا کر چھوڑا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ اور یہی اس عدو مبین کا وہ بڑا مہلک ہتھیار ہے جس کے ذریعے وہ لوگوں کو ابدی ہلاکت اور تباہی کے راستوں پر ڈال دیتا ہے۔ اور اس کے ذریعے وہ قوموں کو بھی ہلاک کرتا ہے اور اشخاص و افراد کو بھی۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ اہلِ کفر و باطل اور اَصحابِ شرک و بدعت اور جملہ اہلِ زیغ و ضلال اُس لعین کے اِسی ہتھیار کا شکار ہو کر ہلاکت و تباہی کے ہولناک گڑھے کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ بہرکیف اِس اِرشاد سے واضح فرمایا گیا کہ شیطان جس کا کام ہی اہلِ باطل کو حق اور اہلِ حق کے خلاف ابھارنا اور اکسانا ہے، اُس نے اِس موقع پر اِن کفار و مشرکین کو بھی خوب ابھارا اور اکسایا۔ اور اُن کو پٹی پڑھائی کہ شاباش آگے بڑھو۔ تم لوگ ایسے اور ایسے۔ بھلا تمہارا مقابلہ کون کر سکتا ہے اور تمہارے سامنے آنے اور کھڑا ہونے کی ہمت و جرات کس میں ہو سکتی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَاءَتِ

آج تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا، اور میں تمہارا ایک حمایتی ہوں، ۱۰۲ مگر جب آمنا سامنا ہوا (حق و باطل کے)

۱۰۲ تسویل و تزیین شیطان کے ایک نمونے اور مظہر کا ذکر و بیان:- کہ اس نے اہلِ کفر کو تسلی دی کہ میں تمہارا حمایتی ہوں۔ پس کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس لیے نہ تم ڈرو نہ کسی طرح کا فکر و اندیشہ کرو۔ روایات میں وارد ہے کہ جب کفارِ قریش مکہ سے بدر کی طرف روانہ ہونے لگے تو ان کو بنو کنانہ کی طرف سے جو خوف لاحق تھا اس کی بناء پر یہ لوگ سخت پس و پیش میں مبتلا تھے۔ کیونکہ انہوں نے بنو کنانہ کا ایک آدمی مارا ہوا تھا جس کی بناء پر ان کو یہ خوف لاحق تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری غیر موجودگی میں وہ لوگ موقع پا کر پیچھے ہمارے گھروں پر حملہ کر دیں اور ہماری عورتوں اور بچوں کو نشانہ ظلم وستم بنالیں۔ تو یہ لوگ اسی شش و پنج اور پس و پیش میں تھے کہ ابلیسِ لعین بنو کنانہ کے سردار سراقہ بن مالک کی شکل میں اُن کے پاس آ پہنچا۔ تا کہ اُن کی ڈھارس بندھا کر اُن کو حق اور اہلِ حق کے مقابلے میں خروج کے لئے تیار کرے۔ سو اُس نے اُن کو اطمینان اور تسلی دیتے ہوئے کہا کہ تم لوگ بنو کنانہ کی طرف سے کسی حملے کی کوئی فکر و پرواہ مت کرو۔ ان کا ذمہ دار میں ہوں۔ اور میں ہر طرح سے تمہارا حامی اور حمایتی ہوں۔ اور بعض رویات میں ہے کہ اِس موقع پر اس کے ہاتھ میں جھنڈا بھی تھا اور جنگجو جوانوں کا ایک دستہ بھی۔ اور اس نے کہا کہ یہ دستہ تمہاری حمایت و امداد کے لئے میری طرف سے پیش ہے۔ اس پر کفارِ قریش بنو کنانہ کی طرف سے مطمئن ہو گئے اور سراقہ بن مالک کی اِس یقین دہانی اور پیشکش سے وہ بہت خوش ہوئے۔ اور اسکے نتیجے میں وہ معرکہ بدر میں پہنچ گئے۔ مگر وہاں عین معرکے میں ابلیس ہاتھ جھٹک کر ان سے بھاگ گیا اور کہا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم کو نظر نہیں آ رہا۔ اپنے اس دوست کے اس طرح بھاگ جانے سے کفار کے حوصلے اور پست ہو گئے اور ان کی تذلیل میں اور اضافہ ہو گیا۔ اور اس طرح اس لعین کی یہ چال بھی اہلِ حق کے لئے سودمند ثابت ہوئی۔ چنانچہ اس کے بعد کفار نے کہا کہ ہماری اس شکست کا اصل ذمہ دار سراقہ بن مالک ہے۔ بعد میں جب ان کفار نے مکہ مکرمہ واپس پہنچنے پر سراقہ بن مالک سے اس بات کی شکایت کی کہ تم نے ہمیں عین معرکہ میں دھوکہ دے کر ایسی ذلت آمیز اور رسوا کن شکست سے دو چار کیا تو اس نے قسمیں اٹھا اٹھا کر اس کی تردید کی اور کہا کہ مجھے تو تمہاری شکست کا پتہ ہی اس وقت چلا جب کہ تم لوگ واپس مکہ پہنچ گئے۔ تب ان لوگوں پر یہ بات کھلی کہ یہ سب کچھ شیطٰن ہی کی طرف سے تھا۔ سو اس آیتِ کریمہ میں ابلیسِ لعین کے اِسی کردار کو بیان فرمایا گیا ہے۔ اور شیطٰن کا طریقۂ واردات یہی ہوتا ہے کہ وہ پہلے اکسا بھڑکا کر اور طرح طرح سے سبز باغ دکھلا کر انسان کو پھانستا ہے۔ اور پھر اُس کو ہلاکت و تباہی کے گڑھے میں دھکیلنے کے بعد اُس سے براءت کا اعلان کر کے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ (طبری، قرطبی، مراغیؒ، محاسن التاویل، ابنِ کثیر، جامع البیان اور معارف وغیرہ)۔ سو یہ شیطان کی اسی تزیین و تسویل کا ایک نمونہ و مظہر ہے جس کا ذکر اس آیتِ کریمہ میں فرمایا گیا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ وَ شَرِّهٖ وَمَكْرِهٖ وَخُدَاعِهٖ بكل حال من الاحوال و فی كل موطن من المواطن فی الحياة۔

الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ

ان دونوں لشکروں کا، تو یہ الٹے پاؤں پھر گیا، اور (ان سے صاف) کہہ دیا کہ میرا تم سے

مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ط

کوئی واسطہ نہیں، میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آرہا، ۱۰۳ میں ڈرتا ہوں اللہ سے،

وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ع ﴿٤٨﴾ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ ع

اور اللہ بڑا ہی سخت عذاب دینے والا ہے ۱۰۴ (اور وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب کہہ رہے تھے منافق اور وہ لوگ جن

۱۰۳ نزولِ ملائکہ اور شیطان کا خوف: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو شیطان وہاں سے دم دبا کر بھاگ گیا اور کفار سے کہا کہ میں تم لوگوں سے بری ہوں۔ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آرہا۔ میں تو یقیناً اللہ سے ڈرتا ہوں۔ یعنی فرشتوں کے وہ لشکر جو مسلمانوں کی مدد کے لئے آسمان سے اتر رہے ہیں، جیسا کہ مؤطا امام مالکؒ کی ایک روایت میں بھی مرسلاً مذکور ہے۔ (مؤطا کتاب الحج، ابنِ کثیر، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ چنانچہ مؤطا کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ شیطان کبھی اتنا ذلیل وخوار اور اس قدر حقیر و بدحال اور غضبناک نہیں دیکھا گیا جتنا کہ وہ عرفہ کے دن میں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس روز وہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کیسی رحمت اہلِ عرفہ پر نازل ہو رہی ہے اور کس طرح ان کے بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرمایا جا رہا ہے۔ سوائے اس کے کہ اس کا جو حال بدر کے موقع پر ہوا تھا کہ اُس روز اُس نے دیکھا کہ آسمان سے فرشتے اہلِ ایمان کی مدد کیلئے اتر رہے ہیں اور جبریل امین انکی صف بندی فرما رہے ہیں۔ سو صدقِ ایمان ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ اسکی بناء پر انسان اللہ تعالیٰ کی ایسی عظیم الشان نعمتوں سے سرفراز ہوتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ زِدْنَا مِنْهُ وَثَبِّتْنَا عَلَيْهِ۔

۱۰۴ ابلیس کی دروغ گوئی اور دھوکہ دہی کا ایک مظہر و نمونہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس نے اس موقع پر کہا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ بڑا ہی سخت عذاب دینے والا ہے۔ سو اس نے دھوکہ دہی کے لیے کہا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ یعنی میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے آخرت سے پہلے اس دنیا میں ہی کہیں عذاب میں نہ پکڑ لے کہ وہ بڑا ہی سخت عذاب دینے والا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ (محاسن، صفوہ، معارف، وغیرہ)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ اُس لعین نے جھوٹ بولا تھا۔ ورنہ فی الواقع اُس نے اللہ کے خوف سے ایسے نہیں کیا تھا بلکہ اسکی عادت اور خصلت یہی ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں کو اسی طرح دھوکہ دیکر ہلاکت کے گڑھے میں ڈالتا ہے اور پھر ان سے علیحدہ اور کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ (النساء: ۱۲۰)۔ یعنی "شیطان ان سے جھوٹے وعدے کرتا اور ان کو جھوٹی امیدیں دلاتا ہے اور شیطان کے ان سے وعدے جھوٹ اور دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہوتے"۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰۤؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ ط

کے دلوں میں روگ تھا (شک وارتیاب کا) کہ دھوکے میں ڈال رکھا ہے ان (مسلمانوں) کو ان کے دین نے، ۱۰۵ حالانکہ جو

وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۴۹﴾

(صحیح معنوں میں) بھروسہ رکھتا ہے اللہ پر، تو (اس کے لئے ناکامی ہے ہی نہیں، ۱۰۶ کہ) بے شک اللہ بڑا ہی زبردست،

وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَةُ

نہایت ہی حکمت والا ہے، ۱۰۷ اور اگر تم دیکھ لو (حال اس وقت کا) کہ جب فرشتے جان قبض کرتے ہیں کافروں کی، اور وہ

یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ج وَذُوْقُوْا

ضربیں لگا رہے ہوتے ہیں ان کے چہروں، اور ان کی پیٹھوں پر، ۱۰۸ اور (ان سے کہہ رہے ہوتے ہیں کہ لو اب) چکھو تم مزہ

۱۰۵ اہل کفر و باطل کا اہل ایمان پر طنز و تشنیع: - کہ ان کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے جو اس بے سروسامانی کے باوجود اتنی بڑی تعداد کے اور اس قدر مسلح دشمن کے مقابلے میں اس دیدہ دلیری سے نکل رہے ہیں۔ اور اِن کفار و اَشرار کا وطیرہ ہمیشہ یہی رہا جو کہ نورِ ایمان سے محروم اور قوتِ صدق و یقین سے بے خبر ہوتے ہیں کہ وہ اہلِ حق کے بارے میں ہمیشہ اسی طرح کی یاوہ گوئی کرتے ہیں۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی ان کا یہی حال ہے۔ اور ایسے لوگ اہلِ حق پر اس طرح کے طنز کرتے ہیں کہ- اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو- وغیرہ۔ حالانکہ ایمان و یقین اور توکل علی اللہ کی قوت ایسی زبردست قوت ہے جس کے سامنے ظاہری اور مادی قوت کی کوئی حقیقت اور حیثیت ہی نہیں۔ اور قدرت کی طرف سے اس کے مظاہر جا بجا اور طرح طرح سے دکھائے جاتے ہیں۔ پہلے بھی اور آج بھی۔ اور آج اس کی تازہ مثال افغانستان میں بپا ہونیوالی حرکت طالبان کی صورت میں دنیا کے سامنے موجود ہے جس نے تھوڑے سے عرصے میں اپنے مخالفین پر ایسی عظیم الشان فتوحات اور کامیابیاں حاصل کی ہیں کہ ایک دنیا کو انہوں نے ورطہ حیرت میں ڈال دیا اور تمام مادہ پرست لوگ حیران ہیں کہ یہ سب کچھ کیسے ہوگیا۔ مگر ایمان و یقین کی قوت کو سمجھنے سے ایسے لوگ پھر بھی قاصر ہیں- اِلَّا ماشاء اللہ- سو ایمان و یقین کی قوت بہت بڑی اور نہایت عظیم الشان اور بے مثال قوت ہے- اللہ نصیب فرمائے اور راہِ حق پر ہمیشہ ثابت قدم رکھے اور ہمیشہ اپنی رحمت وعنایت اور حفاظت و پناہ میں رکھے- آمین ثم آمین- یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ-

۱۰۶ اللہ پر بھروسہ کامیابی کی شاہِ کلید- وباللہ التوفیق: - سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جو اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اُن کیلئے ناکامی ہے ہی نہیں۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ سو ایسے لوگوں کو اگر ظاہری کامیابی مل گئی تو بھی وہ جیتے ہوئے ہیں کہ فاتح ومنصور اور فائز المرام ہوگئے۔ اور ظاہری طور پر اگر کسی معرکے میں

معروف معنوں میں کامیابی نہ بھی ہوئی تو بھی وہ محروم نہیں بلکہ شہادت کا شرف حاصل ہوگا جو کہ درحقیقت حیاتِ جاودانی اور سدا بہار نعمتوں سے سرفرازی کا مژدہ ہے۔ یا پھر وہ اجر و ثواب کے ساتھ زندہ وسلامت واپس لوٹے گا۔ سو مومنِ صادق کے لئے ناکامی و نامرادی کسی صورت میں ہے ہی نہیں۔ اس کو نعمت ملے تو بھی خیر اور تکلیف پہنچے تو بھی خیر۔ اور یہ شان مومن کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں ہوسکتی جیسا کہ صادق و مصدوق حضرت نبیٔ معصوم۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ نے اِرشاد فرمایا ہے۔ سو توکل علی اللہ مومن کیلئے ایک عظیم الشان سرمایہ اور جلیل القدر دولت ہے جسکے بعد اسکے لیے ہر حالت خیر ہی خیر ہے۔ اللہ نصیب فرمائے اور ہمیشہ راہِ حق پر ثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۱۰۷ اللہ تعالیٰ کی صفتِ عزت وحکمت کا حوالہ وذکر: سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ بڑا ہی زبردست نہایت ہی حکمت والا ہے۔ اس لئے کوئی بھی اُسکی گرفت و پکڑ سے نکل نہیں سکتا۔ مگر وہ جو بھی کرتا ہے نہایت حکمت کے ساتھ کرتا ہے کہ وہ عزیز کے ساتھ ساتھ حکیم بھی ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ نیز اُس عزیز وحکیم سے کسی کو پوچھنے کا بھی یارا نہیں ہوسکتا۔ وہ جو چاہے اور جیسے چاہے کرے کہ یہ اُسی کی شان ہے۔ پس اُس خالقِ کل اور مالکِ مطلق پر صدقِ دل سے بھروسہ اور اعتماد رکھنے والوں کیلئے ناکامی کا کوئی سوال ہی نہیں۔ وباللہ التوفیق۔ نیز وہ جو بھی چاہے اور جیسے چاہے کرے۔ کسی کے بس میں نہیں کہ وہ اس کی راہ میں رکاوٹ بن سکے کہ وہ عزیز اور زبردست ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو غزوۂ بدر کے اس یوم فرقان میں سب نے دیکھ لیا اور کھلی آنکھوں دیکھ لیا کہ ان منافقین و حاسدین کے علی الرغم جو لوگ اللہ پر بھروسہ رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے وہ کس طرح کامیابی اور فیصلہ کن کامیابی سے سرفراز ہوئے۔ سو اللہ غالب اور حکیم ہے۔ وہ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں کو اپنی نصرت و امداد سے نوازتا ہے اور ان کا ساتھی خود بنتا ہے۔ اور جس کا ساتھی وہ بن جائے اس کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ اللھم فکن لنا واجعلنا لک یا ذا الجلال والاکرام۔

۱۰۸ کافروں کے منہ اور انکے دبر ایک برابر: سو یہاں پر ﴿اَدبار﴾ اور ﴿وجوہ﴾ کو ایک ساتھ بیان فرمایا گیا ہے کہ ان دونوں پر مار پڑ رہی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافر کا منہ اور اُس کا دبر ایک برابر ہیں۔ اور وجہ ظاہر ہے کہ ان دونوں سے گندگی اور نجاست نکلتی ہے۔ سو ان میں سے کہ ایک سے پیشاب پاخانے کی حسی اور ظاہری ناپاکی نکلتی ہے اور دوسرے سے کفر و شرک کی معنوی اور باطنی نجاست۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اور اس کا ایک مظہر اب بھی اس صورت میں سامنے آتا ہے کہ جو لوگ مرنے کے بعد اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں وہ سب سے پہلے آگ ان کے منہ میں ہی لگاتے ہیں۔ اور یہ کام بھی وہی شخص کرتا ہے جو کہ مرنے والے کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوتا ہے۔ اور اس طرح ان لوگوں کو اُن کے کفر کی سزا یہیں سے اور سب کے سامنے شروع ہو جاتی ہے۔ جبکہ اصل عذاب آخرت کا ہے جو کہ بڑا ہی ہولناک اور انتہائی سخت ہوگا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ اگر تم کہیں اُس وقت کو دیکھ سکو جب کہ کفار کی جانکنی کے موقع فرشتے ان کے مونہوں اور ان کے مقعدوں پر ضربیں لگا رہے ہوتے ہیں تو تم کو نہایت ہی ہولناک منظر نظر آئے۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ اس کے بعد ان کے لئے دوزخ کی دہکتی بھڑکتی آگ کا عذاب ہوگا۔ سو کفر و انکار ہلاکتوں کی ہلاکت اور خساروں کا خسارہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٥٠﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ

جلنے کے عذاب کا، (اگر تم یہ دیکھ سکو تو تمہیں بڑا ہی ایک ہولناک منظر نظر آئے) ف۱۰۹ یہ سب بدلہ ہے اس کا جو تم لوگوں نے

وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٥١﴾ كَدَاْبِ اٰلِ

آگے بھیجا خود اپنے ہاتھوں سے، ف۱۱۰ ورنہ اللہ ایسا نہیں کہ (ذرہ برابر کوئی) ظلم کرے اپنے بندوں پر، ف۱۱۱ (حق کی عداوت و

فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

تکذیب میں ان کا حال بھی ویسا ہی ہے) جیسا کہ فرعون والوں اور ان لوگوں کا تھا جو کہ گزر چکے ہیں ان سے بھی پہلے،

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ

کہ انہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو، آخر کار اللہ نے پکڑا ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں، ف۱۱۲ بے شک اللہ بڑا ہی قوت

۱۰۹ کافروں کیلئے آخرت میں عذاب پر عذاب - والعیاذ باللہ: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ فرشتے ان کی تذلیل وتوبیخ کے لیے ان سے کہہ رہے ہونگے کہ اب چکھو مزہ جلنے کے عذاب کا اور اس طرح ان کی اور بھی تذلیل وتحقیر اور رسوائی ہوگی جس سے اُن کے دکھ میں اور بھی اضافہ ہوگا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو کافروں کیلئے دوزخ کی آتشِ سوزاں کے حسی عذاب کے ساتھ ساتھ باطن کو جلا دینے والی ایسی باتوں کا معنوی اور باطنی عذاب بھی ہوگا۔ اور اس طرح وہ عذاب پر عذاب میں مبتلا ہونگے۔ سو یہ قرآنِ حکیم کا دنیا پر کس قدر عظیم الشان احسان ہے کہ اس نے پیشگی بتا دیا کہ وہاں ایسے اور ایسے عذابوں سے سابقہ اور واسطہ پڑے گا تا کہ جس نے بچنا ہو وہ بچ جائے قبل اس سے کہ حیاتِ دنیا کی یہ فرصتِ محدود اُس کے ہاتھ سے نکل جائے اور اسکو ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو جس کافر کا انجام یہ ہونے والا ہے اُس کو اگر دنیا کی اِس فانی زندگی میں دنیا بھر کی دولت بھی مل جائے تو بھی اس کو کیا ملا؟ اور اس سے بڑھ کر محروم اور بدبخت اور کون ہو سکتا ہے؟ اور اس کے برعکس جس مومنِ صادق کو دوزخ کے اُس ہولناک عذاب سے بچا کر جنت کی سدا بہار نعمتوں سے سرفراز کر دیا جائے اُس سے بڑھ کر خوش نصیب اور کون ہو سکتا ہے؟ اگرچہ دنیا میں اس کو نانِ جویں بھی میسر نہ رہی ہو۔ سو اصل دولت ایمان و یقین کی دولت ہے - اَللّٰهُمَّ فَزِدْنَا مِنْهُ وَثَبِّتْنَا عَلَيْهِ - آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۱۱۰ دوزخ انسان کے عمل و کردار کا طبعی نتیجہ - والعیاذ باللہ: -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ دوزخ کی آگ انسان کے خود اپنے ہاتھوں کی کمائی کا بدلہ ہوگی - والعیاذ باللہ - سو ان سے کہا جائے گا کہ یہ بدلہ ہے تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کا جو تم لوگوں نے آگے بھیجی تھی۔ پس اب تم اپنے سوا کسی کو بھی ملامت نہیں کر سکتے کہ یہ سب

کچھ تمہارے اپنے ہی کیے کرائے کا نتیجہ اور پھل ہے۔ پس ملامت خود اپنی ہی کرو، جیسا کہ شیطان ان سے دوزخ میں کہے گا ﴿فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ الآیۃ (ابراہیم:) یعنی "تم لوگ مجھے ملامت نہ کرو بلکہ خود اپنے ہی کو ملامت کرو" کہ اپنے اِس انجام کے ذمہ دار تم خود ہو۔ اور کمائی کا اصل اور بڑا ذریعہ چونکہ انسان کے ہاتھ ہی ہوتے ہیں اس لئے لوگوں کی کمائی کو اُن کے ہاتھوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ورنہ اس میں ان کے دوسرے اعضاء و جوارح بھی شریک وشامل ہوتے ہیں۔ سو یہ قرآنِ حکیم کا دنیا پر کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے دنیا کو غیب کے ان حقائق کی اس قدر صراحت و وضاحت کے ساتھ اور اتنی پیشگی خبر دے دی تاکہ جس نے بچنا ہو وہ اپنے بچنے کا سامان کرلے۔ مگر دنیا ہے کہ پھر بھی غفلت میں ڈوبی پڑی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۱۱ اللہ کبھی ظلم نہیں کرتا اپنے بندوں پر:- سو نہ وہ کسی کو بلا جرم سزا دیتا ہے اور نہ ہی کسی کو اُس کے جرم سے زیادہ سزا دیتا ہے۔ اور ظلم کا کیا معنیٰ اس کے یہاں تو کرم ہی کرم، رحمت ہی رحمت اور عنایت ہی عنایت ہے کہ وہ اکرم الاکرمین اور ارحم الراحمین ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور وہ رحمٰن و رحیم اور غفور و ودود ہے، جس کی طرف سے اسکے بندوں کیلئے رحمتیں ہی رحمتیں اور عنایتیں ہی عنایتیں ہیں۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ بندے اُس سے منہ موڑ کر خود ہلاکت و تباہی کی راہ کو اپنائیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور عربی قاعدہ کے مطابق نفی جب مبالغہ کے صیغہ پر داخل ہوتی ہے جیسا کہ یہاں ہے تو وہ مبالغہ فی النفی کے لئے ہوتی ہے۔ یعنی وہ اپنے بندوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۱۱۲ کفر کا نتیجہ بہرحال بہت برا ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخرِ کار اللہ نے ان کو پکڑا ان کے گناہوں کی پاداش میں۔ یعنی ان کے کفر وشرک اور تکذیب و انکار کے جرم میں۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ دورِ حاضر کے ان کافروں اور منکروں کا حال بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ فرعون والوں اور ان لوگوں کا تھا جو ان سے بھی پہلے گزر چکے ہیں کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا۔ تو آخرِ کار اللہ نے ان کو پکڑا انکے گناہوں کی پاداش میں۔ سو جو حال ان کا تھا وہی ان کا ہے۔ اور اس کے جس وبال و نکال اور انجام و مآل سے ان کو دوچار ہونا پڑا وہی ان کے لئے بھی مقرر ہے۔ کہ جزا جنسِ عمل سے ہوتی ہے۔ سو جب جرم میں یہ دونوں فریق یکساں ہیں تو اس کی جزا و سزا بھی دونوں کے لئے ایک ہی ہوگی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو تکذیب اور انکارِ حق کے جرم کا نتیجہ و انجام بہرحال ہلاکت و تباہی ہے۔ دائمی اور نہایت ہی ہولناک تباہی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اس لیے کفر و انکار کے جرم پر کسی کو مہلت اور ڈھیل جتنی بھی ملے وہ بہرحال ڈھیل اور مہلت ہی ہے۔ انجامِ کار ان کو ہولناک تباہی سے دوچار ہونا ہوگا۔

الۡعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمۡ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعۡمَةً

والا، سخت عذاب دینے والا ہے، ۱۱۳ یہ اس لئے کہ اللہ ایسا نہیں کہ بدل دے کسی ایسی نعمت کو جو اس نے عطا فرمائی ہو کسی

اَنۡعَمَهَا عَلٰى قَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ ۙ وَ

قوم کو، یہاں تک کہ وہ لوگ (اپنی بدنصیبی سے) خود بدل نہ دیں ان حالات کو، جن کا تعلق خود ان کی اپنی ذاتوں سے

اَنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ۙ

ہے، بے شک اللہ سنتا ہے (ہر کسی کی، اور) جانتا ہے (سب کچھ) ۱۱۴ (سو ان کی حالت بھی ویسے ہی ہوئی) جیسا کہ حالت

وَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ

تھی فرعون والوں کی، اور ان لوگوں کی جو کہ گزر چکے ہیں ان سے بھی پہلے، کہ انہوں نے جھٹلایا اپنے رب کی آیتوں کو،

فَاَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ وَاَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ ۚ وَ

تو آخر کار ہلاک کر دیا ہم نے ان سب کو ان کے اپنے گناہوں کی پاداش میں، ۱۱۵ اور غرقاب کر دیا ہم نے فرعون والوں کو، ۱۱۶ کہ

۱۱۳ اللہ تعالیٰ کی قوت و گرفت کی تذکیر و یاددہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ بڑا ہی قوت والا سخت عذاب دینے والا ہے۔ پس نہ اس پر کوئی غالب آسکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کی گرفت و پکڑ سے کسی طرح نکل کر بھاگ سکتا ہے -وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰه سبحانہٗ و تعالیٰ -سو ظالموں کو جو ڈھیل مل رہی ہے اس سے ان کو کبھی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا بہرحال ملے گی۔ اور اسکی پکڑ بڑی ہی سخت ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا جاتا ہے یہاں تک کہ جب اسکو پکڑتا ہے تو پھر اس کے لیے بھاگ نکلنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ سو اللہ تعالیٰ جو منکرین کو مہلت اور ڈھیل دیتا ہے تو وہ اپنی رحمت کی بناء پر دیتا ہے -سبحانہٗ و تعالیٰ- تاکہ ایسے منکر و معاند لوگ اپنے کفر و عناد سے باز آجائیں اور اُس کے عذاب سے بچ جائیں۔ لیکن جب ایسے عناصر باز آنے کی بجائے اپنے کفر و عناد اور سرکشی و طغیانی ہی میں بڑھتے جاتے ہیں تو آخر کار اللہ ان کو ان کے کئے کرائے کی پاداش میں پکڑتا ہے اور اس طرح ایسے لوگ اپنے کئے کرائے کے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں -وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ- اللہ تعالیٰ ہلاکت اور تباہی کے ہر راستے اور ہر روش سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین۔

۱۱۴ قوموں کی ترقی اور اُن کے عروج کی بنیاد اخلاق و کردار:- سو اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنی عطا کردہ نعمت کو چھینتا نہیں۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اپنی حالت کو خود بدل دیں کہ کرم والی کوئی ذات کسی پر کوئی عنایت کرنے کے بعد اس کو واپس نہیں لیتی کہ یہ بات اُس کی اپنی شانِ کرم کے خلاف ہوتی ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ کے کہنے ہی کیا جو کہ اکرم الاکرمین ہے۔ اور جس کا کرم حقیقی اور لاانتہاء کرم ہے اور جس کی شان ہی کرم فرمانا ہے۔ مگر جب کوئی بدنصیب

قوم اپنی ناشکری اور بداطواری سے اپنے آپ کو اس نعمت کے قابل نہ رہنے دے تو پھر اس قادر مطلق کے عدل وانصاف کا مقتضیٰ اور اس قوم کی اس ناشکری کا طبعی تقاضا یہی ہوتا ہے کہ وہ نعمت اس سے چھین لی جائے۔ جیسا کہ فرعون والوں اور ان سے بھی پہلے کے کافروں کے ساتھ بالفعل ہو چکا ہے۔ اور اس کی تازہ مثال کفارِ قریش تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم الشان نعمتوں سے نوازا۔ ان کو بھوک سے بچا کر بافراغت کھانا بخشا۔ خوف کی بجائے امن سے سرفراز فرمایا۔ نبیٔ آخر الزمان کو ان کے اندر مبعوث فرما کر ان کو اپنی کامل ہدایت کی اُس اَبدی نعمت سے بہرہ ور فرمایا جو دارین کی سعادتوں اور حقیقی فوز وفلاح کی ضامن وکفیل ہے۔ مگر انہوں نے ان عظیم الشان نعمتوں کی قدر نہ پہچانی اور انہوں نے انکار وتکذیب ہی سے کام لیا۔ تو اس کے نتیجے میں آخرِ کار وہ اپنے اُس انجام سے ہم کنار ہوئے جس کے وہ اپنے اعمال وکردار کی بناء پر مستحق تھے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو قوموں کا عروج اور اُن کی ترقی دنیاوی مال واَسباب کی فراوانی اور تعداد کی کثرت و بڑھوتری پر نہیں، جیسا کہ ابنائے دنیا کا کہنا اور ماننا ہے۔ اور جس کی بناء پر کفار ومشرکین کہا کرتے تھے ﴿نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ، وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ﴾ (سبا: ۳۵)۔ سو قوموں کی ترقی اور ان کے عروج کی اصل بنیاد یہ نہیں جیسا کہ ایسے لوگوں نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ ان کی ترقی کی اساس وبنیاد ایمان واخلاق کی دولت اور صالح کردار پر ہے۔ یہ دولت جب کسی قوم میں موجود ہوگی تو وہ قوم ترقی کی راہ پر گامزن ہوگی خواہ وہ مادی اعتبار سے بالکل تہی دامن ہی کیوں نہ ہوں۔ اور یہ چیز جب نہیں تو وہ قوم ہلاکت کی راہ پر ہے، خواہ دنیاوی اعتبار اور مادی لحاظ سے کتنے ہی عروج پر کیوں نہ ہو۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۱۵ کفر وانکار کا آخری انجام بہرحال ہلاکت وتباہی ہے:- چنانچہ منکرین ومعاندین کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے جھٹلایا اپنے رب کی آیتوں کو۔ تو آخر کار ہم نے ہلاک کر دیا ان سب کو ان کے گناہوں کی پاداش میں۔ سو ان کی ہلاکت وتباہی ان کے اپنے کفر وانکار وغیرہ سنگین جرائم کا ایک لازمی نتیجہ اور طبعی اثر تھا جو قانونِ قدرت کے مطابق ان پر چسپاں ہوا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے ازخود یونہی ان سے اپنی نعمتوں کو چھین نہیں لیا کہ یہ اس کی شان نہیں۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو یہ لوگ جب اپنے کفر وانکار میں بڑھتے ہی چلے گئے تو آخر کار یہ اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے۔ ان میں سے کسی قوم کی صورتوں کو مسخ کیا گیا۔ کسی کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور کسی کو زلزلہ کے ذریعے اور کسی کو تباہ کن ہوا کے ذریعے تباہ کیا گیا۔ سو کفر وانکار اور تکذیبِ حق کا لازمی نتیجہ اور آخری انجام بہرحال تباہی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور ایسے لوگوں کو قدرت کی طرف سے جو ڈھیل ملتی ہے وہ بہرحال ایک ڈھیل ہوتی ہے، جس نے بہر حال ختم ہو کر رہنا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی بناء پر کسی کو کبھی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہئے۔ والعیاذ باللہ۔

۱۱۶ آلِ فرعون کی ہلاکت وغرقابی کا ذکر وبیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ فرعون والوں کو ہم نے غرقاب کر دیا۔ کہ وہ خود کفر وانکار کے سمندر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ فرعون نے اپنے رب بلکہ ربِّ اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کر لیا تھا اور ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ کا نعرہ لگا دیا تھا۔ اور اُس کی قوم نے اُس کے کفر کو تسلیم کر لیا تھا ﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ﴾ اور جزاء چونکہ جنسِ عمل سے ہوتی ہے، اس لئے فرعون اور فرعونیوں کو غرقِ قلزم کر دیا گیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اور اُن کے کفر و انکار کی بناء پر ان کو دی ہوئی نعمتوں کو ان سے چھین لیا گیا۔ سو نہ ان کے وہ باغات رہے نہ نہریں اور نہ وہ کھیتیاں جن پر ان لوگوں کو بڑا ناز ہوا کرتا تھا۔ اور جب اللہ کے عذاب کا کوڑا ان پر برسا تو نہ ان کا وہ جاہ واقتدار ان کے کچھ کام آسکا اور نہ وہ دنیاوی مال ودولت جس کو ان لوگوں نے بہت کچھ بلکہ سب کچھ سمجھ رکھا تھا، اور جس کی بناء پر وہ تکبر میں مبتلا اور اپنی فرعونیت میں مستغرق تھے۔ اور آخرِ کار وہ لوگ ہمیشہ کے لئے فِي النَّارِ وَالسَّقَرِ ہو کر رہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

كُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ

وہ سب ظالم تھے، ۱۱۷ بے شک زمین پر چلنے والی ساری مخلوق میں سب سے برے اللہ کے نزدیک

اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ

وہ لوگ ہیں، جو ایسے اَڑے ہوئے ہیں اپنے کفر (و باطل) پر کہ وہ (کسی قیمت پر بھی) ایمان لانے کے نہیں، ۱۱۸ (خاص کر وہ)

عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ

جن سے آپ نے عہد لیا پھر وہ (نانہجار) توڑ دیتے ہیں اپنے عہد کو

كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي

ہر مرتبہ، اور وہ ڈرتے نہیں (عہد شکنی اور اس کے انجام سے) ۱۱۹ پس اگر تم قابو پا لو ان پر

۱۱۷ ظلم کا نتیجہ وانجام ہلاکت وتباہی - والعیاذُ باللہ: -سو آلِ فرعون کے ان بدبختوں کی اس ہلاکت وتباہی اور غرقابی کے سبب کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ یہ سب لوگ ظالم تھے۔ کفر وشرک کے ارتکاب اور اپنی کج روی کی بناء پر کہ ایسا کرنا ظلم ہے اللہ وحدہٗ لاشریک کے حق میں۔ جو کہ خالق و مالک حقیقی ہے۔ نیز یہ ظلم ہے اللہ کے انبیاء ورسل اور اُن کی لائی ہوئی شریعتوں اور کتابوں کے حق میں کہ اُن کا حق یہ تھا کہ صدقِ دل سے اُن پر ایمان لایا جائے۔ نیز یہ ظلم ہے اللہ کی اس پوری کائنات کے حق میں، جس سے انسان طرح طرح سے مستفید وفیضیاب ہوتا ہے کہ یہ تمام نعمتیں بلاشرکتِ غیرے اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی عطاء کردہ ہیں۔ تو کتنا بڑا ظلم ہے کہ انسان اُس وحدہٗ لاشریک کی بخشی ہوئی اِن بے حد وحساب نعمتوں سے طرح طرح کے فائدہ اٹھائے اور لگاتار اور مسلسل اٹھائے۔ اور پھر اسی واہبِ مطلق کا باغی بن کر رہے۔ اسی طرح یہ ظلم ہے ایسے لوگوں کے خود اپنے حق میں کہ بجائے اس کے کہ یہ لوگ اپنے خالق و مالک کی طرف سے بخشی ہوئی حق و ہدایت کی اس عظیم الشان نعمت کو صدقِ دل سے اپنا کر دارَین کی سعادت اور فوز وفلاح سے بہرہ ور ہوتے انہوں نے اس کی تکذیب وانکار سے اپنے آپ کو دوزخ کا ایندھن بنا دیا -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- سو کفر و انکار اور حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کی اِطاعت وفرمانبرداری سے اعراض وسرکشی سراسر ظلم ہے-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- اور ایسے ظالموں کو جتنی بھی ڈھیل اور مہلت ملے، آخرکار بہرحال اُن کی پکڑ ہوتی ہے۔ اور ایسی پکڑ کہ جو بڑی ہی ہولناک ہے-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- اللہ تعالیٰ ظلم کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے- آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

۱۱۸ اہلِ کفر و باطل اللہ کی بدترین مخلوق- والعیاذُ باللہ: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق وہ لوگ ہیں جو اپنے کفر و باطل پر اَڑے ہوئے ہیں کہ کفر کی میل ان کے دلوں پر چھا گئی اور جم کر رہ گئی اور

معاصی و ذنوب کے زنگ نے ان کے باطن کو ایسا کھوکھلا کر دیا کہ یہ بدبخت قبولِ حق کی استعداد ہی سے محروم ہو گئے جو کہ لازمی نتیجہ ہے ضد اور ہٹ دھرمی کا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو نورِ ایمان سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے اور کفر و انکار جڑ بنیاد ہے ہر خرابی اور برائی کی - اس لئے یہ لوگ ہر جانور سے برے اور بدتر ہو گئے اگرچہ وہ اپنے آپ کو کتنا ہی بڑا کیوں نہ جانتے اور مانتے ہوں - عام لوگ ان کو کیا کچھ نہ سمجھتے اور کہتے ہوں اور دنیاوی اسباب اور مادی ترقی کے اعتبار سے ایسے لوگ آسمانوں کی بلندیوں ہی کو کیوں نہ چھوتے ہوں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - کیونکہ یہ اپنے خالق و مالک کی معرفت اور اسکے حقِ اطاعت و بندگی سے غافل و بےخبر ہیں - اور یہ لوگ غافل و لاپراہ ہیں اپنے اس ہولناک انجام سے جو اُن کو بہرحال بھگتنا ہے اور جوہرِ عقل کو انہوں نے بطن و فرج کی خواہشات کی فراہمی و تکمیل میں لگا دیا - اور اسکے نتیجے میں یہ حیوان سے بھی بدتر ہو کر رہ گئے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - کیونکہ حیوان کو عقل کی روشنی نہیں بخشی گئی اور وہ اپنی زندگی کے لگے بندھے تقاضوں کی تکمیل اور انجام دہی میں لگے ہوتے ہیں اور ان سے آگے نہ کوئی حساب کتاب ہونا ہے اور نہ ہی ان کے لئے کسی جنت و دوزخ کا کوئی سوال ہے، جبکہ انسان کو عقل کے جوہرِ بےمثال سے نوازا گیا مگر اس سے صحیح کام لینے کی بجائے یہ لوگ الٹے اور اوندھے ہو گئے اور اپنے مرتبہ و مقام سے غافل ہو کر انسانیت کے منصبِ شرف سے گر کر حیوانیت کے قعرِ مذلت میں پہنچ گئے اور آخرت کی مسئولیت سے لاپروا ہو کر یہ لوگ اپنے مقصدِ زندگی اور اس کے تقاضوں سے غافل و بےفکر ہو گئے اور صرف بطن و فرج کے تقاضوں کے غلام بن گئے جس کے نتیجے میں یہ جنت کی سدا بہار نعمتوں سے محروم ہو گئے اور دوزخ کا ایندھن بن گئے جہاں ان کو ہمیشہ ہمیش کے لئے جلتے رہنا ہوگا - تو کیا اس سے بڑھ کر کوئی بدبختی اور محرومی ممکن ہو سکتی ہے؟ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۱۱۹ **خاص گروہ جو ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اپنے عہد کو:** - اس کا اولین اور بڑا مصداق ہیں یہودِ بنو قریظہ، جنہوں نے آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - سے پختہ عہد کیا کہ ہم نہ آپ کے خلاف لڑیں گے اور نہ ہی آپ کے خلاف کسی کی مدد کریں گے - مگر اسکے باوجود یہ لوگ اپنا عہد توڑ دیتے اور بعد میں کہتے کہ ہم بھول گئے - ہم سے غلطی ہو گئی وغیرہ - یہاں تک کہ غزوۂ اَحزاب کے موقعہ پر اپنی اس مسلسل عہد شکنی کے باعث اور اُس کے نتیجے میں یہ لوگ اپنے انجام کو پہنچ کر رہے (روح، صفوۃ، قرطبی، مراغی، جامع، محاسن، کبیر، زاد المسیر اور معارف وغیرہ) - اور یہی وطیرہ و شیوہ رہا یہودِ بےبہبود کا ہر زمانے اور ہر دور میں - یہاں تک کہ آج جب کہ راقمِ آثم یہ سطور تحریر کر رہا ہے، یہودِ بنی اسرائیل کی تازہ عہد شکنی کا دنیا ساری میں شور ہے - کیونکہ انہوں نے فلسطینیوں سے کئے گئے اپنے وہ وعدے توڑ دئے جو انہوں نے دنیا کی کئی حکومتوں کے توسط سے اور ان کے سامنے کئے تھے اور اپنے اِن عہود و وعود کو توڑ کر انہوں نے مشرقی یروشلم میں نئی یہودی بستیوں کی تعمیر کا کام شروع کر دیا اور یو این او (U.N.O) کے ہنگامی اجلاس میں اس کے تمام کے تمام ایک سو تیس ممبر ملکوں نے اسرائیلی حکومت کے اس اقدام کے خلاف ووٹ دیا، ماسوائے امریکہ اور اسرائیل کے - مگر اس کے باوجود اسرائیلی حکومت اپنے تمام عہد و پیمان توڑ کر اِس غیر قانونی عمل میں مصروف ہے - سو عہد شکنی اور دھوکہ دہی اس قوم کا ہمیشہ کا طریقہ و وطیرہ رہا - کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو ایسے عہد شکن اور بدعہد لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں اور ان پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہے جو اپنے عہود و مواثیق کو اس طرح توڑتے اور فساد پھیلاتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

جنگ میں تو (ان کی ایسی خبر لو کہ) تتر بتر (اور حواس باختہ) کردو ان کے ذریعے ان کو جو ان کے پیچھے ہیں، تاکہ وہ سبق لے سکیں، ف۱۲۰

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ

اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کسی قوم سے خیانت (اور عہد شکنی) کا، تو تم پھینک دو ان کی طرف ان کے عہد کو،

عَلٰى سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَا

اس طور پر کہ ایک برابر ہو جاؤ تم لوگ اور وہ، ف۱۲۱ بے شک اللہ پسند نہیں فرماتا خیانت کرنے والوں کو ف۱۲۲ اور

يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾

کبھی یہ خیال بھی نہ کریں کافر لوگ کہ وہ نکل گئے (ہماری گرفت و پکڑ سے ف۱۲۳) یقیناً وہ (کسی بھی طور پر ہمیں) عاجز نہیں کر سکتے، ف۱۲۴

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ

اور تیار کرو تم لوگ (اے مسلمانو!) ان (دشمنان حق) کے مقابلے کے لئے جو بھی قوت تم سے بن پڑے، ف۱۲۵ اور تیار بندھے

الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَ

رہنے والے گھوڑے، تاکہ تم اپنی دھاک بٹھا سکو، اس (سامانِ حرب وضرب) کے ذریعے، ان (ابناءِ کفر و باطل) پر، جو

۱۲۰ عہد شکنوں کی سرکوبی کا حکم:- سو ارشاد فرمایا گیا اگر تم ان پر جنگ میں قابو پالو تو ان کی اچھی طرح خبر لو تاکہ یہ سبق لیں اور بچیں عہد شکنی اور اُس کے برے عواقب و نتائج سے اور اس طرح نجات مل سکے عامۃ الناس اور پورے معاشرے کو ایسے رذائل و قبائح سے۔ سو دینی تعلیمات و ارشادات رحمت ہی رحمت اور برکت ہی برکت ہیں سب کے لئے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ بہر کیف ایسے لوگوں کیلئے جو کہ اعلانیہ اور بار بار عہد شکنی کرتے ہیں، اس طرح سختی سے نمٹنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ یہ دوسروں کیلئے عبرت بن جائیں اور دوسرے ایسے جرائم کے ارتکاب سے باز رہیں۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ اِن کفار و مشرکین میں سے ایسے لوگ زیادہ بدبخت ہیں، جن سے آپ عہد کرتے ہیں، مگر وہ ہر وقت اپنے عہد کو توڑتے ہیں جو کہ دلیل ہے ان کے دلوں کی سختی، کردار کی پستی اور ان کے احساسِ غیرت و حمیت سے خالی ہونے کی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ سو ایسے عہد شکنوں پر اگر تم کسی جنگ میں قابو پالو تو ان کی ایسی خبر لو کہ اس سے حواس باختہ اور تتر بتر ہو جائیں وہ لوگ جو اِن کے پیچھے ہیں اور تاکہ وہ سبق لیں۔ اور اس طرح عہد شکن لوگ باز آئیں اپنی روش سے اور پورے معاشرے کا بھلا ہو۔

۱۲۱ معاہدے کی پابندی کا احترام طرفین سے مطلوب ہوتا ہے: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تمہیں کسی قوم سے عہد شکنی کا اندیشہ ہو، اور اس کی علامات اور نشانیاں پائی جائیں کہ وہ لوگ عہد شکنی پر تلے ہوئے ہیں، تو ایسی صورت میں تم پر ایسے کسی عہد کی پابندی لازم اور ضروری نہیں، بلکہ ایسے میں تم بھی اُس عہد کو اُن کے حوالے کر کے اس سے سبکدوش ہو جاؤ۔ مگر نقضِ عہد سے ان کو آگاہ کئے بغیر ان کے خلاف کوئی ایکشن واقدام نہیں کرنا- سبحان اللہ- کیسی پاکیزہ تعلیم ہے کہ اے مسلمانو! تم لوگ ان کی غداری کے باوجود ان کو آگاہ کیے بغیر نقضِ عہد کا ارتکاب نہیں کرنا۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ عہد کی پابندی تم پر یکطرفہ لازم نہیں ہے، بلکہ یہ اسی صورت میں ہے کہ جب دوسرا فریق بھی اس کا احترام کرے۔ لیکن وہ اگر اس کا احترام نہیں کرتا تو ایسے میں تم بھی اِس معاہدے کو ان کے منہ پر پھینک مارو ﴿عَلٰی سَوَآءٍ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ تم بھی اِن کے برابر کا اِقدام کرنے کے مجاز ہو۔ سو اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی اجازت نہیں، بلکہ جواب برابر کا اور ہم وزن ہو۔ سبحان اللہ کس قدر عدل وانصاف اور باریکیوں پر مشتمل ہیں دینِ حنیف کی یہ تعلیماتِ مقدسہ- فالحمد للہ-

۱۲۲ خیانت وغدر سے احتراز واجتناب کی تعلیم وتلقین: -سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ پسند نہیں فرماتا خیانت کرنے والوں کو۔ سو اس سے معاہدہ کے خاتمے کے سلسلے میں خیانت سے بچنے کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے۔ پس عہد کے خاتمے کے ضمن میں بدعہدی سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔ اس لیے تم لوگ عہد و پیمان کے خاتمے کے اعلان سے پہلے ان لوگوں کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا کہ یہ عہد شکنی اور خیانت کے زمرے میں آتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ سننِ ابوداؤدؒ وغیرہ میں مروی ہے کہ حضرتِ امیر معاویہ- رضی اللہ عنہ- نے اپنے دورِ حکومت میں رومیوں سے کوئی میعادی عہد کر رکھا تھا اور اس میعاد کے پورا ہونے سے کچھ ہی پہلے آپؓ نے اپنی فوجوں کو رومی سرحدوں پر جمع کرنا شروع کر دیا تاکہ میعاد پوری ہوتے ہی ان پر حملہ کر دیا جائے۔ مگر جب اس کے بارے میں حضرت عمرو بن عبسہؓ کو پتہ چلا تو آپؓ نے اِس کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا "اللہ اکبر وفاء لا غدر" یعنی "وفا چاہیئے غدر اور دھوکہ نہیں"۔ اس پر حضرت امیر معاویہ- رضی اللہ عنہ- نے اپنی فوجوں کو واپس بلا لیا۔ (ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الامام یکون بینہ وبین العدو عہد فیسیر الیہ، ترمذی کتاب السیر، باب ما جاء فی الغدر) -سبحان اللہ- کیسی سچی، پاکیزہ اور برحق تعلیمات ہیں اس دینِ حنیف کی اور کیسے پاکیزہ اور منزہ نفوس تھے ان صحابۂ کرام کے نفوس۔ اور کلمۂ حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینے کی کیسی پاکیزہ خوتھی ان حضرات کی - رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین- بہر کیف اس میں اہلِ ایمان کو یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اگر تمہیں کسی قوم سے خیانت اور عہد شکنی کا اندیشہ ہو تو تم ان سے اُن کے عہد کو برابری کی بنیاد پر پھینک دو، لیکن دھوکہ دہی اور خیانت کی ہر شکل سے بچنا۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

۱۲۳ کافر لوگ اللہ کی گرفت و پکڑ سے باہر نہیں ہو سکتے: -سو اس ارشاد سے کافروں کو تنبیہ فرمائی گئی کہ وہ ہماری گرفت سے کبھی باہر نہیں ہو سکتے۔ پس لوگ کبھی یہ خیال نہ کریں کہ وہ ہماری گرفت و پکڑ سے نکل گئے ہیں اور اب ان کو کوئی سزا ملنے والی نہیں، خبردار ایسا خیال بھی کبھی نہیں کرنا، کہ ایسے لوگ ہماری گرفت اور پکڑ سے کسی بھی طور پر نکل نہیں سکتے۔ سو ایسا کبھی خیال بھی نہ کریں جیسا کہ دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا- ﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ﴾- (العنکبوت:۴) یعنی "کیا ان لوگوں نے جو برائیاں کیے جا رہے ہیں

یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ ہماری گرفت و پکڑ سے نکل گئے؟ سو بڑا ہی برا فیصلہ ہے جو ایسے لوگ کرتے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - سو کافر و مجرم لوگ اللہ کی گرفت و پکڑ سے کبھی نہیں نکل سکتے۔ بلکہ وہ اپنے انجام کو پہنچ کر رہیں گے اور ان کو اپنے کیے کرائے کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا۔ خواہ دنیا میں قتل اور تباہی کے شکل میں یا آخرت کے دائمی عذاب کی صورت میں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے تصریح فرمائی گئی کہ تم کافروں کے بارے میں کبھی یہ نہ سمجھنا کہ وہ عاجز کردینے والے ہیں۔ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بڑا ہی برا ٹھکانا ہے وہ (النور: ٥٧)۔

١٢٤ کافر کبھی اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے:- سو اس بارے ارشاد فرمایا گیا کہ یقیناً وہ ہمیں عاجز نہیں کر سکتے کہیں بھاگ کر یا کسی طرح چھپ کر یا مقابلہ کر کے یا کسی بھی اور طرح بلکہ یہ سب ہماری مشیت کے ماتحت اور ہماری قدرت کے دائرے میں اور اس کے احاطے کے اندر ہیں۔ سو منکرین و کفار نے اپنے کئے کرائے کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہے۔ سو یہ ہر وقت اور ہر حال میں ہمارے دائرہ گرفت و پکڑ میں ہیں۔ اور یہ انجام کار رسوائی اور ذلت و خواری سے ہمکنار ہو کر رہیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (التوبۃ۔٢) یعنی "تم لوگ یقین جان لو کہ تم ایسے نہیں ہو کہ اللہ کو عاجز کر دو۔ اور یقیناً اللہ نے رسوا کرنا ہے کافروں کو"۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ اِس غلط فہمی کو اپنے دماغوں سے نکال دیں کہ یہ ہم سے بچ نکلیں گے۔ یقیناً یہ ہمارے قابو میں ہیں اور ہم سے بچ نکلنا ان کے بس میں نہیں۔ پس اِس حقیقت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ اپنے کفر و عناد سے باز آ جائیں اور حق کی طرف رجوع کر کے اپنے ہولناک انجام سے بچ جائیں قبل اِس سے کہ فرصتِ حیات ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور ان کو ہمیشہ ہمیش کے لئے پچھتانا پڑے۔ کیونکہ اس ہولناک انجام سے بچ نکلنا اور اس سے خلاصی پانا ان کے لیے ممکن نہیں ہوگا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

١٢٥ دشمنانِ حق کے مقابلے کیلئے ہر ممکن قوت تیار کرنے کا حکم وارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم ان دشمنانِ حق کے مقابلے کے لیے جو بھی قوت تم سے ہو سکے تیار کرو ﴿ مِنْ قُوَّةٍ ﴾ کا عموم پہلے زمانے کے تیر و تفنگ سے لے کر دورِ حاضر کے ٹینک، راکٹ اور بم وغیرہ سب کو شامل ہے۔ اور حدیث شریف میں اس کی تفسیر میں جو فرمایا گیا ہے "اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ" کہ "قوت تیراندازی ہے" تو یہ اُس دور کے لحاظ سے ایک اہم قوت کا بیان ہے، نہ کہ حصر و قصر کا ذکر و بیان۔ کیونکہ اُس دور میں دست بدست لڑائی کے علاوہ تلواروں، نیزوں اور تیروں سے ہی لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ اور ظاہر ہے کہ اِن سب میں سب سے زیادہ سلامتی والا اور کارگر حربہ تیراندازی کا حربہ ہی ہوتا تھا۔ اِس لئے لسانِ نبوت سے اس کی اس طرح تاکید فرمائی گئی کہ اُس دور کی سب سے بڑی قوت بہرحال یہی تھی۔ پس اِس لحاظ سے اِس اِرشادِ نبوی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دورِ حاضر کے جدید ترین ہتھیار اِس عموم میں داخل ہوں اور مسلمان اِن سب کو بنانے چلانے اور اپنانے کی کوشش کریں۔ (روح، قرطبی، معارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔ بہرکیف اِس اِرشاد سے مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ اپنی جنگی قوت کو اور زیادہ بڑھائیں تعداد و نفری کے لحاظ سے بھی اور سامانِ حرب و ضرب کے اِعتبار سے بھی، جس میں خاص طور پر جنگی گھوڑوں کا ذکر فرمایا گیا ہے کیونکہ اس زمانے کی جنگ میں گھوڑوں کو وہی اہمیت حاصل تھی جو اس زمانے میں ٹینکوں اور ہوائی جہازوں کو حاصل ہے۔

اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ

کہ دشمن ہیں اللہ کے، اور دشمن ہیں تمہارے، ۱۲۶ اور ان کے علاوہ ان دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے، مگر اللہ

يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

جانتا ہے ان سب کو، ۱۲۷ اور (یاد رکھو کہ) جو بھی کچھ تم لوگ خرچ کرو گے اللہ کی راہ میں،

۱۲۶ **سامانِ جہاد کی تیاری کا ایک اہم مقصد، دشمنانِ حق پر دھاک بٹھانا:** سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو بھی قوت تم لوگوں سے ممکن ہو سکے اے ایمان والو تم وہ تیار کرو تاکہ اس کے ذریعے تم دھاک بٹھا سکو ان ابنائے کفر و باطل پر جو دشمن ہیں اللہ کے اور دشمن ہیں تمہارے اور ان کے علاوہ ان دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے مگر اللہ ان سب کو خوب جانتا ہے۔ تاکہ تمہاری اس استعداد و تیاری کو دیکھتے ہوئے وہ تم پر حملہ کرنے کی اور راہِ حق سے روکنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ اور یہی اصل مقصد ہے جہادِ اسلامی کا کہ اللہ کا دین اور اُس کا کلمہ سربلند رہے اور کفر اور اُس کا کلمہ سرنگوں ﴿لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَكَلِمَةُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى﴾ سو جو بھی قوت تم سے ممکن ہو سکے اور ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق جیسی بھی قوت کی ضرورت ہو، وہ تم لوگ اپنے دشمنوں سے نمٹنے کیلئے تیار کرو، تاکہ تمہارے دشمنوں پر تمہاری دھاک بیٹھ جائے اور وہ تمہاری طرف بری نیت سے نگاہ بھی نہ اٹھا سکیں۔ سو اعدادِ قوت اسلام کا ایک اہم حکم اور اسلامی تعلیمات کا ایک اہم مقتضیٰ ہے۔ سو اس سے سامانِ حرب و ضرب کی تیاری سے متعلق حکم کا مقصد بیان فرما دیا گیا کہ اس سے تمہارے دشمنوں پر تمہاری دھاک بیٹھ جائے اور تمہاری ہیبت قائم ہو جائے تاکہ وہ تم کو نرم چارہ سمجھ کر تم پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ یہاں پر مسلمان کے دشمنوں کو اللہ کا دشمن قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ مسلمان کی جنگ جس سے بھی ہوتی ہے اللہ کے دین ہی کے لئے ہوتی ہے۔ اس کے سوا اس میں اور کسی چیز کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ سو جو اللہ کا دشمن ہے وہ مسلمانوں کا دشمن ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۲۷ **حق اور اہلِ حق کے چھپے دشمنوں کی طرف اشارہ:** سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے علاوہ ان دوسروں کو بھی جن کو تم نہیں جانتے مگر اللہ ان کو جانتا ہے۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ حق اور اہلِ حق کے اور بھی ایسے دشمن ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا کہ اللہ ان سب کو جانتا ہے اور پوری طرح جانتا ہے کہ وہ علیم و خبیر سب کچھ جانتا ہے۔ اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔ اور اسی لئے وہ تم لوگوں کو جہاد کے لئے تیاری اور اس کیلئے اسباب و ذرائع اور سامانِ حرب و ضرب کی فراہمی کا یہ حکم دیتا ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ ان ﴿اٰخَرِيْنَ﴾ یعنی "دوسرے لوگوں" سے مراد کون لوگ ہیں؟ تو اس بارے میں بعض نے کہا کہ اس سے مراد منافقین ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہودِ مدینہ۔ اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد روم و فارس کے کفار و مشرکین ہیں۔ لیکن اصل اور بہتر یہ ہے کہ ﴿آخرین﴾ کے اس لفظ کو اپنے عموم پر ہی رکھا جائے جس کے مطابق یہ اُن تمام کفار کو جن کا ذکر ہوا اور اُن کے علاوہ اُن سب کو بھی شامل ہے جو آئندہ آنے والے زمانوں اور دوسرے ملکوں اور مکانوں میں ظاہر ہوں گے کہ لفظ کا عموم اور اللہ پاک کا حکم و ارشاد اِن سب ہی کو شامل ہے۔ سو اِس میں قریش بھی آ گئے جو کہ مسلمانوں کے اعلانیہ اور کھلم کھلا اور ازلی دشمن تھے۔ اور وہ دوسرے بھی جو ابھی پردے میں تھے۔ جیسے یہود، جن کی خفیہ سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اور دوسرے تمام کفار و مشرکین جو اُس وقت موجود تھے اور جو آئندہ سامنے آئیں گے کہ دینِ حنیف کا یہ حکم ہمیشہ کے لئے ہے اور ﴿آخرین﴾ کا عموم ان سب ہی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے دشمنوں اور ان کے شرور سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۞ ۶۰ وَاِنْ جَنَحُوْا

وہ پورا پورا لوٹایا جائے گا تمہاری طرف، ف۱۲۸ اور تمہاری کوئی حق تلفی نہیں ہوگی، ف۱۲۹ اور اگر جھک جائیں یہ لوگ

لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

صلح (صفائی) کی طرف تو تم بھی جھک جاؤ ف۱۳۰ اس کی طرف اور بھروسہ بہر حال اللہ ہی پر رکھنا، ف۱۳۱ بے شک وہی ہے

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞ ۶۱ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ

سنتا (ہر کسی کی، اور) جانتا (سب کچھ) ف۱۳۲ اور اگر یہ لوگ دھوکہ دینا چاہیں آپ کو تو (اس کی پرواہ نہیں کرنا کہ)

۱۲۸ انفاق فی سبیل اللہ کی تعلیم وترغیب: - سو ارشاد فرمایا گیا اور جو بھی کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تم کو پورے کا پورا لوٹایا جائے گا کہ اس سے تمہیں اس دنیا میں عزت وعظمت کا معنوی اجر وصلہ بھی ملے گا اور اسکے علاوہ تم کو مالِ غنیمت، فَے، جزیہ اور خراج کی صورت میں مادی فوائد بھی حاصل ہونگے۔ اور آخرت میں جنت کی نعیمِ مقیم اور دائمی اجر وثواب سے سرفرازی بھی نصیب ہوگی۔ (محاسن التاویل، معارف وغیرہ)۔ اور آخرت کا اجر و ثواب اور رضائے خداوندی اور نعیمِ جنت سے سرفرازی بھی جو کہ مومنِ صادق کا اصل مقصد اور نصب العین ہوتا ہے۔ پس تم لوگوں سے جس قدر بھی ہو سکے اللہ کی راہ میں اور اسکی رضاء کیلئے خرچ کیے جاؤ۔ وہ تمہیں اُس واہبِ مطلق اور خالقِ کل کی طرف سے پورے کا پورا بلکہ "اضعافا مضاعفة" ہوکر واپس ملے گا - وباللہ التوفیق - سو اِس اِرشاد میں انفاق فی سبیل اللہ کے لئے ترغیب وتحریض ہے کہ تم لوگ اللہ کی راہ میں جو بھی کچھ خرچ کرو گے اس کا کوئی دھیلا پیسہ ضائع نہیں جائے گا بلکہ وہ سب تم کو پورا واپس ملے گا اور کئی گنا بڑھ کر ملے گا اور اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہاری پائی پائی کا حساب موجود ہے اور تمہیں تمہارا دیا سب کا سب واپس ملے گا۔ اس میں ذرہ برابر کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ پس اس کے نام پر اور اس کی رضا پر خرچ کیے جاؤ کہ آج اس کا موقع ہے - وباللہ التوفیق -

۱۲۹ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی کی کوئی حق تلفی نہیں ہوگی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اور تمہاری کوئی حق تلفی نہیں ہوگی کہ تم کو اپنے کئے کا کوئی بدلہ نہ ملے یا کچھ گھٹا کر ملے۔ سو ایسی کوئی بھی صورت نہ ہوگی بلکہ تم کو اپنے کئے کرائے کے بھرپور اجر وصلہ سے نوازا جائے گا۔ بلکہ اصل سے کہیں بڑھا کر دیا جائے گا کیونکہ یہ صلہ وبخشش اُس واہبِ مطلق کی طرف سے ہوگا جو کہ اکرم الاکرمین ہے اور جس کی بخشش وعطاء کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہاء - سبحانہٗ و تعالیٰ - اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیئے دلائے کا اجر اور ثواب تم کو اِس دنیا میں بھی ملے گا کہ اس سے تمہیں عزت و عظمت نصیب ہوگی، خیر و برکت ملے گی اور اصل اور پورا اجر وثواب آخرت کے اُس اَبدی گھر میں ملے گا جس کو نہ فناء ہے نہ زوال۔ اور جہاں کا اجر حقیقی اور اصل اجر ہے۔ پس عقل ونقل کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی دنیا وآخرت کے لیے کمائی کرتا اور جمع کرتا اور جوڑتا چلا جائے اور اپنی آخرت کے لیے کمائی کرنے اور وہاں کے لیے پونجی جمع کرنے ہی کو اصل مقصد بنائے - ﴿لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ﴾ - اللہ توفیق بخشے اور زندگی کا ہر لمحہ ولحظہ اپنی

رضاء وخوشنودی کے لیے صرف کرنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۱۲۷ **صلح کے جواب میں صلح کا پیغام :-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ"۔ اگر تمہاری رائے اس کے حق میں ہو اور تم اس میں مصلحت دیکھو تو۔ یعنی صلح کرنے کا یہ حکم اختیاری ہے جو کہ رائے اور مصلحت کے تابع ہے۔ اجباری اور لازمی نہیں۔ سو اگر تم ایسی کسی صلح میں مجموعی اعتبار سے مصلحت دیکھو تو اس کیلئے جھک جاؤ اور صلح کے جواب میں صلح و آشتی کا پیغام دو تا کہ اس طرح اہلِ کفر و باطل کو حق کی طرف جھکنے اور اسکو اپنانے کا موقع مل سکے۔ اور وہ حق کو قبول کرکے آتشِ دوزخ سے بچ سکیں اور نورِ حق سے سرفراز ہو سکیں۔ بہرکیف اجتماعی اصولِ عدل کا تقاضا یہی تھا کہ حریف کی صلح کی پیشکش کو یونہی ٹھکرا نہ دیا جائے، بلکہ احتیاط کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو قبول کر لیا جائے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ دشمن کی طرف سے کسی شرارت اور دھوکہ دہی کے اندیشوں کے باوجود صلح کی پیشکش کو قبول کر لیں اور بھروسہ اللہ پر رکھیں۔ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ اور وہی ہے جو شر اور شرارت سے بچا سکتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۱۲۸ **اللہ ہی پر بھروسہ رکھنے کی تعلیم وتلقین :-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ اور صاف وصریح طور پر اور حصر وقصر کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ بھروسہ ہمیشہ اللہ ہی پر رکھو کہ کارساز اور مالک ومختار بہرحال وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ بھروسہ واعتماد کے لائق صرف وہی ہے۔ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ مگر افسوس کہ قرآنِ حکیم کی ان صاف وصریح نصوص اور واضح تعلیمات وارشادات کے باوجود آج کے کلمہ گو مشرک کا توکل واعتماد غیر اللہ ہی پر ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ چنانچہ کہیں وہ کہتا ہے "سہارا پنجتن دا" اور کہیں وہ "یا علی مدد" اور "یا غوث دستگیر" جیسے شرکیہ نعرے لگاتا ہے۔ کہیں امام ضامن کے نام کے تعویذ باندھتا ہے اور کہیں کہتا ہے "خواجہ اجمیری پار لگا دے کشتی میری" اور کہیں کہتا ہے "بہاء الحق بیڑا دھک" وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر بھی دعوٰی ہے توحید کا۔ فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى۔ حالانکہ یہ سب پاکیزہ ہستیاں جن کو یہ لوگ اپنے ایسے شرکیہ نعروں میں پکارتے ہیں، وہ خود اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرتی تھیں اور ہمیشہ اسی پر بھروسہ رکھنے کی تعلیم وتلقین کرتی تھیں۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر اور پیغمبروں کے امام حضرت محمد ﷺ کو حکم دیتا ہے اور صاف اور صریح طور پر حکم دیتا ہے کہ بھروسہ اللہ ہی پر کرو۔

۱۲۹ **اللہ ہر کسی کی سنتا، سب کچھ جانتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ :-** سو ارشاد فرمایا گیا اور تاکید کے کلمات کے ساتھ اور حصر وقصر کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ ہر کسی کی سنتا سب کچھ جانتا ہے:۔ اور یہ صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی صفت اور اُسی کی شانِ امتیاز و انفراد ہے کہ وہ ہر کسی کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ پس غلط کہتے اور سمجھتے ہیں وہ لوگ جو اس وحدہٗ لاشریک کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے اسکے لئے طرح طرح کے واسطے اور وسیلے گھڑتے ہیں اور اس بنا پر وہ شرک وبدعت کے طرح طرح کے کاروبار چلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ براہِ راست ہماری نہیں سنتا جب تک ہم کسی کا وسیلہ نہ پکڑیں۔ لہٰذا ہماری ان کے آگے اور انکی اسکے آگے وغیرہ وغیرہ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو یہ کہنا کہ اللہ ہماری نہیں سنتا قطعاً غلط اور اس طرح کی نصوصِ کریمہ کے خلاف ہے۔ اللہ ہر کسی کی سنتا سب کچھ جانتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِیْۤ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ

بے شک کافی ہے آپ کو اللہ (ان سب کے مقابلے میں ۱۳۳) وہ وہی ہے جس نے آپ کو قوت بخشی اپنی مدد سے، ۱۳۴ اور

بِالْمُؤْمِنِیْنَ ۙ﴿۶۲﴾ وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا

مسلمانوں کے ذریعے، ۱۳۵ اور اسی نے باہمی الفت ڈال دی ان کے دلوں میں، (اپنی خاص رحمت وعنایت سے، ورنہ) آپ اگر وہ

فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ

سب کچھ بھی خرچ کر دیتے جو کہ روئے زمین پر (موجود ہے) تو بھی آپ ان کے دلوں کو آپس میں نہیں جوڑ سکتے تھے، ۱۳۶

۱۳۳ بھروسہ اللہ پر رکھیں اور دشمن کی پرواہ نہ کریں:- کہ اگر اللہ پر صحیح طور سے بھروسہ ہو تو پھر کسی سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یعنی ﴿اِنْ یُّرِیْدُوْا﴾ کے جملہ شرطیہ کا جوابِ شرط محذوف ہے جو اسی طرح کے کسی جملے سے مقدر مانا جاسکتا ہے۔ اور ﴿فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ﴾ اس محذوف ومقدر کی علت اور دلیل ہے۔ اور یہ قرآنِ حکیم کا ایک معروف اسلوب ہے جو جگہ جگہ پایا جاتا ہے۔ سو اِس ارشادِ ربانی میں یہ درسِ عظیم دیا گیا ہے کہ اگر اللہ پر صحیح طور سے بھروسہ واعتماد ہے تو پھر کفار ومشرکین کے شرور سے ڈرنے اور انکی فکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ اللہ آپ کو کافی ہے۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش کریں تو آپ اُن کی پرواہ نہ کریں کہ اللہ آپ کو کافی ہے۔ پس اس طرح کے کسی اندیشے کی بناء پر صلح اور خیر کی پیشکش کو ٹھکرایا نہ جائے بلکہ اللہ کے بھروسے پر اُس کو قبول کر لیا جائے۔ سو اِس سے واضح فرما دیا گیا کہ توکل علی اللہ کا درس صرف مسجد کی چار دیواری ہی تک محدود نہیں بلکہ میدانِ جنگ میں بھی مسلمانوں کی اصل قوت یہی ہے۔ اور دشمن سے مصالحت جیسے اہم امور اور بین الاقوامی معاملات میں بھی اہلِ ایمان کی ڈھارس اور اُن کا پشت پناہ اللہ ہی ہے سو اللہ پر توکل ہی مسلمان کی اصل قوت اور اس کا حقیقی سرمایہ ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلٰی ما یحب ویرید۔

۱۳۴ کافی ہے اللہ آپ کو [اے پیغمبر!]:- جس نے آپ کو قوت بخشی اپنی مدد سے خاص طور پر اور ظاہری اسباب کے بغیر۔ جیسا کہ بدر میں ہوا کہ ایک طرف آپؐ کی مدد کے لئے بطورِ خاص آسمان سے فرشتوں کے لشکر اتارے گئے اور دوسری طرف کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیا گیا۔ پھر عین معرکہ کے دوران ان کی تھوڑی سی تعداد کو دشمن کی آنکھوں میں دوگنا کر کے دکھایا گیا جس سے اُن کے حوصلے پست ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔ جس سے وہ ذلت آمیز اور کمر توڑ شکست سے دوچار ہوئے۔ والحمد للہ۔ سو وہ اللہ آپ کو کافی ہے ہر حال میں اور زندگی کے ہر موڑ پر۔ پس دل کا بھروسہ ہمیشہ اُسی پر رکھیں۔ سو "اللہ کافی ہے آپ کو" کا اِرشاد مسلمان کے لئے ایک عظیم الشان اور بے مثال ڈھارس اور اُس کی قوت کا اصل سرچشمہ ہے۔ لیکن افسوس کہ آج کا جاہل مسلمان اپنے اس سرچشمۂ قوت سے غافل وبے خبر، طرح طرح کے تنکوں کا سہارا لیتا اور عاجز وبے بس مخلوق پر تکیہ وآسرا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ

میدانِ جنگ میں بھی اللہ کو چھوڑ کر اوروں کو پکارتا اور ان کے نام کے نعرے لگاتا ہے۔ تو پھر اس کو اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد سے سرفرازی نصیب ہو تو کیسے ہو؟ جب کہ یہ اُس پر بھروسہ رکھتے اور اُس کو پکارنے کے شرف ہی سے محروم رہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اللہ زیغ وضلال کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔

۱۳۵ پیغمبر کی تائید و تقویت اہلِ ایمان کے ذریعے : ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے آپکو قوت بخشی اہلِ ایمان کے ذریعے کہ ظاہری اسباب کے درجے میں ان کو بھی آپ کے لئے مدد اور قوت کا ذریعہ بنایا اور انہوں نے جس اطاعت و فرمانبرداری اور جانبازی و سرفروشی سے آپ کا ساتھ دیا اس کی مثال چشمِ فلک نے کبھی نہیں دیکھی ہو گی۔ سو ایسے میں آپ کو اِن کفار و مشرکین کی شرانگیزیوں کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے؟ پس آپ کے سچے پیروکار اہلِ ایمان کی مدد آپ کیلئے کافی ہے اور آپ کی اِطاعت و اِتباع کی برکت سے آپ کے ان سچے پیروکاروں کو ایسی قوت اور برکت نصیب ہوئی کہ انکی تھوڑی سی تعداد کفار کے اتنے بڑے لشکر پر غالب آ گئی۔ سو مومن کی قوت کا اصل دار و مدار قوتِ ایمان، توکل علی اللہ اور اِطاعت و اِتباعِ رسول میں ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ۔

۱۳۶ تالیفِ قلوب کی عنایت کا ذکر و بیان : ۔ سو تالیفِ قلوب کا معجزہ ایک عظیم الشان معجزہ تھا جو پیغمبرِ اسلام کے ہاتھ پر قدرت کی طرف سے ظاہر ہوا کہ صدیوں سے بگڑے اور کٹے ہوئے اور اَہواء و اَغراض کے جالوں میں پھنسے، جکڑے اور الجھے ہوئے دلوں اور پشت در پشت عداوت و دشمنی پر پلنے بڑھنے والے اِن لوگوں کو باہم ملا کر شیر و شکر کر دینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ بلکہ ایسا کرنا عام انسانی قوت سے خارج اور بشری استطاعت سے باہر ہے۔ کیونکہ یہ لوگ وہ لوگ تھے جن کے اندر طرح طرح کے تعصّبات پائے جاتے تھے۔ ان کے معبود اور ان کے خود ساختہ بت بھی آپس میں مختلف تھے۔ ان کے اندر موجود اسی طرح کے جاہلی تعصّبات کی بناء پر ان کے درمیان طرح طرح کی جنگیں اور لڑائیاں بھی ہو چکی تھیں۔ سو ایسی صورتحال میں کسی شیطانی مقصد یا دنیاوی مفاد کیلئے کوئی بھیڑ جمع کر دینا اگرچہ کچھ مشکل نہیں جیسا کہ ابنائے دنیا کے نعرے باز کرتے رہتے ہیں لیکن جہالت اور جاہلیت میں ڈوبے ہوئے ایسے لوگوں کو خالص دینِ حق کی بنیاد پر اکٹھے کر دینا اور باہم شیر و شکر کر دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ بلکہ یہ حضرتِ قادرِ مطلق۔ جل و علا۔ کی قدرتِ مطلقہ کا ایک عظیم الشان مظہر اور نمونہ تھا جو معجزانہ طور پر اسلام کے حق میں ظاہر ہوا۔ فللّٰہ الحمد رب العالمین۔ سو ایسا ہونا اللہ پاک کی خصوصی توفیق و عنایت کے بغیر ممکن نہ تھا۔ دلوں کی باگ ڈور اسی قادرِ مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے کہ وہ علیٰ کل شیءٍ قدیر ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾

لیکن اللہ ہی نے باہم جوڑ دیا ان (کے پھٹے ہوئے دلوں) کو، ۱۳۷ بے شک وہ بڑا ہی زبردست، نہایت ہی حکمت والا ہے،

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

اے پیغمبر! کافی ہے اللہ آپ کو بھی، اور ان تمام اہل ایمان کو بھی ۱۳۸ جو آپ کی

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ

ع ۸ ۲

پیروی کرتے ہیں، اے پیغمبر، شوق دلاؤ ایمان والوں کو

عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ

لڑائی کا، ۱۳۹ (اور پرواہ نہ کرو کافروں کی کثرت تعداد کی کہ) اگر تم میں سے بیس ثابت قدم رہنے والے ہوں گے،

۱۳۷ اللہ ہی نے جوڑ دیا باہم پھٹے ہوئے دلوں کو:- اور اُس نے اپنی رحمت وعنایت کی بناء پر شرابِ الفت کی چاشنی اور محبتِ حق کی لذت سے ان کو اس طرح شیر وشکر کر دیا کہ یہ سب ایک جسم و جان کی طرح ہو گئے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ انہوں نے زمانۂ جاہلیت کی ہر حمیت وعصبیت کو پاؤں تلے روند کر حق کے لئے اور صرف حق ہی کی خاطر اپنے بھائیوں اور باپ دادا تک کے خلاف بھی تلوار اٹھانے سے گریز نہیں کیا۔ جیسا کہ تاریخ اس کی شاہد عدل ہے۔ اور یہ اسلام کا وہ عظیم الشان معجزہ ہے جس کی نظیر اور مثال چشمِ فلک نے نہ اس سے پہلے دیکھی ہو گی اور نہ آئندہ قیامت تک کبھی دیکھ سکے گی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ اَزِمَّةُ الْاُمُوْرِ۔ پس آپ بھروسہ ہمیشہ اسی قادرِ مطلق ربِّ رحمٰن۔ جَلَّ وَ عَلَا۔ پر رکھیں، جو دلوں کا مالک ہے اور جسکے قبضۂ قدرت واختیار میں ہر چیز کی باگ ڈور ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ وہ آپ کی ہر موقع پر اور ہر اعتبار سے ایسی مدد فرمائے گا کہ پھر آپ کیلئے کسی شکست اور مغلوبیت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وعلى ما يحب ويريد وَهُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق وہدایت پر مستقیم وگامزن رکھے۔ آمین۔

۱۳۸ اور کافی ہے اللہ آپ کو اور جملہ اہل ایمان کو:- یعنی ﴿ وَمَنْ ﴾ کا عطف لفظ اللہ۔ جَلَّ جلالہٗ۔ پر نہیں، بلکہ ﴿ حَسْبُكَ ﴾ کے مضاف الیہ پر ہے۔ یعنی ضمیرِ مجرور پر کہ کفایت صرف اللہ ہی کی کفایت ہے۔ جیسا کہ اوپر کی آیتِ کریمہ میں اِرشاد فرمایا گیا ﴿ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ﴾ نیز دوسری متعدد آیاتِ کریمہ میں بھی یہی بیان فرمایا گیا۔ جیسے ﴿ حَسْبُنَا اللّٰهُ ﴾ "کافی ہے ہمیں اللہ" اور ﴿ حَسْبِيَ اللّٰهُ ﴾ "کافی ہے مجھے اللہ" وغیرہ۔ اس لئے حضراتِ مفسرین کرام بالعموم اسکا مطلب یہی بیان کرتے ہیں یعنی "اَللّٰهُ كَافِيْكَ وَكَافِيْ مَنْ اتَّبَعَكَ" یعنی "اللہ کافی ہے آپ کو بھی اور ان سب اہلِ ایمان کو بھی جنہوں نے آپکی پیروی کی"۔ اور یہ ترکیب ایسے ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے "حَسْبُكَ وَزَيْدًا

دِرْھَمٌ" یعنی "ایک درہم کافی ہے آپ کو بھی اور زید کو بھی" (صفوہ، محاسن، ابنِ کثیر وغیرہ)۔ سو اب معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ کافی ہے آپ کو بھی اے پیغمبر اور کافی ہے ان سب ایمان والوں کو بھی جو آپ کی پیروی کرتے ہیں۔ اور اگر ﴿وَمَنِ اتَّبَعَکَ﴾ کا عطف لفظِ جلالہ یعنی "اللہ" پر مانا جائے جیسا کہ اقرب مذکور ہونے کی وجہ سے یہ متبادر بھی ہے تو اس صورت میں بھی معنیٰ واضح ہے کہ اصل کفایت تو بہرحال اللہ پاک ہی کی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ کہ وہی سب کا مالک اور کارساز ہے۔ مگر اس نے اپنی اس کارسازی کے ضمن میں ظاہری اسباب کے درجے میں آپ کو ایسے سچے ایماندار اور مخلص و جاں نثار ساتھی بھی عطا فرمادیئے جو کہ آپ کے حکم و ارشاد پر اپنی جانوں کی بازی لگانے کو بھی اپنے لئے سعادت سمجھتے ہیں، جیسا کہ اوپر آیت نمبر ۶۲ میں ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿ھُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور جس کی کچھ وضاحت اوپر حاشیہ نمبر ۱۳۴ میں بھی کر دی گئی ہے۔ علامہ زمخشری جیسے محققین نے پہلے احتمال کو ہی اپنایا اور اس کو ترجیح دی ہے یعنی یہ کہ اللہ ہی کافی ہے آپ کو بھی اے پیغمبر اور ان اہلِ ایمان کو بھی جو آپ کی پیروی کرتے ہیں۔ اور علامہ ابن القیم۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ نے "زاد المعاد" کے مقدمہ میں ٹھوس دلائل کے ساتھ اسی کو ترجیح دی ہے، جبکہ دوسرا قول مجاہدؒ اور حضرتِ حسن بصریؒ جیسے حضرات سے مروی ہے۔ اور صاحبِ جلالین وغیرہ کچھ اہلِ علم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور اس کا مطلب بھی وہی ہے جو ابھی ہم نے اوپر بیان کیا جس کے مطابق اس دوسرے قول واحتمال کا مآل ومدعا بھی وہی قرار پاتا ہے جو کہ پہلے کا ہے مگر راجح قول بہرحال پہلا ہی ہے۔ بلکہ دوسرے احتمال کے بارے میں بعض اہلِ علم نے سخت الفاظ بھی کہے ہیں اور اس کو گمراہی اور کفریہ الفاظ میں سے قرار دیا ہے کہ ایسا کہنا ماننا ﴿حَسْبِیَ اللّٰہُ﴾، ﴿حَسْبُنَا اللّٰہُ﴾ اور ﴿اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ﴾ جیسی دوسری متعدد آیات ونصوص کے خلاف اور انکے منافی ہے۔ (محاسن التاویل، حاشیہ جامع القرآن وغیرہ)۔ سو حضراتِ اہلِ علم کی ان تصریحات کے مطابق اہلِ بدعت کے بعض بڑے تحریف پسندوں کی وہ سب تاویلات اور تک بندیاں ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا ہو جاتی ہیں جو انہوں نے اس آیتِ کریمہ سے متعلق کی ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ مِنْ کُلِّ سُوْٓءٍ وَّزَیْغٍ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر موقع پر اپنی حفاظت وکفایت کے سائے میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۳۹ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تحریض وترغیب کا حکم وارشاد: سو حکم وارشاد فرمایا گیا کہ اے پیغمبر ترغیب دو لوگوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی۔ جہاد وقتال کے فوائد ومنافع بیان کر کے اور اس پر ملنے والے اجر وثواب سے ان کو آگاہ کر کے کہ جہاد فی سبیل اللہ کا یہ حکم و ارشاد ایمان والوں کیلئے دارین کی سعادت وسرخروئی اور کامرانی کا وسیلہ اور حیاتِ جاودانی کا ذریعہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ تاکہ یہ لوگ اس سعادت سے متمتع و بہرہ ور ہوسکیں اور اس طرح دنیا سے شرور وفتن کا قلع قمع ہوسکے اور دینِ حق کا بول بالا ہو اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی راہ کی رکاوٹیں دور ہوسکیں۔ سو جہاد فی سبیل اللہ دینِ حنیف کا ایک عظیم الشان مقصد اور تعلیماتِ اسلام کا ایک اہم مقتضیٰ ہے۔ بہرکیف اس آیتِ کریمہ میں پیغمبر کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ مسلمانوں کو جہاد پر ابھاریں اور ان کو اس کے لئے تیار کریں۔ سو جہاد فی سبیل اللہ کی شان بہت عظیم ہے پس اسباب و وسائل کی قلت کی پرواہ کئے بغیر لوگوں کو جہاد کی ترغیب وتعلیم دو۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور ان مخلص جاں نثار مسلمانوں کی رفاقت آپ کو حاصل ہے تو پھر آپ کو ان کفار اشرار کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے۔ پس بھروسہ ہمیشہ اللہ پر رکھیں اور جہاد کی ترغیب دیں۔

يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ

تو وہ غالب آجائیں گے دو سو پر، اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں گے

يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ

تو وہ غالب آجائیں گے ایک ہزار کافروں پر، ف۱۴۰ یہ اس لئے کہ یہ لوگ

لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ

سمجھتے نہیں (حق اور حقیقت کو)، ف۱۴۱ اب تخفیف فرمادی اللہ نے تم سے، اور اس نے دیکھ لیا

۱۴۰ ایک سو مومن ایک ہزار کافروں پر بھاری:- یعنی ایک اور دس کی نسبت رہے گی۔ سو اس میں جہاں ایک طرف مسلمانوں کے غلبہ کی واضح خوشخبری ہے، وہیں دوسری طرف یہ سخت آزمائش بھی ہے کہ مسلمانوں پر اپنے سے دس گنا فوج کے مقابلے میں بھی کھڑا ہونا واجب ہے اور بھاگنا جائز نہیں۔ (روح، ابنِ کثیر وغیرہ)۔ سو اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ اصل قوت ایمان و یقین کی قوت ہے، جو کہ ایک ناقابلِ شکست قوت ہے، جس سے سرفرازی و سرشاری کے بعد ایک مومنِ صادق دس کافروں پر بھی بھاری ہوتا ہے۔ اور تاریخ اسکی شاہد عدل ہے جسکے مظاہر ماضی کے مختلف ادوار کے علاوہ دورِ حاضر میں بھی افغانستان، کشمیر، فلسطین اور چیچنیا وغیرہ میں آج ہمارے سامنے موجود ہیں۔ سو اصل قوت ایمان و یقین کی قوت ہے کہ اس سے سرشاری کے بعد مومن موت سے بھاگتا نہیں بلکہ اس کو گلے لگاتا ہے۔ اور اس سے ڈرتا نہیں بلکہ اس کی تمنا کرتا ہے کہ راہِ حق میں موت خسارے کا سودا نہیں بلکہ حیاتِ جاودانی اور سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ہے- وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْد- وَهُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْل- سو اس سے قوتِ ایمان اور مومنِ صادق کی عظمتِ شان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۴۱ کافر لوگ سمجھتے نہیں حق اور حقیقت کو:- کہ اُن کے پیشِ نظر صرف دنیا اور اس کے حقیر منافع اور فانی مفادات ہوتے ہیں اور بس۔ جس سے نہ اُن کو باطن کی قوت و عزیمت نصیب ہوسکتی ہے اور نہ ہی مصائب و مشاکل کے مقابلے میں ثبات و قرار۔ جبکہ مومنِ صادق کی لڑائی اور اُس کا جہاد اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور حصولِ جنت کے عظیم اور پاکیزہ مقصد کے لئے ہوتا ہے، جس میں کامیابی ہی کامیابی ہے کہ اس میں اس کو یا فتح و غنیمت کی دولت نصیب ہوتی ہے اور یا شہادت اور جنت سے سرفرازی کی سعادت۔ اس لئے وہ پوری ثابت قدمی اور بے جگری سے لڑتا ہے۔ بلکہ وہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے ہی کی غرض سے لڑتا ہے اور اس کی امید اور تمنا رکھتا ہے کہ میری جان جان آفرین کی رضاء و خوشنودی کے لئے قربان ہوجائے۔ اور اس کے نتیجے میں شہادت کے درجہ و مرتبہ سے مشرف ہو کر حیاتِ ابدی کی دولت سے بہرہ ور ہو جاؤں اور اس کی شان یہ ہوتی ہے کہ جب اس کے سینے پر دشمن کا تیر لگتا ہے اور وہ دنیا سے رخصت ہونے کو ہوتا ہے تو اُس کے منہ سے ہائے و وائے جیسے کلماتِ حسرت میں سے کسی کلمے کی بجائے بلا اختیار اور بے ساختہ اس طرح کا ایمان افروز اور حیات آفریں کلمہ نکلتا ہے "فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَة" کہ "رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا"۔ جیسا کہ حضرت حرام بن ملحان -رضی اللہ عنہ- نے اپنے سینے میں دشمن کا تیر لگنے پر کہا تھا۔ سو ایمان و یقین کی قوت ناقابلِ شکست قوت ہے- والحمد للہ-

اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ

کہ تمہارے اندر کمزوری ہے، پس اگر تم میں سے ایک سو ہونگے صبر والے،

یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْۤا

تو وہ غالب آجائیں گے دو سو پر، ۱۴۲ اور تم میں سے ایک ہزار ہونگے (اسی شان کے) تو وہ غالب آجائیں گے

اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝۶۶ مَا كَانَ

دو ہزار پر، اللہ کے اذن (وحکم) سے، اور اللہ بہر حال ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے، ۱۴۳ کسی نبی کی

۱۴۲ ایک سو اہل ایمان کا غلبہ دو سو اہل کفر و باطل پر:- صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباس- رضی اللہ عنہما- سے مروی ہے کہ جب ایک اور دس کی نسبت کا اوپر والا حکم نازل ہوا تو یہ صحابہ کرام پر طبعاً بڑا شاق گزرا۔ تو ان کی رعایت میں اس حکم سابق کی تخفیف سے متعلق ایک اور دس کی بجائے، ایک اور دو کی نسبت کا یہ حکم نازل ہوا۔ جو ظاہر ہے کہ پہلے حکم کے کچھ عرصہ بعد ہی نازل ہوا ہوگا تو اس سے پہلے والا حکم منسوخ ہوگیا اور اب ایک اور دو کی نسبت پر قائم رہنے کا حکم فرمایا گیا۔ (المراغی، القاسمی، ابن کثیر وغیرہ)۔ سو بعض حضرات اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ دوسرا حکم پہلے حکم کیلئے ناسخ ہے لیکن حضرات اہل علم کے دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ یہ حکم پہلے حکم کیلئے ناسخ نہیں بلکہ پہلا حکم عزیمت پر مبنی ہے اور دوسرا رخصت پر۔ سو جو پہلے حکم پر عمل کرے گا اُس کا اجر وثواب کامل اور اکمل ہوگا۔ اور جو دوسرے پر عمل کرے گا وہ بھی جائز اور درست ہے۔ اور وجہ اسکی یہ ہے کہ صبر و یقین اور توکل علی اللہ کے درجات و مراتب مختلف ہیں۔ جس درجے کا صبر و یقین ہوگا، اسی درجے کی نصرت و امداد اور حمایت و عنایت خداوندی اسکو نصیب ہوگی۔ (معارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔ بہر کیف یہ بھی مسلمان کی عظمت شان کا ایک مظہر ہے کہ ان کی اتنی تعداد اپنے سے دوگنے کفار پر بھاری ہے، سو اصل قوت ایمان کی قوت ہے جس کے بعد مومن صادق کے لیے نہ کوئی خسارہ و نقصان ہے اور نہ کوئی خوف و اندیشہ۔ اللہم زدنا منہ وثبتنا علیہ یاذا الجلال والاکرام۔

۱۴۳ اللہ تعالیٰ کی معیت کا مژدۂ جانفزا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے۔ یعنی اپنی تائید و نصرت کے اعتبار سے۔ پس صبر و استقامت کامیابی کی اساس و بنیاد ہے۔ لہٰذا اس کو اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دینا- فایاہ نسال سبحانہٗ وتعالیٰ التوفیق والسداد لذالک والثبات علیہ- کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل ہوگی تو پھر شکست اور مغلوبیت کا کوئی سوال ہی نہیں کہ پھر کامیابی ہی کامیابی ہے- وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقِ- بہر کیف صبر وسیلۂ ظفر ہے اور یہ ایسی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد کو کھینچنے والی ہے۔ جتنا انسان صفت صبر میں سچا اور پکا ہوگا اتنا ہی زیادہ وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد سے سرفراز ہوگا۔ پس مومن کو چاہیئے کہ وہ راہ حق و صواب پر پکا اور ثابت قدم رہے۔ خدا اور اُس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کو لازم پکڑے اور معاصی و ذنوب سے ہمیشہ دور و نفور اور مجتنب رہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی معیت سے سرفراز ہوسکے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی معیت اور نصرت و اعانت سے سرفراز ہوگیا تو پھر اللہ تعالیٰ کی ساری کائنات اُس کے ساتھ ہوجائے گی کہ کائنات ساری اللہ تعالیٰ کے حکم و ارشاد کی پابند ہے تو ایسے میں مومن صادق کے لئے شکست کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے؟ سو ایمان و استقامت اور صبر و مصابرت عظیم الشان صفات ہیں- وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وَعَلٰی مَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ- وَهُوَ الْهَادِیْ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ-

لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي

یہ شان نہیں کہ ان کے پاس قیدی رہیں، یہاں تک کہ وہ زور کچل دے زمین

الْاَرْضِ ط تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ

میں ١٤٤ (کافر اور اس کے علمبرداروں کا)، تم لوگ چاہتے ہو دنیا کے (عارضی اور فانی) فائدے، جب کہ اللہ چاہتا ہے

١٤٤ جہادِ اسلامی کا اصل مقصد کفر کا زور توڑنا: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ جہادِ اسلامی کا اصل مقصد تو کفر کا زور توڑنا ہی ہے، تاکہ دینِ حق کے لئے راہ صاف ہو جائے اور کوئی فتنہ ورکاوٹ باقی نہ رہ جائے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ الاٰیۃ (الانفال: ٣٩)۔ غزوۂ بدر کے بعد جب آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے اُسارئ بدر کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا تو حضرتِ صدیقِ اکبر - رضی اللہ عنہ - نے رائے دی کہ اِن کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے کہ ایک تو اِس طرح اِن کے لئے قبولِ اسلام کا موقع باقی رہے گا اور یہ ممنون بھی ہوں گے اور دوسرے اس لئے کہ اس طرح فدیہ لینے سے ہماری مالی پوزیشن بھی اچھی ہو جائے گی، جبکہ حضرتِ عمر فاروق - رضی اللہ عنہ - کی رائے تھی کہ ان کو تہ تیغ کر دیا جائے اور اس طور پر کیا جائے کہ ہر شخص اپنے قریبی رشتہ دار قیدی کا سر خود قلم کرے تاکہ دنیا کے سامنے یہ حقیقت پوری طرح آشکارا اور واضح ہو جائے کہ حق کے مقابلے میں ہم کسی قرابت و رشتہ داری کی پرواہ نہیں کرتے۔ آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے پہلی رائے کو اختیار کرتے ہوئے اِن قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا تو اس پر یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں اور ان میں یہ بتایا گیا کہ فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دینے کا یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ فیصلہ نہیں۔ مگر اس بارے چونکہ مشورہ اور اجتہاد سے کام لیا گیا تھا اور اجتہادی خطا قابلِ مواخذہ نہیں ہوتی اس لئے اس بناء پر ان کی کوئی گرفت نہیں فرمائی گئی۔ سو اس سے اہلِ بدعت کے علمِ غیبِ کلی اور اختیارِ کلی جیسے خود ساختہ عقائد کی جڑ کٹ جاتی ہے کیونکہ پیغمبر کو اگر اللہ پاک کی رضاء اور پسندیدگی کا علم ہوتا تو آپ ایسا کام کبھی کرتے ہی نہ جو اُس کی رضا اور پسندیدگی کے خلاف تھا۔ اور اگر آنجناب - علیہ الصلوٰۃ والسلام - مختارِ کل ہوتے تو آپؐ کو ایسا کر لینے پر اس طرح عتاب نہ فرمایا جاتا۔ روایات میں ہے کہ اس ارشادِ ربانی کے نزول کے بعد آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - اور حضرت ابوبکرؓ دونوں رونے لگے۔ اور پھر آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے اِرشاد فرمایا کہ اِس فیصلے پر اللہ کا عذاب اس درخت سے بھی زیادہ قریب پہنچ چکا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔ آپؐ نے قریب ہی پائے جانے والے ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا۔ نیز فرمایا کہ اگر یہ عذاب نازل ہو جاتا تو عمر اور سعد بن معاذ کے سوا کوئی بھی نہ بچ سکتا۔ (روح المعانی، زاد المسیر، ابنِ کثیر، مدارک التنزیل، محاسن التاویل اور صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ سبحان اللہ - کہاں حضرت نبی معصوم - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کی شانِ عبدیت کے یہ واضح اور کھلے مظاہر اور کہاں اہلِ بدعت کے علمِ غیبِ کلی اور اختیارِ کلی کے وہ شرکیہ عقائد جن کیلئے وہ طرح طرح کے پاپڑ بیلتے ہیں۔ یہاں تک کہ صاف وصریح نصوص تک میں طرح طرح کی تاویلات بلکہ تحریفات سے کام لیتے اور نہیں سمجھتے کہ وہ کس قدر ہولناک کام کا ارتکاب کر رہے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ تعالیٰ فکر وعمل کی ہر کجی سے محفوظ رکھے - آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

الۡاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۶۷﴾ لَوۡلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ

(تمہارے لئے) آخرت (اوراس کی حقیقی اور ابدی کامیابی،) اور اللہ بڑا ہی زبردست، نہایت ہی حکمت والا ہے، اگر

سَبَقَ لَمَسَّكُمۡ فِيۡمَاۤ اَخَذۡتُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوۡا

اللہ کی طرف سے ایک نوشتہ طے نہ ہو چکا ہوتا ۱۴۵ تو یقیناً پہنچ کر رہتا تم لوگوں کو ایک بڑا عذاب، اس (مال) کی بناء پر جو تم

مِمَّا غَنِمۡتُمۡ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

نے (اس ضمن میں) لیا ہے، پس اب کھاؤ (پیو) تم لوگ اس مالِ غنیمت میں سے جو تم نے حاصل کیا ہے و ۱۴۶ حلال پاکیزہ،

۱۴۵ نوشتۂ خداوندی سے مراد؟:- اس نوشتہ (کتاب) سے کیا مراد ہے؟ اس میں حضرات اہلِ علم کے مختلف اقوال ہیں۔ مشہور قول کے مطابق اس سے مراد یہ ہے کہ مجتہد کو اس کی اجتہادی خطا پر گرفت نہیں ہوگی۔ امام رازی نے اسی کو ترجیح دی ہے اور باقی سب کی تضعیف کی ہے (تفسیر کبیر، محاسن التاویل وغیرہ)۔ بہرکیف اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات پہلے سے طے شدہ نہ ہوتی تو تم لوگوں کو اے مسلمانو اپنے اس فیصلے اور اس مالِ غنیمت کی بناء پر جو تم نے ان قیدیوں سے لیا بہت بڑا عذاب آ پکڑتا ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ جَلَّ وَعَلَا ۔ اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ ضابطہ واُصول ہے کہ وہ کسی قوم کو کسی ایسی بات پر عذاب نہیں دیتا جس کے بارے میں اس سے پہلے نہی وارد نہ ہوئی ہو۔ اور یہاں اس سے پہلے اس بارے میں کوئی نہی نہیں آئی تھی۔ اس لیے اس فیصلے پر ان کی کوئی گرفت و پکڑ نہیں فرمائی گئی۔ اور بعض نے کہا کہ اس کتاب سے مراد یہ ہے کہ اہلِ بدر کو بخش دیا گیا۔ ان کو کوئی عذاب اور سزا نہیں دی جائے گی۔ اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد غنیمت کی حلت کا حکم ہے وغیرہ وغیرہ۔ (محاسن التاویل للامام القاسمی الدمشقی)۔

۱۴۶ زرِ فدیہ کو کھانے اور استعمال کرنے کی اجازت و اباحت:- روایات میں وراد ہے کہ اُساری بدر سے متعلق جب اوپر والا تنبیہی ارشاد نازل ہوا تو حضراتِ صحابہ کرام کو اس سے یہ تشویش لاحق ہوئی کہ جو زرِ فدیہ اس ضمن میں ان قیدیوں سے لیا گیا ہے اس کے بارے کیا کیا جائے؟ آیا یہ ہمارے لئے حلال ہے یا نہیں؟ تو اس کے بارے میں یہ ارشادِ ربانی نازل ہوا جس میں اس مال کی حلت کی تصریح فرما دی گئی کہ اس سے تم لوگ کھاؤ اور پیو اور اسکو استعمال کرو۔ اس میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں۔ انکو فدیہ لیکر چھوڑنے کی غلطی اپنی جگہ غلطی تھی اور وہ بھی ایک اجتہادی اور غیر ارادی غلطی تھی۔ لیکن اس سے اُس زرِ فدیہ کی حلت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ یہ تمہارے لئے حلال اور طیب ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کہ تمہارا وہ حلال اور طیب مال کسی ایسی چیز سے آلودہ نہ ہو جائے جس سے اللہ نے منع کیا ہو۔ اگر تم لوگ حدودِ الٰہی کا خیال کرتے اور ان میں تجاوز سے بچتے رہے تو وہ تمہاری چھوٹی خطاؤں اور غلطیوں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا بلکہ عفو و درگزر ہی سے کام لے گا کہ وہ بڑا ہی غفور و رحیم ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس کی شان ہی بخشنا اور رحم فرمانا ہے۔ فاغفر لی یا ربی وارحمنی فانک انت الغفور الرحیم۔

ع ٥ ٩ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ

اور ڈرتے رہو تم اللہ سے، بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے اے پیغمبر! کہو ان قیدیوں سے جو کہ تم لوگوں

مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا

کے قبضہ میں ہیں، کہ اگر اللہ نے تمہارے دلوں میں بھلائی دیکھی

يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَ

تو وہ تمہیں اس سے کہیں بہتر عطا فرمائے گا جو تم سے لیا گیا، ف ۱۴۷ اور تمہاری بخشش بھی فرمائے گا، اور

اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٠﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ

اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے ف ۱۴۸ اور اگر انہوں نے آپ کو دھوکہ دینا چاہا تو (یہ کوئی

فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ

نئی بات نہیں کہ) یہ لوگ تو اس سے پہلے بھی اللہ سے دھوکہ بازی کر چکے ہیں، مگر اس نے ان کو (آپ کے ہاتھوں) گرفتار کرادیا،

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

اور اللہ بڑا ہی علم والا، نہایت ہی حکمت والا ہے، بے شک جو لوگ ایمان لائے اور

هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

انہوں نے ہجرت کی، ف ۱۴۹ اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اپنے مالوں کے ساتھ، اور اپنی جانوں کے ساتھ،

۱۴۷ **اُساریٰ بدر سے خیر کا وعدہ:**- سو پیغمبر کو حکم وارشاد فرمایا گیا کہ آپ اپنے زیر قبضہ ان قیدیوں سے کہو کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں بھلائی دیکھی تو وہ تم کو اس سے کہیں بہتر عطا فرمائے گا جو تم سے لیا گیا ہے کہ سب خزانوں کا مالک اور سب کچھ دینے والا تو وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ وہ کتنا بہتر دیگا، کیا اور کہاں سے دیگا اور کس طرح اور کس شکل میں دے گا اور کتنا دیگا۔ سو یہ سب کچھ اسی کے علم واختیار میں ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اگر تمہاری نیتیں درست ہوئیں اے قیدیو تو وہ بہرحال تم کو بہتر بدلے سے نوازے گا۔ سو اصل مدار وانحصار انسان کے باطن اور اسکی نیت وارادہ پر ہے۔ بہرکیف اس ارشاد میں قیدیوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس پر تمہیں دل گرفتہ ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ تمہیں قتل کی بجائے فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا ہے۔

ورنہ تم تو اصل میں قتل اور گردن زدنی کے مستحق تھے۔ سو یہ اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے تم لوگوں پر بہت بڑا احسان ہے۔ اور اس احسان کا حق یہ ہے کہ تم لوگ ٹھنڈے دل سے اپنے رویئے کا از سرنو جائزہ لو اور اپنی روش بدل کر اپنی اِصلاح کر لو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت تمہاری طرف متوجہ ہو جائے گی اور جو فدیہ تم سے لیا گیا وہ اس سے کہیں بڑھ کر تمہیں اپنی عنایات سے نوازے گا۔ تمہیں دینِ حق کی نعمت سے سرفراز فرمائے گا اور تمہاری کوتاہیوں کو بخش دے گا جس سے تمہاری دنیا بھی اچھی ہو جائے گی اور آخرت بھی۔ ورنہ تمہارے لئے محرومی ہی محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ اللہ محرومی کی ہر شکل سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۱۲۸ اُساریٰ بدر کیلئے مغفرت و بخشش کا وعدہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تم لوگوں کی بخشش فرمائے گا اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا انتہائی مہربان ہے۔ روایات کے مطابق اِس آیتِ کریمہ کا اولین اور سب سے اہم مصداق حضرتِ عباس بن عبد المطلب ۔ رضی اللہ عنہ ۔ ہیں۔ جنہوں نے اپنے خزانہ مدفون سے اپنا فدیہ ادا کیا تھا۔ چنانچہ روایات میں وارد ہے کہ آپؓ اسلام لانے کے بعد اس بارے اظہارِ مسرت کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ اِس آیتِ کریمہ میں فرمائے گئے دو وعدوں میں سے ایک تو پورا ہو گیا کہ مجھے اپنے دیئے ہوئے مالِ فدیہ کے بدلے میں اتنا اور اتنا مال مل گیا ہے جو میرے دیئے ہوئے زرِ فدیہ سے کہیں بڑھ کر ہے۔ امید ہے دوسرا وعدہ بھی اسی طرح پورا ہو جائے گا اور میری بخشش بھی فرما دی جائے گی۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر وغیرہ) ۔ چنانچہ حضرتِ عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے زرِ فدیہ میں بیس اوقیے سونا دیا تھا۔ لیکن اب میرے پاس بیس غلام ہیں جو سب کے سب تاجر ہیں۔ اور ان میں سے ادنیٰ غلام مجھے بیس ہزار درہم ادا کرتا ہے اور مجھے آبِ زمزم پلانے کی خدمت نصیب ہوئی جسکے مقابلے میں میں تمام اہلِ مکہ کے اموال کو بھی پسند نہیں کرتا۔ اور اس بناء پر مجھے اس بات کی پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو بھی معاف فرما دے گا کہ وہ اپنے وعدے کی کبھی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ (معارف للکاندھلویؒ وغیرہ) ۔ سو دینے اور نوازنے والی ذات اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی ذات ہے۔ پس بھروسہ ہمیشہ اسی وحدہٗ لاشریک پر رکھنا چاہیے ۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

۱۲۹ فضائل ومراتبِ مہاجرین و انصار کا ذکر وبیان: ۔ یعنی سو ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں یعنی جنہوں نے ہجرت کی مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف۔ اپنے دین وایمان کی حفاظت اور اپنے رب کی رضاء کے لئے۔ (محاسن التاویل وغیرہ) ۔ سو اللہ کی راہ میں ہجرت بہت بڑی فضیلت ہے خاص کر اوائلِ اسلام کے اس دور میں جبکہ حفاظتِ دین کیلئے ہجرت فرض تھی۔ اسلام سے پہلے باہمی حمایت ونصرت کی بنیاد خاندانی اور قبیلائی عصبیت کی بنیاد پر تھی۔ کوئی شخص یا خاندان کسی خطرے یا مصیبت میں مبتلا ہوتا تو اُس کا خاندان یا قبیلہ اُس کی حمایت وامداد میں سربکف ہو جاتا۔ اس کے برعکس اِسلام نے جب مدینہ منورہ میں رحمتوں بھرا نیا معاشرہ قائم کیا تو اس میں حمایت ونصرت کی بنیاد ایمان اور ہجرت پر رکھی۔ اسی لئے یہاں پر اِرشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں اور اُس کی رضاء کے لئے اپنے جان ومال سے جہاد کیا۔ تو ان کے لیے یہ درجات ومراتب ہیں جو کہ عظیم الشان درجات ومراتب ہیں۔

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا

اور جنہوں نے (ان مہاجروں کو) جگہ دی، اور ان کی مدد کی،

اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ

وہی دوست (اور وارث) ہیں ایک دوسرے کے، ف۱۵۰ اور جو

اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ

ایمان تو لائے پر انہوں نے ہجرت نہیں کی، تو تمہیں ان کی ولایت (اور میراث) سے کوئی

مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ

سروکار نہیں، یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں، اور اگر وہ دین کے معاملے میں تم سے

فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ

مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے، مگر ان لوگوں کے مقابلے میں نہیں، جن کے

۱۵۰ **انصار و مہاجرین کی باہمی دوستی و میراث کا بیان:**- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اور جنہوں نے ان مہاجرین کو جگہ دی اور ان کی مدد کی تو یہی لوگ ہیں ایک دوسرے کے دوست اور والی و وارث۔ عقیدہ و ایمان کے اس رشتے کی بناء پر، جو کہ نسبی، علاقائی اور قبیلائی وغیرہ تمام رشتوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ چنانچہ ایسے سب حضرات اپنے اسی دینی رشتہ اور ایمانی اخوت کی بناء پر ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ اور دینی اُخوت و محبت کی یہ وہ منفرد مثال تھی جو صرف اسلام نے پیش کی اور جسکی دوسری کوئی نظیر و مثال کہیں نہیں پائی جاسکتی۔ اور اِن حضرات کی اِن صفات کو بیان کر کے واضح فرما دیا گیا کہ انسان کی اصل قدر و قیمت اس کے اپنے عمل و کردار سے ہے، نہ کہ نسلی اور قومی نسبتوں پر۔ سو جن کا ایمان سچا پکا اور ان کا عقیدہ درست اور صحیح ہوگا اور ان کا عمل و کردار بھی صحیح اور درست ہوگا، وہی سچی اور حقیقی عزت و عظمت کے حق دار ہونگے خواہ ان کا تعلق کسی بھی نسل اور نسب سے ہو۔ اور جو ایمان و یقین اور عمل و کردار کی اس حقیقی اور مبارک پونجی سے محروم ہونگے -والعیاذ باللہ- وہ حقیقی عزت و عظمت سے محروم ہونگے خواہ اپنے تئیں وہ اپنے آپ کو کتنا ہی کچھ کیوں نہ سمجھتے ہوں اور دنیا ان کو کیا ہی کچھ کیوں نہ کہتی اور مانتی ہو کہ انسانی شرف و مقام کا اصل تعلق اس کے اپنے ایمان و عقیدے اور عمل و کردار سے ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید و علی ما یحب و یرید۔

وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٧٢﴾

درمیان اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو، ۱۵۱ اور اللہ خوب دیکھتا ہے ان کاموں کو جو تم لوگ کر رہے ہو،

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ إِلَّا

اور جو لوگ اڑے ہوئے ہیں اپنے کفر (و باطل) پر، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست (اور وارث) ہیں، اگر

تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿٧٣﴾

تم لوگ ایسا نہیں کرو گے (اے مسلمانو) ۱۵۲ تو زمین میں بڑا فتنہ اور فساد برپا ہو گا،

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت بھی کی، اور جہاد بھی کیا

۱۵۱ **وفائے عہد کی اہمیت کا ایک نمونہ و مظہر:** ۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ تمہارے وہ ایماندار بھائی جنہوں نے دار الکفر سے دار الایمان کی طرف ہجرت نہیں کی بلکہ وہ بدستور دار الکفر ہی میں مقیم ہیں تو وہ اگر دین کے معاملے میں تم سے کوئی مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے مگر ان لوگوں کے خلاف نہیں جن کے درمیان اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو کہ ان کے خلاف ان کی مدد کرنا تمہارے لئے درست نہیں ہو گا کہ یہ عہد شکنی کے زمرے میں آتا ہے جو کہ جائز نہیں۔ سبحان اللہ۔ عہد کو نبھانے کی کتنی بڑی تاکید اور کس قدر اہمیت ہے اس دینِ حق میں۔ مگر آج کا غافل مسلمان اس سے غافل و بے بہرہ ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللهِ۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ دار الکفر میں رہ جانے والے مسلمان اگر دین کے بارے میں تم لوگوں سے کوئی مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے۔ سو تم لوگ اپنے بس کی حد تک اور بقدرِ امکان ان کی مدد کرو۔ بشرطیکہ وہ مدد کسی ایسی قوم کے خلاف نہ ہو جس سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ ہو کہ معاہدہ کا احترام بہرحال مقدم ہے۔ اور اگر تم نے اس معاہدے کے خلاف خفیہ یا اعلانیہ کوئی قدم اٹھایا تو یاد رکھو کہ اللہ اس سے بے خبر نہیں کہ وہ تمہاری تمام کارروائیوں کو دیکھ رہا ہے۔ اور اس کے حضور بہرحال تم سب نے حاضر ہو کر جواب دینا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۱۵۲ **اللہ کے حکموں کی پابندی کی تاکید:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم نے ایسے نہ کیا تو اس کا نتیجہ بہت برا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم و ارشاد سے سرتابی باعثِ شر و فساد ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللهِ ۔ پس تم سب پر لازم ہے کہ تم پابندی کرو ہر اس حکم و ارشاد کی جس کا حکم تمہیں دیا گیا ہے۔ سو اہلِ ایمان سے دوستی و تعلق داری اور اہلِ کفر سے قطعِ تعلق و بیزاری کا جو حکم تمہیں دیا گیا ہے، سو جب تک تم سب ایمان کی بنیاد پر باہم مل کر ایک قوت نہیں بنو گے تو کفر تمہارے سر ہو جائے گا اور عقائد و اعمال میں بڑا فساد واقع ہو جائے گا اور خرابی پھیل جائے گی۔ کہ کفر و باطل کا غلبہ و تسلط جڑ بنیاد ہے تمام فتنوں اور فسادات کی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللهِ الْعَظِيْمِ ۔ سو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اعراض و سرتابی اور انحراف و روگردانی باعثِ شر و فساد ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللهِ الْعَظِيْمِ۔

سَبِيلِ اللّٰهِ وَالَّذِينَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ

اللہ کی راہ میں، اور جنہوں نے ان کو ٹھکانا دیا اور ان کی مدد بھی کی، تو ایسے ہی

هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٧٤﴾

لوگ مومن ہیں سچے ۱۵۳ (پکے،) ان کے لئے ایک عظیم الشان بخشش بھی ہے، ۱۵۴ اور عزت کی روزی بھی، ۱۵۵

وَالَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجٰهَدُوا مَعَكُمْ

اور جو لوگ ایمان لائے اس کے بعد، ۱۵۶ اور انہوں نے ہجرت بھی کی، اور جہاد بھی کیا، تمہارے ساتھ شامل ہو کر،

فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى

تو ایسے لوگ بھی تم ہی میں سے ہیں، ۱۵۷ اور رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ

بِبَعْضٍ فِي كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٧٥﴾ ع

حقدار ہیں ۱۵۸ اللہ کے حکم کے مطابق، بے شک اللہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے، ۱۵۹

۱۵۳ مہاجرین و انصار سب کے سب پکے سچے مومن:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہی لوگ ہیں سچے پکے مومن۔ یعنی مہاجرین و انصار کہ ان حضرات نے جان و مال وغیرہ کی ہر قربانی دے کر اور دین و ایمان کی خاطر اپنے وطن اور اپنی قوم قبیلہ کو چھوڑ کر اپنے عقیدہ و ایمان کی پختگی اور حقانیت کا واضح اور عملی ثبوت مہیا کر دیا ہے۔ اس آیت کریمہ سے اہل السنت والجماعت کی حقانیت اور اہل تشیع کا بطلان واضح اور آشکارا ہو جاتا ہے کہ اس میں حضرات انصار و مہاجرین دونوں کے مومن صادق ہونے کی تصریح موجود ہے۔ اور تاکید وحصر کے ساتھ تصریح موجود ہے۔ اور یہی اہل السنت والجماعت کا عقیدہ و مسلک ہے۔ جبکہ شیعہ کا عقیدہ اس کے برعکس ہے بلکہ ان کے یہاں تو صرف ''پنج تن پاک'' ہیں اور بس- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- بلکہ اس آیت کریمہ سے تو ان لوگوں کا کفر بالکل عیاں ہو جاتا ہے جو ان حضرات صحابہ کے ایمان کا انکار یا اس میں شک کرتے ہیں کہ اس سے اس آیت کریمہ کا انکار لازم آتا ہے جو کہ بلاشبہ کفر ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ وضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے- آمین ثم آمین۔

۱۵۴ انصار و مہاجرین کیلئے مغفرت و بخشش کا وعدۂ ربانی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے لیے ایک عظیم الشان بخشش ہے اس چھوٹی بڑی خطا ولغزش کے لئے جو ان سے بتقاضائے بشریت سرزد ہو گئی ہو- سبحان اللہ- کیسی کیسی عظیم الشان بشارتیں اور خوشخبریاں ہیں ان صحابہ کرام کے لئے اور اللہ پاک کے اس پاکیزہ و برحق کلام میں؟ - رِضْوَانُ اللّٰهِ

عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ - اَللّٰهُمَّ الْحِقْنَا بِهِمْ بِمَحْضِ مَنِّکَ وَکَرَمِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَیَآاَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْنَ
- بہرکیف حضراتِ اَنصار ومہاجرین عظیم الشان اور بے مثال مراتب ودرجات پر فائز اور ان سے بہرہ مند تھے۔اور ان کیلئے عظیم الشان خوشخبریاں ہیں۔اور اللہ پاک کے کلام حکیم میں اور صاف وصریح طور پر، تو پھران سے دشمنی رکھنے والا اور ان کے ایمان میں شک کرنے والا بدبخت کس طرح مسلمان ہوسکتا ہے؟ -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ- اللہ تعالیٰ عقیدہ وایمان اور فکر وعمل کی ہرکجی سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ راہِ حق وصواب پر مستقیم اور ثابت قدم رکھے-آمین ثم آمین۔

۱۵۵ اَنصار ومہاجرین کیلئے رزقِ کریم کا وعدہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے لیے رزقِ کریم یعنی بڑی ہی عمدہ اور عزت کی روزی ہے جنت کی سدا بہار زندگی میں کہ یہ مہمانی ہوگی اُس ذاتِ اَقدس واعلیٰ کی طرف سے جس کے کرم کی کوئی حد وانتہا نہیں ﴿نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ﴾ بہرکیف اِن حضراتِ صدق وصفا نے چونکہ دینِ حق کی سربلندی کے لئے اور رضائے خداوندی کے حصول اور اِس سے سرفرازی کی غرض سے تن من دھن کی بازی لگائی اور ہر قربانی پیش کی۔اس لئے ان کے لئے ان کے رب کی جانب سے عظیم الشان بخشش بھی ہے اور بڑا عمدہ رزق بھی جو ان کو جنت کی ابدی اور سدا بہار نعمتوں کی صورت میں ملے گا۔ اِس موقع پر علامہ رشید رضا مرحوم اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اِس آیتِ کریمہ میں اِن روافض پر کھلا رد ہے جو اِن حضراتِ صحابہ پر زبانِ طعن دراز کر رہے ہیں۔اور ان میں سے ہر بھونکنے والے کے منہ پر پتھر ہے جو ان صحابہ کرام پر کتوں کی طرح بھونکتے ہیں۔اور ان کے ایمان تک میں کیڑے نکالتے ہیں۔ (تفسیر المنار) -خَذَلَهُمُ اللّٰهُ وَقَاتَلَهُمُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ- اللہ تعالیٰ حضرات صحابہ کرام کی سچی محبت اور انکی پیروی نصیب فرمائے-آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۱۵۶ بعد میں ایمان لانے والوں کے لیے بھی خوشخبری:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ ایمان لائے اسکے بعد۔یعنی صلح حدیبیہ کے بعد یا پہلی ہجرت کے بعد۔یا اس آیتِ کریمہ کے نزول کے بعد یا معرکۂ بدر کے بعد۔مختلف اِحتمال واَقوال ہیں۔اور یہ سب ہی صحیح اور درست ہیں اور مِنْۢ بَعْدُ کا عموم ان سب ہی کو شامل ہے۔ (محاسن التاویل، مدارک التنزیل، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے ان کا بھی بڑا مرتبہ ومقام ہے جیسا کہ اس کے بعد بیان ہورہا ہے کہ یہ لوگ بھی تم ہی میں سے ہیں۔سو جب وہ ایمان لے آئے اگرچہ وہ ایمان بعد ہی میں لائے وہ بھی تم ہی میں سے ہیں۔ایمان کے رشتے نے تم سب کو ایک لڑی میں پرو دیا۔سو اصل چیز ہے ایمان اور اُس کے تقاضوں کو پورا کرنا- وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقِ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں ایمان کے نورِ مقدس سے منور ومعمور رکھے-آمین ثم آمین۔

۱۵۷ سو ایسے لوگ تم ہی میں سے ہیں:- کہ یہ بھی ایمان، ہجرت اور جہاد کی انہی عظیم الشان صفات سے موصوف ہیں جن سے تم اس سے پہلے سرفراز ہوچکے ہو۔اس لئے سابقیت اور افضلیت کا شرف اگرچہ تم ہی کو حاصل ہے مگر نفسِ فضیلت میں وہ بھی تمہارے ساتھ شریک ہیں۔ قَالَ تَعَالٰی ﴿لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ، اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا، وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی﴾ -(الحدید: ۱۰) بہرکیف اِس ارشاد میں ہجرت کی ترغیب وتشویق بھی ہے کہ تمہارے لئے بھی اسلامی معاشرے کا حصہ بننے

کے لئے دروازہ کھلا ہوا ہے۔ تم بھی اُس کی طرف سبقت کر کے اس میں اپنا مقام حاصل کر سکتے ہو۔ اور دوسری طرف اس میں دارُالاسلام کے مسلمانوں کو اس امر کی تاکید بھی ہے کہ تم بھی بعد میں ایمان لانے والے اور ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے لئے اپنے دلوں کے دروازے کھلے رکھو کہ وہ بھی تمہارے ہی بھائی بند اور تمہارے ہی ملی وجود کے اجزاء اور حصے ہیں۔ اِن کے بارے میں نہ تمہارے دلوں میں کوئی تنگی پیدا ہونے پائے اور نہ کوئی احساسِ برتری۔ بلکہ ایمان وعقیدہ کے اشتراک کے باعث اور اس کے نتیجے میں تم سب لوگ ایک برابر ہو۔ سو اصل مدار وانحصار انسان کے ایمان ویقین اور اس کے عمل وکردار پر ہے۔

۱۵۸ رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں:- باہمی تعاون وتناصر اور توارث وتآلف میں۔ دوسرے انصار ومہاجرین کے اعتبار سے۔ سو قدیم مہاجرین کا جو کوئی رشتہ دار بعد میں مسلمان ہوا یا بعد میں ہجرت کر کے آیا تو وہ بنسبت غیر رشتہ داروں کے اس قدیم مہاجر کی میراث کا زیادہ حقدار ہے اگرچہ وہ غیر رشتہ دار فضیلت ومرتبہ میں اس سے زیادہ ہو۔ میراث کے حکم میں مہاجرین اولین اور مہاجرین متاخرین سب برابر ہیں۔ سو اس آیتِ کریمہ سے وہ میراث جو صرف اور صرف اخوتِ اسلامی کی بناء پر قائم تھی منسوخ ہوگئی۔ اب میراث کا دار ومدار رشتہ وقرابت ہی پر رہ گیا ہے۔ مگر ایمان اور اسلام بہرحال شرط ہے مسلمان اور کافر میں باہم میراث جاری نہیں ہوسکتی۔ (معارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔

۱۵۹ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ وذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے۔ سو وہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے، ظاہر وباطن اور حال ومآل ہر اعتبار سے۔ اور اُس کا ہر حکم نہایت علم وحکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ شان صرف اُسی وحدہٗ لاشریک کی ہے اور بس۔ اس لئے اس کا ہر حکم ہر اعتبار سے کامل اور مکمل ہوتا ہے۔ اس میں نہ کسی نقص وقصور کا کوئی احتمال ہوسکتا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی متبادل ممکن ہوسکتا ہے۔ پس حقیقی کامیابی اور فوز وفلاح صرف اسی میں مضمر ہے کہ اُس کے جملہ اَحکام واَوامر کو دل وجان سے قبول کر کے ان کو برضا ورغبت بجا لایا جائے - فَاِیَّاکَ نَسْأَلُ اللّٰھُمَّ السَّدَادَ وَالتَّوْفِیْقَ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی - یَا مَنْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ - سو اس سورۂ کریمہ کے آخر میں ﴿علیم﴾ کی صفت کے ذکر سے یہ امر واضح فرما دیا گیا کہ اسکے کسی بھی حکم کا کوئی متبادل ممکن نہیں ہوسکتا کہ وہ ہر چیز کو پوری طرح اور ہر اعتبار سے جانتا ہے اور اُس کا ہر حکم وارشاد کامل اور بے خطاء علم پر مبنی ہے۔ اور یہ شان اُس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کے لئے ممکن ہی نہیں۔ سو اس کا ہر حکم وارشاد کامل علم وحکمت اور رحمت وعنایت پر مبنی ہے اور اس پر ایمان ویقین اور اس کی تعمیل وپابندی میں بندے کے لیے دارین کی سعادت وسرخروئی کا سامان ہے- وباللہ التوفیق سبحانہٗ وتعالیٰ- اور یہ شان چونکہ اسی وحدہٗ لاشریک کی ہے اس لیے اس کے ہر حکم وارشاد کی اطاعت مطلقا اور بلاچون وچرا واجب ہے۔

☆--- ۱۶ شعبان ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۲ مارچ ۱۹۹۰ء منطقۃ ام ہریر، دبی، متحدہ عرب امارات۔ نظر ثانی ۱۸ ذوالقعدہ ۱۴۱۷ھ مطابق ۲۶ مارچ ۱۹۹۷ء بروز بدھ بوقت پونے آٹھ بجے شب بمکان خود سطوہ دبی، والحمد للہ رب العالمین

☆--- تکمیل پروف ریڈنگ بتاریخ ۹ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۶ اپریل ۱۹۹۹ء بروز منگل بوقت سات بجے شام قُبَیل صلوۃ المغرب بمکان خود اسلام آباد پاکستان (دورانِ رخصت) والحمد للہ رب العالمین

☆--- تکمیل سیکنڈ پروف ریڈنگ بتاریخ ۱۹ ذوالقعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۴ فروری ۲۰۰۰ء بروز جمعرات بوقت سوا آٹھ بجے شب قُبَیْل صَلوٰۃِ العشاء سطوہ، دبی متحدہ عرب امارات، والحمد للہ رب العالمین

☆--- تکمیل تیسری پروف ریڈنگ ۵ ذوالحجہ ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۲ اپریل ۲۰۰۰ء بروز پیر بوقت دو بجے بعداز دوپہر بمکان خود سطوہ دبی والحمد للہ رب العالمین،

☆--- تکمیل چوتھی پروف ریڈنگ ۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ مطابق ۴ جون ۲۰۰۲ء بروز منگل بوقت پونے بارہ بجے شب سطوہ دبی، متحدہ عرب امارات والحمد للہ رب العالمین۔

☆--- تکمیل پانچویں اور آخری پروف ریڈنگ ۹ شوال ۱۴۲۴ ہجری مطابق ۱۳ دسمبر ۲۰۰۲ء بروز جمعہ بوقت ساڑھے سات بجے شام (قبیل صلوٰۃ العشاء) - والحمد للہ رب العالمین-

☆--- اللمسات الاخیرۃ (Final touches) ۷ شوال ۱۴۲۴ ہجری مطابق ۳۱ نومبر ۲۰۰۳ء بروز پیر بوقت ساڑھے سات بجے شام (قبیل صلوٰۃ العشاء) مدنی منزل، معمورۃ المدنی (گہل) منگ، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان - والحمد للہ رب العالمین-

اٰیَاتُھَا — ١٢٩ ٩ سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ١١٣ رُکُوْعَاتُھَا — ١٦

سورۂ توبہ مدنی ہے اور اس کی ایک سو انتیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ

دست برداری ١ کا اعلان ہے، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ٢ ان مشرکوں کو، جن سے تم نے

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ

معاہدہ کر رکھا تھا، پس چل پھر لو تم لوگ (اے مشرکو!) اس سرزمین میں چار

اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ

مہینے ٣ اور یقین جان لو کہ تم لوگ عاجز نہیں کر سکتے اللہ کو، ٤ اور یہ کہ

1 **سورۂ توبہ کی وجہ تسمیہ اور اسکی عظمت شان:-** اس سورۂ کریمہ کا نام "براءۃ" بھی ہے کہ اسی لفظ سے یہ شروع ہوتی ہے اور اسمیں مشرکینِ مکہ سے براءت و بیزاری کا اعلان بھی ہے۔ اور اس کو "توبہ" بھی کہتے ہیں کہ اس میں توبہ کا تذکرہ بھی کئی بار آیا ہے اور توبہ سے متعلق ایک خاص عبرت انگیز اور سبق آموز واقعہ اور قصہ بھی اس میں مذکور ہے۔ اس کے علاوہ اس سورۂ کریمہ کے اور بھی بہت سے نام آئے ہیں۔ مثلاً "فاضحہ"، "مخزیۃ"، "مشردۃ" اور سورۃ "العذاب" وغیرہ۔ اس کی مزید تفصیلات انشاء اللہ اپنی مفصل تفسیر میں پیش کی جائیں گی۔ والتوفیق بید اللہ۔ سو یہ اس سورۂ کریمہ کی عظمتِ شان کا ایک مظہر ہے۔ اس کے شروع میں بسم اللہ اس لئے نہیں لکھی جاتی کہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے ثابت نہیں۔ اور قرآنِ پاک کی ترتیب توقیفی ہے کہ جیسا اللہ پاک کی طرف سے حضرتِ جبریلِ امین کے واسطے سے حکم ہوتا تھا، اسی کے مطابق آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ عمل فرماتے تھے۔ اور یہاں پر جبریلِ امین نے اس کی ہدایت نہیں فرمائی تھی۔ اس لئے بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔ اور مستدرکِ حاکم میں حضرت علی۔ رضی اللہ عنہ۔ سے مروی ہے کہ سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ اس لئے نہیں لکھی گئی کہ بسم اللہ امان کی نشانی ہے، جبکہ اس سورۂ کریمہ میں رفعِ امان کا حکم ہے۔ (روح، ابنِ کثیر، قاسمی وغیرہ)۔ مگر یہ ایک تفسیری نکتہ ہوسکتا ہے نہ کہ اصل وجہ اور علت۔ اصل وجہ تو وہی ہے جو کہ اوپر بیان کی گئی۔ اور یہ سورۂ کریمہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پر نازل ہوئی جبکہ آپؐ نے حضرتِ صدیقِ اکبر۔ رضی اللہ عنہ۔ کو حج کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔ بعد میں آپؐ نے حضرتِ علی۔ رضی اللہ عنہ۔ کو بھیجا کہ آپؓ جا کر یہ آیتیں مشرکین کو سنا دیں۔ حضرتِ علیؓ کے پہنچنے پر حضرتِ ابوبکرؓ نے ان سے پوچھا کہ آپ امیر بن کر آئے ہیں یا مامور بن کر؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ مامور بن کر۔ چنانچہ آپؓ نے حضرتِ صدیقِ اکبرؓ کی امارت میں مشرکینِ مکہ کو یہ آیات پڑھ کر سنائیں جن میں معاہدۂ صلح کے خاتمے کا اعلان ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ان کو مزید یہ سنایا کہ کوئی مشرک جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ نیز آئندہ نہ تو کوئی مشرک بیت اللہ کا حج کر سکے گا اور نہ ہی کسی کو ننگا ہو کر طواف

کرنے کی اجازت ہوگی- جیسا کہ مشرکینِ عرب کا قدیم زمانے سے یہ دستور چلا آرہا تھا- سو اس واقعہ میں خلافتِ صدیق اکبرؓ کی گویا تصریح فرما دی گئی۔ لہٰذا روافض کا حضرتِ علی- رضی اللہ عنہ- کو خلیفۂ بلافصل کہنا باطل اور مردود ہے۔

۲ اعلانِ براءت کی نسبت رسول کی طرف باعتبار تبلیغ کے:- سو یہ اعلان تو اصل میں اللہ پاک کی طرف سے ہی ہے مگر چونکہ اس کے پہنچانے والے اور اللہ پاک کی طرف سے اس کا اعلان فرمانے والے آپ کے رسول ہی ہیں- علیہ السلام- اس لئے اس کی نسبت دونوں کی طرف فرمائی گئی ہے۔ اور آنحضرت- صلی اللہ علیہ وسلم- کے انتقال و وصال کے بعد اس طرح کہنا درست نہیں جیسا کہ احادیث کریمہ میں مصرح ہے۔ لہٰذا اہلِ بدعت وغیرہ اہلِ ھوٰی کا اِس سے اپنے شرکیہ الفاظ کے لئے استدلال کرنا صحیح نہیں کہ یہ قیاس مع الفارق اور اصول ونصوص کے معارض ومتصادم ہے۔ (المراغی وغیرہ)۔ بہرکیف اِس طرح اعلان فرما دیا گیا کہ مشرکین کے ساتھ کیے گئے تمام عہد منسوخ ہیں اور اس اعلانِ براءت کی وجہ- جیسا کہ آگے آیت نمبر ۳ میں ارشاد فرمایا جارہا ہے- یہ تھی کہ بہت سے قبائل اپنے معاہدات کی ذمہ داریوں کو وفاداری اور راستبازی کے ساتھ نباہ نہیں رہے تھے۔ اس لیے اس قسم کے معاہدات کے کالعدم ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ صرف اُن قبائل کے معاہدات کو باقی رکھا گیا جنہوں نے کوئی غداری یا عہد شکنی نہیں کی تھی۔ اور وہ بھی صرف انکی مقررہ مدت تک کے لیے۔ اور یہاں پر لفظِ براءت کے بعد حرفِ "اِلٰی" آیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اِس ارشاد میں اِبلاغ کا مفہوم بھی مضمر ہے۔ یعنی اس براءت و دستبرداری کی اطلاع تمام ناقضِ عہد مشرکوں کو پہنچا دی جائے جیسا کہ بعد والی آیتِ کریمہ میں اسکی تصریح بھی آرہی ہے۔

۳ چار ماہ کی مہلت سے مراد؟:- یعنی دس ذوالحجہ ۹ ھ ہجری سے لے کر دس ربیع الثانی ۱۰ ھ ہجری تک، یعنی جس دن ان کو یہ اعلان پہنچایا گیا تھا اس دن سے لے کر چار ماہ کی مدت پوری ہونے تک، اس دوران ان سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی جائے گی۔ اسکے بعد ان کو تین باتوں میں سے ایک کے اختیار کرنے کا حق ہوگا کہ یا تو وہ دینِ حق کو قبول کر کے دوزخ کی آگ سے بچیں اور دارَین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز ہوں یا اسلام کے ماتحت ہو کر رہیں۔ یا پھر ان کے مستقبل کا فیصلہ تلوار کے ذریعے ہوگا۔ بہرکیف اوپر والی آیتِ کریمہ کا خطاب مسلمانوں سے تھا۔ ان کے ذریعے مشرکین کے لیے اعلانِ براءت کے بارے میں اِرشاد فرمایا گیا تھا لیکن اس آیتِ کریمہ میں خطاب کا رخ براہِ راست مشرکین کی طرف ہو گیا۔ اور خطاب کی اس تبدیلی میں دھمکی کی شدت اور اسکے فیصلہ کن ہونے کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ سو اس سے مشرکین کے لیے واضح کر دیا گیا کہ اب تم لوگوں کو صرف چار ماہ کی مہلت حاصل ہے۔ اسکے بعد تمہارے معاہدات کے بارے میں اللہ اور اسکے رسول پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی اور تمہیں اپنے کیے کرائے کا بھگتان بھگتنا ہوگا۔ پھر نہ کہنا کہ ہمیں خبر نہیں ہوئی تھی۔

۴ اللہ کو کوئی عاجز نہیں کر سکتا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ یقیناً جان لو کہ تم عاجز نہیں کر سکتے اللہ کو کہ اُس کی گرفت و پکڑ سے نکل کر کہیں بھاگ جاؤ، جیسا کہ دنیاوی حکومتوں میں ہوتا ہے کہ وہ بعض اوقات کسی مجرم کو پکڑنے اور اُس کو قرار واقعی سزا دینے سے عاجز آ جاتی ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسا ہونا ممکن نہیں کہ اسکو کوئی عاجز نہیں کر سکتا اور کسی کی یہ جان نہیں کہ وہ اُس خالق و مالک کی گرفت و پکڑ سے بھاگ سکے۔ سو عقل ونقل کا تقاضا یہ ہے کہ انسان بغاوت و سرکشی کی روش ترک کر کے اپنے خالق و مالک کی اطاعت و بندگی کی راہ کو اپنائے ورنہ اسکے عقاب اور اسکی گرفت و پکڑ کے لیے تیار ہو جائے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ زیغ وضلال کی ہر شکل سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے- آمین۔

اللّٰهَ مُخْزِی الْکٰفِرِیْنَ ﴿۲﴾ وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ

اللہ تعالیٰ بہر حال رُسوا کرنے والا ہے کافروں کو، ۵ اور صاف اعلان ہے اللہ اور

رَسُوْلِهٖۤ اِلَی النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ

اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں کے لئے حج اکبر۶ کے دن، کہ بے شک اللہ

بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۙ۵ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ

بری الذمہ ہے مشرکوں سے، اور اس کا رسول بھی، پس اگر تم لوگوں نے توبہ کر لی ۷

فَهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ غَیْرُ

تو یہ بہتر ہوگا خود تمہارے لئے، ۸ اور اگر تم (پہلے کی طرح اب بھی) پھرے ہی رہے، تو یقین جان لو کہ تم

مُعْجِزِی اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِعَذَابٍ

ایسے نہیں ہو کہ عاجز کر دو اللہ کو، اور خوشخبری سنا دو کافروں کو ایک بڑے ہی دردناک

اَلِیْمٍ ﴿۳﴾ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ

عذاب کی، ۹ مگر جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا،

۵ کفر و انکار موجبِ ذلت و رسوائی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یقیناً اللہ رُسوا کرنے والا ہے کافروں کو۔ اس دنیا میں بھی طرح طرح کی تذلیل و تخویف سے اور آخرت میں بھی وہاں کے دائمی اور نہایت ہی ہولناک عذاب سے۔ نیز کافرین کی تصریح سے معلوم ہوا کہ یہ ذلت و رسوائی کا عذاب دراصل کافروں ہی کے لئے ہے جبکہ اہلِ ایمان کی سزا اُن کی مغفرت و بخشش اور رفعِ درجات کے لئے ہوگی۔ سبحان اللہ! ۔کیسی عظیم الشان دولت ہے یہ ایمان و یقین کی دولت کہ اس کے بعد خیر ہی خیر ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِنِعْمَةِ الْاِیْمَانِ وَالْیَقِیْنِ۔ اَللّٰهُمَّ فَزِدْنَا مِنْهُ وَثَبِّتْنَا عَلَیْهِ۔ سو اس ارشادِ ربانی میں مشرکین کیلئے تنبیہ و تہدید ہے کہ ایسے لوگ اِس مہلت سے فائدہ اٹھائیں اور باز آجائیں اپنے شرک سے۔ ورنہ یہ اس سنگین اور ہولناک انجام سے کسی بھی طرح بچ نہیں سکیں گے جو ان کے کفر و شرک کی بناء پر ان کیلئے مقدر ہو چکا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۶ ہر حج حجِ اکبر ہوتا ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اعلان ہے اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں کے لیے حجِ اکبر کے دن۔ واضح رہے کہ ہر حج حجِ اکبر ہوتا ہے کہ اِس کا اِطلاق عمرہ کے مقابلے میں آتا ہے جو کہ حجِ اصغر کہلاتا

ہے۔ (محاسن، کشاف، مدارک وغیرہ)۔ عوام کے یہاں جو جمعہ کے دن کے حج کو حج اکبر کہا جاتا ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔ البتہ اگر اس کے ثواب کے اعتبار سے اس کو یہ نام دیا جائے تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ جمعہ کے دن کے حج کا ثواب زیادہ ہے، جیسا کہ روایات میں وارد ہے۔ مگر یہ اِصطلاح نہ تو قرآن وسنت سے کہیں ثابت ہے اور نہ ہی سلف صالح سے۔ بلکہ قرآن وسنت کے مطابق ہر سال کا حج حِج اکبر ہے کہ عمرہ کو حج اصغر کہا جاتا ہے اور اسکے مقابلے میں حج حِج اکبر کہلاتا ہے۔ چنانچہ اس سے امام بصاصؒ نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ ایامِ حج میں عمرہ نہیں ہوسکتا کیونکہ ان ایام کو قرآن نے حِج اکبر کیلئے مخصوص فرما دیا ہے۔ (معارف وغیرہ)۔ بہرکیف عوام میں جو مشہور ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔

۷ توبہ قدرت کی ایک عظیم الشان عنایت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگوں نے توبہ کر لی اپنے کفر و شرک اور نفاق و شقاق سے۔ اور لوٹ آئے تم نورِ توحید و ایمان کی طرف اور داخل ہو جاؤ تم اسلام کے حظیرۃ قدس میں۔ (صفوۃ، محاسن وغیرہ)۔ سو توبہ باعثِ نجات اور ذریعہ فوز و فلاح ہے اور اس کے ذریعے پچھلے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں، خواہ وہ کتنے ہی بڑے اور کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ سو توبہ قدرت کی ایک عظیم الشان عنایت ہے جس سے اس نے اپنے بندوں کو نوازا ہے۔ بہرکیف اِس ارشاد میں مشرکین کے لیے توبہ اور رجوع الی اللہ کی ترغیب ہے کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں اور اپنی سابقہ روش کو ترک کر کے حق کی طرف رجوع کریں تا کہ انکی بگڑی بنے اور انکی دنیا بھی اچھی ہو اور آخرت بھی۔ سو توبہ کا دروازہ ایک عظیم الشان دروازہ ہے جو حضرتِ حق - جل مجدہٗ - نے اپنی رحمت و عنایت سے اپنے بندوں کے لیے کھولا ہے۔ فالحمد للہ جل و علا۔

۸ توبہ سے خود توبہ کرنے والا کا بھلا:- سو اس میں تصریح فرما دی گئی کہ اگر تم لوگوں نے توبہ کر لی تو اس میں خود تمہارا اپنا ہی بھلا ہے کہ توبہ سے سرفرازی دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ہے کہ اس طرح تم لوگ ایمان و یقین کی برکتوں اور سعادتوں سے اِس دنیا میں بھی فیضیاب و بہرہ ور ہوؤ گے اور آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی میں بھی۔ اور وہاں کے عذاب الیم سے بچ کر تم لوگ جنت کی نعیمِ مقیم سے سرفراز ہوسکو گے۔ سو توبہ سے سرفرازی دارین کی فوز و فلاح کا ذریعہ اور اس سے محرومی دنیا و آخرت کی خیرات و برکات سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ پس توبہ اور سچی اور حقیقی توبہ میں خود تمہارا ہی بھلا ہے۔ پس سچی اور حقیقی توبہ کو اپنا کر تم لوگ اپنے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کر لو قبل اس سے کہ فرصتِ حیات تمہارے ہاتھ سے نکل جائے۔ فاستغفروا اللہ الذی لا الہ الا ہو الحی القیوم واتوب الیہ۔

۹ کافروں کیلئے دردناک عذاب کی خوشخبری:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ خوشخبری سنا دو کافروں کو دردناک عذاب کی جو کہ دنیا میں ان کو قتل و قید وغیرہ کی صورت میں ملے گا اور آخرت میں دوزخ کے دائمی عذاب کی صورت میں۔ اور جو کہ طبعی نتیجہ ہو گا ان کے اس کفر و انکار کا جس کو انہوں نے خود اپنائے رکھا تھا۔ سو کفر و انکار دارین کی ہلاکت و تباہی کا باعث اور منبع شر و فساد ہے۔ وَالعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اور اس کے برعکس ایمان و یقین کی دولت دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ مند اور سرفراز کرنے والی دولت ہے کہ اس سے انسان اس دنیا میں حیاتِ طیبہ [پاکیزہ زندگی] اور سچی عزت و عظمت سے سرفراز و بہرہ ور ہوتا ہے اور آخرت میں جنت کی نعیمِ مقیم سے سرفراز ہو گا جو کہ اصل اور حقیقی کامیابی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وھو الھادی الی سواء السبیل۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس جو لوگ ایمان سے محروم ہیں وہ سراسر اور ہولناک خسارے میں ہیں۔ والعیاذ باللہ۔

ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ

پھر انہوں نے نہ تو تمہارے ساتھ اپنے عہد کو نبھانے میں کوئی کمی کی، اور نہ ہی انہوں نے تمہارے خلاف

اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ

کسی کی کوئی مدد کی، تو ان سے تم پورا کرو ان کا عہد ان کی مدت تک، بے شک

اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ④ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ

اللہ پسند فرماتا ہے پرہیز گاروں کو، ١٠ پھر جب گزر جائیں حرمت والے

الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ

مہینے تو تم قتل کرو ان مشرکوں کو جہاں بھی انہیں پاؤ، ١١

وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ

انہیں پکڑو، ان کا گھیراؤ کرو، اور ان (کی خبر لینے) کے لئے بیٹھ جاؤ ہر گھات میں، ١٢

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ

پھر بھی اگر یہ لوگ توبہ کرلیں اور (اسلام لاکر) نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں،

فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤ وَاِنْ

تو تم لوگ خالی کردو ان کا راستہ، بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے، ١٣ اور اگر

١٠ تقوی و پرہیزگاری باعث سعادت و ذریعہ سرفرازی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ پسند فرماتا ہے پرہیز گاروں کو جو ہمیشہ ڈرتے اور بچتے رہتے ہیں اُس کی ناراضگی اور نافرمانی کی ہر شکل سے۔ اور جب کوئی کوتاہی اُن سے بتقاضائے بشریت سرزد ہوجاتی ہے تو وہ اس کی معافی کیلئے فوری اور دل و جان سے اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے لائق اور شایانِ شان یہی ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کے نام پر باندھے گئے ہر عہد و پیمان کی پاسداری کریں اور حتی المقدور اس کو پوری طرح نبھائیں۔ سو تقوی و پرہیزگاری دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اسی سے انسان کو دنیا کی اِس عارضی زندگی میں طرح طرح کی عنایتیں نصیب ہوتی ہیں اور اسی سے اس کو آخرت کی اُس حقیقی اور ابدی زندگی میں وہاں کی نعیمِ مقیم سے سرفرازی نصیب ہوگی۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وھو علی ما یشاء قدیر۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رکھے اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۱ ''اَشْہُرِ حُرُم'' سے مقصود و مراد؟:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب گزر جائیں حرمت والے مہینے تو تم ان مشرکوں کو قتل کرو جہاں بھی ان کو پاؤ۔ یعنی وہی معروف مہینے جو ''اَشْہُرِ حُرُم'' کہلاتے ہیں اور جن میں جہاد و قتال منع ہے۔ اور یہ اس لئے کہ ''اَشْہُرِ حُرُم'' سے مراد اصل اور حقیقت کے اعتبار سے یہی مہینے ہیں۔ یہ قول ابنِ جریر کا ہے اور یہی مروی ہے ابنِ عباسؓ اور ضحاک وغیرہ سے۔ لیکن جمہور علماء کے نزدیک اس سے مراد وہ مشہور و معروف ''اَشْہُرِ حُرُم'' نہیں کہ وہ متواتر اور لگاتار نہیں پائے جاتے۔ اس لئے وہ یہاں پر مراد نہیں ہو سکتے بلکہ ان سے یہاں پر مراد وہ چار مہینے ہیں جن میں ان مشرکین سے قتال کو منع فرمایا گیا تھا اور ان کو ان میں امان دی گئی تھی اور جن کو ''اشہرِ تسییر'' کہا جاتا ہے۔ یعنی چلنے پھرنے کے مہینے کہ ان میں ان کو ﴿فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ کے حکم و ارشاد سے چلنے پھرنے کی اجازت دی گئی ہے اور جو دس ذوالحجہ سے شروع ہو کر دس ربیع الثانی کو پورے ہوتے ہیں۔ (ابنِ جریر، ابنِ کثیر، صفوۃ التفاسیر اور مدارک التنزیل وغیرہ)۔ بہرکیف چار مہینوں کے اندر مشرکین امن و امان میں رہیں گے۔ اس کے بعد ان کیلئے ان تین میں سے ایک کو اختیار کرنا ہوگا۔ یا اسلام یا جلاوطنی یا قتل، جیسا کہ آگے بھی آ رہا ہے۔ کیونکہ ارضِ حرم سے مشرکوں کے غلبہ و تسلط کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کرنا مامور و مطلوب تھا۔

۱۲ مدتِ مہلت ختم ہونے کے بعد مشرکوں کو قتل کرنے کا حکم:- یعنی جو بھی طریقہ تم سے ممکن ہو اور جیسا تم مناسب سمجھو ان کفار و مشرکین کے خلاف اِقدام کرو تاکہ پاک ہو جائے وہ ارضِ مقدس ان کے کفر و شرک اور اس کی ظلمات سے۔ اور ان کو قتل کرو جہاں بھی یہ ملیں اور جب بھی یہ تمہیں ملیں۔ حل میں یا حرم میں۔ ''اَشْہُرِ حُرُم'' میں یا کسی اور وقت میں۔ قالہ ابن عباس (زاد المسیر)۔ اسی لئے اس آیتِ کریمہ کو ''آیۃ السیف'' کہا جاتا ہے جبکہ دوسرا قول اس میں بعض اہلِ علم کا یہ ہے کہ یہ اجازت صرف حل میں ہے حرم میں نہیں۔ والظاھر ھو الاول۔ بہرکیف مدتِ مہلت ختم ہونے کے بعد مشرکین کو تین میں سے ایک بات کو اختیار کرنا ہوگا جن میں آخری بات قتل ہے۔ والعیاذ باللہ۔ بہرکیف اس سے ان مشرکین کے خلاف ہر قسم کی جنگی کارروائی کی اجازت دی گئی اور اس کا حکم فرمایا گیا ہے تاکہ ہر پہلو سے ان بدبختوں کا ناطقہ بند کر دیا جائے اور اس شدت سے ان کے دار و گیر کے اس حکم و ارشاد کی وجہ یہ ہے کہ اس کی نوعیت محض دشمن کے خلاف ایک عام حکم کی نہیں تھی۔ بلکہ یہ دراصل مشرکینِ عرب کے بارے میں اس سنتِ الٰہی اور دستورِ خداوندی کا ذکر و بیان ہے جو رسولوں کی تکذیب کرنے والی قوموں کے حق میں ہمیشہ ظہور پذیر ہوئی ہے۔ کہ ایسی قومیں جب بدبختی کی انتہاء کو پہنچ جاتی ہیں تو وہ اپنے حقِ وجود و بقاء سے محروم ہو جاتی ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۳ اللہ تعالیٰ کی بخشش و رحمت کا حوالہ و ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ بڑا ہی غفور اور رحیم ہے۔ سو یہ اُسی وحدہٗ لاشریک کی شانِ مغفرت ہے کہ عمر بھر کے شرک کی سیاہی کو بھی وہ چند لمحوں میں مٹا اور معاف فرما دیتا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ مزید یہ کہ وہ رحمتوں سے بھی نوازتا ہے کہ وہ غفور کے ساتھ رحیم بھی ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ پس اس کے حضور رجوع صحیح طور پر اور صدقِ دل سے ہونا چاہیئے کہ وہاں ظاہرداری نہیں چل سکتی بلکہ قدر و قیمت صرف حق اور حقیقت ہی کی ہے۔ پس اگر یہ لوگ صدقِ دل سے توبہ کر کے راہِ حق کی طرف رجوع کر لیں اور سچے دل سے دینِ حق کو قبول کر لیں جسکی ظاہری علامت اور نشانی یہ ہے کہ یہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تم لوگ ان کا راستہ خالی کر دو اور ان کو کچھ مت کہو کہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی غفور و رحیم ہے۔ وہ ان کی گزشتہ خطائیں اور کوتاہیاں معاف فرما دے گا۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ مگر جو اپنے کفر و باطل پر اڑے رہیں گے ان کو اس کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى

ان مشرکوں میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ مانگے تو آپ اسے پناہ دے دیں، یہاں تک

يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

کہ وہ سن لے اللہ کا کلام، پھر اس کو پہنچا دو اس کی امن کی جگہ، یہ (رعایت) اس لئے ہے کہ یہ

قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ ع كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ ع۶/۷

ایسے لوگ ہیں جو جانتے نہیں (حق اور حقیقت کو) ۱۴؎ کیسے ہوسکتا ہے مشرکوں کے لئے کوئی

عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ

عہد اللہ اور اس کے رسول کے یہاں؟ ۱۵؎ بجز ان لوگوں کے

۱۴ مشرکوں کیلئے ایک رعایت کا ذکر:- سو اس سے ان مشرکین کے لیے خاص رعایت کا ذکر فرمایا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ لوگ جانتے نہیں۔ اس لئے یہ اس رعایت کے مستحق ہیں۔ پھر حق اور حقیقت کو جاننے کے بعد یہ اپنی مرضی سے جو راستہ خود اختیار کریں اسی طرح کا معاملہ ان سے کیا جائے۔ بہرکیف یہ مشرکوں کیلئے ایک رعایت کا ذکر و بیان ہے تاکہ ان کو حق اور حقیقت کا علم حاصل ہوسکے اور اس کے بعد ان کیلئے کسی عذر و معذرت اور حیل وحجت کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ان میں سے کوئی امان کا طالب ہو تو اس کو امان دے دی جائے اور اُس کو اللہ اور اسکے رسول کی دعوت اور اُس کا مقصد اچھی طرح سمجھا دیا جائے۔ اور اسکے بعد اسکو اسکی امان کی جگہ پہنچا دیا جائے تاکہ وہ اپنے معاملے پر ٹھنڈے دل سے غور وفکر کرلے اور خوب سوچ کر فیصلہ کرلے کہ وہ اسلام قبول کرتا ہے یا تلوار۔ سو یہ امان بخشی اور پناہ اسکے لیے اِتمامِ حجت کے نقطہ نظر سے تھی جو کہ دینِ حق کی رحمت وعنایت کا ایک مظہر ہے۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

۱۵ مشرکوں کیلئے کوئی عہد و پیمان کس طرح ؟:- استفہام انکار و استبعاد کے لئے ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ جن لوگوں کا حال یہ ہو اور اُن کے کرتوت ایسے اور ایسے ہوں کہ وہ کس طرح پاس ولحاظ کریں گے اپنے کسی عہد و پیمان کا۔ پس ایسوں سے اس طرح کی کوئی توقع سرے سے رکھو ہی نہیں تاکہ نہ تم دھوکے میں پڑو اور نہ بعد میں تکلیف اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔ کیونکہ جس سے کسی بات کی توقع نہ ہو اس پر کوئی افسوس کیسا اور کیونکر؟ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ ایسے مشرکوں کے لیے کسی عہد و پیمان کی کوئی ذمہ داری بجز ان لوگوں کے جنہوں نے تم سے معاہدہ کیا تھا مسجدِ حرام کے پاس اللہ اور اسکے رسول کے ذمہ کس طرح ہوسکتی ہے جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ یہ تمہارے ساتھ ہمدردی اور صلح صفائی کے بجائے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ سو اگر ان کا تم لوگوں پر کوئی زور چل جائے تو یہ نہ کسی قرابت کا لحاظ کریں اور نہ کسی طرح کے کسی عہد و پیمان کا۔ یہ لوگ تو بس تمہیں اوپر اوپر کی باتوں سے خوش کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کے دل تمہارے اوپر غم وغصہ سے کھول رہے ہیں اور انکی اکثریت بدعہدوں کی ہے۔ سو ایسے بدعہدوں کے کسی عہد و پیمان کا کوئی اعتبار نہیں ہوسکتا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا

جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا مسجد حرام کے پاس، ١٦ سو جب تک وہ سیدھے رہیں

لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝٧

تمہارے ساتھ تو تم بھی سیدھے رہو ان کے ساتھ، ١٧ بے شک اللہ پسند فرماتا ہے پرہیز گاروں کو، ١٨

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ

کیسے (اعتبار کیا جا سکتا ہے ان پر) جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پالیں تو تمہارے بارے میں نہ کسی رشتہ داری کا

اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى

لحاظ کریں نہ کسی عہد کا، ١٩ وہ تم کو راضی کرتے ہیں اپنے مونہوں سے، مگر انکار کرتے ہیں

١٦ مشرکوں کے عام حکم سے استثناء:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے مشرکوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے یہاں کوئی عہد کس طرح ہو سکتا ہے؟ بجز ان لوگوں کے جنہوں نے تم سے معاہدہ کیا تھا مسجدِ حرام کے پاس۔ یعنی صلح حدیبیہ کے موقع پر۔ اس استثناء سے مراد روایات کے مطابق بنو کنانہ اور بنوضمرہ ہیں کہ یہ لوگ اپنے عہد و پیمان پر قائم رہے تھے۔ سو ان سے لڑنے کی نوبت نہیں آئی۔ یہاں تک کہ وہ بلا مقابلہ خود بخود اسلام میں داخل ہو گئے۔ (المراغی، الجامع وغیرہ)۔ سو اس میں یہ درس دیا گیا کہ ''موفی'' یعنی ''وفادار'' کو ''غادر'' یعنی ''بدعہد'' کی طرح نہیں سمجھنا چاہیئے۔ (صفوۃ وغیرہ)۔ لیکن راجح قول کے مطابق اس سے مراد صلح حدیبیہ کا وہ عہد ہے جو آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- نے مشرکین مکہ سے حدیبیہ کے مقام پر کیا تھا۔ جو کہ ارضِ حرم میں واقع ہے۔ اور یہ اس لیے کہ اس عہد کا تعارف مسجدِ حرام کی نسبت سے کرایا گیا کیونکہ ہجرت کے بعد آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- نے جو بھی معاہدے مشرکین سے کیے ان میں یہی معاہدہ ہے کہ جو مسجدِ حرام کے قرب و جوار میں طے پایا تھا۔ سو اس نسبت کے ساتھ ذکر کرنے سے ایک طرف تو اس معاہدے کا تعارف ہو گیا اور دوسری طرف اس سے اسکی غیر معمولی اہمیت اور عظمت بھی واضح ہو گئی کہ اسکی تکمیل جوارِ حرم میں ہوئی۔ سو ایسے وفادار لوگوں کا معاملہ عام مشرکوں سے الگ ہے۔ اور یہی تقاضا ہے عقل و نقل دونوں کا۔

١٧ سیدھوں کے ساتھ سیدھے رہنے کی تعلیم و تلقین:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب تک یہ لوگ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو اور ایسوں کے ساتھ کسی عہد شکنی کا ارتکاب مت کرو کہ عہد شکنی ویسے بھی تمہاری شان کے لائق اور تمہارے دین میں جائز نہیں۔ تو پھر ایسے وفا شعاروں کے

ساتھ عہد شکنی کا کیا سوال پیدا ہوسکتا ہے۔ سو اِس اِرشادِ ربانی میں یہ اہم اور بنیادی تعلیم دی گئی ہے کہ سیدھوں کے ساتھ سیدھے رہو اور ان کے ساتھ کسی کجی کا معاملہ مت کرو۔ پس جب تک قریش اِس معاہدے پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو۔ اور اگر وہ اسکو توڑ دیں تو تم بھی توڑ دو کہ کوئی بھی عہد صرف ایک طرف سے قائم نہیں رہ سکتا۔ بلکہ طرفین سے اس کو نبھانے کی ضرورت ہوتی ہے اور جیسا کہ ابھی اوپر والے حاشیے میں گزرا اس سے مراد صلح حدیبیہ کا معاہدہ ہے۔ سو اس سے اسی معاہدۂ حدیبیہ کے بارے میں ہدایت فرمائی گئی کہ جب تک قریش اس کو قائم رکھیں تم بھی اس کو قائم رکھو۔ سو مسلمانوں نے ایسا ہی کیا۔ لیکن جب قریش نے اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بنو خزاعہ کے خلاف اپنے حلیف بنو بکر کی مدد کی تو یہ معاہدہ ختم ہوگیا جس کے نتیجے میں آنحضرت۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے مکہ پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر لیا۔

[٨] پرہیزگاروں کے لیے معیتِ خداوندی کا مژدۂ جانفزا:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ تقوٰی و پرہیزگاری محبتِ خداوندی سے سرشاری کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ محبت رکھتا ہے پرہیزگاروں سے یعنی ان سے جو بچتے اور ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب کی نافرمانی اور ناراضگی سے۔ اس لئے ایسوں کو چاہیئے کہ کسی طرح کی عہد شکنی اور بے وفائی کا ارتکاب نہ کریں کہ ایسا کرنا رب کی ناراضگی کا باعث ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو تقوٰی و پرہیزگاری رب تعالیٰ کے یہاں محبوب و مقبول بننے کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ پس انسان تقوٰی و پرہیزگاری اور عدل و انصاف میں جتنا آگے بڑھتا اور ترقی کرتا جائے گا، اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے شرف سے مشرف ہوتا جائے گا۔ و باللہ التوفیق۔ اللہ تعالیٰ ہر مرحلہ اور موڑ پر تقوٰی و پرہیزگاری سے بہرہ ور رکھے اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اور ہر حال میں محفوظ اور اپنی خاص حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

[١٩] معاشرتی استحکام کی دو اہم بنیادوں کا ذکر و بیان:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ رشتہ داری اور عہد و پیمان کی پابندی معاشرتی اِستحکام کی دو اہم بنیادیں ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر یہ تم پر کہیں غلبہ پالیں تو تمہارے بارے میں نہ کسی رشتہ داری کا پاس و لحاظ کریں اور نہ کسی عہد و پیمان کا۔ سو یہ ایسے بے وفا اور دھوکہ باز ہیں کہ نہ کسی رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہیں جو کہ دو گروہوں اور فریقوں کے درمیان ایک قدرتی اور غیر اختیاری رابطہ اور بندھن ہوتا ہے اور نہ ہی یہ کسی ایسے عہد و پیمان کا پاس و لحاظ کرتے ہیں جو کہ دو طرفوں کے درمیان اپنے ارادہ و اختیار سے عائد کردہ ہوتا ہے۔ سو رشتہ داری اور عہد کا التزام اور اس کی پابندی و پاسداری دو ایسی اہم اور عظیم الشان بنیادیں ہیں جن پر بڑی حد تک معاشرتی امن و استحکام موقوف ہے۔ مگر یہ ظالم لوگ اپنے قول و قرار، عمل و کردار اور گریز و فرار سے انہی دو بنیادوں کو مٹا کر معاشرتی نظام اور اِصلاح و اِستحکام کو تباہ کر دینا چاہتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

قُلُوبُهُمْ ۚ وَأَكْثَرُهُمْ فٰسِقُونَ ۚ ﴿٨﴾ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ

ان کے دل، اور ان کی اکثریت بدکاروں کی ہے ۲۰ انہوں نے اپنا لیا اللہ کی

اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ

آیتوں کے بدلے میں (دنیائے دوں کے) تھوڑے سے (اور گھٹیا) مول کو، ۲۱ (اس طرح) وہ رکاوٹ بن گئے اللہ کی راہ میں،

سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩﴾ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ

یقیناً بڑے ہی بُرے ہیں وہ کام جو یہ لوگ کر رہے ہیں، ۲۲ یہ لحاظ نہیں کرتے کسی

مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴿١٠﴾

مومن کے بارے میں نہ کسی قرابت (ورشتہ داری) کا، اور نہ کسی عہد (وپیمان) کا، اور یہی لوگ ہیں زیادتی کرنے والے، (اور حد

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ

سے بڑھنے والے،) سو اگر یہ لوگ توبہ کرلیں (اپنے کفر و باطل سے،) اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں،

فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

تو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں، ۲۳ اور ہم کھول کر بیان کرتے ہیں اپنے احکام ان لوگوں کے لئے

۲۰ منکرین و معاندین کی منافقانہ پالیسی کا ذکر و بیان :- سو ان لوگوں کی منافقانہ پالیسی کے ذکر و بیان کے سلسلے میں واضح فرما دیا گیا کہ ان کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ تم کو اپنے مونہوں سے راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ ان کے دل اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور ان کی اکثریت فاسقوں اور بدکاروں کی ہے۔ اور ان کا یہ رویہ اس لیے ہے کہ یہ لوگ تم لوگوں کو راضی کر کے تم سے دنیاوی مفاد حاصل کرسکیں کہ ان کے سامنے چندروزہ دنیاوی زندگی اور اُس کے وقتی فوائد و منافع ہی سب کچھ ہیں۔ یہ اسی کے لئے جیتے اور اسی کے لئے مرتے ہیں۔ اُسی کے متاعِ فانی اور حطامِ زائل کو سمیٹنے ہی کو یہ لوگ سب کچھ سمجھتے ہیں، جیسا کہ ابنائے دنیا کا ہمیشہ یہی حال رہا۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ سو ایسے لوگوں کا ایمان و یقین اور عقیدہ و عمل سب کچھ اسی محور کے گرد گھومتا ہے۔ صدق و اخلاص کی متاعِ گرانمایہ کی انکے یہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ اس لیے ایسے لوگ اپنے مونہوں کی باتوں سے تم لوگوں کو خوش کرنا چاہتے ہیں مگر ان کے دل اسکے انکاری ہوتے ہیں۔ مگر اس طرح یہ لوگ خود اپنے آپ ہی کو دھوکہ دے رہے ہیں کہ ان کی باتیں اللہ سے تو نہیں چھپ سکتیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۲۱ حق فروشی کے عوض میں دنیا ساری کی دولت بھی ہیچ ہے :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے اللہ کی

آیتوں کے بدلے میں دنیائے دوں کے تھوڑے سے اور گھٹیا مول کو اپنا لیا اور اس طرح یہ سب سے بڑے مجرم اور خسارے کے مرتکب ہوئے کہ حق فروشی اور نورِ ایمان سے محرومی جڑ بنیاد ہے ہر فتنہ وفساد اور سب سے بڑے نقصان اور حقیقی خسارے کی۔ والعیاذ باللہ۔ اور راہِ حق سے روکنا اور اس ضمن میں سدِّ راہ بننا اور بھی زیادہ ہلاکت وتباہی کا باعث ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو حق فروشی اور نورِ ایمان ویقین سے محرومی کے بدلے میں اگر دنیا ساری کی دولت بھی مل جائے تو بھی ہیچ ہے۔ تو ایسے میں ان چند ٹکوں کی حیثیت ہی کیا ہوسکتی ہے جو حق فروشی کے عوض ملیں۔ سو ان کے بدلے میں حق سے منہ موڑ لینا کس قدر ہولناک خسارے کا سودا ہے مگر دنیائے دوں کی چکاچوند پر فریفتہ ہوجانے والوں کو یہ حقیقت سمجھ نہیں آتی۔ الا ماشاء اللہ جل وعلا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

٢٢ برے کاموں کے نتیجے برے۔ والعیاذ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ بڑے ہی برے ہیں وہ کام جو یہ لوگ کرتے ہیں اپنے ایسے برے کاموں سے یہ لوگ نورِ حق وہدایت سے محروم ہوتے ہیں اور اپنے علاوہ دوسروں کی بھی ہلاکت وتباہی کا سامان کرتے ہیں اور اس طرح ان کا جرم دوہرا اور ڈبل ہوجاتا ہے کہ یہ ضلال کے ساتھ اِضلال کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔ اور اِس طرح یہ اپنے بوجھوں کے ساتھ دوسروں کے بوجھ بھی اٹھائیں گے۔ سو برے کاموں کے نتیجے برے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بہرکیف اِن اِرشادات سے ان بعض اہم وجوہ کو واضح فرمایا گیا ہے جن کی بناء پر ان لوگوں سے اِعلان براءت فرمایا گیا ہے کہ ان لوگوں کا معاملہ نہ اپنے خالق کے ساتھ درست ہے اور نہ اُسکی مخلوق کے ساتھ۔ کیونکہ حضرتِ خالق۔ جل مجدہٗ۔ کے ساتھ حسنِ تعلق کی اساس وبنیاد اسکی وحدانیت ویکتائی پر سچا پکا ایمان ویقین رکھنے اور اس کی اطاعت وبندگی بجالانے پر مبنی وموقوف ہے اور اس سے یہ لوگ محروم ہیں۔ اور اسکی مخلوق کے ساتھ حسنِ سلوک اور رشتہ وعہد کی پابندی پر موقوف ہے۔ مگر ان بدبختوں نے ان سب کی خلاف ورزی کی۔ تو پھر ایسوں کے ساتھ کوئی رشتہ وتعلق کس طرح قائم رہ سکتا ہے؟۔ اللہ ہر شر سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

٢٣ نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ایمان کا نشان وثبوت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ توبہ کرلیں اپنے کفر وباطل سے اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں جو تمہارے حقوق وہی ان کے حقوق اور جو تمہارے فرائض وہی ان کے فرائض۔ اور تمہارا باہمی معاملہ بھائیوں کا سا ہوگا۔ سبحان اللہ۔ کیسی عظیم الشان اور انقلاب آفرین ہے ایمان ویقین کی یہ دولت کہ اس کے اثر اور اس کی برکت سے کفر وشرک کی ظلمات سے نکلتے ہی ایک انسان دوسرے تمام مسلمانوں کے برابر کا درجہ پالیتا ہے، خواہ وہ نسلاً بعد نسل ہی مسلمان کیوں نہ چلے آتے ہوں۔ اور یہ ابھی اسلام لانے والا نومسلم ان سب کا دینی بھائی قرار دیا جاتا ہے۔ اور یہ دینی رشتہ اس قدر قوی اور مضبوط ہے کہ دوسرے تمام رشتے اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ اور یہ دینی اخوت وبھائی چارگی نسبی اور صلبی بھائی چارگی سے بھی کہیں بڑھ کر مؤثر، قوی اور مضبوط ومستحکم ہے۔ تو کیا ہے کوئی جو اسلام کی اس مقدس اور پاکیزہ مساوات کا کوئی نمونہ اسلام کے سوا کہیں اور دکھا سکے؟ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نمازوں کا قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اسلام کی علامت ونشانی ہے۔ نیز یہ کہ ہم کسی کے ایمان واسلام کی تصدیق کے لئے اس کی ایسی ظاہری نشانیوں پر اعتماد کرنے ہی کے پابند ہیں۔ باطن کو کریدنے اور دلوں کے حالات کو جاننے اور ٹٹولنے کے ہم مکلف نہیں، جیسا کہ فرمایا گیا۔ "نحن نحکم بالظواھر والسرائر الی اللہ"۔ یعنی "ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں باطن کا معاملہ اللہ کے حوالے"۔ سو سچی توبہ کے بعد یہ لوگ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اور سچی توبہ کی ظاہری علامت اور نشانی یہ ہے کہ یہ لوگ نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں۔

يَعْلَمُوْنَ ⑪ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ

جو علم رکھتے ہیں، ۲۴ اور اگر توڑ دیں یہ لوگ اپنی قسموں کو اپنے

عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ

عہد کے بعد، اور طعنہ زنی کریں تمہارے دین میں، تو تم لڑو کفر کے ان

الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ⑫

پیشواؤں سے، ۲۵ کوئی اعتبار نہیں ان کی قسموں کا، ۲۶ (ان سے لڑو) تاکہ یہ باز آ جائیں (اپنے کفر و باطل سے، ۲۷)

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا

کیا نہیں لڑو گے تم ایسے لوگوں سے؟ ۲۸ جنہوں نے توڑ دیا اپنی قسموں کو، اور انہوں نے ٹھان لی

۲۴ علمِ صحیح کی عظمت و اہمیت کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم کھول کر بیان کرتے ہیں اپنے احکام ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں کہ اس سے فائدہ وہی حضرات اٹھا سکتے ہیں جو دولتِ علم سے مالا مال ہوں۔ ورنہ یوں تو ہدایت کا یہ نور سارے جہانوں کے لئے عام اور سب کے لئے ایک برابر اور یکساں ہے۔ سو اس سے علم صحیح کی عظمت و اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہی وہ نور ہے جس سے انسان کے لئے راہِ حق و صواب کھلتی اور واضح ہوتی ہے۔ اور علم سے مراد دینِ حق کا علم ہے کہ یہی وہ علم ہے جو انسان کیلئے راہِ حق واضح کرتا ہے۔ سو اِس آیتِ کریمہ کے اس آخری جملے میں کفار و مشرکین اور مسلمانوں کے دونوں گروہوں کے لیے تنبیہی مضمون ہے کہ ہم نے اپنی آیات اور نشانیوں کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے اور ایسا کہ جو لوگ جاننا چاہیں ان کے لیے کسی طرح کا کوئی خفا باقی نہیں رہ گیا۔ اب دونوں فریقوں میں سے جو بھی کوئی ان کے تقاضوں کی خلاف ورزی کرے گا اسکی ذمہ داری خود اسی پر ہوگی اور اس کو اس کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - پس ہر گروہ اپنا محاسبہ خود کرے اور اپنے احوال کی اصلاح کر لے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلٰی ما یحب و یرید -

۲۵ کفر کے پیشواؤں کیخلاف جنگ کرنے کا حکم وارشاد: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ توڑ دیں اپنی قسموں کو اپنے عہد کے بعد تو لڑو تم کفر کے ان پیشواؤں سے جو کہ نورِ ایمان کے مقابلے میں ظلمتِ کفر کو پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور دنیا کو نورِ حق و ہدایت سے محروم کرنے کے درپے ہیں۔ سو تم لڑو ان سے تاکہ کمر ٹوٹے کفر و باطل کی اور راستہ صاف ہو جائے حق اور اہلِ حق کا۔ سو یہاں پر کفر کے پیشواؤں سے لڑنے کا حکم دیا گیا۔ کیونکہ ایسے ہی لوگ حق اور اہلِ حق کیخلاف جنگ کی پیشوائی کرتے ہیں۔ اور ان کا زور توڑنے سے انکی جنگ کا بھی خاتمہ ہو جائے گا اور ائمہ کفر کا لفظ اگرچہ عام ہے اور یہ سب ہی پیشوایانِ کفر کو شامل ہے لیکن اسکے اولین مصداق کفارِ قریش ہی ہیں

کیونکہ دین کے معاملے میں سارا عرب ان ہی کے تابع تھا۔ اور اس ضمن میں ان کو پیشوائی اور سرداری کا ایک خاص مرتبہ ومقام حاصل تھا۔ سو جب یہ لوگ سارے کفر اور کفار کے امام اور سرغنہ ہیں تو تم ان سے لڑو کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سب فتنوں کی قیادت یہی لوگ کرتے ہیں۔ پس انکی پیشوائی کا خاتمہ ان فتنوں کا خاتمہ ہے۔

٢٦ غداروں کی قسموں کو کوئی اعتبار نہیں: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ کوئی اعتبار نہیں ان کی قسموں کا کہ ان کی نیت اپنی ان قسموں سے وعدہ وفائی اور عہد برآئی کی نہیں بلکہ دھوکہ دہی اور فریب کاری کی ہوتی ہے۔ اور جس قرأت میں ''اِیمان'' یعنی ھمزہ کی زیر سے پڑھا گیا ہے اس کے مطابق اس کا مطلب یہ ہوگا کہ چونکہ ان کا سرے سے ایمان ہی نہیں اس لئے یہ کسی حفظ وامان کے بھی مستحق بھی نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ دین کے کسی حکم میں طعنہ زنی کرنا اور اس کا مذاق اڑانا کفر ہے۔ (قرطبی وغیرہ)۔ اور یہ ایسا کفر ہے کہ اس کے بعد ایسے لوگوں کے نہ کسی دعوائے ایمان کا کوئی اعتبار ہے اور نہ ان کی کسی قسم اور قول وقرار کا ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ الا یہ کہ ایسے لوگ سچے دل سے توبہ کر کے حق کی طرف رجوع کرلیں ورنہ ان کی قسموں کا نہ کوئی وزن ہے نہ اعتبار۔ اس لیے ان کا قول و قرار نہ ہونے کے برابر ہے۔ ''ان کے دلوں میں کچھ ہوتا ہے اور زبانوں پر کچھ اور'' ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے ﴿یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ﴾ ان کو جونہی موقعہ ملتا ہے اپنی قسموں کو توڑ دیتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

٢٧ اسلامی جہاد وقتال رحمتِ خداوندی کا ایک مظہر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے لڑو تا کہ یہ لوگ باز آجائیں اپنے کفر و باطل سے اور اس طرح یہ بچ جائیں اُس ہولناک انجام سے جس کی طرف یہ اپنے کفر و انکار کی بناء پر بڑھے چلے جارہے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اسلامی جہاد وقتال سے مقصود دراصل کفار و مشرکین اور دوسرے بندگانِ خدا ہی کی خیر خواہی ہے کہ اس طرح یہ لوگ کفر وشرک سے باز آکر دوزخ کے دائمی عذاب سے بچ سکیں۔ سو اسلامی جہاد وقتال بھی دراصل ایک مظہر ہے خدائے رحمٰن ورحیم کی اس عظیم الشان رحمت وعنایت کا جو اس کی طرف سے اس کے بندوں کے لئے ہر چار سو پھیلی ہوئی ہے ۔ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی وَتَبَارَکَ وَتَقَدَّسَ ۔ سو اسلامی جہاد وقتال سراسر رحمت وخیر ہے۔ اس کا دنیاوی مال و دولت کے حصول یا اتباعِ ہوٰی وغیرہ سے کچھ تعلق نہیں ہوتا اور نہ یہ کسی قومی، علاقائی یا لسانی عصبیت کی بنیاد پر ہوتا ہے بلکہ یہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا، بندگانِ خدا کی بہتری وخیر خواہی اور کلمۂ حق کی سربلندی کے لیے ہوتا ہے '' لِتَکُوْنَ کَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا '' ۔ سو یہ جہادِ اسلامی کی ایک امتیازی شان ہے کہ یہ صرف حق کی سربلندی کے لیے ہوتا ہے اور بس۔ والحمد للہ جل وعلا۔

٢٨ جہاد فی سبیل اللہ کیلئے ترغیب وتحریض: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم لوگ لڑو گے نہیں ایسے لوگوں سے جنہوں نے توڑ دیا اپنی قسموں کو اور انہوں نے ٹھان لی اللہ کے رسول کو ان کے گھر سے نکالنے کی۔ یہ استفہام تحریض وترغیب کے لئے ہے۔ یعنی ایسوں سے تم کو ضرور لڑنا چاہیئے جن کے یہ اور یہ کرتوت اور ایسے اور ایسے جرائم اور سیاہ کارنامے ہوں کہ ان میں سے ہر ایک بات اس کا تقاضا کرتی ہے کہ تم ان سے جنگ کرو۔ چہ جائے کہ جب یہ سب ہی اسباب فساد و بگاڑ یکجا طور پر موجود ہوں۔ (الکبیر للرازیؒ وغیرہ)۔ سو ایسے میں تم لوگوں کو ان کفار و مشرکین سے ضرور جنگ و جہاد کرنا چاہیئے۔ یہ تمہارے دین وایمان اور تمہاری دینی غیرت کا تقاضا ہے۔ بہرکیف اس میں اہلِ حق کو اہلِ باطل کے خلاف جہاد کے لیے ابھارا گیا ہے کہ جن لوگوں کے جرائم یہ اور یہ ہیں ان سے تم کو ضرور لڑنا چاہیے۔ تا کہ فتنہ وفساد کا قلع قمع ہو سکے۔

بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط

(اپنے گھر سے) نکال باہر کرنے کی اللہ کے رسول کو، ۲۹ اور انہوں نے ہی پہل کی تم سے زیادتی کرنے میں، ۳۰

۲۹ معاندین ومنکرین کی بدبختی اور ہٹ دھرمی کے ایک اور نمونے کا ذکر وبیان:۔ سو اس سے ان بدبختوں کی ہٹ دھرمی اور بدبختی کا ایک اور نمونہ سامنے آتا ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول کو ان کے گھر سے نکالنے کا پروگرام بنایا حالانکہ اللہ کے رسول کے اِخراج کا ارادہ و فیصلہ عذابِ خداوندی کو دعوت دینا ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ارشاد فرمایا کہ ان بدبخت لوگوں نے اللہ کے رسول کو نکال باہر کرنے کی ٹھان لی۔ یعنی مکہ مکرمہ سے۔ چنانچہ رؤسائے مکہ نے اپنے پارلیمنٹ ہاؤس ''دارالندوہ'' میں اس کے لئے باقاعدہ میٹنگ کر کے اپنے اس گھناؤنے جرم کے ارتکاب کا فیصلہ کیا، جیسا کہ سورۂ انفال میں ذکر فرمایا گیا ہے ﴿وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ﴾ الآیۃ (الانفال: ۳۰)۔ اور ''دارالندوہ'' کی اس سازش وقرارداد میں مشرکینِ مکہ نے اگرچہ ان تین باتوں ہی کے بارے میں غور کیا تھا یعنی قتل، قید اور اخراج، مگر واقع میں چونکہ ان تینوں میں سے ایک ہی صورت ظہور پذیر ہوئی تھی اس لئے یہاں اسی ایک کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ یعنی اِخراج وجلاوطنی۔ (روح، ابنِ کثیر، صفوہ، محاسن وغیرہ)۔ سو رسول کے اِخراج کا ارادہ و پروگرام دراصل عذابِ خداوندی کو دعوت دینا ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ پس ایسے کفار سے لڑنا اور ان سے جنگ کرنا تمہارے دین و ایمان کا تقاضا ہے اے ایمان والو۔ سو تم ان سے لڑو تاکہ ایسے بدبختوں کو تمہارے ہاتھ سے سزا ملے۔ فتنے کا خاتمہ ہو اور راہِ حق کے سلسلے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔

۳۰ جہاد وقتال کے ایک اہم باعث کا ذکر وبیان:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ جہاد وقتال کا ایک اہم باعث اور جنگ کا ایک داعیہ، کفار کا شرانگیزی میں پہل کرنا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے تم سے پہل کی لڑائی میں اور ظلم و زیادتی میں۔ یعنی غزوۂ بدر کے موقعہ پر، کہ جب ان کا قافلہ صحیح و سالم نکل گیا تھا تو انہوں نے واپسی کی بجائے جنگ ہی کا پروگرام بنایا تھا اور اپنے غرور وسرکشی کی بناء پر واپس ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل وغیرہ)۔ چنانچہ روایات کے مطابق اس موقع پر جب کفار کے سرغنہ ابوجہل سے کہا گیا کہ اب جبکہ ہمارا قافلہ صحیح وسالم نکل گیا، ہمارے خروج کا مقصد پورا ہو گیا اور جنگ کا خطرہ ٹل گیا تو اب ہمیں واپس ہو جانا چاہیئے۔ تو اس لعین نے کہا نہیں بلکہ ہم آگے جائیں گے۔ بدر میں پڑاؤ ڈالیں گے۔ اونٹ کاٹیں گے، شراب کے دور چلیں گے اور گانے والیاں گائیں گی تاکہ عربوں پر ہماری دھاک بیٹھ جائے اور آئندہ کسی کو ہماری طرف آنکھ اٹھانے کی ہمت و جرأت نہ ہو سکے۔ سو کفار کا شرانگیزی میں پہل کرنا جنگ اور جہاد وقتال کا ایک بڑا داعیہ ہے۔ اس لیے تمہیں ان کے خلاف جہاد کے لیے اٹھ کھڑا ہونا چاہیئے۔ تاکہ زیادتی کرنے والے یہ ظالم اپنے کیے کی کچھ سزا بھگت سکیں۔

اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ

کیاتم ان سے ڈرتے ہو؟ سو اللہ زیادہ حقدار ہے اس کا کہ تم اس سے ڈرو، واس ۳۱ اگر تم

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ

ایماندار ہو، لڑو ۳۲ تم ان سے، اللہ ان کو عذاب دے گا خود تمہارے ہاتھوں سے،

وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ

وہ ان کو رسوا کرے گا ۳۳ اور ان کے مقابلے میں تمہاری مدد فرمائے گا، اور شفا بخشے گا

قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ

ایمانداروں کے سینوں کو ۳۴ اور دور فرما دے گا ان کے دلوں کی جلن کو،

وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

اور وہ توبہ نصیب فرمائے گا جس کو چاہے گا، اور اللہ بڑا ہی جاننے والا،

۳۱ ڈرنا ہمیشہ اللہ ہی سے چاہیئے: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کیا تم ان لوگوں سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ اللہ زیادہ حق دار ہے اس بات کا کہ تم اسی سے ڈرو۔ استفہام یہاں پر توبیخ وتقریع کے لئے ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ تم لوگ اس ڈر اور خوف کی بنا پر ان سے جہاد وقتال کے لئے تیار نہ ہوؤ۔ (فتح القدیر وغیرہ)۔ کہ نفع ونقصان اُسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ پس ڈرنا ہر حال میں اُسی وحدہٗ لاشریک سے چاہیئے نہ کہ ان لوگوں سے جن کے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ اور ہمیشہ فکر وکوشش اسی کی ہونی چاہیئے کہ اُس خالق ومالک کے ساتھ ہمارا تعلق صحیح رہے تاکہ اسکی توفیق وعنایت اور نصرت وامداد ہمارے شامل حال رہے کہ اسکے بعد کسی کی پرواہ نہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۳۲ ایمانداری کا تقاضا کہ انسان ہمیشہ اللہ ہی سے ڈرے: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی اصل حق دار ہے اس بات کا کہ تم لوگ ہمیشہ اسی سے ڈرو اگر تم واقعی ایماندار ہو کہ ایماندای کا تقاضا یہی ہے کہ اللہ ہی سے ڈرا جائے اور اس کے سوا کسی سے بھی نہ ڈرا جائے۔ مگر افسوس کہ آج کا مسلمان اوہام وخرافات تک سے ڈرتا ہے۔ وہ قبروں سے ڈرتا، مُردوں سے ڈرتا اور ننگ دھڑنگ ملنگوں اور پاگلوں سے ڈرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بڑے بڑے درختوں اور پتھروں تک سے ڈرتا ہے اور ان کو "مقدس درخت" اور "بھاری پتھر" قرار دے کر طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتا ہے۔ چنانچہ وہ وہاں پر یہ نذریں مانتا، نیازیں دیتا، چڑھاوے چڑھاتا اور جھنڈیاں باندھتا اور چلتے چلتے رک رک اور جھک جھک کر سلام کرتا اور اپنے ہاتھوں سے ان بے جان پتھروں کو چھوتا اور ان کو بوسے دیتا ہے کہ اس طرح

مجھے پناہ مل جائے گی۔ اب مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا وغیرہ وغیرہ۔ تو پھر شرک اور کس بلا کا نام ہے؟ اور خود ساختہ ''کالی دیوی'' سے ڈرنے والے ہندو کے شرک اور اِن اوہام وخرافات سے ڈرنے والے اس کلمہ گو کے شرک میں آخر کیا فرق باقی رہ جاتا ہے؟ -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ جل وَعَلَا -جبکہ قرآنِ حکیم صاف اور صریح طور پر کہتا ہے کہ اگر تم واقعی ایماندار ہو تو اللہ ہی سے ڈرو کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اور ہر حال میں اسی وحدہٗ لاشریک سے ڈرے جو نفع ونقصان کا مالک ہے اور اس کائنات کی باگ ڈور اسی وحدہٗ لاشریک کے ہاتھ میں ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۳۲ اہلِ کفر و باطل کی سزا اہلِ ایمان کے ہاتھوں:- سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ اللہ کفار کو تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا اور ان کی رسوائی کا سامان کرے گا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ تم ان سے لڑو اللہ ان کو عذاب دے گا خود تمہارے ہاتھوں کہ یہ تمہارے ہاتھوں سے قتل ہوں گے، قید ہوں گے، پکڑے جائیں گے، جکڑے جائیں گے۔ اور اس طرح ان کی تحقیر وتذلیل میں اور اضافہ ہوگا اور تمہاری عزت وعظمت اور خوشی و مسرت دوبالا ہو گی۔ سو عذاب تو ان کو اللہ دے گا لیکن اسکے اس عذاب کا ظہور و وقوع تمہارے ذریعے اور تمہارے ہاتھوں سے ہوگا۔ بشرطیکہ تمہارا ایمان وعقیدہ صحیح ہو اور تمہارا تعلق ورشتہ اپنے خالق و مالک سے درست اور قوی ہو۔ اور تمہارا بھروسہ وتوکل اور اعتماد اسی مالک الملک وحدہٗ لاشریک پر ہو۔ اور تمہارا دامن شرک اور اسکے شوائب سے محفوظ اور پاک ہو۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔ بہرکیف اِس اِرشاد سے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی فرمائی گئی ہے کہ تم راہِ حق میں لڑنے اور جہاد کرنے سے کبھی مت کتراؤ اور تم دشمنوں سے ضرور لڑو۔ اللہ تمہارے ہاتھوں سے انکو عذاب دے گا اور ان کو رسوا کرے گا۔ سو بندہ کا ہاتھ دراصل اللہ کا ہاتھ ہے۔

۳۳ اہلِ ایمان کے لیے نصرتِ خداوندی اور شفا بخشی کا وعدہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تمہاری مدد فرمائے گا اور وہ شفا بخشے گا اہلِ ایمان کے سینوں کو کہ مدد فرمانا اصل میں اُسی کی شان اور اُسی کا کام ہے۔ مافوق الاسباب مدد تو ہوتی ہی اسی وحدہٗ لاشریک کی طرف سے ہے۔ وہ اس کے سوا کسی اور میں ماننا شرک ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ مگر ماتحت الاسباب مدد بھی دراصل اسی کی طرف سے ہوتی ہے کہ اسباب و وسائل بھی حقیقت میں اسی کی توفیق وعنایت سے انسان کے لئے مفید وسودمند بنتے ہیں۔ ورنہ یہ بھی الٹا ہلاکت وتباہی کا باعث بن جاتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اور جب حضراتِ انبیاء ورسل اور حضراتِ صحابہ کرام تک بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی مدد ونصرت کے محتاج ہیں۔ تو پھر اور کون ہو سکتا جو حاجت روائی ومشکل کشائی کا دم بھر سکے اور اس کو اس مرتبہ ومقام پر فائز کیا جا سکے؟ پس غلط ہے وہ کچھ جو کہ اسکے برعکس جاہل لوگ کہتے اور کرتے ہیں اور راہِ حق وصواب سے ہٹے ہوئے ہیں وہ لوگ جو اللہ پاک کے سوا اوروں کو حاجت روا ومشکل کشا قرار دے کر پوجتے پکارتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ پس مدد اللہ تعالیٰ ہی کی مدد ہے اور وہی مدد فرماتا ہے اپنے انبیاء ورسل اور اپنے خاص بندوں کی۔ اور سب اسی کے محتاج ہیں اور وہی سب کا حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَ لَمَّا يَعْلَمِ

نہایت ہی حکمت والا ہے، ۳۵ کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ ۳۶ حالانکہ ابھی اللہ نے تم

اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ

میں سے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جنہوں نے جہاد کیا ۳۷ اور انہوں نے اللہ،

دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ

اس کے رسول، اور مومنوں کے سوا، اور کسی کو جگری دوست نہیں بنایا ۳۸

وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ ع مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ

اور اللہ پوری طرح باخبر ہے ان سب کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو، ۳۹ مشرکوں کا یہ کام نہیں

اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو، (اور ان کے متولی و مجاور بنیں) درآنحالیکہ وہ خود گواہی دے رہے

۳۵ **اللہ تعالیٰ کی صفت علم وحکمت کا حوالہ وذکر:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بڑا ہی جاننے والا نہایت ہی حکمت والا ہے۔ اس لئے وہی جانتا ہے کہ کون توبہ کے لائق اور ایمان کے قابل ہے اور کس کو توبہ کی توفیق ملنی چاہیئے اور کب اور کیسے؟ کہ وہ ہی سب کچھ جاننے والا، علیم وخبیر اور حکیم مطلق ہے - سبحانہ وتعالیٰ - اور وہ اپنے بندوں سے جو بھی معاملہ فرماتا ہے وہ کامل علم اور نہایت حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کا علم بھی کامل اور اسکی حکمت بھی کامل ہے - سبحانہ وتعالیٰ - اس لیے بندۂ مومن کا کام یہ ہے اور یہی ہونا چاہیے کہ وہ اس خدائے علیم وحکیم سے اپنا معاملہ درست رکھے۔ اپنے ظاہر کے اعتبار سے بھی اور اپنے باطن کے اعتبار سے بھی تاکہ اسکی عنایات اسکو نصیب ہوسکیں۔ اور جب اسکی عنایات نصیب ہوگئیں تو پھر کسی کی کیا پرواہ - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید - سو ان دونوں صفات کریمہ کے حوالہ وذکر سے ایک طرف اہل ایمان کی لیے تسلیہ وتسکین کا سامان ہے کہ وہ راہِ حق میں جن قربانیوں اور جانفشانیوں سے کام لے رہے ہیں وہ سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ اور ان کو ان کے صلہ وبدلہ سے ضرور نوازے گا اور اپنے کمال علم وحکمت کے تقاضوں کے مطابق نوازے گا - سبحانہ وتعالیٰ - اور دوسری طرف اس میں منکرین ومعاندین کے لیے تنبیہ وتحذیر بھی ہے کہ یہ لوگ حق اور اہل حق کے خلاف جو کچھ کر رہے ہیں وہ سب بھی اس علیم وحکیم خداوند قدوس کے علم میں ہے۔ ان کو اس کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا اگر یہ باز نہ آئے اپنی اس روش سے۔ اور یہ بھگتان ان کو اس کے کمال علم وحکمت کے مطابق بھگتنا ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

٣٦ ابتلاء و آزمائش تقاضائے عدل وحکمت :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم لوگوں کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا۔ استفہام انکار کے لئے ہے۔ یعنی ایسے نہیں ہوسکتا اور ان لوگوں کو ایسے نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ان کو آزمائش و امتحان کے بغیر یونہی چھوڑ دیا جائے گا اور یہ یونہی جنت کے وارث بن جائیں گے۔ نہیں ایسے نہیں ہوگا بلکہ کھرے کھوٹے کی تمیز کے لئے ابتلاء و آزمائش ضرور ہونی ہے کہ اسی سے ظاہر اور واضح ہوسکتا ہے کہ کون اپنے دعوائے ایمان میں سچا ہے اور کون جھوٹا؟ - والعیاذ باللہ العظیم- سو تم لوگوں نے اگر یہ سمجھ رکھا تھا کہ تمہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا اور تمہاری کوئی آزمائش نہیں ہوگی تو تمہارا یہ خیال غلط تھا۔ سو اس طرح کی آزمائش سے واضح ہوجائے گا کہ اپنی دعوے میں سچا اور کھرا کون ہے اور جھوٹا کون اور صحیح کون ہے اور غلط کون ؟ - والعیاذ باللہ- سو ابتلاء و آزمائش تقاضائے عدل وحکمت ہے۔

٣٧ علم سے مراد ''رؤیت'' یعنی دیکھنا :- سو ارشاد فرمایا گیا - ﴿ ولما یعلم اللہ ﴾- ''اللہ نے ابھی تک جانا نہیں'' یعنی اللہ نے ابھی تک دیکھا نہیں ان لوگوں کو'' سو علم سے یہاں پر رؤیت یعنی دیکھنا مراد ہے۔ اور علم کی نفی سے مراد ملزوم کی نفی ہے بطورِ مبالغہ۔ یعنی لازم بول کر ملزوم مراد لیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ ایسی کوئی چیز ابھی وجود میں آئی ہی نہیں کیونکہ اگر وجود میں آئی ہوتی تو وہ اللہ پاک کے علم میں ضرور ہوتی۔ (المراغی، المحاسن وغیرہ)۔ سو جنگ و جہاد ایک کسوٹی ہے جس سے غث وسمین اور کھرے کھوٹے میں تمیز ہو جاتی ہے اور اس سے معاملہ واضح ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کامل و محیط کے اعتبار سے پوری طرح جانتا ہے کہ کون اپنے دعوے میں کتنا کھرا ہے لیکن اس نے اس فرق وتمیز کے لیے یہ کسوٹی رکھی ہے۔ کہ ابتلاء و آزمائش کے ذریعے عملی طور پر ان کو نکھار کر الگ کر دیا جائے۔ تاکہ اس کے بعد کسی کے لیے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

٣٨ ''وَلِیۡجَۃ'' کا معنیٰ ومفہوم؟ :- ''وَلِیۡجَۃ'' لفظ ''وَلُوۡج'' سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ گھسنے اور داخل ہونے کے آتے ہیں ''ای مَنۡ یُدَاخِلُہٗ فِیۡ بَاطِنِ اُمُوۡرِہٖ'' (صفوۃ البیان)۔ اسی لئے اس کا ترجمہ ''رازداں'' اور ''جگری دوست'' جیسے کلمات سے کیا جاتا ہے۔ مطلب اس استفہام کا یہ ہوا کہ تم کو اے مومنو! یونہی نہیں چھوڑ دیا جائے گا بلکہ امتحان اور آزمائش لازمی ہے تاکہ کھرے کھوٹے اور اچھے برے کی تمیز ہو جائے اور وہ لوگ نکھر کر سامنے آجائیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور انہوں نے اللہ اور اسکے رسول اور اہلِ ایمان کیخلاف کسی کو اپنا رازداں اور جگری دوست نہیں بنایا کہ مومن کی جگری دوستی مومن ہی سے ہوسکتی ہے اور مومن ہی سے ہونی چاہیئے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید وھو الہادی الی سواء السبیل-

٣٩ اللہ تعالیٰ کے علم وآگہی کی تذکیر و یاددہانی :- سو ارشاد فرمایا گیا اور اللہ پوری طرح باخبر ہے ان تمام کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو۔ اس لئے اس سے تمہاری کوئی بھی حالت اور کیفیت پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور اختبار و آزمائش تو محض تمہارے باطن کی کیفیت کے اظہار کے لئے ہوتا ہے تاکہ تمہارے اندر کا حال کھل کر اور نکھر کر سب کے سامنے آجائے۔ ورنہ وہ تو دلوں کے بھیدوں تک کو پوری طرح جانتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- اس لیے ہمیشہ فکر وکوشش اس امر کی ہونی چاہیئے کہ اس علیم وخبیر ذاتِ اقدس واعلیٰ سے ہمارا معاملہ صحیح رہے۔ اپنے ظاہر کے اعتبار سے بھی اور باطن کے اعتبار سے بھی- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید- وھو الہادی الی سواء السبیل-

بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ

ہیں اپنے اوپر کفر کی ۴۰ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اکارت چلے گئے سارے عمل، اور ان کو ہمیشہ

هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝17 اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ

رہنا ہے دوزخ میں، ۴۱ اللہ کی مسجدوں کو تو وہی لوگ آباد کر سکتے ہیں، جو ایمان رکھتے ہوں

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ

اللہ پر، اور قیامت کے دن پر، جو قائم رکھتے ہوں نماز کو، اور ادا کرتے ہوں زکوٰۃ،

۴۰ مشرک کا کام نہیں کہ وہ مسجد کو آباد کرے:- سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ مشرکوں کا یہ کام نہیں کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو (اور وہ انکے متولی اور مجاور بنیں) درانحالیکہ وہ خود گواہی دے رہے ہوں اپنے اوپر کفر کی۔ اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ مسجد تو توحید و ایمان کا مرکز ہوتا ہے۔ اس کو آباد کرنا بھی مومن موحد ہی کا کام ہو سکتا ہے، نہ کہ مشرک کا۔ مگر واضح رہے کہ یہاں آبادی سے مراد غلبہ اور کنٹرول والی آبادی ہے کہ یہ صرف مسلمان کا حق ہے۔ پس غیر مسلم و مشرک کے لئے مسجد کی تعمیر یا مرمت وغیرہ کا کوئی ایسا کام کرنا منع نہیں جو کہ مسلمانوں کی ماتحتی میں اور انہی کے حکم و منشاء کے مطابق کیا جائے۔ البتہ کسی مسجد کا اِنتظام و اِنصرام اور اُس کی تولیت و اہتمام کا حق کسی غیر مسلم کو نہیں پہنچ سکتا، جیسا کہ مشرکینِ مکہ نے مسجدِ حرام پر کر رکھا تھا۔ (معارف القرآن وغیرہ)۔ بہرکیف شرک چونکہ نری نجاست ہے اور مشرک لوگ قطعی طور پر جہنمی ہیں۔ اس لیے ایسے لوگوں کو کسی مسجد کی تولیت کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ یہ تو صرف ایمان والوں کا کام اور انہی کی شان ہے کہ وہ مسجدوں کے متولی بنیں اور ان کی خدمت کریں۔

۴۱ کفر و شرک کا انجام خلود فی النار- والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں کے تمام اعمال اکارت چلے گئے اور انہوں نے ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے۔ سو اس میں تصریح فرما دی گئی کہ ایسے لوگوں کو ہمیشہ دوزخ میں ہی رہنا ہوگا کہ کفر و شرک کا آخری نتیجہ و انجام بہرحال یہی ہے۔ معلوم ہوا کہ خلود فی النار صرف کافر کے لئے ہے جس کے اعمال اُس کے کفر و انکار کی بناء پر اکارت چلے گئے نہ کہ اہلِ ایمان کے لئے۔ سو کفر و شرک تمام خرابیوں کی خرابی اور جملہ شر و فساد کی جڑ بنیاد ہے، جس کے ساتھ کوئی نیکی بھی قابلِ قبول اور لائقِ اعتناء نہیں، خواہ وہ مسجدِ حرام کی آبادکاری اور حجاجِ کرام کی سقایت و خدمت کی نیکی ہی کیوں نہ ہو- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ - سو اصل دولت ایمان و یقین کی دولت ہی ہے جو دارین کی سعادت و سرخروئی سے ہمکنار و سرفراز کرنے والی دولت ہے ورنہ اندھیرا ہی اندھیرا اور محرومی ہی محرومی ہے- والعیاذ باللہ- سو ایمان سعادتِ دارین کا ذریعہ ہے اور اس سے محرومی سب سے بڑا خسارہ- والعیاذ باللہ العظیم -

وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا

اور وہ کسی سے نہ ڈرتے ہوں سوائے اللہ کے، ۴۲ سو ایسے لوگوں کے بارے میں امید ہے

مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿١٨﴾ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ

کہ وہ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہوں گے ۴۳ کیا تم لوگوں نے (اے مشرکو!) حاجیوں کے پانی پلانے کو،

۴۲ **مساجد کی تولیت کے حقداروں کی صفات کا ذکر و بیان:** - سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ مساجد کو آباد کرنا اہلِ ایمان کا کام اور ان ہی کی شان ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور اِنَّمَا کے کلمہ حصر و قصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ کی مسجدوں کو تو وہی لوگ آباد کر سکتے ہیں جو ایمان رکھتے ہوں اللہ پر اور قیامت کے دن پر جو قائم کرتے ہوں نماز کو اور وہ ادا کرتے ہوں زکوٰۃ۔ اور وہ کسی سے نہ ڈرتے ہوں سوائے اللہ کے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کی تعمیر و تولیت کے لئے اولین شرط ایمان ہے جس کا تعلق قلب اور باطن سے ہے اور اس کی ظاہری علامت اور اثرات ایمان کے وہ آثار و ثمرات ہیں جو اس پر مرتب ہوتے ہیں اور جن کا ذکر یہاں پر بعد میں آنے والے اعمال اور صفات کی صورت میں فرمایا گیا ہے۔ یعنی نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرنا وغیرہ۔ ان میں سب سے پہلے ایمان کا ہونا ضروری اور بنیادی شرط ہے۔ ورنہ ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ سو مساجد کی تولیت اور انکی آبادکاری ایسے ہی سچے ایمانداروں کا کام اور ان ہی کی شان ہے جن کی یہ اور یہ صفات ہوں کہ یہی وہ صفات ہیں جن سے ان کے صدقِ ایمان کا ثبوت مل سکتا ہے۔ سو انسان کی اصل قدر و قیمت اس کے ایمان و عقیدے اور اس کے عمل و کردار سے ہے۔ - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔

۴۳ **ہدایت یافتہ لوگوں کی نشاندہی:** - سو اس ارشاد سے ہدایت یافتہ لوگوں کی تعیین اور انکی نشاندہی فرما دی گئی ہے۔ یعنی وہ وہ لوگ ہوتے ہیں جنکے اندر یہ اور یہ صفات پائی جاتی ہوں۔ یعنی یہ کہ وہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں۔ وہ نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہوں اور وہ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں۔ اور آیتِ کریمہ کے آخر میں جو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں کے بارے میں امید ہے کہ یہ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہونگے تو یہ شاہانہ کلام کا ایک خاص انداز ہے۔ سو "امید ہے" "عَسٰی" کے بارے میں عام طور پر مفسرینِ کرام کا کہنا ہے کہ اللہ پاک کے کلام میں یہ لفظ یقین ہی کے معنیٰ میں آتا ہے۔ اور یہ شاہانہ کلام کا ایک انداز ہوتا ہے کہ کوئی دنیاوی بادشاہ بھی اگر کسی سے "امید ہے" کے الفاظ سے کوئی وعدہ کر لے تو وہ یقینی وعدہ تصور ہوتا ہے تو پھر اس ملک الملوک اور احکم الحاکمین کے وعدوں کے کہنے ہی کیا۔ لیکن اللہ پاک کے کلام میں کلماتِ ترجی "عَسٰی" وغیرہ کا ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ پاک کے وعدے تو بلاشبہ قطعی اور یقینی ہیں لیکن اس کی کیا ضمانت کہ ہمارے اعمال اس کے یہاں شرفِ قبولیت پانے کے قابل بھی ہیں۔ پس شک یا عدم قبولیت کا خدشہ دراصل ہمارے اپنے اعمال کی نسبت سے ہے۔ اس لئے بندۂ مومن کو ان وعدوں پر تکیہ کرنے اور مست ہونے کی بجائے اپنے ہر عمل میں زیادہ سے زیادہ صدق و اخلاص سے کام لینا چاہیئے تاکہ وہ اس کی بارگاہِ اقدس و اعلیٰ میں شرفِ قبولیت پانے کے قابل ہو سکے۔ - وباللہ التَّوْفِیْق لما یحبُ و یرید وھو الھادی الی سواء السبیل۔

وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ

اور مسجد حرام کی آبادکاری (یعنی اس کے مجاور و خادم بننے) کو، اس شخص کے برابر ٹھہرا رکھا ہے؟ ۴۴ جو ایمان رکھتا ہو، اللہ پر اور قیامت

الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ

کے دن پر، اور وہ جہاد کرتا ہو اللہ کی راہ میں؟ یہ برابر نہیں ہو سکتے اللہ کے

اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹ اَلَّذِيْنَ

یہاں، اور اللہ ہدایت (کی دولت) سے نہیں نوازتا ظالم لوگوں کو، ۴۵ (چنانچہ) جو لوگ

وقف لازم

۴۴ اعمال ایمان کا بدل نہیں ہو سکتے: ۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اعمال ایمان کا بدل نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور استفہامِ انکاری کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم لوگوں نے [اے مشرکو!] حاجیوں کے پانی پلانے کو اور مسجدِ حرام کی آبادکاری یعنی اس کے مجاور و خادم بننے کو اس شخص کے برابر ٹھہرا رکھا ہے جو ایمان رکھتا ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر؟ استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی یہ اعمال ایمان باللہ کا بدل اور اس کے برابر نہیں ہو سکتے بلکہ ایمان کے بغیر ان کی سرے سے کوئی قدر و قیمت ہی نہیں۔ اس میں رد ہے ان مشرکینِ عرب پر جو اپنے ان اعمال پر فخر جتایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کیا ہوا اگر ہم ایمان نہیں لائے کہ ہم بھی تو یہ اور یہ اعمالِ خیر کرتے ہیں- کما هُوَ مَرْوِيٌّ عَنِ ابْنِ عبّاس- اور صحیح مسلم وغیرہ میں روایت ہے کہ اس آیتِ کریمہ کا نزول اُس وقت ہوا جب کہ مسلمان باہمدگر ان اعمالِ صالحہ پر فخر جتا رہے تھے تو بتایا گیا کہ اصل اور سب سے اہم شے اور بنیادی چیز ایمان ہے۔ (مسلم کتاب الامارۃ)۔ سو اعمالِ صالحہ کا وزن بھی دراصل قوتِ ایمان و یقین ہی سے ہے۔ الفاظ و کلماتِ کریمہ کا عموم بہرحال ان سب ہی احتمالات کو شامل ہے۔ سو اس سے ایمان کی عظمت و اہمیت واضح ہو جاتی ہے کہ ہر عمل کی قدر و قیمت اسی سے وابستہ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ سو اصل چیز ایمان و عقیدہ ہے۔ باقی تمام امور کا دار و مدار اسی پر ہے۔ پس اعمالِ صالحہ خواہ کتنی ہی بڑی شان کے کیوں نہ ہوں وہ ایمان و یقین کا بدل نہیں ہو سکتے بلکہ اصل چیز ایمان و یقین کی دولت ہے- اللّٰھم فزدنا منہ وثبتنا علیہ یاذا الجلال والاکرام-

۴۵ ظالموں کو ہدایت نہیں مل سکتی: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہدایت نہیں دیتا ظالموں کو۔ یعنی ایسے لوگوں کو اُس ہدایت سے فیضیاب ہونے کی توفیق نہیں ملتی کہ ان کے دلوں میں اس کی نیت اور طلب ہی نہیں ہوتی۔ اور طلب و تڑپ کے بغیر نورِ ہدایت جیسی عظیم الشان اور انمول دولت کیونکر نصیب ہو سکتی ہے؟ سو اس طرح یہ لوگ ظلم پر ظلم ڈھاتے ہیں کہ حضرتِ خالق -جل مجدہ- کے بجائے اُس کی عاجز و بے جان مخلوق کی پوجا کرتے ہیں اور زندگی کی اِس فرصتِ محدود کو جو کہ دراصل بندگیٔ حق ہی کے لئے لوگوں کو بخشی گئی تھی اس کو یہ لوگ غیر اللہ کی پوجا میں ضائع کر رہے ہیں۔ اور اس طرح یہ جنت کی سدابہار نعمتوں کی بجائے دوزخ کے دائمی عذاب کی راہ پر چلے جا رہے ہیں اور اپنی اسی کیفیت میں رخصت ہونے والے پھر کبھی دوزخ سے رہائی نہیں پا سکیں گے۔ سو یہ وہ خسارہ ہے جس کی تلافی و تدارک کی پھر کوئی صورت کبھی ممکن نہیں ہو سکتی۔ پس نورِ ایمان و یقین سے محرومی خساروں کا خسارہ ہے-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- اور ایمان و عقیدے کی دولت سے سرفرازی سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ہے۔

اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

ایمان لائے، انہوں نے ہجرت کی، اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں،

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ

اپنے مالوں سے بھی، اور اپنی جانوں سے بھی، اللہ کے یہاں ان کا درجہ بہت بڑا ہے، ٤٦

وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝٢٠ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ

اور یہی لوگ ہیں کامیاب ہونے والے، ٤٧ ان کو خوشخبری سناتا ہے ان کا رب

٤٦ اہل ایمان کے لیے سب سے بڑے درجے کی خوشخبری:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ سچے ایمان والوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے بڑا درجہ ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ ایمان لائے انہوں نے ہجرت اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا وخوشنودی کے لیے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بڑا درجہ ہے۔ سو ایسوں کا درجہ و مرتبہ بہت بڑا ہے۔ ان لوگوں کے مقابلے میں جو ان صفات سے محروم ہیں۔ اور پھر ان کا درجہ کتنا بڑا ہے اس کی تحدید نہیں فرمائی گئی کہ اس کی عظمت اور بڑائی کو اللہ پاک ہی جانتا ہے۔ جل جلالہ وعم نوالہ۔ سو سچے ایمان والوں کا درجہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بڑا ہے۔ اور جتنا کوئی ایمان میں سچا اور پکا اور اعمال میں مخلص ہوگا اتنا ہی اس کا درجہ بڑا ہوگا۔ اللہ نصیب فرمائے۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں کا درجہ و مرتبہ بہت بڑا ہے جو سچے پکے ایمان کی دولت سے سرشار ہیں اور اسی کی روشنی میں وہ اللہ کی رضا کے لیے ہجرت کرتے اور اس کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ اپنی جانوں سے بھی اور اپنی مالوں سے بھی۔ سو اللہ تعالیٰ کے یہاں محض حسب ونسب کی مفاخرت زبانی کلامی دعووں اور فلاں ابن فلاں نسبتوں سے کام نہیں چلے گا بلکہ اس کے لیے صدقِ ایمان اور عمل و کردار کی پونجی ہی کام آسکے گی۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق وہدایت پر ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

٤٧ کامیاب لوگوں کی نشاندہی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر وقصر کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ یہی لوگ ہیں کامیاب ہونے والے۔ پس اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اصل اور حقیقی کامیابی ان اہلِ ایمان ہی کیلئے ہے: جن کا ایمان وعقیدہ بھی درست ہو اور عمل و کردار بھی۔ سو یہاں پر حصر کے ساتھ فرمایا گیا کہ یہی لوگ ہیں کامیابی اور حقیقی فوز وفلاح سے سرفراز ہونے والے کہ یہ خوش نصیب ان عظیم الشان دائمی اور سدا بہار نعمتوں سے ہمکنار و سرفراز ہوں گے جن کو کبھی زوال نہیں، جن کی عظمتِ شان اور بلندیٔ مقام کا اس دنیا میں کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اور جن کے سامنے دنیا کی ہر نعمت اور تمام کامیابیاں ہیچ ہیں۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا بِمَحْضِ مَنِّکَ وَکَرَمِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ پس اصل اور حقیقی کامیابی یہی ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ سو ایمان و یقین کی دولت سے محروم جن لوگوں نے اپنے آپ کو کامیاب سمجھ رکھا ہے اور وہ دنیاوی مال و دولت اور جاہ و منصب وغیرہ کو اپنی کامیابی کی علامت اور نشانی قرار دیتے ہیں وہ سب سراسر دھوکے میں پڑے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اس کی اصل اور پوری حقیقت کل کے اس یومِ حساب میں پوری طرح واضح ہو جائے گی جس کو یوم قیامت کہا جاتا ہے اور جو کہ کشفِ حقائق اور ظہورِ نتائج کا جہاں ہوگا۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید۔

بِرَحۡمَةٍ مِّنۡهُ وَرِضۡوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمۡ فِيۡهَا نَعِيۡمٌ

ایک عظیم الشان رحمت کی اپنی طرف سے، اور ایک بڑی رضامندی، اور ایسی عظیم الشان جنتوں کی، جن میں

مُّقِيۡمٌ ﴿۲۱﴾ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗۤ

ان کے لئے دائمی نعمتیں ہوں گی، جن میں ہمیشہ ہمیش رہنا نصیب ہوگا ان کو، بے شک اللہ کے یہاں

اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ﴿۲۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡۤا

بہت بڑا اجر ہے، ۴۸ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم مت بناؤ

اٰبَآءَكُمۡ وَاِخۡوَانَكُمۡ اَوۡلِيَآءَ اِنِ اسۡتَحَبُّوا الۡكُفۡرَ

اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو اپنا دوست، اگر وہ ترجیح دیں کفر کو

عَلَى الۡاِيۡمَانِ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاُولٰٓئِكَ

ایمان پر، ۴۹ اور جو کوئی (اس کے باوجود) تم میں سے ان سے دوستی رکھے گا تو ایسے لوگ

۴۸ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بڑا اجر ہے:- اتنا اور ایسا بڑا کہ اس دنیائے دوں میں اس کی کوئی نظیر و مثال بھی ممکن نہیں ہو سکتی۔ پس ہر کام میں اسی کے اجر و ثواب کو پیشِ نظر رکھنا اور مقصودِ اصلی بنانا چاہیے۔ فَوَفِّقْنَا اللّٰھُمَّ لِکُلِّ مَا تُحِبُّ وَتَرْضَاہُ۔ سو آخرت کا اجر و ثواب اور رب کی خوشنودی و رضا ہی وہ اصل اور حقیقی مقصود ہے جسکو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ وباللہ التوفیق۔ پس جن خوش نصیبوں کو اپنے رب کی عنایت اسکی رضا و خوشنودی اور ایسی عظیم الشان جنتوں سے سرفرازی نصیب ہوگی جن میں سدا بہار دائمی نعمتیں موجود ہونگی اور مزید یہ کہ ان کو ان عظیم الشان اور بے مثال جنتوں میں ہمیشہ ہمیش کے لیے رہنا نصیب ہوگا ان کی سعادت مندی خوش نصیبی اور فائز المرامی کے کہنے ہی کیا۔ اور ایسے عظیم الشان اور بے مثال اجر و ثواب سے سرفرازی اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کہیں سے ملنا ممکن ہی نہیں۔ فللّٰہ الحمد رب العالمین۔

۴۹ ایمان کا رشتہ سب رشتوں پر مقدم:- سو اہلِ ایمان کو ہدایت فرمائی گئی کہ تم لوگ اپنے باپوں، بھائیوں یعنی اپنے ایسے قریبی رشتہ داروں کو بھی اپنا دوست نہ بنانا اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیں۔ کہ ایمان کا رشتہ اصل اور سب رشتوں پر مقدم اور سب سے بڑھ کر ہے۔ سو مومنِ صادق کے نہ یہ شایانِ شان ہے اور نہ اس کے لئے یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ رشتہء ایمانی کی قیمت اور اس کی قربانی پر دوسرے کسی رشتہ کو اپنائے اور اس کو دین و ایمان کے رشتے پر ترجیح دے۔ اور جو ایسا کرے گا اُس کے ایمان کا دعوٰی محض زبانی جمع خرچ ہوگا ۔وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو رشتہء ایمان کو ہمیشہ اور ہر حال میں ہر چیز پر مقدم اور فائق رکھنا ایمان کا تقاضا ہے کہ یہی رشتہ اصل اور اساس ہے دوسرے تمام رشتوں کے اخذ و ترک کے سلسلے میں باقی سب رشتے اور تعلق اسی کے تابع ہیں۔ یہی تقاضا ہے صدقِ ایمان اور صحت و یقین کا۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلٰی ما یحب و یرید۔

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ

ظالم ہوں گے، ۵۰ (ان سے) کہو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے،

وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ

اور تمہارے بھائی، اور تمہاری بیویاں، اور تمہارا کنبہ، اور تمہارے وہ مال

اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ

جو تم نے کما رکھے ہیں، اور تمہاری وہ تجارت جس کے ماند پڑ جانے کا تمہیں اندیشہ لگا رہتا ہے، اور

مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ

تمہارے وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں، (اگر یہ سب کچھ) تمہیں زیادہ پیارا ہوا اللہ اور

رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ

اس کے رسول سے، اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے، تو تم انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ لے آئے

اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ ع ۹

اپنا حکم، ۵۱ اور اللہ (نور) ہدایت سے نہیں نوازتا، بدکار لوگوں کو، ۵۲

۵۰ رشتہ ایمانی پر دوسرے کسی بھی رشتہ کو مقدم رکھنا ظلم ہے۔ والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم میں سے جو کوئی اس کے باوجود ایسا کرے گا تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر ظلم و زیادتی اور بے انصافی و حق تلفی اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ کوئی شخص رشتۂ ایمانی کی قیمت و قربانی پر دوسرے کسی رشتے کو گلے لگائے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو رشتہ ایمانی دوسرے ہر رشتہ پر فائق اور مقدم ہے اور مومنِ صادق کا کام اور اسکی شان یہی ہے کہ رشتہ ایمانی کو دوسرے ہر رشتے پر فائق اور مقدم رکھے۔ وباللہ التوفیق۔ اور دین و ایمان کا رشتہ ہی وہ رشتہ ہے جس پر انسان کی دارین کی سعادت اور صلاح وفلاح موقوف ہے۔ اور یہی وہ رشتہ ہے جو اس دنیا کے بعد آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہان میں بھی باقی رہے گا اور کام آئے گا جبکہ دوسرے تمام تعلقات نہ صرف یہ کہ ختم ہو جائیں گے بلکہ الٹا وہ دشمنوں میں بدل جائیں گے جس کا مطلب یہ ہوا کہ جس کے رشتے اور تعلقات دنیا میں زیادہ ہونگے اسی قدر اسکی وہاں پر دشمنیاں زیادہ ہونگی۔ کیونکہ ایمان و یقین کے رشتوں کے سوا دوسرے تمام رشتے اور تعلقات وہاں پر دشمنوں میں بدل جائیں گے۔ والعیاذ باللہ۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اس بارے صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا ﴿اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ﴾ (الزخرف: ۶۷)۔

٥١ **اللہ اور اس کے رسول کی محبت سب سے مقدم اور سب پر فائق:**- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ اگر تم لوگوں کو یہ اور یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیاری ہیں تو تم لوگ انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ لے آئے اپنا حکم ۔یعنی اپنا عذاب خواہ وہ فوری طور پر اسی دنیا میں ہو خواہ آخرت میں ۔ سو اِس اِرشادِ ربانی میں ان لوگوں کے لئے بڑی تہدید اور تخویف ہے، جو اللہ اور اُس کے رسول کے مقابلے میں ان مذکورہ چیزوں کو ترجیح دیں۔ پس مومنِ صادق کا کام اور اسکی شان یہ ہے کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول کے مقابلے میں دنیا کی ہر چیز کو ٹھکرا دے، جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے کہ آنحضرت-صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرمایا ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے یہاں اس کے والد، اسکی اولاد اور سب لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں'' ۔ اور مسندِ احمدؒ کی روایت میں ہے ''جب تک کہ میں اس کے یہاں اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں'' ۔ (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ سو رشتۂ ایمانی پر دوسرے کسی بھی رشتہ کے مقدم رکھنے کا نتیجہ وانجام بہت برا اور نہایت ہولناک ہے- والعیاذ باللہ- یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ یہاں اللہ کے عذاب کو اللہ کے حکم ''امر اللہ'' سے تعبیر فرمایا گیا ہے جس سے اِس حقیقت کو ظاہر فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو عذاب دینے کیلئے کسی طرح کی تیاری کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ وہاں صرف حکم دینے اور امر فرمانے کی دیر ہوتی ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- جیسا بھی اور جب بھی کسی عذاب کا حکم دیا وہ فوراً آ گیا۔ پس اسکے عذاب سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے اور کبھی بھی اس سے نڈر اور بے خوف نہیں ہونا چاہئے کہ اس سے نڈر اور بے خوف ہونا بڑے خسارے کا باعث ہے- والعیاذ باللہ- چنانچہ اِرشاد فرمایا گیا ﴿فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ﴾ (الاعراف:٩٩)- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ فکر و عمل کی ہر غلط روی سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین ثم آمین۔

٥٢ **فاسقوں کو ہدایت نہیں مل سکتی:**-سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہدایت سے نہیں نوازتا فاسق اور بدکار لوگوں کو ۔یعنی اس کی ہدایت تو اگرچہ سارے عالم کے لئے عام اور بالکل مفت ہے مگر اس سے مستفید صرف وہی ہو سکتا ہے جو اس کی طلب اور تڑپ رکھتا ہو۔ اور جو لوگ اپنے فسق و فجور کی وجہ سے اُس کے حکم و اِطاعت کے دائرے سے نکلے ہوئے ہوں اور وہ نورِ حق و ہدایت کے طالب اور اُسکے خواہش مند ہی نہ ہوں تو ان کو اس کا فیض کیونکر پہنچ سکتا ہے؟-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -سو ایسے لوگ اپنی بدباطنی اور سوءِ اختیار کی بناء پر نورِ حق و ہدایت سے سرفراز نہیں ہو سکتے ۔ اور ایسے لوگ اپنی محرومی کا باعث خود ہیں۔ سو کامیابی اور اسکی خوش بختی و بدبختی وغیرہ سب کا اصل اور حقیقی تعلق انسان کے اپنے قلب و باطن سے ہے ۔ اگر اسکے باطن کی دنیا درست ہو گی تو اسکے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہی رحمت اور عنایت ہی عنایت ہے۔ اور اگر اسکے باطن کی دنیا بگڑی ہوئی ہو گی تو اُس کے لیے محرومی ہی محرومی ہے- والعیاذ باللہ- اور یہ ایک طبعی اور معقول چیز ہے۔ کیونکہ برتن اگر سیدھا رکھا ہو گا اور اُس کا منہ کھلا ہو گا تو وہ آسمان سے نازل ہونے والے بارانِ رحمت کے قطروں سے بھر جائے گا ۔ اور اگر وہ اوندھا اور الٹا رکھا ہو گا تو جتنی بھی بارش برسے گی وہ خالی کا خالی ہی رہے گا۔ سو یہی مثال ہے انسان کے قلب و باطن کی ۔ اسی کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ﴿طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ﴾ (یٰس:١٩)۔ یعنی اپنی بدبختی کے ذمہ دار تم لوگ خود ہو- والعیاذ باللہ-

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ

بلاشبہ اللہ مدد فرما چکا ہے تمہاری (اے مومنو!) بہت سے موقعوں میں، اور حنین ۵۳ کے

حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ

دن بھی، جب کہ تم غرّے میں آگئے تھے اپنی کثرت کی بناء پر، پھر تمہاری وہ کثرت تمہارے کچھ بھی

شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ

کام نہ آسکی، ۵۴ اور تنگ ہوگئی تم پر زمین اپنی فراخی کے باوجود، پھر

وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى

تم لوگ بھاگ نکلے پیٹھ دے کر، ۵۵ پھر اللہ نے (اپنے کرم سے) اتار دی اپنی سکینت

۵۳ معرکہ حنین میں اللہ کی مدد کی تذکیر و یاددہانی: سو ارشاد فرمایا گیا اور بلاشبہ اللہ بہت سے مواقع پر تمہاری مدد فرما چکا ہے [اے مسلمانو!] اور حنین کے دن بھی جبکہ تم لوگ غرّے میں آگئے تھے اپنی کثرت کی بنا پر مگر وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آسکی۔ جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ فتح و نصرت کا مدار کثرت تعداد پر نہیں بلکہ اللہ کی نصرت و امداد پر ہے۔ حنین مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے جس میں فتح مکہ کے بعد مسلمانوں اور کفار کے درمیان معرکہ ہوا تھا، جو غزوۂ حنین کے علاوہ غزوۂ ہوازن و ثقیف کے نام سے بھی مشہور ہے۔ جس میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ اور اپنی اس عددی کثرت کو دیکھ کر بعض مسلمانوں کے مونہوں سے نکلا کہ ''آج ہم کمی کی بناء پر کسی بھی طرح مغلوب نہیں ہوسکتے'' ''لَنْ نُّغْلَبَ الْيَوْمَ مِنْ قِلَّةٍ'' کیونکہ اتنی بڑی تعداد مسلمانوں کی اس سے پہلے کسی بھی معرکے میں جمع نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے ان کے دلوں میں اپنی کثرتِ تعداد کی بناء پر یہ خیال پیدا ہوگیا جو کہ ایک طرح کا طبعی امر تھا۔ مگر ایسا خیال ان سچے مسلمانوں کی عظمتِ شان کے لائق اور انکے شایانِ شان نہیں تھا۔ اس لیے ان پر اس وجہ سے گرفت فرمائی گئی جس سے ان کے جمے ہوئے قدم اکھڑ گئے اور ان کی فتح شکست میں بدل گئی۔ اور اس طرح ان کو اور ان کے ذریعے پوری امت کو یہ درس دیا گیا کہ فتح و نصرت کا مدار کثرتِ تعداد پر نہیں بلکہ حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی نصرت و امداد پر ہے۔ اس لیے اہلِ ایمان کو اصل بھروسہ اسی وحدہٗ لاشریک پر اور اُسکی تائید و نصرت اور اُسکی امداد و اعانت پر رکھنا چاہیئے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلٰی ما یحب و یرید۔

۵۴ مومن کا اصل سرمایہ نصرت و امدادِ خداوندی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تمہارے کچھ کام نہ آسکی تمہاری

وہ کثرت ۔ پس معلوم ہوا کہ مسلمان کا اصل سرمایہ نصرت و تائیدِ خداوندی ہے نہ کہ دنیاوی اسباب و وسائل کی کثرت ۔ اس لئے اسباب تو بے شک مقدور کی حد تک اختیار کئے جائیں لیکن دل کا اعتماد و بھروسہ ہمیشہ اللہ پر اور صرف اللہ ہی پر رکھا جائے ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اسی لیے انکو ہمیشہ اسی بات کو پیش نظر اور ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے کہ اس خالق و مالک کے ساتھ ہمارا تعلق صحیح اور مضبوط ہو، تاکہ اسکی تائید و نصرت حاصل رہے کہ اسکی تائید و نصرت سے سرفرازی کے بعد پھر نہ کوئی شکست دے سکتا ہے اور نہ کسی سے کوئی خطرہ ہوسکتا ہے ۔ کہ وہ اِس ساری کائنات کا خالق و مالک اور اس میں بلاشرکتِ غیرے حاکم و متصرف ہے ۔ اور اسکی نصرت و امداد کے طور طریقوں اور اُسکے لشکروں کو بھی اس کے سوا کوئی جان نہیں سکتا ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾ اللہ اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں سے نوازے اور ہمیشہ اور ہر حال میں اور ہر لحظہ و لمحہ میں اپنی عبدیت و عبودیت اور اِطاعت و بندگی میں رکھے ۔ اَللّٰهُمَّ فَهٰذِهٖ نَوَاصِيْنَا بَيْنَ يَدَيْكَ فَخُذْنَا بِهَآ اِلٰى مَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى وَنَحْنُ بِكَ وَلَكَ وَاِلَيْكَ اَنْتَ مَوْلَانَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۔

۵۵ حنین میں شکست کے بعد مسلمانوں کی فتح: ۔ سو حنین کے اس معرکے کی تصویر پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگوں پر زمین تنگ ہوگئی اپنی فراخی کے باوجود ۔ پھر تم لوگ بھاگ کھڑے ہوئے پیٹھ دے کر سوائے حضرتِ صاحبِ رسالت ۔ عَلَيْهِ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَاَتَمُّ التَّسْلِيْمِ ۔ کے کہ آپؐ پہاڑ کی سی استقامت اور مضبوطی کے ساتھ اپنی جگہ قائم رہے اور آپ کے ساتھ حضرتِ عباسؓ اور حضرتِ ابوسفیانؓ وغیرہ صحابہء کرام ۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین ۔ کی ایک مختصر سی جماعت بھی جو کہ بعض روایات کے مطابق تین سو تھی اور بعض کے مطابق بارہ تھی ۔ وہ بھی آپ کے ساتھ موجود رہی ۔ مگر وہ بھی یہ نہیں چاہ رہے تھے کہ آپؐ آگے بڑھیں ۔ سو اس موقعہ پر حضورؐ نے حضرتِ عباسؓ کو حکم دیا کہ بلند آواز سے پکارو کہ کہاں ہیں جنہوں نے شجرہ کے نیچے جہاد کی بیعت کی تھی؟ کہاں ہیں سورۂ بقرہ والے اور کہاں ہیں وہ انصار جنہوں نے جان کی بازی لگا دینے کا عہد کیا تھا؟ سب سے کہو کہ واپس آؤ اللہ کے رسولؐ یہاں ہیں ۔ حضرت عباسؓ کی یہ آواز بجلی کی کوندی کی طرح سب طرف دوڑ گئی ۔ اس سے سب بھاگنے والوں کو پشیمانی لاحق ہوئی ۔ اُن کو اپنی تقصیر اور کوتاہی کا احساس ہوا اور انہوں نے پلٹ کر بڑی بے جگری اور بہادری سے دشمن کا مقابلہ کیا اور اسکے ساتھ ہی فرشتوں کی مدد بھی ان کو پہنچ گئی، جس سے دشمن کے حوصلے ٹوٹ گئے اور ان کے چھکے چھوٹ گئے اور اُن کا کمانڈر مالک بن عوف اپنے اہل و عیال اور مال و متاع سب کو چھوڑ کر بھاگ نکلا اور طائف کے قلعے میں جا چھپا، جسکے نتیجے میں اسکی پوری قوم بھاگ نکلی ۔ ان کے ستر سردار مارے گئے اور ان کا سب مال و متاع مسلمانوں کے ہاتھ لگا ۔ چھ ہزار جنگی قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی کا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا ۔ (معارف، ابنِ کثیر اور قرطبی وغیرہ) ۔ اس طرح مسلمانوں کو ابتدائی طور پر جھنجھوڑا اور پھر فتح سے ہمکنار کر دیا گیا ۔ فالحمد للہ ۔ سو فتح و نصرت اور انجام کار کامیابی اہلِ حق ہی کی ہے ۔ والعاقبة للمتقین ۔ اللہ ہمیشہ اپنی رحمت و عنایت کے سائے میں رکھے ۔ آمین ۔

رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ

اپنے رسول اور دوسرے اہلِ ایمان پر، اور اس نے اتار دئے ایسے لشکر

تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ

جو تمہیں نظر نہیں آرہے تھے، ف ٥٦ اور اس نے سزا دی کافروں کو، ف ٥٧ اور یہی ہے بدلہ

الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى

کافروں کا، پھر اللہ توبہ کی توفیق نصیب فرماتا ہے جس کو

٥٦ فرشتوں کی غیبی مدد کی عنایت کا ذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر اللہ نے اتارے ایسے لشکر جو تم لوگوں کی نظر میں نہیں آرہے تھے۔ یعنی فرشتوں کے لشکر (جامع البیان، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ سو فرشتوں کے یہ لشکر اللہ تعالیٰ نے تمہاری نصرت و امداد کیلئے فوری اور خاص طور پر بھیجے اور یہ بھی ظاہری اسباب کے درجے میں تاکہ اس سے تمہارے دلوں کے اطمینان کا سامان ہو سکے۔ ورنہ اصل مدد پھر بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے تھی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے کلماتِ حصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا ﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾۔ یعنی "مدد تو اصل میں اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو کہ بڑا ہی زبردست نہایت ہی حکمت والا ہے"۔ بہر کیف یہاں پر اس آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ حنین کے اس معرکے کے شروع میں جو صورت پیش آئی وہ محض ایک قسم کی تنبیہ اور تذکیر کے طور پر تھی جس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ ان کے اکھڑے ہوئے قدموں کو پھر سے جما دیا گیا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی سکینت کا بھی سبب و ذریعہ بنی جس سے لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا اور شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا گیا۔ سو معاملہ سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس لیے دل کا بھروسہ ہمیشہ اسی پر رکھا جائے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔

٥٧ کافروں کے کفر کی کچھ سزا دنیا میں: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے سزا دی کافروں کو اور یہی بدلہ ہے کافروں کا کہ انہوں نے شکست کھائی، قتل و قید کی ذلت اٹھائی اور اپنے ساتھ لائے ہوئے مال و دولت کے انبار ان کو بطورِ غنیمت مسلمانوں کے حوالے کرنا پڑے۔ سو مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب اور مفتوح ہونے کی یہ سزا جو ان کے کفر کی نقد سزا کے طور پر ان کو ملی، محسوس و مشاہد اور دنیاوی سزا تھی۔ جبکہ اصل اور حقیقی سزا ان کو آخرت میں ملے گی جو کہ بہت بڑی اور سخت سزا ہوگی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾ پس کافر اگر دنیاوی شکست اور یہاں کے عذاب سے بچ بھی جائیں تو بھی انکو آخرت کا عذاب بہرحال بھگتنا ہے۔ دنیا میں خواہ ان کو شکست اور عذاب ہو یا نہ ہو وہاں کا عذاب تو ان کے لیے بہرحال طے اور مقرر ہے۔ سو کفر محرومیوں کی محرومی اور دارین کی ذلت و رسوائی کا باعث ہے۔ والعیاذ باللہ۔ جبکہ ایمان کی صورت میں اگر دنیاوی فتح نصیب ہو تو کامیابی پر کامیابی۔ نہیں تو اجر و ثواب اور آخرت کی کامیابی بہرحال مقرر و محقق ہے۔ سو ایمان و یقین کی دولت سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ والحمد للہ رب العالمین الذی شرفنا بنعمة الایمان والیقین۔ اللھم فزدنا منہ وثبتنا علیہ یا ذا الجلال والاکرام۔

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

چاہتا ہے، ۵۸ اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے، ایمان

اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ

والو! مشرک لوگ تو نرے پلید ہیں، ۵۹ پس وہ مسجد حرام

۵۸ عنایاتِ خداوندی کا دار و مدار انسان کے باطن پر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ توبہ کی توفیق نصیب فرماتا ہے جن کو چاہتا ہے۔ ان کی نیت اور باطن کے ہی اعتبار سے کہ جن کا باطن صحیح اور انکی نیت درست ہوگی ان کو توبہ کی توفیق ملے گی۔ اور جو ایسے نہیں ہونگے وہ اس توفیق وعنایت سے محروم ہونگے - والعیاذ باللہ العظیم - چنانچہ اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں بعد ان ہی کفار میں سے بہت سے لوگ مسلمان بن کر آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ نے مسلمانوں کی رائے اور مشورے سے ان کے قیدی واپس کر دیئے اور ان کے اُموال بطورِ غنیمت مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرما دیئے۔ (جامع البیان، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ سو سارا مدار باطن کی صحت وصفائی پر ہے۔ اسی کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی عنایات متوجہ ہوتی ہیں، جیسا کہ ابھی کچھ ہی اوپر حاشیہ نمبر ۵۲ میں اس بارے قدرے تفصیل سے گزر چکا ہے۔

۵۹ مشرک نرے نجس اور پلید ہیں: - سو ایمان والوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا اور اِنَّمَا کے کلمہ حصر وقصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ سوائے اس کے نہیں کہ مشرک لوگ نجس ہیں۔ حسی اعتبار سے بھی اور معنوی لحاظ سے بھی کہ ان میں عقیدۂ وخیالات کی باطنی گندگی بھی پائی جاتی ہے کہ یہ لوگ شرکیہ اور کفریہ گندے عقیدے رکھتے ہیں اور حسی وظاہری گندگی کے اعتبار سے بھی۔ یہ لوگ اَنجاس واَحداث سے پاکی نہیں حاصل کرتے۔ ناپاک اور گندی چیزیں کھاتے، خمر وخنزیر اور دوسری حرام چیزوں کے رسیا وعادی ہوتے ہیں اور ناپاک لباس پہنتے ہیں کہ ان کے یہاں پاکی پلیدی کی کوئی حد اور تمیز ہے ہی نہیں۔ اور یہاں تک کہ ان میں سے کتنے ہی ایسے ہیں اور وہ اس قدر مسوخ الفطرت ہوگئے ہیں کہ وہ گائے جیسے جانوروں کا پیشاب بھی پیتے، اپنے اوپر ڈالتے اور اپنے کھانے پینے کی اشیاء پر چھڑکتے ہیں۔ اور گائے کی گوبر کو "پوتر" یعنی "پاک" ہونے کا ذریعہ اور وسیلہ مانتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اور ان سب سے بڑھ کر کفر وشرک کی باطنی گندگی، جس میں یہ لوگ بری طرح لتھڑے ہوئے ہیں، جس کی بناء پر یہ لوگ کتے اور خنزیر سے بھی برے اور ناپاک ہوگئے کہ کتے اور خنزیر وغیرہ نے دوزخ میں نہیں جانا اور نہ ان سے کوئی پوچھ ہونی ہے۔ جبکہ انہوں نے وہاں جانا ہے اور زندگی بھر کے اپنے کئے کرائے کا جواب دینا اور اس کا بدلہ پانا ہے۔ سو اس طرح یہ لوگ خنزیر کی طرح نجس العین بلکہ اس سے بھی بڑھ کر نجس اور ناپاک قرار پاتے ہیں۔ اسی لئے حضرتِ حسن بصریؒ وغیرہ اکابر سے مروی ہے کہ جس نے کسی مشرک سے مصافحہ کیا وہ وضو کرے۔ اور یہی بات حضرتِ ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے اور اسی کو ان حضرات نے اس آیت کریمہ کا محمل قرار دیا ہے۔ اور اسی کو رازیؒ نے ترجیح دی۔ اور یہی مقتضیٰ ہے ظاہر آیت کا لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ بات تشبیہ اور تشدید پر محمول ہے۔ (روح، قرطبی، صفوہ وغیرہ) - سبحان اللہ - اسلام کیسا پاکیزہ دین ہے کہ انسان کو ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے پاک صاف کر کے ایک پاکیزہ اور نمونے کا انسان بنا دیتا ہے۔ جبکہ اس سے محروم دنیا طرح طرح کی گندگیوں اور ناپاکیوں میں لتھڑی ہوئی ہے - فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ شَرَّفَنَا بِهٰذَا الدِّيْنِ الْمُبَارَكِ الْمَجِيْدِ، دِيْنِ اللّٰهِ الْخَالِدِ الْحَنِيْفِ، فَزِدْنَا اللّٰهُمَّ اِيْمَانًا بِهٖ وَيَقِيْنًا وَّصِدْقًا وَّاِخْلَاصًا -

الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً

کے قریب بھی نہ پھٹکنے پائیں اپنے اس سال کے بعد، ف۶۰ اور اگر تمہیں اندیشہ ہو مفلسی (وتنگدستی) کا، ف۶۱

فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ

تو اللہ (سے امید رکھو کہ وہ) عنقریب تمہیں غنی بنادے گا اپنے فضل سے ف۶۲ اگر اس نے چاہا، بے شک

اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

اللہ بڑا ہی علم والا، نہایت ہی حکمت والا ہے، تم لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں رکھتے

بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ

اللہ پر، اور نہ قیامت کے دن پر، ف۶۳ اور نہ وہ حرام جانتے ہیں ان چیزوں کو جن کو حرام فرمایا ہے

۶۰ **مشرکوں کو بیت اللہ کے قریب پھٹکنے کی بھی اجازت نہیں:** سو ارشاد فرمایا گیا پس وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکنے پائیں۔ یعنی ۹ھ کے بعد۔ کیونکہ نو ہجری میں حضرتِ علی۔ رضی اللہ عنہ۔ کے ذریعے یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ اس سال کے بعد نہ کوئی مشرک حج کر سکے گا اور نہ ہی کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کر سکے گا، جیسا کہ اس سے پہلے ایسا ہوتا چلا آ رہا تھا۔ سو مشرک چونکہ نجس و ناپاک ہیں اور مسجدِ حرام طاہر و مطہر بقعہ مبارکہ ہے اس لیے ایسے ناپاک اور نجس لوگوں کو اس بقعہء مبارکہ کے قریب پھٹکنے کی بھی اجازت نہیں۔ سو یہ اس اعلان براءت کے سلسلے کی آخری کڑی ہے جسکی یہاں پر اس طرح ہدایت فرمائی گئی ہے کہ مشرک لوگ چونکہ نجس ہیں اس لیے اس سال کے بعد یہ لوگ مسجدِ حرام کے قریب بھی نہ پھٹکنے پائیں۔ ان کی سب سے بڑی نجاست ان کے باطن اور دل و دماغ کی نجاست ہے جو کہ کفر و شرک کی وہ معنوی نجاست ہے جس نے ان کے ظاہر و باطن سب کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ اور اسی کی بناء پر یہ بدبخت طرح طرح کی ظاہری اور حسی نجاستوں میں بھی مبتلا و ملوث ہیں۔ جیسا کہ ابھی اوپر حاشیہ نمبر ۵۹ میں بھی قدرے تفصیل سے گزر چکا ہے۔ سو ایسے نجس اور پلید لوگوں کو اس کا کوئی حق نہیں پہنچتا کہ یہ مسجدِ حرام کے اس بقعہء نور کے قریب بھی پھٹکیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۶۱ **ایمان والوں کو رزق روزی کی تنگی کا اندیشہ نہ کرنے کی ہدایت:** سو اس سے اہلِ ایمان کو ہدایت فرمائی گئی کہ وہ روزی کی تنگی کا اندیشہ نہ کریں کہ روزی رساں تو بہرحال اللہ ہی ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تمہیں رزق کی تنگی کا اندیشہ ہو تو تم اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اور اس طرح کے کسی خیال سے پریشان نہ ہونا کہ یہی مشرک لوگ باہر سے سامانِ تجارت وغیرہ لایا کرتے تھے اور اب ان کو حج سے روک دیا گیا ہے۔ سو شیطان نے اس بناء پر اہلِ ایمان کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے ڈالنا شروع کر دیئے کہ اب تمہارا کیا بنے گا؟ کھاؤ گے کیا؟ پہنو گے کیا؟ گزارہ کس طرح کرو گے؟ وغیرہ وغیرہ۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل فرمائی گئی۔ (روح، طبری، قرطبی، وغیرہ)۔ سو اس میں اہلِ ایمان کو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ وہ ایسے اندیشوں اور شیطانی خدشوں کی بناء پر پریشان نہ ہوں کہ روزی اور رزق رسانی کا معاملہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے قبضہء قدرت

اور اختیار میں ہے۔ اور اسکے یہاں راستہ ایک نہیں۔ اور وہ اپنے بندوں کو روزی وہاں سے پہنچاتا ہے جہاں سے ان کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا، جیسا کہ اس کا صاف وصریح ارشاد ہے ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ، وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ﴾ الآیۃ (الطلاق ۳،۲)۔ چنانچہ یہاں بھی ایسے ہی ہوا کہ مشرکین کی اس بندش اور پابندی کے بعد قدرت کی طرف سے اہلِ ایمان کیلئے ایسے انتظامات فرمائے گئے کہ ان کو ان کا وہم وگمان بھی نہیں تھا، جیسا کہ اگلے حاشیے میں بھی آرہا ہے۔ سو مومن کا اصل سرمایہ توکل علی اللہ ہے اور یہی اسکی امتیازی شان ہے۔ اور توکل علی اللہ ہی کی دولت وہ بے مثال دولت ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ لیکن افسوس کہ آج کتنے ہی نام کے مسلمان ایسے ہیں جو اپنی اسی عظیم الشان دولت اور امتیازی شان سے محروم و بے خبر ہیں اور ان کا آسرا وسہارا طرح طرح کی وہمی فرضی اور بے حقیقت چیزوں پر ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ جگہ جگہ ذلیل وخوار ہوتے اور طرح طرح سے بدنصیبی و بدبختی کے دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ جبکہ اللہ پر توکل سے سرفرازی کے بعد بندہ ہمیشہ مطمئن اور مرتاح رہتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

۶۲ اہلِ ایمان کیلئے رزق وروزی کے بیگماں انتظامات:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تمہیں اس طرح کی کسی تنگی کا اندیشہ ہو تو تم اللہ سے امید اور اسی پر بھروسہ رکھنا۔ وہ عنقریب تم لوگوں کو غنی بنادے گا اپنے فضل سے۔ معلوم ہوا کہ روزی محض اللہ پاک کا فضل ہے۔ کسی کی عقل وفکر اور زور بازو کا نتیجہ نہیں۔ نیز اس فضل ومہربانی کا مالک اللہ اور صرف اللہ ہی ہے اور غنی یا محتاج کر دینا بھی صرف اُسی کے قبضہٴ قدرت واختیار میں ہے۔ کسی اور کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔ پس بھروسہ بہرحال اسی وحدہٗ لاشریک ہی پر رکھنا چاہئے۔ چنانچہ یہاں بھی ایسے ہی ہوا کہ اسکے بعد مسلمانوں کیلئے روزی کے اور دروازے کھل گئے کہ ایک طرف تو بارش وغیرہ کی وجہ سے زمین نے اپنی خیرات وبرکات اگلنا شروع کر دیں اور دوسری طرف اہلِ یمن وغیرہ کے اسلام میں داخل ہو جانے سے باہر سے بھی طرح طرح کے غلے اور سامان وغیرہ آنا شروع ہو گئے۔ اور اہلِ مکہ کے حالات ایسے اچھے ہو گئے کہ اس سے پہلے کبھی بھی ایسے نہ تھے۔ سو اسلام کی پاکیزہ اور مقدس تعلیمات کو اپنانے سے خیرات وبرکات کے دروازے ہر طرف سے کھل گئے۔ فَمَآ اَصْدَقَ وَعْدُ رَبِّنَا سُبْحَانَهٗ ۔ اللہ قوتِ ایمان اور ہدایتِ یقین سے مزید از مزید نوازے اور ہمیشہ اور ہر حال میں اس پر مستقیم اور ثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العلمین۔

۶۳ مشرکین کے بعد اہلِ کتاب سے جہاد وقتال کا حکم:- سو مشرکین سے جہاد وقتال کے حکم کے بعد اب یہ اہلِ کتاب (یہود ونصاریٰ) سے لڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ علامہ ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی آیتِ کریمہ ہے جس میں اہلِ کتاب سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے یہودِ بنو قریظہ و بنو نضیر سے بھی جہاد فرمایا اور نصاریٰ روم سے بھی۔ اور اس غرض کے لئے آپؐ تیس ہزار کا لشکر لے کر سخت گرمی کے زمانے میں طویل اور مشکل سفر طے کر کے تبوک کے مقام پر پہنچے اور بیس دن تک وہاں قیام فرما کر واپس لوٹے۔ صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَعَلٰۤى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖۤ اَجْمَعِيْنَ ۔ پس جن حضرات نے اس کا مصداق صرف قتالِ روم اور غزوۂ تبوک کو قرار دیا، جیسا کہ مجاہدؒ سے مروی ہے، یا جنہوں نے صرف غزوۂ بنو قریظہ و بنو نضیر کو اس کا مصداق قرار دیا، جیسا کہ کلبی کا کہنا ہے وہ درست نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ یہ تخصیص بلا کسی دلیل اور بغیر کسی مخصص کے ہے۔ اور آیتِ کریمہ کا عموم وشمول ان سب ہی کو محیط اور حاوی ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس کو اپنے ظاہر اور عموم پر ہی رکھا جائے۔ سو اس میں مطلق اہلِ کتاب سے جہاد وقتال کا حکم وارشاد ہے کہ یہ لوگ بھی مشرک اور دینِ حق کے دشمن ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اور ان کے بھی یہ اور یہ جرائم ہیں جو اس کے بعد بیان فرمائے گئے۔

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ

اللہ نے اور اس کے رسول نے، ف۶۴ اور نہ وہ قبول کرتے ہیں دین حق کو ف۶۵ ان لوگوں میں سے جن کو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ

کتاب دی گئی، یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے، ف۶۶ اور وہ رہیں

صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ ع۵/۱۰

ماتحت بن کر اور (ان لوگوں کی شرکیات کا عالم یہ ہے کہ) یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، ف۶۷

وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ

اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں، یہ (بے حقیقت) باتیں ہیں

بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

ان کے مونہوں کی، ف۶۸ یہ نقل کرتے ہیں ان کافروں کی جوان سے پہلے

۶۴ تحلیل وتحریم اللہ ہی کی صفت ہے:- سو اہلِ ایمان کو حکم وارشاد فرمایا گیا کہ تم لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں رکھتے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور نہ ہی وہ حرام جانتے ہیں ان چیزوں کو جن کو حرام فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے۔ یعنی رسول نے اس کی تحلیل وتحریم کو بیان فرمایا۔ سو تحلیل وتحریم اصل میں اللہ پاک کی صفت اور اسی کا اختیار ہے کہ مالک ومختار وہی ہے۔ پیغمبر کی طرف اس کی نسبت اظہار وبیان کے اعتبار سے ہوتی ہے کہ بندے کے پاس اللہ پاک کی تحلیل وتحریم کو جاننے کا کوئی ذریعہ پیغمبر کی خبر وبیان کے سوانہیں۔ پس اہلِ بدعت کا اپنی شرکیات کے لئے اس طرح کے ارشاد سے دلیل پکڑنا درست نہیں، ورنہ قرآن پاک میں پیغمبر خدا- صلی اللہ علیہ وسلم- کو ﴿لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ جیسے کلمات سے خطاب نہ فرمایا جاتا۔ اور خود نبیء اکرم- صلی اللہ علیہ وسلم- نے اپنے ارشاداتِ عالیہ سے جگہ جگہ اور طرح طرح سے اس امر کو واضح اور منقح فرمایا ہے کہ تحریم وتحلیل کا اختیار میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ میں ایسا نہیں کہ اپنے طور پر کسی حرام کو حلال ٹھہراؤں یا کسی حرام کو حلال۔ اگر میں کسی کے ظاہری بیان اور اسکی حجت بازی کی بناء پر اسکے حق میں کسی خلافِ واقعہ چیز کے بارے میں فیصلہ کردوں تو اس سے وہ چیز اس کے لیے حلال نہیں ہو جائے گی۔ بلکہ وہ اس کے لیے دوزخ کی آگ کا ایک ٹکڑا ہوگا جیسا کہ بخاری ومسلم وغیرہ کی صحیح روایات میں مذکور وموجود ہے اور پہلے گزر چکا ہے۔ سو تحلیل وتحریم کا اختیار اللہ ہی کو ہے۔

۶۵ دینِ حق صرف اسلام ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ نہ وہ قبول کرتے ہیں دینِ حق یعنی اسلام کو کہ دینِ

حق یہی ہے۔ ﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَام ﴾ اور یہ دینِ حق سابقہ تمام ادیانِ سماویہ کے لئے ناسخ ہے۔ اب نجاح وفلاح کی کوئی راہ اس دینِ حق کے سوا ممکن نہیں۔ (روح، ابنِ کثیر، صفوۃ اور معارف وغیرہ)۔ سو جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ اور اُسکے رسول کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں جانتے، دینِ حق کو، اسلام کو نہیں مانتے اور اللہ اور آخرت پر صحیح معنوں میں ایمان نہیں رکھتے، ان سے تم لوگوں کو ضرور لڑنا چاہیئے کہ ان میں سے ایک ایک امر جنگ کا متقاضی ہے چہ جائیکہ جب یہ سب یکجا ہی موجود ہوں۔

٦٦ ﴿ عن ید ﴾ کا معنیٰ ومطلب؟: - یعنی مالداری اور دولت مندی سے۔ پس فقیر اور محتاج سے نہیں لیا جائے گا۔ اور "ید" کا لفظ کنایۃً دولت وثروت کے لئے بولا جاتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "فَلَانٌ ذَاتُ يَدٍ اَیْ ثَرْوَةٍ" نیز اس کا مطلب بالادستی تسلیم کرنا بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "اَعْطَاهُ يَدَهٗ" "اس نے اس کو اپنا ہاتھ دے دیا"۔ یعنی اس کی بالادستی کو تسلیم کرلیا اور "نَزَعَ عَنْهُ يَدَهٗ" یعنی "اس نے اس سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا" یعنی وہ اُس کی ماتحتی سے کنارہ کش ہوگیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿ عن ید ﴾ سے مراد بدستِ خود دینا ہے (محاسن التاویل، الاساس فی التفسیر، صفوۃ التفاسیر، المراغی وغیرہ)۔ سو آیتِ کریمہ میں وارد ﴿ عَنْ يَّدٍ ﴾ کے عموم میں یہ سب ہی مفہوم اور مطلب داخل ہیں اور یہ ان سب کو عام اور شامل ہے۔ اور ہم نے ترجمہ کے اندر بھی اسی عموم کو اپنایا ہے۔ والحمد للہ جل وعلا الذی بیدہ ازمۃ التوفیق وھو الھادی الی سواء السبیل۔

٦٧ یہود کے ایک شرک کا بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہود نے کہا کہ عزیز اللہ کے بیٹے ہیں۔ سو یہ اُس کفر وشرک کا ایک اور ثبوت ہے جس کی بناء پر ان لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے کہ اللہ پاک کی صفت تو ﴿ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ﴾ ہے کہ "نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ خود کسی کی اولاد" - سبحانہ وتعالیٰ - اور اس کی کوئی اولاد کیونکر ہوسکتی ہے جب کہ اس کی کوئی بیوی ہی نہیں ﴿ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ﴾ مگر ان ظالموں نے اپنے ایمان اور اہلِ کتاب ہونے کے دعووں کے باوجود اس سنگین کفر و شرک کا ارتکاب کیا کہ انہوں نے اللہ کی اولاد ٹھہرائی۔ اس لئے تم اے مسلمانو! لڑو کفر وشرک کے ان علمبرداروں سے۔ تہ تیغ کرو ان کو اور کمر توڑ کر رکھ دو ان کے زعم باطل کی۔ یہاں تک کہ یہ جزیہ دے کر ذلیل ہوکر اور ماتحت بن کر رہیں۔ اور راہِ حق میں روڑے نہ اٹکا سکیں۔ اور اس میں رکاوٹ نہ بن سکیں تا کہ غلبہ دینِ حق ہی کا ہو جو آیا ہی سب دینوں پر غالب ہونے کے لیے ہے اور جس کے غلبے میں تمام مخلوق کا بھلا ہے۔ کہ یہی دینِ حق سعادت دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔

٦٨ اہلِ کتاب کے بے بنیاد اور بے حقیقت دعوے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ سو یہ سب محض ان لوگوں کے اپنے مونہوں کی باتیں ہیں، جن کی نہ کوئی اصل ہے نہ اساس۔ نہ ثبوت ہے نہ وجود۔ نیز یہ اُن لوگوں کی اپنی کہی ہوئی اور ان کے اپنے مونہوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں نہ کہ کوئی خواہ مخواہ کا الزام جو ان پر تھوپا جا رہا ہو۔ اور نہ کوئی ڈھکی چھپی شئی جس کو یونہی ان کے کھاتے میں ڈالا جا رہا ہو۔ بہرکیف یہ بے بنیاد اور بے حقیقت باتیں ہیں جو یہ لوگ اپنے مونہوں سے نکالتے ہیں۔ ورنہ عقل اور نقل کی کوئی سند ان کیلئے موجود نہیں۔ اور یہ کوئی قیاس یا الزام نہیں بلکہ انکی اپنی کہی ہوئی باتیں ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور اللہ کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ وہ خود کسی کی اولاد ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ مگر یہ لوگ ہیں کہ ایمان اور توحید کا دعویٰ کرنے کے باوجود اس طرح کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

قَبۡلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۳۰﴾ اِتَّخَذُوۡۤا

گزر چکے ہیں، ف ۶۹ خدا ان کا ناس کرے، یہ کدھر الٹے کیے جا رہے ہیں؟ انہوں نے

اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

اپنے عالموں اور اپنے پیروں کو اپنا رب بنا دیا اللہ کے سوا، ف ۷۰

وَالۡمَسِيۡحَ ابۡنَ مَرۡيَمَ ۚ وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡۤا

اور مسیح ابن مریم کو بھی، ف ۷۱ حالانکہ ان کو حکم نہیں ہوا تھا مگر اس بات کا کہ یہ لوگ بندگی کریں

۶۹ موجودہ کافر پہلے کافروں کی نقل کرتے ہیں: — سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ نقل کرتے ہیں ان کافروں کی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں کہ اس سے پہلے بھی مشرق و مغرب کی بہت سی قومیں ایسی گزری ہیں جو اسی طرح کے شرکیہ عقیدے رکھتی رہی ہیں۔ مثلاً ہندوستان کے ہندو براہمن، چین و جاپان وغیرہ کے بدھ مت کے پیروکار اور مصر و یونان وغیرہ کے قدیم مشرکین۔ جنہوں نے اسی طرح کے کفر و شرک کا ارتکاب کیا تھا، جیسا کہ دورِ حاضر کی تحقیقات کے نتیجے میں تقابلِ ادیان سے متعلق کتابوں میں اس کی تفصیلات جا بجا ملتی ہیں۔ اور ان کو طرح طرح سے جمع کیا گیا ہے۔ مثلاً کتاب "العقائد الوثنیۃ فی الدیانات النصرانیۃ" یا استاذ ابو زہرہ کی کتاب "مقارنۃ الادیان" وغیرہ۔ اور جیسا کہ استاذ سعید حوی نے اپنی تفسیر "الاساس فی التفسیر" کی چوتھی جلد میں ص ۲۲۵۰ سے ص ۲۲۷۵ تک میں اس کی تفصیلات کو جمع کیا ہے۔ یہ سب پڑھیے اور پھر اندازہ کیجیے کہ ﴿يُضَاهِئُوۡنَ قَوۡلَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ﴾ کا ارشادِ ربانی کس قدر معجزانہ ارشاد ہے۔ وللہ الحمد رب العالمین۔ اگر ہمیں مفصل تفسیر لکھنے کی توفیق نصیب ہوئی تو اس بارے ان تفصیلات کو ذکر کریں گے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

۷۰ اہلِ کتاب کے اپنے پیروں اور مولویوں کو رب بنانے کا مطلب؟: — سو ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے اپنے عالموں اور پیروں کو اپنا رب بنا دیا اللہ کے سوا کہ ان کے کہنے کے مطابق یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور اُس کی حلال فرمودہ اشیاء کو حرام قرار دیتے ہیں، جیسا کہ سننِ ترمذیؒ اور مسندِ امام احمدؒ کی روایت کے مطابق حضرتِ عدی بن حاتمؓ سے مروی ہے۔ جس میں انہوں نے اپنے اسلام لانے کا طویل قصہ بھی ذکر فرمایا ہے۔ (ترمذی کتاب التفسیر، طبری، قرطبی، الاساس فی التفسیر، محاسن التاویل، ابنِ کثیر وغیرہ وغیرہ)۔ سو مخلوق میں سے کسی کو تحلیل و تحریم کا مالک و مختار سمجھنا اسکو رب بنانے کے مترادف ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو تحلیل و تحریم اللہ تعالیٰ ہی کا اختیار اور اسی کا خاصہ ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۷۱ عیسائیوں کا حضرتِ عیسیٰ کو خدا کا بیٹا ماننا: — سو ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے مسیح ابن مریم کو بھی اپنا رب بنا دیا اللہ کے سوا کہ ان بدبختوں نے ان کو خدا کا بیٹا بلکہ خدا ہی قرار دے دیا (صفوۃ البیان، صفوۃ التفاسیر، جامع البیان وغیرہ)۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اور بھی کھلا اور فحش کفر ہے۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اور اس کفر پر عیسائی دنیا آج تک بدستور قائم اور بضد ہے۔ اور آج بھی ان کا کہنا ہے کہ خدا تین ہیں۔ اللہ، عیسیٰ اور مریم۔ اور اس بناء پر یہ لوگ "توحید فی التثلیث" اور "تثلیث فی التوحید" کے اس گورکھ دھندے میں بری طرح الجھے اور پھنسے ہوئے ہیں جو۔ اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔ سو یہ ہوتا ہے نتیجہ کلام الٰہی میں تحریف اور اتباعِ ھویٰ کا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس طرح ان لوگوں نے اللہ کے دین کو شرک کا پلندہ بنا دیا۔ والعیاذ باللہ۔

اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾

ایک ہی معبود کی (جو کہ معبودِ برحق ہے) کوئی بھی معبود نہیں سوائے اُس (وحدۂ لاشریک) کے، پاک ہے وہ اس شرک سے جو

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى

یہ لوگ کرتے ہیں، ۷۲ے یہ چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنے مونہوں (کی پھونکوں) سے ۷۳ے مگر اللہ

اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ

انکار کرتا ہے (ہر صورت کا) بجز اس کے کہ وہ پورا کر کے رہے اپنے نور کو، اگرچہ یہ امر برا لگے کافروں کو، ۷۴ے وہ (اللہ)

الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ

وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ،

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

تاکہ وہ اس کو غالب کرے تمام دینوں پر، اگرچہ یہ امر برا لگے مشرکوں کو ۷۵ے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ

ایمان والو، یقیناً بہت سے عالم اور

۷۲ے اللہ تعالیٰ ہر شائبہ شرک سے پاک ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ پاک ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں اور دوسرا ترجمہ اس طرح بھی کیا جا سکتا ہے کہ وہ پاک ہے ان تمام شریکوں سے جن کو یہ لوگ اُس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ مدعا و مآل دونوں کا بہرحال ایک ہی ہے کہ وہ وحدۂ لاشریک ہر قسم کے شریک اور ہر طرح کے شرک اور اس کے ہر شائبے سے پاک ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ نہ اسکی ذات و صفات میں کوئی اس کا شریک و سہیم ہے اور نہ اُسکے حقوق و اختیارات میں۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ وہ ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے ہر قسم کے شرک اور اس کے شوائب سے پاک ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۷۳ے دینِ حق ایک عظیم الشان اور بے مثال نور ہے:- ایسا عظیم الشان اور بے مثال نور جو انسان کے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کی راہیں روشن کرتا ہے۔ مگر یہ بدبخت چاہتے ہیں کہ اپنے مونہوں کی پھونکوں سے بجھا دیں اللہ کے نور کو، یعنی دینِ حق اسلام کو جو کہ ایسا جلیل القدر معنوی نور اور ایسی عظیم الشان روشنی ہے، جس سے حق و صداقت اور حقیقی کامیابی کی وہ راہ روشن ہوتی ہے جو دارین کی سعادت و کامرانی کی ضامن و کفیل ہے۔ پس جس طرح یہ دین اپنی ہدایت اور معنوی روشنی کے اعتبار سے نور ہے اسی طرح

ہمارے پیغمبر بھی معنوی اعتبار سے نور ہیں کہ آپؐ ہی کے ذریعے دنیا کو ہدایت کی یہ عظیم الشان اور بے مثل روشنی نصیب ہوئی ہے۔ اسی حقیقت کو یوں بیان کیا جاتا ہے کہ آپؐ کی ذات بشر ہے اور صفت نور۔ مگر افسوس کہ اہلِ بدعت کو یہ صاف وصریح بات اور کھلی حقیقت سمجھ نہیں آتی اور انہوں نے خود ساختہ اضافوں اور طرح طرح کی پیوند کاریوں سے بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ وضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ راہِ حق پر ثابت قدم اور اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے - آمین۔

۷۴ دشمنانِ حق کی حماقت کا ایک مظہر ونمونہ: - کہ یہ لوگ دینِ حق کے نورِ مبین کو اپنے مونہوں کی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔ تو کیا شمس نصف النہار کو اپنے مونہوں کی پھونکوں سے بجھانا کسی کے لیے ممکن ہوسکتا ہے؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر دینِ حق کے آفتابِ عالمتاب کو اپنے مونہوں کی پھونکوں سے بجھانا کسی کے لیے کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔ سو دینِ حق کے نورِ مبین کو بجھانے کی کوشش کرنا ظلم و بے انصافی بھی اور حماقت و بیوقوفی بھی ہے - والعیاذ باللہ - سو اس سے معلوم ہوا کہ دین کی سربلندی اور دین والوں کی سرفرازی سے کڑھنا اور جلنا کفر اور کافروں کا کام ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - لیکن اسی میں ان لوگوں کی حماقت کا بھی ثبوت ہے۔ کیونکہ سورج کو جو اپنے مونہوں کی پھونکوں سے بجھانا چاہیں گے ان سے بڑھ کر احمق و بیوقوف اور کون ہوسکتا ہے؟ نیز اس میں ان لوگوں کے ظلم و بے انصافی اور انکی بے قدری اور ناشکری کا ثبوت بھی ہے کہ ان کو نورِ حق کی اس عظیم الشان روشنی سے نوازا گیا تھا تاکہ اس سے ان کیلئے حق وہدایت کی راہیں روشن ہوں، لیکن انہوں نے اس سے فائدہ اٹھانے کی بجائے الٹا اس کو بجھانے کی کوشش کی اور اس طرح انہوں نے اپنی محرومی اور سیاہ بختی کے ٹھپے کو اور پکا کیا اور اپنے لیے ایسے ہولناک خسارے کا سامان کیا جس جیسا دوسرا کوئی خسارہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ نورِ حق وہدایت سے محرومی کا خسارہ سب سے بڑا اور نہایت ہی ہولناک خسارہ ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ فکر وعمل کی ہر کجی اور ہر قسم کے انحراف سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین۔

۷۵ دینِ حق سب دینوں پر غالب ہونے کیلئے آیا ہے: - یعنی یہ دین ماتحت اور مغلوب ہو کر رہنے کے لئے نہیں بھیجا گیا بلکہ اس لئے بھیجا گیا ہے کہ سب دینوں پر غالب ہو اور حکم اسی کا چلے کہ حق یہی اور صرف یہی ہے۔ اور حق کی شان ہے غالب ہونا نہ کہ مغلوب و ماتحت ہونا۔ سو حجت و برہان کے اعتبار سے غلبہ تو ہمیشہ اسی دینِ حق کا رہا کہ یہ قطعی طور پر ثابت واضح اور حق ہے۔ اور سیاست وحکم کے اعتبار سے بھی غلبہ اسی کا ہے بشرطیکہ اس کے نام لیوا صحیح معنوں میں اس کے ماننے والے اور اس کی تعلیمات کے مطابق چلنے والے ہوں۔ اور وہ اس دین کے غلبہ اور سربلندی کے لئے ویسی محنت اور جدوجہد کریں جیسی کہ اس کے لئے درکار ہے۔ اور تاریخ اِس کی شاہدِ عدل ہے کہ مسلمانوں نے جب بھی مسلمان بن کر ایمان ویقین کی قوت سے سرشار ہو کر اس دینِ حق کی سربلندی کے لئے کام کیا عزت وعظمت انہی کی رہی۔ اور غلبہ اسی دینِ حق کا رہا کہ غلبہ ہمیشہ اور بہرحال حق ہی کا ہے۔ اور اسی کے غلبہ میں پوری خلقِ خدا کا بھلا ہے۔ اور اسی میں سعادتِ دارین سے سرفرازی کا راز مضمر ہے۔ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق وہدایت پر قائم اور دینِ حق کا خادم بنائے رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین۔

الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ

پیر ایسے ہیں جو کھاتے ہیں لوگوں کا مال باطل (اور ناحق) طریقوں سے، ۷۶

يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ

اور وہ روکتے ہیں اللہ کی راہ سے، ۷۷ اور جو لوگ جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں

الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ

سونے اور چاندی کو، اور وہ ان کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں،

۷۶ لفظ ﴿باطل﴾ کا عموم وشمول اور اُسکی مختلف شکلیں:- سو "باطل" کا کلمہ عام ہے جو اکلِ حرام کی ہر ناجائز شکل کو شامل ہے خواہ وہ رشوت ستانی وفتوی فروشی کی شکل میں ہو اور خواہ ناجائز تعویذ گنڈوں کے کاروبار کی شکل میں۔ اور اس سلسلے میں نت نئی بدعات کے ایجاد کرنے اور طرح طرح کی خرافات اور خود ساختہ رسوم کو رواج دینے کی صورت میں۔ خواہ غیر اللہ کے نام کی نذر ونیاز کے ذریعے اور دوسرے ان مختلف بدعی طور طریقوں سے ہو جن کا قرآن وسنت کی تعلیماتِ مقدسہ میں اور حضراتِ صحابۂ کرام، تابعینِ عظام اور سلف صالحین کے دور میں کوئی ثبوت و وجود اور نام ونشان نہیں، بلکہ عربی زبان میں ایسا کوئی لفظ تک نہیں پایا جاتا جو ان بدعات کے لئے بولا جائے۔ یہ صرف ہمارے برصغیر کے جہالت کدوں کے رسوم ورواج ہیں اور بس۔ علامہ مراغی مرحوم نے اپنی تفسیر میں اس موقع پر "اَکْل بِالْبَاطِل" کی اور بھی کئی صورتیں ذکر کی ہیں۔ بہرکیف اس طرح کی تمام صورتیں لفظِ "باطل" کے عموم میں داخل ہیں۔ لہٰذا وہ سب ہی ممنوع ومحذور ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ -قرآنِ پاک کی صداقتوں پہ قربان جائیں کہ ﴿كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ﴾ "بہت سے عالم اور پیر" فرمایا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ "سب ہی احبار ورہبان ایسے ہیں" بلکہ یہ فرمایا کہ "بہت سے احبار ورہبان ایسے ہیں"۔ اور امرِ واقع بھی یہی ہے کہ سب ایسے نہیں۔ بہت سے ایسے ہیں۔ جب بھی یہی تھا اور اب بھی یہی ہے۔ کل بھی یہی صورت تھی اور آج بھی یہی صورت ہے۔ وہاں بھی یہی حال تھا اور یہاں بھی یہی پوزیشن ہے۔ اور مزید یہ کہ ایسے بدعت پرستوں کی خود ساختہ عظمتوں کے لئے بڑے بڑے القاب وآداب بناوٹی قصوں کہانیوں، من گھڑت افسانوں، بے بنیاد کرامتوں اور بڑی بڑی عباؤں، قباؤں اور جبوں قبوں وغیرہ کے ایسے بھاری بھرکم اور رعب دار بوجھ عام لوگوں کے دل ودماغ پر ڈال دئے جاتے ہیں کہ سادہ لوح عوام ان کے نیچے سے سرک بھی نہیں نکال سکتے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -فرزندانِ شرک و بدعت ان آیاتِ بینات کے بارے میں اپنے مریدانِ سادہ لوح کو بتاتے ہیں کہ یہ تو اہلِ کتاب کے پادریوں پنڈتوں وغیرہ کے بارے میں ہیں نہ کہ ہمارے بارے میں۔ ہمیں تو چھٹی ہے، جو چاہیں کریں۔ مگر کوئی ان سے یہ پوچھے کہ صاحب پھر ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ کے الفاظ سے اہلِ ایمان کو خطاب کیوں فرمایا گیا ہے؟ اور پھر کیا عبرت و

موعظت اور وعظ و تذکیر کے اعتبار کے بغیر یونہی قصہ گوئی اس کتاب ہدایت قرآنِ مجید کی عظمتِ شان کے لائق ہوسکتی ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ پس حقیقت یہ ہے کہ اس میں اہلِ کتاب کے عالموں اور انکے پیروں اور پیشواؤں کا یہ حال بیان فرما کر دراصل مسلمانوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ یہ چیزیں جن کے مرتکب وہ لوگ ہوئے تمہارے اندر نہ آنے پائیں، تاکہ تم لوگ بھی اس انجام میں مبتلا نہ ہو جاؤ جس میں اس سے پہلے وہ لوگ اپنے کئے کرائے کے نتیجے میں مبتلاء ہو چکے ہیں۔ افسوس کہ اس کے باوجود اس امت میں ایسے پیر اور مولوی نہ صرف یہ کہ موجود ہیں اور اس جرم کے خود مرتکب ہو رہے ہیں بلکہ وہ اس کو جائز ثابت کرنے کے لئے الٹا اِس ارشادِ خداوندی میں طرح طرح کی تاویلات سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس حکم و ارشاد کے مخاطب و مامور ہی نہیں ہیں بلکہ یہ حکم تو اہلِ کتاب کے لئے ہے اور بس۔ ﴿فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾۔ خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ بہت سے عالم اور پیر ایسا کرتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق پر قائم رکھے اور باطل کی ہر شکل سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۷۷ اہلِ کفر و باطل کا راہِ حق سے روکنے کا جرم: سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ دوسروں کو راہِ حق و ہدایت سے روکتے ہیں تاکہ جس طرح یہ خود حق سے محروم ہیں اسی طرح دوسروں کو بھی اس سے محروم کر دیں۔ چنانچہ یہ بات بھی آج کے اہلِ بدعت اور دوسرے اہلِ باطل میں پوری طرح موجود ہے کہ یہ بھی عام لوگوں کو راہِ حق و صواب سے طرح طرح سے روکتے ہیں، اور اس کے لئے یہ لوگ اہلِ حق کے خلاف تحریر و تقریر اور زبان و بیان سے طرح طرح کے جھوٹے اور زہریلے پروپیگنڈے کر کے سادہ لوح عوام کو ان سے روکتے اور متنفر کرتے ہیں۔ تاکہ وہ حق اور اہلِ حق کے دائرے میں آ کر خود ان لوگوں سے دور نہ ہو جائیں اور اس طرح یہ ان کے نذرانوں اور دوسرے مادی فوائد و منافع سے محروم نہ ہو جائیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور ایسے لوگ نہیں سمجھتے کہ اس طرح وہ ضلال اور اِضلال کے دوہرے جرم کا ارتکاب کر کے اپنے لیے ڈبل محرومی اور دوہرے نقصان کا سامان کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف اِس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اہلِ کتاب کے بہت سے عالم اور پیر لوگوں کے مال طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے سمیٹتے کھاتے اور ان کو راہِ حق و ہدایت سے روکنے کے اس سنگین جرم و گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس لیے تم لوگوں کو اے ایمان والو ایسے گندم نما جو فروشوں سے بچ کر اور اِس سے محتاط رہنا چاہئے اور خبردار کہ اس طرح کی کوئی خطرناک بیماری تمہارے اندر نہ آنے پائے۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣٤﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا

تو خوشخبری سنا دو ان کو ایک دردناک عذاب کی ٧٨ جس دن کہ تپایا جائے گا ان کو

فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ

دوزخ کی آگ میں، پھر ان کے ذریعے داغا جائے گا ان لوگوں کی پیشانیوں، پیٹھوں، اور پہلوؤں کو (اور ان سے

وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا

کہا جائے گا کہ) یہ ہے وہ کچھ جو تم لوگ جوڑ جوڑ کر رکھا کرتے تھے اپنی جانوں کے لئے، سو اب چکھو مزہ تم لوگ اپنی اس دولت کا

مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ

جو تم جوڑ جوڑ کر رکھا کرتے تھے ٧٩ بلاشبہ مہینوں کی تعداد

اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ

اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہے اللہ کی کتاب میں، (اس دن سے) جس

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ

دن کہ پیدا فرمایا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو، ان میں سے چار مہینے (عزت وحرمت) والے ہیں، ٨٠ یہی ہے

٧٨ راہِ حق میں خرچ نہ کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں سونے اور چاندی کو اور وہ ان کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں تو ان کو خوشخبری سنا دو ایک بڑے ہی دردناک عذاب کی۔ سو اپنے مالوں کو راہِ حق میں خرچ نہ کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب کی خوشخبری سنانے کا حکم دیا گیا ہے - والعیاذ باللہ:- یعنی جو نہ ان کو یہ لوگ وجوہِ خیر میں صرف کرتے ہیں اور نہ ان کی فرض زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ (صفوۃ وغیرہ)۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کی جاتی ہو وہ "کنز" نہیں ہے۔ اگرچہ وہ سات زمینوں کے نیچے ہی کیوں نہ ہو۔ اور جس مال کی زکوٰۃ نہ ادا کی جاتی ہو وہ "کنز" ہے اگرچہ وہ زمین کے اوپر ہی پڑا کیوں نہ ہو۔ (محاسن، اساس، روح اور ابنِ کثیر وغیرہ)۔ سو جو لوگ اپنے مالوں کو جوڑنے اور جمع کرنے ہی کی فکر میں ہوتے ہیں اور اس کو وہ راہِ حق میں خرچ نہیں کرتے وہ اپنے لیے بڑے برے انجام اور ہولناک خسارے کا سامان کرتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- وہ تو اپنی جگہ خوش ہوتے ہیں کہ انہوں نے اتنا اور اتنا مال جمع کر لیا اور اس قدر سونے چاندی کے ڈھیر لگا دیے اور وہ اتنے اور اتنے مال کے مالک بن گئے۔ اور ان کے بینک بیلنس اتنے اور اتنے ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن وہ نہیں جانتے کہ اس طرح وہ دراصل اپنے لیے ہولناک آگ اور دوزخ کے عذاب کا سامان کر رہے ہیں۔ سو ان کو ایسے ہولناک اور دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو- والعیاذ باللہ العظیم-

۷۹ اہلِ دوزخ سے تحقیر وتذلیل کا خطاب: ۔سو ان بدبختوں سے قیامت کے روز اس طرح کہا جائے گا کہ یہ ہے تمہارا وہ مال جو تم لوگ اپنی جانوں کیلئے جوڑ جوڑ کر رکھا کرتے تھے۔ سو اب تم لوگ مزہ چکھو اپنی اس دولت کا جو تم اس طرح جوڑ جوڑ کر رکھا کرتے تھے۔ سو ان سے ایسا کہا جائے گا۔ ان کی تذلیل وتحقیر کے لئے۔ اور اس طرح یہ لوگ وہاں پر دوزخ کی ظاہری آگ کے ساتھ ساتھ حسرت وافسوس اور تذلیل وتحقیر کی اس باطنی آگ سے بھی جلیں گے اور "عَذَابًا فَوْقَ عَذَابٍ" کی دوہری سزا میں مبتلا ہوں گے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو یہ حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کا کس قدر کرم اور احسان ہے کہ آخرت کے اس غیبی جہان میں ہونے والے اس طرح کے ان ہولناک عذابوں سے اس نے اپنے بندوں کو پیشگی اس دنیا ہی میں آگاہ فرما دیا اور اس قدر صراحت ووضاحت کے ساتھ آگاہ فرما دیا کہ کوئی غموض وخفاء باقی نہیں رہ گیا، تاکہ جنہوں نے بچنا ہو وہ ان سے بچنے کی فکر وکوشش کر سکیں، قبل اس سے کہ حیاتِ دنیا کی یہ مختصر اور محدود فرصت ان کے ہاتھ سے نکل جائے۔ مگر اسکے باوجود دنیا ہے کہ اس سے غفلت میں پڑی ہے اور لاپرواہی برت رہی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ مِنْ كُلِّ شَكْلٍ مِّنْ اَشْكَالِ الْغَفْلَةِ وَلَا مُبَالَاةِ فَاِنَّهٗ هُوَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ وَفِيْ كُلِّ حِيْنٍ مِّنَ الْاَحْيَانِ۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اُس روز ان لوگوں کے جمع کردہ سونے اور چاندی کو پگھلا کر اس کے ذریعے ان کی پیشانیوں، پیٹھوں اور ان کے پہلوؤں کو داغا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ کچھ جس کو تم لوگ دنیا میں جوڑ جوڑ کر رکھا کرتے تھے۔ سو اب تم اپنے اس جوڑے اور جمع کردہ مال ودولت کا مزہ چکھو۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور یہ ایسا ہولناک خسارہ ہوگا کہ اس کی تلافی وتدارک کی پھر کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ عذاب کی ہر شکل وصورت سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۸۰ حرمت والے مہینے چار ہیں: ۔سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ مہینے ہے اللہ کی کتاب میں (اس دن سے کہ) جس دن اللہ نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو۔ ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ جن میں سے تین پے درپے ہیں یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ اور ایک الگ ہے یعنی رجب۔ ان چاروں کی حرمت زمانۂ جاہلیت میں بھی مسلم تھی، مگر ان کے یہاں طریقہ یہ تھا کہ اگر لڑتے لڑتے کبھی حرمت والا کوئی مہینہ آ گیا، تو اس کو حلال قرار دے دیا، اور اس کے بدلے میں دوسرے حلال مہینے کو حرام قرار دے دیا۔ مثلاً محرم کو صفر اور صفر کو محرم قرار دے دیا۔ اور اس طرح وہ سمجھتے کہ ہم نے حرمت والے مہینوں کی گنتی پوری کر لی۔ اور ان کی مت ایسی ماری گئی تھی کہ ان کو یہ بات سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا محض نام بدلنے سے اور صرف ہمارے کہنے سے کسی چیز کی حقیقت بدل سکتی ہے؟ بکرے کو خنزیر یا خنزیر کو بکرا کہنے سے کیا ان کی اصل اور حقیقت میں کوئی فرق واقع ہو سکتا ہے؟ بہرکیف ان لوگوں نے اپنی اسی غلط روش سے معاملہ کو اس قدر خلط ملط کر دیا تھا اور صورتِ حال کو اس حد تک بگاڑ دیا تھا کہ اصل اور نقل میں فرق کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقع پر قدرت کی طرف سے مہینوں کا یہ پھیرا اپنی گردش پوری کر کے اپنی اصل حالت میں آ گیا تھا اور اس موقع پر آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ارشاد فرمایا کہ "زمانہ اپنی طبعی گردش کو پورا کر کے اب اپنی اصل پر آ گیا ہے"۔ یعنی اس مرتبہ کا یہ حج اپنے صحیح وقت پر ہو رہا ہے۔ سو اس کے بعد یہ اپنی طبعی حالت پر رہے گا۔ اور نسئی کا یہ غلط اور ناجائز رواج اب ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا۔ فللہ الحمد رب العالمین۔ اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کی ہر صورت سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۵ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ

سیدھا دین، پس تم لوگ مت ظلم کرو، ان مہینوں کے بارے میں اپنی جانوں پر،

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ

اور لڑو تم مشرکوں سے سب مل کر، جس طرح کہ وہ لڑتے ہیں تم سے

كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنَّمَا

سب مل کر، اور یقین جانو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے، ۸۱ یہ

النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

مہینوں کا ہٹا دینا کفر میں (ترقی اور) زیادتی کے سوا کچھ نہیں ۸۲ اس کے ذریعے گمراہ کیا جاتا ہے عام کافروں کو،

يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا

یہ اس کو حلال کر لیتے ہیں ایک سال، اور حرام کر لیتے ہیں دوسرے سال، ۸۳ تاکہ اس طرح یہ گنتی پوری کر لیں

حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ

ان مہینوں کی جن کو اللہ نے حرام قرار دیا۔ سو اس طرح یہ لوگ حلال ٹھہراتے ہیں اس چیز کو جس کو اللہ نے حرام قرار دیا، خوشنما

۸۱ پرہیزگاروں کے لیے معیتِ خداوندی کا مژدۂ جانفزا: -سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ یقین جانو کہ بے شک اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے۔ یعنی اپنی نصرت و تائید کے ذریعے۔ پس تم لوگ تقویٰ کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دینا کہ یہی ذریعہ ہے اس کی تائید و نصرت کے حصول کا - اللہ توفیق دے - آمین۔ سو مومن کی اصل قوت تقویٰ و پرہیزگاری ہی ہے کہ اسی کے ذریعے وہ نصرتِ خداوندی سے بہرہ ور و سرشار ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی معیت دو قسم پر ہے۔ ایک معیتِ عامہ جو کہ سب کے ساتھ موجود ہے اور جو عبارت ہے اس کے علم اور قدرت سے۔ سو اس کے احاطۂ علم اور دائرۂ قدرت سے کوئی بھی اور کچھ بھی باہر نہیں۔ اور دوسری معیت "معیتِ خاصہ" ہے جو کہ عبارت ہے اسکی نصرت و امداد سے جو کہ اسکے خاص بندوں کے لیے ہوتی ہے۔ یعنی ان سے جو ایمان و یقین اور تقویٰ و پرہیزگاری کی دولت سے سرفراز ہوتے ہیں۔ سو مطلب اس ارشادِ ربانی کا یہ ہوا کہ تم لوگ ان مہینوں کی حدود و حرمت کا خیال رکھتے ہوئے ان مشرکوں سے من حیث الجماعت لڑو جس طرح وہ تم سے من حیث الجماعت لڑتے ہیں۔ یعنی یہ جنگ ان مشرکین سے من حیث الجماعت ہو۔ اس بنیاد پر ان کے درمیان کوئی فرق و امتیاز نہ کیا جائے کہ

ان میں سے کسی کے ساتھ کوئی رشتہ و قرابت یا دوستی کا تعلق ہے۔ یا خاندان اور قبیلے کی بناء پر۔ کسی خاندان و قبیلے سے کوئی ہمدردی ہے یا ان کے کسی گروہ سے کوئی سیاسی یا تجارتی یا معاشی مفاد وابستہ ہے۔ سو اس قسم کے ہر تعلق اور مفاد کو بالائے طاق رکھ کر تمام مشرکوں کے خلاف لڑو اور ان سب سے بلا استثناء جنگ کرو جس طرح کہ وہ تم سے کرتے ہیں۔ تا کہ شرک اور مشرکوں کا زور ٹوٹے۔ حق کا راستہ صاف ہو اور فتنہ باقی نہ رہے۔ وباللہ التوفیق۔

۸۲ نسئ کفر میں زیادتی اور اضافہ ہے:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور انما کے کلمۂ حصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ یہ مہینوں کا ہٹا دینا کفر میں ترقی اور زیادتی کے سوا اور کچھ نہیں کہ اللہ پاک کی جانب سے کسی حلال فرمودہ چیز کو حرام سمجھنا یا اس کی طرف سے حرام کردہ کسی شئ کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ اس طرح اس نسئ کے ذریعے ان لوگوں کے کفر ہی میں اضافہ ہوگا۔ ایک پہلے والا کفر اور دوسرا یہ نسئ والا کفر۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ اور نسئ سے مراد زمانۂ جاہلیت کی اصطلاح میں وہ مہینہ ہوتا تھا جس کو وہ لوگ کچھ دنوں کے لیے پیچھے ہٹا کر اس میں کچھ دنوں کا اضافہ کر دیتے تھے۔ اس طرح وہ لوگ اپنے زعم کی مطابق یہ سمجھتے کہ انہوں نے قمری مہینوں اور خاص کر اشہر حرم کا احترام بھی قائم رکھا اور اپنے تجارتی فوائد و مصالح کے اعتبار سے قمری نظام کو شمسی بھی بنا لیا۔ سو اس طرح وہ لوگ اپنے طور پر تو یہ کہتے کہ ہم نے اشہر حرم کی تعداد بھی پوری کر لی جو کہ دینداری کا مقتضیٰ ہے اور اپنے کاروباری مفاد کو بھی محفوظ رکھا۔ اور یہی ذہنیت ہر بدعت کی ایجاد کے پیچھے کارفرما ہوتی ہے۔ اور بدعتی لوگ ہمیشہ اسی قسم کے خبط میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ہم نے دین اور دنیا دونوں کے تقاضے پوری کر دیے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو قرآن حکیم نے یہاں پر ان لوگوں کی اسی خود ساختہ اور مصنوعی دینداری پر ضرب لگاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ اُن کے کفر میں مزید اضافہ ہے۔ جس سے یہ لوگ راہِ راست اور دینِ قیم یعنی ملتِ ابراہیم سے منحرف اور مزید دور ہو گئے۔ والعیاذ باللہ۔

۸۳ خواہشاتِ نفس کی پیروی ہلاکت ہے:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس کے ذریعے گمراہ کیا جاتا ہے عام کافروں کو یہ لوگ اس کو حلال ٹھہرا لیتے ہیں ایک سال اور حرام ٹھہرا لیتے ہیں دوسرے سال۔ تا کہ اس طرح یہ گنتی پوری کر لیں ان مہینوں کی جن کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ سو اس طرح یہ لوگ حلال ٹھہرا لیتے اس چیز کو جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے سو خواہشاتِ نفس کی پیروی کی بناء پر ان لوگوں کا حال یہ ہو گیا تھا کہ یہ لوگ اللہ کے مقرر فرمودہ مہینوں کو اس طرح اپنے فرضی اور وہمی مفروضوں کی بنا پر آگے پیچھے کر لیتے۔ کہ جب لڑنے کا موڈ ہوا تو اس کو حلال قرار دے دیا اور جب نہ ہوا تو اس کو حرام سمجھ لیا۔ پیروی بہرحال نفس اور اس کی خواہش ہی کی تھی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ سو نورِ حق سے اعراض و روگردانی اور محرومی اور اِتباعِ هوٰی یعنی خواہشاتِ نفس کی پیروی انسان کو راہِ حق و ہدایت سے محروم کر کے اسکو طرح طرح کے مہالک میں ڈال دیتی ہے یہاں تک کہ اسکی مت ہی ماردی جاتی ہے۔ جس سے وہ حق اور باطل کے درمیان فرق و تمیز کی اہلیت اور صلاحیت ہی سے محروم ہو جاتا ہے اور انسانیت کے منصبِ شرف سے گر کر اور خیر البریہ۔ بہترین مخلوق۔ کے شرف و اعزاز سے محروم ہو کر شر البریۃ۔ بدترین مخلوق۔ بن کر رہ جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

اَعۡمَالِهِمۡ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۳۷﴾ ع

بنا دیا گیا ان کے لئے ان کے برے اعمال کو، ۸۴ اور اللہ ہدایت (کی دولت) سے نہیں نوازتا کافر لوگوں کو،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَكُمۡ اِذَا قِيۡلَ لَكُمُ

ایمان والو! تم کو کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے

انۡفِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَى الۡاَرۡضِ ؕ

کہ نکلو تم اللہ کی راہ میں، جہاد و قتال کے لئے تو تم گرے جاتے ہو زمین پر، ۸۵

۸۴ برے اعمال کو اچھا کر کے دکھانا برے لوگوں کیلئے ایک نقد سزا - والعیاذُ باللہ:- سو اس سے اس حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ برے اعمال کو اچھا کر کے دکھانا برے لوگوں کے لیے ایک نقد سزا ہے - والعیاذ باللہ - جس سے وہ برائی کو بھی اچھائی سمجھ کر کرنے لگتے ہیں۔ سو قدرت کی طرف سے ملنے والی یہ سزا نقد اور ایک بڑی سخت سزا ہے جو افراد کو بھی ملتی ہے اور قوموں اور جماعتوں کو بھی۔ کل بھی ملتی تھی اور آج بھی ملتی ہے۔ سو باطل کے کتنے کتنے راستے اور کتنے کتنے کام ہیں جن کو لوگ مختلف ناموں سے اور مختلف شکلوں میں سینوں سے لگائے ہوئے ہیں اور ان سے بچنے اور باز آنے کی بجائے یہ لوگ الٹا طرح طرح کی تاویلات وغیرہ کے ذریعے ان کو اچھا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور الٹا ان سے روکنے والوں کو برا کہتے اور بتاتے ہیں۔ تو کیا نفس و شیطان کے مارے ہوئے ان بدنصیبوں کی محرومی کا کوئی اندازہ کیا جا سکتا ہے؟ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - چنانچہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا ﴿اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا﴾ ''بھلا اُس شخص کی بدبختی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جس کے لئے خوشنما بنا دیا گیا ہو اس کے برے عملوں کو؟'' - والعیاذ باللہ من کل سوء وشر - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں کے لیے ان کے برے اعمال کو خوشنما بنا دیا گیا جس سے یہ نورِ حق وہدایت سے محروم ہو گئے کیونکہ جب کوئی برے عمل کو اچھا سمجھے گا تو اس کو چھوڑے گا کیونکر؟ - والعیاذ باللہ العظیم -

۸۵ غزوۂ تبوک کا ذکر اور جہاد کی ترغیب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ اللہ کی راہ میں جہاد و قتال کے لیے نکلو تو تم لوگ زمین پر ڈھئے جاتے ہو کیا تم لوگ آخرت کے مقابلے میں اسی دنیاوی زندگی پر راضی ہو گئے ہو؟ استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ ایمان والوں کی شان یہ نہیں ہوا کرتی بلکہ ان کی شان یہ ہوتی ہے اور یہی ہونی چاہیئے کہ جب ان کو جہاد کیلئے بلایا جائے تو یہ اس کیلئے فوراً اٹھ کھڑے ہوں۔ بہرکیف یہاں سے اس سورۂ کریمہ کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے جس کا تعلق غزوۂ تبوک سے ہے اور جو آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کا آخری غزوہ ہے۔ جو سنہ ۹ میں ہوا اور جو بڑی تنگی اور دشواری کے عالم میں پیش آیا تھا۔ اسی لئے اس کو غزوۂ ذات العسرہ بھی کہا جاتا ہے۔ جس کی تفصیلات میں بہت کچھ دروسِ عبرت ہیں۔ جو انشاء اللہ ہم اپنی مفصل تفسیر میں عرض کریں گے اگر زندگی نے وفا کی اور قدرت کو منظور ہوا تو - فَاِنَّهٗ بِيَدِهِ الْاَمْرُ كُلُّهٗ جَلَّ وَعَلَا وَتَبَارَكَ وَتَعَالٰى - بقدرِ کفایت اس کا کچھ ذکر ان مختصر حواشی وفوائد میں بھی آ جائے گا - ان شاء اللہ - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید -

اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ج فَمَا مَتَاعُ

کیا تم لوگ راضی ہو گئے ہو آخرت کے مقابلے میں اسی (چندروزہ) دنیاوی زندگی پر؟ ۸۶ سو (واضح رہے کہ) دنیاوی زندگی کا

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا

یہ متاعِ فانی تو آخرت کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے، ۸۷ اگر تم لوگ نہیں نکلو گے،

۸۶ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لینا خساروں کا خسارہ - والعیاذ باللہ :- سو آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو جانا اور اسی کو سب کچھ سمجھ لینا خساروں کا خسارہ ہے - والعیاذ باللہ - استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ معلوم ہوا کہ اصل ممنوع ومحظور دنیا کی وہ محبت ہے جو آخرت کے مقابلے میں ہو کہ یہی دراصل باعث ہے خسرانِ مبین کا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو آخرت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی پر راضی ہو جانا خساروں کا خسارہ ہے - والعیاذ باللہ العظیم - کہ دنیاوی زندگی اور اسکی ہر چیز فانی ہے۔ اور یہاں پر انسان کو عیش وعشرت اور آرام وراحت کا جو بھی سامان مل جائے وہ بہرحال وقتی، عارضی اور فانی ہے جس نے وقت آنے پر بہرحال فنا کے گھاٹ اتر کر رہنا ہے جبکہ آخرت اور وہاں کی ہر نعمت کامل بھی ہے اور ابدی و دائمی بھی۔ سو عارضی اور فانی کو دائمی اور ابدی پر ترجیح دینا سب سے بڑی حماقت، خساروں کا خسارہ اور محرومیوں کی محرومی ھے - والعیاذ باللہ - اسی لیے قرآنِ حکیم نے ایسے لوگوں کی عقل وضمیر کو جھنجھوڑتے ہوئے خطاب کیا اور اِرشاد فرمایا ﴿ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴾ (الاعلیٰ:۱۶-۱۷)۔ یعنی خفا والتباس کی کوئی وجہ نہیں کہ حق پوری طرح واضح ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت دنیا سے کہیں بڑھکر بہتر اور اعلیٰ وعمدہ ہے اور ہمیشہ رہنے والی بھی - والعیاذ باللہ من کل سوء وانحراف - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین۔

۸۷ دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے :- کمیت کے اعتبار سے بھی اور کیفیت کے لحاظ سے بھی کہ آخرت کے مقابلے میں ایک تو دنیا کا ظرف ہی بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے اور دوسرے اس لئے کہ اس کی ہر نعمت عارضی و فانی ہے۔ جبکہ جنت کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ آسمان و زمین کی مجموعی وسعت کے برابر اس کا عرض ہوگا جو کہ طول سے کم ہوتا ہے۔ تو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جنت کس قدر وسیع ہوگی - اللہ نصیب فرمائے - آمین۔ پھر اس کی ہر نعمت عظیم الشان اور کامل و بے مثال اور دائمی وابدی ہے ﴿ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴾ (الاعلیٰ: ۱۷) - اللہ نصیب فرمائے - آمین ثم آمین یا رب العالمین - سو آخرت اور اسکے تقاضوں کو بھول کر اور ان کو پسِ پشت ڈال کر دنیا کی چکا چوند پر ریجھ کر اور اسی کا ہو کر رہ جانا خساروں کا خسارہ اور ہلاکتوں کی ہلاکت ہے - والعیاذ باللہ جل وعلا -

يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ

تو اللہ تمہیں مبتلا کر دے گا ایک دردناک عذاب میں، اور وہ لے آئے گا تمہاری جگہ کسی اور قوم کو تمہارے سوا، ف۸۸

وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے، اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے،

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ

اگر تم لوگوں نے پیغمبر کی مدد نہ کی تو اللہ (خود ہی ان کی مدد کو کافی ہے ف۸۹ سو وہ) اس وقت بھی ان کی مدد کر چکا ہے جب کہ ان کو

كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ

نکال دیا تھا کافروں نے (ان کے گھر بار سے،) جب کہ وہ دو میں کے دوسرے تھے، جب کہ وہ دونوں غار میں تھے، جب کہ

لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ

وہ فرما رہے تھے اپنے ساتھی سے، ف۹۰ کہ غم نہ کرو، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے ف۹۱ پھر اللہ نے اتار دی

سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ

ان پر اپنی سکینت، اور ان کی مدد فرمائی ایسے لشکروں کے ذریعے جو تم کو نظر نہیں آ رہے تھے، ف۹۲ اور

۸۸ اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لا سکتا ہے:- پس نہ وہ تمہارا محتاج ہے کہ وہ ہر کسی سے اور ہر طرح سے غنی و بے نیاز ہے اور نہ اس کا دین تمہارا حاجت مند ہے۔ اس لئے تمہیں اگر اس کے دین کی خدمت کی سعادت نصیب ہوتی ہے تو وہ خود تمہارے ہی لئے خیر و برکت کا ذریعہ ہے۔ اس لئے تم اسکو اپنے لئے غنیمت و سعادت سمجھو۔ ورنہ تم لوگ اگر نہیں اٹھو گے تو خدا کا یا اسکے دین کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اس کا کوئی کام تمہارے اوپر منحصر نہیں۔ وہ قادرِ مطلق اپنے دین کی حمایت و نصرت کے لیے اپنے دوسرے بندوں کو اٹھا کھڑا کرے گا جو تمہاری طرح تن آسان پست ہمت اور مفاد پرست نہیں ہوں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ ﴾ (محمد: ۳۸)۔ اللّٰہم وفقنا لما تحب وترضٰی۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق پر قائم رہنے اور خدمتِ خلق کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

۸۹ اللہ کا رسول تمہاری مدد کا محتاج نہیں:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگوں نے اللہ کے رسول کی مدد نہ کی تو اللہ خود ہی ان کی مدد کے لیے کافی ہے۔ یعنی جوابِ شرط یہاں پر محذوف ہے اور اس کے مابعد کا مذکور اس محذوف کے لئے بمنزلہ علت کے ہے۔ اور وہ جوابِ شرط جو محذوف ہے اسی طرح کے کسی جملے سے مقدر مانا جا سکتا ہے۔ سو جب اللہ کی مدد اللہ کے رسول کو حاصل ہے تو پھر ان کو تمہاری مدد کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔ پس تمہیں اگر انکی نصرت و امداد کا موقع ملتا ہے تو یہ خود تمہارے لیے باعثِ سعادت ہے۔ اس لیے تم لوگ ایسے ہر موقع کو غنیمت سمجھو۔

۹۰ حضرتِ صدیقِ اکبرؓ کی صحابیت کا ثبوت نصِ قرآن سے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب پیغمبر فرما رہے تھے اپنے ساتھی سے یعنی صدیقِ اکبر - رضی اللہ عنہ - سے۔ پس حضرت صدیقؓ کی صحابیت نصِ قرآن سے ثابت ہے۔ اس لئے آپؓ کی صحابیت کا انکار کرنا یا اس میں شک کرنا کفر ہے کہ یہ صریح آیت کا انکار ہوگا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - اور حضرات علمائے کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ حضرت صدیقِ اکبرؓ کی فضیلت اور صحابیت کا منکر کافر ہوگا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - (ملاحظہ ہو، روح، قرطبی، مدارک، کبیر اور صفوہ وغیرہ)۔ بہرکیف اس آیتِ کریمہ اور اس ارشادِ ربانی سے حضرت صدیق اکبرؓ کی صحابیت اور آپ کی امتیازی شان واضح ہو جاتی ہے - رضی اللہ عنہ وارضاہ وعنا معہ -

۹۱ حاجت روا اور مشکل کشا سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے: - یعنی جبکہ پیغمبر اپنے یارِ غار صدیق اکبر سے فرما رہے تھے کہ "غم نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے" - سبحان اللہ! - پیغمبر اور پیغمبروں کے بھی امام و پیشوا کا حاجت روا و مشکل کشا بھی اللہ ہی ہے - جل جلالہ - اور وہ بھی مشکل کے اس وقت میں اپنے ساتھی اور یارِ غار سے کہہ رہے ہیں اور صاف اور صریح طور پر کہہ رہے کہ "گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے" اور اپنے اس قول و فعل سے صاف اور صریح طور پر یہ درس دے رہے ہیں کہ ہم سب اُسی کے محتاج و دست نگر اور اسی کے حضور دعا گو ہیں۔ سو حضرت امام الانبیاءؑ بھی اپنے ساتھی کو یہی تلقین فرماتے اور اسی کا درس دیتے ہیں کہ اللہ پر بھروسہ کرو وہ ہمارے ساتھ ہے۔ مگر افسوس کہ آج کا کلمہ گو مشرک اللہ کو چھوڑ کر اس کی طرح طرح کی عاجز مخلوق کو حاجت روا و مشکل کشا جانتا و مانتا ہے۔ اور وہ "یا اللہ" کہنے کی بجائے "یا علی مدد"، "یا غوث دستگیر"، "یا بہاء الحق بیڑا دھک" وغیرہ جیسے شرکیہ نعرے لگاتا ہے اور اس کے لئے اسکے استدلال کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو کہ ہمارے ملک میں اہلِ بدعت کے ایک مشہور گویا مولوی صاحب ہوتے تھے جو ابھی کچھ ہی عرصہ قبل اس دنیا سے کوچ کر گئے ہیں۔ اور ان کو اہلِ بدعت بڑے بڑے القاب و آداب سے یاد کیا کرتے تھے۔ مگر ان کا مبلغِ علم اور حدودِ اربعہ یہ تھا کہ وہ بھرے جلسے میں کہا کرتے تھے کہ اوہ وہابیا! تیری گولی قبض کشا ہے تو علی مشکل کشا کیوں نہیں ہو سکتے؟ اور اس کے جواب میں عوام کالانعام حاضرین کی طرف سے انکو واہ واہ وغیرہ سے خوب داد ملا کرتی تھی - فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی - سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عناد و ہٹ دھرمی کی بنا پر اور شرک و بدعت کی نحوست کے نتیجے میں انسان کتنا اندھا اور کس قدر اوندھا ہو جاتا ہے۔ اور وہ توحید کے منصبِ شرف سے گر کر شرک و بدعت کے کس قدر ہولناک گڑھے میں جا پہنچتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم -

۹۲ غیر مرئی لشکروں کی مدد سے سرفرازی: - یعنی فرشتوں وغیرہ کے وہ لشکر جن کی حفاظت میں آپؐ اتنے زیادہ اور ایسے سخت جانی دشمنوں کے نرغے سے بھی تنِ تنہا بحفاظتِ تمام نکل گئے اور اِن سب دشمنوں کی آنکھیں اس طرح بند کر دی گئیں کہ وہ آپ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔ نیز اس کے علاوہ غزوۂ بدر، احزاب اور حنین وغیرہ کے معرکوں میں بھی انہی فرشتوں کے ذریعے آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کی نصرت و مدد فرمائی گئی۔ (روح، قرطبی، اور جامع وغیرہ)۔ سو جب انسان کا ایمان و یقین کامل ہوتا ہے اور اس کا تعلق اپنے خالق و مالک سے صحیح اور مضبوط و مستحکم ہو جاتا ہے تو اسکو اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد سے اسی طرح سرفراز فرمایا جاتا ہے - وباللہ التوفیق - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد اس وقت بھی فرمائی جبکہ کافروں نے ان کو گھر سے باہر نکالا تھا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے اور آپ دو میں کے دوسرے تھے۔ کوئی تیسرا آپ کے ساتھ نہ تھا۔ سارا قریش جو کہ آپ کے خون کا پیاسا تھا آپ ان سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر بحفاظت ان کے نرغے سے نکل آئے۔ کوئی آپ کا بال بھی بیکا نہ کر سکا۔ پھر جب آپ غارِ ثور میں اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ "غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے" سو وہی اللہ آئندہ بھی ہمیشہ انکی مدد فرمائے گا کہ اس کی تائید و نصرت ہمیشہ اُن کے ساتھ ہے۔

جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ

اس نے کر دیا کافروں کے بول کو نیچا، ۹۳ اور اللہ کا

اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنْفِرُوْا

بول تو ہے ہی اُونچا، اور اللہ سب پر غالب، بڑا ہی حکمت والا ہے ۹۴ نکلو

خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ

تم خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے بھی، اور اپنی جانوں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

سے بھی، یہ خود تمہارے ہی لئے بہتر ہے، اگر تم

۹۳ **قدرت نے کافروں کا بول نیچا کر دیا:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے نیچا کر دیا کافروں کے بول کو کہ وہ اپنے منصوبے میں ناکام ہوئے۔ نہ وہ آپ کو دیکھ سکے اور نہ قتل و قید کر سکے۔ (الجامع، وغیرہ)۔ ان لوگوں نے اپنے لئے شقاوت و بدبختی کے سوا کچھ نہ کمایا۔ تدبیر اللہ ہی کی غالب رہی۔ ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ - سو یہ بھی قدرت کی نصرتِ غیبی کا ایک ثبوت و مظہر ہے جس سے وہ اپنے خاص اور مقبول بندوں کو نوازتا ہے۔ جل وعلا شانہ۔ پس مومن کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک سے اپنے تعلق کو زیادہ سے زیادہ مضبوط و مستحکم کرنے کی فکر و کوشش کرے اور اپنی عبدیت اور رجوع الی اللہ میں کمال پیدا کرنے کی سعی کرے کہ یہی اسکی قوت کا راز اور اس کا اصل اور حقیقی سرمایہ ہے جس سے سرفرازی کے بعد اسکو اور کسی کی نہ ضرورت ہوتی ہے نہ حاجت۔ وباللہ التوفیق۔ اللہ ہمیشہ اپنا بنائے اور اپنے کام میں لگائے رکھے۔ آمین۔

۹۴ **اللہ کا بول ہے ہی اعلیٰ و بالا:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ کا بول تو ہے ہی اونچا کہ وہ سب پر غالب اور بڑا ہی حکمت والا ہے۔ سو اس کا بول تو ہے ہی اونچا۔ ہر حال میں اور ہر صورت میں کہ وہ حق اور سراسر حق ہے۔ اور حق کی شان یہی ہے کہ وہ ہمیشہ اعلیٰ و بالا رہے۔ جیسا کہ لسانِ نبوت سے فرمایا گیا "اَلْحَقُّ يَعْلُوْا وَلَا يُعْلٰى عَلَيْهِ" یعنی حق غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔ اور انجام کار کامیابی بھی حق والوں ہی کی ہے ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ اور جو حق کے مقابلے میں آئے گا اور حق کو نیچا دکھانے کی سعی نامراد کرے گا وہ خود ذلیل و خوار ہوگا۔ والعیاذ باللہ العزیز۔ اور جو اللہ کے بول کو سربلند کرنے کی سعی میں حصہ لے گا وہ سربلندی پائے گا۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید۔

تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۱﴾ لَوۡ كَانَ عَرَضًا قَرِيۡبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا

جانتے ہو ۹۵ اگر کوئی مال ہوتا نزدیک کا، اور سفر ہوتا ہلکا،

لَّاتَّبَعُوۡكَ وَلٰكِنۡۢ بَعُدَتۡ عَلَيۡهِمُ الشُّقَّةُ ؕ

تو یہ لوگ ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن ان کو بہت دور لگا یہ کٹھن راستہ، ۹۶

وَسَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسۡتَطَعۡنَا لَخَرَجۡنَا مَعَكُمۡ ۚ

اور اب یہ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اگر ہمارے بس میں ہوتا، تو ہم ضرور نکلتے آپ لوگوں کے ساتھ،

۹۵ اللہ کی راہ میں ہر حال میں نکلنے کا حکم وارشاد: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اللہ کی راہ میں نکلو خواہ تم ہلکے ہوا کرو یا بوجھل یعنی ہر حال میں، خواہ اسلحہ خوب ہو یا نہ ہو۔ خواہ تم تیز چلنے والے ہوؤ یا آہستہ۔ خواہ بیمار ہوؤ یا صحت میں۔ پیادہ ہوؤ یا سوار۔ بوڑھے ہوؤ یا جوان۔ دولت مند ہوؤ یا محتاج۔ (روح، طبری، جامع، ابن کثیر وغیرہ)۔ یعنی جس سے جس قدر ممکن ہو اتنا اس میں حصہ لے کہ جہاد ایک عظیم الشان عبادت اور جلیل القدر حکم ہے۔ اور اس میں شرکت وحصہ داری ایک عظیم الشان سعادت ہے۔ اس نے قیامت تک باقی رہنا ہے۔ اور قوائے شر وطغیان کی سرکوبی اور معاشرے کی اِصلاح وتطہیر کیلئے اسکے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ لہٰذا مومن کو اس کے لیے ہمیشہ تیار رہنا چاہئے اور جب بھی اور جیسا کہ موقع ہو اس کے لیے نکلنا چاہیے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ نکلو تم لوگ (اے ایمان والو) اللہ کی راہ میں خواہ تم ہلکے ہوا کرو یا بوجھل اور جہاد کرو تم لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے بھی اور اپنی جانوں سے بھی۔ یہ خود تمہارے ہی لیے بہتر ہے اگر تم جانو - وباللہ التوفیق-

۹۶ اصل قوت ایمان کی قوت ہے: - سو اصل قوت ایمان ویقین کی قوت ہے جو کہ ایک حیات آفریں اور کیف آور قوت ہے۔ جس کے بعد کوئی مشکل مشکل نہیں رہتی اور ہر حالت خیر ہی خیر ہو جاتی ہے۔ جبکہ اس سے محروم لوگوں کے لیے- والعیاذ باللہ- جہاد کا یہ سفر بھی مشکل لگتا ہے جس کے طے کرنے کے لئے مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ کیونکہ منافق لوگ دنیاوی فوائد ومنافع ہی کے لئے نکلتے تھے جو بظاہر یہاں موجود نہیں تھے۔ اس لئے ان کو مشقت کا یہ سفر بہت بھاری لگ رہا تھا- سبحان اللہ! - ایمان وعقیدہ کی قوت بھی کیسی عظیم الشان اور کتنی زبردست اور انقلاب آفریں قوت ہوتی ہے کہ اس سے بڑی سے بڑی مشقت وتکلیف، یہاں تک کہ جان کا نذرانہ پیش کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس سے محرومی کی صورت میں معمولی مشقت بھی ناقابلِ برداشت بوجھ بن جاتی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- سو ایمان ویقین کی قوت ایک حیات بخش انقلاب آفریں اور کیف آور قوت ہے جبکہ اس سے محرومی - والعیاذ باللہ- زندگی اور اسکی قوت سے محرومی ہے- والعیاذ باللہ- اللہ تعالیٰ قوتِ ایمان ویقین میں اضافہ فرمائے اور ہمیشہ ثابت قدم رکھے- آمین۔

يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٤٢﴾ ع

یہ لوگ خود ہلاکت میں ڈالتے ہیں اپنے آپ کو اور اللہ خوب جانتا ہے کہ یہ پرلے درجے کے جھوٹے ہیں ۹۷

عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ

اللہ نے معاف فرما دیا آپ کو (اے پیغمبر!) آپ نے ان کو کیوں اجازت دے دی یہاں تک کہ کھل کر آپ کے سامنے

لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ﴿٤٣﴾ لَا

آ جاتے وہ لوگ جو سچے ہیں اور آپ جان لیتے جھوٹوں کو ۹۸

۹۷ جھوٹی قسمیں ہلاکت وتباہی کا باعث - والعیاذ باللہ: -سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جھوٹی قسمیں کھا کر یہ لوگ خود اپنے آپ ہی کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جھوٹی قسم ہلاکت و بربادی کا باعث ہے جیسا کہ ایک روایت میں آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- سے منقول ہے کہ جھوٹی قسم شہروں کو ویران کر کے رکھ دیتی ہے "الیمین الفاجرة تدع الدِّیارَ بَلاقعَ" (المراغی وغیرہ)۔ چنانچہ آج ہم اسکے آثار ونتائج جابجا دیکھ رہے ہیں۔ جھوٹی قسموں کا رواج ایسا عام ہے کہ لوگوں کو اس بارے کسی بات کی پرواہ تک نہیں، جسکے نتیجے میں فتنوں اور فسادات کا چہار سو دور دورہ ہے- والعیاذ باللہ العظیم- لیکن دنیا ہے کہ اس کا کوئی احساس وخیال تک نہیں۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دینِ حنیف کی ان تعلیماتِ مقدسہ کا دنیا پر کس قدر احسانِ عظیم ہے کہ ان کے ذریعے دنیا کو ان اہم اور بنیادی مخفی حقائق سے اس طرح آگہی بخشی- فللہ الحمد رب العالمین- بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ منافق لوگ اپنی جھوٹی قسموں کے ذریعے اپنی صفائی بیان کرتے ہیں اور اس کو اپنی چالاکی جانتے ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس یہ ہے کہ اس طرح یہ لوگ خود اپنے آپ ہی کو ہلاکت اور تباہی کے ہولناک گڑھے میں ڈال رہے ہیں مگر ان کو اس کا احساس وشعور نہیں - والعیاذ باللہ العظیم-

۹۸ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل: -سو آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ آپ نے اے پیغمبر ان لوگوں کو کیوں اجازت دی یہاں تک کہ کھل کر آپ کے سامنے آجاتے وہ لوگ جو سچے ہیں اور آپ جان لیتے ان کو جو جھوٹے ہیں۔ یہ اس موقع سے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے جب کہ آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- نے کچھ منافقوں کو ان کے ان حیلوں بہانوں کی بنا پر پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دی تھی جو کہ اصل میں جھوٹے اور بے بنیاد حیلے بہانے تھے۔ سو اس پر آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- سے اس طرح پرسش فرمائی جاتی ہے مگر لطف وکرم کی شانِ خاص ملاحظہ ہو کہ ﴿عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ﴾ کا مژدہ آغاز ہی میں سنا دیا گیا۔ بہرکیف اس سے یہ امر صاف اور واضح ہو گیا کہ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل- علیہ ﷺ- جیسا کہ اہلِ بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ ورنہ نہ آپؐ ان منافقوں کے ان جھوٹے حیلوں بہانوں کو سنتے مانتے نہ ان پر اعتماد کرتے اور نہ ہی انکی بناء پر ان لوگوں کو پیچھے رہنے کی اجازت دیتے اور نہ ہی ان کو اجازت دینے پر حضرتِ حق -جل مجدہ- کی طرف سے آپؐ پر اس طرح گرفت فرمائی جاتی۔ پس اس سے اہلِ بدعت کے علمِ غیبِ کلی اور اختیارِ کلی کے شرکیہ عقیدوں کی جڑ نکل جاتی ہے- والحمد للہ- سو عالمِ غیب اور مختارِ کل اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذاتِ اقدس واعلیٰ ہی ہے اس میں کوئی بھی ہستی اس کی شریک نہیں اور نہ ہی کوئی شریک ہوسکتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- اور عقل ونقل دونوں کے صاف وصریح دلائل اسی حقیقت کی تصدیق وتائید کرتے ہیں۔

يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

وہ لوگ تو آپ سے اجازت مانگتے ہی نہیں جو (صدق دل سے) ایمان رکھتے ہیں، اللہ پر اور قیامت کے دن پر، ۹۹

أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ

اس سے کہ وہ جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے، اور اللہ خوب جانتا ہے

بِالْمُتَّقِينَ ﴿۴۴﴾ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

پرہیزگاروں کو، ۱۰۰ آپ سے اجازت تو بس وہی لوگ مانگتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے

۹۹ قوتِ ایمان سعادت دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ: -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ قوتِ ایمان ویقین سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ اور اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے- والعیاذ باللہ- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایمان والے تو آپ سے پیچھے رہنے کی اجازت مانگتے ہی نہیں۔ بلکہ وہ تو جہاد و قتال کے ایسے موقعوں میں شامل و شریک ہونا اور ان میں حصہ لینا ایک عظیم سعادت اور ذریعہ قرب و نجات سمجھتے ہیں۔ اور اس کی آرزو اور تمنا رکھتے ہیں۔ ہاں مرضِ نفاق کے روگی اور مریض ہیں جو اس طرح کے جھوٹے حیلے بہانوں کے ذریعے اجازت مانگتے اور جہاد و قتال میں شرکت کے شرف سے محروم رہتے ہیں۔ سو ایمان ویقین کی قوت دنیا و آخرت کی سعادت و کامرانی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے جبکہ اس سے محرومی- والعیاذ باللہ- ہر خیر سے محرومی کا باعث ہے- والعیاذ باللہ- بہر کیف اِس اِرشاد سے منافقین اور مخلصین کے درمیان ایک نمایاں اور واضح فرق بیان فرما دیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر سچا پکا ایمان رکھتے ہیں وہ جہاد سے پیچھے رہنے کے لیے اجازت نہیں مانگتے بلکہ وہ شرکتِ جہاد کے شرف سے مشرف ہونے کے لیے سچی طلب رکھتے ہیں۔ لیکن جو نفاق کے روگی ہیں اور ان کے ایمان کے دعوے محض زبانی کلامی اور کھوکھلے ہیں وہی پیچھے رہنے کے لیے درخواستیں پیش کرتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- سو اصل دولت ایمان ویقین کی دولت ہی ہے- والحمد للہ جل وعلا-

۱۰۰ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ و ذکر: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ خوب جانتا ہے پرہیزگاروں کو- سو وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ کون متقی و پرہیزگار ہے اور کون نہیں؟ اور کس کا تقویٰ اور پرہیزگاری کس درجے کی ہے اور کون اس کی رضا و خوشنودی کے لئے نیک عمل کرتا ہے؟ اور کون دکھلاوے اور ظاہر داری کے لئے؟ یا دنیا کے کسی اور نفع اور فائدے کے پیش نظر؟ پس وہ اپنے اسی علم محیط و کامل کے مطابق ہر کسی کو اس کی جزا سے نوازے گا- سبحانہ وتعالیٰ- پس تم لوگ ہمیشہ اس سے اپنا معاملہ صاف اور صحیح رکھنے کی فکر اور کوشش کرتے رہا کرو- نیت کے اعتبار سے بھی اور عمل کے اعتبار سے بھی- اللہ توفیق بخشے- اَللّٰهُمَّ فَخُذْ بِنَوَاصِيْنَآ اِلٰى مَا فِيْهِ حُبُّكَ وَرِضَاكَ- سو اللہ تعالیٰ اپنے متقی اور پرہیزگار بندوں کو اچھی اور پوری طرح جانتا ہے۔ اور وہ فریضۂ جہاد سے پیچھے رہنے کی درخواست کبھی نہیں پیش کرتے بلکہ وہ اس میں شرکت اور اجر و ثواب کی کمائی کے مشتاق و متمنی اور اس کے خواہشمند رہتے ہیں- وباللہ التوفیق لقواہ سبحانہ وتعالیٰ-

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ

اللہ پر، اور قیامت کے دن پر، اور شک (کی دلدل) میں پڑے ہیں ان کے دل، پس یہ

فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ

اپنے شک میں ہی پڑے بھٹک رہے ہیں ١٠١ اور اگر واقعی ان کا نکلنے کا ارادہ ہوتا

لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ

تو یہ اس کے لئے کچھ نہ کچھ سامان تو ضرور تیار کرتے لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا پسند نہ تھا

فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٤٦﴾ لَوْ

تو اس نے بٹھا دیا ان (کے دلوں) کو، ١٠٢ اور کہہ دیا گیا (ان سے تکوینی طور پر) کہ بیٹھے رہو تم بیٹھنے والے (محروم) لوگوں کے ساتھ، ١٠٣

خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا اَوْضَعُوْا

اگر وہ تمہارے اندر شامل ہو کر نکلتے بھی تو تمہارے اندر خرابی کے سوا اور کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے، اور وہ ضرور دوڑ دھوپ کرتے

خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ

تمہارے درمیان فتنہ پردازی کی، ١٠٤ اور اب بھی تمہارے درمیان ان کے لئے سننے والے

١٠١ ایمان ویقین سے محرومی ہر خیر سے محرومی - والعیاذ باللہ :- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ دولتِ ایمان سے سرفرازی دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ و وسیلہ ہے اور اس سے محرومی - والعیاذ باللہ - ہر خیر سے محرومی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ آپ سے جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت تو بس وہی لوگ مانگتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔ اور وہ شک اور نفاق کی دلدل میں پھنسے پڑے ہیں۔ سو جہاد سے تخلف کی اجازت منافق لوگ ہی مانگتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں وہ نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے۔ معلوم ہوا کہ شک و نفاق کے مریض سکون و اطمینان کی دولت سے محروم ہوتے ہیں اور اس طرح اپنے کیے کی ایک نقد سزا ان کو یونہی اور یہیں اس دنیا ہی میں ملتی رہتی ہے کہ وہ سکون و اطمینان کی دولت سے محروم رہتے ہیں۔ اور سکون و اطمینان کی یہ دولت عقیدہ و ایمان کی مضبوطی و پختگی کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَّ شَرٍّ فِي الْعَقِيْدَةِ وَالْعَمَلِ - سو ایمان و عقیدہ کی دولت ایسی عظیم الشان دولت ہے جو انسان کو اللہ پاک کی توفیق و عنایت سے آخرت میں جنت کی نعیم مقیم سے سرفراز کرنے سے پہلے اس دنیا میں بھی امن و سکون اور اطمینانِ قلب کی دولت سے سرفراز کرتی ہے۔ اور اس سے انسان کو حیاتِ طیبہ [پاکیزہ زندگی] کی دولت ملتی ہے جس سے اسکو اس دنیا میں بھی جنت کی سی خوشی نصیب ہوتی ہے جبکہ اصل

اور حقیقی بدلہ ان کو آخرت کے اُس حقیقی اور ابدی جہاں میں ملے گا جو کہ "دار الجزاء" ہے۔ جبکہ دنیا کی یہ منزل "دار العمل" ہے۔ سو مومنِ صادق کا دل اس دنیا میں بھی مطمئن اور شاداں وفرحاں رہتا ہے اور راہِ حق میں ہر قربانی کو وہ باعثِ سعادت وسرفرازی سمجھتا ہے۔ جبکہ منافق اسکے برعکس ہمیشہ مذبذب اور ڈانواں ڈول ہی رہتا ہے اور منافقت کے روگ کی بناپر وہ سکون و اطمینان کی دولت سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو ایمان ویقین کی دولت دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ فالحمد للہ الذی شرفنا بنعمۃ الایمان والیقین۔ اللہم فزدنا منہ وثبتنا علیہ یا ذا الجلال والاکرام۔

۱۰۲ فسادِ نیت محرومی کی جڑ بنیاد۔ والعیاذُ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس نے ان کو بٹھا دیا ان کی اس بدنیتی اور خبثِ باطن کی بناء پر، جس کے نتیجے میں یہ لوگ اس کارِ خیر میں حصہ لینے کے قابل ہی نہ رہے۔ ان کے دل بیٹھ گئے۔ اور یہ ایسے عظیم الشان اجر وثواب سے محروم ہوگئے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ نیت کا فساد محرومی کی جڑ بنیاد ہے اور حسنِ نیت توفیق کی اصل واساس۔ جیسا کہ فرمایا گیا "نِیَّةُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ" ۔ فَوَفِّقْنَا یَا رَبَّنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی یَا مَنْ لَّاحَدَّ لِجُوْدِهٖ وَلَا نِهَایَةَ لِكَرَمِهٖ وَاِحْسَانِهٖ۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ان لوگوں کے اندر جہاد کے لیے اٹھنے کا ارادہ ہوتا تو یہ اس کے لیے کچھ نہ کچھ تیاری کرتے۔ پھر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق بھی مل جاتی لیکن ان کے اندر تو جہاد کے لیے کوئی ارادہ ہی سرے سے موجود نہیں تھا۔ اس لیے یہ جہاد کیلئے نکلنے کی سعادت وتوفیق سے محروم ہو گئے کہ اللہ کا دستور اور اسکی سنت یہی ہے کہ جو لوگ نیکی کمانے کے لیے اپنے ارادہ کو حرکت میں نہیں لاتے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق نہیں ملتی۔ والعیاذ باللہ۔

۱۰۳ بدنیتی کی ایک نقد سزا محرومی۔ والعیاذُ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہہ دیا گیا یعنی تکوینی طور پر کہ تم بیٹھ رہو بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ۔ یعنی بچوں، بوڑھوں اور عورتوں ومعذوروں کے ساتھ۔ کہ اپنی بدنیتیوں اور دوں ہمتیوں کے باعث کہ تم اس لائق ہو ہی نہیں کہ جہاد فی سبیل اللہ کے شرف سے مشرف ہو سکو جو کہ دارین کی سعادتوں کا ضامن وکفیل ہے۔ سو یہ بدنیتی اور سوءِ باطن کی ایک نقد سزا ہے جو انسان کو اس طرح کی محرومی کی شکل میں ملتی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو یہ توفیقِ خداوندی کے باب میں ایک سنتِ الٰہی کا ذکر وبیان ہے کہ جو لوگ کسی چیز کو دل سے نہیں چاہتے اور اس کا ارادہ نہیں کرتے تو ان کو اس سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ "تثبیط" کے معنیٰ کسی کو کسی کام سے روک دینے اور ہٹا دینے کے آتے ہیں۔

۱۰۴ ایمانِ صادق حفاظت و پناہ کا ذریعہ و وسیلہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر وہ تمہارے اندر شامل ہو کر اس سفر میں نکلتے بھی تو تمہارے اندر خرابی کے سوا اور کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے اور وہ تمہارے اندر فتنہ پردازی ہی کے لیے دوڑ دھوپ کرتے۔ پس تم۔ اے مسلمانو!۔ ان کے پیچھے رہ جانے سے افسوس کرنے کی بجائے خوش ہو جاؤ کہ "خس کم جہاں پاک" کے علاوہ تم ان کی شرانگیزیوں اور فتنہ رسانیوں سے بچ گئے ہو کہ انہوں نے تمہارے درمیان رہ کر بہر کیف شرانگیزی ہی کیلئے کوشش اور تگ ودو کرنا تھی۔ سو قدرت کے اس تکوینی فیصلے سے تم لوگ اے مسلمانو ان کی شرانگیزیوں سے بچ گئے۔ لہٰذا تم کو انکے پیچھے رہ جانے پر افسوس کرنے کی بجائے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اس میں مسلمانوں کیلئے تسلیہ وتسکین کا سامان ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مومنین صادقین کی بہتری کا انتظام اللہ پاک خود فرماتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو صدقِ ایمان دارین کی سعادت وسرخروئی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اور اسی سے انسان کے اندر قوت پیدا ہوتی اور اس کو کون ملتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔

لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا

موجود ہیں، ۱۰۵ اور اللہ خوب جانتا ہے ایسے ظالموں کو انہوں نے یقیناً اس سے

الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَاۗءَ

پہلے بھی فتنہ پردازی کرنا چاہی تھی، اور یہ الٹ پھیر کر چکے ہیں طرح طرح کی کارروائیوں کا آپ (کی ضرر رسانی) کے لئے،

الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ

یہاں تک کہ آ گیا حق، اور غالب ہو کر رہا اللہ کا حکم، اور یہ (جلتے اور) کڑھتے ہی رہے، اور ان میں سے

مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ

کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ مجھے اجازت دے دیجئے اور مجھے فتنے میں نہ ڈالئے، ۱۰۶ آگاہ رہو کہ فتنے میں تو

سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ اِنْ

یہ لوگ واقعی پڑ گئے ہیں، ۱۰۷ اور یقیناً جہنم نے پوری طرح گھیرے میں لے رکھا ہے کافروں کو، ۱۰۸ اگر

تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ

آپ کو کوئی اچھی حالت پیش آئے تو ان کو یہ امر برا لگتا ہے، اور اگر کوئی مصیبت پڑ جائے

يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا

تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو اپنا کام پہلے ہی ٹھیک کر لیا تھا، اور یہ لوٹتے ہیں

وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ

خوشیاں کرتے ہوئے، (ان احمقوں سے) کہو کہ ہمیں ہرگز نہیں پہنچتا مگر وہی کچھ جو کہ اللہ نے ہمارے لیے

۱۰۵ ﴿وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ﴾ کا مطلب؟:- یعنی تمہارے اندر اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو ان کے لئے جاسوسی کرتے ہیں۔ پس تمہیں ان سے محتاط اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ دوسرا مطلب اس ارشاد کا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمہارے درمیان کچھ سادہ لوح مسلمان اب بھی ایسے موجود ہیں جو ان منافقوں کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہیں۔

سو ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ ان کے نفاق کی علامات کھل کر تمہارے سامنے آ گئی ہیں۔ الفاظ و کلماتِ کریمہ کا عموم ان دونوں ہی مفہوموں کو عام اور شامل ہے اور یہ دونوں ہی اہم ہیں۔ اور ان میں اہلِ ایمان کو حزم و احتیاط سے کام لینے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے تاکہ وہ ان کے شرور و فتن سے محروم رہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔

۱۰۶ منافقوں کے منافقانہ عذر کا ایک نمونہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں مجھے اجازت دے دیجیے اور مجھے فتنے میں نہ ڈالیے۔ جیسا کہ بنو سلمہ کے ایک سردار جد بن قیس نے از راہِ نفاق تخلف کی اجازت مانگتے ہوئے حضورؐ سے کہا تھا کہ چونکہ میں عورتوں کے معاملے میں بہت کمزور شخص واقع ہوا ہوں۔ رومیوں کی گوری عورتوں کو دیکھ کر میں صبر نہیں کر سکوں گا۔ اس لئے مجھے پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دیں۔ (روح، قرطبی، جامع، محاسن، صفوہ وغیرہ)۔ سو یہ ان منافقوں کے منافقانہ اعذار کا ایک نمونہ تھا جس کا ارتکاب وہ لوگ کر رہے تھے۔ اور اس طرح وہ اپنے آپ کو چالاک سمجھ رہے تھے لیکن حقیقت میں یہی انکی حماقت تھی مگر ان کو اس کا احساس ہی نہیں۔ والعیاذ باللہ۔

۱۰۷ کفر و نفاق مت ماری کا باعث - والعیاذ باللہ: - سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کفر و نفاق سے انسان کی مت ماری جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ آگاہ رہو کہ ایسے لوگ فتنے میں فی الواقع پڑ چکے ہیں جو اپنی منافقت کی وجہ سے ایسے جھوٹے حیلے بہانے تراش تراش کر پیش کرتے ہیں کہ منافقت اور اس کی بناء پر جہاد سے پیچھے رہنے کے فتنے میں تو ان لوگوں نے خود اپنے آپ کو ڈال دیا۔ (صفوہ وغیرہ)۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَّفِتْنَةٍ - مگر وہ اسکو سمجھنے اور اس سے بچنے کی بجائے الٹا اسکو اپنی چالاکی سمجھ رہے تھے۔ سو یہی نتیجہ ہوتا ہے کفر و نفاق کی نحوست کا کہ اس سے انسان کی مت ایسی ماری جاتی ہے کہ وہ اپنے نقصان کو بھی اپنا نفع سمجھنے لگتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور یہ ایسا نقصان ہے کہ انسان اسکے دائرے اور پھیر سے نکل نہیں سکتا۔ کیونکہ جو مریض اپنے آپ کو بیمار کی بجائے صحیح اور صحت مند سمجھے اس کا علاج آخر کس طرح اور کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ اور وہ بیماری سے چھٹکارا آخر کیسے پا سکتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۰۸ کافر و منکر جہنم کے پھیر میں - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا اور کلماتِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ یقیناً جہنم نے کافروں کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ والعیاذ باللہ: کہ جس کفر میں یہ لوگ پڑے ہوئے ہیں وہی دوزخ ہے۔ جس نے ان کو اپنے گھیرے اور لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ مجاہدہ اور امتحان کے اس جہاں میں اس پر پردہ پڑا ہوا ہے جس سے آج وہ حقائق نظر نہیں آتے لیکن کل جب یہ کشفِ حقائق کے اس جہاں میں پہنچیں گے جو ابھی غیب کے پردے میں ہے تو وہاں پر یہ پوشیدہ آگ ظاہر ہو کر ان کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ اور ایسی اور اس طور پر کہ اس سے بچنے اور نکلنے کی پھر کوئی صورت ان کیلئے ممکن نہ ہوگی۔ اور یہی ہے وہ انجام جو سب سے برا اور نہایت خوفناک انجام ہوگا۔ سو کفر و شرک ہلاکتوں کی ہلاکت ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

اللّٰہُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

لکھ رکھا ہے۔ ف۱۰۹ وہی ہمارا کارساز ہے، اور اسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے،

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى

سب ایمانداروں کو، ف۱۱۰ (ان سے) کہو کہ تم لوگ ہمارے بارے میں انتظار نہیں کرتے مگر دو بھلائیوں

۱۰۹ تقدیر کے لکھے نے بہرحال ہوکر رہنا ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ ہمیں ہرگز نہیں پہنچتا مگر وہی کچھ جو کہ قدرت نے ہمارے لیے لکھ رکھا ہے کہ لکھے ہوئے نے بہرحال ہوکر رہنا ہے۔ یعنی جو لکھا ہے لوحِ محفوظ میں۔ اور جو وہاں لکھا ہوگا وہ بہرحال ہوکر رہے گا۔ کسی کے خوش یا ناخوش ہونے سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پس تمہارا خوش ہونا دراصل تمہاری اپنی ہی حماقت کی دلیل ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - (جامع البیان، محاسن التاویل وغیرہ)۔ کیونکہ تقدیر کے لکھے نے بہرحال ہوکر رہنا ہے۔ اس میں کسی کا کوئی دخل اور اختیار نہیں۔ سو خدا نے جو کچھ ہمارے لیے لکھ رکھا ہے وہ بہرحال ہوکر رہے گا۔ وہ کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتا۔ اور اس نے جو کچھ ہمارے لیے لکھ رکھا ہے اسی میں ہماری بہتری ہے کہ وہ ہمارا مولیٰ ہے۔ پس اس نے ہمارے لیے جو کچھ لکھ رکھا ہے اسی میں ہماری بہتری ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ سو مومن کی ہر حالت خیر ہی خیر ہے۔ اور اس کا دل ہر حال میں مطمئن ہی رہتا ہے- والحمد للہ جل وعلا-

۱۱۰ ایمان کا تقاضا کہ بھروسہ اللہ ہی پر ہو:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر و تاکید کے انداز و اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو کہ ایمانِ صادق کا تقاضا یہی ہے کہ بھروسہ و اعتماد اسی وحدہٗ لاشریک پر کیا جائے کہ سب کچھ اُسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے اُسی کے اشارہ و ارشاد سے ہوتا ہے کہ وہی ہے جو اس ساری کائنات کا خالق و مالک بھی ہے اور اس میں حاکم و متصرف بھی- سبحانہٗ و تعالیٰ- مگر افسوس کہ آج کے کلمہ گو مسلمان کا حال اس سے مختلف بلکہ اس کے برعکس ہے کہ کہیں اس کا بھروسہ و اعتماد ظاہری اور مادی اسباب و وسائل پر ہے اور کہیں کسی زندہ یا مردہ انسان پر۔ کہیں کسی جے قبے اور بنی ٹھنی قبر پر اور کہیں کسی خود ساختہ اور من گھڑت ''سرکار'' پر وغیرہ وغیرہ۔ اسی لئے وہ غیر اللہ کو طرح طرح کے ناموں سے پکارتا ہے۔ ان کے نام کی نذریں مانتا، نیازیں دیتا چڑھاوے چڑھاتا، ان پر چادریں ڈالتا، جھنڈے لگاتا، کپڑے چیتھڑے باندھتا، قبروں کو دھوتا، غسل دیتا، ان کو چومتا چاٹتا، سلامیاں دیتا اور ڈالیاں پیش کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ جب کہ اللہ پاک صاف وصریح طور پر اور حصر و تاکید کے ساتھ فرماتا ہے کہ ایمان والوں کو صرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے- فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکیٰ وَھُوَ الْمُسْتَعَان - بہرکیف یہاں پر صاف اور صریح طور پر ارشاد فرما دیا گیا کہ ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے کہ سچے ایمان و یقین کا تقاضا یہی ہے۔ ورنہ محض زبانی کلامی دعووں کا کچھ فائدہ نہیں- والعیاذ باللہ- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے- آمین۔

اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ

میں سے ایک کا، ۱۱۱ جب کہ ہم تمہارے بارے میں اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ تم پر واقع کر دے

بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖؗ فَتَرَبَّصُوْۤا

کوئی عذاب (براہِ راست) اپنی طرف سے، ۱۱۲ یا ہمارے ہاتھوں سے دلوائے، سو تم بھی انتظار کرو

اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ

ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہیں ۱۱۳ (ان سے) کہو کہ خواہ تم لوگ خوشی سے خرچ کرو، یا

كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا

ناگواری سے، بہرحال تم سے کسی بھی قیمت پر قبول نہیں کیا جائے گا، کہ تم لوگ پکے بدکردار

فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ

لوگ ہو ۱۱۴ اور ان کے دیئے ہوئے مال قبول نہ ہونے کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ انہوں نے

اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ

کفر کیا اللہ (جل شانہ) کے ساتھ، اور اس کے رسولِ (برحق) کے ساتھ، اور (اس باطنی کفر کی ظاہری علامات

۱۱۱ مومن کی ہر حالت خیر ہی خیر ہے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ تم لوگ ہمارے لیے دو بھلائیوں میں سے ایک کا ہی انتظار کرتے رہو۔ یعنی یا فتح وظفر کی، جس میں عزت وعظمت بھی ہے اور دولت وغنیمت بھی۔ اور یا قتل وشہادت کی، جس پر اللہ پاک کے فضل وکرم سے جنت کی دائمی اور سدا بہار نعمتیں ملیں گی۔ سو ناکامی تو ہمارے لئے ہے ہی نہیں۔ پھر تمہارے لئے ہمارے بارے میں کسی مسرت وشادمانی کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے؟ -سبحان اللہ! - ایمان وعقیدہ کی دولت بھی کیسی عظیم دولت ہے کہ اس کے بعد ایک مومنِ صادق کے لئے کامیابی ہی کامیابی ہے - فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ شَرَّفَنَا بِهٰذِهِ النِّعْمَةِ الْعُظْمٰى وَالسَّعَادَةِ الْقُصْوٰى- فَزِدْنَا اللّٰهُمَّ اِيْمَانًا وَّ يَقِيْنًا- سو مومن کی ہر حالت خیر ہی خیر کی ہے۔ ناکامی اور محرومی اسکے لیے ہے ہی نہیں۔ اگر اس کو نعمت ملے گی تو اس پر وہ حق تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا جس سے وہ اس کے لیے خیر بن جائے گی۔ اور اگر کوئی تکلیف پیش آئے گی - والعیاذ باللہ - تو اس پر وہ صبر کرے گا جس سے وہ اس کے لیے خیر بن جائے گی - فالحمد للہ-

۱۱۲ اللہ کا عذاب کبھی براہِ راست اللہ کی طرف سے - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ ہم

تمہارے بارے میں اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ تم پر براہِ راست اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیج دے۔ جیسے زلزلہ، سیلاب، طوفان یا آسمان سے نازل ہونے والی کوئی دوسری بلا۔ جیسا کہ پہلی قوموں سے ہو چکا ہے اور آج بھی جگہ جگہ اور طرح طرح سے ہوتا رہتا ہے۔ زلزلوں، سیلابوں اور طوفانوں وغیرہ کی صورت میں ہوتا رہتا ہے، جن کے ذریعے دیکھتے ہی دیکھتے شہروں کے شہر تباہ و برباد ہوجاتے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- بہرکیف اس سے کافروں کو اہلِ ایمان کی طرف سے جواب دیا گیا کہ مومن جب اللہ کی راہ میں لڑتا ہے اور فتح و نصرت سے سرفراز ہوتا ہے تو دنیاوی عزت وعظمت اور مال و دولت سے سرفرازی کے ساتھ غازی بن کر لوٹتا ہے۔ اور اگر مارا گیا تو شہید بن کر اپنی حقیقی مراد کو پہنچ جاتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس کافروں کے لیے ہر حال میں خسارہ ہی خسارہ ہے کہ ان کو یا تو کبھی اللہ کی طرف سے براہِ راست کسی عذاب میں دھرلیا جاتا ہے یا اہلِ ایمان کے ہاتھوں کسی رسوا کن عذاب سے دوچار کیا جاتا ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے- آمین-

۱۱۳ **کفار کو عذاب اہلِ ایمان کے ہاتھوں:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ یا اللہ تم لوگوں کو کوئی عذاب دے دے ہمارے ہاتھوں۔ جیسے قتل، قید اور کوئی ذلت آمیز شکست وغیرہ۔ سو ہم لوگ تمہارے بارے میں اس طرح کے کسی انجامِ بد کے منتظر ہیں جس سے تم نے اپنے کفر و انکار کی بناء پر بہرحال مبتلا ہونا ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- پس تم لوگ بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار میں ہیں وقت آنے پر اصل حقیقت خود تمہارے سامنے آجائے گی۔ سو کفر و انکار ہلاکت و تباہی کی اساس اور خرابی و فساد کی جڑ بنیاد ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔ تسلیم کرے یا نہ کرے۔ اور کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے حق اور حقیقت بہرحال یہی ہے- والعیاذ باللہ العزیز- کہ کفر و انکار کی راہ بغاوت و سرکشی کی راہ ہے جس کا نتیجہ وانجام بہرحال برا ہے۔ خواہ وہ کبھی بھی اور کسی بھی صورت میں سامنے آئے- والعیاذ باللہ العظیم- سو عقل و خرد کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کفر و انکار اور بغاوت و سرکشی کی راہ و روش کو ترک کرکے دین و ایمان کی راہ کو اپنائے جو کہ سلامتی و نجات کی راہ ہے اور جس میں انسان کے لیے دنیا و آخرت کا بھلا ہے- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید- سبحانہ وتعالیٰ-

۱۱۴ **منافق کا اِنفاق کبھی قبول نہیں ہوگا:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ تم لوگ خواہ خوشی سے خرچ کرو یا ناگواری سے بہرحال تم سے کبھی قبول نہیں کیا جائے گا کہ تم لوگ پکے بدکار ہو۔ پس ایسے منافقوں کا انفاق کبھی قبول نہیں ہوگا۔ نہ تو اس میں اِخلاص ہے اور نہ ہی رضاءِ الٰہی کا قصد۔ اور اس طرح کا کوئی بھی صدقہ و انفاق قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ یہ آیتِ کریمہ نازل تو اگرچہ منافقین کے بارے میں ہوئی مگر حکم اس کا عام ہے کہ جس صدقہ وخیرات میں بھی رضاءِ الٰہی مقصود نہ ہو وہ قابلِ قبول نہیں۔ خواہ وہ کہیں بھی ہو اور کسی کی طرف سے بھی ہو۔ (جامع البیان وغیرہ) کہ اس کی بارگاہِ اقدس واعلیٰ میں وہی چیز شرفِ قبولیت پا سکتی ہے جس میں صدق و اِخلاص پایا جاتا ہو۔ اور جو بذاتِ خود ہو بھی حلال اور پاکیزہ۔ پھر وجہ اسکی یہ بیان فرمائی گئی کہ یہ لوگ فاسق ہیں۔ اور فاسق ''فسق'' سے ماخوذ ہے اور فسق کے معنیٰ خروج کے آتے ہیں'' خروج عن الطاعۃ''۔ اور یہ کفر کو بھی شامل ہے- والعیاذ باللہ العظیم- سو اللہ تعالیٰ کے یہاں شرفِ قبولیت سے سرفرازی کے لیے صدق واخلاص اولین اساس و بنیاد ہے- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید-

الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ

یہ ہیں کہ) یہ لوگ نماز پڑھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے، ؁۱۱۵ اور یہ خرچ کرتے ہیں تو ناگواری کے

كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ط

بوجھ تلے دبے ہوئے، ؁۱۱۶ پس تعجب میں نہ ڈالنے پائیں آپ کو ان لوگوں کے مال، اور نہ ہی ان کی اولادیں،

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

سوائے اس کے نہیں کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کو عذاب دے انہی چیزوں کے ذریعے ؁۱۱۷ دنیا کی زندگی میں،

وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُوْنَ

اور ان کا دم نکلے تو کفر ہی کی حالت میں نکلے، اور یہ لوگ

بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ط وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ

خدا کی قسمیں کھا کھا کر تمہیں یقین دلاتے ہیں ؁۱۱۸ کہ یہ تم ہی لوگوں میں سے ہیں، حالانکہ یہ تم میں سے نہیں ہیں، بلکہ اصل بات

۱۱۵ منافقوں کی دو خاص علامتوں کا ذکر: - یعنی ادائیگی نماز میں سستی و ریاکاری اور انفاق فی سبیل اللہ میں ثقل و ناگواری - والعیاذ باللہ - سو ایمان و یقین کی دولت سے محرومی کا نتیجہ و انجام یہی ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں کوئی شخص محض اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے کسی کام کے کرنے کا حوصلہ اور ہمت ہی نہیں پا سکتا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف اس آیت کریمہ میں منافقوں کی دو علامتیں ذکر فرمائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ نماز پڑھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے۔ اور دوسری یہ کہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو ناگواری کے ساتھ۔ سو اس میں ایک طرف تو یہ درسِ عبرت ہے کہ ایمان و عقیدہ کی محرومی کے بعد منافقانہ ایمان کا یہی حال ہوتا ہے کہ عبادات میں کسی لذت و سرور کا کوئی سوال باقی نہیں رہ جاتا۔ بلکہ ایسے میں عبادات کی ادائیگی محض ایک رسم بن کر رہ جاتی ہے جسے ایسے لوگوں کو بادلِ نخواستہ ایک بوجھ کے طور پر بجالانا پڑتا ہے - والعیاذ باللہ - اور دوسری طرف اس میں اہلِ ایمان کے لیے یہ درس ہے کہ وہ اس طرح کی منافقانہ روش سے بچ کر رہیں - وباللہ التوفیق - اللہ تعالیٰ کفر و نفاق کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - آمین۔

۱۱۶ منافقانہ ایمان کا اثر و نتیجہ: - سو اس سے منافقانہ ایمان کے اثر و نتیجہ کو ظاہر فرما دیا گیا۔ یعنی نماز میں سستی و ریاکاری اور انفاق فی سبیل اللہ میں بخل و ناگواری اور ظاہر ہے کہ جب اس کے اجر و ثواب کا انہیں یقین ہی نہیں تو پھر یہ خوش دلی اور رضاء و رغبت سے خرچ کر ہی کس طرح سکتے ہیں؟ سو دولتِ ایمان و یقین سے محرومی کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ اس کے بعد نہ کسی عبادت میں کوئی لذت نصیب ہو سکتی ہے اور نہ زندگی کا سرور۔ سو ایسے محروم اور بدبخت لوگ

محض مارے باندھے یا دکھلاوے اور نمائش کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ سو اس طرح کے انفاق کی اللہ تعالیٰ کے یہاں نہ کوئی وقعت ہوسکتی ہے اور نہ کسی طرح کی کوئی قدر و قیمت۔ اس غنی مطلق کی شانِ اقدس و اعلیٰ بہت ہی بلند اور اعلیٰ و بالا ہے۔ اس کے یہاں تو وہی پاکیزہ چیز قبول ہوسکتی ہے اور شرفِ قبولیت سے سرفراز و بہرہ ور ہوسکتی ہے جو سچے ایمان اور صدق و اخلاص کے ساتھ ہو۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید۔

۱۱۷ اہلِ کفر و باطل کا مال و دولت اُن کیلئے باعثِ عذاب و وبال: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ دولت ایمان و یقین سے محروم ان لوگوں کے اموال اور انکی اولادوں سے تم لوگوں کو تعجب میں نہیں پڑنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ ان لوگوں کو انہی چیزوں کے ذریعے سزا دے۔ دنیا کی زندگی میں اور ان کی جان نکلے تو کفر ہی کی حالت میں نکلے - والعیاذ باللہ العظیم - کہ اول تو یہ لوگ اُس مال و دولت کے حصول میں طرح طرح کے پاپڑ بیلتے اور پریشانیاں اٹھاتے ہیں۔ پھر ان مالوں کی حفاظت اور بڑھوتری کے لئے یہ قسما قسم کے جتن کرتے ہیں۔ اور پھر اس مال و دولت کے ضیاع اور نقصان کے سلسلے میں ہمیشہ لگے رہنے والے دھڑکے کی بناء پر یہ ہمیشہ تکلیف میں رہتے ہیں وغیرہ۔ (المراغی، الصفوۃ وغیرہ)۔ اور آخرت کا حساب الگ ہے۔ اور ان سب سے بھی بڑھ کر یہ کہ یہ اموال ان کے تکبر و غرور کے اضافے کا باعث بن کر ان کو حق و صداقت کے نور سے اور دور اور محروم کر دیتے ہیں جو کہ سب سے بڑا خسارہ ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - بہرکیف مال اور اولاد کی دونوں نعمتیں قدرت کی دو عظیم الشان نعمتیں ہیں۔ اگر انسان کا دین و ایمان اور قلب و باطن درست ہو تو وہ ان کے ذریعے اپنی دنیا بھی بنا سکتا ہے اور آخرت بھی۔ اور اپنے صدق و اخلاص کے ذریعے مال و اولاد کی ان نعمتوں سے اپنی دنیا بھی بنا سکتا اور آخرت بھی اور ان کے ذریعے وہ مراتبِ عالیہ سے سرفراز ہوسکتا ہے۔ اور جب وہ ایمان و یقین کی دولت سے محروم ہوتا ہے تو اس کے مال و اولاد ترقی و عروج کی کمندوں کی بجائے غلامی و تنزل کے پھندے بن جاتے ہیں اور اس کو عروج مدارجِ عالیہ سے بہرہ ور کرنے کی بجائے اس کو قعرِ مذلت سے ہمکنار کر کے چھوڑتے ہیں۔ اور ایسے لوگ دارَین کے عذاب میں مبتلا ہو کر رہتے ہیں - والعیاذ باللہ -

۱۱۸ زیادہ قسمیں کھانا منافقوں کی نشانی ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر تم لوگوں کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ قسمیں کھا کھا کر اپنے آپ کو اہلِ حق کی جماعت میں سے ثابت کرنے کی کوشش کرنا فرزندانِ باطل کا پرانا طریقہ ہے جو قدیم زمانے سے اب تک موجود ہے۔ چنانچہ آج بھی آپ دیکھیں گے کہ اہلِ رفض و بدعت اور دوسرے باطل پرست اسی طرح کرتے ہیں۔ لہٰذا اس موقع پر اہلِ بدعت کے ''شیخ التفسیر'' کی ہرزہ سرائی خود اسی کے خلاف پڑتی ہے - جَعَلَ اللّٰہُ کَیْدَھُمْ فِیْ نُحُوْرِھِمْ - بہرکیف اس ارشاد سے منافقین کی ایک نفسیاتی کیفیت کو اجاگر فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنے اندرونی چور کی بناء پر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر مسلمانوں کو یقین دلانے اور مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم تم ہی میں سے ہیں۔ اس لیے آپ لوگ ہم پر اعتبار کرو وغیرہ وغیرہ۔ جبکہ مومن صادق کو اپنے صدقِ باطن کی بنا پر اس کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ سو صدقِ ایمان سعادتوں کی سعادت ہے - والحمد للہ -

قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿٥٦﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ

یہ ہے کہ یہ لوگ ڈرتے ہیں، (اور یہ مجبور ہیں ورنہ) اگر ان کو مل جائے کوئی پناہ گاہ، یا کوئی غار،

اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَ مِنْهُمْ

یا کوئی گھس بیٹھنے کی جگہ ہی، تو یہ اس کی طرف سرپٹ دوڑ پڑیں، ۱۱۹ اور ان میں سے

مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ج فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا

کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ پر (اے پیغمبر!) عیب لگاتے ہیں صدقات کے بارے میں، ۱۲۰ اگر ان کو ان میں سے (ان کی

رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿٥٨﴾

مرضی کے مطابق) کچھ مل جائے تو یہ خوش ہو جاتے ہیں، اور اگر نہ ملے تو یہ لوگ یکایک بگڑ جاتے ہیں، ۱۲۱

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۙ

اور اگر یہ راضی ہو جاتے اس پر جو ان کو عطا فرمایا تھا اللہ نے اور اس کے رسول نے، ۱۲۲

۱۱۹ منافقوں کی گھٹن اور ان کے باطن کی کیفیت کا ذکر: -سو ان لوگوں کے باطن کی گھٹن کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ان کو کوئی پناہ گاہ مل جائے یا کوئی غار یا کہیں گھس بیٹھنے کی کوئی جگہ ہی میسر آ جائے تو یہ سرپٹ اس کی طرف دوڑ پڑیں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی معاشرے کے درمیان یہ لوگ کس قدر گھٹن اور تنگی کی زندگی گزارتے ہیں اور اسلام کو پھلتا پھولتا دیکھ کر ان کے دل و دماغ پر کیا گزرتی ہے اور ان کو ذہنی طور پر کس قدر کوفت و کرب میں مبتلا رہنا پڑتا ہے۔ یہ بھی قرآنِ حکیم کا ایک عظیم معجزہ ہے کہ اس نے ان کے باطن کی کیفیت کو اس طرح واضح و آشکارا کر دیا۔ اور یہ اُسی ذاتِ اقدس و اعلیٰ کی شان ہو سکتی ہے جو کہ ﴿عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ ہے۔ سو ایمان و یقین کی دولت سے انسان کو امن و سکون کی دولت نصیب ہوتی ہے اور وہ ہر حال میں مطمئن اور پر سکون رہتا ہے۔ جبکہ ایمان و یقین کی دولت سے محرومی کے نتیجے میں انسان سکون و اطمینان سے محروم رہتا ہے اور وہ اپنے باطن میں ہر وقت ایک گھٹن اور کرب میں مبتلا ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۲۰ منافقوں کے نفاق کا ایک مظہر اللہ کے رسول پر اعتراض: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ پر بھی اے پیغمبر عیب لگاتے ہیں صدقات کے بارے میں۔ جیسا کہ بخاری و مسلم وغیرہ کی روایت کے مطابق حضرت ابو سعید خدری- رضی اللہ عنہ- سے مروی ہے کہ نبیء اکرم- صلی اللہ علیہ وسلم- مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو ذوالخویصرہ نامی بنو تمیم کے ایک شخص نے آ کر آپؐ سے کہا کہ "انصاف سے کام لو اے اللہ کے رسول!" تو

آپؐ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ "تمہاری کم بختی اگر میں بھی انصاف نہیں کرتا تو پھر اور کون کرے گا؟" "وَيْلَكَ فَمَنْ يَّعْدِلُ اِنْ لَّمْ اَعْدِلْ" - الیٰ آخر الحدیث - (بخاری، کتاب الادب، مسلم، کتاب الزکوٰۃ)۔ بعد میں یہی شخص خارجیوں کا ایک بڑا سرغنہ بن کر نکلا اور آخرِ کار حضرت علی - رضی اللہ عنہ - کے ہاتھوں قتل ہو کر اپنے انجام کو پہنچا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو یہاں سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر نبی اور نبیوں کے امام بھی ایسے بدبختوں کے طعن و تشنیع سے نہیں بچ سکے تو اور کون بچ سکتا ہے؟ - فَاِلَى اللّٰهِ نُفَوِّضُ اُمُوْرَنَا وَهُوَ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ - پس بندے کی کوشش یہی ہونی چاہیے کہ میرا معاملہ میرے خالق و مالک سے ٹھیک رہے کہ اصل چیز یہی ہے۔ اسکے درپے نہ ہو کہ سب لوگ مجھے اچھا کہیں کہ ایسا نہ کبھی ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید -

۱۲۱ ابنائے دنیا کا مطمحِ نظر دنیا کا متاعِ فانی اور حطامِ زائل اور بس: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ان کو متاعِ دنیا کے حطامِ زائل میں سے کچھ مل گیا تو یہ راضی اور اگر نہ ملے تو یہ بگڑ جاتے ہیں۔ سو یہ ہے ابنائے دنیا کی وہ خود غرضانہ و مادہ پرستانہ ذہنیت جو جب سے اب تک ان کے اندر قدرِ مشترک کے طور پر برابر اور پوری طرح موجود و کارفرما ہے کہ اگر دنیائے دوں کا فائدہ مل گیا تو سب ٹھیک۔ ورنہ سب غلط۔ کہ ان کے یہاں اصل چیز اسی دنیا کا حطامِ زائل ہے اور بس۔ ایسے لوگ اسی کیلئے جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ اور اسکے مظاہر اور نمونے جگہ جگہ اور طرح طرح سے نظر آتے ہیں۔ بہرکیف اس میں منافقین کے طمع اور لالچ کا حال بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر ان لوگوں کو اللہ کے رسول کی طرف سے صدقات میں سے مال مل جاتا ہے تو یہ لوگ راضی ہو جاتے ہیں۔ اور اگر اس میں کچھ کمی ہو جائے تو یہ بگڑ جاتے ہیں اور روٹھ کر طرح طرح کی عیب جوئی اور بدگوئی میں لگ جاتے ہیں اور یہی آج ہے - والعیاذ باللہ العظیم -

۱۲۲ دینے بخشنے والا سب کو اللہ تعالیٰ ہی ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ راضی ہو جاتے اس پر جو ان کو عطا فرمایا تھا اللہ نے اور اس کے رسول نے تو یہ بہتر ہوتا ان کے لیے۔ سو دینے والا تو اللہ ہی ہے مگر اللہ پاک کی اس عطاء و بخشش کی تقسیم تو بہرحال ہوگی اس کے رسول ہی کے ذریعے - علیہ الصلوٰۃ والسلام - اس لئے اس کی نسبت آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کی طرف بھی فرما دی گئی۔ ورنہ دینے والا تو حقیقت میں اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - کفایت بہرحال اسی کی ہے۔ جیسا کہ اس کے متصل بعد فرمایا گیا ﴿قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ﴾ اور دوسری جگہ فرمایا گیا ﴿حَسْبِيَ اللّٰهُ﴾ نیز فرمایا گیا ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ﴾ سو آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کی طرف یہ نسبت آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے اعتبار سے ہے جبکہ آپؐ بذاتِ خود اپنے دستِ مبارک سے اموالِ غنیمت و فے اور صدقات وغیرہ تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ جیسا کہ تمام ثقہ مفسرینِ کرام نے لکھا ہے کہ یہ لوگ یوں کہتے کہ آئندہ جب اللہ پاک اموالِ غنیمت وغیرہ سے نوازے گا تو اللہ کے رسول ان اموال میں سے ہمیں عطا فرما دیں گے۔ (ابنِ جریر، قرطبی، مدارک، خازن، ابنِ کثیر، المنار، المظہری وغیرہ)۔ پس اس سے حیاتِ دنیا کے بعد آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کی اعانت و امداد پر استدلال کرنا اور مافوق الاسباب استعانت و استمداد کے شرکیہ عقیدے کے لئے دلیل کشید کرنا جس طرح کہ اہلِ بدعت اور دوسرے اہلِ زیغ و ضلال کرتے ہیں، باطل و مردود ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - کہ مافوق الاسباب نصرت و امداد اللہ تعالیٰ ہی کی صفت و شان ہے۔ اس میں اس کا کوئی بھی شریک و سہیم نہیں - سبحانہٗ وتعالیٰ -

وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

اور کہتے کہ کافی ہے ہم کو اللہ، ف ۱۲۳ عنقریب ہی اللہ ہمیں (اور بھی بہت کچھ) دے گا اپنے فضل سے

وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّمَا ع ۱۴

اور اس کا رسول بھی، بے شک ہم اللہ ہی کی طرف رغبت رکھنے والے ہیں (تو یہ خود انہی کے لئے بہتر ہوتا) ف ۱۲۴ سوائے اس کے

الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا

نہیں کہ یہ صدقات حق ہیں، فقیروں، مسکینوں، اور ان کارکنوں کا، جو ان (کے جمع کرنے) پر مقرر ہیں،

۱۲۳ کفایت سب کیلئے اللہ ہی کی ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ یوں کہتے کہ کافی ہے ہم کو اللہ تو یہ یقیناً بہتر ہوتا خود ان کے لیے۔ یعنی ظاہری اسباب کے درجے میں کسی سے کچھ لینا دینا الگ بات ہے مگر کفایت دراصل اللہ کی اور صرف اللہ ہی کی ہے کہ دینے والی حقیقت میں وہی ذات وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو اس سے اہل بدعت کے تمام شرکیہ مفروضوں کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ پس اسباب کے درجے میں کسی سے کچھ لینا مانگنا اگرچہ جائز ہے کہ یہ دنیا ہے ہی دارالاسباب لیکن اس میں بھی اعانت و امداد اور نصرت وکفایت اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی ہوتی ہے کہ اسباب میں تاثیر اسی کی قدرت و عنایت کی رہینِ منت ہے۔ لیکن خلافِ اسباب اور مافوق الاسباب مدد اُس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی سے ممکن ہی نہیں۔ اور کسی میں اس طرح کی تاثیر ماننا شرک ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ پس جو لوگ کسی مرے ہوئے انسان سے یا کسی غائب سے مانگتے ہیں وہ شرک کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۱۲۴ عطا و بخشش اللہ ہی کا کام اور اُسی کی شان ہے:- اور رسولؐ کا دینا چونکہ اللہ پاک کے حکم و ارشاد کے مطابق ہی ہوتا ہے اس لئے درحقیقت وہ اللہ ہی کا دینا ہوتا ہے۔ اسی لئے شروع میں اللہ پاک کا ذکر فرمایا گیا۔ (جامع البیان)۔ یعنی اگر یہ لوگ اللہ پاک کی بخشش وعطاء اور رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کی تقسیم وتوزیع پر راضی ہو جاتے تو یہ خود ان ہی کے لئے بہتر ہوتا۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو دینے اور بخشنے والی ذات تو اللہ پاک ہی کی ذات ہے۔ رسول کا کام صرف اسکو تقسیم فرمانا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک اور ارشادِ عالی میں آپؐ نے خود اسکی تصریح فرمائی "اِنَّمَآ اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِىْ" یعنی "میرا کام تو صرف تقسیم کرنا ہے دیتا تو اللہ ہی ہے"۔ بہرکیف یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مومنِ صادق کی صفت وشان یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ پاک کی بخشش وتقسیم پر ہر حال میں راضی اور مطمئن رہے۔ اپنے بس کی حد تک کوشش اور محنت تو وہ ضرور کرے مگر اس کے بعد کا معاملہ اللہ پاک کے حوالے کر دے کہ اس کی طرف سے جو بھی کچھ ہوگا بہتری اسی میں ہے۔ مومنِ صادق کا کام اور اسکی شان تسلیم ورضا ہے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اس سے سرفراز وسرشار رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَ

اور اُن کے لیے کہ جن کی دلجوئی کرنی ہوتی ہے، اور گردنوں کے چھڑانے، اور قرضداروں کی مدد میں،

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ

اللہ کی راہ میں، اور مسافر نوازی میں، اللہ کی طرف سے مقرر کردہ فریضہ کے

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ

طور پر، ف۱۲۵ (اس کو ادا کرو) اور اللہ بڑا ہی علم والا، نہایت ہی حکمت والا ہے، اور ان میں سے کچھ ایسے

يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ

بھی ہیں جو ایذاء پہنچاتے ہیں اللہ کے پیغمبر کو اور کہتے ہیں کہ یہ صاحب تو بس نرے کان ہیں، ف۱۲۶ (ان سے) کہو کہ وہ کان ہیں

خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

خیر کے تمہارے لئے، ف۱۲۷ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر، اور اعتماد کرتے ہیں ایمانداروں پر، ف۱۲۸

۱۲۵ زکوٰۃ اللہ کا مقرر فرمودہ فریضہ ہے: - جس میں نہ کسی نبی کا کوئی اختیار ہے نہ کسی اور کا۔ جیسا کہ حضرت نبیٔ معصوم -علیہ الصلوۃ والسلام- نے خود اپنی زبانِ صدق ترجمان سے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ چنانچہ سننِ ابوداؤد وغیرہ میں حضرت زیاد بن حارث- رضی اللہ عنہ- سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا "اَعْطِنِيْ مِنَ الصَّدَقَةِ" "صدقہ سے مجھے بھی کچھ دیجئے"۔ تو آپؐ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ صدقات کے بارے میں اللہ پاک نے نہ نبی کو کوئی اختیار دیا ہے اور نہ کسی اور کو بلکہ ان کیلئے تمام مصارف خود ہی متعین فرما دیئے ہیں اور ان کو آٹھ حصوں پر تقسیم فرما دیا ہے۔ سو اگر تم ان آٹھ قسموں میں سے کسی میں آتے ہو تو تمہیں بھی تمہارا حق دے دیا جائے گا۔ (ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ باب من یعطی من الصدقۃ وحد الغنی) -سبحان اللہ- لسانِ نبوت سے کس صراحت و وضاحت سے اپنی شانِ عبدیت کا اظہار و اعلان فرمایا جا رہا ہے۔ مگر اس کے باوجود کلمہ گو مشرک کہتا ہے کہ نبی مختارِ کل ہوتا ہے۔ جو چاہے کرے- فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى -بہرکیف زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر فرمودہ فریضہ ہے جس میں کسی کی بیشی یا تغیر و تبدیلی کا حق کسی کو بھی نہیں۔ پھر یہ حصے چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر فرمائے گئے ہیں جو کہ "علیم وحکیم" ہے یعنی کامل علم اور بے پایاں حکمت والا۔ اس لیے اس کے کسی حکم و ارشاد کا کوئی متبادل ممکن ہی نہیں ہو سکتا- سبحانہٗ وتعالیٰ- اور بندے کی بندگی کا تقاضا بلا چون وچرا اس کی تعمیل کرنا ہے- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید-

۱۲۶ ﴿هُوَ اُذُنٌ﴾ کا مطلب؟: - یعنی یہ ایسے ہیں کہ جو سنا، مان لیا۔ پس ہماری یہ باتیں اگر ان کو پہنچ بھی

گئیں تو ہم ان کے سامنے قسمیں کھا کر اپنی صفائی پیش کر دیں گے اور ان کو منوالیں گے۔ یہ باتیں منافق لوگ آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- کے بارے میں اپنی مجلسوں میں کیا کرتے تھے۔ اور وجہ اس کی یہ تھی کہ نبی اکرم -صلی اللہ علیہ وسلم- اپنے کریمانہ اخلاق کی بناء پر ان لوگوں کی بری باتوں سے درگزر فرما لیتے۔ کوئی گرفت نہ فرماتے۔ تو اس سے یہ بد باطن لوگ اس سے ایسے مطلب نکالتے اور اس کی طرح باتیں چھانٹتے اور اس طرح اپنی بدبختی میں اضافے کا سامان کرتے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- بہرکیف ان بدبختوں کا آنحضرت کے بارے میں کہنا تھا کہ ''یہ صاحب تو نرے کان ہیں''۔ ہر کسی کی بات سن کر اس پر اعتبار کر لیتے ہیں۔ یعنی یہ کان کے کچے ہیں۔ ہر ایرے غیرے کی بات سن کر مان لیتے ہیں- والعیاذ باللہ من کل زیغ وضلال وسوء وانحراف-

۱۲۷ پیغمبر کا وجود سراسر رحمت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ تمہارے لیے خیر کے کان ہیں کہ تمہاری بھلائی کی بات ہی مانتے ہیں نہ کہ برائی کی۔ جو کہ ایک طرف تو آپؐ کے قلبِ مطہر کی انتہائی صفائی کی دلیل ہے اور دوسری طرف تم سب کے لئے رحمت و بھلائی کی علامت بھی۔ مگر تم لوگ اپنے سوءِ باطن کی بنا پر اس کا غلط مطلب لیتے ہو۔ سو یہ تمہاری اپنی کور ذوقی اور کج فطرتی ہے ورنہ پیغمبر کا وجود تو سراسر رحمت ہے مگر تم لوگ اپنی کج فطرتی کی بناء پر اپنے لیے عذاب کا سامان کرتے ہو- والعیاذ باللہ العظیم- سو پیغمبر اگر سراپا گوش ہیں تو تمہاری ہی بھلائی کے لیے اور تمہاری ہی خیر خواہی کے باب میں ہیں۔ ان کے کان ہر وقت اس تمنا میں کھلے ہوئے ہیں کہ ان میں تمہاری اچھی باتوں، اچھے کاموں اور اچھے ارادوں کی خبریں پڑیں اور وہ ان سے مسرور ہوں۔ وہ تمہاری بری خبریں اور بری سرگوشیاں سننے کے لیے کان نہیں لگائے ہوئے ہوتے کہ کوئی آئے اور تمہاری کسی بری حرکت کی خبر سنائے اور وہ اسکو سنتے ہی اپنے حافظے میں محفوظ کر لیں۔ باپ اپنے بیٹے پر جتنا شفیق ہوتا ہے پیغمبر اس سے کہیں بڑھ کر اپنی امت کے لیے رحیم اور شفیق ہوتا ہے۔ وہ ان کی خرابیوں کی ٹوہ میں نہیں بلکہ ان کی بھلائیوں کی ٹوہ میں رہتا ہے اور وہ ہر وقت یہی چاہتا ہے کہ ان کے کان میں تمہارے بارے میں کوئی اچھی بات ہی پڑے اور خوشی کی خبر ہی ملے۔ مگر تم لوگ اپنی بد باطنی کی بنا پر اس کو غلط معنوں میں لیتے اور غلط انداز سے سوچتے ہو- والعیاذ باللہ جل وعلا من کل زیغ وضلال-

۱۲۸ پیغمبر کا اصل اعتماد اہلِ ایمان پر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ تمہارے لیے خیر کے کان ہیں وہ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اعتماد کرتے ہیں ایمانداروں پر۔ یعنی ''ایمان'' کا صلہ جب ''باء'' آئے تو اس وقت اس کے معنٰی اقرار و یقین کے ہوتے ہیں جو کہ کفر و انکار کا مقابل ہے۔ اور جب اس کا صلہ ''لام'' آئے تو اس وقت اس کے معنٰی اعتماد اور بھروسہ کرنے کے ہوتے ہیں۔ (ابوالسعود، محاسن التاویل وغیرہ)۔ بہرکیف پیغمبر کا اصل اعتماد اہلِ ایمان ہی پر ہوتا ہے اور وہی اس قابل ہیں کہ ان پر اعتماد کیا جائے۔ پس تم لوگوں کا یہ کہنا اور گمان رکھنا کہ وہ ہر ایرے غیرے کی بات سن کر اس پر اعتبار کر لیتے ہیں، غلط ہے۔ ان کا ایمان تو اللہ پر ہے اور وہ باور صرف اسی بات کو کرتے ہیں جو ان کو سچے پکے اہلِ ایمان کے ذریعے پہنچتی ہے۔ اگر اللہ تمہارے بارے میں ان کو کوئی خبر دے تو اس سے سچی اور پکی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ اسی طرح اگر سچے ایمان والے تمہارے بارے میں ان کو کوئی خبر دیں تو آخر وہ اس پر باور کیوں نہ کریں؟ سو وہ خداوند قدوس کی ہدایت و راہنمائی میں چلتے اور سچے اور پکے اہلِ ایمان کی باتوں پر کان دھرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ سب سے اچھا، صحیح اور معقول طریقہ یہی ہو سکتا ہے۔

وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۚ وَالَّذِيْنَ

اور وہ سراسر رحمت ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان (کی دولت) رکھتے ہیں تم میں سے، اور جو لوگ

يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾

ایذا پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول کو، ان کے لئے ایک بڑا ہی دردناک عذاب ہے ۱۲۹

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ

یہ لوگ تمہارے لئے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں، حالانکہ اللہ اور اس کا رسول

اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ

اس کے کہیں زیادہ حق دار ہیں، کہ یہ انہیں راضی کریں اگر یہ ایماندار ہیں، کیا

يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ

ان لوگوں کو یہ طے شدہ حقیقت معلوم نہیں کہ جو بھی کوئی مخالفت کرے گا، اللہ اور اس کے رسول کی، ف۱۳۰ تو

لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۚ ذٰلِكَ الْخِزْيُ

اس کے لئے دوزخ کی وہ آگ تیار ہے جس میں اسے ہمیشہ رہنا ہوگا، یہی ہے بڑی

الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ

رسوائی، ف۱۳۱ منافق لوگ ڈرتے ہیں اس سے کہ کہیں اتار دی جائے مسلمانوں پر

۱۲۹ ایمان سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ سراسر رحمت ہیں تم میں سے ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کے لیے بڑا ہی دردناک عذاب ہے۔ سو پیغمبر سراسر رحمت ہیں اہلِ ایمان کے لیے۔ اور ظاہر ہے کہ فائدہ اس رحمت سے ایسے ہی حضرات اٹھا سکتے ہیں ورنہ آپ کی بعثت و رحمت تو سب جہانوں کے لئے ہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾۔ سو جو محروم ہیں وہ اپنی اس محرومی کے ذمہ دار خود ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو اس ارشادِ عالی سے یہ حقیقت ایک مرتبہ پھر آشکارا ہو جاتی ہے۔ کہ نورِ ایمان و یقین دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ و وسیلہ ہے اور اس سے محرومی دنیا و آخرت کی محرومی

ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ تم میں سے جو لوگ سچے ایمان والے ہونگے پیغمبر کا وجود ان کے لیے سراپا رحمت وشفقت ہے۔ وہ تمہاری اصلاح اور خیر چاہتے ہیں۔

۱۳۰ اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کا نتیجہ دوزخ کی دائمی آگ۔ والعیاذُ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا ان لوگوں کو یہ اہم اور طے شدہ حقیقت معلوم نہیں کہ جو کوئی مخالفت کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی تو اس کے لیے دوزخ کی وہ آگ تیار ہے جس میں اس کو ہمیشہ رہنا ہوگا۔ واضح رہے کہ لفظ ''یُحَادِدُ'' حد سے ماخوذ ہے جو کہ کنارہ، انتہاء اور سائیڈ (SIDE) کے معنیٰ میں آتا ہے۔ چونکہ دو متحارب و مقابل شخص آپس میں دو مختلف اور دو متضاد سائیڈوں پر کھڑے ہوتے ہیں اس لئے یہ لفظ دشمنی کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور یہی حال ''یُشَاقِقْ'' اور ''یُعَادِی'' وغیرہ جیسے الفاظ وکلمات کا ہے کہ یہ بھی ''شق'' اور ''عداوہ'' سے ماخوذ ہیں جن کے معنیٰ طرف اور کنارہ کے آتے ہیں۔ اسی طرح ''مُجَانَبَة'' ''مُحَایَدَة'' اور ''مُخَالَفَة'' وغیرہ جیسے الفاظ بھی ہیں۔ سبحان اللہ۔ کیا کہنے عربی زبان کی باریکیوں، نزاکتوں اور لطافتوں کے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِهٰذَا الدِّیْنِ الْمُبَارَكِ الْمَجِیْدِ وَبِهٰذَا اللِّسَانِ الْعَظِیْمِ۔ اَللّٰهُمَّ زِدْنَآ اِیْمَاناً وَّیَقِیْنًا وَّخِدْمَةً وَّاِشْتِغَالاً بِهٰذَا الدِّیْنِ۔ بہرکیف یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کا نتیجہ دوزخ کی آگ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین۔

۱۳۱ اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کرنے والوں کیلئے بڑی سخت رُسوائی۔ والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسوں کے لیے دوزخ کی وہ ہولناک آگ تیار ہے جس میں ان کو ہمیشہ رہنا ہوگا۔ یہی ہے بڑی رسوائی۔ اتنی بڑی اور ایسی ہولناک رسوائی کہ اس دنیا میں اس کا تصور بھی ممکن نہیں۔ اور اتنی مخلوق کے سامنے کہ اس کو حضرت خالق۔ جل مجدہ۔ کے سوا کوئی جان ہی نہیں سکتا۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے اور ہر ذلت و رسوائی اور خاص کر اس بڑی رسوائی سے اپنے کرم اور اپنی عنایت سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یا ارحم الراحمین۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت۔ والعیاذ باللہ۔ کس قدر سنگین جرم اور کتنی ہولناک آفت ہے۔ بھلا جس اللہ نے نعمت وجود سے نوازا اور جسکی عنایات میں انسان سر سے پاؤں تک ڈوبا ہوا ہے اور جس رسول نے آکر اس رب کی معرفت سے سرفراز کیا اور دوزخ کے کنارے سے ہٹا کر جنت کی راہ پر ڈالا، اس کی مخالفت سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوسکتا ہے اور ایسے شخص سے بڑھ کر ظالم آخر اور کون ہوسکتا ہے؟ - والعیاذ باللہ العظیم من کل شائبة من شوائب ہذا الظلم والحرمان والخزی والخسران۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ

کوئی ایسی سورت جو کہ بتادے ان (مسلمانوں) کو ان (منافقوں) کے دلوں کے بھید ۱۳۲ (ان سے) کہو کہ اچھا مذاق اڑا لو تم لوگ

اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ

بے شک اللہ کھول کر رکھ دے گا اس چیز کو جس سے تم ڈرتے ہو، اور اگر آپ ان سے پوچھیں

لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ

تو یہ فوراً کہہ دیں گے کہ "ہم تو یوں ہی گپ شپ اور دل لگی کر رہے تھے، ۱۳۳ کہو کیا تمہیں اللہ،

وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا

اس کی آیتوں، اور اس کے رسول، ہی سے دل لگی کرنا تھی؟ ۱۳۴ بہانے

تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ

مت بناؤ، بے شک تم لوگ (اے منافقو!) کفر کا ارتکاب کر چکے ہو اپنے ایمان کے بعد ۱۳۵ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو

۱۳۲ منافقوں کو اُن کے نفاق کی ایک نقد سزا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ منافق لوگ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نہ اتار دی جائے جو ان کو ان منافقوں کے دلوں کے بھیدوں سے آگاہ کر دے۔ سو اس طرح ان منافقوں کو اپنی منافقت و بے ایمانی اور حرمان نصیبی کی بناء پر ہر وقت اس کا ڈر اور کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں ان کے بارے میں کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو مسلمانوں کو ان منافقوں کے چھپے ہوئے بھیدوں اور مخفی رازوں سے باخبر کر دے اور اس طرح وہ ان کو سب کے سامنے رسوا کر کے چھوڑے۔ سو ان کو ہر وقت اسی بات کا کھٹکا لگا رہتا ہے اور اس طرح ان کو اپنے نفاق کی ایک نقد سزا اسی خوف و خطر کی صورت میں لگاتار ملتی رہتی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - جبکہ اس کے برعکس مومنِ صادق مطمئن رہتا ہے اور ہر نئی سورت کے اترنے سے اسکے نورِ ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ سو منافق لوگ ہر وقت اس خدشہ و اندیشے میں مبتلاء رہتے ہیں کہ کہیں کوئی ایسی سورت نازل ہو کر ان کے رازہائے سربستہ کو بے نقاب نہ کر دے اور اپنے اسی اندرونی چور کی بناء پر یہ لوگ جھوٹی قسمیں کھا کھا کر مسلمانوں کے اندر اپنا اعتبار قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سو اس ارشاد سے ان کے لیے واضح فرما دیا گیا کہ اب تمہاری ایسی چالیں چلنے والی نہیں ہیں۔ تم نے حق اور اہلِ حق کا جس قدر مذاق اڑانا ہے اڑا لو۔ یقیناً اب اللہ تمہاری ان تمام باتوں کو بے نقاب کر کے رہے گا جن کے بے نقاب ہونے سے تم لوگ ڈرتے ہو۔ والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ نفاق کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔

۱۳۳ منافقوں کے نفاق کا ایک اور مظہر:- کہ یہ لوگ اللہ، اسکے رسول اور اسکی آیتوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ چنانچہ سفرِ تبوک کے دوران منافقین کی ایک جماعت نے حضرت رسالت مآب-صلوات اللہ وسلامہ علیہ- اور آپ کے لائے ہوئے دینِ حق کے بارے میں اسی طرح کی کچھ بے ہودہ اور گستاخانہ باتیں کیں۔ پھر اطلاع ملنے پر جب آنحضرت-صلی اللہ علیہ وسلم- نے ان سے اس بارے دریافت فرمایا تو انہوں نے جواب میں کہا نہیں جناب! ہم تو یونہی سفر کاٹنے کے لئے دل لگی اور گپ شپ کر رہے تھے اور بس۔ تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی جس سے ان لوگوں کی منافقت کے اس قصے کو آشکارا کر کے ان کی ہمیشہ کی رسوائی کا سامان کر دیا گیا- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم -اسی لئے اس سورۂ کریمہ کا ایک نام ''فاضحہ'' بھی ہے۔ یعنی ''رسوا کرنے والی'' اور ''منبہہ'' بھی یعنی ''خبر دینے والی''۔ (المراغی، المحاسن، ابنِ کثیر وغیرہ)۔ بہرکیف اس میں منافقوں کے نفاق کا ایک اور مظہر پیش فرمایا گیا ہے اور یہ سورۂ کریمہ جس طرح مشرکین اور اہلِ کتاب کے بارے میں خاتمۂ بحث کی حیثیت رکھتی ہے اسی طرح یہ منافقوں کے بارے میں بھی فیصلہ کن سورت ہے۔ اس میں طرح طرح سے ان کے نفاق سے پردہ اٹھایا گیا اور اس کو بے نقاب کیا گیا اور ان کو پوری طرح ننگا کر کے رکھ دیا گیا ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ راہِ حق پر گامزن رکھے- آمین۔

۱۳۴ اللہ اور اسکے رسول سے استہزاء- والعیاذُ باللہ:-سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ کیا تم لوگوں کو اللہ اس کی آیتوں اور اس کے رسول ہی سے دل لگی کرنا تھی؟ یعنی اس طرح کی گپ شپ اور دل لگی تو حقیقت میں تمسخر و استہزاء ہے تو کیا تمہیں اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول ہی ملے تھے؟ یہ کس قدر احمقانہ جسارت ہے جس کا ارتکاب تم لوگوں نے کیا ہے؟ سو یہی نتیجہ ہوتا ہے نورِ ایمان اور دولتِ یقین سے محرومی کا-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- سو ان منافقوں کے ''عذرِ گناہ بدتر از گناہ'' کی ایک مثال تھی جس کو یہاں پیش فرمایا گیا-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- اور انسان جب دولتِ ایمان ویقین اور صدق واخلاص سے محروم ہوتا ہے تو اس کا حال یہی ہو جاتا ہے کہ اس کو نہ سیدھی راہ نصیب ہوتی ہے اور نہ صحیح بات سوجھتی ہے- الا ماشاء اللہ- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے- آمین ثم آمین۔

۱۳۵ ارتکابِ کفر کا جرم سب سے سنگین اور ہولناک جرم:-سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ تم لوگ بہانے مت بناؤ (اے منافقو) کہ بلاشبہ تم ارتکاب کر چکے ہو کفر کا اپنے ایمان کے بعد۔ پس تم لوگوں کا یہ جواب ''عذرِ گناہ بدتر از گناہ'' کا مصداق ہے۔ اس لئے تمہارا کوئی عذر و بہانہ اب قابلِ قبول نہیں۔ اس لیے تمہیں اب ایسے حیلے بہانے کرنے سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ تم لوگ کفر کے اس سب سے بڑے جرم کا ارتکاب کر چکے ہو جسکے بعد نہ کسی تاویل کا کوئی فائدہ و اعتبار ہے اور نہ کوئی عذر و معذرت قابلِ قبول۔ سو اللہ تعالیٰ اور اسکی آیتوں اور اس کے رسول سے استہزاء و مذاق-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم جَلَّ وَعَلَا- ایک نہایت سنگین جرم اور کھلا کفر ہے۔ اور ایسے کفر کے جرم کا ارتکاب سب سے بڑا اور انتہائی سنگین اور ہولناک جرم ہے-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- اور ایسا کرنا صریحاً ایمان کے اظہار کے بعد کفر کا اعلان ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگوں نے اپنے ایمان کا دعویٰ تو کیا لیکن اپنے عمل سے تم نے ثبوت کفر کا دیا-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے- آمین

عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ

معاف بھی کر دیں، تو ہم ضرور عذاب دے کر رہیں گے دوسرے گروہ کو، کہ وہ

كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ

قطعی مجرم ہیں، ف ۱۳۶ منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی

مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ

تھیلے کے چٹے بٹے ہیں، ف ۱۳۷ یہ لوگ برائی کا حکم دیتے اور بھلائی سے

۱۳۶ ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کیلئے کوئی معافی نہیں: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں تو بھی ہم دوسرے گروہ کو ضرور عذاب دے کر رہیں گے کہ وہ پکے مجرم ہیں۔ کہ انہوں نے اس جرم کا ارتکاب بھی کیا ہے اور یہ اس سے توبہ کرنے کی بجائے الٹا اس پر اڑے ہوئے بھی ہیں۔ اس لئے ایسے لوگ اپنے کئے کرائے کا بھگتان ہر حال میں بھگت کر رہیں گے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو ضدی اور ہٹ دھرم کافروں کی معافی کی کوئی صورت نہیں کہ وہ اپنے جرم کو تسلیم کرنے اور اس سے باز آنے کیلئے تیار ہی نہیں۔ اور اس طرح کے منافقین کے بعض گروہ ایسے تھے کہ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بڑی سخت اور ہولناک چالیں چلیں۔ سو اس طرح کی ٹولیوں اور منافق گروہوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ہم نے تمہارے بعض گروہوں سے دنیا میں درگزر بھی کیا اور ان کے معاملے کو آخرت ہی پر رکھ دیا تو بھی ایسے بعض گروہ لازماً اسی دنیا میں ہمارے عذاب کی زد میں آ کر رہیں گے اور ان کو اپنے کیے کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا - والعیاذ باللہ العظیم -

۱۳۷ منافق مرد اور عورتیں آپس میں ایک ہیں: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ منافق مرد اور منافق عورتیں ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہیں اور یہ سب آپس میں ایک ہی ہیں۔ یعنی کفر و نفاق اور دین حق سے دوری اور نورِ ایمان سے محرومی جیسی خصالِ شر میں یہ سب ہی شریک اور ایک برابر ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - لہٰذا یہ اپنے جرم کی سزا میں بھی باہم شریک ہونگے خواہ مرد ہوں خواہ عورتیں۔ کیونکہ جب یہ جرم میں ایک ہیں تو اسکے انجام اور سزا میں بھی ایک اور باہم شریک ہونگے۔ سو یہاں پر منافق مردوں کے ساتھ منافق عورتوں کا بھی صریح طور پر ذکر فرمایا گیا ہے اور دونوں کو برابر کا شریکِ جرم قرار دیا گیا ہے تاکہ عورتوں کو بھی اسکی تنبیہ ہو جائے کہ اگر انہوں نے اپنے آپ کو خدا کے غضب سے بچانے کی فکر و کوشش نہ کی تو یقیناً ان کا انجام بھی وہی ہوگا جو ان کے مردوں کا ہونے والا ہے۔ کیونکہ دین کے معاملے میں تبعیت اور ماتحتی کوئی عذر نہیں بلکہ اپنی نجات کے لیے کوشش اور جد و جہد ہر نفس کی ذمہ داری ہے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید -

عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ

روکتے ہیں، اور یہ بند رکھتے ہیں اپنے ہاتھوں کو (ہر کارِ خیر سے، ۱۳۸) یہ بھول گئے اللہ کو،

فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ

جس کے نتیجے میں اللہ نے ان کو بھلا دیا ۱۳۹ بلاشبہ یہ منافق پکے بدکار ہیں ۱۴۰ اللہ نے

اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ

وعدہ کیا ہے منافق مردوں، منافق عورتوں، اور دوسرے کھلے کافروں، سے دوزخ کی

جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ

اس (ہولناک) آگ کا، جس میں ان کو ہمیشہ رہنا ہوگا، وہی کافی ہے ان کو، ان پر پھٹکار پڑ گئی

اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾ لا كَالَّذِيْنَ مِنْ

اللہ کی، اور ان کے لئے عذاب ہے ہمیشہ قائم رہنے والا ۱۴۱ انہی لوگوں کی طرح جو

۱۳۸ منافق ہر خیر سے محروم - والعیاذ باللہ: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں اور یہ بند رکھتے ہیں اپنے ہاتھوں کو ہر خیر سے۔ یعنی ﴿یقبضون﴾ کا مفعول چونکہ مذکور نہیں، یعنی یہ نہیں ذکر فرمایا گیا کہ یہ لوگ اپنے ہاتھ کس سے بند رکھتے ہیں تو اس سے اس کے عموم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی یہ محروم القسمت لوگ اپنے ہاتھوں کو ہر خیر سے بند رکھتے ہیں -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- اور " قبضِ ید" یعنی "ہاتھ کو بند رکھنا " محاورے کی زبان میں دراصل کنایہ ہے نہایت بخل اور کنجوسی سے۔ سو اس اعتبار سے مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ نہایت بخیل اور کنجوس ہیں۔ سو یہی نتیجہ ہوتا ہے ایمان و یقین سے محرومی کا کہ اسکے بعد انسان مکارمِ اخلاق سے محروم ہو کر رذائل میں مبتلا ہو جاتا ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- سو منافقوں کی ہر بات دینِ حق کی تعلیماتِ مقدسہ کے خلاف اور ان کے برعکس ہوتی ہے۔ یہ لوگ برائی سے روکنے اور نیکی کی تعلیم دینے کی بجائے برائی کی تعلیم دیتے اور نیکی سے روکتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اور دوسروں کی بھلائی کے لئے خرچ کرنے کی بجائے یہ لوگ اپنے ہاتھوں کو روکتے اور بند رکھتے ہیں اور دوسروں سے بھلائی اور ان کی نفع رسانی کے برعکس بخل اور کنجوسی سے کام لیتے ہیں اور بھلائی سے منہ موڑتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- سو منافقوں کے اس آئینے میں دورِ حاضر کے ان مسلمانوں کو بھی اپنا چہرہ دیکھ لینا چاہیے جو اسلام اور ایمان کے دعوے تو بہت کرتے ہیں مگر ان کی زندگی ان ہی منافقانہ خصال سے پر ہوتی ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ ہر قسم کی منافقانہ خصلت سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین۔

۱۲۹ خدا فراموشی کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت سے محرومی - والعیاذُ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ اللہ کو بھول گئے جس کے نتیجے میں اللہ نے ان کو بھلا دیا۔ اور اللہ کے بھلا دینے سے مراد اس کا نظر انداز کر دینا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - یعنی جب انہوں نے اس کے حقِ شکر و اطاعت کو بھلا دیا تو اس نے ان کو اپنے لطف و انعام سے محروم فرما دیا کہ ایسے ناشکروں اور بدبختوں کی سزا یہی ہوتی ہے۔ اور یہ اسی کے لائق اور مستحق ہوتے ہیں۔ سو نسیان سے یہاں پر مراد ترک ہے۔ یعنی لازم بول کر ملزوم مراد لیا گیا ہے۔ سو اللہ پاک کی یادِ دلشاد سے محروم، بڑا ہی محروم ہے۔ کہ اسکی یادِ دلشاد سے سرفرازی زندگی ہے اور اس سے محرومی موت - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف اِس اِرشاد سے ان کی محرومی اور بے توفیقی کے سبب کو واضح فرما دیا گیا کہ یہ لوگ جب خدا کو بھلا بیٹھے تو ان پر شیطان مسلط کر دیا گیا جس نے ان کی راہ مار دی۔ اور وہی ان کا ساتھی بن کر رہ گیا جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾ (الزخرف: ۳۶) - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو خدا فراموشی کا نتیجہ اللہ کی نظرِ عنایت سے محرومی اور ہلاکت و تباہی ہے - والعیاذ باللہ -

۱۳۰ یادِ الٰہی سے محرومی سب سے بڑی محرومی - والعیاذُ باللہ: - سو اللہ تعالیٰ کی یادِ دلشاد سے محرومی کا نتیجہ و انجام ہولناک خسارہ اور دارین کی ہلاکت و تباہی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - کہ یہ تمرد و سرکشی میں کامل ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - "فسق" کے اصل معنیٰ جیسا کہ پہلے بھی کئی جگہ گزر چکا ہے "خروج" کے آتے ہیں۔ اس لئے اس کا اطلاق کافر و منافق پر بھی ہوتا ہے کہ یہ بھی ایمان و اطاعت سے نکلے ہوتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو اللہ پاک کی یادِ دلشاد سے محرومی کا نتیجہ اور انجام یہ ہوا کہ یہ لوگ پکے بدکار ہوگئے۔ اور اس طرح ہولناک خسارے میں مبتلا ہوگئے کہ خدا فراموشی کا طبعی نتیجہ و اثر خود فراموشی ہے جس کے باعث ایسے لوگوں کو خداوندِ قدوس کی طرف سے نظر انداز اور توفیقِ خیر سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ ان کی نکیل شیطان اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور یہ پکے بدعہد اور نافرمان ہو کر رہ جاتے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ کی یادِ دلشاد سے محرومی دارین کی سعادت و سرخروئی سے محرومی ہے جو کہ خساروں کا خسارہ ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اَللّٰهُمَّ فَاَعِنَّا عَلٰى ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ - سو یادِ الٰہی دلوں کی زندگی اور باعثِ سرفرازی ہے۔

۱۳۱ کفار و منافقین کیلئے جہنم کا دائمی عذاب اور ہمیشہ کی لعنت و پھٹکار: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے وعدہ فرما رکھا ہے منافق مردوں، منافق عورتوں اور دوسرے کھلے کافروں سے دوزخ کی اس ہولناک آگ کا جس میں ان کو ہمیشہ رہنا ہوگا۔ ان پر لعنت و پھٹکار ہے اللہ کی اور ان کے لیے عذاب ہے ہمیشہ قائم رہنے والا اور وہی کافی ہے ان لوگوں کو۔ ان کے کفر و نفاق کے جرم کے لئے۔ ایسی کافی کہ اس کے ساتھ کسی اور سزا کی ضرورت نہیں۔ نیز یہ کہ ان کے اس سنگین جرم کی پوری سزا دوزخ کے سوا دوسری کوئی ہو بھی نہیں سکتی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو جن کفار و مشرکین اور منافقین کا آخری انجام یہ ہونا ہے ان کو اگر دنیا میں کچھ مہلت مل بھی گئی تو اس سے انکو کبھی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ ان کا انجام بہرحال بہت برا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو اصل چیز دین و ایمان کی دولت اور عمل و کردار کی پونجی ہے جو انسان کو دنیا و آخرت دونوں میں کام آنے والی دولت ہے - وباللہ التوفیق -

قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ

گزر چکے ہیں تم سے پہلے جو طاقت میں بھی تم سے کہیں زیادہ سخت تھے، اور مال واولاد میں بھی وہ تم سے کہیں بڑھ کر

اَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ

تھے، ۱۴۲ سوانہوں نے اپنے حصے کے مزے لوٹ لئے (اسی دنیا میں) اور تم نے بھی اپنے حصے کے مزے لوٹ لئے،

كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ

جیسا کہ ان لوگوں نے لوٹے تھے اپنے حصے کے مزے جو کہ گزر چکے ہیں تم سے پہلے،

وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ

اور تم بھی اسی طرح گھس گئے کج بحثیوں میں جس طرح کہ وہ گھس گئے تھے ۱۴۳ اکارت چلے گئے ان لوگوں کے سب

۱۴۲ ایمان کے بغیر دنیاوی مال ومتاع کی کوئی حیثیت نہیں:- سو ان سے فرمایا گیا کہ تم بھی انہی لوگوں کی طرح ہو جو گزر چکے ہیں تم سے پہلے۔ سو تم سے پہلے کی منکر قومیں مال واولاد وغیرہ میں تم سے کہیں بڑھ کر تھیں۔ پس یہ چیزیں نہ تو متاعِ فخر وغرور ہو سکتی ہیں اور نہ ہی دلیلِ حق وصداقت۔ اور نہ ہی یہ کسی کو اللہ کے عذاب اور اس کی گرفت سے بچا سکتی ہیں۔ سو محض ان کی بناء پر حق سے منہ موڑنا پرلے درجے کی حماقت اور بڑا ہی ہولناک خسارہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ پس اصل چیز دین وایمان کی دولت ہے جو انسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز کرتی ہے اور جس کے نتیجے میں مومن کے لیے ہر حالت خیر ہی خیر بن جاتی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

۱۴۳ دین وایمان سے محرومی کا نتیجہ غفلت ولاپرواہی۔ والعیاذ باللہ:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ایمان ویقین کی دولت سے محروم انسان غافل ولاپرواہ اور غیر ذمہ دار ولاابالی بن جاتا ہے۔ اور وہ کفر ونفاق اور کذب وباطل کی کج بحثیوں اور بھول بھلیوں میں لگ جاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ (جامع البیان، صفوہ وغیرہ)۔ سو تم کو بھی پہنچ کر رہے گا وہ عذاب اور برا انجام جس سے وہ لوگ دوچار ہو چکے ہیں۔ سو بچو تم لوگ اس سے اور باز آجاؤ اپنی روش سے قبل اس سے کہ فرصتِ حیات تمہارے ہاتھ سے نکل جائے کہ وہاں ایسے لوگ دوزخ کے درکِ اسفل میں ہوں گے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو ایمان ویقین کی دولت سے محرومی ایسی محرومی ہے جو انسان کو غیر ذمہ دار، لاابالی اور غیر سنجیدہ بنا دیتی ہے اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے مآل وانجام سے بےفکر ولاپرواہ بن کر بطن وفرج کی خواہشات کا غلام اور حیوانِ محض بن جاتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی نیچے گر کر ہلاکت وتباہی کے درکِ اسفل میں پہنچ جاتا ہے جو کہ خساروں کا خسارہ اور ہلاکتوں کی ہلاکت ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔

اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ج وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ

کام دنیا میں بھی، اور آخرت میں بھی، اور یہی لوگ ہیں

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

خسارے والے ۱۴۴ تو کیا ان کے پاس نہیں پہنچے حالات ان لوگوں کے جو گزر چکے ہیں ان سے پہلے؟

قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۵ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ

جیسے قوم نوح، عاد، ثمود اور قوم ابراہیم

وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ط اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

اور مدین والے، اور وہ لوگ جن کی بستیاں الٹ دی گئی تھیں، ان سب کے پاس آئے تھے ان کے رسول

بِالْبَيِّنٰتِ ج فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

کھلی نشانیوں کے ساتھ، (مگر انہوں نے مان کر نہ دیا، اور بالآخر پہنچ کر رہے وہ اپنے انجام کو) سو اللہ ایسا نہیں کہ ان پر کوئی ظلم

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ

کرتا، مگر وہ لوگ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کر رہے تھے، ۱۴۵ اور (منافقین کے برعکس) مومن مرد اور مومن عورتیں

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ م يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

ایک دوسرے کے دوست (اور مددگار) ہیں، ۱۴۶ وہ حکم دیتے ہیں نیکی کا،

وقف لازم

۱۴۴ ایمان ویقین سے محرومی باعث ہلاکت وتباہی-والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اکارت چلے گئے ایسے لوگوں کے تمام اعمال دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور یہی لوگ ہیں خسارے والے۔ سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ ایسے لوگوں کے سب کام اکارت چلے گئے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ آخرت میں تو ان کے اعمال کا ضائع ہو جانا ظاہر وباہر ہے مگر اس سے پہلے اس دنیا میں بھی ان کے لئے عزت واحترام کی بجائے ذلت وخواری سکون واطمینان کی بجائے قلق واضطراب اور آرام وراحت کی بجائے فتنہ وفساد اور اصلاح وتکمیل نفس کی بجائے ہلاکت وتباہی کے گڑھے میں گرتے چلے جانا وغیرہ وغیرہ ان لوگوں کا گویا مقدر بن گیا ہے-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ-اس کے برعکس ایمان واخلاص کے ساتھ کئے جانے والے نیک اعمال آخرت کی حقیقی کامیابی اور دائمی سعادت سے سرفرازی سے پہلے اس دنیا میں بھی خیر وصلاح کا ذریعہ بنتے ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ سو ایمان ویقین سے محرومی باعث ہلاکت وتباہی اور خسارہ دارین ہے، جبکہ ایمان ویقین

کی دولت سے سرفرازی دارین کی سعادت وسرخروئی کا ذریعہ ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ۔

۱۲۵ پیغامِ حق وہدایت سے اعراض وروگردانی کا نتیجہ وانجام ہلاکت وتباہی۔ والعیاذ باللہ: سو اس آیت کریمہ میں قوم نوح وعاد اور قوم ثمود وابراہیم وغیرہ مختلف قوموں کا حوالہ دے کر ارشاد فرمایا گیا کہ ان سب کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے مگر انہوں نے نہ مانا اور آخر کار وہ قومیں اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہیں۔ اور اللہ ایسا نہیں کہ ان پر کوئی ظلم کرتا مگر وہ لوگ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کر رہے تھے۔ سو اس سے یہ اہم اور بنیادی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ نور حق وہدایت سے اعراض وروگردانی ۔ والعیاذ باللہ ۔ کا نتیجہ وانجام ہلاکت وتباہی ہوتا ہے۔ اور اب نور حق وہدایت کا منبع ومصدر صرف قرآن حکیم ہی ہے جس کی طرف رجوع واجب ہے۔ پس دینِ حق اور اسکی تعلیماتِ مقدسہ سے اعراض برتنا خود اپنی جانوں پر ظلم کرنا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اور حضراتِ انبیائے کرام ۔علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کی پیش فرمودہ تعلیماتِ مقدسہ سے منہ موڑنا اور نورِ حق سے محروم رہنا خود اپنی جانوں پر ظلم کرنا ہے اور اس کا انجام ہلاکت اور تباہی ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔ تسلیم کرے یا نہ کرے۔ حق اور حقیقت بہرحال یہی اور صرف یہی ہے۔ اور گزشتہ قوموں کے یہ قصص و واقعات اس کے شاہد صدق وعدل ہیں۔ اور حق وصداقت کا یہ نور عظیم اب صرف قرآن وحدیث کی تعلیماتِ مقدسہ میں منحصر ہے۔ اس کے سوا نورِ حق سے بہرہ وری اور سرفرازی کی اور کوئی بھی صورت اب ممکن نہیں۔ کیونکہ سابقہ انبیاء ورسل کی تعلیمات وشرائع اول تو اس دینِ حق کے طلوع کے بعد منسوخ ہو گئیں اور دوسرے اب ان کا اپنی صحیح شکل وصورت میں کہیں وجود ہی نہیں۔ کیونکہ ان کو تبدیل کر دیا گیا ہے ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بلکہ ان میں سے بعض کتابیں جس زبان میں نازل ہوئی تھیں وہ زبان ہی اب دنیا سے ناپید ہو گئی ہے۔ جیسے انجیل آرامی زبان میں نازل ہوئی تھی مگر اب دنیا میں اس زبان کا سرے سے کوئی وجود اور نام ونشان ہی باقی نہیں۔ جبکہ قرآنِ حکیم جوں کا توں باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا۔ سو اب نورِ حق وہدایت کا منبع ومصدر یہی کتابِ حکیم ہے۔ اس کی حق وہدایت کی دولت کا اور کہیں سے ملنا اب ممکن نہیں۔ سو جو لوگ اس کتابِ حکیم پر ایمان سے محروم ہیں وہ یقیناً نورِ حق سے محروم ہیں اور نورِ حق وہدایت سے محرومی کا نتیجہ وانجام بہرحال ہلاکت وتباہی ہے ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۲۶ مومن آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں: سو ارشاد فرمایا گیا کہ مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں۔ یعنی ظاہری اسباب و وسائل کے درجے میں نہ کہ مافوق الاسباب طور پر۔ کہ یہ حضرتِ حق ۔ جل مجدہ ۔ ہی کی شان وصفت ہے۔ پس اہلِ بدعت کا اس طرح کی آیاتِ کریمہ سے اپنے شرکیہ عقائد کے لئے استدلال کرنا باطل ومردود ہے۔ کیونکہ ماتحت الاسباب مدد کرنا اور چیز ہے اور مافوق الاسباب مدد بالکل دوسری چیز۔ اور دونوں کے درمیان بڑا فرق اور بونِ بعید ہے۔ اور ان دونوں کو ایک برابر سمجھنا جہالت اور خرد باختگی ہے ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف اہلِ ایمان کی صفات کے بیان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ دین وایمان کی مقتضیات اور مطالبات کی تعمیل وتکمیل کے سلسلہ میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار، دست و بازو اور ہمدرد وغمگسار ہوتے ہیں۔ مومن بندے جب اللہ کی راہ میں اپنے جان ومال سے جہاد کے لیے نکلتے ہیں تو مومن بندیاں ان کے لیے پاؤں کی زنجیر اور گلے کا پھندا نہیں بنتیں بلکہ وہ اسکے برعکس ان کی تایید وتقویت کا ذریعہ بنتی ہیں اور وہ اپنے ایثار، اپنی دعاؤں اور اپنی بے لوث وفاداری اور امانت داری سے ان کے جہاد میں ان کا تعاون کرتیں اور اس طرح وہ انکے ساتھ حصہ دار بن کر خود انکے اجر وثواب میں شریک بنتی ہیں۔ اور یہی تقاضا اور نتیجہ ہے ایمان ویقین اور دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کا ۔ والحمد للہ جل وعلا۔

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَ

اور روکتے ہیں برائی سے، اور پابندی کرتے ہیں نماز کی، اور

يُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ ط

ادا کرتے ہیں زکوٰۃ، اور حکم مانتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کا،

اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ

سو ایسوں پر اللہ تعالیٰ ضرور رحمت فرمائے گا ف۱۴۷ بے شک اللہ بڑا ہی زبردست،

حَكِيمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ

نہایت ہی حکمت والا ہے، اللہ نے وعدہ فرما رکھا ہے ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں سے، ایسی عظیم الشان جنتوں کا،

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا

جن کے نیچے سے بہہ رہی ہوں گی طرح طرح کی نہریں، جہاں ان کو ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا، ف۱۴۸

وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنّٰتِ عَدْنٍ ط وَرِضْوَانٌ

اور (اس نے ان سے وعدہ فرما رکھا ہے) ایسے پاکیزہ مکانوں کا جو سدا بہار جنتوں میں ہوں گے، اور اللہ کی رضا

مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۷۲﴾ ع ۹ ۱۵

(کی نعمت جو ان کو نصیب ہوگی وہ) ان سب سے کہیں بڑھ کر ہوگی، یہی ہے سب سے بڑی کامیابی، ف۱۴۹

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِينَ

اے پیغمبر! جہاد کرو، کافروں، اور منافقوں سے

وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ط وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ط وَبِئْسَ

اور سختی برتو ان سب کے ساتھ، اور ان سب کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور بڑا ہی برا

۱۴۷ **اہلِ ایمان کی خاص صفات اور ان کے انعام کا ذکر وبیان:۔** سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ حکم دیتے ہیں نیکی کا

اور روکتے ہیں برائی سے وہ قائم کرتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ اور وہ حکم مانتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کا۔ سو ایسوں پر اللہ ضرور رحم فرمائے گا۔ سو حرف ''سین'' یہاں پر تاکید کے لئے ہے اور حضراتِ علمائے کرام کا کہنا ہے کہ حرفِ سین اثبات میں ایسے ہی ہے جسے کلمہ ''لن'' نفی میں۔ یہاں تک کہ اس سے استقبال کے معنیٰ کا لحاظ ختم ہو جاتا ہے اور یہ محض تاکید کے لئے رہ جاتا ہے جیسا کہ یہاں پر ہے۔ (الفتوحات الالہیۃ، جامع البیان وغیرہ)۔ سو اللہ پاک۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اہلِ ایمان کی بہرحال مدد کرتا ہے بشرطیکہ ایمان والے اپنے ایمان میں سچے ہوں۔ سو منافق مردوں اور عورتوں پر تو اللہ تعالیٰ کی لعنت و پھٹکار اور اسکی رحمت سے دوری و محرومی ہے جبکہ اسکے مقابلے میں ایماندار مردوں اور عورتوں کے لیے اسکی رحمت وعنایت ہے۔ اللہ ہمیشہ اپنی رحمتوں کے سائے میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۱۲۸ اہلِ ایمان کے لیے عظیم الشان جنتوں کا وعدہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے وعدہ فرما رکھا ہے ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں سے ایسی عظیم الشان جنتوں کا جن کے نیچے سے بہہ رہی ہونگی طرح طرح کی نہریں جہاں ان کو ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا۔ سبحان اللہ کیا کہنے حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کے اس کرمِ بے نہایت اور رحمتِ بے غایت کے کہ وہ جنتیں ایسی عظیم الشان اور وہاں کی وہ نہریں ایسی بے نظیر و بے مثال کہ اس جہاں میں ان کا تصور کرنا بھی کسی کے لئے ممکن نہیں۔ اور اس پر مزید عنایت اور کرم بالائے کرم یہ کہ ان دائمی اور ابدی نعمتوں بھری جنتوں میں رہنا بھی ہمیشہ ہمیش کے لئے نصیب ہوگا۔ فَيَا لَهُ مِنْ كَرَمٍ وَّاِحْسَانٍ۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ اَهْلِهَا بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ سو اللہ تعالیٰ تو اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا، لیکن اس کا خطرہ و خدشہ بہرحال ہے کہ اہلِ ایمان اس معیار پر پورے نہ اتر سکیں جو کہ اس کیلئے ضروری اور درکار ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رحمتوں اور عنایتوں کی راہوں پر مستقیم و گامزن رکھے۔ آمین۔ سو اس سے جہاں ایک طرف ایمان کی عظمتِ شان کا پتہ چلتا ہے وہیں اس سے دوسری طرف یہ اہم اور بنیادی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جنت اور اس کی نعیمِ مقیم سے سرفرازی و بہرہ مندی کا تعلق حسب ونسب جیسی کسی غیر اختیاری چیز سے نہیں بلکہ اس کا دار و مدار انسان کے اپنے ایمان وعقیدہ اور عمل و کردار پر ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔

۱۲۹ جنت سے سرفرازی سب سے بڑی کامیابی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر وقصر کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ یہی ہے بڑی کامیابی جو کہ حقیقی اور ابدی کامیابی ہے۔ جس جیسی دوسری کوئی کامیابی ممکن ومتصور ہی نہیں۔ اور یہی وہ فوزِ عظیم ہے جس کے لئے انسان کو ہمیشہ اور ہر طرح سے سعی اور کوشش کرتے رہنا چاہیئے ﴿لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ﴾۔ ﴿وَفِيْ ذَالِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا التَّوْفِيْقَ لِذَالِكَ وَ السَّدَادَ وَالثَّبَاتَ عَلَيْهِ۔ سو یہاں پر حصر کے اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ یہی ہے سب سے بڑی کامیابی، یعنی اسکے سوا دوسری کوئی کامیابی سرے سے کامیابی ہی نہیں۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ بہرکیف یہاں پر فرمایا گیا کہ جنت سے سرفرازی ہی اصل اور حقیقی کامیابی ہے۔ سو جن لوگوں نے دنیا کی دوسری مختلف کامیابیوں کو اصل مقصد سمجھ رکھا ہے اور وہ انہی کے لیے جیتے اور مرتے ہیں وہ سراسر دھوکے میں ہیں اور دنیا کی ان کامیابیوں کی حیثیت آخرت کے مقابلے میں بچوں کے کھیل سے زیادہ کچھ نہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ

ٹھکانا ہے وہ ۱۵۰؎ یہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے (ایسے) نہیں کہا ۱۵۱؎ حالانکہ

قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ

انہوں نے یقیناً کفر کی بات کہی، اور انہوں نے کفر کیا اپنے اسلام کے بعد، اور

هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَ مَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰهُمُ

انہوں نے ٹھان لی تھی ایک ایسی بات کی جس کو یہ نہ پا سکے ۱۵۲؎ اور انہوں نے بدلہ نہیں لیا مگر اس بات کا کہ ان کو غنی کر دیا

اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ

اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے، ۱۵۳؎ پھر بھی اگر یہ لوگ توبہ کر لیں (سچے دل سے) تو یہ

۱۵۰ کفار اور منافقین دونوں سے جہاد کا حکم و ارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جہاد کرو تم ان کافروں اور منافقوں سے اور سختی برتو ان سب کے ساتھ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بڑا ہی برا ٹھکانا ہے وہ مگر یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ کھلے کفار سے تو توپ وتفنگ اور سیف وسنان وغیرہ وغیرہ سامانِ حرب وضرب سے جہاد کرو اور چھپے کافروں یعنی منافقوں سے زبان وبیان اور تغلیظِ کلام وغیرہ سے۔ نیز ان سے بھی سیف وسنان سے جہاد کرو جب کہ وہ اپنے کفر ونفاق کو ظاہر کر دیں۔ (جامع البیان وغیرہ)۔ بہرکیف کفار ومنافقین سے جہاد کرنا مامور ومطلوب ہے کہ جرمِ کفر میں یہ دونوں ہی گروہ شریک وسہیم ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک کا کفر ظاہر ومکشوف ہے اور دوسرے کا مخفی ومستور۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۵۱ جھوٹی قسمیں کھانا منافقوں کا وطیرہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے ایسے نہیں کہا حالانکہ انہوں نے یقیناً کفر کی بات کہی اور انہوں نے کفر کیا اپنے اسلام کے بعد اور انہوں نے ٹھان لی تھی ایک ایسی بات کی جس کو یہ پا نہ سکے۔ جیسا کہ نیلگونی (بلی) آنکھوں والے ایک منافق نے حضورؐ کے پوچھنے پر جھوٹی قسم کھا کر کہا تھا۔ نیز جلاس بن سوید نے اپنی ایک کفریہ بات کا انکار کرتے ہوئے کہا تھا۔ اور جیسا کہ رئیس المنافقین ابن ابی بن سلول نے ایک موقع پر کہا تھا۔ مفسرینِ کرام نے ان مختلف واقعات کو اس آیتِ کریمہ کی شانِ نزول کے بیان میں ذکر فرمایا ہے مگر یہ سب ہی واقعات آیتِ کریمہ کے عموم میں داخل وشامل ہیں۔ والتفصیل فی المفصلات۔ و نذکرہ فی المفصل انشاء اللہ سبحانہ وتعالیٰ۔ بہرکیف جھوٹی قسمیں کھانا منافقین کا ایک امتیازی وصف ہے۔ اور یہ ایک طبعی اور منطقی امر بھی ہے کہ ان کے دلوں کا چور ان سے کہتا ہے کہ تمہاری بات کا دوسروں کو چونکہ اعتبار نہیں۔ اس لیے تم قسمیں کھاؤ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ جبکہ مومنِ صادق اپنے طور پر مطمئن ہوتا ہے۔ سو ایمان سکون واطمینان کا ذریعہ و وسیلہ ہے جیسا کہ کفر ونفاق کھٹکے کا باعث جیسا کہ صحیح حدیث میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۵۲ منافقوں کی منافقت کے ایک نمونے کا ذکر و بیان: سو اس سے منافقوں کی منافقت اور انکی منافقانہ باتوں کا ایک مظہر اور نمونہ پیش فرمایا گیا ہے۔ روایات میں وارد ہے کہ ایک مرتبہ ایک جہنی اور ایک انصاری کی آپس میں لڑائی ہوگئی جس میں وہ جہنی اس انصاری پر غالب آ گیا۔ تو اس موقع پر رئیس المنافقین ابن ابی بن سلول نے کہا کہ کیا تم لوگ اپنے ساتھی کی مدد نہیں کرتے؟ قسم بخدا ہماری اور محمد کی مثال ایسے ہے جیسے کسی نے کہا تھا "سَمِّنْ کَلْبَکَ یَأْکُلْکَ" "اپنے کتے کو موٹا کر و تاکہ کل وہ تم ہی کو کاٹ کھائے"۔ اور اب ہم جب مدینہ میں واپس پہنچیں گے تو ہم میں سے جو زیادہ عزت والا ہے وہ زیادہ ذلت والے کو وہاں سے نکال باہر کرے گا جیسا کہ سورۂ منافقون میں مذکور ہے ﴿ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ﴾ تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ (روح، ابنِ جریر، ابنِ کثیر، قرطبی، محاسن اور صفوہ وغیرہ)۔ سو یہ ہے منافقوں کی منافقانہ باتوں کا ایک نمونہ اور مظہر جس کا اظہار یہ لوگ اپنی مجلسوں میں کیا کرتے تھے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور یہی حال کافروں اور منافقوں کا کل کی طرح آج بھی ہے۔ اللہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۱۵۳ منافقوں کی بے انصافی اور نمک حرامی کا ذکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے بدلہ نہیں لیا مگر اس بات کا کہ ان کو غنی بنا دیا اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے۔ یعنی اللہ نے غنی کر دیا ان کو اپنے فضل سے کہ فضل حقیقت میں اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس نے اپنا یہ عظیم الشان پیغمبر بھیج کر اس کے توسط اور اسکی بعثت کی برکت سے ان لوگوں کو تنگی سے نکال کر غنی بنا دیا۔ اور نورِ ہدایت کی عظیم الشان اور بے مثال دولت کے علاوہ غنیمت وغیرہ کے مختلف ذرائع سے ظاہری اور مادی دولت سے بھی ان لوگوں کو مالا مال کر دیا۔ روایات میں وارد ہے کہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے خود انصار کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "اَلَمْ تَکُوْنُوْا عَالَةً فَاَغْنَاکُمُ اللّٰهُ بِیْ" الخ "کیا تم لوگ تنگ دست نہیں تھے، پھر اللہ نے تم کو میرے ذریعے غنی بنا دیا؟"۔ سو یہ آپ کی حیاتِ طیبہ کا ذکر ہے جبکہ آپ نے اس طرح کے ذرائع سے ان لوگوں کو مالدار اور غنی بنا دیا تھا۔ جیسا کہ سلف و خلف کے تمام ثقہ مفسرینِ کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اور اسی جلاس بن سوید منافق کو، جو کہ بعد میں تائب ہو کر سچے مسلمان بن گئے تھے، اس سلسلہ میں خاص طور پر نوازا تھا کہ اس کو دیت کی ایک بھاری رقم دلوائی تھی۔ سو اس سے اہلِ بدعت کا اپنے شرکیہ عقائد کے جواز کے لئے دلیل کشید کرنا سراسر باطل و مردود ہے اور رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کا اپنا ارشاد جو ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے وہ اس ارشادِ ربانی کی بہترین شرح و تفسیر ہے۔ اس میں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم لوگ تنگدست تھے تو میں نے تم کو غنی کر دیا بلکہ یوں فرمایا کہ میرے ذریعے اللہ پاک نے تم کو غنی بنا دیا "لَاَغْنَاکُمُ اللّٰهُ بِیْ" پس فضل بھی اللہ ہی کا ہے اور غنی بنانا بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی شان اور اسی کی صفت ہے۔ پس اس میں مافوق الاسباب طور پر کسی اور کو شریک ماننا صحیح نہیں بلکہ یہ شرک ہوگا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ پس آیتِ کریمہ میں جس اغناء و انعام کا ذکر ہے اس کا تعلق دراصل حیاتِ دنیا میں اور ظاہری اسباب کے اعتبار سے ہے، جیسا کہ تمام ثقہ مفسرینِ کرام کی تفسیروں میں موجود و مذکور ہے۔ (روح، مدارک، خازن، ابنِ جریر اور ابنِ کثیر وغیرہ وغیرہ)۔ بہر کیف اس ارشاد میں ان بے انصاف اور ناشکرے منافق لوگوں کی تنگ ظرفی، کمینگی، بے انصافی اور ناشکری کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے تو ان پر ایسے اور ایسے انعامات اور احسانات فرمائے گئے مگر انہوں نے اس کا حق یہ ادا کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کا مذاق اڑاتے اور دن رات اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَإِن يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ

ان کے لئے بہتر ہے ۱۵۴ اور اگر یہ منہ موڑے ہی رہیں گے، تو اللہ انہیں دردناک عذاب میں

عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ

مبتلا کرے گا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور ان کے لئے

فِي الْأَرْضِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٧٤﴾ وَمِنْهُم

(پوری روئے) زمین میں نہ کوئی یار ہوگا، نہ مددگار، اور ان میں سے

مَّنْ عَاهَدَ اللَّهَ لَئِنْ آتَانَا مِن فَضْلِهِ

بعض وہ بھی ہیں جنہوں نے عہد کیا اللہ سے کہ اگر اس نے نواز دیا ہم کو اپنے فضل سے،

لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا

تو ہم خوب خیرات کریں گے، اور بڑے نیک بن جائیں گے، ۱۵۵ مگر جب

آتَاهُم مِّن فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوا وَّهُم

اللہ نے نواز دیا ان کو اپنے فضل سے تو یہ اس میں بخل کرنے لگے، اور یہ پھر گئے

۱۵۴ توبہ کا فائدہ خود بندے کو: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ توبہ کرلیں تو خود ان ہی کیلئے بہتر ہوگا: کہ اس کا فائدہ خود انہی کو پہنچے گا کہ اس سے ان کے یہ سنگین جرم معاف کردئے جائیں گے۔ اور اس طرح یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی آغوش میں آجائیں گے کہ "تاب یتوب توبا ومتابا" کے اصل معنی لوٹنے اور رجوع کرنے کے آتے ہیں۔ سو بندہ جب کسی جرم وقصور کا ارتکاب کرلیتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ تو وہ اللہ کی رحمت سے دور ہوجاتا ہے اور اسکی رحمت و عنایت اس سے منہ موڑ لیتی ہے۔ لیکن جب وہ صدقِ دل سے توبہ کرکے اسکی بارگہِ اقدس واعلیٰ کی طرف لوٹتا ہے تو اسکی رحمت اسکو پھر اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ سو بابِ توبہ قدرت کی طرف سے ایک عظیم الشان عنایت اور رحمت ہے جو اسکے بندوں کو عطاء فرمائی گئی ہے۔ سو توبہ خود توبہ کرنے والے کے حق میں بہتر ہے کہ اس سے اسکے گناہوں کی وہ میل دھلتی اور صاف ہوتی ہے جسکے دھلنے اور صاف ہونے کا اور کوئی طریقہ ممکن ہی نہیں۔ اور توبہ کرنے کے بعد وہ ایسا ہوجاتا ہے جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ جیسا کہ نبیِ معصوم کے ارشادِ عالی میں فرمایا گیا۔ یعنی "گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں" بشرطیکہ توبہ صحیح معنوں میں توبہ ہو۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيقِ لِمَا يُحِبُّ

وَيُرِيْدُ وَهُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْلِ - بہرکیف توبہ قدرت کی ایک عظیم الشان رحمت و عنایت ہے جس سے اس نے اپنے بندوں کو نوازا ہے۔ تاکہ وہ معاصی و ذنوب کی میل سے پاک ہو سکیں- والحمد للہ-

۱۵۵ ایک سبق آموز اور عبرتناک قصے کا ذکر و بیان: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے شخص نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر اللہ نے اپنے فضل سے ہمیں نواز دیا تو ہم خوب خیرات کریں گے اور بڑے نیک بن جائیں گے اپنے مال کو نیک کاموں میں صرف کر کے۔ کہ اس طرح ہم خوب ثواب کمائیں گے۔ روایات کے مطابق یہ آیاتِ کریمہ ثعلبہ بن حاطب انصاری کے بارے میں نازل ہوئیں۔ عام روایات میں اسی کا ذکر ہے۔ جبکہ بعض اہلِ علم کا کہنا ہے کہ اس سے مراد وہ انصاری صحابی نہیں بلکہ یہ اِسی نام کا کوئی اور شخص تھا (حاشیہ صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ جو بھی ہو ثعلبہ نامی اس شخص نے آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اللہ کے رسول! میرے حق میں اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بہت سا مال دے "اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّرْزُقَنِيْ مَالًا" تو اسکے جواب میں آپؐ نے فہمائش کرتے ہوئے اس سے فرمایا کہ ثعلبہ تم پر افسوس ہے۔ وہ تھوڑا مال جس پر تم اللہ کا شکر ادا کر سکو اس کثیر مال سے کہیں بہتر ہے جس کا تم شکر نہ ادا کر سکو" وَيْحَكَ يَا ثَعْلَبَةَ قَلِيْلٌ تُؤَدِّيْ شُكْرَهٗ خَيْرٌ مِّنْ كَثِيْرٍ لَا تُطِيْقُهٗ" مگر اس کے باوجود اس شخص نے نہ مانا اور وہ پھر اپنی وہی طلب و درخواست دوہراتا گیا۔ تب آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- نے اس کے لئے یہ دعاء فرما دی۔ اس کے بعد اس شخص کی بکریاں بڑھنا اور پھیلنا شروع ہو گئیں اور ایسے جیسے کیڑے بڑھتے اور پھیلتے ہیں یہاں تک کہ اس کے لئے مدینے میں جگہ تنگ ہو گئی۔ تو اس نے مدینے سے باہر جا کر ایک وادی میں ڈیرہ ڈال دیا اور وہیں رہنے لگا۔ صرف جمعہ اور جماعت کے لئے مدینہ آتا یہاں تک کہ وہ جگہ بھی اس کے لئے تنگ ہو گئی تو وہ شخص اس سے بھی آگے نکل گیا اور صرف جمعہ کے لئے مدینے آتا اور بس۔ اور یہاں تک کہ اس سے جمعہ کی حاضری بھی چھوٹ گئی -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ -اور پھر زکوٰۃ فرض ہونے پر جب اس سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا گیا تو اس نے یہ کہہ کر زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا کہ "یہ تو جزیہ ہے" تو اس پر یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں۔ جب اس شخص کو اس کا پتہ چلا وہ چیختا چلاتا زکوٰۃ لے کر حضورؐ کی خدمت میں پہنچا تو آپؐ نے اس کے لینے سے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- نے انتقال فرما لیا۔ تو آپؐ کے بعد یہ شخص اپنی زکوٰۃ لے کر حضرتِ صدیق اکبرؓ اور پھر حضرتِ عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان دونوں میں سے بھی کسی نے اسے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ جس چیز کو حضورؐ نے قبول نہیں فرمایا اس کو ہم ایسے کیسے لے سکتے ہیں جبکہ اللہ کے رسول نے اس کے لینے سے صاف انکار فرما دیا؟ یہاں تک کہ حضرتِ عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں یہ شخص مر کر اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ سو یہ ہے انجام اس مال کا جس کے لئے دنیا پرست انسان جیتا اور مرتا ہے اور دنیائے دوں کی اسی متاعِ قلیل کو سب کچھ سمجھ کر وہ عمرِ رواں کی اپنی پونجی اور فرصتِ محدود کو اسی کے لئے تج دیتا ہے۔ اور اس طرح وہ اپنی آخرت اور اس کی حقیقی اور ابدی زندگی اور اُس کے تقاضوں کو بھول کر دارین کی سعادت و سرخروئی سے محروم ہو جاتا ہے اور اس طرح خسرانِ مبین میں مبتلا ہو کر رہتا ہے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- اللہ تعالیٰ ہر طرح کے زیغ و ضلال اور انحراف سے ہمیشہ محفوظ رکھے-آمین ثم آمین۔ سو دنیا کے مال و دولت کی بنا پر مست و مگن اور مغرور ہو کر اپنے مآل و انجام کو بھول جانا بہت بڑے خسارے کا سودا ہے-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ-

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ

منہ موڑ کر، سو اس کے نتیجے میں اللہ نے نفاق بٹھا دیا ان کے دلوں میں، ۱۵۶

اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا

اس (ہولناک) دن تک جس دن کہ یہ پیش ہوں گے اس کے حضور اس بناء پر کہ انہوں نے خلاف ورزی کی اللہ سے کیے گئے

وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا

اپنے وعدے کی، اور اس بناء پر کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے تھے، ۱۵۷ کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں

۱۵۶ براعمل برے انجام کا باعث - والعیاذُ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس کے نتیجے میں اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق کو بٹھا دیا۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ براعمل برے انجام کا باعث بنتا ہے۔ اور برائی کی نقد سزا کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اس سے انسان نیکی اور بھلائی سے محروم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ نیکی اور بھلائی کی ایک فوری اور نقد جزا یہ بھی ہے کہ اس سے انسان کو مزید نیکی اور بھلائی کا موقع ملتا ہے۔ روایات میں وارد ہے "اِنَّ مِنْ جَزَآءِ الْحَسَنَةِ الْحَسَنَةُ بَعْدَهَا وَاِنَّ مِنْ جَزَآءِ السَّیِّئَةِ السَّیِّئَةُ بَعْدَهَا" اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ گناہ کفر و نفاق کا ذریعہ اور راستہ ہیں "المعاصی برید الکفر" - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں نیکی ہی نصیب فرمائے اور ہمیشہ اور ہر حال میں برائی سے محض اپنے فضل و کرم سے محفوظ رکھے - آمین ثم آمین یا رب العالمین۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے اللہ سے کیے ہوئے اپنے وعدے کی خلاف ورزی کی اور وہ برابر جھوٹ ہی بولتے گئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کی پاداش میں ان کے دلوں کے اندر نفاق کی ایسی جڑ جما دی جو خداوندِ قدوس کے حضور ان کی پیشی تک اسی طرح جمی رہے گی اور وہ اسی وقت اکھڑ گی جبکہ جزائے اعمال کا مرحلہ بالکل سامنے ہوگا - اللہ تعالیٰ بری نیت اور برے عمل کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین۔

۱۵۷ کذب بیانی کے ہولناک انجام کا ایک نمونہ: سو ایسے لوگوں کے اس ہولناک انجام کے سبب اور باعث کے ذکر و بیان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ایسا اس بنا پر ہوا کہ انہوں نے خلاف ورزی کی اللہ سے کیے گئے اپنے وعدے کی اور اس بناء پر کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے تھے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وعدہ خلافی کرنا اور جھوٹ بولنا کس قدر بڑے برے اور سنگین جرم ہیں کہ ان کا نتیجہ و انجام اس قدر برا اور ہولناک ہوتا ہے۔ اسی لئے صحیح احادیث میں ان باتوں کو منافقانہ خصلتوں میں شمار کیا گیا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - سو کذب بیانی کئی طرح کے مفاسد کی جڑ بنیاد ہے اور یہ نفاق کی علامتوں میں سے ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - بہر کیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ چیز ان لوگوں کے اندر اتفاقاً اور اچانک نہیں گھس آئی بلکہ یہ ان کے ایک دانستہ نقضِ عہد، طویل جھوٹ اور فریب کاری کا نتیجہ ہے۔ ان لوگوں نے اپنے اس نفاق کی رضاعت و پرورش اور اسکے پالنے پوسنے پر ایک مدت صرف کی جس سے نفاق کے اس شجرۂ خبیثہ کی جڑیں انکے اندر ایسی گہری ہوگئی ہیں کہ اس سے ان کی جان اب مر کے ہی چھوٹ سکے گی۔ لہٰذا تم ان کے بارے میں کسی اصلاح اور توبہ کی کوئی توقع نہ رکھو۔ ان کے دلوں کا یہ کثیف اور دبیز پردہ اسی وقت ہٹے گا جبکہ یہ اصل حقیقت کو سورج کی طرح اپنے سامنے دیکھیں گے اور پھر اس کے انجام بد سے ان کی گلو خلاصی کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ -

أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ

کہ اللہ پوری طرح جانتا ہے ان کے پوشیدہ رازوں اور چھپی سرگوشیوں تک کو؟ اور یہ کہ اللہ ہی

عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٧٨﴾ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ

جاننے والا ہے سب غیبوں کو؟ ۱۵۸ (اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں) جو زبانِ طعن دراز کرتے ہیں ان سچے ایمانداروں پر

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ

جو خوشی خوشی خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں، اور یہ مذاق اڑاتے ہیں ان (غریبوں) کا جن کے پاس (خرچ

إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ

کرنے کو) کچھ نہیں ہوتا، سوائے اپنی مشقت (کی کمائی) کے، ۱۵۹ سو یہ تو ان کا مذاق اڑاتے ہیں، مگر اللہ خود ان کا مذاق

۱۵۸ **علمِ غیب خاصہ خداوندی ہے:-** سو ﴿وَأَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾ کے جملے میں قاعدے کے مطابق مبتداء و خبر دونوں کی تعریف مفیدِ حصر ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ ہی ہے سب غیبوں کو جاننے والا - سبحانہٗ وتعالیٰ - پس اس سے معلوم ہوا کہ سب غیبوں کو جاننے والا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ لہٰذا اس کے سوا کسی بھی اور ہستی کو عالمِ غیب جاننا اور ماننا خواہ وہ کوئی نبی ہو یا ولی اس طرح کی آیاتِ کریمہ کے خلاف اور شرکیہ عقیدہ ہوگا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو علمِ غیب خاصہ خداوندی ہے۔ اس میں کسی اور کو شریک ماننا شرک ہوگا جو کہ ظلمِ عظیم ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ تعالیٰ شرک اور ظلم کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہر قدم اپنی رضاء کے مطابق اٹھانے کی توفیق بخشے - آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۱۵۹ **منافقوں کے لیے بڑا ہولناک عذاب:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ سچے اہلِ ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں مگر اللہ خود ان کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کے لیے بڑا دردناک عذاب ہے۔ اور اپنی اسی محرومی اور بے ایمانی کی بنا پر یہ لوگ سچے مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ چنانچہ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب بعض صحابۂ کرام اپنی ہمت و استطاعت کے مطابق اور اپنے جذبۂ ایمانی کی بناء پر ڈھیروں مال لے کر حاضر ہوتے تو منافقین کہتے کہ یہ لوگ اپنی ناموری اور دکھلاوے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ اور جو غریب صحابہ اپنی گنجائش کے مطابق تھوڑا سا کچھ سامان پیش کرتے تو تب یہ لوگ ان پر اس طرح کے آوازے کستے کہ لو جی! یہ صاحب بھی انگلی کٹا کر شہیدوں میں شامل ہونا چاہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ منافقین کا یہ گروہ ایمان و اخلاص کی دولت سے خود محروم تھا اس لئے یہ دوسروں کے لئے بھی یہی کچھ سوچتا تھا کہ "اَلْاِنَاءُ يَتَرَشَّحُ بِمَا فِيْهِ" "برتن سے باہر وہی کچھ ٹپکتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے" اور بدظنی و بدگمانی ان کے دل و دماغ میں ایسی پیوست ہو کر رہ گئی تھی کہ کسی کے بارے میں بھی یہ لوگ حسنِ ظن سے کام نہیں لیتے تھے اور دوسروں کے ہر عمل کو خواہ وہ کتنے ہی صدق و اخلاص سے کیوں نہ کیا گیا ہو یہ لوگ غلط معنیٰ پہناتے اور اس کا غلط مطلب نکالتے تھے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - کہ انسان ہمیشہ دوسروں کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے کہ جیسا میں ہوں اسی طرح دوسرے بھی ہیں۔ اور یہ منافق لوگ چونکہ ایمان و یقین کی دولت سے محروم تھے اس لیے انکی نگاہ میں ہر بات الٹی ہوگئی تھی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ زیغ و ضلال کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین۔

مِنۡهُمۡ ز وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۷۹﴾ اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ

اڑا رہا ہے، اور ان کے لئے ایک بڑا ہی دردناک عذاب ہے، آپ (اے پیغمبر!) ان کے لئے بخشش کی دعا کریں

اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ط اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ

یا نہ کریں، ان کے لیے (ایک برابر ہے ۱۶۰ کہ) آپ اگر ان کے لئے ستر مرتبہ بھی بخشش کی دعاء کریں

مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا

گے تو بھی اللہ نے ان کو ہرگز نہیں بخشنا ۱۶۱ یہ اس لئے کہ انہوں نے (جان بوجھ کر) کفر کیا

بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ

اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ، اور اللہ ہدایت (کی دولت) سے نہیں نوازتا

الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۸۰﴾ ع فَرِحَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ بِمَقۡعَدِهِمۡ خِلٰفَ ۱۰ ع ۱۴

ایسے بدکار لوگوں کو، ۱۶۲ خوش ہو رہے ہیں وہ (بدنصیب) جن کو پیچھے چھوڑ دیا گیا ۱۶۳ (ان کے اپنے

رَسُوۡلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوۡۤا اَنۡ يُّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ

خبث باطن کی بناء پر، وہ خوش ہو رہے ہیں) اپنے بیٹھ رہنے پر، اللہ کے رسول کے (تشریف لے جانے کے) بعد، اور

وَاَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَقَالُوۡا لَا تَنۡفِرُوۡا فِى

ان کو گوارا نہ ہوئی یہ بات کہ یہ جہاد کریں اللہ کی راہ میں، اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ، ۱۶۴ مزید یہ کہ انہوں نے

۱۶۰ **پیغمبر مختار کل نہیں ہوتے:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ آپ ان کے لیے (اے پیغمبر) بخشش کی دعا کریں یا نہ کریں ان کے لیے ایک برابر ہے کہ اللہ نے ان کی بخشش ہرگز نہیں کرنی۔ سو ﴿اِسۡتَغۡفِرۡ﴾ کا صیغہ یہاں پر امر کے لئے نہیں خبر کے معنٰی میں ہے۔ (صفوۃ البیان)۔ یعنی ان بدبختوں کا کفر و نفاق اتنا سخت اور اس قدر سنگین ہو چکا ہے کہ آپ کا استغفار بھی اے پیغمبر ان کے لئے مفید نہیں ہوسکتا۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ۔ سو اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر مختار کل نہیں ہوتا جیسا کہ اہل بدعت وغیرہ کا کہنا ہے کیونکہ جو مختار کل ہوتا ہے وہ استغفار نہیں کیا کرتا کہ استغفار اور اختیار کلی کے درمیان منافات ہے۔ اور پھر اسکے بعد مزید یہ کہ اسکی بھی تصریح فرما دی گئی کہ آپ ان کیلئے بخشش کی دعا مانگیں یا نہ مانگیں انکی بخشش بہر حال نہیں ہوسکتی کہ کفر و نفاق نے انکو بری طرح جکڑ لیا ہے۔ وَالۡعِيَاذُ

بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- بہرکیف اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو ان اشقیاء کے لیے استغفار سے روک دیا اور اس شدت اور قطعیت کے ساتھ کہ اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ ان کی بخشش نہیں فرمائے گا۔ اور ستر کا عدد جیسا کہ محاورے کی زبان میں بولا جاتا ہے یہاں پر تحدید اور عدد کے لیے نہیں بلکہ تکثیر کے لیے ہے جیسا کہ عربی زبان میں معروف تھا اور ہے۔ اور خود ہماری زبان و محاورہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ اور ہر زندہ زبان میں پایا جاتا ہے۔ یعنی جتنا بھی استغفار کرو گے انکی بخشش نہیں کریں گے۔ سو معاملہ سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے اور مختارِ کل وہی ہے اور اس کی کسی بھی صفت میں کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۱۶۱ اختیارِ کلی وغیرہ کے بدعی عقائد کی تردید وتغلیط:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے تو بھی اللہ نے ان کو ہرگز نہیں بخشنا اور ستر کا کلمہ جیسا کہ ابھی اوپر بھی گزرا یہاں پر تعداد اور تحدید کے لئے نہیں بلکہ تکثیر کے لئے ہے۔ اور سات، ستر اور سو وغیرہ کے بعض اعداد کا تکثیر کے لئے استعمال ہونا کلام عرب میں شائع و ذائع ہے۔ اور خود ہمارے معاشرے اور محاورے میں بھی ایسا پایا جاتا ہے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ آپؐ اے پیغمبر! ان کے لئے جتنا بھی استغفار کریں وہ قبول ہونے والا نہیں اور ان لوگوں کی بخشش نہیں ہونے کی۔ (جامع البیان، محاسن التاویل اور کشاف وغیرہ) کہ ان کا کفر بہت سخت اور سنگین حد تک پہنچ چکا ہے۔ اور ان لوگوں نے اپنے سوء اختیار اور خبث باطن کی بناء پر اپنی صلاحیتوں کو ضائع کر دیا ہے۔ روایات میں وارد ہے کہ جب ﴿سَخِرَ اللّٰہُ مِنْھُمْ﴾ کا پچھلی آیت کریمہ والا ارشاد نازل ہوا تو ان منافقین نے آنحضرت- صلی اللہ علیہ وسلم- سے اپنے لئے استغفار کی درخواست کی جس کو آپؐ نے اپنی رحمت وشفقت کی بناء پر قبول فرمالیا۔ مگر جونہی آپؐ نے یہ ارادہ فرمایا کہ ان کے لئے استغفار کریں تو اس آیتِ کریمہ کے نزول سے آپؐ کو اس سے منع فرما دیا گیا۔ (روح، الکبیر، المنار وغیرہ)۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ حضراتِ انبیاء کرام- علیہم الصلوٰۃ والسلام- نہ مختارِ کل ہوتے ہیں نہ عالمِ غیب، جس طرح کہ اہلِ بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ اور جب حضرت امام الانبیاء- علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام- کی بھی یہ شان نہیں تو پھر اور کس کی ہوسکتی ہے؟ سو اس سے اہلِ بدعت کے اس طرح کے تمام خود ساختہ اور شرکیہ عقائد کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ والحمد للہ- بہرکیف ان کے لیے بخشش کی دعاء سے منع فرما دیا گیا اور ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَفَرُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ﴾ سے اسکی وجہ یہ بیان فرمائی گئی کہ "انہوں نے اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ کفر کیا" اور بخشش ان کے لیے ہوتی ہے جو اللہ اور اسکے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور صدق دل سے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور جبکہ یہ اس سے محروم ہیں تو پھر ان کی بخشش ہو تو کس طرح- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ وضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین۔

۱۶۲ فاسقوں کو ہدایت کی دولت نہیں مل سکتی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہدایت کی دولت سے نہیں نوازتا ایسے بدکاروں کو کہ ایسے لوگ ہدایت چاہتے ہی نہیں۔ اور ہدایت کی دولت جو کہ اللہ پاک کی طرف سے ملنے والی سب سے بڑی دولت ہے اور جو اُس واہبِ مطلق کی عطا فرمودہ نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے وہ ملتی اگرچہ مفت اور بالکل مفت ہے لیکن اس کے لئے اولین شرط اور اصل اساس طلبِ صادق ہے جس سے یہ لوگ محروم ہیں۔ اور ایسے محروم کہ اس محرومی کا ان کو احساس بھی نہیں۔ جس کا ایک مظہر اور شاخسانہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کے

رسول کی معیت میں سفرِ جہاد کے لئے نکلنے کی عظیم الشان سعادت سے محرومی پر بھی بجائے رنج و افسوس کرنے کے الٹا خوش ہوتے اور بغلیں بجاتے ہیں۔ اور بجائے اس کے کہ یہ اپنے کئے پر نادم ہوں اور توبہ و استغفار کے ذریعے صدقِ دل سے اپنے خالق و مالک کی طرف رجوع ہوں یہ الٹا اپنے کفر و باطل پر اڑے ہوئے ہیں۔ تو ایسوں کو نورِ ہدایت کی دولت سے سرفرازی کس طرح نصیب ہوسکتی ہے؟ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو انسان کے بناؤ بگاڑ، صحت و فساد اور اس کی صلاح و اِصلاح کا اصل اور بنیادی تعلق جیسا کہ پہلے بھی اس بارے گزر چکا ہے اسکے اپنے قلب و باطن سے ہے - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وهو الهادی الی سواء السبیل -

۱۲۳ بد نیتی اور سوءِ اختیار کا نتیجہ محرومی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ خوش ہو رہے ہیں وہ لوگ جن کو پیچھے چھوڑ دیا گیا یعنی یہاں پر ﴿مُتَخَلَّف﴾ نہیں ﴿مُخَلَّف﴾ فرمایا گیا ہے۔ اور ان دونوں کے معنوں میں بڑا فرق ہے کہ "متخلف" تو وہ ہوتا ہے جو اپنے طور پر اور اپنے ارادہ و اختیار سے خود پیچھے رہ جائے اور "مخلف" وہ ہوتا ہے جس کو ناکارہ اور نا اہل قرار دے کر پیچھے چھوڑ دیا جائے۔ یعنی ان منافقوں کو قدرت کی طرف سے پیچھے چھوڑ دیا گیا اور یہ لوگ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے پیغمبر کی معیت میں نکلنے کے شرف اور اس کی توفیق سے محروم کر دئے گئے کہ ان کی نیتیں صحیح نہیں تھیں۔ جس کے باعث یہ اس قابل ہی نہ رہے کہ ایسے مبارک اور باعثِ سعادت سفر میں شریک ہوسکیں جیسا کہ دوسری آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقَاعِدِيْنَ﴾ (التوبۃ: ۴۶)۔ سو عام طور پر اردو تراجم میں جو اس لفظ کا ترجمہ "پیچھے رہ جانے والے" کے الفاظ سے کیا جاتا ہے وہ اس کا پورا ترجمہ نہیں لگتا کہ اس سے اس کلمے کے معنیٰ کی پوری طرح عکاسی نہیں ہوتی۔ سو بد نیتی اور سوءِ اختیار کا نتیجہ محرومی ہی ہوتا ہے۔ قدرت کا قانون و دستور یہی ہے کہ جو لوگ اپنی نیت و ارادہ کو درست نہیں کرتے اور اپنے قلب و باطن کی اصلاح نہیں کرتے ان کو قدرت کی توفیق و عنایت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور اسکے نتیجے میں یہ ہر خیر سے محروم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور ایسے لوگ مخلف (Rejected) ہو کر رہ جاتے ہیں جو کہ خساروں کا خسارہ اور محرومیوں کی محرومی ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ فکر و عمل کی ہر کجی سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین ثم آمین۔

۱۲۴ خبثِ باطن کا نتیجہ خسارے پر خسارہ - والعیاذُ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو گوارا نہ ہوئی یہ بات کہ یہ جہاد کریں اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ اور اس طرح یہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور ہوں اور وہ بھی حضرت امام الانبیاء - صلوات اللہ وسلامہ علیہ - کی رفاقت و سربراہی میں۔ اور اس طرح یہ لوگ اپنے سوءِ اختیار کی بناء پر خسارے پر خسارے میں مبتلا ہوئے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ تعالیٰ خبثِ باطن اور سوءِ اختیار کے ہر شائبہ سے ہمیشہ اور ہر حال میں محفوظ رکھے - بہر کیف اس ارشاد سے ان لوگوں کی محرومی اور مت ماری کا ایک اور نمونہ سامنے آ گیا کہ یہ لوگ رسول سے اس سفرِ جہاد میں پیچھے رہ جانے پر افسوس کرنے کے بجائے الٹا خوش ہوتے ہیں اور اپنے جھوٹے حیلوں بہانوں کی بنا پر سفرِ جہاد سے پیچھے رہ جانے پر افسوس کرنے کی بجائے الٹا یہ اسکو اپنی ہوشیاری سمجھتے اور چالاکی قرار دیتے ہیں۔ سو جو بات خوش ہونے کی تھی وہ تو ان کو ناگوار و ناپسند ہوئی اور جو چیز ماتم کرنے کی تھی اس پر یہ خوش ہوئے اور پھولے نہیں سماتے۔ سو یہ سب کچھ ان لوگوں کے "مخلف" ہونے کے آثارِ بد اور ثمارِ خبیثہ میں سے ہے - والعیاذ باللہ العظیم -

الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱

(دوسروں سے بھی) کہا کہ تم لوگ مت نکلو ایسی (سخت) گرمی میں، (ان سے) کہو کہ دوزخ کی آگ اس سے کہیں

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا

زیادہ گرم ہے، ۱۶۵ کاش کہ یہ لوگ سمجھ لیتے (حق اور حقیقت کو،) سو ہنس لیں یہ لوگ تھوڑا سا، ۱۶۶ اور ان کو رونا پڑے گا بہت

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸۲ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ

زیادہ، ۱۶۷ اپنی اس کمائی کے بدلے کے طور پر جو یہ لوگ کرتے رہے تھے (اپنی زندگیوں میں،) سو اگر اللہ آپ کو واپس

مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ

لے جائے (اے پیغمبر!) ان میں سے کسی گروہ کے پاس، پھر اگر یہ کسی موقع پر آپ سے اجازت مانگیں (جہاد میں)

تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ

نکلنے کی، تو ان سے کہیئے گا کہ تم اب کبھی بھی میرے ساتھ نہیں نکل سکو گے، اور نہ ہی تم کبھی میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن

اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ

سے لڑ سکو گے، (کیونکہ) تم لوگوں نے بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا پہلی مرتبہ، سو اب تم (ہمیشہ کے لئے) بیٹھے رہو پیچھے

الْخٰلِفِيْنَ ۝۸۳ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓي اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ

رہنے والوں کے ساتھ، ۱۶۸ اور ان میں سے کسی پر کبھی نماز بھی نہیں پڑھنا جو

۱۶۵ **دوزخ کی آگ بڑی ہی سخت ہے:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ دوزخ کی آگ دنیا کی اس گرمی سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ اور اس کو تم لوگوں نے خود اختیار کر لیا ہے اپنے کفر و نفاق اور اپنی اس معصیت اور نافرمانی کی بناء پر۔ تو تمہاری عقل و سمجھ کو کیا ہو گیا کہ تم اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے؟ اور دنیا کی اس معمولی گرمی سے ڈرنے اور بچنے کی فکر تو تم کرتے ہو مگر دوزخ کی اس سخت ہولناک اور دائمی آگ سے بچنے کا تمہیں کوئی خیال تک نہیں؟ بلکہ تم لوگ کفر و شرک کو اپنا کر دوزخ کی اس ہولناک آگ کی طرف ہی بڑھے چلے جا رہے ہو اور اپنے اس ہولناک انجام کی تمہیں پرواہ تک نہیں اور خود اس سے بچنے کی بجائے الٹا دوسروں کو بھی اسی میں جھونکنے کی کوشش کرتے ہو۔ سو ایمان و یقین کی دولت سے محروم انسان ایسا ہی اندھا اور اوندھا بن کر رہ جاتا ہے اور اس حد تک کہ اس کو اپنے نفع و نقصان کا بھی شعور نہیں رہتا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۶۱ تھوڑا ہنس لو، تمہارا انجام بہرحال بہت برا ہے:- یعنی دنیا کی اس چند روزہ زندگی میں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ مِنْ زَیْغٍ وَّانْحِرَافٍ - کہ دنیا کی یہ زندگی، خواہ کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو، آخرت کے مقابلے میں تھوڑی، بہت تھوڑی، بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ سو اس کی خوشی کیا خوشی ہے اور اس کا ہنسنا کیا حیثیت رکھتا ہے؟ سو اس میں تم ہنس لو اور عیش کر لو۔ تمہارا انجام بہرحال بہت برا ہے- والعیاذ باللہ- بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جب یہ لوگ دنیا کی اس گرمی اور دھوپ کی شدت سے بھاگ کر دوزخ کی آگ میں کودنے کے لیے تیار ہو گئے تو اپنی اس کرتوت کی پاداش میں ان کے لیے حق اور مناسب یہ ہے کہ یہ لوگ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ کہ ان کا انجام بڑا ہی سخت اور نہایت ہی ہولناک ہے۔ لیکن ان لوگوں کی مت ایسی ماری گئی اور یہ حق و حقیقت کے فہم و اِدراک سے اس قدر عاری اور محروم ہو گئے کہ یہ اپنی اس بدبختی پر رونے کی بجائے الٹا خوش ہوتے ہیں۔ سو ان کے عمل اور اسکی جزا دونوں کو ان کے سامنے رکھ دیا گیا تاکہ اسکی روشنی میں یہ اپنا نتیجہ و انجام خود دیکھ لیں۔

۱۶۲ چند روزہ ہنسی پھر ہمیشہ کا رونا- والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر ان کو رونا پڑے گا بہت زیادہ۔ جبکہ ان کو ڈالا جائے گا دوزخ کی آگ میں ابدالآباد تک اور ہمیشہ ہمیش کے لئے۔ (جامع البیان) کہ تم لوگوں نے اپنے کفر و نفاق کی بناء پر اپنی محرومی کی جس راہ کو خود اپنایا ہے اس کا نتیجہ یہی ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- سو سوچو اور غور کرو کہ دنیاوی زندگی کی اس چند روزہ مہلت کی عیش کوشی کو ہی اپنا نصب العین اور مقصدِ حیات بنا کر اور آخرت کی اپنی دائمی زندگی کو بھول کر اور اسکے تقاضوں کو پسِ پشت ڈال کر تم لوگ کس قدر ہولناک خسارے کا سامان کر رہے ہو- والعیاذ باللہ العظیم- بہرکیف ان کے عمل اور اسکی جزاء دونوں کو نگاہوں کے سامنے مستحضر کر دیا گیا تاکہ جس کے اندر بصیرت ہو وہ اپنے عمل کے آئینے میں اپنے انجام اور اپنی جزا کو خود دیکھ لے اور اپنی روش کی اصلاح کر لے قبل اس سے کہ حیاتِ دنیا کی یہ فرصتِ محدود و مختصر اسکے ہاتھ سے نکل جائے اور اس کو ہمیشہ ہمیش کے لیے پچھتانا پڑے۔ اور جو اندھے اور بہرے ہی بنے رہیں گے وہ اپنے انجام کو پہنچ کر رہیں گے اپنی کمائی کے نتیجے میں -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ-

۱۶۳ بدنیتی اور دوں ہمتی کے باعث محرومی کا ٹھپہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ چونکہ تم لوگوں نے پیچھے بیٹھ رہنے کو پسند کیا پہلی مرتبہ۔ سو اب تم لوگ پیچھے رہو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ یعنی بچوں، بوڑھوں، معذوروں اور عورتوں کے ساتھ کہ تمہاری بدنیتی، بے ہمتی، کور باطنی اور سوءِ اختیار کا صلہ و ثمرہ یہی ہے۔ سو انسان کی بدنیتی اور اسکی دُوں ہمتی اسکو اس حد تک پہنچا دیتی ہے کہ اس پر محرومی اور حرماں نصیبی کا ٹھپہ لگ جاتا ہے اور وہ ہمیشہ کیلئے محروم ہو جاتا ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اگر اللہ آپ کو واپس لوٹا کر ان میں سے کسی گروہ کے پاس پہنچا دے اور یہ لوگ آئندہ کبھی آپ سے کسی جہاد میں شرکت کی اجازت مانگیں تو آپ ان کو اسکی اجازت نہ دینا اور ان سے کہنا کہ تم لوگ چونکہ پہلی مرتبہ پیچھے بیٹھ رہنے پر راضی ہو گئے اس لیے اب آئندہ تم انہی پیچھے بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اب تم میرے ساتھ کبھی بھی نہیں نکل سکتے۔ سو یہی ہوتا ہے نتیجہ بدنیتی اور سوءِ اختیار کا یعنی ہمیشہ کی محرومی -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- اللہ تعالیٰ بدنیتی اور سوءِ اختیار کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے- آمین۔

اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ

مر جائے، اور نہ ہی کھڑے ہونا اس کی قبر پر، کیونکہ انہوں نے کفر کیا اللہ اور

رَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ

اس کے رسول کے ساتھ، اور یہ مرے تو اس حال میں کہ یہ فاسق تھے، ۱۶۹ اور تعجب (اور

اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ

دھوکے) میں نہ ڈالنے پائیں تم کو ان لوگوں کے مال اور نہ ہی ان کی اولادیں، سوائے اس کے نہیں کہ اللہ چاہتا ہے کہ

بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

ان کو عذاب میں مبتلا کرے، انہی چیزوں کے ذریعے دنیا میں، اور ان کا دم بھی نکلے تو کفر ہی کی حالت میں نکلے، ۱۷۰

وَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ

اور جب نازل کی جاتی ہے کوئی سورت (اس مضمون کی) کہ تم لوگ ایمان لاؤ اللہ پر، اور جہاد کرو (اس کی راہ میں،)

رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا

اس کے رسول کے ساتھ ہو کر، ۱۷۱ تو آپ سے اجازت مانگنے لگتے ہیں ان میں سے مقدور والے لوگ، (جہاد میں نہ جانے کی،)

۱۶۹ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل:- یہ آیتِ کریمہ اُس وقت نازل ہوئی جب کہ آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- نے رئیس المنافقین ابن ابی بن سلول کے جنازہ پر نماز پڑھنے کا ارادہ فرمایا اور اس کو اپنے کرتے مبارک کا کفن بھی پہنایا کیونکہ اس کے بیٹے حضرت عبد اللہ مخلص مسلمان تھے جن کی دلجوئی مطلوب تھی۔ تو حضرتِ عمرِ فاروقؓ اس موقع پر آنحضرت -ﷺ- اور قبلہ کے درمیان کھڑے ہو گئے اور عرض کیا اللہ کے رسول! آپؐ منافقوں کے اس سردار کی نمازِ جنازہ کیسے پڑھا رہے ہیں؟ تو اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (بخاری کتاب التفسیر، مسلم کتاب فضائل الصحابۃ، ترمذی کتاب التفسیر)۔ اسی لئے جمہور مفسرینِ کرام نے اس واقعہ کو اس آیت کریمہ کی شانِ نزول قرار دیا ہے۔ (روح، ابنِ جریر، ابنِ کثیر، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر اور جامع البیان وغیرہ وغیرہ)۔ سو اس میں آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- کو منافق کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے منع فرما دیا گیا۔ چنانچہ اس کے بعد آپؐ نے کبھی کسی منافق کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی۔ نیز یہ موقع ان متعدد مواقع میں سے ایک ہے جن میں حضرت عمر- رضی اللہ عنہ- کی رائے کے مطابق آسمان سے وحی نازل ہوئی۔ ان کو "موافقاتِ عمر" کہا جاتا ہے اور یہ آپؓ کی ایک امتیازی شان ہے- رضی اللہ عنہ وارضاہ- سو

اس واقعہ سے اہلِ بدعت کے کئی شرکیہ عقائد کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ کیونکہ اس سے صاف اور صریح طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل۔ جس طرح کہ اہلِ بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ نیز یہاں سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ اپنا ایمان وعقیدہ اگر صحیح نہ ہو تو دوسرے کی طرف سے کچھ بھی کام نہیں آ سکتا۔ یہاں تک کہ حضرت امام الانبیاء۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے جسمِ مبارک سے لگا ہوا کرتا بھی کچھ کام نہیں آ سکتا۔ سو اس سے ان جاہل مسلمانوں کے مفروضے ختم ہوجاتے ہیں جو انہوں نے ازخود مختلف بے بنیاد سہاروں پر قائم کر رکھے ہیں۔ پس کام آنے والی چیز انسان کا اپنا ایمان وعقیدہ اور عمل و کردار ہے اور بس۔ بہر کیف ابن ابی کے اس قصے سے اہلِ بدعت کے بہت سے شرکیہ اور بدعی عقائد کی جڑ نکل جاتی ہے۔ والحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ فکر و عمل کی ہر کجی سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔

۱۷۰ کافروں اور منکروں کا مال و متاع انکے لیے باعثِ عذاب و وبال: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم منکرین کے اموال و اولاد سے کبھی دھوکے میں نہیں پڑنا کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان لوگوں کو انہی چیزوں کے ذریعے عذاب میں ڈالے۔ دنیا میں اور اس کے نتیجے میں ان کی جانیں بھی نکلیں تو کفر ہی کی حالت میں۔ یہ دراصل بیان ہے اللہ پاک کی ان سننِ کونیہ میں سے ایک سنتِ عظیم کا جو کہ اس کارخانۂ ہست و بود میں کارفرما ہیں کہ جب انسان اس وحدہٗ لا شریک کی طرف سے منہ موڑ کر اسی دنیائے دوں کے متاعِ فانی اور حطامِ زائل کے جوڑنے اور جمع کرنے میں لگ جاتا ہے اور اپنے خالق و مالک کو بھول جاتا ہے تو اس کا انجام یہی ہوتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ کہ وہ نورِ ہدایت سے محروم ہو کر راہِ حق و صواب سے بھٹک جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی موت بھی کفر ہی کی حالت میں ہوتی ہے اور اس طرح وہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے محروم ہو کر ہمیشہ کے عذاب میں جا پڑتا ہے اور وہ ۔﴿خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ﴾۔ کا مصداق بن جاتا ہے ۔وَذَالِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ۔یعنی یہی ہے کھلا اور سب سے بڑا اور ہولناک خسارہ۔ سو کفر و انکار کے ساتھ دنیاوی مال و دولت کا ملنا کوئی انعام اور خیر نہیں بلکہ یہ کفار و منکرین کیلئے باعثِ وبال و عذاب ہے، جیسا کہ دوسری مختلف نصوص میں اس حقیقت کو طرح طرح سے واضح فرمایا گیا ہے۔ پس اصل دولت ایمان و یقین کی دولت ہے جسکے بعد دنیا ملے تو بھی خیر اور نہ ملے تو بھی خیر۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِنِعْمَۃِ الْاِیْمَانِ اَللّٰھُمَّ زِدْنَا مِنْہُ وَثَبِّتْنَا عَلَیْہِ۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین۔

۱۷۱ فضیلت پر فضیلت کی دعوت: ۔ کہ تم لوگ ایمان لاؤ اللہ پر اور اسکے رسول پر اور جہاد کرو اس کے رسول کے ساتھ تاکہ اس طرح تم دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ ور ہو سکو۔ سو یہ سب کچھ خود تمہارے اپنے بھلے کے لئے ہے ورنہ اللہ تو ہر کسی سے اور ہر طرح سے غنی و بے نیاز ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ ۔ بہر کیف جب جہاد کا حکم دیا جاتا ہے تاکہ تم فضیلت پر فضیلت اور سعادت در سعادت سے سرفراز ہو سکو کہ اس میں ایک طرف تو جہاد کی سعادت و فضیلت ہے اور دوسری طرف رسول کے ساتھ جہاد کرنے کی سعادت و فضیلت تو ایسے موقع پر ان کے مالدار اور قدرت رکھنے والے لوگ بھی پیچھے رہنے کے لیے اجازت مانگتے ہیں اور اس کے لیے کوئی نہ کوئی عذر گھڑ کر یہ لوگ رخصت مانگنے کے لیے پیغمبر کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ حالانکہ ایسوں کے لیے ایسے مواقع پر فضیلت پر فضیلت سے سرفرازی کا موقع تھا۔ مگر یہ اس سے منہ موڑتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔

ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ

اور کہتے ہیں کہ چھوڑ دیجئے ہمیں کہ ہم رہ جائیں بیٹھنے والوں کے ساتھ، یہ راضی ہو گئے اس بات پر کہ ساتھ رہیں گھروں میں

الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

بیٹھنے والیوں کے، اور مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر، جس سے یہ سمجھ ہی نہیں پا رہے (اپنے حقیقی نفع نقصان کو،)

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا

لیکن اللہ کے رسول اور وہ لوگ جو (صدقِ دل سے) ایمان لائے آپ کے ساتھ، انہوں نے جہاد کیا

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ز وَ

اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے، اور یہی لوگ ہیں جن کے لئے سب بھلائیاں ہیں، اور

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ

یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ۱۷۲ تیار فرما رکھی ہیں اللہ نے ان کے لئے ایسی عظیم الشان جنتیں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ

جن کے نیچے سے بہہ رہی ہوں گی طرح طرح کی (عظیم الشان اور عدیم المثال) نہریں، جہاں ان کو ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا،

۱۷۲ فلاح پانے والے خوش نصیبوں کی نشان دہی: سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ صدقِ دل سے ایمان لائے اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد بھی کیا تو ایسے ہی خوش نصیب ہیں جن کے لیے سب بھلائیاں ہیں اور یہی ہیں فلاح پانے والے کہ ایسوں کو دنیا میں فتح و نصرت کی خوشی و مسرت، اعلاءِ کلمۃ اللہ اور غلبۂ دینِ حق کا شرف و اعزاز اور مالِ غنیمت اور آخرت میں دائمی اور ابدی نعمتوں سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے۔ سو صدقِ ایمان اخلاصِ عمل اور جہاد فی سبیل اللہ وہ بنیادی اوصاف ہیں جو انسان کو خیرات و حسنات کا اہل بناتے اور اسکو دارین کی سعادت و سرخروئی سے ہمکنار و مالا مال کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف اس ارشاد سے سچے پکے اہلِ ایمان کا کردار اور ان کا انجام بیان فرمایا گیا ہے کہ ایسے لوگ پیچھے رہنے کے لیے اجازت نہیں مانگتے بلکہ اپنے جان و مال کے ساتھ راہِ خدا میں جہاد کرنے کے لیے بصد شوق و رغبت حاضر ہوتے ہیں۔ سو ایسے ہی لوگوں کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائیاں بھی ہیں اور یہی خوش نصیب فوز و فلاح اور حقیقی کامیابی سے سرفراز و سرشار ہونے والے ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلٰی ما یحب و یرید۔

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٨٩﴾ ع وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ

یہی ہے بڑی کامیابی، ۱۷۳ اور آئے بہانہ باز

الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا

دیہاتی، تاکہ ان کو اجازت دے دی جائے (گھروں میں بیٹھ رہنے کی) اور (اسی طرح) بیٹھے رہے وہ لوگ بھی

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ

جنہوں نے جھوٹ بولا تھا اللہ اور اس کے رسول سے، عنقریب ہی پہنچ کر رہے گا ایک دردناک عذاب ان لوگوں کو جو ان میں سے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٩٠﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى

اڑے رہے تھے اپنے کفر (و باطل) پر، ۱۷۴ کوئی تنگی (اور گناہ) نہیں کمزوروں، اور بیماروں پر،

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا

اور نہ ان لوگوں پر، جو کچھ نہیں پاتے خرچ کرنے کو، جب کہ

نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ

یہ لوگ مخلص ہوں (اپنی وفاداری میں) اللہ اور اس کے رسول کے لئے، ۱۷۵ کوئی الزام نہیں ایسے

سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩١﴾ لا وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ

نیکوکاروں پر، اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے، اور نہ ہی ان لوگوں پر (کوئی الزام ہے)

اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ

جو آپ کے پاس آئے (اے پیغمبر!) تاکہ آپ انہیں کوئی سواری دے دیں، مگر آپ نے انہیں جواب دیا کہ میرے پاس

۱۷۳ حقیقی اور سب سے بڑی کامیابی جنت سے سرفرازی: سو اس سے اصل، حقیقی اور سب سے بڑی کامیابی کی نشاندہی فرما دی گئی۔ یعنی جنت اور اس کی سدا بہار نعمتوں سے سرفرازی کی کامیابی جو کہ اصل حقیقی، کامل اور ابدی کامیابی ہے۔ جس کے مقابلے میں دنیا کی ہر کامیابی ہیچ اور نہ ہونے کے برابر ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ اور یہ کامیابی انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے اور ہوگی جو مذکورہ بالا اوصاف سے بہرہ مند اور مالا مال ہوتے ہیں۔

وباللہ التوفیق- سو اس اصل اور حقیقی کامیابی اور فوز وفلاح سے سرفراز اور بہرہ مند ہونے کے لیے فلاں ابن فلاں کی کوئی حیثیت اور حقیقت نہیں بلکہ اصل چیز اپنا ایمان وعقیدہ اور عمل وکردار ہے۔ سو ایسے خوش نصیبوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ کرم وعنایت سے ایسی عظیم الشان جنتیں تیار فرما رکھی ہیں جن کے نیچے سے طرح طرح کی عظیم الشان نہریں بہ رہی ہونگی جہاں ان خوش نصیبوں کو ہمیشہ ہمیش کے لیے رہنا نصیب ہوگا۔ سو یہی ہے اصل اور حقیقی کامیابی- اللہ تعالیٰ محض اپنی فضل وکرم سے نصیب فرمائے- آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

۱۷۷ دیہاتی منافقوں اور انکے کردار وانجام کا ذکر: -"معذر" اس کو کہتے ہیں جو خواہ مخواہ کے بہانے بنائے۔ اسی لئے ہم نے اس کا ترجمہ "بہانہ باز" سے کیا ہے- والحمدللہ- بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ دیہاتی بہانے باز، جھوٹے حیلے بہانے لیکر پہنچ گئے تاکہ ان کو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھ رہنے کی اجازت دی جائے۔ سو یہاں سے "اعرابی" یعنی دیہاتی منافقوں کا ذکر شروع ہورہا ہے جبکہ اس سے پہلے اہلِ مدینہ کے منافقوں کا ذکر تھا۔ (روح اور صفوۃ وغیرہ)۔ "اعراب" "اعرابی" کی جمع ہے اور یہ لفظ دیہاتی اور بدوی عربوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ سو اطرافِ مدینہ اور صحرائی بادیہ نشینوں میں سے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے ان کی اکثریت ایسی تھی جو دین کی حدود وقیود کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ وہ بالکل جاہل، بے خبر، اجڈ اور گنوار قسم کے لوگ تھے۔ اور یہی وہ لوگ تھے جو بعد میں اس فتنۂ ارتداد کی آگ کے ایندھن بنے جس کو بجھانے کے لیے حضرتِ ابوبکر صدیق - رضی اللہ عنہ - کو سر دھڑ کی بازی لگا دینا پڑی۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے بہانہ باز دیہاتی آپہنچے تاکہ ان کو گھروں میں بیٹھے رہنے کی اجازت دی جائے۔ اور اسی طرح گھروں میں بیٹھے رہے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ بولا تھا اللہ اور اس کے رسول سے۔ سو عنقریب ہی پہنچ کر رہے گا ایک بڑا ہی دردناک عذاب ان لوگوں کو جو اڑے رہے تھے اپنے کفر وباطل پر- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر قسم کے زیغ وضلال سے محفوظ رکھے- آمین۔

۱۷۸ صدقِ نیت کی عظمتِ شان کا ایک مظہر ونمونہ: - سو اس سے صدقِ نیت کی عظمتِ شان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ محض صدقِ نیت کی بناء پر جہاد میں شریک نہ ہونے کے باوجود ایسے مخلص اور خوش نصیب لوگوں کو جہاد کے اجر وثواب میں حصہ دار قرار دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ صاحبِ عذر ہونے کے ساتھ ساتھ دل کی نیت اور ارادہ کا درست ہونا بھی ضروری ہے۔ یعنی وہ عذر کی بناء پر خوش نہ ہوتا ہو کہ اچھا ہوا مجھے بہانہ مل گیا اور جان چھوٹ گئی۔ پس اسے دل میں اس بات کا افسوس ہو کہ میں شرکتِ جہاد کے شرف سے محروم رہ گیا ہوں اور اس ارادہ ونیت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہ دلوں کا مالک تو وہی ہے۔ پس اس سے معاملہ بہرحال درست رکھنا چاہئے - نَسْأَلُکَ اللّٰھُمَّ التَّوْفِیْقَ لِذَالِکَ وَالسَّدَادَ وَالثَّبَاتَ عَلَیْہِ- سو اس طرح یہ لوگ اپنے اَعذار کی بناء پر جہاد میں شریک نہ ہوسکنے کے باوجود جہاد کے اجر وثواب میں شریک ہونگے، جیسا کہ آثار وروایات میں مختلف طور پر اسکی تصریح فرمائی گئی ہے۔ سو یہ صدقِ نیت کی عظمتِ شان کا ایک اہم پہلو ہے کہ اسکے نتیجے میں آدمی عمل میں شریک نہونے کے باوجود اسکے اَجر وثواب میں حصہ دار بن جاتا ہے۔ بلکہ صحیح حدیث میں تو اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "مومن کی نیت اسکے عمل سے بھی بہتر ہے۔" "نِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ" - وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وَعَلٰی مَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ -

أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ

تو کوئی ایسی چیز نہیں جس پر میں تمہیں سوار کر سکوں، تو یہ لوگ واپس لوٹ گئے اس حال میں کہ ان کی آنکھوں سے

الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ﴿٩٢﴾ إِنَّمَا

آنسو بہہ رہے تھے، ١٧٦ اس غم میں کہ وہ کچھ نہیں پاتے خرچ کرنے کو (اللہ کی راہ میں،) الزام تو

السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ

ان لوگوں پر ہے جو اجازت مانگتے ہیں آپ سے، درآنحالیکہ

أَغْنِيَاءُ ۚ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ

وہ مالدار ہیں، وہ راضی ہوگئے اس بات پر کہ وہ رہیں پیچھے رہنے والیوں کے ساتھ،

وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٩٣﴾

اور اللہ نے مہر لگا دی ان کے دلوں پر، (ان کے خبثِ باطن کی بناء پر،) ١٧٧ سو یہ جانتے نہیں (اپنے حقیقی نفع و نقصان کو)

١٧٦ صدقِ ایمان کی ایک نشانی، نیکی سے محرومی پر رو پڑنا: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے سچے اور مخلص لوگ جہاد کے لیے سواری نہ ملنے کے نتیجے میں غم اور افسوس کے باعث روتے ہوئے واپس لوٹتے ہیں۔ اور ایسے کہ گویا ان کی آنکھیں حوض ہیں جو کناروں سے بہ پڑے ہیں۔ اس لئے کہ یہاں پر "تَدْمَعُ" نہیں بلکہ ﴿تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ﴾ فرمایا گیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرتِ ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ ایسے حضرات کا لقب ہی "بَكَّائِيْنَ" "بہت زیادہ رونے والے" پڑ گیا تھا۔ (المراغی وغیرہ)۔ اور یہی حال ہوتا ہے سچے ایمان والوں کا کہ نیکی اور بھلائی سے محرومی پر وہ روتے اور افسوس کرتے ہیں جبکہ نفاق کے روگی اسکے برعکس اس کو اپنی چالا کی سمجھتے اور اس پر خوش ہوتے ہیں، جیسا کہ ابھی کچھ ہی اوپر گزرا ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰہِ ۔ سو شرکتِ جہاد سے محرومی پر رونا انکے صدقِ ایمان کی نشانی ہے کہ مومنِ صادق نیکی کا حریص ہوتا ہے۔ اس لیے نیکی سے محروم ہونے پر رو پڑنا ایک طبعی امر ہے۔ اور یہ رونا ایسے لوگوں کے صدق و اخلاص کی نشانی ہے۔

١٧٧ منافقوں کے دلوں پر مہر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے مہر لگا دی ان کے دلوں پر انکے خبثِ باطن کی بنا پر۔ سو اس ختم اور مہر کے ذمہ دار یہ لوگ خود ہیں۔ ورنہ حضرتِ حق ۔ جل مجدہٗ ۔ کے یہاں سے محرومی کسی کے لئے بھی نہیں۔ بلکہ بخشش ہی بخشش اور عطاء ہی عطاء ہے ۔ سبحانہ وتعالیٰ ۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ کوئی اپنے دل کے دروازے خود ہی بند کر دے۔ اور اس طرح وہ اپنے آپ کو نورِ حق و ہدایت سے محروم کرنے کا سامان خود ہی کرے کہ "خود کردہ را علاجے نیست" ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِيْمِ ۔ سو ایسے لوگ جب اپنی غلط روی سے باز نہیں آتے تو قانونِ قدرت کے مطابق انکے دلوں پر اسی طرح مہر کر دی جاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ فکر و عمل کی ہر کجی اور ہر قسم کے زیغ و انحراف سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے اور ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ کے سائے میں رکھے ۔ آمین۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ

عُمدة البیان فی تفسیر القرآن

المعروف

تفسیرِ المدنی (الکبیر)

جلد دوم

(از قلم حقیقت رقم)

شیخ التفسیر حضرت مولانا ابو طاہر محمد اسحاق خان صاحب المدنی
(حفظہ اللہ ورعاہ وتقبل مساعیہ وجعل اُخراہ خیراً من اُولاہ)

دار العلوم الاسلامیہ کشمیر الحرۃ
پلندری، ضلع سدھنوتی
آزاد کشمیر، پاکستان